

تحریک قرامطہ کی پراسرار داستان

بغداد کی رات

KHAN BOOKS

& LIBRARY

S-527, BHABRA BAZAR, KARACHI

Cell: 0345-5048634 - 0345-5048635

Prop: Ali Khan

قسم اجالوی

مکتب القریش، چوک اردو بازار لاہور

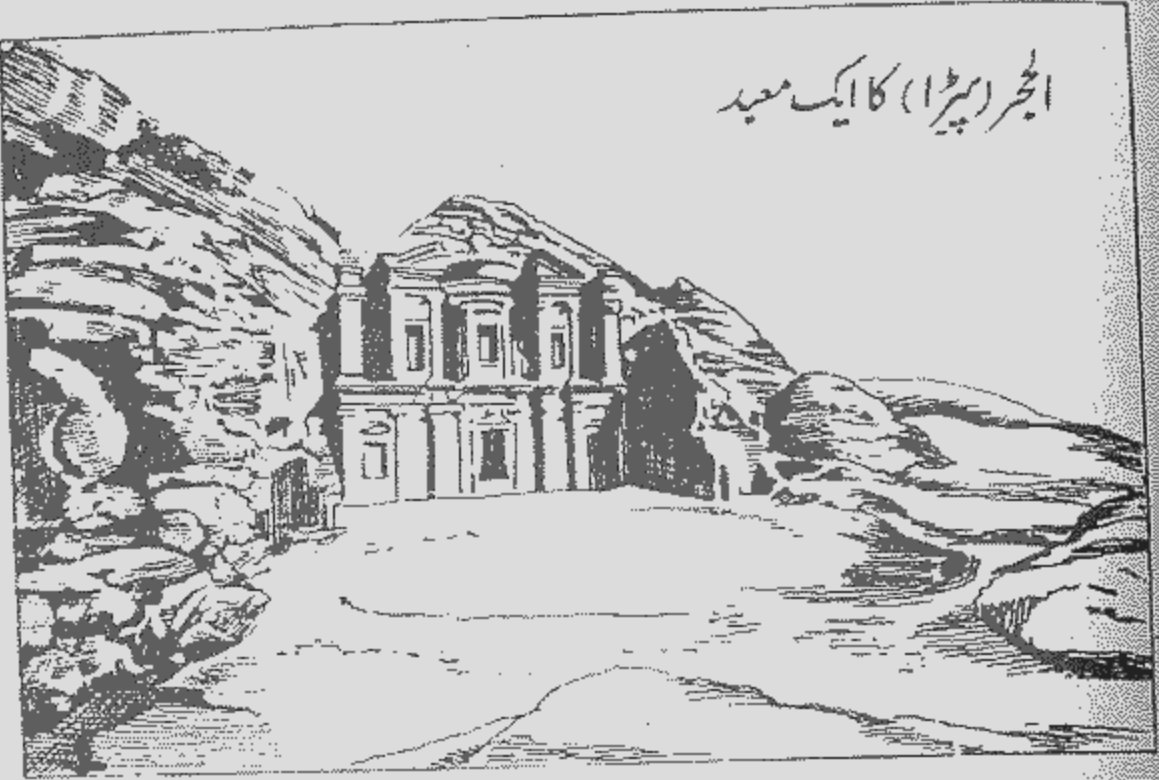
www.urdukorner.com

KHAN BOOKS
& LIBRARY
S-527, BHABRA BAZAR, KARACHI
Cell: 0345-5048634 - 0345-5048635
Prop: Ali Khan

”وہ لوگ جنہیں تاریخ سے ذرا سا بھی لگاؤ ہے قسم اجالوی صاحب کا یہ ناول
بہت پسند کریں گے کیوں کہ انہوں نے ”چاہِ بابل“ کی طرح اس ناول کے
سلسلے میں بھی بہت تحقیق کی ہے۔“

(رخسانہ سہما منیر، کراچی)

الحجر (پیرا) کا ایک معبد

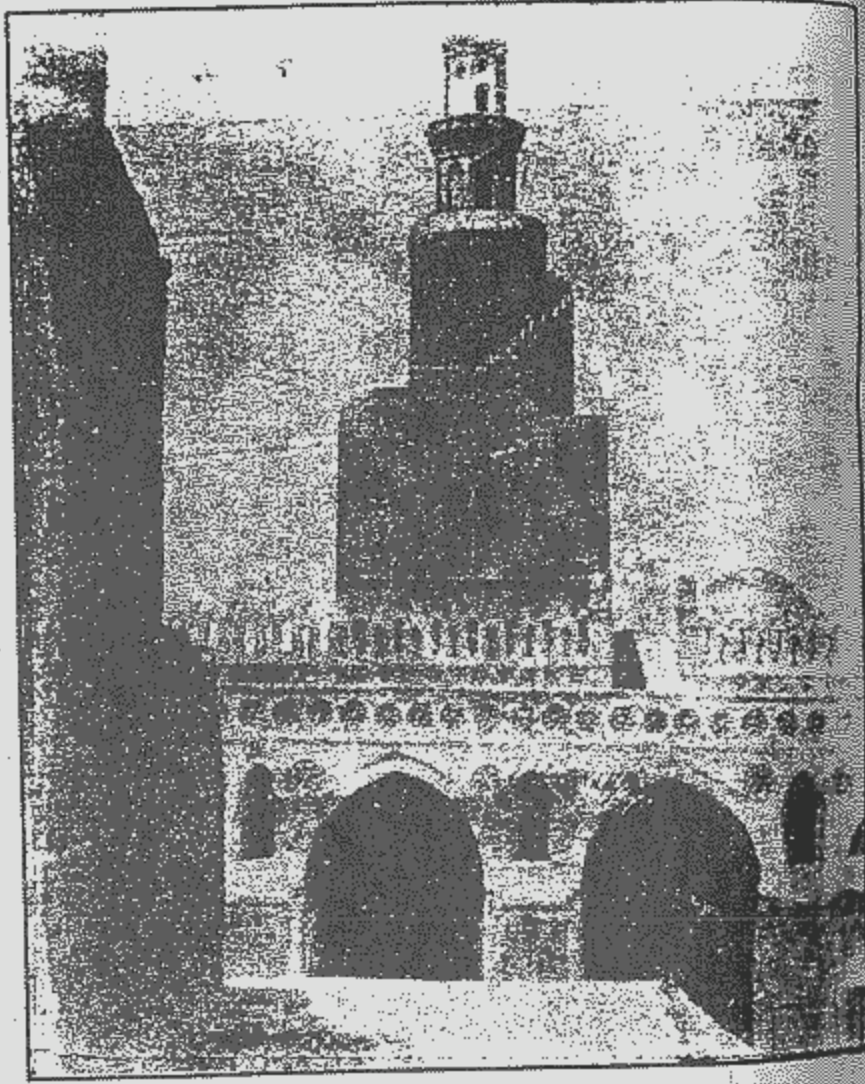


الحجر کے علاقے میں قصر العمرد یا ویران معبد



www.urdukorner.com

بادیہ شام کے حاشیے پر ملکہ الزباء (زنوبیہ) کی ریاست تدمر کی دیوارِ فرستج



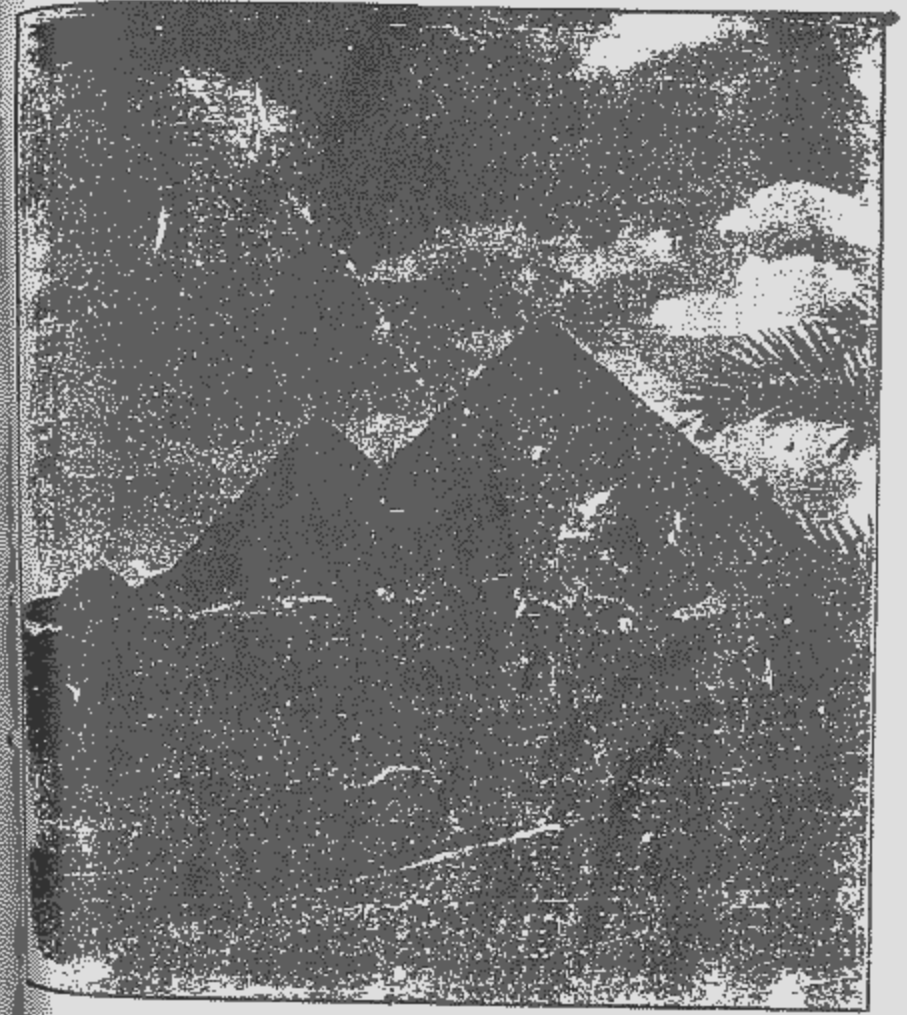
القطاع (موجودہ قاہرہ کے جنوب) میں مسجد احمد بن طولون
القطاع اگرچہ کھنڈروں میں تبدیل ہو چکا ہے مگر مسجد
ابن طولون آج بھی اپنے فنِ تعمیر کے ساتھ موجود ہے۔



فصل بغداد سے باہر مشہور عباسی ملکہ زبیدہ خاتون
کے مقبرے کا منظر۔ زبیدہ خاتون خلیفہ
ہارون الرشید کی بیوی تھی

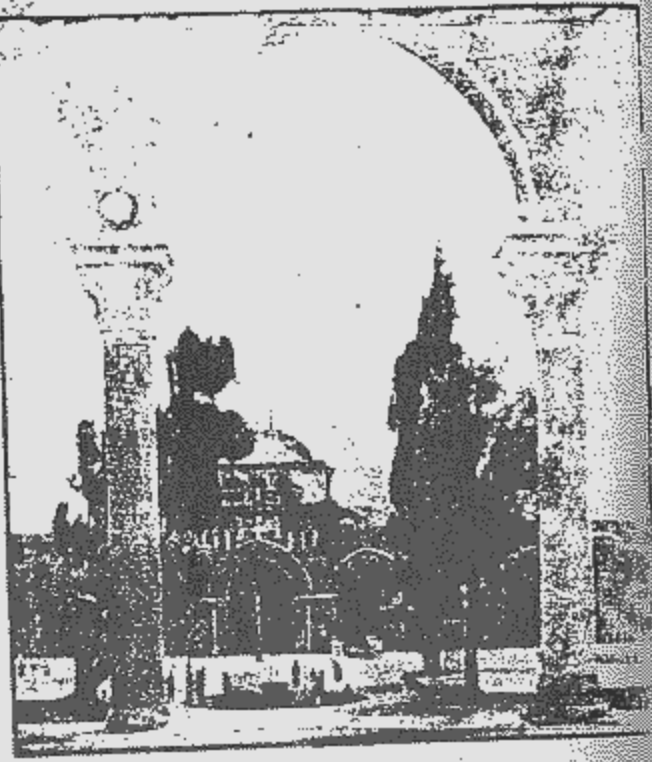


وادی اہرام مصر میں فرعونوں کے مقبروں کا پاسبان
دیوتا ابوالہول - ابوالہول کے بارے میں تفصیلاً
کتاب میں مزاحفہ فرماتے

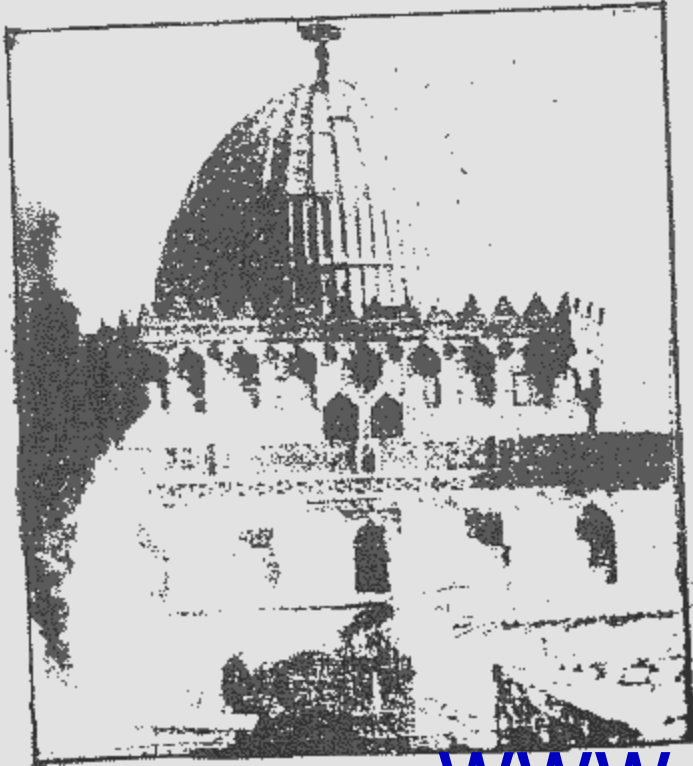
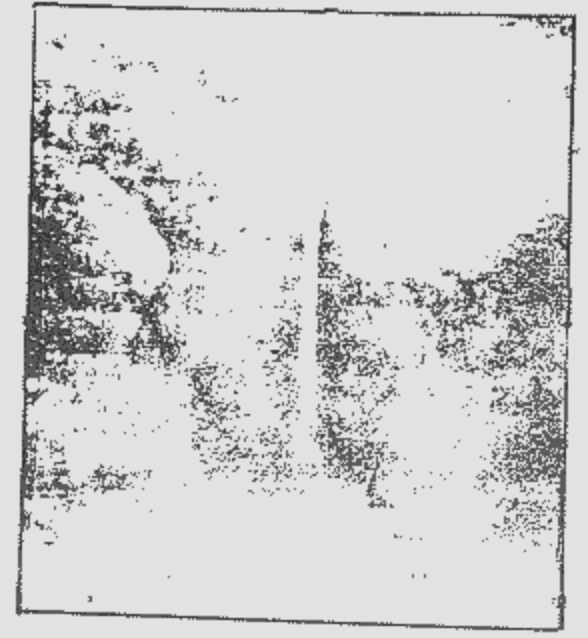


وادی اہرام میں فرعون خوفو اور فرعون منقرع کے مقبرے - کتاب
کے اندر خوفو کے مقبرے (ہرم کبیر) کے متعلق تفصیلی معلومات
فراہم کی گئی ہیں۔

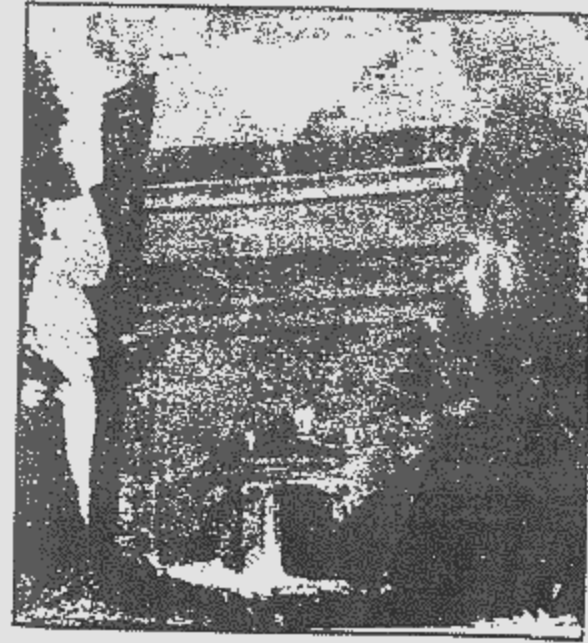
بیت المقدس
میں
مسجد اقصیٰ
کا منظر



الحجر کے علاقے مدائن صالح
میں قوم ثمود کی پہاڑی
عمارتوں کے آثار۔
یہ آثار حبشہ اٹالت میں
موجود ہیں



فساطط (موجودہ)
قاہرہ کے جنوب
میں، حضرت
امام شافعیؒ کا
مزار



قوم خود حضرت صالحؑ
کی نافرمانی کے نتیجے
میں شدید زلزلے سے
آنا فنا تباہ ہو گئی تھی۔
رکاب میں تفصیلات
(دیکھیے)



سراقمر



قمر اجالوی

پیش لفظ

(جناب پروفیسر جیلانی کامران ایم۔ اے)

تاریخی ناول کی سب سے نمایاں خصوصیت غالباً یہ ہے کہ اس کا سارا تاخیر کہانی سے پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے تاریخی ناول نگاروں کی پہچان بھی اس امر سے ممکن ہوتی ہے کہ انہوں نے کس نوع کی کہانی کو اپنے ناول کا محور بنایا ہے۔ تاہم محض کہانی سے کوئی بھی ناول لکھا جاسکتا ہے۔ لیکن کہانی کو تاریخ کے ساتھ منسلک کرنے سے تاریخی ناول نگار اپنے لیے متعدد مسائل اور آزمائشیں بھی پیدا کرتا ہے اور یہ سوال عموماً پوچھا جاسکتا ہے کہ اس نے اپنے ناول کے لیے تاریخ کا کوئی خاص زمانہ ہی کیوں منتخب کیا ہے؟ اور ایسا کرتے ہوئے اس کا مقصد کیا ہے؟ ایسے سوال کی موجودگی میں یہ کہنا کسی طرح غلط نہ ہوگا کہ تاریخی ناول نگار اپنے فن کو اور اپنی کہانی کو کسی طوع اس مقصد سے الگ نہیں کر سکتا جو مقصد اس نے دانستہ یا غیر دانستہ انداز میں اپنے لیے ناویرا کی حیثیت میں پہلے سے چنا ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے تاریخی ناول کا تعلق بامقصد ادب کے ساتھ ہے۔

تاریخی ناول سے میلا اپنا تعارف انگریزی کے آن ناولوں کے حوالے سے ہوا جو ماضی کے واقعات کو اپنی کہانی کا محور بناتے ہیں۔ تاہم ان ناولوں میں اس نوع کی مقصدیت نظر نہیں آتی جو قمر اجالوی کے ناولوں میں دکھائی دیتی ہے۔ انگریزی کا تاریخی ناول معاشرے اور زمانہ رفتہ رفتہ کے امتزاج کو پیش کرتا ہے۔ غالباً اس کے لیے یہ مسائل کوئی اہمیت نہیں رکھتے کہ رچرڈ شیپول صلیبی جنگ پر کیوں روانہ ہوا اور صلاح الدین ایوبی کے کردار کی جادویت اس طرح عمل نظر کیوں ہے؟ والٹر سکاٹ صرف کہانی پر نظر رکھتا ہے اور کہانی کے طلسم کو قائم رکھنا اس کے لیے ضروری دکھائی دیتا ہے۔ افراد کے عروج و زوال سے اس کا بہت کم تعلق نظر آتا ہے۔ یہ نگری پہلو کچھ اس لیے بھی غور طلب ہے کہ انگریز اور دوسرے یورپی تاریخی ناول نگاروں کا اس تجربے اور واردات سے سابقہ نہیں پڑا تھا جو ہمارے تاریخی ناول نگاروں کی ذہنی نشوونما کا جزو رہا ہے۔

قمر جاناوی نے اپنے تاریخی ناولوں سے پہلے جو کہانی تخلیق کی ہے وہ اپنے کینوس کے لحاظ سے منفرد ہے۔ ایسا کینوس برصغیر سے تاریخی ناول نگاروں میں بہت کم دکھائی دیا ہے۔ اس لیے اپنی دوست کے اعتبار سے ایسا کینوس بہت سے مسائل بھی پیدا کرتا ہے۔ مگر قمر جاناوی نے اس کینوس کو اپنے ناولوں میں جس کامیابی اور خوش اسلوبی سے استعمال کیا ہے اس کو قمر جاناوی کے فن میں کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ اسے وسیع تر کینوس کو قاری کے استغراق کے ساتھ ہم آہنگ کرنا معمولی کام بھی نہیں ہے اور کہانی کی دل چسپی کو تازہ دم رکھنا بھی آزمائشوں کو پیدا کر سکتا ہے۔ قمر جاناوی کی کہانی میں اس خصوصیت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اسی ضمن میں قمر جاناوی نے واقعات اور تاریخ کے باہمی رشتے کو جس طرح اپنی کہانی کا جزو بنایا ہے اسے بھی ملحوظ نظر رکھنا ضروری ہے۔ انہوں نے واقعات کو مورخ کی نظر سے بھی دیکھا ہے اور ناول نگار کے زاویوں سے بھی ان پر نگاہ ڈالی ہے۔ ایسے طریق کار نے جہاں ان کو واقعات کی تاریخی منطق کو جاننے اور سمجھنے کی سہولت فراہم کی ہے وہیں تاریخی شواہد کو دیکھ کر غیر بائیسویں الزامات کی زد سے بھی پوری طرح بچانے میں مدد دی ہے لیکن مورخ اور ناول نگار۔ دونوں نے کہانی کو کسی طرح ضائع نہیں ہونے دیا اور یوں اپنے تاریخی ناول کو ایک جامع تخلیقی صورت دی ہے۔ مورخ کے آجانے سے یہ تو کہانی نگار اپنا قلم روک دیتا ہے اور نہ ناول نگار ہی اپنے وسیع تر انداز نظر سے دست کش ہوتا ہے۔ قمر جاناوی کے تاریخی ناول میں فن کار کے تینوں زاویے باہم کار فرما دکھائی دیتے ہیں اور تینوں مل کر جس دنیا کی تشکیل کرتے ہیں وہ دنیا قاری کو اپنی طرف راغب کرتا ہے۔ اسے اپنی دنیا میں سفر کرنے پر تیار کرتی ہے۔ اسے اپنی دنیا کے اظہار اور دنیا سے متعارف کرتی ہے اور بالآخر اس اخلاقیات سے روشناس کرتی ہے جو واقعات اور افراد کے پس پردہ اپنے نفسی باتھوں سے فیصلے تحریر کرتی ہے اور کہانی کو انسانی زندگی کی تشکیل میں بدل دیتی ہے۔ قمر جاناوی کی اس تخلیقی دنیا کا اپنا اختیار وجود بھی دکھائی دیتا ہے اور جس قدر یہ دنیا عہد حاضر سے زمانی مسافت کے اعتبار سے دور نظر آتی ہے اسی قدر اس کا اخلاقی شعور عہد حاضر کے قاری کو نئی سوچ کے کرب سے روشناس بھی کرتا ہے۔ قمر جاناوی کے ناولوں کی ایک قابل ذکر خوبی واقعات کی پراسرار کیفیت بھی ہے۔ ناول جس دنیا کی نقاب کشائی کرتے ہیں وہ اسے پراسرار اور اس کے ماحول کے ساتھ ہم آہنگ

دکھائی دیتے ہیں لیکن یہ تمام تر جزئیات اور ان کے اجزائے ترکیبی کسی مافوق الفطرت جنت سے کوئی رابطہ اور رشتہ نہیں رکھتے۔ قابل غور امر یہ ہے کہ ان ناولوں کی پراسرار دنیا تاریخ ہی کے بطن سے رونما ہوتی ہے اور مقام اور زمانے کی مسافت کے سبب اس دنیا کے نقش و نگار تبدیل ہوتا ہے پراسرار ہوتے چلے جاتے ہیں۔ چاہے بابل میں یہ اجزاء بابل کی تہذیب، معاشرت کی کیفیت، عورت اور مرد کے رشتے، ماحول اور حکومتوں کے تعلقات اور بنی اسرائیل کی اسیری کے ایام سے برآمد ہوتے ہیں۔ جن کو بابل کے پُرانے عہد نامے کی پیش گوئیوں، مورخین کی دریافتوں اور تاریخ اساطیر کی تفصیل سے خیر مانوس اور اور دور از فہم صورت دی گئی ہے۔ ہاروت و ماروت کو بنی اسرائیل کی رہائی کے پس منظر میں نیا مفہوم دے کر چاہے بابل کو اس زمانہ بعید کی عقوبت گاہ قرار دیتے ہوئے بنی اسرائیل کی قومی سرگزشت کو تحریک آنادی کی اولین جدوجہد گردانا گیا ہے۔ قمر جاناوی کے ناول اس طرح قابل اعتماد تاریخی و شادین بھی بنتے ہیں اور ادب میں اپنے لیے منفرد مقام کا حق بھی محفوظ کرتے ہیں۔ قمر جاناوی۔ ناول نویسی میں جس خلوص، محنت، تحقیق اور استقلال کو بروئے کار لے ہیں وہ ناول نگاروں میں بہت کم دکھائی دیتا ہے۔

مقدس مورتی اور چاہے بابل کے مقابلے میں بغداد کی رات زمانے کے اعتبار سے ہماری یادداشتوں میں باضنی قریب سے تعلق رکھتی ہے۔ اس ناول کی کہانی کے رشتے تیسری صدی ہجری سے پیدا ہوتے ہیں۔ جہاں اقتدار اور کشمکش، تہذیب و تمدن کے ساتھ ساتھ بنو عباس کی سطوت و شوکت کا کارواں بھی زمانے کی ہواؤں کی زد میں آئے دکھائی دیتا ہے۔ بغداد کی رات اپنے عہد کی عظیم سیاسی اور تمدنی قوت بنو عباس کے کلچر کی اندرونی واردات کی رو دا بیان کرتی ہے۔ اور شمالی افریقہ سے بغداد تک حکومتوں اور سلطنتوں کے ٹوٹے بگڑتے سلسلوں کی نشاندہی کرتی ہے۔ تاہم یہ سارے خرد و خیال بنو عباس کے دور اقتدار کی خارجی صورت کشی کا ذکر کرتے ہیں۔ قمر جاناوی نے اس خارجی صورت گیری کے باطن میں جھانکتے اور اس غیر واضح دنیا میں صورت پذیر ہوتے ہوئے محرکات کی نشاندہی کرتے ہوئے تحریک قرامطہ کو بالخصوص نمایاں کیا ہے۔ ہمارے زمانے میں تحریک قرامطہ کا ذکر عموماً سرسری سا ہے اور ہمارے اہل دانش بھی اس تحریک کی منفی نوعیت کی اہمیت کو فراموش کرتے رہے ہیں۔ بغداد کی رات اس خفیہ

تحریر کے اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے ہمارے عہد کو بھی ایسے اندیشوں اور خطرات سے خبردار کرتی ہے جو قوموں کے زوال کا سبب بنتے ہیں۔

اس ناول میں قمر اجنالوی نے ابن خلدون کے فلسفہ تاریخ کو اپنی کہانی کا مرکز بناتے ہوئے زوال کو اقتدار کی غلام گردشوں سے رونما ہوتے دکھایا ہے۔ زوال کبھی خارج سے وارد نہیں ہوتا بلکہ اقتدار یافتہ اور اقتدار پسند طبقوں ہی کی جہلتوں سے اپنی طاقت اور منفی قوت اخذ کرتا ہے۔ دراصل یہ فلسفہ قوموں کی توانائیوں کے زائل ہونے کی کیفیت کو نہایت اہم گردانتا ہے۔ بنو عباس کی ساری توانائیاں بے موت زائل ہوتے دکھائی دیتی ہیں ان کے اندیشے ملی اور قومی کی بجائے شخصی و علاقائی نظر آتے ہیں۔ جن کے باریک رگ دریشوں کے ساتھ بندھے ہوئے بے شمار انسان بے کار کاموں میں اپنی زندگیوں کو ضائع کرتے سامنے آتے ہیں۔ قمر اجنالوی کا نقطہ نظر ایسے منظر کو دیکھتے ہوئے ایک ایسے شخص کے زاویہ نگاہ سے مشابہ دکھائی دیتا ہے جو تاریخ کے اس سانچے کو دیکھتے ہوئے صرف یہی کہہ سکتا ہے کہ ان سب لوگوں کو دیکھو! اور عبرت حاصل کرو..... کہ زوال کبھی بلند آواز کے ساتھ وارد نہیں ہوتا۔ یہ انسانوں کو ان کی نیندوں میں مسحور کرتا ہے اور جب وہ جاگتے ہیں تو دنیا ان کی پہچان سے ناخبرم بلکہ کہیں دُور گم ہو چکی ہوتی ہے۔

قمر اجنالوی کا ناول بغداد کی رات کہانی بھی ہے۔ تاریخ کا ایک قابل ذکر واقعہ بھی ہے اور عالم اسلام کے باطن میں مسلسل بے چین کرنے والے کرب کی داستان بھی ہے۔ اپنے تاریخی ناول کے سفر میں قمر اجنالوی نے ہمارے عہد کو بغداد کی رات کی تمثیل فراہم کی ہے۔ تاکہ ہمارا عہد بھی اس گزرے ہوئے عکس نامے میں آکر غم و خال کو پہچان سکے جو قوموں کیلئے پریشانیوں کا سبب بنتے رہے ہیں۔ قمر اجنالوی کا یہ ناول یقیناً ہمارے تاریخی ناولوں میں ایک قابل ذکر تصنیف کا اضافہ کرے گا۔

جلد ۱ - ان

www.urdukorner.com



لاہور

۵ جون ۱۹۸۹ء

یہ ۲۷۹ ہجری یا ۸۸۲ عیسوی کی ایک گہرا آلودہ صبح کا واقعہ ہے۔

خلافت عباسیہ کا جواں سال اور جواں ہمت ولی عہد احمد ابو عباس اپنے خاص محافظوں، غلاموں اور میرنیکار غیاث الدین کے ہمراہ دشت فرات میں خیمہ زن تھا جو شام اور عراق کی سرحد کے اردھر اور اُدھر دریا کی چوڑی پٹی کے ساتھ ساتھ میلوں تک پھیلا ہوا تھا۔

دریا ئے فرات شاید ابتدائے آفرینش سے جاری ہے کیوں کہ لکھا ہے، یہ اُن چار نہیوں میں سے ایک نہی ہے جو تخلیق کائنات کے ایام میں باغِ حیات کی آبیاری کے لیے جاری ہوئی تھیں۔ فرات شمال سے جنوب کی سمت ذرا ترچھے رخ بہتا، شام سے نکل کر سرزمین عراق میں داخل ہوتا اور دریا ئے وجہ کے حسین شہر بغداد سے کئی میل مغرب سے گزرتا پھر بصرہ کے قریب وجہ سے ہم آغوش ہو کر شط العرب کی آبی گزرگاہ بننا ہوا خلیج فارس میں گرتا ہے۔

ماضی میں اس دریا نے مصر و شام کے درمیان ایک غلو بل آویزش دیکھی۔ مختلف قوموں میں خونریز جنگیں دیکھیں اور شام کو مصری استعمار کا باج گزار ہوتے بھی دیکھا۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ فرانٹہ مصر کے بارہویں خاندان کے دور میں جب مصریوں نے اس علاقے کو فتح کیا اور پہلی بار دریا ئے فرات تک پہنچے تو اس کی روانی دیکھ کر بڑے حیران ہوئے کہ یہ دریا

تھا۔

دونوں ملکوں کی دفعہ قی کو پانی فراہم کرنے کے علاوہ شاہانِ جنوبِ فرات کی چوری چٹی پر وہ گھٹنا بید جس کا پچھلے شام میں اور زیادہ حصہ عراق میں واقع تھا۔ جنگی جانوروں اور درندوں کی آرام گاہ بھی تھا اور شکار گاہ بھی جہاں کوئی تنہا آدمی شکار کیلئے کی جڑت نہیں کر سکتا تھا۔ احمد ابو عباس تین روز سے اسی جنگل میں شکار کھیل رہا تھا۔ دشتِ فرات کی چٹی سے بڑھ کر جس طرح مراچہ لگا یا گیا اور چھوٹا دریاں نصب کی گئی تھیں ان سے ایک تنگ قطی پڑاؤ کی صورت بن گئی اور ظاہر ہو رہا تھا کہ عباسیوں کا یہاں کئی ہفتے قیام کا ارادہ رکھتا ہے۔ یہ بات اس کی خصوصیات میں شامل تھی کہ وہ شکار کے لیے مہیا پڑاؤ تھا اور اس طرح سے عباسیہ کا سیارہ پرچم اس کے سر پہ پر ہوتا تھا۔

مشرق میں بہت دور سورج، چند گھنٹہ کی فاصلہ دار کھجوروں کی چھتریوں کی اوٹ سے آہستہ آہستہ طلوع ہو رہا تھا جیسے کوئی زرنگار حسینہ اپنا گھونگھٹ ہولے ہولے اٹھا رہی ہو۔ سورج کی شعاعیں لہریں چادر میں چھید ڈالتی جا رہی تھیں اور طلوعِ آفتاب کے ساتھ ہی دھند ہولے ہولے اڑنے لگی تھی۔

اس لمحے سورج سے میں جب لوگ ابھی چھوٹا دریاؤں میں دیکھے ہوئے تھے۔ پڑاؤ کے منحنی میں حرکت کی ایک لمبی نظر آ رہی تھی۔ بغداد کے شاہی شاخ اور رکابہ ہونٹکار میں عباسیوں کی آمد کے ساتھ ہی رہتے تھے، ہرنوں کی کارات کا بچا ہوا گوشت جو نئے میں ضرور تھے جس کی سوندھی سوندھی مٹک فضا میں اڑتی چہر رہی تھی کہ ناگہاں بہت دور سے آتی ہوئی ایک دباؤ نے سب کو چونکا دیا اور شاہی شاخ حیرت کی نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

دباؤ کی آواز اگرچہ مدہم تھی لیکن شاہی سر پہ کے غلاموں کی چھوٹا دریاؤں میں ہی سنی گئی، یہ کوئی معمولی آواز نہ تھی جنگل کے بادشاہ نے اپنی آمد کا اعلان کیا تھا جس سے پڑاؤ میں ایک لحظہ سرسبکی سی پھیل گئی تھا۔ نفان پر بندھے گھوڑے بھی حریف سے سختیاں بدلنے اور اپنے شرم زمین پر مارنے لگے۔ فوراً تین چار غلام نیزے اٹھائے چھوٹا دریاؤں سے نکل آئے اور دیا کے پیلے کی طرف نظروں گاڑ دیں۔

یہ ایک خلاف معمول بات ہوئی تھی۔ جنگل پیلے دن کو سوتے اور رات کو جاگتے ہیں مگر کوئی دباؤ نہ آئے۔ وال دباؤ سے پتا چلتا تھا کہ کسی شیر کو رات شکار نہیں مل سکا اور دن کے اچانکے

اشاہ رہا ہے کیوں کہ مصر کا روزی رساں نیل جس کی نیلی شاخ ایقویہ یا اجسہ کی ایک جھیل سے اور سفید شاخ یوگنڈا کی جھیل سے نکلتی ہے، سوڈان، نو بیا اور مصر کو سیراب کرتا۔ بحیرہ روم میں جاگرتا اور جنوب سے شمال کی طرف بہتا ہے جب کہ انخولیم کے کناروں سے نکلنے والا فرات شمال سے جنوب کی سمت دونوں دواں ہے۔ یہ بات مصریوں کے لیے کسی اچھے سے کہ نہ تھی کہ فرات کا بہاؤ جنوب کی طرف اور نیل کا بہاؤ شمال کی جانب ہے۔

گزشتہ زمانوں میں اگر مصر کے فرعونوں (تختِ شمس ثالث اور عمیس ثانی) نے شاہی میں فتوحات حاصل کیں تو شام کے مسموس نے بھی مصر پر دو حاکم تین صدیوں تک حکمرانی کی تھی۔ مصر اور شام کے درمیان اگر جنگیں لڑی گئیں تو مشرق و مشرق کے خلاف اتحاد بھی ہوا تھا مگر زمانہ مصری فرعونوں، ایرانی کمرائوں، رومی قیصروں اور برقیوں کے دور بہت پیچھے چھوڑا گیا تھا اور اب دنیا کی سب سے بڑی اور طاقت ور دو اسلامی مملکت تھی جس کے دامن ایشیا، افریقہ اور یورپ تک پھیلے تھے۔

تیسری صدی ہجری میں جب خلافتِ عباسیہ اپنی تاریخِ زوال کے ورق الٹ رہی تھی عراق اور شام کے درمیان بھی بہت سے سیاسی فاصلے حاصل ہو گئے تھے کیوں کہ بنی طولون نے مصر و شام کو متحد کر کے عباسی اقتدار سے گھوٹا خلیفہ کرا لیا اور ایک نئی مملکت کی بنیاد رکھی تھی جس کا دار الحکومت اگرچہ قضاہ کے بعد القضاہ تھا لیکن اس حکومت کی گرفت دمشق تک بڑی مضبوط تھی۔ شاہی امیر مصر کے بنی طولون کے ساتھ مل کر عباسیوں کے خلاف اپنی قبائلی نفرت کا اظہار کر رہے تھے جنہوں نے بنو امیہ سے اقتدار حاصل کرنے کی خاطر خون کی ندیاں بہا دیں اور یوں کوہِ چین کو قتل کیا اور مرکزِ خلافت بھی دمشق سے بغداد میں منتقل کر دیا تھا۔ بنی طولون نے عباسیہ کے خلاف شامی امیروں کی اس نفرت سے سیاسی فائدہ اٹھایا اور انہیں بغداد سے کچھ دور ہرجم کر دیا تھا۔

سیاسی نفرت کے ان ایام میں بھی جب اسلامی سلطنت و دولت ہو چکی اور بنو عباس اور بنو طولون کے درمیان عدوت اور نفرت کے دریا حاصل ہو گئے تھے، فرات دونوں حریف سلطنتوں کے باہمی اختلافات سے بے نیاز اور جنگ و بدل کے معرکوں سے بے پروا شام و عراق کو یکساں سیراب کرتا، اپنی رواجی عظمت کے ساتھ ہٹا رہا۔ اسے دو جہینوں کی نفرت سے کوئی واسطہ نہ تھا وہ تو اپنے کناروں میں پانی سمیٹ کر لانا اور شام و عراق دونوں کے لیے اپنے دامن کشادہ رکھتا

نقاب چہرے سے اتر چکا اور سیاہ بالوں کے ساتھ ہوا میں اڑ رہا تھا۔ اس نے کچھ اور بھی دیکھا اور یہ دیکھا کہ ایک گراندیل بھورا مایہ گھوڑے اور اس کی سوار کے نقاب میں اڑا رہا تھا۔

لڑکی کے چہرے پر جو درد سے خوب صورت نظر آیا تھا، خوف و ہراس کے سامنے کاب رہے تھے کیونکہ بھوری موت جو پاس ساتھ قدم در دھاتی، بندرتیج اپنا نامد کم کر رہی تھی۔ وہ ایک بھاری بھر کم لیکن انتہائی تیز رفتار، بتر شیر تھا جس کا بھاری سراور گردن پر اڑنے پر ہونے لگا تھا۔ اناں کے بال و ہشت کا منظر ہمیشہ گور رہے تھے۔ خوف کی ان گھڑیوں میں بھی جب موت بچھا کر رہی تھی نہ تو گھوڑے کی نگاہ پر لڑکی کی گرفت ڈھیلی ہوئی تھی نہ گھبراہٹ میں پاؤں رکابوں سے باہر نکلے تھے بلکہ بڑی ہوشیاری سے گھوڑے کی پیٹھ پر جم کے بیٹھی اور جانور کو ایڑہ پر ایڑہ لگا رہی تھی کہ ورنہ سے کی زد سے دور ہو سکے جس کے خوف نے گھوڑے کو بھی برق رفتار پر مجبور کر دیا تھا۔

احمد ابو عباس یہ صورت حال دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ کچھ سوچنے اور بھاڑ کی کسی ترکیب پر غور کرنے کے لیے ایک بھی لمحہ نہیں تھا۔ ذرا سی دیر خطرناک ثابت ہو سکتی تھی کیونکہ شیر اور گھوڑے کے درمیان فاصلہ گھٹتا جا رہا تھا۔ اب تو شیر کو روکنے کے لیے اندھی جرات کی ضرورت تھی۔ احمد ابو عباس دیک کر آگے بڑھا اور ایک جھاڑی کی اوٹ میں دب گیا۔ لڑکی نے بھی اسے بڑھتے اور گتات لگاتے دیکھ لیا تھا۔ جو بھی اس کا گھوڑا جھاڑی کے قریب سے گزرا، اور جست لگا کر ورنہ سے کی راویں حائل ہو گیا۔

شیر نے ایک نیزہ بردار جوان کو اپنے آڑے آنے اور نقاب میں بے جا مداخلت کرنے دیکھا تو غرا کر اگرچہ ایسی برہمی کا اظہار کیا اور غصے میں لہرے کر ایک جھڑی کے پاس رکھا۔ اس نے نہ گول کر نوک دار نگلیاں چکائیں۔ دبا کر اپنے خوفناک ارادے کا اظہار کیا اور دم اہرنے لگا جو اس خطرے کی علامت تھی کہ اپنے حریف پر چبھنے والے گھوڑا اڑا۔ اجنبی نازمین، دونوں اس کے خوفی بیخوں سے نکل گئے تھے اور شیر کے منہ سے نغمہ چھینے کا جو بھی نتیجہ اور انجام ہو سکتا ہے، درپیش تھا۔

احمد ابو عباس نے جو اس قسم کے خطروں سے پہلے ہی دوچار ہو چکا تھا، ورنہ سے کا ارادہ جانپنیا اور نیزہ ہاتھوں میں تولنے لگا کیونکہ اپنے دفاع کے لیے پہلے خود حملہ کرنا چاہتا تھا لیکن ورنہ سے نے اتنا موقع ہی نہ دیا کہ وہ حملے میں پل کر سکے۔ آٹا کی تھچانک لگا

میں وہ آدمیوں اور جانوروں کی بوسنگھ گہر بیٹ بھرنے کے لیے غالباً خیمہ گاہ کی طرف بڑے دوسری دباؤ و زاری سے سنی گئی۔ گھوڑے خوف سے ہنسنے اور پڑاؤ کی بچھ میں بند ہو گیا۔ اگرچہ چہرے سے ترسے ترسے درختوں، جھنڈ اور کرکری کی جھاڑیوں یا زمریوں اور کرکریوں کے پھلے جھاڑ جھنڈا میں ورنہ سے کی جھلک تو نظر نہ آ سکی لیکن غلاموں نے اس کی سمت کا تعین کر لیا، جلدھر سے آواز آئی تھی اور اب وہ شمال مغرب کی جانب کسی بجائے گئے دھڑلے گھوڑے کی مدد میں بھی سن رہے تھے۔

اس انتہائی احمد ابو عباس سوز سے پس چکا تھا۔ اس نے بڑی پھرتی کے ساتھ تلوار کر سے باندھی، چوڑے پھل کا نیزہ اٹھایا اور تیر کی مانند اڑتا ہوا سراپے سے باہر آیا۔ اس کے ساتھی، محافظ اور غلام بھی ہتھیار سنبھالے پڑاؤ کے آس پاس حرکت کر رہے تھے۔ احمد نے ان پر کوئی توجہ نہ دی اور تنہا ایک طرف پھٹتا چلا گیا۔ کسی میں اتنی حرمت نہیں تھی کہ اسے روکنے کی کوشش کرتا لیکن میر شکار نے دھڑلے دھڑلے کا راستہ کاٹا اور ملجیا نہ انداز میں بولا:

"گستاخی معاف ابو عباس! بھوکا شیر خطرناک ہوتا ہے۔ آپ کا تنہا جانا مناسب نہیں۔" "غیاث الدین! تم اچھی طرح جانتے ہو کہ ہم شیر پر تنہا حملہ کرنے کے عادی ہیں۔" "پھر بھی آپ کی حفاظت میرے فرائض کا حصہ ہے۔ کم از کم اپنے غلاموں کو ساتھ لے کر جاسیے۔"

"بھین ٹھارے مشورے اور غلاموں کی ضرورت نہیں!"

یہ کہہ کر عباسی دل غم نے، جس کے مغبوط جسم میں جوانی کا خون دوڑ رہا تھا، چیتے کی طرح مٹی جست لگائی اور چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں پھٹا پھٹا چلا گیا۔ اس کا رخ شمال مغرب کی طرف تھا جہاں زمریوں کے جھرمٹ میں کہیں کہیں جھنڈ کے درخت اور بگڑ وند سے کی پھل دار جھاڑیاں تھیں۔ صبح کی اڑتی دھند میں دریا کی ترائی کی جانب کہیں بھی خطرے کے آثار نہ تھے البتہ شمال مغرب کی جانب ٹاپوں کی آواز جنگل کے پراتر اڑ سناٹے کو توڑ رہی تھی۔ احمد ابو عباس کی ہیرت زدہ نگاہیں اسی طرف دوڑ گئیں۔ پھر وہ رخ بدل کر مٹی قدموں ٹھٹھک گیا۔

جو منظر اس نے دیکھا وہ بڑا خطرناک اور بھیانک تھا۔ جھاڑیوں اور زمریوں کے طویل جھنڈ سے نکل کر ایک خوف زدہ گھوڑا جو سر پٹ بھاگا آ رہا اور پیچھے میں شرابور تھا، اچانک جھدر سے جنگل کی پٹی پر نمودار ہوا۔ اس گھوڑے پر ایک خوش لباس لڑکی سوار تھی جس کا

اور فضا میں تیرتا سیدھا سر پر آیا۔ انتہائی تیزی اور پھرتی کے ساتھ جیسے بادلوں کے جاتے پر کوندہ پکلتا ہے، احمد ابو عباس دوتین قدم پیچھے ہٹا، پھر زمین پر پاؤں جما کر اپنے مضبوط بازوؤں کی پوری طاقت سے بھاری بھر کم درندے کو نیزے کے چوڑے فولاد سی پھل پر روکا اور زخمی کر کے ایک طرف دھکیں دیا۔ حبیب شیر پرچا ہوا زمین پر گر گیا۔ زخم کھار برے بھیاں کھانڈ میں غرا یا اور ابھی خوف ناک منہ کھولے اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ نیزے کا پھل دوسری بار گزشت پھاڑتا ہوا اس کے جسم میں اتر گیا جس کے ساتھ ہی خون کی دوسری کیر نمودار ہوئی۔ غضب ناک درندے نے اگلی ٹانگ سے ضرب لگائی تو نسیبہ زراخ سے ٹوٹا اور بانس ٹوٹنے کی آواز جس کے ساتھ مقابلہ کرنے والے کا حوصلہ بھی ٹوٹ جاتا ہے، یوں سنائی دی جیسے موت نے نالی بھادی ہو۔

وہ لمحہ انتہائی خطرناک تھا کیوں کہ درندہ پچھلی ٹانگوں پر اچھلا تو کچھ فاصلے پر کھڑے شیر شکار غیاث الدین، عباسی محافظوں اور غلاموں کے علاوہ گھوڑا سوار نازنین نے بھی دیکھا کہ اس کے محسن کے ہاتھ میں ٹوٹا ہوا خالی بانس تھا لیکن شیر کے اچھلتے ہی اس نے بانس پھینک کر اتنی جی تیزی سے تلوار کھینچ لی جتنی تیزی کے ساتھ درندہ حملہ آور ہوا تھا۔ پھر سنبھل کر پوری طاقت سے اس کے سر پر وار کیا۔ اب داروہا شیر کے بھاری سر کو دو حصوں میں کاٹا ہوا نکل گیا۔ خون کا فوارہ اچھلا۔ وہ زمین پر گر کر ترپٹنے اور کرب ناک آوازیں غرا نے لگا۔ عباسی ولی عمد نے اس پر دوسری ضرب لگانے کی ضرورت نہ سمجھی اور ایک طرف ہٹ کر اس کے ترپٹنے کا نظارہ کرنے لگا۔ درندے کی غرا جیوں آہستہ آہستہ موت کی غرا جیوں میں تبدیل ہونے لگیں۔ اب وہ حرکت کرنے کے قابل نہیں رہ گیا تھا۔ احمد نے اس کے زخمی سینے پر اپنے پاؤں کا بوجھ ڈال دیا۔

یہ بہادری جرات اور شجاعت کا ایسا دل ہلا ذیستہ والا منہ ہرہ تھا جسے عباسی محافظوں اور غلاموں کے ساتھ اجنبی نازنین نے بھی حیرت سے دیکھا جو اپنے گھوڑے پر جس کے منتھوں سے ابھی تک بچاپ نکل رہی تھی۔ ایک طرف دم بخودی کھڑی تھی اس کے دل کی گھرا بیوں میں کوئی عجیب سا جذبہ بار بار یوں چل رہا تھا جیسے سمندر کی ایک لہر دوسری لہر کو آگے بڑھاتی اور ساحل کی طرف دھکیلتی رہتی ہے۔ اگرچہ وہ اس وقت بھی ایک نامعلوم ماحول محسوس کر رہی تھی کیوں کہ حادثاتی ظہیر پر شام کی سرحد ہو کر کے عباسی علاقے میں نکل آئی اور بہت سے

سیاہ فام غلام اور عباسی محافظ لمبے لمبے نیزے تھامے اس پاس ہی کھڑے تھے۔ پھر بھی وہ اپنے محسن کی بے خوفی، حیرت انگیز بہادری اور تیغ زنی کو دل ہی دل میں خراج تحسین ادا کر رہی تھی جس نے اپنی زندگی خطرے میں ڈال کر اس کی جان بچائی اور دشت فرات کے زبرد درندے کو بچا ڈیا تھا۔

سیاہ غلاموں والے محافظوں کو دیکھ کر جو اپنے چونتیس سالہ آفا کی بے مثال اور بے نظیر شجاعت پر مرعبا۔ مرعبا کہہ رہے تھے۔ اجنبی دو شیر ورنے یہ اندازہ تو غور لگایا تھا کہ وہ کسی عباسی سردار کے خیوں تک پہنچ گئی ہے کیوں کہ سواچے پر سیاہ علم لہرا رہا تھا لیکن یہ نہ جانتی تھی کہ اس کا محسن جسے نیزے اور تلوار پر غیر معمولی دسترس حاصل تھی، کون ہے اور دربار بغداد میں کیا منہ بڑھتا ہے؟ اس نے تو اپنے ذہن میں یہ سوچا تھا کہ وہ کوئی بھی بہر حال لائق ستائش ہے!

اور خون میں ات پت درندے نے آخری بار تڑپ کر دم توڑ دیا تو احمد ابو عباسی نے اس کے سینے پر رکھا ہوا پاؤں ہٹایا اور اپنی خون آلود تلوار اسی کی کھال سے صاف کر کے سیاہی میں ڈالی۔ اس اثنا میں اجنبی نازنین، جس نے اب پتھر سے پرہیز نقاب کھینچ لیا اور اپنے پریشان بال درست کر لیے تھے، گھوڑا بڑھا کر قریب آئی اور مترنم آواز اور دلکش لمبے لمبے بولی:

”ہم بے حد ممنون ہیں۔ آپ نے بروقت مدد کی اور ہماری جان بچائی۔“
احمد نے چونک کر اس کی طرف دیکھا یہ ب دلچہ کسی عام لڑکی کا نہیں ہو سکتا تھا اور وہ کوئی عام لڑکی تھی بھی نہیں۔ لباس اور انداز گفتگو سے کسی اونچے گھرانے کی دو شیر و معاون ہوتی تھی۔ عباسی ولی عمد نے دیکھا کہ سستوان ناک پر سے گزرتے ہوئے ہمیں نقاب اور پشانی کی سفید پٹی کے درمیان اس کی حسین آنکھیں ستاروں کی طرح روشن تھیں۔ ان روشن خدائی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے جن میں ترک آنکھوں کی جگہ تھی۔ اس نے اپنی انگلی آسمان کی طرف اٹھادی اور جواب دیا:

”جان بچانے والے ہم نہیں۔ رب کعبہ ہے۔“
نازنین نے بھی جواب سن کر محسوس کیا کہ وہ کوئی معمولی میر نہیں، عباسی اشراف میں سے جان پڑتا ہے۔ کہنے لگی:

بے شک رب کعبہ نے جان بچائی مگر وسیفہ آپ کو بنایا!

"یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ اس نے تم جیسی خوبصورت اور عالی ظرف و نازنین کی مدد کے لیے ہمیں منتخب کیا۔" پھر ایک پل ٹھہر کر اپنا مک سوال کر دیا۔ "کون ہو تم؟" لڑکی کچھ کہتے کہتے رک گئی شاید اپنی اسیت ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اُسے متذبذب دیکھ کر احمد نے پوچھا:

"جنگل میں کیسے آگئیں؟"

اجنبی لڑکی نے کسی دانش جو اب سے پھر گریز کیا اور صرف اس قدر کہا:

"شسوار کی مشق ہماری عادت ہے مگر فرات کے ساحل پر یہ شیر اپنا مک کہیں سے نکل آیا جسے دیکھ کر گھوڑا بدکا اور بے قابو ہو کر جب گار درندہ ہمارے پیچھے لگ گیا۔ اس نے کئی میل تک ہمارا تعاقب کیا اور دم شام کی سرحد پار کر کے اوجھڑ گئے۔"

احمد ابوعباس بڑی دلچسپی سے یہ کہانی سن رہا تھا کہ اسے یہ کہانی بھی کچھ عجیب سی لگی۔ علی الصبح شسوار کی مشق تیار کرتی ہو؟

"نہیں۔ ہمارے محافظ اور غلام آتھے رہ گئے تھے۔"

ولی عہد نے اندازہ لگایا کہ وہ شاید کسی بڑے شامی امیر کی صاحب زادی ہے جس کا قبیلہ سرحد کے آس پاس ہی مقیم ہوگا۔ نازنین سے دلچسپی بڑھتی جا رہی تھی:

"تو کیا ہے تمہارا؟"

لڑکی نے کسی ہچکچاہٹ کے بغیر جواب دیا۔ "اسمار"

"اور کچھ؟"

"کیا نام کافی نہیں ہے؟ وہ محسوس کر رہی تھی کہ اس کا محسن اس میں دلچسپی لے رہا ہے۔"

"کوئی کنیت بھی ہوگی؟"

"ہے۔ قطر الندی۔"

احمد ابوعباس نے پُر خیال انداز میں اس کی کنیت دہرائی:

"قطر الندی۔ اوس کا موتی۔ قطرۃ شبنم۔ یہ کنیت تمہارے نام سے زیادہ"

خوب صورت اور راحت بخش ہے۔ اس سے روشنی اور ٹھنڈک کا احساس ہوتا ہے۔"

اپنی تعریف سن کر معین نقاب کے اندر لڑکی کے شہابی غارنوں پر گلاب سے کھلنے لگے

ولی عہد چرمان تھا کہ اب اس کے باپ اور قبیلے کا نام دریافت کرے کہ اپنا مک رکی

کہنے لگی:

"آپ نے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔"

"ہم احمد ابوعباس ہیں۔"

قطر الندی بری طرح چونک گئی: "موفق علیہ بن منذر کے فرزند؟"

وہ مسکرا دیا: "تمہاری نظر باریک اور حائفہ تیز ہے۔"

لڑکی حیران بھی ہوئی اور خوش بھی کہ اس کا آئنا سامنا عباسیہ کے ولی عہد احمد ابوعباس

سے ہوا ہے: "پھر ہمارا سلام شوق قبول فرمائیے۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہم پر عباسی

ولی عہد نے احسان کیا ہے۔"

"تم بھی ہم پر ایک احسان کر سکتی ہو۔"

خوب صورت غنائی آنکھوں میں حیرت سی چکھنے لگی:

"کیسا احسان؟"

"ہمارے خیموں تک آگئی ہو۔ آج ہماری ممان بنو۔"

یہ ایک خوبصورت پیش کش تھی جس میں عباسی ولی عہد کے دل کی دھڑکن سنائی

دے رہی تھی لیکن کسی خیال نے اسامہ قطر الندی کو پریشان کر دیا:

"آپ کی دعوت ہمارے لیے باعث عزت ہے مگر ہم اسے قبول کرنے سے معذور ہیں۔"

"گو یا نہیں انکار ہے؟"

"انکار نہیں ابوعباس! مجبوری ہے۔"

"مجبوری! وہ بے اختیار رہنم دیا۔ یہ لفظ بوڑھا اور ضعیف ہو چکا ہے۔"

"لیکن متروک نہیں ہوا۔ قطر الندی نے وضاحت کی۔ وقت کبھی نہ کبھی ہر انسان کے

بیمروں میں مجبوری کی زنجیر ڈال دیتا ہے۔ مگر ہم مجبور نہ ہوتے تو آپ کی دعوت کا عزیز بہ صد شوق

حاصل کرتے۔"

سینے کے اندر احمد ابوعباس کا دل بڑے زور سے دھڑکا: آخر مجبوری کیا ہے؟

وہ بتانے لگی: "تھوڑی دیر کو ہمارا فلد و شوق کی طرف روانہ ہونے والا ہے اور ہم سفر پر

مجبور ہیں۔"

یقیناً جاؤ جو تمہیں ہماری یاد دلاتی رہے۔

”یہ تو آپ کا ایک اور کرم ہوگا۔“

پھر احمد نے اپنی انگلی سے چاندی کی انگوٹھی اتاری، جس میں ایک قیمتی ہیرا جڑا ہوا تھا اور اس کی طرف بڑھتی۔ قطر اللہی نے انگوٹھی اور احمد پر حساس نے ہارے بیا اور جب ان کے درمیان کھٹوں کا تبادلہ ہو رہا تھا۔ دونوں کے ہاتھ ایک دوسرے سے ٹکرائے اور انھیں یوں محسوس ہوا جیسے دو بکلیاں ایک دوسرے کو کچھوتی کر رہی ہوں۔

اس اثنا میں سوار کچھ نکلے۔ یہ کہے۔ کہ گئے۔ انھوں نے اسماعیل قطری اللہی کے ساتھ دوندے کی گاڑی بھی دیکھی لیکن احمد اب عباس پر نظر پڑی تو ریت ن ہو گئے۔ پھر ان کا منہ تنہا گئے۔ ریت اور تڑی کو سنا کر کہے ہوں۔

”قطر اللہی کا شکریہ ادا کرنے آپ کو زندہ و سلامت دیکھ رہا۔“

قطر اللہی نے اپنے محسن کی طرف ہاتھ اٹھایا۔ ”حادثہ ایہ بغداد کے ولی محمد احمد بوزہ کی ہیں۔ انھوں نے ہماری بات بھائی اور دوندے کو جاک کیا۔“

حادثہ نے عباسی ولی محمد کو پاس کی نظروں سے دیکھ کر کہا۔ ”خام تودل سے۔“

شکوہ گزار ہے جو فرض سمجھے اور کرنا چاہیے کرنا۔ وہ آپ کو داکٹر پر رات

”بھئی جو فرض کرنا چاہیے اس کے لیے کسی شہر کے ضرورت نہیں کیوں کہ بعض

فرض تھے خود شہر اور بعضی ہوتے ہیں۔ جنہیں ایمان سمجھ کر نہ کیا جاتا ہے۔“

احمد قطر اللہی نے ایک بار پھر اس پر تحسین کی نظر ڈالی۔ اس کی بات میں انسانی شرف

نمایاں تھیں جس سے عباسیوں کی بلند نظری و روح ہوتی تھی۔ حادثہ نے بھی گردن جھکا کر اس

عظیم جذبے کا اعتراف کیا جس کا اظہار عباسی ولی محمد نے کیا تھا۔ پھر فوراً اپنی ناک سے غبار

”فی البدعہ“ کے پتے تیار ہو چکے۔ دو گار۔ میرا آپ کا افتخار کہ رہے ہوں گے۔ اس سے

پہلے کہ انھیں دوندے کے والے کی خبر پہنچے جنہو کا وہیں پہنچ جانا ضروری ہے۔

حادثہ کے الفاظ نے اس بات کی تصدیق کر دی کہ فی البدعہ سفر کی مجبوری درپیش

ہے۔ قطر اللہی نے اپنے محسن کو الوداع لگا ہوں سے دیکھا۔

”ابو عباس! آپ مجھ گئے ہوں گے ہماری فوری زاری کیوں ضروری ہے۔“

”سفر ایک دن کے لیے فتویٰ بھی ہو سکتا ہے۔“

”ہمیں اس کا اختیار نہیں۔“

ٹھیک اسی لمحے شمال مغرب کی جانب ٹاپوں کی آواز ابھری اور کچھ سوار اگر دوندے کے جھڑپوں، جھٹکے، جھڑپوں اور زخموں کے طویل جھنڈ سے نکل کر جنگل کی پٹی پر گئے دکھائی دیے۔ قطر اللہی نے ان سواروں کی طرف اشارہ کیا۔

”وہ کیسے۔ ہمارے محافظ آگئے۔ ہم کسی ہمارے ہی نہیں رک سکتے۔“

احمد اب عباس نے سواروں کو دیکھ کر کہا۔ ”ہم بھی تمہیں نہیں روکتے مگر سچے ہیں۔ یہ مخالفت کتنی عجیب اور کتنی مختصر ہے۔“

”بعض مختصر لمحے یادگار بن جاتے ہیں۔ ہمارے محلوں کو ہمیشہ یاد رکھیں گے اور اس بات پر

فخر کرتے رہیں گے کہ عباسیہ کے ولی محمد احمد اب عباس نے ہم پر ایک احسان کیا تھا۔“

یہ کہہ کر اس نے اپنی لمبی خوب صورت گردن سے چھوٹے چھوٹے موتیوں کا لڑا تارا اور ہاتھ بڑھانے

کے کہنے لگی۔ ”ابو عباس! اس وقت ہمارے پاس کوئی ایسا تحفہ نہیں جو آپ کے شاندار

شان ہو۔ مگر آپ اسے ہماری کسٹ بھیجیں تو یہ حقیقتاً ہمارا قبول فرما لیں۔ شاید یہی بار

کبھی آپ کو ہماری یاد دلا سکے۔“

ان فقرات میں اس کا کچھ ایسی باتیں بھی کہیں جو ان کے درمیان نہیں ہوتی تھیں اور

یہ ان کی باتیں ”احمد اب عباس کی توقع سے بڑھ کر تھیں۔ اس نے گردن اٹھا کر دیکھی تو دونوں

کی آنکھیں پھر چار چوبیس اور اب آٹھ چار ہوتی ہیں۔ دودل دھڑکتے ہیں۔ چند منٹوں کے

لیے دونوں ایک دوسرے میں کھدکے رہ گئے۔ ہونٹ خاموش تھے مگر آنکھیں بول رہی تھیں۔

گفتگو ہو رہی تھی لیکن آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ ”احمد قطر اللہی کی خاموش نظریں کہہ رہی تھیں

شیر کے ساتھ وہ بھی شکار ہو گئی۔ ولی محمد کی نگاہوں کا مضمون بتا رہا تھا کہ حسن کا جاوہر اپنا کام

کر گیا۔“

آنے والے گھوڑوں کی ٹاپیں کچھ اور قریب سے سنائی دیں تو اسامہ نے اپنی خاموشی کو

گہری باتیں بخش دی۔

”ابو عباس! کیا ہمارا تحفہ قبول نہیں؟“

ولی محمد نے سوچ کر جواب دیا۔ ”تحفہ اس شہر پر قبول کریں گے کہ ہماری نشتانی ہی

اس کے ساتھ ہی اس نے اپنا خوب صورت ہاتھ لہرایا "خدا حافظ"

"خدا حافظ" جواب میں احمد نے بھی اپنے ہاتھ کو حرکت دی اور اجنبی نازنین جس کے بارے میں وہ صرف اتنا ہی جان سکتا تھا کہ اس کا نام اسماء، کنیت فطر السندی اور کسی بڑے امیر کی بیٹی ہے۔ اپنے محافظ سواروں کے جلو میں اسی جانب روانہ ہو گئی جب حیر سے آئی تھی۔ وہ چند لمحے وہیں کھڑا اسے جانے دیکھتا رہا۔ جب اس کے محافظ سوارو شہت فرات کے درختوں جھاڑیوں اور نرم سوں کے جھنڈ میں غائب ہو گئے تو وہ خود ہی وہاں سے بہت گیا اور گھڑیوں کی ان جھاڑیوں کی طرف ہولیا جن کے دامن میں جنگلی پھولوں کی بلیں اور پودے دوسرے دیکھ سکتے تھے۔

اس کے ہتھے ہی عراقی غلام مردہ شیر کی طرف پکے اور اس کی کھال انار نے میں مصروف ہو گئے۔



مشرق میں سورج شام در کھجوروں کی چھتر یوں سے بلند ہو چکا اور غریب، بے گم سامنے آہستہ آہستہ گھٹنے لگے تھے۔ دشت فرات کی محدود بلندی صبح سورج کی بلکی بلکی قنات سے گرم ہو رہی تھی۔ دھند دھوپ کی طرح اڑنے لگی تھی۔ لیکن غریب و زبیت بیٹے کے چہرے پر جہاں سے دریا گزرتا تھا لڑکے چادر سفید نسا رکی مانند پھیلتی تھی۔ نرائی کے مرطب مٹھے کا سکوت بھی جہاں جھاڑیاں نہ یا وہ سرسبز اور نرم سوں کے جھنڈ زیادہ گنجان تھے۔ دن کے پہلے میں قوت رہا تھا۔ درختوں، جھاڑیوں، نرم سوں اور سرکنڈوں کے درمیان پھدکتے خرگوش اور زمین بوس شاخوں یا چراؤں میں سرسرا تے جنگلی چوہے بیٹے میں نہ ندگی کی حرکت کا پتا دے رہے تھے۔ جھاڑیوں اور بکھری شاخوں کی چلیں سے کبھی کسی لومڑی کی آنکھیں خبرگاہ کی طرف جھلک بیتی اور ذرا آبی ناپ سوجاتی تھیں۔

احمد ہوجا جس کو نرائی کے جنگل میں کر دت یعنی زندگی کی لہر سے کوئی دل چسپی نہ تھی۔ وہ اس چھدری بیٹی سے جہاں فرات کے بھاری جہر کم شیر کے ساتھ مقابلہ ہوا تھا، جنگلی پھولوں کا نظارہ کرنے کے لیے آگے بڑھ گیا۔ جن پر ابھی تک شبنم کے قطرے چھوٹے چھوٹے موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔ پڑاؤ سے ڈیڑھ دو فرسنگ دور خود رو پھولوں کی چھتریاں

دور تک چلی گئی تھیں، نیلے، پیلے، اور سے، سفید، گلابی، سرخ پھولوں کی بو قونی اور رنگوں کی کشش جو اسی دن ہر کو اس قطعہ بہاراں کی طرف کھینچ لاتی تھی لیکن پھول تو صرف بہانہ تھے، دراصل وہ ان شہنی موتیوں کا نظارہ کرنے آتیاں، جراثیم، ترسیلی بیجوں اور پھولوں کی خوش بو تیاؤں پر ہزاروں کس منظر پیش کر رہے تھے۔

یہ نظارہ کوئی نیا نہ تھا۔ صبح کے وقت اکثر اس نے کہیں کہیں شبنم کے قطروں کو دیکھا اور بعض اوقات کسی سبزے پر انھیں پامال کرتا ہوا گم کر گیا تھا مگر کچ پھولوں کی جھاڑیوں پر شبنم کے موتیوں کا نظارہ دل میں ایک عجیب سی راحت اور روج میں ایک انوکھی باہدگی کے ساتھ ساتھ ایک طرف بے حسنی بھی پیدا کرتا تھا۔ جس کا کوئی نام نہ تھا لیکن لیس، اس بے حسنی کا ایک نام تو بہر حال تھا۔ فطر السندی۔ فطرہ شبنم اور اس وقت بھی جب وہ کوئی بے حسنی سے گزر رہا تھا، اجنبی نازنین کا دیا ہوا ہاتھ میں تھا۔

حیرت انگیز بات یہ تھی کہ بار کے چھوٹے چھوٹے موتی بھی، جسم میں شبنم کے قطروں کی کے برابر تھے اور سورج کی روشنی میں ان سے ایسی ہفت رنگ، شفافیت پھیلتی تھیں جو آنکھوں میں چکا چوند کی پیدا کرتیں۔ وہ ان کی چمک، رنگ دیکھ کر دنگ رہ گیا۔

بغداد کے خزانے میں میرے جو امرا ت اور نو بیوں کی کی تھی، ان سیوں نے مال و دولت کے انبار جمع کیے اور مالک محروسے لعل و گہر کی ایسی مار سو فائیں حاصل کی تھیں جن کی نظیر مشرق و مغرب کے شاہی خزانوں میں نہیں ملتی تھی مگر وہی عد نے اتنے چھوٹے چھوٹے اور ایسے تاب دار موتی پہلے نہیں دیکھے تھے۔ وہ عالم حیرت میں ان خوب صورت اور انوکھے موتیوں کو دیکھتا اور شبنم کے قطروں سے ان کا موازنہ کرتا رہا۔ وہ موتی بلاشبہ نادر اور قابلِ اہم المایاب بھی تھے۔ سورج کی روشنی میں اس کے قطروں میں کوئی رنگوں کی جھلک نظر آتی تھی۔ وہ سوچنے لگا، شاید ان موتیوں کو شبنم سے کوئی خاص نسبت ہے۔ فوراً انیال آیا کہ ایسا المایاب شہر دینے والی نازنین کی کنیت بھی تو فطر السندی (فطرہ شبنم) ہے اور یہ عجیب اتفاق تھا کہ جس طرح اس کی کنیت شبنم تھی، اسی طرح اس کے بار کے موتی بھی جسم رنگ اور چمک رکھیں شبنم کی مثال تھے۔

یہ احساس بڑا انوکھا اور خیال انگیز تھا کہ اسماء فطر السندی کا جسٹن بھی شبنم کی مانند مصفا،

پھوڑوں اور شاخوں پر سوڑھ کی رشتی میں پھٹنے دھکنے اوس کے موٹی اس کی توجہ کام کر
 بن سگئے۔ اپنا ایک خشک منی پر نظر پڑی تو اس پر ایک کانا دکھائی دیا جس کی نوک پر شہر
 کا قلعہ اس کے دل کی طرح رزدار دھڑک رہا تھا۔ شہر کا قلعہ پھول کی پتی پر مویا نوک کی روبرو
 جب رزدار سے غزل میں راحت اور فضا کا احساس پیدا ہوتا ہے اس کا نظر اللہ کی لٹائی
 عاتات بھی اسی طرح راحت بخش رہتا ہے۔ ہوتی تھی لیکن اب یہ خیال وہ دھڑکے پریشان کرنے لگا کہ
 اس کے باپ کو قبیلے کا نام کیوں نہ پڑھ دیا۔ پھر سوچا کہ اس کا قبیلہ سرحد کے پار غرات کے
 اس پاس کہیں آباد ہوگا اور کسی بھی غذا کو بیچ کر یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ اس کا قلعہ اللہ کی کس لٹائی
 قبیلے سے تعلق رکھتی اور کس امیر کی ساتھی ہے۔

یہ خیال اتنا افزائش کے کچھ نہیں ہوتی۔ سرحد پار کے بعض شاہی قبیلے جو سیوں
 کے بے نرم گوشہ رکھتے تھے۔ اگرچہ نئی ٹولن کی بیسی مسختوں نے شام کے سرحدی قبائل میں
 جیامی حکمران موفقی بن توکن کے خلاف نفرت پیدا کی تھی، اس کے باوجود وہ بارہ بندہ میں ایسی
 اطلاعات پہنچی تھیں کہ بعض قبیلے پرانی دشمنی ترک کر رہے ہیں۔ اس کا قلعہ اللہ کی لٹائی سے
 بھی خاص فرق تھا کہ وہ کسی ایسے شاہی قبیلے سے تعلق رکھتی ہے جسے عباسیوں کی دہشت گردی
 ہوگ۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ جب شکار سے لوٹے گا تو کارہی اس کے کسی بچے کو شام
 کے سرحدی قبائل کی طرف بھیجے گا جو قلعہ اللہ کی کے قبیلے سے متعلق معلومات فراہم کرے۔
 مگر اسی لمحے اپنے عقب میں قدموں کی آہٹ سن کر اس نے شہنی توبوں کا ہارٹھی میں دہرایا
 اور اندازہ کرنے لگا کہ اُسے زالا کون ہو سکتا ہے؟

ہمت کی توبوں کے علاوہ احمد عباس میں ایک انوکھا وصف یہ بھی تھا کہ پٹ پٹ کر دیکھے
 بغیر محض پیروں کی پاپ اور رفتار کے انداز سے اُسے مارے کہ پہچان لینا اور اس کا پیاس
 ہمیشہ درست ہوتا تھا۔ یہ غیر معمولی صداقت کے باعث اُس نے اپنے عقب میں ابھرنے
 والی چاپ پہچان لی اور سمجھ گیا کہ وہ مُندراہن حرب الہندی کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا جس
 کے ساتھ دہشت گردی کا تعلق بھی تھا اور جو اس کے محافظ رہنے کا سالار بھی تھا۔ اُسے اپنے انداز سے
 پریشان ہو رہا تھا کہ جو کچھ فاصلے پر قدموں کی چاپ رگی اس نے پڑے اور اُسے والے کو
 دیکھے بغیر پوچھا۔

”ابن حرب! آج تم نے اپنے خیمے سے نکلنے میں دیر کیوں کر دی؟“

”میں نے کوئی دیر نہیں کی ابو عباس! جب میرے کاچس ٹوٹا اور زخمی شیر آپ پر ہمت
 کاٹنے والا تھا۔ اس وقت میں زیادہ دور نہ تھا۔ اگر آپ کی تلواریں جاتی، تو میری تلوار اب ہرگز
 اُسے والے کے جواب نے تصدیق کر دی کہ وہ مُندراہن حرب ہے۔ ابو عباس جی
 کی طرح بہادر اور احمد عباس جی کی مانند بے رحم جو اپنے دشمن کو خواہ وہ دہندہ ہو یا کوئی انسان
 بھی معاف نہیں کرتا اور مقابلے کے وقت اس پر کھربوں گنا ہے۔ یہ ضرورت ان حدود
 میں مشترک تھی جیسی احمد ابو عباس ابن حرب کو عزت رکھتا تھا۔ اب اس نے پٹ کر مُندراہن کو دیکھا
 اور مسکرا کر کہا۔“

”میں یقین تھا تم ہم سے دور نہیں رہو گے۔“

”ابو عباس! آج کے مقابلے پر میں آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں، ایسے زبردست
 مقابلے بہت کم ہوتے ہیں۔“

”شیر بھاری بھر کم تھا، اُسے زیر کرنے میں میں پینا لگا۔“

”مگر آپ نے کوئی غلطی نہیں کی۔ نیز بھی ٹھیک مارا۔ تلوار کی ٹھیک چلائی اور نوک پر اپنی
 ہادری کی دھاک بٹھادی۔“

احمد ابو عباس چونکا اور اُسے احساس ہوا کہ ابن حرب ہادری کی ”مبارک ہاد“ دینے
 کے بجائے شاید نوک کے بارے میں گفتگو کرنے آیا ہے۔ اب خود ہی اس کا ذکر چھیڑ دیا۔
 ”بھاری شہسوار کی مشق کرنے لگی تھی کہ درندہ چھپے لگ گیا۔ کسی شاہی امیر کی نوک
 معلوم ہوتی ہے۔“

”آپ نے نام نہیں پوچھا؟“

”نام اسما ہے اور کنیت قلعہ اللہ کی۔“

ابن حرب کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ ”پھر بھی آپ اس کے
 باپ کو نہیں جانتے؟“

عباسی شہزادہ کچھ پریشان نظر آیا۔ ”کیا مطلب ہے تمہارا؟“

”گستاخی معاف، ابو عباس! میں اس کے محافظ رہنے کے افسر کو دیکھتے ہی پہچان
 لیتا تھا کہ کس باپ کی بیٹی ہے مگر آپ کی بے خبری پر حیران ہوں کہ اپنے دشمن کی لڑکی کو
 نہیں پہچان سکے۔“

احمد کی ہونٹ دیکھنے والی تھی۔ "دشمن کی لڑک، کون دشمن؟"

ابن حرب نے ذرا ٹھہر ٹھہر کے اور ان الفاظ کو ایک دوسرے سے کاٹ کر بتایا: "خامدویہ"

..... بن احمد بن طولون سلطان مصر و شام"

عباسی ولی عہد فرط تیسرے اچھل کر ایک قدم پیچھے ہٹا۔ وہ احمد بن طولون ہی تھا جس نے مصر و شام کو خلافت عباسیہ سے کاٹ کر انگریا اور اسلامی سلطنت کو دو ٹکٹ کر کے نئی طولونی سلطنت کا حکمران بن بیٹھا۔ ابن طولون عباسیہ کا بدترین دشمن تھا۔ اس کا بیٹا خامدویہ بھی مسند اقتدار پر بیٹھتے ہی عباسی ولی عہد احمد عباسی بن موفیٰ علی کو براہ راست شکست دے کر میدان جنگ میں اپنی برتری ثابت کر چکا تھا۔ آج اسی خامدویہ کی بیٹی ہانظہ ابلی اسے ایک اور مات دے گئی تھی۔ اس نے اپنے دوست کو حیرت پاش نظر دینے سے دیکھا۔

"تم کیسے جانتے ہو کہ وہ خامدویہ کی بیٹی تھی؟"

"عباسیہ کے ولی عہد کا حافظہ اتنا کمزور نہیں جتنا پاپائیے ابو عباس! کیا آپ یہ بھول گئے کہ میں مصر میں جنگی قیدی رہ چکا اور بعض مصری افسروں کو پہچانتا ہوں؟"

احمد ابو عباس کے چہرے پر یکمخت ماضی کے المناک واقعات نے اپنا سایہ ڈال دیا اور وہ تیسرے کی نظروں سے اپنی شکست کا منظر دیکھنے لگا۔

۲۷۰ ہجری میں جب موت کے مردہ ہاتھوں نے عباسیہ کے باغی احمد بن طولون کی زندگیاں کا درنیالت دیا اور اس کی لاشیں انقطاع کے ایک مقبرے میں دفن کر دی گئی تو عباسی حکمران موفیٰ ظہر بن متوکل نے اپنے بیٹے اور ولی عہد احمد ابو عباس کے لیے جنگ کا جھنڈا باندھا اور اسے عباسیہ کے لشکر دے کر مصر و شام پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ موفیٰ کا خیال تھا کہ باپ کے برتنے ہی خامدویہ عباسی حملے کی تاب نہ لائے گا اور اغاعت قبول کرے گا یا عبرت ناک شکست سے دوچار ہوگا مگر خامدویہ مصر سے نکلا اور شام کے میدانوں میں کھینچ ہوئی تو اوروں اور تنے ہوئے بھاؤں کے سانپو طوا حسین کے قریب ابو عباس کے لشکر دوں پر ٹوٹ پڑا جو رملہ تک بڑھوایا تھا۔ ولی عہد کی ہم شکست و ناکامی پر ختم ہوئی۔ وہ خود بارے ہوئے لشکر کے رہنما۔ موت آیا لیکن اس لڑائی میں بہت سے عراقی سپاہی جنگی قیدی بنائے گئے تھے۔ ان میں ولی عہد کا دوست منذر ابن حرب الکندی بھی شامل تھا جسے خامدویہ کچھ قیدیوں کے ہمراہ منسلک کیا۔ وہ کم و بیش ایک سال تک مصریوں کی تختیاں جھینٹا رہا اور جس طرح قیدی سے راہوں اس کی

روداد حدابو عباسی بن چکا تھا۔ اسیری کی اس داستان کو دہرانے کی ضرورت نہیں تھی لیکن اس کا نظر اندہی کے حوالے سے آج اسے دہرا نا ضروری ہو گیا تھا۔ ابھی حرب بنائے لگا۔

"ابو عباس! میں مصر کے پیام اسیری میں خامدویہ کے چھوٹے بھائی شہزادہ شیبان کی نگرانی میں تھا اور وہی حارث بن احمد آج شہزادی قطر الندی کے محافظ دہنے کا افسر اعلیٰ بن کر آیا۔ کوڑوں سے میری کھال اوھیر ڈیا کرتا تھا کیوں کہ میں آپ اور آپ کے والد گرامی موفیٰ ظہر بن متوکل کا خاص خدمت گار تھا اور وہی طولون کی اصل دشمنی اعلیٰ سرت موفیٰ ظہر سے تھی۔ ایک روز شہزادی قطر الندی جو ان دنوں بچی تھی، شیبان سے ملنے آئی۔ عیش کی کارواں سرائے کا مالک میلان بن عامر اس کے ساتھ تھا۔ اس نے اپنے چچا سے سفارش کی کہ مجھے عیش کی کارواں سرائے میں منتقل کر دیا جائے کیونکہ وہاں مصر و شام کے درمیان سفر کرنے والے مسافروں کی خدمت کے لیے غلاموں کی ضرورت ہے۔ شیبان نے انکار نہ کیا، مرد اپنی بیٹی سے والہانہ پیار کرتا اور اس کی ہر بات ماننا تھا۔ بلکہ اس کا کیفیت قطر الندی بھی اسی نے رکھی تھی۔ اس کی مغائش پر میں عیش کی کارواں سرائے میں منتقل کر دیا گیا جہاں سے مجھے رہائی ملی اور آپ پر چھتے میں میں قطر الندی کو کیسے جانتا ہوں؟ ابو عباس! شاید یہ اجناس تکلیف دہ ہو کہ آج آپ کی ملاقات اس دشمن کی بیٹی سے ہوئی ہے جس نے میدان جنگ میں آپ کو شکست دے دی تھی، اس لیے اپنے محافظوں اور غلاموں کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ وہ کون تھی؟"

احمد ابو عباس نے ساری گفتگو بڑے صبر و تحمل کے ساتھ سنی اور معاملے کی عجیب و غریب نوعیت پر غور کیا۔ وہ نازنین جسے کسی شامی امیر کی لڑکی سمجھ بیٹھا اور اس کے قبیلے سے متعلق معلومات حاصل کرنے کی سوچ رہا تھا۔ اب اجنبی نہ رہی بلکہ وادی نیل کی پڑا سرائے زنوں کی طرح خود بھی ایک "داستان اسرار" بن کر سامنے آئی تھی۔ احمد نے اس کے بارے میں مزید گفتگو کا ارادہ ترک کر دیا اور صرف آخری بات کا جواب دیا جس میں جنگ اور شکست کا ذکر تھا۔

"ابن حرب! جنگ! حیرت کا کھیل ہے۔ دو حربیوں میں سے فتح صرف ایک کا مقدر تھی ہے لیکن دھوپ چھاؤں کی طرح مقرر بدلتے رہتے ہیں۔ گزری ہوئی گل خامدویہ کی تھی۔ آنے والی گل ہماری ہوگی اور تم جانتے ہو، ہم اپنے دشمن کو بھولتے نہیں، یاد رکھتے ہیں۔"

"پھر اپنے دشمن کو یاد رکھیں اور اس کی بیٹی کو بھول جائیں۔"

ابو عباس کو یوں لگا جیسے ابن حرب نے اس کے دل پر ہاتھ ڈال دیا ہو بے شک وہ دشمن کی بیٹی سہی لیکن آفریدہ جمال تھی۔ ذرا تڑپ کر وہ ٹٹھی کچھ اڑ بچھنی جس میں قطر اللہی کا شبنمی موتیوں جیسا بارود بارک تھا۔ شاید اُسے بھولنا نہیں چاہتا تھا مگر کیوں؟ اس سوال کا جواب خود بھی نہیں جانتا تھا۔ انسانی زندگی میں ان گنت سوال ایسے ہوتے ہیں جن کا کوئی جواب نہیں ہوتا اور اگر کوئی جواب ہوتا ہے تو دیا نہیں جاسکتا۔ غالباً یہ سوال بھی ایسا ہی تھا۔

اُس نے بے چین نگاہوں سے ایک بار پھر شاخوں پر لرزتے، چمکتے، اوس کے قطروں کو دیکھا۔ اُن میں وہ قطرہ شبنم بھی تھا جو خشک ٹٹھی کی نوکِ خار پر تنہا کانپ رہا تھا۔ معاً اُسے خیال آیا، اگر شبنم کے یہ قطرے رات کی آنکھ سے پکے ہوئے آئس ہو، تو قطر اللہی اُس کے دشمن کی آنکھ کی پتلی ہے۔ رخسارِ رویہ کی قرۃ العین، جو اُس کی دسترس سے باہر تھی کیوں کہ عراق اور مصر کے درمیان خون کا ایک قنوم حاصل ہو چکا تھا۔ وہ اُس قنوم کے ایک ساحل پر اور شہزادی قطر اللہی دوسرے ساحل پر کھڑی تھی۔

ابن حرب نے جوابات کہہ دی، اس پر حالات کی ہر تصدیق ثبت تھی مگر وہی بات دل کو کچھ کے دے رہی تھی، کہ وہ خمارِ رویہ کو یاد رکھے اور اُس کی بیٹی کو بھول جائے۔ آخر اُسے ایک ایسی کیسے بھول جائے جو اس کے دل میں دھڑک رہی تھی، مٹھی میں بند تھی۔ گو گو کی حالت میں کھڑا سوچنے لگا کہ اپنی مٹھی میں ابن حرب کے سامنے کھول دے یا بند رکھے؟

ابن حرب نے اُسے یاد دلایا تھا کہ ابھی دشمن سے پچھلی شکست کا بدلہ لیتا اور اس کا حساب چکانا ضروری ہے جو جرنیل اور سپہ سالار اپنی شکست کو بھول جاتا اور ماضی کی غلطیوں سے سبق حاصل نہیں کرتا۔ اس پر فتح کے دروازے ہمیشہ کے لیے بند ہو جاتے ہیں۔ مگر احمد ابو عباس سوچ رہا تھا اُس کی مٹھی میں۔ نادرو موتیوں کا جو بار بند ہے، وہ صرف اس لیے دیا گیا کہ اُسے دیکھ کر عباسی دلی عہد کبھی اپنے دشمن کی بیٹی کو یاد کر لیا کرے کیوں کہ حکمرانوں کو تعصبِ زب نہیں دیتا۔ وہ صرف ہر نوں، بارہ سنگوں یا خوشخوار چیتوں اور شیردوں کا شکار نہیں کھیلتے، اپنے جن سلوک سے لوگوں کے دل بھی شکار کرتے ہیں۔ اس کشمکش میں جو اُس کے دل اور دماغ کے درمیان جاری تھی، حقیقت صرف اتنی تھی کہ آج وہ خود شکار ہو چکا تھا۔ اُس نے فیصلہ کر لیا کہ ابن حرب کے سامنے اپنی بند مٹھی نہیں کھولے گا اور قطر اللہی کے تنھے کو کسی رازِ حیات کی طرح محفوظ رکھے گا۔ کم از کم ابن حرب کو یہ عہد معلوم نہیں ہو جائیگا۔

کرور ہست خمارِ رویہ کو بھول نہیں سکتا۔ اس اثنا میں جب وہ حسین فیصلہ کر رہا تھا، لنگیاں جھجکا، کی جھنپ سمت اپوں کی آواز اُبھری۔ دونوں نے بہ یک دفت چوٹ کر دیکھا۔ کچھ عراقی سپاہی پڑاؤ میں داخل ہو رہے تھے۔ پھر انھوں نے میر شکار غیاث الدین کو اُن کے استقبال کے لیے پکھنے رکھا اور عباسیہ کے فوجی سالار محمد بن طاہر کو گھوڑے سے اُترنے پر کہا۔ اُسے دیکھ کر دونوں کے ماتھے ٹھنکے اور ایک دوسرے کو تیرت کی نظروں سے دیکھنے لگے۔

”یہ ابن طاہر ہمارے پیچھے کیوں آیا ہے؟“ ابو عباس نے پوچھا۔

”شاید آپ کے لیے کوئی ضروری پیغام ہو۔“ ابن حرب نے قیاس اُرائی کی۔

محمد بن طاہر دوبارہ اُدھر سے صرف ایک فوجی سالار کی حیثیت سے اہم نہیں تھا بلکہ عباسی حکمران موفق علی بن متوکل کے قریبی اُمیوں میں شمار ہوتا اور اپنے معاملات کا مختار تھا۔ اُس کی ایک آمد خانی از غلت نہیں ہو سکتی تھی۔ ہست خمارِ رویہ کی ہیرت اُبھر غلات کے بعد محمد بن طاہر جیسی اہم شخصیت کی دستِ فرات میں غیر متوقع آمد، آگے کا رازِ سرِ اہم واقعہ تھا جس نے دونوں کو تشویش میں ڈال دیا۔ کسی قیاس اُرائی کی ضرورت نہ تھی۔ دونوں بہ محنت شکر گاہ کی جانب ہو لیے۔

عراقی جرنیل ابھی میر شکار غیاث الدین سے باتیں کر رہا تھا کہ دونوں دباں جمع گئے۔ دلی آمدِ سلطنت کو دیکھتے ہی ابن طاہر نے ”اسلام علیکم“ کہا اور بڑے اہتمام کے ساتھ جنگ کر اوٹ بکالایا۔ ادب و احترام کا یہ انداز غیر معمولی تھا۔ ابو عباس نے تندہ بذب کے لہجے میں پوچھا۔

”بغداد کی کیا خبر ہے ابن طاہر؟“

فوجی سردار نے سوال کا جواب نہ دیا۔ اپنی آمد کا مقصد بیان کیا۔

”اعلیٰ حضرت نے آپ کو یاد فرمایا ہے۔“

”مگر چنانک طبعی کا مقصد؟“

ابن طاہر نے مفقود کی کچھ وضاحت کی۔ ”ابو عباس! جب میں بغداد سے روانہ ہوا طبیعت اور حکیم ان کے بارگاہِ جمع تھے۔“

یہ سنتے ہی دلی عہد کا کلچر دھٹک سے رہ گیا۔ چند روز قبل جب ہم شکار کے لیے روانہ ہوئے، اُن کی طبیعت بالکل ٹھیک تھی۔“

”معتبہ جگہ تھے دبش نہیں لگتی۔“ اب محمد بن طاہر نے مزید وضاحت ضروری سمجھی۔

ان کا بہ دین، اطباء و حکما کا خیال ہے کہ علی حضرت کی زندگی کے پیمانے میں صرف ایک روز
گھوٹ بٹ باقی رہ گئے ہیں اور اس سے پہلے کہ وہ گھوڑے تختہ ہوں، آپ کا دار الخلافت میں پہنچنا
ضروری ہے۔

اس اثناء نے سب کو افسردہ و غمگین کر دیا۔ ابو عباس کی بے چینی بڑھ گئی۔ باپ
کی بیماری کے ساتھ فوری واپسی کی تاکید کی اندیشے کے کرائی تھی۔ اس موقع پر ولی عہد سلطنت
کی حیثیت کی سے اُسے بغداد میں موجود ہونا چاہیے تھا کہ یوں کہ مکران دنیا سے رخصت ہوتے
وقت اپنے پیچھے حقوق و اختیارات کے کئی جھگڑے چھوڑ جاتے ہیں۔ اور کچھ عرصے سے بغداد
کا تخت خلافت بھی اقتدار کی کشمکش اور آویزش کا محور بن گیا تھا۔



طلوع و غروب

○

چند سال پیشتر موفق طلحہ اپنے بڑے بھائی محمد علی اللہ کو خلافت سے معزول کر کے خود بہرہ سراقندار آگیا تھا۔

معمد کے خلاف امور خلافت میں کوتاہی کی شکایات تھیں۔ عیش و نشاط، لہو و لعب اور بے لوثی کے الزامات بھی عائد کیے گئے۔ اُس کے عہد خلافت میں موفق طلحہ شکریوں کا سپہ سالار تھا۔ اصل طاقت اُسی کے ہاتھ میں تھی۔ اُس نے دشمنوں کے خلاف کئی فتوحات حاصل کیں۔ معتمد نے اسے اپنے بیٹے جعفر المقوض کے بعد ولی عہد بھی مقرر کر دیا۔ بیٹے کو مغرب یعنی (شام) جزیرہ اور آرمینیا) کا حاکم بنایا اور بھائی کو مشرق کی دلدلیات یعنی عراق، بغداد، حجاز، یمن، فارس، اصفہان، رے، خراسان، طبرستان، سمنان اور سندھ سونپ دیں۔ یہ وصیت بھی رقم کرائی کہ اگر میں اپنے بیٹے جعفر کے باغ ہونے سے پہلے فوت ہو جاؤں، تو میرے بھائی موفق طلحہ کو تخت پر بٹھایا جائے۔

موفق کے حاشیہ بردار مصاحب سمجھتے تھے کہ معتمد کچھ بھی نہیں، جو کچھ ہے موفق طلحہ ہے جس کے ہاتھ میں عباسی لشکروں کی کمان ہے۔ یہ حالات ایک کشمکش کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔ دونوں بھائیوں کے درمیان کئی بار لڑائی ہوئی۔ جب ۱۲۱۱ء میں موفق طلحہ

نے اپنی طاقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے معتد پر فوج کشی کر دی بعض اُمراء نے سلطنت کی بروقت مداخلت سے اگرچہ فریقین میں مسلح جوگئی لیکن رلوں میں کدورت کی آگ سکنی رہی اور ایک دوسرے کے خلاف بدگمانیاں بھی بڑھتی چلی گئیں۔ ۳۹۹ھ میں خلیفہ نے مصر میں اپنے نائب السلطنت احمد بن طولون کو خفیہ مراسلہ بھیج کر دمشق میں بلایا۔ صرف ابن طولون ہی معتد کو موافق طعنے کی فوجی ورز دستوں سے بچا سکتا تھا۔ وہ لشکر لے کر دمشق پہنچ گیا۔ ادھر معتد بھی سیر و سرکار کے بہانے سامرا سے نکلا مگر موافق کو خبر مل گئی کہ خلیفہ ابن طولون کی پناہ چاہتا اور دمشق جا رہا ہے۔ اس نے اسحاق بن کنداج کو لکھا کہ معتد کو دمشق نہ پہنچنے دے اور کسی بہانے واپس بھیج دے۔

بد نصیبی معتد کے ساتھ ساتھ سفر کر رہی تھی۔ ابھی وہ موصل اور مدینہ کے درمیان پہنچا تھا کہ ابن کنداج نے اسے جا بجا اور دمشق سے روکنے کی چال پر لکھی۔ "امیر المؤمنین اجائی آپ کا دشمن ہو رہا ہے جس کے اشارے پر فوج حرکت کرتی ہے اور ایسی حالت میں آپ دار الخلافہ چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ فوراً واپس جا بیٹے ورنہ آپ کے آباؤ اجداد کی سلطنت ہاتھ سے نکل جائے گی۔"

معتد سمجھ گیا۔ ابن طولون سے ملنے کا منصوبہ ناکام ہو چکا ہے۔ اسحاق بن کنداج فوجی حلقے کے ساتھ کیا تھا اور معتد وہ فوجی حلقہ توڑ کر آگے نہیں بڑھ سکتا تھا۔ اپنی سطح سے گر کر کہنے لگا۔ "میں واپس جانے کے لیے تیار ہوں مگر اس شرط پر کہ تم میرے ساتھ چلو اور قسم کھاؤ کہ مجھے موافق طعنے کے سپرد نہیں کر دو گے۔"

ابن کنداج کا تیر نشانے پر بیٹھا۔ اُس نے قسم کھائی اور اس کے ساتھ سامواں کا جانب روانہ ہوا۔ راستے میں موافق کا ناظم حماد بن محمد املاہ ابن کنداج نے بد نصیب خلیفہ کو اس کے حوالے کر دیا اور اس طرح اپنی قسم "پوری" کی۔

معتد کو بغداد میں جانے دیا گیا اور سامرا ہی میں ٹھہرا یا گیا۔ اب وہ حماد بن محمد کے قبضے میں تھا جس کے پانچ سو سپاہی بروقت اس کی نگرانی کرتے تھے۔ موافق طعنے نے اسحاق بن کنداج اور حماد بن محمد کو خلعتوں اور انعام و کرام سے نوازا۔ اقتدار و اختیار خود سنبھال لیا اور کچھ عرصے کے بعد بجائی کو بغداد سے دور واسطہ بھیج دیا۔

یہ ایک ایسا واقعہ تھا جس پر پوری مملکت میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ ابن طولون کو اس بڑی و منصب کی اختلاص ملی تو مصر کے سرداروں، قاضیوں اور فوجی حکام اور اہل اس کے

جمع کر کے موافق طعنے پر الزام لگایا کہ اس نے امیر المؤمنین سے شکست کی ہے۔ ساتھ ہی مرکز خلاف اعلان بغداد کر دیا۔ صرف قاضی بکیر بن قتیب نے جو دار الخلافہ کی طرف سے مصر میں عادیہ کا سربراہ تھا، بغاوت پر رجحان کی۔ ابن طولون نے اسے زنجیر بندی اور اس کے تمام حقوق، اختیارات اور عطیات ضبط کر لیے۔

مصری سرداروں اور بنی طولون کا عذر یہ تھا کہ انھوں نے خلیفہ معتد کی بیعت کی تھی اُسے معزول کر دیا گیا تو مکرر خلاف سے اُن کا تعلق بھی ٹوٹ گیا۔

موافق طعنے ایک طاقت ور جرنیل غرور تھا۔ اُس نے بجائی کو نظر بند کر کے اقتدار سنبھال لیا۔ اپنا حکم نافذ کر دیا لیکن اُسے خلیفہ تسلیم نہیں کیا گیا کہ معتد علی السدا بھی زندہ اور اسیر و نظر بند ہونے کے باوجود حق خلافت سے دستبردار نہیں ہوا تھا۔ اس لیے موافق طعنے کے لیے خلافت کی بیعت نہیں لی گئی۔

احمد بن طولون ایک نیرک سیاست دان اور زمانہ شناس تھا۔ اُس نے حالات سے فائدہ اٹھایا اور کہا کہ معتد کو ربا کر کے خلافت پر بحال کر دیا جائے تو وہ بھی اطاعت قبول کرے گا لیکن موافق طعنے پر کفر و پیادہ ہونے سے لگانے کے لیے تیار نہ تھا۔ معتد کی رہائی اور اقتدار پر بحالی موافق کی اپنی موت تھی۔ خلیفہ کو معزول اور نظر بند کرنے کی پاداش میں وہ خود قتل یا قید کیا جانا۔ اقتدار و اختیار کے دو دعوے داندوں میں سے صرف ایک زندہ رہ سکتا تھا۔

ابن طولون نے موافق طعنے کے خلاف بڑی تیز حرکت کی۔ مصر پر تسلط جمانے کے ساتھ شام پر بھی قبضہ مستحکم کر لیا۔ اور مصر و شام کو متحد کر کے نئی طولونی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ ۴۰۸ھ سال گزار جانے کے باوجود شامی قبائل ہواہمہ سے اپنی ہمدردیاں ختم کر کے اُنہی تک پہلے عباسی خلیفہ عبد اللہ مساج کی اُس وحشت زخون ریزی کو بھول کے غفے جس میں اموی گھرانے کو خون میں غسل دیا گیا تھا۔ تقدیر نے اگر امویوں کے لیے جہالت کے دام کھائے تھے تو عباسیوں نے اُن کے خون اور ٹہریوں پر اپنے اقتدار کی مسند سجائی تھی۔ اقتدار کی اس خون بدیلی سے شامی قبائل بھی متاثر ہوئے تھے کیوں کہ دار الخلافہ شام سے عراق میں منتقل ہو گیا اور شامیوں کی پہلی سی بیعت جاتی رہی تھی۔

معتد اور موافق کے جھگڑے میں بنی طولون نے معتد کی حمایت ضروری سمجھی اور عباسی

اقتدار کے خلاف غم بند کیا، تو شام کی بنائی مصیبت نے بنی طوروں کا ساتھ دیا اور عباسیوں سے انکھیں پھیریں۔

۲۷۰ ہجری میں معتد کو ایک بار پھر سامرا لایا گیا اور بغداد میں بھی اُس کی فائش کی گئی۔ ایک لشکر اس کے جوس میں تھا اور عراقی جرنیل محمد بن طاہر بیخ بخت معز دل خیفہ کے آگے آگے چلتا رہا تاہم یہ سوتا تھا کہ وہ نظر بند نہیں۔ اس جلوس و فائش سے موفق ظلم غالباً مصری اور شامی سرداروں کو یہ بات کرنا چاہتا تھا کہ خلیفہ آزاد ہے اور مرکز خلافت سے اُن کی صلاحیت کا کوئی حوالہ نہیں لیکن مصری اور شامی سردار جانتے تھے کہ معتد ایک اسیر پرندہ ہے جس کا صرف بیچرہ تبدیل کیا گیا ہے۔

موفق کو مصر و شام کی متحدہ طاقت کے خلاف فوجی کارروائی کا حوصلہ اس لیے نہ ہوسکا کہ اُس کی باگ ڈور احمد طولوں جیسے سیاسی مدبر اور زبردست جرنیل کے ہاتھ میں تھی لیکن ۲۷۰ ہجری (۸۸۳ عیسوی) میں اُس کی وفات کے بعد خمار وینہ بن احمد طولوی سلطنت کے تخت پر بیٹھ گیا اور موفق نے فوجی کارروائی کرنے میں دیر نہ لگائی۔ ابن کندی کے ذریعے دمشق میں بغاوت کرائی اور اپنے فرزند احمد ابوباس کو لشکر دے کر حملے کا حکم دیا۔ جس نے ابن کندی کے ساتھ مل کر مصری فوج کو مدینہ تک پہنچا کر دیا۔ خمار وینہ کو پاپائی کی خبر فاقات حجاز و سوار نے کراؤنگی اور طوفان کی طرح رملہ و فلسطین پہنچ گیا، پھر ۱۶ شوال ۲۷۰ ہجری مطابق ۲۸ مئی ۸۸۳ عیسوی کو طوا حسین کی مشہور جنگ لڑی گئی۔ نتیجہ عیسیٰ لشکر کی شکست اور احمد ابوباس کی ناکام واپسی کی صورت میں نکلا۔ خمار وینہ کی قیادت میں طولوی سلطنت پہلے سے زیادہ مضبوط ہو گئی۔ لشکر نے اُن کی فوج کو ایک اور آرمینیا کے کوچہ اور آرمینیا کے سرحدی علاقوں سے بھی خراج لینے کا تھا۔

پسلی ناکامی کے بعد موفق ظلم نے خود مصر و شام پر چڑھائی کا ارادہ کیا مگر حالات اس کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے۔ اسحاق بن کندی نے ایک نئے خطرے کی زنانہ دی کی اور کہا کہ اگر وہ بنی طوروں سے لڑنے چلا گیا تو اس کے بدخواہ معتد کو قید سے نکال کر موت دے دیں گے۔

طبری۔ ابن اثیر۔ ابن خلدون و جلال الدین سیوطی

طوا حسین رملہ کے قریب ایک نالہ تھا جس کا جنگ بندی گئی اور احمد ابوباس نے اس کا قتل کر دیا۔

پہنچا دیں گے اور بازی اُلت جائے گی۔ اور ہمدان بن ابراہیم نے جو ۲۷۰ میں دارالضرب کا گورنر مقرر ہوا تھا، یہ اطلاع دی کہ بیت المال میں مدبر یہ نہیں اور نکالوں میں جو سکہ ڈھالا جا رہا ہے، اُس سے نئی جنگ کے مصارف پورے نہیں ہو سکیں گے۔ دونوں صورتیں بڑی حوصلہ شکن تھیں۔ موفق نے بغداد سے لکھنا منسلحت کے خلاف سمجھا تاہم اُس کے ترکش میں ابھی ایک اور تیر تھا اس نے خمار وینہ کے خلاف نیاراستہ نکالا اور آرمینیا کے حاکم ایشین کو حکم دیا کہ وہ شام کی شمال مشرقی سرحد کو روندنا ہو اور دمشق پر قبضہ کرے اور شام کو مصر سے کاٹ دے مگر اس نے حملے کی نیاری میں ضرورت سے زیادہ وقت ضائع کر دیا۔ وہ ۲۷۶ مطابق ۸۸۹ عیسوی میں ارمینی لشکر کے کرشمہ میں داخل ہوا، تو خمار وینہ اپنے مصری رسلے سمیت اس کا سر استیصال کرنے کے لیے وہاں موجود تھا۔ ایشین کی شکست و پاپائی موفق ظلم کے دل پر ایک نیارخم لگا گئی۔

اب بنی طوروں سے اپنی ناکامیوں کا انتقام لینے کے لیے صرف حالات کی تبدیلی کا انتظار کر رہا تھا کہ وقت کے ہاتھ نے اُسے بہتر حالات پر دھکیل دیا اور محمد بن طاہر اس کی خطرناک بیماری کی اطلاع لے کر دشت فرات میں نمودار ہوا تھا۔



احمد ابوباس نے باپ کی زندگی کے پیمانے میں فقط ایک دو گھنٹہ باقی رہ جانے کی خبر سنی، تو میر نکار غیاث الدین کو فوراً جیمے اکھاڑنے اور بغداد کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا۔ اب ایک پل کی تاخیر بھی مناسب نہ تھی۔ حالات کی تصویر اُس کے سامنے تھی جس پر وقت نے اندیشوں کی پرکھیاں ڈال دی تھیں۔ بغداد کے شاہی ایوانوں پر غم و فکر کے جوہر ملے تھے، اُن کے حاشیوں میں خطرے کی جھیلیاں چھپی بیٹھی تھیں۔

موفق ظلم نے معتد کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر فوجی طاقت کے بل بوتے اقتدار پر قبضہ کر لیا تھا مگر اُس کا خیال یہ پوری اسلامی مملکت کو جگمگاتا پڑا۔ مصر و شام کے اتحاد کی صورت میں ایک علاحدہ طولوی سلطنت معرض وجود میں آچکی تھی جس نے عباسیوں سے اپنا نوہا منوا لیا تھا۔ آخر مصر اور شام پر فوج کشی کا نتیجہ کیا نکلا؟ شکست و پاپائی، جس نے موفق ظلم کے دل پر گہرا اثر ڈالا۔ یہی تھا کہ وہ اپنے فرزند احمد ابوباس کو قید کر لیا اور اُس کی موت دے دی۔

"اس لیے کہ رطل بروج عقرب میں داخل ہو رہا ہے کچھ حیرت انگیز واقعات ظہور میں آئے والے ہیں۔"

"جعفر باجم بغداد میں رہیں یا باہر چلے جائیں، واقعات کی رفتار بدل نہیں جائے گی۔"
"فقد رات بے شک نہیں آتے لیکن واقعات کا رخ خود بدلنا پڑتا ہے۔"
"پھر یوں کرو۔" ولی محمد نے نصیحت آمیز لہجے میں کہا تھا۔ "جب تک تم شکار سے
میں تم یہاں بیٹھے واقعات کا رخ بدلتے رہو۔"

اس پر جعفر نجفی نے کتاب نجوم کا ایک نیا باب کھول دیا تھا۔ "ابو عباس! میرا علم یہ بھی
کتا ہے کہ اس مرتبہ آپ شکار نہیں کھیل سکیں گے بلکہ خود شکار ہوں گے۔ خدا نہ کرے میں
آپ کو زخمی حالت میں واپس آنا دیکھوں۔"

"بے خوف! زخم تلوار کا، بویا شکار کا، بہادر کے لیے نشان امتیاز ہوتا ہے۔"
یہ کہہ کر اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی کہ اس خطی بخوی سے دامن چھڑا کر نکل جائے مگر
جعفر نے جلا کر آواز دی تھی۔ "ڈنڈا رک جائے ابو عباس! ستارے کچھ اور بھی کہتے ہیں۔"
ابو عباس نے گھوڑے کی لگام کھینچ لی اور پلٹ کر دیکھا تو جعفر نجفی کہہ رہا تھا۔ "آج کی
ساعت کے بعد ابھی سات روز پورے نہیں ہوں گے کہ آپ شکار سے لوٹ آئیں گے۔"

اُسے سات روز کا تعین بڑا مشکل کام تھا، معلوم ہوا تھا کیوں کہ جب وہ شکار کے لیے
نکلنا تو دو دو تین تین سب سے اور بعض اوقات ایک ایک مہینا جنگلوں یا درجہ فرات کے بیڑوں میں
بہتر دن رہنا تھا۔ وہ جعفر نجفی کی پیش گوئی کو "دیوالے کی طرح" قرار دیتا اور دل میں یہ عزم کرتا
تھا کہ اب کے دشت فرات سے پورے ایک ماہ بعد لوٹے گا، اپنے محافظوں اور غلاموں کے
بغیر وہاں شکاریہ کے نکل گیا تھا لیکن ٹھیک چھ روز غروب محنت سورج کی شفق کے
سلسلے میں جب اسی دروازے سے شہر میں داخل ہوا تو جعفر نجفی کو ایک بار پھر اپنے سامنے
دیکھ کر چونک اٹھا جو شام کے ملگے اندھیرے میں آسمان کی طرف اٹکی اٹھائے کہہ رہا تھا۔

"ابو عباس! میں نے کہا تھا کہ سات روز کے اندر آپ کا بغداد میں لوٹ آنا ناممکن
آسانی ہے مگر چھ دن ہے اور آپ واپس آگئے ہیں۔"

ولی محمد نے سوچا، سات روز کے اندر لوٹنے کی پیش گوئی یا بالکل بے شک پوری ہو
گئی تھی یا نہیں، ابو عباس جعفر نے کہا کہ وہ شکار کا تو کام تھا کہ رشتہ فرات میں ایک بیماری پھیل

کی زندگی میں عراق پر کوئی جوانی حملہ نہیں کیا تو اس کی وفات پر بھی خاموش بیٹھے رہیں گے۔
دشت فرات میں نسبت خمار و بیک غیر متوقع حادثات اور اس کے محافظ دستے کے سردار حارث
کی اچانک آمد ابن حرب کے بقول کوئی شہزادے شیبان بن احمد کی نشان دہی کرتی تھی۔
شیبان کا مصر سے شام میں آنا کوئی انوکھی بات ہے، شیبان کی دشمنی کی بجائے اس کا شام
عراق کی سرحد کے قریب دشت فرات کے اکس پاس پایا جانا ایک غیر معمولی واقعہ تھا۔ ہو سکتا ہے
وہ کسی خاص مقصد ہی کے تحت شام کے سرحدی قبائل کا دورہ کر کے دشمنی کی جانب لوٹ رہا
ہو۔ شیبان کے دل میں ابو عباس کے لیے نفرت کے سوا اور کچھ نہ تھا اور سرحدی علاقے میں
اُس کی موجودگی خطرے سے خالی نہ ہو سکتی تھی۔

مملکت عباسیہ کو جو حالات درپیش تھے، ابو عباس اور بنی طویں کے درمیان جو
نظر میں پروان چڑھ رہی تھی، اُن کی موجودگی میں مونی علم کی خطرناک بیماری یا اچانک موت کسی نئے
خطرے کی دھمک بھی بن سکتی تھی۔ بغداد میں بنی طویں کے حامی تو نہیں لیکن محدود و نظر بند خلیفہ
معتد علی اللہ کے حمایتی ضرور موجود تھے۔ ان حالات میں عباسیہ کے ولی محمد احمد ابو عباس کا
دار الخلافہ میں حاضر ہونا اور ہر خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے مستعد رہنا ضروری تھا۔
دشت فرات سے اُس کا فائدہ کسی بگولے کی طرح بغداد کی جانب رواں ہوا۔



دوسرے روز شام کے وقت جب ولی محمد اپنے قافلے کے ہمراہ باب شامیہ
سے بغداد میں داخل ہوا، تو اس کی دیوار کے سائے سے نکل کر بدن پر فرعل فاجحہ اڑنے
اور سر پر ملی غمزہ کی کلاہ پہنے، جعفر نجفی بھاگ کر سامنے آگیا اور احمد ابو عباس کو اچانک
اپنے گھوڑے کی لگام کھینچنا پڑی۔

صرف چھ دن پہلے جب وہ شکار کے لیے بغداد سے نکلا تھا تو اسی دروازے پر
جعفر نجفی نے اُس کا راستہ روک کر کہا تھا۔ "ابو عباس! ستارے کہتے ہیں کہ ان ایام میں آپ
کو دار الخلافہ سے باہر نہیں جانا چاہیے۔"

ابو عباس نے جو نجومیوں کی باتوں کو لغویات قرار دیتا اور علم نجوم پر یقین نہیں رکھتا تھا
تیسری پر پل وال کر پوچھا تھا۔ "کیوں؟"

اور زبردست شیر کو ہلاک کر کے آیا تھا، جس کی بھوری کھال میر شکار کے گھوڑے کی خربی میں تھی اس نے جعفر نجوی کو کسی قدر حیرت اور کسی قدر استہزا کی نظروں سے دیکھا اور کہا۔

”ہمیں واپس تو آنا ہی تھا جعفر! چھ سات یوم کے بعد آتے یا بارہ چودہ روز کے بعد لیکن ہم شکار کھیل کر آئے ہیں اور خود شکار نہیں ہوئے رند درندہ ہمارے جسم پر کوئی زخم لگا سکا حالانکہ تم نے کہا تھا کہ ہم زخمی ہو کر لوٹیں گے۔“

گویا اس نے جعفر کی بات مسترد کر دی مگر وہ برے خاندان کے تھانہ انداز میں کہنے لگا۔
”اہل نجوم کے الفاظ پر معانی ہوتے ہیں حضور! ہر لحاظ کے کوڑے میں مطالب کا ایک سمندر بند ہوتا ہے اور بعض اوقات ان کے روز کسی دوسرے سے پرانے میں گھلتے ہیں۔ ممکن ہے آپ کے شکار ہونے کا مطلب کچھ اور ہو، جس کی تعبیر میں اس وقت بیان کر سکتا ہوں نہ آپ، مگر بغداد کے آسمان پر ایک ستارہ غروب ہونے کی تیاری کر رہا اور دوسرا طلوع ہونے والا ہے۔“

جعفر نجوی کے الفاظ نے اسے ایک بار پھر چوکا دیا۔ وہ اپنے باپ کی خطرناک حالت کی اطلاع سن کر دشت فرات سے بھاگا آیا اور محمد بن طاہر اسے حکیموں اور طبیبوں کے اندیشے سے آگاہ کر چکا تھا پھر بھی نجوم کی اصطلاح میں ایک ستارے کے غروب ہونے کی خبر حیرت انگیز تھی۔ گویا جعفر نے اشارتاً اس کے والد کی رحلت کا ذکر کیا تھا حیران سا ہو کر پوچھنے لگا۔
”جعفر کیا تم جانتے ہو، اعلیٰ حضرت بستر مرض پر ہیں؟“

”بستر مرض پر نہیں، بستر مرگ پر ہیں اور چھ روز قبل خادم نے اسی لیے آپ کو باہر جانے سے روکا تھا کیوں کہ آپ کے والد بزرگوار کی زندگی کا بیمانہ خالی ہونے والا ہے۔“

احمد عباس راسخوں میں بیٹھنے والے نجومیوں کو یادہ گو گھنٹا اخبار جوائی سیدھی پیش گویاں کر کے اور لوگوں کو قسمت کے حالات بنا کر مال بٹورتے تھے مگر جعفر کی باتیں اسے حیران کیے جتنی تھیں۔ وہ اس دنوں سے گفتگو کر رہا تھا، جیسے لوح تقدیر کا کھلا پڑھ رہا ہو اب عباسی ولی عہد کا لہجہ کچھ بدل گیا۔

”تو تمہارا علم نجوم اعلیٰ حضرت کی موت کا اعلان کر رہا ہے؟“
جعفر نجوی بھی بڑے چرچہ اور پراسرار انداز میں کہیوں کہ اکثر اہل نجوم اسس انداز بیان کے ماہر ہوتے ہیں، کہنے لگا۔

”ابو عباس! ہر انسان کی زندگی میں موت کا ایک لمحہ ہوتا ہے اور اس کا

منزل پرے جاتا ہے جہاں اپنے عظیم اجداد کی روحوں سے اس کی عنایت ہوتی ہے۔ ہر شخص صرف موت سے مرنے کے لیے زندہ ہے لیکن مرنے کے بعد زمانے کی تختیوں پر صرف اسی ہمارے نام لکھا جاتا ہے جو واقعات کا رخ بہت جانتا ہو۔“

یہ انٹالہ زندگی کے فلسفے کی ترجمانی کر رہے تھے۔ احمد ابو عباس نے اپنے ہم کے اندر ایک عجیب سی فلسفی و روحانی محسوس کی کہ جعفر نے ان واقعات کا رخ بدلنے کی تعلیم کی تھی جو اس کے ارد گرد منڈنا رہے تھے۔ اب اس نے کسی قدر دلچسپی کے لہجے میں پوچھا۔ ”جعفر! اس ستارے کے بارے میں کیا کہتے ہو جو طلوع ہونے والا ہے؟“
نجوی نے کسی تردد کے بغیر جواب دیا۔ ”وہ ستارہ جہاں چمکے گا، وہاں فتح و مہال کا سایہ ڈال دے گا۔“

فرزند مرفق نے کسی قدر اطمینان کا سانس لیا اور گھوڑا آگے بڑھایا۔ جعفر نجوی چند قدم اس کی رکاب میں بیٹھا اور رکتا رہا۔

”ابو عباس! کل جب آپ تخت عنایت پر جلوس فرمائیں تو فدوی کو یاد رکھیے گا۔“
اچانک جعفر ایک جگہ رکت گیا اور ولی عہد کی سواری آگے بڑھ گئی لیکن جو بھی منڈنا بن حرب کا گھوڑا قریب آیا، اندہ اس کے ساتھ چلنے لگا اور سرگوشیاں باندھے میں بولا۔ ”ابن حرب تمہارے لیے کوئی اچھی خبر نہیں ہے۔“

ابن حرب نے گھوڑے کی لگام کھینچ لی لیکن جعفر نے اسے توجہ نہ دی۔ ”چلتے رہو، مرنے کی مصیبت کے خلاف ہے۔“

اس نے گھوڑے کو چلنے دیا۔ ”تم مجھے کوئی بڑی خبر سنانے والے تھے۔“
جعفر کا لہجہ کچھ اور مدغم اور پراسرار ہو گیا۔ ”یہاں نہیں میں تمہارا انتظار کروں گا۔“
ابن حرب اسے حیرت اور تجسس کی نظروں سے دیکھتا ہی رہ گیا اور وہ بدعظمت دروازے کی طرف پلٹا، جہاں اس کا سامان نجوم، قلم، پیچھے، مستاروں کے نقشے، زائچے کھینچنے کی لوحیں اور کتاب تقدیر کے کچھ چرمی اور ارقی بکھرے تھے۔ بغداد کے آسمان پر شام اپنی کالی لٹاں کھول رہی تھی اور جعفر نجوی اپنا بکھرا سامان جلد جلد ایک بیچھے میں سمیٹ رہا تھا۔

الفاظ انتہائی کرب آمیز تھے مگر انہیں کوئی بھٹلانے کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔ احمد نے
یکدم کمرے بغیر خاموشی سے تقدیر کے سامنے سر خم کر دیا اور باپ کی ہدایات سننے پر تیار ہو گیا
اس پاس کھڑے لوگ بھی متوجہ ہو گئے۔ موفق اپنا سانس درست کر کے کہنے لگا۔

"ابو عباس! بلایا اس لیے ہے کہ اپنی لحد میں جانے سے پہلے تم نہیں رہتا کیسے
حکمران لوگوں کے سردار کے سامنے کی مانند ہوتا ہے۔ ہمارے بعد جب تم حکومت کی
وقتے داریاں سنبھالو گے تو لوگوں کے سردار پر عطف و کرم کا سایہ رکھنا۔ حقوق اللہ کے ساتھ
حقوق العباد پورے کرنا اور کسی کو انصاف سے محروم نہ کر دینا۔ تم اس خاندان کے فرزند ہو جس
کا نام صداقت اور عدالت کا نشان کھیا جاتا رہا۔ آج اگرچہ وہ خاندان اپنی سابقہ عظمتوں کا سایہ
بن کے رہ گیا ہے مگر ہم چاہتے ہیں کہ تم اپنے اجداد کی عظمتوں کو واپس لانا۔ فلسفی کہتے ہیں کہ
خدا قوموں کو نہیں افراد کو دیکھتا ہے۔ گفتار اور کردار کے اعتبار سے ہمیں کوئی فرد ہو، اس
کے ساتھ وہی ہی سلوک کرتا ہے۔ گویا ان لوگوں کے نزدیک اجتماعیت کی کوئی اہمیت نہیں،
لیکن فرد اپنی قوم کے حلقے سے ہیں نکل سکتا اور حکمران کے لیے فرد کے علاوہ اجتماع کو بھی
ساتھ لے کر چلنا ضروری ہے کیوں کہ اجتماع اس کی طاقت ہے۔ ابو عباس! ہم کچھ خواہشیں
اپنے دل میں لیے جا رہے ہیں جو پوری نہیں ہو سکیں۔"

موفق کھٹکے کھٹکے ٹوک گیا کیوں کہ سانس پھول گیا تھا۔ کنیز نے فوراً حق گلاب سے
مفرج پانی کا گلاس پیش کر دیا۔ موفق نے ایک گھونٹ بھر کر گلاس اپنے قریب ہی رکھ لیا۔
اور لوگوں کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اب ہم تخلیہ چاہتے ہیں تاکہ ابو عباس کے ساتھ تنہائی میں
کچھ باتیں کر سکیں۔"

فوراً ہی اعیان سلطنت، طیب، حکیم، کنیزیں، غلام کمرے سے رخصت ہو گئے
موفق کے غلام خاص نے غلام دروازوں اور درہنجوں کے بھاری پردے کھینچ دیے۔ پھر وہ
ایک بڑا دروازہ بند کرنا ہوا باہر نکل گیا لیکن اسے ہدایت کی گئی تھی کہ غلام گردش میں موجود
ہو۔

نزدیک خانوس میں جلنے والی کا فوری شمعوں کی روشنی میں موفق غلام کمرہ و جسم اور
بہارچہ کچھ اور زرد ہو گیا تھا کیوں کہ اس کے جسم سے زندگی کی گرمی یا طاقت غیر محسوس
ہو رہی تھی۔ آہستہ آہستہ نزل ہو رہی تھی اور وہ اپنی زوال پذیر طاقت کو صرف قوتِ ارادی سے

احمد ابو عباس باپ کی عبارت کے لیے سیدھا "قصر سفید" میں پہنچا۔ تندہیں رزش
میں کبھی قیاس اور ان کی زرد ریشموں میں شاہی قصر پر ریشموں نے اپنے سائے ڈال رکھے تھے
کنیزیں اور غلام کڑی خاموشی کے ساتھ حرکت کر رہے تھے جیسے موت کو ان کے قدموں
کی آہٹ، بجی ناگوار تھی۔ اس اہم ناک خاموشی اور اداسی نے ابو عباس کو مضطرب کر دیا۔ ابھی وہ
کمرہ خاص سے کچھ فاصلے پر تھا کہ فوراً ہی غلام گردش سے نکل کر موفق عظمیٰ کے خاص غلام نے
اس کا استقبال کیا اور بتایا۔ "اعلیٰ حضرت بڑی بے چینی سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"
محمد بن ظاہر بدستور اس کے ساتھ تھا۔ غلام ان دونوں کو کمرہ خاص میں لے آیا۔ یہاں
چند اعیان سلطنت، شاہی طبیب، حکیم، کنیزیں اور غلام عباسی حکمران موفق عظمیٰ بن تنوکل کے
ارد گرد موجود تھے۔ دلِ عمد کے آئنے ہی سب بزرگ، ایک طرف برٹ گئے۔ موفق نے بیٹے کو
دیکھ کر کنیزوں کو اشارہ کیا جنہوں نے فوراً اسے ریشمی گاؤں کیسے کے سارے بٹھا دیا۔ احمد نے
"اسلام علیکم" کہا، بلکہ کہ باپ سے معاف کیا اور اس کا سخت سرد ہاتھ تھام کر سوال کیا۔ "ہم تو
آپ کو ابھارنے کا چھوڑ کر گئے تھے مگر آپ چند روز میں بستر سے نکل گئے۔ یہ سب کچھ اچانک
کیسے ہو گیا؟"

موفق نے کمرہ درسی آواز میں جواب دیا۔ "جب تقدیر بالی آدمی کو بستر کی طرف ہلک
دیتی ہے تو سب کچھ ہوتا ہے کیونکہ زندگی عنکبوت کا بال ہے جس کا ہر تار حواہش کی انگلیں
توڑ دیتی ہیں لیکن شکریہ اٹھیں بندہ مرنے سے پہلے ہم نے تمہیں دیکھ لیا۔"
"تقدیر اگر آدمی کو بستر کی طرف ہلک دیتی ہے تو اسے شہ بھی عطا کرتی ہے۔"
بیٹے نے بیمار باپ کو حوصلہ دیا لیکن موفق عظمیٰ صحت و شفا سے غائب مایوس ہو چکا تھا
کہنے لگا۔ "ابو عباس! ہم وہ مقام بہت پیچھے چھوڑ آئے اور تم سے کچھ ضروری باتیں کرنا
چاہتے ہیں۔"

آواز بدستور کمزور اور لہجہ نحیف تھا۔ احمد نے طیب کر طیب خاص کی طرف دیکھا۔
مطلب یہ تھا کہ کمرہ درسی کی اس کیفیت میں مرینس کو آرام نہ کرنا چاہیے یا باتیں؟
طیب خاص نے ولی عہد کا یہ "خاموش سوال" سمجھ لیا اور بڑی افسردہ آواز میں جواب
دیا۔ "اعلیٰ حضرت کے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ اس سے پہلے کہ زبان تاروں سے نکل جائے
اور نہ یہ کچھ بول سکیں، نہ آپ کچھ سن سکیں۔ ان کی باتیں سن لیجیے۔"

روکے گی کوشش کر رہا تھا دشمنی کے عکس اُس کے زرد چہرے پر کانپ رہے تھے مگر ایک ذمے دار حکمران دکھائی دینا تھا جو موت کے حلقے میں بیٹھ کر بیٹے کو روزِ مہلت تجھانے لگا ابو عباس اہم جو باتیں اس وقت کر رہے ہیں، اُن کے سمجھ لینے پر تمہارے مستقبل کا انحصار ہے کیونکہ وہ باتیں ہمارے خاندان اور رعایا سے جگہ ہمارے دشمنوں سے خلق رکھتی ہیں کچھ لوگ ہمیں خلافت کا باقی قرار دیتے اور الزام ساند کرتے ہیں کہ ہم نے ہوس حکومت میں تمہارے چچا معتمد سے اقتدار چھین لیا مگر اُسے اُمت کی بھلائی کے لیے خلافت سے معزول کیا گیا کیوں کہ ہمارے بھائی نے ملک و قوم کی خیر گیری چھوڑی اور لہو و لعب کر اپنا شعار بنالیا تھا لوگ اُس سے ناراض ہو گئے اور چاہتے تھے کہ اُسے اُس خلافت سے الگ کر دیا جائے ہو سکتا ہے معتمد کی معزول میں ہماری کسی انسانی کمزوری کا ہی دخل ہو، کیوں کہ اُس نے ہمارے خلاف احمد بن طولون سے ساز باز کر لی تھی ہم چاہتے تو معتمد کو زندگی سے بھی محروم کر سکتے تھے لیکن ہم نے اُسے نظر بند رکھا، شاید یہی ہماری غلطی تھی۔ ہم صرف حکومت پر لوگوں کا اعتماد کمال کرنا چاہتے تھے جو معتمد کی وجہ سے ٹوٹ رہا تھا مگر اُس کی معزول احمد بن طولون کی بغاوت کا باعث بن گئی۔

ابو عباس! ہمیں اس بات کا بڑا اصرار ہے کہ اسلامی مملکت ہمارے عہد میں ہماری وجہ سے دو ٹوٹ ہوئی، مصر و شام کی خلافت نے ہمارے دل میں ایک گہرا گھاؤ ڈال دیا۔ ہم نے یہ گھاؤ کھرنے کی جہد کوشش بھی کی، وہ ناکام ثابت ہوئی۔ ابن طولون کی رحلت کے بعد ۶۴۰ھ میں ہمیں شام پر چڑھانی کا حکم دیا کہ بنی طولون کا سحر توڑ کر اسلامی سلطنت کو متحد کر سکیں ہمارا یہ خواب پھر گیا، ابو عباس! ہم نہیں شکست کا ذمے دار نہیں ٹھہراتے غلطی ہماری تھی۔ ہم نے بنی طولون کی طاقت کا غلط اندازہ لگایا اور ہر غلطی کا ایک خمیازہ بڑھاتا ہے ہماری غلطی کا خمیازہ ہمیں ٹھکنا پڑا دوسری مرتبہ آرمینیا کے ماکم افشین نے ہماری اُمیدوں پر ہانی پھیر دیا۔ ۶۶۶ھ میں جب خسار و یارینی پناہ کو شکست دے کر پٹانہ تو اُس نے عراق کی سرحد پر زخم میں چھاؤنی ڈال دی اور پیچھا پیچھا کہ ہم معتمد کو رہا کریں۔ یہ دھمکی بھی دی کہ اگر اس کی زندگی کو کوئی نقصان پہنچا، تو اُس کا سب، بلکہ انتقام لیا جائے گا۔ ہم اس پیغام کی ہمیں ہنس محسوس کرتے رہے لیکن اس کا علاج نہ کر سکے۔

بنی طولون نے معتمد کو اپنی بے لاس سیاست کا ایک مہر بنا لیا۔ وہ ہمارے خلاف تھے

یہی ٹہرہ استعمال کرتے رہے۔ ہماری موت کے بعد وہ معتمد کو تمہارے خلاف بھی استعمال کریں گے کچھ تعجب نہیں کہ خسار و یارینی اور شامی لشکر کے قتل عام سے چھائی حمایت میں بغداد پر چڑھائی کر دے اور اُسے خلافت پر بحال کرنے کی کوشش کرے، اگر تمہاری تلوار کا نوا بخت ہو تو تم اُسے روک لو گے اور اپنی شکست کا حساب براہِ برو گے لیکن دشمن کے خلاف تلوار اٹھانے سے پہلے تمہیں معتمد سے ملنا ہو گا۔ وہ ابھی تک حتی خلافت سے دستبردار نہیں ہوا اگر ہم نے بھائی کو خلافت سے معزول کرنے کے ساتھ، زندگی سے بھی محروم کر دیا ہوتا، تو ہماری بہت سی مشکلیں اور معیبتیں ختم ہو جاتیں لیکن ہمیں کیا کرنا ہے، یہ تم جانتے ہو۔ ہم نے صرف وہ صورتِ حال بیان کی ہے جو ہمیں پیش آنے والی ہے۔

احمد بن طولون نے مصر و شام کو عباسیہ کی سلطنت سے کاٹ کر جو زخم لگا یا تھا، وہ ہم اپنے سینے پر لے جا رہے ہیں جیسے جی ہماری یہ حسرت پوری نہیں ہو سکی کہ مسلمانوں کے درمیان نفرت کی اُس لکیر کو مٹا سکیں جو بنی طولون کی تلوار نے کھینچی تھا۔ اُن کی رقابتوں کا بوجھ بوجھ آج ایک درخت بن چکا ہے جس کی شاخ پر مشا و پرستوں نے اپنے گھونسلے بنا لیے ہیں۔ انقطاع کے مقبرے میں ابن طولون کا جسم مٹی ہو چکا، اب زمین اُس کی ہڈیوں کو چاٹ رہی ہوگی لیکن ہمارے دل کا زخم ابھی تک مندمل نہیں ہو سکا اور ہمارے سینے میں اُس گھاؤ کی ملین باقی ہے جسے ہماری کوشش بھر نہیں سکی۔

ابو عباس! ہم نہیں چاہتے کہ یہ زخم، یہ گھاؤ ہمیں وراثت میں دے جائیں کیوں کہ وراثت میں ملنے والے زخم اور عہدے آدلی کو چین نہیں لینے دیتے اور قبر تک اُس کا پیچھا کرتے ہیں۔ البتہ ہم تم سے ایک وعدہ، ایک پیمانہ، ایک حلف لینا چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے درمیان رقابت اور نفرت کی وہ لکیر مٹا دو گے جس نے عالمِ اسلام کو دو حصوں میں کاٹ دیا، بانٹ دیا ہے۔

جان پدرا! ہمیں قولِ دو کہ بغداد اور انقطاع و فسطاط کے ٹوٹے ہوئے پیوند پھر جوڑ دو گے تاکہ ہمارے نام سے سلطنت میں جو رخنہ پیدا ہوا، وہ بند ہو سکے اور ہم اطمینان کے ساتھ دنیا سے رحلت ہوں کہ ملت میں جو تفریق ظاہر ہوئی۔ وہ مٹا دی جائے گی۔ ابو عباس! تم صاحبِ تدبیر ہی نہیں، بہادیر اور شہر زور بھی ہو۔ اگر تدبیر کا تیر خطا ہو جائے تو اپنی تلوار کا لہو استعمال کر دو۔ تم ہمارے لیے لشکر چھوڑ کر جا رہے ہیں جن کی تلواریں دشمنوں کے

خون سے آب دار ہوتی ہیں اور جب تم انہیں اپنے ساتھ لے کر نکلو گے تو وہ تمہیں باپوس نہیں کریں گے۔

بس جو کچھ ہمیں کسنا تھا، کمرہ چکے اور جو کچھ ہم نے سنا تھا، وہ سن لیا۔ ہمارے پاس کھنے کے لیے اور کچھ نہیں۔ ہم نے اپنے دل کے زخم تھارے سامنے کھول دیے اور اپنی آواز خواہش بیان کر دی۔ اب ہم تمہارے چہان کے منتظر ہیں کہ بنی ٹولوں نے ملت اسلامیہ کو دو نیم کر کے تفریق اور طلاق کی جو لکیر کھینچی ہے، تم اسے مٹا دو گے اور دوسری دنیا میں ہم سے ملو گے تو سرخ رو ہو کر ملو گے۔

احمد ابو عباس نے باپ کی طویل تقریر یا نصیحت سنی، جو واقعات ماضی میں رونما ہو چکے تھے، اُن پر نظر ڈالی جو حالات مستقبل میں پیش آنے والے تھے، اُن پر غور کیا۔ پھر باپ کا سرد ہاتھ اپنے ہاتھوں میں دبایا اور کہا: ”اعلیٰ حضرت! ہم اللہ کو حاضر و ناظر جان کر ہر بس وقت ہمارے اور آپ کے درمیان شاہد ہے، وعدہ کمنے اور قول دینے میں کہ آپ کی خواہش ضرور پوری ہوگی، ہم ملت کو متحد کرنے کا کوئی دقیقہ نہیں چھوڑیں گے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے اگر ہماری تدبیر کارگر نہ ہو سکی، تو اُس تیر کا چلہ چڑھا سیں گے جو ٹھیک نشانے پر بیٹھتا ہے۔ جب ہماری سواریاں مضر و شام کی طرف روانہ ہوں گی تو کوئی انہیں روکنے نہیں آسکے گا اور جو آئے گا، نہ ماننے کی آنکھیں اُس کا انجام دیکھ لیں گی۔ اگر ہم آپ کے لائق فرزند ہیں تو دوسری دنیا میں آپ سے شہر کر و کریمیں گے۔“

ان مختصر الفاظ میں بیٹے نے باپ کے ساتھ ایک بیان کیا جس کے معانی نے موفیق طلحہ کی روح کا بوجھ ہلکا کر دیا۔ کیوں کہ جانتا تھا وہ اپنے قول کا دعویٰ ہے اور جو کچھ آج زبان سے کہہ رہا ہے، اُنے والے دنوں میں اُس پر عمل بھی کرے گا۔ بیٹے کو دیکھ کر مکرر آواز لیکن مطمئن لہجے میں بولا: ”ابو عباس! اب ہم اہلینان کے ساتھ موت کو گلے لگا لیں گے۔ کیوں کہ تمہارے الفاظ نے ہمارے زخم پر مرہم رکھ دیا اور ہمیں قبر کا سکون عطا کیا ہے۔“ یہ کہہ کر اُس نے اپنے بیمار ہاتھوں سے نالی بکائی۔ فوراً ہی غلام خاص کمرے میں داخل ہوا۔ موفیق کے حکم پر دروازے، درپے پھر کھول دیے اور پردے سمیٹ لیے گئے۔ دروایان سلطنت جلوس باہر قلم گردش میں رک گئے اور اجازت کے منتظر تھے، طبیبوں، حکیموں، کنیزوں اور غلامان حاضر باش کے ساتھ دوبارہ اندر آئے تاکہ بیمار کو غور سے دیکھ سکیں۔

سیکس، موفیق طلحہ نے دن سے چند آشری اور حقیقی باتیں کہیں پھر بیٹے سے مخاطب ہوا۔ ”ابو عباس! تم بھی اب جاؤ۔ اپنے لباس سے سفر کی گرد اور چہرے سے فکر کی دھول اتار دو۔ شاید کل کا سورج نہیں نئے لباس میں دیکھنے کے لیے طلوع ہو سب جاؤ، کیوں ہم بھی جانے دے میں اور ابھی میں اپنے رخت سفر کا جائزہ لینا ہے۔“

ولی محمد باپ کو تنہا چھوڑنا نہیں چاہتا تھا لیکن خود موفیق طلحہ تنہائی کا طلب گار تھا۔ طبیعوں کے خیال میں اُسے آرام کی ضرورت تھی مگر بیٹے سے ملنے کے بعد اُس کے چہرے پر غمناک اور سکون کی جواہر پیدا ہوئی، اُسے دیکھ کر طبیب اور حکیم بھی حیران رہ گئے کہ شاید اعلیٰ حضرت نے موت کا رنج مٹا دیا ہے اور چند روزہ نظر میں نہ رہیں گے۔

عقیب خاص نے محض دیکھی، ظاہری حالت پر نظر ڈالی اور ولی محمد کو بتایا کہ طبیعت سنبھل گئی اور زخم کے اندر موت کے قدموں کی چاپ لڑک گئی ہے۔ فی الحال کسی فوری خطرے کا امکان نہیں۔ اس اطمینان کے ساتھ اُس نے باپ سے رخصت لی اور باہر نکلا۔



احمد ابو عباس کی ترک بیوی جیجک خاتون کو اطلاع مل چکی تھی کہ اس کا شوہر دشت فرات سے لوٹ آیا اور باپ کی عیادت کے لیے سیدھا ”قصر سفید“ چلا گیا ہے۔ اعلیٰ حضرت کی اچانک بیماری سے وہ خود بڑی پریشان ہو گئی اور چاہتی تھی کہ ولی محمد ان دنوں بغدادی میں رہے۔ اُس کی خواہش کے عین مطابق وہ شاہ کے بھٹیٹے میں بغداد پہنچ گیا تھا لیکن عشا کی ساعت کب کی گزر چکی تھی اور وہ ابھی تک قصر الرصافہ میں داخل نہیں ہو سکا تھا جس سے جیجک خاتون کی تشویش بڑھنے لگی کہ نہ جانے معاملہ کیا ہے!

ابو عباس جیجک سے محبت کرتا تھا اور اعلیٰ حضرت کی عیادت کے بعد اُسے فوراً الرصافہ میں پہنچ جانا چاہیے تھا۔ ترک خاتون کو قصر سفید کی تازہ ترین صورت حال کا بھی علم نہیں تھا۔ اسی پریشانی میں اپنی سب سے حسین اور خوش آواز کنیز دمنہ کو آواز دی جو کبھی جھکپٹی فوراً حاضر ہو گئی جیسے پہلے ہی گوش بر آواز اور کسی دروازے سے لگی انتظار کر رہی تھی کہ جیجک خاتون کب اُسے بلاتی ہے۔

دمنہ فلسطین کے ساحلی شہر حیفہ کی رہنے والی اور نفس و نغمہ میں اپنا جواب نہیں

دمنہ نے وعدہ کیا تھا۔ "میں آنکھیں کھل رکھوں گی، جاگنی رہوں گی اور کوئی نیا خواب نہیں دیکھوں گی۔"

دمنہ نے کوئی نیا خواب دیکھا یا نہیں لیکن اس کی نغمہ سرائی نے الرصافہ پر خوابوں کا بحر چھونک دیا تھا۔ کبھی کبھی آواز کا جادو ولی عہد احمد ابو عباس کو بھی مسحور کر دیا کرتا، اور وہ اس کی نغمہ سرائی میں ڈوب جاتا۔ بعض کنیزوں کا خیال تھا کہ جبکہ خاتون نے دمنہ جیسی حسین اور خوش اندام مغنیہ کو اس لیے الرصافہ کی نسبت بنایا ہے کہ اس کے قصر کی دل کشی میں اضافہ ہو اور احمد ابو عباس جس کی بیشتر راتیں اپنی حسین محبوبہ دریرہ کی خواب گاہ میں بسر ہوتی ہیں، الرصافہ کی طرف کھینچا جائے۔

یہ سچ تھا یا جھوٹ اور دمنہ کی آواز ابو عباس کے حسین خوابوں کا سحر توڑ سکی تھی یا نہیں لیکن فلسطینی کنیز نے خود کو جبکہ خاتون کی خدمت گزاری کے لیے وقف کر دیا۔ دن بویا رات، اُسے جب طلب کیا جاتا، ایک جھپکنے میں حاضر ہو جاتی۔ کبھی کبھی تو یہ گمان گزرنے لگتا، شاید چھپ چھپ کر اپنی ٹرک مالک کی نگاہ کی گراہی ہے۔ یس وہ الرصافہ کی دیواروں، محرابوں اور کمر کمروں سے اس لیے لگی رہتی تھی کہ کہیں جبکہ خاتون کو اس کی حاضری کے لیے انتظار نہ کرنا پڑے اور اپنی مالک کی آواز سنتے ہی فوراً اس کی خدمت میں حاضر ہو جائے۔ ترک خاتون بھی اس جذبہ اطاعت گزاری سے بڑی متاثر اور تنہائی میں کبھی کبھار اس کے ساتھ اپنے دل کی باتیں کر لیا کرتی تھی۔

اُس رات بھی جب ولی عہد ابھی تک قصر سفید سے نہیں لوٹا تھا اور الرصافہ میں اُس کے انتظار کے لمحے طویل ہوتے جا رہے تھے، جبکہ خاتون نے دمنہ کی گویا اور وہ ایک ٹائپ کی تاخیر کے بغیر ہوا کے جھونکے کی طرح اڑتی ہوئی اُس کی خدمت میں پہنچ گئی، تو جبکہ مضطرب آواز میں بولی۔ "دمنہ! ابو عباس کو بغداد میں آئے ایک پہر ہو چلا ہے لیکن وہ ابھی تک الرصافہ میں نہیں پہنچے تو ذرا قصر سفید تک جا اور معلوم کر اعلیٰ حضرت کی طبیعت کیسی ہے۔ کنیز نے اُس کے چہرے پر پریشانی کی جھلک دیکھ لی اور اطمینان کے لہجے میں بولی۔ "پریشان ہونے کی ضرورت نہیں خادمہ! میں نے سنا ہے، اعلیٰ حضرت ولی عہد کے ساتھ تنہائی میں کوئی اہم گفتگو کر رہے ہیں۔ اسی لیے اُن کی ملاقات طویل ہو گئی ہے۔"

ترک خاتون ہونے کے ناتے دمنہ ہیمنہ اُسے "خام" کے معزز لقب سے یاد کرتی

رکھی تھی۔ اگرچہ شام فلسطین کو سلطنت عباسیہ سے الگ ہونے کی سال بیت چکے تھے، لیکن جبکہ خاتون اس فلسطینی کنیز کو حاصل کر کے یوں سمجھنے لگی تھی جس طرح پورا فلسطین اُس کی خدمت میں حاضر ہو گیا ہو۔ دمنہ کی بے مثال اطاعت گزاری نے فلسطین سے محرومی کے احساس کی شدت کسی حد تک کم کر دی تھی۔ یہ فلسطینی کنیز ایک سال قبل بڑے عجیب و غریب حالات میں قصر الرصافہ کے محافظ سردار حرب الکندی کے ہاتھ لگی اور اُس نے اظہار وفاداری کے طور پر اُسے جبکہ خاتون کی خدمت میں پیش کر دیا تھا۔ دمنہ کا اپنا بیان یہ تھا کہ اُسے شامی بروہ خردشوں نے جیفہ سے اٹھا لیا اور بصرہ کے کسی بڑے امیر کے پاس فروخت کرنا چاہتے تھے لیکن حیرانے شام میں سفر کرتے ہوئے چند نامعلوم لوگوں نے بروہ خردشوں کے قافلے پر حملہ کر کے دوسری لڑکیوں کے ساتھ دمنہ کو بھی چھین لیا اور اُسے بغداد لے آئے۔ دمنہ کو معلوم ہوا کہ وہ لوگ بھی لیٹرے اور لڑکیوں کے تاجر ہیں تو اُن کے ڈیرے سے نکل بھاگی اور خوش قسمتی سے مذہبِ حرب سے ہو گئی، جس نے اُسے پناہ دی جب لغائب کرنے والوں کو تباہی کر حرب الکندی قصر الرصافہ کا محافظ سردار اور عباسیہ کے ولی عہد احمد ابو عباس کا خاص آدمی ہے جس کے بھگڑا کر کے وہ خود مصیبت میں پھنس جائیں گے تو چپ چاپ ٹوٹ گئے اور دوسرے دن بغداد ہی سے فرار ہو گئے۔ اس طرح دمنہ نے اُن لیٹروں سے نجات پائی اور الرصافہ تک پہنچی۔

اُس کے عارضوں پر چھوڑوں کی رنگینی، آنکھوں میں غزالانِ رشت کی مستی اور آواز میں ہلاک سحر آفرینی تھی۔ جب یہ "فلسطینی سوغات" جبکہ خاتون کی خدمت میں پیش کی گئی تو وہ بہت خوش ہوئی کیوں کہ ہر خوبصورت اور فن کار کنیز اپنے مالک یا مالک کے حسن بشوق کی شہادت ہوتی ہے۔

دمنہ بھی بغداد کی شاہی محل میں پہنچ کر بے حد مسرور تھی۔ اُس نے کہا۔ "بغدادیہ خوابوں کا شہر ہے جس کے مستفک بازاروں اور کوچوں میں زندگی کے علم سمجھ بھرے ہوئے ہیں۔ میں بچپن ہی سے بغداد کی حسین محل سراؤں، اُن کی غلام گردشوں اور بلای محرابوں کے خواب دیکھا کرتی تھی۔"

جبکہ خاتون فصل سے خبردار کیا تھا۔ "عباسیہ کا بغداد خود ایک خوب صورت خواب ہے لڑکی اپنی آنکھیں کھل رکھنا۔" اُس نے کہا۔ "میں ہیمنہ کے چہرے پر

اور خود جھک کر بھی مخاطب کا یہ انداز اچھا لگتا تھا جس میں ترک معاشرت کی جھلک تھی۔ دمنہ نے اپنی خانم کو اقلینان بخش اطلاع دی تھی مگر اس نے مزید تشفی کے لیے پوچھا: "تو نے یہ بات کس سے سنی ہے؟"

"ابھی ابھی سردار حرب قہر سفید سے لوٹا اور وہی یہ خبر لے کر آیا ہے۔"

"پھر حرب کو بلا کر لے آئیں اُس سے کچھ تفصیل معلوم کرنا چاہتی ہوں۔"

دمنہ حرب اکلندی ہی کے دریلے الرضا فرہنگ پہنچی اور شکر گزار تھی کہ اُس کی رسائی عیاسیہ کی محل سراؤں تک ہو گئی۔ اس سرہانی کے عوین کبھی کبھار تنہائی میں بھی اُس سے مل

بیٹھتی اور سرگوشیوں میں باتیں کرتی تھی۔ یہ ملاقاتیں بڑی پوشیدہ اور باتیں بہت مختصر ہوتی تھیں۔ ابھی وہ باہر جانے کے لیے دروازے کی طرف گڑھی ہی تھی کہ غلام گردش میں بھاری قدموں کی چاپ سن کر وہیں ٹھٹھک گئی۔ کیوں کہ اُس چاپ کو پہچانتی تھی۔ پلٹ کر آہستہ سے بولی۔

"خاتم ابو عباس تشریف لے آئے۔"

پھر لپک کر بھاری پردے کے اوٹ میں ہو گئی۔ اُسے والا احمد ابو عباس ہی تھا۔ اور وہ کمرے میں داخل ہوا، ادھر دمنہ کوئی اہمٹ کیے بغیر گرہ پکھلے دروازے سے نکل گئی۔

اُس نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ خود کو دلی حسد کی نظروں سے چھپایا تھا اور جیک خاتون اس مصلحت کو سمجھتی تھی۔ شوہر کو تلکین اور پریشان دیکھا تو پریشانی کے لمحے میں اُس کا استقبال کیا۔ "ابو عباس! شکر ہے آپ بروقت لوٹ آئے۔ اس مرتبہ آپ بغداد سے نکلے تو میرا دل اڑتا رہا۔"

"ہمارا قرار بھی ٹھنڈا رہتا ہے جیک! یہ سفر کچھ ایسا ہی تھا جس نے جہیں بے چین کر دیا۔"

یہ کہہ کر پیادے سے بیوی کا ہاتھ پکڑ لیا مگر اس پیادے میں دل کا نیا کرب بھی شامل تھا۔ جیک خاتون اُس کے ہاتھ پر جسم پر ایک خفیف سی لرزش محسوس کر کے سوچنے لگی کہ شاید باپ کی اچانک بیماری اور بگڑتی حالت نے اُسے نڈھال کر دیا ہے۔ طبیعوں نے موفت طلوع کی نبض پر

انگلی رکھ موت کی ضرب سنی اور اُس نے والے خطرے کی اطلاع بھجوائی تھی جس پر وہ دشت فرات سے آندلی کی مانند اڑتا ہوا آیا اور بیمار باپ سے ملا تھا۔ دمنہ اطلاع دے چکی تھی کہ دونوں کے درمیان تنہائی میں بھی گفتگو ہوتی ہے۔ اور نہ جانتے کیا گفتگو ہوتی ہے۔ جیک خاتون عیاسیہ کی ہونے والی عکدہ اور اس بات چیت سے دل چسپی رکھتی تھی مگر اُس نے کرید مناسب نہ سمجھی

صرف تنہائی کی ملاقات کا ذکر کیا تاکہ وہ خود اُسے معاملے کی صورت سے آگاہ کرے۔

"ابو عباس! سننا ہے، اعلیٰ حضرت نے تجھے میں آپ سے طویل ملاقات کی؟"

"ملاقات اس لیے طویل تھی کہ ان کی طبیعت کچھ سنبھل گئی ہے۔"

دلی عکدہ لباس تبدیل کیے بغیر اُسی حالت میں جیک کو لے کر مسند پر آ بیٹھا۔ وہ کچھ بری

تھی کہ اب تنہائی میں ہونے والی گفتگو کے بارے میں کچھ بتانے والا ہے۔ یقیناً اعلیٰ حضرت

نے حقوق و اختیارات کی بات چلائی ہوگی۔ نئی ذمے داریوں کا ذکر کیا ہوگا، کچھ ہدایات دی ہوں

گی اور وہ انہی ہدایات اور ذمے داریوں کی بات کرے گا۔ لیکن احمد نے باپ کی بیماری اور

موت کے خطرے کو بالکل فراموش یا نظر انداز کر دیا اور اُسے دشت فرات میں پیش آنے

والا حیرت انگیز واقعہ سننے لگا۔ اس نے فرات کی خاموش تنگی صبح میں شیر کی اچانک دھاڑ

سے لے کر اسما و قطر الندی کی واپسی تک سارا واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیا۔ بنت

خمارویہ کی دل چسپی ظاہر کی اور یہ بھی بتا دیا۔ "ابن حرب کہتا ہے کہ ہم قطر الندی کو بھول

جائیں اور اس کے باپ خمارویہ کو یاد رکھیں جس کا حساب ابھی ہمیں برابر کرنا ہے۔"

جیک خاتون یہ عجیب و غریب رد و استی اور حیران ہوتی رہی۔ ابن حرب کے شوق

کا ذکر کرنے کے بعد احمد نے اچانک اُسے ایک نئی حیرت سے دوچار کر دیا اور پوچھا۔

"اب ہم تم سے دریافت کرنا چاہتے ہیں کیا قطر الندی کو یاد رکھیں یا بھول جائیں؟"

جیک کو اس سوال کی توقع نہیں تھی۔ اُس کی نئی دل چسپی کا قصہ سن کر کہنے لگی۔

"ابو عباس! آپ کس کس کو یاد رکھیں گے۔ قطر الندی کو، دیرہ کو، منتخب خاتون کو، فزبانہ کو یا مجھے؟"

"ہمارا قطر اتنا کمزور نہیں کہ ہم چار پانچ عورتوں کو یاد نہ رکھ سکیں۔"

یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ عرب اور ترک حرم سراؤں میں تین تین چار چار میگات کے

علامہ خوب سورت کینز اور نوٹڈیاں بھی خدمت گزاری کے لیے موجود رہتی تھیں مگر یہی تو

معاملہ ہی طوون کی شہزادی کا تھا۔

جیک خاتون نے شوہر کی بات پر بخجندی سے غور کیا۔ "نئی دل چسپی" پر توجہ دی اور

کہنے لگی۔ "ابن حرب نے صحیح مشورہ دیا ہے۔ وہ آپ کے دشمن کی بیٹی ہے۔ اُسے بھول جانا

بہتر ہوگا۔"

”وتم جی ہی چاہتی ہو کہ تم اُسے بھول جاؤ۔“

”میں نے یہ بات آپ کی دل شکنی کے لیے نہیں، بلکہ اس لیے کہی ہے کہ آپ اپنی اور مصر کے درمیان خون کے تلمزم مائل ہیں اور آپ انہیں عبور کیے بغیر قطر الندی تک نہیں پہنچ سکتے۔“ احمد ابو عباس بتانے لگا۔ ”دشنت فرات سے واپسی پر بستے میں ہم بھی یہی سوچتے رہے کہ اس قطر الندی کو بھول جائیں گے لیکن اعلیٰ حضرت سے منشا کی ملاقات کے بعد اسے یاد رکھنا ضروری ہو گیا ہے۔“

جیمک خاتون دم بخور سی رہ گئی اور اُسے حیرت کی نظروں سے دیکھنے لگی۔ ”کیا آپ نے اعلیٰ حضرت کو بھی بست خماروہ کی ملاقات سے آگاہ کر دیا؟“

”نہیں، اُن سے دشنت ذات کے واقعے کا ذکر نہیں ہوا۔ مگر اس کے بعد ولی عہد نے جو کچھ کہا وہ مزید حیرت انگیز تھا اور یہ کہا: اعلیٰ حضرت نے تجھے میں ہم سے پیمان لیا ہے کہ ہم بغداد اور فسطاط و القطائع کے درمیان نفرت کی لکیر مٹا دیں گے۔ اسلامی سلطنت کو متحدہ کریں گے اور اگر خار وریہ نے مزاحمت کی تو اس کی گردن پر اپنی تلوار کا لوہا آزمائیں گے۔ تم جانتی ہو ہم ایک بار خما دوہ سے شکست کھا چکے ہیں لیکن دوسری بار ناکام نہیں ہوئیں گے۔“ سننے ہی ٹرک خاتون ایک جھٹکے سے مستند چھوڑ کر کھڑی ہو گئی۔ ”تو انہوں نے آپ سے جنگ کا پیمان لیا ہے؟“

”وہ صرف مہم و عراقی کے درمیان علاقہ کی ختم کرنا چاہتے ہیں۔“

جیمک نے خطرے کا انہار کیا۔ ”بہی طولوں تلواروں سے اس علاقہ کی حفاظت کریں گے۔“

”پھر انہیں ابو عباس کی تلواروں سے ٹکراتا ہوگا۔“

ٹرک خاتون بڑی بے صبری سے ہلٹی اور بڑی دل سوزی سے کہنے لگی۔ ”جب عربوں کی تلواریں آپس میں ٹکراتی ہیں، تو کتنے زلے سر مسلمانوں کے ہوتے ہیں ابو عباس! اور یہ مسلمانوں کی باقی خوں ریزی سے ڈرتی ہوں۔“

احمد ابو عباس نے اُس کی پریشانی محسوس کی اور ایک بپا پسوں کا لالہ ”شاید تم نے ہماری بات پر غور نہیں کیا۔ ہم نے توجہ دلائی تھی کہ ابو عباس اور بہی طولوں کے مابین قطر الندی حائل ہو گئی ہے۔ جیسی اُسے یاد رکھنا ضروری ہو گیا ہے۔“

ان الفاظ نے جیمک کو چونکا دیا۔ معاملے کی ایک نئی صورت سامنے آئی تھی اور احمد کہہ رہا تھا۔ اگر ہم مصر و عراق کو مصالحت سے بچانہ کر سکتے تو قطر الندی کا تحفہ اُسے لوٹا دیں گے کیوں کہ پھر معاملے کی صورت کچھ اور ہو جائے گی۔“

یہ کہہ کر اُس نے صدری کی جیب سے شبنم جیسے موتیوں کا وہ ہار نکالا جو بنت خاتمہ اس لیے دے گئی تھی کہ عباسی ولی عہد اُسے یاد رکھ سکے لیکن جو نہی ہار پر کہ فوری شبنموں کی شغافیں پڑیں اُس کے موتی کی بخت چرخوں کی طرح روشن ہو گئے۔ سناروں کی مانند جیمک جیمک، جھل جھل کرنے لگے اور ہفت رنگ کرلوں کے انعکاس سے آنکھیں خیرہ ہونے لگیں۔ اس عجیب نظارے میں دونوں کی نگاہیں ایک دوسرے سے ٹکر آ گئیں۔ احمد ابو عباس اگرچہ دن کے اُجالے میں بھی اُن کی چمک دمک دیکھ چکا تھا لیکن رات کے وقت قندیلوں اور فالوئس کی روشنی میں موتیوں کی غیر معمولی درخشانی اور عس ریزی نے اُسے نقش حیرت بنا دیا۔ جیمک خاتون بھی حیرت اور شوق کی نظروں سے اُن کی ”مگر مگر“ دیکھتی رہی پھر بول۔

”دیا کے یہ سب سے قیمتی موتی صرف مہم میں ملتے ہیں۔“

”اور شاید نایاب بھی ہیں۔“

”بے شک یہ موتی نایاب ہیں اور عام جوہریوں کے پاس نہیں ہوتے۔“ جیمک نے تصدیق کی اور اُس کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔ ”جب کوئی شہزادی آپ جیسے خوب صورت مرد کو ایسا نایاب تحفہ دے، تو اُسے فراموش نہیں کرنا چاہیے۔“

احمد ابو عباس نے چونک کر بیگم کی طرف دیکھا۔ اُس کی نظریں پوچھ رہی تھیں۔ ”کیا تم نے اپنی پہلی رائے بدل دی؟“

جیمک خاتون اُس کی متحیر نظروں کا ”خاموش سوال“ سمجھ رہی تھی۔ وہ اس بات کا مفہوم بھی سمجھ چکی تھی کہ قطر الندی کو یاد رکھنا کیوں ضروری ہو گیا ہے اور یہی ابداع یہی انجام اُس کی تبدیلی فکر کا سبب بنا تھا۔ کچھ سوچ کر کہنے لگی۔ ”ابو عباس! آپ نے جو سوال کیا تھا اُس کا ایک جواب تو میں دے چکی ہوں، مگر جس طرح ہر بات کے دو پہلو ہوتے ہیں اُسی طرح آپ کے سوال کا دوسرا جواب بھی ہے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ قطر الندی کو بھولنے کی بجائے یاد رکھیے۔“ شاید وہ امن اور اتحاد کی آخری آمینہ ہو اور آپ کی طرح مجھے بھی ہمت کا مفاد عزم ہے۔“

ابو عباس نے بڑے جوش سے آگے بڑھ کر اُسے غما کیا۔ ”بہن عباسیہ کی جوئے

والی مکہ سے ایسے ہی جواب کی توقع تھی ۔

ابھی جب تک کچھ اور بھی کہنا چاہتی تھی کہ غلام گردش میں بھاگتے دوڑتے قدموں کی چاپا ابھری اور کسی نے دروازے پر دھک کر حاضری کی اجازت طلب کی۔ آنے والی قصر سفید کی کنیز تھی جس نے اپنی کانچنی آواز اور ڈر بے موئے لہجے میں اطلاع دی۔ ”اعلیٰ حضرت موفق ظلم بن متوکل دارقانی سے کہیں کر گئے۔“

ابو عباس کے ہاتھ سے شش بھنی مرتبوں جیسا ہار فریش کے قالین پر گرنا اور خود ”انا للہ وانا الیہ راجعون“ پڑھتا ہوا دروازے کی طرف لپکا ایک پل کے لیے دروازے میں ٹکرا اور پلٹ کر بولا۔ ”جیک! شاید آج رات ہم الرضا میں واپس نہ آسکیں۔ یہیں کچھ نئے معاملات درپیش ہیں۔“

یہ کہہ کر کنیز کے ساتھ ہی قصر سفید کی طرف روانہ ہو گیا۔ جیک خاتون چند لمحے ساکت و صامت، مگمگ سی کھڑی رہی، پھر ٹھک کر ہار اٹھایا اور اسے اپنی تپیلی پر رکھ کر کچھ سوچنے لگی۔ اچانک اس کی میٹھی ہلکوں سے ٹوٹ کر دو آنسو جگہ جگہ کرتے موتیوں پر پسلی گئے۔ ترک خاتون کی آنکھوں سے وہ آنسو موفق ظلم کی موت کا غم بن کر بہہ نکلے یا اس کے اپنے دل کی حالت پر پکے تھے یہ راز کب تک کوئی نہیں جانتا سکا۔



ادھی رات بیت گئی تھی آسمان پر ستاروں کے قافلے اپنے اپنے حلقے میں طے شدہ منزلوں کی طرف رواں تھے اور رات کو صحراؤں میں چلنے والی ٹھک ہوا بغداد کے مستشف بازاروں اور کوچوں سے سسکیاں بھرتی گزر رہی تھیں۔

احمد ابو عباس قصر سفید میں پہنچا تو موت موفق ظلم کو زندگی کی تمام صعوبتوں اور پریشانیوں سے نجات دلچسپی تھی اور خوش الحان قادی اس کی میت کے ارد گرد بیٹھے قرآن خوانی میں مصروف تھے جنہیں پہلے ہی طلب کر لیا گیا تھا۔ احمد زہد باب کا چہرہ دیکھ کر فوراً ہی کمرے سے باہر آگیا اور ولی عہد کی حیثیت سے اُس کے اکل عباس، فوجی جرنیلوں، قبائلی سرداروں اور غلام اعلیٰ حکام کی طرف قاصد دوڑائے۔ مجلس شوریٰ کے دیگر ارکان کو بھی طلب کر لیا تاکہ ان سے اپنے حق میں فیصلہ لے سکے۔

صاحب بن مغلہ نے معزول خلیفہ معتمد علی اللہ کے اُس مکان کا قفل کھول دیا جہاں وہ کئی دن سے قید تنہائی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ موفق کی وفات کے بعد معتمد کی رہائی ایک ثانوی اور ثانوی تھا ضابطہ سے فوراً پورا کیا گیا اور اس پر پہرہ دینے والے محافظ مثالیس گئے اگرچہ وہ قید میں بھی خود کو خلیفہ سمجھتا رہا لیکن دس برس کی عویل نظر بندی کے باعث اس کی بیعت عملاً غیر موثر ہو گئی تھی کیوں کہ اس عرصے میں موفق ظلم کا حکم نافذ رہا تھا۔ موفق کے بعد جسے عمار اور مؤرخین نے خلفا میں شمار نہیں کیا، اقتدار اور خلافت کے دور ہی دعوے دار تھے احمد ابو عباس بن موفق ظلم بن متوکل۔

معتمد الی اللہ ابو عباس احمد بن متوکل۔

تیسرا کوئی دعوے دار نہ تھا اور عباسیہ کی مجلس کو انہی دو میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا تھا۔ دونوں کے نام احمد اور دونوں کی کنیت ابو عباس تھی ایک بھتیجا اور دوسرا چچا۔ عربوں میں خلافت نے موروثی ملکیت کی شکل اختیار کر لی تھی۔ اقتدار خاندانی وراثت کے طرز پر منتقل ہوتا اور خلافت زندگی ہی میں اپنا ولی عہد اور جانشین نامزد کر جاتے تھے۔ ابو عباس بھی نامزد ولی عہد تھا لیکن مشکل یہ درپیش تھی کہ موفق ظلم خود خلیفہ تسلیم نہیں کیا گیا بلکہ حکومت پر بہ زور و قوت قابض رہا اور اس کی رحلت کے بعد پھر خلافت کا مسئلہ درپیش تھا۔ معتمد کو بھی اسی لیے رہا کر دیا گیا تاکہ کسی کو یہ اعتراض نہ رہے کہ اُسے بدستور نظر بند رکھ کر نئے خلیفہ کا انتخاب کیا گیا ہے۔

”انتخاب“ کا لفظ اپنے معنی کھوجکا اور خلافت ورثے میں ملنے والے شے تھی۔ ”نام اُس کا اتنا مفہوم ضرور باقی رہ گیا تھا کہ حکمران خاندان کے کئی دعوے داروں میں سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کر لیا جائے۔“

دوسرے روز جہاں اہل بغداد نے موفق ظلم کے انتقال اور معتمد کے راجہ ہونے کی خبر سنی وہاں احمد ابو عباس کو اُس کے بنی عباس، شیوخ قبائل اور سرداران فوج کے درمیان جن میں ترک انصروں کا جگہ تھا، قصر خلافت کے دروازے پر نمودار ہونے دیکھا۔ عباسیہ کے بڑے بڑے سپاہی علم اُس کے سر پر اقتدار کا سایہ ڈال رہے تھے یہ اس امر کا اعلان تھا کہ اکابرین اہل عباس اور سرداران فوج نے اُس کے حق میں فیصلہ دے دیا ہے اور معتمد الی اللہ کو تاریخ کا ایک پٹھان پڑاؤ میں سمجھ کر مسترد کر دیا گیا ہے۔

اتنے ہی جھک خاتون عباسیہ کی قابل احترام ملکہ بن گئی۔ ارتضافہ میں بیگمات اور خواتین کے کے بھر مٹ نظر آنے لگے جو اُسے مبارک باد اور اُس کی خوشنودی حاصل کرنے اُمید تھیں۔ انتخاب کے ساتویں روز جھک خاتون نے اپنی کل سرائیں شوہر کے ۱۶۰ اڑیں ایک خصوصی عہد منقشہ کی جس میں ارتضافہ کی حسین کنیز دمنہ نے احمد ابو عباس کی تخت نشینی کا نغمہ گایا۔

هَيْتَا بَنِي الْعَبَّاسِ إِنَّ إِمَامًا مِّنْكُمْ
اِئْتَىٰ بَنِي عَبَّاسٍ بِقَهْلٍ مَّارِكٍ هُوَ كَهْمَارِ الْإِمَامِ
إِمَامًا مَّالَهُدَىٰ وَالْبَاسِ وَالْجَوْدُ أَحْمَدُ
إِمَامٌ بِدَايَةٍ أَوَّلِ صَاحِبِ جُودٍ وَكَرَمٍ أَحْمَدُ
كَمَا بِأَبْنَى الْعَبَّاسِ الشَّيْ مُنْكَمُ
جس طرح ابو عباس (سفاح) سے تمہارا ملک شروع ہوا تھا
بند بانی عباس ایضاً بخدا
اُسی طرح ابو عباس ہی سے اس کی تجدید ہوئی ہے۔

بغداد کی رات پہلے پہر سے گزر رہی تھی باہر دجلہ اور دجلہ کے دونوں ساحلوں پر کھڑی محل سراٹھ، کوشکوں اور اونچی اونچی عمارتوں پر چاندنی کھیت کر رہی تھی اور ارتضافہ میں فلسطینی کنیز کی آواز صرف دھوئیں پیریں، جھروکوں، محرابوں، جالیوں، غلام گردشوں، تنوں، پائیں باغ کے پودوں اور درختوں پر بھی غلسم پھونک رہی تھی۔ یوں لگتا تھا کہ وہ آواز درختوں کی شاخوں سے دجلہ کے لہروں سے بغداد کے در و دیوار سے کچھ کہہ رہی ہے۔

احمد ابو عباس آواز کے جادو اور الفاظ کی سحر آفرینی میں کھوکھلا رہا۔ پہلی بار محسوس کرنے لگا کہ دمنہ کی آواز میں فلسطین بول رہا ہے حالانکہ فلسطین اور اُس کے حسین شہر، کھیت، باغات، عباسیوں کی دسترس سے باہر ہو گئے تھے۔ صرف فلسطینی کنیز دمنہ قریب تھی۔ وہ اُسے ایک شب کے لیے جھک خاتون سے مانگ سکتا اور خلوت میں اُس کی آواز کے جادو سے لطف اندوز ہو سکتا تھا لیکن وہ رات صرف جھک خاتون کے حصے کی تھی اور کنیز کے داخل ہونے کے لیے کوئی دروازہ نہیں تھا۔

لوگوں نے احمد ابو عباس کے انتخاب کی خبر سنی تو گلیوں، کوچوں، بازاروں میں نکل گئے اور اس کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کرنے لگے۔

"وہ امام اولد" ماں صواب کا بیٹا، نہایت خوش شکل، بہادر، شجاع، ہوشیار، حملہ کرنے میں بے رحم، فیصلہ دینے میں سخت تھا۔ جب بول تو اُس کے الفاظ درہشت اور سخت معلوم ہوتے جو سننے والوں پر رعب اور خوف طاری کر دیتے، جب سوچنا، ذہن میں اُس کی سوچ کے عملی خاکے اور نقشے بھی ساتھ ہی ساتھ مرتب ہوتے چلے جاتے اور خیال فوراً امکان کے دائرے میں آجاتا تھا۔ حریف بھی اُس کی ذاتی کشش، رعب اور جلال کا لوہا مانتے تھے۔ لوگوں نے اُس کے انتخاب کو پسند کیا۔

کچھ لوگ جو ابھی تک معتد کی بیعت کا عقیدہ اپنی گردنوں میں محسوس کرتے تھے بدلہ بدل زبان میں کہنے لگے کہ بنی طویون نے مصر و شام کو دولت عباسیہ سے اس لیے الگ کر لیا کہ موفق ظہر نے ایک بار اپنے بھائی پر فوج کشی کی، دوسری مرتبہ اُسے خلافت سے معزول کر کے قید میں ڈال دیا۔ ربانی کے بعد اگر اُس کی خلافت بحال کر دی جاتی یا اُسی کو دوبارہ منتخب کر لیا جاتا تو بنی طویون کے پاس غلامی کا کوئی خذر باقی نہ رہتا اور معتد کی بیعت ٹھانی اُن کی سرکشی ختم کر سکتی تھی لیکن اکابرین بنو عباس نے اُس کے حق خلافت کو قصہ پارینہ قرار دے کر غلطی میں رکھ دیا اور فرزند موفق احمد ابو عباس کے حق میں اپنی تلواریں بلند کی تھیں۔

اب معتد کے لیے دو ہی راستے تھے خلافت سے دستبرداری کا اعلان یا پھر خروج۔ لیکن اُسے فوج کی حمایت حاصل نہ تھی۔ کمزور بازوؤں میں تلوار اٹھانے کی سکت نہ تھی۔ اُس نے خروج کا فیصلہ کیا نہ دستبرداری کا اعلان۔ صرف خاموشی اختیار کر لی اور اپنے قصر میں بند ہو گیا۔ شاید ابھی اُس کی "اسیری اور نظر بندی" کے دن ختم نہیں ہوئے تھے۔ لوگ کہنے لگے "طویل قید نے اُس کی طاقت چھین لی اور مولعب نے اعصاب مضطرب کر دیے ہیں لیکن جب تک احمد ابو عباس کی اطاعت نہیں کرنا، اُس کا وجود بدستور بنی طویون کی دل چسپی اور توجہ کا مرکز بنا رہے گا۔ وہ اُن کی بساط سیاست کا ٹھکانہ ہے۔"

شاعروں نے نئے خلیفہ کی نشان میں قسیدے لکھے اور اس کے اقتدار کو نوال پذیر دولت عباسیہ کے لیے ترقی و تہجد کا منظر فرار دیا۔ احمد ابو عباس کے برسر اقتدار

کے ساتھ کمرہ خواب میں چلا گیا۔ مغل موسیقی نغمہ ہو گئی تھی۔ دمنہ بھی اپنے خوابوں اور دنیاوی
کے ظلم سے نکل کر ایک بچے کی طرف ہوئی۔ جو لہجے و مکملے سخن میں آئی، چاند کی ٹھنڈی
کونوں نے اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔ ایک پل تک کمرہ اس نے الرقصانہ کمرہ
خواب کی طرف دیکھا، بیش قیمت امزد کو مستحیلی پر رکھا اور سرگوشی کے لمحے میں کہا: "ابو عباس
یہ زمرہ میری آواز کا سلسلہ نہیں۔ کاشش! تم نے ایک رات کے لیے مجھے بیچک فاقوں سے ہٹ
لیا ہوتا۔"



۳

جعفر نجومی

○

جعفر نجومی نے منذر ابن حرب کے بارے میں، جب وہ احمد ابو عباس کے ہمراہ
دشنت فرات سے لوٹا بڑی عجیب و غریب اور ناقابل یقین پیش گوئی کی اور پیش گوئی یہ
کی تھی۔

"ابن حرب استار سے کہتے ہیں، تمہیں بغداد سے بھاگنا پڑے گا، اگر نہیں بھاگو
گے تو احمد ابو عباس کی تلوار تمہارا سر قلم کر دے گی۔"
ابن حرب یہ پیش گوئی سن کر دنگ رہ گیا اور جب حواس ذرا بجا ہوئے، تو بولا،
"تمہارا دماغ تو درست ہے؟"

"مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں۔" جعفر نجومی کہنے لگا۔ "ابن معرفت اور اہل نجوم کو
جو امن کائنات کے اسرار جانتے ہیں، اکثر لوگ دیوانے خیال کرتے ہیں۔ تمہیں بھی میرے
دماغ کی صحت پر شبہ ہے لیکن یہ بات آسمانوں کے دفتر میں بھی مایوسی سے کہ ایک دن تم پر
بغداد کے دروازے بند ہو جائیں گے اور موت تمہارا چھپا کر سے گی۔ یہ سب کچھ احمد ابو
عباس کے حکم پر ہو گا۔ میں تمہیں صرف نصیحت کر سکتا ہوں کہ جب نیدہ سے پیاز لے یا سلاخ
کو اپنے گھر کی جانب آتے دیکھو تو فرار ہونے میں دیر نہ لگانا۔"

ابن حرب نے جعفر کی بات کو ہنسی میں اڑا دیا۔ اس کے نزدیک پیش گوئی جھوٹ
کا پتھر تھی۔ یہ وہی اور زمانہ تھا جس میں جعفر بڑے اطمینان سے بولا۔ "تمہیں موت سے

صرف دی گھڑی بچا سکتی ہے جس میں فرار ہونے کا موقع مل سکے، اُس گھڑی کو مضائقہ نہ کر دینا۔
جعفر کی ہر بات عجیب اور ناقابل اعتبار تھی۔ احمد ابو عباس اور ابن حرب کے درمیان
دشمنی تو کیا، شکر رنج پیدا ہونے کا بھی احتمال نہ تھا۔ دونوں میں کئی سال سے دوستی کا گہرا بوند
نثار دونوں کے مزاج یکساں تھے۔ دونوں بسا زور دشمن کے حق میں بے رحم تھے۔ سب
سے اہم بات یہ تھی کہ ابن حرب درست ہی نہیں، اُس کے محافظ دہشتے کا سالار اور ایک قابل
اعتماد محافظ بھی تھا جس نے جنگ کے ایام میں اپنی جان خطرے میں ڈال کر عباسی شہزادے کی
جان بچائی تھی۔ اسی لیے احمد اُسے عزیز رکھتا اور عموماً مشورے میں شریک کرتا تھا۔

جعفر نے اس تعلق کو نظر انداز کر کے صرف نجوم کے علم پر بھروسہ کیا اور اُس کے زائچے
یا نقشے کے مطابق جو ان سیدھا پیچہ سامنے آیا، بیان کر دیا تھا حالانکہ آج تک کہ کوئی علم
مکمل نہیں ہوا، نجوم کے متعلق تو روایت بھی سننے میں آئی ہے کہ آدی تو تیس سال تک یہ
علم پڑھتا اور سمجھتا رہے، پھر تیس سال فلکیات کا مطالعہ کرے اور تجربات سے گزرے
تب کہیں جا کر وہ ایسی پیش گوئی کر سکتا ہے جس میں غلطی کا امکان نہ ہو، گو یا از روئے نجوم
صحیح پیش گوئی کرنا ناممکن ہے۔ کیونکہ آدی کی علم مختصر ہوتی ہے۔ ابن حرب کے نزدیک جعفر نجوم
کے اس معیار پر پورا نہ اُترتا تھا اور اُس نے پیش گوئی کر کے اپنے علم فلکیات کا بھانڈا پھوڑ
دیا تھا۔ اُس کی ساری باتیں خرافات اور جھوٹی باتیں اور کتاب کہنتی ہے کہ جھوٹی زبان، جھوٹے
گواہ اور جھوٹے عالم سے دوستی نہ کر۔ اُس نے پانچ سُرُخ دینا زکال کر سامنے رکھ دیے
اور کہا تھا: "ایسی پیش گوئی کا جس کا ایک حرف بھی پورا نہیں ہو سکتا، پانچ دینار معاوضہ بہت
زیادہ ہے لیکن معاوضہ اس لیے دے رہا ہوں کہ کسی لائق طبیب سے ایسا علاج کرا سکوں۔"
جعفر بخوبی نے سونے کے سکے اکٹھا کر فوراً حبیب میں رکھ لیے اور ساتھ ہی آسمان
کی طرف اٹکل اٹھا دی تھی۔ "ابن حرب آدی کو مشکل وقت اور بُرے انجام سے ڈرنا چاہیے
عقل مند لوگ وہ ہیں جو ستاروں کا لکھا ہوا سنتے، ان کے اشارے سمجھتے اور بُرے وقت سے
بچنے کے لیے آسمان کی ہدایات پر عمل کرتے ہیں۔"

تو یہ تھی وہ پیش گوئی جو جعفر بخوبی نے ابن حرب کے بارے میں کی اور اس بات پر
زور دیا کہ کسی سے اس کا تذکرہ بھی نہ کرے۔ اُس نے خود ہی اس ہفتوات کو بیان کرنے
کی ضرورت نہ سمجھی تھی لیکن اس پیش گوئی کے ٹیک گیا، نہ یوں دن وہ قہقہہ مار کر ہنس دیا اور

اُس کی غسی رکنے میں نہیں آ رہی تھی۔ احمد ابو عباس نے برسرِ اقتدار آنے کے بعد اُسی روز
یہ حکم جاری کیا تھا کہ کوئی بخوبی اور قہقہہ گورا تے میں بیٹھے، نہ کوئی پیش گوئی کرے اور
نہ کتب فروش فلسفے کی کتابیں نہ بیکیں۔

اس حکم کے ساتھ ہی نجومیوں اور داستان سرائوں کا دستِ اُڑا گیا، جو بغداد کے
بازاروں اور راستوں میں جھگڑے لگائے بیٹھے رہتے تھے۔ اب وہ شاہکارین کا رخ کرنے
لگے۔ ابن حرب نے یہ خبر بھی سن لی تھی کہ جعفر بخوبی نے باپ شناسی سے اپنا اڈہ اٹھایا۔ ستاروں
بجائے نقشے سمیٹ لیے، بروج ساری کے خاکے پیٹ لیے، جوتی پنچے اور علم اکھاڑ لیے
کتاب تقدیر کے ساتھ زائچوں کی کوسیں بھی ایک بچے میں بند کر لیں اور بغداد سے رخصت
ہونے کی تیاریاں کر رہا ہے۔

وہ نجومیوں کے کھوکھلے علم اور عبرت ناک انجام پر سس رہا تھا جو بغداد سے نکل رہے
تھے جعفر بخوبی کی ہفتوات پر تھپتھپے لگا رہا تھا جس نے پیش گوئی کی تھی کہ ابن حرب پر بغداد
کے دروازے بند ہو جائیں گے اور موت اُس کا پیچھا کرے گی لیکن ستارہ شناس یہ نہیں
جانتے تھے کہ ان کے ستارے گردش میں آنے والے ہیں۔ درمیان کی قسمت کا سال
بتانے والے اپنے انجام سے بے خبر تھے اور جعفر بخوبی کو بھی اس بات کا علم نہ ہو سکا کہ اب
وہ کسی راستے پر یا اپنے نجوم کے علم کدے میں بیٹھ کر کوئی پیش گوئی نہ کر سکے گا بکرا ہے
بغداد سے بھاگنا پڑے گا۔

احمد ابو عباس کا حکم بادلوں کے حاشیوں پر ٹوٹنے والی بجلی کی طرح بالکل ناگہان آواز
ہوا اور اپنے مستقبل سے بے خبر نجومیوں کے ہوش اُڑ گئے۔ ابن حرب، جعفر بخوبی کی جوتی
کا تصور کر کے جو خلیفہ کا حکم سن کر اُس پر طاری ہوئی ہوگی، بے تحاشا ہلے ہمارا تھا اور اس
جہال سے ایک عجیب سی خوشی محسوس کر رہا تھا کہ اُس کے فرار کی خبر دینے والا خود فرار ہو
رہا ہے۔



دوسرے روز جعفر الرضا نے دروازے پر نظر اُٹایا۔ بغداد چھوڑنے سے پہلے
وہ ایک خانہ سے ایک مختصر سی ملاقات کا خواہش مند تھا، اُس کے بغیر نجوم میں مکمل

لئے بیسے ہی ایک اہم خبر تھی اور چاہتا تھا کہ رخصت ہونے سے پہلے وہ خبر اس کے گوش گزاری کرنا چلا جائے۔

الترقاہ کے محافظ سردار حرب الکندی سے یہ توقع ہے جان بھتی کر پرانی دوستی کے تانے بانے مکتہ غایبہ سے اس کی ملاقات کا بندوبست ہی نہیں کر دے گا بلکہ خلیفہ کو بھی اس ملاقات کی کانوں کان خبر نہ ہونے دے گا۔ حرب الکندی نے اسے مایوس نہ کیا اور یہ احتیاط بھی نہ نظر رکھی کہ فلسطینی کثیر ذمہ کے سوا جو حرب کے ساتھ کچھ رازداری کی باتیں بھی کر سکتی تھی۔ کسی کو جعفر کے الرضا فہمک آنے کی مطلق خبر نہ ہو سکے۔ یہ احتیاط اس لیے ضروری تھی کہ احمد ابو عباس کسی بخوی کو اپنے قصر کے قریب بھی نہ بھینکنے دینا اور اپنے احکام کی تعمیل میں بڑا سخت قناہ حرب جانا تھا کہ اگر خلیفہ کے کان میں اس ملاقات کی بھینک بھی پڑ گئی تو الرضا فہمک نگرانی سے بظرفی کے ساتھ اسے منرا بھی بھینکنا ہوگی، اس فطرے کے باوجود اس نے جعفر بخوی کی دوستی کا بھرم قائم رکھا۔

ذمہ ہی جھجک خاتون تک سردار حرب کی درخواست سے کہ پہنچی کہ جعفر بخوی کو ملاقات اور عرض مطلب کی اجازت دی جائے یہ بات بھی گوش گزار کر دی گئی کہ وہ مکتہ مغفر کو مستقبل کی کوئی اہم اطلاع دینے آیا ہے جس پر ان کی اپنی ہنر زندگی کا انحصار ہے۔

یوں تو ہر فرد کو لیکن بالخصوص ہر عورت کو اپنی زندگی اور مستقبل کا حال جاننے سے گہری دلچسپی ہوتی ہے، جھجک خاتون کو علم تھا کہ قصر شاہی میں کسی بخوی کا داخلہ ممنوع ہے لیکن ذمہ نے سرگوشیوں میں بتا دیا کہ حرب نے جعفر کی آمد کو صیغہ راز میں رکھا ہے اور آپ سے اس کی ملاقات بھی خفیہ ہوگی تو ملاقات پر تیار ہو گئی کہ دیکھے تو سہی جعفر اپنے نجوم کی مٹھی میں اس کے لیے کیا چھپا کر لایا ہے۔ وہ ذمہ کو ساتھ لے کر بڑی احتیاط اور رازداری کے ساتھ مکہ ملاقات میں پہنچی۔

ادھر حرب نے بھی جعفر کو گھرا دیا تھا کہ ملاقات مختصر ہونی چاہیے پھر اسے خفیہ دروازے سے لے کر قصر میں داخل ہوا اور عراقی غلام گردشوں میں بے آواز چلتا اس کے ہمراہ میں پہنچ گیا جو خفیہ ملاقات کے لیے طے کر لیا گیا تھا۔ جالی دار پردے کے پیچھے جھجک خاتون ایک محراب میں بیٹھی تھی۔ ذمہ نے اطلاع دی کہ جعفر اس وقت مکتہ معظمہ کے حضور میں ہے جس پر اس نے ملاقات کے دستور اور اہل علم کی روایات کے مطابق بڑی نیاز مندی کے ساتھ سلام کیا اور کہا کہ

”میں اس عنایت کے لیے نہ دل سے ممتون ہوں کہ آپ نے مجھے شرف باریابی بخشا ہے، میں پروردہ جھجک خاتون کی آواز سنانا دی۔“ جعفر ملاقات کی اجازت اس لیے دی دی گئی کہ تم بغداد سے کردہ خاطر ہو کر نہ جاؤ اور قمار سے دل میں کوئی ملال نہ رہے، جو کچھ جانا ہے، بلا خوف کہو۔“

”آپ کی اس نوازش کا بھی شکریہ مکتہ غایبہ! اگر اب کہنے کے لیے غم نہیں رہا۔“ چھتر نکایت گزرا۔ جیسے میں بولنا۔ ابو عباس نے اہل نجوم کی زبانوں پر قفس ڈال دیے اور کچی پٹی مٹھی میں ڈال دیے حالانکہ علم فلیکات تقدیر کے امرا کی گتھیاں کھولنا اور ہر زمانے میں عالموں اور دانشوروں کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ آل عباس کے عالی مرتبت خلیفہ منصور ابو جعفر نے ماہرین نجوم کو اپنا مقرب بنایا اور ہمیشہ ان کے مشوروں پر عمل کیا خلیفہ نامدار مامون عبداللہ جن کی حکمت و دانش اور شجاعت و اصابت رائے میں کسی کو کلام نہ تھا، خود فلیکات کے ماہر اور اہل نجوم کی بڑی عزت کرتے تھے لیکن اب یہ زمانہ آگیا ہے کہ منجموں کو پیش گوئی کرنے کی اجازت نہیں۔ کیا ابو عباس نہیں جانتے کہ زمین پر کوئی واقعہ اس وقت تک ظہور میں نہیں آتا، جب تک آسمانوں کی کتاب امرا پر درج نہ ہو جائے۔ افسوس علم پر ہرے لگائے جا رہے ہیں.....“

شاید وہ کچھ اور بھی کہتا لیکن مکتہ جھجک نے اس کی بات کاٹ دی۔

”امیر المؤمنین کے حکم پر بحث بے کار ہے جعفر! تم انہیں علم نجوم کا فائدہ کر سکتے ہو نہ میں ان کا حکم تبدیل کر سکتی ہوں۔ اس لیے صرف مطلب کی بات کرو اور جس مقصد کے لیے آئے ہو وہ بیان کرو۔ میں نے سنا ہے کہ تم مجھے کوئی ضروری خبر دینا چاہتے ہو۔“

”یہ درست ہے مکتہ غایبہ! میرے پاس آپ کے لیے ایک اہم خبر ہے۔“

”پھر میں وہ خبر سننے کے لیے بے چین ہوں۔“

”مگر پہلے مجھے اس بات کا اطمینان ہونا چاہیے کہ جو کچھ عرض کروں گا، وہ صرف آپ کی ذات گرامی تک محدود رہے گا اور اس کی اطلاع کسی بھی ذریعے ابو عباس تک نہیں پہنچے گی۔“

”بھروسہ رکھو۔ اس وقت میرے، سردار حرب اور ذمہ کے سوا یہاں کوئی نہیں، جو قمار بازی بات سن سکے اور جو کچھ تم کہو گے وہ ہمارے سینوں میں امانت کی طرح محفوظ رہے گا۔“ جعفر نے اطمینان کا سانس لیا۔ ”پھر جو کچھ بیان کرنے والا ہوں، اسے توجہ سے سنئے۔“

یہ کہہ کر اُس نے اظہارِ مطلب کے لیے اپنے مخصوص اور مؤثر الفاظ کا انتخاب کیا۔ جس سے مخاطب کو حیرت کر دیا کرتا تھا، پھر کہنے لگا۔ ”ملکہ عالیہ میں نے ہفت افلاک پر ستاروں کے غیرت دیکھے۔ بروج سماوی کے قیام اور کوکب کی رفتار کا مطالعہ کیا۔ آسمانوں میں جھانک کر دیکھا اور کتابِ اسماء کے کچھ واقعات کو اپنے نقشے میں اتارا ہے۔ جب میں ستاروں کی رفتار اور اُن کے اثرات کے مطابق مستقبل کی نگاہیں کھینچ رہا تھا، بغداد پر قمر و ہلاکت کی بجلیوں کے کڑا کے میری سماعت سے ٹکرائے۔ میں نے دیکھا، معزول خلیفہ معتقد کا ڈوبا ہوا ستارہ تاریکیوں کے افق سے پھر طلوع ہو رہا ہے اور اہل بغداد اس ستارے کو سلام کر رہے ہیں۔“

ملکہ جیگ دم بخود رہ گئی۔ اگر معتقد کا ستارہ بغداد کے افق پر طلوع ہو گیا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ احمد ابو عباس کے اقتدار کا تارہ غروب ہو جائے گا اور وہ بھی عباسی کی عالی مرتبت ملکہ نہیں رہے گی۔ بڑی پریشانی سے بولی۔

”تم یہ کیا کہہ رہے ہو جعفر!“

”میں نہیں تارے کہہ رہے ہیں خاتم! جعفر کا جواب حیران کر دینے والا تھا۔ آسمانوں پر کھینچ جانے والی کتابِ تقدیر میں ایک عجیب و غریب اور حیرت انگیز واقعہ درج ہونے والا ہے اور ہم اہل نجوم تو صرف کسی واقعے کی قبل از وقت اطلاع دینے کے گناہ گار ہوتے ہیں۔“

جیگ خاتون ذرا چرتکی۔ ”تم نے کہا ہے کہ کوئی واقعہ کتابِ تقدیر میں درج ہونے والا ہے۔ اس کا مطلب ہے ابھی وہ واقعہ درج نہیں ہوا۔“

جعفر نے ملکہ کی پریشانی بھانپ لی۔ مطلب سمجھ لیا اور کہا۔ ”بے شک ابھی اُس کے اندراج میں کچھ عرصہ کچھ وقفہ باقی ہے کیوں کہ کتابِ تقدیر پر صرف قطعی بات درج ہوتی ہے اور ابھی دو ستارے ایک دوسرے کے متوازی چل رہے ہیں۔ ایک خود روشن ہے، دوسرا کسی کی تکتی سے روشنی حاصل کر رہا ہے اور دونوں کے درمیان ایک کش مکش جاری ہے لیکن سچ کے دن سے ابھی ساتواں مہینہ پورا نہیں ہوگا کہ جو کچھ ہونے والا ہے، ہو جائے گا اور بغداد کے لوگ ناقابلِ یقین حالات سے گزر رہے گے۔“

جیگ خاتون کسی وضاحت کے بغیر بھی سمجھ گئی کہ جو ستارہ اپنی ذات میں روشن ہے وہ احمد ابو عباس اور جو کسی دوسرے کی تکتی سے روشنی حاصل کر رہا ہے، وہ معتقد ہے جس کی

پشت پر بنی طوفان کھڑے ہیں۔ کچھ سوچ کر کہنے لگی۔

”تمہارے الفاظ اگرچہ بڑے محتاط ہیں لیکن اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ معتقد خروج کی سوچ رہا ہے اور بنی طوفان کو اپنی مدد کے لیے بلائے گا۔“

”ہو سکتا ہے، میرے الفاظ کا مفہوم ہی ہو۔ ہو سکتا ہے کچھ اور ہو۔“

”مگر ابو عباس کے انتخاب پر تو معتقد نے خروج کی بات نہیں کی، صرف خاموشی اختیار کی ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ خاموشی اُدھی رضا مندی ہوتی ہے۔ گویا وہ ابو عباس کے مقابلے سے غلامِ متنبہ دار ہو گیا ہے۔“

”آپ کی بات درست ہوگی لیکن آسمان اس واقعے کی شہادت نہیں دیتا۔ ستاروں کی چال کچھ اور کہتی ہے۔ حالات کی صورت کچھ اور ہے اور حالات بگڑ سکتے ہیں۔“

”کیا حالات کو بگڑنے سے روکا نہیں جاسکتا؟“

”اگر آسمان پر ستاروں کی چال بدل گئی، تو زمین پر بھی حالات بدل جائیں گے۔ اصل میں یہ تقدیر کا فلسفہ ہے جو آپ مجھ سے پوچھ رہی ہیں۔ اس دنیا کو عالمِ امکانات کہا جاتا ہے۔ یہاں سب کچھ امکانات اور اسباب پر موقوف ہے اور اہل علم کسی امکان کو نظر انداز نہیں کرتے۔“

پھر جعفر نے ایک اور حیرت انگیز اور بھیانک واقعے کا نقشہ بیان کیا جس کے ردِ نما ہونے کا امکان تھا۔

”ملکہ عالیہ! میرا حساب اور زائچہ کچھ اور بھی بتاتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ سات ماہ کے اندر بغداد میں ایک اہم آدمی قتل ہوگا، جس کے قتل پر طبعی موت کا گمان گزرے گا۔ لوگ اُس کا جنازہ اٹھائیں گے اور اُسے قبر کے اندھیروں میں دفن کر دیں گے لیکن اُس کے قتل پر اہل بغداد بڑے مضطرب ہوں گے ایک ہنگامہ بپا ہوگا اور کئی دوستیاں دشمنی میں بدل جائیں گی۔“

ملکہ جیگ نے جواب کی مسند پر بڑی بے چینی سے ہنسنے لگا۔ وہ اہم آدمی کون ہوگا؟

”میرے خلع اور حجاب کے مطابق معتقدانِ اشد جعفر نے بڑے وثوق سے جواب دیا۔“

سات ماہ میں اُس کے انتقال یا قتل کا بھی امکان ہے، جس پر ایک جھگڑا ختم ہو جائے گا اور ایک نیا جھگڑا شروع ہوگا لیکن یہ واقعے کی دوسری صورت ہے اور جب آسمان پر ایک ایسی واقعے کی دو صورتیں نظر آ رہی ہوں اور دونوں کے وقوع میں آنے کے امکانات ہوں تو

ابنِ مین ہی ایک عسرت کو بدل دینے کے مجاز ہوتے ہیں کیونکہ حالات کی تبدیلی میں انسان کی
 فکری اور فکریاتی تبدیلی دخل ہوتا ہے بلکہ غالباً اہل نجوم و آسمانوں پر نظر آنے والے عجیب و غریب
 اس لیے بیان کرتے ہیں کہ زمین پر ناخوشگوار اور خطرناک واقعات کا رخ تبدیل کیا جاسکے اور
 میرے علم کے مطابق یہی وہ گوشہٴ امرا ہے، جسے تقدیر کہتے ہیں اور جس کے بارے میں
 آپ نے مجھ سے پوچھا تھا۔

پھر جعفر نے سر جھکا کر خاموشی اختیار کر لی اور سکے جھجک کی آواز سنائی دی۔
 ”کمتر اور بھی کہو جعفر“

”بس نام، جو کچھ مجھے کہنا تھا، کہہ چکا۔ اب میرے پاس کہنے کے لیے الفاظ اور آپ
 کے پاس سننے کے لیے وقت نہیں اس لیے اجازت چاہتا ہوں کیوں کہ مجھے سفر پیش ہے۔“
 ”مجھے افسوس ہے کہ تم بغداد سے جا رہے ہو مگر اُمید ہے پھر لوٹ آؤ گے۔“
 جعفر نے بھیگی ہونٹوں سے مکہ جھجک کی طرف دیکھا کیوں کہ بغداد سے جدائی کا خیال بڑا
 سُوہاں روح تھا اور بڑے جذبہٴ باقی اچھے میں کما۔

”بغداد میرا مالوت شہر ہے جس کے ساتھ میں پیدائش، محبت اور علم کے رشتوں میں
 بندھا ہوا ہوں لیکن یہ سارے رشتے اکٹھے ہی اور اسی جگہ ختم ہو رہے ہیں۔ میں اس شہر میں
 جس کی زمین میرے پاؤں تلے سے کھینچ لی گئی ہے، معلق رہ کر جینا نہیں چاہتا۔ اس لیے
 یہاں سے ہمیشہ کے لیے جا رہا ہوں اور پھر کبھی لوٹ کر نہیں آؤں گا۔ خدا حافظ!“

یہ کہہ کر جعفر بخوبی جھجک خاتون سے رخصت ہوا اور سردارِ حرب الکندی کے ساتھ اُسی
 خفیہ دروازے سے نکل گیا، جس دروازے سے الرضاؑ میں داخل ہوا تھا۔ اس نے سردارِ
 حرب کو بھی الوداع کہی اور محلہٴ کرخ کی طرف ہویا جہاں گدھے پر پالان بندھا ہوا تھا اور
 ضروری سامان تیار رکھا تھا۔ اُسی روز جعفر بغداد سے روانہ ہو گیا۔

وہ بغداد سے بے شک چلا گیا لیکن مکہ جھجک کے ذہن میں، دل میں، آپسے وجود میں
 امر اور تحیر کا ایک طوفان چھوڑ گیا بلکہ اپنی پیش گوئی کے ساتھ جو وہ ”ستاروں کی کش مکش کے
 بارے میں تھی کسی گہرائی تک جا کر اس کے اندر جھجک کا دل سے گئے ایک دن،
 دو دن، تین دن، یا پھر کئی دن گزر گئے لیکن جھجک خاتون ہر روز، ہر شب اپنے ذہن میں
 اس کی آواز سنتی تھی۔

جعفر نے کہا تھا کہ بغداد کے اُفق پر معتد کا سندانہ چہرہ طلوع ہو گا اور لوگ اُسے سلام کریں گے
 یا پھر زائچے کے مطابق اُسے قتل ہونا اور اندھیری قبر میں اتارنا تھا۔ ان دو صورتوں میں سے کوئی
 صورت پیش آ سکتی تھی اور جعفر نے دونوں صورتیں پیش کر کے تقدیر کا یہ فلسفہ بھی بیان کر
 دیا تھا کہ اہل زمین کسی ایک صورت کو تبدیل کر سکتے ہیں۔

ملکہ جیجک کے دل و دماغ میں ایک خوفانہ برپا تھا کیوں کہ پہلی صورت معتد کے خروج یا
 پھر از سر نو طلوع کی تھی۔ اس صورت میں اُس کے شوہر احمد ابو عباس کو خلافت سے اور شاید
 زندگی سے بھی محروم ہونا یا پھر کسی زندان میں جانا تھا اور اس کے ساتھ ہی جیجک خاتون کے
 لیے بھی کچھ بقیہ نہ رہ جاتا۔ دوسری صورت معتد کے قتل، کفن اور دفن کی تھی جس کے ساتھ
 سارے خطرے بھی دفن ہو جاتے۔ اُس نے سوچا یہ معتد علی اللہ جو اس کے شوہر کا ہم نام
 اور ہم کنیت ہے اور جس کی وجہ سے دولت عباسیہ میں طولی سلطنت کا رخنے پیدا ہوا، آخر
 زندہ ہی کیوں رہے؟

وہ اپنے محل میں بیٹھا ضرور بنی طولون سے خفیہ مراسلت کرتا ہو گا۔ رات کو اندھیرے
 کا لباس پہن کر آنے والے خبر رساؤں کے ہاتھ خمار و یہ کو خرورج کا پیغام بھیجتا ہو گا، اگر وہ اس
 کوشش میں کامیاب ہو گیا تو سب کچھ بدل جائے گا کیوں نہ اُسے خرورج سے پہلے ہی ٹھکانے
 لگا دیا جائے۔

ذہن کی کوٹھڑی میں چھپ کر بیٹھا ہوا "قتل" کا لفظ فوراً زبان پر آ گیا، جس کا جعفر خوں
 نے امکان ظاہر کیا تھا، یہی ایک لفظ خنجر میں ڈھل کر خیالوں پر لپکا لیکن سوچنے لگی، آخر معتد
 کو قتل کون کرے گا؟

خلیفہ معتمد

LIBRARY
RAJAPUR, RAWALPINDI
34 - 0345-5048059
Ali Khan

○

جیجک خاتون نے جو کچھ سوچا بغداد اور سامرا کے باشندے بھی وہی سوچ رہے تھے
معتمد ہائی کے بعد لوگوں کو اپنے لیے دعوت دے سکا، نہ خلافت سے دستبردار ہوا
موفق طلحہ کی وفات، اُس کی نظر بندی کا خاتمہ، احمد ابو عباس کے ارد گرد فوجی افسروں اور اُمراء
آل عباس کا جھگڑنا، یہ سب واقعات بڑی تیزی کے ساتھ رونما ہوئے تھے۔ یہ واقعہ
کسی کڑی کی طرح دوسرے واقعے سے منسلک اور مربوط تھا اور اس زنجیر کی کوئی کڑی ایسی
نہ تھی جسے وہ توڑ سکتا۔

اقتدار کی بساط پر اُس کی بازی چھرمات ہو گئی تھی۔

اُس کا خیال تھا وہ ایک منتخب خلیفہ ہے۔ معزوں کے باوجود اس کی بیعت کا حلقہ
نہیں ٹوٹا اور رمانی کے بعد اُسے اپنے مرتبہ پر بحال ہونا چاہیے کیوں کہ موفق طلحہ کی بیعت
نہیں ہوئی اور موت اُس کو گھسیٹ کر لے گئی تھی لیکن معلے کی نوعیت بالکل برعکس تھی۔
حالات کا دھارا اب بھی اُس کے خلاف بہہ رہا تھا۔ لشکروں نے فرزندِ طلحہ کی اطاعت قبول
کر لی اور وہ مسترد کر دیا گیا، جس پر اُس نے چپ سادھل رہی چپ ایک معاہدہ گئی تھی۔
جیجک خاتون سوچتی تھی، اُس کی خاموشی، پُر اسرار اور کسی خطرے کی علامت ہے۔
لوگوں کا خیال تھا، اگر بنی طویون نے معتمد کی حمایت میں تلواریں بلند نہ کیں، پھر بھی اُسے
اپنی علاحدگی کی آڑ بنا کے رکھیں گے۔ لوگ مختلف قیاس آرائیاں کرتے تھے جو کسی نہ کسی
ذریعے جیجک خاتون تک پہنچ جاتے تھے۔ اُس کے گوشہ نشین بھی ٹر رہے تھے۔

معتد کے ارد گرد کوئی ہجوم نہیں تھا۔ وہ کسی قیلے، کسی گروہ، کسی جماعت کو بھی لے کر نہ نکلا۔ فقط اپنے محل تک محدود ہو کے رہ گیا تھا۔ مگر ملاقات پر کوئی پابندی نہ تھی جو لوگ اُس کی ذات سے دل چسپی رکھتے یا دوستی کا دم بھرتے تھے، ملنے آجاتے۔ بعض اُمرا بھی جنہوں نے ۲۵۶ ہجری میں خلیفہ متدی کے قتل پر درجسے ترک سردار موسیٰ ابن بوغاکے لشکر نے گھبرا ڈال کے گرفتار اور پھر ہلاک کر دیا تھا) معتد کی بیعت کر لی تھی، پرانے تعلق کی خاطر مل بیٹھتے تھے اُس نے کسی کے لیے اپنا دروازہ بند نہ کیا۔ ملنے والوں سے بڑے حسن اخلاق کے ساتھ پیش آتا۔ اہل خلافت پر بھی گفتگو موقی لیکن حواریت زمانہ نے اقتدار ہی نہیں چھینا، کچھ تجربے بھی سکھائے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ وقت اُسے پیچھے چھوڑ کر آگے نکل گیا تھا۔ پرانی دوستیاں نئے حالات کا رخ نہیں بدل سکتیں اور اس کی حیثیت اس سمندری جھاگ کی سی ہے جسے طوفان کسی ساحل پر بھیٹک جاتا ہے، اس لیے بات چیت میں بڑا محتاط ہو گیا اور اس اندیشے کو کو بھی بد نظر رکھتا تھا کہ کیا معنوم، دوستوں اور بھی خواہوں کے روپ میں کوئی مخر بھی اُس کے ارادوں کی نوبہ لے رہا ہو۔

جس طرح ابن بوغاکے ترکوں نے خلیفہ معتدی کو گھبراڈال کے پکڑا تھا اُسی طرح بابویوں نے معتد کو زرخے میں لے لیا۔ وہ اپنے ماضی سے پھڑپکا اور مستقبل سے نا اُمید تھا جو اُس سے پھر کنارہ کر گیا۔ بس حال ہی حال تھا جس میں کوئی دل چسپی نہ تھی۔ دنیا میں عروج اور زوال کی رُت بدلتے موسموں کی طرح ہوتی ہے۔ ایک دوسرے سے پھرنا اور ملنا جلنا بھی لگا رہتا ہے۔ لوگ کسی مقام پر پھڑپھڑتے اور کسی جگہ باہم پھریل جاتے ہیں مگر جب اُری اپنے آپ سے پھڑپھڑتا اور خود سے جدا ہوتا ہے تو اُسے یہ بھی یاد نہیں۔ ہننا کہ اُس کا ماضی کیا تھا اور زندگی کا سفر کہاں سے شروع ہوا تھا۔ معتد اگرچہ اپنے آپ سے بے تعلق سا ہو گیا یا خود سے پھڑپکا لیکن حالات کی ان تباہیوں میں کبھی کبھی چھوڑی ہوئی منزل یاد آ جاتی تھی۔ جب وہ عظیم دولتِ عباسیہ کا حکمران تھا جس نے بازو ایشیا سے افریقہ اور مغرب اقصیٰ تک پھیلے تھے اور مشرق و مغرب میں اُس کے نام کا خطیہ پڑھا جاتا تھا۔

اس کی قید کے سبب وہ گھر سے باہر نہیں جاسکتی اور وہ ایک سال تک محروم رہا اور خود کو اپنے قبیلے سے الگ تھلک محسوس کرنے لگا۔ بیشتر وقت تنہا رہتا تھا۔ وہ قید تنہائی سے بھاگ کر اپنی ذات کی تنہائی میں منتقل ہو گیا اور ملاقات کے کمرے میں بھی اُسی وقت جاتا تھا جب

کو نہ تھا، کوئی کنیز یا اس کا بیٹا جعفر المفلوح اعلان دیتا کہ کوئی ملنے آیا ہے ورنہ الگ تھلک اپنے قصر میں پڑ رہتا، جہاں اُس کی خاص کنیز خدمت پر مامور تھی۔

ایک روز جب وہ اپنی تنہائی کے احکام سے نکل کر ملاقات کے کمرے میں آیا تو بڑا براغزوہ ہو رہا تھا۔ اُس کا ملاقاتی ایک عباسی امیر تھا جس کے سامنے اُس نے ترکوں کے خلاف اپنی نفرت کا اظہار کیا اور کہا: "موجودہ اس کا جاہ و جلال رخصت ہو گیا اور ترکوں نے انہیں پر غلبہ حاصل کر لیا۔ وہ جسے چاہیں تخت پر بٹھائیں، جسے چاہیں اُتار دھکیں، حکمران صرف اُن کی چال کے ٹہرے ہیں۔ اصل اقتدار ترکوں کے ہاتھ میں ہے۔ انہوں نے آل عباس کی مصیبتوں میں اضافہ کر دیا اور ملک میں تفرقہ ڈال دیا ہے۔ وہ خود انہوں کے لشکروں اور دفاتروں پر غلبہ آگئے اور اُن کی خوبصورت عورتیں شاہی محل سراؤں پر حکومت کرتی ہیں۔"

معتد کے منہ سے نکلی ہوئی یہ باتیں عباسی امیر کے ذریعے دوسروں تک پہنچیں اور ملکہ جیجک نے بھی سنیں۔ اُس نے ترکوں کا ناکہ کر کے حکمران پر چوٹ کی اور عربوں کو اُن کے خلاف بھڑکایا تھا۔ احمد ابو عباس کے حرم میں صرف جیجک ہی ترک بیگم نہیں تھی جس کا بیٹا علی (مکتفی) ولی عہد کہلاتا بلکہ دوسری بیگم شہب خاتون بھی ترک ہی تھیں جن کا تعلق ارض روم سے تھا گو یہ معتد نے براہ راست شاہی حرم کی ترک بیگمات پر حملہ کیا اور اُن پر نفرت کی انگلی اٹھائی تھی مگر جیجک کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اس جتنی پرتیل فلسطینی کنیز دمنہ نے ڈالا اور کہا۔

"ملکہ خاتمہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ترک فوجی سرداروں اور لشکروں نے ابو عباس کی اطاعت قبول کرنے میں اس لیے جلدی کی ہے کہ اُن کے حرم میں آپ اور شہب خاتون دو ترک بیگمات ہیں اور دونوں اولاد والی ہیں جن کے ذریعے حکومت میں ترکوں کا اثر و رسوخ کچھ اور بڑھ جائے گا۔" دمنہ ایک لہجہ کی پھر بولی: "لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ابو عباس کے تخت پر بیٹھتے ہی آپ دولت عباسیہ کی ذی شان ملکہ بن گئی ہیں۔ اب فوج اور شاہی دفاتر میں ترک انصروں کے رُتبے بلند ہوں گے۔"

"کیا تو جانتی ہے، ایسی باتیں کون کرتا ہے؟"

"سنا ہے، وہ ایک مسترد آدمی ہے۔" دمنہ نے معتد کا نام میں لیا صرف ایک لفظ میں اُس کا سراپا اس طرح بیان کر دیا کہ کسی مزید وضاحت کی ضرورت نہیں تھی۔ جیجک نے اُس کا اشارہ صاف صاف سمجھ لیا پھر کہا۔

"وہ ہمارا آدمی ترکوں سے بغض رکھتا ہے مگر کچھ جانتا ہے، ہوگا نہیں؟"

"کیا جانتا ہے وہ؟"

جیجک خاتون نے دمنہ کے سوال کا جواب دیا اور اُسے حیران و پریشان سی چھوڑ کر اس دیکھنے کے پاس جا کھڑی ہوئی جہاں سے غلام گردش کی محرابیں اور ان سے خفیہ یا غیبی میں مرد و عورتوں کے درمیان سوسن اور گلاب کے پودے نظر آ رہے تھے لیکن اُس کی توجہ پوزوں کی طرف نہیں تھی بلکہ وہ تصور کی آنکھ سے ارسامہ سے باہر جلد کے کنارے معتد کا محل دیکھ رہی تھی جس کے ایک قصر میں وہ لگ تھلک رہتا یا پھر اپنی تنہائی کے احکام میں جا بیٹھتا تھا۔ اسے خیال آیا، اگر کوئی شخص لوگوں کی نظروں سے چھپ کر دھڑکی طرف سے اُس الگ تھلک قصر میں داخل ہو جائے، تو بڑی آسانی سے معتد کو موت کے گھاٹ اتار سکتا ہے۔

فلسطینی کنیز دور کھڑی اپنی ترک خاتمہ کو دیکھ رہی یا پھر اُس کے خیالات کو پڑھ رہی تھی کہ وہ اس وقت کی سوچ رہی ہوگی۔

جیجک چند ساعتیں معتد کے بارے میں سوچتی رہی پھر اُس نے اپنے پرانے خیال کو دہرائے جیجک دیباہ اب وہ عباسیہ کی خاتون اول اور ایک عظیم سلطنت کی ملکہ تھی اور یہ بات اُسے زیب و زینت تھی کہ کسی کی ہلاکت کے متعلق سوچے یا کوئی ایسا منصوبہ تیار کرے۔ اُس نے جی میں خان کی کہ معزول خلیفہ کے بارے میں اپنی پریشانی یا ترکوں کے خلاف اُس کی نفرت کا ذکر۔ امیر ابو عباس سے بھی نہیں کرے گی۔



معتد نے دولت عباسیہ یا پھر عربوں اور ترکوں کے متعلق جس رائے کا اظہار کیا تھا، انہیں ہے وہ اقتدار سے اُس کی علامت کی یا شکست خوردہ ذہنیت کی کو آ رہا ہو اور طویل عمر زندگی سے اُسے ترکوں سے بیزار کر رہا ہو جن کا فوج میں غلبہ تھا لیکن اُس دور کی عورتیں سیاسی مہارت اور مذہبی شہادتیں ہیں۔ دستِ بآب ہوئی ہیں، اُن کی روشنی میں معتد کے بیان کو جھٹلایا میں ہا سنا بلکہ وہ شہادتیں اُس بیان میں کئی مزید اور انصوٹا اضافے کرتی ہیں۔

موتوں نے لکھا ہے کہ خلافت و حکومت کی خارجہ عباسی شہزادے عباسیوں یا دوسرے ممالک کے خلاف جن سے کسی خلیفہ اپنی طرف سے ترک مہمیں کی حمایت حاصل کرنے لگی۔

کے ذریعے اپنے حریفان اقتدار کو قتل یا معزول کر دیتے اور خود بھی فوج کے اڈہ کا۔ بن جلتے تھے۔

خلیفہ ہارون رشید کے بیٹوں امین اور مامون کے درمیان اقتدار کی خاطر جنگ ہوئی جس میں مامون کے جرنیل طاہر بن حسین نے ایک سال میں ماہ بغداد کو محاصرے میں رکھا اور آخر بروز شمشیر شہر پر قبضہ کر لیا۔ امین بھاگ گیا مگر کچھ اگلا اور قتل ہوا۔

خلیفہ معتصم بن ہارون رشید کے عہد میں ترکوں کو بڑا عروج حاصل ہو گیا مگر خلیفہ متوکل بن معتصم ترکوں کے حقوق قتل ہوا جو اس سے برگشتہ ہو گئے تھے۔ معتصم بن متوکل، متین بن معتصم، معتز بن متوکل، مندی بن واثق اور معتز بن متوکل جیسے ننھا، اقتدار کی کشمکش میں ترکوں ہی کے غلبہ کا نشانہ بنے اور قتل یا معزول و نظر بند ہوئے۔ یہ تاریخ و سیاست کے خون میں لتھڑے ہوئے اوراق ہیں جن پر عسائی خلفائے غزل و نصب یا قتل کے باوجود انتہائی رقم ہوئی۔ دراصل عرب معاشرے پر ہوا امیہ اور بنو عباس کی قبائلی دشمنی کے اثرات بڑے گہرے تھے جن کے نتیجے میں حقوق و اختیارات کے جھگڑے خون ریزی پر منتج ہوئے۔ بنو عباس نے کے خلاف صرف تموار نہیں اٹھائی بلکہ روایات کا سہارا بھی لیا تاکہ عربوں اور غلبوں کی رائے کو اپنی جانب منتقل کر لیں لیکن عباسیوں نے جو طریق کار بنو امیہ کے خلاف اختیار کیا تھا، انہی فرقوں نے وہی حربہ عباسیہ کے خلاف استعمال کیا۔ تموار اٹھائی، اپنے مناقب بیان کیے اور روایات کا سلسلہ چلایا۔ چنانچہ علوی، فاطمی اور مدوری تحریکوں میں جنگ و جدل کے ساتھ روایات کا بھی بڑا دخل تھا جن کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچائی جاتی تھی۔ قہار نے تو قرآن مجید کی بعض آیات کو اپنے اوپر منطبق کر لیا تھا کہ وہی ان آیات کے مصداق ہیں۔ اپنے حق میں مناقب اور روایات بیان کرنے کا مقصد مذہبی طور سے دوسروں پر اپنی برتری اور بالادستی ظاہر کرنا تھا۔

عربوں کی ایک وسیع سلطنت بنو امیہ ہی کے دور میں قائم ہو گئی تھی جو سندھ سے لے کر شمال افریقہ تک خوب مغربی یورپ میں اسپین (اندلس) تک بازو پھیلائے پوری دنیا پر اپنا سایہ ڈال رہی تھی۔ مختلف قوموں، مختلف قبیلوں، مختلف نسلوں، مختلف رنگوں، مختلف زبانوں، مختلف معاشرتوں کے اختلاط و امتزاج سے ایک عین الاتوامی برادری معرض وجود میں آگئی اور ایک مخلوط تہذیب پروران چڑھ رہی تھی جس میں عرب، شامی، فلسطینی، ایرانی،

یعنی مصری، بربر، ترک، ایرانی، ایرانی، افغانی، سندھی، بکرانی، ترک شامل تھے مگر اس برادری میں فوقیت عربوں کو حاصل تھی۔

عباسیوں کے عہد میں جہاں سلطنت کے حلقے کچھ اور سمٹ گئے وہاں اختلافات اور خروج نے بھی زور پکڑا اور سلطنت کے حصے بخرے ہوئے گئے۔ اقتدار اور اختیار کی کشمکش بڑھ گئی۔ عباسی حکمران اور ولی محدود سطروں سے بھی نڑتے اور انہوں کے خون میں بھی ہاتھ رنگتے تھے۔

ایک طرف اہل علم و دانش فقہ، قضاة، ادب، اخلاق، سیرت، معارف، تاریخ، حدیث، تفسیر کی ترتیب تدوین میں مصروف تھے، علماء و محدثین کی مجالس میں "قال اللہ" اور "قال الرسول" کی باتیں ہوتی تھیں۔ دوسری جانب حکمرانوں، گورنروں، سرداروں، امیروں اور بڑے بڑے شیوخ کی بارگاہوں، محل سراؤں، کونٹکوں، حویلیوں اور عالی شان عمارتوں میں دف، الغیری، بخاری اور حیرد کی موسیقی کے درمیان رقص کی ٹھٹھک اور نغمے کی تان اُڑتی تھی شراب کا شمار انکڑا میاں لیتا تھا۔ حسن اور غنا کا طلسم دلوں کو مسح کر دیتا تھا۔

دراصل عربوں نے دولت کے انبار جمع کر لیے تھے۔ جنگوں اور فتوحات کی وجہ سے مال غیرت کا کوئی شمار نہ تھا۔ ممالک محروسہ سے ہر سال بھاری خراج آتا تھا۔ امراء اور مرزائوں کو بڑی بڑی جاگیریں مل گئی تھیں، جہاں وہ شاہانہ زندگی بسر کرتے تھے سلطنت میں وسعت پیدا ہوجانے سے سوداگروں، تاجروں، صرافوں کو دیس دیس کی منڈیاں اور بازار بستر گئے تھے، جہاں وہ سامان تجارت بھیجتے یا دوسرے ملکوں سے اشیاء منگوانے اور خوب نفع کھاتے تھے۔ مال و دولت کی فراوانی اور لونڈیوں کی ریل پیل تھی۔ اُدھر نئی زمینوں پر جاگیرداروں کے نئے حلقے قائم ہو رہے تھے۔ جب کسی قوم میں دولت آتی ہے تو عیش و عشرت کے سامان بھی ساتھ لاتی ہے اور لذت و راحت کے نئے دروازے کھلتے ہیں۔

عرب ان گھلے دروازوں میں داخل ہو گئے اور اپنے تہذیب کی کسی کونے میں دھک کر بھول گئے۔ میدان جنگ کی یاد ہو کی بجائے اب انھیں موسیقی کی تانیں اور حسین ابروؤں کی کمانیں استغناء معلوم ہوتی تھیں۔ اس طرح وہ شمشیر و سناں کے ہنگاموں سے نکل کر طاؤس و بابک دل چیلوں میں گم ہونے لگے۔

یہ کہنا درست نہیں ہو گا کہ پوری عرب قوم اس سیلاب میں بہہ گئی تھی۔ البتہ

سرداران قریش اور بڑے بڑے اُمرو و لعب میں ضرور مشغول ہو گئے تھے۔ دولت کی فراوانی نے انہیں عیش پسند بنا دیا اور وہ اپنے اعلیٰ فرائض سے جی چرانے لگے تھے اُن کے اس کردار میں عباسی حکمرانوں کا بھی بڑا دخل تھا جو اپنی حکومت اور ذاتی حفاظت کے لیے ترکوں پر زیادہ اعتماد کرتے تھے۔ عرب اُمراء ہم قوم یا ہم قبیلہ ہونے کے ناتے ان کے مزاج و کردار سمجھتے تھے اور حکمرانوں کو ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ حریت ان اقتدار اُن کے ساتھ سازگار کے کہیں بغاوت نہ کر دیں، اس اندیشے سے لشکروں اور دفتروں میں ترکوں کی جگہ ترکوں کو ہم عمروں پر فائز کیا جاتا، جو سرداران قریش یا خاص طور سے اُمراء نے اُن عباسی طرح خلافت و حکومت کا دعویٰ نہیں کر سکتے تھے۔ حق خلافت قریش کے لیے مخصوص تھا جیسا بنو عجم، بنو عدی، بنو امیہ، بنو عباس، بنو ہاشم، اور بنو ہاشم میں سے فاطمی اور عویٰ خاص طور سے قابل ذکر تھے۔



لشکروں، دفتروں اور اُمراء نے عباسی کے علاوہ بغداد کے لوگوں نے بھی اعتماد کو خلیفہ تسلیم کر لیا تھا لیکن ابھی بیعت عامہ نہیں ہوئی تھی اور کیوں نہیں ہوئی تھی؟ معتدلی اپنی تنہائی کے اعتکاف سے تو باہر نہ نکلا لیکن اس کی کچھ باتیں باہر نکلیں اور ان کی گونج بغداد کے کوہِ رہا بازار سے لے کر محلات اور بازاروں تک کسی گلی کسی کوئی ہنگامہ نہ ہوئی۔ کوئی شور نہیں نہ ہوئی۔ لوگ خاموش رہے۔ ترکوں پر انہیں اُنکی اٹھانے کا مقصد اگر ترکوں سرداران قریش کو اُنکا نا اور بھر کا تھا، تو وہ نہیں بھر سکے۔ وف، بخجری، نصیری اور عجم کی موسیقی کا طلسم کسی تلوار کی جھنکار سے نہیں ٹوٹا۔ ترکوں کی غیرت اُمراء کو بھی تھی یا نہ تھی عشرت کے دروازوں میں داخل ہو سکتی تھی۔

دن، ہفتے، مہینے گزرنے لگے۔ معتدلی ابھی تک خاموش تھا۔ احمد ابو عباس کوئی حامد کی جلدی نہیں تھی۔ لشکر اُس کے اختیار میں تھے اور اس کا اختیار معتدلی کو مزید کم کر دیا تھا۔ ممالک و موروں کے حاکم، جرنیل اور فاضی دریافت کر رہے تھے کہ جب احمد ابو عباس خلیفہ مقرر کر دیا گیا ہے، تو بیعت عامہ کب ہوگی؟

ابھی تک ایک ہوا زار اُٹھی۔ "معتدلیا چاہتا ہے، اپنے آپ کو معزول کیوں نہیں کرتا؟"

یہ آواز بغداد سے نہیں، باہر سے اُٹھی تھی لیکن بغداد میں سنی گئی اور معتدلی کے قصر میں بھی پہنچی۔ اُس نے اپنے نائب کو طلب کیا۔ بہت سے مراسلے لکھوائے اور ایک اجلاس عام طلب کر لیا۔ وہ اجلاس عام میں کوئی اہم اعلان کرنے والا تھا۔

ایمان سلطنت، فوج کے جرنیل اور افسر، عموں کے گورنر، حاکم، قاضی، قبیلوں کے شیوخ، سرداران قریش، اُمراء بنی عباس اور تمام بڑے بڑے لوگ قصر خلافت میں جمع ہوئے۔ معتدلی اللہ اپنے بیٹے جعفر المفضول اور نائب کے ہمراہ اپنی تنہائی کے اعتکاف سے نکل کر لوگوں کے سامنے آیا اور جب اجلاس عام سے خطاب کرنے لگا، تو سب گوش برآواز ہو گئے کہ کیا کہنا ہے۔ معتدلی نے کہا۔

"معتدلی باللہ ابواسحاق کے بعد لوگوں نے مجھے خلیفہ بنایا اور میری بیعت کی گئی میرے عہد خلافت میں جنگیں لڑی اور جیتی گئیں۔ بہت سے امور درست ہو گئے۔ شورشیں مٹ گئیں، اور ملک میں امن و امان قائم ہوا۔ مگر ناگہاں کچھ مطلب پرستوں نے میرے جانی کو اگیا جس پر مجھے اسیر اور نظر بند کیا گیا۔ وہ لوگ جنہوں نے میری بیعت کی اور اطاعت کا عہد کیا تھا میری نظر بندی پر خاموش رہے۔ انہوں نے میرے مرحوم بیٹے کو پسند کر لیا اور مجھ سے عہد شکنی کی۔ جس پر سلطنت و حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ یہ ایک افسوسناک واقعہ ہے۔ موافق عہد کی وفات کے بعد موقع تھا کہ بنی عباس میری بیعت کا اعادہ کرنے لیکن اب وہ میرے بھتیجے پر متفق ہو گئے ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ امت میں مزید کوئی تفرقہ پیدا ہو۔ اس لیے ابو عباس کے حق میں خلافت سے دستبردار ہونا اور اپنے بیٹے جعفر المفضول کو بھی وہی عہد سے محروم کرنا، ہوں؟"

یہ کہہ کر وہ بیٹھ گیا، پھر سب سے پہلے احمد ابو عباس کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس کے ساتھ ہی تمام امراء، سرداروں، شیوخ، عاٹوں، قاضیوں، فوجی حکام اور دوسرے لوگوں نے بیعت کی۔ معتدلی نے خلیفہ کے لیے "معتدلی باللہ" کا لقب تجویز کیا یعنی اللہ کی مدد لینے والا۔ اس لقب کو سب نے پسند کیا۔ دوسرے روز بیعت عام ہوئی۔ اس طرح احمد ابو عباس ان موافق طریقوں میں متوکل بن مقصم بن ہارون رشید "معتدلی باللہ" کے لقب سے متفقہ طور پر خلیفہ تسلیم کر لیا گیا۔

معتدلی عہد زوال کے اُن عباسی خلفاء سے بہت مختلف تھا جو اپنے ترک جرنیلوں اور وزیروں کے ہاتھوں کھیل رہے تھے یا پھر عیش و نشاط میں اس قدر محو ہوئے کہ تیغ میں

نے ان کا رشتہ حیات کاٹ دیا۔ ان کے برعکس وہ اپنی مرضی سے احکام نافذ کرنے کا عادی اور ان کی فوری تعمیل چاہتا تھا۔ بڑا قلیل الرحم اور سخت گیر لیکن بڑا صاحب جمال، رعب دار اور بہادر تھا۔ اقتدار سنبھالتے ہی اُس نے لوگوں پر اپنی شخصیت کا دبہہ اور تلوار کا خوف مسلط کر دیا۔ اُس کا دربار ایک بار پھر عباسیہ کی عظمت رفتہ کی یاد تازہ کرنے لگا۔ مصروفیت کی علانیہ کے باوجود کوئی سلطنت عباسیہ کی حریف ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتی تھی۔ اُس کے دربار میں جزیرہ، موصل، دیار بکر، آرمینیا، حجاز، یمن، اصفہان، بحرین، فارس، اصفہان، رے، خراسان، بحرستان، سجستان اور سندھ کے دور دراز علاقوں سے خراج آتا تھا۔ وہ شوریدہ ہر عامل اور گورنر وجود پر خلافت کی داخلی سازشوں امرائے سلطنت کی باہمی زبانون اور خفا کی ذاتی کمزوریوں کے باعث سرکشی پر آمادہ رہتے تھے۔ معتضد احمد ابو عباس کی پرچمال شخصیت سے خوف محسوس کرنے لگے۔ وہ بڑی شان و شوکت کے ساتھ سند خلافت پر فائز ہوا اور ملک محروسہ میں بہت سے لوگ اُس کی سخت نشینی کا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں جیسے پہلا عباسی خلیفہ عبداللہ صفاح، اپنی خوں آشام تلوار کھینچنے اپنے مقبرے سے نکل آیا اور



معتضد کا اجلاس عام طلب کر کے خلافت سے دستبردار ہونا اپنے بیٹے کو بھی ولی عہدی سے محروم کرنا اور بھتیجے کو خلیفہ مان کر اُسے معتضد کا نقیب دینا بڑا حیرت انگیز اور خلاف اقتدار تھا جس نے جیجک خاندان کو حیران کر دیا۔ وہ اس کے بارے میں کیا کیا سوچتی اور کیسے کیسے خیال دوڑاتی رہی تھی لیکن خلافت سے دستبرداری اور نئے خلیفہ کی بیعت کے بعد معتضد کے لیے کیا نالی نہ رہ گیا تھا بلکہ اپنے بیٹے جعفر کو ولی عہدی سے معزول کر کے اُس نے وہ شلخ ہی کاٹ ڈال تھی جس پر اقتدار و اختیار کا کوئی آئینہ نہ تعمیر کیا جاسکتا اُس نے اپنے آپ کو اقتدار سے انوم کے معاملات سے حتیٰ کہ آل عباس سے بھی الگ تھلگ کر لیا۔ اب وہ ایک عام آدمی یا پھر خلیفہ توکل کا بیٹا اور خود بھی ایک معزول و مسترد خلیفہ تھا جس کی حمایت میں کوئی تلوار بلند نہیں ہو سکتی تھی جس کے نام پر کوئی برجیم اونچا نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اب اُس کی زندگی صرف اپنی تھی اور اسے طبی موت مرنا تھا۔ مگر جعفر بنجوی نے بغداد سے رخصت ہونے وقت بڑے وثوق سے جیسے وہ آسمانوں پر کھڑی کتاب تقدیر پر بڑھ رہا ہو۔ پیش گوئی کیوں کی تھی کہ صرف سات ماہ کے اندر

وہ خروج کرے گا اور اس کا شمار ایک با-پھر بغداد کے افق پر طلوع ہوگا یا پھر قتل کیا جائے گا۔ جعفر نے معاملے کی دو صورتیں بیان کیں اور اس بات پر اصرار کیا تھا کہ اگر ایک صورت بدل گئی کیوں کہ سچی و غلط سے حالات بدل جاتے ہیں اور یہ بھی تقدیر کی ایک شکل ہوتی ہے لیکن دوسری صورت بہر طور پیش آنے کی گلاب ردوں میں سے کسی صورت کے پیش آنے کا اہلکار نہ تھا۔ جب خلافت سے دستبردار ہو کر اور اپنے بھتیجے کی بیعت کر کے معتضد نے خروج نہ بغاوت کی کتاب، ہی بند کر دی تو پھر اُس کے قتل اور ملک ہونے کا مضمون بھی بے مفید ہو جاتا تھا، قتل کی منطق تو شور و شش میں ناکامی سے عبارت تھی۔

حالات و واقعات نے جعفر کا علم نجوم باطل ثابت کر دیا تھا۔ کوئی شخص آسمانوں پر رقم ہونے والی کتاب تقدیر کو نہیں پڑھ سکتا، اسی امور کے بارے میں صحیح پیش گوئی کر سکتا ہے جیجک کو اب کوئی پریشانی نہیں تھی۔ معتضد اس کی تمام پریشانیوں اور پیش آنے والی مشکلات کا پتہ لگا رہا تھا کہ جن کا جعفر نے از روئے نجوم اندیشہ ظاہر کیا تھا، اپنی تمنا کی اور غلط میں جا بیٹھا تھا۔ اب وہ کبھی کبھی تصور کی آنکھ سے جعفر بنجوی کی ملاقات کا منظر دیکھتی اور اسے ایک کمرے میں اپنے سامنے کھڑے بڑی گدھنی سے ایسی پیش گوئی کرنے دیکھ کر جو سراسر جھوٹی ثابت ہوتی تھی، خندہ استہزا کے ساتھ اس کا نام لیتی۔ اُس کے نزدیک علم نجوم ہی باطل تھا یا پھر جعفر جس کی بغداد میں بطور کجی بڑی تہمت تھی۔ علم کے امرا اسے کوئی اور حالات کو دیکھ کر بعض اہلک سے پیش گوئی کرتا تھا

وہ اکثر سوچتی یہ بنجوی لوگ بھی مناظرہ کرنے والے علموں کی طرح بڑے عہدی اور اچھے ہوتے اور اپنی بات کو غلط تسلیم کرنے کی بجائے اُس کی کوئی نہ کوئی نئی توجہ رکال لیتے ہیں۔ اب اسے اس بات کا کوئی طالع تھا کہ ابو عباس نے برسر اقتدار آنے ہی ان اہلک باز بنجویوں کو پیش گوئیاں کرنے، داستان سراؤں کو من گھڑت قصے سناتے اور تب فردشوں کو فلسفے کی کتابیں بیچنے سے روک دیا تھا۔ بیشتر بنجوی اپنا دھند و بندہ بیٹھے تھے یا بغداد سے بیٹے گئے تھے جعفر بھی چلا گیا اور اپنے پیچھے کچھ ایسی باتیں اچھا ایسی پیش گوئیاں چھوڑ گیا تھا، جو وقت میں نہیں آ سکتی تھیں کیوں حالات کیسر تبدیل ہو گئے تھے۔

معتضد کے بارے میں اُس نے معاملے کی جن دو صورتوں کا ذکر کیا تھا۔ ان کی بنیادی

فی حد غلط نکل گئی تھی ایک فی صد کی گنجائش بھی صرف اس لیے رکھی تھی کہ جعفر نے دونوں صورتوں میں سے کسی صورت کے واقع ہونے کے لیے سات ماہ کا تعین کیا تھا اور ابھی بہت دن پوری ہونے میں چند روز باقی تھے۔ صرف چند روز یوم اور گنتی کے یہ دن گزرنے کے بعد اس کا نجوم صدی صاف باطل ہونے والا تھا۔



معتقد ابو عباس نے مسد خانات پر شکن ہوتے ہی امور سلطنت پر اپنی گرفت مضبوط کر لی تھی۔ تمام ولایات پر اس کا حکم نافذ ہو گیا۔ اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا بغداد کا آسمان بالکل صاف نظر آتا تھا اور دور دراز تک خروج کے کسی بادل یا شورش کی کسی بجلی کا امکان نہ تھا مگر انہی دنوں معتقد کی دستبرداری کی طرح بالکل ناگہاں ایک اور حیرت انگیز اور خلاف توقع واقعہ پیش آیا اور وہ عجیب واقعوں کا مصداق تھا کہ سلطان خوارویہ بن احمد نے دربار بغداد میں اپنا سفیر بھیجا جو معتقد باللہ احمد ابو عباس کو خلافت کی مبارک باد دینے کے ساتھ بہت سے مخالف کے کر آیا۔

سلطان خوارویہ نے نئے جلیف کو نہایت بھیجی اور اس بات پر خوشی کا اظہار کیا تھا کہ وہ دولت عباسیہ کا حکمران منتخب ہوا اور امر خلافت پھر جاری ہو گیا ہے جو موفق ظہر کے عہد میں معطل رہا۔ سفیر کے بقول سلطان خوارویہ نے کہا تھا۔

”جب معتقد علی اللہ بن متوکل نے خود کو امر خلافت سے الگ فطک کر دیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو ہم بھی آپ کی دوستی کے طلب گار ہیں کیونکہ ہماری جنگ صرف امر خلافت پر تھی اگر آپ بھی معتقد کے ساتھ دبی سلوک کرنے جو آپ کے دالہ حرم نے کیا، تو صورت حال کچھ اور ہوتی۔“

طلوئی حکمران نے اس پیغام کے ذریعے معاملے کی دناحت اور کدورت کی گرد صاف کرنے کی کوشش کی تھی۔ معتقد ابو عباس کے ساتھ معزول جلیف معتقد علی اللہ کے لیے بھی قیمتی مخالف ارسال کیے تھے۔ طلوئی سفیر کی آمد ایک لشکون قرار دی گئی جس سے یہ امید پیدا ہوئی کہ خوارویہ بن احمد نے جس مددنی کی خواہش کی ہے، شاید وہ اتحاد یکائیت میں بدل جائے معتقد نے بھی سلطان مصر کو قیمتی مخالف بھجوائے اخیر سگانی کے طوس پر

معتقد علی اللہ سے طلوئی سفیر کی ملاقات کا بھی بندوبست کیا تاکہ سفیر خود اسے مخالف پیش کر سکے۔ یہ ملاقات قصر معتقد میں ہوئی اور دوسرے دن وہ شام کی طرف روانہ ہو گیا۔

یہ سب کچھ بالکل خلاف توقع پیش آیا کہ دشمن نے نہ سستی کا پتہ نہ بھیجا تھا جس کا مصدق صاف اور مقصد واضح تھا۔ لیکن بعض ترک سرداروں کے ساتھ عرب امیر صاعد بن خالد نے اس پیغام کے کچھ اور سی معنی نکالے کہ خوارویہ نے مبارک باد کے ساتھ ایک اقباء بھی کیا اور اشارہ دیا ہے کہ معتقد کے ساتھ بہتر سلوک کیا جائے گویا انہی طلوئی اس کی حمایت سے دستبردار نہیں ہوئے۔ علاوہ ازیں مخالف بھیج کر معتقد کی غیر معمولی تکریم کی گئی بلکہ اسے توجہ دلائی گئی ہے کہ بنی طلوئی نے محض اس کی خاطر بغداد سے جنگ مول لی تھی۔ اگر وہ خلافت پر اپنی حق تھنا سے نومر و شام آج بھی حمایت پر آمادہ ہیں۔

صاعد نے ایک ترک سردار صولت بن کین کے ساتھ معتقد سے تھانی میں ملاقات کی۔ اس وقت عینہ کا ظلم کیشل بھی موجود تھا۔ دونوں نے اپنے اندیشوں کا ذکر کیا اور معتقد کے متعلق گفتگو کی۔ صاعد نے کہا۔

”امیر المومنین! معتقد ہمارے نزدیک ایک بیکار آدمی ہے۔ لیکن بنی عرب کے لیے شاید بیکار نہ ہو۔ یہ آدمی زندہ ہی کیوں رہے؟“

معتقد نے حیرت اور توجہ سے سب باتیں سنیں۔ صاعد بن خالد نے مسلسل اس برس معتقد کی نگرانی کی تھی اور اس کے بارے میں بہت ہی معلومات رکھتا تھا لیکن ابو عباس نے سب کچھ سن کر خاموشی اختیار کر لی۔ وہ اپنے چچا کے بارے میں غالباً اس لیے عجیب سوال کا جواب نہ دینا چاہتا تھا کہ اس کی ذات بنی عباس اور بنی طلوئی کے درمیان تنازعہ رہی تھی اور ایسے موقع پر جب خوارویہ نے غلوں دل یا ظاہر داری سے دوستی کا اظہار کیا تھا کہ تخت نشینی پر بادشاہ، بادشاہوں کو رسماً بھی نہایت کے پیغام بھیجا کرتے ہیں۔ پرانا جھگڑا اٹھانا مناسب نہ تھا۔

صاعد اور صولت کی دونوں کچھ گلے کہ وہ ان کی رائے سے متفق نہیں یا مسئلہ خاموشی چاہتا ہے اور خاموشی ایک ایسی چادر ہے جو انسان کے بہت سے جذبات، بہت سے ارادوں کو ڈھانپ لیتی ہے لیکن اسی روز منذر ابن حرب قصر خلافت سے سیدھا الرضا ذی القدر میں پہنچا جہاں اس کا باپ سردار حرب الکندی شاہی محل کی حفاظت و نگرانی پر مامور تھا اور

سرکشی کے بھیجے میں کہنے لگا۔

”اگر تصافک دیکھ جہاں کے علاوہ آپ کو معتمد کے قصر پر بھی نظر رکھنا ہوگی۔ اگر کوئی مصری یا شامی قاصد اس سے ملے آئے تو یہ اطلاع امیر المومنین کے لیے دل چسپی کا باعث ہو سکتی ہے۔“

سردار حرب بیٹے کی بات سن کر چونک گیا۔ ”کیا معتمد نے پھر اپنی رائے بدل دی اور کوئی ساز باز کر رہا ہے؟“

جواب میں ابن حرب نے معتمد کے غلام شبل کا نام لے کر بتایا کہ صاعد بن محمد اور ترک سردار صواعق بن نے امیر المومنین کو معتمد کے قتل کا مشورہ دیا ہے تو ضرور کوئی پر اسرار اور خطرناک معاملہ ہوگا لیکن ابو عباس نے ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا، فقط غیب سا لہجہ ہی۔ وہ چونکہ شامی محلات کا دلدل اور منتظم علی ہے انداز بڑی خاموشی اور رازداری کے ساتھ قصر معتمد کی گہرائی کرنا ضروری ہے۔

ابھی حرب، باپ کو حیرت زدہ سا چھوڑ کر ڈیوڑھی کے بغلی کمرے سے نکلا تو اس کی دیوار سے لگی فلسطینی کینز دمنہ کو دیکھ کر وہیں ٹھٹھک گیا جو غالباً ان کی باتیں سن رہی تھی۔ دمنہ کے ہونٹوں پر بڑی دلنوازی مسکراہٹ نمودار ہوئی جس کے کسی مفہوم تھے۔ اس کی نظریں تو بیٹے پر جمی جنھیں جو دروازے سے باہر آچکا امیر احمد ابو عباس ہی کی طرح بے رحم مشہور تھا مگر بیٹا اس کے باپ کو دے رہی تھی جو دروازے کے اندر تھا اور پیغام تھا کہ ”سردار حرب اب تک خاتم نے نہیں باز کیا ہے۔“

”حرب جانا تھا، دمنہ اترقاہ کے دروازوں اور درجیوں کے ساتھ بھی اس لیے لگی رہتا ہے تاکہ اپنی ترک خاتم کی آواز پر فوراً حاضر ہو جائے۔ وہ کمرے سے باہر نکلا تو ابن حرب اُسے اشارے سے ایک طرف لے گیا اور اپنے اندیشے کا اظہار کیا کہ شاید فلسطینی کینز نے ان کی باتیں سن لی ہیں مگر باپ نے بیٹے کو بتایا کہ وہ قابل اعتماد ہے۔

اس اثنا میں دمنہ ڈیوڑھی کا اندرونی پھانک پھور کر کے جاچکی تھی جو اس سادہ کے صحن میں گھلتا تھا۔ بیٹے کو رخصت کر کے سردار حرب بھی اُسی پھاٹک کی طرف بڑھا اور محل کی جانب ہولیا۔

ایک عکس کی حیثیت سے جھک خاتون کی ذمے داریاں بہت بڑھ گئی تھیں۔ اب نہ

دنیا کی سب سے بڑی سلطنت کی خاتون اول اور دربار بغداد یا قصر خلافت میں جسے دفتر شاہی کا درجہ حاصل تھا، ہونے والے ہر اہم واقعے کی خبر رکھنا اپنا فرض سمجھتی تھی۔ وہ طرہوں کی سفیر کی آمد، خاندانِ یسویہ احمد کے پیغام اور مصر سے آنے والے مخالف کے بارے میں جملہ معلومات حاصل کر چکی تھی اور اس بات پر بے حد مسرور تھی کہ مد نے بعد کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے جس کا مطلب یہ تھا کہ معتمد ابو عباس کی مخالفت و کدورت کو توڑ دیا۔ درمیش نہیں بلکہ مصر و عراق کے درمیان دوستانہ رابطے قائم ہوں گے۔ بعض لوگوں نے ایک یہ ایک رکھی کارروائی تھی مگر جھجک اُسے کچھ اور معنی پہنچانے لگی، البتہ اس نے خاتون کی طرف سے معاذوں خلیفہ کو بھیجے گئے علاحدہ تحائف اور مصری سفیر کی معتمد سے ملاقات کو اپنا سہرا بنایا۔ اب دمنہ اُسے حرب اور ابن حرب کے درمیان ہونے والی گفتگو سے آگاہ کر رہی تھی جسے شنکر کو حیران و ششدر ہوئی جاتی اور یہ سننے ہی اُس پر حیرت کا ایک سکنہ سا گر گیا کہ صاعد بن محمد اور سردار صواعق بن نے امیر المومنین کو معتمد کے قتل کا مشورہ دیا ہے۔

یہ ایک حیرت انگیز خبر تھی جس نے جھک خاتون پر زلزلہ سا طاری کر دیا اور ذہن کی کوٹھڑی میں چھپ کر بیٹھے ہوئے جعفر نجوی کے الفاظ، اراج خلیفہ کی طرح اندر ناچنے اور کوٹھڑی کا دروازہ کھلنے کے لئے کہیں باہر نکال کر جعفر نے کہا تھا، ابھی ساتواں مہینہ پورا نہیں ہوگا کہ بغداد میں ناقابلِ یقین حالات رونما ہوں گے اور دو صورتوں میں سے ایک صورت ضرور پیش آئے گی اور دوسری صورت یہ ہوگی کہ معتمد قتل کر دیا جائے گا۔ جس سے ایک نئے نفاذ کا دروازہ کھلے گا۔

ابھی اُس کے ذہن میں تپتے گونجتے الفاظ کا شور جاری تھا کہ فلسطینی کینز نے سردار حرب کے آنے کی اطلاع دی۔ اب یہ یاد مزہر با کہ حرب ابکندی کو کس لیے طلب کیا تھا۔ ذہن میں معتمد کے قتل کرنے کے الفاظ کسی جگہ نہ صحرائی کی مانند پھر کاٹ رہے تھے۔ سردار حرب کو کو کہتے ہی اُس نے حکم دیا کہ ابھی حرب نے جو کچھ بتایا ہے، من و عن میان کرے۔

سردار بھی شاید معاملے کی سنگینی کو سمجھ رہا تھا۔ اُس نے بیٹے سے جواب میں سنائی تھیں، من و عن بیان کر رہی۔

جھک خاتون نے پوچھا۔ ”کیا ابھی حرب نے یہ ساری باتیں اپنے کانوں سے سنی ہیں؟“

اس نے بتایا کہ امیر المومنین، صاعد بن مخلد اور سردار صوآزمین کے مابین جوئے میں گفتگو اب حرب نے براہ راست نہیں سنی بلکہ اس ملاقات کا حال اُسے امیر المومنین کے غلام شبل کی زبانی معلوم ہوا تھا۔

مکہ جیک نے ایک طرح سے سوچا پھر کہنے لگی۔ ”میں شبل سے خود ملنا چاہتی ہوں لیکن اس ملاقات کی خبر کسی کو نہیں ہونی چاہیے، امیر المومنین کو بھی نہیں۔“

سردار حرب، سرِ اخلاصت خم کرتا ہوا کمرے سے نکل گیا، پھر کسی روز معتضدا کو فوجی غلام شبل اسی کو ملاقات میں موجود تھا، جہاں تقریباً سات ماہ قبل وہ جعفر بخوی سے خفیہ ملاقات کر چکی تھی۔ شبل نے واقعے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے بتایا کہ صاعد بن مخلد اور صوآزمین دونوں کے نزدیک معتضد نے مجبوراً دستبرداری کا اعلان کیا ہے لیکن وہ ترکوں کے سخت خلاف اور مجھنا ہے کہ اس کے باپ خلیفہ متوکل ترکوں نے قتل کیا تھا، اپنی معزولی، انفر بندی اور رہائی کے بعد حالیہ ناکامی کا الزام بھی ترکوں کے سر دھرتا ہے جو موافق طلبہ کے بعد ابو عباس کے گرد جمع ہو گئے ہیں۔ ممکن ہے تی طولوں اُسے کسی وقت عربوں اور ترکوں میں خانہ جنگی کے لیے استعمال کریں تاکہ نئی عباسی کمزور اور وہ خود مضبوط ہوں۔

جیک معاملے کی اس نئی صورت پر حیران رہ گئی۔ ”کیا عربوں اور ترکوں میں خانہ جنگی ہو سکتی ہے؟“

”ہوئے کو کیا کچھ نہیں ہو سکتا مکہ عالیہ!“ شبل نے اُس کے سامنے ترک جذبے کا اظہار ضروری سمجھا۔ ”معتضد ترکوں سے بغض رکھتا ہے اور ان کا عروج پسند نہیں کرتا۔ اس کے دل میں سلطنتی ہوئی نفرت کی برائگی کسی دن انتقام کا شعلہ بن کر بھڑک سکتی ہے اور طولی اس آگ کو ہوا دیں گے ترک اس وقت عباسیہ کی قوت کا مرکز ہیں اور ہر دشمن کی کوششیں بونی ہے کہ اُس کے حریف کا مرکز قوت کمزور ہو۔ قریش کے بعض سردار بھی معتضد کی باتیں سن کر اپنے عربی نسب کے باعث زیادہ عمدے طلب کرنے لگے ہیں۔ حالانکہ سب جانتے ہیں سلطنت میں عربوں کی تعداد گھٹ گئی مگر ترکوں اور عجموں کی نفرتی بڑھ گئی ہے جو اسلام کے رشتے میں ہنسک اور اُن سے کمتر نہیں۔ کسی بھی سلطنت میں عجموں کی تعداد قوت اور نفوذ کے مطابق ہوتی ہے، جب کہ کچھ لوگ داخلی رقابت کو ہمارے رعبے میں اور داخلی رقابت خانہ جنگی کو دعوت دیتی ہے۔“

مکہ جیک نے اس کا مفہوم اچھی طرح سمجھ لیا اور کہنے لگی۔ ”تم ابو عباس کے قریب رہتے ہو کہ شمش کرور خانہ جنگی کی تربیت نہ آئے۔ عباسیہ کا مرکز قوت کمزور نہیں ہونا چاہیے۔“ ان الفاظ کے ساتھ اُس نے شبل کو رخصت کر دیا اور سردار حرب سے مخاطب ہوئی۔ ”مندرے تمہیں صحیح مشورہ دیا ہے۔ ان حالات میں معتضد کے قصر کی نگرانی ضروری ہے اگر کوئی اجنبی چوری چھے اُس سے ملاقات کی کوشش کرے تو اُسے گرفتار کر لو۔ مشکوک آدمی کی گرفتاری کے لیے نہیں کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ یہ میرا حکم ہے۔ ایسی گرفتاری یقیناً بڑی اہم ہوگی۔“

حالات کی صورت یک لخت تبدیل ہو گئی اور ایک نیا معاملہ سامنے آیا تھا جس نے جیک کو ایک بار پھر پریشان کر دیا لیکن وہ چاہتی تھی کہ جعفر بخوی کی بیان کردہ دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت وقوع میں نہ آئے۔



۲۹ رجب کی رات

دوسرے روز دمنہ ایک سنسنی خیز خبر سے کراچی جس نے جیک کو بڑی طرح چونکا رہا۔ فلسطینی کیمپز نے بتایا۔
”رات ایک نامعلوم شخص نے قند کے قصر سے نکلنے دیکھا گیا مگر سردار حرب اُسے گرفتار کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا کیوں کہ وہ قطعی دیوار پیمانہ کر کے دھک کے طرف اُترا اور آٹا ٹانٹا شاٹ ہو گیا۔ حرب نے دوسرے اُس کی طرف ایک جھٹک رکھی۔ وہ کڑھ مٹری یا شاٹ نہیں بلکہ عجی تھا۔“

دریائے دجلہ بغداد کو دو حصوں میں تقسیم کرتا، مگر آٹا قند جس میں دن رات کشتیاں چلتی اور مسافروں کو ایک کنوے سے دوسرے کنوے پہنچاتی تھیں۔ خلیفہ منصور ابو جعفر نے ۱۱۴ ہجری میں بغداد کی بنا ڈالی اور نو سال کے عرصے میں تعمیر مکمل ہوئی تھی۔ دجلہ بغداد کا زبور تھا جس کے دونوں ساحلوں پر عمارتوں کا سلسلہ شہر کی خوبصورتی میں اضافہ کرتا تھا۔ خلیفہ ہارون رشید کے عہد میں اس شہر نے خوب ترقی کی۔ نئے بازار، نئے محلے آباد ہوئے۔ آباری کے ساتھ روٹی بھی بڑھ گئی۔ مختلف نسلوں اور رنگوں کے لوگ نظر آئے۔ ہارون رشید کے عہد کا بغداد ایک شہر عسکارت معلوم ہوتا تھا جس میں ہزاروں دلچسپیاں تھیں۔ خلیفہ امین کے زمانے میں جب مامون کے لشکر نے پندرہ مہینوں تک شہر کا محاصرہ کیا رکھا۔ متحفظین سے بھاری پتھر برسائے، روٹن لفظ کی بانڈیاں پھینکیں۔ تب بہت سی عمارتیں گر کر اجل کر بنی۔ کھجوریں اور بغداد کی خوبصورتی جاتی رہی جس پر کئی شاہزادوں نے مرثیے لکھے لیکن مامون کے عہدِ حکومت

ہی میں بغداد پھر دامن کی طرح آراستہ ہو گیا۔ مقتدر کے دور میں اس کی رونقوں میں مزید اضافہ ہوا اور ترکوں کی آبادی بڑھ گئی۔

بیشتر شاہی عمارتیں، قصر و محلات، دریا کے ساحل پر تھے۔ معتد نے اپنے عہدِ خلافت میں دجلہ کنارے ایک قصر کا اضافہ کیا تھا جہاں اس کی بیشتر ترائیں ہنر و لعب اور رقص و غنا کی دل چسپیوں میں گزرتی تھیں۔ اسیری اور نظر بندی کے دس برس سامرا، واسط اور بغداد کے مختلف مکانوں یا زندانوں میں کئے تھے لیکن رہائی کے بعد وہ پھر اپنے قصر میں منتقل ہو گیا تھا جہاں اس کا دن کسی ہنگامے کے بغیر انکاف تنہائی میں گزر جاتا۔ البتہ رات کسی شہاد دل چسپی کا پیغام لے کر آتی تھی۔

دمنہ نے بتایا۔ ”رات بھی قصر معتد میں تھیں۔ رشتہ خیز اور سردار حرب نے جو گمانی کے خستہ میں اس کی دیواروں کے قریب سے گزرا تھا۔ معتد کی خلوت گاہ میں لگاتار بڑی عرصہ سی آواز سنائی دیتی۔ یہ بات اُس کے دیم رگمان میں بھی نہیں تھی کہ تنہائی کی ایسی نگین محفل میں کوئی پرامن طائفاتی بھی اندر داخل ہو سکتا ہے، مگر جب وہ ٹوٹ رہا تھا اس نے ایک عجی شخص کو قصر کی قطعی دیوار پھلانگ کر دریا کی طرف فرار ہونے دیکھا تو تعاقب میں بھاگا لیکن اندھیرے کی وجہ سے اُس کا کھوج نہ مل سکا۔ شاید وہ دریا میں غوطہ کھا کر دوسری جانب نکل گیا تھا۔“

ملکہ جیک کے لیے اگرچہ یہ اطلاع بھی حیرت انگیز تھی کہ مضرور اپنے بس سے کوئی عجی لگتا تھا اور یہ بات بھی حیفہ راز میں تھی کہ وہ معتد کے قصر میں کس مقصد کے لیے داخل ہوا تھا لیکن معتد کی خلوت گاہ میں غنا کا ذکر سن کر اس کے چہرے پر ایک خوشگوار سی حیرت نمودار ہوئی اور آہستہ سے بولی۔

”معتد کو غنا کا شوق ہے، رقص سے بھی دل چسپی رکھتا ہے، اُس کی کنیز شامفران عجی ہے اور اس کے عجی لہجے میں عربی نغمہ سن کر بہت خوش ہوتا ہے۔“

اب دمنہ نے ایک نئے خیال کا اظہار کیا۔ ”ممکن ہے وہ عجی جو رات معتد کے قصر سے نکلے دیکھا گیا، عجی کنیز سے ملے آیا مگر اسے اپنے ہنس کی خلوت گاہ میں مصروف دیکھ کر نکل گیا۔“

”ممکن ہے یہی بات ہو۔“

جیک نے اپنے ذہن میں کچھ سوچ لیا تھا پھر ایک لحظہ وہ پٹی اور فلسطینی کیمپ کے

بالکل قریب آکر رک گئی۔

”تیری آواز شاہنشاہ سے زیادہ سُری ہے۔ وہ صرف گاتی ہے، تو جادو بھونکتی ہے۔
حسن و جمال میں بھی اُس سے کہیں بڑھ کر ہے۔“

دمنہ چونک سی گئی۔ ”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھتی خام حضور!“

حالات کو وہ سب کچھ سمجھ گئی تھی۔ عارضوں پر ایک انجانی مسرت بھی ظاہر ہوئی تھی جسے اُس نے شرم، حجاب اور حیرت کے پردے میں چھپا لیا تھا۔ تاہم جبکہ قانون ہی اپنا مطلب بیان کرنے لگی۔

”معتقد صرف موسیقی اور غنا کا مشہد ہی نہیں، حسین کنیتوں کا وطن دلدارہ ہے۔ اگر کنیتوں جیسی جوان، خوب صورت اور خوش آواز ہو تو اُس کے دل کی کتاب بخوبی پڑھ سکتی ہے۔“
ایک بل ٹوک کر جبکہ اُس کے چہرے کا جائزہ لیا جس پر ایک عجیب سی بے معنی نظر آئی مگر اُس کی تاہن بڑی دل چسپی اور توجہ سے کُسن رہی تھی۔ یہ دیکھ کر وہ اپنا مطلب بیان کرنے لگی۔

”اگر تو میری خاطر اُس سے بہ معلوم کر سکے کہ نئی عین اب کیا چاہتے ہیں اور وہ خود ترکوں کے خلاف کیا منصوبہ رکھتا ہے، تو تیری یہ خدمت اس زندگی کا صلہ ہوگی، جو تجھے ہر وہ فرد مشوں سے چھڑا کر دلائی گئی اور تو میری طرف سے آزاد ہوگی۔“

یہ فرمائش کُن کر جس کی خاطر اُسے تھوڑی سی لقمہ سرائی، تھوڑی سی دلبری، تھوڑی سی ہوشیاری سے کام لینا اور معزول خلیفہ کے دل میں جھانکنا تھا، دمنہ پر ایک خوش گواری مسکائی گئی۔ اُس نے اپنا مہر تسلیم یوں تمکرم دیا، جیسے پہلے ہی اس حسین فرمائش کی منتظر تھی کہ لگی۔

”مگر خاتمہ کنیتوں و صفات کی غلامی باہر کی آزادی سے زیادہ عزیز ہے۔ میں اپنی آزادی کی خاطر نہیں صرف آپ کی خوشنودی کی خاطر ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں۔“

جبکہ خاتون کو اُس کی اطاعت گزاری کا یہی میل پسند تھا کہ آواز سننے ہی فوراً ظاہر ہو جاتی اور عمارت کی اتنی اچھی تھی کہ کسی خدمت یا فرمائش سے انکار نہ کرتی، بلکہ دمنہ کو اُس کے پاس ہی کسی دیوار، دروازے یا کھڑکی سے لگی رہتی تھی کہ کب اُسے بلایا جائے گا۔ کاتوچہ دیا جاتا ہے۔ جبکہ کا خیال تھا، وہ ہر وہ فرد مشوں سے رہائی کو اپنی ہی زندگی

ہے جس کا کنی بار انہماک کر چکا تھی۔ اس بیت زیادہ ان عین شعاع نور خدمت گزار ہے۔
سے رضا مند دیکھ کر پیر سے اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ دیا۔

”تیری یہ خدمت بھی فراموش نہیں کر جائیگی۔“

”نگاہیں معتد تک رسائی کیسے، سادہ رنگ۔“

”جنگ کے ہفتوں پر ملک ہی سکڑ بیٹا تھی۔“ اُنکے اوصافوں میں کون لایا تھا؟
”سردار حرب۔“

”معتقد میں میری رسائی اُنسی کے ذریعے ہوئی۔ میں گشتی کر رہی تھی کہ ایک وادی کے اندر تجھے معتد کے پاس پہنچا رہے۔“

”جبکہ نہیں جانتی تھی کہ جب تک قدم بخار رہے ہیں تو کتنی سیبت سے ایک بہت بڑا ہوتا ہے۔ اور دمنہ ایسی خوش تھی، گویا دل کی مراد پوری ہو۔“



ابھی بھسرا دی نہیں گزرا تھا کہ سردار حرب بھگتی نے معتد کی نام کنیت شاہنشاہ کو تو اُس کے اہل خانہ کیساتھ ہی لے کر سرائی گئی اور سرائی کی خدمت انجام دی تھی۔ ایک لمحہ دیکھا بائیں میں اُسے فوراً، اعلیٰ کی گیا تھا۔ حرب نے آواز دھنک کے لیے ایک بھاری رقم لگا دی اور شاہنشاہ کو بھگت سے بھجوا دیا۔

اُسی روز ۲۵ رجب ۱۰۵۵ھ کی شام کو جب اہل خانہ پر شہنشاہ کا چاند طلوع نہیں ہوا تھا، حرب نے اوصاف کی غلطی کنیت کو قلم معتد کے ہاتھ دار و فاضل کے سپرد کر دیا۔ وہ اُسے کر فتنہ کی دھمکی منظر پر پہنچا کر دروازے پر کھڑی سونے چاندی کے تاروں اور مختلف اہلین متوجہ کی لڑائیوں کی چٹن بٹاتا ہے۔ ملک کے دار و فاضل میں داخل و اجرام معتد شاہنشاہ کا منظر تھا کہ کدو شاہ کا اندھیرا کہہ کر کیا تھا۔ خاتمہ نے غلام گشتی کے ساتھ گشتی کی خدمت کی تھی۔ اچھی رہی کہ دیکھ اور سلطان غلام میں بڑی تھی۔ اُسے اُسے دیکھیں بھاری تھیں مگر وہ بھی ملک رسائی قلم دار و فاضل نے اطلاع دی۔

”اعلیٰ حضرت! شاہنشاہ آج آئے تو، دربار چھوڑ کر نہیں آئے۔“

معتقد نے حیرت سے دروازے کی طرف دیکھا۔ کیوں نہیں آئے گی؟

"وہ ایک بے حد ضروری اور فوری کام کے لیے سامر اٹلی گئی لیکن مجھے اطلاع دے گئی ہے کہ پانچ چھ روز میں نوٹ آئے گی بڑی پریشانی اور جلدی میں تھی۔ حضور اُس وقت آ رہا تھا۔ رہے تھے دیش نے بے آرام کرنا مناسب نہ سمجھا اور اُسے رخصت کی اجازت دے دی۔ داروغہ نے ساتھ ہی دمن کی طرف اشارہ کیا۔ "اے اعلیٰ حضرت! یہ الرضا کی فلسفینی کزیر دمن ہے۔ جو رقص و نغمہ میں اپنی مثال نہیں سمجھتی۔ شاہراہ کی عدم موجودگی میں حضور کی خدمت سرانجام دے گی۔"

معتمد نے دمن کو دیکھا، اُس کی خوب صورتی اور جوانی پر نظر ڈالی وہ آہستہ آہستہ مسند پر تڑپ کے پھونپھوندا۔ فلسفینی کزیر اس کے سامنے حکم پوشش رہا بن کے کھڑی تھی جس کے ہونٹ نابوس کے اناروں کی طرح سرخ۔ رخسار لبنا کے سیبوں کی مانند رنگین، آنکھیں تہہ پر تہہ جیسی موٹی اور طریقہ کے چشموں جیسی شفاف، قد جانا کے صنوبروں کی مثال اور جوانی جند کے انگوروں کی طرح تازہ اور خمار آور تھی۔ وہ چند ساتھیوں اُسے حیرت و شوق سے دیکھتا رہا۔ پھر دراصل محل کو باقی سے جانے کا اشارہ کیا اور جب وہ چلنے لگے تو دیش و سپین تار اور توتیوں کی زواں ہٹا کر ہوا کے سے نکل گیا تو اُس نے غلام کو بھی رخصت کر دیا اور دمن سے مخاطب ہوا۔ "دمن! دروازہ بند کر دو اور آگے آ جاؤ۔ اب کوئی ہماری خلوت میں نہیں آ سکتا۔ دمن نے کمر کی تھما کی۔ دروازہ بند کر کے وہ بے پاؤں آگے بڑھی اور بالکل معتمد کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے اپنے خرب، ہی چھٹی مسند کی طرف اشارہ کیا جس پر چھوٹا سا ٹائین اور اس ٹائین پر باریک اور آرائشی علام سمور چکھا تھا۔ وہ چھوٹی سی مسند پر اس طرح بیٹھی کہ اس کے جسم کی ہر خوبی نمایاں ہو رہی تھی۔ گویا مسند پر بھی ایک بھری ہوئی چھٹی ہوئی مٹی تھی۔ اُس نے اپنے نیچے سمور کی نرمی اور عمارت محسوس کی اور سوچنے لگی۔ معتمد کی بچی کزیر اسی مسند پر بیٹھ کر لکھ رہی تھی۔ وہ اُس کے گیسوؤں سے کھینٹا ہو گا۔ ان عجیب سی خلق کو خواہ وہ عورت ہی کیوں نہ ہوں، عیش و عشرت کے کیسے سامان پیش ہیں۔ دمن سوچ رہی تھی اور معتمد بڑی مسند پر بیٹھا، جو چھوٹی مسند سے ذرا اونچا تھا۔ اُسے دیکھ کر ہنسا۔ وہ ہاتھ بڑھ کر آسانی سے اُسے چھو بھی سکتا تھا۔ چند لمحے اسی چھٹی میں گزر گئے۔ آخر اُس نے مسکرا کر پوچھا۔ "تمیں جیک نے بھیجا ہے؟"

"نہیں! سردار حرب نے۔"

معتمد نے پہلی بار اُس کی بلبلی جیسی منتر تم اور سُری آواز سُنی اور حیرت کا اظہار کیا۔ "سردار حرب نے کیوں؟"

"اُس نے سنا تھا کہ آپ کی بچی کزیر کہیں چل گئی۔ سہل اس لیے غم سے کہا میں چند روز کے لیے آپ کی خدمت کروں اور غنا سے آپ کا جی بھڑکے۔"

"داروغہ نے کہا تھا کہ رقص و نغمہ میں تمہارا کوئی ثانی نہیں مگر تم حسن و جمال میں بھی بے نظیر ہو۔"

"یہ تو اعلیٰ حضرت کا حسن نظر ہے۔"

"تم جیک کی لڑکی ہو کیا تمہارے یہاں اُنے پر اُسے اعتراض نہ ہو گا؟"

"وہ میرے بارے میں کوئی بات پرس نہیں کر سکتی۔ سردار حرب کا بھی بھیر پر کچھ حق ہے۔ وہی مجھے الرضا میں لایا تھا۔"

دمن نے عباسیہ کی خاتون ازل کا ذکر اس طرح کیا کہ معتمد اس کے لہجے کی تلخی محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔ تعجب سے پوچھنے لگا۔

"کیا تم جیک سے خوش نہیں؟"

"گتھی معاف اعلیٰ حضرت! یہ ترک خواتین بڑی بہ مزاج اور نیک چڑھی ہوتی ہیں۔ دمن نے اس کی کمزور بغض پر ہاتھ رکھ دیا اور یکس من گھڑت کمائی سنانے لگی۔

"بمردہ فروش مجھے کوئے یا بھر سے لے جانا چاہتے تھے مگر بغداد میں سردار حرب نے جیک خاتون کے لیے میرا سود کر لیا اور میں الرضا میں پہنچا دی گئی۔ جیک ترک ہے اور خود کو رات خواتین پر بالا اور اعلیٰ سمجھتی ہے۔"

معتمد کی دل چسپی کچھ اور بڑھی۔ "کیا جیک سے ٹھنکا راجا ہتی ہوتی؟"

"ٹھنکا راجا کیسے ہو گا؟ پھر کچھ سوچ کر بولی۔ "صرف ایک ہی صورت ہے کہ کوئی دیہیت عرب سردار مجھے اُس سے خرید لے۔"

"اگر تم نہیں خرید لیں؟"

"یہ میری عزت افزائی ہو گی۔ آپ کو غنا اور سرور دے دل چسپی ہے۔ آپ میری خدمت کریں گے۔"

مسند کا صبر و قرار منزل ہو گیا لیکن طبیعت میں تھوڑی سی وحشت، تھوڑی سی جرات

پہنچنے کے لیے ضروری تھا کہ آپ ارغوانی کا سہارا لے۔ دمنہ نے بیانا بھرا جس میں
اپنی مسکراہٹ کا نشہ گھول دیا اور بیانا اس کی طرف بڑھایا۔ معتد نے چمانے کے ساتھ
اپنی خوبصورت ہاتھ بھی پکڑ لیا۔ ان کے درمیان جو گفتگو ہو چکی تھی، اُس سے تنہائی
کی یہ طاقت کچھ کچھ بے تکلفی کا رنگ اختیار کر گئی تھی۔ دمنہ نے اپنا ہاتھ نہ چھڑایا لیکن محسوس
کیا کہ اس کی گرفت کمزور اور ہاتھ میں گئی کم ہے حالانکہ پچاس برس کا تھا اور پچاس برس
کے مرکا ہوا تانکڑا اور ٹھنڈا نہیں ہوتا۔ بیانا پکڑتے ہی اس نے ایک حسین فرمائش کر دی۔
”شراب کے ساتھ ہم قماری آواز کا رس بھی پینا چاہتے ہیں۔ رہا باب، سجا سکتی ہو تو
مندی مسند کے پیچھے رکھا ہے۔“

اب دمنہ نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور مسند کے پیچھے سے در بخت میں لپٹا ہوا ایک
پتلی باب نکالا۔ ادھر معتد نے بیانا دمنہ سے لگایا۔ ادھر دمنہ نے باب کے تار چھڑ
پے اور اپنی موٹی آواز مدغم لے اور دھیمے گھر میں گانے لگی۔

ظُفُوفٌ بِالنَّشَبِ وَنَحْنُ
عَادَةُ مِثْلُ الْفِصَالِ
محبوب نے میرے دل پر غلبہ پایا
وہ بلبل کی مانند درختاں ہے
نُكْمًا صَحَّ كَهْمَا
وَدُنِي جَاعَةٌ بِاعْتِمَالِ
جب میری محبت صحیح وثابت نکلی
اُس نے بیماری کا نذر کر دیا
لَا يُحِبُّ الْاِنْجَرُ مِثْلِي
وَالشَّائِبُ عَنِّي وَصَالِ
اُسے میرا جیسے بھی پسند نہیں
اور میرے وصال پر بھی آمادہ نہیں
مَلَا لَيْقَى عَلَى حُبِّي
لَهَا حَوْفٌ اَلْمَلَالِ

دمنہ سب کچھ اس لیے کر رہی ہے کہ اس کے خوفِ ملال سے اپنی محبت پر قائم رہے
معتد جہاں اُس کی آواز کے جادو سے مسحور ہو گیا۔ وہاں اُن اشعار پر بھی رنگ رو گیا
جانتی ہو یہ اشعار کس کے ہیں؟

ابن عربی نے کہا ہے: ”یہ کہتے ہوئے اس نے دوسرا بیانا
کے پیش کیا اور اسے مسکراتی نظروں سے دیکھ کر کہنے لگی۔“ یہ سب جانتی ہوں کہ وہ

”پھر ہم کل ہی خوب کے ذریعے چمک سے بات کریں گے۔“

”بوسکنا ہے کہ چمک نہ لے آپ کے ہاتھ فروخت نہ کرے۔“

”فکر نہ کرو ہم معتد سے کہہ کر نہیں ارغوانی سے لے آئیں گے۔ چمک کی رقم
اور کر دی جائے گی۔ اس نے کتنے دینار میں خریدنا تھا تمہیں؟“

”میں ہزار دینار میں۔ دمنہ نے جھوٹ بولا۔ ساتھ ہی اپنے ہنسنے مول کی وجہ بھی
بیان کر دی۔

”جو لونڈی جوان، خوب صورت خوش امان اور غنا کے ساتھ رقص میں بھی ماہر تو
برہ فرزندش اُس کے زیادہ دام لگانے میں۔“

”مگر میں ہزار دینار تو کچھ بھی نہیں، تم ہیروں کے تول بھی سستی ہو۔ پھر ایک کنبی نکال
کر اس کے سامنے پھینک دی اور کمرے کی منقش چوبی الماری کی طرف اشارہ کیا۔

”الماری میں پچیس ہزار دینار پڑے ہیں، چاہو تو اسی وقت لے جاؤ اور سب
کے سب چمک کے منہ پر دے مارو۔“

دمنہ سمجھ گئی کہ معتد پر اُس کے حُسن کا جادو چل گیا ہے۔ اس نے کنبی مسند سے
انٹائی اور مسکرا کر اس کی طرف بڑھادی۔

”دوم دوم دینار کی بانیں سویرے ہوں گی۔ آج رات لونڈی کو اپنی خدمت کا موقع ملے
اُس کے عارضوں پر رضامندی کی مسکراہٹ دیکھ کر معتد کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ

”پھر یہ کنبی ہمیں کیوں ٹوٹا رہی ہو۔ صراحتی اور بیانا بھی اسی الماری میں ہیں۔ آج تمہیں
پوری خدمت کا موقع دیں گے۔“

دمنہ نے اپنی مسکراہٹ میں کچھ اور دل کشی، کچھ اور دلبری کا رنگ بھر دیا۔ کنبی
کے مسند سے اٹھی اور لہرائی بل کھاتی الماری کی جانب بڑھی۔ معتد نے چلنے کا یہ دھنگ

دیکھا تو گیسے اپنا دل بالقد سے جاتا نظر آیا اور رنگاں اُس کے ہندو قبا پر چمک کے رو گئی۔
نفسیاتی لونڈی نے الماری کھولی، پچھلے خانے پر نظر پڑی تو معتد کے بیان کی تعلیق

ہو گئی۔ مسند سے دینار روئے کے توڑے دیں رکھے تھے مگر ان پر توجہ دینے کی بجائے
وہ دوسرے خانے سے صراحتی اور بیانا اٹھا کر پلٹی اور اسی طرح لہرائی، بل کھاتی اپنی مسند پر

وٹ گئی۔

دمنہ سوچتے تھے کہ کیا ست نے اُسے شکستہ خاطر کر دیا اور اب صرف اپنی ذات کے لیے کسی دل چسپی کا اظہار چاہتا ہے۔ وہ دوسری منزل کے اس گوشہ خلوت میں جہد کوئی اس کی تنہائی میں نکل نہیں ہوتا، اپنی پیچیدہ ناکایوں کا قلم چیلانے میں گھول کر بیٹھا ہوتا۔ محسن اور غنا کی رخنوں میں بھول جاتا ہے۔ وہ ایک مقصد کے کرائی تھی جس کی تکمیل کے لیے ایک خاص وقت اور ایک خاص کیفیت کی ضرورت تھی، جب نشہ اُس کے حواس پر طغیان کرے اور وہ اپنے شعور سے اپنے آپ سے بے گانہ ہو جائے۔ دمنہ کو صرف اس وقت اور اُس کیفیت کا انتہائی نہیں کرنا تھا بلکہ اُسے مدہوشی کے مچلنے تک بھی خود سے حالانکہ شراب کے ساتھ ساتھ اپنے حسن کی دل کشی اور دلربائی کے نشے سے اُسے بیگانہ ہوش کرنا تھا۔ نشے کی حالت میں جب آدمی کو شعور پر انگشت لگو پر، جیسے پر قابو نہیں رہتا، وہ اپنے اندر سے نکل کر باہر آتا ہے۔ دمنہ کو مقصد سے صرف اتنی دل چسپی تھی کہ وہ اپنے اندر سے نکل کر باہر آتا ہے اس لیے مسکرا کے بولے۔

”ایسی آپ کی شکستہ خاطری دور کرنے کے لیے حاضر ہوئی ہوں۔ مگر آپ نے میری دل چسپی اور مگن کے بارے میں پوچھا ہے تو عورت خواہ مرد، نڈری ہو، اپنے دلا کی بات زبان پر نہیں لاتی۔“

اس جواب نے معتد کی رغبت میں کچھ اور اضافہ کر دیا۔ ”ہم چاہتے ہیں تم اپنے دلا کی بات زبان پر لے آؤ۔ ہماری محبت کا اقم ار کرو۔“

”محبت کی کوئی زبان نہیں ہوتی اسی حضرت؟“

”بھیر محبت کا اقرا اور اضافہ کیسے ہو سکتا ہے؟“

”جب کوئی دل پر دستک دیتا ہے، تب دل کی دھڑکن کچھ کمتی ہے۔“

”تمہارے دل کی دھڑکن کیا کمتی ہے؟“

دمنہ کی جوانی اور خوب صورتی اُسے خود رفتہ کیے سے رہی تھی اور وہ اُس کی زبان سے صرف ایک لفظ ”محبت“ سنا چاہتا تھا اب یہی ایک لفظ رہ گیا تھا۔ سیاست، غفلت، حکومت کے الفاظ اس کی کتاب زندگی سے قلم زد کر دیے گئے تھے۔ دمنہ نے اس کے بڑھتے ہوئے شوق کا اندازہ لگایا اور اُس پر اپنے تبسم کی ایک اور بکلی گرا دی۔

”کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہنس دستک پر دروازہ آپ کے لیے کھول دیا جائے؟“

ایک خوب صورت ٹوڈی پر فریفتہ تھا جس طرح اس وقت آپ مجھ پر فریفتہ ہو رہے ہیں اور خلیفہ ہمدی نے یہ انداز اس ٹوڈی کی محبت میں بے تاب ہو کر کسے تھے۔“

معتد نے دو گھونٹ بھرے اور کہا۔ ”وہ ٹوڈی بھی خلیفہ ہمدی سے محبت کرتی تھی۔“

”مجھے معلوم ہے۔“

اب اس نے سیدھی بات کی۔ ”پھر یہ بھی درست ہے کہ خلیفہ ہمدی کی طرح ہم پر فریفتہ ہو گئے ہیں لیکن کیا تمہیں بھی تم سے لگاؤ ہے؟“

دمنہ حیران تھی کہ کیا جواب دے۔ خود ہی اُسے اپنے اور یہ نائل ہونے کی تربیت دے رہی تھی تاکہ جس مقصد کے لیے آئی ہے، وہ جلد پورا ہو لیکن کسی واضح جواب کی بجائے ذرا معنی سا جواب دیا۔

”بھلا آپ کی ذات سے کس کو لگاؤ نہیں ہو گا اگر معتد ابو عباس نے ترک شکر کے ذریعے خلافت پر قبضہ نہ کیا ہوتا، تو بغداد کے لوگ آپ ہی کو خلیفہ بناتے۔ بنی طولون تو اس بھی اس لیے آپ کی حمایت کرتے ہیں کہ انہیں حضور کی ذات سے لگاؤ ہے۔ دمنہ نے ترک شکستہ زوں کا ذکر کر کے ایک قرعہ پھینکا، بنی طولون کا نام ہے کہ ایک داؤ کھیل کر معتد اس داؤ میں آتا ہے یا نہیں، لیکن معلوم ہوتا تھا، اُسے سیاست و حکومت سے کوئی دل چسپی نہیں رہی اور اب اس گوشہ خلوت، اس عینکاف تنہائی میں شراب اور حسن و غنا کی راحت ہی اس کا واحد مشغلہ یا مقصد جیات سے کہنے لگا۔

”ہم اُس لگاؤ کی بات نہیں کرتے جس کا تم نے ذکر کیا ہے کیوں کہ اتنے خوش نہیں کرے بغلادیا سامرا کے لوگ ہمارے لیے اٹھ کھڑے ہوتے۔ ہم انھی لوگوں کے دست ہوئے ہیں جن کی گردنیں ہمیشہ طاقت کے سامنے خم رہتی ہیں۔ ہمیں اُن سے کوئی واسطہ کوئی مطلب نہیں۔ تم تو اپنے بارے میں صرف تمہاری لیکن تمہاری دل چسپی کا حال جاننا چاہتے ہیں اور یہ سوال اس لیے پیدا ہوا ہے کہ تم کسی غرض اور کسی بلا سے کے بغیر ہماری خدمت کرنے آئی ہو۔ تمہارے اس دوستانہ سلوک نے ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ تمہارا قمار سے دل میں ہمارے لیے وہی کشش ہو جو خلیفہ ہمدی کے لیے اُس کی ٹوڈی کے دل میں تھی۔ بغداد کے لوگوں نے ہمیں آزدہ اور شکستہ خاطر کیا ہے۔ تمہاری محبت کی نئی راحت اور ایک نئی تسکین دے سکتی ہے۔“

ہوئی اٹھارہ گھنٹہ کی گھڑی میں بڑی مہربان اور تیز دوا چھپا کے رکھی تھیں، جو بڑے سے سمجھو
پر اچانک مشاہد کا عمل کرتی پائیں گہری نیند سدا دیتی تھی۔
اپنی انگوٹھی کا سبز زمردیچہ کر اس کے ٹخنے ہونٹوں پر معنی خیر مسکراہٹ نمودار
ہوئی۔ اسی لمحے معتمد نے جو تیسرا ہیما نہ خالی کر چکا تھا اور بڑی گرم شوق نظروں سے گزرا
بغور جان کو لے رہا تھا، ذرا گرم ہاتھ میں آواز دی۔

”دمنہ! ہمارے پاس آؤ، ہمارے قریب بیٹھو“

وہ فوراً پٹلی اور اس کے قریب چھوٹی مسند پر بیٹھ کر جو تھا ہیما نہ تیار کرنے لگی۔
معتمد صرف اس کی پشت پر ہاتھ لگایا اور کالی زلفوں سے کھیل سکتا تھا، کیونکہ وہ پہلو بدل کر
اور دمنہ دوسری طرف کر کے بیٹھی تھی، اس نے معتمد کو اپنی زلفوں سے کھیلنے کا موقع دیا اور
اس کی جانب پشت کیے رہی، جب صراحی سے ہیما نہ میں شراب انڈیل رہی تھی، انگوٹھے
کے دباؤ سے انگشتری کا سبز زمرد پر سے ہٹ گیا اور چھوٹی سی گھڑی ٹھکل گئی، جس کے داغ
میں بھرا ہوا زرد سفوف ہیما نہ میں گر کے فوراً اُٹھ ہو گیا۔ دمنہ نے کسی گھبراہٹ اور اہمیت کے
بغیر زمرد کو پھر گھڑی میں جمادیا اور ہیما نہ اٹھا کر بڑے اطمینان سے معتمد کی طرف بڑھ گیا جس میں
اُسے ہوش و خرد سے بیکارگی کی کیفیت اُس کے جانے کا نسخہ گھول دیا تھا۔

معتمد نے ہیما نہ کے ساتھ اس کا ہاتھ بھی پکڑ لیا اور دمنہ کے ہونٹوں پر بڑی دغوب
مسکراہٹ بکھری جس نے خوشی کی سبک بھی کہوں کہ اب اس کا ہاتھ پہلے سے گرم تھا اور گرفت
بھی کچھ مضبوط تھی۔ وہ کچھ رہا یہ ہو گئی اور بڑی دلربائی سے بولی۔

”ابو عباس! یہ ایک ہی سانس میں ختم کر دو“

معتمد اس کی ہلکی پر مسکرایا۔ ”ایک ہی سانس میں کیوں؟“

دمنہ نے اب کا صبر ”نہم“ سے بدل کر جس نے تکلفی کا اظہار کیا تھا، معتمد پر
کچھ کر اس پر خوش نظر آیا۔ وہ اس کے ساتھ بے تکلف اور بے حجاب ہو رہی ہے۔ دمنہ
نے اس بے تکلفی کو نہ گھٹے نہ تائید اور مسکراہٹ سے بولی۔

”پورا ہیما نہ پینے سے، ابراہیم، تمہارا جسم، تمہارا ذہن پوری طرح گرم و جانے کا پتہ
میں میری اور مجھے تمہاری باتیں آجیگیں گی“

ان الفاظ میں ایک دعوت اور ایک ترغیب تھی۔ ہو گرم ہونے پر دل کا دروازہ کھلے

”اس ہیما نہ کا ذائقہ کچھ بدلا ہوا اور تلخ تھا۔“

اس کا اپنا لہجہ بدلا ہوا اور آواز بھی ہوئی تھی۔ دمنہ نے محسوس کیا کہ دوانے
نہری اُتر گیا اور مسکرائی۔ ”شراب کی تلخی ہو کر گرم کرتی ہے احمد!“

پیارے اس کا نام لیا پھر ہیما نہ میں تھوڑی سی اور شراب انڈیل کر پیش کی، اس نے
گھونٹ گھونٹ کر کے پیا، ایک نیا ذائقہ محسوس کر دے۔

وہ اسے مزید شراب پلکا کہ صرف اس کا ذائقہ ہی نہیں بدلنا چاہنی تھی بلکہ اس کا
معتد یہ بھی تھا کہ تھوڑی سی شراب سے ہیما نہ دھل جائے اور اس میں دوا کا کوئی نشان،
کوئی علامت باقی نہ رہ جائے۔ معتمد کو کچھ خبر نہ تھی کہ وہ آتش سنیان میں گھل ہی کون سی
”گھٹ“ پانی چکا اور ایک ہیما نہ کے فوراً ہیما نہ پیش کرنے کا سبب کیا ہے۔ وہ
اسے بھی دمنہ کی مہربانی یا کوئی ادا سمجھا اور اس کی زبان سے اپنا نام سن کر خوش ہوا تھا۔ ہیما نہ
خام کر لے کر اُٹھارتے ہوئے لیے میں بولا۔

”تم مہربان ہو رہی ہو۔ ہم تمہارے احسان مند ہیں“

دمنہ نے اپنی مُرتائی آواز میں ایک شعر پڑھا۔

اَتَاوَجَدُنَا حَيًّا قَدْ اَصْرَبَ

كَأَوْدَقْتَابَةً اَوَّلَيْتَ احْسَانًا

(جب ہم کسی عاشق کو محبت میں تکلیف اٹھانے ہوئے دیکھتے ہیں، تو

اس پر حسان کرتے ہیں)

شعر سننے ہی معتمد نے جُرمِ جرم کر کے پینے کی ہیما نہ ہونٹوں سے لگایا اور
ایک ہی سانس میں خلی کر دیا۔ دوا کی حرارت سے اس کا جسم پتے ہی پتے لگے اور تہہ و تختہ
ہو گیا تھا، اپنا ہیما نہ پیتے ہی خون جیسے بہتوں میں اُبتے سسٹے لگے۔ اب کچھ اور نہ کھرا گیا
نہ کچھ اور نہ کھرا گیا۔

”تم صحن کا خواب ہو دمنہ! تمہارے قریب کی راحت اس خواب کی تعبیر ہے۔“

۲۵۔ جب کی کالی رات اپنے پر سے گزرتی تھی جب دمنہ درندہ باس اپنے درندہ پر سے کو سیوا دیتا ہے میں چھپائے مغذ کے گوشہ اخوت سے نکلی اور غلام گردش میں گزریا تھی اس اور بچی دینار کی جانب بول جدھر وجہ بہہ رہا تھا۔

”تم جانا چاہتا ہے کہ آقا حسین کون ہے مگر تو اس کے پاؤں کی دھوئیں

معلنا اپنی زبان بند کر لی۔

فوری طور پر کسی کو قتل یا زہر چکانی کا گمان نہیں گزرا، یہی معلوم ہوتا تھا کہ طبی موت مر یا شراب کی زیادتی پہنچا، قضا میں گئی ہے اس معاملے کو چھپانے کی کوشش کی گئی اور سب اہل خانہ روپٹ کر کفن دفن کے انتظامات میں مصروف ہو گئے لیکن لاش کو غسل دینے کے بعد گردن پر خراشوں کے نشان ابھر آئے کفن پہنایا گیا، تو جہرے کی زگمت بھی کچھ بتی پڑ گئی۔ جعفر نے غور سے باپ کی لاش پر منتظر والی اور دل گیر سے لمحے میں کما۔

”شاید زہر دیا گیا ہے۔“

ان الفاظ کے ساتھ ہی قصر معتمد میں سنسنی پھیل گئی۔ فوراً ایک حکیم کو طلب کیا گیا، جس نے زہر اکود شراب کو موت کا سبب قرار دیا مگر زہر ملی شراب کس نے پلائی؟ بعض لوگوں نے دبی زبان میں اس خیال کا اظہار کیا کہ ہو سکتا ہے، شراب میں تیز ایت پیدا ہو گئی اور وہی موت کا باعث بنی ہو ورنہ زہر کون دیتا؟

”مگر گردن پر نشان کیسے میں؟ گلتا ہے کسی نے گلا گھونٹ کے مارا ہے۔“ کسی نے سرگوشی کی ”جب شراب کے تیزابی مادے سے گلا کپڑا ہلکا اس وقت شاید معتمد نے خود اپنی گردن کی رگیں پٹنے کی کوشش کی ہوگی تاکہ کچھ اوروں کو شراب نوشی کو چھپانے کی جتنی سعی کی گئی تھی۔ اس کا اتنا ہی چرچا ہو اور زہر ملی شراب پلانے یا گلا گھونٹ کر مارنے کی خبر اذنی ہوئی بعد اذ کے گلی کوچوں میں پچی اور لوگ چہ میگوئیاں کرتے قصر معتمد کے ارد گرد اکٹھے ہونے لگے۔“

مگر جیگانے معتمد کے انتقال کی خبر جمع ہی گئی اور دم بخود سی رہ گئی تھی، زہر چکانی کی اطلاع ملی تو دل کو ایک دھچکا لگا۔ دمرہ الرضا نے میں لوٹ کر نہیں آئی، وہی بتا سکتی تھی کہ رات معتمد کے ساتھ کیا ہوا، بھڑا ہٹ میں ایک کینٹرک (چھوٹی ٹرکی لونڈی) کو مردہ اجڑا ہونے کی طرف بھیجا کہ اسے چیکے سے عبا لانے مگر وہ بھی نہ مل سکا جس سے جیگانے کا اضطراب کچھ اور بڑھ گیا۔ زہر جانے دونوں کہاں چسے گئے تھے۔ اچانک اس خبر نے ہوش اڑا دیے کہ لوگوں کے نزدیک معتمد کو قتل کیا گیا ہے اور گلیوں، کوچوں، بازاروں میں ان کے گھٹھے ہو رہے ہیں۔ معاً جیگانے کو جعفر بخوی کی پیش گوئی یاد آگئی۔ جس نے معتمد کے معاملے میں دو معجزوں میں بیان کی تھیں اور کہتا تھا کہ وہ سات ماہ کے اندر زہر خور کرے گا یا قتل کیا جائے گا،

۶

ابن حربؓ

سویرے معتمد اپنے کمرے میں مردہ پڑا ہوا۔ لاش کے پاس مسند پر پھیلا ہوا اور صراحی اور مندی پڑی تھی کچھ شراب ایرانی تالین پر بہہ گئی لیکن دو تین جڑے صراحی کے اندر بھی رہ گئے تھے۔

وفات کی اطلاع غلام نے وہی اجروں چڑھے سے جگانے آیا اور مسند پر زانو معتمد کی بجائے مردہ معتمد کو دیکھ کر کہنے میں آگیا۔ الرضا کی فیصلہ کنیہ جو رات اس کی خدمت کرنے آئی، غائب تھی۔ غلام دروغ کی طرف بھاگا جو ایک چچکا دوسری منزل کے گونڈراست میں پہنچا اور موت کا منظر دیکھ کر خوف زدہ ہو گیا۔ دمرہ اسی کے ذریعے آئی بلکہ پہچانی گئی تھی۔

دونوں نے باہم مشورہ کرنے کے بعد اہل خانہ کو خبر کی اور قصر معتمد میں ایک کمرہ ساچ گیا۔ سب سے پہلے جعفر مفوض ہی، جسے دو ماہ قبل ملی عمدی سے ہم دم کیا گیا تھا، باپ کی لاش کو دیکھنے آیا، اس کے پیچھے پیچھے کچھ عورتیں اور دم بخود سی منزل پر پہنچ گئے۔ معتمد کی شراب نوشی اور فنا سے دل چربی و کھلی چھپی نہ تھی، مگر وہ تعب ہی کے اندر آئیں خلافت سے معزول کیا گیا تھا۔ چند ماہ سے بھی لونڈی شاہنشاہ اس کی خدمت پر مامور تھی لیکن کل وہ طور سے شمس سے کچھ دیر بعد سام کی طرف روانہ ہو گئی تھی، صرف داروغہ اور غلام جانتے تھے کہ رات سابقہ کی خدمت الرضا کی فیصلہ کنیہ دمرہ نے اور ان کی بھی دونوں نے

کیسے تھے؟

گھبراہٹ کر مارا گیا، تو زہر دینے کی کیا ضرورت تھی؟
جو لوگ اُس کے لہو و عصب پر اعتراض کرتے رہے تھے، انہیں باتیں کرنے کا موقع
مل گیا اور بدنامی کے خیال سے تحقیق مرگ ریزہ دی گئی۔ تدفین کے ساتھ اُس کی موت کا راز
بھی قبر میں دفن ہو گیا۔ جنازے کے ساتھ لوگوں کا بہت بڑا ہجوم تھا اور اکثریت کی رائے
میں اُسے قتل کیا گیا تھا، تاکہ معتقد ابو عباس کے اقتدار کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ رہے۔
تدفین کے وقت معتقد بھی موجود تھا۔ اُسی نے چچا کو عد میں اتارا کسی نے اُس
کے سامنے اپنی رائے کا اظہار نہیں کیا لیکن عام لوگوں کی نگاہوں میں ایک نفرت تھی۔ چچا
پر مرگ غلام شہیل نے اُسے بتایا کہ لوگ معتقد کی موت کو قتل سے تعبیر کرتے ہیں۔ اُس کے
معتد زین غلام آباد نے بھی اس بات کی تائید کر دی۔

چچک نے غم و مقصد ابو عباس کی دوسری حرموں شغب خاتون اور فتنہ بانو کے ہمراہ
اتم رہی کر کے قصہ معتد سے نکلی، تو بڑی پریشان نظر آتی تھی۔ شغب خاتون اور فتنہ بانو بھی مصدق
میں تعزیت کے دوران بعض بیگمات کی باتیں اُن کی سماعت سے مکرانی رہی تھیں جو انہی
بہنوں کو سنانے کے لیے کی جاتی رہیں کہ جب معتد غفلت و حکومت سے دستبردار ہو گیا
تو اُسے قتل کرنے کی ضرورت تھی،

ان باتوں سے خیمہ معتد پر شک کا اظہار ہوتا تھا جس نے تینوں حرموں کو پریشان کر
دیا۔ چچک کے دل کا سکون تو اس لیے بھی اُڑ گیا کہ دمزدہ مصدقہ میں واپس نہیں آئی تھی، نہ مدار
ترب کا کوئی سرا مل رہا تھا۔ دونوں اُس بساط کے اُترے تھے جو معتد کے لیے بچانی گئی تھی
وہاں کی بساط پر مارا گیا اب ترب اور دمزدہ کی پڑھ مرزدہ و فتنہ بانو بھی اندر چچک کا دل کھات
رہی تھی۔ چچک کے تعلق سے کوئی لیکن دونوں میں سے کسی کا کھوت نہیں سکے۔

معتد کی تدفین پر تیسرا دن بیت رہا تھا کہ غلی نوذری شاہ بھرہ قتل کی خبر من کافہ معتد

عزلی میں فتنہ کسی شوخ اور طرح دار حسینہ یا معشوق کے معنوں میں بھی مستعمل ہے
فتنہ معتد احمد ابو عباس کی خوب صورت کنیہ اور اہم و فنی جس کے بطن سے
ابو منصور محمد پیدا ہوا اور اظہار باللہ کے لقب سے تخت خلافت پر بیٹھا قمر اجماعی

اور دوسری صورت پیش آگئی تھی جس کے بارے میں اُس نے یہ اطلاع بھی دی تھی کہ اس
سے نئی پریشانی اور نئی مشکلات پیدا ہوں گی۔

معتد کی غفلت سے دستبرداری کے بعد جعفر نجوی کی پیش گوئی کو سرسرا خرافات اور
بغوات سمجھنے لگی تھی کیونکہ واقعات کوئی اور ہی صورت اختیار کر گئے تھے لیکن معتد کا قتل
بالکل غیر متوقع طور پر پیش آیا اور حالات کا دھارا اُسی رُخ ہمراہ تھا جس کی جعفر نے نشان دہی
کی تھی۔ پیش گوئی حرف بہ حرف صحیح نکلی اور اب معاملے کی دوسری صورت خطرناک رُخ اختیار
کر رہی تھی۔ سب سے بڑی غریبی یہ ہوئی کہ جبکہ نے ترکوں سے متعلق معتد کا ارادہ معلوم کرنے
اور یہ جاننے کے لیے کہ اب نئی طوون کیا چاہتے ہیں، اپنی فلسطینی کنیز سے اس کے دل میں
جھگڑنے کی فرمائش کی اور خود اُسے معتد کے احوال کا تفصیلی یا گوشہ راحت میں پہنچانے کا یقین
کی تھا جس رات دمزدہ واپس پہنچی، اُسی رات تقدیر کا کچھ پیش آیا۔ اس طرح وہ مصلے کی
دوسری صورت میں خود ملوث ہوئی اور اب اس خوف سے لرزہ برآمد ہوئی کہ اگر بات
کھل گئی تو کیا ہوگا؟

جعفر نجوی کی پیش گوئی ۱۲ رجب دوشنبہ کی رات کو اس وقت ظہور میں آئی جب
سات مہینے کی شرط پوری ہونے میں صرف ایک دن باقی تھا۔ اگرچہ یہ مدت ختم ہونے کا ارتقا
کریستی تو شاید حالات کی صورت کچھ اور ہوتی لیکن جعفر نے کہا تھا کہ آسمانوں کی کتاب تقدیر
پر جو واقعہ درج ہو جاتا ہے، اس کی صورت نہیں بدلتی، تبدیلی کا امکان تو صرف کسی واقعے
کے اندراج سے قبل ہے۔

جعفر انقضی نے قاضی ابو حازم کی عدالت میں تحقیق مرگ کی مرضی دے دی جس سے
معاملے نے ایک سنگین شکل اختیار کر لی اور لوگ طرح طرح کی باتیں کرنے لگے۔ قاضی ابو حازم
نے تہذیب طلب تہذیب کے حکیم کے سو کوئی شخص گواہی نہ دینے آیا، جس نے اپنی بات دہرائی کہ
موت زہریلی شراب پینے سے واقع ہوئی ہے مگر زہر کس نے پلایا؟

اس بارے میں کسی پر شک کا اظہار نہیں کیا گیا۔ صراحی میں بچی ہوئی شراب کی جانچ
پڑتال ہوئی، تو اس میں زہر نہایت تھی، نہ زہر کی آمیزش پائی گئی۔ معتد کی موت ایک
معاہدہ بن گئی۔

اگر موت زہر سے واقع ہوئی تو گردن پر خراشیں اور انگلیوں کے نشانات

ججک نے صاف جھوٹ بولا: ”دمنہ کو میں نے نہیں بھیجا، حرب کے گیا تھا۔“
 ”اوہ تمہاری کنیز ہے، اجازت کے بغیر کیسے لے گیا تھا؟“

اب علی اصطلاح میں ججک کو ”تذلیس“ کہنا پڑی۔ جھوٹ سے بات ملنا پڑا اور
 بتانے لگی: ”حرب نے کہا تھا کہ معتد کی بی بی بونڈی جو اس کی خلوت میں نغمہ پڑاتی کرتی تھی،
 سام چلی گئی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ دو چار دن دمنہ قنبر معتد میں چلی جائے۔ اس نے
 وہ بی بی معلوم کر سکے گا کہ وہاں کون آتا ہے اور کون جاتا ہے۔ میں نے اس میں کوئی حرج
 نہیں سمجھا اور اجازت دے دی۔“

وہ یہ بات بڑی عطفانی سے چھپا گئی کہ خود اُسی نے معتد کے لیے ایک سلاطین بھائی
 اور دمنہ کو اس کی خلوت میں بھیجا تھا تاکہ معلوم کر سکے کہ وہ تو کون کے لیے کیا کرتے رکھتا
 ہے۔ معتد نے بڑی سنجیدگی سے اُسے دیکھا۔

”مگر تم نے یہ بات آج تک چھپائے تھی۔“
 ”میں واقعی ابو عباس! کہیں آپ مجھ پر کسی منصوبے کا شبہ نہ کریں۔“
 ”شبہ ہم نے نہیں لگوں گے کیا ہے؟“
 ”بغداد، معتد کے قتل سے میرا کوئی تعلق نہیں۔“

احمد ابو عباس نے اُسے ایک بار پھر اپنی نظروں میں تو لیا اور شک کے لمحے میں
 کہا: ”تم بہت دنوں سے معتد کے معاملے میں دل چسپی سے رہی ہو۔ آخر ہمارے غلام
 شہل کو اور قنبرہ میں غلب کرنے کا کیا مطلب تھا؟ اس شخص کی کیا ضرورت تھی کہ معاہدہ بن
 لگتا اور صواری میں معتد کے بارے میں ہم سے کیا گفتگو کرے؟“
 وہ اس اکتشاف پر ہکا بکا سا رہ گئی۔ شہل کو اور قنبرہ میں جانے کی غلطی کر چکی
 تھی لیکن قنبرہ سمجھ کر ہوئی۔

”میں نے سنا تھا معاہدہ بن لگتا ہے آپ کو معتد کے قتل کا مشورہ دیا ہے اور یہ

تذلیس کی اصطلاح ہم حدیث میں اُن راویوں کے لیے استعمال کی جاتی ہے جو کسی
 روایت میں اپنی طرف سے جھوٹی باتیں ملا رہے ہیں۔ علمائے اسلام انہیں ایسے راوی
 کو ”مدرس“ کہتے ہیں یعنی جھوٹا پتہ ملائے والے (بحوالہ میزان الاعتدال وغیرہ التذیب

میں نوٹ کنی اور اکتشاف کیا کہ اُسے اور قنبرہ کے محافظ سردار حرب اکتفی نے چند روز کے
 لیے بغداد سے باہر بھیج دیا تھا اپنی بہن کا وہ خط بھی دکھایا جس میں شہل کو قنبرہ کو فرما کر اس پر
 کیا تھا مگر وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہی نے کوئی خط نہیں لکھا۔

علی کنیز کے ہوتے ہی معتد کے غلام کی زبان بھی کھل گئی۔ اس نے بتایا کہ ۱۵ مارچ کو
 کو سردار حرب اور قنبرہ کی فلسطینی کنیز دمنہ کو داروغہ محل کے پاس تھوڑا گیا اور داروغہ ہی کو
 کہ اپنے ساتھ لے کر علی حضرت کے حضور حاضر ہوا تھا تاکہ وہ شہل کو کی عدم موجودگی میں داروغہ
 نغمہ پڑانی کی خدمت سرانجام دے سکے۔ قتل کی رات دمنہ کی فتنی خلوت تھی۔

اب داروغہ سے باز پرس ہوئی۔ اُس نے بھی اعتراف کر لیا کہ سردار حرب کے کہنے
 پر دمنہ کو علی حضرت کی خدمت کا موقع دیا گیا تھا۔ ان اکتشافات کے خط ارتقاء کے نقطے پر
 گرنے تلخ حیرت سے ایک نیا زاویہ پیدا ہوا: ”داروغہ صرف سنسنی پھیل گئی۔ بغداد کے ہر کوہ و بازار
 میں خیال اڑائی ہوئے گی۔ ارتقاء کا نام ہر کسی کی زبان پر تھا۔ مزید اچھی بات یہ تھی کہ سردار
 حرب اور دمنہ دونوں غائب تھے۔ مگر نے شہل کو پر لڑائی لگائی تھی اور وہی دہلیز پر لپکا
 سے سکہ ججک کا۔ یہ کہ اسی نے دونوں کو غائب کر دیا ہے۔ ججک نے سنا تو اس کے
 چہرے پر ہولناکیاں اُڑنے لگیں۔

معتد ابو عباس چار پانچ راتیں ارتقاء میں نہ آیا، کیوں کہ یہ راتیں مشغ فتنوں اور
 فتنہ بانوں کے حصے کی تھیں لیکن ایک دن دوبار کے وقت ججک وہاں پہنچا اور ناگہان ججک
 کے کمرے میں نظر آیا۔ وہ اُسے دیکھ کر گرج گئی۔ معتد نے حکم امیر خیر بھے میں پر چھار
 ”دمنہ کما ہے؟“

ججک کا کچھ دھک سے رد کیا: ”میں نہیں جانتی ابو عباس!“

”شاید حرب کے بارے میں بھی یہی جواب دو گی۔“

”یہ سب سے پہلے اس کے بارے میں بھی پوچھ نہیں جاتی۔“

”مگر تم مجھ کو چاہتے ہو کہ دونوں کہاں ہیں۔ ۱۵ مارچ کی شام کو حرب قنبرہ

کنیز کے ہمراہ قنبرہ میں گیا اور اسے داروغہ کے حوالے کر دیا۔ دمنہ نے وہ رات معتد کے
 کمرے میں گزری۔ وہ اس کی رفیق خلوت تھی اور اُسی رات معتد کی زندگی چھین لی گئی۔ تم
 سے پوچھتے ہیں کہ دمنہ وہاں کیوں بھیجی گئی؟“

تھی جس پر اُس نے مصیبت کا پردہ ڈال دیا تھا لیکن قتل کے بارے میں اہل بغداد کا بڑا فضا
ہوا اضطراب کوئی خطرناک شکل بھی اختیار کر سکتا تھا۔ اسی روز الرضا کی ٹونڈی دمنہ نور محفوظ
مردار حزب اکندی کی گرفتاری کے احکام صادر ہو گئے۔ خفیہ نے اُن کی تلاش کے لیے
ہوشیار ترین فوجی افسر کران ترک کو مقرر کیا اور حکم دیا کہ دونوں کو زندہ یا مردہ دربار خلافت
میں پیش کیا جائے۔

لوگوں نے گرفتاری کا اعلان سنا تو بغداد کے مستغف کچھوں اور بازاروں میں نئی نئی
فیس آرائیاں ہونے لگیں۔ عجیب و غریب افواہیں پڑنے لگیں۔ ایک نے خبر ایک سے
جستجوئی کے پورے بغداد کو اصرار کی چادر میں پیٹ لیا اور لوگ منتظر تھے کہ اس چادر
کے اندر سے کیا نمودار ہوگا ہے؟

دمنہ الرضا کی کنیز تھی۔

حزب الرضا کا محافظ تھا۔

جھک الرضا کی خاتون تھی۔

حالات نے میزوں کو ایک ہی رتی میں باندھ دیا اور جھک جہان تھی کہ زمانے کی
گردش نے کس طرح اچانک رخ بدلا اور معاملے کی صورت کتنی پیچیدہ ہو گئی ہے۔ جہن
جوئی کی پیش گوئی پھر یہ لکیر ثابت ہوئی تھی۔



دمنہ الرضا میں نہیں تھی، بغداد میں نہیں تھی، باقی میں بھی نہیں تھی اور شاید اپنے
برادر آقا حسین کی طرف لوٹ گئی تھی جس کا ذکر اُس نے عرف معتد کے سامنے اُس
وقت کیا تھا جب زہر نے اُس کا حلق پوری طرح پکڑ لیا اور وہ کچھ بول نہیں سکتا تھا۔ لیکن
مردار حزب اکندی آخر کہاں چلا گیا؟ اُس کی الرضا سے چانک علیہ حاضری اور گرد پوشی ایک
پیشانی کی گئی تھی۔

معتد کی بھی ٹونڈی شہزاد نے اُسی کو مورد الزام ٹھہرایا تھا جس نے ایک جعلی خط لکھا
کہ اسے ساحل طرف بھگا دیا اور اُس کی جگہ الرضا کی کنیز کو اعلیٰ حضرت کی صورت میں
پیش کرنے کا بندوبست کیا تھا۔

نہ کہ پریشان ہو گئی کیونکہ اُس کا قتل جہاں سے کیے کسی نئی مصیبت کا پیش خیمہ بن سکتا
تھا۔ اس لیے جبرائیل میں شبن کو طلب کیا کہ اس سے اصل بات پوچھوں؟
"اگر ہمیں اتنے اطمینان تھی تو ہم صاعد کا مشورہ قبول کر لیتے؟"

"ابو عباس ایں نے احتیاطاً شبلی سے بات کی تھی کیونکہ وہ آپ کے بہت
قریب ہے۔"

معتد نے اُس کی بات کاٹ دی۔ "تم ہماری خاتون اول اور ایک غلام کی
بابت ہم سے زیادہ قریب ہو گیا کہ تمہیں دوسری حرموں سے زیادہ وقت نہیں دینے
تھواری دن جونی نہیں کرتے؟ اگر معتد کے بارے میں کچھ پوچھنا تھا، تو ہم سے پوچھیں؟"
"آپ سے اس لیے نہ پوچھ سکی کہ میں آپ پریشان نہ ہوں؟ اس کا بدلہ ہوا
مردار حزب اکندی کو کھانسی کی۔ "مجھے معتد کے بارے میں صرف اتنی دل چسپی تھی کہ
وہ اپنے عینکاف ٹٹائی میں چٹا رہے اور غی حرموں سے کوئی خفیہ رابطہ نہ رکھے جس روز
مصری سفیر نے اُسے نکالتا پیش کیے اور صاعد نے آپ کے ساتھ گفتگو کی، اسی روز
ابن حزب الرضا کی دیواری میں دیکھا گیا۔ اس نے اپنے باپ سے کسی خطرے کا اظہار کیا
اور کنیز کی تھی کہ وہ دمنہ معتد پر نظر رکھے کیونکہ اگر کوئی مصری یا شامی مخبر اس سے خفیہ ملاقات
کرے تو یہ خبر امیر المومنین کی دل چسپی کا باعث ہوگی۔ اس لیے سردار حزب نے دمنہ کو قہر
مختار میں بھیجے گا بندوبست کیا کر میں نہیں جانتی، دو مشیر کی راستہ کو روکا گیا ہوا۔ دمنہ
کہوں واپس نہیں آئی، حزب کہاں چلا گیا؟"

اُس نے یہ بات پھر افشاں میں کی کہ حزب نے جو کچھ کیا، اُسی کے ایذا پر کیا تھا۔
معتد سمجھ گیا کہ وہ قتل میں موثر نہیں ہو سکتی۔ معتد کے منہ میں اس کی دل چسپی کا پتہ لگا
اور تھا۔ دمنہ اور حزب پر مشیر بکیر اور بکیر ہو گیا۔ دونوں کی روپوشی اُن کے جرم کا ثبوت
تھی۔ چہ جی اُس نے جھک کو بالکل بری انداز قرار دیا اور کہا۔
"اپنی کنیز کو معتد کے لیے نگرانی کی اجازت دے کر تم ایک سنگین غلطی کا
ازکار کر چکی ہو۔ نہ جانے اس رات خلوت میں کیا ہو جو کچھ گمراہ لوگوں کی انگلیاں الرضا کی
اٹھ رہی ہیں۔ جب تک دمنہ اور حزب گرفتار نہیں کر لیے جاتے تو گمراہ مصلحت نہیں ہوں گے۔
جھک کا دل بڑے زور سے دھڑکنے لگا کیونکہ اُن کی گرفتاری وہ راز فاش کرے گی۔

جیک خاتون نے بھی دمنہ کو قہر معتمد میں لے جانے کا سارا ملہ اسی پر ڈال دیا اور اپنا دامن صاف بچا لیا تھا۔

ابن حرب نے اگرچہ خود اپنے باپ کو قہر معتمد پر نذر رکھنے کی تاکید کی تھی لیکن اس بات پر یقین نہیں تھا کہ وہ قتل کے منصوبے میں شریک ہو سکتا ہے۔ اُس کے نزدیک ضرور جیک ہی نے اُسے اکسایا اور اپنا آلہ کار بنایا ہو گا لیکن یہ بات سردار حرب ہی بنا سکتا تھا کہ دمنہ کس کے حکم و اشارہ سے معتمد کی خدمت پر مامور کی گئی تھی۔ وہ خود بھی باپ کی تلاش میں سرگرداں ہو گیا۔

دریائے دجلہ کے مغربی کنارے کی آبادی میں سب سے آخر میں مسجد شونیز یہ اہل باطن کا مرکز تھی۔ اس کے ساتھ ہی شونیز یہ کا اجازہ قبرستان دور و شب بھلا سوا تھا۔ جہاں کریر، پچھا ہی اور سانگر کے جھنڈ اور چند ٹوٹے پھوٹے ویران قبرے بھی تھے جن کی نگہداشت نہیں کی گئی تھی۔ ابن حرب جانتا تھا کہ اُس کا باپ و پروردہ فرقہ باطنیہ سے دل چسپی رکھتا اور دو تین بار وہاں جا بھی چکا ہے۔ ممکن ہے خطرے سے پیش نظر کسی شونیز یہ ہی میں چھپ گیا ہو۔

یہ سوچ کر وہ سورج طلوع ہوتے ہی محلہ خیزران سے نکلا اور شونیز یہ کی جانب چل دیا۔ بغداد محلہ در محمد کئی میلوں میں پھیلا ایک عظیم شہر تھا جس کی نظیر پوری اسلامی دنیا میں نہیں ملتی تھی۔ دجلہ کے دونوں کناروں پر آباد عربوں، ترکوں، عجمیوں، بربروں، حبشیوں کی مخلوط آبادیوں نے اس شہر کو بین الاقوامی حیثیت دے دی تھی۔ کچھ عرصے سے جنوبی عراق کے بادشاہین قبیلے بھی عام آبادی سے ہٹ کر دجلہ کے مغربی کنارے اُسے ملے زیادہ آبادی مغربی ساحل پر تھی مگر دریا میں دن رات کشتیاں چلتی تھیں جن کے ذریعے دونوں حصوں کے درمیان آمد و رفت رہتی اور پہلے سے دور آبادیوں کے لوگ عموماً شہر کے مفر کو ترجیح دیتے تھے۔

محلہ خیزران سے شونیز یہ کی درگاہ بہت دور تھی۔ وہ مغربی کنارے کی آبادیوں سے گزرتا شونیز یہ کی مختصر سی بستی میں پہنچا۔ درگاہ میں فرقہ باطنیہ کے شیخ اور چند مریدان سے ملاقات ہوئی کسی نے اس کی آمد پر تعجب کا اظہار نہ کیا۔ ابن حرب کو ان کے باطنی مسائل سے سروکار نہ تھا، صرف اپنے باپ کی خبر مطلوب تھی مگر معلوم ہو کہ سردار حرب

نے کئی ماہ سے اُدھر کاٹنچ بھی نہیں کیا۔ درگاہ سے رکتی کہ وہ دور تک پھیلے اجازہ اور ویران قبرستان میں بھٹکتا رہا، جہاں قبریں اور مقابر کم البتہ اونچی مٹی یا ہموار زمین پر کریر اور سانگر کے جھنڈ زیادہ اور نصف فرسخ (ڈیڑھ میل) تک چلے گئے تھے۔ وہاں اُس کے لیے کچھ نہ تھا۔

کوئی سہ پہر کے قریب تھا کہ ہارا خیزران کی حویلی میں ٹوٹا تو بیٹے سے زیادہ پریشان اور افسردہ تھا۔ ماں اس کے چہرے کا مضمون پڑھ کر کچھ اور اٹھ کھال ہو گئی جسے شوہر کی پورشی نے اُدھر ٹھوسا کر دیا تھا۔ بیٹے کو دیکھ کر کہنے لگی۔ "ضرور تمہارے باپ پر کوئی مصیبت آئی ہے۔"

"اس مصیبت کا باعث صرف جیک خاتون ہے۔ سب کچھ اُسی کا کیا دھرا ہے۔" ماں نے بیٹے کو کچھانے کی کوشش کی کہ وہ ایسی غیر محتاط گفت گو نہ کرے مبادا اُن کی مصیبت میں کچھ اور اضافہ ہو جائے مگر ابن حرب صدمے اور غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔ "یہی جانتا ہوں ماں! میرے باپ نے جیک کے حکم کی تعمیل کے سوا کچھ نہیں کیا ہو گا۔"

اُسی لمحے ابن حرب کا غلام عبداللہ اپنا کانا پٹا حویلی میں داخل ہوا اور سیدھا ماں کے پاس پہنچا۔ ماں نے بتایا۔ "مگر جیک نے امیر ابو منین کو غرضی دی ہے کہ سردار حرب کے بارے میں اس کے بیٹے سے تفتیش کی جائے۔ اُسی نے باپ کو معتمد پر نظر رکھنے کی تاکید کی تھی، ہو سکتا ہے صاحب بن محمد اور سوار نکین کی طرح قتل کا مشورہ بھی دیا ہو۔"

ابن حرب یہ سن کر دنگ رہ گیا اور غصے میں چلا یا۔ "وہ بد بخت عورت میری زندگی سے کھیلنا چاہتی ہے۔"

ماں کے ہاتھ سے پانی کا پیالہ چھوٹ کر فرش پر گر گیا۔ شوہر کے ساتھ اب بیٹے کی زندگی میں خطرے میں نظر آئی مگر عبداللہ کے پاس ایک اطلاع اور تھی۔ ابن حرب کی طرف دیکھ کر بولا۔ "امیر ابو منین نے تفتیش کی خاطر کولان ترکہ کو آپ کی گرفتاری کا بھی اختیار دے دیا ہے۔ یہ اطلاع اتنی حیرت انگیز تھی کہ ابن حرب اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ "تفتیش کے لیے رتھی؟ ساتھ ہی غلام کی طرف رخ کر لیا۔ "تم نے یہ بات کس سے اور کہاں سنی؟"

اب عبداللہ نے کچھ وضاحت ضروری سمجھی اور بتانے لگا کہ اُس نے عصر کی نماز جامع مسجد میں ادا کی۔ وہیں کولان ترکہ کو جعفر المفوض سے باتیں کرتے دیکھا اور ایک ستون کی لوٹ (حائثہ صفحہ ۱۱۲)

میں کھڑے ہو کر ان کی باتیں نہیں۔ کزنان اُسے بتا رہا تھا کہ جیکب خاتون نے اپنی غرض میں شہر ظاہر کیا ہے۔ شاید ابن حرب نے اپنے باپ کو اگلی حضرت کے قتل کا مشورہ دیا ہو اور وہی جاننا ہو گا کہ سردار حرب کہاں چھپا ہوا ہے۔ امیر المومنین نے گرفتاری کا حکم اس لیے دیا ہے کہ تفتیش کے خوف سے کہیں وہ باپ کی طرح روپوش یا فرار نہ ہو جائے۔ یہ سب کچھ یہی کرنے کے بعد عبداللہ نے کہا۔ ”وہ جعفر سے یہ بھی کہہ رہا تھا کہ آج رات آپ کو گرفتار کر لے گا لیکن میرا خیال ہے کہ کزنان شام ہی کو گرفتاری کے لیے یہاں آدھلے گا۔“

ابن حرب نے غصے میں ایک طرف تھوک دیا۔ ”کزنان تو کیا، ابو عباس کے لشکر بھی کچھ گرفتار نہیں کر سکتے، مگر وہ امیر المومنین بن کر انسا بیت کی حد جو رکھ رہا ہے تو میں بھی برداشت کی حد سے بچل جاؤں گا۔“

ماں یسن کر پریشان ہو گئی اور سمجھانے لگی۔ ”امیر المومنین تمہارے دوست ہیں۔ اُن سے مل کر اپنی مصیبت خود بیان کرو۔“

”یہ مشورہ دے کر تم مجھے موت کے منہ میں دھکیل رہی ہو ماں؟“ اُس نے معاملے کا ایک نیا اور خوف ناک پہلو پیش کیا۔ ”حکومت کو اس وقت کسی ایسے شخص کی تلاش یا ضرورت ہے جس کی گردن میں وہ موت کا پھندا ڈال سکے اور لوگ یہ سمجھ کر خاموش ہو جائیں کہ معتد کا قاتل اپنے کبیفر کردار کو پتہ بگد یہ سیاست کا کھیل ہے جس میں بے گناہ بھی تختہ دار پر کھینچ دیے جاتے ہیں اور ابو عباس جیسا بے رحم آدمی سیاست کے اس کھیل میں میری دوستی بلکہ زندگی کی بھی پروا نہیں کرے گا۔“

بوڑھی عورت پر ایک سکنتہ سا گزرا گیا۔ ذرا سنبھلی تو اُس کی مانتا بولی۔ ”اگر تمہیں امیر المومنین کی دوستی پر اعتماد نہیں تو اس سے پہلے کہ کزنان ترک حویلی کے دروازے پر دستک دے یہاں سے بھاگ جاؤ۔“

ابن حرب نے دیوار سے ٹھٹھکی تلوار بڑی تیزی سے اتاری اور کمر سے باندھنے لگا۔ اُسی تیزی سے ماں کا دل دھڑکا۔ ”جاؤ گے کہاں؟“

پچھلے صفحہ کا مشیہ
بنداد خلیفہ منصور اب جعفر کے عہد میں تعمیر ہوا دمشق کی مسجد بنو امیہ کے جواب میں اُس نے ایک بڑی مسجد بھی تعمیر کرائی جس کا نام ”جامع منصور“ رکھا۔ (تقریباً ۱۰۱۱ء)

”اب یہ سوال مجھ سے نہیں، اس تقدیر سے کرو جو مجھے بعد اُسے نکال رہی ہے مگر جہاں بھی جاؤں گا، باپ کی مصیبت اور تمہارا دکھ یاد رکھوں گا۔“

پھر غلام کی طرف متوجہ ہو گیا اور آہستہ آہستہ باتیں کرنے لگا۔ ”میں اسی وقت حویلی کے عقی دروازے سے نکل جاؤں گا اور رات کو قبرستان شونیزہ کے تیسرے مقبرے میں تمہارا انتقال کروں گا۔ عتنا دس کے وقت میرا گھوڑا اور اس کی خوجا میں کچھ سامان لے کر بچھ سے وہیں ملو لیکن ہوشیار رہنا کوئی تمہارا پیچھا نہ کرے۔“

عبداللہ کو ہدایت دے کر اس نے فرار ہونے میں دیر نہ لگائی اور ماں کے قدم چھو کر حویلی کے عقی دروازے سے نکل گیا۔ ابھی شام کا چھٹا نہیں اُترا تھا مگر کوئی اُسے حویلی سے نکلنے نہ دیکھ سکا۔ سردار منہ کو چادر میں لپیٹے وہ محلہ خیزران سے بھی نکل چلا گیا۔

کزنان ترک کے متعلق عبداللہ کا اندازہ اُس کی اپنی توقع سے بھی کمیں زیادہ درست نکلا۔ ابھی ابن حرب کو حویلی سے نکلنے زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی اس نے کندی کر کر بھاری کواڑ کھولے، تو کزنان ترک اپنے پانچ مسلح سواروں سمیت طوق و سلاسل سے سامنے نظر آیا اور دروازہ کھلتے ہی کراک کر بولا۔ ”یہ امیر المومنین کے حکم سے ابن حرب کو گرفتار کرنے آیا ہوں۔ اُسے کمو باہر نکلے اور یہ طوق پہن لے۔“

ابھی عبداللہ نے کوئی جواب نہ دیا تھا کہ بوڑھی عورت خود دروازے پر پہنچ گئی اور کزنان کے ساتھ مسلح سواروں کو دیکھ کر لرز گئی۔ ”میرے بیٹے نے کیا جرم کیا ہے؟“

”جرم امیر المومنین بتائیں گے۔ میرا کام صرف نہ تجر پہنا ہے۔ اُسے باہر نکالو۔“ وہ اس وقت گھر میں نہیں۔ بڑھیا نے ہر مشکل جواب دیا۔

”کہاں چلا گیا؟“

”کہیں اپنے بد نصیب باپ کو ڈھونڈ رہا ہو گا۔“

کزنان ترک نے بڑی سنگینی سے جواب دیا۔ ”اب سردار حرب کو ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں اُس کی لاش مل گئی ہے۔“

یہ سنتے ہی عورت خود آ کر گر پڑی۔ غلام نے اُسے سنبھالا اور کزنان سے پوچھا۔ ”کہاں سے ملی؟“

”بغداد سے تھی فرسخ دور دجلہ کے ساحل پر لیکن وہ ڈوب کر نہیں مرا کسی نے

اُسے قتل کیا ہے؟

یہ ایک اور اندوہناک خبر تھی۔ اچانک کر لان گھوڑے سے اُترا اور حرب کی بیوی کو جو اُس خبر کے ساتھ ہی بیڑہ ہو گئی تھی، ایک خاص ساخت کا خم دار خنجر دکھا کر کہنے لگا اُس خنجر کو پہچانتی ہو؟

عورت نے خنجر کو شناخت کرنے سے انکار کیا تو کر لان نے بتایا: "حرب کو اسی خنجر سے ہلاک کیا گیا ہے؟"

پھر اپنی جیب سے سونے کی ایک انگوٹھی نکالی، جس کی چھوٹی سی کٹوری میں سبز رنگ کا نرم و جڑا ہوا تھا اور انگوٹھی اپنی پھیلنے پر رکھ کر پوچھا: "تم نے یہ انگوٹھی پہلے کبھی نہیں دیکھی ہے؟"

عورت نے پھر نفی میں سر ہلایا اور کر لان ترک کہنے لگا: "یہ انگوٹھی الرضا میں پھین لی گئی ہے کیونکہ دمندر اسے پہنتی تھی لیکن سردار حرب کی جیب سے برآمد ہوئی ہے۔"

اچانک عورت نے سوال کیا: "میرے خاوند کو کس نے ہلاک کیا؟"

"یہ بات ابھی نہیں بتائی جا سکتی لیکن امیر المومنین کا خیال ہے، تمہارے بیٹے کی گرفتاری اب اور ضروری ہو گئی ہے کیوں کہ وہ اس خنجر اور انگوٹھی کو پہچانتا ہے؟" پھر کر لان ترک بڑے سخت اور کڑخت لہجے میں بولا: "ابن حرب کا بھلا لسی میں ہے کہ اپنے آپ کو قانون کے حوالے کر دے۔ میں پھر آؤں گا۔"

یہ کہہ کر سواروں کے ہمراہ ٹوٹ گیا۔ غلام نے حویلی کا دروازہ بند کر لیا اور ابن حرب کی سوگوار ماں کو محسوس ہوا جیسے شوہر کی طرح اُس کے بیٹے پر بھی زندگی کا ہر دروازہ بند ہو گیا ہے اور اگر وہ آج رات بغداد سے نہ نکلتا تو ضرور گرفتار ہو جائے گا۔



شعبان کی ساتویں رات کا چاند بغداد کے آسمان پر روشن ہو چکا تھا اور ابن حرب قبرستان شونیز میں کتے تیسرے مقبرے کی دیوار سے ٹیک لگائے جہاں جھنڈ کی گھٹی شاخوں نے اپنا سایہ ڈال رکھا تھا، اُن عجیب و غریب واقعات پر غور کر رہا تھا جو ناگہاں پیش آئے اور جن کے خطرناک جال سے بچنے کی خاطر اس کا بغداد سے فرار ضروری ہو گیا تھا۔

بچے بیٹھے اُس کے ذہن پر ایک ایسا منظر گزرنے لگا جو اُس نے اپنی زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ حیران ہوا کہ آخر یہ اُن دیکھا منظر کہاں سے آگیا؟ ذہن عام طور پر وہی منظر دہراتا اور آدمی خیال و تصور میں اُنہی واقعات کی جھلک دیکھتا ہے جو ماضی میں پیش آچکے ہوں لیکن ذہن سے گزرنے والا عجیب سا منظر خلیفہ معتقد ابو عباس کی دشمنی اور عدالت کا نقشہ پیش کرتا تھا۔ حالانکہ قبل ازیں اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ عباسیہ کا ولی عہد احمد ابو عباس جس کا دوست اور محافظ بھی تھا، تختِ خلافت پر بیٹھتے ہی ایک ایسے معاملے میں اس کی گرفتاری کا حکم صادر کرے گا جس سے اُس کا براہِ راست کوئی تعلق نہیں۔ یہ سلوک تو عدالت اور دشمنی کا منظر تھا۔

اس کے ساتھ ہی کسی گھر سے گزرنے سے پہلے کراٹا کا ایک بگولہ ذہن میں اُڑنے اور کسی روایتی بھوت کی طرح چکر کاٹنے لگا جس کی گنج سُن کر وہ حیران ہو رہا تھا۔ یہ بگولہ جعفر بنی کی آواز سے ملتی جلتی بلکہ درحقیقت اسی کے الفاظ کی گونج تھی جس نے پیش گوئی کی تھی کہ احمد ابو عباس گرفتاری کا حکم دے گا اور ابن حرب پر بغداد کے دروازے بند ہو جائیں گے۔ صرف وہی لمحہ یا وقت اُسے موت سے بچا سکے گا جس میں وہ بغداد سے بھاگ جائے گا۔ اب کچھ گیا کہ اس کے ذہن سے ابھی جو عجیب سا منظر گزرا ہے وہ ماضی میں تو کسی واقعے کی صورت پیش نہیں آیا۔ البتہ جعفر بنی نے اپنی پیش گوئی میں بیان کیا تھا جسے اُس نے خرافات سمجھ کر قفس میں اڑا دیا بلکہ ایسی "بے ہودہ اور جھوٹی" پیش گوئی کرنے پر جعفر کو کچھ ہونے کے دینا دیکھ کر وہ کسی ماہر حکیم سے اپنے دماغ کا علاج کرائے اور اپنی پیش گوئیاں کرنے سے باز آجائے۔

اُس نے جعفر کے الفاظ اور اشارات اپنے ذہن کے کسی گھر سے گزرنے میں پھینک دیے یا ذہن کر دیے تھے کہ کہیں کوئی دوسرا آدمی نہ اُن سے گھر کس قدر عجیب بات نکلتی کہ جعفر کا کہا جوں کا توں پورا ہوا بلکہ وہ پیش گوئی ایک منظر میں ڈھل کر کسی واقعے کی طرح اُس کے ذہن سے گزری تھی۔ اب رہ رہ کر اُس کو محسوس کر رہا تھا۔ کاش اُس نے جعفر کا مذاق نہ اڑایا ہوتا اور اس کے الفاظ و اشارات کی حکمت کو سمجھنے کی کوشش کی ہوتی، تو آج ناگہانی مصیبت میں نہ آتی۔

اُسی لمحے ذہن میں اُڑنے لگے کولے کا حلقہ آپ سے آپ ٹوٹ گیا اور وہ سوچنے لگا

یہ علم نجوم بھی کتاب اسرار ہے کہ اہل فلکیات ستاروں کی گردش و رفتار اور برج ستاری کے مشاہدے سے زمین پر رونما ہونے والے واقعات کا علم قبل از وقت حاصل کر لیتے ہیں اسے اعتراف کرنا پڑا کہ جعفر بخوی زائچہ نکالنے، حساب کرنے اور کتاب تقدیر کا لکھا پڑھنے میں بڑا ماسر تھا۔

یہی سوچ رہا تھا کہ شونیز بہ کی مسجد سے جو کافی فاصلے پر تھی۔ اذان کی آواز کان میں پڑی۔ اس نے اپنے غلام کو حشا ہی کے وقت قبرستان میں پہنچنے کی ہدایت کی تھی۔ اذان سن کر اٹھا اور مقبرے پر بھکی جھنڈ کی شاخوں کے گھٹنے سائے سے بٹکا جہاں وہ خود بھی اپنے وجود کا سایہ بن کر بیٹھا تھا۔ جنڈ اکبر اور بول کے ٹھنڈ جن میں کہیں کہیں پھلا ہی کے درخت بھی نظر آتے، دو رنگ پھیلے تھے، چاندنی ان کی شاخوں اور پھلیوں سے چھن کر نامور زمین اور اونچے نیچے خاکستری ٹیلوں پر ”دھوپ چھاؤں کا منظر پیش کر رہی تھی۔ اسی ”دھوپ چھاؤں“ میں چناؤں آگے بڑھا تو قبرستان کے مشرقی حاشیے پر ایک سوار کوئی دور ہوتے اور تیسرے مقبرے کی طرف بڑھنے دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا۔ پھر سائے سے نکل آیا کیوں کہ اپنے غلام کو پہچان لیا تھا۔

عبداللہ سیدھا اسی کی جانب آیا اور گھوڑے سے اترنے ہی پر دار حرب کے الم تاک قتل کی وہ روداد سنائی جو کرلان ترک نے بیان کی تھی۔ خداد ہلالی خنجر اور سبز زرد کی انگوٹھی کا خصوصیت سے ذکر کیا اور بتایا ”امیر المومنین کے نزدیک اب آپ کی گرفتاری اور بھی ضروری ہو گئی ہے کیونکہ آپ اس خنجر اور انگوٹھی کو پہچانتے ہیں“

باپ کے قتل کی خبر سن کر ابن حرب حد سے نہ حال اور گم غم ہو گیا مگر خیم دار ہلالی خنجر اور سبز پتے کی انگوٹھی کے ذکر پر بھوک اٹھا اور غصے میں دانت پیش کر بولا۔ ”ابو عباس! میں تمہیں دکھاؤں گا کہ خیم دار خنجر پیچے میں کیسے اترتا ہے۔ اب تم کسی جیم کے مستحق نہیں میرے باپ کا خون جیم کی گردن پر ہے اور میں انتقام لینا کبھی نہیں چھوٹا“

عبداللہ ضروری سامان کے علاوہ سرخ دیناروں (اثمنیوں) کی ایک چری ہیمانی بھی لے آیا تھا جس میں پوری سواثر نیاں بھری تھیں۔ اس نے ہیمانی اپنی جبا کے نیچے پیٹی کی طرح کمر میں باندھی اور گھوڑے کی لگام تھام لی۔ اب بغداد سے فرار اور بھی ضروری ہو گیا تھا

تاکہ جس قدر جلد ہو سکے، معتضد کی حدود سلطنت سے نکل جائے لیکن ابھی تک یہ فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ جائے کہاں؟

حما، طلب، دمشق، القدس کتنے ہی شہر ذہن میں ابھرے، جن پر بنی طولون کا حکم و اختیار تھا مگر وہاں کسی سے شناسائی نہ تھی۔ اچانک گھوڑے کی پشت پر دو تھیلیوں کی فوجی پر نظر پڑی تو عیش کی کارواں سرائے کا مالک سلیمان بن عامر یاد آگیا۔ جنگ طحسین میں جو احمد ابو عباس کی کمان میں لڑی گئی۔ ابن حرب گرفتار ہوا اور جنگی قیدی بنا کر شام سے مصر لایا گیا تھا جہاں شہزادی فطاندی کی سفارش پر اسے عیش کی کارواں سرائے میں منتقل کر دیا گیا۔ سلیمان بن عامر نے اس کے ساتھ دوستانہ سلوک کیا۔ قید سے رہائی بخشی۔ رخصت سفر کے علاوہ بغداد پہنچنے کے لیے ایک گھوڑا بھی دیا جس کی پشت پر زمین کے پچھلے پی دو تھیلیوں کی فوجی تھی۔ ایک تھیلے میں اس کی خوراک کا ذخیرہ، دوسرے تھیلے میں گھوڑے کے لیے ذائد اور چارہ پیمانے اسے عیش سے جو مصر میں داخلے کا دروازہ سمجھا جاتا ہے رخصت کرتے ہوئے کہا تھا۔ ”ابن حرب! ہم اچھے یا بُرے دونوں میں جب کبھی مصر کا رخ کر دے عیش کی کارواں سرائے کا دروازہ تمہیں کھلائے گا“

سلیمان بن عامر اسے پناہ دے سکتا تھا۔ عیش کی کارواں سرائے آواز دے رہی تھی۔ اس نے عیش جانے کا فیصلہ کر لیا۔ خلیفہ معتضد کے حریف سلطان خمارویہ کی طولونی مملکت میں، جہاں وہ نہ صرف خود محفوظ رہ سکتا بلکہ سلیمان بن عامر کی مدد سے جو حکمران خاندان تک رسائی رکھتا تھا، اپنے باپ کے قاتلوں سے انتقام لینے کا بھی بندہ بست کر سکتا تھا۔

مزل کا تفتیش کرنے کے بعد وہ گھوڑے پر سوار ہوا۔ غلام کا اوداع کھی اور مرکب کو اڑا لگا دی۔ چاندنی رات میں شونیز بہ کے قبرستان میں سال ٹاپوں کی آواز سے ٹوٹ گیا۔ وہ عباسیہ کی سلطنت سے طولونی مملکت کی طرف جا رہا تھا لیکن یہ خبر نہ تھی کہ تقدیر راستے میں پھندا لگا کر بیٹھی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ جو بنی قبرستان کا مغربی حاشیہ چھوڑ کر آگے بڑھا۔ ایک ٹیلے کی اوٹ سے نکل کر پانچ چھ مسلح سوار اس پر چھپے اور کرلان ترک کی آواز سنائی دی۔

”ابن حرب! اپنے آپ کو گرفتار سمجھو“

یہ دھاوا بالکل اچانک اور غیر متوقع تھا۔ اس نے غوار نیام سے کھینچ کر گھوڑے

کی بھاگ دھیلی چھوڑ دی جو خطرے کو سمجھ کر آندھی کی طرح اڑنا چلا گیا اور اپنے سوار کو لے کر آگے بڑھا۔ وہ مغرب کی سمت سرپٹ بھاگا جا رہا تھا مگر کزلان ترک اور مشق سوار بدستور کچھا کر رہے تھے۔ اُس نے اپنے عقب میں۔ اُس کی آواز سنی۔

”ابن حرب! بھاگنا فضول ہے۔ تیرے پیچ کر نہیں جاسکتے۔“

اس نے گھوڑے کی رفتار کچھ اور بڑھادی اور سوچا۔ خلیفہ نے اس کی گرفتاری کے لیے انتہائی خطرناک آدمی مقرر کیا ہے اور اگر وہ بغداد کی فسیلوں سے نکل نہ آیا ہوتا، کہیں کہ شونیز یہ کافرستان شہر کی آخری فسیل سے بھی باہر تھا، تو کزلان ترک اُسے بغداد سے نکلنے نہ دیتا اور کسی فسیل کے آس پاس ہی گھیر ڈال کر گرفتار کر لیتا مگر اب اُس کے سستے میں کوئی فسیل، کوئی دیوار، کوئی دروازہ نہ تھا۔

وہ کزلان ترک اور اس کے سواروں کو بہت پیچھے چھوڑ آیا اور اپنی رفتار کم نہیں کی لیکن بہت دور، بہت پیچھے وہ موت کی مکی سی دھمک سن رہا تھا۔ کزلان ترک اور پانچوں سوار بدستور اُس کے تعاقب میں تھے۔



ابن حرب نے العریش کو اپنی منزل ٹھہرایا تھا جو مصر کا باب داخلہ تھا جاتا اور بحیرہ روم کی اُس ساحلی پٹی پر واقع ہے جو مصر اور فلسطین کو باہم ملاتی ہے۔ اب وہ شاہ فلسطین یا مصر ہی میں محفوظ رہ سکتا تھا۔ خلیفہ معتضد کا حکم و اختیار مصر عراق سے ادھر ختم ہو جاتا اور اُس کے طوقی اختیارات کا حلقہ شروع ہوتا تھا۔

وہ شاہ فلسطین اور مصر کے راستوں سے بخوبی آگاہ تھا۔ عباسی لشکروں کے ہمراہ رملک سفر کر چکا بلکہ جنگ طوحین میں شکست کے بعد جنگ قیدی کی حیثیت سے ایک سال کا عرصہ قسطنطنیہ اور عریش میں بھی گزارا تھا۔ عریش کی کارواں سرائے سے رہا ہو کر ایک قافلے کے ساتھ پہلے دمشق اور وہاں سے بغداد پہنچا لیکن عریش سے بغداد تک سفر ان معروف اور تاریخی راستوں پر ہوا تھا جن پر قدیم زمانوں سے تجارتی کارواں اور فوجی قافلے سفر کرتے اور شاہ کی صحرائی ریاست تدمر کے علاقے سے عراق میں داخل ہوتے تھے۔ وہ راستے جو تجارتی شہروں سے گزرتے، بلاشبہ محفوظ تھے لیکن ان کی مسافت طویل اور تھکا دینے والی تھی جب کہ وہ جلد از جلد عراق کی سرحد سے نکل جانا چاہتا تھا تاکہ محفوظ ہو سکے۔

اُس نے اپنے ذہن میں سفر کا ایک نقشہ بھی تیار کر لیا اور بغداد کے نواح سے نکلنے کی گھڑی سے کاغذ مغرب کی جانب مڑ دیا تاکہ دریائے فرات تک جا پہنچے اور

٥ تعاقب

○

اُس کے جنگل بیلے کے ساتھ ساتھ شام کی طرف بڑھتا رہا۔ شام کی سرحد تک دشت فرات اُس کا دیکھا بھالا تھا جہاں وہ دو تین مرتبہ شکار کے لیے اچکا اور جنگل کے خطروں کو بھی بھٹکا تھا۔ اسی حالت میں جب سوار تعاقب میں تھے، کسی معروف شاہراہ کی بجائے دشت فرات کی چٹی پر سفر لپٹا محفوظ تھا۔ اُس نے عراق سے نکلنے کے لیے وہی راستہ بہتر سمجھا جس راستے سات ماہ قبل طرونی شہزادی اسماء قطر الندی درندے سے بچنے کی خاطر شاہراہ کی سرحد پار کر کے عراق میں آگئی تھی۔

مصر و شام عباسیوں کے کنارا کر چکے تھے۔ ان حالات میں مندراہن حرب نے اگرچہ جانے کا فیصلہ کیا تو اس میں اپنے تحفظ کے علاوہ باپ کے انتقام کا سیاسی جذبہ بھی کارفرما تھا۔ شمال افریقہ میں بھی ایک زبردست غور و خوض چاٹھی اور ابن حرب کو خلیفہ معتضد کے خلاف اُسی علاقے سے مدد مل سکتی تھی۔ بہر حال اُسے ہر قیمت پر عراق سے بچل جانا اور اپنی گرفتاری کے منصوبے کو ناکام بنانا تھا جس کے لیے اُس نے معروف شاہراہ کو چھوڑ کر دشت فرات کا راستہ منتخب کیا کیوں کہ معروف راستے کی بجائے جنگل کے سفر میں وہ خود کو زیادہ محفوظ سمجھتا تھا۔ دجلہ و فرات کی درمیانی وادی جس میں کاشت کاری ہوئی اور آب پاشی کے لیے قدیم طرز کا نہری نظام قائم تھا، عام طور سے ڈھائی تین دن میں طے ہوتی تھی لیکن خطرے کی حالت میں ابن حرب تین دن کی مسافت ایک ہی رات میں طے کر لینا چاہتا تھا و فرات کی چٹی پر نیز سفر کر کے تیسرے دن شام کی سرحد میں داخل ہو سکتا تھا، اُس کا گھوڑا اعلیٰ ترین عراقی نسل کے اُن گنے گنے گھوڑوں میں سے تھا جو تیز رفتاری میں یکتاے زمانہ سمجھے جاتے اور میدان جنگ میں سریع الحرت ہونے کی وجہ سے سپہ سالاروں، بڑے بڑے سرداروں اور حاد اکرنے والے کیتہ تازہ سواروں کے لیے مخصوص ہوتے یا شاہی سواری کے کام آتے تھے۔

اُسے اپنے تربیت یافتہ گھوڑے پر بڑا اعتماد تھا جو ایڑی کی ضرب اور لگام کے اشارے کو سمجھتا اور اُسے کزلان ترک اور اُس کے پانچوں سواروں کے خطرناک گھیرنے سے برحفاظت نکال لایا تھا کبھی طرح تک سر پٹ بھاگنے کے باوجود اُس کی رفتار میں کوئی فرق نہیں آیا تھا، چاندنی کھیتوں، نخلستانوں، میدانوں اور راستوں میں کھیت کر رہی تھی اور چاندنی میں برق رفتار گھوڑا کھیت، نخلستان، میدان، راستے اور اُن کے موڑ کا

بنداد سے نو، دس فرسخ دور نکل آیا تھا راب تعاقب کرنے والے اُس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے تھے۔

کزلان ترک اور اُس کے سوار شویزیرہ کے قبرستان میں پہلی رات کھانے کے بعد بڑی طرح بھنجھلا گئے۔ اسی جھنجھلاہٹ میں انھوں نے پہلے سے زیادہ مرگٹ کا مظاہرہ کیا اور اُسے بغداد کے نواحی علاقے ہی میں گھیرنے کی کوشش کرتے رہے مگر کسی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے۔ کوئی سوار اُس فاصلے کو پاٹ نہ سکا جو تربیت یافتہ فوجی گھوڑے نے اُن کے درمیان حائل کر دیا تھا۔ بغداد کے نواح سے نکلنے ہی وہ فاصلہ مزید بڑھتا چلا گیا۔ چار پانچ فرسخ تک ابن حرب اپنے عقب میں تعاقب کی دھمک سناتا رہا لیکن اس بھاگ دوڑ میں وہ بہت آگے نکل آیا تھا اور تعاقب کرنے والے بہت پیچھے رہ گئے تھے اب عقب میں کوئی دھمک، کوئی آواز، کوئی آہٹ نہ تھی۔ فقط چاندنی کا شہر تھا، رات کا سماں تھا، راستوں کی خاموشی تھی۔ اس نے گھوڑے کی رفتار بھلی کر کے روشن آسمان پر نظر ڈالی اور ستاروں کی تربیب سے اندازہ لگایا کہ رات اپنے تیسرے پہر میں داخل ہو رہی ہے۔

وہ بغداد کو بہت پیچھے چھوڑ آیا تھا، خیال گزرا، کزلان ترک اپنے سواروں سمیت انعام و نامزد لوٹ گیا اور کہیں بیٹھا سوچ رہا ہو گا کہ خلافت مآب معتضد ابو عباس کے سامنے اپنی ناکامی کا کیا عذر پیش کرے گا؟

اُس کے نزدیک اب گھوڑے کو بھگانے اور تھکانے سے کچھ حاصل نہ تھا بلکہ اُسے غور و آرام دینے کی ضرورت تھی۔ اس کی منزل دور اور سفر طویل تھا۔ طویل سفر میں گھوڑے اور سوار دونوں کے لیے کچھ وقفہ، کچھ آرام ضروری ہوتا ہے۔ اس نے ایک لمبے برجس کی دوسری جانب ایک ٹھکانا چھنٹا پھیلا ہوا تھا، گھوڑا روک لیا۔ نہ خشک تھا لیکن نہ گناہ کے ساتھ ساتھ پانی کی ایک ٹیڑھی میر بھی ساکن لکیر دیکھ کر جانور ہنسیا۔ ابن حرب اُسے نے کہنے میں اتار کیا۔ گھوڑے کی پیاس بجھانے کے لیے پانی کی دبی لکیر کافی تھی۔

رات خاموش تھی چاند مغرب اُفق کی جانب جھک رہا تھا اور گھنے نخلستان میں گھوڑوں کی پھیروں کے سائے محراب کا منظر پیش کر رہے تھے۔ جن کے درمیان اُن کے لیے بڑے بڑے تیرپھے یا بیدھے تھے بے ترتیب ستونوں کی مانند ایستادہ تھے ابن حرب

ان کے سواروں کے گھوڑے بھاگ دوڑ میں اس کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے۔
جب کوئی پندہ جال کا پھندا توڑ کر نکل جائے تو شرکاری اپنا جال پھینک دیتا ہے
مگر یہاں اچنبھا یہ ہوا کہ جال پندہ کے تعاقب میں بھاگا اور بھاگتا جس سے ابن حرب نے
اندازہ لگا لیا کہ اس کی گرفتاری کے احکام پڑے سخت ہوں گے۔

معاملے کی اس سنگین صورت کا احساس کر کے وہ بہتر سخت ٹیپے سے اتر آیا
مگر گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے ایڑ لگا دی۔ جانور اپنے مالک کا اشارہ سمجھ گیا کہ خطرہ
ابھی دور نہیں ہوا بلکہ قریب آگیا ہے۔ اس نے لہرے کے ایک سپاٹا بھرا اور ہوا کو
پچھے چھوڑتا ہوا آگے بڑھا۔ چاندنی رات میں غالباً تعاقب کرنے والوں نے بھی اس کی
چھلک دیکھ لی اور اپنی رفتار تیز کر دی تاکہ نصف فرسخ کا وہ فاصلہ جو ان کے درمیان
مائل تھا، کم کر سکیں۔

ابن حرب اسی بات پر حیران تھا کہ وہ کز لان ترک کا گھیرا توڑ کر اس کی انگلیوں کے
درمیان سے نکل آیا اور دسترس سے بہت دور ہو گیا تھا، پھر بھی وہ اس کا پیچھا کر رہا تھا
لیکن یہ کز لان ترک نہیں، ابن حرب کی اپنی تقدیر اس کا پیچھا کر رہی تھی اور اسے ہر طور پر
کے انھوں سے بھی نکل جانا تھا۔

رکنے کو اگرچہ صرف چند لمحے بستر آسکے تھے۔ پھر بھی پائیس بچانے کے بعد گھوڑا
بکھڑا ہوا اور ایک بار پھر پوری رفتار سے بھاگ رہا تھا۔ یکے تازہ ابن حرب اس کی
پشت پر پوری طرح چاق و چوبند بیٹھا سوچ رہا تھا، شاید خلیفہ کے سوار سرحد عراق تک اس
کو پیچھا نہیں چھوڑیں گے مگر وہ اپنے اور ان کے مابین ایک ناقابل عبور فاصلہ حاصل رکھنا
چاہتا تھا اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ ناگہاں محسوس ہوا کہ
اس بھاگ دوڑ میں وہ تنہا نہیں بلکہ کوئی اور بھی اس کے ہمراہ بھاگا، دوڑا ہوا ہے اور
وہ ہنسنے لگا کی پیش گوئی کے الفاظ تھے، جو بغداد سے اس کے ساتھ ہی بھاگے اور اب
اوپر بڑھ اٹھے جا رہے تھے۔

کیا کبھی جعفر نجفی نے کہ ایک دن بغداد کے دروازے اس کے لیے بند
کر دیے جائیں گے اور اسے یہاں سے بھاگنا پڑے گا۔ صرف وہی لمحے اس کی زندگی
کا ثمن دے سکتے ہیں، جن میں اسے فرار ہونے کا موقع مل جائے۔

نارے کے دوسرے کنارے کھڑا کسی ایسی جگہ کی تلاش میں تھا، جہاں تھوڑی دیر آرام کر
سکے۔ دور نخلتان کے مشرقی گوشے میں ایک چھوٹا سا نظر آیا۔ شاید وہاں کوئی رکھوالا ہو،
شاید وہ گمراہ آرام کرنے کے لیے وہ جگہ موزوں تھی۔ معاذ جلال آیا اس سفر میں رکھوالے سے
منا اپنی شناخت کرانا اور اپنے پیچھے کوئی نشان چھوڑ جانا ہرگز مناسب نہیں اُسے فحش لکھا
لوگوں سے مخفی رہنا چاہیے۔ یہی سوچ کر نارے کے کنارے اس خاستری ٹیپے کی
جانب ہوا جس کے پہلو میں کمر سیدھی کرنے کے لیے عوار جگہ دکھائی دے رہی تھی۔ اُسے
صرف اتنی ہی دیر لگئی کہ گھوڑا تازہ دم ہو جائے۔ ابھی وہ اس جگہ کا جائزہ ہی لے رہا تھا کہ
ناگہاں دور میں ایک معلوم سی دھمک ابھری یا شاید اس کے اپنے ہی کان بجے تھے۔ بہر حال جو
کچھ بھی تھا، وہ چونک سا گیا۔ احتیاطاً ٹیپے پر چڑھ کے مشرق کی سمت ان راستوں پر نظر ڈالی
جنہیں پیچھے چھوڑ آیا تھا، تو کوئی نصف فرسخ دور چاندنی کے غبار میں کچھ دم سے دھبے حرکت
کرتے دکھائی دیے وہ ان دھبوں کو دیکھتے اور تہہ تیہ کرتے دیکھ کر دنگ رہ گیا۔

چاندنی رات کے سناتے میں ڈیرھ میل دور رہا ہوں سی جی جی دھمک کچھ اور واضح ہو گیا
تھی، جس پر پہلے وہم و گمان کا شبہ گزرا تھا لیکن یہ کوئی وہم نہ تھا بلکہ دھبوں کی صورت کز لان ترک
اپنے باغ سواروں کے ہمراہ بدستور اس کے تعاقب میں چلا آ رہا تھا۔ اب نوچاندنی میں ڈھول
بھی اڑتی نظر آنے لگی تھی، جسے ہر سوار اپنے پیچھے چھوڑ آتا ہے۔

ابن حرب پر مارے حیرت کے سکھتا سا گزرا۔ وہ کز لان ترک اور اس کے سواروں
سے خوف زدہ نہیں تھا بلکہ یہ بالکل خلاف توقع اور حیرت انگیز بات اس کے لیے کسی چٹنے
سے کم نہ تھی کہ اسیس تیس میل کی طویل مسافت کے بعد بھی خلیفہ کے فرستادوں نے اس
کا پیچھا نہیں چھوڑا تھا اور سب سے عجیب بات یہ تھی کہ اسے اپنی آنکھوں سے اوجھل یا
دوسرے نقطوں میں نہ گم کر دینے کے باوجود تعاقب میں چلے آ رہے تھے۔ اس کا
کا کیا مطلب تھا؟

وہ سوچ رہا تھا کہ کز لان مایوس و دل شکستہ بغداد کی طرف لوٹ گیا ہو گا جو اُسے
گھیر ڈال کر پکڑنے میں کام آگیا تھا پھر ایسے تعاقب سے کیا حاصل ہوتا جس میں وہ اپنے
”شکار“ سے میلوں پیچھے رہ گیا اور کسی صورت اسے پکڑ نہ سکتا تھا کیوں کہ ابن حرب کا
گھوڑا شاہی دروازے کے گھوڑوں کی طرح برق رفتار اور تربیت یافتہ تھا اور کز لان ترک

بن الفاظ کو اپنے دوش بدوش بھاگتے، دوڑنے دیکھ کر اُس کا ذہن بار بار الجھ جاتا اور یہ خیال پریشان کرنے لگتا کہ باپ کی ہلاکت کے بعد اب بغداد میں اُس کی برائی کا پُرسان حال کون ہوگا ایسے سہاراں کی طرح وہ باپ کے انتقام کو بھی پیچھے چھوڑے رہا تھا اور بغداد سے صرف اپنی زندگی کے کر بھاگتا تھا۔

غالباً جعفر بخوی کے الفاظ نے اُس کی پریشانی کو جانپ لیا۔ وہ سمٹ کر ایک فقرے میں متغزل ہو گئے اور وہ فقرہ خود بخود بولنے لگا کہ فی الحال زندگی ہر چیز پر مقدم ہے۔ یہی حرب نے یہ آواز سنی اور اپنے آپ کو تسلی دینے لگا۔

د جانتے یہ اُس کے اپنے ذہن کی آواز تھی جو اُس نے سنی، یا جعفر بخوی کسی نامعلوم مقام پر بیٹھا پڑا اسرارِ علم سے اُس کی رہنمائی کر رہا تھا۔ لوگوں نے سات مہینے قبل اُسے اپنے گدھے پر سوار بغداد سے نکلتے دیکھا تھا مگر کوئی نہیں جانتا تھا کہ بغداد سے نکل کر اُس نے کس شہر کا رخ کیا اور اس وقت کہاں ہوگا؟

ابن حرب کو بہر حال زندگی کی ضرورت تھی۔ جو کچھ اُسے کرنا تھا، وہ زندہ رہ کر ہی کر سکتا تھا۔ جان بچانے اور خلیفہ کے فرستادوں سے بچ نکلنے کی جدوجہد پہلے سے ہی ہو گئی۔ وہ کولان ترک سے ایک بار پھر بہت آگے نکل آیا۔ اُن کے درمیان غالباً فلسطین کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ مگر وہ اپنے پیچھے قدموں کے نشانات چھوڑتا جا رہا تھا اور سہ ماہی سے ادھر جہاں بھی آرام کرنے کے لیے اُسے گھس گھسایا غفلت کی نیند سمور ہاؤس کا رات بھر کے جاگے اور تھکے مارے مسافر کا آرام کی خاطر کہیں نہ کہیں گھسنا اور تھوڑی سی نیند ضروری تھا، ورنہ بد نصیبی اُس کے گلے میں طوق اور ہاتھوں میں زنجیر ڈال دے گی۔

چاند کا زور قریب مغربی افق میں ڈوب رہا تھا جب ابن حرب دشتِ فرات کی بٹی پر نمودار ہوا، ابھی رات ایک پہر باقی تھی اور آخر شب صحراؤں میں چلنے والی ٹھنڈی اور نیند کا عظیم پھونکنی گزر رہی تھی مگر اُسے آرام کے لیے کہیں رکن نہیں تھا۔ مشرق وسطیٰ کے اس علاقے میں طویل سفر کرنے والے قافلے یا اکانوٹا مسافرانوں کو منزل کی طرف بھرنے رہتے اور سورج چڑھنے کے بعد بھی سفر جاری رکھتے تھے۔ البتہ دوپہر سے قبل دن کا کچھ کے لیے کہیں پڑاؤ ڈالتے تھے۔ اس خطے میں راتیں سفر کے لیے اور دن آرام کے لیے تھے۔

ابن حرب اپنے غیر معمولی تعاقب سے یہ بھی سمجھ گیا تھا کہ خلیفہ کے آدمی سرحدِ شام سے ادھر ہی کہیں اسے گھیرنے اور گرفتار کرنے کا موقع تلاش کریں گے اور یہ موقع انھیں دن کو اس وقت میسر آ سکتا تھا جب وہ کہیں آرام کے لیے رُکے گا۔ رہا کے ساتھ ساتھ کم و بیش سفرِ فرخ یعنی تقریباً دو سو دس میل کا فاصلہ طے کر کے وہ سرحدِ شام میں داخل ہو سکتا تھا۔ اتنے طویل سفر میں اُس کا کہیں نہ کہیں رکن اور آرام کرنا لازمی تھا اس لیے چاہتا تھا کہ تیز سفر کر کے اتنا آگے نکل جائے کہ کولان ترک کو اُس پر چھاپہ مارنے کا موقع نہ مل سکے۔

دشتِ فرات کی پٹی پر رُک کر اُس نے اپنے عقب میں نظر ڈالی۔ دُوبتے چاند کی روشنی میں میلوں تک پیچھے کوئی آواز، کوئی آہٹ، کوئی دھچک، کوئی علامت دکھائی دے رہی تھی۔ دشتِ فرات میں خود کو پہلے سے زیادہ محفوظ سمجھ رہا تھا جہاں کسی جنگلی درندے کا خطرہ تو لاحق ہو سکتا تھا لیکن کولان ترک کا اُسے ڈھونڈ لینا ممکن نہیں تھا، پھر بھی اُس نے پہلے میں گھسنے کی غلطی نہیں کی بلکہ اس کی چیلنجیٹی پر جہاں کہیں جھاڑیاں اور سرکندوں کے دریاں کر رہا کوئی اکاؤنٹ درخت تھا، شمال کی طرف آگے بڑھا۔ مسلسل سفر اور آگے بڑھتے رہنے ہی میں اُس کی نجات تھی۔

چاند کے ڈوبتے ہی فرات کے جنگل بیلے کو گھجی تار بگی نے اپنی پیٹ میں بے پردہ اس تاریکی میں بھی چلنا رہا۔

صبح صادق میں بدل گئی گمراہ کا نہیں بلکہ اُس کے بڑھتا رہا۔ مشرقی افق پر شفق کی سرخیاں بکھر گئیں اور اُن سرخیوں کے درمیان سورج کسی بہت بڑے شمعِ طباق کی مانند ابھرا یا جس نے کائنات کے منظر میں ایک رنگ بھر دیا لیکن وہ بے سبب چلتا اور سفر کرتا رہا۔

پھر سورج آسمان پر کئی نیزے بلند ہو گیا۔ دھوپ تیز اور ہوا گرم ہو گئی آسمان آگ کی برسات لگا کیونکہ سورج کی بھٹی تیز ہو گئی تھی۔ رات سے سورج کے نیچے سفر جاری رکھنے کی بجائے اُسے دن بھر کے لیے کوئی ٹھکانا تلاش کرنا تھا۔ مسلسل سفر، بھاگ دوڑ بے خورد خوابی اور شاہی ہمارا رو سے دور نکل جانے کی جدوجہد نے گھوڑے اور سوار دونوں کو تھکا دیا تھا اب پڑاؤ اور قیام کا وقفہ ضروری تھا لیکن وہ آگے بڑھتا رہا۔



ایک گھوڑے کی ہنسا ہٹ پر اچانک کھلی، ہڑبڑا کر اٹھا اور ہاتھ بکلی کی طرح تلوار کے

نیچے پر گیا۔

فوری طور پر وہاں میں ہی خیال گزرا کہ دشمن نے اُسے کھوج لیا اور بے خبری میں سر پر اپنا ہاتھ تلوار پھینچ کر ادھر ادھر دیکھا تو منظر کی تبدیلی پر حیران رہ گیا۔ دن کا اُجالا شام کے ملگے اندھیرے میں بدل چکا تھا۔ دس بارہ قدم کے فاصلے پر نرسوں کی باڑھ سے چار آنکھیں اُسے گھور رہی تھیں۔ تلوار کھینچنے کا کھٹکا سنتے ہی وہ آنکھیں غائب ہو گئیں اور نرسوں میں سر ہٹ کی ایک لہر دوڑتی چلی گئی۔ دن کی فرار ہوئی روشنی میں اُس نے گیدڑوں کے ایک جوڑے کو بھاگتے دیکھا اور اطمینان کا سانس لیا۔

پیلوؤں کے جھنڈے گر دو پیش پر نظر ڈالی تو کسی طرف خطرے کے آثار نہ تھے سب بڑوں کا توں تھا۔ البتہ جھنڈے سے باہر کا منظر کچھ اُجلا اُجلا دکھائی دیا۔ غروب آفتاب میں ابھی نصف پر باقی تھا اور دن بھر کا جلتا پتا سورج مغربی افق پر قمری شعاعیں بکھیر رہا تھا مگر گنجان جھنڈے میں شام کے ملگے اندھیرے کا گمان اس لیے ہو رہا تھا کہ گنتی شاخیں سورج کی روشنی کو باہر ہی روک رہی تھیں۔

یہ احساس بڑا فرحت بخش تھا کہ دشمن اُس کی چال میں آگیا اور کہیں فرات کے مشرقی پہلے میں جنگ رہا ہوگا، جب کہ اُس نے اپنے محفوظ پڑاؤ میں مینڈ پوری کر لی اور گھوڑا بھی تانہ ڈال رکھا تھا۔ دور دراز منزلوں کی طرف جانے والے قافلے ڈوبتے سورج کے ساتھ ہی اپنے راستوں پر گامزن ہو جاتے تھے۔ اُس نے بھی روانہ ہونے میں دیر نہ لگائی گھوڑے پر زین ڈالا، سامان سمیٹا اور دریا کے کنارے پر نکلا۔ جانور کو پانی پلایا۔ مشرقی ساحل کے پہلے کا یہ غور جائزہ لیا، اُس طرف کسی نقل و حرکت کے آثار نہ نظر آئے تو مطمئن ہو کر رکاب میں باؤں ڈالا اور جنگل سے گزرتا ہوا مغربی سمت کی دیران چٹیل پٹی پر آگیا۔

پلے اُٹام دشت فرات پر اپنی آنکھیں کھول رہی تھی۔ اُن کے سايوں میں سفر پھر شروع ہو گیا اب وہ دریا سے تقریباً ایک فرسخ ہٹ کر اُس کے متوازی شمال کی جانب بڑھ رہا اور

پلے کی چٹیل پٹی کو چھوڑ کر وہ جنگل میں گھس آیا اور دریا کی ترائی کے ساتھ ساتھ اُسے بڑھتے لگا۔ اُس نے گھوڑے کو پانی پلایا اور پھر چل دیا۔ کرلان ترک اور اُس کے سواروں سے محفوظ رہنے کے لیے ذہن میں ایک منصوبہ تیار کر لیا تھا اور اُسی منصوبے کے مطابق دریا کے پایاب حصے کی تلاش میں تھا آخر وہ حصہ اُسے نظر آگیا۔ اُس نے ساحل پر یکسر کے دو کُترے درختوں سے پایاب گھات کو پہچان لیا اور گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔

یہاں دریا کا پاٹ چوڑا لیکن پانی کی سطح کم تھی۔ تھوڑی سی جدوجہد کے بعد وہ فرات کے دوسرے ساحل پر آگیا۔ پھر بھی جھنڈے سے بیٹے میں رکنے کی بجائے ترائی کے ساتھ ساتھ مزید آگے بڑھا۔ صرف ایک میل آگے فرات کے مغربی کنارے جنگل کھائی گھنا تھا۔ وہ گھنے جنگل میں پہنچ کر گھوڑے سے اترا اور پیلوؤں کے ایک جھنڈے میں گھس گیا جس کے ساتھ اوپینے نرسوں کی باڑھ گویا حفاظتی حلقے کا کام دے رہی تھی اُس نے پڑاؤ کے لیے اُسی جھنڈے کو لہر کیا۔ گھوڑے کو پیلوؤں کے ایک درخت سے باندھا۔ خرچین اتارنے کے ساتھ زمین بھی اتار دیا۔ ایک خرچی سے تھوڑا سا چارادانہ نکال کر اُس کے آگے ڈالا۔ دوسری خرچی سے اپنے لیے خوراک نکالی اور گھاس پسندہ پکھا کر بیٹھ گیا۔ بچھنے ہوئے چاول، نخوڑے اور سلو گئی دھڑے سے کافے تھے۔ اس کے علاوہ عبد اللہ نے گوشت کے کچھ پارچے بھی بطور ترشہ ساتھ رکھ دیے تھے جو ایک دن سے زیادہ نہ چل سکتے تھے۔

ابھی حرب نے انھی پارچوں سے پیٹ بھرا۔ دو چار خرمے کھائے۔ مشکیرے سے پانی پیا پھر خوراک خرچی میں سمیٹھائی۔ تلوار مہلے رکھی اور منہ سے پرہیز کیا۔ سورج سر پر آگیا تھا مگر پیلوؤں کا جھنڈا اتنا گنجان اور شاخیں اتنی گھنی اور چتر نہ تھیں کہ دھوپ اُن سے چھن کر اُس کے آرام میں خلل نہ ڈال سکتی تھی۔ وہ کرلان ترک کے منصوبے کو سمجھ گیا تھا، جو اس اُمید پر تعاقب میں چلا آ رہا تھا کہ دن کے وقت جب وہ آرام کی خاطر کہیں رُکے گا۔ تو چوروں کی طرح دھنڈا کر کے بے خبری میں اُسے دبوچ لے گا۔ اس کے جواب میں ابھی حرب نے بھی ایک چال کھیلی اور دریا عبور کر کے مغربی ساحل پر آگیا اس نے دشت فرات کی مشرقی پٹی سرحد شام تک کرلان ترک اور اُس کے سواروں کے لیے خالی چھوڑ دی تھی کہ بے شک اس طویل پٹی پر سارا دن اُسے کھوجتے اور ڈھونڈتے رہیں اور خوراک نہ

ساحل کے ایک جھنڈے میں ”بے فکری“ کی میند سو گیا۔

شکاری کتوں کی طرح اُسے مشرقی ساحل کے جنگل بیلے میں چھوڑتے پھرے ہوں گے اور کیا عجیب وہ اپنے شکار کی تلاش میں بہت اگے نکلی۔ گئے ہوتے۔ سرحد شام تک دو دن سفر تھا اور اُنہی دو دنوں میں انہیں اُس کی گرفتاری کا حکم بجا لانا تھا۔

اُسے خیال آیا تلاشِ بسیار کے باوجود جب وہ انہیں فرات کی مشرقی تہ پر کہیں مل سکے گا تو یہی سوچیں گے کہ اُن کا شکار دریا پار کر کے دوسرے کنارے اُتر گیا ہو گا پھر وہ بھی کسی پایاب جگہ سے دریا عبور کر کے مغربی ساحل پر آجائیں گے۔ اس صورت میں بھی کل طوعِ آفتاب تک اُسے کوئی خطرہ نہ تھا۔ کولان ترک اور اُس کے سوار دن کی روشنی ہی میں کسی وقت دریا عبور کر سکتے تھے لیکن اب یہ اندیشہ پریشان کر رہا تھا کہ دریا عبور کر کے وہ اپنی جان کی قیمت پر بھی اُسے گرفتار کرنے سے دریغ نہ کریں گے۔ مقابلے میں قسمت کس ساتھ رہتی ہے اور کون تلوار کے گھاٹ اُترتا ہے یہ بعدک بات تھی لیکن شام کی سرحد تک نہ بہر حال تعاقب اور گرفتاری کے خطرے سے دوچار تھا۔

اُس کی اصل منزل سینکڑوں میل دور مغرب کی جانب بحیرہِ روم کی ساحلی ٹی پرتی لیکن وہ فرات کو چھوڑ کر جو شمال سے جنوب کی طرف بہتا ہے۔ مغرب کا رخ نہیں کر سکتا تھا۔ اس جانب وہ نہیب اور خطرناک بادِ شام واقع تھا جو عراق سے لے کر شام و شرقِ اردن اور عرب کے علاقے نصفِ نوبہ پھینکا چلا گیا اور اپنی وسعت کے اعتبار سے نہ صرف "بادِ مہِ الجرمہ" بھی کہلاتا تھا بلکہ تربعِ افغانی سے کم ہوں کہ نہ تھا۔ ایسے وسیع اور نہیب ریگستان میں جہاں تافٹ بھی اپنے آپ کو محفوظ نہ رکھتے تھے یہاں تک کہ تافٹ کا سفر خود کشی کے مترادف تھا اسی لیے فرات کے ساتھ ساتھ شمال کا سفر بگزیر تھا۔

مگنی شام ہوئے ہوئے چاندنی رات میں تبدیلی ہو رہی تھی۔ اُبلے صحرائوں میں چمکنے والی چاندیم طرف اپنی چاندنی کی سندھ برفانی چادر تان چکا تھا۔ دریائی بیلے کی جانب دور کس گیلڈ کہہ سوا کہ سنائی دے رہی تھی۔ گھوڑے اس منزل میں کتنی بار تپتا آپ سے آپ دوڑکی چال رواں دواں تھا اور ابنِ حرب کا ذہن مختلف خیالوں اور طرح طرح کے اندیشوں میں الجھا ہوا تھا کہ ناگزیر اُسے کرب کی سچی یاد آئی جو چند فرسخ اگے فرات کے مغربی ساحل سے بہت دور واقع تھی۔ اس کے ساتھ سو سالہ بوڑھا بھی شانِ لگان یاد آیا جس سے ایک بار شکار سے ملنے ملاقات ہوئی تھی اور بڑی دلچسپ تھی وہ ملاقات۔ بوڑھا اپنی جوانی کے دنوں میں شامِ فلسطین

مصر اور ارضِ حجاز کے کئی سفر کر چکا تھا۔ اس نے متعدد حج بھی کیے تھے۔ حج کے لیے جانا تو تامل و محتاج کے ہمراہ لیکن واپسی کا سفر عموماً تنہا کرتا تھا کیونکہ فریضہ حج لوگوں کے بعد وہ گئے سے قبلہ اول کی حاضری کے لیے فلسطین جانا اور بیت المقدس کی زیارت کر کے واپس آنا تھا۔

ابنِ حرب نے سوچا، لیکن ہے وہ بلائش کی طرف جانے والے کسی ایسے رستے کی نشان دہی کر سکے جو معروف شاہراہ کی بہ نسبت کچھ مختصر بھی ہو اور محفوظ بھی۔ اس خیال کے آتے ہی اس نے گھوڑے کو ایڑہ لگائی اور اُسے سر پٹ چھوڑ دیا تاکہ بستی کے دروازے بند ہو جانے سے پہلے وہاں پہنچ سکے۔



**KHAN BOOKS
& LIBRARY**
S-527, BHABRA BAZAR, RAWALPINDI
Cell: 0345-5048634 - 0345-5048669
Prop: Ali Khan

اسے منزل پر پہنچنے کی جلدی ہے۔ بوڑھے عجی نے کچھ دیر غور کرنے کے بعد کہا: "ایسا ایک راستہ ہے تو سہی جو نہیں چند روز میں عربی تک پہنچا دے گا اور میں اس کے متعلق ضروری معلومات بھی مہیا کر سکتا ہوں۔ تم جوان اور جوان بہت ہو۔ شاید اس راستے کو طے کرو، جس طرح ایک باد میں نے بھی طے کیا تھا لیکن صرف ایک اندیشہ ہے اور اندیشہ یہ ہے کہ میں نے وہ سفر سماعتی پر کیا تھا اور تم گھوڑے پر ہو۔ گھوڑے اس سفر کی صعوبتوں کو برداشت نہیں کر سکتے۔ کچھ حد شر ہے کہیں وہ راستے میں تمہارا ساتھ نہ چھوڑ جائے اور تم واپس بھی نہ آ سکو۔" ابن حرب نے بوڑھے عجی کے الفاظ کی سنگینی محسوس کی اور ان کا صحیح صحیح مفہوم سمجھ لیا۔ مگر عجی نے اسے "موت کے خطرے" سے آگاہ کیا تھا۔ اس نے جواب دیا: "بزرگ شاہ لگان! رہو! ان کی فکر نہ کریں۔ شاہی رسالے کے تربیت یافتہ گھوڑے، اونٹوں اور سانڈوں کی مانند سخت جان ہوتے ہیں اور راستوں کی مشکلات سے نہیں گھبراتے۔"

"پھر بھی صحرا کے سفر میں ایک گھوڑا ناکافی ہے۔" بوڑھا بتانے لگا: "ایک گھوڑا تو صرف رسد اور پانی کی پکھناؤں کے لیے چاہیے کیوں کہ میں جس راستے کی نشان دہی کروں گا وہ بوڑھے شام سے گزرتا ہے جہاں تمہیں پانی کیسے نہیں مل سکے گا۔ تمہارے علاوہ گھوڑا بھی وہی پانی پینے کا جو تم اپنے ساتھ رکھنا لوں میں بھر کے لے جاؤں گے۔" وہ صحرائی خطرات کو سمجھتا تھا اس مرتبہ بھی بوڑھے کا مطلب ٹھیک ٹھیک سمجھ گیا اور بوڑھے نے لگا: "صحرائے شام میں مجھے کتنے یوم سفر کرنا ہو گا؟"

شاہ لگان نے اپنی بوڑھی اور نہاد شناس آنکھوں سے، جو زندگی کے ایک سو ایک نوکم دیکھ چکی تھیں، غور اس کے چہرے کا جائزہ لیا پھر کہا: "صحرائے شام سے گزرنے والے کاروان کوئی دو ہفتے بعد حجرہ بیڑا کے علاقے میں داخل ہوتے ہیں جہاں کہیں کہیں بدی قبیلے خیمہ زن ہوں گے لیکن وہ اپنے ٹھکانے بدلنے رہتے ہیں اور کسی مستقل جگہ قیام نہیں کرتے۔ حجرہ کے علاقے تک راستے میں کہیں پانی نہیں مل سکتا۔ اس لیے اب کاروان پانی کی پکھناؤں ساتھ لے کر چلتے ہیں مگر میں جس راستے کی نشان دہی کروں گا، اس پر سفر کر کے تم چھ سات یوم میں "اصحاب الرقیم" کی وادی تک پہنچ جاؤ گے۔ تمہارے پاس چھ سات روز کے لیے پانی کا ذخیرہ ہونا چاہیے جو گھوڑے اور سوار دونوں کی ضرورت پوری کر سکے۔" چھ سات یوم کا ذکر سن کر ابن حرب کے چہرے پر اضطراب اور مسرت کی لہر دوڑ

بادیشام

بوڑھے عجی کا مکان بستی کے مغربی گوشے میں تھا۔ تیز رفتار گھوڑے نے چند فرسخ کا فاصلہ عشا تک طے کر لیا۔ جب ابن حرب بستی میں پہنچا لوگ سونے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ اس نے گھوڑا اسی مکان کے سامنے روکا اور دروازے پر دستک دی تو غلام نے جرجی لہو میں عربی بولتا تھا، کواڑ کھوئے۔ پہلی ہی نظر میں اسے پہچان لیا اور اپنے اُٹا کو اطلاع دینے کے لیے پٹا ضیف العرش لگان نے ابن حرب کو "خوش آمدید" کہا اور اپنی روایت کے مطابق "دوب شیراز" کا بندوبست کر کے غلام کو حکم دیا کہ وہ مہمان کے لیے بستر لگا دے۔ ابن حرب نے بوڑھے عجی کا شکریہ ادا کیا اور صاف صاف بتا دیا کہ وہ قیام کرنے میں کچھ معلوم کرنے آیا ہے اور بہت جلد یہاں سے روانہ ہو جائے گا کیونکہ خطرہ اس کے تعاقب میں ہے۔

بوڑھا شاہ لگان بعد اسے اس کے فراہم کرداد سن کر، جو اس نے مختصر گفتگو میں بیان کر دی، حیران و ششدر رہ گیا اور بولا: "نتائج کی پروا کیے بغیر حکم صادر کرنے والے حکمران عموماً نقصان اٹھاتے ہیں۔"

جب ابن حرب نے مطلب کی بات چھیڑی اور بتایا کہ اس نے مصر جانے کا فیصلہ کیا ہے اور کسی ایسے راستے کا جو یا ہے جو ہفتوں کی بجائے صرف چند دنوں میں اسے منزل مقصود پر پہنچا دے تو بوڑھے شاہ لگان پر ایک اور حیرت گزری۔ اس کی سوسا لہ دانتی کات ضایہ تھا کہ اسے کسی جان جو کھوں کی راہ پر نہ ڈال دے لیکن ابن حرب کی ضرورت اصرار کر رہی تھی کہ

مغرب کی طرف چلے گئے ہیں اُسے اُن ٹیلوں کے ساتھ ساتھ سفر کرنا ہے جو ایک ایک دو دو
 فرسخ کے فاصلے پر واقع ہیں۔ سفر میں ایسے اس کے دائیں ہاتھ میں گئے اور وہ ان کی بائیں
 جانب سے گزرے گا۔ دو دن کی مسافت کے بعد صبح کے خطرناک سلسلے کا آغاز ہو گا نئے پیچے
 پہنچ جائیں گے اور اُن کی بگدریت کے بڑے بڑے تودے ملیں گے جن کا حجم بڑھتا بڑھتا رہتا
 اور سخت تبدیل ہوتا رہتی ہے کیوں کہ جب آندھی چلتی یا ریت کا طوفان گزرتا ہے جسے اہل فارس
 ”ایک رواں“ کہتے ہیں، تب تند و تیز جھکڑ ریت کے تودوں کو ایک جگہ سے اُڑا کر دوسری جگہ
 لے جاتے یا اُن کی ریخت بدل دیتے ہیں۔

صحرا کا یہ سلسلہ بڑا مہیب اور خطرناک ہے جس کی ہولناکی کے پیش نظر قافلے اُدھکاڑ میں
 نہیں کرتے اور طویل راستے کو ترجیح دیتے ہیں یا بادِ یَہ شام کے حاشیے پر سفر کرتے ہیں جہاں بعض قدیم
 عمارت کے علاوہ اموی دور میں کچھ نئی عمارتیں بھی تعمیر ہو چکی ہیں مگر بادِ یَہ شام کے وسطی حلقے پر ریح افغانی
 کی بہت اور دشت طاری ہے۔ ریت کے تودوں کا سلسلہ کوسوں تک چلا گیا اور تنہا آدمی ان
 کی وحشت اور دشت سے خوفزدہ ہو جاتا ہے۔ آسمان پر دھکتا سورج، زمین پر چلتی ریت،
 بادِ سوم کے جھسا دینے والے جھونکے، اقد نظر تک بے آب و گیاہ ریگستان اور اس کی ہولناکی
 ویرانی کے احاطہ منظر آدھی کو پاگل کر دیتے ہیں۔ اس ہولناک صحرا میں راستے کا تعین اور
 سمت درست رکھنے کی کوئی علامت موجود نہیں۔ بس آدمی اپنی تقدیر پر بھروسہ کرتا یا پھر رات
 کو آسمان سے اشارہ لیتا ہے۔ وہ مغرب کی طرف سفر کرے یا مشرق کی طرف۔ قطبی ستارہ
 ہمیشہ شمال کی طرف رہے گا، جس سے وہ اپنی سمت اور راستے کا تعین کر سکتا ہے۔ یون حرب
 کو بھی ستاروں سے رہنمائی حاصل کرنا ہوگی اور قسمت کے ستارے اچھے ہوئے تو ہونگے
 مگر اسے گزر جائے گا۔

شادگان نے یہ بھی بتایا کہ اگر یہ صحیح سمت پینا رہا، تو پانچویں روز تودوں کی ایک دیوار
 تک پہنچ جائے گا جو شمالاً جنوباً کوئی دو فرسخ تک چلی گئی ہے۔ وہاں زمین دراصل اونٹ کے کہن
 کی طرح عام سطح سے اُبھری ہوئی اور جہاں تک وہ کوہان چلا گیا ہے اس کے ساتھ ساتھ ریت
 کے تودوں کی ایک مستقل دیوار کھڑی ہو گئی ہے۔ پچاس برس پہلے جب اس نے یکا دندا سفر کیا
 اس دیوار کے شمال سے گزرا جبکہ وہاں ٹھہرا بھی تھا۔ اس کا خیال ہے وہ دیوار آج بھی قائم ہو
 گی جس دیوار سے گزرا اور ایک یوم کا سفر کر کے وہ صحرا کے درمیان ایک چٹیل داوی میں پہنچ جائے

گئے اپنے ذہن میں راستے کا جو نقشہ تیار کیا تھا وہ پندرہ سو دن کے مسلسل سفر سے
 قبل طے نہ ہو سکتا تھا۔ اس کے مقابلے میں ”چھ سات یوم“ کا سفر خواہ کتنا ہی دشوار گزار
 کیوں نہ ہو، بڑی کشش رکھتا تھا۔ ہر سفر جلد سے جلد اپنی منزل پہنچ جانے کا خواہش مند
 ہوتا ہے، جب کہ یہ جلدی ابنِ حرب کی خواہش ہی نہیں، ضرورت بھی تھی۔ اب وہ راستے کا
 نشان پتا معلوم کرنے کے لیے بے چین سا نظر آنے لگا۔

”بزرگ شادگان! آدمی سفر کرتا ہے تو رخت سفر سناخو لے کر چلتا ہے میں بھی عزت
 کے مطابق اپنے زادِ راہ میں اضافہ کروں گا بس آپ اُس راستے سے آگاہ کریں، جس پر
 مجھے سفر کرنا ہے۔“

بوڑھے عجی نے اُس کے اضطرابِ شوق سے اعزازہ لگا لیا کہ وہ معذرتوں کو جھیلے گا
 حوصلہ رکھتا ہے تو اس نے ذرا واضح الفاظ میں راستے کی مشکلات کا ذکر کیا۔ ”مگر تم جو کہو
 کے راستے پر سفر کے لیے تیار ہو تو میں بھی تم سے یہ بات چھپانا نہیں چاہتا کہ وہ کوئی راستہ
 نہیں، بس موت کی ایک راہ گزر ہے۔ آدمی بہت بڑی مجبوری ہی کی حالت میں ایسی راہ گزر قبول
 کرتا ہے اور اپنے ساتھ جو اکیٹا ہے، کوئی نصف صدی پیشتر مجھے بھی ایک مجبوری لاحق تھی
 اور اپنے بیٹے فیروز مند کی خاطر بادِ یَہ شام سے تنہا گزرا تھا جسے خلیفہ معقلم نے محمد بن قاسم
 بن علی کے خرمجک پاؤں میں گرفتار کرنے کا حکم دیا تھا۔ میرا بیٹا فاطمی دعوے دار کے دوستوں
 میں شمار ہوتا تھا جسے ختم نے شکست دے کر ہندو میں نظر بند کر دیا۔ میں اللہ س میں تھا
 خیر سنتے ہی دیوارِ دارا اپنی بستی کی طرف بھاگا۔ آج تم خلیفہ معقلم کے عتاب سے بچنے کی خاطر
 عراق سے بھاگ رہے ہو اس لیے میں نہیں اُس راستے کے بارے میں معلومات فراہم کرتا
 ہوں جو بہت بڑا کٹھن مگر اُسے عبور کر کے تم بہت جلد اپنی منزل پہنچ جاؤ گے۔“

ابو حرب بے حرکت گوشہ ہو گیا اور بوڑھا شادگان بتانے لگا کہ اس بستی سے نصف
 فرسخ اُگے ایک چھوٹا سا پہاڑی ٹیلا اُگے گا جہاں سے وہ راستہ مغرب کو مڑ جائے گا تقریباً
 دو فرسخ چلنے کے بعد بادِ یَہ شام کا پہلا حلقہ شروع ہوگا۔ چھوٹے چھوٹے میلے ایک سیدھ

پہ محمد بن قاسم بن علی بن عمر بن زبیر العابدین نے ۶۱۹ء کے قریب یہ خلیفہ معقلم طاقان کے علاقے میں
 خروج کیا۔ گزرتی کے بعد ہندو ارجیل میں ڈالے گئے مگر جیل سے بھل گئے تھے۔ (ابن اثیر)

کا جو کوسوں تک پھیلی اور صحرا سے کم بولناک نہیں۔ اُس وادی میں ایک شکستہ معبد کے آثار نظر آئیں گے جو چٹانوں کو تراش کر بنایا گیا تھا۔ معبد صدیوں سے اہل اُردو ٹھ پھوٹ چکا ہے اور اُدھر خطرناک صحرا کے باعث کسی کا اس وادی میں شاید گزر نہ ہوا ہو جو کئی قرون سے ویران پڑی ہے۔ ایک عیسائی طبیب کے بقول جو اسے بیت لحم میں بلا اور جس نے بائبل کے اس کتب خانے کی نشان دہی کی تھی، وہ عیسائی دور کی ایک مسیحی خانقاہ تھی لیکن حجر کے علاقے سے جو "پیٹرا" بھی کہلاتا ہے، بہت دور واقع ہے۔ بہر حال اس خانقاہ کے آگے جہاں پھیلے وادی ختم ہوتی اور صحرا کا یہ علاقہ شروع ہوتا ہے، وہ ڈیڑھ دن کے بعد حجر کے علاقے یا "اصحاب الیقیم" کی وادی میں پہنچ جائے گا یہ وادی بحیرہ مردار کے جنوب میں واقع ہے اس علاقے میں اُسے سب سے پہلے "رحلہ" ایشیا رومانیہ کی وجہ تباری شاہراہ

نے کی جو زمین سے راستہ حجاز نام کو جاتی اور بحیرہ مردار کے جنوبی نشیب ہی سے جہاں کرک اور موت کی آبادیاں ہیں۔ شام کو مڑ جاتی ہے۔ وہ اس شاہراہ کو قطع کر کے مغرب کی سمت بڑھتا ہے گا تو اب کی دوسری اور عظیم شاہراہ "امام مبین" نظر آئے گی۔ یہ شاہراہ بھی یمن اور حضرموت سے آتی۔ ارض حجاز میں مکہ معظمہ کے قریب سے گزرتی، بحیرہ احمر کی ساحلی پٹی کے ساتھ ساتھ شمال کے رخ آگے بڑھتی اور خلیج عقبہ کے قریب سے بیت المقدس کی طرف چلی جاتی ہے۔

"امام مبین" کی یکساں شاخ بحیرہ مردار اور خلیج عقبہ کے درمیان سے سیدی غزوہ و عسقلان کی طرف چلی جاتی ہے۔ وہ اُسی راستے غزوہ کی پٹی میں داخل ہو سکتا اور پشیمانی پہنچ سکتا ہے۔

سفر کا یہ نقشہ بیان کرنے کے بعد بوڑھے شائگان نے کہا: "ایک ہمارا آدمی بائبل شام کی ہونناک وحشت و ویرانی سے ہراساں نہیں ہوتا لیکن صحرا میں جس بلا نے ناگہانی کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ وہ ریت اور صحرا کا طوفان ہے۔ "ریگ رول" کا طوفان، وسط صحرا میں پوری ہولناکی سے جلتا ہے اور کئی کئی دن جاری رہتا ہے۔ اس طوفان میں پھنس جانے والے مسافر زندہ نہیں رہتے۔"

ابن حرب نے راستے کا نقشہ بھی طرح ذہنی نشین کر لینے کے بعد شکر یہ کہ ساتھ کہا: "آپ نے خطرے کی ہر صورت واضح کر دی اور میں نے سمجھ لی۔ شاید یہ سفر میری قسمت میں کھو دیا گیا ہے۔ میں بغداد میں سب کچھ ہار آیا ہوں۔ داؤ پر لگانے کے لیے صرف زندگی

میرے ہاتھ میں ہے اور میں سفر کا جو اکھیڑ لگا کر آپ مجھ پر مہربانی کر سکتے ہیں تو اپنے غم کو حکم دین کہ میرے لیے دو شکاریوں اور گھوڑے کے لیے چار پانچ روز کے چارے دانے کا بند دیکھتے کر دے۔ میں ان اشیاء کی قیمت، ادا کر دوں گا۔"

بوڑھے عجی نے کسی معاوضے کے بغیر ہی مطلوبہ اشیاء فراہم کر دیں اور ابن حرب فوراً سفر کے لیے تیار ہو گیا۔ رات دوسرے پہر سے گزر رہی تھی ایک سو ایک سالار عجی اپنے تمام سمیت خود دروازے تک آیا اور ابن حرب نے رخصت ہونے سے پہلے ایک اور درخواست باغرائش کی: "بزرگ شائگان! میں آپ کے سلوک کو ہمیشہ یاد رکھوں گا اور زندگی نے وفا کی تو اس احسان کا بدلہ چکانے کی سعی کروں گا لیکن کرناں ترک مجھے ڈھونڈتا ہو اگر اس بستی میں آجائے تو اسے کسی قیمت پر میرے نئے راستے کا علم نہیں ہونا چاہیے۔"

جیسا کہ گفتگو ہی سے ظاہر ہو گیا تھا، بوڑھا عجی، عباسی حکمرانوں کے متعلق کوئی اچھی رائے نہیں رکھتا تھا اس لیے خلیفہ معتقد کے ہر کارروائی اور سواروں کی بے نسبت اسے ابن حرب سے ہمدردی ہو سکتی تھی جو فی الواقع اپنا سب کچھ بغداد میں چھوڑ آیا اور صرف اپنی زندگی کے کر جانا تھا۔ ابن حرب نے غالباً از رہہ احتیاط کرناں ترک کے بارے میں اُسے توجہ دلائی تھی بڑے شائگان نے بڑے اعتماد کے ساتھ اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور پورے رٹوں سے جواب دیا: "ابن حرب مجھے خلیفہ کے سواروں سے نہیں، تمھاری زندگی سے دل چسپی ہے۔ نصف فرسخ آگے مغرب کی جانب مڑتے ہوئے اگر تم کوئی سراغ اپنے پیچھے دھچھوڑ گئے تو تمھاری دیر بعد قریب سے گزرنے والی ہوا بھی یہ بات بھول جائے گی کہ تم اس بستی میں کئے تھے یا نہیں اور اگر آئے تھے، تو یہاں سے کس طرف نکلی گئے ہو۔"

اس یقین دہانی کے ساتھ بوڑھے عجی نے اُسے الوداعہ کہی، وہ شائگان کے ہاتھ کو بوسہ دیتا ہوا گھوڑے پر سوار ہوا اور اُس کی باگ مڑی۔

گھوڑے کی پشت پر گرچہ درپیکھوں کے علاوہ چارے دانے کے ایک بے شمار ذخیرہ تھا اور اس اضافی بوجھ کے ساتھ وہ پہلی سو برق رفتاری فائز نہ کر سکتا تھا۔ مالک کی اڑی اور گام کے اشارے کو سمجھتا ہوا بڑی سرعت سے آگے بڑھا اور مسافر کے چھوڑنا ہوا نکل گیا۔

سنت اور راستے کے صحیح تعین پر تھا جس کے لیے وہ ستاروں اور علی الخصوص قطبی ستارے کا مطالعہ کرتا تھا جو ہمیشہ ایک ہی رخ رہتا اور سمتوں کے تعین میں مدد دیتا ہے۔

اس نے پہلے کبھی نجوم و کواکب کے معاملات پر اتنی توجہ نہیں دی تھی بلکہ نجومیوں کی پیش گوئیوں کا مضحکہ اڑا یا کرتا تھا لیکن جعفر نجومی نے ستاروں کی گردش و رفتار کا حساب لگا کر اور اس کا زائچہ نکال کر پیش گوئی کی تھی کہ یوں ہوگا اور یوں ہوگا اور بالکل اسی طرح ہوا۔ آخر یہ ستارے اسے پس کیا؟ دنیا اور انسان کے ساتھ ان کا کیا تعلق ہے کہ انسان کے مستقبل کا خبر دیتے، راتوں کو اس کی راہنمائی کرتے اور آدمی کو حالات کی گرفت سے بھی نکال لاتے ہیں؟ وہ جبر و جبروت کا یہاب ہو گیا اور کائنات ترک جیسے جابر افسر سے بچ نکلا تو یہ اس کے مفکر کے ستارے ہی کی چال تھی۔ اب بادیہ نشام کے ہونک ویرانے میں بھی ستارے ہی اس کی زندگی کا سہارا ہوں گے۔

و قطبی ستارے کو مسلسل دیکھتا اور چلتا رہتا اور دیکھتا رہا۔ اسے ٹیلے کی سیدھ میں مغرب کی جانب چلتے رہنا اور دوسرے ٹیلے تک پہنچنا اور ہر ٹیلے کی بائیں طرف سے گزرتا ہوا، جس طرح بوڑھے شالگان نے ہدایت کی تھی، تھوڑی دیر تک قدم قدم چیلنے کے بعد اس نے گھوڑے کو ہلکی سی ایڑ لگا کر اور دنگ چال میں ڈال دیا۔ زمین چیلل اور ہوا تھکی، کہیں کہیں بھاریاں یا اکاڈ کا درخت تھکے بیٹھے ایک خاص رفتار سے شروع ہو گیا۔ غالب کا کوئی اندیشہ اور گرفتاری کا کوئی خطرہ نہ تھا۔ ایک دو تین سافر تو کیا اتنا ملے بھی بادیہ نشام کی طرف گز نہیں کرتے تھے۔ بوڑھے شالگان کے بقول اور کوئی راستہ ہی تھا، فقط "موت کی گزرگاہ" تھی جس کی طرف وہ بڑھتا تھا۔

دوسرے ٹیلے سے ابھی ایک میل دور تھا کہ اُسے چاندنی میں ٹیلے کا ہیولا نظر آ گیا۔ وہ اٹھ اٹھاپلے ٹیلے سے ایک فرخ (زمین میل) کے فاصلے پر تھا۔ اس نے رفتار کچھ اور بڑھا دی اور اس کی بائیں جانب سے گزرتا آگے بڑھ گیا۔ ٹیلے دیکھنے میں مصر کے ابوالہول کی مانند لگتا تھا۔ چھاتی میں اپنے پتھر یے بچے کا طے اور پیسکڑے مارے یوں بیٹھے تھے جیسے اس کیل و میراٹے کی پاسبانی کر رہے ہوں۔ بے راستے کے اس سفر میں ان کی حیثیت شالگان راوی کی سی تھی۔ تیسرا ٹیلہ دو فرخ سے بھی کچھ دور واقع تھا۔ صبح کا ذب کے آثار ہوئے۔ کب سے تھے، جب وہ تیسرے ٹیلے کے قریب پہنچ گیا اور اس بات پر مطمئن تھا کہ بوڑھے شالگان

چاندنی رات چاروں طرف نیند کا عظیم بھونک زخمی اور دوسرے پیر کی صحرانی ہو کے بھونکے، انٹے میں جھومتے غزالیوں کی مانند لڑکھڑا رہے تھے۔

اب حرب بستی کی مزدور اداسی سے گزرتا ہوا، بہت جلد اس پٹاری ٹیلے کے پاس پہنچ گیا جہاں سے اُسے مغرب کا رخ کرنا تھا۔ اُس نے گھوڑے کی رفتار بہت ہی کر دی اور گزروہ پیش کا جائزہ دیا۔ وہ دیرانے فرات کے دونوں ساحلوں پر پیسے جنگل پہلے کو گزرتا تھا اور اس کے سواروں کی ٹنگ و دو کے لیے غائی چھوڑ کر کوئی پانچ چھ میل اڑا کر سٹ آیا تھا اب اُسے یہاں سے بھی اپنا راستہ تبدیل کرنا اور شمال کی سمت چھوڑ کر مغرب کی جانب چھٹا تھا۔ ادھر کوئی راستہ تھا نہ کوئی ٹنگ کوئی ٹیڈی تھی حتیٰ کہ ٹیلے کے آس پاس کوئی ایسا نشان بھی نظر نہ آیا جس سے اندازہ لگایا جاسکتا کہ کبھی کوئی مسافر اس جانب گیا ہوگا۔ اُسے ٹیلے کے قریب سے اس طرح گزرتا تھا کہ کوئی نشان، کوئی سراغ، کوئی کھوج پیچھے نہ رہ جائے۔ جانتا تھا اگر دم دم رفتار سے گزرے گا، تو ٹیلے زمین پر پھوٹوں اور سمتوں کے نشان زیادہ نہیں ابھریں گے اور جو ابھریں گے، انھیں تیز ہو کر اس صبح تک معدوم کر دیں گی۔ یہی سوچ کر اس نے گھوڑے کی باگ موڑی اور قدم قدم مغرب کی طرف بویا۔ صرف آسمان پر روشن چاند نے اُسے اپنا راستہ تبدیل کرتے دیکھا۔ اُس نے چلتے چلتے حد نظر تک پھیلے کھلے آسمان پر نگاہ ڈالی اور شمال کی طرف قطبی ستارے کو دیکھی جس کے ساتھ سات ستاروں کا حلقہ اپنے مقررہ فاصلے سے ٹانہ تھا۔ ایک جانب مریخ بھی نظر آیا جو دوسرے ستاروں کی بہ نسبت زیادہ روشن، زیادہ بڑا، اور سرخی مائل تھا۔

وہ بڑی توجہ سے آسمان کی کھلی کتاب کا مطالعہ کرتا اور ستاروں کو دیکھتا، اگر وہ اس کتاب کے پڑوسر علم سے ناواقف اور نجوم و کواکب کی گردشوں کے راز سے نا آشنا تھا، البتہ اس نے کبھی غلط فہمی نہیں کر لیا کہ اس وقت کون سا ستارہ کہاں کس رخ اور کتنے فاصلے پر ہے۔ اسے ستارے ہی اُس کے رہبر و راہنما تھے، جن کے ٹیلے اُسے وقت راستے اور سمت کا تعین کرتا اور آگے بڑھتا تھا۔ ورنہ صحران کی بھول بھلیاں بھونک جائے گا اندیشہ تھا۔

وہی بار پہلے بھی راتوں کو سفر کر چکا اور ستاروں کو دیکھ کر عموماً وقت کا اندازہ لگایا کرتا تھا لیکن یہ سفر بڑا مختلف، بڑا کٹھن، بڑا "موت کا سفر" تھا اور زندگی کا انحصار

لے آئے۔ اسے سفر کی جو علامتیں اور نشانیاں بیان کی تھیں، وہ انہی کے مطابق آئے۔ اس نے بتایا تھا تقریباً ڈھائی فرسخ یعنی ساڑھے سات میل کے بعد صحرایہ کا پہلا حصہ شروع ہو گا لیکن صحرایہ کی شکل کم و بیش دس گیارہ میل کے بعد دکھائی دی، جب وہ تیسرا ٹیلا تھوڑے کر کے اگے نکل آیا۔

چاند مغرب کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اسے بھی مغرب کی جانب بڑھنا اور چاند کے پیچھے پیچھے چلنا تھا۔ اس وقت چاند کی روشنی کچھ پھٹکی پڑنے لگی اور سپیدہ صحرایہ میں گھل مل رہی تھی، جب وہ چیل زمین کو چھوڑ کر صحرایہ کے حاشیے پر نمودار ہوا، وہاں کہیں کہیں دوشانے در دوشانے تھوڑے تھوڑے نظر آ رہے تھے۔

گھوڑے نے گھڑن اٹھا کر حد نظر تک پھیلے "ریت کے سمندر" کو سرس لیتے دیکھ کر ہنسا کر غالباً احتجاج کیا کہ وہ اسے کدھر لے آیا ہے۔ یہ تو بادِ یہ شام کا جنم ہے جدھر کاروان بھی رُخ نہیں کرتے اور وہ یکتا و تنها اس میں سفر کرنا چاہتا ہے لیکن ہر احتجاج بے معنی اور گھوڑے کو وہ صحرایہ حالت میں عبور کرنا تھا خطرناک صحرایہ میں اس کا سوار تعاقب اور گزرتار کے خطرے سے محفوظ رہ سکتا تھا اس لیے سوار نے گھوڑے کے احتجاج کو مسترد کرتے ہوئے اڑتار لگائی اور اسے صحرایہ میں دھکیل دیا۔

ابن حرب نے اس صحرایہ کی ہولناکیوں کو گزرا دیتے والی داستانیں سن رکھی تھیں ان کی دہشت ناک سبب سے کھجنا تھا لیکن حالات کے مطابق بادِ یہ شام کا سفر اس کی ضرورت بن چکا یا قسمت میں کھو دیا گیا تھا۔ اس کے خیال میں کہ لان ترک اور شاہی سوار اسے فرات کے مشرقی کنارے میں تلاش کرتے رہیں گے اور ناکام ہو کر مغربی ساحل پر آجائیں گے۔ وہ ان کے آس پاس بستیوں میں بھی آکر کھوج لگنے کی کوشش کریں گے اور کریم کی بستی میں آئیں گے لیکن اس وقت تک وہ ان کی دسترس سے بہت دور نکل چکا ہو گا اگر انہیں اندر خود با کسی ذریعے سے یہ بتا چل بھی گیا کہ ان کا لشکر فرات کا راستہ چھوڑ کر بادِ یہ شام کی طرف نکل گیا ہے تو وہ صحرایہ میں اس کے تعاقب کا خطرہ مول نہیں لیں گے جہاں زندگی کی کوئی ضمانت نہیں۔

صحرایہ سفر بلاشبہ مشکل خطرناک اور جو کھوں کا سفر تھا لیکن اس میں ذرا سی آسودگی کا ایک پہلو بھی تھا کہ یہاں کم از کم تعاقب اور گزرتاری کا اندیشہ نہیں تھا اسی وجہ سے

کے ساتھ وہ سفر کرتا اور آگے بڑھتا رہا۔

صحرایہ میں اونٹ ہی بہترین سواری ہے جس کی ٹانگیں لمبی اور پاؤں چوڑے ہوتے ہیں جو ریت کی لہروں سے چپو کی مانند گزرتے اور اسے دوڑنے میں مدد دیتے ہیں غالباً اسی لیے اونٹ کو "صحرایہ کا جہاز" کہا جاتا ہے۔ گھوڑے کے پاؤں نسبتاً کم چوڑے ہوتے اور ریت میں دھنس دھنس جاتے ہیں جس سے چلنے میں دشواری ہوتی اور رفتار بھی سست پڑ جاتی ہے۔ عباسیہ کے شاہی رسلے میں ایسے گھوڑے شامل کیے جاتے تھے جو میدانی اور پہاڑی علاقوں میں یکساں سفر کر سکیں، انہیں صحرایہ میں بھاگنے دوڑنے کی باقاعدہ تربیت دی جاتی تھی۔ اس بات کا بھی خاص خیال رکھا جاتا تھا کہ گھوڑے کے ٹھم چوڑے ہوں، چوڑے ٹھم والے گھوڑے نہ صرف بھاگنے میں تیز ہوتے، بلکہ صحرایہ میں بھی چھٹی سفر کر سکتے تھے۔

ابن حرب کا ہوا رسانی ٹیل کے انہی خاص گھوڑوں میں سے تھا اور تیز رفتاری میں عام گھوڑے ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ پھر بھی صحرایہ میں داخل ہوتے ہی اس کی رفتار بدل گئی تھی۔ صحرایہ بہت کچھ بدل جاتا ہے۔ چاند کی صورت، سورج کی تہارت، دھوپ کا رنگ، لوہاں رفتار، حتیٰ کہ مفر کے اپنے خیال و احساس کی دنیا تبدیل ہو جاتی ہے۔ ابن حرب نے صحرایہ بادِ یہ شام میں داخل ہو کر وہ کرلان ترک کے ٹکڑے سے نکل آیا ہے اور اب اس کی آگے خود کرلان کو معتقد ابو عباس جیسے بے رحم حکمران کا غلبہ جھگڑا ہو گا۔ تحفظ کا ایک لمبا سا احساس اس کے ساتھ ساتھ چلتا اور آگے بڑھتا رہا۔ چلتے چلتے چاند غروب گیا۔ لگا آجلا پھیلنے لگا اور اس کے عقب میں سورج نے طلوع ہو کر کائنات کے سارے منظر کو رنگت نیل کر دیا۔

صحرایہ میں پہلی رات گزارنے کے بعد وہ اس کا پہلا دن تھا اور صحرایہ اصول کے مطابق اس وقت تک چلتے رہنا تھا جب تک آسمان پر سورج چلتے اور زمین پر صحرایہ نہیں رہتا۔ وہ آٹھ میل صحرایہ میں گھس آیا اور ابھی تک کسی مشکل سے دو جاہ نہیں ہوا تھا اس لیے اسے زیادہ آگے جا کر پڑاؤ ڈالنا چاہتا تھا۔ یہاں بھی پہاڑی ٹیلے جو کہیں دو دو تین تین میل ہیں چھ چھ سات سات میل کے فاصلے پر ایستادہ تھے، راستے کی نشان دہی کرتے تھے اور وہ ہر ٹیلے کی بائیں جانب سے گزرا۔ طلوع آفتاب کے بعد تقریباً ایک پہر کے بعد وہ پیش قدمی میں چل کر آگے بڑھا۔ آخر ایک پہاڑی ٹیلے کی بائیں طرف رکھا اور گھوڑے

سے تر آیا۔

گھوڑے سے پانی کی پکھائیں، چارے دانے کا بچہ، سامان کی خرچیں اور زمین وغیرہ
 اتار کر کمرے سے نیلے کے سائے میں رکھا، ایک کپڑے سے تھوڑی دیر گھوڑے کا جسم مٹا اور
 رگڑا، اس صورت سے فارغ ہو کر چری توڑے میں اسے چارہ دانہ ڈال دیا۔ پھر اسے
 شانگلان کے عجی غماں نے پانی کی پکھاؤں کے علاوہ ایک چھٹا سا سائبان بھی سامان میں باندھا
 تھا نیلے کے پلوں میں سائبان تان کر ریت پر بندہ پکھایا اور اپنے پیٹ کی آگ بجھانے لگا۔
 صحرائی کسی صحرائی جانور کے علاوہ اور کوئی حشرہ نہیں تھا۔ کھانے سے فارغ ہو کر
 نے خود کو تھکیر کے حوالے کیا اور لیٹ گیا۔ رات بھر کا جاگا، مسلسل سفر سے تھکا ماندہ
 کی گرم اور جھلا دینے والی لٹ کے باوجود بڑی گہری نیند سویا اور اس وقت بہیار ہوا جب
 سورج کا سرخی ہائل سنہار تہ مغرب کے میدانوں اور غاروں میں اترنے والا تھا گھوڑے
 نیلے کی چھاتوں میں آرام کر چکا تھا۔ اسے تھوڑا سا چارہ دانہ اور کھلایا، پانی پلایا خود بھی سستو
 چترے کھائے، اچھا لگا سے پیاس بجھائی اور دن کی رخصت ہوتی روشنی میں پڑاؤ اٹھا دیا
 یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ اوپر شاہ کا سفر چاندنی راتوں میں پیش کیا تھا۔ دن کا اوج
 رخصت ہوا، آؤ چاند نے اپنی سیہیں تبدیل روشن کر دی اور چاندنی صحرانے ایک نئے منظر پیش
 کرنے لگی۔

اسے بوڑھے شانگلان کی بیان کردہ علامتوں کے مطابق مغرب کی سمت بڑھنے پر
 اور پہاڑی نیلوں کی بائیں جانب سے گزرنا، فقار، اہلہ دوسری رات سفر میں کچھ غیر معمولی باتیں
 نہیں گھوڑے کے ہر ریت میں دشمنی دھنس جاتے اس لیے وہ سفر میں دشواری محسوس
 کرنے لگا۔ ریت کی سطح پہلے سے زیادہ ناہموار ہو گئی۔ کہیں اونچی، کہیں اونچی۔ اونچی اونچی
 کیروں کے نشانات بھی کئی سمتوں میں سمجھنے لگے، جیسے ہوا یہاں سمتیں بدلتی رہی ہو۔
 صحرائی کا نقشہ تبدیل ہو رہا تھا، کچھ اور آگے بڑھا تو یہ تبدیل مزید نمایاں ہو گئی ناہمواریوں
 کے آثار چھوٹے دیکھ کر گلان ہوتا تھا گویا سمندر میں مد و جزر چل رہا ہو۔

رات کے میسر نے بہر ان نیلوں کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا جو بے راستے کے اس
 میں "نشانہ" کا نام دے رہے تھے۔ ان کی جگہ ریت کے تودوں نے لے لی جو
 واقع تھے لیکن جوں جوں آگے بڑھا، ان کے فاصلے گھٹتے اور چم بڑھتے چلے گئے ایک

کے توہم طرف تودے ہی تودے تھے، اونچے نیچے، چھوٹے بڑے، اونٹ کے کمران
 کی طرح ابھرے ہوئے، لمبوترے، جو تدریک چھیل کر باہم یوں شربے تھے جیسے بقیہ
 تھا اور بانہوں میں بانیں ڈالے کھڑے ہوں۔ یہ منزل جو نکال دینے والا تھا، غور سے دیکھو تو
 اس کی صورت بالکل بدل گئی تھی اور اب نقشہ ہی دوسرا تھا۔ وہ بادیہ شام کے اس حصے میں
 پہنچ گیا تھا جو جان جو کھوں کا حلقہ تھا اور آگے ریت کے تودے راسخ ہونے لگے تھے۔
 بوڑھے شانگلان نے ایسی کوئی صورت بیان نہیں کی تھی جو پیش کی گئی، وہ خود ہی سمجھتے
 تھے اس نے نصف صدی پیشتر صحرانے کو گھور کیا تھا جب کہ صحرانے کا نقشہ بدلتا رہتا اور ایک دن
 کا صوفان ایک ہی دن میں تودوں کی ہیئت تبدیل کر دیتا ہے۔ نصف صدی کے اندر نہ جہان
 بدلتا ہے اس میں کچھ بدل گیا ہوگا مگر حال اسے اس صورت حال کا متاثر کرنا اور آگے بڑھنا تھا۔
 ایک جگہ رک کر اس کا بغور جائزہ لیا۔ اس تاروں کا نقشہ دیکھا، گردن و سر عقب
 پر نظر ڈالی پھر سمت کا تعین کر کے تودوں کے درمیان سے چاند کے پیچھے چھپے، قدم قدم
 لگے رخسار تودوں کا بہ سنگ مسلند اس وقت غم ہوا، جب چاند اس کی نظروں کے سامنے
 دوبارہ نمودار تھا چار پانچ میل کا یہ سفر تنہائی دشوار گزار ثابت ہوا۔ ریت کے تودے
 پہلے آگے بھی کھڑے تھے تاہم ان کے درمیان سے گزرنے کا راستہ موجود تھا۔ صبح کے
 پہلے میں صحرانے کا نقشہ دیکھا تو اس کی ہونٹوں کا اندازہ لگا کر خوف کی ایک لہر خون کے ساتھ
 دل کو لگی رہا تھری وحشت انگیز خاموشی اور اپنی تنہائی کا احساس بھی دل میں جاگ اٹھا۔
 سورج طلوع ہو چکا تھا غار طلوع آفتاب نے صحرانے کے منظر کو ایک بار پھر تبدیل کر دیا۔
 اس وقت اور دن کے سفر میں تنہائی کا مشترک اس میں روح کو جس دم تھا۔ ہونٹ کا خاموشی
 کی اس میں پیدا کر رہی تھی، اور آسمان خاموش تھا۔ سورج کی زبان پر قفل لگے تھے۔
 اس کی کوئی گمان سے شعاؤں کی صورت جو آتشیں تیر مر ہو رہے تھے۔ ان میں بھی کوئی
 ہلکا سا مراہٹ نہیں تھی۔ نیچے زمین خاموش تھی۔ عجب عجب، شام اور مشرق اور دن
 کے کناروں تک پھیلا گونگا صحرانے تھا۔ ریت کے اونچے نیچے تودے، جو
 رومانی دور کے بڑے بڑے کچھوے معلوم ہوتے تھے، دم سادھے چپ چاپ
 کے منظر کی مشقت میں اضافہ کر رہے تھے۔ اتنے وسیع عظیم صحرانے کو گزشتہ دنوں
 کو بھی کوئی آواز پیدا کیے بغیر گزر رہی تھی۔ البتہ اس کے خاموش جھونکے ریت کے تودوں

بہرے، اپنا حق تو کیا پھر رکاب میں پاؤں رکھ کر دوبارہ گھوڑے پر سوار ہو گیا، اور عرب کے ایک قدیم شاعر کا شعر پڑھنا ہوا اگے بڑھاتے

وَلَمْ يَكُنْ لِي الْخَطُوبُ أَشَدَّ وَتَعَبًا

وَأَصْعَبَ مِنْ مُعَاذَاتِ السَّجَالِ

زاد میں نے حوادثِ زمانہ میں لوگوں کی دشمنی کو کسی واقعے سے زیادہ سخت اور شدید نہیں پایا

اسی طرح اُس نے صحرا کے وحشت انگیز سناٹے کو الفاظ اور آواز سے توڑنے کی کوشش کی اور ماحول کی سنگینی کو ذرا ابدستے کا جتن کیا لیکن وہاں دشوار گزار توڑوں، جلتے سورج، چڑھتی دھوپ، بڑھتی جدت، گرم ہوا، حدِ نظر تک اجل گرفتہ تمنائی اور صحرا کی ہولناک تنہا کے سوا اور تھا ہی کیا

اذیت ناک ماحول میں اذیت ناک سفر جاری تھا مگر کل کی طرح طلوعِ آفتاب کے بعد یہ سفر ایک پہر تک دہل سکا۔ اُس کا رفیق سفر بھی مزید اذیت برداشت نہ کر سکتا تھا ایک بڑے ٹودے کے پاس جو شمالاً جنوباً خاکستری پہاڑی کی مانند دو دو رنگ پھیلا تھا اُس نے گھوڑا روک لیا۔ آسمان گرم، زمین گرم، گڑا کے کی دھوپ، نزدیک و دور کہیں سید نہ تھا اُسے کھلے آسمان اور آگ برسنے سورج کے نیچے قیام کرنا پڑا۔ چھوٹا سا سائبان صرف اُسی سو دھوپ سے پناہ دے سکتا تھا لیکن سائبان تلے ہی وہ گرم ٹودے محفوظ نہ تھا، گھوڑے کو چاروں طرف ڈال کر، پانی پلا کر اور خود بھی کھاپی کر سائبان کے نیچے بندے پر بیٹھا تو صحرا کی خوف انگیز تمنائی اور بھیا تک ”چپ“ اجل کے قاصد کی طرح ارد گرد چکر کاٹنے اور اس کے احساس کو اپنی چادر میں پٹینے لگی۔

کتنا بھیا تک اور خوف ناک سناٹا تھا۔ پھر رُج کے سفر اور کٹھن راستوں کا خیال آیا۔ توہی باریا دیہ شام کی ہولناکی کا احساس ہوا۔ اسے صحرا میں ابھی مزید کئی دن سفر کرنا اور کئی ہفتوں سے گزرنا تھا باریہ شام کا وہ حلقہ توڑوں کی اس دیوار تک جہاں زمین اونٹ کے کہان کی طرح ابھری ہوئی اور شمالاً جنوباً چھ سات میل تک چلی گئی تھی، بے حد کٹھن اور خطر ناک تھا۔ اُجی تو اُس حلقے کا آغاز ہی ہوا تھا۔ ناگہاں ایک صحرائی بگولا اڑتا مبر ترے ٹودے کے قریب آیا اور اُس کے سائبان کے چھوڑا گزر گیا۔ ساتھ ہی ایک تیز سرسراہٹ نے صحرا کا بھیا تک سکوت

اور ریت کی لہروں سے ٹکرا کر جو بے معلوم سا ارتعاش پیدا کر رہے تھے، اُس سے محراب کی ہولناک سنسنی کا احساس کچھ اور بڑھ گیا تھا اور ”خاموشی کی وحشت“ دل درمنا میں شگاف ڈال رہی تھی۔ اس وحشت انگیز خاموشی میں یہ خیال کہ وہ اتنے عظیم صحرا میں تنہا ہے اسے مزید ہراساں کر رہا تھا۔

دن کی روشنی اور شعلے برساتی دھوپ میں صحرا ہولناک نظر آنے لگا۔ کوسوں تک کہیں روئیدگی، کوئی درخت، کوئی بھٹی، کوئی تھوہر بھی نہ تھا۔ آسمان پر جتنا سورج، زمین پر تپنا ریگستان اور ان کے درمیان گردش کرتی بادِ سموم جس کی جلن سے حلق میں کانٹے سے چسبہ رہے تھے۔

سورج بلند ہو رہا تھا، دھوپ تیز ہو رہی تھی۔ مقاومت بڑھ رہی تھی۔ صحرا کی دہلیز میں گرم ریت چنگا ریلوں میں بدل رہی تھی اور ہزاروں مربع میل کے ریتے تک وسیع جلتے تپتے گڑے صحرا کے اندر وہ تنہا سفر کر رہا تھا، جہاں اُس کے ساتھ کم کلام ہونے اور بات کرنے والا کوئی نہ تھا۔ خاموشی اور تمنائی کی اذیت کا احساس بڑھنا جاری تھا۔ چلتے چلتے سوچنے کا کہ کیوں نہ خود بخود بولنا یا گانا شروع کر دے۔ پھر خیال آیا، کہیں یہ ذہنی لوگ اور دیوانگی کا اثر نہ ہو۔ اس ہولناک صحرا میں اُسے بہر حال اپنے آپ کو سنبھال کے رکھنا تھا تاہم عرصہ پر اثر انداز ہونے والی بھیا تک تمنائی اور وحشت ناک خاموشی کا دباؤ کم کرنے کے لیے وہ گھوڑے ہی سے مخاطب ہوا اور اُس کی گردن تھپتھا کر ذرا بلند آواز میں تاکہ چپ کی وحشت دور ہو سکے، معذرت خواہانہ لہجے میں بولا ”یہ سنی بہت کڑی دھوپ ہے، بڑا کٹھن سفر ہے مگر گھبراہٹ نہیں۔ دشمنوں سے بچنے کے لیے یہی ایک راستہ باقی تھا۔“

گھوڑے نے اپنے خرخرت کیا پھر امننا کر جیسے ہنسکا را بھرا۔ وہ سمجھا کہ اُس کی بات کا جواب دے رہا اور کچھ کہہ رہا ہے۔ چند قدم چل کر اس نے گھوڑے سے ایک اور سوال کیا ”تو میں پیاس تو نہیں لگی؟“ پھر خود ہی بولا ”اُس جہنم میں پیاس تو لگ رہی ہوگی۔“ ٹھہر دینا پانی پلاتا ہوں۔“

گھوڑے کی باتیں کچھ نہ کہ وہ وہیں ٹوک گیا اور تیجے اُتر آیا۔ کچھال سے توڑے میں نفوٹا سا پانی نکالا اور گھوڑے کے منہ سے لگا دیا۔ جانور پر چمچ پیاسا تھا۔ پانی پی کر بھر ہنسا، جیسے شکر یہ ادا کر رہا ہو۔ اُس کے اپنے حلق میں بھی کانٹے چبھ رہے تھے۔ چھال سے دو ٹوک

جلیل رہے تھے۔ گرد باد کے حلقوں میں اڑتی اور گردش کرتی ریت آتشیں بھڑکی طرح اس کے جسم سے ٹکراتی تو چہرہ مجلس جاننا اور ہر سانس کے ساتھ ریت نفعوں میں بھی گھس جاتی، جس سے سانس تک لین دشوار ہو جاتا۔

ابن حرب کے ستارے اچھے تھے کہ معاملہ مصر کے جھگڑوں اور جگہوں سے آگے نہ بڑھا۔ اس کے تصور میں بھی نہیں تھا کہ بادِ یثام کا سفر اتنا کٹھن اور ہولناک ہوگا، جہاں موت زندگی کے ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ ان تمام صورتوں، مشکلوں اور دشواریوں کے باوجود اس کا سفر جاری تھا۔

دن کو چلتے آسمان کے نیچے کہیں رکنا، ٹھہرنا اور راتوں کو چلنا وہ چھٹے روز تو دور کی اس دیوار تک جا پہنچا جس کے بارے میں بوڑھے شادگان نے بتایا تھا کہ وہاں صحرانہ خطرناک حلقہ ختم ہو جاتا ہے لیکن مسلسل چار دن سفر کی ہولناک صعوبتیں اٹھاتا، سختیاں جھیلتا، صحرائی اثرات سے لڑتا، جان چوکوں میں ڈالتا وہاں پہنچا تو چہرہ اترا ہوا، حلیہ بگڑا ہوا، بدن بیمار سے پتلا ہوا اور ذہن صحرانہ ہولناکیوں سے منتشر ہو چکا تھا۔ وہ دیوار بے شک نہیں ہوا لیکن حالت دیوانگی سے قریب تر ضرور تھا۔ گھوڑے نے اتارنے ہوئے لرھڑکا گیا۔ اگر زمین اس کے ہاتھ سے بھگ جائے تو بڑی طرح تپتی ریت پر گرے گا۔ اس بق ودق صحرائیں کوئی سنبھالنے والا بھی نہ تھا۔ وہ خود ہی محنت کر کے سنبھلا اور دیوار کے پاس ہی پڑا ڈال دیا۔

رند بہت کم رہ گئی تھی۔ پانی کا ذخیرہ بھی ختم ہو رہا تھا اس سے نہ چھوٹے کا بیٹ بھر سکا، نہ اس کی اپنی پیاس بجھی۔ بجیسرہ مردار کے جنوب مغربی حلقے تک پہنچنے کیلئے ابھی تین دن کا سفر باقی تھا لیکن کچھال میں زیادہ سے زیادہ ایک دن کے پینے کا پانی بچا تھا۔ اس کے اپنے زادراہ میں صرف ایک ٹمٹھی ستور اور گنتی کے حرف دس گیارہ نمبرے رہ گئے تھے۔ رند اور پانی کی حالت تشویشناک تھی۔ اگر خود بیمار تھا، تو گھوڑے کی حالت بھی ابتر تھی اور وہ مزید سفر کے لائق نہیں تھا لیکن سفر تو بہر حال لازمی تھا بیمار کو دوسرے دن کو بھی آرام نہ کر سکا۔ دوسرے سورج کے ساتھ پڑا ڈال دیا۔ ریت کے آلودگی کی دیوار اتر کر دوسری طرف پہنچا اور شام کے چھٹے میں سفر پھر شروع ہو گیا آسمان چاند اگرچہ ذرا دیر سے طلوع ہوا مگر چاندنی میں سفر نسبتاً آسان تھا۔ چاند اور وہ دونوں ایک سمت بڑھ رہے تھے۔ بادِ یثام کا خطرناک حلقہ پیچھے رہ گیا تھا۔ اب سفر زیادہ دشوار

نہ نہ رہا۔ یہ سرسبز مٹ کسی خطرے کا اعلان کرتی نہ گئی۔ وہ بدحواس ہو کر سائبان سے نکلا اور پکٹا ہوا تودے کی بلندی پر پہنچ گیا۔

مغرب کی جانب جدھر اُسے جانا تھا۔ ریت کے بے ترتیب تودے بھول بھلیوں کی طرح قدر نظر تک پھیلے تھے اور اُن تودوں کے درمیان مصرعے گزراؤں جھک چکے تھے جن سے فضا گدی ہو رہی تھی۔ سواتند بگولوں کی شکل اختیار کر کے بطن صحرائیں چکر کاٹ رہی اور ریت کو اپنے ساتھ اڑاتے پھرتی تھی۔ یہ منظر دیکھ کر اس خیال سے لرھڑکا کہ "ریگ رواں" کا طوفان چلنے والا ہے، جو مسافر کو زندہ ہی دفن کر کے اُس کے جسموں کو ریت کی ڈھیریوں میں تبدیل کرنا ہو اگر جاتا ہے۔

ابن حرب بادِ یثام کے انتہائی خطرناک حلقے کو یا بطن صحرائیں پہنچ چکا تھا، جہاں سرسبز ریت کے طوفانوں سے پناہ کی کوئی جگہ نہ تھی اور یہی بات خوف و ہراس کی اصل وجہ تھی جس نے قلب و ذہن کے ساتھ جسم پر بھی دہشت کی کپکپی سی طاری کر دی۔ وہ چلتے سورج کے نیچے جو عین سر پر آگیا تھا، تودے کی بلندی پر کھڑا مغرب کی طرف دیکھتے ہوئے صورت حال کا جائزہ لیتا رہا مگر محول میں مزید کوئی تبدیلی نہ ہوئی، جب کہ ریگ رواں کا طوفان بڑی تیزی سے آگے بڑھتا اور اُس کی رفتار عام جھگڑوں اور گھوڑوں سے کئی درجے تیز ہوتی ہے۔ اگر مغرب کی جانب کسی طوفان کا خطرہ ہوتا تو اس وقت تک صحرانہ خطرناک حلقوں اور طوفان کی لرزہ خیز شوکار میں غرق ہو چکا ہوتا، پھر مغرب کی جانب بگولوں کا یہ وحشیانہ نقص کیسا تھا، اُس نے سوچا، صحرائوں میں عام طور پر جھگڑا چلتے اور بگولے اُترتے رہتے ہیں۔ بادِ یثام کا واسطی حلقہ بھی اپنے طبعی عمل سے دو چار ہے جہاں ہوا کی گردش تیز اور خطرناک ہے۔ پھر بھی یہ خیال بڑا مدوح فرسا تھا کہ ابھی اُسے صحرائے خطرناک ترین حلقے سے گزرا اور ان تند بگولوں کے درمیان سفر کرنا ہے جو ر ہوا اور سوار دونوں کے لیے خطرناک ہوں گے۔

یہ خیال غلط نہ تھا، آگے صحرانہ خطرناک حلقہ بالکل بدل ہوا اور آفات ارضی کا ایک نیا حلقہ کھلا ہوا تھا۔ اس حلقے میں سفر انتہائی مشکل ثابت ہوا۔ سورج بھیٹی میں سرخ کیے ہوئے آتشیں قرص کی مانند آگ برسا رہا تھا۔ دھوپ دیکتی سلاخیوں کی طرح جسم میں اتر رہی تھی۔ ادنیٰ نیچے نیچے بائیں میں بائیں ڈالے، اس طرح سدا رہا تھا، جیسے آگے نہیں بڑھنے دیں گے۔ گرم ریت میں گھوڑے کی ٹانگیں پھنس پھنس جاتی تھیں مصرعے کے جھگڑاؤں اور تند بگولے ر ہوا کے ساتھ سوار کو بھی بچے

نہ تھا۔ پھر بھی بیمار سے پچھلے بدن کے ساتھ گھوڑے کی پشت پر بیٹھنا دو بھروسہ ہو رہا تھا۔
اس نے سمت کا تعین کر کے رہ ہوا کہ اس کی مرضی پر چھوڑ دیا۔ رات صبح کے سفر میں گزری
اور ساتویں روز جب سورج اس کے عقب میں طلوع ہوا اس کا گھوڑا صبح کے عیشے سے
گزر کر ایک چیل وادی میں داخل ہو رہا تھا۔



۹ بنی کلب

شاہگان کی بتائی ہوئی علامتوں کے مطابق صبح اسے پہل کر ایک چیل وادی میں داخل
ہونا تھا، جہاں چند میل کے فاصلے پر ایک پہاڑی تھی اور اس پہاڑی میں ایک ویران اور شکستہ
حصے کے آثار تھے۔ وہ عمارت ایک پہاڑی کے پتھر تراش کر بنائی گئی تھی۔ ابن حرب کو اب
اسی خانقاہ کی تلاش کر کے اسی میں پناہ ڈالنا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ حجر کے علاقے میں
داخل ہو چکا ہے۔

چیل وادی اپنے کناروں تک بڑے وسیع رقبے میں پھیلی بالکل ویران سناں پڑی
تھی۔ وہاں ان بدوی قبیلوں کے لیے بھی دل چسپی کا کوئی سامان نہ تھا، جو کھنے آسان کے نیچے
سنبھال سکتے ہیں۔ قرب و جوار میں کسی نخلان کے آثار نہ تھے، دور دراز تک پانی کا نام نہ
لگتا تھا۔ چاروں کھوٹ وحشت ویرانی برس رہی تھی، شاید اسی لیے کسی صحرائی قبیلے نے
اسے اپنا مسکن نہیں بنایا تھا۔

سب سے اہم بات غائب یہ تھی کہ وادی نام صحرائی گزرگاہوں سے بہت ہلکے
دفعہ تھی۔ لوٹ مار پر گزر بسر کرنے والے صحرائی قبیلے بھی تو مایہ سے عبادت مقامات پر بھی لگاتے
تھے، جو گزرگاہوں اور شاہراہوں سے قریب ہوتے صحرائی (کاؤڈا) مسافروں یا چھوٹے
جگہ کے قافلوں کو جو حفاظتی حلقہ ساتھ لے کر نہیں چلتے تھے، لوٹ لینا قبائلی دستورِ فعل تھا
وہاں اچانک وادی کسی ایسی وجہ سے محروم اور صحرائی ٹیڑوں کے مطلب کی بھی نہیں تھی۔

گھوڑے سے اتر کر اس کے دروازے کے ایک چوکھٹے سے اندر چھلکا تو فرشتہ
گرد و غبار سے اٹا ہوا اور دیواروں، خرابوں، چٹانوں میں جانے ملتے دکھائی دیے۔ اندر
داخل ہونے کا خیال ترک کر کے معبد سے مٹی ایک ٹیلے کی دیوار کے سائے میں قیام پزیر
بچھا۔ رسد کی حالت پچھلے پڑاؤ ہی سے تشویشناک ہو گئی تھی۔ گھوڑے کے پیٹے کے لیے
صرف ایک وقت کا پانی بچا تھا۔ چارہ دانہ ایک دقت کے لیے بھی کافی نہ تھا اور ابھی "حلتہ
اشتر و الصیف" کی عرب شاہراہ تک اندازاً اڑھائی تین دن کا سفر باقی تھا۔ بچے ہوئے
چارے دانے اور پانی پر گزارا کیا اور غندے پر لیٹ گیا۔ لیٹے ہی ہولناک تنہائی اور
اذیت ناک خاموشی نے اس کے ذہن کو جکڑ لیا اور وہ چشم تصور میں عجیب و غریب وحشت خیز
منظر دیکھنے لگا کہ دیوانگی میں لگا دیتا۔ بھٹک رہا اور صحرا کی بھیا تک "چپ" بھوکے بھیرے
کی شکل اختیار کر کے بچھا کر رہی ہے۔

معلوم نہیں وہ صحرا کی غمزدگی مٹی یا سوتے سوتے کوئی خواب دیکھا تھا کہ ہرگز اگر اٹھا
دل و دماغ سے خوف کی لہر گزر رہی تھی جسم پر لوزہ طاری اور بخار تیز ہو چکا تھا جس میں ذہن
ذہنی کیفیت سے دوچار ہوتا اور عجیب و غریب منظر دیکھتا ہے۔ خیال آیا کہ اسے طراغ
اذیت ناک خاموشی اور تنہائی کے حلقے سے نکل جانا چاہیے ورنہ شدید بخار کی حالت میں
سفر نہیں کر سکے گا۔ رسد بھی پاس نہ تھی اور شکیزے کا پانی بھی ختم ہو چکا تھا۔
یہی سوچ کر سفر کے لیے تیار ہو گیا۔ بخار کی شدت سے جسم پر بار بار کپکپی طاری ہوتی
جو تپ لہزہ کی علامت تھی اور سفر میں طبیعت تیارہ بگڑ جانے کا اندیشہ تھا۔ بیماری کی
حالت میں وہاں مزید قیام زیادہ خطرناک ہوتا، جہاں نہ علاج کی کوئی صورت تھی، نہ خوراک کی
نہ پانی تھا بلکہ صحرا کی مانند ہولناک تنہائی اور وحشت انگیز خاموشی مٹی جو حواس کو مضطرب
رہتی تھی۔

سورج مغرب مٹی پر اپنی آخری تھانہ تک بچھ رہا تھا، جب اس نے رکاب میں پٹوں
دکھا اور ٹیلے کی شکن دیوار سے نکل کر جدھر معبد کے آثار تھے، مغرب کی سمت کی بلندی پر
ایک ایک کرک کرک مشرق کی جانب عقیقی وادی اور پرے صحرا پر نظر ڈالی جسے عبور کرنا پڑا
تو کم و بیش تین میل دور ایک حیرت انگیز منظر دیکھ کر دنگ رہ گیا۔
بادیہ نام کے حوادث کا مارا ہوا ایک چھوٹا سا خانقاہ صحرا کے حاشیے سے گزر کر چیل

ابن حرب کو اس وادی میں دس تین میل اندر گھس کر ایک پہاڑی سلسلہ تلاش کرنا تھا۔
جہاں کسی ویرانہ و شکستہ معبد یا ایک خانقاہ کے آثار تھے۔ لوگ اس وادی سے دور بھاگتے
تھے، جب کہ وہ ابن حرب کے ہولناک سفر کی ایک منزل تھی۔ اس کا جسم بخار سے چمک رہا تھا
گرمی اور پیاس کے مارے حلق میں کانٹے سے چبھ رہے تھے، گھوڑے پر بیٹھا دشوار ہو
رہا تھا۔ گھوڑا ابھی جو اسے ناقابل عبور صحرا سے نکال لایا، بڑا تھکا ماندہ اور کسی جگہ قیام اور آرام کے
لیے بے چین ہو رہا تھا لیکن چیل وادی میں اس کے پڑاؤ کی جگہ پہلے سے متعین تھی۔ وہ اسی جگہ کی
تلاش میں تھا جس کے لیے کسی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ صحرا کے حاشیے کو چھوڑ کر کوئی دو چل
میل آگے بڑھا، ہو گا کہ دور ایک جانب پہاڑی سلسلہ نظر آیا۔ اور اس نے رہوار کا رخ اسی
جانب موڑ دیا۔

وہ سلسلہ ایک لمبوتری، بڑی چٹان اور اس کے اس پاس پہلے چند ٹیلوں پر مشتمل
تھا۔ شمالی جانب اسے معبد یا خانقاہ کے آثار بھی مل گئے اور یہ دیکھ کر حیرت زدہ سا رہ گیا
کہ وہ عمارت جو صدین پہلے ایک چٹان کو تراش کر بنائی گئی دو منزلہ تھی۔ اس کی بیرونی دیوار
اوپر نیچے دوہری تھی، دروازے اور دریچے جیسے نیچے کی دیوار میں تھے، ویسے ہی اوپر کا
دیوار میں بھی تھے، جو سب کے سب شمال کی جانب کھلتے تھے اور کھلے تھے کیونکہ اس
ان میں کوئی گواہ موجود نہ تھا۔ بے کواڑ
گئے تھے اور ان کے رخ شمال کی طرف رکھنے میں حکمت یہ تھی کہ طوع و نحر سب کے اوقات
میں دھوپ اندر نہ آ سکے۔ بعض عیسائی راہب اسے عسائی دور کی خانقاہ قرار دیتے تھے
حالانکہ وہ ظہور عیسا بیت سے بہت پہلے کی یادگار اور غالباً قوم ثمود کے فن سنگ تراشی
کا نمونہ تھی۔

ویران معبد کے آگے صحن تھا، جو امتداد زمانہ سے جوہر کی شکل اختیار کر گیا تھا اس
میں برسات کا پانی جمع ہوتا اور دھوپ میں مڑ مڑ کے خشک ہو جاتا، ہو گا جن لوگوں نے بھی چٹان
کو تراش کر عمارت بنائی تھی بلاشبہ وہ اپنے فن میں یکتا تھے مگر آبادیوں سے دور ایک
ویران چیل وادی میں لمبوتری چٹان کو تراش کر معبد کی صورت میں جو حالے کی کوئی وہ
وہیں میں نہ آتی تھی۔ اس نے سوچا، ممکن ہے کسی زمانے میں وہاں کوئی اہم واقعہ پیش
آیا ہو جس کی یاد کو تازہ رکھنے کے لیے یہ معبد بنایا گیا۔

داوی میں داخل ہو رہا تھا اور یہ منظر حیران کر دینے والا تھا۔ ایک سو ایک سالہ بوڑھے شائگان کے بیان اور اس کی اپنی معلومات کے مطابق کوئی قافلہ بادیہ شام کے اسی خطرناک علاقے میں سفر نہیں کرتا تھا وہ تو فی الواقع ”موت کی رہگزر“ تھی، جسے وہ محض خوبی تقدیر سے عبور کر آیا تھا ورنہ اس علاقے کا رخ کرنا، زندگی داؤ پر لگانے والی چال تھی۔ پھر وہ لوگ کہہ کر سے ٹپک پڑے تھے؟

دراغور سے دیکھا تو قافلہ گنتی کے چھ ازبکوں پر مشتمل تھا جن پر چھ ہی سوار تھے سب سے اگلا شتر سوار یقیناً میر قافلہ ہوگا، جس کا سیاہ عمامہ اسے دوسروں سے ممتاز کر رہا تھا۔ نہ جانے ان لوگوں پر کون سی افتاد آپڑی تھی کہ صحرا کا سب سے کٹھن راستہ اختیار کرنے پر مجبور ہوئے؟ فاصلے کے باوجود صاف پتہ چلتا تھا کہ جو کھوں کے سفر نے انہیں اندھا حال کر دیا ہے کیوں کہ اونٹ بڑے تھکے ماندے اور شتر سوار بے حد مضطرب نظر آ رہے تھے۔

ابن عرب نے سوچا۔ وہ خود بخار میں مبتلا ہے، اسے بدانی ختم کر چکا ہے کیوں نہ نہ کہ قافلے کا منتظر کرے جو اسی ہٹاری معبد کی طرف آ رہا ہے اور بغیر راستہ اہل قافلہ کے ساتھ مل کر طے کرے۔ وہ لوگ ضرور اس کی دیکھ بھال کریں گے اور سفر آسانی سے گت جائے گا یہی سوچ کر ذہن پھر اہل قافلہ میں الجھ گیا کہ کون ہیں؟ وہ صحرائی ڈاکو بھی ہو سکتے ہیں جو قافلوں کی تلاش میں بیٹھتے رہتے ہیں اور اس کی ہیمیانی میں جو کھر سے بندھی تھی، سونے کے ایک مچھوٹا تھکے۔ ناگماں یاد آیا جب وہ بغداد کے قبرستان شونیز سے نکلا اور اس پر وہاں ہوا تو اس نے دھاوا کرنے والے شاہی سواروں میں کز لان ترک کے سر پر سیاہ عمامہ دیکھا تھا۔

اس خیال کے ساتھ ہی بدن میں سنسنی دوڑ گئی کز لان ترک کے ہمراہ پانچ سوار تھے چٹا وہ خود تھا اور اس نے والا قافلہ بھی چھ شتر سواروں پر مشتمل تھا جو صحرائیں اس کا کھوج لگاتا اور عربی اصطلاح میں ”شیر ایا نشبو“ یعنی نقوش پلندہ رکھتا ہوا اگے بڑھ رہا تھا اب جو پوری توجہ سے نظر ڈالی، تو وہ اسے والوں کو اچھی طرح پہچان گیا۔ وہ کز لان ترک اور اس کے ساتھی ہی تھے، جنہوں نے گھوڑے غالباً فرات کی کسی بستی میں چھوڑ کر اونٹ حاصل کر لیے تھے اور یہ سراٹھا لگا کر کہ ان کا شکار بادیہ شام کے کٹھن راستے فرار ہوا ہے خود بھی اونٹوں پر بھلے گئے اور ساتویں روز غروب آفتاب سے نصف پہر قبل بنائے شائگان

کے مانند اس کے عقب میں غوروار ہوئے تھے۔

حقیقت کے اس انکشاف پر اس کا دل دھک سے رہ گیا جیسے برق آسانی ٹوٹ پڑی ہو، جیسے موت نے عقب سے آیا ہو۔ بس قیامت کا ایک ”خاموش کرکٹ“ تھا جس سے پورا جسم لرز اٹھا اور یہ اندیشہ راسی سہی طاقت کو بھی پامال کرنے لگا کہ خفیہ کے ہر کارل کو بادیہ شام کے سفر کی اطلاع کرے بستی کی بستی میں بوڑھے شائگان یا پھر اس کے عجیب غلام ہی سے ملی ہوگی۔ جیسی کز لان ترک اپنے سواروں کے ہمراہ قدم بہ قدم اس کے عقب میں آ رہا تھا۔

حیرت کا ایک سکہ تھوڑا سا پر گزر گیا اور اسی سکے کی حالت میں کھڑا آنے والی کو چیل داوی میں داخل ہونے دیکھتا رہا۔ یہ انکشاف ہڑا لرزہ خیز تھا کہ کز لان ترک آپہنچا ہے۔ معاملے کی یہ صورت انتہائی سنگین تھی کہ اس نے بادیہ شام کے ناقابل عبور حصے میں بھی قافلہ جاری رکھا گویا اسے گرفتار کیے بغیر ٹوٹنے والا نہیں تھا۔

اچانک خیال آیا کہ عراق سے یہاں تک کا علاقہ جس میں تقاتب کا یہ سنگین معاملہ پیش آیا اور اصل عباسیہ بی کی عمل داوی میں تھا جس پر ان کے سپاہ پرچم سایہ کن تھے اتنی طویل اور جو کھوں کی مسافت طے کرنے کے باوجود وہ خطرے کی سرحد عبور نہ کر سکا اور اب صرف اسی صورت میں محفوظ ہو سکتا تھا، جب حجر کے علاقے سے گزر کر فلسطین اور مصر میں داخل ہو جائے۔

یہ ایک ایسی خوف ناک حقیقت تھی جس کے ایک ہی جھٹکے سے وہ ساری خوش نوجاں بھلا چور ہو کر بکھر گئیں جن سے دل کو جھلکا ہوا تھا کہ بادیہ شام کا سفر اختیار کر کے وہ محفوظ ہو جائے۔ یہاں کہ خطرہ تو بچھے ہی بچھے بھاگا آ رہا اور خفیہ مقصد کا سنگ دل افسر پوری سفلی کے ساتھ اس کے قاتل میں تھا۔ یہ طویل قاتل کز لان ترک کے خطرناک عمامہ کا ٹھکانا ثبوت اور اس امر کا واضح اظہار تھا کہ ابن عرب کو زندہ یا مردہ گرفتار کر کے دربار میں پیش کرے یا خود مقصد کے تہر و قاتل کا شکار ہو جو ہر قیمت پر اپنے احکام کی تکمیل چاہتا تھا۔ یہ بات ابن عرب کی قافلتھا کہ اگر کز لان ترک حکم کی تعمیل نہ کر سکا تو اس کی بقیہ زندگی کسی زندان میں اڑیاں گزرتی۔ دوسرے نظروں میں یہ ساری بھاگ دوڑ اس کی اپنی موت یا کز لان ترک کی زندگی کے برعکس تھی۔ نہ کہیں ہی اس بات کا فاصلہ ہوتا تھا کہ ان دونوں میں سے موت کسے چھپے کر

لے جاتی اور زندگی کس کا ساتھ دیتی ہے۔

یہ تھا اس تعاقب کا مقصد و مقوم، جس نے ابن حرب کو لرزادیا کیوں کہ اس حالت میں جب بادئیہ شام کے ہونک سفر نے اُسے کمزور کر دیا اور نیزہ بخار نے اپنے شکم میں جکڑ رکھا تھا، وہ ہر یک وقت چھ دشمنوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا کیوں جس طرح پہلے اُن کے گھیرے اور دھاوے سے بچ نکلا اور ایک طویل فاصلہ قائم رکھا تھا اُسی طرح اب بھی وہ فاصلہ بڑا رہا تھا کہ لان ترک اور اُس کے ساتھی کم و بیش تین میل دور تھے۔ خوش نصیبی کی دوسری بات یہ تھی کہ اُس نے ٹپکے کی بلندی اور پتھروں کی آدم سے اُنہیں کھٹے منظر میں کتے دیکھ لیا۔ جب کہ اُنے والے اُسے نہ دیکھ سکے اور غالباً اُس خوش نصیبی میں مبتلا تھے کہ ان کا شمار ویران معبد میں غفلت کی نیند سوراہا ہوگا، جسے وہ بڑی آسانی سے دلوچ لیں گے۔ پس یہی ایک بات ابن حرب کے حق میں جاتی تھی کہ وہ اُن کی آمد اور حربے سے آگاہ ہو چکا تھا اور ہوجال پرندوں کی نظروں کے سامنے پھرایا جاتا ہے وہ اُس میں نہیں پھنستے بلکہ بیک کر نکلی جاتے ہیں۔ ابن حرب کو بھی وہاں سے نکل جانا تھا۔

اُس نے اپنے حواس درست کیے۔ گھوڑے کی گردن پر تھکی دی اور تیزی سے باگ موڑ کر اُسے مخصوص ایڑ لگائی جو خطرے کی علامت تھی۔ پھر گھوڑے کو مغرب کی جانب سرپٹ چھوڑ دیا کہ لان ترک اور اُس کے ساتھی ابھی معبد سے دور تھے اور ویران دلی میں گھرے سناٹے کے باوجود اُس کے بھاگتے دوڑتے گھوڑے کی ٹاپیں نہیں سن سکے ہوں گے۔ کئی دنوں کے سفر کا تھکا ماندہ جانور، لگام کے جھٹکے اور خطرے کی ایڑی کا اشارہ سمجھ کر ایک بار پھر اُسی رفتار سے بھاگا اور اُٹاٹا نا معبد کے حلقے سے نکل گیا۔ سورج غروب ہونے میں ابھی کچھ دیر باقی تھی اور جب تک شام کی ٹپکی زلفیں کھلتیں وہ اس چٹیل وادی سے نکل سکتا تھا۔

کران ترک یقیناً یہی سمجھتا ہوگا کہ اُس کا شمار صحرا سے نکل کر جب ویران معبد میں پہنچے گا تو یہ ٹکری کی نیند سونے کا گین کہ ابن حرب کو وہاں نہ پا کر اور قیام کے نشانات دیکھ کر اُس کے دل و دماغ پر کیا بیت لگی اُس نے خود بھی وہی قیام کیا یا اُسی طرح پیچھے بھاگا تھا کہ مفرور کس دور نہ نکل جائے، ابن حرب کو ان بالوں کا کوئی علم نہیں تھا، نہ اُس نے اپنے پیچھے تعاقب کی دھمک سنی۔ وہ تو اُس اتنا مانتا تھا کہ ایک بار پھر بچ سکنے کا موقع مل گیا ہے۔

اور وہ موقع بڑا نیکمت تھا۔ البتہ اُس مرتبہ دشمن اور ٹپکوں پر سوار تھا جو صحرا میں تیز بھاگتے ہیں اور اُنہیں کے اپنے پیچھے رساے کا وہی گھوڑا تھا کہ کئی روز کے لگاتار سفر کا تھکا ماندہ اس لیے یہ اندیشہ ضرور لاحق رہا کہ دشمن کہیں عقب سے ناگاہ چھٹ کر یا پھندہ ڈال کر اُسے پکڑ نہ لے لیکن تربیت یافتہ فوجی گھوڑے نے ایک بار پھر ثابت کر دیا کہ وہ لائق اعتماد ہے۔ تھکا ماندہ، بھوکا پیاسا ہونے کے باوجود چٹیل وادی میں گولے کی مانند اڑتا چلا گیا۔ سورج غروب ہونے اور شام کا جھلٹنا پھیل جانے کے بعد بھی وادی ختم ہونے کا نام نہ لیتی تھی۔ اگے بھاگا ایک اور حلقہ تھا۔ وہ صحرا میں اُس وقت داخل ہوا جب آسمان پر چاند کی قنبیل روشن ہو چکی تھی۔ گھوڑا وہاں تک پہنچنے کے لیے مسلسل ایک پہر بھاگا اور اپنی جان پر کھیل کر دشمن سے بہت اگے نکل آیا تھا۔ مسلسل دوڑنے سے اُس کا سانس بھول رہا اور غار سے پیاس کے بڑا حال تھا۔ ابن حرب نے جو خود بخار میں پھنک رہا تھا، اُس کی طلب اور ضرورت کو دیکھتے ہوئے، وہ تھوڑا سا پانی، جو کسی ایسی مشکل کے لیے کھال میں پکایا تھا، اُسے پیادیا اور پکھال خالی کر دی۔

بانی پی کہ جائز کی حالت کچھ سنبھل گئی۔ اور پھر چل دیا لیکن ابن حرب کی اپنی حالت دیکھ کر اور گڑھی تھی۔ بخار پہلے سے تیز ہو گیا تھا۔ غنڈ کی ہوش و حواس پر غالب آ رہی تھی مغرب کی سمت متعین کے گھوڑے کو اُس کی مرضی پر چھوڑ دیا کہ خود بخود چلتا رہے مگر ہولے ہولے اُسے یہ دیکھنے کا بھی ہوش نہ رہا کہ گھوڑا اکدم جارہا ہے۔ کچھ راستے میدانوں میں، کچھ راستے صحرا میں ہوتے ہیں جن پر وہ چپ چاپ چلتا رہتا ہے کیونکہ ایک سفر اُس کے اندر بھی جاری ہے جس کی راہیں اور پگ ڈنڈیاں بھی اندکے اُجالے سے روشن ہوتی اور کبھی شعور کے اندھیرے میں گم ہو جاتی ہیں۔ بخار کی شدت سے اُس کے حواس پر ایک خود دگی سی طاری تھی اور وہ اپنے اندر کی راہوں اور پگ ڈنڈیوں پر ٹپک رہتا جو کبھی روشن اور کبھی تاریک ہو رہی تھیں۔ شعور کے چراغ بجھ جاتے اور سوچیں اندھیرے میں گم ہو جاتیں مگر اس حالت میں بھی اُسے گھوڑے کی فکر پریشان کیے دیتی تھی کہ اُس کے کھانے پینے کے لیے چارہ دار پانی کچھ نہ رہا تھا۔ وہ بھوکا پیاسا کب تک چلے گا؟

بانی کہ دشمنی میں سفر جاری تھا اور ابھی۔ بخار کی گرمی سے حلق ٹوٹ رہا

تھا مگر پانی نہ کچھال میں تھا، نہ چھاگل میں۔ غنودگی سے آنکھیں بار بار بند ہو رہی تھیں اور اندر کے اندھیرے میں سوچوں کا سلسلہ بھی بار بار ٹوٹ کر کہیں گم ہو جاتا تھا۔ گھوڑے کی پشت پر غنودگی میں ڈولتے، دنگا گانے اُس نے۔ آخری بات یہ ہوئی کہ اب شرق اردن کی صحرائی بستیوں سے ادھر کہیں پانی نہ مل سکے گا۔ پھر اُسے اپنا کوئی ہوش نذر، غشی کی حالت میں گھوڑے کی گردن پر ڈھکے گیا اور وہیں پڑا مگر دونوں چیر بدستورہ کابروں میں اُڑے رہے۔ جانور نے محسوس کیا اس کے مالک کو کوئی حادثہ پیش آگیا ہے۔ اُسے بے قدم قدم ایک سمت بڑھتا رہا



ابن حرب کو ہوش آیا، تو اپنے آپ کو نیچے کے اندر مسند پر لیٹا دیکھ کر چونک گیا۔ نیمہ کانی کھلا اور شان دار بیکہ کسی صحرائی سراپے کا ایک حصہ معلوم ہوتا تھا۔ نیچے چھوڑ کر چٹائی پر غدے کا فرش کسی زمیں قبیلہ کی بارگاہ کا نقشہ پیش کرتا تھا۔ پارچاق دیواروں پر بھی کچھ آرائش کی چیزیں آویزاں تھیں۔ چھوٹے سے پارچاقی ٹرنے پر نظر پڑی، تو پتا چلا کہ باہر دن ڈھل چکا ہے۔

مارے نوب کے بڑا بڑا کراٹھا اور مسند چھوڑ کر غدے کے فرش پر آگیا اس گردش میں ایک گیلہ پڑا، جو دو ہرا، تہرا کر کے اس کے سر اور ماتھے پر رکھا تھا۔ فرش پر آگرا جھک کر گیلہ پڑا اٹھایا اور اس صورت حال پر مزید حیران ہوا کہ وہ کہاں آگیا ہے، بخمار اُتر چکا اور طبیعت بہتر محسوس ہو رہی تھی۔ گیلے کپڑے سے سمجھ گیا کہ بخمار کی شدت کم کرنے کی خاطر سر پر رکھا گیا ہوگا، گویا نیچے میں اُس کا علاج کیا جاتا رہا ہے مگر یہی بات حیران کیسے دے رہی تھی کہ نہیں کس کا ہے اور وہ یہاں پہنچا کیسے؟

صحرائی گھوڑے کی پشت پر بے ہوش ہو کر ڈھکے گیا تھا اور آنکھیں ایک آزادستہ نیمے میں کھلی تھیں۔ بالکل اندھیل کی کسی کمانی کا سامنظر و پیش تھا۔ اسی لمحے پارچاقی دروازے کا پردہ ہٹا اور جوان عمر کی ایک خوب صورت عورت اندر داخل ہوئی جو اُسے فرش پر کھڑے دیکھ کر ٹھٹکی بھر عرب دستور کے مطابق سلام پیش کیا اور بولی: "میں یہی دیکھنے آئی تھی کہ آپ کو ہوش آیا ہے یا نہیں؟"

ابن حرب نے حیرت کے لمحے میں پوچھا: "میں اس وقت نہ کہاں ہوں؟" اس سوال کا سیدھا سا جواب تو یہی تھا کہ "نیچے ہیں" مگر پھر وہ پوچھتا: "یہ جگہ کس کا ہے؟" اس تکرار سے بچنے کی خاطر عورت نے بتایا کہ بنی کلب کے رئیس قبیلہ مردار نعمان کے خیوں میں ہے اور وہ مردار نعمان کی کینز ہے، جو اُس کی خدمت پر مامور کی گئی ہے۔ ابن حرب کھیرا دیا، بنی کلب شروع ہی سے ددمتہ الجندل کے ہارڈی چٹنے کے کندے آباد رہے ہیں مگر ظہور اسلام کے بعد عہد ناریق میں جب لشکروں کے دفتر تیار ہونے لگے، وہ لشکر اسلام میں بھرتی ہو کر مختلف شہروں میں جلے گئے تھے مگر اس قبیلہ کی ایک شاخ شرق اردن کی طرف آگئی تھی۔ یقیناً سردار نعمان کا تعلق اسی شاخ سے ہو گا کینز ہی کی زبان پتا چلا کہ بنی کلب بحیرہ مردار کے جنوبی نشیب میں بادیہ شام کے حاشیے پر آباد ہیں یہ اطلاع حوصلہ افزائی کر وہ اپنے اصل رستے سے درمیں نہیں ہوا مگر یہاں پہنچا کیسے اور اُس کے گھوڑے کا کیا ہوا؟

کینز نے یہ معما بھی حل کر دیا اور بتایا کہ آج سویرے طلوع شمس کے وقت ایک گھوڑا بنی کلب کے خیوں کی طرف آتا دکھائی دیا جس کی پشت پر اس کا سوار بے ہوش ہو چکا تھا اور اُس کی بائیں گھوڑے کی گردن میں لٹک رہی تھیں۔ سردار نعمان نے گھوڑے کو اصطبل میں اور بے ہوش سوار کو اپنے نیمے میں پہنچانے کا حکم دیا پھر قبیلے کے حکم نے بیمار کی نبض دیکھی اور تشخیص کی کہ وہ تپہ رزہ اور صحرائی لو کا شکار ہوا ہے جس کی وجہ سے اس پر گہری غشی طاری ہے، اگر اس حالت میں دو تین پھر مزید گزر جاتے، تو موت یقینی تھی لیکن اب بچ جائے گا پھر ایک فرقہ کے دو گھوڑے بے ہوشی کی حالت میں حلق کے اندر رکائے اور کپڑا لٹکا کر کے سر پر رکھنے اور تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد بدلنے کی ہدایت کی۔ چنانچہ اس ہدایت کے مطابق کینز ہی گیلہ پڑا اُس کے سر پر رکھتی اور بدلتی رہی ہے جس سے آہستہ آہستہ بخمار کم ہونے لگا حکم نے ہدایت کی تھی کہ اُسے ہوش میں لانے کی کوشش نہ کی جائے۔ بخمار اُترنے پر خود بخود ہوش آجائے گا۔

ابن حرب چپ چاپ بیہ روداد سننا رہا اور اس بات پر حیران رہ گیا کہ اس کا رفیق مسافر ہوا ہی اُس کے علاج کا ذریعہ بنے جو معاملے کی نزاکت کو سمجھ کر اُسے بنی کلب کے خیوں کی طرف لے آیا، ورنہ صحرائی حلق اور بادیہ شام کا سفر کسی اور ہی منزل پر ختم ہوتا۔

یہ ابن حرب کچھ کہہ کر وہی بنی کلب کا رئیس فیصلہ ہے۔ "اسلام علیکم" کے ساتھ ہی اُس کے خیال کی تصدیق ہو گئی۔ اُسے واسلے لے اپنا تعارف سردار نعمان ہی کے نام سے کرایا۔ ابن دستور کے مطابق مصافحہ اور معافہ ہوا۔ کنیز نے دودھ کا پیالہ بڑھایا۔ نئی پریشانی نے ابن حرب کی جھوک پیاس سب ختم کر دی تھی لیکن حکیم کی ہدایت پر عمل ضروری تھا۔ "تشر" کے ساتھ پیالہ منہ کو لگا لیا۔

سردار نعمان کا پہلا سوال شاہی رسلے میں اُس کے خربے ہی سے متعلق تھا۔ ابن حرب نے اپنی حیثیت کی پٹاری سے، جو گھوڑے پر داغے ہوئے نشان سے کھل گئی تھی۔ فائدہ اٹھانے کی فکر کی سوچ لی اور بتانا لگا کہ وہ بغداد میں الرضا کے داروغہ سردار حرب الکنزی کا بیٹا اور امیر المومنین معتقد ابو عباس کے لڑکپن کا دوست ہی نہیں بلکہ محافظ دستے کا سالار بھی ہے۔ ایک انتہائی اہم معاملے میں اُسے غزوہ کا سفر و عیش ہے۔ اسی لیے عالم شاہراہ کو چھوڑ کر بادیہ شام کا کھنن راستہ اختیار کرنا پڑا تاکہ جلد سے جلد منزل پر پہنچ سکے اگر وہ بروقت غزوہ نہ پہنچ سکا تو سفر کا مقصد فوت ہو جائے، جس کے لیے بغداد سے جھکے ہیں اس لیے سردار نعمان کے احسان کا شکریہ گزار اور رخصت کی اجازت چاہتا ہے۔

سردار نعمان اُس کے مقصد سفر کی اہمیت سے انکار نہ کر سکا لیکن عذر پیش کیا کہ حکیم ابوالشفا کے نزدیک اُسے کم از کم ایک ہفتے تک مکمل آرام کی ضرورت ہے۔ وہ ایک ہفتہ مذہبی، دو تین یوم یہاں آرام کرے اور بنی کلب کو اپنی خدمت کا موقع دے مگر دو تین یوم لوگ، وہاں دو تین پہر کے اندر سب کچھ تبدیل ہو سکتا تھا۔ سردار نعمان کی طرف سے قیام پر اصرار اور ابن حرب کی جانب سے انکار کا سلسلہ جاری تھا کہ اس اثنا میں حکیم ابوالشفا بھی خیمے میں پہنچ گیا اور یہ سن کر حیران ہوا کہ یہاں سفر پر مقرر ہے۔ اُس نے بتایا کہ غشی نے انھما کو کھڑکڑا دیا ہے اس حالت میں جان کو خطرے میں ڈالنا مناسب نہیں۔ ابن حرب نے قصہ بالکل مختصر کر کے جواب دیا۔ "یہ سفر میری زندگی سے زیادہ قیمتی ہے" سردار نعمان اور حکیم دونوں لاجواب ہو گئے۔ اُس نے کچھ اور بھی کہا اور یہ کہا "زندگی اور موت خدا کے اختیار میں ہے اگر زندگی نے ہمت دی تو میں واپسی پر بنی کلب کے جھوں میں ضرور آؤں گا اور چند روز میں قیام کروں گا۔"

اس وعدے پر سردار نعمان نے اُسے رخصت کرنے کی حامی بھر لی اور اب راستے

یہ بے زین جانور کی اپنے مالک سے دوستی اور وفاداری کا ایسا غیر معمولی واقعہ تھا جس نے دل گما کر دیا اور اُس سے محبت و چند ہو گئی۔ کنیز نے ایک اور انکشاف کیا اور بتایا گھوڑے کی پشت پر کھدا ہوا نشان دیکھ کر یہ تو پہچان گیا کہ وہ عباسیہ کے شاہی رسالے کا گھوڑا ہے اور ایسی اعلیٰ نسل کے گھوڑے صرف جرہلوں، بڑے فوجی سرداروں اور کثیر تار سواروں ہی کے لیے مخصوص ہوتے ہیں تاہم ابھی یہ معلوم کرنا باقی ہے کہ اُس کے سوار کا شاہی رسلے میں کیا رتبہ ہے۔ اسی لیے اُس کے ہوش میں اُسے کا انتظار تھا کیوں کہ اپنے بارے میں وہی بتا سکتا ہے۔

یہ انکشاف بڑا پریشان کن تھا کہ گھوڑے کے داغ سے اُس کی حیثیت کا اندازہ کر لیا گیا اور اب صرف یہ دریافت کرنا رہ گیا ہے کہ شاہی رسالے میں وہ کس عہدے پر فائز ہے گو یاد رہے بغداد سے اُس کے تعلق کا راز کھل گیا تھا مگر وہ فیصلہ نہ کر سکا کہ جب سردار نعمان کو بتا چلے گا وہ بغداد سے بھاگا ہوا اور خفیہ معتقد کو ہر قیمت پر مطلوب ہے، تاہم اُس کا رتبہ کیا ہو گا؟ فوراً خیال آیا کہ وہ اپنے فرار کے متعلق کچھ بتائے ہی کیوں کر ذہن میں ایک نئی سوچ کا غرور کھل گیا کہ کونان ترک جو بچھے بچھے چلا آنا اور اُس کے چھوٹے ہوئے نشانات سے راستے کا تعین کرتا ہے جب صحرائیں اُس جگہ پہنچے گا جہاں سے گھوڑے نے بنی کلب کے خیموں کا رخ کیا تھا، تو سمجھ لے گا کہ اُس کا شکار کب دھڑکیا ہے پھر اُسے خیموں تک پہنچنے میں دیر نہیں لگے گی اور غالباً سردار نعمان بھی اُس کی مدد میں کر سکے گا۔ بنی کلب اس کی خاطر دربار بغداد سے دشمنی مول نہ لے سکتے تھے صورت حال بے حد خطرناک تھی۔

کنیز نہیں جانتی تھی، وہ کیا سوچ رہا اور اچانک پریشان کیوں ہو گیا ہے۔ کہنے لگی۔ "حکیم نے ہدایت کی تھی، ہوش آنے پر آپ کو صرف دودھ پلایا جائے۔ میں دودھ لے آؤں اور آقا کو خبر کروں کہ آپ ہوش میں آ گئے ہیں۔"

یہ کہہ کر خیمے سے نکل گئی اور وہ سوچنے لگا اسے جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہیے ورنہ معاملہ بگڑ جائے گا اور بنی کلب کے خیمے اُس کی گرفتاری کے پتے سے بن جائیں گے۔ ابھی اسی پریشانی میں گم تھا کہ کنیز اونٹنی کے دودھ کا پیالہ لے کر واپس آئی۔ ۵۲:۵۱ سال کا ایک اُدھیر عمر لیکن بڑا وجیہ اور بارعب عرب بھی ساتھ تھا کسی تعارف کے بغیر

کی نشان دہی کرنے لگا۔ غرہ کی طرف جانے کا راستہ وہی تھا جس کے باسے میں اُسے
شالگان سے پہلے ہی معلومات حاصل ہو چکی تھیں۔ البتہ نئی بات یہ بھی کہ بنی کلب کے خیموں
سے "رحلۃ الشتر و الصیف" کی مشہور گند کاغذ تک چھ فرسخ کا فاصلہ طے کرنا ہو گا۔
حکیم ابو الشفانے اُسے عراق کی ایک اور غوراکہ پلائی۔ سردار لغمان کے حکم پر اُس
کی کچالوں میں پانی اور خربزہ میں رسد کا سامان بھر دیا گیا۔ شاہ کے چٹیلے میں جب قافلے
اور مسافر عازم سفر ہوتے ہیں، وہ بنی کلب کے خیموں سے روانہ ہوا اور سفر ایک بار پھر
شروع ہو گیا۔

اُس نے دل ہی دل میں شکریا کہ شتر سواروں کا قافلہ اُس کے پیچھے بنی کلب کے
خیموں تک نہیں پہنچ سکا تھا۔ کزلان ترک ویران معبد میں رک گیا یا پھر نہ جانے کیا بات ہوئی
تھی کہ اُس کا خطرہ ایک بار پھر ٹل گیا تھا۔ جلتے جلتے اس خیال نے چونکا دیا کہ ممکن ہے
تلاش میں کہیں اُسے نکل گیا ہو مگر اُسے جانے کی کوئی ٹھک بھجھ میں نہیں آرہی تھی۔ وہیں سے
مختلف سوالات، مختلف خیالات گزر رہے تھے۔ جوں جوں سوچتا، معاملے کی صورت بگڑتی نظر
آتی۔ اس بات پر بار بار غور کیا کہ جب دشمن اُس کے چھوڑے ہوئے نشانات کے قیام
قدم اگے بڑھ رہا ہے تو بنی کلب کے خیموں کی طرف کیوں نہیں آیا۔ اگر اُسے نکل گیا ہے، تو
کس لیے؟

سوچ بچار کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ دشمن بنی کلب کے خیموں کی طرف نہیں آیا تو قیام
ابھی پیچھے ہے۔ وہ صحرا میں گھوڑے کے نشوونما پا چھوڑ کر اُسے نہیں بڑھ سکتا تھا اور پیچھے
ہے تو رات اُس نے سفر نہیں کیا۔ ویران معبد کے اُس پاس کہیں آرام کیا ہے حالانکہ وہاں
علاقے میں رات سفر کے لیے اور دن آرام کے لیے ہوتا ہے۔ شاید کزلان ترک نے کسی
منصوبے کے تحت صحرا کی یہ اصول بدل دیا ہو یا وہ لوگ لغائب کے شوق میں دن رات سفر
کرتے رہے اور ویران معبد تک آتے آتے اتنے نڈھال ہو گئے ہوں کہ وہیں آرام کا غلط
رُک گئے۔ اس خیال کی تائید لوہوں بھی ہوتی تھی کہ اُن کا قافلہ غروب شمس سے صرف نصف
پہر قبل صحرا سے نکل کر چٹیل وادی میں داخل ہوا تھا۔ اس صورت میں دشمن وادی میں آرام
کے علی الصبح وہاں سے نکلا ہو گا اور چٹیل وادی کے بعد صحرا کی مسافت بھی چونکہ ایک
یوم سے کم نہیں، اس لیے ابھی اُس تھا کہ ایک نہیں پہنچ سکا ہو گا جہاں سے اُس کے گھوڑے

نے پناہ منج بنی کلب کے خیموں کی جانب موڑ دیا تھا۔

حالات کی یہ متغیر کہہ رہی تھی، کزلان ترک ابھی پیچھے ہے۔ اس طرح اب اُن کے
درمیان کم و بیش ایک دن رات کی مسافت حاصل ہو گئی تھی۔ دشمن کے اونٹ یہ فاصلہ کتنا
بہن کم کرنے کی کوشش کریں۔ اُس کے تربیت یافتہ فوجی گھوڑے تک نہیں پہنچ سکتے
تھے۔ اس اعتماد اور یقین کے ساتھ نیا سفر جاری تھا۔

کھٹن راستے، راستوں کی صعوبتیں، روح فرسا منظر، سحر کی ہولناکی، چپ، چٹیل
وادی کا بھیا تک سناتا، بھوکہ پیاس کا خوف، تنہائی کا اذیت، تاک احساس، سب کچھ پیچھے
رہ گیا تھا۔ اُسے سفر کی صورت بدنی ہوئی تھی۔ وہ بیکہ ہمدار کے جنوبی قطب سے گزرتا نصف
رات کے قریب "رحلۃ الشتر و الصیف" کی عرب شاہراہ پر پہنچ گیا لیکن وہاں تک نہیں،
ابھی رات باقی تھی سفر باقی تھا اور اُسے کل سورج چڑھنے تک جلتے رہنا تھا۔ آسمان پر
ستارے بھی اُس کے ساتھ ساتھ سفر کر رہے تھے جو آسمان کی کتاب اسرار پر روشنی
منظروں کی صورت بکھرے تھے۔ وہ اُن لفظوں کو دیکھ سکتا مگر پڑھ نہیں سکتا تھا۔ نہ اُن کے
برکت معانی اور اشارے سمجھتا تھا، پھر بھی اتنا غور جانتا تھا کہ یہ ستارے صرف تک بھڑال
اُس کا ساتھ دیں گے اور یہ مضمون بھی اُس نے جعفر نجوی کی پیش گوئی سے اخذ کیا تھا۔

اجانک خیال آیا، جب ستارے اُس کا ساتھ دے رہے ہیں تو اس سفر میں
کزلان ترک سے کب اور کہاں چھٹک رانصیب ہو گا تو عذاب کے فرشتے کی طرح اُس کے پیچھے
نکل گیا تھا۔ بہر طور کسی نہ کسی وقت، کہیں کہیں اُن دونوں کے درمیان ایک خوف ناک فیصلہ
غور ہونے والا تھا۔

سننے دن کا سورج عقب میں مشرقی صحراؤں سے طلوع ہوا اور کائنات کا منظر ایک
بار پھر تبدیل ہو گیا مگر وہ جتنا بار سورج بھی اُس کے عقب میں بتدریج بلند ہوتا چلا گیا دن
پہلے پہلے پھر سے گزر رہا تھا، جب ابن حرب "امام مبین" کی تاریخی شاہراہ پر اس جگہ کھڑا تھا
تھاں سے اس کی ایک شاخ سیدھی غرہ و عسقلان کی طرف چلی گئی تھی۔



کے بعد دوسرے پرانا طویل اور کھن سفر کیا تھا۔

(۱۰)

عریش کی کاروان سرائے

○

یجب طحسین میں شکست کے بعد جب وہ گرفتار ہوا اور جنگ قیدی کی حیثیت سے مصر میں لایا گیا تو سلطان محمد زویہ کے بھائی شہزادہ شیبان کے زیر نگرانی قسطنطنیہ میں قریب سینتیس چھبیس رہا تھا۔ وہ ولی عہد احمد ابو عباس کے محافظ دستے کا سالار اور جنگ میں دھاوا کرنے والے یہ تازہ سواروں میں سرفہرست تھا۔ شاید اسی لیے اسے اذیت کا نشانہ بنایا جاتا تھا۔

پہلے وہ بچتا رہا تھا کہ ولی عہد کی دوستی کام آئے گی اور موفق خلیفہ کی حکومت زبردہیہ اور کسے اسے چھڑائے گی۔ اس کے علاوہ کچھ اور بھی چیدہ چیدہ جنگ قیدی مصر لائے گئے تھے لیکن وہ بارہ بعد کسی قیدی کا زبردہیہ ادا نہ کر سکا جنگی نقصانات کی وجہ سے حکومت ممالک ایران سے دوچار تھی اور خزانہ خالی ہو چکا تھا۔ رہائی کی امیدیں دم توڑ گئیں۔ منسطاط میں اس کی قید پر ساتواں مہینہ گزر رہا تھا کہ ایک روز نہ خمارزیک بیٹی اسحاق الہندی، جہان دونوں ابھی کہ سن تھی، اپنے چچا شیبان کے پاس آئی اور فرمائش کی کہ وہ قیدی کو عریش کی کاروان سرائے کے ایک سینان بن عامر کی تحویل میں دے دے جسے سرائے میں خدمت گاروں کی ضرورت ہے۔ رطوط کی ناک والا فلسطینی سلیمان بن عامر شہزادی کے ساتھ آیا تھا جس کے شہزادہ شیبان سے ذاتی تعلقات بھی تھے۔ شیبان نے یہ فرمائش قبول کر لی اور قیدی کو سلیمان بن عامر کی سپرداری میں دے دیا۔

مصر کے مشرقی علاقے جزیرہ ناسینائی کے شمال میں بحیرہ روم کی ساحلی پٹی پر عریش کی کاروان سرائے قلعوں، سوداگردوں اور دیگر مسافروں کے قیام و طعام کی ضرورتیں پوری کرنے کے ساتھ ساتھ طرہی حکومت کے سیاسی مقاصد بھی پورے کرتی اور کارخانہ کے شعبے کی آگہ کاری تھی۔ تاہم عام لوگ کاروباری پردے میں چھپا ہوا اس کا سیاسی چہرہ نہیں دیکھ سکتے تھے۔

احمد بن طولون جیسے فوجی سپہ سالار اور سیاسی متبر نے خلیفہ معتز علی اللہ کی کاروائی کے زمانے جب عراق سے اپنی سیاسی وفاداری کا سلسلہ توڑا اور شام، فلسطین، کویت

ابن حرب کو عریش پہنچنے کے لیے غزہ کی پٹی کا رخ کرنا تھا۔ دن کو اس نے "ایام مہین" کی شاہراہ پر آرام کیا۔ غروب شمس سے تھوڑی دیر قبل روانگی کے لیے تیار ہوا تو اس راستے پر نظر ڈالی جس سے گزر آیا تھا مگر عقب میں کسی ٹانفلے کی آگ کے آثار نہ تھے۔ اگر کوئی ترک نے دن کو سفر کیا ہوتا، تو کہیں نہ کہیں اس کے اونٹوں کی گرد آڑتی دکھائی دیتی لیکن پیچھے مطلع صاف نظر آیا۔ گویا ابھی دشمن بہت دور، بہت پیچھے تھا۔

وہاں سے سفر کی سمت بھی تبدیل ہو گئی اور مغرب کی بجائے سیدھا شمال کی طرف روانہ ہوا۔ غزہ کی پٹی تک راستہ اور سفر نسبتاً آسان تھا۔ دن رات کی گردشیں بھی جاری تھیں۔ سفر بھی جاری تھا۔ فلسطین کی سرزمین میں داخل ہو کر اس نے انہیان کا سامنا کیا۔ اب وہ طولی عمارتوں میں پہنچ گیا اور ذہنی طور پر آسودگی محسوس کر رہا تھا۔ یہ علاقہ خلیفہ معتز کے حکم و اختیار سے باہر تھا پھر بھی خلیفہ کے سوار پیچھے چلے آ رہے تھے ان نے رکنا مناسب سمجھا اور چلتا رہا۔ البتہ غزہ کی پٹی سے سفر کا رخ پھر مغرب کی جانب تبدیل ہو گیا۔

وہ جلد از جلد عریش پہنچ جانا چاہتا تھا تاکہ سلیمان بن عامر کو اپنی مصیبت اور پریشانی سے آگاہ کر سکے، وہی مصیبت کے ان ایام میں کام آ سکتا تھا اور اسی کی مدد

سہ کاری دل چسپیاں اور بڑھ گئیں۔ عام لوگوں کی غرض ابن حرب بھی کاروں میں لگے اور
اس کے ملک سیمان بن عامر کی خبیثہ مکرگریوں کے بارے میں کچھ جانتا تھا تاہم اس نے
یہ نہ کہن کیا تھا کہ وہ بنی حوٹوں کا خیر خواہ اور دربار بغداد سے بغض رکھتا تھا کسی ذبیحہ
پر بھی مل گئی تھی کہ بڑا سخت مزاج آدمی اور اپنے غلاموں، نوکرانوں، خدمت گاروں سے بڑی
شدت سے ملتا تھا۔ سب لوگ اس کے جبری کوڑے سے ڈرتے ہیں۔ اس لیے جب اسے
سیمان بن عامر کے حوالے کر دیا گیا، وہ بھی سمجھا کہ کاروں میں اس سے بڑی شدت
مل جائے گی اور سیمان بن عامر عباسیوں کے خلاف اپنا نام بغض اور غصہ اسی پر لکھتا ہے
کہ اگر جب وہ ایک رتھ غافری چھکڑے میں فسطاط سے لٹکایا گیا تو سیمان نے سر اٹھانے
میں آتے ہی اس کے پاؤں کی پٹریاں کلٹانے کا حکم دیا۔

ایک خدمت نے فوراً اس کے پاؤں کی پٹریاں کاٹ دیں پھر سیمان بن عامر قیدی
سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: "ابن حرب! میری سرانے میں کسی غلام، کسی نوکر، کسی خادم،
حق کہ کسی قیدی کو بھی زنجیریں اور پیریاں نہیں پہنی جاتیں۔ رات پر اٹھا دیا جاتا ہے۔ رات سے
کام لیا جاتا ہے انھیں کارکردگی کا حزمہ اور وفاداری کا انعام دیا جاتا ہے۔ میں وگول کی
دلی اور اسی حیثیت کو پہچانتا اور اسی کے مطابق ان سے کام لیتا ہوں۔ تم سیاسی دلی سے
کے دوست اور سردار جب انھیں کے بستے ہو، اس لیے قیدی حیثیت میں ان سے
مختلف ہے۔ اپنی حیثیت کے مطابق تم یہاں خسر مہمان داری کے طور پر کام کرو گے نہ قیدی
سے۔ میرے احمق دو دھوکا نہ دو گے!"

یہ کہہ کر بات ختم کر دی اور ابن حرب کو درخت حیرت میں ڈال دیا۔ وہ سوچتا ہی نہیں
سکتا تھا کہ اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا جائے گا۔ سیمان نے پہلے اس کی پٹریاں کٹوائیں
پھر اسے مہمان داری بنا دیا۔ یہ ایک معاف تھا جہیز میں نہیں رہتا تھا۔ جب کھانہ کو بند کیا
پہلے کو عمدہ لباس پہنے، کچھ کھانا جو غلاموں، نوکرانوں، خدمت گاروں کے چوروں
کے الگ ٹھکانے اور ضروری سامان سے آراستہ تھا، تب اس پر زور دیا جاتا تھا کہ وہ
سیمان بن عامر کے کھانا کھائے کسی چیز کی ضرورت یا دل میں کوئی خواہش تو نہ رہنا ہے
نہی پورا کرنے کی کوشش کروں گا۔ میں تمھیں قیدی سمجھتا ہوں نہ دوست سمجھتا ہوں۔
اس نے جو کچھ کہا تھا، مثلاً پورا کر دیا یا نہ ابن حرب کو بہت جلد تیار کیا۔ وہ غلاموں

کر کے ایک علاحدہ سلطنت قائم کرنی تو عباسیہ سے اپنی بغاوت و غلامی کو منظم
کرنے کے لیے وہ تمام بڑے اختیار کیے جو ہوشیار حکمران اختیار کرتے ہیں۔ ان میں
کاروں میں اسے کوڑیوں کرنے کا منصوبہ بنا دیا جہاں بہت سے شہروں اور بہت سے
سکوں کے تجارتی قلعے اگر قیام کرتے تھے، ایک خفیہ شعبہ قائم کرنے کی ضرورت محسوس
کی جو ان قاضیوں اور ان کے سوداگروں کے ذریعے مختلف ملکوں کی سیاسی خبریں یاد رکھ
معلومات حاصل کر سکے۔ اسے دراصل اس بات سے دلچسپی تھی کہ مختلف ملکوں اور مختلف شہروں
کی مشریوں، بیگمنوں، بازاروں اور تہذیبی مجلسوں میں لوگ عباسیہ کی سیاست و حکمرانی پر کیسی
کیسی باتیں کرتے، زوری خونی سیاست کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟ سیمان بن عامر
نے جو خود بھی ایک ہوشیار اور معاملہ فہم آدمی تھا، احمد بن طولون کے مقصد کو فہم کیا۔ انھیں
کی ایک کاروں میں اسے خرید کر اسے وسعت دی اور خونی منصوبے کے خاکے میں اس
خارج رتبہ عمل ہجر کہ حکومت کا مکمل اختیاد حاصل کر لیا۔ ایران، عراق، آرمینیا، شام، فلسطین
اردن، عرب اور عہد کے زیریں ملک یمن، حبشہ، موت اور عمان کے علاوہ مغربی افریقہ
کے تجارتی قلعے بھی انھیں سے گزرتے تھے۔ سیمان بن عامر نے اپنے ذرائع سے فسطاط
اور بعد ازاں السطاع کے شعبہ کار خاص کو کئی خفیہ معلومات فراہم کیں جو بعد ازاں صدی
درست ثابت ہوئیں۔ وہ بنی طولون کے خلاف عباسیہ کی فوجی تیاریوں کے بارے میں بھی
طولونی حکومت کو بڑی اہم خبریں پہنچاتا رہا۔ جن کے پیش نظر شام کے علاقے میں قبل از وقت
حفاظتی انتظامات کر لیے جاتے رہے۔ موافق طلحہ انگریز طولون کے خلاف کوئی سیاسی اور
فوجی کامیابی حاصل نہ کر سکا تو اس میں سیمان بن عامر کی کارکردگی کا بھی نمایاں دخل تھا جو عباسی
منصوبوں کو ناکام بنانے کے لیے بڑا سرگرم رہتا اور بغداد کے شاہی ایوانوں میں ہونے
والی سیاسی باتوں کے علاوہ کچھ بھی عباسی محل سراؤں کی داخلی زندگی اور رات کی دلچسپی
کی معلومات بھی حاصل کر لیتا تھا۔ اس نے ایسے سوداگروں سے خصوصی تعلقات قائم کر کے
نئے جوہر اتنی قبائل کے بڑے بڑے مشہور اور شاہی محلات تک رسائی رکھتے تھے۔
طولونی حکومت اس پر اعتماد کرتی تھی۔ احمد بن طولون کی وفات کے بعد اس کے
بیٹے شمارویہ نے بھی سیمان بن عامر کی خدمات سے بڑا فائدہ اٹھایا۔ شمارویہ کے عہد میں
شہزادہ شیبان کار خاص کے شعبے کا نگران مقرر ہوا تو عربیوں کی کاروں میں اس کے ساتھ

ابن حرب جاتا تھا، مراٹے میں ایسی ہے۔ رونقی اور خاموشی اس وقت ہوتی ہے جب قیام پذیر قافلے پراؤ اٹھاتے اور اپنی منزل کی جانب کوچ کرتے ہیں۔ پھر بھی اس کے دل کو ایک عجیب سا دھڑکا لگ گیا۔ بعض اوقات سلیمان بن عامر بھی فسطاط یا القطار پہنچتا جاتا اور کئی کئی یوم کے بعد واپس آتا تھا مگر سوئے اتفاق سے وہ مراٹے میں نہ ہوا تو کام بگڑ جانے کا اندیشہ تھا۔ کہ نہ ان ترک اپنے شتر سواروں کے ساتھ اُس کے پیچھے بھیگا اور ہاتھ اور راج نہیں ترک کرکے یہاں بیٹھ جائے گا۔ اُس سے ٹھننے کے لیے سلیمان کی موجودگی ضروری تھی۔ یونہی خادم کو نہ سکیں لگام پکڑے، امطبل کے بڑے بچا ملک کی طرف جانے لگا تو اُسے ٹھہرانے لگا اور بے قراری سے پوچھتا: سلیمان بن عامر مراٹے میں موجود ہے یا نہیں کبھی وہ فسطاط چلا جاتا ہے؟

خادم نے غور سے اُسے دیکھا۔ ایسا سوال کرنے والا یقیناً مراٹے کے ملک کا کوئی درست یا کمزور نہیں ہو سکتا ہے۔ اُس نے ادب سے گردن جھکائی اور بتانے لگا: آٹھ رات کو جاگتے رہے ہیں کیوں کہ رات ہی ایک قافلہ فسطاط کی جانب روانہ ہوا تھا۔ اس وقت وہ مراٹے میں نہیں بلکہ اپنے گھر آرام کر رہے ہیں۔

ابن حرب کی جان میں جان اپنی بھراپی انگلی سے چاندی کی انگوٹھی اتار کر جسے سلیمان ہاتھ لٹکا کر اُسی کی ہے، خادم سے خوالے کی۔ یہ انگشتی اپنے مالک کے پاس نہ ہو اور ہاتھ بعد اسے شذر بن حرب پہنچے۔

بعد ازاں نام سن کر سوڈانی خادم چونک گیا اور سچا کوئی خاص مہمان ہے۔ پھر گھوڑا امطبل کے داروغہ کی تحویل میں دے کر، خود ملک کو اطلاع دینے چلا گیا۔ اس عملین کے ساتھ کہ سلیمان بن عامر انگوٹھی دیکھتے اور اس کا نام سنتے ہی گھر سے نکل کر مراٹے میں آ جائے گا۔ خود بھی اندر داخل ہوا اور دروازے کی بڑی ڈیڑھ لگی کے ساتھ، جہاں سے دائیں بائیں سمت دور دیکھتے اور پہلے تھے، ایک کھلی درباری بڑے کمرے تک چلی گئی تھی جو خرقہ رگاہ یا طرک کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ ابن حرب اُسی کمرے کی طرف بولیا اور درباری جو در کے دہان ٹانگے کمرے میں داخل ہوا، تو مار سے حیرت و خوف کے میں ٹھٹھک گیا۔

کہ نہ ان ترک اپنے چار سواروں کے ساتھ کمرے میں موجود درباری اُسی کا منتظر رہا۔

یہ دونوں کے چراغ مدھم ہوتے چلے گئے۔ نہ ملنے کی گردش میں گزرے واقعات کی یوں دھندلی پڑ گئیں اور وقت کی اُڑتی گرد نے بہت کچھ اوجھاپ یا۔ کئی سال کے بعد حمد ابو جوسس کے قبائل کا ستارہ چمکا اور جعفر بنحوئی نے اُس پر ناگہان فوٹے دانی ایک مصیبت کی پیش گوئی کر کے دم بخود کر دیا۔ تو جعفر بنحوئی کی دماغی صحت پر شک نہ رہا۔ باوجود اُنہی میں اُسے کیا خطرہ لاحق ہو سکتا تھا کہ وہاں سے بھاگ پڑتا۔ پھر بھی حالات میں چھپ کر بھی مصیبت نہ آنے ناگہان کی طرح، چاک اُس پر جھپٹ پڑی اور بغداد میں نہنگ کے سب دروازے بند ہو گئے تو شہر یار کے قبرستان میں آچھپا، وہیں جنیش کی کارواں مراٹے کی سخت یاد رکھی جس کے دروازے اُس کے لیے ہر وقت کھلے تھے۔ پھر قیاد سے جنیش کی طرف بھاگا، اور کتنی مصیبتیں جھپٹا کتنے کمون راستوں سے گزرتا اور حینہ کے سواروں کو جو فرشتہ جلی کی لڑائی اُس کا پیچھا کر رہے تھے، کتنے فریب دینا آخر عیش ملک آپہنچتا۔



نئی کلب کے خیموں سے روانگی کے چوتھے روز، وہ باب الغمر عربش میں داخل ہوا اور دن کے پہلے پھر کارواں مراٹے کے دروازے پر گھوٹے سے اتارا۔ ایک سوڈانی خادم نے اُسے بڑھیکہ باگ پکڑائی۔

کارواں مراٹے شہر سے ہٹ کر اُس لٹا ہوا پہر واقع تھی جو مغرب کی جانب القطار کو چلی گئی۔ سواروں سے فسطاط بڑھاتی تھی۔ مراٹے دو حصوں میں بٹی ہوئی اور ایک مضبوط چارواں نے کسی شہر پناہ کی طرح اُس کے چوگرد احاطہ کر رکھا تھا۔ ایک طرف کافی فاصلے پر اونٹوں کے چرواہے، گدھوں کے لیے بہت بڑا امطبل چارے دینے کے کمرے، چھ بنیاں اور پانی کی ٹوٹلی تھیں۔ دو مری بہانہ محل سواروں کی وضع وضع کی سہ منزلہ عمارتیں جہاں ہر حیثیت کے مہمان اور مسافروں کے لیے چھوٹے بڑے کمرے تھے۔ ایک سہ منزلہ حصہ شاہی سواروں کے لیے مخصوص تھا جو ایرانی خلیفوں، چین و صقلیہ کے شہزادوں اور لبنانی آئینوں سے آراستہ تھا۔ مراٹے میں دیس دیس کے سوداگر، ہان کے گناہنے، ساربن اور عام فرقہ واریہ کھڑے تھے۔ اکثر مری چیل پیل اور رونق رہتی تھی مگر اُس روز وہاں کوئی بھی نہ تھی۔ کوئی بنگاہ نہ تھا بلکہ محاورے کی نہ بان میں آؤ تو مل رہے تھے۔

کریان نے اُن کے سوال کا جواب دینے میں کوئی تباہی نہ کئی اور بتانے لگا کہ شوخیز
کے قبرستان سے نکل کر جب تم نے فرات کا رخ کیا، میں اُسی وقت تجھے یہ تھا کہ مسر جاؤ
کے اور عیش کی رسی کا رزں مرے قہاری منزل ہوگی جہاں تم اپنی امیری کے چند ماہ گزار چکے
ہو گے یہ خیال بھی نہیں تھا کہ دمشق کا راستہ چھوڑ کر ہادیہ شاہ میں جس جاؤ گے، پورے
شاہان کے غم غلامی کے غم ایک سو دینار کے عوض قہارے سے اسے راستے کا مجید مول
دیا وہ بے وقوف یہ سمجھتا تھا کہ ہمارے گورے ہادیہ شاہ کو تو یہ نہیں کر سکتے۔ وہ کہہ تھا ہا
بیچا چھوڑ کر بغداد کی طرف لوٹ جاؤ گے لیکن تم نے گورے سے ریس بدد کے حوسے کیے
اور اُسی سے اونٹ بے کو قہارے سے تعاقب میں لگے، رہن حرب بہ شک اس وقت
ہم ایک دوسرے کے دشمن ہیں لیکن میں تمہاری جرات اور شجاعت کو افریقہ میں جوں۔
یہ گھٹن اور ناقابلِ شہرہ کے گزرتا کسی ایسے آدمی کے میں کا کام نہیں۔ رچھٹے گز
میں حالت میں مجھ سے پہلے کہ خیل وادی سے گزریے اور ویران بصرہ میں ہم دیکھ گئے
وہ اتفاق میں بیان میں ہو سکتی، جہاں ایک رات صبحی آتشیں گولہ شہرہ کے رستے سے
بچھ گیا، ہم اسے وہیں دفن کر آئے۔ وہ جہاں کہہ رہے تھے کہ جو جی تھا جسے گورے کے بعد
ہمیں وادی میں ہم سے تھا رات کو بھی سمجھنا کہ صرف اتنا غم تھا کہ قہاری منزل میں شہر
میں لیے تمہارے چھوڑے ہوئے انا تھو دیکھنے کے بعد اُسی حالت میں کی طرف سفر
کاری رکھا اور کل نصف رات کو یہاں پہنچ گئے۔ جب ایک طرف نسبتاً کچھ عیب و نقص نہ ہوا
تھا مگر قہارے قافیہ میں تھے، نہ مرے میں۔ ایک غلام سے پوچھا کہ تمہارے گھوڑے کوئی
اُٹھائے میں نہیں آیا، جس پر ہمیں شہرہ میں ہوئی کہ چھوڑے قہارے میں غصہ کی طرف نہیں
نکل گئے لیکن آج نہیں دھو آتے دیکھ، تو شک کیا کہ ہمارے سفر کا کام نہیں گیا۔ رہن حرب
تم شوخیز کے قبرستان سے آج جسے تھے گورے سے نہیں نکل سکتے۔ ہم نے میں کوئی
اُٹھائی قہاری مدد کو نہیں آئے گا۔ سینا بن ہم تمہیں بھوں کے اور تم سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا
کرلان کے اٹھائے غلام کے دل پر اُٹھائی بن کر رہے۔ سینا بن کو اس وقت
ایک آجاج چاہیے تھا مگر نہیں آیا تھا۔ نہ اسے کسی وجہ شادی ہو کر اس جھگڑے میں جانا نہیں
دیا جاتا یہ بات بھی کھلی کہ ہم نے کا کوئی خادم یا غلام یہ دیکھنے بھی نہیں آیا کہ اس کے میں
کہہ رہے تھے کہ اس جو دوسرے پر یہاں پر تھا اور وہ تو کیا وہ اب اسے چھوڑ کر نہ گیا کرنا

پہلے تو انھیں دیکھ کر جو ہم پر ایک سکتہ سا گزریا۔ پھر کچھ جیسی تیری سے ہاتھ تھوڑے
تھپتھپے پر پیکا اور پیکا جھپٹے کے وقفے میں بیچ آب درمیان سے باہر آگئی کیسا عجیب اور
جوتنا کہ منظر تھا اُس نے مقابلے کی صورت سے بچنے کی کوشش کی، وہی پیش آتی تھی
قدیمت نے تمہارا اُٹھ کھانچ دشمنوں کے آگے کھیل دیا اور اس فیصلے کے لیے، جو کہ ہانڈو
اور اُس کے درمیان بھی ہوتا باقی تھا، ہمیشہ کی کاروں میں اُسے کو منتخب کیا تھا۔
اُسے تو اسے سمجھتے دیکھ کر کرلان نوک جو مرث کی میں بساط پر مشہور رہنے کے لئے
میں بیٹھا تھا، ہونٹوں پر حقارت آمیز مسکراہٹ کے رکھو، ہوا اس کے ایک ہاتھ میں تلوار
دوسرے ہاتھ میں چاندی کا تونق تھا جس کے ساتھ چاندی کی زنجیر (دیزل) تھی۔ اُس کی انگلی
میں کھوپڑی کی شکل کے نیچے یوں ہونا "مقدربے" کا، ہے رہن حرب اتوار پہنچا اور
اور مجھے اپنا فرض پورا کرنے اور دیکھ رہا امیر سلوین نے دے کی بجائے قہارے سے پہلے
چاندی کا تونق چھینا ہے جو تم جیسے ہمارے کے شہرہ میں ہے۔ تمہارے ان کے دوست اور
محافظ رہنے کے ساتھ تھے۔ اپنے آپ کو میرے حوالے کر دو اور چاندی کا یہ تونق اور زنجیر
ہمیں لوٹ

رہن حرب نے یہ تحویل درجہوں کا سفر اس لیے نہیں کیا تھا کہ اپنی گران ہو کر
پیش کر دے ضرورت حال اگرچہ بے دخل ہو گئی تھی کہ کاروں میں اپنے گورے کو اُٹھا
بے میں نہیں سمجھتا تھا۔ سینا بن کو اپنی اُٹھان بھیج چکا اور اُس کی آمد تک معاملہ نات چاہتا تھا
اُس نے ایک سذرانہ لایا اگر میں تمہارا گمانے سے انکار کر دوں گا
کرلان حقوق و تلوار دیکھا کہ بورڈ نہیں ان وجہ اس میں سے کسی ایک کا ہر حال
اختیار کرنا ہے۔ اگر حقوق پہننے سے انکار کر دے تو چھری میری تلوار اپنا فرض ادا کرے گا
میں کوئی کام اور امور نہیں چھوڑتا۔

رہن حرب کا لہجہ بھی تلوار کی طرح تیز تھا۔ میں جانتا ہوں تم مجھے گرفتار یا قتل کے
بغیر نہیں چھوڑو گے۔ اور تم سے دھمکی نہیں دیکھوں گی۔ اس لیے کسی سے تمہارے
یا کسی پر دم کرنا میری مرث کے خلاف ہے مگر عرف ایک بات پر چھینا جانتا ہوں کہ
تم مجھ سے پہلے کیسے پہنچ گئے۔
زہن میں اپنی ترکیب آتی تھی مگر سینا بن کے آنے تک اُسے ہاتھوں میں گئے رہے

اسی اثناء میں سپہاں بن عامر بھی کم سے میں داخل ہو چکا تھا۔ گزراں سمیت پانچوں عراقی
انے انجام کو پہنچ گئے تھے۔ اُس نے غلاموں کو حکم دیا: "ان پانچوں کے سر کات و در در
موتیل کے کسی گڑھے میں جھینک دو۔" ابنِ حرب کے دشمنوں کے بے میرے پاس رکھن ہیں
واقف ہیں میں۔ پھر اپنے پرانے دوست کی طرف بڑھا۔ "ابنِ حرب! اُس عمرائے میں دوسری
بار تھار اخیر مقتدر کرنا ہوں۔"
ابنِ حرب! فوراً پھینک کر اُس سے پیٹ گیا۔

ایک حربیہ فوجیہ کورس سے بیٹا گیا۔



سکھانہ جن عامہ کے غلاموں نے پنجوں عاتق سواروں کے مرکاٹ پیسے اور ان کے دھوروں کی خاکہ کرے گئے۔ اس طرح وہ معادہ جو بغداد کے قبرستان خونریز سے شروع ہوا تھا، وہیں کی کارواں سرائے میں ایک فیصلے تک پہنچ گیا۔ اہل حرب اور کران ترک میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کی زندگی کی ضمانت نہیں دے سکتا تھا۔ اسی صورت میں جب دہلیوں کے درمیان فرار اور تغائب کا خطرناک سلسلہ شروع ہو جانے، زندگی کی کوئی ضمانت نہیں ہوتی۔ اس دور میں جیسا کہ نثریم کریم نے بیان کیا ہے کہ دہلیوں کے مرکاٹ کمریوں پر چڑھنے سے جاتے، ٹھہروں، بازاروں میں ان کی فائش ہوتی اور سرسبز میدانیں یا تو کسی فضیل پر چڑھ جاتی یا کسی گروہ میں پھینک دی جاتی تھیں کہ کتنے اندر بدخواہیں اور جہیں ہیں اور یہ کوئی ضابطہ کی بات نہیں تھی۔ زندگی کا یہ حال موت ہے اور موت کی صورت میں ہوتی ہیں۔

ابن حرب جو عباسیہ کا وناور گنجلو جانا تھا۔ جس کی دنیاوی کوئی طولیوں کس کی کیر کی کے نام میں بھی خرید نہ سکے تھے۔ جب اس کی بدن گیا تھا کیوں کہ جب صحت بدستے میں بار بار ہوتا ہے تو اس کی گردش کا اثر مہربن کر توی کی شہر یانوں میں دھڑتا ہے اور آدمی زمانے کے ساتھ چلنا یا بدل جاتا ہے۔ سیدنا ابن عمر نے اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بتایا کہ وقت اور زمانے کی طرح اس کا درست بھی بدل چکا ہے۔ جب علامہ عراقی سوزوں کے دھڑاٹھ کر ورنہ بخوں سے کمر چڑھ چکے تھے میں وہاں کرے گئے تب یہ کہنے لگا۔

ابن حرب اکرم ان ترسے سرائے میں آئے ہی تھا اے متعلق ہو جو کچھ شروع کر دی

تھارہن حرب جیسے آدمی سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ مقابلہ کرنے کے بغیر ہتھیار ڈال دے گا لیکن مقابلہ ایک اور پانچ کا تھا۔ اس مشکل سے بچنے کی خاطر ایک دواؤں گیند، ایک ٹمرو پھونکا "کونان ترک" بمی نے سنا ہے تمہیں بھاری کا دعویٰ ہے۔ اسی جیسے ضبطی کے حاکم علی اور خلیفہ کے منہ چڑھے۔ غلام بھادڑ خود ابو عباس نے میری گرفتاری کے لئے تمہارا ہتھیار کیا صرف وہی شخص مجھے گرفتار کر سکتا ہے جو بھادڑی میں مجھ سے بڑھ کر جو اندر مقابلے میں شکست دے دے اس کا یہ بہتر ہی ہے کہ اپنے میرے اور تمہارے درمیان ایک فیصلہ ہو جائے گا۔

کو زبان کی اپنی بھاری پر ناز تھا اس تھیوں کو ایک طرف ہٹ جانے کا اشارہ کیا پھر
 تواریخوں کو آگے بڑھا اور وہ کہیں نہ روح ہو گیا جس کا انجنا کسی ایک کی ہر کسی ایک کی موت تھا
 ورنہ اپنی اپنی تلواروں کا لوہا آزمائے گئے اور اس سے بے لطفی کے کنزیرس میرا نے کی فضا
 میں خوفناک اور تعاش پیدا کرنے لگیں مگر سیمان بن نہ مریا اس کا کوئی غم اب میں نہیں آیا جس
 سے ابن حرب کا حوصلہ کچھ پست ہو گیا غالباً ہی پہلے صرف اپنی مدافعت کر رہا تھا کہ زبان ترک
 نے جھٹنے وار کیے وہ انھیں روکن اور بھگاؤ وقتا چلا گیا جس سے حریف کا حوصلہ بڑھا اور وہ لگے
 بڑھ بڑھ کر وار کرنے لگا کہ زبان ترک بے شک بھاری کا موت دے رہا تھا مگر ابن حرب
 جیسے تیر نازیخ زن کی جاں کا نام نہ لیا جو اسے بے خوفی سے آگے بڑھنے اور حملے کرنے
 کی ترغیب دے رہا تھا ایک بار چوٹی بے خوفی سے آگے بڑھ کے دیکھا کہ ابن حرب کی تو
 اس کی پسلیاں تھکی چلی گئی رخن میں اس پت ذرخش پر گرا اور گرتے ہی گردن کا ٹکڑا نکلا
 چاروں ساتھی اپنے خیمہ کا یہ بھیج ایک انجنا دیکھ کر کہتے ہیں آگے مگر فوراً ہوش
 کر ان کی اپنی زندگی خطرے میں ہے کہ زبان ترک کے مستے ہی بازو اس کی خیمہ چاروں ایک
 ساتھ دھاوا کر کے آگے بڑھ سکے اور ابن حرب پر موت پڑ سکے۔ ٹھیک اسی لمحے یحییٰ دروازہ کھلا
 اور میرا نے کے ٹھکانا پر اسے ہانپ لیا میرا نے کے کہ بے میں داخل ہوئے جیسے گدے
 ایک گئے ہوں پھر زبان ترک کے چلے جاتی سواروں کے جھوم میں کھلب کھلے
 وہ نہ نچی اور ہر جو کس کو بے ہوش کر دیا زبان ترک سے سپرد ہے کہ زبان ترک سے
 کا حملہ تھا خطرناک زبان ترک کو بھول گیا کہ زبان ترک کو ایک سکا چاروں کے چاروں

نسلانی کینہ و منہ کی شخصیت کے ساتھ اس کی کمائی بھی پُر اسرار تھی جسے وہ بڑی حیرت اور دلچسپی کے ساتھ سنتا رہا۔ چہرہ پر پھٹنے لگا۔ "آخر دم نہ کہے چارے معتد سے کیا یہ تھا کہ اس کے قتل کی مہم ہوئی؟"

"معتد سے ہر دم نہ کوئیں اس کی، مگر جب تک قانون کو قصداً"

سیلان نے مکر میں توجہ دی جیسے بات بگھڑ میں آگتی ہو۔ "تھارہ اچانک درست ہے معتد کے قتل کا فائدہ صرف جب تک قانون کے شوم کو پہنچتا تھا جو اپنے چچا کی رحمت کے بعد اب بے خوف و خطر حکومت کر سکتا ہے۔ ہر نہ حکمران، معزول حکمران کی موجودگی میں خطہ محسوس کرنا ہے کہ جانے حالات کا پانساب پٹ جانے، اسی لیے معتد کو موت کی نیند سنا دیا گیا لیکن نکلنے باپ کی طاقت کا معیار تھا میں نہیں آتا۔"

"یہ معیار تو بالکل سیدھا ہے۔ دم نہ کوئیں سے باپ کے ذریعے قہر معتد میں بھیجا گیا اور اسے معلوم ہو گا کہ وہ کس مقصد کے لیے بھیجی گئی ہے۔ جب مقصد پورا ہو گا تو گیارہ دم نہ کوئیں کو پھر پٹا کر دیا گیا اور میرے باپ سے زندگی چھین لی گئی۔" افتخار نے ناز کا ہنسنے کی طرح یہی کہہ کر جو شخص قتل کے راز میں شکیک ہوئے تھے بھی ختم کر دیا کہ اس کی زبان کبھی نہ کھل سکے۔

سیلان سوچ میں کھو گیا۔ "پھر حرب کو تو قصداً کے کسی غلام نے قتل کیا ہو گا؟"

"میرا اچانک اور ہے؟" ابن حرب نے بتایا۔ "قتل کے بعد اس کی جیب سے ایک تھوڑی سی ٹکیلی جس پر سبز رنگ کا زرد جھڑا ہوا ہے اور سبز رنگ کے زرد رنگی گوفی میں نے دم نہ کے ہاتھ میں دیکھی تھی۔"

"تو تمہارے خیال میں حرب کو دم نہ نے قتل کیا ہو گا؟" سیلان کی آواز کھپا رہی تھی۔

"اگر کسی عورت کے کمزور ہاتھ میرے باپ پر نہیں اٹھ سکتے تھے مگر دم نہ کوئیں کے قتل میں استعمال فرما دیا گیا ہے۔ شاید وہ خود بھی ایسے وقت کی قبر میں جہنم کی نیند سو رہی ہوگی۔"

یہ سننے ہی سیلان بن عامر بڑے غضب کے عالم میں کھڑا ہو گیا اور پریشانی کے لیے میں بولا۔ "مگر ہے دم نہ کے ساتھ بھی وہی کچھ ہوا ہو جو تمہارے باپ کے ساتھ ہوا۔"

اور ان معتد کے معاملے میں شریک تھے لیکن خبیثہ نے تمہاری گرفتاری کیوں ضروری سمجھی؟ اسے تو جب انکسز کے قتل پر تم سے ہمدردی کا اظہار کرنا چاہیے تھا خواہ وہ اظہار کھاوے

اور ان کی طرف بھاگ گئے ہو مگر ان جو ہندو سے تمہارا پیچھا کر رہا تھا یہاں پہلے پہنچ گیا۔

اسے نہ دیشہ تھا کہ کہیں میں نے تمہیں لکھا دیا ہو۔ اس نے دلہنہ خلافت کا ایک مسودہ لکھا تھا جس میں حکومت مسرے درخواست کی گئی تھی کہ تمہاری گرفتاری میں مداخلت نہ کی جائے۔

کوئیں ترک کا خیال تھا۔ اسے یہاں بھی تمہیں گرفتار کرنے کا اختیار حاصل ہے مگر اسے یہ کہہ کر اسے غصہ فہمی میں مبتلا کر دیا کہ تمہیں یہاں چکے ہوں اور اب تمہارے کسی معاملے سے لڑتی نہیں رہتی۔ اگر تمہیں یہ تمہیں چھوڑ دیا جائے کہ اسے تو وہ تم سے خود منت ہے۔ میں تمہارا ساتھی ہوں۔

دونوں کا لیکن کوئیں ترک اور اس کے ساتھ نہیں جانتے تھے کہ جب وہ سرائے میں داخل ہوئے تو اپنی زندگی ہم چھوڑ آئے تھے۔ پھر بھی مجھے تمہارا انتظار تھا کہ تمہارے سے کس طرح پیش کش آئے ہوتے۔

انہاں نے تعجب سے اسے دیکھا تو سیلان بولا۔ "میں نے تمہاری حفاظت کا انتظام کر لیا تھا۔ ابن حرب، مگر مجھے صرف یہ دیکھنا تھا کہ میں تمہاری آواز کھو رہا ہوں تو نہیں پڑ گیا اور میں نے دیکھ لیا ہے۔ تم سب بھی ویسے ہی شجاعت اور بے رحم ہو جیسے نوکس برس برس پہلے تھے۔"

پھر اس کے ہاتھوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ بگھڑ گئی۔ "اب بتاؤ ہندوئیں کیا ہو گئیں کہ خبیثہ نے تمہاری گرفتاری کا حکم جاری کر دیا اور تمہیں وہاں سے فرار ہونے میں توجہ دے گی۔"

یہ تمہارا کہہ رہا تھا اور مست ہے اور تخت خلافت پر بیٹھتا ہے اس نے تمہیں کوئی بڑا وعدہ دے رہا ہو گا۔"

"حکم نوک کی دوستی ناقابل اعتبار وقتی ہے۔" ابن حرب کے ہاتھ میں تھی۔

"لیکن تمہیں تو اب وہاں سے ہرگز نہیں رہنا تھا۔ اچھا دیکھا۔"

اس نے سنا کہ مادی دیویریں مسرہ کوئیں سیلان نے یہ کہہ کر ابن حرب بعد اس کے حالات بیان کرنے لگا جن کی گردش بنے اسے بعد چھوڑنے پر مجبور کر رہا تھا۔ اس نے حوالہ جلیلہ معتد علی شہ کے قتل اور قصا کی نفسیاتی تفسیر دم نہ کے پُر اسرار فرار اپنے باپ حرب انکسز کی کشمکش اور بعد ازاں وجہ کنارے اس کی ناشی کے ساتھ انکسز کی برآمدگی کے لیے کوئیں گرفتاری کے حکم اور فرار کیا۔ جو کچھ ہوا تھا وہ تفصیل سے بیان کر دیا۔ طرح کی سہولتوں اور ناک و ان سرائے دار جو خود ہی فلسفین سے تعلق رکھتا تھا، بات بات پر چپکنا اور حیران ہوا۔

کا کیوں نہ ہوتا؟

اب ابن حرب نے وہ بات بیان کی جو اُس کی مصیبت کا باعث بنی اور جسے غالباً اُس کے سوا دوسرا کوئی نہ جانتا تھا۔ "معاذ بڑا عجیب و غریب ہے سلیمان! جس ہلالِ نما خنجر سے میرے باپ کو قتل کیا گیا ہے۔ وہ اُس جماعت کی علامت ہے جو بنو عباس کی حکومت کا تختہ الٹ دینے کی خفیہ تیاریاں کر رہی ہے۔"

اس انکشاف پر طوطے کی ہک والی فلسطینی بُری طرح چونک اٹھا اور تعجب سے پوچھ لگا: "لیکن تمہارا اُس خنجر سے کیا واسطہ ہے؟"

"ویسا ہی ایک خنجر میرے پاس بھی تھا بلکہ اب بھی ہے۔" یہ کہہ کر عباس کے اندر ہاتھ ڈالا اور کمر سے ہلالِ نما خنجر نکال کر دکھایا جس پر چہرے کا خلاف چڑھا ہوا تھا جو نہی خنجر خلاف سے باہر کیا، کبھی کسی کو نہ گئی اور سلیمان کی نظر پر اُمر پر چمک گئیں۔ وہ دو دھار والا بڑا تیز اور بہ شہرت جسم میں اُنہوں نے وہ خطرناک دشمنِ قتل پھر پوچھا: "تم نے یہ خنجر کہاں سے لیا؟"

یہ بھی عجیب و غریب کہانی ہے۔ وہ بتانے لگا: "کوئی دس سینے پہلے کی بات ہے ایک جنبی مجھے سننے آیا جو اپنے آپ کو کسی اسماعیلی یا طوی شیخ کا مرید ظاہر کرتا اور اس کے لیے دعوت دے رہا تھا۔ میں اس کی قسم کی دھڑکوں اور جماعتوں سے دل چسپی نہیں رکھتا تھا۔ اُس کی باتوں پر بھی توجہ نہ دے سکا اور وہ ہنس کر بول چلا گیا۔ میرا خیال ہے وہی جنبی جس نے اپنا نام رضا خیاط بتایا تھا، یہ خنجر میرے ہاں بھول گیا لیکن میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ خنجر چھپوں گیا یا جان بوجھ کر چھوڑ گیا کیوں کہ دوبارہ اُسے لینے نہیں آیا میں نہیں جانتا تھا۔ اُس کا قیام کہاں ہے اور وہ کدھر چلا گیا؟ یہ جاننا دو دھاری خنجر مجھے پسند آیا۔ دراپنے پاس رکھ لیا۔ تم سمجھ گئے ہو گے کہ خنجر کیسے عجیب طریق سے مجھ تک پہنچا۔ اُس سے ایک عجیب واقعہ اور پیش کیا۔ سات ماہ قبل میں ابو عباس کے ہمراہ دشتِ قرابت میں شکار کھیل رہا تھا۔ ہم دونوں ایک ہرن کے تعاقب میں تھے۔ ابو عباس کا گھوڑا اچھے سے آگے تھا۔ اُس کے نیرے کا پھل ہرن کے جسم میں اُتر گیا جو نہی وہ زمین پر گر گیا۔ میں گھوڑے سے گڑا اور اسی خنجر سے اُس کی گردن پر تھکسیر بھری۔ جب میں خنجر صاف کر کے غلاف میں ڈال رہا تھا، ابو عباس میرے قریب آیا اور چشمِ حیرت سے اُسے دیکھنے لگا۔ اُس نے

نے کہا: "یہ خنجر تو ایک باغی جماعت کا نشان ہے، تمہارے پاس کہاں سے آیا؟"

"میں نے اُس جنبی رضا خیاط کا ذکر من سب نہ سمجھا، جو مجھے دعوت دینے آیا تھا۔ البتہ تھا اگر جنبی کا حوالہ دیا، تو شاید مجھ پر شبہ کا احتمال ہو۔ اس لیے جھوٹ بول پڑا کہ خنجر مجھے راستے میں پڑا تھا۔ میں نے اٹھا کر اپنے پاس رکھ لیا۔ ابو عباس نے مزید کچھ نہ پوچھا اور خاموشی اختیار کر لی۔ میں سمجھا کہ بات اُنی گئی ہو گئی لیکن معتد کی ہلاکت کے بعد میرا باپ بھی پراسرار حالات میں قتل ہوا۔ اُسے ایسے ہی ایک ہلالِ نما خنجر سے قتل کیا گیا اور اس کے ساتھ ہی ابو عباس نے میری گرفتاری کا حکم صادر کر دیا۔ اب میں تمہارے اس سوال کا جواب دیتا ہوں کہ خلیفہ نے میری گرفتاری کیوں ضروری سمجھی؟"

شاید تم یہ سمجھ رہے ہو کہ خنجر کے حوالے سے اُسے مجھ پر اپنے باپ کو قتل کرنے اور معتد کے قتل کی سازش میں ملوث ہونے کا شبہ گزرا ہو گا مگر بات کچھ اور ہے، اپنے میرا بھی یہی خیال تھا کہ اُسے ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جسے معتد کی ہلاکت کے جرم میں موت کی سزا دے کر بغداد کے لوگوں کو مطمئن کر سکے کہ جرمِ کفر کو دار کو پہنچ گیا اور سبک خانوں کا اس معاملے سے کوئی واسطہ نہیں لیکن تم یہ سن کر حیران ہو گے۔ خنجر کے حوالے سے اب وہ کچھ کہہ رہے ہیں جو ابھی اُس باغی جماعت کا رکن ہوں جو بنو عباس کا تختہ الٹ دینے کی خفیہ تیاریاں کر رہی ہے۔ اُسے معتد کے قاتل سے کہیں زیادہ فکر پراسرار باغی جماعت کے کسی رکن کو گرفتار کرنے کی بات ہے جو میں نہیں ہوں۔ میں نے بنو عباس سے کبھی غداری نہیں کی لیکن ابو عباس نے بڑی وفاداری کا صلہ کس اور طرح چکانے کی کوشش کی ہے۔ اب میں بھی اُس وفاداری کے حلقے سے نکل آیا ہوں اور میرے اندر کا آدمی بدل گیا ہے۔ میرے باپ کو جس نے بھی قتل کیا اُس کا ارتقاؤ کی گیز دمن سے تعلق ضرور ہے۔ میں اگرچہ بغداد سے تھکا ہوا تھا مگر جذباتِ انتقام ساتھ لے کر آیا ہوں، کیا میری مدد کر سکو گے؟ میں اپنے باپ کے قاتل کو زندہ نہیں چھوڑوں گا، خواہ وہ جیچک خاتون ہی کیوں نہ ہو۔"

ابن حرب کی باتیں سن کر سلیمان بن عامر نے بڑے اطمینان سے اپنا ہاتھ اُس کے کندھے پر رکھ دیا اور پاس ہی بیٹھ گیا۔ "تمہیں پریشانی ہونے کی ضرورت نہیں، خود دیکھ لو گے تمہارا درست کیا کچھ کر سکتا ہے۔"

(ابن حرب کا ذہن اب انتقام کے صحرائیں جھٹک رہا تھا۔ ہلالِ نما خنجر کو چری خلاف میں

بند کر کے پھر کمر میں اڑس لیا اور کہنے لگا: اب مجھے وہ اجنبی دلائی رضا خیاط رہ رہ کر یاد آ رہا ہے۔ سوچتا ہوں، اگر میں اس کی دعوت قبول کر لیتا تو آج وہ جہالت میرے کام آتی اور انتقام کا بوجھ ہٹا کر دیتی۔

سیمان ایک بار پھر بڑی طرح چونکا مگر اس نے اپنی حیرت فوراً تجاہل کے پردے میں ڈھانپ لی اور کہا: ”میرا بھی یہی خیال ہے، تمہیں اس داغی سے رابطہ قائم کر لینا چاہیے تھا۔ مقصد اب عباس سے دشمنی مولی ہے تو تمہاری پشت پر کسی جماعت کا ہاتھ بڑا ضروری ہے۔“
مرائے دار کی نظر میں اس کے چہرے پر دل کا حال ٹھونسنے لگیں کہ اب کیا کہتا ہے۔ ابن حرب کے جواب نے اسے حیران کر دیا۔ ”اس وقت میں نے داغی کی بات پر تو تجربہ اس لیے نہیں دی کہ اب عباس کا مقابلہ کرنے کے لیے احمد بن طولون جیسے پُر حکمت دماغ اور فوجی تجربے کی ضرورت ہے جو کسی مذہبی شیخ کو پیشتر نہیں ہوتا۔“

”بھوتے جو ابن حرب، اندر بے اندر عقیدے کی طانت فوجی تجربوں پر بالا ہوتی ہے بہر حال اب میرا مشورہ یہ ہے، اگر نئے حالات میں کوئی داغی تمہارے پاس آئے، تو اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دینا۔“

”اس وقت میں اپنا ہاتھ بکرا اپنی زندگی تمہارے ہاتھ میں دے چکا ہوں۔“ ساتھ ہی سیمان کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ سرست کئے لیے میں بولا: ”تم نے کسی کمزور داغی کا ہاتھ نہیں پکڑا۔ میرے تعلقات کا دائرہ وسیع ہے۔ میں تمہیں اس دائرے میں لے جاؤں گا اور تمہارے ارد گرد لوگوں کی ایک دیوار کھڑی کر دوں گا۔“

”سیمان! تمہاری یہی خوبی تھی تمہارے پاس کچھ لائی ہے تاکہ اپنے باپ کے دشمنوں سے انتقام لے سکوں۔“

”تمہیں مایوسی نہیں ہوگی مصر کی سر زمین انتقام کی فصل کے لیے بڑی زرخیز ہے۔“ سیمان نے رُجوش انداز سے اس کا کندھا چھیٹھایا۔ ”ابن حرب تم خوش قسمت ہو کہ یہ وقت میں پیش آئے، جب شہزادہ شیبان شام و قسطنطنیہ کا دورہ ختم کر کے مصر واپس جا رہا اور آج ہی شام یہاں پہنچنے والا ہے۔ یہ بھی بتا دوں وہ تمہیں پسند کرتا ہے، جب تم اسے اپنی مصیبت کا حال سناؤ گے وہ تمہاری مدد سے دریغ نہیں کرے گا۔“

شیبان کی آمد کا ذکر سن کر ابن حرب ماتہ حیرت کے اچھل گیا اور پریشان سا

کر کہنے لگا: ”تم کہتے ہو شیبان مجھے پسند کرتا ہے لیکن امیری کے ایام میں اسی نے مجھے سب سے زیادہ اذیت پہنچائی۔ میں اس کے غلام حارث کے کورسے لٹج بھی نہیں بھولی سکتا۔“

سیمان بن عامر نے معاملے کی وہ صورت بیان کی جو ابن حرب کے علم میں نہیں تھی۔ انھیں بعد ازاں کرنے کے بعد میں خود شیبان سے ملنے لفظ طبع میں پہنچا دیا کہ شیبان نے حارث کی دوستی حاصل کر لی ہے یہ سن کر وہ کہنے لگا: ”میں طولون کو منذر ابن حرب جیسے درست کی ضرورت ہے جس کی وفاداری خریدی نہیں جاسکتی۔ آج تم مراد بن سلطان سے ملو گے تو اسے بدلہ دیا دے گا۔“

یہ اطلاع ابن حرب جیسے مصیبت زدہ شخص کے لیے بڑی حوصلہ افزائی کی طواری شہزادہ اس کی دوستی کی ضرورت محسوس کرتا رہا ہے۔ اچانک خیال آیا ساڑھے سات ماہ قبل جب دمشق فرات میں شہزادی قطر الندی کے پیچھے پیچھے اس کے محافظ دستے کا سالار حارث چند سواریوں سمیت اُدھمکا تو اس نے اندازہ لگایا تھا کہ شہزادہ شیبان بھی شام کی سرحد کے اس پاس کہیں موجود ہوگا۔ کہنے لگا: ”شیبان غالباً سات آٹھ ماہ پہلے ہی اچکا ہے، یہ اس کا دوسرا دورہ ہوگا۔“

”نہیں۔“ سیمان نے بتایا۔ ”اُسے شام کے کوئی دس بیسے ہو چکے ہیں۔ آرمینیا اور ایٹلیا کے کوچک کے سرحدی خراج کا کوئی جھگڑا تھا، جسے طے کرنے کے لیے وہ دس ماہ تک دمشق میں ڈیرے ڈال کے بیٹھا رہا۔ اب خراج لے کر آ رہا ہے اور دو دن پہلے شہر سے گاؤں کے لیے کارواں کو روانہ کر دیا گیا ہے۔ ان دو دنوں میں تمہیں شیبان سے ملاقات کرنے کے کوئی مواقع ملیں گے اور تم اس کی دوستی حاصل کر سکتے ہو مگر اپنے مقصد کے لیے تمہیں ذرا مٹی طولون کی طرف اپنا میلان ظاہر کرنا ہوگا۔“

”سیمان! اپنے انتقام کی خاطر میں جنگل کے بھیڑیوں سے بھی دوستی کر سکتا ہوں۔“ پھر نرم یہ بھی جانتے ہو، شہزادہ شیبان، ابن عباس کے بیٹے کسی بھیڑیے سے کم

لے موفیہ طلوع کی کمزور حکومت کے باعث ۲۷۲ھ مطابق ۸۸۶ء عیسوی میں خمارویہ بن احمد بن طولون کو آرمینیا اور ایٹلیا کے کوچک کی سرحدوں کا دارال تسلیم کر کے خراج دینا منظور کیا گیا تھا۔
(انسائیکلو پیڈیا آف اسلام)

خطرناک نہیں۔

”میں اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاؤں گا۔“

سمرائے دار نے ایک اور اطلاع دی کہ قافلے میں بنی طولون کی کچھ شہزادیاں بھی ہیں جو اللہس کی زیارت کرنے آئی تھیں۔ یہ سن کر ابن حرب کے جسم میں سنسنی کی تیز لہر دوڑنے لگی اور مضطرب ہو کر پوچھنے لگا: ”ان شہزادیوں میں سلطان خمارویہ کی بیٹی اسحاق قطر الندی بھی شامل ہے؟“

سیمان اس کے سوال پر حیران سا رہ گیا۔ پھر خیال گزارا۔ شیبان سے اس کی خلاصی کا ذریعہ قطر الندی ہی بنی تھی، شاید اسی لیے شہزادی سے دل چسپی رکھتا ہے۔ اسے بتانے لگا: ”وہی تو اللہس کی زیارتیں اور دمشق کی مسجد بڑا تیرہ کو دیکھنے کا شوق رکھتی تھی۔ اس کی دیکھا دیکھی دوسری شہزادیوں کو بھی شام و فلسطین کی سیاحت کا شوق چرایا اور کارواں میں شریک ہو گئیں۔“

لگاتار ابن حرب کے چہرے پر ایک نئی پریشانی سے اپنا سایہ ڈال دیا۔ دشت فرات میں احمد ابو عباس نے شہزادی قطر الندی کی جان بچائی تھی۔ بنی طولون پر ایک احسان کیا تھا۔ حادث اور اس کے سوار بھی وائے کے گواہ تھے اور تفصیل شیبان نے بھی سنی ہوگی کیا وہ اس واقعہ کو بھول کر جو احسان کا درجہ رکھتا تھا۔ ابو عباس کے خلاف اس کی مدد کرنے پر تیار ہو جائے گا؟ اس خیال کے ساتھ ہی ان بچے گیا کہ اسحاق قطر الندی کے کان میں بھینک بھی پڑ گئی کہ وہ معتضد ابو عباس کے خلاف شیبان کی مدد چاہتا ہے۔ خواہ اپنے چچا کو اس کی مدد کرنے سے روک دے گی۔ معاملے کی یہ صورت بڑی پریشانی کن تھی۔ سوچنے لگا اپنے میزبان سے اس واقعے کا ذکر کرے یا نہ کرے مگر سیمان بن عامر کی جہاں دیدہ نظروں نے چہرے سے اس کی پریشانی بھانپ لی اور پوچھا: ”تم قطر الندی کے ذکر پر پریشان کیوں ہو گئے؟“

ابن حرب نے سوچ بیا کہ سیمان کو حالات سے آگاہ کرنا ضروری ہے پھر دشت فرات کے واقعے کی تفصیل بیان کرنے لگا جسے سن کر سیمان حیران ہوتا رہا اور اس کی پریشانی کی وجہ بھی سمجھ بیٹھی۔ عرب معاشرے میں اس شخص کو بہادر اور محسن سمجھا جاتا تھا، جو اپنی جان پر کسی کی جان بچائے اور محسن کے خلاف تلوار اٹھانا یا اس کے دشمن کی مدد کرنا عیسیت تھا مگر معاملے کی نزاکت کو سمجھ کر سیمان نے اسے مایوس نہ ہونے دیا: ”تمخارا خیال ہے۔“

دشت فرات میں ابو عباس نے شہزادی قطر الندی پر جو احسان کیا تھا اس کی وجہ سے شیبان تھوڑی مدد نہیں کرے گا۔ لیکن بنی طولون نے احمد ابو عباس کی تخت نشینی پر کائف بھیج کر اس کے احسان کی قیمت چکا دی تھی۔ اگر اس نے کسی وقت شام و فلسطین اور مصر پر چڑھائی کی تو بنی طولون کی تواریں اس کا راستہ روکیں گی اور یہ سمجھ کر اسے چھوڑ نہیں دیا جائے گا کہ وہ اسحاق قطر الندی کا محسن ہے۔

ابن حرب کے حوصلے کی گرتی ہوئی دیوار پھر قائم ہونے لگی اور سیمان اسے سمجھانے لگا: ”اگر ابو عباس نے طولونی شہزادی پر کوئی احسان کیا تھا تو اسے سزا و حرب الھندی کے خون کا حساب بھی دینا ہوگا۔ تم بتاتے ہو کہ معز و خلیفہ معتضد کو بھی قتل کیا گیا ہے۔ کیا یہی بات بنی طولون کو مشتعل کر دینے کے لیے کافی نہیں؟“

ابن حرب کے چہرے سے پریشانی کے سائے چھٹ گئے اور معاملے کی صورت بالکل بدل ہوئی نظر آئی ریاست کی اس بساط پر جو بغداد اور مضبوطی کے درمیان کئی سال پہلے بچھ گئی تھی۔ مردہ معتضد کے ساتھ اب وہ چھ انتقام کے خانے میں کھڑا تھا۔ سیمان بن عامر نے اسے مزید حوصلہ دیا اور اسی بساط پر ایک نیا ٹھہرہ آگے بڑھایا: ”میرے دوست بقم بغداد سے جو عزم لے کر آئے ہو، وہ ضرور پورا ہوگا۔ بنی عباس اور بنی طولون کی غوثی کشمکش ہم سے تمہارے سر پر انتقام کا سہرا بانہ نہ سکتی ہے اور میں نے وہ بات سوچ لی ہے جو خلیفہ معتضد کو جنگ کے میدان میں گھسیٹ لائے گی۔“

”تم نے کیا سوچا ہے؟“

سیمان کے ذہن سے گزرتے والی بات اس کی زبان پر آگئی۔ ”میں یاد ہو گا۔ احمد بن طولون کے مرنے اور خمارویہ کے تخت نشین ہونے پر عراقی لشکروں نے شام پر حملہ کر دیا تھا۔ اب موفق حلب کے بعد اس کا بیٹا مسند حکومت پر بیٹھا ہے تو بنی طولون بھی عراق پر حملہ کریں گے اور تاریخ اپنے آپ کو دم لائے گی۔“

مقدار ابن حرب یہ بات سن کر دنگ رہ گیا کہ محض اس کی وجہ سے دو جرنیلوں میں تلک ہو سکتی ہے۔ اب وہ پہلا سا ابن حرب نہیں تھا جس کی وفاداری بغداد کے پائے تخت سے منہ ہوتی تھی۔ اس کے نزدیک جس طرح معتضد علی اللہ کے قتل کی راہ ہوا، اسی طرح اب اس کے لیے اس کا نشان بننا ہوگا۔ اس طرح بنی طولون کی مدد کرنی پڑے گی کہ معتضد ابو عباس کو میدان

جنگ میں گھسیٹ لیا جائے تاکہ اُس سے اپنا انتقام لے سکے۔ اضطراب کے لمحے میں بولا
"کیا ایسا ہو سکتا ہے؟"

سیمان کا جواب حیران کر دینے والا تھا۔ "ابن حرب! میں زندگی کے تجربے اپنے
ذہن میں باندھ کے رکھتا ہوں اور اب ان تجربوں کی ایک بکرہ کھول دوں گا۔ میں نے جنگ کا
نقشہ تیار کر لیا ہے۔ لڑائی چھیڑنے کی تجویز سوچ لی ہے اور جب میں کسی کام کا آغاز کرنا ہوں
تو اُسے انجام تک بھی پہنچاتا ہوں لیکن ایک بات یاد رکھو۔ شہزادہ شیبان کے سردہر ہوں
اپنے باپ کے قتل کا ذکر کم اور مقدمہ ہلاکت پر افسوس زیادہ کرنا ہوگا۔"

ابن حرب سمجھ گیا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔ سیمان اپنی بات ادھوری چھوڑ کر کچھ سوچنے لگا۔
معلوم ہوتا تھا، مختلف خیالات کی لہریں اُس کے ذہن کی دیوار سے ٹکرا کر لوٹ رہی ہیں۔ ایک لحظہ
وہ سوچ کی لہروں سے ابھرا اور پریشان انداز میں بولا۔ "میں نے تمہیں بتایا ہے، اس سفر
میں کئی طوہنی شہزادیاں شریک ہیں جن میں چار تو قطر اللہ کی چچیاں ہیں اور تین چھوٹے بچوں
میں عباسیہ سب سے اہم ہے جو اسماء قطر اللہ کی اتالیقی بھی ہے۔ چھوٹوں میں دو ماہی بکرہ
ہیں اور ایک بیوہ ہے۔ نجم العلیل عمر ۲۴-۲۵ برس سے زیادہ نہیں، نجم العلیل بڑی بڑا فٹار پڑیا
اور ترک نقش و نگار کی خوب صورت شہزادی ہے۔ اُس کا پہلا شوہر ایک طوہنی ترک تھا مگر
اب وہ کسی شہ زور حجازی عرب کی خواہش مند ہے جو اُس کے باپ احمد بن طوہن کی طرح
زبردست جنگی مرد ہو اور اُس کے خوابوں کی تعبیر بن سکے۔"

سیمان نے شہزادی نجم العلیل کا سراپا کچھ اس طرح بیان کیا کہ ابن حرب کے دل میں
اُسے دیکھنے کی خواہش انگڑائیاں لینے لگی لیکن بہ نہ سمجھ سکا۔ آخر اس سراپا کو رائی کا مقصد
کیا ہے؟ بہر حال کچھ مقصد تو ہوگا۔ غصے کے لمحے میں پوچھا۔ نجم العلیل کے خواب کیا ہیں؟
"وہ حکمرانی کی خواہش مند ہے۔"

ابن حرب کا چہرہ کچھ دھندلا ہو گیا۔ "پھر تو کوئی حکمران ہی اُس کے خواب پرے کر
سکتا ہے۔"

سیمان نے ایک ادبی نقشہ پیش کیا۔ "احمد بن طوہن ایک جنگجو سپہ سالار تھا اور شہزادہ

طوہنی سلطنت کے بانی احمد بن طوہن کی ۳ سو اولاد ہیں جن میں ۷۱ بیٹے اور ۱۶ بیٹیاں

مرد بھی۔ اُس کے عہد میں سے سترہ لڑکے اور سولہ لڑکیاں ہوئیں۔ لڑکوں میں خمار ویر سب
سے بڑا اور باپ کا جانشین ہے۔ اُس سے چھوٹا شیبان، بھائی کا دست راست سمجھا جاتا
ہے مگر خمار ویر کے دو بیٹے ہیں۔ جیش اور ہارون۔ اُس نے دونوں بیٹوں کو علی الترتیب
اپنا ولی خد مقرر کیا اور ان کے بعد حکومت کا اختیار اپنے بھائی شیبان کے لیے محفوظ رکھا
تم خود سوچ سکتے ہو کہ ابن طوہن کے بیٹوں اور پوتوں کے ہوتے ہوئے اس کی کسی بیٹی کا
برسر اقتدار آنا ناممکن اور ایک خواب پریشان کے سوا کچھ نہیں لیکن نجم العلیل اسی خواب پریشان
کو پورا کرنا چاہتی تھی اور کسی ریاست کی مکہ بننے کا عزم رکھتی ہے۔"

"ابن طوہن کے بیٹوں اور پوتوں کی موجودگی میں اُس کا یہ خواب کیسے پورا ہو سکتا ہے؟
"یہ بات صرف میں جانتا ہوں کیونکہ نجم العلیل مجھ پر اعتماد کرتی ہے۔" سیمان بن عامر نے
ایک نیا گوشہ اسرار کھول دیا۔ "وہ ایسا زبردست مرد چاہتی ہے، جو حکمرانی کی صلاحیت کے ساتھ
فتوحات کا عزم بھی رکھتا ہو اور۔" اُس کے خوابوں کو تعبیر بخش دے۔"

اُس نے ایک اور انکشاف کیا۔ "شہزادی نجم العلیل جانتی ہے کہ میں ایک مرد شناس
اور خبر دہ کا آدمی ہوں۔ اُس کے باپ احمد بن طوہن نے مجھ پر بڑی اعتماد نہیں کیا تھا۔ دس ماہ
پہلے شام فلسطین کی طرف جاتے ہوئے، جب شاہی قافلے نے عربش میں قیام کیا، اُس نے نہائی
میں مجھ سے ملاقات کی۔ بڑی رازداری کے ساتھ اپنا خواب مجھے سنایا اور فرمائش کی کہ
میں اس معاملے میں اُس کی مدد کروں۔ ابن حرب اگر نجم العلیل کا اعتماد حاصل کر سکو تو
تھماری بہت سی مشکلیں آسان ہو جائیں گی۔"

اُس نے طوہنی شہزادی کا اعتماد حاصل کرنے کا مشورہ کچھ اس طرح اچانک اور ناگہان
دیا کہ ابن حرب پر حیرت کا ایک سکہ سا گر گیا۔ نجم العلیل کا حسین سراپا سن کر دل میں
ترغیب کی ہلکی سی لہر پیدا ہوئی تھی۔ تاہم دل چاہی کہ وہ لہر سائل کو چھو کر ٹوٹ آئی، جہاں ایک
ریاست کی دیوار کھڑی تھی لیکن فلسطینی سرانے دار کے آخری انکشاف اور آخری فقرے
(بقیہ حاشیہ)

خمار ویر سب سے بڑا بیٹا تھا لیکن ہمارے اور شجاع جو نے کے علاوہ عیاش بھی تھا۔
اُس کے بعد علی الترتیب جیش، ہارون اور شیبان جانشین تھے۔

"(نحوالہ ابن تغری بردی و جمال الدین سیوطی)

طولونی قافلہ

شام کا میلا اندھیرا اگر اہل کوہ رات کے کھلے اندھیرے میں گھل جاتا تھا کیوں کہ چاندنی راتیں اندھیری راتوں میں بدل گئی تھیں اور اب چاند دیر سے طلوع ہوا تھا مگر عیش کی کارواں سرائے جسے دھن کی طرح آراستہ کر دیا گیا تھا، لبنانی قندیلوں کی روشنی میں جھل جھل کر رہی تھیں۔ راتیں تاریک ہوں یا روشن، فیصل کے مشرقی اور مغربی برجوں میں قندیلوں کی روشنی تھیں جنہیں مسافر دروہی سے دیکھ لیتے تھے مگر اُس رات سرائے کے مشرقی برج میں کئی مشتعل روشن تھیں۔ ناکم شاہی قافلے کے ساربانوں اور محافظ سواروں کو ان کی روشنی بہت دور سے نظر آجائے۔

سیلمان بن عامر نے شام کی زمینیں بکھرنے ہی اپنے کچھ مشعل بردار غلام اور خدمت گار شاہی قافلے کی پیش دانی کے لیے روانہ کر دیے تھے جنہیں نصف فرسخ آگے جا کر معز مولا کا استقبال کرنا اور قافلے کو مشعلوں کی روشنی میں کارواں سرائے تک لانا تھا۔ باقی ماندہ غلام وکر اور خدمت گار سرائے کی اونچی فیصل کے حصار سے نکل کر اُس کے صدر دروازے تک پہنچ گئے تھے جہاں درجنوں قندیلوں کی تابانی میں دن کا آجالہ ہو رہا تھا۔ ابھی رات کا پہلا پہر شروع ہوا تھا کہ بہت دور اوتھوں اور ساندنیوں کے گھنٹوں پر بندھی گھنٹیوں کی ٹی ٹی ٹی گونج "صدائے کارواں" بن کر بلند ہوئی اور شاہی قافلے کی آمد کا اعلان کیا۔ اُس کے ساتھ سیلمان بن عامر اپنے عراقی مہمان اور مصری، شاہی، فلسطینی کنیزوں کے جھرمٹ میں فیصل

نے سارے جسم میں سنستی سی دڑاوی۔ مضطرب سا ہو کر بولا۔ "شہزادی سے تعارف ہو جائے تو شاید میں اُس کی توجہ حاصل کر سکوں۔"
نہ جانے سرائے دار کا مقصد کیا تھا۔ اُس نے ایک نیا پہلو دکھایا۔ تعارف تو میں کر دوں گا لیکن ایک شرط پر؟

ابن حرب پہلی بار چونکا۔ "شرط کیا ہے؟"
"مجھے میری مرضی کا پابند ہونا پڑے گا۔"

"سیلمان! تم میرے دوست بھی ہو اور محسن بھی۔ میں تمہاری کسی بات سے انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن جو کچھ کرو گے، اُسی میں میری بہتری ہوگی۔"
سرائے دار نے مسکرا کر اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "اٹھو اور سفر کی گھر اتارو۔"

ابن حرب اُس کے ساتھ ہویا۔ سرائے کے پرانے غلام، نوکر اور خادم اُس سے مل کر بڑے خوش ہوئے۔ رات آٹھ سال کے عرصے میں وہاں کچھ نئے غلاموں اور خدمت گاروں کا اضافہ ہوا تھا۔ وہ بھی اپنے آقا کے مہمان اور دوست کا احترام کرنے لگے، جس کی خاطر کزبان ترک اور اُس کے چاروں بد نصیب سواروں کے سر کاٹ کر چری ٹھیلے میں محفوظ کر لیے گئے تھے۔ پھر سیلمان اُسے لے کر اُن رہداری میں نمودار ہوا جہاں اُس کی خانگی رہائش گاہ کی طرف بجلی تھی اور جہاں کارواں سرائے کے غلام اور خدمت گار بھی داخل نہیں ہو سکتے تھے۔

اُس رہداری میں نصف دائیں جانب کچھ کمرے سیلمان بن عامر کے کچی اور خاص مہمانوں کے لیے وقف تھے۔ انہی مخصوص کمروں میں سے ایک ابن حرب کے لیے کھول دیا گیا اور وہ اُسے کمرے میں چھوڑ کر اپنی خانگی رہائش گاہ میں چلا گیا جہاں کچھ حبشی اور خوش گونگ کنیزیں شاہی مہمانوں کے بارے میں اُس کی ہدایات کی منتظر تھیں۔ ابن حرب نے آراستہ کمرے کا جائزہ لیا اور محسوس کرنے لگا کہ وہ بغداد میں ایک بازی دار آیا اور لیش میں ایک بازی جیت رہا ہے۔



کی ڈیڑھی سے نکل کر دروازے پر نمودار ہو جس سے باہر کا منظر کچھ اور خوب صورت ہو گیا۔

اب گھنٹیوں کی مسلسل آوازیں اپنے مخصوص صحرائی آہنگ سے کچھ قریب سنائی دینے لگیں، جن کے ساتھ مشعل بردار غلاموں کا حلقہ بھی نظر آیا۔ مشعلوں کے اس حلقے میں شاہی محلوں کی ایک قطار دکھائی دی، آگے آگے شہزادہ شیبان اور کچھ محافظ سوار تھے مگر قافلے کے عقب میں سامان سے لدے چاندی کے اونٹ تھے جن کے پیچھے مسلح سواروں کا ایک دستہ نظر آ رہا تھا۔

رات کے کالے حاشیے پر تھر تھرائی مشعلوں کی روشنی کچھ اور قریب آگئی، تو حضرات گھنٹیوں کی آوازوں سے گریختے ہوئے اور ان آوازوں کے درمیان سرائے کے دروازے پر ”اھلا و سھلا“ کی صدا بلند ہوئی۔ شہزادہ شیبان نے جو قافلے کا امیر اور پیش رو تھا دروازے کے پاس ہر گھوڑارو کا تو ایک غلام نے پک کر اس کی نگاہ غلامی اور سلیمان بن عمر ابن حرب کو ساتھ لے کر استقبال کے لیے آگے بڑھا۔

کامراں کے رکتے ہی ساربان سائڈیوں کی ٹیکلیں پکڑے مخصوص آوازوں میں انھیں بٹھانے لگے۔ سرائے کی کنیزیں محلوں کے اس پاس بکھر گئیں تاکہ شہزادیوں کو اترنے میں مدد دیں۔ اس اثنا میں شیبان گھوڑے سے اتر آیا تھا۔ اس نے سرائے دار کے ساتھ ایک اجنبی کو اپنا استقبال کرنے دیکھا تو حیران سا رہ گیا۔ وہ صورت بھونسنے والی نہیں تھی۔ سلیمان نے اس کی حیرت بھانپ لی اور کہا: ”مجھے اتبند ہے، آپ منذر ابن حرب کو بھولے نہیں ہوں گے۔ شیبان نے ماضی کے جنگی قیدی پر نظر ڈالی اور اسی سے مخاطب ہوا: ”ابن حرب! میں تمھیں بھولا نہیں لیکن عزیش میں دیکھ کر حیران ضرور ہوں۔“

ابن حرب کے جواب نے اسے ایک نیا اور خوشگوار حیرت سے دوچار کر دیا۔ ”شہزادہ عالی سلیمان نے اسی عزیش میں میری قیدی بیڑیاں کاٹ کر میرے پاؤں میں دوستی کی زنجیر ڈال دی تھی۔ وہی زنجیر مجھے مصر میں پہنچ لائی ہے۔“

سلیمان بن عامر سے دوستی کا مطلب بنی طولوں سے دوستی کا اظہار تھا۔ شیبان نے تجسبن کی نگاہوں سے پہلے ابن حرب کو پھر مرے دار کو دیکھا اور کہا: ”لوہے کی بیڑیاں ٹوٹ جاتی ہیں لیکن دوستی کی زنجیر نہیں ٹوٹتی۔“

ابن حرب کا دوسرا جواب بھی خوشگوار تھا: ”اب یہ زنجیر کسی نہیں توڑے گی۔ شیبان جانتا تھا وہ بے وجہ مصر نہیں آیا ہوگا۔ دوستی کے تعلق کا اظہار کسی واقعہ یا مقصد کی طرف اشارہ کر رہا تھا لیکن کچھ سمجھ نہ سکا۔ اسے مقصد سمجھنے کی جلدی بھی نہیں تھی فوراً ہی ان سے بے تعلق ہو کر ہم سفر شہزادیوں کی طرف متوجہ ہو گیا، جنھیں کنیزوں نے محلوں سے بہ حفاظت اُتار لیا تھا اور اب وہ اپنے چہروں پر نقاب کھینچے، کنیزوں کے جھرمٹ میں مراٹھے کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ ان میں بنت سلطان اسامہ قطر الندی، شہزادی عباسہ اور شہزادی نجم العلیل کی حیثیت نمایاں تھی، کیوں کہ تینوں سلطان نما رویہ کے مزاج میں داخل رکتی تھیں۔

اسامہ قطر الندی اپنی انالین عبا سیر کے ہمراہ طولی خواتین میں سب سے آگے تھی۔ شیبان بھی اسی کی جانب بڑھا اور طبیعت کا حال پرچھ کر ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ کنیزیں انھیں اپنے حلقے میں لے کر سرائے کے دروازے میں داخل ہوئیں۔ غلام اور خدمت گزار دروازے سے سٹ گئے تھے۔ البتہ سلیمان اپنے دوست کے ہمراہ طولی شہزادیوں کے رچی استنار کے لیے وہاں موجود تھا۔ سرائے دار کی حیثیت سے یہ بات اس کے فرائض میں شامل تھی کہ شاہی محلوں کو خوش آمدید کہے اور قیام و طعام اور آرام کا خیال رکھے۔ البتہ ابن حرب کو اس ”حسین خدمت“ کا موقع اس کی دوستی کے ظیفے بستر آگیا تھا۔ طولی خواتین کے استقبال کا واقعہ، جن کی خیال انگیز دل کشی نے اس کے دل و دماغ کو کسی ظلم کی طرح جکڑ لیا، ناگہاں پیش آیا۔ ساری دل کشی کی وجہ شہزادی نجم العلیل تھی، اور جب شہزادیاں، کنیزوں کے جلو میں دروازے کی جانب بڑھ رہی تھیں۔ سلیمان نے سرگوشی میں اسے بتا دیا تھا کہ اسامہ قطر الندی، امیر شیبان اور عبا سیر کے پیچھے پیچھے کئے والی وہی ہے جس پر اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ جلدی محلوں میں بنت سلطان اپنے چچا شیبان اور چچی عبا سیر کے ہمراہ دروازے پر پہنچ گئی، تو دونوں نے سر جھکا کر اسے تعظیم دی اور سلیمان نے اھلا و سھلا کہا۔ ”جیکہ اسی لمحے امیر شیبان، ابن حرب کی طرف اشارہ کر کے قطر الندی سے مخاطب ہوا: ”اسما! ذرا پہچانو۔ یہ کون ہے؟“

قطر الندی نے بلا کا حافظہ پایا تھا۔ ایک ہی نظر ڈالی اور پہچان لیا: ”مندر ابن حرب“ ساتھ ہی اس کا حال پرچھا اور ابن حرب نے ”طیباً، جیداً“ کہہ کر ایک بار پھر گردن خم

کردی واقعی اس کا احسان مند تھا۔

شیبان نے بتایا: "ابن حرب پہلے جنگی قیدی بن کر آیا تھا اب دوست بن کر آیا ہے۔"

قطر الندی یہ سن کر خوش ہوئی۔ پھر بڑے موزوں اور بلیغ الفاظ میں کہنے لگی: "میں نے ان لوگوں کو بانٹ دینی، بکھیر دیتی، توڑ پھوڑ دینی ہے مگر دوستی انھیں متحد اور مضبوط کرتی ہے۔ یہ کہہ کر آگے بڑھی اور شاہدہ وقار سے ملتی دروازے میں داخل ہو گئی۔

شیبان اور عیسیٰ اس کے ساتھ ہی آگے بڑھے جب اس کی حلقہ بردار کیزیں بھی دروازے سے گزر گئیں تو نجم اللیل چہرے پر شرمخ نقاب کھینچے قریب آئی۔ صرف اس کی اپنی کیزیں اس کے ساتھ تھی۔ سرائے دار نے دیکھی طور پر اسے بھی تعظیم دی اور خوش آمدید کہا مگر ابن حرب شرمخ نقاب کے اندر اس کے ترک حسن کی دل کشی اور نقاب سے باہر اس کی لمبی غلانی آنکھوں کی سحر آفرینی میں کھو گیا جن کے بھاری پھوٹے شماروستی سے بھرے ہوئے تھے۔ وہ لمبی جادوگر آنکھیں پورے منظر کو مسح کر رہی تھیں اور شرمخ نقاب کے اندر اس کا چہرہ چاند کی طرح روشن تھا۔ طولی شہزادی کو دیکھ کر اس کے ذہن میں ایک مشہور شعر شفق کی بکھیرنے لگا جس میں شاعر نے مجبورہ کے شرمخ نقاب کا ذکر کیا تھا اور نقاب نے شفق کی مانند جان ویا چہرہ چمپا رکھا تھا۔

ابھی شعر کے حسین تصور میں غم تھا کہ شیبان کی آواز کان میں پڑی تو نجم اللیل کو تار با تھار "یہ میرا دوست منذر ابن حرب ہے۔ عرب کے صحابی قبیلے کندہ کا جوان۔ میدان جنگ کا کیت باز شہسوار۔ حملہ کرنے میں جیز اور لڑنے میں بے رحم۔"

ان الفاظ میں گویا اس نے شہزادی کے "مطلوبہ عرب" کا تعارف کر دیا تھا۔ نجم اللیل کی لمبی غلانی آنکھوں میں حیرت کی چمک پیدا ہوئی۔ مگر یہی ابن حرب پر ایک نظر ڈالی۔ وہی ایک نظر جس میں مرد کے صبر و شکیب کو چھونک دینے والی بکھیراں کوند رہی تھیں، ابن حرب کے پورے وجود میں آگے بڑھنے اور وہ محسوس کرنے لگا، بعض خوب صورت عورتیں اس لیے پیدا ہوتی ہیں کہ مردوں کے تصرف میں نہ آئیں بلکہ انھیں اپنے تصرف میں لائیں اور ان پر حکومت کریں تاکہ ان کے جذبہ افتخار کی تسکین کے ساتھ حسن کی شان بلند ہو اور نجم اللیل بھی اپنی عورتوں میں سے ہے۔ وہ خود بھی اپنی سرکش طبیعت کی وجہ سے کسی کے تصرف میں آنے

کا عادی نہیں تھا۔ اسی لیے جب شہزادی کی نگاہ اس کے وجود میں اتری تو شہزادیوں میں دوڑتا ہوا باہی اور نافرمان خون مزاحمت کرنے لگا۔ شاید ایک عورت کے سامنے مفتوح ہونا نہیں چاہتا تھا لیکن کوئی ایسی بات ضرور تھی کہ اس کا باغی خون ان غلانی آنکھوں کی حسین قوت کے سامنے سپا ہونے لگا۔

طولی خاتون نے اس کا ہر پور جانزداری سے بعد بڑے مدتم لہجے میں سرائے دار سے کچھ کہا اور آگے بڑھ گئی۔ اس کے گزرتے ہی شیبان نے اپنے دوست سے سرگوشی کی۔ "اس نے بات چیت کے لیے مجھے اپنے کمرے میں بلایا ہے۔"

اس اطلاع کے ساتھ ہی ابن حرب کی ہنصوں میں خون تیزی سے دوڑنے اور دل دھڑکنے لگا۔ شیبان بن عامر کو اس وقت تک وہیں ٹھہرنا تھا جب تک شہزادیاں سرائے کی طولی حویلی میں داخل نہ ہو جائیں۔ یہ سلسلہ جلد ختم ہو گیا۔ شہزادیوں کے گزر جانے کے بعد ساربانوں کو خالی محلوں والی ساندیاں اور ساز و سامان سے لدے ہوئے اونٹ لے کر سرائے میں داخل ہونا تھا، جو باہر میدان میں کھڑے رہتا رہتا۔ محافظ دستے کے گھوڑے بھی صطبل کے تھاؤں پر بیٹھنے کے لیے بے چین تھے۔ شہزادیوں اور کیزیوں کے گزرتے ہی محافظ سواروں اور ساربانوں میں ہچکچاہٹ مچ گئی اور وہ دروازے کی جانب بڑھنے لگے۔

ابن حرب سرائے دار کے ساتھ دروازے سے ہٹ رہا تھا کہ ناگہاں ایک شخص سامنے آکر کھڑا ہو گیا جسے دیکھتے ہی اپنی اسیری کے دن یاد آ گئے اور آنکھوں میں عجیب سی چمک ڈل گئی۔ وہ محافظ دستے کا سالار، امیر شیبان کا غلام حارث ابو طغر تھا جس کی صورت آٹھواں قبل دشت فرات میں بھی نظر آئی تھی اور دل کے کچھ زخم تازہ ہو گئے تھے۔ حارث کے ساتھ یام امیری کی کئی تلخ یادیں وابستہ تھیں مگر بنو تہاسس سے اپنی وفاداری کی صف ایٹھ لینے کے بعد اب وہ ایک بار پھر اس سرزمین پر کھڑا تھا جہاں ماضی کی تلخ یادیں بھانسنے اور پرانی دشمنی کو دلالتی میں تبدیل کرنے کی ضرورت تھی۔

حارث نہ صرف اسے امیر شیبان اور قطر الندی سے گفتگو کرتے دیکھ چکا تھا بلکہ اس کی ہوشیار نظریں اس وقت بھی دروازے کے آس پاس منڈلاتی رہی تھیں جب سرائے دار شہزادی نجم اللیل سے اپنے دوست کا تعارف کرا رہا تھا اور ترک خاتون نے اس پر توجہ کی نظر ڈالی تھی۔ حارث نے نجم اللیل کی توجہ کا مفہوم سمجھا یا نہیں سمجھا لیکن اپنے آقا شیبان کے دوستانہ

سلطنت کی حدود سے نکل جانے تاکہ خلیفہ معتقد کے غضب سے بچ سکے اور زندہ رہ کر باپ کا انتقام لے۔ یہ خیال بھی تھا کہ اگر ویش پنج گیا تو محفوظ ہو جائے گا اور سلیمان بن عامر کو اپنی مدد پر آمادہ کر لے گا لیکن یہ بات تو دوسرے دکان میں بھی نہیں تھی کہ جب ویش کی کارواں سرانے میں داخل ہوگا، حالات کی صورت کیسے تبدیل ہو جائے گی۔ سلیمان بن عامر کا سلوک، مثلاً ہی قلعے کی آمد، شہزادہ شیبان کا دوسرا درویش، دختر سلطان اسامہ قطر اندلی سے ملاقات اور شہزادی نجم امیل کی لگاؤ، توجہ جس نے اس کے وجود میں آکر سرکش خون کی مزاحمت روک دی اور اب خون کی طرح پورے جسم میں دوڑ رہی تھی۔ یہ سب کچھ بڑا حیرت انگیز یا پھر اس تقدیر کا کھانا تھا جو اسے عراق سے مصر میں گھسیٹ لائی تھی۔

بغداد کے قبرستان شونیز یہ سے لے کر ویش کی کارواں سرانے تک ہر واقعہ دوسرے واقعے سے، ہر اتفاق دوسرے اتفاق سے زنجیر کی کڑیوں کی صورت باہم خشک اور تھکی کیا ہوا تھا جس میں ایک بات دوسری بات کا سبب بنی تھی۔ اسباب و علل کا یہ تو اترا اور اتفاقات کا یہ تسلسل ہے مقصد نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ حالات کا کرشمہ یا قسمت کا فیصلہ تھا اور اب اس کا رخ اسی جانب تھا جو ہر تقدیر پر اسے لے جانا چاہتی تھی۔

یہ خیال کتنا راحت بخش تھا کہ اُسے دیکھ کر شہزادی نجم امیل نے اپنی لمبی اور غلطی آنکھوں کے پٹ یوں کھول دیے تھے، جیسے دل کا دروازہ کھول رہی ہو۔ کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ زندگی میں کسی شہزادی کی نظر اُس کے وجود میں اتر جائے گی۔ اُس ایک نظر میں کچھ بجلیاں تھیں پھر کہیں نہیں، کچھ واقعات تھے، کچھ حادثات تھے جو اُسے پیش آنے والے تھے۔



شامی قلعے کے آتے ہی ویش کی کارواں سرانے میں زندگی کی نئی لہر دوڑنے لگی۔ سرانے میں لوگوں سے اور اہل جانوروں سے بھر گیا۔ شامی لوگوں کو بالائی منزل کے کمروں میں ٹھہرایا گیا تھا۔ دوسری اعلیٰ حیثیت کے مسافروں کے لیے مخصوص تھے کیونکہ مصر اور شام و فلسطین کے درمیان سفر کرنے والے سردار، شہزادے حتیٰ کہ سلطان خوارزم اور اس کے اہل سلطنت کی جب ویش سے گزرتے تو ان کی کمر دہن میں قیام کرتے تھے جو ہر قسم کے سامان آرائش سے آراستہ ویراستہ تھے۔ خواتین کی موجودگی میں کسی غلام یا خادم کو اوپر جانے کی اجازت نہیں تھی

روایت کو ضرور سمجھ گیا تھا۔ اس لیے اپنا ہاتھ بڑھایا اور بڑے خوشگوار بچے میں مخاطب ہوا۔ "ابن حرب! ہم مصر میں دوسری بار ایک دوسرے سے مل رہے ہیں!"

ابن حرب نے مصلحتی کے لیے بڑھا ہوا ہاتھ ختم کیا اور اپنے لہجے کی تکی کم کر کے کہنے لگا۔ "میرا خیال ہے جس طرح آسمان پر ستاروں کی رفتار اور زمین پر ہموار گردش متعین ہے۔ اسی طرح لوگوں کی ملاقات کے علاقے بھی مقرر ہوتے ہیں۔"

گویا نجوم کی کتاب اسرار میں اگر بغداد سے اُس کا فرار تقدیر کا فیصلہ تھا، تو مصر میں اس سے ملاقات بھی مقدر میں تھی لیکن نہیں جانتا تھا، اُس کے چل کر یہ ملاقات اُس کے لیے کتنی مشکلات اور پریشانی پیدا کرنے والی تھی۔ حادثہ ہر معاملے کو شے کی نظر سے دیکھنے کا عادی تھا اور تقدیر کی کتاب میں اُس کا نام ابن حرب کے سب سے بڑے حریف یا رقیب کے طور پر کھو دیا گیا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کی نظروں سے نظریں اور ہاتھ سے ہاتھ ملائے کھڑے تھے کہ اچانک سرانے دار کی آواز نے انھیں چونکا دیا جو کہہ رہا تھا۔ "حادثہ! کیا یہ خوشی کی بات نہیں کہ امیر شیبان نے ابن حرب کو اپنا دوست بنا لیا؟"

"کیوں نہیں؟ اس سے بڑھ کر خوشی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔ دوستی سب کو ایک چادر میں ڈھانپ لیتی ہے۔" یہ کہہ کر حادثہ نے بڑی گرمجوشی سے اس کا ہاتھ دیا۔ "ابن حرب! اب مجھے اپنا دوست سمجھو۔"

اُسے یوں لگا جیسے حادثہ اُس کے ہاتھ کی قوت آزمایا ہو۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "تم نے اپنی عمر کا بہتر حصہ بغداد میں ضائع کر دیا۔"

اس کا جواب سلیمان بن عامر نے دیا۔ "بے شک ابن حرب تیس اکتیس برس بغداد میں گزار آیا ہے لیکن مصر میں ابھی کئی سال اس کے منتظر ہیں۔"

اس کے ساتھ ہی یہ منتظر کی ملاقات ختم ہو گئی کیونکہ سادہ بان اونٹنوں کی ٹیلیں پکڑے بغداد بنانے والی قریبی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ حادثہ وہیں ٹرک گیا۔ اُسے اپنے سواروں کا انتظار تھا مگر ابن حرب، سرانے دار کے ہمراہ ڈیوڑھی باندھ کر گیا اور چلتے چلتے سوچنے لگا۔ وہ بغداد سے اپنے رشتے توڑ گیا ہے اور مصر میں نئے واسطے اور نئے واسطے قائم ہو رہے ہیں لیکن دل میں کوئی چیز دھڑک رہی تھی۔ شاید یہ اُس کا مستقبل تھا جسے ابھی کئی خطروں سے گزرنا تھا۔ بغداد سے فرار ہوتے وقت اُس کے سامنے صرف ایک مقصد تھا کہ کسی طرح عباسی

ان کی خدمت کبیر نہیں سرا بنام اوقی تھیں اور سرانے دارمہانوں کی حیثیت کے مطابق ان کے آرام کا خیال رکھنا تھا۔

ایسی رات کا پہلا پیر ختم نہیں ہوا تھا کہ سب مہمان طعام سے فارغ ہو کر اپنے کمروں اور بستروں میں آرام کرنے لگے۔ بالائی منزل پر شہزادیاں محو استراحت تھیں اور امیر شیبان اپنے کمرے میں مندرائیں حرب کی روداد سن رہا تھا۔ جسے سلیمان بن عامر اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر خود شیبان کو ان معاملات سے دل چسپی تھی جو ابن حرب کو بغداد میں پیش آئے اور اسے مصر کی جانب فرادہ ہونا پڑا۔

اس نے وہ پوری کہانی جو سلیمان بن عامر کو سننا چکے تھا پھر دہرائی اور اس کی ہدایت کے مطابق معزول خلیفہ معتز علی اللہ کے قتل کا واقعہ اور اتر عداؤ کی طرف اٹھنے والی انگلیوں کا ذکر ذرا تفصیل سے کیا کہ معتز کی غیر طبعی موت کی خبر سن کر بغداد کے لوگ کس طرح گھبراہٹ اور ہلاکت میں نکل آئے اور قاتل کی گرفتاری کا مطالبہ کرنے لگے۔ شیبان کو ابھی تک یہ علم نہیں تھا کہ معتز قتل یا فوت ہو چکا اور اس کی لاش قبر میں اتاری جا چکی ہے۔ وہ ابن حرب کی زبانی اس پر شک و اتنے کی تفصیل سن کر حیران رہ گیا کہ جب معزول خلیفہ نے اپنے بھتیجے کی بیعت کر لی جن خانات سے دستبردار ہو گیا، حتیٰ کہ اپنے بیٹے جعفر افطوس کو بھی دل عہدی سے محروم کر دیا تو اس کی زبان پر زندگی کیوں پھینکی گئی؟

سلیمان بن عامر نے توجہ دلائی کہ جعفر افطوس کے بھابھ جیجک خاتون کا بیٹا ابو محمد تھا جو گا اور اہل بغداد نے معتز کی ہلاکت کے بارے میں بھی الزام کی انگلی جیجک خاتون پر اٹھائی۔ ابن حرب نے نہایت "جیجک خاتون ہی میرے باپ کے قتل اور میری مصیبت کا ذمہ لگایا ہے۔"

شیبان نے فوری طور پر کسی رائے کا اظہار نہیں کیا۔ البتہ جہاں اسے معتز کی ہلاکت پر افسوس ہوا وہاں اس بات کی خوشی بھی ہوئی کہ ابن حرب جیسا بہادر جنگجو، معتز کا دشمن سے اپنی وفاداری کا رشتہ توڑ آیا ہے۔ کہنے لگا: "ابن حرب! ہم ایک مصیبت زدہ دیکھ رہے ہیں۔ اب ہمارے تھیں خوش آمدید کہنا ہوں۔"

اس نے طو لونی شہزادے کا لشکر یہ ادا کیا کہ مصیبت کے سن ایام میں مصر سے پناہ لے رہا اور برادر سلطان کاروئیہ دوستانہ ہے۔

اب سلیمان بن عامر کو وہ بات کہنے کا موقع مل گیا جس کے لیے وہ اپنے دوست کو رے سرکشیاں کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ "امیر شیبان! یہ سن کر آپ حیران ہوں گے کہ ابن حرب کا ویش تک تعاقب کیا گیا۔ معتز کا افسر ضابطہ گرفتاری کے لیے اپنے چار سواروں سمیت سرانے میں پہنچ گیا تھا۔"

اس اطلاع پر جو ابھی تک مخفی رکھی گئی تھی، شیبان بڑی طرح چونک گیا۔ "مگر اوقی سواروں میں کسی کو گرفتار کرنے کے مجاز نہیں۔"

"میں بھی اپنے دوست کو ان کے حوالے کرنے پر تیار نہ تھا۔"

"کیا اوقی سوار واپس چلے گئے؟"

"نہیں۔" سلیمان کے مونچوں پر بڑی سفاک مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"پھر وہ کہاں ہیں؟"

"میں نے انھیں منزل پر پہنچا دیا۔" وہ بتانے لگا۔ "زندگی کا ہر سفر کسی قبرستان پر ختم ہوتا ہے اور ہر آدمی کی آخری منزل قبر ہوتی ہے۔ عربیہ کے قبرستان میں بھی راج ایک گڑھے کا اضافہ ہوا ہے۔"

شیبان پر ایک اور حیرت گزر گئی مگر سلیمان کہنے لگا: "امیر شیبان! اوقی سواروں نے طو لونی سلطنت کی حدود میں بے جا مداخلت کی تھی اور جرگہ طو لونی اختیارات میں بے جا مداخلت کرتے ہیں ان کے لیے میرے پاس بھی ایک اختیار ہے اور وہ اختیار مجھے آپ کے والد مرحوم احمد بن طو لون نے دیا تھا۔"

یہ سنتے ہی طو لونی شہزادے کو اپنی ذمہ داری کا احساس ہوا۔ "میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ اوقی سوار مصر میں کسی کو گرفتار کرنے کے مجاز نہیں تھے۔ یقیناً وہ تم سے اُلجھ پڑے ہوں گے اور تم نے اپنا اختیار استعمال کیا ہو گا۔ ایک ایسے شخص کی حمایت اور حفاظت کرنا جو ہماری پناہ میں آ گیا ہو تو ان کا بڑا دستور ہے۔ اگر اوقی سوار ابن حرب کی گرفتاری کے لیے بدسلوکی بھانے خلیفہ معتز کے حکم پر مصر میں داخل ہوئے تھے تو یہی ان کا ہی انجام ہونا چاہیے تھا۔"

سلیمان بن عامر غالباً اس سے یہی بات کہلوانا چاہتا تھا۔ اب اس نے اپنی سوچی ہوئی بات کا نامہ اس کے بڑھاپا پر "میں چاہتا ہوں، خلیفہ معتز کو اس واقعے کی اطلاع کر دی جائے۔" شیبان کسی سوچ میں پڑ گیا پھر بولا۔ "معتز کو اطلاع دینے کی کیا ضرورت ہے خود

کچھ جانے لگا کہ اُس کے سوار طویل سفر میں کہیں مرکب گئے ہوں گے یا پھر ابن حرب سنا نہیں ہلاک کر دیا ہوگا۔

”معاف کیجئے، میں آپ کی رائے سے متفق نہیں ہوں۔“

”کیوں؟“

”امیر شیبان بجای خلیفہ کے اختیارات طو لوئی سلطنت کی حدود سے اوجھڑ رہا ہے۔ میں معتقد کو عراقی سواروں کے انجام کی اطلاع دینا اس لیے ضروری ہے کہ آئندہ وہ طو لوئی حدود میں مداخلت کی جرات نہ کرے۔ یہ تو صرف ایک استبداد ہے۔“

”تمہاری بات درست ہے، لیکن اگر سلطان معظم شاہ پر ایسا ہتھیار بند کریں۔ وہ سلطنتوں کے درمیان بعض باتیں اس لیے نظر انداز کر دی جاتی ہیں کہ ان کی دشمنی میں افسانہ نہ ہو۔“

شیبان کا جواب سلطان کے تجربے یا پھر اُس نکتے کے برعکس تھا جو اس نے دیکھو نہ کو باہم لکھانے کے لیے اپنے ذہن میں تیار کر لیا تھا۔ حیرت کے لمحے میں بولا: ”سلطان معظم کو ایسے اقتباء پر اعتراض کیوں ہوگا؟ یہ تو طو لوئی سلطنت کے حدود اختیارات کی بات ہے اور میں جانتا ہوں سلطان اپنے علاقے میں کسی کی مداخلت پسند نہیں کرتے اگر وہ مصلحتاً خاموش رہنا چاہیں کیونکہ معتقد ابھی نیا حکمران ہے تو بھی نئے حکمران کے لیے یہ اقتباء بڑا ضروری ہے۔ امیر شیبان عجیبوں میں منہ مشغول رہتے کہ ان کو بے شکست روئے آں۔ اگر عراقی خطرے کا سر پہلے ہی رد کر دیا گیا تو سلطنت میں بیرونی مداخلت معمول بن جائے گی اور عراقی سوار بھی طو لوئی کے دوستوں اور دفاعداروں کی گردنیں پستے پھریں گے۔“

اُس کا لہجہ کسی قدر تیز ہو گیا تھا۔ شیبان نے محسوس کیا، اگر ابن حرب کے سامنے سلطان کی بات سے انکار کیا گیا تو یہ انکار بھی طو لوئی سے اُس کی غویل دناواری کے منافی ہوگا جب کہ ہر حکومت کو ایسے دفاعداروں کی ضرورت ہوتی ہے جو کچھ کہہ کر بولنا نہ لگے۔ مجھے تمہارے تجربے کی دانائی سے انکار نہیں۔ تم طو لوئی سلطنت کے لیے بڑی خدمت سر انجام دیتے رہے ہو۔ اگر مناسب سمجھو خلیفہ معتقد کو عراقی سواروں کے انجام سے آگاہ کر دو۔“

یہ بات سرائے دار کے مطلب کی تھی۔ اُس نے خوشنودی کے اظہار میں اپنا سفر فراموش کر دیا اور بساط کے اگلے خانے میں قدم رکھا۔ ”امیر شیبان! ابن حرب صرف مصر میں پناہ لینے

نہیں آیا بلکہ باپ کا انتقام لینا چاہتا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ خون کا قصاص لینا ہر شریف اور بہادر عرب کا شہرہ ہے۔“

شیبان نے غور سے اُس کی طرف دیکھا۔ یہ معاملے کا نیا پہلو تھا۔ سلیمان فوراً مطلب پر آگیا۔ ”اس کام میں میرے دوست کو آپ کی مدد بھی درکار ہے؟“

”کیسی مدد؟“

”یہ سارا جھگڑا دربار بغداد سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لیے سلطان معظم کے علم میں آجائے۔ آپ کی مدد سے ابن حرب کا حوصلہ بلند ہوگا اور یہ اپنے انتقام کا کام پورے کر سکے گا۔“

انتظام خوروں کی دیرینہ روایت بھی تھی اور قصاص کتاب اللہ کا حکم بھی لیکن ابن حرب اکنڈی کے قتل کا معاملہ براہِ حمیدہ تھا۔ شیبان نے جو کمائی سنی، اُس کے مطابق ابھی یہ تحقیق بھی نہیں ہوئی تھی کہ اُسے کس نے اور کیوں قتل کیا؟ صرف ابن حرب کا خیال تھا کہ وہ سارا شہ کا شکار ہوا اور معتقد کی ہلاکت کا ناز چھپانے کے لیے اُس پر خنجر زنی کی گئی لیکن معتقد کی ہلاکت سے بے گھر ابن حرب اکنڈی کے قتل تک سب کچھ اسرار میں لپٹا ہوا تھا۔ اور جب تک اسرار کی گمراہ نہ کھینچا جاتا تھا انھیں نہ ہو جائے قصاص اور انتقام بے معنی تھا۔ اس قضیے میں قصاص اور خلیفہ معتقد کا قانون اول پنجک کا نام بھی بڑے تو اتر سے آ رہا تھا۔ غالباً اسی لیے بات سلطان معظم شاہ تک پہنچانے کی فراہم کی گئی تھی۔ شیبان نے حالت کی اس الجھی ہوئی صورت پر غور کیا اور کہنے لگا: ”مجھے مدد سے انکار نہیں لیکن ابھی کچھ انتظار کر کرنا اور دیکھنا ہوگا کہ معتقد کا قانون انصاف کرتا ہے یا نہیں۔“

شیبان نے مدد سے انکار نہ کیا مگر قانون اور انصاف کو درمیان میں سے کیا تھا اور انھوں نے اس کا ایک احتیاطی غور کر رکھا تھا۔ سلیمان بن عامر کے نزدیک مزید کھوارنا سببِ تھی۔ رات کو پہلا ہجر گزرتا تھا۔ اُس نے امیر شیبان کا شکریہ ادا کیا۔ ابن حرب نے بھی اپنی حمایت پر سپاس کا اظہار ضروری سمجھا اور دونوں اجازت لے کر کمرے سے نکلے۔

بالائی منزل کی رہزری جس کے دو درویش رہائشی کمرے تھے۔ قندیلوں سے روشن تھی۔ انھوں نے زینے کا ڈنکا کیا۔ ابن حرب طو لوئی شہزادے کی ملاقات سے مطمئن تھا لیکن سرائے دار کچھ اچھا الجھا دکھائی دے رہا تھا۔ زینت پر قدم رکھتے ہی سرگوشی کے لہجے میں پوچھنے لگا: ”تم نے شیبان کی باتوں سے کیا اندازہ لگایا؟ وہ سلطان خمارویہ کو معتقد کے خلاف کسی اقدام

ستارہ شب

۰

سلمان بن عمار اس کا کندھا دباتا ہوا دسے پاؤں دوسرے زینے پر بولیا۔ ابن حرب ایک دوں وہیں کھڑا رہا پھر آگے بڑھا ڈیوڑھی سے نکلا اور اس رہزاری کی طرف مڑا جو سلمان کی فاشی رہائش گاہ کی جانب باقی اور سرائے کو بھی گھر سے الگ کرتی تھی۔ بچے درجے میں قیام کرنے والے مسافر، رات کا کھانا کھاتے ہی سو گئے تھے اور بعض کمروں سے خزانوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ غلام، خادم، باورچی، برتن ماہیچے اور دھونے والے لڑکے بھی اپنے چروں میں آرام کر رہے تھے۔ صرف ڈیوڑھی کے بیرونی دروازے اور مٹیل کی نگرانی کرنے والے پاسبان اور چوکیدار باہر گھومتے پھر رہے تھے۔

وہ نرم قدموں سے چلتے پتے کمرے جو آیا اور بستر پر لیٹ گیا۔ اُس نے امیر شیبان طوفی خواتین، محافظ سواروں، غلاموں، سائبانوں سے کہیں زیادہ طویل سفر کیا اور کھن رستوں سے گزرا تھا۔ اُن بھی یک راستوں پر وہ وقت کی گردش کو بھی پیچھے چھوڑ آیا تھا اور اب موت کے سفر کی تھکن اتارنے کے لیے مسلسل کئی راتیں آرام کرنے کی ضرورت تھی۔ تب نہیں جا کر اُس کے دل و دماغ اور جسم میں اترا ہوا امر کا مہیب سناٹا دور ہو سکتا تھا مگر عربی کی کاسوں سرائے میں جن حیرت انگیز واقعات کا سلسلہ شروع ہوا اُن کا تسلسل بھی جاری تھا۔ بیشتر بیٹے اپنے اپنی اتفاقات پر غور کرنے لگا جن کی دل کشی نے آنکھوں سے فیندا اُڑادی تھی اور تصویریں کئی رنگ بکھرتے رہے تھے۔ تصور کے جھروکوں میں کہیں شیبان کھڑا اُسے خوش آمدید کہہ رہا تھا کہیں

پر آمادہ کر کے گا؟

سوال تہا اہم تھا۔ ابن حرب کو جواب میں دشواری محسوس ہوئی کیوں کہ سلمان بن عام کی طرح غی طوفیوں کی تہذیب اور سیاست کے رموز نہیں سمجھتا تھا۔ ہم سب ہی آواز میں بولا۔ "وہ سوال کیوں کرتے ہو، جس کا جواب میں نہیں دے سکتا۔ تم شیبان کی باتیں مجھ سے بہتر طور پر سمجھتے ہو۔"

"اُس نے مدد سے انکار نہیں کیا۔ اُسے معتقد کے قانون سے مشروط کر دیا ہے۔"

"پھر تمہارا کیا خیال ہے؟ وہ اپنے بھائی سے میری سفارش کرے گا؟"

"شاید کرے، شاید نہ کرے۔ اسی لیے اب شہزادی نجم العلیل سے ملنا اور بھی غری ہو گیا ہے۔"

نجم العلیل کا نام سننے ہی ابن حرب کچھ بے چین سا نظر آنے لگا۔ دونوں زیرہ اتر کر اُس دیوڑھی میں اُگے جہاں سے ایک دوسرا زینہ اوپر جاتا تھا جس طرح ال ٹاکرے نے سرائے کے نیچے درجے کو درجوں میں تقسیم کر دیا تھا، اُسی طرح بالائی منزل بھی درجوں میں بنی ہوئی تھی جن کے درمیان دیسای ال ٹاکرہ تھا اور دونوں حصوں پر جانے کے لیے الگ الگ زینے تھے۔ نجم العلیل کا قیام بالائی منزل کے دوسرے حصے میں تھا جہاں دو اور شہزادیاں بھی ٹھہری تھیں مگر اس کا کمر اُن سے الگ تھلگ اور کچھ فاصلے پر تھا۔ درمیان میں ایک کمر غلام پیشہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا جو نجم العلیل کی موڈ لائیکنز کے حصے میں آیا تھا تاکہ ضرورت کے وقت دونوں جانب حاضری دے سکے۔

سلمان بتا چکا تھا کہ شہزادی نے بات چیت کے لیے اُسے اپنے کمرے میں بلایا ہے لیکن رات کا دوسرا پہر شروع ہو چکا اور وہ ابھی تک اُس سے بات نہیں کر سکا تھا۔ بلکہ بیشتر وقت شہزادہ شیبان کی حاضری میں گزرتا تھا۔ اب اُسے نجم العلیل سے ملنے کا خیال آیا تو سرگوشیاں لہجے میں بولا۔ "تم اپنے کمرے میں چلو، مجھے ابھی شہزادی سے ملنا ہے۔"

ابن حرب نے اُس کی طرف حیرت سے دیکھا۔ "شاید اس وقت جا مگر بے سود ہو۔ بات کافی گزر چکی ہے۔"

"وہ میرا انتظار کرے گی۔" سلمان نے اُسے نئی حیرت سے دوچار کر دیا۔ "میں نے جان بوجھ دیر کی ہے تاکہ اس کی پُرکسینیں سو جائیں۔ نجم العلیل سے ملاقات کے لیے یہی وقت مناسب ہے۔"

ہو گا وہ تقدیر کا فیصلہ ہو گا جسے وہ بدل نہیں سکتا۔ اب اُس کے نزدیک یہ بات تقدیر پر منحہ تھی حالانکہ تقدیر کی ایک شکل مبرم ہوتی ہے جو بدلتی نہیں، تو اس کی دوسری شکل مبدل ہوتی ہے جس میں انسان کی کوشش کا دخل ہوتا ہے اور وہ اپنی تقدیر اپنے ہاتھوں بگاڑتا یا بناتا ہے۔

ابھی اپنی تقدیر ہی کے مطلق سوچ رہا تھا کہ ہداری میں ملکی سی بے آواز سی چاپ ابھری معاذ دروازہ کھلا اور سلیمان بن عامر تقدیر کے انجی کی صورت کمرے میں داخل ہوا۔ اُسے دیکھتے ہی اٹھ کر بستر پر بیٹھ گیا۔ سلیمان نے بھی اُس کے قریب جگہ بنھائی اور بتائے گا کہ شہزادی کے ساتھ اُس کی کیا بات چیت ہوئی ہے۔

اُس نے نجم اہیل کو اپنے دوست کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا کہ طواغیت کی ٹولی میں وہ کئی قیدی بنا کر نسطاط لایا گیا جہاں سے عیش کی کاروں سرائے میں منتقل ہوا اور وہیں سے رہا کیا گیا۔ اس مرتبہ وہ جن حالات میں بغداد سے بھاگا اور عیش پنہا۔ شہزادی کو ان کی تفصیل بھی بتادی گئی تاکہ کوئی ابہام نہ رہ جائے۔ یہ بات بھی اس پر واضح کر دی گئی کہ وہ خلیفہ معتضد کا دوست اور اس کے محافظ دینے کا فخر تھا مگر جب حالات کی صورت بدلی تو وہ بھی بدل گیا اور بغداد سے بھاگ آیا۔ شجاع اور جگجو ہونے کے علاوہ آسانی سے کسی کی اطاعت قبول کرتا ہے نہ اپنی وفاداری پہنچا کر۔

سلیمان نے بتایا کہ وہ اُس کے بارے میں یہ تمام معلومات تیری دھبسی سے ملتی اور حیران ہوتی رہی۔ اُس کا خیال ہے اگر ابو عباس نے ابن حرب کی گرفتاری کا حکم دیا تو خود اس حادثے سے بڑھ کر کوئی خطرناک بات ہوگی جو بغداد میں رونما ہوا اور جب وہ خلیفہ کے پہنچنے سے پہلے آیا، اُس کے سواروں کے ہاتھ نہیں لگا اور بادشاہ شام کو غور کر کے مہر پہنچا ہے تو بلاشبہ ایک غیر معمولی آدمی ہے کیونکہ کوئی عام آدمی بلکہ ذی حیثیت سردار بھی عباسی حکمران سے ٹکر لینے کی نہیں سوچ سکتا۔ کہنے لگی۔ ”ہمارے والد احمد بن طولون نے جیسا کہ ہم سے بغاوت کر کے اپنی علاحدہ سلطنت قائم کی تھی کیوں کہ وہ ایک زبردست جنگی مرد، ایک سیاست دان اور حکمرانی کی اعلیٰ صلاحیت رکھتے تھے۔ ہمارے بھائی خادویہ تھے بھی ان عباسی لشکروں کو شکست دی تھی جو ابو عباس کی مکرر دہائی میں شام، فلسطین پر حملہ آور ہوئے اور رملہ تک چڑھ آئے تھے اب ابن حرب ابھی لشکروں کے حکمران سے اٹھتا چاہتا ہے تو یقیناً ہمارے باپ اور بھائی کی طرح بھاڑا ہے۔ ہم ایسے مرد کہ پسند کرنے میں نہیں وہ اپنے فیصلے کا عمر دار نہیں کسی بڑی

حادثہ دوستی کا ہاتھ بڑھا رہا تھا کہ کس شہزادی نجم اہیل اپنی لمبی آنکھوں کے جادو میں پھنس رہی تھی۔

سب سے بڑھ کر سلیمان بن عامر کا رویہ حیران کر دینے والا تھا جس نے اس کے درد کو اپنا درد، اس کی مصیبت کو اپنی مصیبت، اُس کے انتقام کو اپنا انتقام سمجھا اور اُسے کبھی شبہاں سے ملنا اور کبھی نجم اہیل کے خواب دکھانا تھا۔ سلیمان نے ایک بار پہلے بھی اُسے امیر بنو سے رہائی بخشی تھی۔ اُس کی مشکوں کو آسان کر دیا تھا کیونکہ حالات میں اُس کا سوک زیادہ مخلصانہ اور زیادہ دوستانہ تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ سب کچھ اُس کی خاطر نہیں بلکہ اپنے لیے کرتا پھر رہا ہے۔ حالانکہ اس معاملے میں اُس کے ذاتی مفاد کا کس شائبہ بھی نظر نہ آتا تھا۔ نجم اہیل سے تعارف یا تعلق کے لیے اس نے ایک شرط لگائی تھی اور اُسے اپنی مرضی کا پابند کرنا تھا لیکن اس میں بھی ترادوکا بلڑا ابن حرب کی طرف جھکتا تھا۔

یہ خیال دل و دماغ میں کریم کی بکھیر رہا تھا کہ اگر طویلی شہزادی کے ساتھ کوئی تعلق قائم ہو گیا تو کتنا خوش قسمت ہو گا۔ وہ نجم اہیل تھی۔ ”ستارہ شب“، جبکہ اس کی اپنی زندگی جسے وہ بغداد سے ساتھ لے کر آیا، پریشانیوں اور مصیبتوں کی ایک سیاہ رات میں ڈھل گئی تھی۔ اُس رات کا آسمان بھی تاریک تھا اور اُسی تاریک آسمان پر نجم اہیل خوش تھی جس کے ستارے کی طرح طلوع ہونے والی تھی۔ سلیمان بن عامر اُس کی مشکوں اور پریشانیوں کو دور کرنے کے لیے شہزادی سے ملنے گیا تھا۔ اب اسی کے بارے میں بات چیت ہو رہی تھی اور بنائے کیا بات چیت ہو رہی تھی۔

تقدیر اس کا ہاتھ پکڑ کے ساتھ ہی بھاگی اور اُسے مہر میں کھینچ لائی تھی۔ مگر بااِس کی قسمت کا شمار نہیں طلوع ہونے والا تھا۔ سلیمان کو گئے کافی دیر ہو چکی تھی۔ ابن حرب جیادوں میں اٹھا سوچنے لگا۔ ممکن ہے اُدھر بھی بات کچھ گئی ہو۔ معاملے میں کوئی اگرہ پڑ گئی ہو اور سلیمان اگرہ کھول رہا ہو۔ معاملے کو سلجھا رہا ہو۔ اس کے ساتھ ہی خیالت کی لہر بدل گئی۔ اگر ذہن میں ایک آندھی سی چلنے لگی جیسے صحرائیں ایک دیوار کی آندھی چلتی اور ریت کے تودوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ تبدیل کر دیتی ہے۔ اُسے تیز ہوا کا شور بھی سنائی دینے لگا لیکن یہ کیفیت زیادہ دیر نہ رہی۔ اُس نے اپنے ذہن کے کھلے دریچے بند کر لیے۔ صرف ایک خیال ذہن میں گردش کرتا رہا۔ جو کھیل شروع ہو چکا ہے وہ تقدیر کا کھیل ہے جس میں اس کا کوئی دخل نہیں اور جو فیصلہ

جیشیت کا ملک نہیں۔ ماضی میں بنی عباس کا وفادار رہا ہے۔ ابھی تک بنی طوون کے لیے کوئی ایسا معرکہ بھی سرانجام نہیں دے سکا جو سلطان کو مطمئن کر سکے اور وہ اس کے ساتھ جانے تعلق پر آمادہ ہوں۔ اس مقصد کے لیے اُسے کوئی بڑا معرکہ سر کرنا ہوگا۔

میں نے بتایا۔ ”وہ آج ہی یہاں پہنچا ہے اور ابھی طویل سفر کی تھکن بھی نہیں اُتار سکا۔ اس وقت طوونی سلطنت کی سرحدوں پر نہ کوئی خطرہ منڈلا رہا ہے اور نہ کوئی جنگ لڑی جا رہی ہے کہ اُسے معرکہ سر کرنے کا موقع مل سکے۔ البتہ میرے ذہن میں جنگ کا ایک نقشہ ہے اور اگر شہزادی چاہتی ہے کہ ابن حرب بنی طوون کی خاطر کوئی کارنامہ سرانجام دے تو جنگ کو یقینی بنانے کے لیے میری مدد کرے۔“

وہ حیران ہوئی اور پوچھنے لگی۔ ”وہ جنگ کس کے خلاف ہوگی اور ہم اس کے لیے کیا مدد کر سکتے ہیں؟“

میں نے اس سے دلی بات کہی جو تم سے کہ چکا ہوں کہ احمد بن طوون کی رحلت کے بعد جب سلطان خمارویہ نے تخت پر جلوس کیا، عباسی لشکروں نے طوونی سلطنت پر حملہ کر دیتھا اب موفق طلحہ کی وفات کے بعد معتضد ابو عباس نے حکومت اور خلافت کی باگ ڈور سنبھالی ہے طوونی سپاہ کو دس برس پرانا حساب چکانے کا موقع ہاتھ آگیا ہے لیکن اس فرض کو بے باقی کرنے کے لیے سلطان کو آمادہ کرنا پڑے گا۔“

اُس کی حیرت اور بڑبڑ گئی۔ ”مگر ہم سلطان کو کس طرح آمادہ کریں گے؟“

میں نے اُسے یاد دلایا کہ طوونی سلطنت کی بنیاد خلیفہ معتقد کی معزولی پر رکھی گئی تھی کیوں کہ اُس نے مصر کے گورنر احمد بن طوون سے اپنے بھائی موفق طلحہ کے خلاف مدد طلب کی تھی۔ اسی بنا پر اُسے گرفتار اور معزول کیا گیا۔ معتقد کی ذات ہی بنی عباس اور بنی طوون کے درمیان جھگڑے کا باعث نہی ہے اور ۲۹۰ھ جب کی رات کو اُسے بغداد میں قتل کر دیا گیا ہے۔ جب اہل بغداد اترھا تو ہر الزام کی انگلی اُٹھا رہے ہیں تو سلطان خمارویہ پر یہ فرض عائد ہونا ہے کہ وہ معزول خلیفہ کے خون کا قصاص طلب کریں اور لشکر لے کر عراق کی طرف روانہ ہوں۔“

یہ بات سننے ہی وہ بستر سے اُٹھ کر فریشت پر اُٹھ گئی اور کہنے لگی۔ ”آئی کبھی کبھی دہروں کے حقوق کی خاطر بھی ٹوٹتا ہے۔ معتقد کے حقوق اگرچہ اُس کی زندگی کے ساتھ ہی ختم ہو گئے لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ بنی طوون پر اُس کا ایک حق تھا جو ادا نہیں کیا گیا۔ اب سلطان کو وہ حق ادا کرنے

یہ اُس کے خون کا قصاص طلب کرنا چاہیے۔“

”یہی میں چاہتا ہوں کہ سلطان کو اس حق کی طرف توجہ دلائی جائے اگر وہ فوج کشی پر تیار ہوئے تو ابن حرب ان کے لیے جیت کا مہر ہوگا۔“

نجم ایل کے ہونٹوں پر ہلکا ہنس غوردار سوار۔ ”ہم نے تمہاری بات سمجھ لی ہے اور سلطان کو ان کا فرض یاد دلایں گے لیکن کیا تمہیں یقین ہے کہ ابن حرب معرکہ جیتنے کا؟“

”میں اُس آدمی کی ضمانت نہیں دیا کرتا جس پر مجھے یقین نہ ہو۔“ پھر میں نے پوچھا کہ شہزادی نے اُسے ایک نظر دیکھ کر کیا اندازہ لگایا ہے کہ کیسا آدمی ہوگا؟

”مشکل سے بہادر، شہزور، بے رحم، نڈر اور وحشی لگتا ہے۔“

”وہ ایسا ہی ہے۔“

یہ میں نے اس لیے کہا کہ شہزادی نجم ایل ایسا ہی مرد چاہتی ہے جو بہادر، شہزور اور کچھ وحشی بھی ہو۔ تمہارے متعلق اُس کا پہلا تاثر بُرا نہیں۔ اُس نے مجھ سے فرمائش کی ہے کہ میں اپنے ساتھ لے کر فسطاط آؤں۔ وہاں تم سے ملاقات کرے گی۔ یہاں ملنا مناسب نہیں کہتی لیکن وہاں ملاقات مشکل نہیں۔ وہ تمہیں القطار کے ذاتی قصر میں بلا سکتی یا خود کسی ایسے مقام پر آ سکتی ہے جو ملاقات کے لیے پہلے سے طے کر لیا جائے گا۔ میل کے ساحل پر یا نیل کے اس پار ابراہم کی دادی میں کیونکہ شہزادیاں دریا کے نیل کی سیر کے علاوہ کبھی فریخت کے کوہ پیکر قبر سے دیکھنے جاتی ہیں مگر میں گمشدش کروں گا، کل دن کو کسی وقت یہیں تمہاری اور اس کی ایک چھوٹی سی ملاقات ہو جائے۔ پرسوں علی الصبح وہ قافلے کے ساتھ فسطاط روانہ ہو جائے گی۔

ابن حرب ایس جانتا ہوں، شہزادی نجم ایل جیسی جوان اور خوبصورت بیوہ سے ملاقات خواہ وہ کتنی ہی مختصر ہو، تم جیسے آدمی کو بھی دیوانہ کر سکتی ہے مگر میں چاہتا ہوں کہ وہ خود تمہارے لیے بے مین رہے اس لیے کہ ایک عظیم مقصد میرے پیش نظر ہے جو اُس کے ذریعے حاصل ہو سکتا ہے۔ میں نے اُسے سمجھا دیا ہے کہ وہ سلطان خمارویہ کے کانوں میں معتقد کے قتل کی بات اس طرح ڈالے کہ اُس کی تلوار مہمان سے باہر آجائے اور ایک ایسی جنگ ہو جس میں بنی طوون کے لیے ایک کارنامہ سر کرے۔ نجم ایل کو بھی جیت لو۔ وہ اپنی طبیعت کے مطابق طاقت ور و حریف سے جنگ پسند کرتی ہے تاکہ اُسے شکست دی جائے لیکن اس بات سے بھی پریشان نہ

شاہد سلطان جنگ پر نیا نہ ہو کیوں کہ خلیفہ معتقد نے بڑی قوت حاصل کرنی ہے گریں
نے اسے بتایا کہ معتد کے خون کا مطالبہ اس کی قوت کو ضعیف کر دے گا۔ بغداد کے لوگ اگر فوج
کے خلاف نہ اٹھ کھڑے ہوتے تو اس کا ساتھ بھی نہیں دیں گے۔ وہ پہلے ہی معتد کے نقل پر طرح
ظرح کی باتیں کر رہے ہیں۔ میں نے شہزادی کو یہ نکتہ بھی سمجھا دیا ہے کہ بعض باتوں میں آدمی کو
فائدے کی امید تو ہوتی ہے مگر نقصان کا کوئی احتمال نہیں ہوتا۔ معتد کے قصاص کا معاملہ بھی ایسا ہی
ہے جس میں بنی ملوکوں کو اصل بغداد کی حمایت حاصل ہوگی اور جس معاملے میں لوگوں کی حمایت حاصل
ہو اس میں فتح یقینی ہوتی ہے۔ نقصان صرف معتد کو ہوگا جو بدنامی کے خانے میں کھڑا ہے۔
ابن حرب! مجھے یقین ہے کہ نجم البیل یہ ساری باتیں خمدویہ کے گوش گزار کرے گی اور
بھائی کو اس نے لگی کہ وہ وقت سے فائدہ اٹھائے اور ایک پرانا حساب بے باقی کر دے۔
اس لیے میں چاہتا ہوں کہ کل اگر چھوٹی فوج ملاقات کا موقع مل جائے تو اس کے دل میں اپنے لیے
کچھ بے قراری پیدا کر دو تاکہ وہ معتد کے قصاص اور بغداد کے خلاف جنگ کے لیے بھائی پر
پورا زور دے سکے۔

ان الفاظ کے ساتھ سلیمان بن عامر نے اپنی روداد ملاقات ختم کی اور ساتھ ہی اپنے دوست
کے دل میں طوئی شہزادی سے ملاقات کا مشق بھی دو چند کر دیا۔ ابن حرب کہنے لگا: "دوست!
میں نے سنا تھا آدمی اپنا بویا ہوا خود کا ٹنبا ہے مگر میرے انتقام کی فصل تم پر ہے ہو بھو
میں کاٹوں گا۔"

سلیمان کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ تیر گئی اور بولا: "ہو سکتا ہے تم نے بھی کیے
لیے کچھ بویا ہو۔ کبھی کبھی آدمی ایک دوسرے کی بونی ہوئی فصل کاٹتے ہیں۔"

ابن حرب کچھ نہ سکا کہ وہ کس فصل کی طرف اشارہ کر رہا ہے کیوں کہ آٹھ سال قبل جب
عربین سے نہ ہو کر بغداد پہنچا تو کچھ عرصے تک سلیمان بن عامر کی ہر باتوں کے بارے میں سوچتا
تو رہا تھا لیکن وقت کے ساتھ اس کے حافطے پر ایک گرد سی جتی چلی گئی جس میں سلیمان کا قصور
بھی دھندلا پڑتا گیا آخر اس کی یاد حافطے سے محو ہو گئی۔ حالانکہ وہ اس کی ہر باتوں کا کچھ صلہ دینا
چاہتا تھا۔ کئی سال کے بعد عربین کی کارواں مراٹے اور اس کے مالک کی یاد آجائے اس وقت
آئی تھی جب وہ بغداد کے قبرستان شونیز یہ سے کسی ایسے مقام کی جانب فرار ہونے کی سوچ
رکھتا تھا جہاں معتد ابو عباس کے اختیار کا ہاتھ پہنچ سکے۔ آٹھ سال کے عرصے میں وہ اپنے دشمن

کے لیے کچھ بھی نہ کر سکا تھا۔ اس نے اپنے فلسفینی دوست کے لیے کچھ نہیں بویا تھا۔
سلیمان یہ محسوس کر کے کہ اس کا ذہن کہیں الجھ گیا ہے بہتر سے اٹھا اور کہنے لگا۔
"میرے سوچنے اور فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہم دونوں کو ایک ہی شے اور ایک ہی جیلے کی
دورست ہے جو ہمیں مقصد سے ہمکنار کر سکے۔ اپنے ذہن کو سوچوں کے جال سے نکال کر سو
اور آرام کرو۔ رات نصف سے زیادہ بیت چکی ہے۔"
پھر دروازہ کی جانب بڑھا اور درباری میں لٹکا تو کئی رہائش گاہ کی طرف چل دیا۔ ابن حرب
دروازہ بند کر کے پھر بستر پر آ بیٹھا لیکن اب وہ تنہا نہیں تھا۔ طوئی شہزادی اس کے تصور میں
اس کے کمرے میں، اس کے حسین خیالوں میں کھڑی اس پر نوجوانی نظر ڈال رہی تھی۔ اپنی
دھورت لمبی غلامی آنکھوں سے اسے جھینک رہی تھی۔
تاریک رات کے آسمان پر خوش بختی کا ستارہ طلوع ہو چکا تھا۔



دوسرے دن کا سورج اپنی نگرش کا سفر طے کرنا، مشرق کے اُصلے اور مغرب کے غائب
کے ساتھ بچہ دوم کے اس ساحل پر جہاں ایشیا اور افریقہ ایک دوسرے سے ہاتھ ملاتے
کھڑے ہیں۔ زندگی اپنے معمول کے مطابق شروع ہوئی۔ بغداد سے عربین تک طویل اور چوڑی
کے سفر ہیں وہ رات کو جگنے اور دن کو آرام کرنے کا عادی ہو گیا تھا۔ صبح کے دستور میں دن
کھولے اور راتیں جاگنے یا سفر کرنے کے لیے ہوتی ہیں لیکن عربین میں شب و روز اپنے طبعی
عمل کے مطابق بسر ہوتے تھے۔ یہاں رات آرام کے لیے اور دن کام کے لیے تھا۔ وہ کئی دنوں
کی راتوں کا ٹھکا ماندہ تھا۔ پھر اس لیے بھی بے سندھ ہو کر سو یا کہ اس کا کراچی راتش گاد سے
بھی تھا کسی کو اُدھر آئے اور آرام میں خلل ڈالنے کی اجازت نہیں تھی۔ سلیمان بن عامر نے بھی
اسے اٹھانے کی ضرورت نہ سمجھی تاکہ میند پوری کر کے تازہ دم ہو جائے۔ خود ہی جاگا تو سورج
کئی تیز سے بلند ہو چکا تھا اور محسوس کرنے لگا جیسے کئی راتوں کی میند ایک ہی رات میں پوری
کر لی ہو۔ سفر کی تھکن اور کئی جسم کی کسندی جاتی رہی اور جب نماز دھو کر نئے کپڑے پہن چکا
تو سلیمان نے رات ہی فراہم کر دیے تھے تو کئی دنوں کے بعد اپنے بیکر میں ٹوٹ گیا۔
اپنے کمرے بدل کر بیٹھا ہی تھا کہ مصری کنیز سلامہ کھانے کا طباق ڈالنے کے لیے دروازے پر

کسی کو خبر نہیں ہونے دے گی کہ شہزادی بالائی منزل سے اُتری بھی ہے یا نہیں۔ نجم امیل خود تم سے ملنے سے کے لیے بے چین ہے لیکن اس ملاقات کے بعد اس کی بے چینی میں کچھ اور اضافہ ہو جانا چاہیے۔ تاکہ بھائی کو معتمد کے قصاص پر آمادہ کر سکے اسی پر شہزادی اپنی بھائی کا انحصار ہے۔

ابن حرب پر ایک خوشگوار جیت گزر گئی۔ وہ تو غروب ہوتے ہوئے سورج کے ساتھ ملاقات سے باہر ہو گیا تھا، لیکن سلیمان مسرت کی نوید لے کر آیا۔ شام کا سرمئی اندھیرا پھیلنے لگا تھا اور وہ زیادہ دیر وہاں رُک نہیں سکتا تھا۔ حاکم شہزادہ شہزادی مہمانوں کی رہنمائی اُسی کو کراہتی اس لیے ملاقات کو مختصر کرنے اور با مقصد بنانے کی تاکید کرتا ہوا نکل گیا۔ اس کے ساتھ ہی سلام کرے میں داخل ہوئی اور فانوس روشن کرنے لگی۔ ابن حرب نے روشنی میں اسے دیکھا اور کچھ پوچھنا چاہتا تھا کہ وہ خود مخاطب ہوئی۔ "میں تھوڑی دیر کے بعد پھر آؤں گی۔ میرے ساتھ کوئی اور بھی ہوگا۔"

اُس کے چہرے پر ہلکی مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔ گندم گوں، ملیح صورت سلام کا رنگ گھرا ہوا، آواز سُرخ، نقشِ دنگار بڑے تیکھے اور خوب صورت تھے اس کے مسکانے کا مطلب کچھ خود بھی مسکرا دیا۔ "مجھے تمہاری دوسری آمد کا کب تک انتظار کرنا ہوگا؟"

"انتظار شدید نہیں ہوگا۔ موقع دیکھتے ہی آنے کی کوشش کروں گی۔"

یہ کہہ کر ہوا کے سبک رو جھوکے کی طرح کمرے سے نکل گئی اور ابن حرب حسین خیالوں کے مژدہ جڑ میں الجھنے ڈوبنے لگا پھر بستر پر بیٹھ گیا۔ جذبات کا دھارا اُسے اپنے ساتھ بہانے لیے جارہا تھا۔ اسی کیفیت میں باہر الجھنے والی آوازوں اور آہنوں سے اندازہ لگایا کہ شہزادی مہمان سرائے سے نکل رہے ہیں۔ کچھ اور وقت گزر گیا اور دل کی دھڑکن تیز ہو گئی کیونکہ ایک حسین واقعہ ظہور میں آئے والا تھا۔ وقت کی رفتار بڑی سست تھی۔ انتظار کی ساعت طویل ہوتی جا رہی اور بے چینی بڑھنے لگی تھی۔

معاذ اللہ! کیا سلیمان کتا ہے بے چین اُسے نہیں شہزادی کو ہونا چاہیے پھر اپنے آپ کو بچھانے کی کوشش کرنے لگا کہ بہت زیادہ وارفتگی اچھی نہیں۔ اُسے طویل شہزادی سے ملاقاتیں بن کر نہیں ایک بہادر جنگجو ہنڈرعب کی حیثیت سے ملا تھا اور عاشقوں کی طرح ملاقات کو طول دینے کی بجائے مختصر گفتگو کرتا ہوگا۔

ہوئی۔ ان مخصوص کمروں میں سلیمان کی کمیزیں ہی مہمانوں کی خدمت کرتی تھیں۔ سلام سے اپنے دوست کے بارے میں پوچھا تو اُس نے لاطینی کا اظہار کیا۔ کھانے سے فارغ ہو کر سرائے میں آگیا۔ جہاں تھا، انسر محمول داری ابونصر یا قوت جس پر سلیمان بڑا اعتماد کرتا تھا، جانتا ہوگا کہ وہ کمال ہے۔ ابونصر یا قوت فسطاط سے آیا تھا جہاں سُوقی الجیل میں اس کی ایک حویلی تھی۔ اس نے ابونصر کا خیر مقدم "الصبح الخیر" کی بجائے "ایوم الخیر" کہہ کر کیا۔

ابونصر یا قوت نے اس خوش طبعی کا مظاہرہ غالباً اس لیے کیا کہ دوپہر کا وقت ہوا چاہتا تھا لیکن ابن حرب نے "ایوم الخیر" سے نیک فال لی۔ ان دونوں نے گویا اُس کی کامیابی کی نوید دی تھی۔ یا قوت سے سلیمان کا پوچھا تو اُس نے بتایا کہ شیش کے دیس نے جو شہر کا حاکم بھی ہے شہزادی مہمانوں کو رُج شام اپنی حویلی میں ضیافت پر مدعو کیا ہے اور امیر شیبان نے ضیافت قبول کر لی ہے۔ سلیمان حاکم شہر کے ساتھ ضیافت کے انتظامات دیکھتے گیا ہے۔

ابن حرب اپنے کمرے میں ٹوٹ آیا اور سلیمان بن عامر کی واپسی کا انتظار کرنے لگا اس سے ملاقات بہت ضروری تھی مگر دوپہر کے بعد سہ پہر بھی گزری جا رہی تھی اور وہ نہ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس کی نئی مصروفیت کی وجہ سے شہزادی نجم امیل کی ملاقات ممکن نہیں۔ غروب آفتاب کے بعد وہ شہزادی مہمانوں کے ہمراہ ضیافت میں چلی جائے گی اور ملاقات کا قطعہ ختم ہو جائے گا۔ وقت کا ہر لمحہ اُس کی مایوسی میں اضافہ کرتا ہوا گزر رہا تھا حتیٰ کہ ڈوبتے سورج کے ساتھ طویل شہزادی سے ملنے کی امید بھی ڈوب گئی۔ اُس وقت سلیمان بن عامر اچانک کمرے میں داخل ہوا اور بتانے لگا۔ "شہزادی مہمان شام کا کھانا آج حاکم عیش کی حویلی میں کھائیں گے۔ میں اسی ضیافت کے انتظامات میں مصروف رہا ہوں مگر شہزادی نجم امیل ضیافت میں شریک نہیں ہو سکے گی۔ رات دیر تک جاگنے اور بے خوابی کی وجہ سے اس کی طبیعت خراب ہو گئی ہے۔"

ابن حرب کی مایوسی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا مگر اس نے اپنی مایوسی اور پریشانی کو رنجی الفاظ میں چھپانے کی کوشش کی۔ "کیا طبیعت زیادہ خراب ہے؟"

سلیمان نے ایک سنسنی خیز انکشاف کیا۔ "اُس کی طبیعت چانک اس لیے خراب ہو گئی ہے کہ تم سے ملاقات کا اس سے بہتر موقع نہیں مل سکتا۔ جب شہزادی مہمان حارث اور اُس کے محافظوں کی معیت میں سرائے سے نکل جائیں گے، سلام شہزادی کو لے کر تمہارے کمرے میں پہنچ جائے گی۔ مجھے بھی مہمانوں کے ساتھ جانا ہے مگر میں نے سلام کو سب کچھ گھبرا دیا ہے۔"

”سیمان نے مجھ سے بھی تمہارے بارے میں گفتگو کی تھی۔ وہ چاہتا تھا میں تم سے ملاقات کروں۔“

نجم ایل اُس کے اندازِ خطاب پر چونکی۔ اُس نے جو کچھ فیملے کا رئیس تھا کسی اعلیٰ حیثیت کا مالک طوفانی شہزادی کو ”نجم“ کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ وہ اپنے دل میں جہم میں، خون میں ایک عجیب قسم کی سنستی محسوس کرنے لگی۔ یہ آدمی دوسروں سے مختلف تھا۔ اب اُس نے کھلی بات کی جس میں غریب کا رنگ تھا۔

”سیمان نے بتایا یہ نجم ہمیں حاصل کرنا چاہتے ہو؟“

”بے شک، اکل تمہیں دیکھا اور حاصل کرنے کی خواہش ہوئی۔“

”کیوں؟“

”سوال کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ہر عورت وہ ایک لفظ سمجھتی ہے جو تمہارے سوال کا جواب ہوتا ہے۔“

وہی ایک لفظ آپ سے آپ شہزادی کی زبان پر آگیا۔ ”محبت؟“

”ہاں، یہی لفظ عورت کی تخلیق کا سبب بنا۔“

وہ ایک بار پھر چونکی کہ عورت کی تخلیق کا مطلب در سب ہی جانتا ہے۔ ”کیا تمہیں تم سے محبت ہو گئی ہے؟“

”میں نہیں جانتا کہ محبت کیا ہوتی ہے۔ آج تک اس تجربے سے نہیں گزرا لیکن تمہارا لب صورت چہرہ اور لبس میں غلامی آنکھیں دیکھ کر تمہیں رات بھر یاد کرنا رہوں۔ مگر یہ محبت سے تو شاید مجھے بھی تم سے محبت ہو گئی ہے۔“

طوفانی شہزادی کو محبت کے الفاظ کا یہ انداز چھپا نہ گیا جس میں کسی قسم کی تقابلی اور مبالغہ نہیں مگر اُس کے حسن کی تعریف ضرور تھی۔ مسکرا کر کہنے لگی ”میں حاصل کرنے کی ایک شرط ہوں۔“

”تمہاری شرط سن چکا ہوں۔ تمہارے لئے کھوئے خون کا قصاص طلب کرے اور مجھے ساتھ لے کر عراق میں داخل ہو۔ میں ناکام نہیں لوٹوں گا اور شیطانوں کے لیے عرصہ حیات کو نہیں حاصل کروں گا۔“

وہ سلطانِ عمارویہ جیسے حکمران کے متعلق اُس کے اکثر فوجی بلھے پر مائے حیرت کے ساتھ ہنسنے لگی۔ پھر خود ہی چپ ہو کر رہ گئی۔ وہ اس کے بلھے پر حیران کیوں ہے؟ ایسا ہی کھڑ

یہی سوچ کر اپنے کمرے میں بیٹھنے لگا کہ اپنی بے قراری پر تاملو پاس کے بے آواز دروازے پر ہاتھ رکھتا رہا۔ چابک رہداری کا دروازہ بند مرنے کی بہت مدد مہم سی آہستہ سنائی دئی اور اٹھنے والوں کی گئی۔ دو چہین طوفانی قیامت جس کو انتظار تھا کیش کے ہمراہ رہداری میں داخل ہو گئی تھی۔ دوسرے نے اُس کے اپنے کمرے کا دروازہ کھلا اور سلام کر اُٹھے قدموں چلتی کمرے میں آئی اور نیچے ملتی گئی۔ پھر طوفانی شہزادی نجم ایل چہرے پر وہی سرخ نقاب ڈالے جو کل بھی اُس کے دھڑکنے والے ہاتھ پر لٹکا رہا تھا اور نقاب سے نکلی ہوئی لمبی غلامی آنکھوں نے اپنے حسن کا جادو پھر نکلتی دروازے میں دکھائی دی۔ کینیز نے جھک کر ہاتھ اٹھا کر کورنش ادا کیا اور اُس کے کمرے میں داخل ہوتے ہی خود کمرے سے نکلی گئی۔ شہزادی کے عقب میں دروازہ بند ہو گیا۔ اب ابنِ حرب نے جھکے بغیر کھڑے کھڑے خمیر مقدی جملہ کلمہ ”میں بہت طولوں کا پتلا کرتا ہوں“ ساتھ ہی اُس مسند کی طرف اشارہ کیا جس پر فیثی سمور بیٹھا تھا۔ نجم ایل دروازے پر شبِ خاموشی سے مسند پر بیٹھ گئی۔ کمرے کا نقاب ابھی تک اُس کے چہرے پر تھا۔ اُس نے نقاب اٹھانے کی زحمت نہیں کی تھی۔

ابنِ حرب ہانگی سانسے بہتر ای پر مینہ گیا۔ شہزادی کو دیکھا اور غلامی کا وہی مشہور شور مچا۔ کل اُسے سرائے کے دروازے پر دیکھتے ہی زمین سے گر پڑا تھا۔ اُس کے سر پر نقاب کا وہی کمرہ پر دستک دینے لگا۔ اُس نے کسی تمبیہ کے بغیر شعر پڑھا۔

حَيْثُ ذَاوَتْ نَضْوُ بُو فَوْجَهَا الْقَضَايُ وَابْنُ كَع سَمِيحِي أَطِيبَ الْخَبِيرِي
وَجِبَ وَجْهِي سَمِيحِي لَقِي تَبَانِي بَا اِيْنَا نَقَابِ الْبُذِي اَوِيْرِي كَانُونِ كُو اَجِي خَبِيرِي سَمِيحِي
فَوْضُ حَيْثُ شَمْنُ اَعْمَا شَمْنُ قَمَسِرُ وَبَا قَطَّتْ لُو لُو حَوْقُ خَا شَمْنُ عَمَلِي
”اُس نے اپنے چہرے سے شفق الٹ دی جس پر چاند کو چھپا رکھا تھا اور معطر منہ سے موزی برساتے ہوئے گویا فرمائش تھی کہ شہزادی اپنے چہرے سے نقاب الٹ دے اور اس سے مطلب کہ تائیں کرے۔ نجم ایل اس حسین فرمائش کے ساتھ اُس کی خوش ذوقی پر بھی دیر ب مکرانی اور وہ نقاب الٹ دیا جس نے طوفانی چاند کو چھپا رکھا تھا۔ ابنِ حرب نے صرف ایک لفظ میں بہت کچھ کہہ دیا۔ ”تشکر۔“

نجم ایل نے گفتگو کا آغاز کیا۔ ”سیمان نے ہمیں تمہاری دوداد سنائی۔ تم سے ملنے کی درخواست کی اور ہم نے اُس کی درخواست منظور کر لی۔“ ان الفاظ میں گرا اُس نے اپنی دلچسپی ظاہر کی۔

جنگجو بے رحم اور وحشی مرد اس کے خوابوں کی تعبیر فراہم کر سکتا ہے جو اسے حاصل کر رکھا ہے اور ایک دن حاصل کر لے گا۔

ابن حرب بھی سمجھ گیا تھا کہ اسے اپنے حکمران بھائی کے متعلق اس کا لہجہ ناگوار کر سندھے اٹھی تو خود بستر سے اٹھا اور اس کے قریب ہو کر بولا: "خمارویہ سلطان بہادر ہے۔ اس نے کسی میدان میں شکست نہیں کھائی اور شکست کبھی میں نے بھی نہ کھائی۔ اس کی جگہ میں ابو عباس کو مصری رسالے کے گھیرے سے نکالنے کے لیے خفا تا کہ مصری سوار میری طرف متوجہ ہو جائیں اور ابو عباس نکل جائے۔ وہ نکل گیا مگر سواروں نے مجھے گرفتار کر لیا۔"

اس نے وضاحت کی کہ میدان جنگ میں اس کی گرفتاری شکست یا کمزوری کی علامت تھی وہ صرف ابو عباس کو گھیرے سے نکالنا چاہتا تھا جس کے خلاف اب فوج کشی کی تیار رہا ہے۔ پھر طرابلس شہر کی لمبی غلافی آنکھوں میں جھانک کر کہنے لگا: "میں خمارویہ ہوں، تمہیں بھی پسند کرتا ہوں۔"

ساتھ ہی بخم اللیل کا ہاتھ پکڑ لیا اور دونوں کے جسم میں بیک وقت کمی بھجیا۔ شہزادی نے اپنا ہاتھ نہ پھرایا بلکہ کچھ قریب آگئی اور بحر افریں تبسم کے ساتھ بولی: "میں پسند کرتی ہوں۔"

پھر اپنا دوسرا ہاتھ اس کے مضبوط بازو پر رکھ دیا اور ایک ہی لمس میں اس کا بازو بلکہ سارا جسم فراد کی طرح سخت ہے۔ فی الواقع وہ بڑا نشہ زور طاقت جنگجو مرد معلوم ہوا۔

یہ ملاقات کا سب سے حسین منظر تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے سامنے آنکھیں اور ہاتھ میں ہاتھ ڈالے کھڑے تھے۔ اس عجیب سی کیفیت میں شہزادی کے ہونٹ پکپکاتے۔

"ابن حرب! آج کی ملاقات ادھوری ہے۔ فسطاط آؤ گے تو ہم قہر میں

ملانٹ کا موقع دیں گے۔

وہ لمحہ بڑا مختصر تھا۔ دھوری ملانٹ اسی مختصر لمحے پر ختم ہو گئی اور غولابی ٹھہری دن میں
ایک نئی بے چینی پیسے کمرے سے باہر نکلی۔ رہداری میں سلامہ اس کی منتظر تھی۔



۱۳

پراسرار شیخ

○

رات نصف سے زیادہ زرخج تھی۔

شاہی مہمان اور ان کے محافظ ضیافت سے فارغ ہو کر بھی کچھ اور زندگی کے سارے سنگامے رات کی خاموشیوں سے بہت کر سکتے تھے۔ کاروں سرائے کے اندر اور باہر اس علاقے کا دروایتی سکوت طاری تھا۔ البتہ اصطبل میں کبھی کبھی کسی اونٹ کے بدلانے کی ہلکی سی آواز خاموش فضا میں ایک تھر تھراہٹ سی پیدا کر دیتی تھی۔

شاہی مہمانوں کی واپسی پر ابن حرب سلیمان بن عامر کا انتظار کر رہا تھا۔ سب لوگ نوٹ کئے تھے صرف وہی سرائے میں واپس نہیں آیا تھا۔ پھر یہ سوچ کر کہ صبح اس سے شہزادی بخم امیل کی طمانت کا حال بیان کر دے گا۔ وہ بھی ہنسنے پر لپٹ گیا اور خوش رنگ خیالوں کے ساتھ مردانہ کرناٹک کے ساحل پر اتر گیا۔ بڑی گہری اور پرسکون نیند سویا تھا مگر نہ جانے کس طرح آنکھ کھل گئی اور بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

کمرے میں اندھیرا تھا۔ سونے سے قبل فالوس کی تمام شمعیں گل کر رہی تھیں۔ روشنی میں سونے سے آنکھ کھل جاتی تھی لیکن کچھ اندھیرے میں آنکھ کھلی تھی اور حیران تھا کہ آنکھ کیوں کھل ہے جب کہ حسین خیالوں نے اسے تھک تھک کر سلا یا تھا اور ایسی گہری نیند بے وجہ نہیں تو تھی۔ اب ایک مگرگوشیوں کی آواز نے اُسے چونکا دیا۔ آواز سا تھوڑا سا کمرے سے آری تھی جو کئی رہائش گاہ سے ملتی اور رات کے پہلے پہر تک خالی تھا۔ کچھ پہاڑ کے نیچے سے آنے لگی تھی۔

کوڑے دیبا گیا تھا باقی تینوں خالی پر سے تھے لیکن نصف رات کا آنکھ کھلی تو ساتھ والا کمرہ آباد ہو چکا تھا۔

اس حصے میں سلیمان بن عامر کے خاص مہمان ہی تباہ کرتے تھے۔ سوچنے لگا یہ کدوئی رات کو کسے والا خاص مہمان کون ہے؟ اسی اثنا میں اپنے نام کی بجٹ کان میں بڑی زور سے غیرت سے درجہ چار ہوا۔ نام لینے والا سلیمان بن عامر تھیں جس کی آواز نہ محکم ہونے کے باوجود اُس نے پہچان لی۔ وہ اپنے مہمان کو اسی کے بارے میں کچھ بتا رہا تھا۔

ابن حرب کا تجسس بڑھ گیا کہ سلیمان کس سے باتیں کر رہا ہے؟ آہستہ آہستہ کوئی ایسٹ کیے بغیر بستر سے اٹھا اور وہ پائل اندھیرے میں چند دروازے کے ساتھ جا لگاؤٹھ کمرے کا دروازہ بھی سہاری میں کھٹکا تھا۔ وہ انھیں دیکھ تو نہیں سکتا تھا۔ البتہ وہاں ان کی آواز قدم سے بہتر سنائی دے رہی تھی۔ گرا بگفتگو کا موضوع بدل گیا اور شاہی مہمانوں کے متعلق بات ہونے لگی۔ ناگہان سلیمان کی آواز سن کر اس پر سناٹا سا گزر گیا۔ وہ مہمان سے پوچھ رہا تھا: "آقا آپ نے شہزادی کو اچھی طرح دیکھ لیا؟"

آقا کے ایک ہی لفظ نے ابن حرب پر سلیمان کے خاص مہمان کی شخصیت مشکوک کر دی۔ آنکھ برس پلنے اُس نے اسی سرائے میں ایک بار اُس مہمان کو دیکھا تھا۔ وہی سبز پوشن جڑن منج جو رات کو بھی پنا نصف چہرہ سبز تھا اسی سے ڈھلپے کھٹا اور جسے سلیمان "آقا" اور "سیدی" کے القاب سے پکارتا تھا۔ ابن حرب کے سوچا تھا شاید وہ مصر یا فلسطین میں ظاہر ہونے والے کسی نئے امام کا بیٹا یا بھتیجا ہے۔ اٹھ سال کے بعد سرائے میں آیا تو پراسرار شیخ نمودار ہوا اور سلیمان نے اُس سے شہزادی کے متعلق سوال کیا۔ نہ جانے کس شہزادی کا ذکر تھا مگر سبز پوشن آقا کا جواب سن کر ابن حرب کے پاؤں تلے زمین جیسے گردش کرنے لگی۔ یہ کیا تھا شیخ نے۔

"قطر الندی اپنی کنیت کی طرح خوب صورت ہے ہم نے اُسے اچھی طرح دیکھ کر اپنی حرم بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔ تمھارا کیا خیال ہے کہیں شمارویہ ہمارا بیٹا مستور نہیں کر دے گا؟"

"بیٹا مستور بھی کر دے تو کیا ہے۔ آقا نے قطر الندی کو پسند کر لیا ہے تو حضور ہی کے حرم میں داخل کی جائے گی لیکن شمارویہ غالباً ابھی دو تین برس اُس کی شادی نہیں کرے گا۔"

"ہم بھی دو تین برس انتظار کر سکتے ہیں۔"

اس کے ساتھ ہی سنسنی خیز گفتگو کا موضوع یک بار پھر تبدیل ہو گیا اور سلیمان کہنے

لگا۔ آپ ہی اچھے چلے جائیں گے۔ میرا خیال ہے کہ کچھ دیر آرام کر لیں کہیں آفا کی طبیعت خراب نہ ہو جائے۔

”نہیں سلیمان! اب ہم اپنی زندگی کے وقت تک جاگتے رہیں گے تم جا کر آرام کرو۔
”یہ کیا حضور رسد کو بخیر می خدمت کا موقع دیں گے؟ وہ آپ کو کشتہ یار
کرتی ہے۔“

”سارے کو ہم بھی نہیں بھولے اُسے بھیج دو۔“

پھر سہانہ طعنے سے ہنسا اور اپنی رہائش گاہ میں چلا گیا لیکن ابن حرب سکتے کی حالت میں جہاں کھڑا تھا وہیں کھڑا رہا چند ہی لمحے گزردے ہونے لگے کہ رہداری میں نسائی تہذیب کی ہلکی سی چاپ اُبھری۔ پھر غصے سے کہ دروازہ کھٹکے اور بند ہونے کے ساتھ ہی مصری کینز سلامہ کی ٹرٹش سی آواز اُبھری۔ ”آپ کے نبی کو یاد فرمایا سیدی؟“

”ہاں بھئی اس لیے یاد کیا کہ تیرا حقین کامل ہے۔“
”قَدِیْتُ نَفْسِی سَیِّدِی! فَذَلِیْتُ نَفْسِی“

(میری جان آپ پر قربان ہو میرے آقا! میری جان آپ پر قربان ہو)
ابن حرب کو ان کی گفتگو سننے کی ضرورت نہیں تھی۔ اندھیرے میں دبے پاؤں چلتا پسینے بستر پر آبا لیکن اب نیند آنکھوں سے رخصت ہو چکی تھی۔



ابن حرب نے طعنے کمرے سے اُٹنے والی سرگوشیوں اور آنکھوں کی طرف سے نوجوان
لی اور بستر پر پڑتے ہیٹے سوچوں کے بحر میں بھٹکنے لگا۔

وہ پراسرار طبع کے بارے میں حرف اتنا جانتا تھا کہ جوان ہونے کے باوجود بہر لباس
پنڈا، پٹنا نصف چہرہ ہر وقت چھپائے رکھتا۔ تیرہ ہفتہ سا نڈی پر سفر کرتا اور کبھی کبھار میرائے
میں آتا تو بادیہ نشین خرقہ پوشوں کا ایک حلقہ ساتھ ہوتا تھا جو اُس پر پروانہ دار خدا ہوتے تھے
سیہون بن عمر جی آگے پیچھے پھرتا اور ”آقا“ یا ”سیدی“ کے خطاب سے اپنی عقیدت کا
اظہار کرتا تھا۔ اُس زمانے میں فاطمی، علوی، اسماعیلی امام اور شیخ یا پھر اُن کے بیٹے بھتیجے اور داعی
عموماً سہر لباس پہنتے تھے جو مذہبی تقدس اور بزرگی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ ابن حرب جانتا تھا

اُن لوگوں کی مذہبی دیوانگی کسی خروج کا عنوان بن جاتی اور حکومت کے نیلے پرٹ نہیں پیدا کرتی
رہتی ہے۔ اُسے ایسی طرح سے کوئی دل چسپی نہ تھی مگر ایک بات اُسے حیران کیے دے رہی تھی
مذہبی شیخ امام اور اُن کے داعی بڑے زہر و عابد اور صاحب کوار موئے تھے۔ وہ
حقیت سے اُن کے ہاتھ چومنے اور اُنھیں مقدس و محترم سمجھتے تھے لیکن سبز چوٹیں ستارے کے کنارے
کا دونوں اُورج جہان کر دینے والا تھا۔ یہ بات مزید حیرت انگیز تھی کہ سلام عقیدے کے حور
پر اُس کی خدمت کرنے لگی اور رفیق خلوت ہونے کے باوجود اُس کی روحانی شخصیت پر کامل
بینشیں رکھتی تھی۔ سلیمان بن عمر نے اُسے خوشی کی خدمت کے لیے بھیجا تھا جیسے یہ خدمت بھی
اُس کے فرض اور عقیدے کا حصہ تھی۔ ابن حرب یہی سوچ کر حیران ہوتا رہا کہ اگر سلام اپنے سقا
کی خدمت گزاری پر خوش تھی تو سلیمان بن عمر کی عقیدت میں بھی کوئی فرق نہ اُس کے عقیدہ اُسے یہ معاملہ
بڑا عجیب و غریب اور پراسرار لگا۔

اس مرتبہ شیخ کے ساتھ باویدہ نفسیوں کا کوئی حلقہ بھی نہیں تھا۔ دل مرے دار کی دعوت
پر وہ تنہا آیا تھا اور اُس لیے تھا کہ مصر و شام کے سلطان محمد بن احمد کی نوجوان عورت
یعنی اسماء بنت العزیز کو اپنی زوجیت کے لیے پسند کر سکے جو شامی قلعے کے ساتھ شام سے مصر
واپس جاتے ہوئے حرف دور اُنوں کے بیٹے عربیوں کی کاروں میں فوٹش ہوئی تھی۔ رجنے
سیہون اُسے داعی رات کو کس طرح باہر نزل پر لے گیا اور کس فرسے یا درت کے سے خوب شہزادی
کا جنم ہو گیا تھا کہ سبز پوشش آقا نے اُس فتنہ خواہیدہ کو دیکھنے ہی کی وجہ سے پسند کر
لیا۔ یہ بات اُس کی کچھ ہے، ہاں تھی کہ سلطان شہزادی اپنی بیٹی کے لیے جسے کسی شادی کی ریت
مناسبت سے تھا ایک باویدہ نفسی مذہبی شیخ کا بیٹا کیسے قبول کر سکتا ہے مگر سیہون بن عمر کا یہ
خیال چرچا مینے و بٹھا کہ اگر آقا نے فطر العزیز کو پسند کر لیا ہے تو سلطان خادوہ کے نکاح کے
بعد بھی وہ اُس کے حرم میں داخل کی جائے گی۔ مگر باسلطان کا انکا سب سے معنی تھا۔ شہزادی کی اپنی
مرثیہ کوئی اہمیت نہ رکھتی تھی۔

شیخ کی پرستش شخصیت کے متعلق ابن حرب کا تجسس بڑھ گیا۔ مخدوم کون سب سے حریک
شہزادی کے لیے مہر و شام کے سلطان کو بیٹا بھیج سکتا اور بیٹا مسترد ہونے پر بادیہ نشین اُسے
اپنے حرم میں لے جاسکتا ہے؟ یقیناً ایسا آدن معنوں نہیں ہو سکتا۔ درمیان میں کوئی مونیہ کیسے
سکتا ہے جس کی خاتہ سیما بن عمر جیسا شخص جو بیٹی شہزادی کا نکاح دے گا۔ درمیان میں

سیمن بن عامر دوبارہ کب وہاں آگیا۔ وہ سراسرے داری کی آواز تھی جس نے اسے چمکا دیا۔
عجری کا وقت سوچا اور وہ اپنے شیخ کو رخصت کرنے آیا تھا جو منہ اندھیرے اپنے صحرا میں
میں ٹوٹ جاتا جانتا تھا۔ یہ انکشاف بھی اسی وقت ہو کر وہ تنہا نہیں بلکہ چار ہادیہ نشین شہر سوار
حفاظت کی خاطر اس کے ساتھ ہیں جنہیں اصطبل کے کسی کمرے میں ٹھہرایا گیا تھا۔ سبز پوشش
آٹلے اپنے صحرائی محافظوں کے بارے میں بوجھ تو سیمن نے جواب دیا: "وہ چاروں سفر کے
بے تیار سوچے اور آقا کے منظر میں۔"

شیخ جو خود بھی رخصت کے لیے تیار تھا، پر خیال انداز میں کہنے لگا: "سیمن! اس
قتل اندی کو دیکھو، یہ کسے بعد اسے وصل کرنا ضروری ہو گیا ہے لیکن جو سکتا ہے خمار یہ اس کا عقد
اپنے ہی خاندان میں پسند کرے۔"

سیمن نے بڑے نفیس سے جواب دیا: "اس کے سیدنا زوبت ہیں مستیدی لیکن
سنگھان سے بھی نیک کسی پر توجہ نہیں دی۔"

"اسماء شادی کے قابل ہے پھر وہ تاجہ کیوں کر رہے؟
آپ پیغام بھیجیں گے تو یہ بدلتا کرے۔"

"ہم اس معاملے میں محنت نہیں پہنچے، اگر اس نے پیغام مسترد کر دیا تو حالات کی صورت
بالکل بدل جائے گی اور میں نے طوئوں سے کوئی جھگڑا نہیں چاہتا۔ ایک ساعت
کی خاموشی کے بعد اس کی آواز بھر سنائی دی: "ہم اسماء کے بارے میں بھڑکے شہرہ کریں
گے ان کی مرضی کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے مگر اس بات کا خیال رکھو کہ بہت خمار وہ کا عقد
کسی دوسرے سے بھی نہیں ہونا چاہیے۔"

اچانک سیمن نے ایک سوال کر دیا جس نے اس کے پورے جسم میں سنسنی دوڑا دی
"ابن حرب کے بارے میں کیا حکم ہے آقا؟"

"اگر وہ شہزادی نجم امین کے ذریعے خمار یہ کو میدان جنگ میں کھینچ لائے تو ایک
بڑا مقصد پورا ہو جائے گا۔"

اس جواب نے ابن حرب کو حیران و ششدر کر دیا کہ وہ شہزادی نجم امین اور اس کی بچی
دل چسپی کے بارے میں بھی جانتا ہے جس کا آغاز صرف ایک روز قبل ہوا تھا۔ یقیناً سیمن
ای نے اسے معاملے کی یہ نازک صورت بتائی ہوگی لیکن اس کے سبز پوشش آقا نے کچھ اور بھی کہا

جانتا تھا۔ سلطان خمار یہ سے غداری جگہ دشمنی پر تیار تھا۔ بنی طوئوں سے سراسرے داری کی
دستی "کایہ پور کسی چٹھے سے کم نہ تھا، جس سے اس کی دوسری شخصیت کا پتہ چلتا تھا۔

پھر ابن حرب کا دھیمان ان باتوں کی طرف چلا گیا جو سیمن نے اس کے بارے میں
سراسرے کی تعمیل اور جنہیں وہ نہیں سکا تھا، تاہم چند الفاظ سے جو کالوں میں پڑ گئے۔

ملازمہ ہوتا تھا کہ بعد اسے اس کے خوار اور خلیفہ معتقد سے انتقام لینے کی روداد سنائی
تھی جس پر شیخ نے گہری دل چسپی اور ہمدردی کا اظہار کیا تھا۔ غالباً سیمن کو یہ بدایت بھی کتنی

دلچسپ نہ تھی کہ وہ غافل نہ ہونے دے۔ معاملہ اگرچہ واضح نہیں تھا، نہ وہ یہ جان سکا
تھا کہ ہمدردی کا کیا مقصد ہے لیکن اس کی پراسرار شخصیت کے بعض گوشوں میں جھانک

کے بعد خود ابن حرب کو اس سے ایک نامعلوم سی دل چسپی ہو گئی اور وہ سراسرے کی مصری
سندھ کے ساتھ اس کی صحت کا بہنو نظر انداز کر کے سوچنے لگا۔ اگر وہ کسی ظاہر ہونے

کا نام کہ بیٹا یا بیٹی ہے جو شہزادی اسماعیلہ اندی کی خاطر شہر و شام کی طوئوں کی طاقت کو بھی
میں نہیں لانا تو ضرور اس کے پیچھے کوئی بڑی قوت کھڑی ہے۔

اس نے سوچا، جنگ ترے اور جنگ جیتنے کے لیے تربیت یافتہ لشکروں کے علاقہ
قبائلی کی قوت اور انہیں کی طاقت ضروری ہوتی ہے جو سپاہیوں میں عقیدت اور

ت کا جذبہ پیدا کرتی اور نیچے کو قریب لاتی ہے۔ اس اعتبار سے سبز پوشش کی شخصیت
رسمہ انکیز معلوم ہوتی جس تک رسائی حاصل کر کے وہ اپنے انتقام کا مقصد پورا کر سکتا تھا۔

بے شک وہ خدج کرنے والی جو غلوں اور خویں تحریکوں سے دل چسپی نہیں رکھتا تھا جو
میں جہاں و قتال کا ذریعہ بنتی تھیں لیکن یہ تو اس وقت کی بات تھی جب اس پر کوئی

ت نہیں ٹوٹی تھی اور وہ سلطنت عباسیہ سے دنا داری کا دم بھرتا تھا۔ حالات کی تبدیلی
تھوڑے جوا انتقام کی لہر میں کھون میں دوڑنے لگی تھی۔ اس کی سوچ کا انداز بھی بدل گیا تھا۔

یہ فیصلہ کر لیا کہ سیمن بن عامر کے ذریعے وہ بھی سبز پوشش آقا سے ملے گا اور اس کا
تک رسائی حاصل کرے گا جس کی تباہی اور مذہبی طاقت اسے اپنے انتقام میں مہم خد

ہے۔ اب وہ ہر قیمت پر خلیفہ معتقد ابو عباس سے اٹھنا اور اسے بھی ایک ایسی
بدینہ کھینک کر دینا چاہتا تھا جس سے خود گنہگار رہتا تھا۔

وہ ان خیالوں میں اتنا کھو گیا کہ یہ بھی پتا نہ چل سکا، سلام کب شیخ کے کمرے سے پنی ہوئی

جیسے کہ ابن حرب ہجرت کے بخیر میں چکر کھانے لگا اور یہ کہ "سیمان اجماعت بنی عمروں کی درپردہ حمایت اس لیے کرتی ہے کہ وہ ہمارے سب سے بڑے حریف کے ہاتھی ہیں۔" بخارویہ کو معتقد کے خون کا قصاص طلب کرنا چاہیے۔

"سب سے بڑے حریف" کا واضح اشارہ بنی عباس کی طرف تھا۔ مبین نے اپنے جانا کو بنایا۔ "طوونی شہزادی ملکہ ابن حرب کی طرف متوجہ ہو گئی ہے اور اس کی خاطر اپنے بھائی کو قصاص پر آمادہ کرے گی پھر بنی آخری قبیلہ سلیمان خمارویہ کو کرنا ہے۔" اگر خمارویہ معتقد کے قصاص کا جھنڈا اٹھائیں کرنا اور ابن حرب کو اپنی تلوار کے پورے زمانے کا موقع نہیں ملتا، تو بخارویہ سے دوست کو چاہیے۔ وہ ہمارے عمر بنی خیموں میں آجائے۔ طوونی شہزادی کو ساتھ لے کر گئے۔

ابن حرب نے جو کچھ سنا، وہ بے حد سنی خیر تھا لیکن اس کے بعد سبز شہزادے نے جو کچھ کہا، اس نے بنی خیموں کے دروازے کھول دیے۔ "اب خروج کے اٹھنا اور عمان کو ان کی طرف آگیا ہے اور جماعت کو ابن حرب جیسے جنگجو اور توجہ کار فوجی سنا کی ضرورت ہوگی۔" اگرچہ چلتے ہیں خروج سے پہلے بنی عمروں کو سپاہِ خلافت سے الگ کر دیا جائے تاکہ حریف کو ذرا دھماکا ہو۔ اس لیے طوونی ہے کہ خمارویہ کے سامنے قصاص کی جو چال رکھی جائے، وہ اسے کیسے اور فہم اٹھائیں، بھائی کو آمادہ کرے کہ معتقد کے نام پر ابن حرب کے لیے جنگ کا جھنڈا باندھے۔ اس کو کہہ کر گئے کے بعد حضرت امام کو خروج یثیبا کا یہاں ہوگا اور بنی عباس کی ساری دولت خون کے سیلاب میں ڈوب جائے گی۔

ان الفاظ کی برائگی نے ابن حرب پر "میرا قاتل کی قاتل طاقت اور بنی جماعت کی پست بنی طرح وائٹ گراف کو دی جو بنی عمروں اور بنی عباس کی باہمی مخالفت میں اپنی کامیابی کا راستہ بن کر رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ یہ مہم۔ لیکن کسی نام کا بیٹا یا بیٹی یا بنی بکر بنی ہے جو بنی عباس کے خلاف خروج کرنے کے لیے اسے عجیب بات یہ ہوں کہ کچھ دیر پہلے ابن حرب نے اپنے دوست کو معرفت اس کے کہ اسے ملنے اور ہمارے ایک رسائی مانگ کر کہہ دیا ہے۔ میں جو کچھ سوچا، وہ "میرا قاتل" کے ذہن سے گر چکا اور اس نے دیر باہمی ایک فیصلہ لیا جیسا ابن حرب چاہتا تھا مگر اسے اپنے عمر بنی خیموں میں بڑا توڑ کھیل کو ساتھ لے کر بنی عمروں کی فوجی اور یہ غائب اس لیے بھی تھی کہ بغداد کے خلاف فوجی اہم میں طوونی شہزادی کی

تحرکت طوونی بھٹتا تھا۔

یہ فیصلہ بڑا فرحت بخش تھا کہ طوونی شہزادی حریف میں اس کے ساتھ ہوگی۔ ایک سو فی اہم کی طرف سے جس کے ہمارے ہیں اس کی معلومات بھی طوونی نہیں فوج اور میدان قتال کا ہوا۔ ابن حرب جیسے جنگجو اور سب سے بڑے ہاتھی کے لیے دل چاہی کہ بھٹتا اسے خروج کے نتیجے سے کوئی مطلب ملتا۔ میدانِ حرب سے باغی ہو جائے جس کو اپنے انتظام کی توجہ بند کر سکتا تھا بنی عباس کا سب سے بڑا معتقد تھا اور حصولِ فائدہ کے سبب آپ سے آپ پیدا ہو رہے تھے۔

اس کے سامنے دو راستے تھے۔ ٹھیکہ اٹھانے کے ذریعے نہ کارساز، پھر ٹھیکہ اٹھانے کے ساتھ صحرائی خیموں کا سفر اور وہ دونوں راستوں پر اس کی غریبی تھی۔

یہ اختیار بنی عباس کی کہ سب سے اچھے اور مانگوں کے کہ اسے میں جا کر پرامن رہنے کے باقی تھا آئے، نہ صرف یہ تھا بلکہ اس پر یقین تھا کہ ہمارے یہ جان و ملک نام کا ہونا تھا جس کی زبردست حمایت ملتی تھی۔ خیمہ معتقد بنی عباس سے ٹکرانے والی تھی مگر اس وقت بہت ہی عام اپنے بہادر قاتل کے ساتھ کمرے سے نکلا اور ان کے قاتل کی چابک دہاڑی میں سنائی دینے لگی۔ پھر دروازہ کھلنے کا کھٹکا ہوا اور وہ دونوں رہداری سے تکی پٹک گئے۔

ذہن میں مہر پوشی سے ملنے اور اس کے ہاتھ پر غیظت کا لہر سے دینے کا جو خیال تھا، وہ پورا ہو سکا۔ پھر خود ہی سوچنے لگا کہ اگرچہ اس کا ہاتھ ایک شیش جانا، دن کو کسی وقت سلیمان غائب خود ہی معاملے کی بات چیت سے گا۔ تب اس سے شیخ اور اس کی جماعت کے ہاتھ میں معصومیت حاصل کر سکے گا۔ یہی سوچ کر نکلیں مگر بنی خیموں کے ایک بنی عمروں سے وقت ذہن کے یہ سامنے ہیں کہ وہاں کی طرح آگے چلے جاتے۔

کاروان کے لیے یہ گزرنے والی درمیان راست جیسے الف بیوی ایک منزل ایک رات میں سے کوئی رات تھی جو بنی عمروں کی طوونی شہزادی کی طاقت سے شہزادہ طوونی شہزادہ کے جیت آگیا، کشمکش فضا پر غصہ طوونی تھی لیکن طوونی ایک اور کبھی مصری کبیر اور رات کے ان دونوں جانشینوں پر طوونی شہزادی تھی۔ طوونی شہزادی کو اس کے اے سے لے کر اکی، وہی شیخ کی فوجی طاقت تھی۔

حسین سلام اس گزری رات کی بہت عرصہ میں گزشت معلوم ہوئے گی۔

سیمان بن عامر کا بھی تک کچھ پتا نہ تھا کہ کہاں ہے۔ ہرگز نہ دے مجھے کے ساتھ بن حرب
کی بے چین بڑھتی جا رہی تھی۔ اس بات پر بھی چہرہ نہ تھا کہ اگرچہ غزوئی شہزادی کے دل میں
ایک دھڑکنے اور بے چینی پیدا کر چکا ہے لیکن خود اس سے بھی زیادہ بے چین ہو رہا ہے۔
بہر حال یہ کوئی اور چیز نہیں۔ بلکہ ہمیں کی محبت کا نعل نعل تھا جو اس کے دل میں بکھیر رہے تھے
میں بھر کر رہا تھا۔

لگاتار اسے افسوس ہو رہا تھا۔ جیسے میرے خال ہو چکا ہے اور اس میں کوئی فرد وجود نہیں
ہو گا کہ اندر کوئی گوارہ غمی اور ہر لمحے میں رخصت کا ہنگامہ پہنچا کر کیا وہ نہ اس سے تین
شہزادی سے ملاقات نہ کر سکے گا۔

اسی لمحے سلیمان کہے ہیں داخل ہو نہ وہ جلدی میں تھا۔ کہنے لگا کہ ابن حرب قافلہ
کو چھوڑ کر سنے والا ہے، میرے ساتھ آؤ جب میں لوگوں کو دور سے کہوں، تمہیں وہاں موجود
ہونا چاہیے۔ اس نے مزید وضاحت کی کہ امیر شیبان ہانہی منزل سے نیچے پہنچا چکا ہے
اس سے فطرتی ملاقات ضروری ہے۔

ابن حرب کے ذہن میں امیر شیبان کی بجائے کوئی اور تھا۔ نامزد و سیدمان کے بیچے
بچے کمرے سے بھی دور رہا تھا۔ گھر کے گھر سے گھر کے گھر میں گیا تھا۔ دو عورتوں کے پاس
زینے پر جی تھکے۔ سلیمان اسے لے کر وہیں بٹھ گیا۔ مگر اسے میں شاید کوئی نہ تھا۔ شاہی
سربان۔ محل پرانہ ساندیوں کو اس نے جیسے جیسے شہزادوں کا انکار کر رہا تھا۔ وہ صرف
اسے کا افسر حورث اپنے سوروں اور غلاموں کے ساتھ دھکیلا کہ وہ کوئی حورث پار کر چکا۔ وہ
بڑھتا تھا جہاں سہان سے نہ سے چھوڑے۔ نہ ایک تھا۔ نہ نہ کے لیے تیار تھے۔
اسے کے غم، جہاز، خادموں اور ہر طرف سے اسے اس کے، اسے محسوس دہری
پر اس وقت کے ساتھ ایک جہاں بندہ بستہ تھا۔ اور کیا بن دوں گی جب کوئی غزوئی
لوگوں کی منتظر نہیں تاکہ انہیں محبوب میں سوار کر سکیں۔ ان میں سہار بھی تھی لیکن اس کی
حی صورت پر غمخوار کے آثار نہ تھے۔ وہ معمول کے من بن بڑی شکستہ درخت شیشی
کوئی دے رہی تھی۔

ابن حرب نے پر سارا مشاغل اور اس کے کھسے دور کرنے سے دیکھ جہاں سہار
سہار شہزادی لوگوں کے استقبالیے کے لیے کھڑا تھا۔ اسے اس کے دیکھنے کے لیے سے

اس وقت کی صبح کا وہ دن میرے سے شاہی سہاروں کے کوچ کی صبح تھی۔ سہار شہزادی کی
بعد بھی وہ دن کے حسین اور سنسنی خیز تھیلوں میں گم تھا۔ لگاتار لوگوں کی آواز نہ تھی
اس کی عظمت و جبروت کا اعلان کرنے اور اپنے کے ہاتھ کو صبح کا بیٹا مہینے کی۔

میرے میں زندگی ایک نکتہ کر دے کہ پیدا ہوئی۔ شہزادی تھی۔ اس کے محافظ سوار
کی غلام۔ سہار بان جی کہ شاہی اہل فہر کے خاندان اور سہار تیار یوں میں اسے برف ہو گئی۔ بن
بے بھی ہنسنے چھوڑ دیا۔

قیلے کی روانگی سے قبل وہ امیر شیبان سے ملا اور انہیں اس کی ایک جھلک دیکھنا
پہنچا جو تقریر کی طرح اس کی زندگی کے دورانیہ میں اس کی گھڑی ہو گئی تھی۔ شہزادی شہزادی سے
نات اگرچہ ایک ضرورت تھی تاکہ وہ سلطان خادروں کے ساتھ جنگ میں سے کہیں سلیمان بن
میں غلوں خود بخود شہزادی کسی ایسے جنگی مرد کی غلبہ کا غمی جو اپنی قوت بازو سے اسے ایک ریت
سکھنا دے۔ اس طرح غلوں کی غزوت میں مل کر ایک حسین وائے کا سبب بن رہا تھا۔

وہ کچھ گہا تھا کہ غزوئی شہزادی سے ملاقات محض اتفاقیہ نہ تھی بلکہ اس کے مرنے اور
مست کا ایک سوچا سمجھا منصوبہ تھا جو اس پر پڑنے والی ناگمانی افتاد اور خلیفہ معتمد کے ساتھ
ن پرانی طوٹوں کو دوبارہ بعد اس کے خلاف جنگ قصاص پر اکاڑ کرنا چاہتا تھا۔ اس میں اس کا
یا اس کی جہالت کا مشاغل مضمر تھا۔ پھر بھی یہ منصوبہ ابن حرب کے لیے کتنا حسین و دلآویز تھا
اس میں غلامی آنکھوں میں ایک خوب صورت شہزادی نے پہلی ہی ملاقات میں اس کے دل کی
دھڑکیں بیدار کر دی تھیں۔

پر امیر شہزادی کی گفتگو میں شہزادی سے اس کی دل چسپی کچھ اور بڑھ گئی اور اب یہاں
تاکہ قافلے کی روانگی کے وقت اس کی نظروں کے سامنے رہے تاکہ جب وہ متعلقہ میں پہنچے
سلطان خادروں سے اس کی بھرپور سفارش کر سکے۔

باہر صبح کا اعلان پھیل چکا اور قافلہ کوچ کے لیے تیار ہو چکا تھا۔ صطبل کی طرف سے
لوگوں کے چلنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں جن پر سہار لدا اعلان تھا۔ اس کے
درازے کے مطابق شاہی اہل نائش سے قاصد بھیجے اور روانگی کے لیے تیار تھے لیکن

امیر شیبان نیچے آتا دکھائی دیا۔ اس کے پیچھے پیچھے چہرے پر سفید نقاب کھینچے جنت خلدیہ
اس کا خطر اندیشی تھی جسے رات سب سے پہلے ہی اندیشیت کے لیے پسند کر لیا تھا۔ اس کے عقب
میں شہزادی عباسیہ اور خاندان طوہون کی کچھ بارہ اور کچھ تختہ ستون تھیں۔ امیر شیبان زینہ
اثر کر دیا۔ وہ بھی میں سلیمان بن عامر کے قریب رہا اور اس کے دوست سے مخاطب ہوا۔ میں
حرب! میں سلطان معظم سے تمہاری مصیبت کا حال بیان کروں گا۔ میری کوشش ہوگی کہ تمہیں
مصری سامنے میں کوئی عورہ مل جائے۔

ابن حرب نے گردن ٹھککادی۔ "میں سلطان معظم کے اعتماد پر پورا اتروں گا شہزادہ!"
شہزادہ شیبان نے اس کی دل جوئی کے لیے جو کچھ کہنا تھا کہہ دیا۔ اس اثنا میں قلعہ
ابو عباسیہ قریب آگئی تھیں۔ وہ لہرائے داک بہان لوانی کا شکریہ ادا کر کے ان کے ساتھ
زیر زحمت سے نکل گیا اور وہ دونوں بھی کیے۔ رُف بست گئے تاکہ طوہون شہزادیاں بانائی منزل سے
اُتریں۔ ان کے پیچھے پیچھے عجم ایل دستار شہزادہ چہرے پر طرح نقاب ڈالے، اپنی سرور
کثیر کے ساتھ نیچے آ رہی تھی۔ غسانہ وہ جان بوجھ کر سب سے آخر میں نیچے اتری اور جوئی ڈاک
میں بیٹھی۔ اس نے حرب کو دیکھ کر دہس کر لڑی۔ غسانی آنکھیں بند کر کے نقاب سے باہر چھل پھوٹا
جی تھیں لیکن لشکر کے دوست صرخ نقاب کے اندر کھلے تو سلیمان بن عامر سے کہنے لگی۔ سپہ سالار
عم القادر! میں تمہارا انتظار کر رہی تھی۔ اپنے دوست کو ساتھ لے کر آنا۔

"میری آمد آپ کے پیغام پر منتظر ہوگی بہت عرصہ! سلیمان نے اسے مقصد یاد دلایا۔
"آپ سے جو فرمائش کی گئی ہے وہ پوری ہوگئی، نو دعوت ملتے ہی اپنے دوست کو ساتھ لے کر
فدائے پیچھے میں دیر نہیں کروں گا۔"

حمدان طوہون، سلیمان کو غریب رکھتا تھا۔ اسی تارے رہ شہزادی کو اپنی قربت اور محبت
کا اس سے دل نہ ہونے کا۔ "میں تمہارا گھر گھنٹوں میں عازم ہوں گی کا رنگ بھڑکتا دیکھ میں نے
جی سی قربت کے باعث اسے اپنے خوابوں اور ان کی تعبیر کے راز میں شریک کر لیا تھا کہ وہ جوئی
کا قابل اعتماد دوست ہے جس پر اس کے والد احمد بن طوہون کو بھی بھروسہ تھا۔ شہزادی نے

تختہ نقاب کو کئی آبادی کا مکتبہ جہاں مسجد بن طوہون نے شاہی خاندان ورنہ
کے لیے تعمیر کروائی تھی۔ (تہذیب)

اس کا منصب سمجھ لیا اور کہا۔ "تم تمہاری فرمائش پوری کریں گے سلیمان! اور بہت جلد تمہیں پیغام
بھیج دیں گے۔"

مطلب یہ تھا کہ بھائی کو مختلف کے فضا پر آمادہ کرے گی پھر اس نے ابن حرب پر مکرانی
نظر ڈالی اور ہنسی مدغم آواز میں جسے صرف وہناؤوں سن سکتے تھے، سرگوشی کی۔ "تم تم سے
محبت کرتے ہیں ابن حرب؟"

اور وہی آنکھوں سے اس کے حواس پر بھینسا مکرانی اپنی کثیر کے ساتھ فروری سے
نکل گئی۔ سلیمان اور ابن حرب اسی میں آگئے جہاں سلیمان کی کثیر بن معز بن قین کو عجم میں سوار
کراچی تھیں۔ عجم ایل کو دیکھتے ہی سلام اُگے بڑھی اور شہزادی کو اس کے محل کی طرف سے تھی۔
سوار لڑی کہ ہم اسی کے باوجود سامنے ہی نے اسے محل میں سوار کرنا حکم عجل اسے دیکھ کر مکرانی
اسے زوردارانہ مسکراہٹ میں ابن حرب سے طاقت کی لطافت محل مل رہی تھی۔ مکرانے مسکراہٹ
کا جواب مسکراہٹ سے دیا پھر "خدا حافظ" کہتی پیچھے آتی تو مکرانی کثیر اپنی داک کے ساتھ
محل میں بیٹھی۔

شاہی ساربان "بشش بشش" اور "قیانا قیانا" کی آوازوں میں ساراندیوں کو
اٹھانے گئے۔ تربیت یافتہ ساراندیوں جگہ سے جھٹکے کر عجم سمیت کھڑی ہو گئیں اور رات
ان کی ٹیکس تھانے گئے پیچھے فضیل کی لڑائی سے نکلے گئے۔ ابن حرب، سلیمان کے ساتھ ساتھ
انہی قلعے کو "خدا حافظ" کہنے کے لیے فضیل کے حاسے سے ہاتھ لگا کر قلعے کا امیر شیبان
اپنے گھوڑے پر سوار ہو چکا تھا جوئی محل بروز ساراندیہ فضیل کی ہندو بانا توڑ رہی تھی۔ باہر تھیں
وہ چند سواروں کے ہمراہ قلعے کے آگے آگے صفوہ کو جانے والے شاہ پر دوایا جو میدیہ تیرہ
درجہ کے سینائی کی شمال پس سے گزرتی تھی۔

ابن حرب ڈیوڑھی سے ہاتھ کھینچ کر ساراندیوں کو سواروں کے پیچھے بڑھتے دیکھنے کا
ناگاہ ایک محل کا پردہ ہٹا اور اس کے چوکھٹے میں طرح نقاب کی جھلک نظر آئی۔ ابن حرب کی
بے تاب نگاہیں محل کے چوکھٹے پر مرکوز ہو گئیں۔ پھر طرح نقاب کی شفقت پہرے سے اتار دی گئی
اس نے چاند کو چھو رکھا تھا لیکن یہ نظارہ جہاں بن دوپل کا تھا کیوں کہ فوراً ہی شفقت نے پیر
کو پھر دست پیر بیاہتہ محل کا پرندہ گرا اور طرح نقاب پر اسے کھینچ لیا۔

www.urdukorner.com

کا کہ جس کے قتل سے زیادہ خوب صورت اور دل کش قتل اگرچہ عیسائی کے وقت کہانت
کہ پانچ ملکانی انتہائی دلچسپ تھا۔ دارمشرقی میں سورج، عیش سے ایک نخلستان کا اول
سے سورج سورج مشرقی آسمان پر شفق کی لہلی پھری تھی اور قافہ طلوع آفتاب کے اس حسین
منظر میں مغرب کی جانب بڑھ رہا تھا لیکن بن حرب نے ایک محل کے چوکھٹے میں جو شفق کی رنگی
رواں ہے اس کے اندر بیٹھ کر بیٹھی تھی۔

گھنٹیوں کی ہم آہنگی اور اس کے درمیان کا فاصلہ آہستہ آہستہ دور دورے ہونے لگا مگر
دو گھنٹوں جیسے ایک ترقم کے ساتھ اس سے لڑکھایاں کر رہی تھیں۔ "ہم تم سے محبت کرتے
ہیں ابن حرب! ہم تم سے محبت کرتے ہیں!"

تاہم اس بیان کا ہاتھ اس کے کندھے پر پڑا تو چونکہ کر شفق کے ناز نہار سے ٹوٹ آیا
سیلان کہہ رہا تھا: "ابن حرب! میں نے ایک پیغام القطار کی طرف روانہ کر دیا ہے لیکن ابھی
بعد اُن کی طرف پیغام بھیجا جاتا ہے۔ میرے ساتھ آؤ تاکہ وہ پیغام ابھی سچ ہی بھیج دیا جائے۔"
وہ جانتا تھا کہ سلیمان نے بڑی حکمت اور ہوشیاری سے امیر شیبان کو اس بات پر راضی
کر لیا تھا کہ خلیفہ معتقد کے فرستادہ کرناں ترک اور اس کے ساتھیوں کی ہدایت کے بارے
میں دوبارہ بغداد کو بلا کر دیا جائے، جو ابن حرب کا تعاقب کرتے ہوئے طوبیٰ سلطنت کی حدود
میں گھس آئے تھے۔ انھوں نے نہ صرف بی طوئوں کے حقوق و اختیارات میں مداخلت کی بلکہ
عربوں کے اس قبائلی دستور کی بھی پروا نہ کی تھی کہ جب مفروضہ کسی عرب کی پناہ میں آجائے
تو اسے گرفتار نہیں کیا جاسکتا۔ بہ صورت دیگر گرفتار کرنے والے کو پناہ دینے والے کی تلوار
اور طاقت سے گھینا جاتا ہے۔

کرناں ترک اور اس کے اہل سواروں کے انجام کی اطلاع بھیج کر سلیمان بن عامر عباسی
فکران کو جہاں یہ بتانا چاہتا تھا کہ صولویوں کی تواریخ اپنی سلطنت میں خلیفہ کی مداخلت کو نہیں
کرئیں۔ وہاں اس اطلاع کے ساتھ اس کا اصل مقصد دوبارہ ضمانت کو متعلق کرنا بھی تھا جس کی ایک
بیانکہ تجویز اس نے پہلے ہی سوچ رکھی تھی۔

یہ بات ابن حرب کے مطلب کی تھی کہ معتقد ابو عباس کو کرناں ترک سمیت اہل سواروں
کی ماکت سے اکا کر دیا جائے تاکہ وہ اپنے پیادوں کے انجام پر "إِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ"
بڑھ سکے اور سمجھ لے کہ ابن حرب پروا نہ کرنے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے لیکن اس وقت ذہن دو چھٹوں

میں تیسرے سوئے تھا۔ ایک حصے میں شفق کی لہریں تھیں جس کے درمیان دو بڑی غلائی، گھنٹیں
مسکراتی تھیں۔ دوسرے حصے میں سلیمان بن عامر کا پرانا اور مزید پوش آقا، اپنے نصف چہرے
کو ہنر و جاری دروازوں سے ڈھانپتے ہوئے تھا اور ابن حرب جانتا تھا کہ وہ کون سے
جب وہ سلیمان کے پیچھے پیچھے فیصلہ کی ہفتہ بانا ڈراؤڑ کی سے گزرا کہ ہمارے گئے کے علاقے
میں داخل ہو تو نصف ذہن میں گھرا ہوا تھا اس کے پردے سے وجود پر اپنا منہ نہ ڈالنا تھا۔



اور ابھی سنی۔ شاید تم یہاں کو رخصت کرنے جا رہے تھے۔
 اُس نے عزی سے قبل کے تمام معاملات حذف کر دیے اور صرف یہاں کی روانگی کا
 ذکر فرمایا۔ سب بھی اُس کی بات پر حیرت و شگ سے نہ رہے۔ وہ بھی نہیں مانتے۔ یہاں بن جائے اُس
 کی بات تو جسے سنی دے گا۔ اب۔ وہ یہاں رات ہی اُسے اور علی اصباح چلے گئے۔
 کون تھے؟

سیما نے کسی تردد کے بغیر جواب دیا۔ "آقا حسین۔"
 "کون آقا حسین؟"

"جو اس حسین۔ یہاں نے عید کی گزرتی تھی۔ میرے بڑے بھائی کو دیکھ کر اُس کے
 بیٹے اور نام بھی ابراہیم کے بیٹے۔"

ابن حرب پر ایک حیرت گزرتی۔ "ذکر وہ قریب کے بیٹے؟"
 "بے شک۔ وہ ابراہیم کا بیٹا تھا۔ ابراہیم سے ہیں۔ یہ بھی ابراہیم کے قریب کے
 بھائی کے ساتھ ہیں۔ یہاں ہے اور آقا حسین اُن کے بے اردن۔ ابراہیم اور فصیحین کے
 بھائی کو وقت دے رہے ہیں۔"

سیما نے اُس کی معلومات اور حیرتوں میں مزید اضافہ کر دیا۔ "ابن حرب۔ یہ
 سب کچھ نہیں بتائے۔ ابراہیم نے خود پوچھا ہے تو یہ بھی سن کر ابراہیم کی ہر
 بات نام بھیجے گئے تھے۔ وہ عقیقہ پر خورج کر کے باسیوں سے حتیٰ خافت تھیں۔
 اُن کے ہاتھوں نے عقیقہ، حلیوں اور ہاتھوں کو دھوا دیا اور اُن کا حق غضب کریں تھا۔
 ابن حرب نے یہ سب باتیں سن کر تھک کر بیٹھ گیا۔ اُسے یقین نہیں تھا کہ
 کردہ ابراہیم بھی قریبی کے بہن پرکشش تھا۔ اُن سے ابراہیم سے اور عقیقہ کی کارڈ
 کرنے کا ایک سیما بن عام اس خفیہ جمعیت کا ایک اہم رکن ہو گا۔ جس کے بارے میں
 انداز کا خفیہ حکم ضروری معلومات حاصل کرنے میں کوشاں ہے مگر کوشش کے باوجود خفیہ
 کا سربراہ بدر اپنی ایک کچھ معزز نہیں کر سکا۔

عزیز بن متوکل کے عہد حکومت ۲۰۰ ہجری میں جب معزز بنیہ فخر علی الدین
 بنے تھے اُن کی قید میں تھا۔ سوا کوئی ایک شخص ہی ہوا جو بڑے عہد و عہد کا بڑا بڑا اور
 اپنے آپ کو ہمدی زماں کا بھی کہتا تھا۔ اس کا اصل نام فرج بن یحییٰ بن عثمان قاشانی تھا لیکن

۱۴

قرامطہ

کاروان مرنے کی ایک بار پھر خالی ہو گئی تھی۔ اس نے جانچنے تھے اور سیما کے قریب
 مختلف خدمات انجام دینے والے ہارم، خدوہ اور نر کے رو گئے تھے۔ کاروان مرنے کی
 رخصت کاروان کے ساتھ ہی رخصت ہوئی تھی۔ رخصت ہوئی تھی۔ کاروان مرنے کے سینوں
 کی اپنی ایک دنیا تھی جہاں وہ مہر و نذر گزرتے تھے۔

سیما نے اپنے دوست کو ساتھ لے کر اُس کے اُس کمرے میں آگیا۔ جو صرف اُس کے
 لیے مخصوص تھا۔ ابن حرب کا خیال تھا کہ قاشانی قاشانی کے بعد وہ اُن معاملات پر
 گفتگو کرے گا جو اُس کے نزدیک بڑے اہم اور اہم تھے۔ مگر یہ سب سنے ہوئے تھے لیکن
 اُس نے خفیہ مقصد کی طرف متوجہ ہونے والے پہلو کا ذکر کیا تھا۔ جب کہ ابن حرب کا
 "رات کے یہاں" میں لکھا ہوا تھا۔ اُس نے بیٹھے ہی پوچھا۔ "رات کوئی اور یہاں
 نہیں آیا تھا؟"

سیما نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا اور اُسے حیرت دیا۔ "میرے میں یہاں
 تو آتے رہتے ہیں۔"

"مگر وہ کوئی عام یہاں نہیں تھا۔ ابن حرب نے بات اُسے بڑھائی اور رات کی بہت
 سی باتوں پر اخفا کا پروہ ڈالنا ہوا کہنے لگا۔ "وہ یہاں میرے ساتھ والے کمرے میں مقیم تھا۔
 عزی کے وقت اُنہی کھلی تو اُس کمرے میں رہتی تھی۔ عزی اور میں نے رہا رہی میں تھی۔"

ہمدان اور ذکر ویلہ کے نام سے بھی یاد کیا جاتا اور بیل پر سوار ہونے کی وجہ سے قرمط کہلاتا تھا۔ قرمط کا لفظ قرمیط کا حرف ہے جس کے معنی ہیں۔ بیل پر سوار ہونے والا۔ وہ امام موعود کے نام پر ہر شخص سے ایک دینار لینا تھا۔ اُس نے اپنی جماعت کے بہت سے نقیب اور داعی مقرر کر دیے تھے جنہیں "سحاری" کہا جاتا تھا۔ ہزاروں عقیدہ پرست قبائل اُس کے ارگرد اکٹھے ہو گئے۔

قرمطی کی بنیاد عثمان غسانی المعروف ذکر ویہ قرمطی اپنے نسب امام اسماعیل کی طرف منسوب کرتا تھا۔ افریقہ، اُردن، اُردن کے بیٹے احمد بن محمد بن الحنفیہ کی امانت کا قائل بلکہ آخر اہل کورسولانہ قرار دیتا تھا حالانکہ احمد بن محمد الحنفیہ نے خود ایسا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ عقیدہ پرستوں میں یہ بھی مشہور تھا کہ اس نے ایک شخص کے ظہور کی بشارت دی تھی جو امام احمدی کا قاصد یا اپنی ٹوکیا ذکر ویہ قرمطی تھے جو کہ وہی آدمی قرار دیا اور ہمدی کے اچھے ہونے کا دعویٰ کیا۔

اُس نے اپنے عقیدے کی جو کتاب لکھی اُس میں دین کو صحرا نشینوں کے لیے بڑا آسان بلکہ کرشمہ بادیا۔ دن میں دو نمازیں مقرر کیں ایک صبح اور ایک شام۔ سال میں روزے بھی دو رکھے جنابت میں غسل واجب نہیں تھا کیوں کہ صحرا میں پانی کی قلت تھی۔ اُکس کے نزدیک منیہ حرام لیکن شراب حلال تھی جو بہادر وں کا خون گرماتی ہے۔ متعہ جائز تھا۔ ٹوٹی ملاح تھی اور اُکس کے ساتھ نکاح ضروری نہ تھا بلکہ وہ ضرورت تھی اُس کا عقیدہ تھا کہ خدا رسول اور اہل میں ظہور دینا اور رسولوں، اماموں کی وصیوں اُن کے نائبوں اور خاص لوگوں میں حلول کر جاتی ہیں جس سے اُن کی روحانی طاقت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

صحرائی قبائل میں یہ عقائد بہت جلد مقبول ہو گئے کہ وہ کے دانی ایضاً کو خروج کا خطہ محسوس ہوا تو اُس نے دھما دھم کے ذکر ویہ قرمطی کو گرفتار کر لیا اور اُس کی جماعت منتشر کر دی۔

تحریک قرمط کا اصل بانی ہی تھا۔ تاریخ الکامل از ابن اثیر جلد ۲، تاریخ ابو الفدا جلد ثانی مطبوعہ استنبول، تاریخ ابن خلدون کتاب ثانی جلد دوم۔ لفظ الطیب نیز اقرب الموار جلد ثانی۔ صاحب اقرب الموار د نے قرمط کی وضاحت کے ساتھ قرمط کو ایک غلی قرمہ قرار دیا ہے جسے سبیدوی کہتے تھے۔

قرمط کے عقائد از طبری۔ ابن اثیر۔ ابن خلدون نیز "تذکرۃ الخلفاء"

مولانا جلال الدین عبد الرحمن سیوطی

قرمطی کو وہ کے زندان میں ڈال دیا گیا لیکن وہ پہلے داروں کی غفلت سے بچ گیا تھا۔ اپنے زہر و تغذی کا بھانسا دے کر قید خانے سے فرار ہو گیا۔ کہنے کے سرکاری دفتر یا بغداد کے محکمہ خفیہ کو بھی اس بات کا علم نہیں تھا کہ ذکر ویہ قرمطی زندان سے بھاگ کر کدھر چلا گیا اور زندہ بھی ہے یا نہیں، البتہ بعض قبائل میں ایک خفیہ جماعت کا ذکر سورا تھا جو بنو عباس کا تختہ الٹ دینا چاہتی تھی۔ کسی کو اُس جماعت کے مرکز اور امام کا علم نہ تھا کیوں کہ تحریک شیعانی خفیہ تھی۔ ذکر ویہ قرمطی کے بارے میں کچھ لیا گیا تھا کہ وہ کہیں مرکبپ گیا ہے۔ محکمہ خفیہ کے مطابق یہ تحریک کسی نئے باطنی فرقے سے تعلق رکھتی تھی۔

ابن حرب صرف اتنا جانتا تھا کہ یہ قرمطی، ذکر ویہ قرمطی کا بیٹا ہے جو اُس کی رہنمائی وفات کے بعد خود بھی کسی نامعلوم جگہ اُسود و زندگانی گزار رہا ہو گا لیکن اس بات کا علم تو سلیمان بن عامر سے ہوا کہ ابوتامیم یحییٰ ہی اُس خفیہ جماعت کا سربراہ اور امام ہے جو ہمدی کے ظہور کا مژدہ سناری اور دربار بغداد کے لیے پریشانی کا سبب بنتی جا رہی ہے۔ اُس کا سہرا پوشی بھائی آقا حسین اردن، فلسطین اور شام کے بادیشین قبائل میں فاس کی حکومت پھیلا رہے ہیں۔ سلیمان بن عامر نے تحریک کا ذکر کیا اس طرح کیا کہ ابن حرب پر بہت سے نئے گوتے آشکار ہوئے۔ رات ہی سلیمان اور سہرا شیع کی باتوں سے اُس نے اندازہ کر لیا تھا کہ کوئی زبردست حیرانی طاقت اُس کی پشت پر موجود ہے اور یہ اندازہ غلط نہ تھا۔ جماعت کی جو تفصیلات اُسے معلوم ہوئیں وہ حیرت انگیز اور بڑی سنسنی خیز تھیں۔ سلیمان کے بقول بادیشین قبائل میں ہمدی زمانہ کے لیے جوش و خروش پایا جاتا تھا اور حالات نے ایسی شکل اختیار کر لی تھی کہ خروج کا احاطہ و انہماک ضروری ہو گیا تھا۔

ابن حرب کو بھی اس تحریک میں ایک عجیب سی دل کشی اور ترغیب نظر آئی جو اُس کے لیے انتقام کا میدان فراہم کر سکتی تھی۔ اس دل کشی کا ایک نفسیاتی پہلو یہ تھا کہ معتقد کے ساتھ مرگ اور اُس کے اپنے والد حرب، مکلفی کے حادثہ نفس نے جو صورت اختیار کر لی اُس کے پیش نظر خلیفہ معتقد ابوباس کو اُس پر خفیہ جماعت کے رکن ہونے کا شبہ گزرا اور نہ جلنے پر شبہ کیوں گزرا تھا کہ اُس کی گرفتاری کا حکم صادر کر دیا گیا۔ ابن حرب کے خیال میں ایک وجہ تو یہ ہو سکتی تھی کہ اُس کا باپ شونیز یہ کے باطنی فرقے سے میل جول رکھتا تھا اور دوسرا سبب وہ جان نما و دھاری خیر تھا جو عجیب حالت میں اُسے ملا اور جسے ابوباس

نے دل عہدی کے پیام میں اُس کے پاس دیکھ کر تعجب کا اظہار کیا تھا۔ وہ خنجر خفیہ جو موت کے فدا یوں کا نشان تھا۔ محکمے کو غالباً اسی بنا پر ابنِ حرب کی گرفتاری کا اختیار دیا گیا لیکن وہ اپنی صفائی پیش کرنے تک بچائے گرفتاری کا صلہ توڑ کر نکل آیا کیوں معزول خلیفہ کی ہلاکت کے سلسلے میں فلسطینی کثیر دمنہ اور اس کے باپ حرب اکندی کا نام لیا جا رہا تھا۔ التزاماً پر انجلیاں اٹھ رہی تھیں اور سکہ چمک نے خلافت مآب کو ابنِ حرب کے خلاف ایک مافی دی غی کہ شدید معتقد کے قتل میں اُسی کا ہاتھ ہو۔

وہ بھی سمجھا کہ اُس کے پیسے ایک پھندا تیار کیا جا رہا ہے جو غور بخو کی پیش گوئی سننے میں خیال پر مہر تصدیق لگانی اور بند دسے نکل بھی گا لیکن یہ معاملہ کتن عجیب و غریب اور پرہیزگار تھا کہ تقدیر ابنِ حرب جیسے بے رحم اور انتقام پسند کو اُسی خفیہ حلقے میں پھینچ دالی تھی جس کی رکنیت کا اُس پر شبہ کیا گیا تھا۔ یہ جھید بھی کسی ظلم کی طرح کھلا کہ سیہان بن عامر اُس جماعت کا تحواری اور درپردہ "لقیب" ہے۔ زنی طرہوں سے اُس کی دوستی اور دوزی اور قیامت کا اصل مقصد کچھ اور ہے۔ بلکہ اختہ کی اس پٹاری میں بھی اُس کے پرہیزگار اُتار کا مفا و چھپ کر بیٹھا ہے جو سلطانِ خمارو یہ کو ایک خاص مقصد کے تحت اپنے اصل حریف کے خلاف میدانِ جنگ میں گھیت ڈالنے میں کوشاں ہے۔

یہ سب کچھ بے حد حیرت انگیز اور سنسنی خیز تھا۔ یہ حقیقت بھی کسی شعبہ سے کم نہ تھی کہ وہ ایک ایسی تحریک پھیل گیا تھا جس کی بدلے ہوئے حالات میں خود بھی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ مقصد ابو عباس سے اپنی وفاداری کا رشتہ توڑ لینے کے بعد بھی ایک راستہ باقی رہ گیا تھا کہ اُس کے جرموں سے ہاتھ نہ دیا جائے۔

سیہان بن عامر اپنے جہاں کی امراری گرہ کھولنے کے بعد اُس کی خاموشی کا مطلب سمجھنے اور چہرے پر گزرنے والی مختلف کیفیتوں کا اندازہ لگانے کی کوشش کرتا رہا۔ اُس نے اپنے آپ کو بے وجہ آشکار نہیں کیا تھا، چمک پر چھنے لگا۔ کیا تمہیں اس بات پر حیرت ہو رہی ہے کہ میں امام یحییٰ اور اُقا حسین کا مدد میں ہوں؟

"میرے لیے یہ بات کئی اجنبی سے کم نہیں۔"

"بعض اوقات حقیقت اچھی سے زیادہ حیرت انگیز ہوتی ہے دوست! پھر پُر خیال انداز میں کہنے لگا۔ ایک سال قبل جو مدعی رضا خط متعین بغداد میں سوار رہا ہوا تھا

خنجر قنار سے ہاں بھول گیا تھا، وہ دراصل ہماری ہی جماعت کا آدمی تھا، اگر تم نے اُس کی موت قبول کرنی ہوتی تو اُج حالات کی صورت کچھ اور ہوتی۔"

"کیا وہ داعی تم نے بھیجا تھا؟"

"نہیں۔" سیہان نے وضاحت کی۔ "میں نے کسی داعی کو تمہاری طرف نہیں بھیجا ابنتہ اُقا حسین نے تمہارا ذکر ضرور کیا تھا۔"

ابنِ حرب کے دل کی بات زبان پر آگئی۔ "مجھے افسوس ہے اُس وقت میں وثوت پر توجہ نہ دے سکا۔ مجھے وہ خنجر ابو عباس ہی پر استغناء کرنا چاہیے تھا۔"

سیہان کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ "قدرت تمہیں کافی کا موقع دے رہی ہے۔ وہ شکایت کے لمحے میں بولا۔ "تم نے اُقا حسین سے میری ملاقات کیوں نہیں کرائی؟"

"میں اُنہیں تمہارے حالات سے آگاہ کر چکا ہوں۔ پھر سیہان بتانے لگا۔ ابنِ حرب نے اسی غم میں سے قنار سے تعارف کا خیال میرے ذہن میں چمکایا تھا کہ اگر وہ تم میں دن بیکہ۔ تو غمزدگی بہت سی مشکلیں آسان ہو سکتی ہیں۔ رات اُقا حسین سے ذکر ہوا

تو انہوں نے اس دل چسپی کو پسند کیا اور کہا اگر تم شہزادی خیم میل کے ذریعے خمارو یہ کو میدانِ جنگ میں پھینچا دے تو ایک بڑا مقصد پورا ہو جائے گا۔ وہ چلتے ہیں خمارو یہ معزول خلیفہ معتقد کے خون کا قہقارے اور مصری سپاہ کو حراقی لشکروں سے الگ کر دیا جانے تاکہ بنو عباس کی طاقت کمزور ہو اور جب امام یحییٰ ابوالقاسم حق خلافت کے لیے خروج کریں

تو عراقی لشکر اُن کے مقابلے میں پسپا ہو سکیں۔"

وہ سیہان کو حیرت پاش نظروں سے دیکھنے لگا۔ اُس نے کوئی بات پوشیدہ نہیں رکھی اور سہرا اُقا حسین سے جو گفتگو ہوئی، بچوں کی ٹوں بیان کر دی۔ اسے حیران سا دیکھ کر

سیہان پھر کہنے لگا۔ "ابنِ حرب اُقا حسین چاہتے ہیں کہ تم بغداد کے خلاف کوئی بڑا محرکہ کر دو۔ درحقیقت خلیفہ معتقد کے خلاف کسی کمزوری کا اظہار کرے تو غورانی شہزادی کو گے اُن کے عراقی خیموں میں آجاؤ۔ وہ تمہیں بادیہ نشین عربوں کی ایک جمعیت فراہم کر دیں گے

انکو تم مقصد سے اپنا انتقام بھی نہ سکو اور اُسے پریشان بھی کرتے رہو۔"

اُس پر حیرت کا ایک سکتہ گزرا۔ سیہان نے اس مرتبہ بھی کسی اخ کی ضرورت نہ سمجھی اور بات اسی طرح بیان کر دی جس طرح وہ رات اپنے کانوں سے سن چکا تھا اُس کا

www.urdukorner.com

اُس نے مملکت سے بھجونا کر لیا یا اپنی فطرت کے مطابق بدلے، انتقام، اور صالح آزمائی کی راہ اختیار کی۔ ابو عباس مفسد کی دقت داری ترک کر کے ابو جاسر حسین کی اطاعت کے حلقے میں آیا، اور جب ایک جماعت یا تحریک سے وابستگی کا اعلان کر لیا تو اُس کے اعلیٰ مقصد کے سامنے اپنی زندگی کو بھی قربان کر دینے لگا۔ سلیمان اس بات پر خوش تھا کہ اُس نے کسی رد و فساد کے بغیر خود قبول کر لیا ہے۔

سلیمان نے دُور، تحریک اور خروج کا جو نقشہ پیش کیا تھا، اُس میں ایک تبدیلی اور طالع آزمائی کی کشش تھی۔ ہمدی صاحب الزمان کے ظہور کا مژدہ تھا جس کے لیے باد یہ نشیں غلوں میں فی الواقع بڑا جوش و خروش پایا جاتا تھا۔ ابن حرب نے امام یحییٰ، اقا حسین یا ذکریہ کے میسرے بیٹے علی کے بارے میں مزید کچھ جاننے کی ضرورت نہ تھی۔ قرطبی تحریک کا خصلہ ظہور ہمدی پر تھا جس کے وہ اپنی یاد آتی تھے اور کامیابی کے لیے یہی ایک نام کافی تھا۔ البتہ اُسے اگر تحسین تھا تو ہمدی کے بارے میں۔

سلیمان سے یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ ذکرِ بزمِ قرطبی ابھی زندہ اور کسی جگہ ایک باغ کے اندر حالتِ استکاف میں ہے۔ جماعت کے عقائد اور مسلمات کے متعلق جو کتاب رائج ہوئی وہ ابھی کی طرف منسوب تھی۔ ابن حرب کو گمان گذرا شاید ہمدی زمان کا دعویٰ ذکرِ بزمِ قرطبی نے کیا ہو جس کے بیٹے اس دُور میں پیش پیش ہیں۔ سلیمان سے ذکر کیا تو اُس نے یہ خیال ستر کر دیا اور کہا: "شیخ ذکریہ بلا شہر جماعت کے بانی اور قائم باقی ہیں لیکن وہ ہمدی نہیں صرف ہمدی کے اہل ہیں۔"

"پھر ہمدی زمان و نون ہیں؟"

سلیمان بن عامر نے پہلی بار نزد کا اظہار کیا: "ہمدی ابھی پردہٴ اخفا میں ہے اور ظاہر نہیں ہوا اگر وہ امامِ اسماعیل کی نسل سے ہوگا۔ اُس کے لیے شمالِ افریقہ میں بھی تحریک شروع ہو چکی ہے جس نے قیروان میں اعلیٰ حکومت کو پریشان کر دیا ہے۔"

یہ ایک حیرت انگیز بات تھی کہ ہمدی ابھی ظاہر نہیں ہوا تھا تاہم قیروان میں اس کے

کوئی اسی لیے ایک پگھلا کر وہ اس کی طرف متوجہ ہو سکے۔ اس طرح وہ حسین خلیل مقرر ہو گیا جسے بہ حال ایک نتیجے پر پہنچنا تھا۔ ابن حرب کو کھیل کے مقصد سے اختلاف تھا، اس کے نتیجے سے اُس کا ہر کوئی ایک نتیجہ اور ہر کھیل کا ایک انجام ہوتا ہے اور اُسے بھی یہ کھیل ایک با مقصد نتیجے تک سے جوتا تھا۔ اُس نے تئیس دنایا، سلیمان اپنے میں اس معاملے سے اپنی طرح ہلکا دھنقا جو تم نے اب بیان کیا ہے۔ میں نے تمہارا مدعا بھریا ہے، بعض مقصد اتنے عظیم ہوتے ہیں جن کی خاطر آدمی پوری زندگی داؤ پر لگا دیتا ہے اور یہ مقصد بھی اتنا رفیع و اعلیٰ ہے جس کے سامنے مجھے اپنی زندگی بچ معلوم ہونے لگی ہے۔

ابن حنفیہ کے بعد کچھ گھنٹے اور گھنٹے کو باقی نہیں رہ گیا تھا۔ سلیمان بن عامر نے اسرار میں اپنی موتی کتاب کھول دی تھی۔ اندر ابن حرب نے اُس کے کلمے پر یقین کر لیا تھا۔ یوں اُس کے درمیان ایک اہم معاملہ طے پا گیا۔

دلانے کی گردش ابن حرب کو اُس دروازے تک نے آئی تھی جہاں آدمی کی مجبوری اور اُس کی ضرورت حالات سے بھجونا کر لینی ہے لیکن بعض آدمی مزاج کے سخت ہوتے ہیں اور اپنی فطرت کے اعتبار سے کسی تبدیلی کو برائے قبول نہیں کرتے۔ انہیں تبدیلی کا احساس دلانے اور کسی مقصد کی طرف لانے کی خاطر کچھ ترغیبات دی جاتی ہیں۔ آدمی دولت اور ثروت کی خاطر اپنے آپ کو بدن دھنقا ہے لیکن دنیا میں حسین صورت سے بڑی ترغیب اور کوئی نہیں جو کامیابی کی سب سے حسین تعلیق ہے اور ابن حرب جیسے بے رحم ملکی مرد کو اپنے مقصد کی جانب لانے کے لیے یہی خوب صورت ترغیب دینی گئی تھی۔

اُسے تسلیم کرنا پڑا کہ سلیمان نے صرف دوستی کا تعین پیدا نہیں کیا بلکہ بڑے حالات میں اُسے پناہ دی۔ کوئی نہ کہ اُس کے ساتھیوں کا فتنہ چکانے میں مدد کی۔ شہزادہ شیبان سے اُس کی دوستی کرانی اور دُورِ اعلیٰ جیسی خوب صورت عنوانی شہزادی کو اُس کا صدرِ مہر یا ابن حرب کو جماعت اور اُس کے مقصد کی جانب لانے کی خاطر فی الواقع اُس نے بہت کچھ کیا۔ اب ابن حرب پر مزاجیہ تھا کہ دوستی کا جواب دوستی سے دے لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ سلیمان بن عامر نے اُس کے لیے اور بھی بہت کچھ کیا تھا اور کچھ کچھ تھا۔ اُس پر اُس کے گھر سے پردے پر سے اُس نے کچھ چھپا کر دیکھتے تھے کہ اُس کی بات کے گوشوں میں نہیں جھجک سکتا تھا کیوں کہ آدمی کی عقلی تار کا بعض امور کا درجہ نہیں کر سکتا۔

شیخ ذکریہ قرطبی نے "قائم باقی" کا لقب اختیار کیا تھا۔

(ابن خلدون)

یہ مدوی تحریک کا آغاز ہو چکا تھا۔ ۸ ماہ کی بات تھی جب مدی کا ایک دایا بوجہ نہ بن حسین بن محمد بن زکریا جو تاریخ میں ابو عبد اللہ شیبی کے نام سے مشہور ہے۔ شمالی افریقہ میں داخل ہوا اور تونسہ میں بربر قبائل کے ساتھ مل کر سرگرم عمل ہو گیا۔ اعلیٰ حکمرانوں نے اس کی سرگرمیوں پر توجہ نہ دی جس کے نتیجے میں بربر قبائل حکومت سے دور ہوتے چلے گئے۔ ۱۲۰ ہجری تک اس کی سرکشی کے ساتھ طلوع ہوا تھا۔ مصر و شام کے علاوہ یہ خیر عراق اور یمن میں بھی سستی گئی تھی کہ قیروان میں زبردست شورش پیا ہو گئی ہے۔ قبیلہ قطعمہ کے بربر دایا مدوی ابو عبد اللہ کے ہم خیال اور ہم عقیدہ بن گئے ہیں اور وہاں ایک ایسی سرکشی کا آغاز ہو گیا ہے جس پر قابو پانا مشکل ہو رہا ہے۔ ابن حرب ابی بغداد میں تھا۔ جب اس نے قیروان میں مدوی تحریک کے ہنگامے اور خروج کی اطلاع سن لی تھی مگر یہ عجیب و غریب الحشاشہ تو سلیمان بن عامر نے کیا تھا کہ مدی زمان جو ابھی ظاہر نہیں ہوا۔ امام اسمعیل کی نسل سے ہو گا۔ اور ذکر ویر قمرط بھی قرمطی ابوالقاسم اور آقا حسین کا سلسلہ نسب بھی چوں کہ امام اسمعیل سے جا ملتا ہے اس لیے اُن پر آنے والے مدی کی حمایت فرض ہے۔

ابن حرب نے اس بات پر کوئی حرج نہیں کیا کہ مدی اگر اسمعیل کی نسل سے ظہور لے گا تو کون ہو گا اور وہ ابھی تک اخفا کے پردوں میں چھپ کر کیوں بیٹھا ہے؟ اُس کے لیے یہ کافی تھا کہ مدی کا دایا قیروان میں خروج کا پرہیز نہ کر چکا تھا اور ادھر قمرط کی خفیہ جماعت بھی خلیفہ معتضد ابوالقاسم کے خلاف بغاوت کے علم اٹھانے والی تھی اُسے تو خلیفہ معتضد کے خلاف بغاوت سے دل چسپی تھی۔

جہاں دیدہ سلیمان بن عامر ابن حرب کے چہرے سے اُن خیانات کا اندازہ لگا۔ تھا جو اُس کے ذہن سے سمندر کی سرکشی موجوں کی مانند گزر رہے تھے۔ چنانکہ وہ کہنے لگا۔ "ابن حرب! میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ تمہارے جنگی کارناموں اور فوجی تحریکوں کے باعث آقا حسین تمہیں اپنی ضرورت سمجھتے ہیں۔ پھر بھی حلفہ اخوان میں اہم مقام حاصل کرنے کے لیے

ابو عبد اللہ بن حسین تمہارے کے بربر سرداروں کے ہمراہ جوج کرنے کے لیے تھے شمالی افریقہ پہنچا تھا جہاں اُس نے نئی فائزہ کے نام پر حکومت کا اعلان کیا۔ اُس کے اُسے گی۔ (فرجانی)

تین جماعت کی خاطر کئی معرکہ سر کرنا اور کسی امتحان سے گزرنا ہو گا۔ "ابن کسبی معرکے یا امتحان سے نہیں گھبرنا سیکھا جو کچھ تم سوچ رہے ہو۔ میں اُس سے کچھ زیادہ کر گزرنے کا علم رکھتا ہوں۔ خود دیکھو جو گئے کہ آقا حسین اور امام کچیا میرے کارناموں پر خوش ہوں گے۔"

پھر میں یقین دلانا ہوں کہ تمہیں اُن کارناموں کا صلہ ملے گا۔ اُس نے اپنا سیدھا ہاتھ اُسکے بڑھایا۔ "ابن حرب! میرے ہاتھ پر عمل کرو کہ اپنی ذات سے جماعت کے مفاد کو بزرگوں کے اور جو حکم تمہیں دیا جائے گا، اُس سے انکار نہیں کرو گے۔"

ابن حرب نے اپنا ہاتھ اُس کے ہاتھ پر رکھ لیا اور وہ الفاظ ذرا اسے جو سلیمان نے کہے تھے "اس عہد کے ساتھ جماعت میں داخل ہو گئے ہو۔ آج سے اپنے آپ کو جماعت کا رکن سمجھو تم اپنا ماضی بغداد میں چھوڑ آئے ہو اب تمہارے مستقبل کا نیا سفر مصر سے شروع ہوتا ہے اور تمہیں طلوانی شہزادی کو اپنی رفیق سفر بنانا ہے۔"

"میں اُسے جیت لوں گا۔ اپنے لیے مجا اور تحریک کے لیے بھی۔" "تمہاری کامیابی میری کامیابی ہو گی ابن حرب! میں تمہیں اور بھی کئی راہیں بتا کر دے گا۔" "میں سے ہاتھ پر عمل کر کے تم نے اُن راتوں کا حق حاصل کر لیا ہے۔" پھر ایک پل خاموشی رہنے کے بعد بولا "شہزادی کم الیل القطائع کی طرف جو بیٹیم لے کر گئی ہے۔ اُس کا کوئی دکان فیچر ضرور رکھے گا۔ اب ہم بغداد کی باتیں کریں گے کیوں کہ بغداد کی طرف بیٹیم بھیجنا باقی ہے۔" اس کے ساتھ مصر میں ایک عجیب سی خاموشی چھا گئی۔



گفتگو کا سلسلہ کچھ دیر کے لیے بنا ہو گیا۔ بغداد کے بارے میں سلیمان بن عامر نے دایا سے سوچ رہا تھا اور ابن حرب اپنے ذہن سے۔ دونوں کا مقصد اگرچہ ایک لیکن سوچنے کا انداز مختلف تھا۔ ایک ابن حرب نے نہ مٹی کو ڈنڈا۔ بغداد کی طرف کیا بیٹیم بھیجے گی؟ "تم نے خود کہا تھا۔ خلیفہ معتضد کو عراقی سواروں کے انجاء سے اکٹھا کر دیا جائے گا۔" "ابن حرب! میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ تمہارے جنگی کارناموں اور فوجی تحریکوں کے باعث آقا حسین تمہیں اپنی ضرورت سمجھتے ہیں۔ پھر بھی حلفہ اخوان میں اہم مقام حاصل کرنے کے لیے

اسی لمحے ابو نصر یاقوت کمرے میں داخل ہوا۔ پیچھے پیچھے سیدان کا ایک غلام تھا جس نے چری قبیلا، اٹھارہ گنا تھا۔ غلام نے قبیلا اپنے ملک کے قتلوں میں رکھ دیا۔ چری قبیلا جو کہ گیارہویں چری قبیلا تھا جس میں کزنات ترک اور اُس کے چار ساتھیوں کے گئے ہوئے سر محفوظ کر لیے گئے تھے۔ سیدان کے اشارے پر غلام نے پانچوں سر قبیلے سے نکال کر فرش پر رکھ دیے۔ اب اُس نے بن حرب کے سوال کا جواب دیا۔ "میرے دوست یہ پانچوں سر اس اصرار کا ثبوت ہیں کہ کزنات ترک اور اُس کے ساتھی فی الواقع قتل ہو چکے۔ بعض لوگ خبر سن کر شک و شبہ کا اظہار کرتے ہیں کہ شاید صحیح ہو۔ شاید یہ صحیح ہو۔ مگر میرے نزدیک کاؤں سنی کی بجائے انھوں نے سنی بھی مرنے سے یہ کہنے سے سرور بار بغداد میں اس لیے بھیج دیا کہ خطبہ معتقد اور بدر اپنے فرستادوں کا انجام بچشم خود دیکھیں۔ اُس کا ہر لفظ تصدیق آمیز سنو اور اہم سنا کہ وہ قتل کئے ہوئے سرور میں کتنے قرب پر ایک سکنہ ساگز رہا۔ بے شک یہ اُس کے دشمنوں کے سر تھے لیکن ان کی موت بڑے غمزدہ خوف ناک گئے اور سکر کر چھ چھوٹے اور بد وضع ہو گئے تھے۔ اب کزنات ترک کا سر کچھ سنا تھا۔ مگر اُسے در نے اسی سر کی جانب اشارہ کیا۔ یہ سنا کہ اب نہ نے بھی بتایا تھا کہ کزنات ترک ضیق کا ایک خطرناک اور بڑا بیمار ہوئی تھا۔ اب جبکہ اُس کا پاتو درندہ تھا جس پر اسے ہر مٹاؤ تھا۔ اس لیے میں نے کزنات ترک کا سر محفوظ کر لیا ہے۔ یہاں پریش میں ایک پرانا مٹی کا دان موجود ہے جس کے اوپر عبدالقدیم زمانے میں کشمیں خونخوار کرنے کا دھند کرتے تھے۔ یہ کازو بار صدیوں سے موزوں ہو چکا ہے لیکن آج کل بھی کچھ لوگ پرندوں اور درندوں کی ناشتوں کو محفوظ کرنے کا شوق رکھتے ہیں تاکہ انھیں بادگار کے طور پر محفوظ کر سکیں۔ میں نے سوچا لیکن یہ مقصد بھی کزنات ترک جیسے بیمار کا سر بادگار کے طور پر مستعمل نہ چاہیے۔ اگر بغداد میں تو کوئی خونخوار کا فن جانتا نہیں۔ نہ وہاں ایسا سالانہ دستیاب ہے جس میں کو محفوظ رکھنے کے کام آسکے۔ اس لیے میں نے یہ سر ہمیں محفوظ کرنا ہی ہے۔"

ابن حرب اُس کی باتیں سنا اور حیران ہوتا رہا۔ یہ سیدان اُسے کزنات ترک سے زیادہ سنا کہ معلوم ہونے لگا۔ اچانک اُس نے بوجھا۔ "درد بار بغداد میں یہ پانچوں سر ابو نصر کے پاس رکھے گئے گا؟"

ہے، وہ اپنے ایک بہترین فسر کے علاوہ پانچ سو اربوں سے محروم ہو چکا ہے۔
 "تمہارا اندھ پورا ہو گا، میں نے اطلاع سمجھوائے کا محض ایک مندرجہ قیمت کر لیا ہے۔"
 یہ کہہ کر میں نے مرنے کے ایک خادم سے کہا: وہ بالقرع یا قوت کو بلالے اور
 کہے کہ مدعا سلفہ کر آئے۔ خادم کے جانتے ہی وہ پھر اپنی حرب سے مخفی طلب ہوا، تمہیں
 یاد ہو گا، میں نے اس واقعے کی اطلاع دربار بغداد میں سمجھوائے پر زور دیا اور امر کیا یعنی کہ
 میرے شیخان خود اس کی اجازت دے۔
 "مجھے یاد ہے۔"

”میں شیبان سے اجازت حاصل کرنے کا ایک خاص مقصد تھا۔
 بن حرب کی سوا یہ نظر میں اس کے چہرے پر قہر موج گئی اور وہ ہنس لگا۔ ”میں نے
 درحقیق سوار کی موت کا پیغام غنی طوں کی طرف سے یہاں پہنچا ہے۔ شہزادہ شیبان سے
 باز۔ کے کہ میں نے وہ مقصد حاصل کر لیا ہے۔ پیغام بھی ایسا آئی ہے کہ جلنے کا جو شیبان
 کا مقصد اور مراد کی حیثیت رکھتا ہے۔“

ابنِ حَرَب نے بے حیلنی سے یوں چچکا۔ ”کون سے وہ؟“

۱۱ "بونسے یا قوت" مراد اُسے دانے ٹھنڈے نیچے میں جواب دیا۔ "وہ میری طرف سے
ملاسے میں افسر مہانداری اور انڈیشیان کی جانب سے یہاں تجارتی کارروائیوں سے مصر
میں داخلے کا حصول لینے پر مقرر ہے۔ ریوں اُس کی سرکاری حیثیت بھی ہے۔ اُس کے ذریعے
دریائے نیل وادی میں جو بیٹیم بھیجا جائے گا، وہ شہر اور انڈیشیان کا اور بنی علویں کی بیٹیم بھیجا جائے
گا۔ مگر تمہیں یہ جان کر خوش ہو گی کہ بونسے یا قوت دراصل جماعت کا آدمی ہے۔"

وہ بیکار گیارہ سہاواں اس مشغوبہ کے ذریعے بغداد اور مصر کی برائی حربی مصلحت کو قائم کرنا چاہتا تھا۔ تاہم کوئی مشغولہ اس کے ذریعے سلطان خاوریہ کو عقیدہ کے خوف کا نقصان نہیں پرکھا۔ ہر کوئی کی کجیگری میں دہشت تو ایک سا ہوتا ہے لیکن سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مختلف ہوتی ہے۔ سہاواں کی داخلی صلاحیت پر گمان تھی کہ وہ ایک بے پرواہ اور غریب ہے۔ بڑھاپہ ہمارے تمام کا خستہ تیار کر رہا تھا۔ اس نے ایک اور کمٹا فکرا ہوا ہے۔ قہرے تو صرف داخلی موارد کے قتل کی صلاح خلیفہ مقتضہ تک پہنچانے کے لیے کہ تھا لیکن بشر غلام کے ساتھ شہرت بھی بھی رہی ہوتی۔

قاتلے تک زندہ رہنا اور اپنی حفاظت کرنا ہے جو شخص جو ش میں اگر ہوش بکھوڑتا ہے وہ اپنی حفاظت سے دستبردار ہو جاتا ہے ۵

سیمان کی باتوں نے اُسے پھر ہمت کر دیا کیوں کہ ان باتوں میں اُس کے تجربے کی دانائی بول رہی تھی۔ وہ حیرت زدہ اُسے دیکھنے لگا۔ فلسطینی سرانے دار ایک بار پھر مخاطب ہوا "ابن حرب! ایک بات جو سب سے اہم ہے۔ اُس پر تم نے غور نہیں کیا حالانکہ وہ بات پسے سوچنے کی تھی۔ جب ابو نصر یا قوت دربار بغداد کو کران ترک اور اُس کے ساتھیوں کی ہلاکت سے مطلع کرے گا، تو ان کی ہلاکت کا موجب بھی صحیح جاؤ گے کیوں کہ وہ تھاری گرفتاری کے لیے بھیجے گئے تھے۔ کران ترک اور اُس کے ساتھیوں کی ہلاکت ان دربار کو مشتعل کر دے گی۔ مقصد ابو عباس خزن کے گھونٹ پی کے رہ جائے گا کیوں کہ تم اُس کی دسترس سے دور ہو چکے ہو۔ وہ صرف ابو نصر یا قوت اور اُس کے ساتھیوں کی زون مار دینے کا حکم دے گا۔ انھیں اذیت پہنچانے کی خاطر ایک اور ہستی کو بھی اذیت پہنچا سکتا ہے جسے قتل یا زخمی کر دیا جائے ہو ۵

ابن حرب پر جیسے بجلی ٹوٹ پڑی۔ سختی مکاری کی طرح چمک کر کھڑا ہو گیا۔ وہ مجبور رہے کہ ماں کو پیچھے چھوڑا یا تھا اور دربار بغداد میں عراقی سواروں کی ہلاکت کا پیغام پہنچے ہی اُس کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔ یہی بات اُس نے اب تک نہیں سوچی تھی، وہ سمجھتا تھا اُس شہر سے اپنے سارے رشتے توڑ آیا ہے مگر سب سے بڑا رشتہ تو ابھی تک قائم تھا اور اب سیمان سے یہ بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ عراقی سواروں کے قتل کی اطلاع بغداد نہ بھیجے۔ ابو نصر کا سفر منسوخ کر دے۔ یہ بات جماعت کے مفاد اور مقصد کے خلاف تھی۔ اب کیا کرے ایک کہنے کا کچھ کم چاہتا تھا اور الفاظ اذیت میں دوڑتے پھرتے مگر زبان تک نہیں آرتے تھے تاہم کچھ کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ سیمان نے اُس کی پریشانی بھیابی اور کلمہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ کوئی منصوبہ تیار کرنے سے پہلے ہی اُس کے تمام پسوڑوں پر غور کر لیتا ہوں، تھاری ملاک بارے میں بھی سوچ لیتا تھا۔ دربار بغداد میں عراقی سواروں کی ہلاکت کا پیغام پہنچنے سے پہلے وہ وہاں سے زندہ جو چکی ہوگی ۵

ابن حرب ابھی تک پریشان اور بدحواس تھا مگر دو جانے لگا تھا ۵ اب سیمان نے اپنے منصوبے کی کچھ وضاحت ضروری سمجھی ۵ ابو نصر کے عہد میرے

یہ خدمت اسی کے سپرد کی گئی ہے ۵

یہاں اُس کے بعد ابو نصر کا اپنا سر کندھوں پر قائم رہ سکے گا؟

سیمان بن عامر نے سر اٹھا کر ابو نصر یا قوت کی طرف دیکھا اور اُس نے جواب دینا چاہا۔ میں یہ کہنے ہوئے تھا کہ بعد اوچپوں گا۔ تو سو سکتا ہے میرا اپنا ۵ لکن ایک شامل ہو جائے مگر مجھے اپنے من کی پروا نہیں۔ مقصد خیر ہے ۵

ابن حرب اُس کی زبان سے یہ الفاظ سن کر دلک رہ گیا اور سیمان بتانے لگا ابو نصر یا قوت خدائے کے صفات سے تعین رکھتا ہے۔ جہنیں اپنی زندگی عزیز نہیں موقی مقصد خیر ہو جائے اور بار بغداد میں کئے ہوئے مہر بھیجے گا ایک مقصد ہے ۵

"مگر یہ مقصد کسی اور طرح بھی حاصل کیا جاسکتا ہے۔ ابو نصر کا سر لے کر دربار بغداد میں جانا عہد کا خودکشی ہے۔ یہ خود اور اُس کے ساتھی بعد ارسے زندہ واپس نہیں آسکیں گے ۵

"خدائے کے لیے زندگی کوئی اہمیت نہیں۔" سیمان کا لہجہ بدل گیا۔ "تم نے آج ہی میرے ہاتھ پر ایک تھم کیا ہے۔ اس لیے جو کچھ میں کہتا ہوں اُسے غور سے سن لو۔ یاد رکھو کیوں کہ میری بات کا ایک نفع دہ کوہ نہیں ہو سکتا۔ جو عت میں حکم ہے۔ لہذا کی کوئی گنجائش نہیں۔ ایک خدمت ابو نصر کے سپرد کی گئی ہے۔ یہ اُسے کس طرح ادا کرنا اور بغداد سے لوٹنا سبب نہیں یہ اس کا کام ہے مگر جس شخص نے تھاری زندگی ہرباد کرنا چاہی، اب تمہیں بھی اُسے ہرباد کرنا اور اُس کے خلاف میدان جنگ میں نکلنا ہے اور میدان جنگ میں اپنی زندگی کوئی ضمانت نہیں موقی ۵

ابن حرب اُس کے الفاظ اور مستندوں سے متاثر ہو گیا اور بولنا ۵ میں مقصد کی خاطر میدان جنگ میں اپنی جان بھی دے دوں گا ۵

سیمان نے اپنے ہاتھ کو یوں جنبش دی جیسے اُس کی بات کاٹ دی ہو۔ "تمہیں میدان جنگ میں اپنی جان دینے نہیں کہنی کی جان لینے جاتا ہے ابن حرب! اور ان دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے ۵

شاید وہ بھول گیا تھا کہ انتقام اُس کی زندگی کا مقصد ہے۔ سیمان نے اُسے توجہ دلائی ۵ منت بھولو دشمن کا خاتمہ ارسے فرض کی حیثیت رکھتا ہے۔ تمہیں دشمن کے خاتمے

بارہ مذہب بھی جائیں گے۔ وہ کل پانچ ہوں گے جس طرح کرناں ترک سمیت عراقی سوار بھی پانچ ہی تھے جو مراٹے میں داخل ہوئے اور اپنے پانچ اونٹ اعتدال میں چھوڑ کر موت کی مثال پر پڑنے گئے۔ ابونصر اور چاروں غلام اپنی پانچ اونٹوں پر بغداد کا سفر کریں گے وہاں پہنچ کر وہ غلام اس سے معاوضہ دو جائیں گے اور نقاری ماں کو اپنی گمرانی میں سے کرفورہ مصر کی جانب چلی جائیں گے۔ اس کا بال بھی ہیکانہ ہوگا۔ ابونصر دوسرے دن دربار بغداد میں حاضر ہوئے گا۔ جو سکنات اس کے ساتھ دونوں غلاموں کی گزریں بھی لائے دی جائیں۔ جو سکنات سے لے کر دو۔ ابونصر شہزادہ شیبان کا قاصد بن کر جائے گا اور قاصد کی گردن مارنا کو آپ حکمرانی کے خلاف ہے پھر میں نے ابونصر کو ایک ترکیب بتا دی ہے جو تھی موٹی توڑوں کو ریز کر دے گا۔ اس ترکیب سے پانچ سکنات اور میرا خیال ہے کہ پانچ جائے گا اور پانچ موت اُسے لگے گا۔

ابن حرب نے ایمینان کا سانس لیا اور اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ وہ یہ تو نہیں جانتا تھا کہ ابونصر بغداد سے زندہ لوٹ سکے گا یا نہیں کیونکہ اس کی ماں کی زندگی ضرور محفوظ ہوگئی تھی۔ سلیمان نے پتا لیا تھا اس کے کندھے پر رکھ دیا۔ یہ بات اسے تعزیت دے رہا تھا اور ایک نیا معاوضہ پیش کیا تھا اب انھیں اپنی ماں کے نام کی ایک خط لکھنا ہے اس سے بتانا ہے کہ نہایت مصروف ہے اور جو قاصد اس کی طرف بھیج رہے ہو۔ وہ تھا۔ یہ سی آئی ہیں۔ اس کی کسی اندیشہ کے بغیر ان کے ساتھ چل کر رہے جو اسے بحفاظت نقارے پاس مقرر ہے میں گئے خط کے ساتھ انھیں اپنی کولی ایسی لٹائی ہی بھیجا ہوگی جسے دیکھتے ہی وہ فوراً پہچان لے اور نقاری تحریک کے مطابق عمل کرے گا۔

ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا ماں کی طرف کون سی نشانی بھیجے کہ مراٹے راستے وہی ہوگی نکال کر دکانی جو ابن حرب نے مراٹے میں آتے ہی اپنی شناخت کے لیے اس کی طرف بھیجی اور اپنی آمد کی اطلاع دی تھی۔

”نقاری ماں اس انگوٹھی کو غور سے دیکھتی ہوگی یا“
”ہے شک۔ وہ اسے اچھی طرح پہچانتی ہے۔ اس پر میرے نام کا نسخہ بھی لکھا ہوا ہے۔“

انگوٹھی دیکھتے ہی ابن حرب کی پریشانی دور ہوگئی اور سلیمان نے خود بھی ابونصر باقیات کے حوالے کر دی کہ اسے اچھی طرح سنبھال لے۔ پھر اپنے دوست سے کہا کہ خود بھی یہی وقت

لکھ دو۔ ابونصر راج ہی عیش سے روانہ ہو جائے گا۔

وہ کچھ گیتھا، بغداد میں حالات ایک اور سنگین شکل اختیار کرنے والے ہیں اور ماں کو وہاں رہنا خطرے سے خالی نہیں۔ خط میں اُسے تاکید کی کہ اس کے پیچھے ہوئے قاصدوں کے ساتھ فوراً مصر کے لیے روانہ ہو جائے اور عبداللہ کو بھی ہمراہ لائے خط لکھ کر ابونصر یا قوت کے حوالے کر دیا جسے تیسرے پہر روانہ ہونا تھا۔ اس کے ساتھ جاتے والے غلام بھی سفر کے لیے تیار تھے اور انھیں ہدایات پہلے ہی دی جا چکی تھیں۔ سلیمان بن عامر ہر کام دور اندیشی اور پابندی سے کرنے کا عادی تھا۔ اس نے ابونصر یا قوت کو رخصت کر دیا اور غلام پانچوں سر تھیلے میں ڈال کر اس کے پیچھے بچھے رکھ گیا۔ اب وہ دونوں بچھرتا تھے۔

تنہائی اور فرصت میں سلیمان بن عامر کو کچھ غمزدی باتیں کرنے کا موقع مل گیا جو اس سے کرنا چاہتا تھا۔ کہنے لگا: ”ابن حرب“ جماعت کے لیے تھا راجندہ اور جوش بڑا مبارک ہے۔ آقا حسین اسے پسند کریں گے لیکن جماعت کے متعلق نقاری معصومات میں اضافہ ہونا چاہیے اس وقت میں چند اہم باتیں بیان کر دوں گا۔ انھیں ذہن نشین کر لو تاکہ آئندہ کسی غلطی اور سہو کا احتمال نہ رہے۔ مثال کے طور پر آج تم نے ابونصر کے بغداد جانے اور دربار بغداد میں عراقی سواروں کے سرپیش کرنے کو خود کشی قرار دیا تھا جس سے اگر ابونصر نہیں تو اس کے نقاری غلام کا حوصلہ پست ہو جاتا جو یہاں موجود تھا اور اس کے ساتھ بغداد جانے والا ہے یہ غلطی صرف اس لیے سرزد ہوئی کہ ابھی تم جماعت کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں رکھتے۔ مذاہنین کا حلقہ بڑا مخصوص ہوتا ہے اور انھیں اس طرح تربیت دی جاتی ہے کہ اگر جلدی آگ میں کود جانے کا حکم دیا جائے تو انکا رہنمائی کر سکتے اور آگ میں کود جاتے ہیں۔ ان کے لیے حکم کی تعمیل ضروری ہے۔ نتیجہ خواہ کچھ ہو اور بجز موت۔ نتیجہ ہو بھی کیا سکتا ہے لیکن یہ نتیجہ کی پروا نہیں کرتے۔ موت کی صورت میں ان کے سامنے ایک ہی راستہ ہوتا ہے موت ایک دروازہ بند کرتی ہے دوسرا دروازہ کھول دیتی ہے اور دوسرا دروازہ جنت میں کھلتا ہے۔ جنت کی کشش انھیں جان پر کھیل جانے کی ترغیب دیتی ہے۔ منفصلہ خاطر چند روزہ زندگی کی کوئی اہمیت نہیں۔ دائمی زندگی صرف وہی ہے جو انسان مرنے کے بعد حاصل کرتا ہے۔ دنیا میں سب لوگ مرنے کے لیے جیتے ہیں پھر کبوں نہ موت کو مقصد بنایا جائے تاکہ موت کے بعد آدمی جنت میں داخل ہو جہاں خوش حال حال حوریں اس کی خدمت

عقیدے کی پختگی اور جنت و جہنم کے یقینی حصول کی امید پر وہ لوگ اپنی جان قربان کر دیتے ہیں لیکن کسی کو بے وجہ موت سے کھیلنے کا حکم نہیں دیا جاتا۔ اُن کی حفاظت کا ہر پہلو سوچ لیا جاتا اور واپسی کا ہر دروازہ کھلا رکھا جاتا ہے۔ غمار سے خیال میں بعد از سے ابونصر کی واپسی ممکن نہیں مگر موت کے بازار میں بھی زندگی کی ایک گلی کھلی ہوتی ہے۔ مجھے یقین ہے وہ اُسی گلی سے واپس آئے گا اور جو کام اس کے سپرد کیا گیا ہے، اسے انجام تک پہنچائے گا۔ میری طرح ابونصر بھی کوئی کام ادھور نہیں چھوڑتا۔

ابن حرب محسوس کرنے لگا کہ سلیمان نے جو کچھ کہا ہے، اُس نے جو کچھ سنا ہے، اُس میں جینے اور مرنے کا ایک فلسفہ ہے اور جب اُدی کو ایک دن مرنا ہے، تو اُس کی موت کسی اعلیٰ مقصد کے لیے ہونی چاہیے جو اُسے دائمی راحتوں سے ہمکنار کر دے۔ مقصد کی خاطر قربانی کا جذبہ ضروری ہے اور جس جماعت یا تحریک میں یہ جذبہ پایا جائے۔ کامیابی اُس کا مقدر بن جاتی ہے۔ اُسے جماعت کے مقصد سے اتفاق تھا مگر ایک بات ذہن میں رکھنا رہی تھی۔

۲۷۸ ہجری میں جب کوفہ کے گورنر نے فکرو دیہ کو گرفتار کر کے زندان میں ڈال دیا تو بغداد میں بھی اُس کے اس عقیدے پر بڑی باتیں ہوئی تھیں کہ خدا اُس کے اندر حلول کر گیا ہے۔ خود ابن حرب کو یہ بات عجیب لگی تھی کہ خدا کسی انسان میں کیوں کر حلول کر سکتا ہے۔ وہ تو اُلٹا کر ہے اور کوئی اُنکھ اُس کا احاطہ نہیں کر سکتی مگر حالات کا دھارا اُسے قریبی تحریک ہی کی طرف بہا لایا اور خلیفہ معتقد سے دشمنی مول لینے کے بعد ضروری تھا کہ اُس کے خلاف کسی طاقت سے سمجھوتا کرے۔ اُسے تحریک قرامطہ میں ایک دل کشی نظر آئی اور اُس کے لیے جنگی معرکے سر کرنے پر بھی تیار تھا لیکن وہی ایک بات ذہن میں غلیان سا پیدا کیے دیتی تھی جو مذکورہ قرامطہ کا عقیدہ کبھی لگی تھی۔

سلیمان بن عامر نے خودی زندگی اور موت کا قصہ چھپا تھا۔ عقیدے اور جنت کی بات کتنی اور اب موقع تھا کہ اُس سے حلول کا عقیدہ دریافت کرے۔ وہ کسی عقیدے کے بغیر مقصد پر آگیا اور کہنے لگا "سلیمان! بہت سے لوگ اس بات پر حیران ہیں کہ کسی شیخ یا امام کے اندر خدا کیسے حلول کر سکتا ہے یا نبیوں، رسولوں اور اماموں کی روحیں اُس میں کس طرح داخل ہو سکتی ہیں؟"

اُس نے قرامطہ کے بنیادی عقیدے کے بارے میں سوال کیا یا وضاحت چاہی۔ سلیمان کے چہرے پر مسکراہٹ سی بکھر گئی اور بولا "ابن حرب! مجھے خوشی ہے کہ یہ سوال تم نے خود کیا ہے جس سے عقیدے کے متعلق تمہاری دل چسپی ظاہر ہوتی ہے۔ میں بھی چاہتا ہوں کہ تمہارا عقیدہ راسخ اور یقین پختہ ہو اور تم وہ اعلیٰ منصب حاصل کر سکو جس پر آنا تمہیں نہیں دیا کرنا چاہتے ہیں۔ ظاہر پرستوں کو ہمارے عقیدے پر اعتراض ہے مگر ہم دنیا کو ظاہر کی آنکھ سے نہیں، باطن کی نظر سے دیکھتے اور یہ ادراک یا شعور حاصل کرتے ہیں کہ دنیا کی ہر شے بذات خود کچھ نہیں بلکہ اُس کی ہستی کسی علت کا نتیجہ اور زندگی کسی اعلیٰ طاقت کی مرہون بنتی ہے۔ ایسی طاقت جو مادی کائنات پر حاوی یا اُس کی خالق و مالک ہے۔ اُسی طاقت سے ہر جاندار کے تھنوں میں سانس چلتا اور ہر شے میں زندگی حرکت کرتی ہے۔ وہ عظیم اور نامانی قوت ہر شے اور انسان کے اندر موجود ہے۔ کسی میں کم، کسی میں زیادہ اور اُسی طاقت کو اللہ کہتے ہیں جس کا جلوہ ہر شے اور ہر انسان میں نظر آتا ہے۔ کیوں کہ اللہ سے ہمہ گرا ہوا ہر شے کا وجود نہیں اور کوئی ہستی بجز اللہ خود بخود یا قائم بالذات نہیں۔

اگر کسی کے باطن سے "الہ الحق" پھسکی آواز آئے تو ظاہر پرست کہیں گے یہ شخص خدا ہونے کا دعویٰ دار اور زمین پر ہے مگر کہنے والا غلط نہیں کہتا کیوں کہ خدا تو ہر شے اور ہر انسان کے اندر موجود ہے۔ میرا خیال ہے جو سوال تم نے کیا تھا میں نے اُس کا جواب دے دیا ہے اور تم میرا مطلب سمجھ گئے ہو گے۔"

ابن حرب نہ صرف اُس کا مطلب سمجھ گیا بلکہ اُس کے استدلال پر بھی حیران رہ گیا کہ جس بات نے اُس کے ذہن میں دوسرا اور اندیشہ ڈال رکھا تھا، وہ اس طرح چھٹ گئی جیسے گھٹا کے چھٹ جانے پر مطلع صاف ہو جاتا ہے۔ اب اُس کا اپنا ذہن بھی صاف ہو گیا بلکہ اُسے ہر بات چھی لگی کہ دنیا کی ہر شے بذات خود کچھ نہیں بلکہ خدا کی ہستی سے عبارت ہے۔ اسی سے نظریہ حلول کا فائدہ اٹھایا گیا تھا۔

منصور صاحب اسی دور کا صوفی تھا جس نے "الہ الحق" کہا۔ اُسے اونٹ پر بٹھا کر بغداد لایا گیا اور ۳۰۹ ہجری میں سولہ دی گئی۔ اُس پر قرامطی ہونے کا الزام تھا۔
- (تاریخ الخلفاء)

"تم نے میرے ذہن کوئی روشنی بخشی ہے سیمان! جماعت پر میرا اعتقاد پہلے سے بڑھ گیا ہے۔"

"سچائی ذہن کو روشن کرتی ہے ابن حرب! پھر سوچ کر کہنے لگا۔ "پکھڑ اور باتیں ہیں جس کے بارے میں تمہیں اپنا ذہن صاف کر لینا چاہیے۔"

سیمان نے بے دھرم جواب دیا۔ "شراب اور لوندی کے بارے میں ہمارا مسلک اور طریقہ کچھ مختلف ہے۔ مثلاً اقل عمر کا حکم ہمد سے نزدیک بخارک کیفیت یا منی کی حد پر صادر ہوتا ہے اور لوندی سے خدمت لینا جائز ہے۔ البتہ جب وہ کسی سے نکاح کر لیتی ہے تو اس پر صرف شوہر کا حق ہوتا ہے۔"

پھر سیمان ابن عامر نے جماعت کے ملک کے مطابق دونوں معاملوں پر جواب میں کہاں سے ابن حرب صاف سمجھ گیا کہ اس ملک میں بادیہ نشین قبائل کے لیے راحت و عیش کی ترغیب رکھی گئی ہے اور یہی دو معاملے آدمی کی دل چسپی کا باعث بن گئے ہیں۔ وہ خود ان معاملوں سے دل چسپی رکھتا تھا یا نہیں مگر جس تحریک سے وابستہ ہو گیا، وہاں شراب اور لوندی شجر ممنوعہ نہیں تھی۔

اس نے باتیں نہیں لیکن نہ کوئی حجت نکالی، نہ کسی رد عمل کا اظہار کیا۔ اُسے تو اپنے معاملے سے سرگرداں تھا۔ بغداد سے نکلنے کے بعد وہ ایسی زمین کی ضرورت محسوس کر رہا تھا جہاں اس کا بوجھ برداشت کر سکتی اور جس پر وہ اپنے قدم مضبوطی کے ساتھ جما کر کھڑا ہو سکتا۔ اب اُسے وہ زمین یا جماعت مل گئی جو مستقبل میں کی کامرانیوں حاصل کرنے والی تھی اور جس کی پشت پر بادیہ نشین قبائل کی طاقت کھڑی تھی اس لیے وہ بغیر ضروری مسائل میں الجھنا نہ چاہتا تھا۔

نیکی کیا ہے؟ گناہ کیا ہے؟ اب اس بات کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ وہ سمجھتا تھا، دنیا میں ہر نیکی کی جزا اور ہر گناہ کی سزا ہے لیکن بعض گناہ بخش دیے جاتے اور بعض نیکیاں بریباد ہو جاتی ہیں۔ بغداد میں اُس کی اپنی نیکیوں اور وفاداریوں کے بدلے گرفتاری کا حکم صادر ہوا تھا۔ اور جس جماعت سے کوئی دل چسپی نہ تھی، وہ اپنے بازو کشادہ کیے اُسے خوش آمدید کہہ رہی تھی اُس کی کامیابی کے رستے ہموار کر رہی تھی۔ اب اُسے بھی جماعت کے اعتقاد پر پورا اترنا تھا۔

دونوں نے دوپہر کا کھانا کھٹے کھایا اور تیسرے پر ابو نصر یا قوت اور اونٹوں کے ہمراہ جانے والے چار غلاموں کو رخصت کرنے سرائے سے باہر آ گئے۔ ان پانچوں اونٹوں پر بوجہ کرمان ترک اور اُس کے ساتھی چھوڑ گئے تھے۔ پالان کس وسیع گئے تھے۔ انہیں کسی کنھیں راستے کی بجائے معروف شاہراہ پر سفر کرنا اور یہ سفر طویل تھا۔ معروف شاہراہ فلسطین اور شام سے گزر کر عراق میں داخل ہوتی تھی اور عام رتا سے سفر کر کے شتر سوار ۲۵-۲۶ دن میں بغداد پہنچتے تھے مگر اس شاہراہ پر کارواں سرائیں بھی تھیں اور پانی کے کنوئیں بھی تھے پھر بھی مشیکرے بھر لیے اور پالانوں کے ساتھ باندھ دیے گئے تھے۔ صرف ایک اونٹ پر کھانا کھا گیا تھا اور ضروری سامان کے ساتھ وہ چری تھیں اُسی کجاوے میں تھا جس میں پانچ اونٹوں کے کئے ہوئے سر رکھے تھے۔ کرمان ترک اور اُس کے ساتھیوں کی ہلاکت کے ثبوت انہیں بغداد بھیجا جا رہا تھا۔

تیسرے پر جب سورج مغربی اُفتی کی طرف بڑھ رہا تھا، درختوں، کھجوروں اور قناظوں کے سائے لمبے ہو گئے تھے۔ ابو نصر یا قوت کا چھوٹا سا قافلہ مشرق کی جانب روانہ ہو گیا اور طوفان کی سی ناک والا فلسطینی سرائے دار اپنے ہونٹوں پر لیک سفاک سی سکڑی ہوئی لے رہا تھا کے ساتھ سرائے میں لوٹ آیا۔

اُس نے ایک ہی دن بغداد اور اقطاع کی طرف الگ الگ پیغام بھیجے تھے۔



لٹھنے رہتے تھے۔ داخلی شورشیں اور بغاوتیں جاری نہیں پھر بھی اُن کے درمیان تجارت اور تجارتی قافلوں کی آمد و رفت کا سلسلہ قائم تھا۔ کسی حکومت نے اس سلسلے کو منقطع کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ چھوٹے اور بڑے کارواں دور دراز ملکوں کا سفر کرتے اور ایک ملک کی اشیاء دوسرے ملک میں پہنچاتے رہتے تھے۔ یہ حکومت کا اختیاری فرض سمجھا جاتا تھا کہ محصول لینے کے بعد انہیں گزر جانے دیا جائے۔

۲۸۰ ہجری کے آغاز کے ساتھ ہی قیروان میں ابو عبد اللہ حبیب کی فوجی کشمکش اور اعلیٰ اقتدار کے خلاف شورشیں کی جنہوں میں مصر و شام اور حجاز و عراق یکساں تھیں۔ شمالی افریقہ سے آنے یا ادھر جانے والے تجارتی کارواں اور سوداگر غالباً مقامی منڈیوں میں رُک گئے اور امن و امان قائم ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ جنگی شورشوں کے زمانے میں راستے غیر محفوظ ہو جانے اور داخلی تجارتی قافلوں کو روٹ لیتے تھے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ برفہ قیروان اور طنجہ کی طرف جانے اور آنے والا کوئی تجارتی قافلہ عیش زینج سے بچتا۔ صرف تین یوم قبل ایک کارواں فسطاط کی طرف روانہ ہو چکا تھا اور اتنی جلدی کے لئے کہ وہاں کے آنے کی امید بھی نہیں تھی۔ اسی سے عربوں کی کارواں سرائے میں کوئی گھما گھمی دکھائی نہ دیتی تھی۔

ابن حرب جانتا تھا شمالی افریقہ کی طرف جانے والے قافلے اور مسافر کم ہونے لگے۔ قیروان میں فوجی شورش کے باعث اُن کی آمد و رفت مزید کم ہو گئی مگر سلیمان بن عامر قیروان سے آنے والے کسی قافلے، سوداگر یا مسافر کا بڑی بے حسنی سے منتظر رہتا تھا جس سے اعلیٰ حکومت کے خلاف ہمدردی تحریک اور وہاں کے داخلی حالات کی خبریں معلوم ہوتی رہتی تھیں اُسے محسوس ہوا کہ عربوں کی کارواں سرائے مغرب میں ہمدی کے خروج اور مشرق میں تحریک خرامہ کے رابطے کا سب سے اہم ذریعہ ہے اور یہ رابطہ سلیمان بن عامر کی وجہ سے ہے جو اطلاع اور بغداد کے درمیان بھی ایک نئی کشمکش کی راہیں ہموار کر رہا تھا۔ اس کشمکش سے ابن حرب کو بھی گہری دل چسپی تھی اور اسے عربوں کی کارواں سرائے ہی میں نئے حالات کا انتظار کرنا تھا بغداد کی طرف بھیجے جانے والے پیغام کا نتیجہ دیرپا نہ رہا۔ سب سے پہلے معلوم نہ ہو سکتا تھا۔ نقطہ فریب تھا اور شہزادی نجم العلیل زیادہ سے زیادہ دو مہینے تک سلطان خوارزم کے ارادوں کی اطلاع دے سکتی تھی۔ عربوں اور فسطاط کے درمیان واقع شاہراہ کو کم و بیش ۵۰ میل طویل تھی جسے قافلے یا غور پر چاروں میں طے کرتے تھے۔ پہلے پہل گورنر یا نائب گورنر

۱۵

بلاوا

۰

اُس دور کا دوراں سرائے مہانوں سے خالی تھی۔ شاہی قافلے کی روانگی کے بعد مشرق مغرب سے کوئی کارواں نہ آیا تھا۔ بعض اوقات کوئی دن یکہ کئی کئی ہفتے کسی قافلے کی آمد بھی نظر نہ آتی تھی۔ البتہ مصر اور شام و فلسطین کے درمیان آنے جانے والے مسافر غور سرائے میں قیام کرتے تھے۔ گمیریہ اتفاقاً ہی تھا کہ سب سے کسی مسافر نے بھی ادھر کا رخ نہ کیا۔ عربوں کی کارواں سرائے مشرق اور مغرب سے آنے والے تجارتی قافلوں کی سب سے بڑی قیام گاہ تھی۔ قافلے حضرت یمن، حجاز، اردن، عراق، آرمینیا، شام اور بطین کی طرف سفر کرتے یا مصر، قیروان اور طنجہ (مراکش) کو جاتے، عربوں میں ضرور ٹھہرتے۔ شمالی افریقہ کے ساحلوں سے سامان تجارت جہازوں اور کشتیوں کے ذریعے بھی اندس اور بحال کی بندرگاہوں پر آتا رہا جاتا تھا۔

اُس دور میں اسلامی سلطنت کی بحرہوں میں تقسیم ہو چکی تھی۔ اندلس میں بدستور بنو امیہ حکومت تھی اور اُس کے خلاف شہابیوں کی کوئی بغاوت کا خیال نہ ہو سکتی تھی۔ شمالی افریقہ میں غلبہ بربر اقتدار تھا۔ لیکن اعلیٰ حکومت کے خلاف ہمدی کی دعوت کا آغاز ہو چکا تھا۔ ابن بطین اور شام پر مبنی قافلوں کا سب سے زیادہ تجارتی مرکز تھا۔ جزیرہ نما عرب سے لے کر سمرقند و بخارا اور مدینہ تک عجمیہ کے پیراہ پرچم اُڑ رہے تھے۔ اسلامی سلطنت کا سب سے بڑا حلقہ ہی تھا۔ ان مہمیں کے۔ جو کوئی باہمی مہمیں چل رہی تھیں۔ حکومت استیاد کے جھگڑے

ابن حرب کی یہ خوش فہمی دور ہو گئی کہ شاید طولانی شہزادی کا کوئی بیغام پہنچانے میں
 قحی۔ ”کیا تمہیں جماعت میں میری شمولیت سے خوشی ہوتی ہے؟“
 ”اس سے بڑی خوشی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔ جسے آقا حسین پسند کریں اس
 سے بڑا خوش نصیب اور کون ہوگا؟“

ابن حرب کو خیال آیا کہ سب آقا سے خاص وابستگی رکھتی ہے۔ ممکن ہے رات کی قیامت میں
 اس پسندیدگی کے بارے میں کوئی بات ہوئی ہو مگر در انجمن سے پوچھا۔ ”تمہیں کس نے
 بتایا کہ آقا حسین مجھے پسند کرتے ہیں؟“

”مالک نے۔“ سلامہ کا جواب پھر حیران کر دینے والا تھا۔ ”وہ مجھے ہر بات بتا دیتے
 ہیں، جس طرح انہوں نے شہزادی نجم العلیل اور آپ کی دل چسپی کے بارے میں سب کچھ بتا دیا
 تھا، اسی طرح آج یہ بات بھی بتائی کہ آقا حسین آپ کو کسی بلند منصب پر فائز کرنا چاہتے ہیں۔
 اس کا مطلب یہ تھا کہ سلیمان بن عامر اپنی مصری کنیز پر بے حد افتاد کرتا اور اس سے
 کوئی بات چھپاتا تھا۔ شاید اس میں کوئی مصلحت تھی۔ ابھی ہی سوچ رہا تھا کہ تنگی سلامہ
 نے ایک اور افکاش کیا۔ ”آج سے مالک نے مجھے آپ کی خدمت کے لیے مخصوص کر دیا ہے۔
 ”پہلے ہی تھی میرا خیال رکھتی ہو۔“

”مگر اب بات کچھ اور ہے۔ آپ جس وقت چاہیں مجھے طلب کر سکتے ہیں۔“
 اس جواب نے اسے نئی ہیرت سے دوچار کر دیا۔ وہ بات کا مطلب سمجھنے کی کوشش
 کرنے لگا اس میں ایک خاص اشارہ موجود تھا جس نے ذہن میں تجربہ کی ایک نئی کھرک کھول دی
 مگر یہ بات بھول رہا تھا کہ اس وقت ایک قریبی کنیز اس سے مخاطب تھی۔ سلامہ نے مسند کی
 طرف اشارہ کیا جس پر کھانے کا طباق رکھا تھا۔ ”میں آپ کے لیے کھانا لے آئی ہوں۔“
 ابن حرب نے طباق کو دیکھا۔ کھانے کے علاوہ اس میں ایک خمدار حراج بھی تھی۔ ابن
 کھانے کے ساتھ حراج کبھی نہیں آئی تھی۔ تعجب سے پوچھا۔ ”حراجی میں کیا ہے؟“
 سلامہ کے شگفتہ ہونے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ ”بُنتِ اُغُتِب“
 وہ کچھ کہنے والا تھا کہ فوراً رک گئی اور بات بنائی۔ ”میں پانی کھچا تھا۔“
 ”سے تو پانی۔“ پھر سلامہ نے بھی ایک بات بنائی۔ ”الَا مَا لَوْ مَا يُخْتِجُ“ دیکھ وہ
 پانی جس کی آدی کو ضرورت پڑتی ہے۔

یہ سفر دو ڈھائی یوم میں طے کر سکتا تھا۔ شاہی قافلے کو الفطاح (فسطاط) پہنچے، نجم العلیل کو سلطان
 سے ملنے اور موقع محل کے مطابق گفتگو کرنے میں چند روز لگ سکتے تھے۔ ابن حرب نے
 مسافت اور الفطاح میں حالات کی نزاکت کے پیش نظر اندازہ لگایا تھا کہ طولانی شہزادی جو وہ
 پندرہ یوم کے اندر اسے محلے کی صورت سے آگاہ کر سکتی ہے۔ اس کے لئے سفر اور کسی
 نئی ٹیم کا انحصار شہزادی کے جواب اور بیغام پر تھا اور اُمید تھی کہ جواب اس کی توقع کے
 مطابق ہوگا۔

۲۸ ہجری کے ربیع الاول کی آخری راتیں تھیں۔ جن راتوں میں چاند بہت دیر سے
 طلوع ہوتا اور دینا اس کی روشنی سے محروم رہتی ہے۔ گہری شام رات کی تاریکی میں ڈھل رہی
 تھی۔ عیش کی کارواں سرانے میں کوئی نئی سرگرمی نہیں تھی۔ دن کا ہنگامہ رات کی خاموشی میں
 تبدیل ہو چکا تھا کہ ابن حرب، حرام کے وقت کچھ دیر سرانے سے باہر چلا گیا تھا، اپنے
 کمرے میں آیا تو ایک نئی مگر حسین صورت حال سے دوچار ہوا۔
 کمرے میں فانوس روشن تھا اور اس کی روشنی میں سلیمان بن عامر کی سب سے خوبصورت
 شگفتہ اور خوش ادا مصری کنیز سلامہ، جو صرف سرانے دار کے خاص مہمانوں کی دیکھ بھال کرتی تھی
 اس کا انتظار کر رہی تھی۔ قبل ازیں وہ فانوس روشن کر کے یا کھانا پہنچا کر چلی جاتی تھی خواہ وہاں
 کمرے میں ہو یا نہ ہو لیکن آج وہ خلاف معمول اس کی واپسی کی منتظر اور پہلے سے زیادہ خوش
 دکھائی دیتی تھی۔

اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ مسند سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور بڑی دلکش
 مسکراہٹ کے ساتھ سلام کیا۔ ابن حرب نے سوچا شاید طولانی شہزادی کا کوئی بیغام دینے کی خاطر
 اس کا انتظار کر رہی ہے۔ شاہی قافلے کی روانگی کے بعد اس کا بیشتر وقت سلیمان بن عامر کے
 اس گزرا جگہ دوپہر کا کھانا بھی اُسی کے ساتھ کھایا تھا اور سلامہ سے ملاقات نہیں ہو سکی تھی۔ سلام
 کا جواب مسکرا کر دیا اور پوچھا۔ ”آج کوئی خاص بات ہے کیا؟“
 سلامہ نے بغیر ہنسنے کے کہا۔ ”آپ کو مبارک باد دینے آئی ہوں۔“
 ”کس بات پر؟“ وہ مبارک باد کا مفہوم سمجھنے سے قاصر تھا۔
 سلامہ کا جواب حیران کر دینے والا تھا۔ ”مالک نے بتایا ہے آپ جماعت میں شامل ہو گئے
 آقا حسین سے وابستگی کا تم بھرتے ہیں۔“

”کیا تمہارے خیال میں مجھے اس کی ضرورت ہے؟“
 ”اگر پیسے نہیں تھی تو اب ہے۔“
 ”وہ کیوں؟“

”نیکھی سلام نے بے دھڑک جواب دیا۔ ”کئی بار رات وہ پیسے لے کر آتی تھی اور میں رات
 بھی اُن کی خدمت میں تھی۔“

جواب سن کر ابن حرب کا نشہ اڑ گیا۔ اُسے ہرگز تو رفع زہنی کروانے کی صاف کوئی سے
 کام لے گی مگر اتنا تو جانتا تھا کہ رات اُس نے یہاں دھماچی سے شیخ کی خدمت میں کی تھی،
 اور اُس کے سوال کا اصل مقصد یہ تھا کہ کیا وہ بھی آقا حسین کی سابقہ بی بی ہے؟ اُس نے
 اپنے سوال کی وضاحت کی۔ ”میرا مطلب صراحی کی خدمت سے ہے؟“

سلام نے بھی واضح جواب دیا۔ ”آقا حسین کبھی کبھار آتے ہیں لیکن جب ایک دو
 باتیں قیام کرتے ہیں تو مجھے صراحی سے بھی خدمت کرنے کا موقع ملتا ہے۔ وہ مجھ پر ہر بات اور مجھے
 اکثر اپنی خدمت کا موقع دیتے ہیں۔“

مارے حیرت کے ابن حرب کی آنکھیں کھل گئیں۔ سلام کی صاف کوئی اسے شہر
 کے دے رہی تھی۔ ”معلوم ہوتا ہے، سلیمان نے انھیں صرف آقا حسین کی خدمت سے بے
 مخصوص کر رکھا ہے اور انھیں بھی اُن سے گہری عقیدت ہے؟“

”یہ درست ہے۔ وہ میرے روحانی آقا ہیں اور اُن کی خدمت کر کے مجھے دلچسپی
 ملتی ہے لیکن اب ہلکے نے مجھے آپ کی خدمت کا موقع دیا ہے۔“

اُس کی صاف کوئی کے پیش نظر ابن حرب کو بھی کوئی پہچانی ہٹ محسوس نہ ہوئی۔ لیکن
 یہ بات آقا حسین کو نا پسند ہو کیوں کہ تم اُن کی پسندیدہ کتیر ہو۔

سلام نے تیسرا پیالہ بھی پیش کیا اور جواب بھی دیا۔ ”اگر آقا حسین کی مرضی نہ موقی تو
 ہلکے مجھے آپ کی خدمت پر مامور نہ کرتے۔“

اب کسی پریدہ فحاشی کی ضرورت نہ تھی۔ ابن حرب کے ذہن میں جنم میں نشے کی
 ہر حرکت کڑی تھی اور نیکھی سلام کی قربت اُسے از خود رفتہ کیسے دیتی تھی بعض اوقات ایسی
 ہوتی ہیں جو زندگی میں کبھی بھی آتی اور سب گزر جاتی ہیں تو انسان ساری عمر انھیں تلاش کرتا
 رہتا ہے لیکن اُن دنوں میں سے ایک رات بھی حاصل نہیں کر سکتا، کیوں کہ گزرے لمحے فوت
 کر نہیں آتے اور اپنی خوشحالیوں پلٹ کر نہیں دیکھتے۔

۴۔ پیش کی کارواں صراحت کی دو رات بھی ایک ایسی ہی رات تھی جب بغداد میں حرب
 ایک حسین عقلمند سے گزر رہا تھا اور سلیمان نے اُس کے چہرے کی راحتیں دیکھ کر وہی نہیں

”کیونکہ آپ ہماری جماعت میں شامل ہو گئے ہیں اور یہ اخوان کی ضرورت ہے۔“
 ابن حرب کو اچانک خیال آیا کہ شراب کے متعلق فرسوط کا عقیدہ مختلف ہے جس پر
 اعتراض واجب نہیں۔ سلیمان بن عامر نے جو جماعت کا سب سے اہم داعی اور نقیب تھا
 آج تو شراب اور لوندی کے بارے میں کچھ تشکیکات نہیں اور جماعت کا عقیدہ واضح کیا
 تھا۔ ہو سکتا ہے اُس کا امتحان لیا جا رہا ہو کیوں کہ کسی عقیدے کا نشی اقرار کافی نہیں ہوتا جس
 پر عمل ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اُس نے جماعت اور تحریک سے جو توقعات وابستہ کرتی تھیں سلیمان
 نے اُس کی نہرت دکا میانی کے نیچے جو میدان تیار کیا تھا اور سبز پوش آقا حسین نے اُس کے
 بارے میں جو کچھ کہا تھا وہ سب کچھ اس بازی میں ہار دینا مناسب نہ تھا۔ پھر شیشہ و جام کی
 کھٹک تو امر و در و رساء کے تصور میں بھی سنائی دیتی تھی۔ دمشق، بغداد، فسطاط اور قطائع
 کے محلوں میں نغمے کی تان بھی اُڑتی تھی۔ اُسے سلیمان بن عامر کا، آقا حسین کا، جماعت کا اعتماد
 حاصل کرتا تھا۔ مسکراتا ہوا سلام کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ”تم سابقہ ہو گئی؟“
 ”آپ کی خوشی کے لیے۔“

دو لوں مسند پر اُٹھ بیٹھے۔ سلام نے صراحی اٹھائی، انگریزی شراب پیالے میں ڈال اور
 پیالہ اُس کی طرف بڑھایا، ساتھ ہی پیالے میں مسکراہٹ گول دی۔ فلسطینی کی سرشید سے
 شراب تلخ تھی مگر اُس نے چہرے سے تلخی کا اظہار نہیں ہونے دیا۔ ایک بار اور جھگڑو
 اور بے رحم آدمی کے لیے جو تلواروں کے زخم کھا کر لگی دشمن کو نہ ترجیح کر دینے سے باز نہیں
 آتا تھا۔ شراب کی کاشیا تلخی کا انہماک اُس کی شخصیت کے منافی تھا۔ جڑو جڑو کر کے چند گلوں
 میں پیالہ خالی کیا تو تپا چلا۔ شراب صرف تلخ نہیں، زرد اور بھی ہے۔ ایک ہی پیالے سے اُس کا
 جوان لہر گرم ہونے لگا۔

دوسرے پیالے کے بعد محسوس ہوا کہ کشیدہ فلسطینی جو اس پر غالب آنے لگی ہے
 تو اپنی قوت ارادی سے نشے کی لہر کو پیچھے دھکیلتے کی کوشش کی اور اچانک سلام سے سوال
 کیا۔ ”نیکھی کبھی آقا حسین کی خدمت کا موقع ملا ہے؟“

گہرے اس کا امتحان لے رہا تھا کہ جماعت کے عقیدے اور مسلک کا اقرار صرف زبان سے کرتا ہے یا اس پر کاربندی سزا ہے۔ اسے بہر حال امتحان میں پورا اترنا تھا۔ ہانری جین تھی جس کی بساط اس کے سامنے بچھا دی گئی تھی اور وہی کچھ کرنا تھا جو سلیمان بن عامر چاہتا تھا۔

وہ نئے کی لہر کو اپنے حواس پر غالب آنے سے روک رہا تھا کیوں کہ مخمور اور مغلوب ہونا نہ چاہتا تھا لیکن سلامہ اس قدر قریب تھی کہ اس کے حسین اور پرکشش سراپے انکار ممکن نہ تھا۔ حوا تا حسین کے بعد صرف اس کی خدمت پر مامور کی گئی تھی۔ اچانک ذہن میں ایک خیال اڑنا سوا کیا اور رازدارانہ لہجے میں بولا۔ "میرے ذہن میں ایک سوال ہے جو کسی اور سے نہیں کر سکتا، صرف تم سے کر سکتا ہوں۔"

"کیا سوال ہے؟"

"پہلے میرے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اقرار کر دو کہ صبح جواب دوں گا۔"

سلامہ نے کسی تذذیب کے بغیر اپنا خوب صورت ازم، عالم ہاتھ اس کے سخت ہاتھ میں دے دیا اور کہا۔ "اگر میں آپ سے جھوٹ بولوں تو آقا حسین سے جھوٹ بولوں۔" وہ آقا حسین سے بے پناہ عقیدت رکھتی تھی۔ اقرار بھی اسی نام پر کیا۔ ابن حرب کا سوال بھی آقا حسین ہی کے بارے میں تھا۔ "آقا حسین ہر وقت اپنا آدھا چہرہ چھائے رکھتے ہیں۔ شاید آج تک کسی نے ان کا پورا چہرہ نہیں دیکھا مگر تم نے ضرور دیکھا ہوگا۔"

"سلامہ نے اعتراف کیا۔ بے شک مجھے ان کا پورا چہرہ دیکھنے کا شرف حاصل ہے۔"

"وہ آدھا چہرہ چھپا کر کیوں رکھتے ہیں؟"

"ان کے نصف چہرے پر ایک داغ ہے۔"

"کسی ذہیل وغیرہ کا داغ ہے یا تلوار کا زخم؟"

"نہیں، داغ قدرتی اور ہلال نما ہے اور ان کی امامت کا نشان ہے۔"

لی حسین قرطبی کے چہرے پر داغ تھا جسے لوگوں سے ڈھانپے رکھتا اور اسے اپنی صداقت کا نشان قرار دیتا تھا۔ (عقار جلال الدین سیوطی، ابن خلدون، ابن اثیر)

ابن حرب کا تجسس بڑھا۔ "امامت کا اختیار تو ان کے بڑے بھائی ابو القاسم امام یحییٰ کی ہے۔"

"آقا حسین کو بھی ہے۔" سلامہ نے دغاوت کی۔ "ان کے والد شیخ ذکر وہ نے دونوں بھائیوں کو امام مقرر کیا ہے۔ امام یحییٰ کی زندگی میں آقا حسین ان کے نائب اور مددگار رہیں گے لیکن ان کے بعد آقا حسین ہی امامت کے منصب پر فائز ہوں گے۔ شیخ ذکر وہ نے کہا ہے کہ چہرے کا داغ ان کی امامت اور صداقت کا نشان ہے۔ یہ انکشاف حیرت انگیز تھا۔ تعجب سے پوچھا۔ "پھر وہ لوگوں سے داغ کیوں چھپاتے ہیں؟"

"جب امامت پر فائز ہوں گے، لوگوں کو اپنا پورا چہرہ دکھائیں گے۔ وہ داغ ان کی کامیابیوں کی علامت ہے۔ ان کے لشکر اس طرح تیزی سے حرکت کریں گے جیسے پانیوں سے بھرے ہوئے بادلوں کے حاشیوں پر بھیلیاں لپکتی ہیں۔ ان کی قیادت میں بڑی فتوحات حاصل ہوں گی۔"

اس نے ابھی تک ابن حرب کے ہاتھ سے ہاتھ چھریا نہ تھا بلکہ اس کا ہاتھ بڑی لگن سے فضا میں اڑا رہا تھا۔ "جب مجھے معلوم ہو کہ آپ آقا حسین سے وابستگی کا دم بھرتے ہیں تو میں آپ کو خوش نصیب سمجھنے لگیں۔ پھر یہ بات سن کر تو بے پناہ مسرت ہوئی کہ آپ جماعت کے بے حرکے سرکرہ بن گئے اور آقا حسین آپ کے جنگی تجربوں کی وجہ سے آپ کو سارا لشکر بنائیں گے۔"

"سلامہ شکر؟"

"ہاں۔ میں نے یہی سنا ہے اور یہ بہت بڑا اثر ہے۔"

وہ سمجھ گیا، یہ ساری باتیں اسے سلیمان نے بتائی ہوں گی جو اس کے بے جنگ کا میدان تیار کر رہے تھے۔ خود بھی سن چکا تھا کہ اگر سلطان خمار وہ، معتقد کے فضا میں تیار نہ ہوا تو ابن حرب طوائف شہر لڑی کو اپنے ساتھ لے کر آقا حسین کے عوامی انجمنوں میں پہنچ جائے۔ وہ اسے شکر فراہم کرے گا۔ یہ سب کچھ مستقبل میں ہونے والا تھا۔ لیکن سلامہ ایک عجیب سی کیفیت سے دوچار اور یقین رکھتی تھی کہ جو کچھ آقا حسین نے کہہ دیا ہے، اسی طرح ہوگا۔

سلاطین پر کچھ اور قریب لگی تھی۔ اُس کی باتیں شراب سے زیادہ نشہ دے رہی تھیں۔ وہ کبھی اُس کا ہاتھ پکڑتی، کبھی بازوؤں کو تھام لیتی، جیسے اُس کے بازوؤں کی قوت کا باؤڑ مٹے رہی ہو۔ اچانک کہنے لگی۔ "آپ کا جسم سخت ہے، سینہ کشادہ ہے بازو مضبوط اور ہتھوپاقت در ہیں۔ یہ ہاتھ دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتاریں گے جاعوت کے لیے فتوحات حاصل کریں گے۔ آقا حسین کا پرچم قلعوں پر گاڑیں گے اور غاصبوں کے سر قصبوں پر لٹکا دیں گے۔"

سلاطین کی آواز کسی انجمنے جوش اور جذبے سے مرتعش ہو گئی۔ دیوانی بے شک نہ تھی مگر اُس کی باتوں پر دیوانگی کا گمان ہوتا تھا۔ وہ دیوانی آقا حسین سے گہری عقیدت اور وابستگی کا نتیجہ تھی۔ اُس نے جو کچھ کہا، اُس میں بناوٹ نہ تھی، کوئی مبالغہ نہ تھا۔ وہ اُس کے دل کی بارود کی آواز تھی جیسے اُس کی زبان سے کوئی اور بول رہا ہو جو کچھ کہہ رہی تھی، اُس پر یقین رکھتی اور سمجھتی تھی کہ جو کچھ کہہ دیا ہے، سب کچھ اسی طرح ظہور میں آئے گا کہوں کر یہی آقا حسین کی مرضی ہے۔ وہ اُس مرضی کا سایہ ابن حرب کے وجود پر ڈال رہی یا اُس کا عکس اُس کے کشادہ سینہ اور مضبوط بازوؤں میں دلچیز رہی تھی بلکہ اُس کی وابستگی سے گمان ہونے لگا کہ ابن حرب کے جسم میں ایسے آقا حسین کا روپ دیکھ رہی ہے، جیسے سزا آقا کی روح اُس کے ہاتھ پر جسم میں حلول کر گئی ہو، اصل رت کی طرح آج رات بھی جسمی کی خدمت میں ہو یہ خدمت اُس کے فرض کا حصہ تھی۔

پہلے ایک رات نے کریش کے شہر کو اپنی کالی چادر میں پیٹ لیا تھا اور کارواں سڑک کے کنارے پر اُس نے ابن حرب فلسطینی شراب کے سردار اور بھری کبڑے کے نئے خیالوں اور عادات جنرلوں سے ملنا تھا۔ وہ ایک امتحان کی رات تھی۔ الف تیلہ کی فلسطینی راتوں کی طرح سحر و خیال کی رنگینوں میں ڈوبی دن رات۔ اگرچہ پیش کے لمحے ختم ہونے میں مگر "امتحان کی وہ رات" پندرہ دنوں اور پندرہ راتوں پر محیط تھی۔



۴۸ ہجری کا ریح الاول گزر گیا۔ ریح الثانی کے چاند نے آسمان کو روشنی اور کائنات کو منور کر دیا تھا۔ چاندنی ٹکٹاٹکٹا اور میدانوں میں کھیت کرتی اور اُس کا غبار

راستوں پر کھیرتا تھا۔ عربیہ کی کارواں سرائے میں مسافر آتے اور شب بھری کے بعد اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جاتے تھے مگر القطارح کے جس مسافر کا انتظار تھا، وہ ابھی تک نہ آیا تھا۔

شاہی قافلے کو گئے کئی دن گزر چکے تھے۔ اور ہر دن انتظار میں گزرتا تھا۔ ہر رات طوفانی شہزادی کی یاد آتی تھی۔ ابن حرب کی طرح سلیمان بن عامر کو بھی یقین تھا کہ وہ جواب ضرور بھیجے گی اور انھیں القطارح میں کسے کی دعوت دے گی۔ ایک ایک کمرے کے پندرہ راتیں بیت گئیں۔ پندرہ دن گزر گئے لیکن ابھی پندرہویں دن کا سورج غروب نہیں ہوا تھا کہ قسطنطنیہ کی طرف جانے والے ریلوے پر گرد آؤٹی نظر آئی اور غبار میں ایک ساندنی سوار کا ہیولا دکھائی دیا جو عربیہ کی جانب اڑا آتا تھا۔

سلیمان بن عامر نے دوری سے پہچان لیا کہ وہ القطارح کا قاصد ہے۔ القطارح کے نائبین رفاہ ساندنیوں پر سفر کرنے اور اپنے لباس سے پہچانے جانے لگے۔ آنے والا طوفانی شہزادی ہی کا پیغام لے کر آیا تھا۔ سلیمان بن عامر اور ابن حرب کے چہرے مسرت سے کھل اُٹھے۔ انھوں نے سرائے کے خاص کمرے میں قاصد سے ملاقات کی مگر شہزادی کا جواب اور پیغام حیران کر دینے والا تھا۔

قاصد نے بتایا۔ "شام فلسطین کے سفر سے واپسی پر شاہی ہمانوں کی سلطان معظم سے ایک ریکی اور سرسری سی ملاقات ہوئی تھی جس کے بعد شہزادہ شیبان کو خاص طور سے سلطانی بارگاہ میں طلب کیا گیا اور صرف ایک دن کے آرام کی بدلت دے کر مغربی صدر کی دیکھ بھال اور قبروان کی اعلیٰ حکومت کے خلاف شورش و بغاوت کی صورت حال معلوم کرنے کے لیے بھیج دیا گیا۔ سلطان کا خیال ہے کہ مدوری تحریک کے حجم تلے بڑبڑ قاتل مہر کا رنج کر سکتے ہیں۔ اسی لیے اسکندریہ کے گورنر کو حکم دیا گیا کہ وہ مشرقی اور مغرب کے درمیان خطی کاراسند بند کر دے۔ تجارتی قافلے بھی حکومت کی خصوصی اجازت کے بغیر قبروان سے اچانک نہیں سکتے۔"

یہ اطلاع اگرچہ سلیمان کے مطلب کی لیکن بڑی حیرت انگیز تھی کہ شہزادہ شیبان فوری طور پر مغربی صدر پر بھیج دیا گیا ہے۔ اس نے سوچا۔ ان حالات میں شیبان غالباً سلطان کو بغداد میں دروغا ہونے والے حالات سے بھی آگاہ نہ کر سکا ہوگا۔ قاصد سے دریافت

تیسری صدی کے آخری ربع میں حالات نے ایک اور کروٹ لی تھی۔ وقت کے دروست ہاتھ نے تاریخ کا ایک نیا باب کھولا اور شمالی افریقہ میں قیروان کی اعلیٰ حکومت کے خلاف مدنی تحریک کا اتحاد اسلامی دنیا میں کشمکش اور ہنری کا ایک نیا پیغام لے کر آیا تھا۔

سیلمان بن عامر کے نزدیک یہ تبدیلی ضروری تھی اور وقت آگیا تھا کہ اب مصر کی طوئی حکومت کو بغداد سے اٹھایا جائے اور دو طاقت و حرکیوں کو باہم لڑا کر کمزور کر دیا جائے تاکہ افریقہ کی حراج جب ایشیا کے میدانوں میں بھی عباسیہ کے پیادہ پرچموں کے مقابلے میں سبز علم بلند ہوں، تو کوئی طاقت ان علموں کو شہروں اور قلعوں پر لہرانے سے روک سکے۔

۵ اربعہ الثانی کو سیلمان بن عامر اپنے دوست کو لے کر انقطاع کے قاصد کے ہمراہ پیش سے نکلا اور فسطاط کی جانب روانہ ہو گیا۔ قاصد کی طرح وہ بھی تیز رفتار سارنٹی پر سفر کرتا تھا لیکن ابن حرب اپنے گھوڑے پر سوار تھا جو اُسے با دیہ شام جیسے ہولناک صحرا سے نکال لایا اور کئی روز مسلسل آرام کر چکا تھا۔ انھیں میدان تیرہ اور صحرائے سینیائی کی پٹی سے گزرنا اور انقطاع کی طرف سفر کرنا تھا۔

مصر کا مشرقی علاقہ جزیرہ فاسینیائی جسے خلیج عقبہ عرب سے الگ کرتی ہے اگرچہ صحرائے پہاڑیوں پر مشتمل ہے لیکن با دیہ شام یا شام الخالی کی طرح یہ کوئی ہولناک صحرا نہیں شمالی بیگم کا راستہ کہیں ریگستان، کہیں پہاڑیوں اور کہیں چھیل میدانوں سے گزرتا تھا۔ عربیہ سے آگے واروہ، بلفارہ اور قرمہ کی بسینیاں تھیں۔ اسی علاقے میں تل العجول کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے جو کسی زمانے میں ایک بہت بڑا تہذیبی اور ثقافتی مرکز تھا۔ مصر اور شام اور فلسطین کے درمیان فوجی اور تجارتی قافلے اسی شاہراہ پر سفر کرتے تھے۔

ان کی پہلی منزل انقطاع تھی۔ دوسرا پڑ، دبیس سے آگے اُس مقام پر جو اجہاں سے ایک راستہ شمال مغرب کی جانب اسکندریہ کو اور دوسرا جنوب کی طرف فسطاط کو جاتا تھا۔ تیسرے روز وہ جبل مقطم کا کی مستطی حلقہ عبور کر کے فسطاط پہنچ گئے اور باب النصر سے اُس کی عظیم شہر پناہ میں داخل ہوئے۔

فسطاط جبل مقطم اور دریائے نیل کے درمیان واقع اور دور دور تک پھیل گیا

کیا سلطان قیروان کے معاملے میں مداخلت کا ارادہ رکھتے ہیں؟
”سلطان معظم کو بنو اغلب سے کیا دل چسپی ہو سکتی ہے؟ وہ صرف اس خطرے کی پیش بندی چاہتے ہیں کہ مدوری تحریک کہیں مصر کا دُورِ ذکر لے؟“

سیلمان کو خیال آیا: اگر شہزادہ شیبان سلطان کو بغداد کے حالات سے آگاہ نہیں کر سکا تو ضرور شہزادی نجم الیس نے یہ فرض ادا کر دیا ہوگا لیکن قاصد کا جواب پریشان کن تھا کیوں کہ سرسری سی رسمی ملاقات کے بعد وہ بھی سلطان سے ملاقات نہ کر سکی تھی۔ قاصد نے کہا: ”شہزادی صاحبہ نے کئی بار سلطان سے ملنے کی کوشش کی لیکن وہ آج کل خواتین سے ملاقات نہیں کرتے اور زیادہ تر وقت اپنے قصر میں گزارنے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ابھی تک شہزادی صاحبہ کو ملاقات کا موقع نہیں مل سکا۔“

اس مالکوس کن اور افسوس ناک اطلاع کے بعد قاصد نے ایک اُمید افزہ صورت بھی بیان کی اور بتایا: ”شہزادی صاحبہ نے سرسری ملاقات ہی میں سلطان کو معزول خلیفہ منعم کی ہلاکت سے آگاہ کر دیا تھا۔ سلطان نے شہزادی کی بات پوری توجہ سے سنی اور ان کے طوئی جنبے پر غمیں کی تھی مگر معتمد کے معاملے میں مزید گفتگو نہیں ہو سکتی۔“

اس سے طوئی شہزادی کے جذبہ اور مقصد کی بے چینی کا اظہار ہوتا تھا۔ طوئی شہزادی اُس نے سیلمان بن عامر کو یہ پیغام بھیجا تھا کہ وہ اپنے دوست کو ساتھ لے کر خود فسطاط آئے اُس کی آمد پر وہ سلطان سے خصوصی ملاقات کی درخواست کرے گی اور اُسے توقع ہے کہ سیلمان کے حوالے سے ملاقات یقینی ہوگی کیوں کہ سلطان عربیہ کی کارواں سرائے کے مالک سے ملنا پسند کریں گے۔

معاملے کی یہ صورت اگرچہ کچھ مختلف تھی تاہم اس میں بھی شہزادی نجم سلطان پر زور ڈال سکتی تھی کہ وہ معتمد کے خون کا قصاص طلب کرے۔ سیلمان کے نزدیک ضروری تھا کہ اُس کی توجہ مغرب سے ہٹا کر مشرق کی جانب مبذول کرانی جائے اور مدوری تحریک شمال افریقہ میں اپنے مقصد کی طرف بڑھتی رہے۔

اُس نے طوئی شہزادی کی دعوت پر فسطاط جانے کا فیصلہ کر لیا اور ابن حرب سے کہا کہ وہ سفر کی تیاری کرے۔



تھا۔ عین اشمس اُس کے شمال مشرقی مضافات میں شامل ہونے لگا تھا۔

اس عظیم شہر کی بنیاد ہمد فاروقی میں فاتح مصر حضرت عمرو بن عاصؓ نے رکھی۔ اس وقت وہاں قنر اشع کے نام سے ایک شہر اور قلعہ تھا جس میں رومی سپاہ رہتی تھیں۔ قنر اشع کی فتح کے بعد جب لشکر اسلام نے مصر کے پایہ تخت اسکندریہ کی طرف کوچ کیا تو چچلا سپہ سالار کے خیمے میں جسے چھوڑ کر وہ قنر اشع کی طرف چلے گئے تھے۔ کبوتری نے گھونسلہ بنالیا اور انڈے دے رکھے ہیں۔ عمرو بن عاصؓ نے حکم دیا اُن کا خیمہ نہ اٹھا کر جائے اور کہا میں یہ خیمہ اسے تحفے میں دیتا ہوں۔

خیمے کو جوں کا توں چھوڑ کر وہ اسکندریہ روانہ ہو گئے۔ کچھ عرصے بعد اُسے فتح کر کے پھر قنر اشع کی طرف لوٹے تو اُس میدان میں جہاں خیمہ چھوڑا تھا۔ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کی اجازت سے ایک شہر آباد کیا جس کا نام نیجے کی رعایت سے فسطاط رکھا کر عربی میں نیجے کو فسطاط کہتے ہیں۔ عمرو بن عاصؓ نے شہر کی تعمیر کے وقت عرب قبائل کے لیے الگ الگ قطعے مخصوص کیے جن کی آبادیاں اُن قبائل کے نام سے مشہور ہوئیں۔ ایک جامع مسجد تعمیر کرائی جس کے قریب ہی دارالامارت بنو ابیہ مسجد کا ایک دروازہ دارالامارت کی جانب کھلتا تھا۔ فسطاط نے بہت جلد ترقی کی۔ بعد ازاں اسکندریہ کی بجائے یہی شہر مصر کا پایہ تخت بن گیا۔

علامہ مقریزی نے اپنی تاریخ اور علامہ بشاری نے اپنے جغرافیے میں فسطاط کی تہذیبی اور تمدنی ترقی کا حال تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ بشاری اسے "ناسخ بغداد" قرار دیتے ہیں۔

علامہ مقریزی نے "معجم البلدان" میں تصریح کی ہے کہ فسطاط دریائے نیل کے مشرقی کنارے آباد ہوا لیکن اُس کے بالمتقابل مغربی ساحل پر جیزہ کی چھوٹی سی آبادی (ہرام) کی جانب واقع تھی۔ اسی نسبت سے دریائے نیل کی مغربی جانب واقع اہرام کو آج بھی "جیزہ کے اہرام" کہا جاتا ہے۔

اسکندریہ سے واپسی کے بعد عمرو بن عاصؓ نے دفائی نقطہ نظر سے ایک حبشی جیزہ

انفاروقی۔ از سبلی نہائی

میں بھیج دیا جو عمر، ازد اور ہمدان کے قبیلوں پر مشتمل تھا۔ ۲۱-۲۲ ہجری میں ایک وفد بھیج دیا گیا لیکن وہاں مقیم قبائل نے قلعے میں دہائش پسند کی اور الگ محلے آباد کر لیے جن سے شہر کی آبادی بڑھ گئی۔ اموی اور عباسی دور میں فسطاط کے ساتھ جیزہ کی روتی میں اضافہ ہوتا رہا۔ دونوں شہروں کے درمیان نیل حائل تھا۔ نیل میں جہاز رانی ہوتی اور دونوں آبادیوں میں کشتیوں کے ذریعے آمد و رفت رہتی تھی۔

مذاہب حرب اس شہر حسین میں دوسری بار آباد کیا تھا۔ پہلی بار جنگی قیدی کی حیثیت سے چند ماہ شہزادہ شیبان کی قید میں گزارے تھے لیکن اس مرتبہ وہ نہ صرف آزاد ہو کر ملوکی شہزادی کے محبوب کی حیثیت سے فسطاط میں داخل ہوا، جو انقطاع کے ایک شاہی قصر میں اُس کا انتظار کر رہی تھی۔

شہر میں داخل ہوتے ہی سیبان بن عامر نے قاصد کو انقطاع کی طرف روانہ کر دیا تاکہ وہ طوطی خاتون کو اُن کے آنے کی اطلاع دے سکے اور خود ابن حرب کے ساتھ ملوکی قتل کی جانب ہو جائے۔ اُسے کے افسر حصول داری ابو نصر یا قوت کی حویلی اسی بازار میں تھی۔ شوق انیل شہر کی جانب اور قلعے کی تفصیل کے نیچے واقع تھا۔ یہ دراصل شاہی رسالے کے گھوڑوں اور اُن سے متعلق جملہ سامان کا بازار تھا جہاں نعل بندی سے لے کر زمین سازی تک کی دکانیں تھیں۔ اعلیٰ نسل کے گھوڑوں اور اُن کے تاجروں کے ٹھکانے بھی وہیں تھے۔ اُمراء و رؤساء کے علاوہ گھوڑوں کے شوقین اور خیدار بڑی شوق انگیز میں مدد و نعت رکھتے تھے۔ قلعہ قریب ہونے کی وجہ سے جہاں ترکوں، عربوں، مصریوں، سوڈانیوں اور ایتھوپیا کے حبشیوں کی جلی فوج رہتی تھی، یہ بازار بڑا بڑا رونق اور کئی دل چسپیوں کا مرکز تھا۔

سلطان شام رویہ اعلیٰ نسل کے گھوڑوں اور اعلیٰ درجے کے سواروں کو بڑی قیمت دیتا اور اُن کا خاص خیال رکھتا تھا۔ مصری رسالے کے تیز رفتار گھوڑوں اور دھاوا کرنے والے سواروں کو بڑی قدر کی طرف سے لے کر شام، آرمینیا اور ایشیائے کوچک کی محلات تک طوطی مملکت کی حفاظت کرنا پڑتی تھی۔ ۲۲-۲۴ ہجری میں شامیوں نے اسی مصری رسالے کے بل بوتے پر ملک کی سرحد پر حسین پر ہونے والی جنگ جیتی اور ۲۶ ہجری میں اسی کی قوت اور بغاوت سے ابنی فوج کو شام کی سرحد پر شکست دی تھی۔

شوق انیل میں ابو نصر یا قوت کی حویلی جو عیش کی کارواں سرائے میں دھری خدمات

سراجم دیتا تھا، چند سال سے سلیمان بن عامر ہی کے تصرف میں چلی آتی اور پھر اسرار گریہ کا حلقہ بن گئی تھی۔ دوسرے تیسرے جیسے وہ جب بھی فسطاط آتا، حویلی میں پڑا سر ادا دیوں کی آمد و رفت شروع ہو جاتی اور خفیہ مجلس لگتی تھی۔ وہ خود طولونی حکمران کا خاص کے لیے جس کی نگرانی شہزادہ شیبان کے سپرد تھی۔ بڑا اہم آدمی تھا۔ اُس کے ذریعے طولونی حکومت کو حیرت انگیز معلومات ملتی رہتی تھیں۔ شاید اسی لیے سوتق اخیل میں اُس کی پوشیدہ سرگرمیوں پر بھی مصلحت کا پردہ بڑا رہتا تھا۔

حویلی میں اُس کا مہری کارندہ سلاار، اپنی بیوی کے ساتھ رہتا اور فسطاط میں ضروری امور سرانجام دیتا تھا۔ اُسے دیکھتے ہی وہ پیکر آگے بڑھا اور ساندنی کی نگیل پکڑ کر شتر خانے کی طرف لے گیا۔ سلیمان اور ابن حرب اُس کے پیچھے پیچھے حویلی میں داخل ہوئے۔ گھوڑے کو تھان پر باندھ کر وہ انھیں برائے کرے میں لے آیا۔ حویلی مردانہ اور زنگارہ حصوں میں منقسم تھی۔ مردانے میں جام بھی تھا۔ سقاوے میں پانی بھر کر سلاار زنان خانے میں چلا گیا تاکہ نہالوں کے لیے طعام کا بندوبست کر سکے۔

ابھی وہ نہا دھو کر کھانے سے فارغ ہوئے تھے کہ انقطاع کا وہی فاحشہ حورائش میں پیغام لے کر گیا تھا۔ سوتق اخیل کی حویلی میں پہنچ گیا۔ اب کے وہ طولونی شہزادی کی طرف سے دعوت کا بلا دالے کر آیا۔ نجم اللیل نے سرائے دار اور اُس کے دوست کو دوسرے روز دوسرے کھانے پر مدعو کیا تھا۔ یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ وہ ابن حرب کے معاملے میں دلچسپی رکھتی ہے۔

اب شہزادی نجم اللیل ہی سلطان سے ملاقات کا ذریعہ تھی اور ملاقات کا یہ ذریعہ زیادہ معتبر اور مفید تھا۔



گفتگو

(۱۶)

دوسرے روز وہ دوسرے پہلے ہی انقطاع کی طرف چل دیا۔ ابن حرب ساتھ تھا۔ انقطاع فسطاط کی آبادی اور اسرار دوسرے مرتبہ و منصب کے مطابق مختلف قطعات میں تقسیم تھی۔ زنانہ طولون کا قطعہ جہاں شہزادوں اور شہزادیوں کے عالی شان قصر ترکستان و عراق کے فن تعمیر کا حسین امتزاج پیش کرتے تھے اور جس میں شہزادی نجم اللیل کا بھی الگ خنک قطعہ تھا، شاہی محلات کی تفصیل سے زیادہ دور تھا۔ مختلف حلقوں اور قطعوں سے گزرتے ہوئے جب وہ قصر نجم کے دروازے پر پہنچے تو مشہی غلام فوراً اطلاع کے لیے اندر چلا گیا اور لوٹ کر آیا تو بتانے لگا کہ وہ شہزادی کی خاص کنیز عبیر کو اطلاع دے کیا ہے

یہ نئی آبادی مختلف حلقوں اور قطعوں میں بٹی ہوئی تھی۔ احمد بن طولون نے منصب دار اسرار میں قطعے تقسیم کیے تھے جن پر عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ اسی لیے ”انقطاع“ کہلاتی ایک قطعہ محض بیماروں کے لیے شفا خانوں پر مشتمل تھا۔ ابن طولون نے اسس علاقے میں جو جامع مسجد تعمیر کرائی، وہ سامرہ کے فن تعمیر کا نمونہ اور اس کا مینار اپنی زینت کے اعتبار سے منفرد ہے۔ یہ مسجد ابن طولون کے نام سے سچ بھی شہرت رکھتی ہے۔ بغداد میں بھی ایسی آبادیوں کے حلقے اور قطعے تھے جن میں ”قطیعہ زبیدہ بنت جعفر بن منصور“ مشہور ہے۔ (نجم البلدان - تاریخ مکمل، انجمن الترمذی، ملوک مصر و الشام)

اُس نے اپنی کیفیت بیان کی۔ ”اَلَا اَنْتَ مَا كَاَنْ“ (وہی جو پہلے تھا)
 نجم اہل نے تعجب کا اظہار کیا۔ ”تھارا حال پہلے سے تبدیل ہونا چاہیے تھا۔“
 ابن حرب کی بجائے جواب سراسے دار نے دیا۔ ”جنتِ عمّ! حال اُسی وقت تبدیل
 ہوگا جب آپ میرے دوست پر توجہ دیں گی۔“
 ”تم تو پوری توجہ دے رہے ہیں۔“
 ”اگر آپ نے پوری توجہ دی ہوئی تو سلطان سے ابن حرب کی سفارش کریں۔“

”ہم دل سے چاہتے ہیں کہ تمہارے دوست کی بھرپور سفارش کریں لیکن القطار
 میں اگر سلطان معظم سے ملاقات کا موقع نہیں مل سکا۔“

وہ دونوں غالباً اُسی لیے کھڑے تھے کہ اُن کی میزبان کھڑی تھی۔ شہزادی نے بیہات
 نوراحوس کی ادراک آراستہ مسند پر بیٹھ گئی۔ اُس کے بیٹھے ہی دونوں نے سامنے والی
 مسند سنبھالی اور وہ بتانے لگی۔ ”سلطان آج کل خاندان کے لوگوں سے بھی کم ملتے ہیں۔
 عیش سے اگر دو تین بار ملاقات کی درخواست بھی گزری جواب ہلکا وہ معروف ہیں۔ ہم
 نے آج ہی رضوان کے ذریعے اُن سے ملاقات کی درخواست کی ہے۔ یہ بھی کھلوا دیا ہے
 کہ تم اپنے دوست کے ہمراہ عیش سے آئے اور ایک ضروری معاملے میں گفتگو کرنا
 چاہتے ہو۔“

”پھر کیا جواب دیا؟“

”ابھی رضوان جواب لے کر نہیں آیا۔“

سلیمان بن عامر کا ذہن کیسے اُلٹنے لگا۔ ”رضوان! ایک نیا نام تھا جس کے ذریعے
 طوئی شہزادی اپنے حکمران جہلی سے ملاقات کی درخواست کر رہی تھی مگر پوچھ ہی لیا۔ یہ
 رضوان کون ہے؟“

”سلطان معظم کا نیا ترک غلام۔ ابھی خدمت میں آئے صرف چند مہینے ہوئے ہیں۔“
 ”پھر تو شاید اُسے بھی حاضری کی اجازت مل سکے۔“

”رضوان! انھیں بہت عزیز ہے۔ اُسے حاضری سے نہیں روکتے۔ آج کل تو یگمات
 بھی اُسی کے ذریعے سلطان سے کوئی فرمائش کرتی یا پیغام بھیجتی ہیں۔“

سلیمان کو اس بات پر کوئی تعجب نہ ہوا۔ حسین غلام اور عظیم خواہد کی کمزوری بن گئی

تھوڑی دیر میں سوڈانی کبیر جرشام فلسطین کے سفر میں شہر لوی کے ساتھ تھی اور جسے
 ابن حرب عیش کی کارواں پر لے گئے۔ دیکھ چکا تھا، دروازے کی طرف آتی دکھائی دی۔ پہلی بار معلوم
 ہوا کہ اُس کا نام تیر ہے۔ تیر کا رنگ سالوا تھا مگر نقش و نگار دل کش تھے، انگلیں موٹی
 تھیں اور سانسے دنگ میں بھی جوانی کی بھوک چھک دل آویز تھی۔ اُس نے آتے ہی ہاتھوں
 کو سوڈانی لہجے میں ”اباؤ سہلا“ کہا اور بڑی نیاز مندانہ مسکراہٹ کے ساتھ انھیں اپنے
 ساتھ آئے کا اشارہ کیا۔

طوئی شہزادی کا نفر بڑا وسیع، بہت عالی شان اور ہمارے ترکستانی فنِ تعمیر کے
 ساتھ ساتھ عرب فنِ تعمیر کی جھلک بھی پیش کرتا تھا۔ غلام گروہوں کی محرابیں، بغداد اور سامرہ
 کے محلات کی خرابوں کا نمونہ تھیں۔ کبیر بھڑوں کی کاریوں اور سرو و صنوبر سے آراستہ محلِ عبور
 کے اور ایک طویل غلام گردش سے گزر کر مہانوں کو ملاقات کے کمرے میں لے آئی جہاں طوئی
 شہزادی اُن کی منتظر تھی مگر اب جسم پر برقع اور چہرے پر نقاب نہ تھا جیسے ابن حرب لے
 گئے تھے۔ اُسے دیکھا تھا بلکہ خوب صورت ترکستانی کرتے، پشتوا اور خلیں صدری میں وہ
 پہنے سے کہیں زیادہ خوب صورت، جوان اور مرد قد نظر آتی تھی۔

سلیمان بن عامر کی بجائے اُس کی پہلی نظر ابن حرب پر پڑی اور دیکھتے ہی لمبی غلامی
 انگلیں، جن کے گھائی ڈورے اُن کی خوب صورتی اور سحر آفرینی میں اضافہ کر رہے تھے۔
 مسکرائے اور ہلنے لگے۔ سراسے دار نے ایک ہی نگاہ میں بھانپ لیا کہ وہ اُس کے دین
 کے نیچے بے چین ہی نہیں بلکہ نظروں ہی نظروں میں اُس پر قربان ہوئی جارہی ہے۔ سلیمان
 کے نقطہ نظر سے یہ وابستگی اور وابستگی منصوبے کی کامیابی کے لیے ضروری تھی۔

کراچی را کے قابضوں، زربفت کے پردوں، آنوس کی منتقش تباہیوں، بچائی کے
 گلدنوں، جن میں رنگ رنگ کے پھول سجے تھے۔ زریں قالوس اور قیمتی سمورے آراستہ
 تھا۔ سراسے دار نے کمرے کے سامانِ آرائش کو اور ابن حرب نے صرف شہزادی کو دیکھا
 دونوں کی نظریں پہلی سے بھرے ہوئے بادلوں کی طرح ٹکرائیں اور دلوں میں سڑا کے ہوئے
 گمراہ کی آواز کوئی نہ سُن سکا۔ نجم نے آراستہ مسند کی طرف اشارہ کیا تو ابن حرب مسند پر
 بیٹھنے کی بجائے بالکل اُس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ طوئی شہزادی نے مسکرا کر دیکھا اور پوچھا
 ”کیف حاکم؟“ (تمہارا کیا حال ہے؟)

تھے۔ اسی لمحے سو فانی کبیر خنجر نے اطلاع دی کہ کھانا لگا دیا گیا ہے۔ شہزادی اپنے مہمانوں کے ساتھ طعام گاہ میں آئی۔ دسترخوان پر صرف وہی تینوں تھے۔ خنجر کے ساتھ ایک اور کبیر خدمت کے لیے موجود تھی۔ کھانے کے ساتھ باتیں بھی ہوتی رہیں۔ سلیمان نے شہزادی کو توجہ دلائی "پہلے تو سلطان آپ کا بہت خیال رکھتے تھے۔ ملاقات کے لیے کسی وسیلے اور ذریعے کی ضرورت نہ تھی۔"

"ہمارا خیال تو وہ آج بھی بہت رکھتے ہیں۔"

"پھر ان سے ملاقات کیوں نہ ہو سکتی؟"

خنجر نے اسے لگا "ان دنوں جب وہ اپنی حرموں، بہنوں اور بھائیوں سے نہیں ملتے تو ہم سے بھی نہیں مل سکے کہ کسی کو شکایت نہ ہو۔"

ابن حرب نے تعجب سے پوچھا۔ "بھلا ملاقات سے کسی کو کیا شکایت ہو سکتی ہے؟ اگر وہ ہم سے ملاقات کرتے تو دوسرے قربت و اردل کو شکایت کا موقع دیتا کہ ان سے تو ملتے نہیں، صرف ہم سے ملتے ہیں۔ پھر ان کی کوئی حرم یا ہمای کوئی بہن ایسا ہر ہم سے حسد کرتی، کینہ رکھتی اور باتیں بناتی؟"

کیا طوفانی خواتین معمولی باتوں پر ایک دوسری سے حسد کرتی ہیں؟

"یہ صرف طوفانی خواتین پر منحصر نہیں۔ خاندان جتنا بڑا ہوگا، حسد اور رقابت کا جذبہ بھی اتنا ہی بڑھے گا، ہم سولہ نہیں اور سترہ بھائی ہیں اور بعض اوقات معمولی باتیں بھی اختلاف کا سبب بن جاتی ہیں۔"

"تعجب ہے۔"

"اس میں تعجب کی کون سی بات ہے؟ ہم نے سنا نہیں کہ الاقریب کا لفظ قریب۔"

قرابت دار چھوٹی طرح ہوتے ہیں۔

سلیمان نے شہزادی کی تائید کی "یہ درست ہے۔ خاص طور پر قربت دار عورتوں میں رقابت اور حسد کا جذبہ زیادہ ہوتا ہے اور وہ معمولی باتوں پر ایک دوسری کو چھوڑ کر لڑتی رہتی ہیں۔"

"اسی لیے سلطان نے ہم سے ملاقات مناسب نہیں سمجھی۔ کہیں بھی آج کل کچھ پریشان ہیں، بہار ایتال تا کسی روز جہیں طلب کریں گے؟"

ابن حرب نے ایک نئے اندیشے کا اظہار کیا۔ "پھر تو شاید وہ اب بھی ملاقات پر تیار نہ ہوں۔"

"نہیں۔ اب بات کچھ اور ہے۔ وہ ہماری معرفت دراصل تم لوگوں سے ملاقات کر کے تمام طوفانی خواتین جانتی ہیں کہ ہمارے والد مرحوم بھی سلیمان بن عامر کو عزت دے رکھتے تھے۔ اس ملاقات پر کسی کو شکایت نہیں ہو سکتی۔"

کھانے سے فارغ ہو کر وہ پھر کچھ ملاقات میں آ بیٹھے۔ خنجر دوسری مرتبہ کمرے میں داخل ہوئی۔ اب وہ سلطان کے ترک غلام، رضوان کے آنے کی اطلاع دینے آئی تھی۔ شہزادی نے بوجھ اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھی۔ نوجوان اور خوب صورت ترک غلام کو ساتھ لے کر مسند کی طرف آئی اور جب تک وہ بیٹھ نہیں گیا، خود کھڑی رہی۔ رضوان نے بتایا۔ "سلطان معظم ان دنوں بہت معروف ہیں۔ اس لیے کسی سے نہیں ملتے مگر جب میں نے مطلع کیا کہ عربین سے سلیمان بن عامر اپنے عراقی دوست کے ساتھ آئے اور شہزادی خنجر اسیل انہی کے ساتھ جانا چاہتی ہیں تو انہوں نے ملاقات کی اجازت دے دی۔"

یہ سنتے ہی شہزادی کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا۔ "سلطان نے ملاقات کے لیے کون سا وقت دیا ہے؟"

"خوض سیماب کی طرف جانے سے قبل، زوال کا وقت۔"

"ملاقات کہاں ہوگی؟"

"ایوان تصویر میں ترک غلام نے بتایا۔" سلطان معظم نے ہدایت کی ہے۔ ان کے

خوار دینے ایک خوض میں پارا بھروا دیا تھا جس کی سطح پر چری گٹرے پچھا کر آرام کرتا خوض کے ارد گرد چاندی کے ستون تھے جن سے چری گڈوں کے لٹشی رستے بندھے ہوتے تھے۔ (مشرقی آف سیریا) (از طلب کے حسی)

شاہی محلات میں ایک ایوان تصویر تھا جس کی دیواروں پر اپنی حرموں، کینزوں، مقبول اور حسین غلاموں کی تصویریں بند کر آویزاں کرائی تھیں۔ ان تقاطع کے شاہی محلات کے بارے میں جو معلومات فراہم کی گئی ہیں ان کی تفصیل عظامہ ابن لغزی بردی کی تاریخ الخیرۃ فی المنوک انصر و انفاہرہ میں ملاحظہ فرمائیے۔ (قرآن لوی)

قبیلہ سے پہلے میں آپ کو لے کر ایوانِ تصویر میں پہنچ جاؤں۔ دونوں جہان بھی ساتھ
جائیں گے لیکن ملاقات مختصر ہوگی۔ کیونکہ وہ وقت حرجی سیماب پر استراحت کا ہوتا ہے
”پھر تمہیں چل دینا چاہیے۔ زوال کا وقت ہو چاہتا ہے۔“

یہ کہہ کر وہ کھڑی ہو گئی اور برق اثر ہنسنے کے لیے دوسرے کمرے کو مٹی پر بند
لمحوں کے بعد صبح نقاب والا مخصوص برقع اڑھ کر آئی تو سودا کی کیزر بھی ساتھ تھی اور
شاہی محلات کی طرف جانے کے لیے جب وہ کمرے سے نکل رہی تھی، ابنِ حرب قدم بڑھا کر
ذرا غریب لگائی اور سرگوشی کے لیے میں بولا: ”میری کامیابی کا انحصار تمہاری سفارت پر ہے۔“
طوفانی شہزادی نے اپنی بی غالی آنکھوں کے گوشوں سے اُسے مسکرا کر دیکھ دیا
خوب صورت نشیلا مسکراہٹ ابنِ حرب کے سوال کا جواب تھی۔

★

القطائع کے شاہی محلات کی کیزر تہے میں پھیلے تھے (رد گرد ایک مضبوط قبیل تھی
اُس قبیل کے اندر ایک دیسح باغ تھا جس میں کئی ٹکوں سے طرح طرح کے درخت لگوا
کر لگائے گئے تھے۔ مختلف انون پھولوں کے کئی گلستان، کئی بوستان تھے، جن کی
کیاریوں میں پھول اور پودے اس ترتیب سے لگائے جاتے کہ ان سے عربی کے حروف
اور الفاظ بن جاتے کسی کیاری میں: ”العظيمة لله“ کا طغرائتا اور کہیں پھولوں کی قطار
”الله جميل“ و ”الحب الجلال“ کا خاکہ پیش کرتی۔ کئی حوض تھے جن کے اندر سونے کا
مٹیچ کیا گیا اور ان میں پانی بھی سہرا نظر آتا تھا۔ ایک خاص حوض میں پادما بھرا ہوا تھا جس پر چپے
کے گدے اور سمور کے بستریچے رہتے تھے۔ سلطان زوال کے وقت ان گدوں پر قبیلہ
کرتا اور سوجانا تھا۔ خمارویہ کو پرندوں، چرندوں اور دندوں کا بھی شوق تھا۔ ایک
طرف قسم قسم کے پرندوں کا چڑیا گھر تھا جس میں مختلف ٹکوں کے پرندے رکھے جاتے۔
دوسری جانب جنگلی جانوروں کے بڑے بڑے آئینی جنگلے تھے جن کو دیکھ بھال کے
لیے مہری، سودا کی اور حبشی غلام مقرر تھے۔

ان جنگلوں، باغوں، حوضوں سے پڑے شاہی حرموں کے لیے محل سرا میں نہیں۔
حبشی کیزروں کے قہر اور خوب صورت غلاموں کے حجرے تھے۔ پوری جمال مغیائوں اور

تھکاوٹ کے لیے کوڑھک تھے۔ جہان سلطان اُن کے رقص اور غنا سے شاد کام ہوتا تھا
کئی عالی شان ایوان تھے۔ ایک ایوان تصویر تھا، جس کی دیواروں پر مومن کے پترے منڈے
بیسے گئے تھے اور جہاں کئی ندیں نائوس آریزوں تھے۔ اس ایوان کی دیواروں پر خمارویہ
اُس کی حرموں، کنیزوں، مغیائوں اور خوب صورت غلاموں کی تہ دبیریں ہمسے بڑے خوب صورت
جو کھٹوں میں آراستہ تھیں۔ خمارویہ کو فنِ مصوری سے بڑا لگاؤ تھا اور اُس نے غیر ملکی
مصور بلوا کر یہ تصویریں بنوائی تھیں جن کے لیے اُس کی حرموں، کنیزوں اور مغیائوں کو
کئی کئی دن مصوروں کے سامنے بیٹھنا پڑا تھا۔

القطائع کے شاہی محلات ترکستانی اور عربی فنِ تعمیر کا اعلیٰ نمونہ، در اپنی شان و
شکرت کے اعتبار سے پورے مصر میں بے نظیر تھے۔ باغات کی خوبی اور پرندوں پرندوں
اور درندوں کی موجودگی سے شاہی قطعم منفرد حیثیت اختیار کر گیا تھا۔

تمک غلام کی رہنمائی میں کئی محلات آئی، کئی بوستانوں سے گزرنے کئی قہروں اور
چروان کی رہبریاں عبور کرتے۔ وہ ایوان تصویر کے حلقے میں داخل ہوئے جہاں سلطان
مصور نام کے ترک محافظ اور حبشی غلام سنگی دیواریں اور چوڑے پھول والے نیزے لیے اور گرد
برہ دے رہے تھے۔ معلوم ہوا کہ سلطان ایوان تصویر میں پہنچ چکا ہے۔ خوب صورت ترک
غلام نے فوراً دروازے میں داخل ہو کر طوفانی حکمران کو جو مسند پر بیٹھنے کی بجائے فرش پر
کھڑا اور تنہا تھا۔ شہزادی نجم السیل اور مہمانوں کے آنے کی اطلاع دی اور بعد ازاں آگیا۔
شہزادی اپنی سودا کی کیزر کو دروازے کے پاس چھوڑ کر تاکہ سلطان دیکھ لے کہ

مہراں کے ساتھ ہے۔ مہمان کے ہمراہ آگے بڑھی اور بھائی کو تعظیم دی۔ میلان اور ابنِ حجاز
آدابِ شاہی کے مطابق کونش بجالائے۔ قریباً ۳۰ سال کے جوان خمارویہ نے اپنی دہری
کی بوہ بین کی غیریت پر بھی اداس بات پر معذرت کی کہ مصروفیت کے باعث اُس نے
ملاقات نہ کر سکا۔ شہزادی اُسے ایوان میں کھڑا دیکھ کر کچھ لگی فنی ملاقات بہت مختصر ہوگی۔
اس لیے رہی باتوں میں وقت ضائع کرنے کی بجائے سرسے دار کی طرف اشارہ کر کے بولی۔
”سلطان معظم! سلیمان بن حارث آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہے۔ اور یہ تمہارا ابنِ حرب اکندی ہے
اور عظیم معتمد البرعاس کا دوست اور محافظ دسے کا لار تھا لیکن ایک خاص معاملے
پر بغداد سے اپنی وفاداری ترک کر کے آپ کی پناہ میں آگیا ہے۔ بھائی شیبان نے ابنِ حجاز

سے دوستی کر لی اور مدد کا یقین دلایا ہے :

گویا اُس نے بجائی کو توجہ دلائی کہ وہ ایک اہم آدمی کی سفارش کرنے آئی ہے۔
 "مندر ابن حرب الکندی" کے ذکر پر خادویہ نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا مگر مخاطب
 سلیمان بن عامر سے ہوا۔ "سلیمان تم یقیناً کسی اہم مقصد کے لیے آئے ہو۔"
 گفتگو کا آغاز سرائے دار کی مرضی کے مطابق ہوا وہ ابن حرب کے معاملات پر
 مصلحت کا پردہ ڈالتے ہوئے کہنے لگا : "سلطان معظم ابو داؤد غوثی علی اللہ کے قتل کا سانحہ
 ایسا لرزہ خیز ہے کہ بغداد میں بہت سے لوگوں کی وفاداریاں متزلزل ہو گئی ہیں۔ ابن حرب بھی
 وفاداری کا حلقہ توڑ کر مصر میں آگیا اور معتد کے قصاص کا پرچم بلند کرنے کے لیے آپ کی
 حمایت اور مدد چاہتا ہے۔ دشمن کے حملوں کا حساب چکانے کا یہ بہترین موقع ہے۔ اگر
 سلطان عالی ابن حرب کو قصاص کا پرچم دے کر عراق کی طرف روانہ کریں گے تو یہ کام نہیں
 ٹوٹے گا۔"

خمارویہ نے سرائے دار کا مطلب سمجھ لیا لیکن ہاتھ کو اس طرح جھنسن دی جیسے نماز پڑھنا
 کو کاٹ کر پھینک دیا ہو۔ وہ چند قدموں کے حلقے میں ٹپکتا ہوا بولا۔

"سلیمان! تم چاہتے ہو، تم معتد کے قصاص کا جھنڈا باندھیں۔ ہماری بہن کا بھائی
 خیال ہے کہ معتد کا طوفانی مہلت پر ایک ایسا حق ہے جو ابھی تک ادا نہیں کیا گیا اور اُس کے
 خون کا قصاص طلب کر کے ہم وہ حق ادا کر سکیں گے لیکن حاکم شام نے ابھی تک ہمیں معتد کے
 بارے میں کوئی اطلاع نہیں دی۔ شہسازان نے بتایا ہے کہ بغداد میں اس کی موت کی فقیش
 ہو رہی ہے اور جب تک فقیش کسی قلعے پر نہ پہنچ جائے قصاص کا مطالبہ کم در ہے۔"
 "مگر بغداد اس کے لوگ جیک فائون کو معتد کے قتل کا ذمہ دار ٹھہرا رہے ہیں۔ ان

حالات میں جب آپ قصاص کا پرچم بلند کریں گے۔ وہ بہت سے لوگ جھنسن دیں گے۔ ابن حرب
 اپنے پیچھے چھوڑا گیا۔ اس کی طرف سے حمایت میں آئے کھڑے ہوں گے اور آپ کی حالت
 میں اضافہ ہوگا۔"

"بغداد کے لوگوں نے معتد کی زندگی میں اُس کی حمایت نہیں کی اب وہ اپنی قبر
 میں جاسو رہا ہے تو اُس کے لیے کیا کریں گے؟"

"اب کوئی اور بات ہے سلطان معظم؟ سلیمان نے حجت نکالی بغداد کے حالات

خطرناک صورت اختیار کر چکے ہیں۔"

"لیکن قیروان کے حالات بغداد سے زیادہ خطرناک ہوتے جا رہے ہیں اور ان
 خطرناک حالات میں ہم برقی سرحد کو چھوڑ کر بغداد کی طرف توجہ نہیں دے سکتے۔"

خمارویہ کا یہ جواب سلیمان بن عامر، ابن حرب اور طوفانی شہزادی کی توقع کے قطعی
 خلاف تھا۔ وہ زمین اُن کے قدموں تلے سے بھٹتی جا رہی تھی، جس پر کھڑے ہو کر انھوں
 نے مستقبل کے کچھ سوچے بنائے اور کچھ خواب دیکھے تھے۔ خمارویہ اچانک سرائے دار کی طرف
 ہاتھ لہرا کر بولا۔ "سلیمان! تم نے طوفانی مہلت کی بہت خدمت کی ہے۔ ہم نے بھی ہمیشہ
 تم پر اعتماد کیا ہے کیوں کہ تمھاری بات میں تجربے کا وزن ہوتا ہے۔ ہمیں بتاؤ قیروان کی
 مدد کی تحریک ہم سے کیے زیادہ خطرناک ہے یا معتد ابو عباس کی خلافت؟"

سلیمان سوال سن کر ذمہ رہ گیا۔ خمارویہ نے وہ بات بوجھی تھی، جسے ظاہر نہ کرنا چاہتا
 تھا۔ ہوشیار اور تجربہ کار آدمی کی طرح اپنی حیرت کو مصلحت کے غلاف میں چھپایا۔ سوال اگرچہ
 بڑا مشکل تھا مگر اُس نے بڑا آسان سا جواب دیا۔ "سلطان معظم! طوفان ہمارے اُس پار
 اٹھا ہے اور صحرایہ طوفان کی لہر کو داسنہ نہیں دیتا، اُسے روک دیتا ہے۔"

گویا اُس نے خمارویہ کو مطمئن کرنے کی کوشش کی کہ مدد کی تحریک سے کوئی خطرہ
 نہیں۔ سلطان اُس کی منطقی سن کر کچھ متذنب سا نظر آئے گا اور سلیمان اس کیفیت سے
 فائدہ اٹھا کر پھر اپنے مطلب پر آگیا۔ "جس طرح سورج مشرق سے طلوع ہوتا اور مغرب میں
 غروب ہو جاتا ہے اُسی طرح نئی طوفان کے خلاف تلواریں بھی مشرق سے بلند ہوتی رہی ہیں
 مغرب نے آپ کے خلاف کبھی مزاحمت نہیں کی اور اس سے پہلے کہ ابو عباس اُن تلواروں
 کے سائے میں شام یا مہر کا رخ کرے۔ آپ اُس پر معتد کے قصاص کی تلوار آزمائیں۔"

نعم العیل نے محسوس کیا کہ ابھی پوری زمین اُس کے قدموں سے نہیں بچھی سلیمان کی
 نائید میں فوراً بولی۔ "سیاست یہی کہتی ہے۔ آپ مشرق پر توجہ دیں اور معتد کا وہ حق ادا کریں
 جسے ابھی تک ہمارا خاندان ادا نہیں کر سکا۔"

خمارویہ نے بڑے جوش اور غصے میں شہزادی کی بات مسخرہ کر دی اور گرجنے
 لگے۔ "یہ بات ہم تمھاری زبان سے دوسری مرتبہ سن رہے ہیں۔ اگر کوئی یہ سمجھتا ہے
 کہ طوفانی مہلت معتد کی وجہ سے قائم ہوئی تو اُس کا خیال غلط ہے۔ خلافت سے اُس کی

معزولی نئی مملکت کے قیام کا بناء ضروری نہیں لیکن والد مرحوم نے مصر کو عراق سے الگ کرنے کا منصوبہ اسی وقت تیار کر لیا تھا جب وہ خلیفہ معتد کے دور اقتدار میں مصر کے نائب السلطنت بن کر فسطاط آئے تھے۔ عباسیہ کے عہد میں مصر کی دولت مصریوں پر صرف ہونے کی بجائے بغداد کے خزانے میں پہنچ جاتی تھی۔ ہمارے والد ایک زبردست جنگی مرد اور بلند پایہ سیاست دان تھے انھوں نے اپنی سیاسی حکمت اور فوجی طاقت سے مصر کو عراق سے الگ کر لیا، پھر بھی بنی طولون معزول اور نظر بند خلیفہ کی اخلاقی حمایت کرتے رہے لیکن اپنے بھائی مونی طلمہ کی وفات کے بعد جب معتد حق خلافت سے دستبردار ہو گیا اور اُس نے اپنے پیچھے معتد ابو عباس کے اقتدار پر بیعت کر لی۔ تو ہم نے بھی اخلاقی حمایت کا ہاتھ کھینچ لیا۔ یہ بات تم بھی یاد رکھو، اُس مہرے ہوئے آدمی کا بی بی طولون پر کوئی حق نہیں۔ طولونی شہزادی بھائی کی نندید پر سکتے ہیں لگتی۔ دل کو دھچکا لگا اور اندر کوئی چیز ٹوٹ کر بکھر گئی۔ یہ اُس کی اُمید تھی جس کے ٹوٹنے کا تڑا قاتل میں ہوا۔ بغداد کے خلاف ابن حرب کی معرکہ آرائی اور حیت کا انحصار معتد کے قصاص پر تھا۔ اس کے علاوہ فوج کشی کا اگر کوئی جواز نہ تھا مگر بھائی نے زمین کا وہ آخری ٹکڑا بھی اُس کے پاؤں تلے سے پھینک لیا جس پر قدم جمانے کی کوشش کر رہی تھی۔

خالدیہ نے غلط نہیں کیا تھا معتد کی خلافت سے معزولی تو محض ایک بناء تھی ورنہ احمد بن طولون نے اپنی سیاسی اور فوجی طاقت سے علاحدہ مملکت قائم کی۔ اُس میں معتد کی معزولی کا دخل برائے نام تھا۔ طبری، یعقوبی اور ابن خلدون جیسے مؤرخ اس بات پر متفق ہیں کہ ابن طولون کا سوتیلہ باپ، خلیفہ مامون کے عہد میں بخارا (ترکستان) سے بغداد آیا اور اپنی سیاسی قابلیت سے اہم مہرے پر فائز ہوا۔ خلیفہ معز نے اپنے عہد خلافت میں اُسے مصر کا گورنر مقرر کیا۔ اُس نے اپنے سوتیلے بیٹے احمد بن طولون کو جو سیاسی اور فوجی امور میں بڑا ماہر تھا اپنا نائب بنا کر فسطاط بھیج دیا جس نے بڑی مستعدی سے مصر کی حکومت سنبھال لی۔ ابن طولون نے اپنے سواروں کے ہمراہ عراق سے مصر تک ایک طویل سفر کیا اور شام و فلسطین کی معروف شاہراہ سے گزر کر فسطاط پہنچا تھا۔ اتنی لمبی مسافت طے

لے بحوالہ ”ہسٹری آف سیریا“

کر کے اُسے خیال آیا کہ مصر دار الخلافت بغداد سے بہت دور، دوسرے بڑے عظیم میں واقع ہے، جسے سلطنت سے الگ کر لینا کچھ مشکل نہیں۔

مصر کا نظم و نسق سمجھانے ہی اُس نے اپنے منصوبے کے مطابق نئی انتظام کے بناء خلیفہ معتد سے فوج میں اضافے کی درخواست کی جو منظور ہوئی اور ابن طولون نے ایسے لشکر تیار کیے جو اُس کے حکم اور اشارے سے ہر حرکت کرتے تھے۔ بعض مصری عاملین کو بھی اختیار دیا کہ مصر کی دولت مصر میں صرف ہونی چاہیے اور اپنے خاکے میں رنگ بکھلنے نہ لگے۔ اسی طرح میں خلیفہ معتد نے امور سلطنت کے لیے مصر سے روپیہ طلب کیا مگر اُس نے بیت و نقل سے کام لیا اور مطلوب رقم بغداد نہ بھیجوائی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ مصر کی دولت بیرون ملک جائے۔ مصر کا پورا مایہ اور دیگر ذرائع سے موصول ہونے والی رقم مصریوں پر خرچ کرنے سے علاحدگی کا راستہ نکل آیا۔ اتفاق سے ابھی ایام میں مونی طلمہ نے اپنے بھائی معتد کو خلافت سے معزول کر کے نظر بند کر دیا جس پر ابن طولون نے علی الاعلان علاحدگی اختیار کر لی اور مصر کے ساتھ شام پر بھی قبضہ جما کر بیٹھ گیا۔ شامی قبائل نے جو دار الخلافت، دمشق سے بغداد منتقل ہونے پر ایسے ہی تیاریوں سے غالاں تھے، نئی مملکت کے قیام میں اُس کا ساتھ دیا۔

ابن طولون کی فوج کے تعداد ایک لاکھ سپاہیوں پر مشتمل تھی۔ اُس میں ۲۰ ہزار ترک اور ۴۰ ہزار سوزنی اور جشی جاں نداشت تھے۔ جن سے وفاداری کا حلف اٹھوایا گیا تھا۔ یہ گویا ”جاں نثاروں کی فوج“ تھی۔ ابن طولون ایک آمر اور مطلق العنان حکمران تھا جس نے مصریوں اور شامیوں کی حمایت حاصل کر کے نئی طولونی مملکت کی بنیاد رکھی اور مونی طلمہ جو بھائی کو نظر بند کر کے بہت سے داخلی معاملات میں الجھ گیا تھا۔ ابن طولون جیسے صاحب تدبیر اور جنگی مرد کی علاحدگی کو نہ روک سکا۔ وہ سیاسی طور پر بڑا لائق، فوجی لحاظ سے بڑا شہ زور۔ جتنی اعتبار سے بڑا توانا اور فوجی مرد تھا جس نے ہر میدان میں اپنی دھاک بٹھائی۔ اب اُس کی بیٹی بھی کسی ایسے مرد کی تلاش میں تھی جو بڑا لائق، بڑا شہ زور، بڑا توانا ہو اور اُس کے باپ کی طرح فتوحات حاصل کر کے اُسے کسی ریاست کی ملکہ بنا دے۔ عربوں کی کاواں مہرائے میں ابن حرب ایک ایسے شہ زور کے روپ میں سامنے آیا تھا جسے اُس نے اپنی نگاہوں کا مرکز بنایا اور اُس کی معرکہ آرائی کے لیے ایک میدان تیار کرنے کی بجائے سلطان خادویہ

کے جواب نے اُسے مایوس کر دیا۔

ہن کچھ اور چاہتی تھی، بھائی کچھ اور سوچ رہا تھا۔ ابھی وہ بھائی کی سرزنش پر حیران ہی تھے کہ اُس نے طولی شہزادی پر ایک اور بجلی گرا دی۔ ”نعم تم چاہتی ہو معتد کا قصاص طلب کیا جائے مگر ہم چاہتے ہیں بغداد پر فوج کشی کرنے کی بجائے خلیفہ معتقد ابو عباس کو اپنا دوست بنائیں اور اُس کے ساتھ دوستی کا بیونہ کر لیں۔“

خارویہ کے یہ الفاظ کسی آتش فشاں کی طرح پھٹے اور کھوٹا گرم لاوا ان تینوں کے ذہنوں، دلوں اور جسموں میں دوڑنا چلا گیا۔ ایک برستی آگ تھی جس نے سب کچھ جلا کر رکھ دیا اور سلیمان تڑپ کر بولا۔ ”سلطان معظم! آپ اپنے وفاداروں کے سر اُس شخص کے سامنے جھکا دینا چاہتے ہیں، جو آپ کے تحت یقیناً ہونے ہی لشکر کے کرشمہ پر چڑھ آیا ہو آخر شکست کھا کر لوٹا تھا۔“

”بے شک اُس نے ہمارے خلاف جنگ لڑی اور شکست کھائی لیکن شکست کھا کر بھی ہماری حکومت کو تسلیم نہیں کیا۔“

”پھر ایسے دشمن سے دوستی کی کیا ضرورت ہے جو آپ کی حکومت کو تسلیم نہیں کرتا۔“ اُس نے دشمنی کی وجہ سے ہماری حکومت کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ اب ہم چاہتے ہیں۔ وہ دوستی کے ناتے ہیں قبول کرے۔“

”اُس کی دشمنی نے آپ کو قوت بخشی اور طولی مملکت کو مضبوط کیا ہے۔ لیکن یہ دوستی نقصان دہ ہوگی کہ دشمن کی اُستینین خنجر سے خالی نہیں ہوتی۔“

”سلیمان! اتنا ہم بھی جانتے ہیں کہ آدمی سانپ کی طرح اپنی پیٹلی کب بدلتا ہے۔ اس کے باوجود ہم معتقد کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے پر مجبور ہیں۔“

یہ بات سرائے دار کے لیے بڑی تکلیف دہ تھی۔ اُس کے حلق سے کراہ نکلی کیونکہ اب خاندان کو وجہ بیان کرنا پڑی کہ صاحب بغداد سے دوستی کیوں ضروری ہے وہ پہلے سے کچھ سنجیدہ کچھ متین کچھ نیم نظر آنے لگا۔ پھر دھمے لگے کہ شاید تم نہیں جانتے کہ جس طرح قانون بنانے سے قانون نافذ کرنا مشکل ہوتا ہے، اُسی طرح کوئی حکومت قائم کرنا آسان لیکن اُسے منوانا بڑا مشکل کام ہے۔ ہمارے والد مرحوم نے جس بڑے کام کی ابتدا کی تھی، تم ابھی تک اُسے پایہ تکمیل کو نہیں پہنچا سکے۔ ہم مصر و شام کے سلطان ضرور

ہیں اور ہماری حکومت برقعہ کی طرح سے لے کر آرمینیا اور ایٹلیا کو جھک کی سرحدوں تک وسیع ہے لیکن ابھی تک ہر قانونی اور موروثی حکمران نہیں رہا۔ انہیں اُسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب دنیا کی کوئی بڑی سلطنت ہماری حکومت اور مملکت کو تسلیم کرے اور ہمیں حکمرانی کی سند دے۔ اس وقت عباسیہ دنیا کی سب سے بڑی سلطنت اور خلیفہ معتقد دنیا کا سب سے بڑا فرمان روا ہے۔ اب تم نے کچھ لیا ہوگا، ہم معتقد کی طرف دوستی کا ہاتھ کیوں بڑھانا چاہتے ہیں۔ مصر و شام کی مملکت بنی طولی کی موروثی مملکت اُسی صورت میں بن سکتی ہے جب ہماری حکومت کو قانونی طور پر تسلیم کر لیا جائے۔ اسی لیے خلیفہ سے دوستی ہماری ضرورت ہے۔“

یہ معاملے کی بالکل نئی اور حیرت انگیز صورت تھی جس کی ارجحیت سے انکار ممکن نہیں تھا لیکن بنی طولی کی سیاسی ضرورت اس طرح اچانک سامنے آئی، جیسے بے خبری میں کوئی مصیبت ناگہان ٹوٹ پڑے۔ انقطاع اور بغداد کی دوستی سلیمان بن عامر کے منصوبے کی ناکامی، طولی شہزادی کے ارادوں کی شکست اور ابن حرب کے لیے زندگی سے موت کی طرف واپسی تھی کیونکہ اس صورت میں خلیفہ معتقد کے فرمان اور مغرور باغی کی گرفتاری اور گرفتاری کے بعد ہاکت یقینی ہو جاتی۔ سلطان خارویہ پناہ دینے کی بجائے اُسے پاب زنجیر بغداد کی طرف روانہ کر دیتا۔ بڑے مقصد کی خاطر بھڑکی چیزیں ہمیشہ قربان کر دی جاتی ہیں۔ اس طرح ابن حرب ایک بار پھر موت کے کنارے کھڑا تھا۔

وہ تینوں گم غم، اُلم و لب، حیرت کے کتے میں تھے جیسے انھیں سانپ سونگھ گیا یا موت نے گھیر لیا ہو۔ اچانک شہزادی نے کچھ سوچا اور حیرت کے کتے سے بھل آئی۔ ”سلطان معظم! خلیفہ معتقد طولی حکومت کو راستی سے تسلیم نہیں کرے گا۔“

خارویہ نے غور سے سن کر طرف دیکھا اور وہ کہنے لگی۔ ”پہلے وہ ولی عہد تھا، اب خلیفہ

لے جس طرح موجودہ دور میں کسی حکومت کے لیے بڑی طاقتوں کی منظوری ضروری تھی جاتی ہے اُسی طرح ماضی میں بھی بڑے فرمان روا چھوٹے حکمرانوں کو اپنی سند دیتے تھے، جس سے اُن کی منظوری قانونی اور موروثی بھی جاتی تھی۔

(قرآن مجید)

اور ایک بڑی سلطنت کا فرمان روا ہے۔ جو سکتا ہے کہ اپنی شکست کا بدلہ لینا چاہے اور آپ کی دوستی کا ہاتھ مسترد کر دے۔

"مگر ہمارا ہاتھ اتنا کمزور نہیں جسے وہ اُسانی سے مسترد کر سکے۔"

"ہمارے ذہن میں ایک بات اُٹی ہے۔ ممکن ہے وہ بات آپ کو ناگوار گزرے۔" ہماری نیت کے بارے میں کوئی قیاس آرائی نہ کرو، غم اگر تمھاری بات مفید ہوئی تو اس پر توجہ دیں گے۔"

"پھر آپ جانتے ہیں کہ طاقت در صرف طاقت کی زبان سمجھتا ہے۔ ابو عباس بھی طرولی حکومت کو اُسی وقت تسلیم کرے گا جب آپ اس پر طاقت کا لوہا آزمائیں گے۔"

بھائی کو حیرت زدہ دیکھ کر طرولی شہزادی نے اپنی تجویز کی وضاحت کی "سلطان معظم جیسا آپ نے کہا ہے کہ معتد کا بی بی طولون پر کوئی حق نہیں تو نہ سہی لیکن حکمران موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہیں اور آپ کو اس کے قصاص کا پرچم بند کر کے ابو عباس پر اپنی طاقت کا دباؤ ڈالنا چاہیے۔ معتد کے قتل میں جبکہ خاتون کا نام لیا جا رہا ہے۔ یہ کمزوری معتد کو مفید کرتی اور آپ کو قوت دیتی ہے۔ اگر وہ اس معاملے سے جان چھڑانا چاہتے تو اسے طرولی حکومت کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ اس طرح جنگ بھی نہیں ہوگی اور آپ اپنا مقصد بھی حاصل کریں گے لیکن آپ قصاص کے مطالبے میں بدیر نہ کریں ورنہ بغداد کے لوگ معتد کی طاقت کا واقعہ بھول جائیں گے اور کوئی مژدہ قبر سے نکل کر لوگوں کو یاد دہانی کرائے نہیں آتا۔"

خمارویہ نے سن کی بات بڑی توجہ سے سنی۔ کچھ سوچا اور کہنے لگا "یہیں یہ بھی معلوم ہے کہ طاقت در طاقت کی زبان سمجھتا ہے اور خلیفہ معتد پر طاقت کا دباؤ ڈالنے کے لیے تاکہ وہ ہم سے سودا کرے، تمھاری تجویز بھی پسند آئی ہے۔"

نجم امیل نے یہ سوچ کر کہ اس کی تجویز رد نہیں ہوئی، مزید جرات کی "اس مقصد کے لیے مجھے اب ابن حرب کی فوجی صلاحیت سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ معتد ابو عباس طرولی حکومت کو تسلیم کرے، تو ابن حرب شکست سمیت واپس آجائے گا۔"

"ہم جانتے ہیں حالات سے کس طرح فائدہ اُٹھایا جائے۔ اس معاملے پر غور کریں گے۔"

اطمینان بخش تھا اور سلیمان بن عامر کی دل چسپی پھر قائم ہو گئی تھی۔ کیوں کہ نجم نے بھائی سے وہ بات منوال جو سرائے دار کے منصوبے اور اس کے اپنے عزائم کی ابتدا تھی۔ اب ایک خمارویہ نے تالی بھائی ترک غلام کو طلب کیا یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ ملاقات ختم ہوئی اور اب وہ استراحت کے لیے حوض سیلاب کی طرف جانا چاہتا ہے۔ سلطان فوراً حاضر ہو گیا۔ اور سلطان نے اپنی بہن سے رخصتی لیکن چلتے چلتے اب ایک عراقی مکان کے پاس روک گیا اور بولا "ابن حرب! ہم تمھاری حربی صلاحیت سے واقف ہیں اور غریب تمھارے لیے ایک موقع فراہم کریں گے۔"

ابن حرب نے گردن خم کر دی اور خمارویہ ترک غلام کے ہمراہ ایوان سے نکل گیا۔ یہ بات بالکل خلاف توقع ہوئی تھی کہ طرولی سلطان نے نہ صرف ابن حرب کی جنگی صلاحیت کا اعتراف کیا بلکہ اسے آذمانے کا وعدہ بھی کر لیا تھا اور ملاقات کا میاں پر ختم ہوئی تھی مگر سلطان نے شہزادی کو سپاس کی نظروں سے دیکھا اور کہا "بنت عم! میں بے حد ممنون ہوں، آپ نے فی الواقع میرے دوست کی سفارش کا حق ادا کر دیا ہے۔ در نہ مجھے ایک اور ہی خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔"

نجم نے تمھارے دوست کو اس خطرے سے بچا لیا ہے۔ ہماری تجویز کے مطابق ابن حرب کے ذریعے اگر سلطان کو حکمرانی کی سند مل گئی تو یہ بھی ایک معرکہ ہوگا۔" میں کل پولیس کی طرف نوٹ جاؤں گا مگر ابن حرب سوق الخلیل کی حویلی میں پھڑکے گا۔ سلطان جو بھی فیصلہ کریں۔ آپ سوق الخلیل میں نہر بھیج سکتی یا کسی ذریعے سے آگاہ کر سکتی ہیں؟ اس گفتگو کے بعد وہ بھی ایوان تصویر سے بلکہ شادی محلات کی فصیل سے نکل آئے اب ان کے راستے مختلف تھے۔ طرولی شہزادی، کثیرہ عنبر کے ساتھ اپنے قصر کی طرف چلی گئی اور سلیمان بن عامر اپنے دوست کے ہمراہ سوق الخلیل کی جانب روانہ ہوا۔

*

رات کو دونوں دوستوں نے سلطان خمارویہ سے ہونے والی ملاقات پر آخری بار غماز کیا اس ملاقات میں استثنائی مایوسی کے بعد کامیابی کی ایک راہ نکلی تھی اور وہ راہ طرولی شہزادی نے نکالی تھی۔ سرائے دار نے خیال ظاہر کیا کہ خمارویہ پہلے سے ہمت بدل گیا ہے

(14)

وادی اہرام

دوسرے روز سلیمان بن عامر اپنی تیز رفتار سائڈ نی پر پیش کی طرف ٹوٹ گیا لیکن غم میں
کے بارے میں اُس نے جوابات کہی تھی، وہ چھ پر بیکر ثابت ہوئی۔ اُس دن سورج غروب
ہوئے تھے، غم کی سوڈانی کنیر، غم، شوق انجیل کی جوتی میں پہنچ گئی، جو طولی شہزادی کا پیغام ملاقات سے
کرا آئی تھی۔ غالب وہ ابن حرب کو اپنی رفاقت کا زیادہ انتظار نہ کرانا چاہتی یا خود انتظار نہ کر
سکتی تھی۔

غمر نے بتایا کہ کل پہلے پھر شہزادی دریا کے نیل کی سیر کو نکلے گی اور مشرقی گھاٹ
سے اُس کا سفینہ جس میں ایک چوٹی کمر ہوگا اور شہزادی غمر کے ساتھ اُسی کمرے میں موجود
ہوگی، چیزہ کے مغربی گھاٹ کی طرف روانہ ہوگا، ابن حرب کو چاہیے کہ وہ قلعہ جیزہ کے
سامنے ایک کشتی پر وسط دریا میں اُس کا انتظار کرے۔ جب شہزادی کا سفینہ وسط دریا
میں پہنچ جائے۔ اپنی کشتی اُس کے قریب لے آئے اور کشتی سے ٹوڑ کر سینے میں اُجھائے۔
اس میں صرف دو عورت ہوں گے۔ جنہیں سمجھا دیا گیا ہے کہ وسط دریا میں دوسری کشتی سے
ایک مسافر سفینہ میں آئے گا۔

سینے کی پہچان یہ ہے کہ اُس کے چوٹی کمرے کا رنگ سبز ہوگا اور کھلے درختوں میں
شہزادی ایک خام مہری عورت کے لباس میں بیٹھی ہوگی، جسے وہ پہچان لے گا، کیوں کہ
اُس وقت شہزادی کے چہرے پر نقاب نہیں ہوگا۔ سفینہ وہاں سے قلعے کو جنوب کی طرف

اب وہ ابوجاس کو اپنا دشمن نہیں سمجھتا بلکہ حکمرانی کی سند حاصل کرنے کے لیے مامی کی دشمنی
کو دوستی میں بدل دینا چاہتا ہے۔

”تمہارا کیا خیال ہے، معتقد اس کی دوستی کو قبول کرے گا؟“

”ابن حرب! یہ دنیا امکانات کی بساط ہے۔ یہاں ہر بات ہو سکتی ہے اور نہیں ہو
ہو سکتی۔ کبھی کبھی آدمی اپنا فرادہ اور اپنی چال بدلتا ہے تو سب کچھ بدل جاتا ہے۔ میں نہیں کہہ
سکتا کہ خلیفہ اُس کی دوستی قبول کرے گا یا نہیں اور وہ تم سے کیا کام لے گا مگر اُس کے ذہن
میں کچھ ہے ضرور۔“

اور خار وہ کہے ذہن میں کیا تھا؟ یہ کوئی نہ جانتا تھا۔ سلیمان بن عامر نے اپنے دوست
کو بتایا کہ جب تک خار وہ کوئی فیصلہ نہیں کرتا یا اُسے کوئی خدمت نہیں پہنچاتا وہ فسطاط کی
اسی جوتی میں نظم رہے گا جہاں سلا راس کی خدمت کرے گا۔ اُس نے بتایا سلا راس کی
بیوی دونوں قائل اعتماد ہیں۔ میرا سنے وارہ کا خیال تھا شہزادی غم عن قریب اُس سے خود رابطہ
قائم کرے گی لیکن اُسے محتاط رہنا چاہیے۔ ذرا سی بے احتیاطی بھی کسی بے بسی بڑی مصیبت
کا پیش خیمہ بن سکتی ہے۔

اسی پر اُن کی بات چیت ختم ہو گئی۔



چھوڑتا ہوا جیزہ کے مغربی گھاٹ کی جانب بڑھے گا اور گھاٹ سے آگے ایک بستی کے قریب ساحل سے جا لگے گا جہاں بیٹھنے کا سفر ختم ہو جائے گا اور وادی اہرام کی سمت یا سفر شہزاد ہوگا۔ شہزادی نے اس ملاقات کے لیے اہرام کی وادی کو پسند کیا ہے جو اب انہوں کے مجدد یا پھر فرعون کے مقبرے کے اُس پاس کسی جگہ ہوگی۔ شہزادی نے تاکید کی ہے کہ کسی غلام یا خادم کو ساتھ لے کر نہ آئے، خواہ وہ کتنا ہی لائق اعتماد کیوں نہ ہو۔

اُس نے غمگین و لایاکہ وہ ٹھہراؤ کی ہدایت کے مطابق دن کا پہلا پہر شروع ہوتے ہی نیل پر پہنچ جائے گا اور کشتی پر وسط دریا میں اُس کے بیٹھنے کا انتظار کرے گا۔ جس پر غمگین دقت الفاظ کو کوٹ گئی اور وہ ایک حیرت انگیز بستی سے دوچار ہو جائے گا کہ اپنی رفاقت کے لیے غمگین اہرام نے اُسے محل میں نہیں بلایا جہاں کئی کنیزیں بھی تھیں، کئی دربان اور غلام تھے اور ان کے علاوہ مہنگا نخرائی کی خاطر غنی طولوں کے مردوں اور عورتوں کی "نادیدہ نظریں" بھی تھیں بلکہ ملاقات کے لیے اُس نے اہرام کی وادی یا دربارے فطون میں ایک گونگے بہرے کی ووق میدان کا انتخاب کیا تھا جہاں فرعونوں کے عظیم اور عیب خیز مقبرے ٹھہرے بکھرے تھے اور ان کی ملاقات کا راز کسی دوسرے پر ظاہر نہیں کر سکتے تھے۔

۸

اس احتیاط کا مطلب یہ تھا کہ شہزادی "دیکھنے والی نظروں سے چھپ کر وادی اہرام کے کسی خفیہ مقام یا لگ بھگ گھٹک گوشے میں ملاقات چاہتی تھی جہاں تنہائی میں اُسے اپنی رفاقت کا موقع دے سکے اور دونوں کے دلوں میں محبت کی جو جہات افروز ہونے پر فراری پیدا ہو چکی ہے اُسے غمگین سا قرار نہ ملے گی۔ تنہائی کی اس ملاقات یا رفاقت کے لیے اُس نے عرف اپنی کنیز خنبر پر اعتماد کیا تھا جو اُس کے ساتھ ہوگی وادی اہرام کے کسی گوشہ تنہائی میں طوطی شہزادی سے ایسی خفیہ ملاقات کا تصور بڑا اسنی خیر اور راحت انگیز تھا جس نے اُس کے جسم میں دوڑتے ہوئے سرکش خون کی گردش تیز کر دی کیوں کہ وہ اس ملاقات کو اپنی ذات اور اپنی جماعت کے لیے بامقصد بنانا چاہتا تھا۔

رات خواب میں بھی شہزادی کے ترکستانی حسن اور لمبی لمبی غلانی آنکھوں کے طلسم سے دوچار رہا جو اپنی بے نظیر خوب صورتی اور بے مثال جوانی کی راحتوں کا سایہ اُس پر ڈالتی رہی اور وہ محسوس کرتا رہا کہ پری جمال شہزادی کا سایہ اُس کے وقت و درجہ اور نامزد خانہ کو

محبت کی ایک نئی وحشت عطا کر رہا ہے۔ نئے دن کا سورج طلوع ہوا تو غسل اور ناشتے سے فارغ ہونے ہی شوق الجھل سے بجلا اور نیل کی طرف چل دیا۔ فسطاط کو آباد ہونے کم و بیش ڈھائی صدیاں بیت گئی تھیں۔ اس طویل مدت میں اُس کی نئی آبادیوں کے کچھ حلقے جبل مقطم کی جانب اور کچھ حلقے دریا کی سمت پھیل گئے تھے اور پرانے فسطاط کی جگہ ایک نیا پر رونق اور وسیع دریا فسطاط جدید میں اچکا تھا جس کے سامنے عروس البدار بغداد کی رونقیں اور دلچسپیاں بھی ماند پڑنے لگی تھیں کیوں کہ انتطالع کی نئی آہاری نے سامرہ اور بغداد کی یادنازہ کو دبی تھی۔

پرانا ظہر اور طلوع نیل کے جزیرہ روضہ کی سمت واقع تھا جہاں سے ایک راستہ دریا کو نکلتا تھا۔ وہ اسی راستے پر بنو یا اور شہر کے مضافات سے گزرتا چلا گیا جس کے خاکستری مکانات کی چھٹی چھتوں پر تنوروں اور چوہوں میں جلانے کی لکڑیوں کے انبار لگے تھے۔ زیادہ کپاس کی خشک مینوں کے گٹھے جمع کیے گئے تھے۔ کپاس ٹچنے لینے کے بعد جب کھیتوں سے پورے کاٹے جاتے تو انہیں ایندھن کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ مصر کا روزی رہاں نیل جو سیلاب کے ایام میں نئی مٹی کناروں پر اچھانا اور زمین کو زرخیز بناتا ہے۔ بڑا چوڑا اور گہرا دریا ہے جس میں قدیم زمانے سے جہاز رانی ہوتی رہی ہے۔ طوطی دور میں بھی زیریں اور بالائی مصر کے درمیان سامان کی نقل و حمل کا بڑا ذریعہ دریا نے نیل تھا اور سامان سے لدے ہوئے جہاز دسوان، لکڑی، فیوم اور فسطاط سے اسکندریہ کی طرف سفر کرتے تھے جو بحیرہ روم کے کنارے نیل کے مغربی دہانے واقع ہے۔ نیل کے دونوں کناروں پر فسطاط اور جیزہ کے درمیان بھی کشتیاں چلتی تھیں عام طور پر تیسرے پر جب دن ڈھل جاتا تھا، غریب اور مرد کشتیوں اور شکاروں پر جنہیں "بیٹھنے" کہا جاتا تھا۔ دریا کی سیر سے نطفہ اندوز ہوتے تھے۔ خواتین عموماً سفینوں میں سیر کرتی تھیں جن میں کابک، ناپچوں، حجرہ یا کمرانا ہوتا جس کے درپچوں سے مشرقی اور مغربی ساحلوں کا نظارہ دیدنی ہوتا تھا لیکن دن کے پہلے پہر لوگ دریا کی سیر کو نہیں آتے تھے کوئی اکاؤنٹ کشتی ہی فسطاط اور جیزہ کے درمیان چلتی دکھائی دیتی تھی ورنہ کشتیاں اور بیٹھنے

۱۔ فراغ مصر کے قدیم پایہ تخت تھیسز کی جگہ حمزہ کا شہر آباد ہوا۔ (قرآن مجید)

گھاٹ سے گئے رہتے تھے۔

شہزادی نے غالباً اسی لیے پہلے پرنسپل کے سفر کا منصوبہ بنایا تھا کہ ساحل پر لوگوں کی بھیر نہیں ہوگی اور مختص نظر دہ کے تعاقب سے محفوظ رہے گی۔ گھاٹ پر پہنچے ہی ابن ہر نے ایک بادبانی کشتی کرائے لی جس کا ملاح ایک ادھیڑ پیر اور چھانڈا بوڑھے لوگ جو ان مردوں اور عورتوں کی ملاقات اور سیر کے بارے میں نیادہ جستجس نہیں رکھتے کیوں کہ جوانی کے ایام میں خود بھی کئی جہیں محلوں سے گزر چکے ہوتے اور ایسی ملاقاتوں کو جوانی کا نقصان قرار دیتے ہیں۔ ابن حرب نے واضح کر دیا کہ اُس کی کشتی کا رخ چیزہ کے قلعے کی جانب رہے گا۔ تھوڑی دیر بعد ایک سفینہ اُسی جانب اُسے گا اور عین وسط دریا میں وہ کشتی سے سفینے میں منتقل ہو جائے گا۔ پھر پتنگی کرانے کے ساتھ ملاح کو کچھ انعام بھی دیا جس پر وہ خوش ہو گیا۔ اُس نے کشتی کے بادبان کھول دیے اور وہ نیل پر تیرنے لگی۔ حد نظر تک دریا میں کوئی کشتی یا سفینہ نظر نہ آتا تھا۔ ابن حرب تنہا نیل کی سیر کر رہا تھا۔ مشرقی ساحل کی زرخیز مٹی پر مہری کسان جھین "ننا جین" کہا جاتا ہے بل جلا رہے تھے۔ مغربی ساحل پر چیزہ کی آبادی تھی، پرے صحرا کا وہ علاقہ تھا جس نے یسپا کے ننگے پاؤں تک دامن پھیلا رکھے تھے۔ صحرا کے پس منظر میں قدیم فراغہ کے سرنگ ایک اہرام (منبرے) یوں دکھائی دے رہے تھے جیسے اُن کی مخروطی چوٹیاں آسمان کے سینے میں ٹھہر رہی ہوں۔ نیل کے مغربی ساحل پر فراغہ کے یہ مغزے بہت اور فن تعمیر کے اعتبار سے عجائبات عالم میں شمار ہوتے ہیں اس لیے اہرام کی وادی شاہی ہمسوس، اشوریوں، اہرامیوں، یونانیوں، رومیوں اور عربوں کے دور میں بھی بیتوں، موزوں اور عام مسافروں کی دل چسپی کا مرکز رہی ہے بلکہ یہ بات ضرب المثل بن گئی تھی کہ

مصر پر مختلف قوموں نے حملے کیے اور حکومت کی لیکن شام کے ہمسوس ناخسین اپنے آپ کو "فرعون" ہی کہلاتے رہے۔ چنانچہ پندرہویں اور سولہویں خاندان کے فرعون شاہی الامل ہمسوس تھے۔ ہامیسویں اور تیسویں خاندان کے فرعون لبیداسے آئے تھے اور پچیسواں خاندان حبشہ کے فرعون حکمرانوں پر مشتمل تھا۔ البتہ رومیانی حملے کے بعد سکندر کے جانشینوں نے مصر میں خاندان بطاسہ کی بنیاد رکھی۔ اس خاندان کی آخری ملکہ کلوپٹرہ تھی۔
قدیم تاریخ مصر۔ ہسٹوری آف مصری آف دی ورلڈ

کہ مصر میں اگر جس نے اہرام نہیں دیکھے اُس نے مصر نہیں دیکھا۔ ابن حرب کشتی پر سوار میب اہرام دیکھ رہا تھا لیکن اُس کی ساری توجہ مشرقی گھاٹ کی طرف تھی کہ سبز کمرے والا سفینہ کب ساحل سے روانہ ہوتا ہے۔ آخر ایک سفینہ نیل کی سطح پر حرکت کرنے لگا اور اُس نے بوڑھے ملاح کو توجہ دلائی کہ کشتی کو وسط دریا میں سے جانے سبز چوٹی کمرے والا سفینہ چیزہ کے قلعے کے سرخ تیر رہا تھا۔ اُس کی بے قرار نظروں نے دور ہی سے اُس کے در پیچے میں طوفانی شہزادی کا یہ لہا دیکھ لیا جس نے اپنے چہرے سے نقاب اٹھا رکھا تھا۔ ملاح بڑی تیزی سے کشتی کو وسط دریا میں سفینے کے قریب لے آیا۔ سفینے کے مصری ملاح بھی معاملے کی نوعیت جانتے تھے جو نئی ابن حرب کشتی سے سفینے میں کودا ایک ملاح نے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اُس نے چند درہم ملاح کے ہاتھ پر رکھ دیے اور ایک کا ایک ناچوٹی کمرے کی طرف بڑھا۔

غیر نے دروازہ کھول کر اُسے اندر جانے کا راستہ دیا۔ چوٹی حجرے میں طوفانی شہزادی ایک عام مہری عورت کے لباس میں اُس کی منتظر تھی جس نے اٹھ کر ابن حرب کا خیر مقدم کیا اور اور اُٹھ پکڑ کر اپنے قریب بٹھایا بلکہ اُس کے لٹاؤ کی طرح سخت ہاتھ کی پکشت پر اپنے سر تعیش ہونٹ رکھ دیے۔ یہ نہ صرف دل کی بے چینی کا اظہار تھا بلکہ اس امر کا ثبوت بھی کہ اُس پر اعتماد کرتی ہے۔ سینے کے اندر اگرچہ ابن حرب کا دل بھی اپنی بے قراری کے اظہار کے لیے جری طرح دھڑک اور تڑپ رہا تھا لیکن اُس نے خود پر قابو رکھا اور اپنی عاشقانہ بے "بابی" ظاہر نہ ہونے دی۔ صرف اُس کی بے چین محبت پر مسکرا دیا۔ "تکسر"

شہزادی نظریں اٹھا کر اپنی لمبی غلابی آنکھوں کا عظیم چھوکنے لگی اور وہ اُس کے ترکشلی حسن کے جلوے میں کھو گئی۔ یہ اُس کتاب ملاقات کا ریا تھا جو غیر کے بہ قول الامول کے معبود یا پھر کسی ہرام کے گوشہ تنہائی میں کھلنے والی تھی۔ سوڈانی سبز نے اس دیا ہے پر توجہ نہیں دی اور نظریں جھکائے بند دروازے کے پاس کھڑی رہی جیسے کچھ نہیں دیکھ رہی اور اُسے دیکھنا بھی کیا تھا۔ وہ دونوں پہلو پہلو بالکل قریب بیٹھے ایک دوسرے کے نظارے میں کھو گئے تھے۔ شہزادی کچھ بول رہی تھی نہ ابن حرب کچھ کہہ رہا تھا وہ اُن کی نظریں خاموش گفتگو کر رہی تھیں۔ غیر اس دیا ہے کا مضمون کچھنی لیکن دلوں کی دھڑکنیں شمار نہ کر سکتی تھی۔

نیل کا ستیا پانی ان کی بے قراروں کا گواہ تھا

بچی سے آگے ایک طویل پٹری پٹری شہر شمالاً جنوباً کئی میل تک پھیلا تھا (اور آج بھی پھیلا ہے) اہرام کو جانے والا راستہ اُس پٹری کے جنوب میں چیزہ کے قریب سے نکلتا تھا لیکن شہزادی چیزہ کے گھاٹ کو مصلحتاً پیچھے چھوڑ کر اُسی پٹری اور اب کھیتوں کے ساتھ ساتھ جنوب مغرب کی طرف اُٹھیں وہاں تک جانا تھا جہاں سے وہ وادی اہرام میں داخل ہو سکتے تھے۔ فلاحین کی بستی سے مغرب کی سبیدھ میں سفر کر کے وادی میں پہنچنا مشکل تھا طویل پٹری پٹری پٹری کے علاوہ جس کی بلندی چھوڑ کر کے وہ دوسری جانب اُتر سکتے تھے۔ اس نشیبی علاقے میں دلدل اور کچھڑا کچھڑا بھی سامنا کرنا پڑتا تھا اسی لیے جنوب مغرب کا راستہ اختیار کیا گیا۔

ابن حرب کو اس بات پر حیرت ہو رہی تھی کہ اس سفر کا ہر منظر جو کہیں نہ کہیں شہزادی کے ساتھ اُس کی ملاقات تنہائی پر ختم ہونے والا تھا (پٹری سے ترتیب دیا گیا اور یہ حقیقت مد نظر رکھی گئی تھی کہ عابباس کے باوجود وہ لوگوں کی نظر فل میں نہ آئے۔ یہ خیال بھی گزرا کہ پڑھا مصری اُس کی اصلیت سے آگاہ ہے اور جب شہزادی کی سواری کے ساتھ چلتے چلتے اُس نے بڑے مدہم اور محتاط الفاظ میں اپنے خیال کا اظہار کیا تو اُسے تبسم کرنا پڑا کہ صرف پڑھا اُس کی شادی حیثیت جانتا ہے مگر اُسے تاکید کر دی گئی ہے کہ کسی سے بظاہر نہ کرے اور وہ نہیں کرے گا۔

پڑھا اس چھوٹے سے تانے کے آگے آگے کھیتوں سے گزرتا چلا گیا اور اڑھائی تین میل کا فاصلہ طے کر کے اس جگہ پہنچ گیا جہاں طویل پٹری پشتہ ختم ہوتا تھا۔ وادی میں پٹری کی مشرقی سمت اور وادی اہرام مغربی جانب ہے۔ پٹری کی وادی سے چلی کر وہ اہرام کی سنگلاخ اور نجد وادی میں داخل ہوئے۔ وہاں سے اُن کا رخ شمال کی طرف ہو گیا۔ مدبر ابوالہول کا عظیم اہلیت اور کوہیکہ سیمہ زمین پر پھسکا مار سے بیٹھا ہے۔ فرعونوں کے مقبرے ابوالہول کی پرن جانب واقع ہیں۔

سنگلاخ، بنجر اور ریتیلی زمین پر سفر کرتے ہوئے اُسے اُجبار کے ساتھ دیرنا کے مجسمے تک چلی گئی ہے، بالآخر وہ وادی اہرام کے دروازے پر پہنچ گئے۔ ابن حرب کا خیال تھا

ابوہول شیر اور آدمی کے مخلوط اعضا کا مجسمہ ہے مصری اس وادی کا کہ یہ بیت خوف اور قنات کا نشان سمجھتے تھے، (قرآن مجید)

شہر چیزہ کے قلعے کو جنوب مغرب میں چھوڑنا ہوا بڑی تیزی سے شمال مغرب کی جانب مڑ کر اٹھا چکی کہ چیزہ کی آبادی پیچھے رہ گئی۔ آگے مغربی ساحل کی ذرا سی پٹی پر کھیتوں کے درمیان فلاحین کی ایک چھوٹی سی بستی تھی جس میں گھنٹی کے چند مکان تھے لیکن دیواروں کا پتلا حصہ کنارے اور بے ترتیب بے ڈھنگے پتھروں پر اٹھایا گیا تھا جب کہ اوپر کا سارا حصہ مٹی کا تھا جب نیل میں سیلاب آتا اور پانی اُس کے کناروں سے اچھل کر ساحل کے نشیبی علاقے کے ساتھ مکانات میں بھی داخل ہو جاتا، تب فلاحین اپنے گدھے اور اونٹ لے کر جن کے ذریعہ وہ کھیتی باڑی کرتے تھے اونچی جگہوں پر چلے جاتے مگر کبھی کبھار وہیں چھوڑ جاتے تھے، جب پانی اُتر جاتا فلاحین بھی ساحل پر واپس آ جاتے جو دلدل اور کچھڑوں میں تھم جاتا اور وہ اُسی کچھڑوں کو فصل کے لیے تیار کرتے تھے۔ بعض اوقات تیز سیلاب کی وجہ سے اُن کے گھر وندے ڈھے جاتے اور دوبارہ تعمیر کرنا پڑتے تھے۔

سفید اُسی بستی کے قریب ساحل سے آگے جسے کنارے کے کھونٹوں سے باندھ دیا گیا اور طویل شہزادی ایک عام مصری عورت کے لباس میں اپنی کنیز کے ہمراہ چوبی تختوں پر چلتی، جو سیٹھنے اور ساحل کے درمیان رکھ دیے گئے تھے، کنارے پر آگئی۔ ابن حرب پیچھے پیچھے تھا ایک مصری اصل بوڑھا چلے سے وہاں موجود تھا اور اُس کے قریب دو طاح گدھے لیے کھڑے تھے جن پر پالان باندھے ہوئے تھے۔ ساحل سے وادی اہرام کی طرف نیا سفر شروع ہونے والا تھا جیسا کہ خبر پہلے ہی اطلاع دے چکی تھی جب بوڑھا مصری شہزادی کی طرف بڑھا وہ ابن حرب کو بتانے لگی کہ یہ مصری بوڑھا حکومت کی طرف سے فراغت کے مقبروں کا سرکاری نگران اور ہمیں اپنی رہنمائی میں وہاں تک لے جائے گا۔ اُس نے یہ انکشاف بھی کیا کہ بوڑھا مصر کے اُس قدیم خاندان سے تعلق رکھتا ہے جو رومی حکومت سے نسل در نسل اہرام کی گہلی اور رومی کا فرض ادا کرنا چلا آ رہا ہے۔ اموی اور عباسی دور میں بھی یہ فرض اُسی خاندان کے سپرد رہا۔

اُن کی سواری کے لیے صرف دو گدھوں پر پالان باندھے گئے تھے مگر ابن حرب نے گدھے پر سوار ہونے سے انکار کر دیا اور اپنی جگہ خبر کو سواری کا موقع دیا۔ دونوں ملاحوں نے لگا لگا سنبھال لیں اور بوڑھے مصری کے پیچھے پیچھے کھیتوں کے درمیان جہاں کہیں بھی کچھور کے درخت بھی کھڑے تھے، اُس راستے پر چلے جو اہرام کی وادی کو جاتا تھا ساحل

ابوہول جیسا سٹھفٹ اونچا ہے۔ دھڑ دھڑ سے کا اور سران کا جو تیرہ فٹ
ایک بلبل ہے۔ قدیم مصری رواج کی طرح اس پر شاہی ونگ یا ٹوپی نظر آتی ہے۔ وہ جیسا سٹھفٹ
تد کے ساتھ اپنی چاروں ٹانگیں نیچے اور سنگلاخ زمین پر اپنے ہیبت ناک پنجے گاڑھے بیٹھا
ہے۔ اس کے پنجوں میں پانچ فٹ عرض کا ایک چھوٹا سا معبد یا مندر بنایا گیا ہے جہاں بیٹھنے
کے لیے آدی کو پہلے چند درہ سیرھیوں کا ایک سنگی زینہ چڑھنا پھر پندرہ سیرھیوں کا دوسرا
زینہ اترنا پڑتا ہے۔ دونوں زینے عبور کر کے آدی معبد کی مقدس تنہائی میں پہنچ جاتا ہے۔
ابوہول کو دیکھ کر جو انسان اور شیر کے اعضا کا مخلوط دیکھتا ہے، احساس غائب ہے۔
وہ زمین پر اپنی ہیبت ناک سنگینی کے ساتھ بیٹھا گویا اہرام کی پاسبانی اور نگہبانی کا فرض ادا
کر رہا ہے۔ کیونکہ اس کا رخ شمال کی جانب ہے، جبکہ مصر فرعون کے ملک بوس اہرام بکھڑے ہیں۔
معبد ابوہول کی مقدس تنہائی میں شہزادی سے ملاقات کا خیال غلط ثابت ہوا کیونکہ
بوڑھا مصری راہر چھوٹے سے قافلے کو لے کر آگے بڑھا اور ابوہول کے دروازے سے
گزر کر اہرام کی سنگلاخ وادی میں داخل ہو گیا۔ اب اس کا رخ ہرم کبیر کی طرف تھا جو فرعون
خوفو کا مقبرہ اور تمام اہرام سے بلند ہے۔

یہ سرب فلک اہرام مصر کے چوتھے خاندان کے تعمیر کرائے تھے، جو ۲۵۰۰ سے
۲۷۵۰ قبل مسیح تک برسر اقتدار رہا۔ سب سے بڑا ہرم فرعون خوفو کا ہے جس سے
بعد فرعون حف راع اور فرعون منخ راع کے اہرام بھی عجائبات سرنامہ میں شمار ہوتے ہیں۔ یہ
اہرام اسی بنجر اور بے آب و گیاہ وادی میں واقع ہیں جو مغرب کی جانب صحرا کے حلقے سے جا
مٹتی ہے۔

فرعون خوفو کا ہرم جہاں اسے اپنی ملکہ کے ساتھ دفن کیا گیا تھا، ۱۴ ایکڑ کے رقبے میں
پھیلا اور چار سو ایکڑ کی فٹ بلند ہے۔ شمالی جانب کی ترجھی بلندی کو دیکھا جائے تو یہ ترجھی
بلندی چھ سو بارہ فٹ تک چاہتی ہے۔ ہرم کا پچھلا حصہ چوکور اور ہر سمت سے آٹھ سو
اڑسٹھ فٹ عریض ہے۔ اس پر استعمال ہونے والی چٹانوں کا اندازہ دو لاکھ تین سو لاکھ ایکڑ ہے

ابوہول اور اہرام کے بارے میں جو معلومات یہاں درج کی گئی ہیں ان کا ماخذ
"انڈرسن آف دی پاست" ہے۔ (فرعناوی)

ہر چٹان کا وزن اڑھائی ٹن سے کم نہیں اور انھیں اہم اس طرح جوہرست کیا گیا ہے کہ جو ترنفر
نہیں آتا۔ یونانی مؤرخ ہیرودوٹس کے بقول اس کی تعمیر پر ایک لاکھ مصری مزدور اور کاریگر
بیس سال تک کام کرتے رہے تھے۔ تب جا کر فرعون کا یہ عظیم اور عیب مقبرہ مکمل ہوا تھا اس
کا دروازہ شمالی جانب رخ زمین سے اس کی ترجھی بلندی پر بیڑہ سٹھفٹ سے بھی کچھ بلند اونچائی
پر واقع لیکن بہت سے کھنڈے کی کوشش کا عیب نہیں ہو سکا۔

اس کے مقابلے میں فرعون حف راع کا ہرم چار سو ایکڑ کی فٹ اونچا اور خوفو کے ہرم
کبیر سے تیس فٹ چھوٹا ہے لیکن اسی جگہ تعمیر کیا گیا ہے جس کی سطح اونچی ہے، اس لیے
دیکھنے میں خوفو کے ہرم سے بلند نظر آتا ہے۔ اس وادی میں میلہ تیز سرخ فرعون رخ راع کا ہے جو
صرف دس سو اٹھارہ فٹ اونچا ہے۔ دوسرے مقبرے چھوٹے ہیں۔

ہرم کبیر کے پاس پنج کہ جہاں بوڑھے مصری کا ایک نائب اس قافلے کا منتظر تھا۔
سوڈانی لونڈی فوراً گدھے سے اتری پھر اس نے اپنی مالکن کو اترنے میں مدد دی۔ رابن حرب
نے ہرم اور ارد گرد کی زمین کو غور سے دیکھا۔ وہاں کوئی گوشہ تنہائی نظر نہ آیا۔ سوائے اس
کے کہ شہزادی اہرام کے بوڑھے مصری نگران اس کے نائب، دونوں فلاجیں اور سوڈانی لونڈی
عبر کو وہیں چھوڑ دے اور اسے ہرم کی دوسری جانب لے جائے جہاں وہ کسی گوشے یا کسی چٹان
کی آؤٹ میں تنہائی کی ملاقات کر سکیں۔

جب یہ پریشان سابقال اس کے ذہن سے گزر رہا تھا۔ شہزادی قریب آئی اور
مقیم اگرا میں بولی۔ ابن حرب نے بڑھے مصری نگران سے فرعون خوفو کا ہرم دیکھنے کی فرمائش
کی تھی۔ یہ ہرم کے اندر جانے کا راستہ جانتا ہے اسی لیے ہم یہاں آئے ہیں اور اسی ہرم کے
ایک خاص کمرے میں غنیمتیں اپنے ساتھ تنہائی کا موقع دیں گے۔

ابن حرب کے جسم میں سنسنی کی ایک تیز لہر دوڑ گئی کہ اس نے تنہائی کی اذیت کے
لیے فرعون خوفو کا مقبرہ پسند کیا اور اسے مقبرے کے اندر لے جانا چاہتی ہے۔ شہزادہ جہانے
کے لیے کہ اس ہیبت ناک وحشت انگیز تاریک قبر کی تنہائی میں جس کے تقویدی سے انسان
پر خوف طاری ہو جاتا ہے، وہ اس کے ساتھ کس طرح پیش آتا، کیا سوسک کر آتا اور اپنی وحشا
بے رحم طقت کو برقرار رکھ سکتا ہے یا نہیں۔ وہ اس کے ساتھ مقبرے کی تاریک تنہائی میں
اترنے کے خیال سے تو ہراساں یا پریشان نہ ہو سکا، البتہ حیران ضرور تھا۔ پوچھنے لگا "کیا تمہیں

یہ بات پسند ہے کہ فرعون کے مقبرے میں میرے ساتھ محبت کی ملاقات کرو۔
 "یہ تو ہمارے لیے اور تمہارے لیے بھی ایک اعزاز ہوگا کہ ہم فرعون کے مقبرے
 میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت کا بیان کریں گے۔" پھر اسی سرگوشیاں دے رہے تھے
 گی۔ "ابن حرب خلیفہ مامون الرشید کے بعد یہ اعزاز صرف ہمیں اور تمہیں حاصل ہو رہا ہے
 کہ ہم اس عظیم مقبرے میں داخل ہوں گے۔"

طلوئی شہزادی کے الفاظ نے ابن حرب پر سنسنی کی غلی کیفیت طاری کر دی کہ خلیفہ
 مامون کے بعد صرف ان دونوں کو ہرم کے اندر جانے کا موقع مل رہا ہے۔

مامون الرشید (۱۹۸ تا ۲۱۸ ہجری) جب اپنے عہد خلافت میں فسطاط آیا تو اس
 نے خوف کے ہرم میں داخل ہونے اور اسے اندر سے دیکھنے کے لیے ایک سرنگ کھدوائی تھی
 تھی کہوں کہ ہرم میں داخل ہونے کا کوئی راستہ نہ تھا۔ شمالی دیوار میں واحد دروازہ ڈھیر
 فٹ کی ترچی بندی پر ہے جو اس طرح بند کر دیا گیا تھا کہ کوئی شخص اسے توڑ کر اندر داخل نہ
 ہو سکے۔ خلیفہ مامون نے ہرم کی اس شمالی دیوار کی بنیاد میں سرنگ کھودنے کا حکم دیا۔ زیرین
 سرنگ سے جو چوبیس فٹ کے ٹکڑے چوڑی تھی۔ فرعون کے مقبرے میں داخل ہوا۔ پھر
 مامون ہی کے حکم سے سرنگ کا دروازہ بند کر دیا گیا تھا۔

بوڑھا مصری راہبر اپنے نائب کے ساتھ سرنگ کے دلہنے میں اس شگاف کا مشاہدہ
 کر رہا تھا جو چند تھوڑے گھنٹوں کے بعد کھل گیا تھا۔ طوئی شہزادی اپنے مکان کے ہمراہ اندر
 جاسکے۔ شگاف کو چھٹی طرح دیکھ لینے کے بعد وہ واپس آیا اور شہزادی کو سرنگ کی طرف
 چلنے کے لیے کہا۔ وہ ابن حرب اور اپنی سوڈانی کنیز کے ساتھ اس کے پیچھے پیچھے ہوئی۔

اسی شاہ میں نائب نے جو سرنگ کے شگاف کے پاس کھرا تھا، ایک مشعل روشن کر
 دی تھی۔ بوڑھے مصری نے اتنے ہی مشعل اس کے ہاتھ سے لے لی اور اپنے نائب کو مصری
 غلاموں کے ساتھ باہر کی گھڑی کے لیے چھوڑ کر خود سرنگ کے شگاف میں اتر گیا۔ شگاف آنا

لیے خلیفہ مامون ہرم کا دروازہ کھولوانے میں ناکام رہا جو ڈھیر سو فٹ کی ترچی بندی پر
 واقع ہے۔ آخر اس نے ہرم کی بنیاد میں سرنگ کھودنے کا حکم دیا اور سرنگ کے
 ذریعے اندر داخل ہوا۔ وہ ہرم کا اندرونی نقشہ دیکھنا چاہتا تھا۔ (قرآن مجلی)

بڑا تھا کہ ایک آدمی بخوبی داخل ہو سکتا تھا لیکن سرنگ چونکہ سطح زمین سے بہت نیچے تھی
 اس لیے شگاف میں داخل ہو کر نیچے اترتا پڑتا تھا۔ بوڑھے مصری کے بعد شہزادی بھی اندر جانا
 چاہتی تھی کہ ابن حرب نے اسے روک دیا اور خود شگاف میں اترتا اس کے بعد طلوی شہزادی
 اور کنیز خیر باری باری اندر اتر گئیں۔



بوڑھا مصری جو زیر زمین سرنگ میں داخل ہو کر رک گیا اور انہیں روشنی دکھا رہا تھا۔
 قبضوں کے اندر پہنچ جانے کے بعد آگے بڑھا۔ زمین کے اندر سرنگ کافی گہلی اور میندی ہرم
 کے بطن میں چلی گئی تھی لیکن اس کے اندر ایک عجیب سی گھٹن اور ایک عجیب سی بو محسوس
 ہو رہی تھی جو عام طور پر ایسے مقامات پر پائی جاتی ہے جنہیں سالہا سال سے بند رکھا گیا ہو۔
 جب کہ خوف کا ہرم اگر پونے تین ہزار سال قبل مسیح سے بند پڑا تھا، تو عباسی خلیفہ مامون کے
 بعد اس کی کھدوائی ہوئی۔ سرنگ بھی کم و بیش پونے صدی کے بعد کھولی گئی تھی۔ وہ گھٹن اور بو
 سرنگ کے اتنے طویل عرصے تک بند رہنے کی تھی۔

سرنگ کے فرش پر گود کی ٹکی سی تہ جی تھی، اس کی چھت اور دیواروں پر بھی گرد و غبار
 کا جالا لٹک رہا تھا، جو مشعل کی روشنی میں لڑتا دکھائی دے گا کہ شگاف کے راستے ہوا سرنگ میں
 داخل ہو رہی تھی تو اس پر کسی طلسمی جال کا شبہ ہوتا۔ جوں جوں وہ آگے بڑھے تاریکی بھی
 بڑھتی چلی گئی جو مشعل کی زرد روشنی میں گھٹی اور چھٹی زری کم و بیش ایک سو ساڑھے فٹ زمین کے
 پیٹ میں پٹنے کے بعد سرنگ ہرم کے اس دھلوان سلائی راستے سے مل گئی جو شمالی دیوار میں
 ڈھیر سو فٹ کی بلندی پر واقع ہرم کے واحد دروازے سے ترچھا سطح زمین پر آتا اور منبرے
 کے نامعلوم زمین دوز جگہ کے طرف کہیں پہنچے اترتا تھا۔

اس طویل اور تپھے سلائی راستے پر جو ڈھیر سو فٹ کی بلندی سے آتا اور کہیں
 زیادہ گہرائی میں زمین کے اندر اترتا تھا۔ ایک جگہ نہ جانے کس مقصد کے لیے بنایا گیا تھا
 عجیب سی خلیفہ کی کھدوائی ہوئی سرنگ ختم ہو گئی اور بوڑھا مصری راہبر مشعل اٹھائے اس ترچھے سلائی
 راستے پر جا رکھا جو شمال سے جنوب کی طرف بطن زمین کے جوڑے جاتا تھا۔

بوڑھے راہبر کے پیچھے پیچھے وہ بیٹوں بھی سرنگ سے نکل کر دھلوان سلائی راستے

فرعون کا مقبرہ دیکھنے آئے ہیں اس لیے وہ انہیں شاہی گیلری میں لیے چلا رہے۔

لوڑھا مصری مشعل اٹھائے اس نے راستے پر ہویا جو مغربی جانب اوپر کر جاتا تھا۔ اس مصلوان راستے پر چلتے ہوئے ایک کٹادہ گیلری میں پہنچ گئے جو تقریباً سو فٹ لمبی اور چالیس فٹ کے ٹک جھگڑوڑی تھی۔ اس گیلری میں پہنچ کر انہیں محسوس ہوا کہ کہیں سے تازہ ہوا وہاں آ رہی ہے۔ حالانکہ ہرم کی بیرونی دیواروں کی بھاری بھر کم چٹانیں باہم اس طرح پیوست کر دی گئی تھیں کہ ہوائے داخلے اور اخراج کا کوئی راستہ نظر نہ آتا تھا۔ اس کے باوجود انہوں نے تازہ ہوا کی مٹی سی لہر گزرتی محسوس کی۔

گیلری غالباً فرعون خوف کی نشست گاہ یا چل قدمی کے لیے بنائی گئی تھی حلال کہ فرعون کی لاش مقبرے میں موجود ہی نہیں تھی۔ پھر لاشیں نہ تابوت سے نکل کر چل قدمی کر سکتی ہیں۔ نہ انہیں کوئی کمر استعمال کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے لیکن موت کے مصری فلسفے کے مطابق فراغت کے روز مرہ استعمال کی اشیاء بھی ان کے مقبروں میں رکھی جاتی تھیں۔ تاکہ موت کے بعد وہ کسی چیز کی محسوس نہ کریں۔

گیلری کا مغربی راستہ فرعون کے ایوان خاص یا دوسرے الفاظ میں آخری آرام گاہ کی طرف جاتا تھا اور ٹوٹے مصری راہبر کے بقول اس شاہی ایوان کے آگے شمال کی جانب پانچ مجرے اور تھے جو شاید اس کے خادمان خاص کے لیے تیار کیے گئے ہوں۔ کٹادہ گیلری کے جنوب مشرقی گوشے سے ایک مصلوان سلامی راستہ مغرب کی طرف ناف زمین میں اترتا تھا۔ جو ملکہ کی شاہی بارگاہ یا آخری آرام گاہ میں جاتا تھا۔ یہاں تک لوڑھا مصری شہزادی سے مخاطب ہوا: "شہزادی صاحبہ آپ نے ملکہ مصر آں جہانی کی شاہی بارگاہ دیکھنے کی فرمائش کی مگر اس لیے ہم ملکہ کی شاہی بارگاہ میں اتریں گے جو زمین کی کئی تہوں کے اندر ہے۔"

لوڑھے نے "شہزادی صاحبہ" کے الفاظ سے اس لیے مخاطب کیا کہ وہ تینوں طوفانی شہزادی کی اگلی حیثیت سے آگاہ تھے اس کی اصلیت پر اٹھا کا پردہ دوسروں کے لیے ڈالا گیا تھا اسی لیے وہ خود بھی ایک عام مصری عورت کے لباس میں نکلی تھی تاکہ دیکھنے والے اسے پہچان نہ سکیں۔ لوڑھا مشعل اٹھائے جنوب کی طرف اترنے والے ترچھے سلامی راستے پر ہویا اور ابن عرب کے بقول یہاں اسیل کی گرفت مضبوط ہو گئی۔ وہ راستہ کچھ زیادہ ہی ترچھا، مصلوان اور طویل بھی تھا۔ اور دوسو فٹ سے کم طویل تھا۔ مشعل کی زرد روشنی میں بطن زمین کے اندر اترتا ہوا ایک راستہ

پر آگئے اور جنوب کی طرف ترچھے اترنے لگے۔ اس ترچھے راستے پر ابن عرب نے شہزادی کا ہاتھ پکڑا جو سرنگ وہ جو در کر آئے تھے، وہ سطح زمین سے کئی فٹ گہری گویا زمین کے اندر تھی اور مصلوان سلامی راستہ سرنگ سے بھی کچھ نیچے مزید بطن زمین میں اتر رہا تھا۔ ہرم کے اندر اگرچہ کسی خطرے کا امکان نہیں تھا پھر بھی ابن عرب کا ایک ہاتھ شہزادی کے زرد گداز ہاتھ میں اور دوسرا ہاتھ تلوار کے سخت قبضے پر تھا تاکہ ان واحد میں کسی انسانی ہتھیار کو خطرے کا مقابلہ کر سکے۔

مصلوان راستہ نیچے اور نیچے زمین کے پیٹ میں اترتا چلا گیا۔ تقریباً ستر فٹ چلنے کے بعد بوڑھا راہبر ایک جگہ رک گیا۔ اس کے ساتھ انہیں بھی لڑک جاتا ہوا۔ وہاں سے ایک راستہ مغرب کی جانب اوپر کر جاتا تھا۔ بوڑھے نے بتایا کہ یہ راستہ ہرم کی گیلری میں جاتا ہے جو بڑی کٹادہ ہے۔ اسی گیلری سے ایک راستہ ایوان شاہی کی طرف نکلتا ہے جسے فرعون خوف کی آخری آرام گاہ کہنا چاہیے لیکن فرعون کی لاش جسے حوطہ کر کے شاہی تابوت میں رکھی گیا تھا وہاں موجود نہیں، کیونکہ مصری جو تھے خاندان کے فرعونوں سے ناراض ہو گئے تھے جو ان پر جبر دہشتہ کرتے رہے۔ اس لیے انہوں نے بغاوت کی اور فراغت کی مہیاں (حوطہ شدہ لاشیں) ان کے مقبروں سے نکال کر باہر پھینک دی تھیں۔ فرعون خوف کی لاش بھی اس کی دفات کے خنوزے سے بعد مشعل مصری ہرم سے نکال لے گئے تھے لیکن انہیں لاش سے کب وہ وصف

۱۔ اس بغاوت کا سبب پر دہشت تھے جنہوں نے فرعون کے چوتھے خاندان کو ظالم و جابر قرار دیا۔ اہرام کا بانی یا موجد مصری، دستور الامویت تھا جس نے سب سے پہلے یہ خاندان کے فرعون دوسرے کے لیے ہرم تعمیر کرایا۔ دو زمینوں والی ہرم آج بھی سکرا میں موجود ہے۔ چوتھے خاندان کے فرعونوں نے اس کے بعد اہرام بنوائے۔ الامویت کی ہرم سازی کی بنیاد موت کے مصری فلسفے پر تھی۔ بعد ازاں مصریوں نے اسے دیوتا قرار دے دیا اور پردہ بتوں نے الامویت کی عبادت شروع کر دی۔ انہی پردہ بتوں نے چوتھے خاندان کے خلاف بغاوت کی اور فراغت کی لاشیں تک ان کے مقبروں سے نکال پھینکیں۔ پھر پردہ بتوں کی مدد سے پانچواں خاندان برسرِ اقتدار آیا۔ اس حکمران خاندان کا تعلق شمالی مصر سے تھا۔ (قدیم تاریخ مصر اور دندر س آف دی پاست)

تہو کہ کے بالآخر وہ ملکہ کی شاہی بارگاہ کے دروازے پر پہنچے۔ یوں تو پورے ہرم میں قبروں کا سا پرمول سناٹا طاری تھا لیکن ملکہ کی اس زیر زمین بارگاہ میں وہ سناٹا کچھ اور گہرا کچھ اور سبب ہو گیا تھا اور وہاں خوف کی انجانی لہر بھی حرکت کر رہی تھی۔

ملکہ کی شاہی بارگاہ راستے کے اختتام پر مغربی جانب دو ایوانوں پر مشتمل تھی۔ ایک ایوان نشست، دوسرا ایوان راحت یا آخری آرام گاہ۔ پہلے وہ ایوان نشست میں داخل ہوئے جہاں پورے تین ہزار سال قبل مسیح استعمال ہونے والا پتھر کا کچھ سامان آرائش موجود تھا مگر اس پر صدیوں کی گرد جم چکی تھی اور انوکھی غیر محسوس لہر اس زیر زمین مقبرے میں بھی چل رہی تھی۔ آگے ملکہ کا ایوان خواب تھا جس کے وسط میں پتھر کا ایک تابوت کسی طلسم کی طرح غری پر پڑا نظر آیا۔ تابوت کا ڈھکنا بھی موجود تھا۔ ملکہ کی لاش کا اصل صندوق سنگین تابوت کے اندر رکھا گیا ہوگا اور معلوم نہیں اس تابوت کے اندر صندوق اور صندوق میں ملکہ کا محفوظ شدہ مردہ جسم موجود بھی تھا یا نہیں۔ البتہ سنگین تابوت کو دیکھ کر انھیں یہ احساس بڑی خفیت سے ہوا کہ وہ ملکہ کی آخری آرام دیکھ رہے ہیں۔



چند لمحے مقبرے کی پرمول سنگین خاموشی میں گزر گئے۔ پھر طوفانی شہزادی نے بوڑھے راہب سے کہا کہ وہ مشعل دیوار کی کھونٹی سے لٹکا دے۔ خود اس شاہی بارگاہ سے نکل کر دھولان راستے میں چلا جائے اور وہیں اُن کا انتظار کرے۔ بوڑھے نے شہزادی کے حکم کی تعمیل کی۔ جب وہ ملکہ کے ایوان نشست کے دروازے سے نکل گیا تو شہزادی اپنی کینیزے مخاطب ہوئی۔ ”مقبر! اب تو بھی دوسرے کمرے میں چلی جا۔ ہم تنہائی میں اپنے ہمان سے کچھ باتیں کریں گے۔“

غیر اپنی شہزادی کی بے چینی سمجھتی تھی فوراً ملکہ کے ایوان خاص سے نکل کر ایوان نشست میں چلی گئی اور دروازہ بند ہو گیا۔ اس طرح طوفانی شہزادی نے تنہائی کی ملاقات کا وہ موقع فراہم کر دیا جس کے ابن حرب رات بھر خواب دیکھتا رہا تھا مگر خوف کے عظیم حرم کے اندر اس کی ملکہ کے زیر زمین مقبرے میں تنہائی کی یہ ملاقات اُس کے حین خیالوں سے بالکل مختلف، بڑی عجیب اور سنسنی خیز تھا وہ حیرت زدہ سا کھڑا تھا کہ طوفانی شہزادی نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ

تھام لیا اور اسے سنگین تابوت کے پاس لے آئی۔ اُس کے بچے میں کوئی خوف نہ تھا۔ آواز میں کوئی لرزش نہ تھی۔ کہنے لگے ”ابن حرب! عرض میں ہم نے وعدہ کیا تھا کہ جب فسطاط آؤ گے تو تمہیں پوری ملاقات کا موقع دیں گے۔ کارواں سرائے میں تم سے ہماری ملاقات اور حوری تھی۔ شاید یہ مقام ملاقات تمہاری مرضی کے مطابق نہ ہو۔ آخر یہ ہرم ایک فرعون اور اُس کی ملکہ کا مقبرہ ہے جس کے اندر صدیوں سے خاموشی اور زمانے کی حیرت گم گم کھڑی ہے تم چاہو تو اس خاموشی کو محبت کی زبان بخش سکتے ہو لیکن یہیں پیار کرنے سے پہلے تمہیں یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ جس طرح فرعون خوف و اُداس کی ملکہ ایک ہی مقبرے میں دفن ہوئے تھے، اُسی طرح ہمارا جینا مرنا بھی ایک ساتھ ہوگا دم دونوں اکٹھے جیئیں گے، اکٹھے مریں گے اور ایک ہی مقبرے میں دفن ہوں گے۔“

یہ الفاظ سن کر ابن حرب پر ایک نئی حیرت گزری اور کچھ گیا کہ تنہائی کی ملاقات کے لیے شہزادی نے فرعون خوف کے ہرم کو کونوں تخت کیا ہے۔ اُس نے اپنی نواہر سنگین تابوت کے ڈھکنے پر رکھ دی اور اُس کا حسین چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں کے پیالے میں بھر کے بولا۔ ”میں تم زندگ اور موت کا بیوند چاہتی ہوں تو تم تمہارے ساتھ یہ بیوند کروں گا لیکن تمہیں بھی قول دینا ہوگا کہ جو کچھ میں چاہوں گا، تم وہی کرو گی۔“

”کوئی بات ہماری مرضی کے خلاف بھی چاہو گے؟“

سوال برا خوب صورت اور معنی خیز تھا۔ ابن حرب نے بھی اپنے مطلب کا جواب دیا۔ ”ابن حُسن و عشق کی گھاتیں نہیں بکھتا۔ جنگ و جدل کے داؤ بیچ ضرور جانتا ہوں اور اس معاملے میں تمہاری رائے یا مرضی مجھ سے بہتر نہیں ہو سکتی۔“

جنگ کے داؤ بیچ کا ذکر سن کر وہ یک لحظ اپنے خیالوں کی تعمیر پر آگئی۔ ”ہمارے والد کی طرح تم بھی ایک جنگ جو اور شہ زور مرد ہو اسی لیے ہم تمہیں چاہتے ہیں لیکن کچھ خوف کے اس حرم میں اُس کی ملکہ کے اس ایوان خواب میں ہمارے ساتھ بیان کر دو کہ تم ہماری خاطر نواہر اٹھاؤ گے، ہمارے لیے فتوحات حاصل کر دو گے اور یہیں ملکہ بناؤ گے کیوں کہ ہم حسین اور خوب صورت ہیں۔ ہماری خوب صورتی میں کشش ہے۔ ہمارے کُسن میں وقار ہے اور ہم ملکہ بننے کے لیے پیدا ہوئے ہیں۔“

ابن حرب اس کی دل بہانی میں کھو گیا۔ ”تمہارے حُسن میں ایک اور خوبی ہے۔“

”کیا؟ شہزادی کی بی بی خانی آنکھیں مسکرائیں۔

”غمار سے حسن میں رعب ہے، آنکھوں میں جادو ہے، لمبے میں تحکم ہے اور کسی بات میں بناوٹ نہیں ہے۔ یہ ساری باتیں تمہیں قدرت نے عطا کی ہیں اور حسن کی مکمل بنایا ہے۔ میں تمہیں تخت کی ملکہ بناؤں گا مگر پہلے میرے لیے کوئی میدان جنگ تو فراہم کرو تاکہ جنگ جیت کر میں تمہیں جیت لوں۔“

طلوئی خاتون کے جسم میں ایک سنسنی دوڑ گئی۔ ابن حرب نے اسے جیت لینے اور ملکہ بنانے کا عزم کر لیا تھا۔ وہ بھی اعتماد کے لمبے میں بولی۔ ”ہم نے سلطان سے سفارش کی ہے وہ قضا کا جھنڈا باندھیں گے۔ تمہارے لیے جنگ کا میدان فراہم کریں گے اور ہم جانتے ہیں تم جنگ جیت کر ہمیں جیت لو گے۔“

اب ابن حرب نے اس بات کا اظہار ضروری سمجھا جس کا اشارہ آقا حسین نے دیا تھا اور اس کے خوب صورت چہرے کو اپنے ہاتھوں کے پایسے سے نکال کر ایک نے عزم اور نئے یقین کے ساتھ کہنے لگا۔ ”نجم! میں تمہیں جیتنا چاہتا ہوں اور ایک دن جیت لوں گا کیوں کہ جو ارادہ کر لینا ہوں اسے اچھوڑنا نگر دنیا میں ہر بات کا امکان ہے ہو سکتا ہے خمارو یہ قضا کا جھنڈا باندھے، بغداد کے خلاف میدان جنگ آراستہ نہ کرے اور تمہیں میرے عقد میں نہ دے۔ اس صورت میں بھی میں تم سے دستبردار نہیں ہوں گا اور دوسرا راستہ اختیار کروں گا۔ تمہیں اپنے گھوڑے پر بٹھا کر صحرائی قبیلوں میں لے جاؤں گا اور بادیہ نشین عربوں کی ملکہ بناؤں گا۔“

یہ سنتے ہی شہزادی کے پورے وجود پر حیرت اور مسرت کا ایک زلزلہ طاری ہو گیا۔ نبضوں میں خون تیزی سے دوڑنے لگا بہت دنوں پہلے جب اس نے شکستہ منہ کے خواب دیکھے تو کسی بادیہ نشین اور شہ زور رعب سردار کا تصور کیا تھا جو اس کی خاطر صحرائی قبیلوں میں اپنا گھوڑا دوڑانا چہرے۔ انہیں اپنے صحرائی پرچموں کے نیچے لے کر فتوحات حاصل کرے اور اسے ایک ملکہ بنا دے۔ ابن حرب نے معاملے کی جو دوسری صورت پیش کی، وہ اس کے خوابوں کے عین مطابق تھی جس نے اسے ایک فرحت بخش حیرت سے دوچار کر دیا صرف ایک بات ذرا مختلف تھی کہ ابن حرب نے دوسری صورت خمارو یہ کے انکار کا بیج توڑ دی تھی جس میں ایک خطرہ بھی تھا اور خطرہ یہ تھا کہ وہ اسے مصر سے زبردستی لے جائے گا اور شک

لے جائے مگر طوئی سوار صحرائی قبیلوں تک اس کا تعاقب کریں گے اور طوئی سواروں میں ترک مصری، سوڈانی اور حبشی شامل ہوں گے جن کا سالار یقیناً القطائع کا حافظ سردار عارث ہوگا کیوں کہ شہزادہ شیبان کی طرح سلطان بھی اس پر اعتماد کرتا ہے۔ اسی اعتماد کے باعث وہ خود اس سے لگاؤ رکھتا اور اس کا پوشیدہ طلب کا بھی ہے اس لیے ابن حرب سے اسے چھیننے کا کوئی دقیقہ اٹھانیں رکھے گا۔

ادھر ابن حرب بھی سوچ رہا تھا کہ اس نے بڑے مناسب موقع پر طوئی شہزادی کو اپنے ارادے سے آگاہ کر دیا اور یہ بات قبل از وقت اس کے کانوں میں ڈال دی ہے کہ اگر خمارو بغداد کے خلاف میدان جنگ تیار نہ کر سکا تو وہ اسے اپنے ساتھ لے کر بادیہ نشین قبائل کی طرف نکل جائے گا، جیسا آقا حسین نے سرائے دار سے کہا تھا کہ وہ طوئی شہزادی کو لے کر اس کے صحرائی قبیلوں میں آجائے گا یا شہزادی کو صحرائی سفر کے لیے تیار کر رہا تھا کہ عین وقت پر کہیں ساتھ جانے سے انکار نہ کر دے۔

نجم ابیل جو خواب دیکھ چکی اور ملکہ بننے کے جو عزم رکھتی تھی۔ ابن حرب اپنی کی تعبیر پیش کر رہا تھا اور وہ اس کے ساتھ جانے سے انکار نہ کر سکتی تھی۔ انکار کرنا بھی نہ چاہتی تھی مگر بھائی کی بدگمانی اور ناراضی کا خیال ذہن میں گردش کرنا بھی چھوڑ کر اس نے اپنے بھائی کی پریشانی بھائی اور اس کا گداز ہاتھ پکڑے پوچھا۔ ”کیا سوچ رہی ہو؟“

”تم سوچ رہے ہیں تم جو کچھ کہتے ہو وہی کر دے گا۔“

”پھر چلوں میرے ساتھ؟“

نجم ابیل نے اس کا دوسرا ہاتھ خود پکڑ لیا۔ ”ابن حرب! تم ہمیں صحرائی قبیلوں کی طرف لے جانا چاہتے ہو اور تم تمہارے ساتھ دنیا کے آخری کنارے تک جانے کے لیے تیار ہیں لیکن ڈرتے ہیں کہیں تم مشکلات میں نہ پھنس جاؤ۔“

”مشکلیں تو سہار آؤں گی اور سہار بنا دیتی ہیں۔“

”اگر بعض مشکلیں آؤں گی راستہ گھیر لیتی ہیں۔“

”میں جانتا ہوں، تم کیا سوچ رہی ہو۔ تمہیں اپنے بھائی کا خیال پریشان کر رہا ہے کہ اگر میں تم کو اس کے ہاتھوں سے چھین لے گا تو خمارو یہ مجھے معاف کرے گا۔ تمہیں؟“

”اکیسے ہم چاہتے ہیں کہ سلطان خود ہمارا عقد تم سے کر دیں۔ اس کے لیے ضروری ہے

کے لیے کچھ باقی نہیں رہ گیا تھا۔ یہ سب باتیں خوف کے اس عظیم حرم کے اندر ہوم ہی نہیں جس کی عظمت اور مضبوطی کی شہرت دنیا کے آخری کتا روں تک پہنچ چکی ہے۔ وہ ابن حرب سے ایسا ہی مضبوط پہاڑ جیسا تھا جیسا خوف کا مقبرہ مضبوط ہے اور اسی یہاں کی خاطر اسے نیرنگ نماز ہم میں لے کر آئی تھی۔

ابن حرب نے اُس کی طویل گفتگو بڑے غور سے سنی۔ ہر بات دل کی لگن سے محسوس کی اور ذہن نے فیصلہ دیا کہ جو کچھ کہتی ہے، ٹھیک کہتی ہے اور اس کے ساتھ محبت کا پہاڑ باندھنا ضروری ہے۔ جیسا وہ چاہتی ہے۔ یہ فیصلہ کہہ کے بڑے جذبات آفریں مگر گھر در سے لے میں ہوا۔ "میں تمہارے اس خوب صورت چہرے، ان شکستہ ہونٹوں اور لمبی لمبی جاودہ گر آنکھوں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہارے لیے وہ سب کچھ کروں گا جو تم چاہتی ہو اور یہ یونہی جو آج ہم یہاں ایک دوسرے سے کر رہے ہیں کبھی نہیں ٹوٹے گا کیوں ایسے یونہی اور یہاں توڑنے کے لیے نہیں باندھے جاتے۔"

نجم اللیل کی آنکھوں میں سنسنی بھلنے لگے۔ "پھر آج سے ہم تمہارے ہو گئے؟" ابن حرب نے کچھ سوچ کر کہا۔ "جس طرح میں نے یقین دلایا ہے، عہد کیا ہے کہ تمہاری ہر بات پوری کروں گا، اسی طرح تم بھی میری کسی بات سے انکار نہیں کرو گی۔"

شہزادی ذرا چونکی کہ دوسری مرتبہ اپنی "ہر بات" منوانے پر اصرار کر رہا ہے نہ جانے اس کے ذہن میں کون سی بات ہے؟ اچانک خیال آیا کہ عرب معاشرے میں دوسری صورت یا کنیز مرد کی اضافی ضرورت کبھی جاتی ہے اور اس بار سے میں اجازت بھی ہے شاید اپنے چنان محبت کے ساتھ یہی بات منوانا چاہتا ہے۔ اس خیال کے ساتھ ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ "ہم تمہیں اضافی راحتوں سے نہیں روکیں گے۔ ہمارے والد حرم کے حرم میں بھی کئی عورتیں اور کئی کنیزیں نہیں اور تم نے تمہیں انہی کے معیار پر منتخب کیا ہے۔"

ابن حرب کو آغائی راحتوں پر ایک دل چسپ حیرت سی کوئی کیوں کہ اس کے ذہن میں کوئی اور بات تھی جس کی خاطر اس کے وعدے کی ضرورت محسوس کر رہا تھا اور وہ جماعت کے مقصد کی بات تھی جسے فی الوقت ظاہر کرنا نہیں چاہتا تھا۔ ہر بات کے بنائے اور منوانے کا ایک وقت ہوتا ہے اور ابھی یہ بنانے کی ضرورت نہیں تھی کہ مقبرے میں اس سے کون سی بات منوانا چاہتا ہے مگر اس کی اجازت پر مسکرا دیا۔ "تم میرے لیے دنیا کی سب سے بڑی دولت کو

کہ تم حکومت کے لیے کوئی معرکہ سر کر کے نہیں جیت لو۔ وہ ایک طرح کا خوش رہ کر کہنے کی زبان پر تھا را خیال ہو کہ ہم تمہارے لیے اپنے خاندان کو نہیں چھوڑ سکتے لیکن لڑکی تو پیدا ہونے ہی کسی دوسرے کے نام کھدی جاتی ہے اور اس کی قسمت کا ستارا اپنے آسمان کو چھوڑ کر دوسرے آسمان پر چمکانے کے لیے بے چین رہتا ہے۔ ابن حرب ہم بھی تمہاری جیت کا صلہ بننا چاہتے اور تمہارے لیے بہت بے چین ہیں۔ ہمارے بے قراری کو اس وقت تک قرار نہیں دے گا جب تک ہم اپنے آپ کو تمہارے سپرد نہیں کر دیں گے۔ ہماری خواہش ہے، یہ سب کچھ اسی طرح ہو جس طرح لڑکی ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں یا ایک آسمان سے دوسرے آسمان پر منتقل ہوتی ہے، ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ دنیا میں ہر بات کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ اثبات اور نفی اقرار یا انکار، اگر سلطان نے ہماری سفارش کے باوجود تمہیں معرکہ آرائی کا موقع دیا نہ ہمارا شرم بنانا پسند کیا اور وہ دوسری صورت پیش آگئی جس کا تم نے ذکر کیا ہے تو جن صحرائی قبیلوں کی طرف لے جانا چاہو گے، ہم جیسے جائیں گے اور سلطان ہمارا ہاتھ تمہارے ہاتھ سے نہیں چھوڑا سکیں گے۔ دنیا میں کچھ عورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ جو ارادہ کرتی ہیں اسے پایہ تکمیل تک پہنچاتیں اور شکست قبول نہیں کرتیں۔ ہم بھی انہیں عورتوں میں سے ہیں۔ اسی لیے کچھ تمہیں اس ہم میں لے آئے ہیں جس کی پتھریلی آنکھوں نے سلطنتوں کے عروج و زوال کے سیکڑوں منفرد کیے ہیں، جس کے برے کانوں نے ان گنت جنگوں کا شور سنا ہے، انسان کو خون میں غلغلہ کرتے دیکھتا ہے، میدان جنگ میں دم توڑنے والے سپاہیوں کی آخری سسکیاں سنی ہیں مگر سب کچھ دیکھنے اور سب کچھ سننے کے باوجود یہ آج بھی زمین کی چھائی پر اسی طرح قائم ہے جس طرح ہزاروں برس پہلے قائم تھا۔ دنیا کی کوئی طاقت اس کے ثبات کو متزلزل نہیں کر سکی۔ ہم بھی تمہیں ساتھ ایسا ہی مضبوط تعلق چاہتے ہیں جسے موت بھی تمہارے ساتھ زندگی اور موت کا پہاڑ باندھو اور آرام گاہ میں آئے کا مقصد یہی ہے کہ تم بھی تمہارے ساتھ زندگی اور موت کا پہاڑ باندھو اور وعدہ کر دو کہ ہمارے خوابوں کو تعبیر بخشو گے۔ جو کچھ ہم چاہتے ہیں، ادبی کر دو گے، اس کے عوض ہم قول دیتے ہیں کہ ہمارے حسن اور جسم کی تمام راحتیں صرف تمہارے لیے ہوں گی۔ تم ہمیں بڑی عورت بناؤ گے۔ ہم تمہیں عظیم مرد بنائیں گے۔ زندگی بھر تمہارے وفادار رہیں گے تمہارے ساتھ جیسی گے، تمہارے ساتھ کریں گے، تمہارے ساتھ دین ہوں گے۔"

طوئی شہزادی نے دوسری بار اس کے ساتھ جیسے مرنے کا اقرار کیا تھا اور اب کہنے

تک پہنچے تھے۔ بوڑھے راہبر کے پیچھے چلے ڈھوانی راستہ چڑھ کر پہلے وہ فرعون خٹو کی شاہی گیلری میں آئے وہاں سے بجلی کے رُخ نیچے جانے والے راستے پر اترے اور اس حویل ترچھے راستے پر آگے جو ہرم کی شاہی دیوار میں ڈیڑھ سو فٹ کی بلندی پر واقع واحد دروازے سے سیدھا جنوب کی طرف بطنِ زمیں میں ناقامِ جُروس کی طرف آتا تھا پتھری دوزیک شمال کے رُخ ترچھا اسلامی راستہ چڑھ کر وہ خیفہ مامن کی کھدوائی ہوئی سرنگ میں داخل ہوئے اور وہاں سے مشرق کی جانب چلتے سرنگ کے دہانے پر آگے جس کے بقاوم شکاف سے اندر داخل ہوئے تھے۔ ایک ایک کر کے جب وہ شکاف سے باہر نکلے تو دو پہر ہو چکی تھی اور ابراہیم کی سنگلاخانِ وادی کے اوپر جلتا سورج اُس صحرا کی طرف بڑھ رہا تھا جو مغرب میں قدرِ نظر تک پھیلا بیسیا کے ننگے پہاڑوں کی جانب چلا گیا تھا۔



وادیِ ابراہیم سے انھیں وادیِ نیل کی طرف لوٹنا اور غلامین کی بستی کے قریب دریا کے ساحل پر پہنچنا تھا جہاں سفینہ چھوڑا تھا مگر واپسی سے قبل بوڑھے مہری نے کھانے کی دُور دی جس نے اس خیال کے پیشِ نظر کہ واپسی میں دیر ہو جائے گی، کھانے کا انتظام پہلے سے کر رکھا تھا۔

کھانے سے فارغ ہو کر ہرمِ کبیر سے واپسی کا سفر شروع ہوا۔ وہاں انھیں ابوالمول کے عظیم الجثہ محنتی کی طرف جانا تھا، جو وادیِ ابراہیم کا محافظ دیتا تھا جاتا تھا اور اس دیوتا کے قریب سے گزر کر جنوب کے رُخ جیزہ کی سمت چلتا تھا۔ پہلے کی طرح طولی شہزادی اور اس کی کینرنگدھوں پر سوار ہو گئیں۔ دونوں فدا گدھوں کی دکان میں تھامے آگے آگے اور ابنِ حرب بوڑھے مہری راہبر کے دوش پر دوش پیچھے پیچھے روانہ ہوئے۔

دریا کے ساحل تک یہ سفر کم و بیش پانچ میل کا تھا اور اس سفر میں بوڑھے مہری نے ابنِ حرب کو ابراہیم کے علاوہ فرعون کی دو مری یادگاروں، مقبروں، ایسٹیلوں کے بارے میں بڑی اہم معلومات فراہم کیں جن کا سلسلہ نیل کے کناروں پر جیزہ اور سفارہ (سکرا) سے لے کر کنزدر (تھیبز) تک پھیلا تھا۔ بوڑھے کے خاندان نے جو صدیوں سے ابراہیم کی نگرانی اور رہبری کا فرض ادا کرنا چلا آ رہا تھا۔ مصر پر اسلامی غلبے کے قہورے عرصے بعد اسلام قبول کر

طولی شہزادی نے اپنی اجازت برقرار رکھی: "پھر بھی تمہاری اضافی راحتوں پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ مذہبِ مرد کو بیک وقت چار عورتوں کی اجازت دیتا ہے۔"

"تم نے مان لیا ہے کہ آج سے تم میری ہو۔ خاندانِ بے سکوا، وہ بھی مجھے تمہارے لیے اجازت دے دے۔"

"ابنِ حرب! تم تم سے زیادہ بے چین ہیں۔ ہر دن جو زرتا ہے، ہماری بے چینی میں کچھ اور اضافہ کر دیتا ہے، ہر رات جو بیت جاتی ہے، تمہارے خیال کو کچھ اور قریب کر دیتی ہے۔ ہم تمہارے ہو چکے ہیں اور تمہاری محبت میں محرومیِ قبیلوں کا سفر بھی ہماری لیے راحت بخش ہوگا لیکن اس سے پہلے ہم کوشش کریں گے کہ سلطانِ اجازت دے دیں اور ہم دستور کے مطابق تمہارے جملہ عہدوں میں آئیں۔"

طولی شہزادی نے اپنے دل کی ہر بات کہہ دی تھی اور یہ الفاظ "کتابِ ملاقات" کے تحتے پانچویں کی حیثیت رکھتے تھے جو ہرمِ کبیر کے زمین دوز ایوانی میں بالکل ہی مختلف انداز میں کہی تھی۔ اس ضمن میں اس نے جو آخری بات کی، وہ یہ تھی۔

"ابنِ حرب! ہم کسی حالت میں تمہیں اپنی راحتوں سے محروم نہ کریں گے۔ اگر سلطان نے اجازت نہ دی تو ہم تمہیں اپنے لیے خود اجازت دے دیں گے اور ہمیں اجازت کا اختیار ہے کیوں کہ ہم جوہ ہیں اور اپنی مرضی سے عقد ثانی کر سکتے ہیں۔"

ابنِ حرب مطمئن تھا کہ طولی شہزادی اس کے مقدر میں کبھی جاچکی ہے اور اس کی تقدیر کا ستارہ بننے والی ہے۔ اسے صرف وہ آسمان مہیا کرنا تھا جس پر وہ پوری تابا نہیں کے ساتھ جلوہ گر ہو سکتی۔

شہزادی کی آخری بات کے ساتھ تنہائی کی ملاقات بھی ختم ہو گئی۔ اُس نے ملکہ کے تابوت سے پرے بہت کرنا، بجائی جس کی آواز ہرم کے صہیب سناٹے میں گونج اٹھی اور سوڈانی کینز فوراً حاضر ہو گئی۔ شہزادی نے حکم دیا کہ بوڑھے راہبر کو بلالائے تاکہ ہرم سے واپسی کا سفر شروع ہو۔ دونوں ایوانوں کے دروازے کھل جانے سے مشعل کی روشنی اس تاریک اور تاریک راستے تک دوڑتی چلی گئی جہاں بوڑھا شہزادی کے حکم کا منتظر تھا۔ کینز کے بلادے پر اُس نے آتے ہی مشعل گیر سے مشعل اٹھائی اور شہزادی کا اشارہ پا کر واپس چل پڑا۔

واپسی کا سفر بھی اٹھی راستوں پر ہوا جن راستوں پر چل کر وہ ملکہ کی زیر زمین شاہی نگاہ

ایٹھارہویں خاندان ہی میں وہ اصلاح پسند فرعون گزرا جو خاتون کے نام سے مشہور ہوا
اس کا دور حکومت (۱۳۷۵ تا ۱۳۵۸ ق م) اگرچہ صرف سترہ سال پر مشتمل تھا لیکن اس نے
مصر پر بدعنوانوں کے مقابلے میں جو لاتعداد دیوی دیوتاؤں کی پرستش کرتے تھے ایک الٰہوتوں
کی عبادت کو رواج دیا۔ اس کے نزدیک آتون (سورج) جو قبل انہیں مصریوں میں "رع" کے نام
سے یاد کیا جاتا تھا، کائنات کی تمام قوتوں کا مظہر تھا اور اس کے سامنے فرضی دیوی دیوتا کوئی
حیثیت نہ رکھتے تھے۔ اس لیے وہ اخاتون (سورج کا جہاں) کہلایا اور وہ خاندانی اعتبار سے
اس کا نام امن ہو گیا تھا۔ اس کا بیٹا توت (۱۳۵۸ تا ۱۳۵۲ ق م) جو اپنے
مذہب پر جہاد لیکن مذہبی اصلاح پسندی کے اس دور میں جب مصر کو داخلی مسائل کا سامنا کرنا
پڑا کیوں کہ پردہ امت ان دونوں حکومتوں کے سخت مخالف تھے۔ مصر اپنے ایشیائی مقبوضات
سے غلام ہو گیا اور امن توت سوم کے عہد میں شام و فلسطین کے اموری حکمرانوں نے مصری
استعمار کے خلاف جس جدوجہد کا آغاز کیا تھا، وہ اخاتون اور اس کے بیٹے توت الخامن
کے عہد میں مزید تیز ہو گئی۔ مصری لشکروں کو شکست کھا کر شام سے واپس آنا پڑا۔

ایٹھارہویں خاندان کے زوال کے بعد انیسویں خاندان کا آغاز فرعون حورمب سے
ہوا۔ اس خاندان کے حکمرانوں نے مصر کی عظمت پھر بحال کر دی اور شام و فلسطین پر دوبارہ تسلط
جما لیا۔ رعمیس ثانی (۱۲۹۲ تا ۱۲۶۵ ق م) اس دور کا عظیم فرعون کہلاتا ہے، جو اپنے
نام کے ساتھ خود بھی "عظیم" کا لفظ استعمال کرتا تھا لیکن وہ خود شمس جیسا عظیم فرعون نہیں
تھا۔ رعمیس ثانی وہی فرعون تھا جس کے عمل میں حضرت موسیٰؑ نے پرورش پائی اور جو بنی اسرائیل
پر سخت مظالم ڈھانے کے لیے شہرت رکھتا تھا اس کی حکمرانی کا عہد (۲۷ برس) اتنا طویل تھا
کہ دلی عہد منشاخ اس کے عہد حکومت ہی میں بڑھا ہو گیا۔

رعمیس ثانی کی وفات کے بعد منشاخ (۱۲۵۰ تا ۱۲۱۵ ق م) نے صرف دس برس
حکومت کی۔ اسی فرعون کے عہد میں حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کو مصریوں کی غلامی سے نکال
لائے۔ منشاخ نے حضرت موسیٰؑ کے معجزات سے خوف زدہ ہو کر بنی اسرائیل کو مصر سے نکال
جاسکی اجازت دے دی تھی مگر بعد ازاں اپنے عائدین سلطنت کے اگسانے پر مجبور ہو کر
کھاڑی تک بن کا تعاقب کیا۔ جہاں شیخ الجحر کے معجزے سے حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کو لے
کر سمندر پار گئے لیکن فرعون اپنے لشکر سمیت غرق ہو گیا۔ بعض مؤرخین اس واقعے کو خاتون

بہنہ تھا۔ اس خاندان میں مصر کی قدیم تاریخ اور فراخ کن یادگاروں سے متعلق اہم معلومات
میں بہرہ مند رہی تھیں اور بوڈسٹے راہبر و گمان کو بھی تمام تاریخی معلومات از بحیرہ
ابن حرب کی دل چسپی کی خاطر اس نے فرعون کے چودھویں، پندرہویں اور سولہویں خاندان
کا ذکر خصوصیت سے کیا جو ہیکسوس کہلاتے اور شامی الاصل تھے جانتے تھے کیوں کہ وہ شام
فلسطین کی جانب سے مصر میں داخل ہوئے اور یوسے مصر پر قابض ہو گئے۔ ہیکسوس فرعون نے
مصر ہی کو دارالحکومت بنایا جو نیل کی اسی وادی میں تھا جہاں عہد اسلام میں قسطنطین کا شہر
آباد ہوا۔

ہیکسوس فرعون کے دور میں حضرت یوسفؑ ان کے والد حضرت یعقوبؑ (اسرائیل) اور
برادران یوسف مصر میں آئے تھے۔ حضرت یوسفؑ نے ۶۰ برس مصر کا عہدہ حاصل کیا جو فرعون کے
بعد سب سے بڑا اعزاز تھا۔ دارالحکومت ممس سے کچھ دور بنی اسرائیل نیلی مشرقی جانب حبش
کے علاقے میں آباد ہوئے اور کھیتی باڑی کرنے لگے۔ حضرت یوسفؑ کی وفات کے بعد یوسف
کا عہد ان کی اولاد میں منتقل ہوتا رہا۔ ہیکسوس کے دور میں بنی اسرائیل نے خوب زرق کی مگر
سولہویں خاندان کا آخری عہد زوال پذیر تھا۔ اس زوال پذیر عہد میں قہیرہ کے ایک مصری الاصل
شہزادے آمیس نے طاقت فراہم کر کے ہیکسوس کا تختہ الٹ دیا اور بلانی اور زمریں مصر پر
اصل مصریوں کا حکمرانی کا سلسلہ پھر شروع ہو گیا۔

ہیکسوس کی بنیادی کے ساتھ بنی اسرائیل کی غلامی کا دور شروع ہوا لیکن ہیکسوس کے دور
میں عروج حاصل ہوا تھا۔ مصر میں ان کی غلامی کا یہ دور بڑا طویل تھا جو سترہویں، اٹھارہویں اور
انیسویں خاندان تک جاری رہا۔ اٹھارہویں اور انیسویں خاندان کے عہد میں مصری طاقت بڑھ
پڑی گئی اور مصریوں نے افریقہ میں ارد گرد کے علاقوں کے علاوہ ایشیا میں شام و فلسطین تک
اقتدار حاصل کر لیا۔ بکر فتوحات کی لہر دیر پاٹے فرات تک پہنچ گئی۔

ایٹھارہویں خاندان کا حکمران تھوس ثالث (۱۵۰۱ تا ۱۴۶۲ ق م) عظیم فرعون سمجھا
جاتا ہے جس نے شام و فلسطین کو مصری مقبوضات میں شامل کیا۔ تھوس ثالث شہر شام میں بڑا
کمزور حکمران ثابت ہوا۔ اصل اقتدار اس کی ملکہ انتشیہست کے ہاتھ میں تھا جو مصر کی تاریخ
میں غالباً مقام رکھتی ہے مگر ملکہ کی وفات کے بعد تھوس ثالث کا عروج شروع ہوا اور وہ
اپنی زبردست فوجی طاقت کے ذریعے نہ صرف ایک بڑا فاتح بلکہ عظیم فرعون بن گیا۔

خاندان کے فرعون تھوٹس اول (۱۸۵۰ تا ۱۸۵۸ ق م) سے منسوب کرتے ہیں مگر بنی اسرائیل کا تعاقب کرنے اور سمندر میں غرق ہونے والا فرعون منافح ہی تھا۔

بوڑھا مصری راہبر حضرت موسیٰؑ کے واقعے کا ذکر کرنے کے بعد سیدھا عہد اسلام پر آگیا۔ طلوع اسلام سے قبل مصر پر قسطنطنیہ کے یونانی الامل رومی قبضوں کی حکومت تھی جن کا پایہ تخت اسکندریہ تھا اسی سلسلے کے حکمران ہرقل کی طرف سے قبطی بادشاہ مقوقس مصر پر حکومت کرتا تھا جسے پیغمبر اسلام نے خطرہ اندکھا اور اسلام کی دعوت دی تھی۔ مقوقس نے قاصد نبویؐ کا خیر مقدم کیا۔ خط سنار اسلام کی دعوت پر بخور کیا اور جواب میں کئی تحائف ارسال کیے ایک کنیز ماریہ قبطیہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجی جو بعد ازاں ام المومنینؓ بن گئیں۔ کیوں کہ حضورؐ نے ان سے عقد کر لیا تھا۔ فرزند رسولؐ ابراہیم انبی کے بطن سے ہوئے، جو کسی میں انتقال کر گئے۔ عہد فاروقی میں حضرت عمرو بن العاصؓ خازیوں کے لشکر کے ساتھ مصر میں آئے۔ انھوں نے ہرقل کی رومی فوج کو شکست دے کر قصر الشیح، اسکندریہ اور دوسرے شہروں پر قبضہ کر لیا پھر نیل کے مشرقی ساحل پر پورائے قلعے قصر الشیح سے ہٹ کر بحر فسطاط کا شہر آباد کیا۔

بوڑھے مصری راہبر نے جس کے حافظے کی لوح پر مصری پوری تاریخ گویا رقم تھی، تاریخی واقعات اس طرح بیان کیے، جیسے کوئی داستان بیان کی جاتی ہے۔ ابن عرب ان کی دل چسپی میں گویا رہا اور ابوالہول سے حیرہ کی طرف سفر کا پتہ ہی نہ چلا سکتی کہ ان کا مختصر سا قافلہ اس مقام سے جہاں طویل پہاڑی پشتہ ختم ہوتا تھا جنوب سے شمال مشرق کو مڑا گیا اور نیل کی زری پٹی پر کھیتوں کے درمیان گزرنا اور فلاحین کی چھوٹی سی بستی کو ایک جانب چھوڑنا ہوا دریا کے ساحل پر آگیا جہاں سیفینے کے دونوں طاق ”مصری خاتون“ کے منتظر تھے۔

طوئی شہزادی نے بوڑھے راہبر کے تعاون کا شکریہ ادا کیا جسے اس خدمت کا سہارا پہلے ہی ادا کر دیا گیا تھا مگر اسے مزید انعام دیا۔ اس کے علاوہ فلاحین کو بھی انعام دے کر رخصت کیا اب ابن عرب کو شہزادی کے ساتھ سیفینے ہی میں سفر کرنا اور مشرقی گھاٹ پر اترنا تھا مغربی

www.urdukorner.com

۱۔ منافح کی لاش بحیرہ اجمر کی کھاڑی سے مل گئی اور برٹش میوزیم لندن میں موجود ہے۔ (قرآن جلد ۱)

ساحل پر صرف جہزہ کے گھاٹ سے کشتی مل سکتی تھی، جو بہت دور تھا۔ پھر کا دقت ہو چکا تھا اور اس وقت مشرقی گھاٹ پر سیر کی خاطر آنے والوں کی آمد شروع ہو جاتی تھی مگر انہیں ساحل پر اترنے ہی ایک دوسرے سے الگ ہو جانا اور مختلف سمتوں میں چلنا تھا۔ ابن حرب کو سوتلی انیل کی طرف اور شہزادی کو انقطاع کی نئی آبادی کی جانب۔ اس لیے ایک ساتھ دریا پار کرنے میں کوئی اندیشہ نہیں تھا۔

ملاحوں نے سیفینہ کے بادبان کھول دیے اور دریا کا سفر پھر شروع ہو گیا۔ سیفینہ نیل کی سطح پر تیرنے اور بہاؤ کے خلاف ہوئے ہوئے مشرقی گھاٹ کی طرف بڑھنے لگا۔ سورج ڈھلتے ہی نیل کے دونوں ساحلوں کا موسم خوشگوار ہو گیا تھا۔ اُس خوشگوار موسم میں ابن حرب کو کابک ناچوبی حجرے میں طوفانی شہزادی کی تھوڑی سی رفاقت اور میسر آگئی اور اسی رفاقت میں آئندہ ملاقات کے متعلق گفتگو ہوئی جس میں یہ بات طے پاگئی کہ شہزادی بہت جلد سلطان سے ایک ملاقات کرے گی تاکہ اُسے بغداد کے خلاف لشکر کشی پر آمادہ کر سکے اور اسے سوتلی انیل میں غنیمت کے ذریعے ملاقات کے نتیجے سے آگاہ کر دے گی۔

تھوڑی دیر بعد سیفینہ گھاٹ پر آگیا جہاں اُنہیں ایک دوسرے سے جدا ہونا تھا۔ پہلے ابن حرب ساحل پر اُترا اور اُکا دُکا لوگوں کے درمیان چلنا ابھی چند ہی قدم بڑھنا کہ مارے حیرت کے ٹھٹک کر رہ گیا۔ انقطاع کے محافظ دسنے کا سالار اور شہزادہ شیبان کا غلام حارث ابو ظفر نہ جانے کہاں سے نکل کر ناگماں اُس سے آٹھرایا جیسے دیکھنے ہی ابن حرب پر حیرت کا سکتہ سا گزر گیا کیوں کہ طوفانی شہزادی اپنی کنیز کے ہمراہ سیفینہ سے اُتر رہی تھی اور غالباً حارث نے اُسے بھی سیفینہ سے اُترتے دیکھ لیا تھا۔ مشرقی گھاٹ پر اُترتے ہی یہ ایک ایسی خلاف توقع بات طور میں آئی تھی جس نے ابن حرب کو دم بہ خود سا کر دیا تھا اور جواگے چل کر ایک ایک نظر کا بوجھ بن گیا تھا۔

بھی شرمندہ کر دیا۔

ابن حرب کا دل دھک سے رہ گیا۔ "عاشقانہ میل جول ہے
"لقد اذک طرح فسطاط میں بھی خوب صورت عورتوں کی کمی نہیں ابن حرب، میں نے تمہیں
ای سیٹنے سے اترنے دیکھا تھا جس سے ابھی ابھی ایک مصری خاتون اتری ہے۔"
"مگر مجھ جیسے مصیبت زدہ جنگی مرد کا کسی مصری خاتون سے کیا واسطہ؟"

وہ اس بات پر دل ہی دل میں خوش تھا کہ حارث شہزادی کو کوئی مصری خاتون ہی سمجھ رہا
ہے پھر اُسے بتانے لگا۔ "آج میں نیل کے ساحل پر اسہام کی دادی دیکھنے گیا مگر واپسی پر کوئی
کشتی نہ مل سکی کیوں کہ چیز کے گھاٹ سے دور چلا گیا تھا۔ اتفاق سے ایک سفینہ اُدھر آگیا۔
میں نے عاتقوں سے درخواست کی کہ مجھے دوسرے ساحل پر پہنچا دیں۔ پتہ تو انھوں نے انکار
کر دیا اور بتایا کہ سفینہ ایک خاتون نے کرائے پر لیا ہے۔ پھر میری پریٹانی دیکھ کر اُدھر عسکر
ملاح نے سفینہ کما سے لگا کر مجھے سوار کرایا اور اپنے پاس ہی بیٹھنے کو کہا۔ خاتون اور
اس کی کنیز نے مجھے سوار ہوتے دیکھا یا نہیں مگر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اس طرح میں مشرقی گھاٹ پر
آگیا اور تم اُسے "عاشقانہ میل جول" کہتے ہو۔ بندہ خدا! کیا خوف خدا برزق کی سرحد پر چھوڑ
آئے ہو؟"

اُس نے خاتون سفینہ سے اپنی ناکشانی اور بے تعلقی کا اظہار اس اعتماد سے کیا کہ
حارث کے ذہن میں اس کی "زنگین مزاجی" کا جو خیال پیدا ہوا تھا، وہ جاتا رہا اور اس کے
کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "ابن حرب! جنگی مرد کے لیے عورت کوئی بچہ منحوسہ تو نہیں مگر یہ مصری
اور مصری عورت دل کے ساتھ دماغ کو بھی اپنی زلفوں میں اسیر کر لیتی ہے اس لیے....."
نہ جلنے آگے کیا کہنے والا تھا کہ ابن حرب کے عقب میں اس کی نظریں ایک بار پھر مصری
خاتون اور اُس کی کنیز کے تعاقب میں دوڑیں اور کنیز کی رنگ دار جوتیوں پر رنگ گئیں جنھیں دیکھ
کر وہ بُری طرح چونک اٹھا۔ ابن حرب اُسے چوکتے دیکھ کر سمجھ گیا کہ کوئی غیر معمولی بات پیش آگئی
ہے مگر اپنی لاعلمی قائم رکھی۔ معلوم نہیں حارث نے کنیز کی چال و چال یا اُس کی رنگ دار جوتیوں
سے کوئی شہساز پالیا تھا یا نہیں مگر اب وہ ابن حرب سے دامن چھڑا رہا اور غالباً خاتون اور کنیز
کے پیچھے جانا چاہتا تھا تاکہ جو شبہ گندہ اسے، اس کی تصدیق کر سکے۔ ابن حرب نے اس کا ارادہ
مخفی کیا اور اُسے اُس کے اپنے گشت و گشت سے گھبرا کر شہزادی اپنی کنیز کے ساتھ دُور نکل جانے

۱۸

رقیب

فسطاط کی دریائی بندرگاہ پر حارث، ابن حرب سے ناگہاں اس طرح آگے بڑھا جیسے
سمندر کے مٹکی بھری ہوئی کمرکش موجوں کا ریلا ساحل کی چٹان سے ٹکسنا اور اسے شہر اور کر
کے ٹوٹ جانا ہے مگر حارث ٹوٹنے والا ریلا نہیں بلکہ اپنے زور سے چٹان کو ہلا دینے والا
طوفان بن کر نمودار ہوا تھا۔ اگر ابن حرب اُسے دیکھتے ہی لہجہ کی سارہ گیا تو خود حارث بھی
اُسے فسطاط میں دیکھ کر حیران ہوا اور اسی حیرانی کی حالت میں چوہنی موج کی طرح آگے بڑھا
لیکن اس سے کہیں بڑھ کر استعجاب اور حیرت کا وہ طعنے تھا جب اُس نے ایک مصری خاتون
کو اپنی کنیز کے ہمراہ ای سیٹنے سے اترنے دیکھا جس سے چند لمحوں پہلے ابن حرب اُتر اٹھا۔
انھیں پہچان تو نہ سکا کیوں کہ دونوں برقعے میں بھیس لیکن ابن حرب کے مزاج کی رنگینی دیکھی چلی
نہ رہ سکی۔ نیل کا مغربی ساحل "زنگین تفریح" کے لیے بڑا موزوں تھا جہاں سیر کرنے والے
جوڑوں کو تنہائی میسر آجاتی تھی۔

ابن حرب اُس کے پیچھے پر گزرنے والی حیرت کا جائزہ لے رہا اور بار بار سوچتا
تھا کہ طوئی شہزادی اور حیرت دونوں غائب اس کے علاوہ پردے میں ہیں، حارث انھیں پہچان
نہ سکے گا۔ پھر اُس کی توجہ ہٹانے کے لیے گرم جوشی سے بولا۔ "حارث! برزق کی سرحد سے
کب ٹوٹے؟"

"آج ہی؟ وہ اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔" گاتے نے ابن حرب سے اپنی خاتون کی طرف اشارہ کیا۔

ہے کسی دوسرے معاملے سے کوئی مطلب نہیں۔

”پھر یہ چار دنیا اس خدمت کی معقول اجرت ہے جو تم ادا کرو گے۔ میرا خیال ہے تم دونوں کو میرا قصہ اچھی طرح یاد رہے گا۔“

دوسرا ملاج بولا۔ ”آپ ٹیکر ذکر کریں، یہاں اس قسم کے قصے پیش آنے ہی رہتے ہیں ہم ایسے جھگڑوں میں نہیں الجھتے مگر اپنے مسافروں کی حفاظت کو نہایت محتاج کا فرض ہے اور ہم جتنے نیل کے ملاج ہیں جو ہمارا روزی رسا ہے۔“

مسافروں کی حفاظت کا ملاجی کے پیشے سے گہرا تعلق ہے مگر یہاں ”حفاظت“ کا ایک اور نقشہ تھا اور ملاجوں کو چار طلائی دنیاؤں کے عوض اس نقشے میں رنگ بھرناتھا انہوں نے اطمینان بخش جواب دیا تو ابن حرب کچھ گپ کر وہ اس کے بیان کردہ قصے کو یاد رکھیں گے پھر ان پر بھروسے کی نظر ڈالتے ہوئے اور قلعے کی پرانی آبادی، شوق انیل کی طرف چل دیا۔



نیل دنیا کے بڑے دریاؤں میں شمار ہوتا اور مصر کی شہر لگ بھگ جاتا ہے جس کے دریا ”زندگہ کانوں“ مصر کی شریانوں میں دوڑتا ہے۔ بڑا چوڑا اور گہرا دریا ہے جس میں شروع سے جہاز رانی ہوتی رہی ہے۔ سامان تجارت یا جناس سے لے کر نئے جہاز اور بڑے بڑے سیٹے، ٹکڑے اور فسطاط اسے سکندریہ کے دریاں رواں دواں بہتے تھے۔ نئے دارالحکومت القطائع سے ملتی ہونے کے باعث فسطاط کی دریا کی بندرگاہ پر خاصی جہل پھیلی ہوئی تھی اور اس جہل پھل کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ اسی مقام پر کسی زمانے میں مصر کا قدیم دیوانی شہر محض آباد تھا جو فرعون کا دارالحکومت رہا۔ اسی شہر کے بازار میں حضرت یوسفؑ غلام کی حیثیت میں بچے اور عزیز مصر کے خد سے بچے محض کو بی بی بیلا سے ایک خاص نسبت رہی ہے۔ علاوہ ازیں اسی مقام پر نیل کے مغربی ساحل پر اہرام کی وہ تاریخی وادی ہے جہاں فرعونوں کے بزرگ زمانہ متبرے اپنے محافظ دیوتا ابوالہول کی نگہانی میں صدیوں سے زمین کی چھاتی پر کھڑے اور ہر دور میں غیر ملکی مسافروں، بستیاؤں اور مقامی لوگوں کی دلچسپی کا مرکز بنے رہے ہیں۔

انہی خصوصیات کے باعث طوونی دور میں بھی نیل کے ساحل پر خاصی رونق رہتی تھی۔

مردوں کے علاوہ خواتین بھی اپنے ستروں، عاشقوں یا کینیزوں کے ہمراہ سیر دریا کے لیے آتی اور ٹھوڑی سی تفریح کے بعد لوٹ جاتی تھیں کسی نے ان پر کبھی توجہ نہیں دی تھی پھر انقطاع کے محافظ دہنے کے سالار حارث کی نظروں میں وہ خاتون کیوں کھٹکی جو کینیز کے ساتھ سیٹنے سے اُٹری اور اپنی راہ مولی تھی؟

اس کا سبب دراصل ابن حرب تھا جسے اس نے ناگہان گھاس پر سیٹنے سے اُترتے دیکھا اور جب اسی سیٹنے کے چوٹی چڑھے سے ایک برقع پوش خاتون اپنی کینیز کے ہمراہ ٹھوڑا ہوئی تو ذہن میں ابن حرب کی نگین مزاجی کا خیال گزرا اس طرح وہ خاتون اس کی پہلی توجہ کا مرکز بنی۔ ابن حرب نے اگرچہ ایک من گھڑت قصہ ”سنا کر“ ”رنگین غلط فہمی“ ”دور کرنے کی گمشدگی“ لیکن وہ جوان کینیز کی چال ڈھال اور رنگ دار جوتیاں دیکھ کر ہلکا سا ساہہ گیا۔ پھر یہ سوچ کر کہ اس کینیز کے ساتھ خاتون کون ہو سکتی ہے؟ فیصلے کی طرح مننے سگنے لگا عراقی لہان ایک رقیب بن کر سامنے آیا اور اُسے معنی خیز دھکی دے کر خاتون کے نقاب میں بھاگ کر گھٹاٹ پر ابن حرب نے اس کا جوتھوڑا سادقت مناع کر دیا تھا وہ بہت مہنگا پیرا اسی اثنا میں برقع پوش خاتون اپنی کینیز سمیت کسی طرف بھاگ گئی یا کہیں غائب ہو گئی تھی۔ اس کی یہ ”گمشدگی“ حارث کے لیے بڑی پریشانی کا ثابت ہوئی۔ ساحل سے پھر لے کر کینیزوں کا سلسلہ شمالاً جنوباً پھیلا ہوا تھا اور ان کینیزوں سے پرے فلاحین کے فاکٹری مکانات نظر آ رہے تھے۔ وہ تیز قدموں سے ایک بگ ڈنڈی پر اٹھی مکانات کی طرف ہویا۔ چلتے چلتے ایک کسان نظر آیا جو کھیت سے چاراکاٹ رہا تھا۔ بگ ڈنڈی چھوڑ کر اس کے سر پر جا پہنچا اور پوچھنے لگا، آیا اس نے ایک برقع پوش خاتون کو ادھر سے گزرتے دیکھا ہے جس کے ہمراہ ایک کینیز تھی؟

مصری کسان نے اُسے غور سے دیکھا پھر زبان ہلانے کی بجائے لٹی میں سر ہلا دیا کسان نے کسی خاتون کو دیکھا تھا یا نہیں لیکن یہ سوچ کر کہ معاملہ سنگین معلوم ہوتا اور سوال کرنے والا لباس اور اپنے بچے سے کوئی افسر لگتا ہے، انکا ہی مناسب سمجھا۔ اس نے سب سے بھی سوچا، ممکن ہے وہ خاتون اس خسر کی زوجہ ہو جو کینیز کے ہمراہ اپنے کسی چاہنے والے کو ساحل پر ملے آئی اور خاوند کے بھانے پر اسے غٹا دے کر نکل گئی ہو، لہذا وہ اس فیصلے میں کیوں پڑے؟ حارث کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ پوچھنے لگا۔ ”کیا بستی میں کوئی ایسا گھر بھی

ہے جہاں کوئی معزز خانہ ٹھوڑی دیر قیام کرے؟

کسان نے دوسری بار مصر ملایا تو حارث جھنجھلا گیا۔ "بوستے کیوں نہیں، کیا گونگے ہو؟"
مصری کسان نے تیسری مرتبہ سر کوئی میں حرکت دی تو حارث خفے میں بڑبڑاتا رہا لیکن
اس پر بھی کچھ میں کچھ اور وقت ضائع ہو گیا خاتون اپنی کمیز سمیت اٹاٹا غائب ہو گئی تھی اب
اسے کہاں تلاش کرے، کدھر جائے؟ ذہن میں بے کی جو چنگاری ٹسکی تھی، وہ تازہ کھا کر کچھ اور
چھڑکی اور دگ دریشے میں دوڑنے لگی۔ وقت کی وہی چند گھڑیاں جن میں ابن حرب نے اسے
باتوں میں لگا لیا تھا، فریب دے کر نیکل گئی تھیں۔ اب یوں چل رہا تھا جیسے قدم من من بھیں
ہو گئے ہوں۔ گھاٹ پر جس کام کے لیے آیا تھا، اس کا بھی دھیان نہ رہا یاد کام اس بے چینی
کے مقابلے میں پیچ معلوم ہوا جس نے دل کو گھیر لیا تھا۔ سب کچھ پیچھے چھوڑ کر مادر دل میں ایک نئی
بے چینی لیے پورجمل قدموں کے ساتھ القطائع کی جانب ہو گیا۔

چلتے چلتے سوچنے لگا، اگر اس کا مشہد درست ہے تو معاملے کی صورت بالکل تبدیل ہو گئی اور اس کی آرزوؤں کا نتیجہ ناکامی کی صورت میں نکلنے والا ہے لیکن اپنی پریشانی اور بے چینی کا کسی سے اظہار بھی نہیں کر سکتا تھا۔ دل ہی دل میں تڑپتا اور بیچ و تاب کھاتا چلتا رہا۔ پاؤں رکے تو اپنی جیب کی بکاسٹے شہزادی بنجم الیل کے قصہ کے پھاٹک پر کھڑا تھا، حیرت ہوا کہ یہاں کیوں آ گیا ہے؟ یہاں آنے میں کسی ارادے کا دخل نہیں تھا لیکن ذہن کے گوشوں میں سانپ بن کر رینگتا تھا، مشہد آپ سے آپ اُسے ایک ایسے قہر تک لے آیا تھا جس کا دروازہ شاید قدرت اس کے لیے بند کر دی تھی مگر آتھ خود بخود دروازے تک چلا گیا۔

سالار کو دیکھ کر حیران رہ گیا اور بولا: "کیا شہزادی صاحبہ نے آپ کو طلب کیا ہے؟"

غیر متوقع سوال نے کچھ اور پریشان کر دیا کیوں کہ طلب نہیں کیا گیا تھا پھر جواب کیا دینا سوچا لوٹ جائے مگر کچھ کہے لئے بغیر لوٹ جانا مشکوک اور خطرناک ثابت ہو سکتا تھا اس نے اپنی پریشانی پر غور کیا پروردگار نے ڈال لیا اور کہا: ”تمہاری صاحبہ نے تو طلب نہیں کیا مگر ان کی خیریت معلوم کرنے آیا ہوں۔ انھیں میرے آنے کی اطلاع دے دو ڈنگ!“

بہی علم اس کا نام دیکھا تھا شہزادی کو اطلاع دینے چلا گیا اور مختصری درپے کے بعد۔
 لڑنا تو اس کینینہ خبر اس کے پیچھے پیچھے آتی دکھائی دی۔ عارٹ نے اس کی چال دیکھا اور

جائزہ لیا اور پاؤں پر نظر پڑی تو وہی رنگ دار جوتیاں ہیں کبھی تجیس تجیس دیکھ کر گھاٹ پر چونکا تھا۔ اب یہاں بھی حیرت کے ایک نئے سکنے سے دوچار ہوا۔ اُس نے غنبر کی جوتیوں کو پہچان لیا اور یہ شہر یقین میں بدل گیا کہ گھاٹ پر ابنِ حرب کے پیچھے پیچھے سیٹھنے سے اترنے والی طو لونی شہزادی نجم الیل اور اس کی کنیز خاص غنبر ہی تھی۔ فوراً ابنِ حرب کا خیال ذہن میں سانپ کی طرح پھن پھیلا کہ کھڑا ہو گیا جس نے سیٹھنے پر سوار ہونے کا کوئی اور ہی قصہ سنایا تھا۔ اب وہ قصہ اسے معافی سے خالی اور دروغ پر مبنی معلوم ہوا۔ دل میں اپنے عاقی رقیب کے خلاف نفرت کی لہر تیزی سے حرکت کرنے اور اندر کی اندر بس گھولنے لگی۔ غنبر قریب آئی تو بھی اُس کی نظریں اُس کی جوتیوں سے نہیں اٹھیں جو طو لونی شہزادی سے عراقی رقیب کی ملاقات کا راز فاش کر رہی تھیں۔ غنبر حیران ہوئی کہ کچھ کہنے کی بجائے اُس کی جوتیوں کی طرف کیا دیکھے جا رہا ہے۔ ”میرے پاؤں میں کیا دیکھ رہے ہو؟“

وہ چونکا۔ "یہ رنگ دار جوتیاں تمہارے پاؤں میں بہت اچھی لگتی ہیں پہلے بھی ایک دو بار رکھ چکا ہوں۔"

ہوشیار کنیز کو یہ بات بُری طرح کھٹک گئی کہ شاید اُس نے گھاٹ پر یہ جوتیاں دیکھ لی تھیں اسی لیے سیدہا یہاں پہنچا ہے۔ اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ اُسے یہ رنگ دار جوتیاں پہن کر حارث کے سامنے نہیں آنا چاہیے تھا مگر بڑی ہوشیاری سے بنائے گئے "رنگ دار جوتیوں" کا یہ نمونہ اسکندر یہ کہ چرم دونوں نے نکالا اور بڑا مقبول ہوا ہے۔ آج کل فسطاط میں انقطاع میں غنی کا رواج ہے۔ سیکڑوں عورتیں پہنے پھرتی ہیں، غم یہاں ہر چہرقی یا نجری عورت کے پاؤں میں ہی جوتیاں دیکھو گئے۔"

عین نے اس کے ذہن کو الجھا دیا۔ کچھ پریشان اور متذبذب سا نظر آنے لگا کہ تو کون سا ساحل پر اس نے جس کینیز کے پاؤں میں رنگت دار جوئیاں دیکھیں، وہ کوئی دوسری عورت ہو، پھر فوراً سمجھا کہ جوئیاں کسی اور کی ہو سکتی ہیں مگر وہ چال ڈھال تو کسی دوسری عورت کی نہیں ہو سکتی جو عین کی ہے۔ نیل کے ساحل پر اس نے جس کینیز کو دیکھا، وہ صدیقی صد عین کی تھی۔ نظریں ایک بار پھر جوئوں پر جا گئیں۔ چالاک کینیز سمجھ گئی کہ کیا سوچ رہا ہے اُسے جوئوں میں ڈال دینے پر اتنی اور چمک کر بولی، ”اگر میری جوئیاں تمہیں پسند آئیں گی ہیں تو پاؤں سے آ کر ہاتھوں میں پکڑا دوں؟“

کہ ہاتھوں میں کیڑا دروں؟

حادثہ کچھ کھسیا نا سا ہو گیا۔ پوچھنا چاہتا تھا، آج وہ نیل پر کیا لینے گئی تھی، اس کے ساتھ کون تھا اور ابن حرب سے خفیہ ملاقات کہاں ہوئی تھی؟ ذہن میں اس قسم کے کتنے ہی سوال گھومنے کی طرح جھک کاٹ رہے تھے مگر کچھ پوچھ نہ سکا۔ جانتا تھا مگر کچھ نہیں بتائے گی بلکہ طوئی شہزادی کے بارے میں جس کے خاندان کا وفادار تھا، کوئی سوال یا کسی بُنے سہا اظہار کرتے وقت احتیاط لازم تھی اور جو ملازم اس قسم کی احتیاط نہیں کرتے، اُن کا مستقبل تاریک ہو جاتا ہے۔ اسی اندیشے نے زبانِ تنہا کی لیکن دل میں آگ بھڑک رہی تھی۔ اسے یقین ہو چکا تھا کہ طوئی شہزادی اپنی کنیز کے ساتھ نیل کے مغربی ساحل پر گئی اور ابن حرب سے ملی ہے البتہ ملاقات کا کوئی ثبوت ہاتھ نہ آسکا تھا۔ دسے سے کنیز کی رنگ دار جو نیاں بھین جن کے بارے میں اس نے کبہ دریافت کر ان دنوں یہاں ہر چوتھی پانچویں عورت ایسی جو نیاں پسینے پھرتی ہے۔ بس دل میں جھڑکنے والی آتشِ رقابت اندر ہی اندر جلانے جا رہی تھی۔ اچانک کنیز نے اس بھڑکتی آگ پر تیل ڈال دیا۔ "لینے کیا آئے ہو؟"

بتانا کیا کہ کیوں آیا ہوں؟ فوراً بات بنائی۔ "شہزادی صاحبہ سے ایک خاص معاملے میں مشورہ چاہتا ہوں۔"

"اس مقصد کے لیے تمہیں پہلے شہزادہ شیبیان سے پوچھنا چاہیے۔"

"تم شہزادی صاحبہ کو میرے آنے کی اطلاع تو دو۔ ممکن ہے وہ مجھے طلب کر لیں۔"

دیکھنا چاہتا تھا کہ اب ملاقات کی اجازت بھی مل سکتی ہے یا نہیں ہنگامی جواب مایوس گن تھا۔ "وہ کسی کو طلب نہیں کریں گی۔ آج اُن کی طبیعت نا سنا ہے اور وہ آرام کر رہی ہیں۔"

حادثہ اسے بہانہ سازی سمجھا۔ ملاقات سے انکار کر دیا گیا تھا جو آگ بن کر نس میں دوڑ گیا۔ اب ناکام واپسی کے سو کوئی چارہ نہ تھا مگر واپس جانے سے پہلے اُس نے بھی ایک انگارہ پھینکنا ضروری سمجھا۔ "میں جا رہا ہوں کنیز! لیکن میرا ایک پیغام شہزادی صاحبہ تک پہنچا دینا کہ نیل کے مغربی ساحل کی سیر کے بعد طبیعت ٹھوٹا سا سزا ہو جاتی ہے۔ میں نہیں ایسی سیر سے اجتناب کرنا چاہتا ہوں۔"

یہ انگارہ اس بُنے کی آگ کا تھا جس میں خود جل رہا تھا۔ کنیز بھی اس کی حرارت پر تڑپ گئی اور جل کر لوٹی۔ "تم سے اس گستاخی کا جواب طلب کیا جائے گا حادثہ!"

اگر وہ شہزادہ شیبیان کا خاص اور معتبر غلام تھا تو خبر بھی طوئی شہزادی کی راز دار کنیز اور جاتی تھی کہ بنی طورون کی حفاظت کا فرض ادا کرنے کی وجہ سے اپنے آپ کو ایک اہم آدمی سمجھنے لگا ہے، شہزادی کا طلب گار بھی ہے لیکن ابھی آجی آرزو کو الفاظ کا جابر نہیں پتا سکا جب کہ شہزادی اُسے ایک اچھے محافظ اور ایک ہوشیار نگبان کی حیثیت سے ضرور پسند کرتی تھی لیکن اس کے ذہن میں اپنے دوسرے خاوند کا نقشہ کچھ اور ہی تھا۔

وہ ابھی پلہ ہی تھا کہ خبر کی بات سن کر اُنکی قدموں ڈگ گیا۔ دل میں خطرے کی آہٹ ہوئی۔ اپنی بے وقوفی یا رقابت کے جوش میں شہزادی پر شے کا اظہار کر بیٹھا اور مغربی ساحل کی سیر سے اجتناب کا مشورہ بھی دے چکا تھا جس کا اس کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا، جب کہ شہزادی عباسیہ کے بعد حکم ایمل سلطان کے مزاج میں سب سے زیادہ دخل رکھتی تھی اگر وہ بھائی سے شکایت کر دے تو یقیناً اپنے عہدے سے معزول اور طوئی اعتماد سے محروم ہو سکتا تھا۔ یہی سوچ کر دروازے کی طرف گھڑا اور کنیز کے پاس آکر سرگوشی میں کہنے لگا: "نا راض کیوں ہوئی ہو کنیز! میں نے شہزادی صاحبہ کی شان میں کوئی گستاخی نہیں کی۔ صرف نیل کے مغربی ساحل کی سیر سے اجتناب کا مشورہ دیا ہے۔"

کنیز نے محسوس کیا کہ دھمکی کا رنگ ثابت ہوئی ہے تب بھی کچھ اور سختی پیدا کر لی۔ "شہزادی صاحبہ جب سے شام و فلسطین کے سفر سے لوٹی ہیں، نیل کی طرف نہیں گئیں اور تم مغربی ساحل کی سیر کا الزام دیتے ہو۔"

حادثہ کی نگاہیں ایک بار پھر اس کی جوتیوں پر جم گئیں۔ "مگر تمہاری جوتیوں پر مغربی ساحل کی گرد ہے۔"

وہ پٹاخ سے بولی۔ "میری جوتیوں پر مغربی ساحل کی نہیں اتھا ہے مقبرے کی گرد جم گئی ہے۔ اپنا ذہن صاف کرو حادثہ! بدردہ شہزادی پر ہے جو بد الزام کی یاد آتش میں تمہارا سر فسطاط کی کسی دیوار پر لٹکا نظر آئے گا۔"

کنیز کے پُرتشیں بچے نے حادثہ کو بدحواس کر دیا ابھر کر بولا۔ "کنیز! مجھے تمہارا مشورہ پسند اور تمہاری خوشنودی عزیز ہے۔ اب شہزادی صاحبہ تک میرا پیغام پہنچانے کی ضرورت نہیں۔ میں کل ہی تمہارے لیے ایک قیمتی تحفہ بھیجوں گا۔"

کنیز فتنہ میز میں بڑبڑائی۔ "میری جوتی سے" اور قصر میں لوٹ گئی۔ حادثہ نے اس

اور سیفینہ پر سوار ہونے والی کسی خاتون کے متعلق یہ معلوم کرنا ضروری نہیں سمجھتے کہ وہ کون ہے
مگر ایک خاتون نے اپنی کنیز کے ساتھ ہمارے سیفینہ میں کچھ دیر دیر یا کسی سیر کی تھی، اس کے علاوہ
ہم اور کچھ نہیں جانتے۔

حادثہ کو پہلی بار ہی ہوئی، مگر ملاج کو تیز زنگا ہوں سے گھورتے ہوئے بولا، "تم کہتے
ہو خاتون کے ساتھ صرف اس کی کنیز تھی مگر سیفینہ سے ایک مرد بھی اُتر اُٹھا۔ اس مرد کا خاتون
سے کیا تعلق تھا؟"

"جواب اور مرد بے چارہ تو کوئی اجنبی اور شاید فسطاط میں پہلی بار آیا ہے۔" پھر ملاج
وہی قصہ دہرانے لگا جو ابن حرب نے چار طلائی درباروں کے عوض ذہن نشین کر لیا تھا۔ جب
ہمارا سیفینہ مغربی ساحل کے قریب پہنچا وہ اجنبی کسی کشتی کے انتظار میں وہاں کھڑا تھا اس نے
فرمائش کی کہ ہم اُسے مشرقی گھاٹ پر لے چلیں۔ پہلے ہم نے انکار کر دیا کیوں کہ سیفینہ ایک معزز
خاتون نے کرائے پر لے رکھا تھا، پھر یہ دیکھ کر کہ وہ چیزہ کے گھاٹ سے بہت دور ہے،
جہاں اسے کوئی کشتی نہیں مل سکتی، ہم نے اُسے پریشانی سے بچانے کے لیے سیفینہ پر آنے
دیا اور اپنے پاس بٹھایا۔ اس خدمت کے عوض اس نے ہمیں دو درم دینا چاہے مگر ہم
نے اس سے کرایہ لینا مناسب نہیں سمجھا کہ فسطاط میں نو وارد اور اجنبی ہے اس طرح اُسے
مشرقی گھاٹ پر اُتار دیا اور وہ ہمارا شکر یہ ادا کر کے چلا گیا۔

ملاج نے حادثہ کے پاؤں تلے سے وہ زمین کی پچھلی جس پر چلتا ہوا انقطاع سے
بچ کر گھاٹ پر لوٹ آیا تھا۔ یہاں بھی وہی قصہ سننا پڑا جو ابن حرب سے ملنے ہی میں چکا تھا ملاج
نے اس قصہ کی حرف بہ حرف تصدیق کر دی تھی۔ اب فضا میں مطلق سوچ رہا تھا کہ اس کا شہر
یہ بنیاد ثابت ہو جائے مگر نہیں جانتا تھا کہ سونے کے چادر دینا اس کے چند درموں کو مل گئے
ہیں۔ بڑی پھٹی چھوٹی بھلی کو کھائی ہے۔

اب گھاٹ سے لوٹا تو خیال آیا جیسے خبر نے کہا تھا کہ ایسی رنگ دار جو نیند بیسیوں غویں
پینے پھرتی ہیں، تو وہ جو تیاں خبر کی بجائے کسی دوسری گورت کی تھیں۔ پھر جوان غورتوں کی چال
و حال بھی ایک جیسی ہوتی ہے اور فسطاط میں جوان سالوں کی کنیزوں کی کیسی تھی۔ شہسب کی لڑ
ڈھسے جانے کے بعد اب اس کے بچے پر چل رہا تھا مگر اس بات کی پریشانی کچھ اور بڑھ گئی کہ
شہزادی کو "نیل کی سیر" کا قطعہ دے کر غلطی کا ارتکاب کر بیٹھا ہے۔

کے ہونٹ ہلنے دیکھے مگر اواز نہ سُن سکا۔ ہم اتنا ضرور سمجھ گیا کہ شہزادی تکس پرغا آنے پہنچانے
کی خواہش بے کار ہی ثابت ہوگی۔ مگر اس کی ایک ایک بات مانگنے کے سامنے دہرائے
گی اور اپنی حماقت سے شہزادی پر جس شے کا اظہار کر چکا ہے، وہ اس کے لیے کسی مصیبت
کا دروازہ کھول سکتا ہے۔ اگر غلطہ درست ہے تو بھی اسے خاموش رہنا چاہیے تھا۔ اب
اس اندیشے سے قدم اٹھانا دشوار ہو رہا تھا کہ بات سلطان معظم یا شہزادہ شہسب تک پہنچ
گئی تو شاید شاہی غائب کا شکار ہو جائے۔ خیال آیا اسے اپنی حفاظت کا انتظام یا پھر شہسب
کا کوئی ثبوت فراہم کر لینا چاہیے جس کے طفیل نہ صرف خود بچ سکتا بلکہ اپنے رقیب کا سر
بھی قلم کر سکتا ہے۔ چلتے چلتے اچانک ایک سانپ ذہن میں کبیر کھینچا گزرا کہ وہ سب سے
بڑا ثبوت تو نیل کے گھاٹ پر چھوڑ آیا ہے۔ اسے سیفینہ کے ملاحوں سے پوچھ گچھ کرنا چاہیے تھی
جو قلعہ سے انعام کے لالچ میں سب کچھ اگل دیں گے۔

اس نادری خیالی کے آتے ہی وہیں سے مڑا اور تیز قدموں سے نیل کی جانب ہولیا جو بڑی
جو تیروں نے اگرچہ اس کے شے کی تصدیق کر دی تھی مگر ہوشیار کنیز نے اسے باتوں میں ملانے
کی کوشش کی اور باز پرس کی دھمکی دی تھی جس پر اپنی اوقع خوف محسوس کرنے لگا تھا لیکن
ملاحوں کے خیال نے کچھ حوصلہ دیا۔ اسے یقین تھا، ابن حرب نیل پر بے رحم نہیں گیا۔ مگر اپنی ماں
کے ہمراہ بے سبب سیفینہ پر سوار نہیں ہوئی۔ اس پر وہ اسرار میں ایک اہم بات، ایک ملافت
چھپی ہوئی تھی اور وہ اسرار کا پردہ اٹھا دے گا۔

ساحل پر پہنچا تو اتفاق سے دونوں ملاج مل گئے۔ نیل کے گھاٹ پر تماشائیوں کا ہجوم
بڑھ گیا تھا جس میں مرد بھی تھے، عورتیں بھی تھیں۔ سیفینہ کے ملاج اُسے اپنی طرف اُتار دیکھ کر کچھ
کہہ دیا سیر دریا کا شوق رکھتا ہے۔ حادثہ نے جب سے چند درم نکال کر ملاحوں میں برابر
برابر تقسیم کر دیے۔ اس کی حیثیت اور شخصیت کسی سے ڈھکی چھپی نہ تھی۔ "اب مجھے یہ بتاؤ
وہ برقع پوش خاتون کون تھی جو آج تیسرے پہر اپنی کنیز کے ہمراہ تھا اسے سیفینہ سے گھاٹ
پر اُتری اور مغربی ساحل پر کی لینے گئی تھی؟"

"برقع پوش خاتون" کے ذکر سے دونوں چونکے اور کچھ گئے کہ کوئی اہم اور خطرناک
معاملہ ہے جو مردار حادثہ پوچھ گچھ کرنے آیا ہے۔ ادھر ملاج نے صورت حال کی نزاکت کو
بجانتے ہوئے جواب دیا۔ "مردار حادثہ اہم غریب ملاج صرف اپنی روزی سے غرض رکھتے ہیں

کی حفاظتی دیوار بھی ان کی راہ میں حائل ہے۔ شیبیان نے بتایا یہ معاملہ کوئی ایک دو سال کا نہیں۔ اس کے لیے کئی سال درکار ہیں۔ اس طرح میں مصر کی عسکری طاقت کو مضبوط کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اگر قیروان میں مددی تحریک کامیاب ہو جائے تو اس کا دار ہمارا مصر کا رخ نہ کر سکے۔

خامروہ ابوجیش نے بھائی کی باتیں بڑی توجہ سے سُنیں، مغرب کی طرف سے کوئی فوری خطرہ مدیش نہ سہی مگر مشرق میں ایک نہایت اہم تبدیلی نظر آنے لگی تھی۔ عباسی مملکت کا نقشہ بدل رہا تھا۔ معتضد ابوعباس کی بیعت، امیر کُش امیروں کو خوف زدہ کر رہی تھی۔ ان حالات میں طونوی مملکت کو قانونی اور موروثی شکل دینا ضروری تھا۔

کچھ سوچ کر بھائی سے مخاطب ہوا، ”ہم چاہتے ہیں کہ خلیفہ معتضد کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائیں۔ اُس کے ساتھ ایک نہایت قانع کریم کیوں کہ قیروان کے حالات بدل رہے ہیں اور شاید ایک دن بالکل ہی بدل جائیں۔ ان حالات میں مشرق سے ہماری دوستی ضروری ہے۔“

”معتضد ہمارا زخم خود دہ ہے۔ بنی طونوں کی دوستی قبول نہیں کرے گا۔“

”جان برادر! جس طرح ہر شے کی ایک قیمت ہوتی ہے، اسی طرح ہر دوستی کا ایک ہدیہ ہوتا ہے اور ہم وہ ہدیہ پیش کریں گے۔ مصر و شام کی مملکت کو بنی طونوں کی موروثی مملکت بنانے کے لیے ضروری ہے کہ خلافت عباسیہ ہماری حکومت کو تسلیم کرے۔“

اب شہزادہ شیبیان پر بنی عباس سے دوستی اور بغداد سے تعلقی کی اہمیت کھل گئی کہ غیر تسلیم شدہ حکومت کو کوئی بھی حلاۂ اہل مال کر سکتا ہے مگر اس سے بھی اہم معاملہ بنی طونوں کی مملکت کو موروثی اور خاندانی مملکت بنانے کا تھا، پوچھنے لگا، ”کیا وہ ہماری دوستی اور بنی طونوں کی حکومت کو آسانی سے تسلیم کرے گا؟“

”ہو سکتا ہے تسلیم کرے، ہو سکتا ہے تسلیم نہ کرے یا پھر ہم سے اپنی شرائط منوائے۔ اب اُس نے عربیہ کے سرانے دار سلیمان بن عامر اور اس کے دوست ابن حرب کی آمد اور ملاقات کا ذکر بھی ضروری سمجھا۔ معزول خلیفہ، معتضد کے قتل اور قصاص کی بات چیمڑی شہزادی نجم العلیل کی سفارش کا حال بھی بیان کیا اور سب کچھ بتانے کے بعد کہنے لگا، ”نجم نے ایک تجویز پیش کی ہے کہ ہم معتضد کا قصاص طلب کریں اور ابن حرب کی سرکردگی میں ایک لشکر

طونوی بیوہ کا طلب گار تھا۔ اگر سیر دریا کا طعنہ شہزادی کی ناراضی کا باعث بن گیا تو اس کی نظروں سے گر جانے کا اندیشہ تھا اس کے ساتھ شاید شہزادہ شیبیان اور سلطان ابوجیش کی نظروں میں بھی گر جائے دل کو یہی دھڑکا لگ رہا تھا کہ اسے مات ہو گئی ہے لیکن وہیں کے کسی گوشے میں ایک کڑیٹھا اٹھائے کا سانپ ابھی تک اپنی جیب پھیل رہا تھا، جو تصور میں ابن حرب کی صورت اختیار کر لینا اور ایک آواز اندر ہی اندر گونجنے لگتی تھی کہ اُس نے دوسری مات کھائی ہے۔



برقہ (طرابلس الغرب) کی سرحد سے واپسی کے بعد شہزادہ شیبیان نے اپنے بھائی سلطان خامروہ ابوجیش کو قیروان کے بارہنے میں جو معلومات فراہم کیں، وہ ان اطلاعات سے مختلف نہیں تھیں جنہیں خامروہ پہلے بھی کئی ذرائع سے سُن چکا تھا۔ اعلیٰ حکومت کے خلاف شامی افریقہ کے بڑے قبائل بنی فاطمہ کی حمایت میں اُٹھے، مروجہ ہے تھے۔ اس دعوت میں بڑی کشش تھی جو بیک وقت علوی، فاطمی اور حبشی دعوت قرار پائی۔ لوگوں میں مدی کی امامت اور مخالفت کی حمایت کا بڑا جذبہ پایا جاتا تھا۔ وہ بڑے قبائل بھی جو مدوی تحریک میں شامل نہ ہو سکے علوی اور فاطمی داعیوں سے ہمدردی رکھتے تھے۔

شیبیان نے قیروان کے حالات کا جو تجزیہ پیش کیا اُس کے مطابق بڑے بڑے قبائل کے شیوخ کو اعلیٰ حکومت کی طرف سے وظیفے ملتے تھے۔ ایمان سلطنت، امرائے حکومت اور وہ سردار جو سرکاری مراعات کے باعث بنی اغلب سے وابستہ تھے، اس وقت تک حکومت کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتے جب تک اُن کے وظیفے اور مفادات خطرے میں نہیں پڑ جاتے تو اُن وقت مفادات کی یہ دیوار غلی حکومت کی حفاظت کر رہی تھی۔

دوسری جانب وہ قبائل جو خروج کے پرچم اٹھائے حکومت سے لڑ رہے تھے اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک بنی فاطمہ کو ہر سب اقتدار نہ لے آئیں۔ تاہم مفادات

برقہ (طرابلس الغرب) قیروان کا صوبہ تھا جس کی سرحد بصرہ سے ملتی تھی۔

(قرآن مجید)

کرے ہنسی نام ذہن کی لوح پر ابھرے لیکن کوئی نام مطلب نہ کر سکا۔ وہ لوگ نبی جاس کے خلاف جنگوں میں شریک رہے تھے۔ اب اپنا مفاد بھی عزیز تھا اور کسی ایسے آدمی کا نام تجویز کرنا چاہتا تھا جس پر اسے بھر دیا جاتا اور جو عباسی خلیفہ کے ذہن سے اس کی اپنی دشمنی اور کدورت کی گرد جی صاف کر سکا۔

سورج بجار کے بعد فیصلہ کیا کہ شاید اس سلسلے میں حادثہ اُسے کوئی مشورہ دے سکے کبھی کبھی وہ اچھا مشورہ دیتا اور بات بڑے سلیقے سے کرتا تھا۔ ممکن ہے وہی کسی ایسے امیر یا سردار کا نام دے جو سلطان خوارزمیہ اور ایش اور اس کے اپنے لیے عباسی حکمران کی توجہ اور دوستی حاصل کر سکے۔ یہی سوچ کر اپنے ذہنی خلام سے کہا کہ سردار حادثہ کو اسی وقت بھلا لائے۔



وہ شام جب شہزادہ شیبان نے حادثہ کو بھانپ کر طلب کیا، نیل پر پیش آنے والے واقعے کے بعد دوسرے دن کی شام تھی۔ اس کی ایک رات اور ایک دن اسی فکر میں گزرا تھا۔ اگر طوفانی شہزادی نے سلطان یا شیبان سے اس کی شکایت کر دی تو انھیں کیا جواب دے گا؟ ہر حال رات بیت گئی تھی، دن گزر گیا تھا اور ابھی تک کوئی ایسی بات نہیں ہوئی تھی جو پریشانی کا باعث ہوتی۔ سوچنے لگا شاید شہزادی نجم نے مشکلات مناسب میں سمجھی اور ”سیر دریا“ کے طعنے کو نظر انداز کر دیا ہے مگر شام کے اندھیرے میں جب شہزادے کے خادم نے طلبی کا حکم سنایا تو اس خیال سے کانپ گیا کہ بانہ پیرس کے لیے طلب کیا گیا ہے۔

شیبان کا وفادار اور مہتمم چڑھا غلام تھا۔ بہت سی خدمات کے علاوہ القطار میں شہزادی خاندان کی حفاظت کا فرض بھی اسی کے سپرد تھا۔ شام دس بجے اس کے سفر میں طوفانی شہزادیوں کے محافظ دستے کا سالار بن کر ساتھ گیا اور اس سفر میں شہزادی نجم اہل سے تھوڑا سا بے تحلف بھی ہو گیا کیوں کہ یہ وہ اور جوان شہزادی کو دیکھ کر دل کی دھڑکنیں تیز ہو جاتی تھیں۔ دل میں اُسے حاصل کرنے کی طلب تھی مگر اظہار مطلب سے ڈرتا اور کسی موقع کی تلاش میں تھا کہ اگر یہ شہزادی اُس کا حال دل میں کھوڑی سی توجہ دے تو کسی ذریعے اپنے آقا شیبان تک بات پہنچائے اور اپنی وفاداریوں کے صلے میں شہزادی کی آرزو کرے لیکن حالات نے قسمت میں ایک نیا بیج ڈال دیا اور بانہ پیرس، سرزنش یا کسی مزا کا بھی خطرہ محسوس کر رہا تھا۔

عرفان کی جانب روانہ کریں جو اہل بعد ادکی زبان بن کر جائے گا۔ سلسلے معتمد کے قتل میں ابو جاس کی حرم اول بیچک خاتون کا نام لیا جا رہا ہے۔ وہ ہرگز نہ چاہے گا کہ قتل میں اس کی شہرہ کا چرچا ہو، اس لیے معاملے کو ٹالنے کی کوشش کرے گا۔ اس وقت ہم یہ شرط منوا سکتے ہیں کہ وہ ہمیں مصر و شام کا سلطان تسلیم کر لے تو ہم معتمد کے قصاص سے دست بردار ہو جائیں گے۔ ہم نے اس تجویز پر غور کرنے کا وعدہ کیا ہے۔“

شیبان کسی فکر میں کھو گیا پھر بولا۔ ”سلطان معظم! ابن حرب ہاؤشیر ایک بار اور جنگی مرد ہے مگر اسے بغداد کی طرف روانہ کرنا مناسب نہیں ہو گا۔ شاید آپ یہ بات نہیں جانتے کہ معتمد کے قتل میں اس کے والد حرب الکندی کا نام بھی لیا جاتا ہے جو الزعمانہ کا محافظ سردار تھا اور اسی سلسلے میں قتل بھی ہو چکا ہے۔ اگر معتمد کی ہلاکت میں حرب الکندی کا ہاتھ ثابت ہو گا تو قاتل کے بیٹے کو قصاص کا پرچم دے کر بغداد کی طرف روانہ کرنا سیاسی حکمت کے خلاف ہو گا۔“

خوارزمیہ نے بے چلتی سے مسند پر پہلو بدلا۔ ”ہمیں یہ نہیں بنایا گیا کہ معتمد کے قتل میں ابن حرب کا باپ بھی ملوث تھا، اس حالت میں ہم نجم کی تجویز پر عمل نہیں کر سکتے۔ معتمد کے قصاص کا مطالبہ کر کے کوئی فائدہ اٹھا سکتے ہیں اب ایک ہی صورت ہے کہ خلیفہ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائیں۔ سفارت روانہ کریں اور دیکھیں کہ وہ ہماری دوستی کا ہاتھ قبول کرتا ہے یا نہیں اگرچہ سخت مزاح آدمی ہے لیکن ہم اسے آزمائش گئے۔“

”مجھے آپ سے اتفاق ہے۔“

”پھر سفیر کا نام بھی تجویز کرو، جسے دوستی کا پیغام دے کر بغداد بھیجا جائے۔“

”اس مقصد کے لیے ایک دور و زر کی مہلت چاہتا ہوں تاکہ کسی موزوں آدمی کا نام تجویز کر سکوں۔“

بغداد کی طرف توجہ کشتی کی بجائے دوستانہ سفارت روانہ کرنے پر اتفاق رائے کے بعد دونوں بھائیوں کی مشاورت ختم ہو گئی اور شیبان اپنے قصر میں لوٹ آیا۔ قیروان میں بنی نائل کی دعوت و تحریک کے پیش نظر نبی جاس سے دوستی ضروری ہو گئی اور عباسیہ سے تعلقی قائم کر کے نبی جاس کے لیے حکومت کی سند حاصل کی جا سکتی تھی۔ خوارزمیہ کے دونوں بیٹوں حبیش اور ہارون کے بعد شیبان خود ولی عہد حکومت تھا اور عباسیہ سے دوستی نے حالات کا تقاضا بھی تھا۔ نبی جاس کی ضرورت بھی تھی۔ سوچنے لگا کہ سفیر کے لیے کس آدمی کا نام تجویز

جب پہنچا کہ شہزادہ علی قنویری دیر قبل سلطان معظم سے مل کر ٹوٹے تھے اور واپسی پر اسے فوراً طلب کر لیا ہے، تو جسم میں ایک سرد دھند دوڑ گئی کہ اس کی بدبختی کا آغاز ہو چکا ہے مگر دل میں خوف و اندیشہ بلبے اپنے آفتاب کی بارگاہ میں پہنچا تو خلاف معمول پہلے سے کہیں زیادہ پذیرائی دیکھ کر حیران سا رہ گیا۔ شہزادہ شیبان کا رویہ دوستانہ تھا، اُسے دیکھتے ہی غلامِ عادت امیر سے قریب آ جاؤ، غصیل ایک غمزدی مشورے کے لیے غلب کیا ہے اور خیال ہے غم میری مشکل آسان کر سکو گے۔“

یہ الفاظ حوصلہ افزا تھے۔ ملاقات بھی تنہائی کی تھی اور شہزادہ شیبان نے بالکل اپنے
 قریب بٹھایا تھا۔ چہرے پر کسی خشونت یا ناراضی کے آثار بھی نہیں تھے۔ رقت مذہب تھا کہ نہ جانے
 کیا معاملہ ہے؟ آخر شیبان نے مقصد کی گرہ کھولی اور بتائے لگا۔ "حدث اس سلطان معظم
 چاہتے ہیں کہ بنی عباس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا جائے اور دربار خلافت میں ایک سفارت
 بھیجی جائے جو بغداد اور القطار کے درمیان ٹوٹے ہوئے رشتے بحال کر سکے مجھے کسی ایسے
 سفیر کی تلاش ہے جس کے ذریعے نہ صرف یہ رشتے بحال ہوں بلکہ جو خلیفہ معتقد البرعاس
 کے ساتھ میری ذاتی دوستی کا ذریعہ بھی بن سکے۔ یقیناً اس لیے بلایا ہے کہ شاید کسی ایسے آدمی
 کی نشان دہی کر سکوں جو ہماری خواہش ہمیشہ بنی عباس کے خلاف بلند ہوئی ہیں اور
 اس دشمنی کے بعد سلطان اودستہ بھی اس شرط پر چاہتے ہیں کہ دربار بغداد مصر و شام پر ترقی
 کی حکمرانی تسلیم کرے۔ لیکن ہے اس شرط پر معتقد دوستی کا ہاتھ جھٹک دے۔"

عادت نے اہلنہان کا سانس لیا کہ معاملہ اس کے خدشے کے بالکل برعکس سیاسی
مشورہ تھا کہ اس سے اس پر ایک نئے اعتماد کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ بے دھڑک براہِ مشورہ
علی خلیفہ بنی طولون کی دوستی کا ہاتھ نہیں جھٹک سکتا کیوں کہ اسے بھی دوستی کی ضرورت ہے۔
شہزادہ شیبان نے جو کہ اس کی طرف دیکھا اور وہ بتانے لگا۔ "سلطانِ معظم
بنی عباس سے دوستی غالباً اس لیے چاہتے ہیں کہ فیروان میں ہمدردی تحریک جو ان بورامی ہے
اور کسی دن علوی اور فاطمی وہاں اپنی حکومت قائم کر لیں گے لیکن اس حکومت سے بنی طولون
کو کم بنی عباس کو زیادہ خطرہ ہے کیوں کہ علوی اور فاطمی خلافت پر اپنا حق سمجھتے اور حرجی چھین
لینا چاہتے ہیں۔ اس لیے عباسی خلیفہ بنی طولون کی دوستی کو نظر انداز نہیں کر سکتا بلکہ وہ دوستی
کا ہاتھ جو ملے گا۔"

اپنے بہادر دشمن کی دوستی حاصل کر دے گا۔

شہزادہ شیبان کے آخری الفاظ نے حادثہ پر حیرت کا ایک سکتہ ساطری کر دیا۔ نئی ذمہ داری کا جوا اڑا کر دیا جاتا تھا، وہ اس کی حیثیت سے بہت اونچا اور بہت بالا تھا جس کا اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا ہو گا۔ وفور سپاس سے اپنی گردن جھکا دی۔ شہزادہ عالی یہ میری خوش نصیبی ہے کہ آپ مجھ پر اعتماد کرتے ہیں۔ میں آپ کے اعتماد پر پورا اترنے کی کوشش کروں گا اور حضور کو اس شکایت کا مرقع نہیں دوں گا کہ جس مقصد کے لیے بھیجا گیا تھا، اُسے حاصل نہیں کر سکا۔

شیبان نے مزید ہمت افزائی کی۔ "حادثہ اسطرح معظّم بغداد کی دوستی کو بڑی اہمیت دیتے ہیں اگر تم یہ دوستی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو مختار سے اعزاز میں اضافہ کیا جائے گا۔ تم بنی طولوں کے کچھ اور قریب آ جاؤ گے اور میں سلطان معظّم کی طرف سے وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں مائیک انعام دیا جائے گا۔"

مزمع انعام کا وعدہ سن کر حادثہ کو یوں معلوم ہوا، جیسے ہفت اقلیم کی بادشاہت سے بھی کوئی بڑی چیز اتھ اٹھ گئی ہو۔ زمیں میں جنت کا ایک دریچہ کھل گیا اور نظر اٹھا کر دیکھا، تو ماہ طلعت طولونی خاتون، نجم المیل اس درجے میں کھڑی تھی۔ خوب صورت جوان بچہ شہزادی کو ہفت اقلیم کی بادشاہت سے زیادہ عزیز سمجھتا تھا جس کے حصول کے صرف خواب دیکھتا رہا مگر اب وہ خواب تعبیر کے مرحلے تک پہنچے تھے۔ پلکیاں آواز میں بول رہی تھیں "آپ جو فرض مجھے سونپ رہے ہیں، اس کی تکمیل مجھ پر چھوڑ دیجئے۔ سلطان معظّم جو کچھ چاہتے ہیں، وہ ہو جائے گا فقط یہ فرمایا ہے مجھے بغداد کی طرف کب روانہ ہونا ہے؟"

"میں کل ہی سلطان سے مل کر تمہاری روانگی کی تاریخ مقرر کر دوں گا۔"

سفیر کے طور پر حادثہ کا انتخاب اگر اس کی زندگی کا سب سے بڑا اور سب سے اعلیٰ اعزاز تھا جس کے ہفت رنگ پردوں میں طولونی شہزادی کا ترک رہائش بدلتا ہوا تھا، تو شہزادہ شیبان نے بھی اس کا انتخاب اس لیے ضروری سمجھا کہ وہ انتہائی وفادار، معتبر اور قابل اعتماد غلام تھا اور وہی مقصد ابو عباس جیسے بہادر دشمن سے اس کی دوستی کو کرا سکتا تھا اگرچہ ان کے درمیان آخری بات بھی طے ہو گئی اور اب سلطان ابو جیش خاوریہ سے مل کر صرف روانگی کی تاریخ مقرر کرنا تھی لیکن اچانک شیبان کے ذہن میں ایک نیا خیال کوندے کی طرح

پکا اور اُسے تاکید کرنے لگا۔ "فی الحال کسی کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ تم دوستی کے پیغمبر بن کر بغداد جا رہے ہو۔ خاص طور پر منذر ابن حرب کے کانوں میں تو اس بات کی ہینک بھی نہ پڑے۔ وہ آج کل فسطاط میں ہے۔ شہزادی نجم المیل سے بھی تمہاری نئی ذمہ داری ابھی پوشیدہ ہی رہے تو بہتر ہے۔"

حادثہ ابن حرب کے ساتھ طولونی شہزادی کا ذکر سن کر چونک گیا کہ شہزادے نے بالخصوص انہی دونوں سے اخفا کی تاکید کیوں کی ہے؟ تجسّس کے لیے میں سوال کیا کیا یہ بات شہزادی صاحبہ سے بھی چھپانے کی ہے؟

اب شیبان نے تھوڑی سی وضاحت ضروری سمجھی اور بتایا۔ "شاید تم نہیں جانتے، ابن حرب اپنے دوست شیبان بن عامر کے ساتھ سلطان معظّم سے ملاقات کر چکا اور چاہتا ہے کہ ابو جیش معتد کے قصاص کا جھنڈا باندھیں۔ یہ ملاقات شہزادی نجم کے وسیع ہوئی تھی جن نے ابن حرب کی سفارش کرتے ہوئے تجویز پیش کی کہ سلطان اس موقع سے فائدہ اٹھائیں مگر ابو جیش نہیں جانتے تھے کہ ابن حرب کا باپ بھی اس قتل میں قوت تھا جب میں نے بتایا تو انہوں نے نجم کی تجویز پر عمل کرنے کا ارادہ ترک کر دیا اور سیدھے راستے دربار خلافت میں دوستی کا پیغام بھیجنے کا فیصلہ کر لیا۔ تم خود کچھ کہنے ہو کہ اگر نجم کو معلوم ہو گیا اس کی تجویز مسترد کر دی گئی ہے تو اسے مدد نہ دو گا۔"

حادثہ کا ذہن جہاں اس بات پر اُٹھ کر رہ گیا کہ شہزادی نجم المیل نے آخر سلطان سے ابن حرب کی سفارش کیوں کی؟ وہاں یہ امر الیمان کا باعث تھا کہ شہزادہ شیبان کے توجہ دلانے پر سلطان نے اس کی تجویز مسترد کر دی ہے، جس سے ابن حرب کو کوئی فائدہ نہ پہنچے والا تھا۔ اس کے برعکس برادر سلطان نے اسے "دوستی کے سفیر" کے لیے منتخب کر کے نہ صرف ابن حرب پر ترجیح دی بلکہ ایک نیا اعزاز بھی بخشا اور کامیابی کی صورت میں مزمع انعام کا وعدہ کیا تھا، بحیرہ تاکید تو بے حد سنسنی خیز تھی کہ اُسے اپنی نئی حیثیت شہزادی نجم المیل سے بھی فی الحال پوشیدہ رکھنا ہوگی۔

دنیا میں ہر شخص کا کوئی مقصد ہوتا ہے جس کے لیے وہ نہ جانے کیا کچھ کرتا ہے۔ ابن حرب بھی ایک مقصد کے مقرر تھا اور خلیفہ معتقد ابو عباس سے استفادہ لینا چاہتا تھا۔ حادثہ نے بھی وہی مقصد بنالیا تھا لیکن بغداد کے

تذکرے میں :-

جس طرح تجارت کا اندازہ دیا جیسا کہ پہلے تھا اسی طرح جواب سے بھی کئی پہلو اور کئی معنی
نئے ہو گئے۔ ایسا جیسا خوب صورت اور جہان بیوہ کی طرف ایک مسکرت کسی پرکھ کر پورا بنا
دینے کے لیے کافی تھی۔ تجارت اسی مسکرت کو اپنی تھری پرکھ دیتا اور ذرا کھل کر لب لباب
مطلب کا موقع تلاش کرنے لگتا لیکن یہ اس وقت کی بات ہے۔ جب شہزادی بن حرب
سے نہیں ملتی جو پیش کی کاروائی میرے نہیں ہونے والی ملاقات کے بعد اس کی نشر و پرا
مفہوم پہلے بدل گیا تھا اور خود بھی بدل گیا تھی کیاں کہ ابن حرب کے روپ میں ایک ایسا
نئے نور چمکیا مرد اس سے ملتا یا جب نہ نہ نہ جگمگام دودھ چاہتی تھی۔

سورج غروب ہونے سے پہلے سوڈانی کیمپ کی زبانی حارث کے قہقہے تک
 اپنے اپنے کھانڈہ رکھنے اور نیل کے مغربی ساحل کی سیر سے اہتمام کا مشورہ دینے کی
 روز اور سستی تو جیتی کے اندرون دھک دھک کرنے لگی۔ دوشنبہ دشمن نے اگرچہ اپنی چھانک سے
 رنگ دار جریموں کے عالمِ راج کی کہانی سننا کہ اس کا شہر دُور کرنے کی کوشش کی اور سلاطین
 "مراشی" پر جواب طلبی کی دھمکی بھی دے دی تھی جس پر حارث اس کے ہر قول بدحواس ہو گیا اور
 گھبرا کر خوشامد کرنے لگا تھا کہ اب "مغربی ساحل کی سیر" کا کڑا پاشا نامکن سے نہ کرے گا کیونکہ
 مستند ب اور روزِ جوان ہو گیا تھا اگر شہرِ ہوی کے دل کا سکون اُڑنا اور یہ خیال پریشان کرتا رہا کہ
 حارث نے اُسے ابنِ حرب کے ساتھ ہر ایک وادی میں جاتے اور وہاں سے آتے دیکھا تو شیک
 نہیں لیکن گفتا یہ چرچہ صورتِ حال پیش آئی، وہی کھٹے کا باعث بنی۔

بنی حرب کو اپنی نگاہوں اور قناؤں کا مرکز بنانے کے بعد عیاشی تہمتی کوئی اٹھال کسی
 دوسرے شخص یا شخص کو اس دل چسپی کا علم نہ ہونے پائے لیکن پھر امر ارتقا پر نے
 ساحل پر ایک جان بچا یا اور اُسے شے میں پھینٹ لیا تھا۔ عیاشی کے باوجود دل کو چین اس
 لیے نہیں تھا کہ اپنے غلبہ کا کی نظر کو بچا تھی اور عیاشی تہمتی کو قیاب کو مشکوک حالت میں دیکھ
 کر جو شبہ اُس کے دل میں بیٹھ گیا ہے۔ وہ آسانی سے نہیں بھل سکتا کسی سے ڈرتی نہ
 تھی انھو سلطان سے بن حرب کی سفارش کر چکی اور نتیجہ دیکھنا چاہتی تھی تاہم معلومت کا
 تقاضا تھا کہ ابھی اس سے تعلق کا بھید نہ کھلے۔

”یہ صنفی اور پریشانی کی کچھ معقول وجوہات تھیں مگر جو شس زنا بت میں شکی مزاج حمارت

انسان خلیفہ مصلحت کے متعلق اپنی عباس کے متعلق حوالہ حکمران کے خیالات میں یہ ثابت ہے۔
انسانی حقیقت میں کہیں نہیں وہاں کا خلیفہ بدل گیا تھا، چنانچہ بدل گئی تھی، مگر یہ بدل گئے تھے۔
اب یہ کہ اپنے مقصد سے دور ہو گیا اور حادثہ اپنے مقصد کے قریب، جب مختار تقدیر
میں کی کامیابی کا دروازہ اپنے ہاتھ سے کھول رہی تھی۔

شہزادہ شہسپان سے ملاقات ختم ہوئی تو ایک نئی مسرت کے ساتھ حویلی و بارہ ٹولہ
 بیروں کے خیالوں میں نئے رنگ بکھیرنے لگی۔ اب وہ اس قدر قریب محسوس ہو رہی تھی کہ
 انہیں بڑھ کر اسے پکڑ سکتا تھا۔ شہسپان کی خاموشی کے بعد اس شہزادہ کی جی کوئی اہمیت نہیں
 رہ گئی تھی جس کا دھماکا دل میں نئے نئے اندیشے اور سوچ سے پیدا ہو رہا تھا۔ اب وہ پتھر و ایک
 جڑا لہو آدمی اور ریشہ خوروں کے نیچے ایک ایسی خدمت سرانجام دینے والا تھا جس کے حصے میں
 ٹولہ کی شہزادی کا مطالبہ کر سکتا تھا اور وہ سونہ سسگنی اور بارہ گھنٹوں کے ساتھ جہاں سوار کر
 اس کے چلیے ہو سی میں داخل کر دی جائے گی۔ حارث کو اپنی خدمت کا یہی جیس وعدہ حاصل کرنا
 اور نہ ملنے انعام میں صرف خیم کو مانگنا تھا۔



شہزادی نجم اقبال جانتی تھی، حارثہ اس کے حبابی شہیان کا بڑا معتبر غلام بنی طور پر
کا انتہائی وفادار و انتفاع کا محافظ سالار اور اس کا صلب گار بھی ہے مگر انہم پر مطلب سے
چمکچماتا ہے۔ یہ بات اس نے از خود معلوم کر لی تھی۔

قدرت نے عورت کو یہ جس تکبشی ہے کہ وہ خطرے کا بہت جلد احساس کر لیتی اور مرد کی باتوں اور رنگا ہوں سے اس کا ارادہ بجا نہیں لیتی ہے کہ کیا چاہتا ہے پھر اپنا تحفظ کرتی ہے مگر طولی شہزادی نے جس کے اور بھی کئی عجب کارنامے اس سے اپنے تحفظ کی ضرورت محسوس نہیں کی بلکہ تمام فلسفین کے طویل دورے میں جو حکم و تدبیر دس بیٹوں پر مشتمل تھا، ایک روز فراموش کر کے اس کی کچھ حوصلہ افزائی کی اور فرمائشیں پوری ہونے پر بخوشی سی مسکراہٹ بھی بچھا کر دی مگر وہ ذرا معنی الفاظ سے اگلے بڑھا اور اپنی ساری دل چسپی صرف ایک فخر سے میں ایمٹ کر پیش کر سکا تھا "میں آپ کا ہاں شادی" طولی شہزادی نے تبسم زیر لب کے ساتھ جواب دیا تھا "میں اپنے جہان سازوں کو

کہیں اپنے آقا شیبان سے بات نہ کر دے۔ رقیب کو رستے سے مٹانے اور مات دینے کے لیے وہ اپنے شے کو بطور حربہ استعمال کر سکتا تھا جس سے بھائی کے دل میں بدگمانی پیدا ہوتی۔

عجیب بات یہ ہوتی کہ قدرت نے ایک تیر سے دو شکا کیے تھے۔ اگر حارث کو پردھڑ کا لگا تھا کہ شہزادی کہیں "سیر دریا" کے طے کی شکایت سلطان سے نہ کر دے جس پر اسے کسی غائب کا نشانہ بنا پڑے تو خود حکم آئیل بھی اسی پریشانی میں مبتلا تھی کہ بات اس کے کسی بھائی تک نہ پہنچ جائے۔

دوسرے دن معلوم ہوا کہ حارث نے شہزادہ شیبان سے ایک طویل ملاقات کی ہے لیکن ملاقات کا مقصود نہ کھل سکا۔ شیبان کا خادم خاص بھی نہیں جانتا تھا کہ دونوں کے درمیان تنہائی میں کیا گفتگو ہوئی ہے؟ تاہم اگلے دن کوئی خلاف معمول واقعہ پیش آیا، انہ شیبان نے بیوہ میں پر کسی بدگمانی یا بدظنی کا اظہار کیا جس سے وہ بچھڑ گئی کہ حارث اس کے بارے میں کوئی بات نہیں کی۔ اگر کوئی توفیق تو بھائی ضرور کچھ کہنا، کچھ کچھ جانا۔ اس کا یہ مطلب بھی نہیں سکا حارث کا دلک جاندار ہے بلکہ حکم ہیل کے نزدیک اس نے اپنا شک کسی مصلحت کے خلاف میں چھپایا تھا۔



جس طرح ایک عورت جو کسی مرد سے محبت کرتی ہو، دوسرے امیدوار کو اپنی وفاداری کا یقین نہیں دلا سکتی، اسی طرح طوئی شہزادی بھی جو اپنی فرمائشوں کے صلے میں حارث پر ایک دوبارہ مسکراہٹ بٹھا کر چکی تھی، اس کے دل سے اپنے نئے طلب کار کا خیال بہ آسانی زائل نہ کر سکتی تھی جس سے طوئی کی کارواں مرنے کے بعد دوسرا حکمران وکیل کے ساحل پر بوجھ تھا۔

تھیک چوتھے روز طوئی شہزادی نے ڈوبتے سورج کے ساتھ غنبر کے ذریعے حارث کو ملاقات کا پیغام بھیجا اور اسے اپنے قصر میں طلب کر لیا۔ وہ اس خلاف توقع بناوے پر حیران ضرور تھا لیکن شہزادہ شیبان سے ملاقات اور اپنے نئے اعزاز کا مزہ سن لینے کے بعد بڑا برا اعتماد نظر آتا تھا۔ شہزادی حکم نے مجبور خاص میں اسے تنہائی کی ملاقات کا موقع دیا اور شکایت کی کہ نیل کے مغربی ساحل کی سیر کا پیغام بھیج کر اس نے بدگمانی کا اظہار کیا ہے کہنے لگی "حارث!

ہیں کسی سے نیل کے ساحل پر ملنے کی کیا ضرورت تھی جس کی دیکھنے وال نظر میں تعاقب کرتی ہیں اگر ہم کسی سے ملاقات کرنا چاہیں تو اسے اپنے محل میں بلھا سکتے ہیں جس طرح آج انھیں بلھایا ہے مگر ہماری جہل شہزادی کا دعویٰ بھی کرتے ہو اور ہم سے بدگمان بھی ہو۔"

یہ ایک حسین شکایت تھی اور شکایت کا انداز کچھ ایسا اٹکھا تھا جس سے ناراضی کے ساتھ ساتھ ایک جذبے اور دل چسپی کا اظہار ہوتا تھا کہ ہمارے طلب کار اور جاں نثار ہو تو ہم پر کسی قسم کا شبہ، گمان اور قیاس کیوں کرتے ہو؟ حارث نے یہ دھڑکنے، تڑپنے الفاظ کہنے ان الفاظ کی اہمیت پر غور کیا اور اس کے ترکاز غاروں پر بے چین ادائی دیکھی تو ایک عجیب سی حیرت کے ساتھ دل ہی دل میں اپنے روتے پر شہزادہ ہوا کہ ماہ طلعت خاتون اسے اپنا جاں نثار سمجھتی اور اس سے وفاداری کی توقع رکھتی ہے۔ اس کے بارے میں کسی شک کا اظہار بے وقوفی تھی۔ ندامت کے لمحے میں بولا: "میں بے حد شہزادہ ہوں شہزادی صاحبہ کہ آپ سے بدگمان کچھ!"

نجم آئیل نے ایک اور حسین تیر اس کے سنے میں ترن کر دیا: "اگر تمہیں کوئی بدگمانی تھی، کوئی شکایت تھی، اقربم سے کہتے اور ہمیں موقع دیتے کہ غنبر کی سطح فحی و در کرتے۔"

ان الفاظ نے حارث کو از خود رفتہ کر دیا اب وہ ایک ایسا دیرانہ معلوم ہوتا تھا جو اپنی ایوانگی کا سبب ہی نہیں جانتا۔ اپنے آپ پر شیبان ہونے لگا: "میں اپنی نمر بان شہزادی سے معافی کا خواست گار ہوں۔"

پھر بڑے تاتف کے لمحے میں اپنے شے کی وجہ بیان کرنے لگا: "شہزادی صاحبہ! آپ جانتی ہیں کہ امیر شیبان مجھ پر اعتماد کرتے ہیں اور میں بھی طوئی کی حفاظت پر مامور ہوں مگر نیل کے گھاٹ پر ان حرب کے بعد ایک برقع پوش خاتون کو اپنی کیز کے حمراد سیف سے اترتے دیکھا تو کیز کی جوتیاں دیکھ کر چونک گیا اور گمان گور شاہد آپ سیر دریا کے لیے تشریف لائی ہیں مگر ان حرب کے ساتھ میں آپ کی سیر دریا کا مشورہ بھی نہیں کر سکتا تھا اس کے بعد مجھے کچھ پوشش نہ رہا اور میں اپنی بدگمانی سے جوش میں اس خاتون کا شکستہ کر کے جواب نہیں نہیں۔"

طوئی شہزادی نے اپنی تذبذب کا کمرہ بساط کے اگلے خانے میں رکھا: "اگر ہم سیر دریا کو برا تو اپنے جاندار کا ساتھ دے کر جاتے مگر اس خاتون کو دیکھ کر تمہیں کم پر بدگمانی

کیوں ہوتی

اب حادثہ کو وہ بات کہنے کا موقع مل گیا جسے کب تک چھپاتا رہا اور جس اسکے
نہار کی جرأت نہ کرتا تھا۔ "شہزادی صاحبہ! بے شک آپ اسے میری گستاخی سمجھیں لیکن
پرگاہی ہے کہ میں حرب کو وہ دیکھ کر کچھ شک گزرا کہ وہ حضور کو نہ صرف بنی خوں سے
بکھر چھو سے بلکہ جو آپ کا جان نثار محافظ ہوں، جھینٹنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ شہزادی حکم آج
شعشعہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ میں آپ کو دیوانہ وار چاہتا ہوں، آپ سے بے پناہ محبت کرتا اور
آپ کا جان نثار ہی نہیں، طلب گار بھی ہوں، اس لیے میں حرب کو اپنا قریب سمجھا اور دیوانگی
کے ہوش میں آپ پر بدگمانی کی کہوں کہ جب آدمی جوشش میں ہو تو اس کا دماغ کام نہیں کرتا
اور وہ اپنے ہوش کھودیتا ہے۔ میں بھی اس جرم محبت کا گناہ گار اور آپ سے معافی کا
بخشش کا صبر گار ہوں۔"

شہزادی اڑھنے سے جاتی تھی کہ اُسے جانتا اور اُس کی طلب رکھتا ہے مگر یہ پہلا موقع
تھا جب حادثہ نے بڑی جرأت سے اپنے عشق کا اظہار کیا اور یہ بتا دیا بھی ضروری تھا کہ
اُسے حاصل کرنا چاہتا ہے، کو کسی کو اپنی راہ میں حائل نہیں ہونے دے گا، اظہار عشق کی جرأت
غالباً اس لیے ہوئی تھی کہ شہزادہ شہباز نے اُسے ایک اہم خدمت کے لیے چن لیا اور
برودہ بھی کیا کہ کامیابی کی صورت میں فخر، رگلا، انعام حاصل کر سکے گا۔ اس کے نزدیک تمام اہل
سے بڑا اور حسین انعام اور کوئی نہ تھا اور پھر شہزادی کی شکایت کا وہ تیر بجائے خود بڑے خوفناک
تھا اس لیے پہلی بار اپنا دل کھول کر سامنے رکھ دیا۔

طوبی شہزادی اس جرأت پر حیران ضرور ہوئی لیکن جانتی تھی کہ ایک نہ ایک دن اُسے
عشق کا اظہار کرنا ہی تھا، معنی خیر قسم کے ساتھ بولی۔ "اس وقت تم جوشش کی بجائے ہوش
میں ہو، اظہار ادا کرنا بھی صحیح کام کر رہا ہو گا اور ہماری بات کو اچھی طرح سمجھ سکو گے۔"
"مگر جب تک آپ معاف نہیں کر دیں گی، میں خود کو جرم سمجھتا رہوں گا، آپ انتہائی
خوب صورت ہیں، وہ طلعت ہیں اور آپ جیسی حسین عورتیں اپنے جان نثاروں پر تیزی مہربان
کرتی ہیں۔"

"ہم نے صرف تم سے بدگمانی کی شکایت کی ہے حادثہ!"

"اُسی بدگمانی کی معافی چاہتا ہوں اور اگر آپ معاف نہیں کر سکتیں تو ہر سزا بھگتے سو

نیام ہوں

پھر تلوار میدان سے کھینچ کر دو زانو ہو گیا اور تلوار دونوں ہاتھوں سے اُس کی طرف
بڑھائی۔ "شہزادی! مجھ تلوار اٹھائیے اور اپنے ہاتھ سے میرا سر قلم کر دیجئے تاکہ آپ کو
میرا اصل نہیں کر سکتا تو آپ کے ہاتھ سے قتل ہو جاؤں۔"

شہزادی کو اس کا یہ اظہار افاضت اچھا لگا۔ اظہار عشق کر چکا، دربار اُس کو نام بھی لے
چکا اور اب اپنے قتل کے لیے اس کے ہاتھ میں تلوار دے رہا تھا۔ ایک قدم اچھے ہٹ کر
کہنے لگی۔ "یہ تلوار تمہیں ہماری حفاظت کے لیے دی گئی ہے حادثہ! اور جس تلوار سے ہماری
حفاظت کر دے گا، اس سے ہم تمہیں نقصان کیوں پہنچائیں! تمہارا جذبہ شوق (عذہ عشق
کہتا جانتی تھی) دیکھ کر ہمارا مختصر جاننا ہے، اُٹھو اور تلوار نیام میں ڈالو، اکی تلوار سے تمہیں
ہماری حفاظت کرنا ہوگی۔"

ان الفاظ کے ساتھ اس نے گویا رت کو اپنی حفاظت کا حق دے دیا، وہ اُسے
پر فوق نظروں سے دیکھتا ہوا اٹھا اور اپنے جذبہ عشق کی تائید چاہی۔ "کچ میں نے پہلی
بار اپنی محبت کا اظہار کیا ہے کہ میں آپ کو بڑا تو نہیں لگا؟"

اس نے ایک اداسے دلبری کے ساتھ جواب دیا۔ "میں بڑا کیوں کہے گا؟ ہمارے
نزدیک محبت یا عشق ایک طبعی جذبہ ہے اور طبعی جذبے روکے نہیں جاسکتے۔ ہم نہیں
نہ تم، اظہار محبت سے روک سکتے نہ تمہارے جذبے سے انکار کر سکتے ہیں کیوں کہ یہ
جذبہ ناقابل انکار ہوتا ہے۔"

حادثہ کو اچانک ایک نیا خیال پریشان کرنے لگا۔ "مگر اظہار محبت کے ساتھ میں
نے اپنی زندگی آپ کے ہاتھ میں دے دی ہے۔"
وہ مسکرا دی۔ "میں اپنے جان نثار کی زندگی عزیز ہے مگر تمہارے تو ہم اپنے ہاتھ کی گتھی
نہیں کھولیں گے۔"

شہزادی نے اُس پر اپنے اظہار کا جادو بھونک دیا، تلوار کو ہونا نہ دیکھیں اُس کی
خاطر اپنی جان قربان کر دوں گا۔
اب وہ مطلب پر آگئی۔ "ہم تمہاری جان نہیں مانگتے حادثہ! صرف تم سے اپنے
حکم تعمیل چاہتے ہیں۔"

"آپ کے حکم کی تعمیل میری عبادت ہے"

"سوچ لو جو بات زبان سے نکل جائے، وہ کمان سے چھوٹے ہوئے تیر کی طرح واپس نہیں آتی۔"

شہزادی نے اسے سوچنے کا موقع دیا مگر وہ سوچے بغیر ذرا بے تکلفی سے بولا، "دل نہیں سوچتا، دماغ سوچتا ہے اور عرشِ دل سے کیا جانتا ہے؟"

نجم اہل کے ہونٹوں پر ایک دل نوازی مسکراہٹ چھڑ گئی۔ "پھر تم چاہتے ہیں کہ ہمارے بارے میں دماغ کی بجائے دل سے سوچا کر دیکھیں؟ جسے تم ہمارے حکم کی بہتر تعمیل کر سکو گے؟"

حادثہ اس ادا پر سو جان سے قربان ہو گیا۔ "حکم کی بات ہے؟"

ظہونی شہزادی اپنے حسن و شباب کے نظارے کی ترغیب دیتی ہوئی ذرا قریب آگئی اور اپنی انتہائی خوب صورت لمبی گردن بڑے فخر سے اٹھا کر کہنے لگی، "تمہارے علاوہ کچھ ترک امیر اور جدید عرب سردار بھی ہمارے طلب گار ہیں تاکہ ہمیں حاصل کر کے دوسری طوبوں کے قریب آ جاویں۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ حسین عورتوں کے طلب گار ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں اور ہر عاشقی اپنے رقیب کو مات دینے کی کوشش کرتا ہے مگر تم کسی سے اچھٹے کی کوشش نہیں کر دو گے اور تمہیں کسی سے اچھٹے کی ضرورت ہی نہیں کیوں کہ اپنے محبوب اور جان نثار کا فیصلہ تو ہم خود کریں گے۔"

نجم نے اپنے مقتدر عاشقوں اور طلب گاروں کا ذکر کر کے دراصل حادثہ کو اپنے اصل رقیب کے خلاف کسی اقدام سے روک دینے کی نیتیں کی تھیں لیکن اس طرح کہ ذرا معنی الفاظ اور حسین پیرائے بیان نے اس کے قلبِ رزم میں محبت کے کئی جھوٹے گہنی درپے کھول دیے اور حیرت انگیز سنسنی کے ساتھ سوچنے لگا کہ جس عاشقی اور طلب گار کے حق میں فیصلہ دے گی، وہ جس کی طرف؟ جان نثار کے لفظ سے اشارہ دے رہی ہے حالانکہ وہ اسے ابنِ حرب کے بارے میں کسی قسم کے جھگڑے سے دور رکھنا چاہتی تھی تاکہ اپنی سنسنی طبعیت اور رقابت کی وجہ سے اس کے لیے نئی پریشانی پیدا نہ کر دے مگر حادثہ اسی کے حسین اشارے کا رخ اپنی جانب کچھ کر خوش رنگ خیالوں میں کھو گیا۔ شہزادی نجم اب اسے آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا۔ پہلے ہی ایک غلطی کا ارتکاب کر چکا ہوں۔ آئندہ ایسی غلطی نہیں ہوگی۔

وہ اپنے خوب صورت شگفتہ ہونٹوں کو تمسک کی موج سے دوچار کرتی ایک خاص انداز دہری سے مڑی اور دیوار کی طرف منہ کر کے بڑی اداسی سے پوچھنے لگی، "تم نے ابنِ حرب کو اپنا رقیب سمجھ لیا ہے؟"

وہ اس اچانک اور غیر متوقع سوال سے جس کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا، ہلکا سا لگا۔ اس سارے فساد کے بعد ابنِ حرب ہی تھا جس پر اس نے سسکیاں لگائیں تھیں۔ وہ عیش کے سرائے دار اور ابنِ حرب کے ساتھ سلطان سے مل چکی ہے۔ پھر اپنے الفاظ کو دبا کر اور اس کی غم کے جواب دیا، "شاید اس کی رقابت کا دھم اس لیے پیدا ہوا کہ آپ ابنِ حرب کو بغاوت کی دھم پر بھیجنے کے لیے منتخب کر چکی ہیں۔"

نجم اہل نے یہ نہیں پوچھا، "اس سے یہ بات کیسے معلوم ہوئی مگر پوچھ سکی گئی۔ یہ دوسرا ثبوت تھا کہ اپنے رقیب کے بارے میں محسوس رکھنا تھا حالانکہ یہ بات اسے کسی شخص کے بغیر امیر شیبان سے خود بخود معلوم ہو گئی تھی۔ اس کا جواب اس کے فیصلہ کن انداز سے ہوا۔

"پھر بھائی شیبان سے کوا سے کسی مہم کے ساتھ بغداد روانہ کریں۔ میدانِ جنگ میں جو کچھ اسے پیش آئے گا، وہ اس کی قیمت ہوگی۔ پھر اس کی آواز میں کئی سی مٹیوں کی کھکھ

سنائی دی۔" اگر اسے اپنا رقیب سمجھ بیٹھے ہو تو تمہارا راستہ بھی صاف ہو جائے گا۔"

اس نے یہ مشورہ غالباً اس لیے ضروری سمجھا تھا کہ ایک تو ابنِ حرب کی طرف سے اس کا دھیان مٹ جائے، دوسرے شیبان اپنے وفادار غلام کی بات ماننا تھا اور شیبان کے شوے سلطان کے لیے راستے تیار کرتے تھے۔ وہ سمجھ گیا کہ ابنِ حرب کو میدانِ جنگ میں بھجوانے کا مشورہ اسے مطمئن کرے گی خاطر دے رہی اور سمجھا رہی ہے کہ جنگی مہم شروع کرنے کے لیے نہیں کسی اور مقصد کے لیے موت میں جو اپنا بستر تیروں تلواروں اور نیزوں پر بچھانے میں مگر اپنی حاشا بچھ نہیں بنا چاہتا تھا کہ وہ صرف اسی کی ہے اور کسی کی نہیں۔ البتہ نجم نے اپنی شکستہ منہسی کے ساتھ رقیب کا راستہ صاف کرنے کی ہمت کی تو بڑے محتاط مگر پُر کوشش نظروں میں جن کے معنی بکھتے تھے کہ لگاؤ اگر وہ آپ کا عاشق نہیں تو میرا رقیب نہیں کیوں مافی سے اپنا رشتہ توڑ آیا اور مستقبل کی تلاش میں ہے جو کہیں نہ کہیں مل جائے گا۔

حادثہ کے حادثے کا مقصد پورا ہو گیا تھا مگر اب وہ ابنِ حرب کے محسوس میں نہیں ہے۔ کارہائے کی راہ میں نئی مشکلیں اور پریشانی پیدا نہیں کرے گا۔ خوشی کے لمحے میں ہوں۔

گفتگو میں ہے تو اس کا انداز عشق بھی سن لیا ہوگا اور اپنی ترک ماکن کا خدو یہ بھی سمجھ گئی ہوگی۔ اس سے آئندہ جی کئی سنانے یا انداز میں دیکھانے کی بجائے اس کا احترام کرے گا۔ دوسرے دن اس نے سانولی سلونی غنبر کے یہی واقع جزائر گلگن کا ایک جزائر بھیج دیا، ان کے اتنے قیمتی تحفے کی توقع نہیں رکھتی تھی۔ بر سر گنا تھا غولنی شہزادی کے ساتھ اس کی سو ڈانی کنیز پر بھی عاشق ہو گیا اور "یوم موعود" پر اسے بھی حاصل کر لیا جتنا سے غنبر نے دونوں گلگن اپنی سہول گداز سانولی کا یوں میں ہیں لیے مگر تیسرے یہی حادثہ کے متعلق ایک دیکھا کا خیر خبر سنی گئی کہ وہ "دوستی کا سفیر" بن کر بغداد کی جانب روانہ ہو چکا اور خلیفہ مصطفیٰ ابو عباس کے لیے بڑے قیمتی تحفے لے کر گیا ہے۔

یہ خبر سننے ہی غولنی شہزادی پر حیرت کا ایک سستہ سا گزر گیا۔ غنبر کو اسی وقت سونو اٹل کی جانب دوڑا یا کہ اس حرب سے مل کر نیل کے مغربی ساحل پر فلاحین کی چھوٹی سی بستی میں دوسرے دن کی ملاقات کا وقت مقرر کر آئے۔ اب اس حرب سے ملا خردی ہو گیا تھا۔ بغداد کی جانب جنگی جہز بھیجے کی بجائے دوستی کی سفارت روانہ کرنا اس منصوبے کے برعکس تھا جس کے خواب دیکھ رہی تھی۔ غنبر کی جھپکتی غرا نے قلعہ کی طرف بولی اور سانولی کلائیوں میں مومنے کے جزائر گلگن جیسے ہونے لگے کہ قیامت قریب آگئی ہے۔



تم سے خوشی میں اب جا کئے ہو اور جو کچھ تمہیں لگا گیا ہے، اسے راز میں رکھو۔
"تیسرے لمحے شہزادہ کو کے پانا پنا ہے۔"

"میری کہ کوئی دیر کتر اور جب کہ شہزادی ملاقات ختم کر چکی تھی۔ آہستہ سے پرچہ لکھنا چاہتے ہو؟"

"جو کچھ تمہیں ملتا تھا، میں کمر چکا ہوں اور آپ سن چک ہیں۔ گویا اپنے اہل عشق کا ہدف نشانہ کر رہا تھا۔ یہ ایک لہجہ کی رخصت ہونے سے پہلے آپ کے خوب صورت ہاتھ پر ہوس دینا چاہتا ہوں۔"

"شہزادی مسکرائی۔ شاید تمہیں یہ موقع بھی دیں لیکن جی نہیں۔"

"بھر کب؟"

"جب وقت آئے گا۔"

اب اس کے دونوں پر بھی معنی خیر ہستہم بڑ گیا اور ایک اشارہ دیتے ہوئے بولتا ہوں قیامت کے دن وقت کا انتظار کر سکتا ہوں لیکن شہزادی غم و غم قیامت کی علامتیں ہیں ہر ہو چکی ہیں اور میرا خیال ہے وہ موعود وقت بہت جلد آجائے گا۔"

غولنی شہزادی ان الفاظ پر چونکی لیکن اپنی حیرت کو فوراً حسیں مسکراہٹ میں لپیٹ لیا اور اپنے طلب گار کی منتش شوق کچھ اور بجز کاوی؟ تم بھی اس وقت کا انتظار کریں گے۔ یہ کہہ کر غولنی اور کمر سے نکل گئی۔ حادثہ سے بیرونی دروازے کا درجہ کیا۔ باہر چلنا اور طرح دار سانولی غنبر منتظر تھی جو پہلی منٹ تک چھوڑنے لگی لیکن اس مزید وہ اپنے زعم میں باقی جیت کر نکلا تھا اس لیے کنیز سے نہیں اٹھا کیوں کہ ہر کنیز اپنی ماکن کی پابند موتی اور عیس کی مرضی کو سمجھتی ہے۔ پھر ایک سے نکلا تو پٹ کر کہنے لگا۔ "معاف کرنا غنبر! ہمارے لیے تحفہ بھیجنا قبول کیا تھا کل غرور بھیج دوں گا۔"

اس نے شک کر جواب دیا۔ "جلدی کیا ہے۔ قیامت کے دن تمہارا تحفہ وصول کر لوں گا۔ قریب قیامت کی علامتیں ظاہر ہو چکی ہیں اور قیامت بھی آنے والی ہے۔"

پھر کھنکی کھنکی قعر کی طرف مڑ گئی مگر غنبر کے الفاظ حادثہ کے لیے راحت افزا ثابت ہونے اور اس خیال سے دل میں خوشی کی لہر دوڑ گئی کہ سانولی سو ڈانی کنیز نے بھی جو اپنے آپ کو شاید "میری زاد" سمجھتی ہے، شہزادی کے ساتھ مومنے والی گفتگو میں نہ ہے اور جب

(۱۹)

کٹے ہوئے سمر

○

دنیا میں ایک قوم کے اچھی دوسری قوم کی طرف اور ایک ملک کے سفیر دوسرے ملک میں آتے جاتے رہے ہیں۔ ان گنت قاصدوں، اچھیوں اور سفیروں نے بڑے بڑے درباروں میں اپنے ملک، اپنی قوم کی وکالت اور سفارت کے فرائض ادا کیے ہیں لیکن عربیہ کی کارواں سرانے کے فلسطینی ملک سلیمان بن عامر نے دربار بغداد میں جو پیغام بھیجا وہ بادشاہوں کی طرف بھیجے جانے والے پیغامات سے انوکھا تھا اور عباسی خلیفہ معتقد ابو عباس کی خدمت میں جو "تختہ" ارسال کیا وہ پُر جلال حکمرانوں کی خدمت میں بھیجے جانے والے تمام تکلف سے طرف بلکہ عجب تھا۔

اس پیغام کی اجازت اگرچہ سلطان خمارویہ ابو جیش کے بھائی شہزادہ شیبان سے حاصل کر لی گئی تھی لیکن شیبان کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ سرائے دار پیغام کے ساتھ کوئی تختہ بھی روانہ کرے گا۔ اس نے سلیمان کے امراء پر محض ایک غیر رسمی اجازت دے دی تھی لیکن سرائے دار نے شہزادے کے معتقد اور پیش میں شہزادہ کی طرفوں اور سوداگروں سے جو کچھ حاصل لینے والے سرکاری اہلکار ابو نصر یا قوت کو اچھی بنا کر اپنے پیغام کو با مقصد اور نتیجہ خیز بنانے کی کوشش کی تھی۔

ابو نصر یا قوت اپنے مختصر سے قافلے کے ہمراہ عیش سے چل کر دمشق پہنچا تو بخاریہ آئے مگر سفر جاری رکھا اور محض تک پہنچتے پہنچتے طبیعت نابود ہو کر ہوئی جس کے

سے وہاں چھ سات یوم قیام کرنا پڑا کیوں کہ موسمی بخار میں سفر کرنا ممکن نہ تھا۔ اس طرح کہیں بائیس دن کی بجائے وہ ایک ماہ بعد سواہ بغداد میں داخل ہوا جہاں غلاموں کے دو ٹرمیوں میں تقسیم ہو جانا تھا۔ ایک ٹولی کو قافلے سے الگ ہو کر محلہ خیزدان میں حرب الکندی کی حویلی میں پہنچا، اس کی بیوہ کو بچے کا خط دکھا کر وہاں سے نکال لے جانا، واپسی کا سفر دریائے فرات کی پٹی پر کرنا اور عراق کی سرحد کے اس پار ایک شاہی بستی میں ابو نصر یا قوت کا انتظار کرنا تھا۔ دو غلاموں کی دوسری ٹولی کو ابو نصر کے ہمراہ دربار بغداد میں جانا اور خلیفہ کو مختصر پیغام پہنچا کر بھلت وہاں سے نکلتا تھا جس کے بعد ساحل فرات کے ساتھ ساتھ تیز سفر کرتے وہ بھی شام کی بستی میں پہنچ جاتے جہاں غلاموں کی پہلی ٹولی ابن حرب کی والدہ اور اس کے غلام عبداللہ کے ساتھ اُن کی منتظر ہوتی۔

یہ سارا منصوبہ انھوں نے پہلے ہی تیار کر لیا تھا کہ انھیں بغداد میں کیسے پہنچا اور اپنے اپنے کام ناکروں سے کیسے فرار ہونا ہے چنانچہ پہلی ٹولی باپ شام سے بغداد کی تفصیلات میں داخل ہو گئی جہاں سے اُسے محلہ خیزدان کا رخ کرنا تھا، تو ابو نصر یا قوت دوسری ٹولی کے ہمراہ بغداد کے مشہور دروازے باب شہاسیہ سے شہر میں داخل ہوا۔ عباسیہ کا بندوبست دریا کے دھند دو حصوں میں کاٹا ہوا گزرتا تھا دارالخلافہ تھی تھا۔ عروس البلاد بھی اور اس دور میں دنیا کا سب سے بڑا شہر بھی، جس کے مستف کچھ در بازار، محرابی غلام گردشوں والی طلسمی محل سراؤں، زر و سیم کی فروانی، مال و دولت کی کثرت، لونڈی غلاموں کی رونق، مختلف انسل اور مختلف لونگوں کی بھیڑ بھاڑ کے افسانے نہ صرف ایشیا اور افریقہ بلکہ یورپ کے ملکوں اور شہروں میں بھی الف یلہ کی جیل و داستانوں کی طرح مشہور تھے۔

عباسیہ دنیا کی سب سے بڑی سلطنت تھی۔ بغداد دنیا کا سب سے بڑا شہر تھا جس کی خوبی اور خوب صورتی کے سامنے القطار کی نمی آبادی سمیت فسطاطوں کی روشیں بھی بیچ لیں۔

بعد ازاں جب فسطاط فاطمیین کا مرکزِ خلافت بنا اور قاهرہ کے نام سے موسوم ہوا تو اس کی رونقیں بغداد سے بھی بڑھ گئیں۔ بلکہ خلا کے تاتاری لشکروں کے ہاتھوں بغداد کی تباہی کے بعد قاهرہ ہی اسلامی تہذیب و ثقافت اور علوم و فنون کا بڑا مرکز بن گیا تھا۔ (قمر جانی)

بغداد کے غلاموں کے سامنے چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔

معتضد ابو عباس کے دور میں اس دور میں عباسیہ کی عظمت و فتوحات کا پاسبان کر
لاہر ہوا تھا۔ تخت خلافت پر بیٹھ کر حکم دیا کرتا تھا کہ کتب خانوں میں سے جو کچھ
چاہیے اس میں فروخت کر دیں۔ اس طرح ہزار ہا کتبیں، نسخے، گزلیں، دست نامہ پانچاروں
میں جمع ہو گئے۔ اس وقت کوئی کریں کوئی شخص جو روزانہ جلسے، ناگوں پر ہونے لگے۔
خلیفہ کے یہ حکم بڑے سخت تھے اور کوئی آدمی ان کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا تھا۔ اس
نظم کی ایسی باتیں بھی منور فرار سے دی تھیں جن سے بازاروں اور کوچوں میں گھسنے لگے
جاتے تھے۔ بغداد کے بازاروں میں دھنوں، بھجڑوں، دلی چھپڑوں سے بھر دیا گیا تھا۔ جن کی
کامیاں دینا عمریں مشہور تھیں حتیٰ کہ ابو عبد القوت کو وہ باری کر اور شعبہ سے بارہوی شہزادے جو
روایے، دھوئے، افکار سے پیٹ کر اور شیر بان بکا کر اس اور رستہ پر تہا تاکھا تاکر تھے
بازاروں میں دھنوں کی آمد و رفت پر دستور تھی کہ انیس بجی تھیں اور شہید و فروخت ہو کر تھی
لیکن بازاروں کی رونقیں مفتور تھیں، اسے کوئی بھڑی، کوئی دستار، کوئی ناں گیر کوئی بزرگ
کوئی شعبہ سے ہار یا کوئی دوسرا مجمع گیر دیکھ کر نہ دیا۔ انھی سے رونق بازاروں سے گزرتا وہ
سوائے جعفر کے دروازے پر پہنچا جہاں اسے دونوں غلاموں کے ساتھ صرف ایک رات قیام
کرنا تھا۔

معتضد ابو عباس کا دربار عباسیہ کی گزری عظمتوں کی یاد تازہ کرنے لگا تھا جہاں اقباب
سلطنت کے علاوہ مسجودوں کے والی اور شہروں کے حاکم حاضری دیتے تھے۔ ابو نصر باقوت نے
اسی شام وزیر سلطنت عبید اللہ سے مسجد منصور میں ملاقات کی اور بتایا کہ وہ مصر سے آیا ہے
اور برادر سلطان شہزادہ شیبان کا نام ہے۔ عبید اللہ نے خوشی کا اظہار کیا اور پیغام کے واسطے
میں پوچھا تو اس نے اصرار کیا کہ پیغام اور بار خلافت ہی میں بیان کرے گا۔ یہ بھی بتایا کہ وہ حضرت
کے لیے ایک ضروری تحفہ بھی لے کر آیا ہے۔

پچھلے عہد قبل سلطان خوارزمی نے معتضد ابو عباس کی تخت نشینی پر مبارک باد کا پیغام
بھیجا۔ نیاز مند کی کا اظہار کیا اور بہترین تحائف ارسال کیے تھے۔ عبید اللہ کا خیال تھا ابو نصر کو
اسی تحفوں کو مضبوط کر کے آیا ہے۔ اس نے دربار میں حاضر ہونے کی اجازت دے دی اور خود
دعوت کے مشرقی ساحل پر اترنا کی جانب روانہ ہو گیا تاکہ امیر المومنین معتضد ابو عباس کو مدد

لے کر بغداد کے نامور حکمران خلیفہ، اران و رشید بن مہدی سے خاص نسبت
تھی تو اس نے خلیفہ، اران کے ہمد میں ہاسی سہقت اپنے عروج پر تھی اور اسی دور عروج
میں بغداد نے اپنی عظمت، عظمت، ثقافت و مختلف علوم و فنون میں حیرت انگیز
ترقی کی۔ ہامون عبد اللہ کے ہمد میں جہاں اس کی تعمیر ہوئی، وہاں بچوں، دستار وائی،
موسیقی اور نقش و نگار کی محفلوں کی دلچسپی بڑھ گئیں۔ کچھ گزروں کو کب کی گردش و
رفتار در بروج سادہ کے زمیں پر تمب ہونے والے اثرات کے نقشے کھینچنے والا دستار
بازاروں میں کھینچنے لگا کر اور اندر بیٹھیں۔ ان دنوں اس میں کر کے سننے والوں پر سحر جو کہ
دیتے تھے۔ اگرچہ جنگ کے میدانوں میں تیغ و دستار کے جھکے ہوتے تھے۔ انہیں اور مہ
دلوں کی آہیں اور کراہیں گونجتی تھیں۔ ابو نصر بغداد کی محفلوں میں نقوش کا تیسرا لفظ اور کھیلے اور مہ
کی بجائے موشیقی کی دھنیں سناتے تھے۔ یہ وہ کہانی تھی کہ

بغداد عباسیہ کی عظمتوں کے ساتھ ساتھ مہزوروں و چھپڑوں، گزلیوں، فاسوں،
رنگینوں، راجھوں، ملا فوں اور رباؤں اور دل انگاروں کا دیار تھا۔ دریا سے جہاز کے دونوں
کنارے پھیلے اس شہر کی عسکی محل سروں میں سیناؤں کے جلو سے بکھرتے تھے۔ راتوں کو موسیقی
کی گھنٹیں جتنی تھیں دلوں کو بھڑی اور دستار سزا پہنے جگہ گئے گاتے تھے۔ الفیہ کے اس
شہر کی فضا کے دیدار کو نہیں تھی لیکن جب عیش کا پیغام میر ابو نصر باقوت تیسرے ہر بغداد میں
داخل ہوا تو اس نے محسوس کیا کہ عباسیہ کی عظمتیں بغداد میں دفن ہو چکی ہیں اور اب بازاروں میں

لے۔ علیہ اور ابراہیم خلیفہ ہمدی کے عصب اور اس کی آمد و حرم کمونہ کے بطن سے تھے مگر وہ
خود مغربہ تھی۔ اس نے اپنی بیٹی علیہ کو موسیقی کی بطور خاص تربیت دی۔ اس کا بیٹا ابراہیم بھی موسیقی
میں نامور ہوا۔ اس فن میں اسحاق موسیقی کے علاوہ کوئی دوسرا موسیقار اس کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔
خلیفہ بنت ہمدی فن موسیقی میں ایسی مہارت کر اس نے کئی دھنیں ایجاد کیں اور اس کی دھنوں
نے بغداد کی محفلوں میں ایک تہ کم کیا دیا تھا۔ خلیفہ ہارون الرشید اپنی موسیقار اور مغنیہ
ہسن کے تھے بڑے شوق سے سنتا تھا۔ خلیفہ ہامون نے بھی ایک بار اپنی بیوی علیہ کا گانا سنا
اور بے قرار ہو کر اسے سر محل چوم لیا تھا۔ علیہ کی بیٹی ہمدی دھنیں صدیوں بغداد کی روایت بنی
ہوئی۔ (مولانا عبدالحلیم شہر لکھنوی)



دوسرے دن کا سورج ایک نئے ہنگامے کے ساتھ طلوع ہوا اور طوفانی بیجا میر کے آنے کی خبر نے اہل دربار میں سنسنی مچا کر دی۔ دربار میں خلیفہ معتقد ابو عباس کے علاوہ غامدین سلطنت، امراء شیوخ، فوجی سالار، قاضی، علمائے کرام، شاعر، صوفی اور ہر طبقے کے نام نہ افراد موجود تھے جن میں خلیفہ کا قوجوان ولی عہد اور حکم جیک خاتون کا انتہائی جمیل اور شکیل فرزند ابو محمد علی (الملک بنی راشد) وزیر سلطنت عبد اللہ، اردن بن اسماعیل صاحب دار الضرب (الملک بن قاسم بن عبد اللہ ابو الحسن) (انامین دی عہد) اسحاق بن کذاب، فوجی سالار محمد بن طلحہ، صاعد بن محمد، معتقد کا آزاد کردہ غلام اور افسر نساء بدر، سردار حواریہ بن، توصیف بن جوہر بن غلام مشیل، معتقد کا ابن عم القدر بن معتقد اور اولاد مقتسم بن اردن الرشید کے علاوہ دیگر امراء بنی عباس نمایاں تھے۔ علاوہ انہیں بلاد خیرہ اور بلاد شریہ کے دونوں نام الامور بھی موجود تھے۔

شعر میں سے دربار عباسیہ کے ملک الشعر ابو عبیدہ البشیریؒ عبد اللہ بن معتقد ابن بام اور صوفی، قسناۃ بن قاضی یوسف، قاضی اسماعیل، قاضی ابو عمر، قاضی ابو حاتم، علماء میں عبد اللہ بن حمدون، ابن ابی الدنیا، عاتر بن ابی اسامہ اور صوفیاء میں سے شیخ الصوفیہ ابو سعید خزاز اور ابو جعفر ترمذی شیخ الشافعیہ کے نام قابل ذکر تھے۔

معتقد نے اُمرائے سلطنت کی باہمی رقابتوں اور سازشوں کو ختم کر دیا اور قہور سے ہی

ابو محمد علی مکتفی انتہائی صاحب جمال اور حسن میں ضرب مثل تھا۔ ایک شاعر کہتا ہے۔
وَاللّٰہِ لَا کَلَمَہَہَا وَلَا اُتَمَہَا
کَا شَمْسٍ اَوْ کَا لَمَہِہَا اَوْ کَا لَمَہِہَا
(انہما میں اپنی محبوبہ سے ہرگز نہیں براں کا، خواہ وہ چاند سورج یا مکتفی کی طرح خوبصورت ہو) "تذکرۃ الخلفاء"

نختری کو شاعر میں جانوروں کی خصوصیات بیان کرنے میں کمال حاصل تھا اس نے قاسمہ بھی ترتیب دیا لیکن یہ قاسمہ سے بہتر نہیں۔ عباسیہ کا ملک الشعر تھا (قرآن مجید)

عصر میں اپنی حکومت کو مستحکم کر لیا تھا۔ اُس کے عجب دودبہ کے سامنے کسی کو دم مارنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ دربار میں لوگ بڑے محوذب رہتے تھے حتیٰ کہ اُمرائے آل عباس میں بھی کوئی امیر اختلاف کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔ خلیفہ کے دربار میں آنے اور مسند نشین ہونے ہی صاحب نے مصری قاصد ابونصر یاقوت کے نام کا اعلان کر کے اُس کی حاضری کی اطلاع دی تو سب کی نظریں اُس شخص پر دوڑ گئیں، جو دو غلاموں کے آگے آگے بے خوف چلتا ایران کے وسط میں پہنچا اور چند قدم آگے بڑھ کر مسند خلافت کے سامنے سرنگوں ہو گیا۔ خلیفہ نے ہاتھ اٹھا کر اُسے پیغام پڑھنے کی اجازت دی لیکن ابونصر یاقوت کے پاس پڑھنے کے لیے کوئی تحریری بیان نہیں تھا اُس نے بتایا کہ پیغام زبانی عرض کرے گا مگر پیغام سنانے سے قبل عباسی خلیفہ کو "امیر المومنین" کے محرف و مروج خطاب سے یاد کر کے بھائے صدف "اعلیٰ حضرت" کے لقب سے مخاطب کیا اور پوچھنے لگا۔ "اعلیٰ حضرت! حاضری کا مقصد بیان کرنے سے قبل صرف یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کسی ناخوش گزار اطلاع یا پیغام پر حضور کے دربار میں کہیں قاصدوں کے سر تو قلم نہیں کر دیے جاتے؟"

اہل دربار یہ الفاظ سن کر اُسے شیم حیرت سے دیکھنے لگے۔ کسی قاصد کسی ایسی کسی سفیر نے آج تک ایسی بات نہیں پوچھی، جو ابونصر یاقوت پوچھ رہا تھا مگر اسی سوال پر اُس کی اپنی زندگی کا انحصار تھا۔ اُسے ہدایت کی گئی تھی کہ سب سے پہلے ہی سوال کرے اور زندگی کی ضمانت حاصل کرنے کے بعد ہی اصل مطلب پر آئے جو پیش کا سرانے دا خوب جاننا تھا کہ ایسے گستاخانہ سوال کا جواب اُس کی مرضی کے مطابق ملے گا۔

معتقد ابو عباس بنی قاصد کے سوال پر حیران رہ گیا لیکن گستاخی کو نظر انداز کرتے ہوئے بڑی بلند اور پر شوکت آواز میں تاکہ تمام اہل دربار اچھی طرح سن لیں، مخاطب ہوا "ابونصر یاقوت! اسلام میں قاصد یا سفیر کا قتل جائز نہیں بلکہ اُس کی گرفتاری بھی جائز نہیں اور آل عباس اسلامی اصولوں پر سختی سے عمل کرتی ہے۔ تمہارا پیغام گستاخی ہے اور الفاظ کتنے ہی کڑوے کیوں نہ ہوں، ہم انہیں سننے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔"

ابونصر یاقوت کے لیے یہ جواب الینان بخش تھا گویا خلیفہ نے زندگی کی وہ ضمانت دے دی جو اُسے مطلوب تھی۔ اب وہ اپنے مقصد کی طرف آیا۔ "اعلیٰ حضرت! میں آپ کے لیے کوئی اچھی خبر لے کر نہیں آیا، مجھے ایک افسوسناک فرض سونپا گیا ہے جو ادا کرنے پر مجبور

نہ ہوں۔" اور یہی بات اس کے دل میں گونجنے لگی۔

یہ انکشاف بھی بڑا سنسنی خیز تھا کہ وہ کوئی تلخ اور تکلیف دہ پیغام لے کر آیا ہے۔ ایمانِ سلطنت، عباسی امرا، عرب شیوخ، ترک جنرل، وفادار غلام، اہل علم و فکر، شاعر، نقاش، صوفیا، علماء سب، ہمہ تن گوش ہو گئے اور مصری قاعدہ کھلے لگا۔ "اگلی حضرت کو یاد ہوگا۔ کچھ عرصہ پہلے آپ نے بڑے دوست منذر ابن حرب اکنہی کی اسیری ضروری تھی اور کیوں ضروری تھی اس سے مجھے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ ہم حضور نے اپنے ایک افسر کو لان ترک اور اس کے پانچ بیکہ تازہ سواروں کو حکم صادر فرمایا کہ ابن حرب کو زندہ یا مردہ ہر حالت میں اگلی حضرت کی خدمت میں پیش کیا جائے حضور کا علوم بغداد سے مصر کی طرف فرار ہوا اور اس نے باؤیہ شام کا انتہائی خطرناک اور جان جو کھوں کا راستہ اختیار کیا جسے عمور کرنا کسی تنہا آدمی کے بس کی بات نہیں مگر قسمت اس کا ساتھ دے رہی تھی کہ لان ترک بھی اپنے سواروں کو لے کر اسی راستے پر ہوا اور قصر العمرہ میں ایک ساتھی سے محوم ہو گیا جو اس قافلے کا رہبر تھا۔ وہ باؤیہ شام کی آہستہ آہستہ کی تاب نہ لاسکا اور چل بسا۔ پھر بھی لان ترک نے ابن حرب کا پیچھا نہیں چھوڑا اور ویش کی کارواں سرائے تک اس کا تعاقب کیا۔ مویش اگلی حضرت کے لیے یہ فکوس ناک خبر لے کر حاضر ہوئے انہوں نے ویش میں لان ترک اور ابن حرب کے درمیان مقابلہ ہوا جس میں حضور کا افسر مارا گیا اور اس کے ساتھ اس کے چاروں بیکہ تازہ سوار بھی ہلاک ہو گئے۔ اگلی حضرت جس روز کوئی انسان پیدا ہوتا ہے، اسی روز اس کی موت کا دن بھی لکھ دیا جاتا ہے۔ سو ویش کی کارواں سرائے میں لان ترک اور چاروں عراقی سواروں کو وہ دن پیش آگیا جس سے کڑا اور سخت دن اور کوئی نہیں ہوتا۔ اسی طرح موت ہر ذی روح کو جو پیدا ہوا ہے، ایک دن گھٹ کر لے جائے گی۔"

کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ ابو نصر یا قوت اپنے الفاظ سے اس سانحہ اجل کی تلخی کھادی نہ تیرھاؤں تھی۔ مگر عراقی سواروں کی ہلاکت کے ذکر نے لوگوں کو بہلا دیا۔ لان ترک جیسے بے رحم اور بہادر افسر کو آسانی سے ہلاک نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس کے ہمراہ پانچوں سوار بھی ایسے تھے جو پانچ سو بہادروں کا جگہ توڑ کر نکل جہنم کی جہت رکھتے تھے مگر ایسا نہیں ہو سکا۔ خلیفہ کے لیے بھی یہ واقعہ بڑا تکلیف دہ تھا۔ تاہم ایک مدبر حکمران کی طرح اس نے اپنے چہرے پر مصمتی بیکارگی

کا پردہ مگر ایسا کیوں کہ عقل مند لوگ اپنے دل کی صحیح کیفیت خاص طور سے اپنی ناکامی کا حال دوسروں پر ظاہر نہیں ہونے دیتے۔ رفاہی کے بیان سے اس نے معاملے کی نوعیت کا اندازہ لگایا اور کہا: "تم ہماری طرف ابن حرب کے قاصدین کو آئے ہو؟"

"نہیں اگلی حضرت، ابو نصر یا قوت نے وضاحت کی۔" ابھی میں نے ایک خبر حضور کو سنائی ہے۔ اب اپنے آقا امیر شیبان برادر سلطان کا پیغام گوش گزار کرتا ہوں اور یہ پیغام یہ ہے کہ لان ترک اور اس کے سواروں نے ایک شخص کو ایسے علاقے میں گرفتار کرنے کی کوشش کی جو عباسیہ کے حقدار اختیار سے باہر ہے۔ اس اقدام سے طو لوئی مملکت کی حدود میں مداخلت ہوئی اور میرے آقا توقع رکھتے ہیں کہ آئندہ حضور اسی مداخلت سے اجتناب فرمائیں گے۔

"کیا شیبان جہیں یہ بنا تا چاہتا ہے کہ عباسی سلطنت کہاں ختم ہوئی اور طو لوئی مملکت کہاں سے شروع ہوتی ہے مگر ہم خوار ویر کی حکومت کو قانونی تسلیم نہیں کرتے۔"

مصری قاصد نے ایک بار پھر اپنا سر خم کر دیا۔ "اگلی حضرت! جس طرح میں نے آقا شیبان کا پیغام آپ تک پہنچا دیا ہے اسی طرح آپ کا جواب بھی ان کے گوش گزار کروں گا۔ بس جو کچھ مجھے کہنا تھا کہ چکا۔ اب اجازت چاہتا ہوں البتہ حضور کو لان ترک اور اس کے چار عراقی سواروں کا آخری دیدار منظور ہو تو باہر میرے اونٹ کے کھانے میں ان کے کتے ہوئے سر موجود ہیں۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ پانچوں سر آپ کو تحفے میں نذر کروں اور اگر اگلی حضرت یہ تحفہ پسند نہ فرمائیں تو سر در پائے دجلہ میں پھینک کر کوٹ آؤں۔"

یہ الفاظ پورے اہل دربار پر بکلی بن کر گرے اور ایک زبردست زلزلہ ہوا اور سب کے ہوش گم ہو گئے کہ مصریوں کو خلیفہ معتضد ابو عباس کے حضور جو "سفاح ثانی" کہلاتا ہے، کئے ہوئے سرور کا تحفہ بھیجے کی جرأت بھی ہوگئی۔ ناگہاں دل عہد خلافت ابو محمد علی تلوار کھینچ کر اٹھا اور قاصد کی طرف بڑھا۔ "ابو نصر یا قوت! کیا تم اپنا سر اپنے کندھوں پر سلامت لے جاؤ گے؟"

یا قوت اور دونوں غلام سمجھ گئے کہ وہ ساعت آگئی ہے جس کا اندیشہ تھا۔ ان کے ہاتھ لہا دروں کے اندر اپنے زہر آلود ہتھیلی خیموں کے قبضے پر دھڑکنے لگی جس کی ہلکی سی فریاد بھی جان بوجہ تھی۔ تینوں مذاہنین کے حلقے سے تعلق رکھتے اور جانتے تھے کہ مرنے سے پہلے انہیں کم از کم تین آدمیوں کا رشتہ حیات منقطع کرنا ہوگا۔ انہوں نے بیوں اہم آدمیوں کا انتخاب

کر لیا ان میں پہلا معتقد ابو عباس، دوسرا ولی محمد ابو محمد علی اور تیسرا وزیر سلطنت عبید اللہ تھا، مگر اسی لئے خلافت ماب نے بیٹے کو سزائش کہ "علی قاصد کو خوف زدہ نہ کرو۔ اسلام میری قاصد پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں۔"

ولی محمد اپنی قدموں رک گیا "امیر المؤمنین قاصد کے ہونے سے دربار خلافت میں پیش کرنا چاہتا ہے۔ یہ آل عباس کی توہین کی۔" معتقد کی آواز پر سے دربار میں گونج گئی۔ "ہیں آل عباس کی عزت سے اسلام کی حرمت زیادہ عزیز ہے۔"

ولی محمد کی تلوار پھر نیا میں چلی گئی اور وہ قاصد سے کہنے لگا۔ "ابو نصر! شہزادہ شیبان سے کہنا کہ وہ کزلاں ترک اور اس کے چاروں سواروں کے قاتلوں کو پاب زنجیر بغداد روانہ کرے، تم قاصدوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتے مگر قاتلوں کو معاف نہیں کرتے۔"

قاصد کا جواب بھی اتنا ہی تیز تھا۔ "ابو محمد! شیبان کسی کمزور آدمی کا نام نہیں، اس نام کے نیچے مصر و شام کے لشکر کھڑے ہیں مگر لڑائی تو ابن حرب اور کزلاں ترک کے درمیان ہوتی اور جب دو خریفوں میں لڑائی ہوتی ہے تو کتنے اور کتنے سرنیزوں پر چڑھ جاتے ہیں، قانون کی میزان میں نہیں تولے جاتے۔"

ولی محمد کچھ کہنے والا تھا کہ معتقد نے اتھ کے اشارے سے دوک دیا اور قاصد سے کہا۔ "ابو نصر! شیبان سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، تم جو بیغام لے کر آئے ہو اس کا جواب ابو عبید اللہ ضرور یہ کہل جائے گا۔"

گویا قاصد کو فارغ کر دیا گیا۔ ابو نصر یا قوت کو جو خدمت پہنچی گئی تھی وہ پوری ہو گئی اور اب اسے یہ عجلت دربار سے بغداد سے عراق سے نکل جانا تھا۔ اس نے عباسی حکمران کو آخری سلام کیا اٹھے قدموں پیچھے ہٹا اور دروں غلاموں کے ہمراہ بڑی تیزی سے دروازے کی طرف ہولیا۔ اہل دربار جبریت زدہ تھے۔ ولی محمد جہاں کھڑا تھا اسی تک وہیں کھڑا تھا۔ معتقد کی آواز خاموشی کو توڑتی ہوئی بلند ہوئی اور ابوالان کے آخری کنارے تک سنی گئی۔ وہ ایک بار پھر بیٹے سے مخاطب تھا "ابو جان! پدر اتم ہمارے جانشین اور عباسیہ کے ہونے والے حکمران ہو۔ حکمران کی سب سے بڑی ذمائی یہ ہوتی ہے کہ اپنا غصہ اور جوش قاصد پر نکالنے کی بجائے اس کے پیچھے والے کے لیے غور رکھے ہمارے اور بنی طولون کے مابین جو لڑائی شروع

ہوئی تھی، اب وہ اپنے نتیجے کی منتظر ہے اور دنیا اس کا نتیجہ دیکھ لے گی۔"

ادھر بات ختم ہوئی اور شہزادی دربان اپنے ساتھی کے ہمراہ ایک چری تھیل اٹھائے دربار میں داخل ہوا اور خلیفہ کے سامنے پہنچ کر بتانے لگا۔ "امیر المؤمنین! مصری قاصد یہ غیبا قصر خلافت کے دروازے پر چھوڑ گیا ہے۔ اس میں پانچ کتے ہوئے سر میں اور کزلاں ترک کا سر بھی ہے۔"

اہل دربار قاصد کی زبانی سن چکے تھے کہ وہ کتے ہوئے سروں کا تحفہ لے کر آیا ہے اور اگر اعلیٰ حضرت یہ تحفہ پسند نہ فرمائیں گے، تو ان کے وفاداروں کے سر دریا تھے رجب میں پھینک کر لوٹ جائے گا لیکن دجلہ میں پھینکنے کی بجائے وہ پانچوں کتے ہوئے سر باہر دروازے پر رکھ کر چلا گیا تھا۔ جب دربان انھیں لے کر دربار میں حاضر ہوا تو اہل دربار حیرت کے ایک نئے سکتے اور تعجب کی ایک نئی سسختی سے دوچار ہوئے۔ خلیفہ معتقد وہ المہاک منظر دیکھنے پر مجبور ہو گیا جو عربی شہزادے کا قرمطی سر اٹھے دار اسے دکھانا چاہتا تھا وزیر سلطنت عبید اللہ فوراً آگے بڑھا اور اس نے پانچوں سر قصبے سے نکال کر مسند خلافت کے تقری ایٹھ پر رکھ دیے تاکہ سہ لوگ انھیں دیکھ لیں۔ یہ ایک ایسا عجیب نمک نظرہ تھا کہ اہل دربار کی نظریں بچنی کی پہلی رہ گئیں۔

ابو عباس سفاح سے لے کر ابو عباس معتقد تک ہمیشہ عباسی دشمنوں ہی کے سرنیزوں پر چڑھائے یا فیصلوں پر لڑکائے گئے تھے لیکن یہ پہلا موقع تھا کہ کسی دشمن نے عباسیہ کے دربار میں کتے ہوئے سروں کا تحفہ بھیجا تھا جس نے تمام اعیان سلطنت اور حاضرین و کار کو بہت کر دیا۔ ناگہان عبید اللہ وزیر نے کزلاں ترک کا سر اٹھایا جو سب سے نمایاں تھا اور انکشاف کیا۔ "امیر المؤمنین! کزلاں ترک کا سر محفوظ کر کے بھیجا گیا ہے۔"

اس انکشاف نے نئی سرانگہ دو لڑائی اور لوگ دشمن کی جرأت پر چہ میگوئیاں کرنے لگے پھر ایک آواز بلند ہوئی۔ "بنی طولون کے خلاف اعلان جنگ کیا جائے۔"

اکثر لوگوں نے اس آواز کی حمایت کی۔ دربار خلافت میں کتے ہوئے سر بھیجے کا مقصد یہی ہی تھا کہ دربار عراق، مصر و شام پر حملے کا فیصلہ کرے اور دفریقیوں میں جنگ و جدل کا بازار گرم ہو جائے۔ وزیر سلطنت نے خلیفہ کی طرف دیکھا اور اس نے حکم دیا "عبید اللہ! پانچوں سر قصبے میں رکھ لو انھیں راج ہی طاہرہ کے قبرستان میں دفن کر دیا جائے۔"

وزیر سلطنت نے باری باری پانچوں سر قیلے میں ڈالے اور قیلا اپنے نائب کی تحویل میں دے دیا۔

دربار کا رنگ بالکل بدل گیا تھا۔ ولی محمد ابو محمد علی اپنی تک ویدیں کھڑا تھا اس نے دریافت کیا۔ ”امیر المؤمنین! اب آپ بنی طولون کے بارے میں کیا فیصلہ کرتے ہیں؟“

قاسم بن عبد اللہ ابو الحسن فوراً کھڑا ہوا۔ ”پھر تقدیر کا فیصلہ یہ ہے کہ امیر المؤمنین غولونوں کے خلاف جہاد کا اعلان کریں۔ خمارویہ پر تلوار اٹھائیں جس نے مصر و شام کی عداوت کے ذریعے برقعہ اور قیر دان کا راستہ روک رکھا ہے اور وہاں حکومت کا ایک نیا دعویٰ وار پیدا ہو گیا ہے۔ حضور کو اپنے والد مرحوم کی آخری خواہش یاد ہوگی۔ انھوں نے آپ کو خمارویہ کی گردن پر اپنی تلوار کا لوہا آزمائے کی وصیت کی تھی۔ اب دقت اگلیا ہے کہ بنی طولون کو علاحدگی پسندی کی سزا دی جائے اور عراقی لشکر مصر و شام کی طرف گریز کریں۔“

قاسم بن عبد اللہ نے جو کچھ کہا، بہت سے امرا اور سردار بھی وہی کہنا چاہتے تھے مگر قاضی یوسف کی رائے مختلف تھی۔ ”میں امیر المؤمنین کو جہاد کا مشورہ نہیں دے سکتا۔ جہاد کافروں اور مشرکوں سے ہوتا ہے۔ بنی طولون سے پہلے بھی جنگیں ہو چکی ہیں اور ان جنگوں میں بسنے والا خون مسلمانوں کا تھا۔“

قاضی یوسف کا جواب قاضی ابو عمر نے دیا۔ ”بنی طولون خلافت کے منکر ہیں اور منکرین خلافت کے خلاف تلوار اٹھانا جائز ہے۔“

معتقد ابو عباس نے علماء کی طرف دیکھا تو ابن ابی الدینا نے اپنی رائے پیش کی۔ ”امیر المؤمنین! آپ کے والد موقوف علیہ کے دور میں امر خلافت منقطع ہو گیا تھا اور بنی طولون کا اصرار یہی تھا کہ معزول خلیفہ معتقد علی اللہ کو خلافت پر بحال کیا جائے مگر موقوف علیہ کی زندگی میں یہ امر معطل رہا اور اسی زمانے بنی طولون کو اپنی علاحدہ حکومت مضبوط کرنے کا موقع مل گیا۔ اب آپ کے ہاتھ پر خدا نے قوم کو متحد کر دیا اور امر خلافت پھر جاری ہو گیا ہے۔ طولونی خلافت کے منکر اور باغی نہیں انھیں کسی میدان جنگ میں بلانے کی ہمت پہلے بیعت کی دعوت دی جائے اگر انھوں نے انکار کیا اور سسر کشی اختیار کی تو پھر آپ کو اختیار ہو گا کہ ان کے ساتھ جو جائیں سو کریں۔“

ابن ابی الدینا کی رائے سن کر اہل دربار کا جوش کچھ مدھم چڑ گیا۔ معتقد ابو عباس نے ان کا شکریہ ادا کیا اور کہا۔ ”آپ کی رائے صاحب ہے۔ بنی طولون کے خلاف بہادری تلوار اس وقت تک نیام سے باہر نہیں آئے گی جب تک خمارویہ خود ہمیں جنگ کی دعوت نہیں دے گا۔“

اس پر بعض لوگوں کو حیرت ہوئی اور فوجی جرنیل محمد بن طاہر نے پوچھا۔ ”امیر المؤمنین! دربار خلافت میں کئے ہوئے سردوں کا تحفہ بھیجنا اگر جنگ کی دعوت نہیں تو پھر اور کیا ہے؟“

ولی محمد ابو محمد علی، توصیف بن صوازمین، قاضی ابو عمر اور ابو الحسن قاسم بن عبد اللہ کا بھی خیال تنگ کئے ہوئے سر بھیج کر خمارویہ نے جنگ کی دعوت دے دی ہے۔ اب صرف اس دعوت کو قبول یا مسترد کرنا باقی رہ گیا ہے مگر معتقد نے جو نیا خیال پیش کیا اس نے بڑے دربار کو حیران کر دیا۔ قاعدہ فسطاط کی بجائے عریش سے آیا ہے اور اب ہم سوچ رہے ہیں کہ اس سے بے اہل نصر یا قوت شہزادہ شیبان کا قاعدہ نہ ہو کیوں کہ اس کے پاس پڑھنے کے لیے کوئی تحریری بیان موجود نہیں تھا۔“

انہی لوگ اس نئے خیال پر حیرت کا اظہار کر رہے تھے کہ اسحاق بن کنذاج کہنے لگا۔ ”کسافی معاف امیر المؤمنین شہزادہ شیبان کچھ عرصہ پہلے آرمینیا اور ارشیا کے کوچک کا سرحدی خراج لے کر دمشق سے روانہ ہوا تھا جن تاریخوں میں ابن حرب بغداد سے فرار ہو کر عریش پہنچا انہی تاریخوں میں شیبان کا قافلہ بھی عریش میں پہنچے والا تھا جس کی سرائے میں کران ترک اور عراقی سواروں کو موت کا حادثہ پیش آیا سرائے میں شیبان اور ابن حرب کی ملاقات ضرور ہوئی ہوگی اس لیے اہل نصر یا قوت جو سفاک لے کر آیا ہے وہ شیبان ہی کا ہو سکتا ہے۔“

معتقد ایک ساعت کے لیے رکا پھرا اپنی پر شوکت آواز اور مخصوص لہجے میں کہنے لگا۔ ”اگر وہ پیغام شیبان ہی نے بھیجا ہے تو بھی اس کا جواب ہم خمارویہ ابو عیش سے طلب کریں گے اور جیسے ہیں مشورہ دیا گیا ہے۔ پہلے اسے اپنی بیعت کی دعوت دیں گے پھر ہماری کوئی مصر و شام کی طرف روانہ ہوں گی جنھیں کوئی نہیں روک سکے گا۔“

گویا اس نے اہل دربار کو مطمئن کر دیا پھر قاسم بن عبد اللہ سے مخاطب ہوا۔ ”ابو الحسن! ہم اپنے مرحوم باپ کی وصیت نہیں بھولے مصر و شام اور عراق کے درمیان جو کثیر تلواروں سے کھینچی گئی ہے اسے عریش پر پہنچانے میں ہم تلواروں ہی سے شادیں گے۔ تدرت چاہتی ہے کہ

مرنے کی دعوت دے گا۔ اس وفد کی قیادت ولی محمد کے امین قاسم بن عبداللہ ابو الحسن کریں گے۔



اس روز جب کرمان ترک اور اس کے چار عراقی سواروں کے سر قبرستان باہر یہ میں سرکاری اہواز کے ساتھ دفن کیے جا رہے تھے، لوگوں کا ایک ہجوم وہاں موجود تھا۔ دربار برخواست ہوئے ہی یہ خبر پڑ گئی کہ آری اور بغداد کے علوں، حلقہ در حلقہ پھیلے گا۔ ہزاروں، ہزاروں، ہزاروں کوچوں، گلیوں میں پھیلی جی گئی تھی کہ کرمان ترک اور اس کے ساتھی حذر ابن حرب الکندی کا تعاقب کرتے کرمان ترک اور اس کے سر کاٹ کر بطور تحفہ دربار خلافت میں بھیج دیے گئے ہیں۔ یہ ایک بھیانک اور لرزہ خیز واقعہ تھا جس نے شہرستان کی طرف بھاگنا کہ پشیم خود دیکھ سکے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ خلیفہ معتمد ابو عباس اپنے اہل بیت سلطنت، علماء امراء اور شیوخ سمیت تدفین میں شریک تھا جس سے اس واقعے کا چرچا ہوا اور بے شمار لوگ قبرستان میں پہنچ گئے۔

بغداد میں سنسنی کی ایک لہری دوڑ گئی اور اہل بغداد اپنی عادت کے مطابق طرح طرح کی چیزیں گھومنا شروع کر دیں۔ انھوں نے ماضی میں کم و زخم کو ترکوں کے ہاتھوں قتل ہونے بھی دیکھا اور ان کے جنازے بھی اٹھائے تھے مگر معتمد باللہ احمد ابو عباس ایک طاقتور حکمران تھا۔ اس کے عہد خلافت میں ایسا بھیانک واقعہ بالکل خلاف توقع تھا۔ لوگ اسے دیکھتے اور باتیں کرتے کہ بہت جلد طوفانوں سے جنگ شروع ہو جائے گی اور سپاہ خلافت مہر دھام پر چڑھائی کر دے گی۔

ان افواہوں کے درمیان بعض لوگ معتمد ابو عباس کے رویا کا ذکر بھی کرتے اور کہتے تھے کہ بنی طولون کی حکومت اور دولت ابو عباس کو ملنے والی ہے کیوں کہ ابس نے بنی طولون کا چاند آسمان سے ٹوٹ کر اپنے قدموں میں گرے دیکھا ہے۔

معتمد کی حرموں اور کنیزوں نے خوفناک تحفے کی خبر سنی جسے ظاہر کے قبرستان میں سپرد خاک کیا جا رہا تھا، تو وہ بھی اس سانحے پر دم بخود رہ گئیں کیوں کہ مشرق و مغرب کے کسی حکمران میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ وہ دنیا کے سب سے بڑے فرمانروا کے حضور ایسی گستاخی

وہ کبریت جائے اور ہمیں رویا میں ایک اشارہ بھی دیا گیا ہے۔

معتمد ابو عباس کے آخری الفاظ نے دربار میں دل چسپی کی لہر دوڑادی رہر شخص یہ جاننے کے لیے مضطرب تھا کہ امیر المومنین نے کیا رویا دیکھا ہے؟ یہ درخواست اس کے بیٹے ابو محمد علی نے کی۔ دلی عہد کی درخواست پر اس نے بتایا کہ ابو محمد ارات ہم نے ایک عجیب و غریب رویا دیکھا اور یہ دیکھا کہ بنی طولون کا چاند اپنے آسمان سے ٹوٹ کر ہمارے قدموں میں گر گیا ہے اور ہم اس چاند کو کھینچتے اور سنبھالتے ہیں۔ تو یہ رویہ دیکھا ہے ہم نے اور اس کی تعبیر ابو جعفر ترمذی شیخ الشافعی بیان کریں گے۔

خلیفہ کا اشارہ پا کر شافعی بزرگ نے اہل دربار کو مخاطب کیا اور کہا کہ ”آج امیر المومنین نے طلوع آفتاب کے ساتھ ہی مجھے الرمانہ میں طلب کیا اور اپنا رویا سن کر اس کی تعبیر پوچھی علم تعمیر میں چاند جاہ و شہرت، حکومت و دولت اور شخصی عظمت کے علاوہ حسن و جمال کی بھی علامت ہے۔ اگر چاند کو آسمان سے ٹوٹ کر اپنے قدموں میں گرنا دیکھا جائے تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ رویا دیکھنے والے کو اس خاندان یا ملک کی جاہ و شہرت اور حکومت و دولت نصیب ہوگی جس کے آسمان سے چاند ٹوٹ کر اس کے قدموں میں آگیا ہے۔ رویا کے مطابق بنی طولون کی عزت و شہرت اور حکومت امیر المومنین کو ملنے والی ہے۔“

ولی محمد نے تعجب کا اظہار کیا۔ ابو جعفر تو امیر المومنین کے رویا کی تعبیر یہ بتاتے ہیں کہ انھیں بنی طولون کی حکومت ملنے والی ہے لیکن عجیب اتفاق ہے کہ آج ہی مہری قاصد دربار خلافت میں کٹے ہوئے سروں کا تحفہ لے کر آیا جو محمد بن طاہر جیسے فوجی سالار کے نزدیک جنگ کی کھلی دعوت ہے۔

”تو پھر امیر المومنین کو بھی طوفانی حکومت کسی جنگ کے نتیجے میں مل جائے گی۔“ اس جواب کے بعد شیخ ابو جعفر ترمذی نے بڑا سراسر خاموشی اختیار کر لی۔ لوگ خلیفہ معتمد کا رویا اور شافعی بزرگ کی تعبیر سن کر سوچنے لگے کہ ابو عباس اگرچہ علم ہجوم کے خلاف ہے اور ستاروں کے سعد اور نحس اثرات کو نہیں مانتا لیکن اس کا اپنا ستارہ بڑا مبارک اور آسمان کی بلندی پر طوفانی ستارے کو جیت رہا ہے۔

دربار برخواست کرنے سے قبل اس نے اعلان کیا کہ عن قرب ایک وفد بھیجے گا۔ جو خوارویہ ابو حشیش سے آج کے پیغام کا جواب طلب کرے گا اور اسے خلافت کا حلقہ قبول

کرنا لیکن مصر کی سرزمین سے ایسی گنتی کا ارتکاب کیا گیا تھا اس خبر نے مکہ جبکہ خاتون کو بالکل مضطرب سا کر دیا تھا اور اس خیال سے بے حد خوفزدہ تھی کہ کہیں ابو عباس نے مصر پر حملے کا فیصلہ نہ کر لیا ہو۔

تیسرے پہر جب معتقد اتر صافہ میں داخل ہوا، جبکہ نے سب سے پہلے کر لان ترک کی بات کی اور خلیفہ نے جواب دیا۔ ”ایک افسوس ناک واقعہ پیش آ گیا ہے کوئی دوسرا سادہ شاید کر لان ترک کو ایک زخم بھی نہ لگا سکتا لیکن ابن حرب نے اُسے ہلاک کر دیا اور سر کاٹ کر ہمیں بھجوا دیا۔ شاید وہ کچھتا ہے کہ ہماری دسترس سے باہر ہو گیا ہے لیکن وہ اتنا دور بھی نہیں جتنا کچھتا ہے کیوں کہ تیز رفتار سوار یوں کے سامنے طویل فاصلے سمٹ جاتے ہیں؟“

جبکہ خاتون نے حیرت سے پوچھا۔ ”کیا اُسے گرفتار کرنے کے لیے امیر المومنین کچھ اور لوگوں کو بھیجیں گے؟“

ابھی معتقد نے سوال کا جواب نہیں دیا تھا کہ ایک کیز نے حیرت انگیز اطلاع دی۔ ”امیر المومنین سردار حرب الکندی کی بیوہ حاضر کی طلب گار ہے۔“

معتقد ابو عباس نے فوراً حاضری کی اجازت دے دی اور سنبھل کر بیٹھ گیا۔ اُسے ایک ایسی عورت کا سامنا کرتا تھا جس کا شوہر کبھی اوصاف کی اور بیٹا معتقد احمد ابو عباس کی حفاظت پر مامور تھا لیکن حالات کی صورت اتنی بدل گئی کہ ایک بغداد میں قتل کر دیا گیا اور دوسرا فرار ہو چکا تھا۔

ادھر عورت جس کی کمر مہینوں کے بوجھ نے وقت سے پہلے ختم کر دی تھی جب کمرے میں داخل ہوئی تو اس کے چہرے پر پندہ ندگی کی کوئی روشنی دکھائی نہ دیتی تھی جیسے اندھیرے میں ٹھوکریں کھا رہی ہو۔ اُس نے خلیفہ کو سلام کیا اور کہنے لگی۔ ”امیر المومنین! میں نے سنا ہے میرے بیٹے نے کر لان ترک اور اُس کے ساتھیوں کو ہلاک کر دیا اور ان کے کٹے ہوئے سر دربار خلافت میں بھیجے گئے ہیں لیکن میں آپ کو اس واقعے سے آگاہ کرنے آئی ہوں جو رات بھر پیش آیا۔“

معتقد ہمہ تن گوش ہو گیا اور بڑھاپے بتایا۔

”امیر المومنین! رات دو غلام جو ویش کی کا دوں مراٹے سے بھیجے گئے تھے میرے پاس منذر کی انٹھ لٹی جسے میں پیا تھی ہوں، اور اُن کا بیٹا اُسے میرے بیٹے کا لٹی لٹی

اس لیے بھیجی تھی کہ دونوں غلام اسی کے پیغامبر ہیں اور پیغام یہ بھیجا ہے کہ میں بغداد چھوڑ دوں اور اُن کے ساتھ مصر چلی آؤں مگر میں نے مصر جانے سے انکار کر دیا اور منذر کو پیغام بھیجا ہے کہ وہ بغداد لوٹ آئے تو میں امیر المومنین سے کہہ کر اُس کی خطا معاف کر دوں گی، اور اس وقت یہ پرچھے کئی ہوں کیا بغداد میں میرے بیٹے کو زندگی مل سکتی ہے؟“

یہ ایک ایسا سوال تھا جس نے معتقد ابو عباس پر سکتہ خاری کر دیا کیوں کہ ماں ایک ایسے بیٹے کی زندگی مانگ رہی تھی جو معتقد کے اختیارات کی سرحد پار کر چکا تھا۔

حرب الکندی کی بیوہ کا اتر صافہ میں آنا اگر حیرت انگیز تھا تو اس کا بیان ایک ایسی بات ثابت ہوا کہ خلیفہ معتقد رو داد سن کر در طہ حیرت میں ڈوب گیا کہ اُس نے ابن حرب کے بھیجے ہوئے غلاموں کے جہاز پیش دمر جہانے سے انکار کر دیا بلکہ اپنے بیٹے کو پیغام بھیجا تھا کہ بغداد لوٹ آئے اور اب اتر صافہ میں خلیفہ سے یہ پوچھنے آئی تھی، کیا بغداد میں اُسے پناہ مل سکتی ہے؟

ماں نے اپنے بیٹے کے لیے رجم مانگا تھا، نہ زندگی مانگی تھی اور معتقد حیران تھا کہ کیا جواب دے جو کچھ وہ طلب کر رہی تھی اس کے پاس نہیں تھا۔ نہ رجم، نہ زندگی، بیوہ عورت عسورت سوال کھڑی خلیفہ کے جواب کی منتظر تھی اور وہ معاملے کی عجیب و غریب نوعیت پر غور کر رہا تھا آخر کسے ننگا۔

”ہم ایک ایسی مسند پر بیٹھے ہیں جو انصاف کا تقاضا کرتی ہے اور انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ابن حرب پہلے ہمارے حضور پیش ہو اور قانون کا سامنا کرے۔“

عورت سمجھ گئی کہ وہ اس کے بیٹے کی گرفتاری پر ہراسہ کر رہا ہے اور یہی بات اُسے منظور نہ تھی۔ اس نے اپنی کچھ بوجھ کے مطابق ایک نکتہ لگایا۔ ”امیر المومنین! قانون کا سامنا مجرم کرتے ہیں۔“

اب خلیفہ کا لہجہ تلخ ہو گیا۔ ”کیا تم یہ سمجھتی ہے، کر لان ترک اور اُس کے سواروں کا قتل کوئی جرم نہیں؟“

”بے شک نہیں یہی سمجھتی ہوں۔“ بیوہ عورت نے دو ٹوک جواب دیا اور آواز بڑی کچھ

پیش کر کے مگر جب کسی بے گناہ کو اس کا جرم بتائے بغیر گرفتار کرنے کی کوشش کی جائے اور اس پر بے خبری میں دھاوا کیا جائے تو اسے اپنے دفاع کا حق حاصل ہوتا ہے۔ اس نے یہی حق استعمال کیا۔ امیر المومنین جھگڑا میرے بیٹے نے نہیں کر لیا نہ ترک کیا اور مجرم وہ ہے جو جھگڑے کا آغاز کرتا ہے۔ ظلم کا دھبہ آپ کے افسر پر تھا میں سن چکی ہوں، غزیش کی کارواں میرے میں لڑائی بھی اس نے خود مول لی تھی اور دو بہادروں کے اور بیان لڑائی کا جو انجام ہوا کرتا ہے، وہ تھا۔ میں اس بات پر نادم نہیں کہ آپ کا افسر میرے بیٹے کے ہاتھوں مارا گیا۔ ان دونوں میں سے بہر حال کسی کو سزا نہ تھا۔ ان حالات میں ابن حرب کو کرنا نہ ترک کے قتل کا مجرم قرار دینا خلاف انصاف ہے اور آپ انصاف کی مسند پر بیٹھ کر کوئی غلط فیصلہ محض اس لیے نہیں کر سکتے کہ آپ خلیفہ اور صاحب اقتدار ہیں۔“

معتضد ابوعباس کو ایسے جواب کی توقع نہیں تھی۔ جوہ عورت کی باتیں سن کر دل و دماغ پر ایک حیرت کی گز گئی وہ ابھی اسی حیرت سے دوچار تھا کہ اس نے ایک اور سوال کر دیا۔ ”اب میں پوچھتی ہوں، آپ نے میرے بیٹے کی گرفتاری کا حکم کیوں صادر کیا؟ وہ تو آپ کا دوست اور محافظ دستے کا سالار تھا۔ آخر اس نے کیا جرم سرزد کیا؟“

اس سوال نے خلیفہ کو مزید پریشان کر دیا۔ ابن حرب کی گرفتاری کا حکم صادر کرنے وقت اسے جرم کی نوعیت سے آگاہ نہیں کیا گیا تھا۔ وہ معزول خلیفہ مقصد کی پراسرار ہلاکت اور اپنے باپ حرب الکندی کے قتل کی تفتیش کے سلسلے میں مطلوب تھا اور کیوں مطلوب تھا؟

کرنا نہ ترک نے اپنے سواروں سمیت سردار حرب کی حوٹ پر دھاوا کیا، اس کی بیوی کو بوجہ ہونے کی خبر سنائی۔ خدا اور ہلال خنجر شناخت کے لیے پیش کیا، سونے کی ایک ٹوٹھی دکھائی، جس کی کٹوری میں سبز زرد جڑا ہوا تھا اور یہ اطلاع دی تھی کہ تمہارا بیٹا ان دونوں چیزوں کو پہچانتا ہے مگر کسی خنجر یا ٹوٹھی کو پہچاننا ثبوت جرم نہیں ہو سکتا۔ انکو ٹھی اتر صافہ کی فلسطینی کنبز دمنہ کی تھی جسے جیچک خاتون بھی جانتی اور پہچانتی تھی پھر اس کی گرفتاری کا حکم کیوں صادر نہ کیا گیا، جبکہ اہل بغداد نے الزام کی اٹھائی اسی پر اٹھائی تھی؟

جوہ عورت غالباً انہی حالات سے دوچار تھی۔ معتضد محسوس کر رہا تھا کہ اس پر مانتا

کا جذبہ غالب ہے اور وہ ان امور سے آگاہ نہیں جو پردہ اخفائیں ہیں۔ حکومت کے کمی معاملے ایسے ہوتے ہیں جنہیں لوگوں سے پوشیدہ رکھا جاتا ہے۔ ابن حرب کے معاملے میں بھی کئی باتیں مخفی تھیں لیکن اب وقت آگیا تھا کہ ان سے اخفا کا پردہ اٹھا دیا جائے۔ خلیفہ نے عمر وہ عورت کو جو اپنے بیٹے کی زندگی مانگنے آئی اور انصاف کے لیے جھگڑی تھی، ایک طرف بیٹھے کا اشارہ کیا اور حکم دیا کہ اس کے غلام بدر کو حاضر کیا جائے تاکہ وہ غلطی کی صورت واضح کرے۔

ایک کنبز فوراً نئے داروغہ محل کی طرف بھاگی تاکہ ضابطہ کے افسر اعلیٰ بدر کو حاضری کا حکم دیا جائے۔ کمرے کا منظر یک لخت تبدیل ہو گیا اور جوہ عورت کے بیٹھے ہی جھک چکی نے جو ابھی تک خاموش تھی، اپنے شوہر سے پوچھا۔ ”ابو عباس! اگر آپ مناسب سمجھیں تو میں یہاں سے ہٹ جاؤں تاکہ میری ذات گفتگو میں حائل نہ ہو۔“

”نہیں، یہاں تمہاری حاضری ضروری ہے ان الفاظ کے ساتھ خلیفہ نے الرضا کی قانون کو جس پر معتقد اور حرب الکندی دونوں کو قتل کرانے کا شہرہ کیا گیا تھا، کمرے میں جانور رہنے کا پابند کر دیا اور خود بے چینی سے بیٹھنے لگا اسے اپنے غلام بدر کا انتظار تھا۔ اس کے آنے تک کسی نے کوئی بات نہیں کی۔ چند لمحوں کے بعد کنبز نے غلام کے آنے کی اطلاع دی تو اسے وہیں طلب کر لیا گیا مگر اس اثنا میں اس خراب کے سامنے پردہ کھینچ دیا گیا جہاں جیچک خاتون بیٹھی تھی۔

بدر کے حاضر ہونے ہی خلیفہ کا رویہ اچانک بدل گیا اور وہ بڑے کرخت لہجے میں جس سے بے رحمی نمایاں تھی اپنے حاکم ضبطیہ سے مخاطب ہوا۔ ”بدر! سردار حرب الکندی کی جوہ ایک درخواست لے کر آئی ہے اور اپنے بیٹے کے لیے تم سے انصاف چاہتی ہے۔ تمہیں اس لیے طلب کیا گیا ہے کہ مندر ابن حرب کی گرفتاری کا مقصد بیان کر سکو۔ خاتون کو بناؤ کہ اس کے بیٹے کی گرفتاری کا حکم کیوں صادر کیا گیا تھا؟“

خلیفہ کے آزاد کردہ معتد غلام نے معاملے پر غور کیا اور بڑے محتاط پیرائے میں واقعے کی صورت بیان کرنے لگا۔ الفاظ چھپے تھے مگر کثیر اطمینان تھے اس نے بتایا کہ کچھ عرصہ قبل چند حالات جو اسرار کے غلافوں میں لپٹے ہوئے تھے، اس طرح ناگہان پیش آئے جیسے بادلوں کے عاشیوں میں چھپ کر بیٹھی ہوئی بجلیاں چمکتی پہلے ہیں لیکن ان کی

لوگوں کو کچھ دیر بعد سنا دی گئی ہے۔ اترصافہ کی فلسطینی کنیز دمنہ وہی بجلی تھی جو بغداد کے آسمانوں پر چھائے حالات کے بالوں میں چھپ کر بیٹھی رہی اور اچانک قصر معتمد پر اس دقت ٹوٹی جب معزول خلیفہ نے خلیفہ سے دشمنی دار ہو کر امیر المومنین ابو عباس معتمد باللہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ اعلیٰ حضرت معتمد کی پراسرار ہلاکت ہی ان واقعات کا پیش خیمہ تھی جن کا سلسلہ ابن حرب کی گرفتاری کے حکم تک پہنچا۔

خوبصورت فلسطینی کنیز جو خلیفہ کے دربار میں کیوں آئی تھی؟

دمنہ کا اپنا بیان یہ تھا کہ شامی بڑے فروشوں نے اسے فلسطین کے ساحلی شہر حیفہ سے اغوا کیا اور بصرہ کے کسی رئیس کے پاس فروخت کرنا چاہتے تھے لیکن جب قافلہ بادیر شام کی پہلی پر سفر کرتا عراق میں داخل ہوا کچھ لوگوں نے قافلے پر حملہ کر کے دوسری ترکبوں سمیت دمنہ کو بھی بردہ فروشوں سے چھین لیا اور بغداد لے آئے، بغداد پہنچ کر تپا چلا کہ وہ بھی ترکبوں کے تاجر ہیں۔ موقع پاکر دمنہ ان کے اڑے سے بھاگ نکلی اور اڑے کے آدمی اس کے پیچھے بھاگے۔ دمنہ اتفاق سے دجلہ کنارے اترصافہ کے قریب پہنچ گئی اور دوسرا اتفاق یہ ہوا کہ اترصافہ کے محافظ سردار حرب الکندی نے اسے اپنی پناہ میں لے لیا۔ دمنہ کا تعاقب کرنے والے سردار حرب کو دیکھ کر درگئے اور اس خیال سے کہ اترصافہ کے داوروغہ سے اُلجھنے کا نتیجہ خطرناک ہوگا، تتر بتر ہو گئے۔ سردار حرب نے دمنہ کو ایک مظلوم اور بے ہارا لڑکی سمجھ کر جنگ خاقان کی خدمت میں پیش کیا۔ اس طرح وہ اترصافہ میں پہنچی لیکن امور خاص کے نچلے نے جو تحقیق کی، وہ بتاتی ہے کہ دمنہ دراصل اغوا ہوئی تھی وہ ان لوگوں کے ساتھ بھی تعاون کرتی رہی جو اسے بردہ فروشوں سے چھین کر بغداد لے آئے تھے۔ وہ "کرائے کے آدمی" تھے ان کا کام دمنہ کو صرف بغداد پہنچانا اور اترصافہ کے قریب وجوار میں اس کے فرار کا ایک ناشی کھیل کھیلنا تھا۔ دفتر خلیفہ کو یہ معلومات اڑے کے اُس آدمی سے حاصل ہوئیں جسے اترصافہ کے ایک محافظ کی نشان دہی پر گرفتار کر لیا گیا۔ وہ آدمی دمنہ کا تعاقب کرنے والوں میں شامل تھا اس نے بتایا کہ جو لوگ فلسطینی لڑکی کو بغداد لے کر آئے، وہ دوسری صبح کسی نامعلوم سمت چلے گئے تھے۔

اترصافہ میں دمنہ صرف سردار حرب سے میل جول رکھتی تھی ان کی بیشتر ملاقاتیں اگرچہ دوسروں سے خفیہ اور پرستیدہ تھیں مگر زمانے کی نظروں سے جس کے چہرے پر

سنا رہا ہونے لگی ہیں، کوئی ملاقات مخفی نہیں رہتی۔ فلسطینی کنیز ایک خفیہ جماعت کی دستاویز تھی جو ایک رات سردار حرب کی وساطت سے قصر معتمد میں داخل ہوئی کیوں کہ حرب نے اعلیٰ حضرت معتمد کی غی کنیز شامیہ کو اس کی بہن کا جعلی خط دکھا کر سامراج بھیج دیا اور اعلیٰ حضرت کی حکومت میں دمنہ کی حاضری اور لغتہ سرائی کا جواز پیدا کر لیا تھا۔ لیکن غفلت اس رات کی صبح دیکھنا نصیب نہ ہو سکی۔ فلسطینی کنیز نے بلا سربیع الاثر زہر استعمال کیا جو اس نے اپنی انگوٹھی کی کٹوری میں چھپا رکھا تھا۔ وہ اپنا کام سرا انجام دے کر چوروں کی طرح قصر سے نکلی۔ باہر سردار حرب اس کا منتظر تھا جو اسے قصر معتمد سے حفاظت نکال کر لے گیا۔ دمنہ بغداد میں تنہا تھی۔ خفیہ جماعت کے آدمی اس کی نگرانی پر مامور تھے اور سردار حرب ان کا ٹھکانا جاننا تھا۔ دونوں رات کے اندھیرے میں وہیں پہنچے اور وہ ٹھکانہ شنوئیرہ کی خانقاہ سے کچھ دور ایک باطنی مرید کا حجرہ تھا۔ شنوئیرہ کا شیخ اس بات سے بے خبر تھا کہ فرقہ باطنیہ کے کسی مرید نے چند پراسرار لوگوں کو پناہ دے رکھی ہے۔ سردار حرب الکندی درپردہ اسی فرقے سے تعلق رکھتا لیکن کسی "پراسرار آقا" کے حکم کی تعمیل میں جان کی بازی لگا سکتا تھا اور دمنہ اسی "پیر اسرار آقا" کی بھیجی ہوئی تھی۔ اس نے سردار حرب کے تعاون سے معزول خلیفہ کی زندگی ختم کر دی جن کا وجود عدم کے برابر تھا مگر دمنہ نے انہیں جام مرگ پلا کر "نئی زندگی" دے دی تاکہ لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہو جائیں کہ امیر المومنین کو ان کی ذات سے خطہ تھا۔ ان کی ہلاکت کے تیسرے دن بغداد سے دور دجلہ کے کنارے سردار حرب کی لاش مل گئی جسے ایک خدا ترن خیر سے ہلاک کیا گیا تھا۔ جب سے دمنہ کی انگوٹھی دستیاب ہوئی۔ ضبطیہ (پولیس) دمنہ کی لاش بھی تلاش کرتی رہی جو نہ مل سکی۔ غالباً کوئی جانور اسے گھسیٹ کر جنگل میں لے گیا یا اسے کسی گڑھے میں دفن کر دیا گیا تھا کہ عورت کی لاش رسوا نہ ہو۔

دونوں کو ختم کر دینے کا مقصد یہ تھا کہ معتمد کی ہلاکت کا الزام اترصافہ پر عائد ہو اور اہل بغداد یہ سمجھیں کہ پہلے دونوں سے ایک سنگین جرم کر لیا گیا پھر افتائے ناز کے خوف سے ان کی زبانیں ہمیشہ کے لیے بند کر دی گئیں۔ لوگوں نے یہی سمجھا اور اترصافہ پر انگلی اٹھائی لیکن یہ منصوبہ اس لیے کامیاب نہ ہو سکا کہ موقعہ بخت و الطایر (اڑے) کے ایک آدمی کے علاوہ شنوئیرہ کا باطنی مرید بھی گرفتار کر لیا گیا تھا جس نے خفیہ جماعت کے کارکنوں کو پناہ

دی تھی مگر وہ پراسرار آقا کے بارے میں کچھ نہیں بتاتا جس کے اشارے پر دمنہ سردار
حرب تک پہنچی تھی۔ حالات کی اس زنجیر میں حرب الہندی اہم کڑی کی حیثیت رکھتا تھا۔ دمنہ
اس کے بیٹے منذر میں بھی دل چسپی لے رہی تھی اور اُس نے اتر ماہ کی بعض کنیزوں سے
ایسی باتیں کی تھیں جن سے اس کی دل چسپی کا پتا چلتا ہے۔ اس انکشاف کے بعد منذر ابن
حرب کی گرفتاری ضروری سمجھی گئی اور کزلان ترک کو حکم دیا گیا، وہ اسے امیر المومنین کے حضور
پیش کرے اور گرفتاری کا حکم اس لیے دیا گیا کہ عربی کماوت کے مطابق انولڈ سبوتاژ (بیشاپ کا جھید ہوتا ہے)

سردار حرب کو جس خدا ربہ لی خنجر سے ہلاک کیا گیا، وہ دراصل خفیہ جماعت کا نشان
یا ایک علامت ہے اور ایسا ہی ایک خنجر ابن حرب کے پاس بھی دیکھا گیا تھا جس سے متعلق
اس نے امیر المومنین کے سامنے عذر پیش کیا کہ خنجر اسے راستے میں پڑا ہوا ملا تھا لیکن
خفیہ جماعت کے علامتی خنجر راستوں میں پڑے نہیں ملتے، صرف خاص لوگوں کو مہیا کیے
جاتے ہیں اور ابن حرب کو بھی وہ علامتی خنجر کسی خاص مقصد کی خاطر مہیا کیا گیا تھا۔ اس
نے یہ بات پوشیدہ رکھی۔ اعلیٰ حضرت مقصد کی ہلاکت اگر پراسرار تھی تو سردار حرب کا قتل
بھی حیرت افزا تھا لیکن علامتی خنجر سے جو غالباً غلطی یا فراٹفری سے باعث اس کے مردہ جسم
میں رہ گیا خفیہ جماعت کی نشان دہی ہوئی جس کے بعد ابن حرب کو حراست میں لینے کا
حکم صادر ہوا تاکہ اس کے ذریعے خفیہ جماعت تک پہنچنے کی کوشش کی جائے لیکن وہ قانون
کا سامنا کرنے کی بجائے بغداد سے فرار ہو گیا، گویا اس پر جو شبہ کیا گیا، وہ بے وجہ رہا
جس طرح ایک واقعہ دوسرے واقعے کا سبب بنتا ہے، اسی طرح ایک شبہ دوسرے
شبہ کو تقویت دیتا ہے۔ کزلان ترک اور اس کے سواروں کی ہلاکت کے بعد یہ بات پایہ
ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ وہ امیر المومنین کا دوست نہیں رہا۔ اس نے اپنے جسم سے دھاری
کا لبادہ اتار رکھا اور عداوت کا جامہ پہن لیا ہے۔ وہ عباسی سلطنت کی حدود سے ضرور
نکل گیا اور مصر و عراق کے درمیان فاصلے بھی طویل ہیں مگر جب سیاہ پرچم حرکت میں آگئے
فاصلے سمٹ جائیں گے۔ علاقوں اور ملکوں کو جدا کر دینے والی سرحدیں مٹا دی جائیں گی
ہر مرد، ہر عورت یہ بات سمجھ لے اور اپنے دل پر لکھ لے کہ انزاق، شورش، بغاوت،
سازش، مصلحت اور کمزوری کا زمانہ گزرے مومنوں کی طرح بیت گیا۔ امیر المومنین

معتقد باللہ کے ساتھ عباسیہ کی عظمت و شوکت اور فتوحات کا دور پھر لوٹ آیا ہے اور
خلافت کے باغیوں کو نہ شام میں نہ مصر میں پناہ مل سکے گی۔

ابن حرب اگر یہ سمجھتا ہے کہ طو لو نیوں کی تلواریں اور خفیہ جماعت کے خنجر اسے بچا
لیں گے تو یہ خیال بالکل خام اور بودا ہے۔ آج نہیں تو کل وہ پابہ زنجیر بغداد میں لایا جائے
گا اور عبرت ناک انجام کو پہنچے گا جو غداروں کا مقدر بن چکا ہے اور انجام یہ ہوگا کہ اس
کا سر کاٹ کر باب الحرب پر آویزاں کر دیا جائے گا اور بغداد کے لوگ اسے لعنت سے
دیکھیں گے۔۔۔۔۔

ابھی بدر کی تقریر جاری تھی کہ بیوہ عورت کے حلق سے ایک دل خراش چیخ بلند ہوئی
جیسے پچ مچ اس کے بیٹے کا سر کاٹ کر نثر کے کسی دروازے پر ٹکا دیا گیا ہو اور ایسی
لہر زہ خیز تھی وہ چیخ کہ پردے کے نیچے جھک خاتون نے گھبرا کر ابو عباس کو آواز دی
اور حلیف نے ہاتھ کے اشارے سے بدر کو مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔ سب بھی سمجھے
کہ ماں اپنے بیٹے کے انجام پر جس کا نقشہ بڑے بھیانک الفاظ میں کھینچا گیا تھا، غش کھا
کے گر پڑنے کی لیکن دوسرے لمحے وہ بجلی کے کوندے کی طرح ٹپ کر اپنی نشست
سے اٹھی اور معتقد کے سب سے زیادہ با اختیار اور عزیز ترین افسر اعلیٰ کی جانب ہاتھ
لہرا کے کہنے لگی۔ "ذیل غلام تو میرے بیٹے کو گرفتار کرنے اور اس کا سر کاٹنے کی ڈینگ ملاتا
ہے۔ اگر امیر المومنین مجھے اس کی گرفتاری کا خطرناک فرض سوچ دیں تو اپنا کفن ساتھ
لے کر جانا، جس میں تیرا مردہ پیٹ کر کسی گڑھے میں دفن کیا جائے۔ ورنہ تیری لاش کو کتے
گھسیٹتے پھریں گے۔ تو نے منذر کے کسی خفیہ جماعت کے ساتھ تعلق کی جو دانش سنان،
وہ تیرے اپنے ذہن کی گھڑت ہے۔ میں جانتی ہوں کہ اس کا باب باطنی عقیدے
سے دل چسپی رکھتا اور کبھی کبھار شونیز یہ میں جایا کرتا تھا لیکن میرے بیٹے کو اس قسم کے
کسی عقیدے اور کسی فرقے سے دل چسپی نہ تھی۔ اس کے گلے میں صرف امیر المومنین کی
وفا داری کا حلقہ تھا۔ اگر حرب سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی تھی تو اس کی سزا منذر کو نہیں دی جا
سکتی جو قانون باپ کے جرم کا پھندا بیٹے کی گردن میں ڈال کر ٹھکتا ہے کہ انصاف ہو گیا
وہ ایک نئے ظلم کی بنا ڈالتا ہے اور کسی دن اپنے ہی کھودے ہوئے گڑھے میں گرے
گا" اور تو نے جو یہ کہا کہ میرے بیٹے نے وفاداری کا لبادہ اتار کر عداوت کا جامہ پہن لیا ہے

”اپنے الفاظ کی قیمت“

”قیمت بیان کر دو“

”آپ میرے الفاظ کا وزن جانتے ہیں دوسرے پڑھے میں اتنا ہی وزن ڈال

دیں کہ میزان برابر ہو جائے“

معتقد اس کے الفاظ پر غور کرنے لگا۔ جانتا تھا، وہ ان کے بدلے میں کیا چاہتی ہے اور اپنے بیٹے کی زندگی چاہتی تھی جس کی ضمانت وہ نہیں دے سکتا تھا کیوں کہ اس نے برسرِ اقتدار آتے ہی لوگوں پر اپنی دہشت طاری کر دی تھی اور اسے قائل رکھنا چاہتا تھا تاہم کبھی کبھی بے رحم آدمی کے دل میں بھی رحم کی لہر گزرتی ہے۔ اس نے مجبوراً عورت کو یاہوس لیکھا اور اپنا فیصلہ سنا دیا۔

”تھاری خاطر ہم ابنِ حرب سے دستبردار ہوتے ہیں اور اس کی گرفتاری ضروری نہیں سمجھتے۔ اسے بھی چاہیے کہ بغداد سے دور رہے اور ہماری وفاداری کے حلقے سے نکل گیا ہے تو ہمارے سامنے آئے نہ ہم سے اٹھنے کی کوشش کرے۔ اگر اُس نے نئی طولوں یا کسی دوسری جماعت کے ساتھ مل کر ہمارے کسی علاقے پر تاخت کی، ہمارا کوئی مال لوٹا یا ہمارے کسی قافلے کو روکا تو جواب میں ہماری تلوار اٹھے گی اور اس کا سر قلم ہوگا۔ بس یہی تھا۔ اسے الفاظ کی قیمت ہے کہ نہ وہ ہم سے اٹھے نہ ہم اس پر حملہ کریں گے۔“

سردارِ حرب کی بیوہ نے اپنا مقصد حاصل کر لیا تھا۔ اس نے سپاس کی نظروں سے خلیفہ کی طرف دیکھا اور بولی۔ ”شکر یہ ابو عباس! میں اسے آپ سے دور رہنے کی ہدایت کروں گی۔“

یہ کہہ کر عڑی اور اتر عاصی سے نکل گئی۔



رات اس نے اپنے بیٹے کے پیچھے ہوئے غلاموں کے ساتھ مصر جانے سے انکار کر دیا اور اسے پیغام بھیجا تھا کہ وہ بغداد میں لوٹ آئے لیکن اب اس کی واپسی خطرناک تھی اور اسے شہرِ خلفا سے بہر حال دور رہنا تھا جس کے دروازے اس کے لیے بند ہو

تو غلط نہیں کیا۔ جب کہ لان ترک اپنے سواروں سمیت اس کی گرفتاری کے لیے طوق اور زنجیر لے کر حویلی کے دروازے پر آیا اس سے پہلے میں اُسے نصیحت کر چکی تھی۔ وہ اپنی وفاداری کا بوجھ دین انار کر پھینک گیا اور جب گھر کی دہلیز سے باہر نکلا تو ایک بدلا ہوا آدمی تھا جسے تقریباً شکت نہیں دے سکتی کیوں کہ تقدیر انسان کے اپنے عزم اور عمل کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہے وہ بغداد سے بے شک چلا گیا لیکن اپنے باپ کا قصاص بے بغیر چین سے نہیں بیٹھے گا اور جس لوگوں نے حرب کو قتل کیا ہے، وہ ابنِ حرب کی تلوار سے نہیں بچ سکیں گے۔“

اس نے بدرِ بر نفرت کی نظر ڈالی کہ اپنا رخ پھیر لیا، پھر خلیفہ سے مخاطب ہوئی۔ ”امیر المومنین! میں نے آپ سے رحم کی درخواست کی اور اپنے بیٹے کی زندگی مانگی تھی لیکن اب میں سمجھ گئی ہوں کہ رحم آپ کے پاس نہیں، نہ آپ کو کسی کی زندگی پر اختیار حاصل ہے اس لیے اپنی درخواست واپس لیتی اور معاملہ خدا کے سپرد کرتی ہوں اگر آپ کے انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ قندر گزرا رہو تو بے شک اسے گرفتار کر لیں اور اگر آپ کا عدل چاہتا ہے کہ اس کا سر تن سے جدا کر کے شہر کے کسی دروازے پر لٹکا دیا جائے تو ضرور لٹکا دیں کیوں کہ آپ نئی عباس کے سفاح ثانی (دوسرے خون ریز) ہیں مگر میں جانتی ہوں کہ میرا شوہر دمنہ کو جیچک خاتون کے حکم پر معتقد کے قصر میں لے گیا تھا اور شاید مرحوم خلیفہ کو زہر بھی اسی کی مرضی سے دیا گیا ہو۔ آج یہ بات میری زبان پر آئی ہے، کل اس کا چرچا پورے بغداد میں ہوگا۔“

یہ کہہ کر عڑی اور جیچک خاتون کے ساتھ معتقد ابو عباس کو بھی حیرت کے سکتے میں ڈال کر دروازے کی جانب بڑھی۔ اس انکشاف نے کہ حرب، جیچک خاتون کے حکم پر دمنہ کو قصرِ معتقد میں لے گیا تھا، اثرِ صاف کے در و دیوار پر خوف کا ایک لرزہ سا طاری کر دیا اور پھر اسی حالت میں خلیفہ نے سردارِ حرب کی بیوہ کو روک لیا۔

”ٹھہرو“

ابھی اُس نے کمرے کی دہلیز عبور نہیں کی تھی کہ انہی قدموں ٹک گئی اور گردن موڑ کر اپنے عقب میں دیکھا۔ معتقد ابو عباس اس کے قریب آگیا اور حکم کے لیے میں بولا۔ ”کیا چاہتی ہو؟“

۳۳۱
 سے مل کر معتد کے قصاص کا جھٹٹا باندھنے اور عراقی پر لشکر کشی کرنے والا ہے مگر اب
 ضروری تھا کہ اسے عراق پر حملہ کرنے سے باز رکھا جائے۔

عریش سے آنے والے غلام واپس جا چکے تھے اور ماں چاہتی تھی، بیٹے کو جلد از جلد
 معاملے کی نئی صورت سے آگاہ کر دے۔ پیغام رسانی کا ایک ہی ذریعہ تھا کہ عبداللہ کو مصر
 روانہ کر دیا جائے۔ وفادار غلام اس خدمت کے لیے فوراً تیار ہو گیا۔ صبح اس کی نیزہ زن سار
 رانڈی شام کی طرف جانے والی معروف شاہراہ پر بھاگی جا رہی تھی۔



بعد اظہار غم و غراب کا شہر تھا جس کے باشندے نئی نئی باتوں میں دل چسپی رکھتے۔
 کسی بھی حادثے کی خبر سن کر سوکھی کھڑکی کی طرح فوراً مشتعل ہو جاتے اور جیسے پانی کے
 پھینٹوں سے چلتی کھڑکی دھواں چھوڑتی ہوئی بھڑکتی ہے۔ اسی طرح گزرتے وقت کے ساتھ
 پرانے واقعات کو ذہن سے اتار کر خود بھی ان کے ساتھ ہی بکھ جاتے تھے اور کسی نئے
 واقعے، کسی نئے حادثے پر چرمیگوں بیاں کرنے لگتے۔ معزول معتد کی ہلاکت کھواقعہ بھی
 کم و بیش ان کے ذہن سے انچکا تھا مگر گزراں ترک سمیت عراقی سواروں کے کٹے
 ہوئے سروں کی آمد اور تدفین سے جہاں پورے شہر میں ایک نئی سنسنی پھیل گئی تھی۔
 وہاں ابن حرب کے حوالے سے معتد کی ہلاکت کا سانحہ بھی پھر سے تازہ ہو گیا تھا اور لوگ
 مستحق کوچوں اور بازاروں میں کٹے ہوئے سروں کے انجوبے کے ساتھ ساتھ موت
 کے گزبے واقعات بھی دہرانے لگے تھے۔

سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا اور بغداد کے کوچہ و بازار میں لوگوں کی ٹولیاں جگ
 جگ کھڑی مرگ معتد کے علاوہ سردار حرب الکندی کے پراسرار قتل اور ابن حرب کے حیرت
 انگیز فرار پر جو امیر المومنین معتد ابو عباس سے برگشتہ ہو کر طو لوئیوں کی پناہ میں چلا گیا
 تھا، طرح طرح کی قیاس آرائیاں کر رہے تھے ان کے نزدیک مصری قاصد کٹے ہوئے سروں
 کی شکل میں دراصل جنگ کا پیغام لے کر آیا تھا جس کے بعد عباسی لشکروں کو صرف روانگی
 کا حکم دینا باقی رہ گیا تھا کہ وہ مصر پر دھاوا کر کے ابن حرب کا سر کاٹ لائیں اور بنی ملوکیوں
 کو عبرت ناک سزا دیں۔

سردار حرب کی بیوہ منبر پر نقاب ڈالے بازاروں اور کوچوں سے گزرتی، لوگوں
 کی بائیں سنتی مخیز ران کی حویلی میں پہنچ گئی جہاں ابن حرب کا وفادار غلام عبداللہ بڑی
 بے قراری کے ساتھ اس کا منتظر تھا کیوں کہ وہ اپنے بیٹے کے لیے ایک بے رحم آدمی
 سے رحم مانگنے لگی تھی اور یہ سن کر عبداللہ پر حیرت و مسترت کا ایک سکنہ سا گزریگا، کہ
 خلیفہ معتد نے اس کے آقا کی گرفتاری سے ہاتھ اٹھایا مگر شرط یہ رکھی تھی کہ وہ بغداد
 سے دور رہے گا۔ ابو عباس کے دو بھروسے نہیں آئے گا، کسی حلیف کے ساتھ مل کر عباسی
 علاقے پر تاخت نہیں کرے گا، خلیفہ کا مال نہیں لوٹے گا اور اس کے کسی قاتل کو نہیں
 روکے گا جب کہ عریش سے آنے والے قاصد یہ اطلاع لے کر آئے تھے کہ ابن حرب بنی ملوکیوں

خواب

ابن حرب جانتا تھا، عربیوں کی کاروان سرائے سے جو پیغام اور تحفہ دربار بغداد میں بھیجا جا چکا ہے، وہ خلیفہ معتقد کے لیے جنگ کا بلاوا ہے۔ ابو نصر یافتہ اگر بغداد سے اپنا سر مستند کر دے تو اس کے پیچھے پیچھے عباسیہ کے لشکر آئیں گے، جو مصر و شام کو پامال کر دیں گے۔ اس وقت خمارویہ جو حبش اسے جنگ میں اتار دے گا لیکن سودانی کبیر حنبر کی زبانی جو شہزادی نجم العیل کا پیغام لے کر گئی تھی، یہ اطلاع سن کر شہزادہ رو گیا کہ سلطان خمارویہ نے عارث کو "دیپتی کا سفیر" بنا کر بغداد کی طرف بھیجا اور خلیفہ کو اپنی خیر خواہی کا اظہار دلانے کے لیے کئی اونٹوں پر قیمتی تحائف بھی روانہ کیے ہیں۔

یہ ایک غیر متوقع خبر تھی جس کے ساتھ طولونی شہزادی نے پیغام بھیجا تھا کہ وہ کل دن کے پہلے پہر ایک بار پھر اس سے نیل کے مغربی ساحل پر ملنا چاہتی ہے لیکن یہ ملاقات فلاہین کی اس بستی میں ہوگی جہاں سے انہوں نے وادی ہرام کا سفر شروع کیا تھا۔ ابن حرب جو عارث کی سفارت پر حیران رہا تھا، شہزادی کی پریشانی اور ملاقات کا مقصد سمجھ گیا بلکہ خود اس سے ملنے کے لیے بے چین تھا لیکن نہ دوسرے دن کا انتظار کر سکتا نہ دن کے بدلے میں میل کے ساحل پر میل جول مناسب سمجھتا تھا مباد کوئی دریکھڑا نکل آئے۔ اس نے خبر کو اپنی قدموں واپس کر دیا کہ فتنہ کے بعد جب لوگ عام طور پر سو جاتے یا سونے کی تیاری کرتے ہیں، وہ القطارے میں بیٹھ جائے گا اور شہزادی کے قصر ہی میں اس سے ملاقات کرے گا۔

حنبر اس کا جواب لے کر ہوا کے جھونکے کی طرح اڑتی چلی گئی کیونکہ سورج مغربی صحرائوں میں غروب ہو چکا تھا اور مصر کی شام نے اپنی لمبی زلفیں کھول دی تھیں۔ وہ چاہتی تھی اپنی ماں کو جلد از جلد ابن حرب کے آنے کی اطلاع دے تاکہ وہ قصر نجم میں اس کی ملاقات کا بندوبست کر سکے مگر طولونی خاتون اس اطلاع پر پریشان ہو گئی۔ ابن حرب کے لیے اگرچہ دل کے ساتھ اپنے قصر کے دروازے بھی کھول دینا چاہتی تھی لیکن حالات کی صورت یک سخت بدل گئی اور اب رات کے وقت قصر میں تنہائی کی ملاقات کسی نئے خطرے کا باعث بن سکتی تھی۔

بغداد کی جانب سفارت بھیجنے کا مطلب یہ تھا کہ ابو حبش خمارویہ خلیفہ معتقد پر فوجی دباؤ ڈالنے کی بجائے خود اس کے سامنے جھک گیا اور اپنی حکمرانی تسلیم کرانے کے لیے اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا رہا ہے۔ اسی بات نے شہزادی نجم کو آزر دہ خاطر کر دیا تھا کہ بھائی نے لشکر کشی کی تجویز مسترد کر کے اس کے منصوبے پر پانی پھیر دیا اور خلیفہ کے خوشنودی کے لیے صلح کا راستہ نکالا ہے۔ اب شاید وہ ابن حرب سے اس کا میل جول پسند نہ کرے اسی لیے پریشان تھی کہ اسے القطارے میں نہیں آنا چاہیے۔

ادھر شوقِ نچل کی حویلی میں ابن حرب کچھ اور سی سوچ رہا تھا اور یہ سوچ رہا تھا کہ دربار بغداد میں کٹے ہوئے سروں کا تحفہ موصول ہونے کے بعد جب عارث دوستی کا پیغام لے کر بیٹھے گا، اسے بنی طولون کی کوئی نئی چال سمجھ کر مسترد کر دیا جائے گا۔ اس کے نزدیک معتقد ابو عباس جیسے سخت گیر حکمران کو دوستی کے پیغام اور تحائف سے متاثر نہیں کیا جا سکتا مگر اس سفارت کا ایک نتیجہ ہر حال نکلنے والا تھا۔

ابن حرب کی منطق یہی کہتی تھی کہ حالات کا رخ اگرچہ بدل گیا ہے لیکن ان کا نتیجہ نہیں بدل سکتا۔ سلیمان بن عامر نے مجھ میں چنگاری پھینکی تھی۔ اب دھواں بھی اٹھے گا آگ بھی بھڑکے گی اور دو قبیلوں بارود حکومتوں کی دشمنی اپنے انجام تک پہنچے گی۔

عارث کی سفارت کا ذکر سن کر اس کے ذہن پر مختلف اندیشوں کا جو فوار چھا گیا تھا وہ خود بخود بجھتا چلا گیا اور اس خیال سے کہ عارث کی ناکامی یقینی ہے، وہ اپنے آپ کو کچھ ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگا۔ اب اسے صرف شہزادی نجم العیل کا خیال سننا رہا تھا جو اس بات پر پریشان ہو گئی تھی کہ بغداد کے خلاف لشکر کشی کا موقع جتنا رہا لیکن جب وہ معاملے کی دوسری صورت نے کی تو حیران رہ جائے گی۔

طاقت و سرکوشی کی دعوت دیتی ہے۔

اس جواب نے طوٹونی شہزادی کو چونکا دیا۔ ”تھمارا خیال ہے خلیفہ بنی طولون کی دوستی کا ہاتھ قبول نہیں کرے گا؟“

”میں معتقد کو خمار دیہ سے زیادہ جانتا ہوں۔ کیا تمھارا بھائی مصر و شام کو عباسی سلطنت کا ایک صوبہ بنانے پر تیار ہوگا؟“

اس سوال کا جواب ہر حال نفی میں تھا اور نجم العین نے بھی وہی جواب دیا جو اسے طوٹونی شہزادی کی حیثیت سے دینا چاہیے تھا۔ ”ابو جیش خلیفہ سے دوستی اس لیے چاہئے ہیں کہ وہ مصر و شام کو ایک علاحدہ مملکت مان لے اور اس پر بنی طولون کا موروثی حق تسلیم کر لے۔“

”پھر ان میں دوستی نہیں ہو سکتی اور حارث بغداد سے ناکام واپس آئے گا۔“

اس کے ساتھ ہی وہ ایک ایسی بات بیان کرنے لگا جو ابھی تک مصر کے محکمہ کار خاص تک نہیں پہنچ سکی تھی اس نے بتایا۔ ”خمار دیہ نہیں جانتا، موفقی طلحہ نے مرنے سے قبل بیٹے سے خواہش کی تھی کہ جو علاقے عباسی سلطنت سے الگ کر دیے گئے ہیں انہیں دوبارہ اپنی عمل داری میں شامل کرے۔ اگر خمار دیہ ان علاقوں کے الحاق پر تیار نہ ہو، تو اس پر تلوار کا بواز مائے معتقد ابو عباس اپنے مرحوم باپ کی وصیت پر صورت پوری کرے گا۔ تمھارا بھائی خلیفہ سے دوستی چاہتا ہے تو اسے علاحدہ طوٹونی مملکت کے حق سے دستبردار ہونا پڑے گا، نہیں ہوتا تو عباسی لشکر وں سے جنگ کرنا ہوگی۔“

طوٹونی شہزادی کی لمبی غلافی آنکھوں میں حیرت کی بھیاں سی کووند نے لگیں۔ ”اگر خلیفہ نے طوٹونی مملکت کو ختم کر کے لیے تلوار اٹھائی تو ابو جیش بھی کسی کمزور آدمی کا نام نہیں حارث کی ناکام واپسی کے ساتھ ہی حالات بدل جائیں گے لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ خلیفہ بنی طولون کی دوستی کا ہاتھ تقام لے اس دوستی سے عباسیہ کے اپنے دست و بازو مضبوط ہوں گے۔“

”میں جانتا ہوں دوستی کی پیش کش ”دشمنی کی چال“ سمجھ کر ٹھکرا دی جائے گی۔“ اس کے ساتھ ہی ابن حرب نے ایک اور انکشاف ضروری سمجھا۔ ”یہ بات تم نے پیش میں سن لی تھی کہ خلیفہ معتقد نے میری گرفتاری پر کزلان ترک کو مامور کیا تھا جو اپنے سواروں

سمیت کارواں سرائے میں ہاک کر دیا گیا مگر تمھیں اس بات کا علم نہیں کہ سلیمان بن طمر نے شہزادہ سلیمان سے اجازت حاصل کر لی تھی کہ دربار بغداد کو ان کی ہاکت سے آگاہ کر دیا جائے، جانتی ہو سلیمان نے خلیفہ کو کس طرح آگاہ کیا؟“

پھر خود ہی بتانے لگا۔ ”سرائے دار نے کزلان ترک اور عراقی سواروں کے سرخس سے جدا کر کے، کئے ہوئے ہر ایک چری تھیلے میں بند کیے اور دربار بغداد میں بھیج دیے۔ تمھارا کیا خیال ہے ایسا نام نہاد شخص وصول کرنے کے بعد خلیفہ تمھارے بھائی کی دوستی کا ہاتھ تقام لے گا یا کاٹ دے گا؟“

اس نے کئے ہوئے سر بطور تھہ بغداد روانہ کرنے کا انکشاف کچھ ایسی بے رحمی سے کیا کہ طوٹونی شہزادی دم بخود رہ گئی اور ایک دو لمحے گم سم رہنے کے بعد بولی۔ ”اس صورت میں تو خلیفہ دوستی کا ہاتھ کبھی قبول نہیں کرے گا۔ سنا ہے وہ انتقام پسند اور بے رحم آدمی ہے۔“

”اگر بے رحم آدمی کے ساتھ بے رحم بن کر بات کی جاتی اور اس سے خلیفہ معتقد کے خون کا قصاص طلب کیا جاتا تو اسے اپنے دفاع کی فکر ہوتی اور وہ بنی طولون سے سمجھوتے کی کوشش کرتا لیکن خمار دیہ نے یہ موقع کھو دیا صرف موقع نہیں کھو دیا بلکہ دوستی کا بیٹھا چھڑک اپنی کمزوری ظاہر کر دی۔“

”پھر ہو گا کیا؟“

”دو باتوں میں سے ایک بات ضرور ہوگی۔ طوٹونی ریاست سے دستبرداری یا پھر عراقی لشکروں سے جنگ اور جنگ صرف وہی فریق جیتے گا جس کی تلواریں خون آشام اور سنائیں جان پیدا ہوں گی۔“

نجم العین کچھ پریشان نظر آنے لگی۔ معتقد ابو عباس کے برسر اقتدار آنے کے بعد عباسی لشکروں کو قوت مل گئی تھی۔ نئے حالات میں اگر وہ مصر و شام پر حملہ کرتا تو نتیجہ ماضی سے مختلف ہو سکتا تھا۔ ابن حرب نے بھانپ لیا کہ وہ کیا سوچ رہی ہے۔ اس کی غلافی آنکھوں میں جھانک کر کہنے لگا۔ ”تم کیوں پریشان ہوتی ہو؟ اگر طوٹونی ریاست میں تمھارا کوئی حصہ ہوتا تو خمار دیہ تمھاری تجویز کو مسترد کرتا نہ تمھارے مشورے کے بغیر بغداد کی طرف ”دوستی کا سفیر“ بھیجا مگر میرے پیچھے ایسے باریہ نشیں قبائل کی جمعیت موجود ہے

کی زبردست مزاحمت کی تھی، اپنے سمیت گرفتار کر کے روم لے گیا جہاں نفع کے
جلوس میں زنجیروں میں جکڑی زلو بیا کی فاکش کی گئی۔ اس ایشیائی ملکہ کی زندگی کا آخری
حصہ روم میں گزرا، جو ملکہ صحرانہ کے لقب سے مشہور تھی۔

بحکم اسیل زندگی میں ایسے اچھے سے کبھی دوچار نہ ہوئی تھی تصویر حیرت انگیز اس
کی باتیں سنتی رہی۔ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ وہ اسے الزباد کی طرح "ملکہ صحرانہ" بتانا چاہتا
ہے یا پھر دوسرے نظروں میں تاریخ شام کی نامور خاتون اس کے خیالی جھوکے میں کھڑی
ہے۔ حالانکہ طولونی شہزادی نے اسے یا کسی دوسرے کو اشارہ دیکھا کہ زبان میں بھی
آج تک یہ نہیں بتایا تھا کہ اس نے صحرانی ریاست تدمر کی ملکہ الزباد ہی کا خواب دیکھا اور
اس کی دلکش تعبیر اپنے وجود میں دیکھنا چاہتی ہے۔ الزباد یا زلو بیا ہی وہ مثال عورت
تھی، جو اس کے خیالوں میں بس گئی تھی خود بھی اسی کی طرح "ملکہ صحرانہ" بننے کی تمنا رکھتی اور
دوسری الزباد بن جانا چاہتی تھی وہ تصور خیال اور خواب میں اپنے آپ کو ملکہ الزباد کے
ارغوانی لباس میں جلوس دیکھا کرتی تھی جسے کبوتے سے کمر پر باندھ لیا جاتا تھا اور جس میں
پورے بازو تک ننگے رہتے تھے جب کہ ترک یا عرب خواتین میں ایسے لباس کا
رواج نہیں تھا۔

الزباد کو گزرے کم دبیش چھ عیدیاں بیت چکی تھیں لیکن عرب حکایات میں وہ صحرانہ
کی ایک حسین اور بے مثال ملکہ کی حیثیت سے مشہور تھی جو شہزادی نجم اسیل کی طرح جلنے
کتنی عورتوں کے خیال و خواب سے گزری ہوگی لیکن ایضاً تو یہ ہوا کہ طولونی بیوہ نے
عرش کے مردم شناس مراٹے دار کسی ایسے جنگجو صحرانی مرد کو دھونڈنے کی خواہش کی تھی
جو اس کی حکمرانی کے خوابوں کو تعبیر دیا کر سکے اور اسے کسی ریاست کی ملکہ بنا دے۔
الزباد کا نام اس نے اپنے دل کے نہاں خانے میں ایک راز سر بستہ کی مانند چھپا کے رکھا
تھا لیکن ابن حرب نے یہ ستر نہاں کھول دیا اور الزباد کا نام لے کر اسے "ملکہ صحرانہ" بتانے
کا وعدہ کیا تھا گویا اس کے خوابوں کی صدیقی صحت صحیح تعبیر نکالی تھی، بلکہ وہ تو اس کے
ترک حسن کو الزباد کے گندی حسن پر، اس کی لمبی لمبی غلافی آنکھوں کو الزباد کی موٹی موٹی آنکھوں

جو حریف کے گردوں میں نیزہ مارنے اور جن کی خم دار طولانی دشمن کی گردنیں کاٹنے
میں بڑی تیز ہیں۔ میں انھیں انھی صحرانیوں میں سے جاذبوں کا اُن کے سر تھا دے
ساتھ خم کردوں گا اور تم صحرانی ریاست تدمر کی ملکہ الزباد کی طرح "ملکہ صحرانہ" کہلاؤ گی۔
ملکہ الزباد کا نام سن کر طولونی شہزادی مادر سے حیرت کے اچھلی اور مسند سے فرس
پڑ گئی۔ پورے وجود میں ایک عجیب سی سنسنی دوڑنے لگی۔ "الزباد" کا نام اچھا ایسا ہی
صحرانہ تھا۔ "کیا تم نے؟ ہم الزباد کی طرح "ملکہ صحرانہ" کہلائیں گے؟
"ہاں یہی کہا ہے میں نے، با ویر نہیں تمھاری پرستش کریں گے کیوں کہ تم الزباد
سے زیادہ خوب صورت اور اس سے بڑھ کر دل ربا ہو۔ اس کا رنگ گندی تھا تمھارا رنگ
سرخ و سفید اور خود ترک حسن کا شاہکار ہے، الزباد کی آنکھیں چشم آہو جیسی موٹی اور چمک دار
تھیں مگر تمھاری لمبی غلافی آنکھوں میں چشم آہو سے زیادہ مستی اور زیادہ کشش ہے۔
مجھے لمبی غلافی اور مستی میں ڈوبی آنکھیں بہت پسند ہیں، جیسی آنکھیں تمھاری ہیں، میں
ان غلافی آنکھوں میں حکومت کا نشہ بھردوں گا اور ان گلابی رخساروں پر حکمرانی کا رنگ بھر
دوں گا تب لوگ کہیں گے تم "ملکہ صحرانہ" بھی ہو اور ملکہ حسن بھی، تمھاری خوب صورتی اور شہرت
کے سامنے ملکہ الزباد کی خوب صورتی اور شہرت ماند پڑ جائے گی۔"

ملکہ الزباد شام کی صحرانی ریاست تدمر کی حسین بیوہ جس نے اپنے نابالغ بیٹے وہب لٹا
(لات دیوی کا عطیہ) کے نام پر حکومت کی تاریخ میں زلو بیا کے نام سے شہرت رکھنی مگر وہ
قصص و حکایات میں الزباد کہلاتی ہے۔ اس کی شخصیت بڑی دلکش اور پرکشش تھی تدمر
کے کتبাব میں اسے "بت زبابی" بھی کہا گیا ہے۔ حکمرانی کا حلقہ مصر سے اناطولیہ تک وسیع
تھا اس نے روم کی بالادستی کا جوا تار کر خود مختار حیثیت اختیار کر لی تھی جس پر رومی شہنشاہ
اولیان نے ۲۷ عیسوی میں تدمر پر غلبہ حاصل کر لیا اور ملکہ زلو بیا کو، جس نے صدیوں

ملکہ الزباد (زلو بیا) ارغوانی رنگ کا لباس پہنتی اور اسی لباس کے ساتھ دربار
میں جلوس کرتی تھی جو میرے جہازات سے مریض ہوتا اور اس کی گندی رنگت پر
خوب بچتا تھا۔ موٹی موٹی غلافی آنکھوں میں ہلاک کشش تھی۔ صحرانین قبیلہ اس کی
پرستش کرتے تھے۔ (لفظ کے حتی)

پرفوریت دے کر اسے پاگل کیے دے رہا تھا۔

جبران تھی کہ ابن حرب نے اس کے خوابوں کے گہرے کنویں میں جھانک کر اس کا پسندیدہ چہرہ کیسے دیکھ لیا؟ یہ تو بالکل طلسم والی بات تھی اور اگر محض اتفاق تھا تو بڑا با مقصد اور حیرت انگیز اتفاق تھا بلکہ اسے بھی تاریخ و حکایات کے پردوں میں غمزہ الزامی ایک ایسی صورت نظر آئی جس کا ذکر کر کے ایک حیرت اور تسنی سے دوچار اسے یوں دیکھنے جا رہی تھی جیسے دل میں اس پر قربان ہو رہی ہو۔

اگر عورتوں میں ملکہ الزباد کا مثالی وجود اس کے خوابوں اور خیالوں کا مرکز تھا تو مردوں میں اپنے باپ احمد بن طولون کو ایک مثالی مرد سمجھتی تھی جو میدان جنگ اور سیاست سے لے کر اپنی حرموں کے کمرہ خواب تک شجاعت و مردانگی کا پیکر ثابت ہوا تھا اور اب ابن حرب کے مضبوط جسم اور طاقت ور بازوؤں میں اپنے باپ کی قوت و مردانگی کا عکس دیکھ رہی تھی مگر ابن حرب اس کی طویل اور پراسرار خاموشی کا مطلب سمجھنے سے قاصر اور نہیں جانتا تھا کہ وہ کیا سوچ رہی ہے۔ آخر اس نے پوچھ ہی لیا۔ ”نجم! کیا تمہیں میری باتوں پر اعتبار نہیں؟“

طولی شہزادی اس کی آواز سن کر چونکی پھر اس نے بی خاموشی کی سرٹوڑ دی اور نہایت دل کش آواز میں بولی۔ ”تم نے یہی کہا ہے تاکہ ہم الزباد سے زیادہ خوبصورت میں؟“

”بے شک“ اس نے اثبات میں جواب دیا۔

”اور ہماری لمبی آنکھیں۔ الزباد کی مولیٰ آنکھوں سے زیادہ پرکشش میں؟“

”اں“ جواب پھر اثبات میں تھا بلکہ ابن حرب نے اس کی کچھ مزید تعریف کی ”تمہاری غلامی آنکھیں بڑی نشی اور حسن کی مستی میں سرشار ہیں۔ ایسی مستی چشم آہو میں نہیں ہوتی

تمہاری آنکھوں کے سرخ دورے بادۂ انگوڑ سے زیادہ نقشہ آور میں۔“

طولی شہزادی کی آنکھیں مسکرونے لگیں۔ ”کیا تم ہماری ان خوب صورت آنکھوں میں حکومت کا نقشہ چھرو گے؟“

”ہاں تاکہ تمہاری آنکھوں میں کچھ اور مستی جھرجھرائے۔ کیا تم نے یہ ضرب ہٹل نہیں

سنی کہ سکر الخلو مة اشکر من سکر الخمر؟ (حکومت کا نقشہ شراب کے نشے سے زیادہ مستی دیتا ہے)

”اور تم ہماری آنکھوں میں حکومت کا نقشہ اس لیے چھر دینا چاہتے ہو کہ ہم ملکہ حجاز

بن کر زیادہ خوب صورت ہو جائیں اور ”ملکہ حسن“ کہلا سکیں؟“

”تو تحت حکومت پر بیٹھ کر تم جیسی خوب صورت عورت اگر ”ملکہ حسن“ نہیں تو

اور کیا کہلا سکتے گی؟“

وہ ایک پن اسے مسکراتی نظروں سے دیکھتی رہی۔ پھر حکم کے لیے بیٹھ بیٹھ

ابن حرب! اپنے بازو کھول دو۔“

وہ اس حکم یا فرمائش پر حیران ہوا مگر تعمیل ضروری تھی اور دونوں بازو کھول

دیے۔ دوسرے لمحے وہ حیرت انگیز واقعہ ظہور میں آگیا جسے آسمان کے ستارے بھی

دیکھ سکے۔ ”ستارہ شب“ بلندی سے ٹوٹ کر اس کے کھلے بازوؤں پر گر کر اور ابن حرب

نے اپنی خوش بختی کو سمیٹ لیا۔

نجم! ایل! اچانک ہی ایک نئی تبدیلی سے دوچار ہوئی۔ وہ اس بات پر بے حد پریشان

تھی کہ البرجیش خادوہ نے بعد از پرشکرشی کی جو بزم مست ذکر دی اور خلیفہ کی جانب دوستی کا

سفیر بھیج کر اس کی امیدوں پر پانی پھیر دیا تھا لیکن شوقی انیل کی حوصلے میں یہ انکشاف بڑا

سسنی خیز ثابت ہوا کہ جس جنگی مرد کو اس نے عقد ثانی کے لیے پسند کیا اور جس کے ساتھ

خون کے گرم میں جینے مرنے کا پیمانہ باندھا تھا، وہ کسی انشاز سے کے بغیر ہی اس کے خوابوں

کی صحیح تعبیر تک پہنچ گیا اور الزباد کی طرح اسے ”ملکہ صحرا“ بنانے کا عزم رکھتا ہے۔ یہ اتنا

بڑا مزہ تھا جس پر سب کچھ قربان کر سکتی تھی۔ اس زندگی بخش انکشاف کے ساتھ ہی اپنی

تجوہز مسترد ہونے پر ناکامی کا جوا احساس ابھرا تھا خود بخود ذرا مل ہو گیا کہ زندگی کی

سب سے بڑی کامیابی یا بشارت ابن حرب کے روپ میں سامنے کھڑی تھی اس نے

احساس ناکامی کو ذہن سے اتار پھینکا اور خود کو اپنی کامیابی کے سپرد کر دیا۔

ایک حسین منظر نے دونوں کو اپنی چادر میں لپیٹ لیا۔ طولی شہزادی نے اسی حالت

میں اسے اپنے خوابوں سے آگاہ کیا جس سے کمرے کا منظر اور حسین ہو گیا۔ وہ کہہ رہی تھی

”ابن حرب! ملکہ الزباد ہمارا خواب ہے جو ہم نے دیکھا۔ اس کے اور ہمارے درمیان

کچھ باقی نہیں رہا۔ وہ بیوہ تھی ہم بھی بیوہ ہیں، وہ خوب صورت تھی اور تم کہتے ہو ہم

اس سے زیادہ خوب صورت ہیں اس نے قیصر روم کی بالادستی کا جوا اتار پھینکا اور رومی

بجاری تھی لیکن ابھی اسے تحریک فرامط کے بارے میں کچھ بتانے کا وقت نہیں آیا تھا۔
 ان صحرائی بستیوں کی نشان دہی کرنے کی ضرورت تھی جہاں آقا حسین نے اسے اُنے کی
 دعوت دی تھی کچھ سوچ کر کہنے لگا ”ایک صحرا مصر کے مغرب میں واقع ہے اور میرا
 اعظم کھانا ہے جس کے طوفان سے غمار وہ خوف زدہ ہے کیونکہ احرار مدوی تحریک کی ہوا
 تیز ہو رہی ہے۔ دوسرا مشرق کی جانب ہے اور مشرقی صحراؤں میں اکثر اُندھیاں چلتی رہتی
 ہیں۔ ان صحراؤں سے اُنھے والی ایک اُندھی مغربی عراق کا رخ کرے گی۔“

نجم اہل منتظر تھی شاید وہ کچھ اور بھی کہے لیکن اس نے عراق کا رخ کرنے والی
 ”صحرائی اُندھی“ کی وضاحت ضروری نہ سمجھی اور اس کے قریب ہی مسند پر بیٹھ گیا۔ وہ
 بکھو گئی کہ کسی مشرقی صحرائی سے جانے گا۔ اس کے خوابوں میں مشرقی صحرائی بکھرے ہوئے
 تھے جہاں صحرائی قبیلے نخلتوں اور پتھروں کے آس پاس جیسے لگاتے اور گھوڑوں کے ساتھ
 خود بھی گردش کرتے رہتے تھے مگر اس نے یہ نہیں پوچھا کہ ان صحرائی قبیلوں سے اس کا کیا
 تعلق ہے؟

ہر ملاقات میں کچھ باتیں اور سوری رہ گئی تھیں، سوائے ہم کیمبر کی زیر زمین ملاقات کے
 جس میں انھوں نے ایک دوسرے کے ساتھ جیسے مرنے کا عہد کیا تھا ایک منصوبے کے
 تحت ابن حرب کو بنی طولوں کے لیے کوئی معرکہ سر کرنا اور خوب صورت طولوں کی وہ کوحیت
 بنانا لیکن اب وہ چال بھی اور سوری رہ گئی یا اس کی صورت ہی بدل گئی تھی اور اس کے ساتھ
 بہت کچھ بدل گیا تھا جس سے شہزادی آذر وہ غافل ہو گئی مگر تنہائی کی اس ملاقات میں کچھ
 غیر متوقع باتیں نمودار میں آ گئیں۔

ابن حرب کا یہ بیان ہی بڑا حیرت انگیز اور خلاف توقع تھا کہ بنی طولوں اور بنی عباس
 میں دوستی ممکن نہیں اور دوستی اس لیے ممکن نہیں کہ دونوں کے عہدوں مختلف تھے اور مختلف
 سمتوں کو جانے والے دو قبائل خطیہ راستے سمجھتے تھے نہیں سمجھتے اس لیے حارث کا بغداد
 سے ناکام واپس بلالازی تھار

دوسرا انکشاف اس سے بھی کہیں زیادہ سنسنی خیز تھا کہ وہ اسے ملکہ الزبا کے روپ
 میں دیکھتا اور اس کے اُن کے خواب کی تعبیر مینا کو ناچا رہتا تھا۔ نجم کے نزدیک یہ تو ایک معجزہ
 تھا کہ جس مثالی عورت کا خواب اس نے دیکھا وہی تعبیر ابن حرب کے دل میں دھڑک رہی تھی۔

شکروں سے جنگ لڑی، ہم بھی اس دور کے سب سے بڑے حکمران سے جنگ لڑیں
 گے اور کسی کی بالادستی قبول نہیں کریں گے مگر ہماری طرف سے یہ فریضہ تم ادا کر دو گے، ہم
 تمہاری زوجہ نہیں گے کیوں کہ تم ہمارے والد احمد بن طولوں کی طرح ایک شہ زور مرد ہو
 ہمارا ہاتھ تمہاری پشت پر ہو گا اور جب ہم جیسی خوب صورت عورت کا ہاتھ ایک جنگجو
 مرد کی پشت پر ہو گا، یہاں اُس کے قدم چومتے ہیں۔“

ابن حرب نے بھی جو ایک حسین منظر سے دو چار تھا اسی جذبے سے جواب دیا۔ ”اگر
 ملکہ الزبا تمہارا خواب ہے تو تم میرا خواب ہو اور میں تمہاری خاطر سب سے بڑے حکمران
 کے خلاف جنگ لڑوں گا۔ الزبا کے سپہ سالاروں نے روم کے سر بیع الحکمت رسالے کے
 مقابلے میں پسپائی اختیار کی تھی جس سے رومی شکروں کو تدمر تک پہنچنے کا راستہ مل گیا لیکن
 میری کتاب حرب میں پسپائی کا لفظ نہیں نہ دشمن کو ان صحرائی بستیوں تک پہنچنے کا راستہ
 مل سکے گا جہاں میں تم کو لے جاؤں گا۔“

اگر کمرے کا منظر خوب صورت تھا تو ابن حرب کے الفاظ بھی نیکیں بخش تھے طولوں
 شہزادی کے دل میں تجسس کی ایک نئی لہر دوڑنے لگی، محبت کے لیے میں بولی ”کہاں لے
 جاؤ گے ہمیں؟“

ابن حرب نے کوئی جواب نہ دیا۔ ایک پل دو درم اس کی آنکھوں میں اپنے
 سوال کا جواب تلاش کرتی رہی۔ پھر اُس کے باروؤں کے حلقے سے نکلی اور مسند پر
 بیٹھ گئی۔ ”تم نے ہمارے سوال کا جواب نہیں دیا۔“

ابن حرب بنا دینا چاہتا تھا کہ اسے آقا حسین کے صحرائی نعیموں میں لے جائے گا جہاں
 کسی دشمن کا گزر نہیں ہو سکتا لیکن فوراً اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ طولوں شہزادی اگرچہ خود بنی
 حکمران سے جنگ آزما ہونے کا جذبہ رکھتی تھی جس کے خلاف قریطی جماعت اپنے پھندے

ملکہ الزبا (زوبیا) کے سپہ سالاروں نے آذر وہ اور زبائی نے رومی شکروں کے خلاف
 ایشیا کے کوچ میں قریطی چوریاں قائم کر لی تھیں لیکن وہ رومیوں کے سبک رفتار
 رسالے کے مقابلے میں پسپائی پر مجبور ہو گئے اور تدمر تک پہنچے ہٹ آئے تھے۔
 (مشرقی آف سیریا)

ان الفاظ نے نجم العلیل کو ہکا بکا کر رکھ دیا۔ وہی ایک ٹخرا تھا جب اسے موت زندگی سے قریب نظر آئی اور مضطرب ہو کر بوچھنے لگی۔ ”یہ جانتے ہوئے بھی تم حارث کی واپسی کا انتظار کرو گے؟“

وہ سوال کے ساتھ اس کا غصہ بھی بھڑک گیا کہ اسے فسطاط سے روانگی کا اشارہ دے رہی ہے پھر بے چینی کے لمحے میں بولا۔ ”مجھے حارث کی واپسی کا نہیں اپنی بوڑھی والدہ کا انتظار ہے، جسے میں بغداد چھوڑ آیا ہوں اگر ہونصر یا قوت اپنے ساتھی غلاموں کے ہمراہ وہاں سے دفعہ نکل آیا تو پھر وہ بھی مصر کی جانب روانہ ہو چکی ہوگی اور بہت جلد عیش بیخ جانے لگی۔“

اس نے غمزدی کے چہرے پر نئی اطلاع کا رد عمل دیکھنے کی کوشش کی کہ اس کی والدہ کے بارے میں کیا رویہ ظاہر کرتی ہے اور وہ رد عمل خوشگوار تھا جس کا اظہار ترک خاتون نے الفاظ میں کیا۔ ”تھواری والدہ کی آمد ہمارے لیے خوشی کا باعث ہوگی۔“

”نہایت میں اسے صحرائی بستیوں کی طرف بھیج دوں کیوں کہ تمہیں حاصل کرنے کے لیے اب مجھے دوسرا راستہ اختیار کرنا پڑے گا اور وہ راستہ صحرائی طرف جاتا ہے۔“

طوئی شہزادی کے خیالوں میں صحرائے منظر خلستان اور ان کے حاشیوں پر بارہائیں قبائل کے نیچے حسین خوبوں کی صورت بکھرے ہوئے تھے اس کا ہاتھ دبا کر اپنی رضامندی کا اظہار کرنے لگی۔ ”ابن حرب باہم نے آج اور اسی وقت خود کو تمہاری مرضی کا پابند کر لیا ہے تم جس دن اور جس وقت کہو ہم صحرائی بستیوں کی جانب سفر کے لیے تیار ہیں اس سفر کے بارے میں ہمیں کسی سے کوئی مشورہ لینا یا کچھ پوچھنا نہیں پس تمہارے ساتھ یہاں سے کوچ کر رہے۔ اب صحرا کا سفر تمہاری مرضی پر منحصر ہے جہاں ہمیں لے جانا چاہتے ہو، لے جاؤ اور بنی طولون اور بنی عباس کو اپنا جھگڑا خود طے کرنے دو۔“

اچانک ابن حرب نے اسے حیران و ششدر کر دیا۔ اگرچہ صحرائی قبائل کی طرف تم میرے ساتھ سفر کرو گی، وہ بغداد اور فسطاط کے درمیان کش کش کے غنڈے ہیں۔ ”کیوں؟“ وہ سراپا سوال بن گئی۔

”اس لیے کہ دو خلیفوں کی جنگ ایک نئی صحرائی ریاست کے قیام کا ذریعہ بنے گی۔ ساتھ ہی اس نے ایک اور انکشاف ضروری سمجھا۔ ”صحرائی قبیلوں کو عباسیوں اور طوئیوں

اس انکشاف کے بعد یہ نتیجہ اخذ کرنا قدرتی امر تھا کہ ابن حرب سے اس کی ملاقات، دوستی، محبت اور وصل کے لیے بے چینی سب کچھ تقدیر کا لکھا ہے اور قدرت خود ان دونوں کو ازدواج کے رشتے میں باندھ دینا چاہتی ہے۔ یہی سوچ کر اس نے ابن حرب سے بازو کھولنے کی فرمائش کی مٹی اور چند ساتھوں کے لیے اسے اپنی حسین قربت سے دوچار کر دیا تھا اگرچہ وہ ساتھیوں بہت مختصر تھے، جیسے مشرق سے آنے والی ہوا کا لطیف جھونکا خلستان کو چھوٹا ہوا گزر جائے رانی چند حسین اور لطیف ساتھوں نے طوئی شہزادی کے خیالات کو یکسر تبدیل کر دیا۔ تاہم وہ اپنی محبت کے خلستان سے نکل کر ایک بار پھر اسی دنیا میں آگئی جہاں حالات کا پانسہ پٹ گیا تھا اور اس کا حکمران بھائی اپنے ماضی کے دشمن کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا رہا تھا اپنے جنگ جو محبوب پر محبت کی نظر ڈال کر کہنے لگی۔ ”حالات کی مصلحتی یہی کہتی ہے کہ ابو حیش خمار دیہ اور خلیفہ معتضد میں دوستی نہیں ہو سکتی لیکن اس دنیا میں کبھی بھی انہوں نے باتیں ہو جاتی ہیں اگر دوستی ہوگئی تو کس قیمت پر ہوگی؟“

ابن حرب نے سوال پر غور کیا اور سوچ کر جواب دیا۔ ”معتضد کی پہلی شرط یہ ہوگی کہ مصر و شام کو ایک صوبہ بنا دیا جائے لیکن خمار دیہ علاحدہ طور پر ریاست سے دستبردار نہیں ہوگا کیونکہ تمہارے بھائی کے پاس مصر و شام سے کوئی قیمتی شے بھی ہے جسے خلیفہ کو پسند کر کے اپنی علاحدہ مملکت کو منوا سکے۔“

”مصر و شام سے قیمتی شے اور کیا ہوگی؟“

”اگر خمار دیہ کے پاس کوئی ایسی قیمتی شے نہیں جو مصر و شام کا بدل ثابت ہو سکے اور خلیفہ اسے قبول کرے تو پھر ان میں دوستی ممکن نہیں۔ البتہ ایک بات ممکن ہے۔“

”وہ کیا؟“

”معتضد خمار دیہ سے فرمائش کرے گا کہ مجھے زنجیروں میں جکڑ کے یا میرا سر کاٹ کر بغداد روانہ کر دیا جائے۔“

طوئی شہزادی تڑپ اٹھی۔ ”کیا ابو حیش کے لیے یہ فرمائش قابل قبول ہوگی؟“

ابن حرب کا جواب بالکل واضح تھا۔ ”اگرچہ شیبان مجھے مصر میں پناہ دے چکا اور خمار دیہ نے اس کی تصدیق کی ہے، اس کے باوجود وہ خلیفہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے میرا ہند بندا کرنے پر تیار ہو جائے گا۔“

کے اقتدا سے کوئی دل چسپی نہیں پھر بھی بنی عباس کے خلاف وہ بنی طویون کی مدد ضرور کریں گے لیکن بنی عباس کی حمایت میں ان کی تلواریں بنی طویون کے خلاف کبھی نہیں اٹھیں گی۔

یہ انکشاف طویونی شہزادی کے لیے اگرچہ اظہارِ بخشش لیکن حیرت انگیز بھی تھا۔ اب وہ اس کا اشارہ کچھ کچھ سمجھ رہی تھی کہ اسے کن صحرائی قبیلوں کی طرف لے جائے گا۔ نجم العلیل نے اس کے ہاتھ پر اپنی گرفت کچھ اور مضبوط کر لی اور لمبی لمبی غلافی آنکھوں سے جس کے گلابی دُور سے پیار کی دعوت دے رہے تھے اس پر اپنی مدد بھری نظر میں پتھر ڈال کر نہ لگی۔ "بن حرب! پہلے یہیں اندیشہ تھا کہ جب ہم تمہارے ساتھ کسی جانب چلے جائیں گے تو ابو جیش ہمارے نفاق میں اپنے سوار دوڑا دیں گے جو کہیں نہ کہیں ہمیں گھیر لیں گے اور جدال و قتال ہوگا۔"

ابن حرب نے بھی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ "تمہیں اصل خوف یہ تھا کہ القطار کے محافظ اور تمہارا طلب گار حارث ہی اپنے سواروں کے ساتھ تمہارا پیچھا کرے گا۔"

"بے شک ہمیں یہی خدشہ تھا کہ ہمارا نفاق ہوگا۔" پھر اس کا مضبوط اور سخت ہاتھ دبا کر کہنے لگی۔ "آج یہ بات کھل گئی ہے کہ جب ہم نے الزہار کا خواب دیکھا ہے اور تم ہمارے خواب کی تعبیر تک پہنچ گئے اور ہمیں "مکہ صحرا" بتا چاہتے ہو تو ہمارے لیے جدال و قتال ہی ضرور ہوگا اور ہمیں کسی جنگ سے پریشانی نہیں ہونا چاہیے، خواہ وہ جنگ ابو جیش حارث سے ہو یا خلیفہ مقتصد سے۔"

ان الفاظ کے ساتھ اس نے ابن حرب کی ایک بہت بڑی پریشانی دور کر دی جو سمجھتا تھا کہ شاید وہ اپنے بھائی سے کوئی جھگڑا یا لڑائی پسند نہیں کرے گی۔ پھر اپنا بازو اس کی کمر میں جھانک کر دیا اور پُر جوش آواز میں بولا۔ "تم جیسی حسین عورت کو کوئی مجھ سے چھین نہیں سکتا۔ تمہاری خاطر میں ہر ایک سے جنگ لڑوں گا اور تمہارے یہ خواب تو نہیں کو ایک شیریں تعبیر بنیں گے۔"

وہ بھی جانتی تھی کہ اس کے لمبی غلافی آنکھوں میں محبت کے ان گنت سحر خوابیدہ ہیں اور ابن حرب ان آنکھوں پر جان دیتا اور اس کے جسمِ زہر لب کو پیار کا مژدہ یاد بخشتا۔

ہے۔ پھر اس کے ہونٹوں پر ہنسنے کی دعوت نمودار ہوئی جسے ابن حرب نے قبول کر لیا اور
 کمرے کا منظر چاندنی میں ڈوبے ہوئے کسی صحرائی نخلستان کی طرح ایک بار پھر حسین
 ہو گیا اور وہ دھڑکتے دل کے ساتھ کہنے لگی۔ ”ابن حرب! اب ہمیں اس بات سے کوئی
 دل چسپی نہیں کہ حارث بغداد سے ناکام واپس آتا ہے یا کامیاب اور ابو جہش اور خلیفہ میں
 دوستی ہوتی ہے یا جنگ ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ حارث کی واپسی سے پہلے ہمیں لے
 کر فسطاط سے نکل جاؤ۔“

ابن حرب مسکرا کر بولا۔ ”میں تمہاری بے قراری کو سمجھتا اور خود بھی تمہارے لیے
 بے قرار ہوں صرف چند روز انتظار کرو پھر ہم کسی نخلستان میں حسین راہیں گزریں گے۔“
 یہ سن کر طوہنی شہزادی کی آنکھیں مسکرائے لگیں۔



ماضی میں بنی طولون اور بنی عباس کے مابین شدید مخالفت اور محاذ آرائی رہی لیکن اس دشمنی کی عمر زیادہ طویل نہ تھی۔ گیارہ بارہ سال قبل احمد بن طولون نے مرکز خلافت بغداد سے مصر کی دوری، مصریوں سے حکومت کے نارد اسلوک، بجاری خراج، سخت احکام، مصر کے داخلی امور میں مداخلت کے علاوہ شامی قبائل اور اہل و نیلوج کی نفرت و عداوت سے فائدہ اٹھا کر جو انھیں عباسی حکمرانوں سے تھی، مصر و شام کو سلطنت عباسیہ سے الگ کر لیا تھا اور بغاوت و علاحدگی کی بنیاد امر خلافت پر رکھی تھی جو موفقی طلحہ بن خلک کے عہد حکومت میں معطل رہا لیکن اس آڑ میں اصل مقصد بنی طولون کی ایک موروثی ریت قائم کرنا تھا جس کے لیے ابو جیش خمار دیہ نے بالآخر ایک نیا راستہ نکالا۔

دربار بغداد کی طرف سے کوئی یلغار، کوئی جنگ، کوئی گوشمالی علاحدگی کی لکیر نہ مٹا سکی۔ قسمت نے ہر جنگ میں خمار دیہ کا ساتھ دیا۔ مصر کی علاحدگی پر موسم بدلتے اور سال گزرتے رہے۔ صبح و شام کی گردش نے بغداد اور القطار و فسطاط میں سرحدوں کے ساتھ ساتھ اور بھی کئی فاصلے حاصل کر دیے۔ جب علاحدگی عمل میں آئی اس کی وجہ خلیفہ معتز کی معزولی بیان کی جاتی رہی، اب حالات کی صورت بالکل بدل گئی یا پھر دوسرے لفظوں میں ”جب“ اور ”اب“ کے درمیان علاحدگی بنی طولون کی ایک ضرورت بن چکی تھی۔

دربار بغداد کی منظوری کے بغیر طولونی ریاست "ٹوٹ کے مال" سے زیادہ
 جیت نہ رکھتی تھی جسے کوئی بھی حملہ آور پامال کر سکتا تھا لیکن منظوری کے بعد اس پر حملہ
 بین الاقوامی اصولوں اور مرتجہ قانون کی خلاف ورزی کے مترادف سمجھا جاتا اس صورت
 میں بنی طولون حملہ آور کے خلاف بنی عباسیہ سے بھی مدد حاصل کر سکتے تھے
 عباسیہ کے خلاف پہلے بھی متعدد بغاوتیں ہو چکی تھیں۔ متعدد لوگوں نے
 خروج کیا تھا مگر ہمیشہ انھیں فوجی طاقت سے قتل یا گرفتار کیا گیا۔ فاطمیوں اور طولیوں
 کا اصل جھگڑا خلافت کے لیے قباچ بنی عباس کو غاصب سمجھتے ان کے سیاہ پرچم سے بیزار
 اور منبروں پر دعوے کرتے تھے کہ جو لوگ گھڑی ہوئی روایات کو اپنے اقتدار کی بنیاد
 قرار دیتے اور کہتے ہیں کہ حکومت پر صرف انہی کا حق ہے، حقیر ایک بلائے عظیم
 سے دوچار ہونے والے ہیں۔

خلیفہ معتقد کے نزدیک منبروں پر دیے جانے والے خطبوں کی بہ نسبت تلوار کی
 زبان زیادہ "نصیح و تبلیغ" ہوتی اور لوگوں کو بہتر سبق دیتی ہے لہذا اس کے سامنے
 کسی کو سر اٹھانے کی جرأت نہ ہوگی مگر وہ طولونی ریاست کو بہ زور تیغ ختم نہ کر سکا اور
 اب مغرب میں ہمدی کا داعی ابو عبد اللہ شیعہ اعلیٰ حکومت سے برسر پیکار تھا۔

علمائے سیاست کے سامنے بغاوت اور خروج کی کئی سابقہ مثالیں تھیں اور وہ
 جانتے تھے ہمدی تحریک کو فی الحال ایک ایسے علاقے کی ضرورت ہے جہاں وہ قدم جما
 کر اقتدار کا آغاز کر سکے۔ ایسا علاقہ مشرق میں نہیں تو مغرب میں بھی تھا اُسے بُزْباقش
 کی حمایت حاصل تھی لیکن بعد ازاں طاقت اور جمعیت فراہم کر کے وہ عباسیہ کے خلاف
 اپنے علم بلند کرے گی اور عباسی لشکر اس کی سرکوبی کے لیے قیروان کا رُح نہیں کر سکیں
 گے کیوں رستے میں غزہ کی پٹی اور طولونی مملکت حائل ہے، جو افریقہ کو ایشیا سے جدا کرتی
 اور کسی بھی مشرقی لشکر کو مغرب کی جانب بڑھنے سے روکتی ہے۔

سپاہ خلافت طولونیوں سے جنگ یاد دہستی کے بغیر ایشیا سے افریقہ میں داخل
 نہ ہو سکتی تھی۔ یہ بات خلیفہ معتقد بھی سمجھتا تھا جو ایشیا و عربیہ کے درمیان میں مصر و شام
 کی علامت کی ختم کرنے میں ناکام رہا۔ اس کلب موثق ظلم جو اپنے وقت کا ایک نفع نصیب
 جزیل سمجھا جاتا تھا طولونی حریف کے خلاف کوئی کامیابی حاصل نہ کر سکا اور اپنے سینے

امیر المومنین کی خدمت میں ارسال کیے ہیں۔ مضر کی قافلہ دو تین یوم میں بغداد پہنچ جائے گا کیوں کہ اس کے سفر کی رفتار تیز ہے۔

یہ خبر کسی اچھے سے کم نہ تھی۔ قبل ازیں شیبان ہی کا ایک معتمد ابو نصر یا قوت جس کے متعلق تصدیق ہو چکی تھی کہ وہ عربش کی کارواں مراٹے میں تجارتی قافلوں سے سرکاری محصول وصول کرنے پر متعین ہے، ایک ایسا پیغام اور ایک ایسا تحفہ منے کر آیا تھا جس نے دربار خلافت کو غلط فہمیوں کی حرارت و گستاخی پر مشغول کر دیا تھا اور اب شیبان ہی کا ایک غلام حارث خمارویہ کی طرف سے نئے تحائف اور پیغام لے کر آیا تھا۔

اچانک معتمد ابو عباس کو یاد آیا کہ حارث شیبان کا وہی غلام ہے جو سفر شام میں بنت خمارویہ اسامہ بن قنبر اللہی کی حفاظت پر مقرر تھا اور ایک سال قبل دشت فرات میں اُسے مل چکا ہے۔ ساتھ ہی زمین میں حسین یا دوں کا ایک غرض بھی کھل گیا۔ اس غرضے میں کھڑی شہزادی قطر اللہی مسکراتی نظروں اور دھڑکتے دل کے ساتھ شہنی مونیوں کا ایک نادر مار پیش کر رہی تھی کہ ابو عباس اُسے یاد رکھ سکیں۔ پھر وہ اپنے محافظ سالار حارث کے ہمراہ شاہ کی طرف ٹوٹ گئی لیکن اُس کے دل میں ایک ایسی چیز چھوڑ گئی تھی جس کی ککڑ آج تک محسوس کر رہا تھا۔ کبھی یہ خیال اُسے پریشان کر دیا کہ تھا کہ ان کے درمیان خون کے کئی قتلوم واقع ہیں جنہیں عبود کرنا بڑا کٹھن تھا۔ ادھر عباسی، ادھر طوئی شکر کھڑے تھے اور معتمد جانتا تھا طوئی حکمران اس کی بیعت کا حلقہ قبول نہیں کئے گا لیکن اس اطلاع کے کہ خمارویہ کا ناصد حارث بغداد کی جانب چلا آتا اور کئی اونٹوں پر تحائف لائے آ رہا ہے اس پر حیرت اور استعجاب کا ایک عالم سا طاری کر دیا۔

”کیا خمارویہ کو اس کی غلطی کا احساس ہو گیا ہے جو اس کے بھائی سے سرزد ہو چکی ہے اور اب خود اس کا اندازہ کرنا چاہتا ہے یا معاملہ کچھ اور ہے؟“ یہی سوچ کر اپنے وزیر عبید اللہ سے سوال کیا۔ ”تمہارے خیال میں خمارویہ ہمیں تحائف کیوں بھیج رہا ہے یہ کوئی نئی چال تو نہیں؟“

”واللہ اعلم مگر پیغام سن کر اس کی ریت کا اندازہ ہو جائے گا۔“

لیکن معتمد نے حکم جاری کیا۔ ”ابو الحسن ناکم کی روانگی چند روز کے لیے ملتوی کر دو۔ پہلے ہم خمارویہ کا پیغام سن لیں اگر جواب کی ضرورت باقی رہے تو ابو الحسن کو مھر کی

پرہیز داغ لے کر دنیا سے رخصت ہو گیا تھا کہ اس کے عہد اقتدار میں جہاں ہر خلافت معطل رہا وہاں مصر و شام عباسیہ کی غل داری سے چلنے لگے تھے مگر اب مغرب میں بنی طولون سے زیادہ خطرناک حریف نمودار ہوا تھا جس کی پشت پر عقیدے کی زبردست طاقت موجود تھی۔

معتمد کو قیروان کی ہمدوی تحریک اور اس کے حامی قبائل کی بجائے بنی طولون کی زیادہ فکر تھی جو مصر و شام پر قبضہ جھاکر بیٹھ گئے تھے لیکن معز دل خلیفہ متوکل ہلاکت اور معاذ کے محافظ سردار حرب الکنزی کے قتل، فلسطینی کنیز و مہر کی گمشدگی یا موت اور ملذرا بن حرب کے فراہ کے ساتھ گریزاں حالات کا جو سلسلہ شروع ہوا وہ ابھی تک جاری تھا۔ ابن حرب نے مصر میں پناہ حاصل کرنی اور اس کے ساتھ ہی مضر کی قاصد ابو نصر یا قوت عربش سے شہزاد شیبان کا جو پیغام اور تحفہ لے کر آیا تھا اُس نے صورت عمل کو آٹا ناتا تبدیل کر دیا اور خود معتمد بھی سوچنے لگا تھا شاید مھر کی جانب پیش قدمی کا وقت آ گیا ہے مگر پہلے اُسے خمارویہ ابو جہش سے شیبان کے پیغام کی وضاحت طلب کرنا تھی جس کے لیے ابو الحسن ناکم بن عبید اللہ جیسے سیاست دان کو مفسطاط طبعیجے کا فیصلہ ہو چکا تھا لیکن ابھی اس کی مدد کی ضرورت تھی۔

معتمد ابو الحسن کے ہمراہ ایسے فوجی افسروں کا ایک وفد بھی بھیجا جانتا تھا جو دربار انقلاب پر اپنی ہیبت طاری کر دیں۔ وہ اس بات کا قائل تھا کہ طاقت اور تلوار دونوں مل کر ایک نتیجہ پیدا کرتی ہیں۔ اب سفارتی وفد کے ذریعے اس نتیجے کی خواہش رکھتا تھا۔ چند ہی روز میں وزیر سلطنت عبید اللہ نے ان فوجی افسروں کی ایک فہرست خلافت کا ب کے حصار پیش کر دی جنہیں ابو الناکم کے ہمراہ مھر کا سفر کرنا تھا۔ خلیفہ معتمد نے وہ نام منظور کر لیے اور حکم دیا کہ وفد ٹھیک تیسرے دن غار جودہ ادا کرنے کے بعد بغداد سے روانہ ہو جائے لیکن اسی روز وفد سے ایک عراقی سوار بھی خیر لے کر حاضر ہوا جس نے خلیفہ اور وزیر دونوں کو حیرت زدہ کر دیا۔ سوائے بتایا۔

”طلوئی شہزادہ سے شیبان کا خاص غلام حارث ابو ظفر جو انقلاب کا محافظ سردار بھی ہے، دوائی مھر ابو جہش خمارویہ کا ایک خاص پیغام لے کر شام سے عراق کی سرحد میں داخل ہو چکا ہے۔ اس کے ہمراہ کئی اونٹوں پر تحائف لائے ہوئے ہیں جو خمارویہ نے

جانب روانہ کر دیں گے۔

وزیر نے سرطاعت خم کر دیا اور خلیفہ نے دوسرا حکم دیا: "خارویہ کے سفیر کو دربار خلافت کی بجائے اتر صافہ میں پیش کیا جائے۔ کل سے ہمارا قیام اتر صافہ میں ہوگا۔ ہم مصری سفیر سے وہیں ملاقات کریں گے۔"

عبید اللہ سمجھ گیا کہ اس نے دربار خلافت کی بجائے اتر صافہ میں ملاقات کی احتیاط کیوں ملحوظ رکھی ہے۔ بعض پیغامات ایسے ہوتے ہیں جنہیں اہل دربار کی موجودگی میں سننا مناسب نہیں ہوتا اور کوئی نہیں جانتا کہ شیبان کے قاصد کے بعد خارویہ ابوجیش کا اپنی کیا پیغام لارہا ہے۔



تیسرے دن اور وہ یوم الجمعہ تھا جب بغداد میں نئے مصری سفیر کی آمد کا غل جوا کسی روز ابراہیم قاسم بن عبد اللہ کو اپنے وفد کے ہمراہ مصر کی جانب روانہ ہونا تھا لوگ روانگی کے لیے بڑے بے چین اور چاہتے تھے کہ بنی طولوں کی گوشمالی کی جائے۔ نماز جمعہ کے بعد وہ حاج منصور کے باہر اکٹھے ہونگے تھے کہ عباسی سفیر کی روانگی کا نظارہ کریں لیکن ابراہیم کی روانگی متوی ہوگئی تھی اور جب انہیں التوا کی وجہ معلوم ہوئی اور پتا چلا کہ خارویہ کا خاص اہلی تحائف سے لدے ہوئے اڈنٹ اور ایک ضروری پیغام لے کر آج ہی تیسرے پر بغداد پہنچ رہا ہے، تو حیرت کے ساتھ ساتھ ان کی دل چسپی بھی بڑھ ہی اب وہ نئے مصری سفیر کی آمد کا انتظار کرنے اور قیاس کے گھوڑے دوڑانے لگے کہ خارویہ کا اپنی کیوں آ رہا ہے؟

کسی کا خیال تھا کہ خارویہ نے اس پیغام پر معذرت کی ہوگی جو شہزادہ شیبان کا قاصد لے کر آیا تھا۔

کسی نے کہا کہ طولوں عباسیوں کی تلواروں سے ڈر گئے ہیں۔

کوئی یہ کوڑی لایا کہ اپنی وہ پرندہ ہوتا ہے جو طرفان کے آگے آگے پرواز کرتا ہے۔

کوئی یہ کہتا تھا کہ بنی طولوں کے تحفے تکلیف دہ ہوتے ہیں۔

کسی کی رائے میں بنی طولوں نے علامدگی کی جہ غلطی کی تھی، اس کے اڑنے کا وقت گزر چکا ہے۔

ایک عراقی نے بڑے وثوق سے کہا: "خارویہ کا اپنی تحائف کے ساتھ کچھ مانگنے آ رہا ہے۔" پھر عرب کے ایک قدیم شاعر کا یہ شعر پڑھا:

وَدَفْتُ مَرَاذَةَ الْكَلْبِ شَيْئًا حَلَوًا

فَسَيَا طَعْمُ أَهْلِكُمْ مِنْ سَوَاتِ

زہن نے تمام کوڑی چیزوں کو چکھا ہے مگر سوال سے زیادہ کوڑی شے کوئی نہیں دیکھی

جتنے مزہ اتنی بایں۔ اہل بغداد قیاس آرائی کرنے اور زبان کو پھیندنی اٹانے

کے لیے کسی ہنگامے یا کسی سنسنی خیز واقعے کی تلاش میں رہتے تھے۔ جب سے خلیفہ کے حکم سے فلسفے کی کتابیں بحیثیت بازاروں میں بیٹھ کر تھمتے سنائے، اہل نجوم کے پیش گوئیاں کرنے اور روزگار جشن سنائے، لوگوں پر پانی ڈالنے، حتیٰ کہ بزرگروں کے دھولے تاشہ بکھانے اور ہر بازار کو تہ دکھانے پر پابندیاں عائد ہونی تیسرے اہل بغداد کی جملہ دل چسپیاں صرف نئے نئے واقعات تک محدود ہو کر رہ گئی تھیں۔ اپنی عادات کے مطابق خوب ہوا دیتے تھے۔ نئے مصری ایچی کی آمد ہی ان کے لیے کسی طرفہ فاشے سے کم نہ تھی جس کی خاطر ابوالحسن کی روانگی متوی کر دی گئی اب یہ جاننے کا اشتیاق تھا کہ دیکھیں کیا مصری سفیر اپنی چٹاری سے کون سا ساپ لگا رہا ہے؟

بکثرت لوگ ایک دوسرے سے مرگوشیاں کرتے ہوئے جیسے کھیاں بھینٹتے ہیں، گھروں اور بازاروں کی طرف چلے کیوں کہ ابھی مصری قاصد کے آنے میں ایک ہر بالی تھا۔ لیکن وہ گھر بھرے جنہیں یہ خط یا بکسٹ تھا کہ طولوں حکمران کے کسی قدر اور کس قسم کے تحائف بھیجے ہیں۔ دار الضیف (مہمان خانہ) سے متصل اس میدان کا رخ کرنے لگے جہاں بیرون جات اور خاص طور پر دور دراز کی دلیات سے آنے والے سرکاری مہمانوں کو لایا جاتا اور ان کی سوار یوں سے سامان اتاراجاتا تھا مگر وہ کسی عمر گری کے آثار نہیں تھے۔

عصر کے وقت جب سورج مغربی صحرائوں کی طرف بھل جاتا اور غلٹانوں اور غارتوں

اپنی آمد کی اطلاع پہنچ دی تھی لیکن بغداد میں سفارتی قافلے کے ساتھ جرمسوک روانہ کیا گیا۔ اس نے حادث کے دل میں کچھ دوسرے کچھ اندیشے پیدا کر دیے اور وہ ان کی وجہ سمجھنے کے قاصر تھا۔

شاہی سواروں کی گھڑیاں یا ہرے میں مصری قافلہ مختلف راستوں سے گزرتا تھا کے قریب۔ جب گھڑوں میں جڑخ روشن ہو رہے تھے، دریا کے دجلہ کے مغربی ساحل پر پہنچا اور اسے وہیں ایک وسیع و دلنشین نیم تاریک احاطے میں داخل کیا گیا جہاں تین چار کمرے بھی تھے مگر بند اور مغل۔ دجلہ کنارے بلند قلعوں اور عالی شان عمارتوں میں روشن قدمیوں، جھل جھل کرتے فالو سوں اور دجلہ کے بہتے پانی پر ان کی روشنیوں کے نرے تھر تھرتھاتے، ڈوبتے، اُبھرتے عکس دیکھ کر پتا چلتا تھا وہ شہری عمارت کے قریب آئے ہیں کہ یہاں فضا میں ہندوستانی اگر کی مخصوص ایک رتی بسی تھی اور یہ خاص "گرگھرف" شاہی حرم سراؤں میں استعمال ہوتی تھی۔

احاطے کے اندر پہنچ کر بھی مصری ساربانوں کو اونٹوں سے سامان کے پٹا سارنے آدھے اور قافلے کے سواروں کو گھوڑوں کے زین اور غدرے کھونٹے کی اجازت نہ تھا، عمارتوں کے دروازوں کو میل مفر کے آگے اور تھکے ہند سے تھے۔ یہاں پہنچے ہی کشمیل نے اپنے نائب افسر کو کہیں بھیج دیا تھا شاید وہ کسی کو بلانے یا اطلاع دینے گیا تھا، حادث کی حیرت منجھنے پر تھی جاری تھی کہ اس عجیب و غریب اور نامناسب سلوک کا مطلب کیا ہے؟ کشمیل کا اہم بدستور کرخت اور ہٹناؤ سخت تھا۔ آخر حادث نے پوچھ ہی لیا "کیا تم یہاں اپنے آپ کو اسیر سمجھیں؟"

کشمیل نے کچھ دیر آواز میں جواب دیا "میں کچھ نہیں جانتا، صرف حکم کی تعمیل کر رہا ہوں۔ مجھے حکم دیا گیا تھا کہ مصری قافلے کو اس احاطے میں لے آؤں اور میں نے آیا ہوں مگر یہ کوئی تہ خانہ نہیں۔"

"اگر قید خانہ نہیں تو کوئی تہ خانہ بھی نہیں۔" پھر حادث نے ایک اور سوال کر دیا "کیا بغداد میں سفیروں اور اچھیوں کے ساتھ ہی سلوک کیا جاتا ہے؟"

ابھی کشمیل نے اس کے دوسرے سوال کا جواب نہیں دیا تھا اور شاید دینا بھی نہیں چاہتا تھا کہ اسی لمحے وزیر سلطنت عبید اللہ نائب افسر کے ہمراہ احاطے کے پچھلے

کے سائے بے ہو جاتے تھے۔ بغداد میں زندگی ایک نئی کرٹ ہلتی تھی۔ ہوائے شمال کے ہلکے ہلکے جھونکے شاخوں کو چھو کر گزرنے لگتے۔ کچور، صنوبر، سرو و شمشاد اور ہندی کے درخت جو عموماً گھڑوں میں لگائے جاتے تھے، ابک ہوائے جھونے لگتے۔ پرندے گھونسلوں سے ہلک کر شاخوں پر پھرتے اور لہجہ سرائی کرتے، پانچوڑاں بنی چرنیاں چھوڑ کر صحنوں اور باغوں میں نکل آئے۔ شہر کے بچوں بیچتے دجلہ کے ساحل کی رونق بیدار ہو جاتی، کشتیوں کے باربان گل جلتے، مشرقی اور مغربی گھاٹوں کے درمیان دریائی آمد و رفت شروع ہو جاتی، قاج مسافروں کو ایک کنارے سے دوسرے کنارے کی طرف لے جاتے اور ان کے چوڑوں کی مسلسل "چھپ چھپ" ایک خوش آہنگ نغمہ بن کر بھرتی۔ مسجدوں کے مندر گنبد اور بلند مینار سورج کی فرار ہوتی دھوپ میں ایک سکونی منظر پیش کرتے، اور پچھلے اونچے قلعوں، محلوں، ایوانوں اور دو منزلہ عمارتوں کے مرقع دروازوں، درتکناں، جھمکوں اور محرابوں کے خوش رنگ ریشمی پردے ہٹا دیے جاتے کہ باد شمال محرابوں، غلام گرویشوں، درباریوں اور محرابوں کے ستونوں کے درمیان گندی، صندلیں، امیر میں کلاسیاں حرکت کرتی اور موطر وصال بھائی نظر آتیں۔ شاہ کی گھنٹیں کھنٹے سے قبل ہی حرم سراؤں کی خوب صورت کیزبیں عود ہندی، اگر اور بوبان جو عدل اعتان اور بصرہ کی بندرگاہوں کے رستے مشرق وسطیٰ کے ملکوں میں آتے اور بے حد مقبول تھے خوشبو وائوں میں جلا رہی تھیں تاکہ ازاد آفتاب سے پہلے حرم سراؤں کی فضا معطر ہو جائے۔

بغداد میں یہی وقت تھا جب عباسیہ کے شاہی سواروں نے مصری قافلے کو شہر کی فصیلوں کے باہر ہی اپنے گھیرے میں لے کر باب اہلہ کی طرف ہانک دیا اور قصر خلافت یا دار الشیخ کے معروف شاہراہ کی بجائے اُسے کسی اور ہی راستے پر ڈال دیا۔ شاہی لاؤس کی سرداری خلیفہ معتز کے غلام کشمیل کو سوچی گئی تھی اس کا انجیر کرخت اور زویر سخت تھا جس نے خمار سے بے سفر حادث کو پریشان کر دیا کیوں کہ پذیرائی کا یہ انداز بڑا عجیب و غریب بلکہ توہین آمیز تھا۔

ہر ملک کے دارالحکومت میں غیر ملکی سفیروں کو خوش آمدید کہا جاتا اور ان کا خیر مقدم خوش دل سے کیا جاتا ہے۔ اسی لیے حادث نے سرحد عراق میں داخل ہوتے ہی

ہمارا دل ہوا۔ شبیل نے اُس کی طرف دیکھا اور حادثہ سے کما۔ "اب تمہیں جو کچھ پوچھنا ہے وہ تم وزیر سلطنت عبید اللہ سے پوچھو گے۔"

وزیر سلطنت کو آتے دیکھ کر حادثہ پر ایک اور حیرت گزشتی اور سوچے لگا کہ حادثہ کی صورت اس کی توقع سے کہیں بڑھ کر محروکش اور خطرناک معلوم ہوتی ہے۔ شبیل کے بقول اب اسے جو کچھ پوچھنا تھا، وزیر سلطنت سے پوچھنا تھا لیکن عبید اللہ نے اس کی سوال کا موقع نہیں دیا اور آتے ہی خود سوال کرنے لگا۔ "تمہارا نام؟"

"حادثہ" اُس نے جواب دیا۔

"جنسیت؟"

"ابو ظفر"

"عہدہ؟"

"القطاع کا محافظ سردار"

"کس کے اپنی ہوا؟"

"سلطان مصر و شام ابو حشیش خمار وید بن احمد بن طولون کا"

"سفارت کی سند پیش کرو؟"

حادثہ نے ایک دستاویز پیش کی جس پر اسے خمار وید کی طرف سے "سفیر دوستی" لکھا گیا اور گفستنگو کا اختیار دیا گیا تھا۔ نیچے "سلطان مصر و شام ابو حشیش خمار وید بن احمد بن طولون" کی خاص مہر ثبت تھی۔ وزیر نے خمار وید کا وہ مکتوب بھی دیکھا جو اس نے خلیفۃ المسلمین معتز باللہ ابو عباس احمد بن موفق بن مومل کے نام تحریر کیا اور اپنی دوستی کا یقین دلایا تھا۔ اسی مکتوب میں خلیفہ سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ مصر کی تکالیف قبول فرمائیں۔

سفارت کی سند اور خمار وید کا مکتوب دیکھ لینے کے بعد جن پر شاہی مہر ثبت تھیں عبید اللہ مطمئن نظر آنے لگا اور خوشگوار لہجے میں مخاطب ہوا۔ "اب اوٹوں سے سامان اور ٹھوڑوں سے زمین اتار لو۔ تمہارے ساتھی یہیں آرام کریں گے۔ صرف تم میرے ساتھ امیر المومنین کے حضور الرضا میں چلو گے۔"

حادثہ نے اُس کے روایتی انداز سے تبدیلی کو محسوس کیا تو پوچھا۔ "جناب آپ

خلیفۃ المسلمین کے وزیر اور میں سلطان مصر کا سفیر ہوں گریہ بات میری سمجھ سے بالا ہے کہ شاہی سواروں نے میرے قافلے کو بغداد کی فیصلوں سے باہر ہی کیوں گھیر لیا اور اس اس معاملے میں لاکر مجھ سے اتنی باز پرس کیوں کی گئی؟ سفیر اور ایچی تو اپنی اسناد دربار میں پیش کرتے ہیں۔"

وزیر کو شاید ایسے سوال کی توقع تھی، اُس نے غور سے حادثہ کی طرف دیکھا اور دریافت کیا۔ "کی تم ابو نصر یا قوت کر جانتے ہو جو عیش میں تجارتی قافلوں سے محصول لینے پر مامور اور شہزادہ شیبان کا مقصد رہ چکا ہے؟"

"بے شک جانتا ہوں۔ شہزادہ علی آج بھی اس پر اعتماد کرتے ہیں۔"

عبید اللہ اس جواب پر حیران سا رہ گیا۔ پھر تمہیں یہ معلوم ہو گا کہ کچھ عرصہ قبل شیبان

نہ اس کے ہاتھ عیش سے ایک پیغام اور ایک تھکے دربار خلافت میں بھیجا تھا۔

اب حیران ہونے کی باری حادثہ کی تھی۔ "یہ بات میرے علم میں نہیں، اگر امیر شیبان

کوئی پیغام یا تحفہ بھیجتے تو مجھے ضرور معلوم ہوتا۔"

گویا حادثہ نے شہزادہ شیبان کے کسی پیغام یا تحفہ بھیجنے سے انکار کیا تھا۔

حیرت کے ساتھ عبید اللہ کی دل چسپی بھی بڑھی اور اُس نے مزید کرید کی۔ "کیا دو مہینہ قبل

شیبان نے عیش میں قیام نہیں کیا تھا؟"

حادثہ بتانے لگا کوئی اڑھائی ماہ قبل امیر شیبان شام و فلسطین کا دورہ کر کے

مصر کی طرف لوٹے تو عیش کی کارواں سراسے میں شہر سے تھے اور میں ان کے ساتھ تھا۔

وہاں بغداد کے شاہی دستے کے سالار منذر ابن حرب سے بالکل غیر متوقع ملاقات ہوئی۔

میں ابن حرب کو جانتا تھا۔ وہ طوحسین کی جنگ میں اپنے آقا ابو عباس کو پہچانا، ابو خود گردنار

ہو گیا اور کئی ماہ جنگی قیدی کی حیثیت سے مصر میں رہا تھا لیکن یہ سن کر تعجب ہوا کہ کسی

معاملے میں خلیفۃ المسلمین سے اس کی انہی ہو گئی اور وہ بغداد سے فرار ہو کر اپنے

دوست سلیمان بن عامر کے پاس پناہ لے گیا ہے۔ یہ افسوس کہ خبر بھی میں سنی تھی کہ وہ

عراقی سوار جو بغداد سے ابن حرب کا تعاقب کر رہے تھے عیش میں ہلاک کر دیے گئے۔"

حادثہ نے خود وہ بات چھیڑ دی تھی، جو عبید اللہ سے بادولنا چاہتا تھا۔ اب

اُس نے انکشاف کیا "ابو نصر یا قوت انہی عراقی سواروں کے کٹے ہوئے سراور شیبان

جلیل اللہ مصری سفیر کو نے کہ احاطے سے نکلا اور دجلہ کے کنارے کن رے
نقطۃ البیتہ (پیرسے پل) کی طرف ہوا جو دریائے دجلہ کے مغربی ساحل کو مشرقی
ساحل سے ملتا تھا۔ اتر صاف مشرقی ساحل پر واقع تھا۔ ان کے پیچھے شہر بھی اپنے
سواروں کو لے کر جس دیا اب اسے اتر صاف کی نگرانی کا فرض ادا کرنا تھا۔



کا یہ پیغام لے کر دربار خلافت میں حاضر ہوا تھا کہ مفرد کا پیش تک تعاقب کر کے طولانی
اختیارات میں مداخلت کی گئی ہے اور آئندہ بھی ایسی مداخلت گزارا نہیں کیا جائے گی۔

اس اکتشاف پر حارث مارے حیرت کے ہو چکا سارہ لگی اور اب پتا چلا کہ بغداد
میں ہو کا رخ نہی عیون اور صحرے اس کے آقا کے خلاف کیوں ہے، جب ان کو شہر
ساکنے لگا۔ لیکن امیر شیبان نے پیش سے اس قسم کا کوئی تحفظ اور کوئی پیغام نہیں بھیجا
تھا اس لئے میں مختصر سے قیام کے بعد وہ فسطاط روانہ ہو گئے تھے اور میں ان کے ہمراہ تھا۔
میرے علم کے مطابق پیش میں ابو نصر یا قوت کو شہزادہ علی سے ملاقات کرنے کا موقع
ہی نہیں مل سکا تھا اگر وہ کوئی پیغام لے کر آیا تو کسی اور کا پیغام لے کر آیا ہو گا۔

حارث کی بات سن کر خیف کے وزیر عبید اللہ کے علاوہ غلام شہیل اور شاہی سواروں
پر ایک عجیب سی سنسنی گزر گئی اگرچہ ابو نصر یا قوت پر یہ شبہ پہلے بھی ہوا تھا کہ وہ طولانی حکومت
یا شہزادہ شیبان کا قاصد نہیں بلکہ کسی اور کا بھیجا ہوا تھا جو بڑی ہوشیاری اور چالاک سے
اپنا کام کر کے بغداد سے بہ عجلت رکل گیا اور لوگوں میں اشتعال کی ایک لہر چھوڑ گیا تھا مگر اب
عبید اللہ کو اس بات پر رہ کر افسوس ہو رہا تھا کہ اس نے ابو نصر یا قوت کی سفارتی سند
دیکھے بغیر اسے دربار خلافت میں حاضری کی اجازت کیوں دی اور اگر یہ غلطی کی تھی تو ابو نصر کو
بغداد سے جانے کیوں دیا لیکن یہ وہی کیفیت تھی کہ اَمْنٌ قَدْ خُوِّفَتْ وَ مَا يَنْفَعُ
الْمُدُّمُ (ابن کثیر) کے کیا موت جب چڑیاں چک گئیں کبیت)

مصری سوار اور ساربان بھی اس اکتشاف پر دم بخود رہ گئے تھے کہ حارث ابو ظفر
نے قبل ابو نصر یا قوت دربار خلافت میں ایک ایسا پیغام لے کر حاضر ہو چکا ہے، جو شہزادہ
شیبان نے نہیں بھیجا تھا اور غالباً اسی لیے مصری قافلے کو بغداد میں گھیر لیا گیا اور طویل
رہائے سے اس احاطے میں لایا گیا تھا۔ حارث سے باز پرس بھی اسی لیے ہوئی تھی کہ
ضرب المثل کے مطابق مَنْ لَمَسَتْهُ الْكَافِعِي حَبْرُ الْعَبْلِ يَخْافُ
سانپ کا ڈساری سے بھی ڈرتا ہے، تاہم سفارتی سند اور ابو جہش خمار ویر کا بڑی
مکتوب دیکھ لینے کے بعد وزیر عبید اللہ مطمئن ہو چکا تھا اور اب اسے یہ بتانے
کی ضرورت نہیں تھی کہ مصری قافلے کے ساتھ عجیب روایت کیوں اختیار کیا گیا۔

ایک جس کی دیوانوں پر جگہ جگہ سپہیں قندیں فرداں تھیں۔ چھت سے جس پر سونے چاندی کی دستکائی کی گئی تھی سات شاخے زریں فانوس آہ ہزار تھے جن کی بے دو دھمکوں نے ایوان کو فقط نور بنارکھا تھا۔ خوشبوداروں میں غور ہندی آہستہ آہستہ سنگ رہنقا جس کی ہلکی ہلکی ٹمک پرور سے محل میں پھیل رہی تھی اور فرش عجب صورت آبرائی قابیلوں سے پرستہ تھا

دوستی

○

ایوان ارحاف کی یہ آرائش وزینائش یا سونے چاندی سے مرفح چھت اور زریں فانوس اور سپہیں قندیں حادث کے استعجاب کا باعث نہ تھیں۔ وہ تو لوہی حکمرانوں کے ایوان تصور ایوان خاص، ایوان نشاط بلکہ محل شاہی کے سبز رنگ زریں حوضوں میں بھی سونے چاندی کا یہ حد حساب استقلال و کچھ پرکھا تھا اور دولت و شہمت کی نمائش اس کے لیے وجہ حیرت نہیں ہو سکتی تھی جس منظر نے اسے حیران و ششدر کر دیا، وہ کچھ اور ہی تھا۔

اس نے دیکھا جس ایوان میں بیٹھے خلیفہ کے حضور پیش کیا جاتا تھا، وہاں جو زمین مجلس کے لگ بھگ ایمان سلطنت پہلے سے موجود تھے جو مختلف شعبوں سے وابستہ اعلیٰ عہدوں پر فائز اور خاص مقام رکھتے تھے فی الواقع ان امراء و اعیان کو سلطنت عباسیہ کی "مکھنیں" کہا جاسکتا تھا جن میں ولی عہد ابو محمد علی کے علاوہ ماہر سیاست البرہان قاسم بن عبد اللہ، صاحب القربان بن اسماعیل، معتقد کا منہ چڑھا شیر اور غبطہ کا سربراہ بدر الاحق بن کنانج اسبہ سردار محمد بن طاہر، عاصم بن مخلد، جان ناریوں کے دستہ فوج کا سردار محمد بن شامی بن ملک، دیوان غری کا ناظم الامور علی بن عیسیٰ بن داؤد اور بلاد شرقی کا منظم علی بن داؤد بن جرج، ترک سردار محمد بن عیسیٰ بن صواف، قضاۃ میں سے قاضی یوسف قاضی البرہان اور قاضی بو عمر جیسے لوگ علاوہ ازیں غبطہ اور حکم امور خاص کے افسر بھی مثال تھے۔ ارحاف کا یہ ایوان ایک خاص و بار کا نقشہ پیش کر رہا تھا جہاں خلیفہ معتقد نے البرہان شامی کو یہ کام تفویض کیا تھا جو سلطنت کی "مکھنیں" اور "اکاں" سمجھے جاتے تھے، قدیم فارسی زبان میں ان کے لیے "چشم و گوش" کی اصطلاح رائج تھی انھیں صرف اہم مواقع پر طلب کیا جاتا تھا۔

اس صورت حال نے حارت کو چڑھکا دیا اور خیال آیا اگر وزیر نے اس کے کاغذات کی سختی سے جانچ پڑتال کی تو خلیفہ نے اس کی باریابی کے لیے خاص ایمان سلطنت

گہری شام کے اندھیرے میں دجلہ کے دونوں ساحلوں پر غافل شان عمارتوں کے کھلے دروازوں، جہرگوں جالی دار دروازوں اور غلام گروہوں سے جھانکتی روشنیوں اور بیتے دریائے سرخ پر لہا کے غوطے کھائے انگاروں کا منظر اس قدر جوشہرہ پانہا کہ اس پر کسی جاوہر گہری یا پرستان کے نظارے کا گمان ہوتا تھا، حارث ابو نصر نے

یہ سن لینے کے باوجود ابو نصر با قوت بعد ادکی قصداً خراب کر گیا ہے جس سے وہ پریشان ہو گیا تھا حیرت سے یہ نظر کیا کہ اگر دجلہ کے دو سر یہ قنبروں اور بیتے پانی پر ان کی روشنیوں کے انعکاس کا نظارہ مہوت کر دینے والا تھا، تو شاہی محل ارحاف کے اندر ایک اور عجیب منظر اس کا منتظر تھا۔

جب وہ عباسی وزیر کے ہمراہ ارحاف کی طرف بڑھ رہا تھا تو اس خیال سے کچھ مطمئن ہو گیا کہ خلیفہ معتقد کے ساتھ اسے تنہائی کی ملاقات کا نادر موقع مل رہا ہے۔ کم از کم عبد اللہ کے علاوہ وہاں دوسرا کوئی فرد نہیں ہو گا اور کہتے ہیں کہ حق جیاتی الخکم و وحدہ فیصلح (جو شخص حاکم کے پاس اکیلا جائے وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوتا ہے) وہ بھی تنہائی کی ملاقات میں اپنا فرض زیاورہ خوش اسلوبی سے ادا کر سکے گا اور خلیفہ کو اپنی مطلوبت کی دہائی کے لیے ہوا کہ لے گا لیکن ارحاف کی ڈیوڑھی سے گزر کر اور ایک بڑے چور کے جوئی وہ بال نامرغ ایوان میں داخل ہوا تو ایوان کا منظر دیکھ کر حیرت زدہ رہ

کو جمع کر رکھا ہے اسے انہی لوگوں کے سامنے اپنا سفارتی فرض ادا کرنا تھا۔

وزیر مملکت عبید اللہ مصری سفیر کے ساتھ جتا ایوان کے وسط میں بیٹھ کر کھڑا اور خلیفہ معتقد باللہ کے سامنے، جو ایک زبردست مسند پر بیٹھ کر اس کے سامنے بیٹھا تھا، حضرت ابو نصر نے بھی اس کی پیروی کی، پھر وہ امیر المومنین سے مخاطب ہو کر بتانے لگا کہ حضرت ابو نصر دائی مصر ابوحشیم خادریہ کا خاص اٹھی اور دوستی کا پیغام لے کر آیا ہے لیکن اس بات سے انکار کرتا ہے کہ کچھ عرصہ قبل شہزادہ شیبان نے ابو نصر یا قوت کے ہاتھ ابوحشیم سے کوئی پیغام دربار خلافت میں بھیجا تھا۔ حادث امیر شیبان کا مقبر غلام اور ابوحشیم کی کاروں میں اس کے میں ابن حرب سے مل چکا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ ابو نصر کو کسی اور نے بھیجا ہوگا۔ وہ شہزادہ شیبان یا مصری حکومت کا ناصدک گز نہیں تھا۔

عبید اللہ کے اس بیان نے ایوان میں حیرت کی ایک لہر دوڑا دی اور خلیفہ معتقد نے حادث کی طرف ہاتھ لہرا کر کہا: ”کیا خادریہ کا سفیر ایوان کے سامنے عبید اللہ کے بیان کی تصدیق کرتا ہے؟“

حادث نے فوراً گردن خم کر دی پھر سر اٹھا کر بولا: ”امیر المومنین! جس طرح آسمان کا میلی فام گنبد ستوروں کے بغیر اسی زمین پر قائم ہے اور اس کی حقیقت کو کوئی جھٹلا نہیں سکتا اسی طرح میرے یہ الفاظ بھی حقیقت پر مبنی ہیں کہ ابو نصر یا قوت میرے آقا شیبان کا ناصدک نہیں تھا اور دنیا کا کوئی خوف یا تشدد مجھے اس بیان سے منحرف نہیں کر سکتا۔ اعلیٰ حضرت یہ سن کر خوش ہوں گے کہ سلطان مصر ابوحشیم خادریہ کی طرح شہزادہ شیبان نے بھی حضور کی خدمت میں کچھ تکلف ارسال کیے ہیں، جب میں اسے قافلے کے ہمراہ انقطاع سے روانہ ہوا، وہ جبل مقلہ تک مجھے رخصت کرنے آئے اور انہوں نے بات کی تھی کہ جب میں حضور کی خدمت میں پیش کیا جاؤں تو سلام کے بعد ان کی طرف سے آپ کے دست مبارک پر بوسہ دوں۔ اعلیٰ حضرت اور اعیان سلطنت خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ جب امیر شیبان خلیفہ المسلمین سے بیاہندی کا اظہار چاہتے ہیں، تو دربار خلافت میں ایسا پیغام کیوں بھیجے جو حضور کی برکات کا باعث ہوتا ہے؟“

خلیفہ معتقد کے ساتھ سب حاضرین نے حادث کی باتیں بڑی توجہ سے سیں اور اس کی گفتگو کے بعد اور انداز کلام کو پسند کیا۔ معتقد نے اس کے الفاظ کے معانی کو

مذہم کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا وہ مخاطب کا صرف چہرہ نہ دیکھ کر چہرے پر اس کے خیالات پہنچنے کی قدرت بھی رکھتا تھا اور حارت کے الفاظ میں اس کا ذہن بول رہا تھا جس سے معتقد کو اسے سمجھنے میں مدد ملی اور عجب دار آواز میں بولا۔

”تمہارا بیان معتبر معلوم ہوتا ہے پھر بھی اس پیغام کی تردید جو ابو نصر نے کیا تھا لہزادہ شیبان کی طرف سے ہونی چاہیے۔“

”امیر المومنین! انقطاع کو سنتے ہی میں انہیں معاہدے کی صورت سے منع کر دوں گا پھر ان کا جواب آپ کو مل جائے گا۔“

خلیفہ نے سر کے اشارے سے اس کے جواب کو تسلیم کیا تو اس نے فرمائش کی۔ ”اعلیٰ حضرت! اب مجھے اجازت دیجیے کہ میں اپنے آقا شیبان کی طرف سے حضور کے دست بوسی کا شرف حاصل کروں۔“

معتقد کے دل میں کیا تھا؟ یہ تو کوئی نہ جان سکتا لیکن اس نے اپنا ہاتھ ضرور آگے بڑھا دیا، جسے حادث نے پک کر دونوں ہاتھوں میں لے لیا پھر اس پر عقیدت کا بوسہ دیا اور خلیفہ کا ہاتھ اپنی آنکھوں سے لگا یا۔ اس بیاہندی اور فردوسی کو اعیان سلطنت نے دلچسپی کی نظروں سے دیکھا، حادث خلیفہ کے ہاتھ کو بوسہ دے چکا تو کہنے لگا۔ ”امیر المومنین! آج مجھے دوسری بار حضور کی ملاقات کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔ پہلی ملاقات دشت فرات میں ہوئی تھی، جب آپ نے بے مثال شجاعت و بہادری کے ساتھ ایک زبردست شیر کو پھانڈ دیا اور بہت سلطان شہزادی اسما و قطر اندلی کو اس درندے سے بچا لیا تھا، مجھے اُمید ہے حضور کو وہ ملاقات یاد ہوگی۔“

”میں یاد ہے تم اپنے سواروں کے ہمراہ شہزادی کے نقاب میں آئے تھے مگر اس سے قبل خدا نے ہمیں مرنے دیا کہ ہم شیر کا خاتمہ کر دیں۔“

دشت فرات کے حوالے سے اچھا اور عباس کو اور بھی کچھ یاد آگیا، اعلیٰ حضرت نے شہزادہ اسما و قطر اندلی یاد آئی۔ زمین نقاب کے اندر اس کے شہابی عارض، ستاروں ٹاک اور غنائی آنکھیں یاد آئیں، جو سناروں کی طرح روشن نہیں، اس کی ٹٹری کو آواز اور گمشدہ بچہ یاد آگیا، شہنم کے قطروں جیسے ترمیموں کا نادر ہار یا دیکھا، جو سورج کی روشنی اور قندیلوں کی شعلوں میں یوں جگمگ چمکتا کہ اس سے ہفت رنگ کر نوں کا انعکاس

ہو تھا۔ بہت خارویہ نے بارانِ انظار کے ساتھ پیش کیا تھا۔ ”شاہی سی ہار کھی آپ کو ہماری یاد دلایکے“

گویا نظر اندی چاہتی تھی احمد ابو عباس اسے یاد رکھے اور ابو عباس نے اس وقت بھی جب وہ عباسیہ کا ایک پُر جمال حکمران بن چکا اور اپنے اعیانِ دولت کے دریاں مسندِ خلافت پر بیٹھا مصر کا مقدر سن رہا تھا، وہی مصر کی انتہائی خوب صورت اور ساحلِ جمالِ ترک کے تصور سے ایک راحت محسوس کی، جس کا ترک حسنِ قطرہ ظہیم کی طرح شگفتہ روشن اور دل افروز تھا لیکن حارث نے اسماء قطر الندی کا نام لے کر دشتِ حریت کا سینہ زلغیا در دلیا تو ہمارے سلطنت کی مجلس میں وہ غوغائی دوزخیزہ کے متعلق کسی جذبہ کا غبار نہ کر سکا جو اس کے دل میں دھڑک رہی تھی، اس نے سوچ لیا تھا کہ مصری سفیر کا یہاں سن لینے کے بعد وہ اسے اپنے کمرۂ خلوت میں طلب کرے گا اور اسماء قطر الندی کے بارے میں چند باتیں پوچھے گا۔ ”اب ہم خارویہ ابو جہش کا پیغام سنا چاہتے ہیں۔“

اس اثنا میں وزیر عبید اللہ اپنی نشست پر بیٹھ چکا تھا۔ حارث نے خلیفہ کی مسند سے چند قدم پیچھے بیٹھ کر سلطانِ مصر خارویہ کا وہ مکتوب نکالا، جسے خلیفہ کا وزیر سیلے ماحظ کر چکا تھا اور اپنی گواہی پر پڑھنے لگا تاکہ تمام حاضرین مجلس سن سکیں۔ حمد و ثناء اور ضروری القابات کے بعد خارویہ نے خلیفہ معتقد باللہ کے نام یہ عبارت تحریر کی تھی۔

”اعلیٰ حضرت ہم نے آپ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور التماس کے محافظہ و راجدات البظفر کو اپنا سفیر بنا کر بھیجا ہے۔ ہم نے کچھ تحائف بھی ارسال کیے ہیں جو ہمارے جذبہ دوستی کے شاہد ہیں، آپ کی امانتِ ظہری سے امید ہے کہ ان تحائف کو قبول فرما کر ہمیں عزت بخشیں گے اور ہماری دوستی کا ہاتھ قبول فرمائیں گے۔“

ابو علی اس ابے شک ماضی میں ہمارے تعلقات کشیدہ ہے ہیں مگر ماضی کے رنج و غل اور تلخ واقعات فراموش کر کے ہمیں مستقبل کو خوش گواری بنا چاہیے اس سلسلے میں ہمارا سفیر جو بالمشافہ گفتگو کرے گا اسے آپ ہماری زبان سمجھیں۔ ہم نے حارث کو ان تمام باتوں کا اختیار دیا ہے اگر وہ آپ سے کرے گا ہم آپ سے دوستی

کے طلب گار ہیں۔

والسلام

حارث نے خط پڑھ کر ایک بار پھر اپنا سر جھکا دیا گویا بالمشافہ گفتگو کے لیے اجازت طلب کر رہا تھا۔ مقصد کھنکھار ”خارویہ نے ہمیں گزشتہ واقعات بھول جانے کا مشورہ دیا ہے اس طرح وہ ماضی میں رونما ہونے والے حوادث اور مشکلات کی ذمہ داری سے بچنا چاہتا ہے۔“

”اعلیٰ حضرت“ حارث بڑے نرم لہجے میں بولا۔ ”الہامی صلی کا فیصلہ کرمضیٰ عامضیٰ“ (ماضی کا ذکر مناسب نہیں، جو ہوا، سو ہوا۔) ”کوئی انسان اپنے ماضی سے بھٹکا رہا حاصل نہیں کر سکتا، ماضی قریب تک آئی کا پچھپا کرتا ہے۔“

”آپ نے درست فرمایا لیکن حضور وانا میں اور وانا یہ بھی کہتے ہیں کہ گزری باتیں بھول جاؤ اور آئے والی باتوں کو سلام کرو۔“

”پھر بھی ہم خارویہ کا مطلب جاننا چاہتے ہیں۔“

”امیر المومنین دوستی کا مطلب صرف دوستی ہوتا ہے اور ابو جہش آپ سے دوستی چاہتے ہیں۔“

”دوستی..... لیکن کس قیمت پر کس شرط پر؟“

حارث اپنے مقصد پر آگیا۔ ”اگر اعلیٰ حضرت مصر و شام پر بنی طولوں کا حق و اختیار تسلیم کر لیں، تو وہ بھی ہر معاملے میں آپ کے نصیر و مددگار رہیں گے۔“

یہ سننے ہی عباسی امیر ابو اسحاق مغلوب ہو گئے، معتقد ابو عباس اپنی مسند پر تڑپ اٹھا۔ اگر خارویہ اس شرط پر دوستی چاہتا ہے تو ہمیں منظور نہیں، ہم نے ماضی میں مصر و شام کو عداوت سمجھا ہے نہ کبھی آئندہ سمجھیں گے۔“

حارث نے فوراً اپنا لہجہ بدل دیا۔ ”اعلیٰ حضرت! میں نے اسی لیے گزارش کی تھی کہ ماضی کی تلخیوں کو بھول جانا بہتر ہو گا۔ نبی عباس اور بنی طولوں میں دوستی وقت کا تقاضا ہے حضور نے قیروان میں ہمدردی تحریک کی اور ضروری ہوگی وہ جنگ صرف بنی اغلب سے نہیں۔“

ہے دوسری ضروری نہیں سمجھتے؟

حادثہ نے قیروان میں ممدوی تحریک کا جو نقشہ پیش کیا، اور مستقبل کے خطرات کی جس طرح منظر کشی کی، اس نے عباسی امرا پر مسائل کی صورت واضح کر دی۔ بغداد جغرافیائی طور پر قیروان سے ہزاروں میل دور تھا اس لیے شمالی افریقہ کی خبریں بہت دیر سے پہنچتی تھیں اور دولت عباسیہ کے ایمان و امرا مغرب کے حالات سے پوری طرح آگاہ نہ تھے جب کہ مصر ایک افریقی ملک ہونے کے ناتے قیروان کے معاملات سے زیادہ باخبر اور زیادہ دل چسپی رکھتا تھا۔ معتقد کے امیروں، جنہوں، انیسویں، قاضیوں نے مصری سفیر کی باتوں میں وزن محسوس کیا۔ ان پر مغرب کی صحیح صورت حال پہلی بار مختلف ہوئی اور تیار چلا کر مستقبل میں کس قسم کے حوادث پیش آنے والے ہیں مگر حادثہ نے چابک اپنی گھنٹہ گواؤں میں بدل دیا اور ترغیب کا انداز میں کہنے لگا۔

”اعلیٰ حضرت! میں نے جن خدشات کا ذکر کیا ہے، ان کا پیش آنا وقت اور حالات پر منحصر ہے کیوں کہ محل احمد بنو ہون چاہا وقتاً بہ (مہربان بات اپنے وقت پر موقوف ہے) لیکن ہر انقلاب بطن زمین سے پیدا ہوتا ہے، آپ کے جد اعلیٰ ابو عباس عبداللہ السفاح نے امیروں کو تلوار سے کاٹا اور اپنا حکم نافذ کر دیا مگر ایک اموی شہزادہ عبدالرحمن مشرق سے فرار ہو کر مغرب میں پہنچ گیا جس نے اندلس میں نئی اموی حکومت کی بنیاد رکھی تھی اور وہ آج تک قائم ہے اب اللہ نے آپ کو مسند خلافت پر فائز کیا ہے۔ آپ بھی ابو عباس اور ”السفاح ثانی“ کہلاتے ہیں اگر آپ دشمن کے خلاف تلوار اٹھائیں اور اپنے پرہیزگار کو حرکت دیں تو ان خطرہ کو ختم کیا جاسکتا ہے جو قیروان میں سر اٹھا رہے ہیں۔ یعنی اور بڑے قبائل عباسی لشکروں کے مقابلے میں نہ ٹھہر سکیں گے پھر برقعہ سے طبع (مغرب الاقصیٰ) تک آپ کو کوئی دوسرے والا نہیں ہوگا۔ وہاں سے اندلس کا ساحل قریب ہے۔ اپنے جد امجد کی طرح حضور بھی بنو امیہ پر اپنی تلوار کا لوہا آزماسکتے اور اندلس پر عباسیہ کا حکم

حادثہ نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی اور خلیفہ کو اپنا اشارہ جھکنے کا لفظ دیا۔ معتقد نے اس کا غلبہ کچھ سمجھا، کچھ نہ سمجھا اور کہا: ”اگر قیروان میں دوسری تحریک کامیاب ہو جائے تو اس سے شہرہ فساد کی حکومت کو ہوسکتا ہے، دولت عباسیہ کو نہیں۔“

اب حادثہ نے اپنے اشارے کے گراں گھول دی۔ ”اعلیٰ حضرت! غزوئی حکومت کو خطرہ صرف اس لیے ہوگا کہ وہ قیروان اور آپ کے درمیان حال ہے۔ فانیوں اور عربوں کی اصل منزل مسقطا طیس بغداد ہے، جھگڑا بھی خدافت اور حکومت کا ہے اور خدافت کا ارادہ بغداد کا رخ کرے گا مگر مصر کو فتح کیے بغیر ایشیا میں داخل نہیں ہو سکتا۔ قیروان میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد اگر اس نے مصر پر حملہ کیا، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تحریک نے اپنی غزوات کا رخ آپ کی طرف پھیر دیا ہے اور میں اس سینہ حاضر ہوں گا کہ جس خطرے سے مغرب میں سر اٹھا رہا ہے، اسے مشرق میں داخل نہ ہونے دیا جائے اور بغداد و مصر کی دوسری اس خطرے کے سامنے ایک مضبوط فیصل بن کر کھڑی ہو جائے۔“

خلیفہ معتقد اور اس کے ایمان دولت نے اس پہلو پر غالباً توجہ ہی نہیں دی تھی اب حادثہ کی گفتگو میں ان کی دل چسپی بڑھی اور وہ قیروان میں ہونے والی کشمکش کے متعلق اپنے تاثرات بیان کرنے لگا۔

”اعلیٰ حضرت! بغداد آنے سے پہلے میں امیر شیبان کے ہمراہ مدینہ کی سرحد کا دورہ کر چکا ہوں، وہاں جو حالات سننے میں آئے ان سے تباہی ہے کہ اعلیٰ حکومت زیادہ عرصے تک دوسری تحریک کا مقابلہ نہیں کر سکے گی۔ یعنی قبائل کے علاوہ بنی کنانہ بھی مغرب میں پہنچ چکے ہیں اور بدر بر قبائل کے ساتھ ان کا مکمل اتحاد ہے۔ وہ جلد یا بدیر قیروان پر غلبہ آجائیں گے پھر ان کا رخ مصر کی جانب ہوگا، وہاں سے وہ فلسطین، حجاز اور یمن کی طرف بڑھیں گے۔ یمن ان کی پہچان ان کی اصل ہے اور کل شئی رجحان الی اہلہ (ہر شے اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے) ان انیسویں اور خطرہوں کے پیش نظر بھی کیا آپ مصر

یعنی قبائل میں اکشر اہل بیت کے حامی اور عباسیوں سے گھوٹا صی چاہتے تھے (قرآن مجید)

عبداللہ ابو عباس نے کوفہ کی جامع مسجد میں بحیثیت خلیفہ جو پہلا خطبہ دیا اس میں اپنے لیے السفاح (خون ریز) کا لقب خود اختیار کیا تھا۔

(طبری جلد ۱۳ ص ۱۳، ابن اثیر جلد ۵ ص ۱۲۶)

اسے فراموش کر کے ایک دوسرے کا ہاتھ قہام لیا جانے کیوں کہ آدمی آدمیوں کے ساتھ جتنا ہے ان کی قبروں اور کتبوں کے ساتھ نہیں چلتا۔

حارث کی باتیں سن کر خلیفہ اور اس کے وزیر مشیر بنی طولون کے معاملے پر نئے سرے سے غور کرنے لگے، اب وہ دوستی کی ضرورت اور اہمیت سمجھ رہے تھے، لیکن خمار دیہ نے دوستی کی جو شرط رکھی، وہ انہیں منظور نہ تھی پھر بھی سوچ بچار کے بعد معتقد نے معاملے کی ایک نئی صورت نکالی اور کہا ”خمار دیہ دوستی چاہتا ہے تو ہمیں بھی دشمنی منظور نہیں مگر تم اس کی دوستی کا ہاتھ اسی وقت قبول کریں گے جب وہ ہمارے ہاتھ پر بیعت کرے گا“

امین سلطنت نے اس تجویز پر خوشنودی کا اظہار کیا اور بیعت کو ”امرواجب“ قرار دے کر خلیفہ کی تائید کر بیعت کا مطلب یہ تھا کہ خمار دیہ معتقد کا مطیع و فرمانبردار اور اس کے احکام کا پابند ہو جائے۔ دوسرے لفظوں میں کسی جھگڑے کے بغیر مصر و شام دولت عباسیہ کا حصہ بن جائیں۔

حارث نے بھی ایک معقول حذر و خوف لیا۔ امیر المومنین اسعٰی اور بغداد کے مامین جو فاصلے حاصل ہو گئے، ان کا اصل سبب امر خلافت ہی تھا۔ آپس کے والدیرحم نے خلیفہ معتقد کو معزول اور خلافت کو موقوف کر دیا تھا جس پر بنی طولون ان سے ناراض ہو گئے۔ اب آپ کے ذریعے امر خلافت بحال ہو گیا ہے، تو بنی طولون بھی حضور کے ساتھ معاملہ طے کرنا چاہتے ہیں لیکن وہ مطمئن اسی صورت میں ہوں گے جب اعلیٰ حضرت خمار دیہ اور شام کو مصر و شام کا آزاد خود مختار سلطان تسلیم کر لیں گے۔

ابوالحسن قاسم نے جواب دیا۔ لاپسے خمار دیہ امیر المومنین کے ہاتھ پر بیعت کرے پھر اسے مصر و شام کا دالی مقرر کر دیا جائے گا۔

”ابوالحسن اگیارہ سال کے جوان ہیں مصر و شام ایک طوٹتی ریاست کا متخصّص محل کر چکے ہیں اور یہ بچان ایک دن میں چھوٹا ہو سکتی۔ شامی اور مصری بغداد کی دوستی پر راضی ہو جائیں گے لیکن اس کی مانگ اور غلامی گوارا نہیں کریں گے۔“

حارث نے پھر مصر و شام کی علاحدگی پر زور دیا بلکہ اس مرتبہ اپنا موقف بڑے واضح الفاظ میں بیان کیا جس پر عباسی امرا اب اس میں گئے اور خلیفہ نے بھی دو ٹوک جواب دینا

نافذ کر سکتے ہیں جس کے لیے آپ کے بزرگ ابو جعفر منصور اور ابو عبد اللہ محمدی بڑے کوشاں رہے ہیں۔ لیکن اپنے گھوڑوں کی لگائیں اٹھانے اور کشتیاں سمندر میں ڈالنے سے پہلے آپ کو بنی طولون سے جنگ یا دوستی کرنا ہوگی جو آپ کے دشمنوں اور آپ کے درمیان حائل ہیں اور جن سے معاملہ طے کیے بغیر آپ افریقہ میں داخل نہیں ہو سکتے اب فیصلہ حضور کے اختیار میں ہے کہ بنی طولون سے جنگ یا دوستی؟

حارث کے آخری الفاظ نے ابوالحسن کے علاوہ عباسی امرا کے دلوں میں بھی ایک گھنج پیدا کر دی اور ان الفاظ پر غور کرنے لگے جو ریشم کی مثال نرم و ملائم لیکن تلوار کی طرح تیز اور سخت بھی تھے۔ اس کی تقریر میں مغرب کی طرف بڑھتے مدی کے دلی ابو عبد اللہ شیبی کے حامی بنی اور بربر قبائل سے فتنے اور ہمدوی تحریک کو اس کے آغاز ہی میں کچل دینے کے علاوہ اندس کی اموی مملکت کو بھی سر کرنے کی زبردست ترغیب موجود تھی جس کی خواہش اکثر عباسی حکمرانوں کے دل میں چلتی اور نزاجی رہی تھی۔ اب عباسی معتقد باللہ بھی اپنے آباء کی طرح فتوحات کا شوق رکھتا اور اندس کی اموی حکومت کا خاتمہ چاہتا تھا تاکہ تانہ نہ بنے اس کا نام ”الشفاح ثانی“ (دوسرے خون ریز) کے طور پر لکھا جائے لیکن بغداد سے شمالی افریقہ بہت دور اور اندس اس سے بھی بڑے یورپ میں واقع تھا جہاں پہنچنے کے لیے ایشیا و افریقہ کے کئی میدان کئی دریا اور کئی صحرا عبور کرنا پڑتے تھے، سب سے اہم معاملہ بنی طولون کا تھا جو مصر و شام پر قابض ہو چکے اور مشرق و مغرب کے درمیان حائل تھے۔

معتقد نے تخت خلافت پر بیٹھنے ہی اپنی عسکری طاقت میں اضافہ کر دیا اور مصر و شام کے درمیان کھینچی گئی لکیر کو مٹا دینا چاہتا تھا مگر ماضی میں بنی طولون نے اس کبیر کی اپنی تلواروں سے حفاظت کی اور عباسی لشکروں کو ہر مرتبہ پسپا کر دیا، ان تلخ تجربوں کے پیش نظر عباسی امیر اور جنرل بھی جانتے تھے کہ طوہنیوں کو آسانی سے شکست نہیں دی جا سکتی۔ جنگ کی تسکین میں انہیں مصر و شام کی زبردست مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے گا اور بہت سے اس بات کو بھی پسند نہیں کرتے تھے کیوں کہ جب جنگ ہوتی ہے تو دونوں جانب سے مسلمان ہی لڑتے اور مسلمان ہی مرتے ہیں۔ اب مصری بغیر جنگ نہ بجائے دوستی کی تھوڑی سی لکیر اٹھاتا تھا کہ ماضی میں جو شکست و خون ہو چکا ہے،

ضروری سمجھا۔

”حادث: ہم نے دوستی کا ہاتھ بڑھانے کی جو تجویز رکھی، وہ تمہیں یا پھر تمہارے آقا کو منظور نہیں کیوں کہ یہاں تم اپنے آقا کی زبان میں گفتگو کر رہے ہو اور دوستی کی جو شرط اس وقت اس طرف سے کرنا چاہتے ہو وہ ہمیں تسلیم نہیں۔ ہم علاقہ کی یکسر ختم کر دینا چاہتے ہیں، تم اس کو قائم رکھنے پر آمادہ کرنا چاہتے ہو اس لیے ہم یہ معاملہ اس کے واسطے وقت پر چھوڑ دیتے ہیں، تم نے خود کہا ہے کہ کل اٹھ سو گھوڑوں کا قاتیہ (ہر بات اپنے وقت پر موقوف ہے) ہم بھی اپنے پرچم اس وقت کھولیں گے اور گھوڑوں پر سوار ہوں گے جو وقت مصر و شام کے لیے مقرر ہو گا۔“

دوستی سے انکار کے ساتھ یہ ایک کھلی دھمکی بھی تھی کہ مصر و شام کو الگ ٹھکانہ نہیں رہنے دیا جائے گا اور عباسی شک بناسب وقت پر ملنا کر کریں گے۔ حادث نے معتقد کے الفاظ کو ذہن کے پلڑے میں چاہی، دوسرے پلڑے میں ان سے دینی الفاظ ڈال دیے اور کہنے لگا: ”امیر اٹھائیں، ضروری نہیں کہ جو کچھ آپ چاہتے ہیں وہ اسی طرح ہو جائے۔ میں نے حضور کے سامنے معاملے کی جو صورت پیش کی، اس کا مقصد یہ تھا کہ ہمدان تحریک کا جس سے مصر کو کم اور آپ کو زیادہ خطرہ ہے، اس کو مقابلہ کیا جائے اور بربر لشکروں کو مشرق کی طرف نہ بڑھنے دیا جائے لیکن آپ مصر و شام کی تسخیر کا ہوم کیے بیٹھے اور پچھلے بیسے موزوں وقت کے منتظر ہیں تو اس سے سیاست کی بساط کا سارا نقشہ تبدیل ہو جائے گا۔ بنی طولون اپنے علاقے کی پہلے ہی حفاظت کرتے رہے ہیں اور آئندہ بھی کریں گے۔ البتہ نئے حالات میں اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ شاید آپ کے خلاف وہ ہمدانی تحریک ہی سے صلیج کر لیں اور بنی فاطمہ کے حامی مبنی اور بربر قبائل کو نہ صرف عباسی لشکروں کے مقابلے پر بلکہ آپ کے ہمدانی تحریک کا رُخ بغداد کی جانب موڑ دیں فاطمیوں اور علویوں کا اصل دعوٰی بنی عباس کے خلاف ہے، جب وہ مصر و شام کی طوفانی ریاست سے معاہدہ دہشت گردی کے اپنے علم و افاق کی طرف پھیر دیں گے، تو انہیں روکنا بڑا مشکل ہو گا۔ کہوں کہ عراق و شام کے بادیہ نشین قبائل ان کی حمایت میں سب سے زیادہ تڑپ رہے ہیں، عراقی بستیوں سے نکل آئیں گے، اس وقت آپ کو اور آپ کے اصحاب کو غلامی کی عرض دوستی یاد آئے گی لیکن وقت گزر چکا ہو گا۔ بعض اوقات آدمی اچھے حالات میں ایک تجویز مسخر کر دیتا اور

بے حالات میں اس پر عمل کرنا چاہتا ہے تو وقت اگلے نکل چکا ہوتا اور آدمی چھپے رہ جاتا ہے، تب اس کے پاس کچھ نہ دے کے سو کچھ نہیں رہتا لہذا اس سے پہلے کہ بنی طولون اپنی ریاست و حکومت کے تحفظ کی خاطر آپ کے دشمنوں سے دوستی کا معاہدہ کریں، بنی عباس کو ان کی دوستی کا ہاتھ تمام لینا چاہیے۔ میں یہی درخواست کرتا ہوں۔“

خلیفہ معتقد کی دھمکی کے مقابلے میں حادث کا انبیاہ کہیں زیادہ خوف انگیز اور سسٹی خیر متی جس نے اتر عہد کے ایران میں تلویش کی ایک نئی لہر دوڑا دی، مبنی میں زیادہ تر ناظمی اور علوی دعوے دندوں ہی کے تباہی حکمرانوں کے خلاف خروج کیا اور اپنے سبز علم لہرائے تھے۔ اگرچہ ہمدان کے دار جس نے عباسیہ کے خلاف خروج کیا پسنا، قندیلہ ہلاک کر دیا گیا، اس کے باوجود ان کی حمایت کے حلقے بدستور قائم رہے۔ انہوں نے طرہ و عقیدے کی مضبوط دیواروں میں محصور کر لیا تھا کبھی کبھی وہ ان دیواروں کے حصار سے باہر نکل آتے اور اپنے عقیدے کی دعوت دیتے تھے۔ مبنی میں ان کے حامیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ ہمدانی کا داعی بھی مبنی قبائل کے ہمراہ، مغرب میں جا پہنچا تھا اور بربر قبیلوں نے اس کی حمایت میں تلواریں اٹھائی تھیں۔

عراق اور شام کے بادیہ نشین کسی ہمدانی موجودگی آمد کے منتظر تھے جس کے متعلق یہ روایت تھی کہ وہ تلوار سے دشمنوں کو فنا کر دے گا کچھ بڑے قبل ذکر دریا قمر طے نے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ازارقہ خوارج کا مذہب رکھتا تھا خود کو ہمدانی کا اپنی فاطمہ کے صحابی قبیلوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا مگر گرفتاری کے باوجود وہ قید سے فرار اور لاپتا ہو گیا تھا۔

اس اقباءہ پر کہ اگر لشکر خلافت نے مصر و شام پر حملہ کیا، تو بنی طولون اس کے دشمنوں سے مدد نہ کریں گے اور ہمدانی تحریک کا رُخ مغرب سے مشرق کی طرف موڑ دیا جائے گا، خلیفہ معتقد اور اس کے اصحاب و امرا کا ذہن ان فاطمیوں، علویوں، اسماعیلیوں حتیٰ کہ محمد بن الحنفیہ کے پیروکاروں میں الجھ کے رہ گیا جو دولت عباسیہ کے مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے اور عباسی حکمرانوں سے کدورت رکھتے تھے، انہوں نے یہ بھی سوچا کہ اگر ایسا ہو گیا جیسا مصری سفیر حادث کہتا ہے اور ہمدانی تحریک نے مشرق

کار نہ کریں تو بنی عباس کے تمام مخالف حلقے اس کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوں گے اور ایک فساد عظیم برپا ہوگا، جس پر قیام پانانی الواقع مشکل ہو جائے گا اور جیسا زلزلے کا دستور ہے کہ جب کوئی مشکل پڑتی یا اس کا احساس ہوتا ہے تو آدمی کا رویہ بدل جاتا اور وہ اس سے ٹھٹھنے کی سعی کرتا ہے، امرائے عباسیہ میں بھی ایک تسریل واقع ہوئی ان کے دلوں میں بنی طولوں کے خلاف پہلا سا جذباتی جوش نہیں نہ رہا اب وہ ان سے دوستی کی ضرورت محسوس کرنے لگے تھے۔ خلیفہ معتضد نے بدلے ہوئے لمحے میں سوال کیا۔

”حادثہ! تم چاہتے ہو ہم بنی طولوں کی دوستی کا ہاتھ خام لیں اور مصر و شام کی آزادی کو تسلیم کر لیں۔ بغرض محال اگر تم یہ علاقے خاراویہ کے حوالے کر دوں اور ان سے کچھ حصے کے لیے ہاتھ اٹھا لیں تو بنی طولوں کی حکومت کو ہمیں خراج ادا کرنا ہوگا۔“

حادثہ نے خلیفہ کے بدلے ہوئے لمحے سے اندازہ لگایا کہ معاہدے کی صورت تبدیل ہو رہی ہے۔ فوراً بولا۔ ”علی جاہ! پہلے ایک اصول طے پا جائے۔ تو خراج کے مسئلے پر بھی بات ہو جائے گی۔“

ساتھ ہی اس نے ترقیب کا بنا یلو پیش کیا۔ ”جب حضرت فراتح دلی سے بنی طولوں کو حاکم تسلیم کر لیں گے تو اس سے خلاصہ کی ناکہ فریقین کے درمیان نفرت کی گھیر ضرور مٹ جائے گی اور بعد ازاں اختلاف میں تعاون کا ایک نیا سلسلہ شروع ہوگا، جو اگلے چل کر کوئی دوسری شکل بھی اختیار کر سکتا ہے۔“

خلیفہ نے مزید دل چسپی لی اور بات اگلے بڑھائی۔ ”فخرے خیال میں یہ دوستی افاق میں کب تک بدل سکتی ہے؟“

”امیر المومنین اسکون کے معاملات بے تدبیری سے جھگڑنے اور حسن تدبیر سے نمونے میں، یہ بات تو دربار بغداد پر منحصر ہے کہ وہ بنی طولوں کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے اور اپنی خوش تدبیری سے دوستی کو افاق میں کب بدل دیتا ہے لیکن فی الحال مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ طوفانی حکومت کو تسلیم کیا جائے۔“

معتضد نے محسوس کیا کہ حادثہ اگرچہ خاراویہ کا سفیر اور بنی طولوں کے مفاد کی بات کر رہا ہے لیکن وہ درنہ عباسیہ کے لیے بھی اپنے دل میں تعاون کا جذبہ رکھتا ہے اس سے حادثہ کی تعریف کی۔ ”ہمیں تمھاری زبان پر اعتماد ہے۔“

حادثہ کا سر جھک گیا۔ ”ما اکانت لک ان لوک اللسان“ (اگر زبان کچھ نہیں تو انسان کچھ نہیں)

خلیفہ اصل مطلب پر آ گیا۔ ”ہم بنی طولوں کی دوستی صرفہ اس لیے قبول کر لیں گے کہ اسے جلد سے جدا افاق میں تبدیل کر دیا جائے۔“

مارے خوشی کے حادثہ کا دل تیر تیر دھڑکنے لگا اور دھڑکنے دل کے ساتھ بولا۔

”پھر تمھارے درمیان دوستی کا معاہدہ ہو جانا چاہیے۔“

”معاہدے کی مدت کیا ہوگی؟“ خلیفہ نے خود اپنا عندیہ پیش کیا۔ ”مدت کم ہوگی تو افاق میں آسانی رہے گی۔“

”معاف کیجیے اعلیٰ حضرت! غلام کا خیال ہے، جلدی کا امر ہمیشہ نہیں رہتا۔ دوستی کا معاہدہ طویل المیعاد ہونا چاہیے تاکہ فریقین میں ربط و ضبط بڑھے۔“

”پھر تم کتنے عرصے کا معاہدہ چاہتے ہو؟“

حادثہ نے مدت کا تعین کیا۔ ”دوستی کا معاہدہ کم از کم پچاس سال کے لیے ہونا چاہیے۔“

”معتضد بے اختیار پکارا تھا۔ ”حَتَّىٰ يُشِيبَ الْغُرَابُ“ (زبان تک کہ کو آ سفید ہو جائے) اور بنی کی اس ضرب اقل کے ساتھ اس نے پچاس سال کی مدت مسترد کر دی۔ ”نصف صدی کی مدت بہت طویل ہے اور اتنی دیر تک ہمیں مصر کی خلاصہ کی گوارا نہیں۔“

مصری سفیر نے اس کے چہرے پر ابھرنے والے ناگوار اثرات دیکھے ابھی تلخی محسوس کی، تو اپنا لہجہ پھر بدل دیا۔ ”علی جاہ! قوموں اور ملکوں کی زندگی میں پچاس برس کی مدت طویل نہیں ہوتی۔ بنو عباس کو خواہمیر سے اقتدار حاصل کیے ڈیڑھ صدی گزر رہی ہے اور لوگوں نے انھیں برداشت کیا ہے۔ کیا آپ صرف نصف صدی کے لیے بنی طولوں کی حکومت قبول نہیں کر سکتے؟“

عباسی خلیفہ نے اسے غور سے دیکھا اور وہ کہنے لگا۔

”اگر آپ کو نصف صدی کا عرصہ زیادہ طویل معلوم ہوتا ہے، تو اس سے دس برس کم کر دیجیے، ابو حنیفہ خاراویہ چالیس برس سے کم کسی معاہدے پر راضی نہیں ہوں گے۔“

حادث نے ایک بار پھر حالات کی نزاکت کا احساس دلایا۔ اعلیٰ حضرت اپنی طوئوں کو اپنے قریب رکھنے کا یہی ایک طریق ہے کہ آپ ان کے ساتھ فراخ دلی سے پیش آئیں اور چالیس برس کے لیے معاہدہ دوستی کر لیں، آپ کے نزدیک یہ مدت طویل ہے لیکن دوسرے کو بھی تنوار میں ڈھالنے سے پہلے بھی سے گزرنا پڑتا اور سپاہی کے ہاتھ تک پہنچنے میں کچھ عرصہ گزرتا ہے، اگر آپ کو یہ معاہدہ منظور نہیں تو ہر کوئی جانتا ہے کہ مصر ایشیا کا نہیں افریقہ کا ملک ہے اور افریقہ میں حالات بدل رہے ہیں۔

اس موقع پر وزیر مملکت عبید اللہ نے مداخلت ضروری سمجھی اور اپنی نشست چھوڑ کر کھڑا ہو گیا، لوگ اس کی طرف متوجہ ہو گئے اور وہ کہنے لگا: "امیر المومنین! جب آپ مصر کا معاہدہ دوستی سے طے کرنے پر آمادہ ہو گئے ہیں اور عارضہ بھی یہی تجویز ہے کیا آپ تو میری رائے میں معاہدے کی اوسط مدت پر اتفاق کر لینا چاہیے اور اوسط مدت تیس برس کی ہوتی ہے۔"

سب لوگوں نے عبید اللہ کی رائے کو پسند کیا، جو مغرب میں حالات کی نئی کرکٹیں کے پیش نظر، نئی طوئوں سے جنگ کی بجائے دوستی کا معاہدہ بہتر سمجھتے تھے۔ خلیفہ نے اپنے وزیروں اور مشیروں کے فیصلے سے اتفاق کر لیا اور حادث بھی تیس برس پر راضی ہو گیا۔ معتضد ابو عباس جسے حکمران کو جو منہ دینا کا معاملہ لوگ تنوار سے حل کرنے پر تیار ہو جاتا تیس برس کے معاہدہ دوستی پر رضامند نہ لینا کی توقع ایک بہت بڑی کامیابی تھی۔ جو حادث کے حصے میں آئی۔ خلیفہ نے اس کے ساتھ ہی پانچ لاکھ دینار سالانہ خراج کا مطالبہ کر دیا لیکن جس طرح معاہدے کی اوسط مدت پر اتفاق کر لیا گیا تھا۔ اسی طرح تین لاکھ دینار خراج پر فیصلہ ہو گیا، جو طوئوں کی حکومت کو ہر سال ادا کرنا تھا۔ اب معتضد اس امر کی ضمانت چاہتا تھا کہ خسارویہ معاہدے سے انحراف نہیں کرے گا۔

حادث نے ایک بار پھر حالات کی نزاکت کا احساس دلایا۔ اعلیٰ حضرت اپنی طوئوں کو اپنے قریب رکھنے کا یہی ایک طریق ہے کہ آپ ان کے ساتھ فراخ دلی سے پیش آئیں اور چالیس برس کے لیے معاہدہ دوستی کر لیں، آپ کے نزدیک یہ مدت طویل ہے لیکن دوسرے کو بھی تنوار میں ڈھالنے سے پہلے بھی سے گزرنا پڑتا اور سپاہی کے ہاتھ تک پہنچنے میں کچھ عرصہ گزرتا ہے، اگر آپ کو یہ معاہدہ منظور نہیں تو ہر کوئی جانتا ہے کہ مصر ایشیا کا نہیں افریقہ کا ملک ہے اور افریقہ میں حالات بدل رہے ہیں۔

اس موقع پر وزیر مملکت عبید اللہ نے مداخلت ضروری سمجھی اور اپنی نشست چھوڑ کر کھڑا ہو گیا، لوگ اس کی طرف متوجہ ہو گئے اور وہ کہنے لگا: "امیر المومنین! جب آپ مصر کا معاہدہ دوستی سے طے کرنے پر آمادہ ہو گئے ہیں اور عارضہ بھی یہی تجویز ہے کیا آپ تو میری رائے میں معاہدے کی اوسط مدت پر اتفاق کر لینا چاہیے اور اوسط مدت تیس برس کی ہوتی ہے۔"

سب لوگوں نے عبید اللہ کی رائے کو پسند کیا، جو مغرب میں حالات کی نئی کرکٹیں کے پیش نظر، نئی طوئوں سے جنگ کی بجائے دوستی کا معاہدہ بہتر سمجھتے تھے۔ خلیفہ نے اپنے وزیروں اور مشیروں کے فیصلے سے اتفاق کر لیا اور حادث بھی تیس برس پر راضی ہو گیا۔ معتضد ابو عباس جسے حکمران کو جو منہ دینا کا معاملہ لوگ تنوار سے حل کرنے پر تیار ہو جاتا تیس برس کے معاہدہ دوستی پر رضامند نہ لینا کی توقع ایک بہت بڑی کامیابی تھی۔ جو حادث کے حصے میں آئی۔ خلیفہ نے اس کے ساتھ ہی پانچ لاکھ دینار سالانہ خراج کا مطالبہ کر دیا لیکن جس طرح معاہدے کی اوسط مدت پر اتفاق کر لیا گیا تھا۔ اسی طرح تین لاکھ دینار خراج پر فیصلہ ہو گیا، جو طوئوں کی حکومت کو ہر سال ادا کرنا تھا۔ اب معتضد اس امر کی ضمانت چاہتا تھا کہ خسارویہ معاہدے سے انحراف نہیں کرے گا۔

"ہم نے خسارویہ اور اس کے جانشینوں کی حکومت تیس برس کے لیے تسلیم کر لی اور اس کے عوض تین لاکھ دینار سالانہ خراج قبول کیا ہے۔ کل یہ معاہدہ ضبط و تحریر میں آجائے گا لیکن اس امر کی ضمانت ہوگی کہ خسارویہ یا اس کے جانشین معاہدے کے پابند رہیں گے، خراج کی ادائیگی میں تاہل نہیں کریں گے اور کسی وقت معاہدے کو توڑ کر ہمارے دشمنوں سے نہیں مل جائیں گے۔"

حادث نے ایک بار پھر حالات کی نزاکت کا احساس دلایا۔ اعلیٰ حضرت اپنی طوئوں کو اپنے قریب رکھنے کا یہی ایک طریق ہے کہ آپ ان کے ساتھ فراخ دلی سے پیش آئیں اور چالیس برس کے لیے معاہدہ دوستی کر لیں، آپ کے نزدیک یہ مدت طویل ہے لیکن دوسرے کو بھی تنوار میں ڈھالنے سے پہلے بھی سے گزرنا پڑتا اور سپاہی کے ہاتھ تک پہنچنے میں کچھ عرصہ گزرتا ہے، اگر آپ کو یہ معاہدہ منظور نہیں تو ہر کوئی جانتا ہے کہ مصر ایشیا کا نہیں افریقہ کا ملک ہے اور افریقہ میں حالات بدل رہے ہیں۔

اس موقع پر وزیر مملکت عبید اللہ نے مداخلت ضروری سمجھی اور اپنی نشست چھوڑ کر کھڑا ہو گیا، لوگ اس کی طرف متوجہ ہو گئے اور وہ کہنے لگا: "امیر المومنین! جب آپ مصر کا معاہدہ دوستی سے طے کرنے پر آمادہ ہو گئے ہیں اور عارضہ بھی یہی تجویز ہے کیا آپ تو میری رائے میں معاہدے کی اوسط مدت پر اتفاق کر لینا چاہیے اور اوسط مدت تیس برس کی ہوتی ہے۔"

بھی کہ طوہونی حکمران فی الواقع بنی عباس سے دوستی چاہتا ہے۔ ان کے نزدیک دلی ہمسرہ
 ابو محمد علی اور شہزادی قطراندی کی سچڑی گویا شمس و قمر کی جوڑی تھی۔ انہوں نے دونوں کے
 عقد کی تجویز پر بہ آواز بلند احسنت کہی مگر یہ کوئی نہ دیکھ سکا کہ عقد کی یہی تجویز سن کے امیر المومنین
 کے دل پر کیا قیامت مہمت گئی تھی۔



معتقد ابو عباس نے مصری سفیر کی زبان سے ازدواجی رشتے کی بات بڑے شوق سے سنی مگر جو نئی حارث نے شہزادی قطر الندی کو ولی عہد کی زوجیت میں دینے کی تجویز پیش کی، اس پر جیسے برقی آسمانی ٹوٹ پڑی۔ دل میں رعد سے زیادہ ہولناک ٹڑاکا ہوا اور یوں لگا جیسے کائنات زبردست ہل گئی ہو۔ اس صائفہ انگیز تجویز کے سوا جس نے معتقد کے قلب و ذہن میں ایک زلزلہ برپا کر دیا تھا۔ وہ اور کچھ نہ سن سکا کہ حارث نے کیا کہا، کیا نہیں کہا، اُسے کوئی ہوش نہ تھا۔ الفاظ سر کے اوپر سے گزرتے چلے گئے جیسے ایک ہی ہولناک ٹڑاکے سے جو کہیں دل میں ہوا تھا، اس کی سماعت مفلوج ہو گئی تھی، چند لمحوں کے لیے وہ بیگانہ ہوش ہو گیا اور یہ بھی نہ جانتا تھا کہ جب حارث نے اپنی تقریر ختم کی۔ تو ساتھ ہی شہزادی قطر الندی کو ولی عہد ابو محمد علی کی زوجہ و صاحبہ بنانے کی منظوری طلب کی تھی۔

اس خلاف توقع تجویز کو سن کر معتقد ابو عباس کے قلب و ذہن پر ایک ایسا ناٹا طاری ہو گیا تھا کہ جب ایمان سلطنت نے حارث کی تجویز پر صدائے احسن بلند کی تو بھگدڑ نہ مکاریہ شور کیسا ہے، حاضرین مجلس کے چہروں پر ایک بے پایاں مسرت دیکھ رہا تھا لیکن اس کا مفہوم جاننے سے قاصر تھا۔ ذہن کے دیرانے میں صرف ایک بات بگولہ مچھا بن کر ہلکا کاٹ رہی تھی کہ مصری سفیر نے شہزادی قطر الندی کو جو اس کی محبت، اس کی تمنا اور اس کی منظور بنانا تھی، اس کے بیٹے کی زوجیت میں دینے کا اعلان کیا تھا اور اسی اعلان یا اسی

تجویز نے اس کے ہوش و حواس سب کر دیے تھے۔

ابھی تو تیرہ سال قبل دشت فرشت میں محبت کا کیسا انکھا واقعہ پیش آیا تھا چہاں وہ شکار کرنے گیا لیکن خود شکار ہو گیا تھا جیسے جعفر بخوی نے پیش گوئی کی تھی کہ خود شکار ہو جائے گا۔ دشت فرات سے واپسی پر اس نے جعفر کی پیش گوئی کا مذاق اڑایا تھا کیوں کہ ایک بھاری بھر کم شیر کا شکار کر کے آیا تھا جس نے فرات کے پلے میں شہزادی قطر الندی کا نغائب کیا اور جسے اس نے اپنی تلوار کے ایک ہی وار سے درمیان میں کاٹ دیا تھا۔ حالانکہ جنگل سے لوٹا تو خود قطر الندی کے تیر نظر سے گھائل ہو چکا تھا لیکن جعفر بخوی کے ہر حکمت الفاظ کا ادراک اسے بعد میں ہوا۔

کس قدر عجیب بات تھی۔ الرضاؑ میں پہنچ کر اس نے اپنی خاتون اول جبکہ خازن سے بھی اسماء قطر الندی کے حسن و جمال کا ذکر کیا اور بتایا تھا کہ خمار و بیکہ کو خیر بکرہ ترک اسے گھائل کر گئی اور ایک نادور قیمتی ہار کی شکل میں اپنی محبت کا تحفہ بھی دے گئی ہے۔ میں یہی قطر الندی کے متعلق گفتگو ہوئی اور جبکہ خاتون نے اس بات پر اتفاق کر لیا تھا کہ اب عباس طویون شہزادی کو بھولنے کی بجائے یاد رکھیں۔ شاید وہی بنی طولون اور بنی عباس کے درمیان رابطہ یا اس و اسٹوکی آخری امید ہو، اس نے تخت خلافت پر متمکن ہونے کے بعد بھی بہت خمار و بیکہ کو یاد رکھا تھا۔ اگر سیاست کی بساط پر اسماء طویون بنی طولون سے تعلق کی آخری امید یا آخری چال تھی تو آج اب وہیں خمار و بیکہ نے اپنے سفر حارث کے ذریعے وہ ”آخری امید“ اس کے نوجوان بیٹے علی کی زوجیت میں دہشت کا اعلان کر کے اس کی امیدوں پر برقی ناگیاں گرادی تھیں، اب ان محبت پر ایک زلزلہ طاری تھا اور دل کے طاقتور میں حسین یادوں کی فروزاں تمجیں آندھی کے ایک ہی جھونکے سے بجھ کر رہ گئی تھیں۔

بجھتی نغموں کے دھڑپیں جس اس کا ذہن آہستہ آہستہ کچھ سوچنے اور اس ہولناک سناٹے سے نکلنے لگا، جو شکست دل کی دہیب کڑک کے بعد پورے جسم پر طاری ہو گیا تھا، چند ساعتوں کے بعد جب وہ کسی قدر سنبھل گیا، تو خیال آیا کہ بنی طولون کے ساتھ تعلق یا اتحاد کی بساط وہی تھی جس کا نقشہ کچھ عرصہ قبل اس کے اور جبکہ خاتون کے مشترکہ خیالوں میں ابھرا تھا۔ اس بساط پر شہزادی قطر الندی بھی اسی خانے میں موجود تھی

جہاں وہ پہلے تھی اور جسے جیت کر ایک بڑی باری جیت لی جاتی لیکن دست قدرت نے اس بساط پر شہزادی قطر الندی کو جیتنے والے ٹمر بدل دیا اور معتضد ابوباس کو نقشے سے ہٹا کر اس کی جگہ ولی عہد ابومحمد علی کاہرہ آگے بڑھایا تھا کہ وہ شہزادی قطر الندی کو اپنی زوجہ صاحبہ بنا لے یا قطر الندی عباسی ولی عہد کو جیت لے اور دو حکومتوں کے مابین دوستی، اعتماد اور نہ ٹوٹنے والے تعلق کی ضمانت بن جائے، بہر حال یہ جو کچھ بھی تھا، بے حد اذیت ناک تھا۔

کبھی کبھی ایک معمولی سا واقعہ کسی عظیم واقعے کا سبب بن جاتا اور ایک چھوٹی سی بات دو محبت کرنے والوں میں جدائی ڈال دیتی ہے۔ معتضد ابوباس کو بھی قطر الندی سے جدائی کا منظر اور علامتگی کا اذیت ناک سانحہ درپیش اور دل کو کچھ کے دے رہا تھا کہ اس نقشے کاہرہ اور اس جدائی کا سبب اس کے بیٹے کو بنایا جا رہا ہے۔

وہ ایک ایسے صدمے یا ایسی کیفیت سے دوچار تھا، جس کا اظہار بھی نہیں کر سکتا تھا، ہوش قدرے بحال ہوئے تو سوچنے لگا کہ تقدیر کا فیصلہ اس کے خلاف صادر ہوا ہے اس موقع پر وہ اپنے جذبات کو روکنے کی کوشش کرے گا جو دل کو زبردست ہر کیے دے رہے تھے اور ان کے تیز دھارے کے سامنے ضبط کا ایک پستہ اور پابند کی ایک میٹھ بانہ لے گا تاکہ لوگ اس کے دل کی بے قراری نہ جان سکیں مگر کیا ایسا کرنا ممکن تھا؟

ایوان الرضاؑ میں سب کی نظریں نوجوان اور خوش حال ولی عہد ابومحمد علی پر مرکب تھیں اور بعض اُسے مبارک باد دے رہے تھے لیکن معتضد ابوباس صحر کی طرح خاموش اور سمندر کی طرح گہرے سانس لے رہا تھا، اچانک اس نے مہری سفیر کو اپنی جانب مڑتے اور جھکتے دیکھا پھر اس کی آواز سنی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

”امیر المومنین شہزادی اسماء قطر الندی اور ولی عہد ابومحمد علی کی نسبت منظور فرمائیے تاکہ بنی طولون اور بنی عباس میں دوستی اور قرابت کا تعلق گہرا ہو۔“

حادثہ کے سوال نے معتضد کے دل پر پھر ایک پھندا ڈال دیا اور ابھی وہ کچھ کہنے کے لیے الفاظ ہی ڈھونڈ رہا تھا کہ ناگیاں ایوان الرضاؑ کی محراب سے جس کے سامنے طلسم کا پردہ لٹک رہا تھا، جبکہ خاتون کی آواز بلند ہوئی۔ ”مجھے شہزادی قطر الندی سے اپنے بیٹے کی نسبت منظور نہیں۔ میں اس رشتے کو مسترد کرتی ہوں۔“

عجائبہ کی خاتون اول کے الفاظ ایوان کے آخری سرے تک سنے گئے اور لوگوں پر ایک سنہاں سا طاری ہو گیا۔ نسبت نامنظور کرنے کا مطلب یہ تھا کہ مکہ جیک کو بھی عباسیوں کی طوئوں میں قربت اور دوستی کا تعلق منظور نہیں اور یہ ایک ایسی بات تھی جس نے ایمان دولت کو دم بخود کر دیا۔ مصری سفیر حارث اس سناتے میں یوں ہکتا ہکتا سا کھڑا تھا جیسے وہ تاج جس کی کشتی گرداب سے تویج نکلے لیکن کنارے کے قریب کسی چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے اور پکارہ قدرت کی اس قسم ظریفی کو سمجھ نہ سکے۔

اس کا خیال تھا عباسی ایمان و امراء کی طرح خلیفہ مقتصد اور اس کی ملکہ جیک خاتون بھی شہزادی اور ولی عہد کے رشتہ ازدواج پر خوش ہوں گے۔ فریقین کے درمیان دوستی کی اس سے بڑی ضمانت اور کوئی نہ ہو سکتی تھی۔ حارث نے جان بوجھ کر یہ تجربہ بعض امور پر تصفیہ ہو جانے کے بعد پیش کی تھی اور مقتصد یہ تھا کہ لوگوں میں حیرت اور مسترد دورانیے لیکن جیک خاتون نے عقد کی تجویز مسترد کر کے حارث کے ساتھ حاضرین مجلس کو بھی حیران و پریشان کر دیا جس سے ظاہر ہوتا تھا، وہ بنی طوئوں سے قربت داری نہیں چاہتی بلکہ مقتصد بھی اس پیش کش پر خوش نہ تھا بلکہ بعض لوگوں نے اس کے چہرے کا رنگ اٹتے دیکھا تھا۔ الرضا کی محراب میں پردے کے پیچھے جیک خاتون کے علاوہ خلیفہ کی دوسری حرمیں فتنہ بانو اور شغب خاتون بھی موجود تھیں۔ عجائبہ کی چند اہم اور جدیدہ جدیدہ خواتین کو بلایا گیا تھا تاکہ وہ خلیفہ سے مصری سفیر کی ملاقات کا منظر دیکھ سکیں اور ان کے درمیان ہونے والی گفتگو سن لیں مگر گفتگو کو ختم ہو گئی تھی اور ایوان پر استعجاب کا سکتہ چھا گیا تھا۔ نہ کوئی بول رہا تھا، نہ کچھ کہہ رہا تھا۔ جیک خاتون نے جو کچھ کہہ دیا، وہی دلوں پر بوجھ بن گیا، اچانک محراب سے اس کی آواز ایک بار پھر بلند ہوئی۔ اب کے وہ براہ راست خلیفہ سے مخاطب ہوئی تھی۔

”امیر المؤمنین! آپ خاموش کیوں ہیں؟ مصری سفیر اور امراء نے سلطنت کو بتایا کہ میں نے شہزادی قطر الندی سے اپنے بیٹے کا عقد کیوں پسند نہیں کیا؟“
لوگ چونک گئے کہ طوئوں کی شہزادی کا رشتہ نامنظور کرنے کی کوئی وجہ بھی موجود ہے۔ انھوں نے مقتصد کی طرف دیکھا جس کے چہرے کا اٹھا ہوا رنگ عود کر آیا اور دل کا سناٹا ٹوٹ چکا تھا۔ اس نے بڑے شاہانہ وقار کے ساتھ مصری سفیر سے پوچھا۔

”الرجیش خامو یہ نے تمھیں جس رشتے کا اختیار دیا ہے، کیا اس کے لیے اپنی بیٹی کی مرضی دریافت کرتی تھی؟“

سوال بڑا اہم تھا۔ حارث نے ایک پل سوچا اور جواب دیا، ”اعلیٰ حضرت! اس رشتے کا مقصد بنی عباس اور بنی طوئوں کی دوستی کو قربت داری سے مستحکم کرنا ہے اور آپ خود سمجھ سکتے ہیں، ایسی صورت میں حکومت کی مرضی شہزادی کی مرضی پر مقدم ہوگی۔“

”یہ ہمارے سوال کا جواب نہیں۔“ مقتصد کی آواز نے لوگوں کو چونکا دیا۔ ”اسلام نے لڑکی کی مرضی کو ہر حال میں مقدم قرار دیا ہے اور جیک خاتون نے یہ رشتہ اس لیے پسند نہیں کیا کہ شہزادی قطر الندی ہمارے ولی عہد سے نہیں کسی اور سے لگاؤ رکھتی ہے۔“

اس انکشاف نے پورے ایوان کو حیران کر دیا اور حارث نے محسوس کیا کہ بنی طوئوں کی عزت پر حملہ کیا گیا ہے۔ تاہم معاملے کی نزاکت کے پیش نظر بڑے احترام سے بولا، ”اسماء قطر الندی شہنشاہ کی طرح صاف، شفاف ہے انسان تو کیا، مصر سے گزرنے والی ہوا بھی شہزادی کے کسی لگاؤ اور تعلق سے انکار کر دے گی۔ اگر مکہ جیک خاتون یا حضور نے کوئی ایسی افواہ سنی ہے تو مجھے اس شخص کا نام بتایا جائے جو شہزادی کے ساتھ تعلق رکھتی کرتا ہے تاکہ میں اسی ایوان میں اس کا ٹھوس ثبوت ثابت کر سکوں۔“

حارث نے امراء بنی عباس کے درمیان طوئوں کی عزت کا دفاع ضروری سمجھا اور جو مطالبہ کیا اس سے معاملے کی صورت بالکل تبدیل ہو گئی۔ اسی لمحے محراب کے حرمی پردے میں نیز حرکت کی لہر سرسرائی اور الرضا کی ایک کینز نے شہنشاہ جیسے موتیوں کا جگر مگر کرتا بار محراب کے پاس کھڑے محافظ غلام کے سپرد کیا کہ امیر المؤمنین تک پہنچا دیا جائے۔ بار خلیفہ کے ہاتھ میں پہنچا تو اس نے مسند پر بیٹھے بیٹھے اسے لہرایا تاکہ سب لوگ دیکھ لیں۔ فاطمہ اور فندہ طوئوں کی مدہنیوں میں اس کے نیرنگ زمانہ موتیوں سے ہفت رنگ کرنیں منعکس ہو کر دکھنے والی آنکھوں میں چکا چوند پیدا کرنے لگیں۔ پھر اس نے حارث سے دریافت کیا، ”کیا اس بار کو پہچانتے ہو؟“

وہ استعجاب کے مارے بھونچکا سا رہ گیا۔ اس نامد اور نایاب ہنگ مردارید کہ پہلی ہی نظر میں پہچان لیا تھا۔ کپکپی آواز میں بولا، ”ایسا ایک بار شہزادی قطر الندی کے پاس تھا۔“

”بروای ہمارے جو بہت خمارویر نے اس شخص کو اپنی نشانی کے طور پر دیا تھا جس سے لگاؤ رکھتی ہے۔“

شاید کسی چٹان کے ٹوٹ کر گرنے سے بھی ایسا دھماکا نہ ہوتا، جو معتقد کے اس منہی خیز ہلکشاف سے ہوا۔ حاضرین مجلس نے اس کے الفاظ کی دھمک اپنے دلوں میں محسوس کی۔ حارث نے اگر کسی کے ساتھ شہزادی کے لگاؤ یا تعلق سے فطری انکار کیا تو معتقد نے اس لگاؤ کا ناقابل تردید ثبوت پیش کر دیا تھا جس سے وہ خود بھی انکار نہ کر سکا۔ اسماء قطر الندی کا انکھا ہار دیکھ کر خلیفہ کے الفاظ سن کر گردن خود بخود جھک گئی اور اب اس بات پر پریشان تھا کہ خجائے وہ شخص کون اور کس حیثیت کا ہوگا جسے شہزادی نے اتنا قیمتی اور نچوہ ہار بطور تحفہ دے دیا تھا۔

عباسی حکمران حارث کی جھکی ہوئی گردن دیکھ کر سمجھ گیا کہ ثبوت دیکھ لینے کے بعد غالباً اس کے پاس کہنے کے لیے کچھ باقی نہیں رہا اور غائف ہے کہ اگر اس شخص کا نام ظاہر کیا گیا، جسے قطر الندی نے ہار کا تحفہ دیا تھا تو شاید نئی طولوں کی عزت پر حرف آئے مگر وہ کسی تردد کے بغیر کہنے لگا۔

”حارث! تمہیں اور تمہارے آقا ابو جیش خمارویر کو اس بات پر فخر کرنا چاہیے کہ شہزادی قطر الندی نے کسی معمولی آدمی کے ساتھ لگاؤ نہیں کیا بلکہ اس نے یہ نایاب ہار اپنی نشانی کے طور پر رکھ دیا تھا اور اس وقت دیا تھا جب دشت فرات میں ہم نے اس کی زندگی ایک خطرناک درندے کے منہ سے چھین لی تھیں۔ شہزادی نے ہمیں اپنا محسن ہی نہیں بلکہ کچھ اور سمجھ لیا تھا۔ اس ہار کے بدلے ہم نے بھی اپنی شاہی انگوٹھی پیش کر کے اس کے ساتھ ایک تعلق قائم کیا تھا۔ جیچک خاتون کو ہمارے اور قطر الندی کے تعلق کا ظم ہے اسی لیے اس نے ولی عہد سے شہزادی کا رشتہ منظور نہیں کیا مگر مکہ جانتی ہے کہ جی طولوں سے دوستی اور قرابت داری قائم ہو، اس لیے ہم اسماء قطر الندی کا رشتہ اپنے لیے قبول کرتے ہیں۔“

اس اعلان نے ایران میں شیعہ اور نجیب کی نئی لہر دوڑا دی۔ حارث دشت فرات میں ابو عباس اور قطر الندی کے باہمی لگاؤ کا قصہ سن کر درط حیرت میں ڈوب گیا۔ اعیان دولت نے بھی معتقد پر استعجاب کی نظر ڈالی جس نے شہزادی سے اپنے تعلق کا اظہار کر

کے انھیں حیران کر دیا تھا۔ حلالاں کو وہ بھی سمجھ رہے تھے، قطر الندی اور ولی عہد ابو محمد ملی کی جوڑی نہایت موزوں رہے گی۔ خلیفہ نے ان کی آنکھوں کے گوشے سے جھانکتے ہوئے استعجاب کو بھانپ لیا اور بات آگے بڑھائی۔

”دشت فرات میں بہت خمارویر نے ہم سے درخواست کی تھی کہ اُسے یاد رکھیں اور ہم نے اُسے یاد رکھا مگر کچھ عرصہ قبل ایک عجیب و غریب رویا بھی دیکھا اور یہ دیکھا کہ نئی طولوں کا چاند اپنے آسمان سے ٹوٹ کر ہمارے قدموں میں آگرا ہے۔ شافعیہ کے شیخ ابو جعفر ترمذی نے اس رویا کی تعبیر یہ نکالی تھی کہ نئی طولوں سے ہمارا معاملہ درست ہو جائے گا مگر عجیب بات یہ ہوئی، جس رات ہم نے رویا دیکھا اس رات کی صبح کو ہمیش کا قاصد ابولہر یا قوت ہمارے دربار میں ایک ایسا پیغام اور ایک ایسا تحفہ لے کر آیا جو دوستی کی بجائے جنگ کا اعلان تھا۔ لوگوں نے کہا ہمارے رویا کی تعبیر اُلٹ پیش آئی مگر آج حارث مصر سے دوستی کا پیغام اور اس کی ضمانت کے لیے شہزادی قطر الندی کا رشتہ لے کر آیا ہے ہمارے خواب کی تعبیر میں کہ آیا ہے۔ جیچک خاتون نے ”نئی طولوں کا چاند“ قطر الندی ہی کو قرار دیا تھا اور خواب کی تعبیر یہ نکالی تھی کہ وہ ہمارے عقد میں آجائے گی بھی اُس نے شہزادی سے اپنے بیٹے کا رشتہ منظور کر دیا ہمارے رویا کو تعبیر لیا کی اور ہم نے بہت خمارویر کو اپنے لیے قبول کر لیا ہے۔“

مصری سفیر کے لیے معتقد کا رویا کسی اچھے سے کم نہیں تھا مگر دولت عباسیہ کے امیروں، مشیروں اور فوجی سرداروں کا رویہ یک لخت بدل گیا اور وہی لوگ جو کچھ دیر پہلے ولی عہد کو ”مبارک باد“ دے رہے تھے اب رویا کی حسین تعبیر پر خلیفہ کو تحسین آفرین کہنے لگے۔

وزیر سلطنت عبید اللہ اور ابو الحسن قاسم نے یہ نکتہ نکالا کہ دوستی کا معاہدہ خلیفہ مسلمین معتقد بائند احمد ابو عباس اور ابو جیش خمارویر بن احمد بن طولوں کے مابین ہو رہا ہے جس کی ضمانت شہزادی قطر الندی ٹھہرائی گئی ہے، لہذا بہت خمارویر کا عقد امیر المومنین ہی سے ہونا لازمی ہے۔ اب لوگوں کی توجہ مصری سفیر پر مبذول ہو گئی کہ وہ کیا کہتا ہے اور اس نے یہ کہا۔

”اعلیٰ حضرت! سلطان مصر نے مجھے صرف ولی عہد سے شہزادی کے ازدواج کا (حاشیہ اچھے منہ پر)

اختیار دیا تھا مگر حضور نے لڑکی کو اپنے لیے قبول فرمایا اور اس کا سبب بھی بیان کیا ہے پھر بھی اپنے آفاقی منظوری حاصل کیے بغیر میں اس رشتے کا اعلان نہیں کر سکتا۔“

ولی عہد ابو محمد علی کو اس کا جواب پستہ آیا اور خلیفہ نے بھی اس کا عند قبول کر لیا۔ ”ہم تم پر یہ جانتے ہیں، خمار و بیہ کے علاوہ شہزادی قطراندی کی مرضی بھی معلوم کی جائے تاکہ نزدیک یہ بہت ضروری ہے۔“

اسی اثنا میں معتقد کا غلام شہیل جو اڑھانہ کی نگرانی پر مامور تھا مصری قافلے کے محافظ سردار اور حادث کے نائب ظنگ کرے کے ایوان کے دروازے پر نمودار ہوا اور اس کے لیے حاضری کی اجازت طلب کی۔ شہیل نے بتایا: ”مصری قافلے کا ترک سردار ظنگ القطارح سے امیر المومنین کے لیے ایک ضروری خط لے کر آیا اور اصرار کرتا ہے کہ وہ خط حضور کے ہاتھ تک خود پہنچائے گا۔“

خلیفہ نے فوراً حاضری کی اجازت دے دی۔ ترک سردار ایوان میں داخل ہوا تو حادث نے اسے تعجب کی نظروں سے دیکھا۔ وہ ایک پل کے لیے اپنے امیر وفد کے پاس گر کا مرگوشی کے لیے میں کچھ کہا پھر اسے سوخت زدہ سا چھوڑ کر آگے بڑھا اور مندر غلافان کے پاس بیچ کر ادب سے جھک گیا۔ معتقد نے پوچھا: ”کس کا خط لے کر آئے ہو؟“

سردار ظنگ بتانے لگا: ”اعلیٰ حضرت! جب میں اپنے وفد کے قائد حادث ابو ظفر کے ساتھ القطارح سے روانہ ہونے والا تھا اچانک قہر سلطانی کا ایک غلام میرے پاس آیا اور اطلاع دی کہ مجھے اندر طلب کیا گیا ہے۔ میں سمجھا شاید سلطان معظم نے کوئی ضروری ہدایت دینے کے لیے یاد فرمایا ہے لیکن غلام مجھے ایک ایسے دروازے کے پاس لے گیا جس کے اٹلی پر دے کے مجھے بہت سلطان شہزادی قطراندی یہ نفس نفیس مروجہ تھیں

(کچھ صفحے کا خاستہ)

مؤرخین کے مطابق خمار و بیہ نے اپنی بیٹی ابو محمد علی ہی کے نکاح میں دینا چاہی تھی مگر خلیفہ معتقد قطراندی سے خود عقد کرنا چاہتا تھا۔ اس نے مصری سفیر پر زور دیا کہ شہزادی کا عقد اسی سے ہونا چاہیے۔

میں نے شہزادی کی آواز سنی۔

”سردار ظنگ! ہم نے بلایا ہے تمہیں اور ایک ضروری خدمت غلام سے سپرد کرنا چاہتے ہیں۔“

بہر بہت سلطان نے ایک مہربان خط میرے حوالے کیا اور کہا: ”بغداد میں جب تم خلیفہ المسلمین سے ملو، تو یہ خط انھیں دے دینا لیکن خبردار! ہمارا مسئلہ کسی دوسرے کے ہاتھ نہ لگے۔ تمہیں ہمارا خط اپنے ہی ہاتھ سے اعلیٰ حضرت کے ہاتھ تک پہنچانا ہو گا اور میں امید ہے، تم ایسا ہی کر دو گے۔“

اس تاکید کے ساتھ شہزادی صاحبہ نے مجھے رخصت کر دیا، ہم طویل مسافت طے کر کے بغداد میں داخل ہوئے تو یہاں غیر معمولی حالات سے سابقہ پڑا اور سلطان معظم کے سفیر کو القطارح میں طلب کر لیا گیا جس سے مجھے خیال آیا۔ شاید ہمارا وفد و بار غلافان میں پیش نہ ہو سکے اور میں آپ کی حاضری سے محروم رہ جاؤں اس لیے سردار شہیل سے درخواست کی کہ مجھے اسی وقت اعلیٰ حضرت کے حضور پیش کر دیا جائے تاکہ جو امانت میرے سپرد کی گئی ہے اسے آپ تک پہنچا دیں۔“

اس تمہید کے بعد جو بڑی دلچسپ اور حیرت انگیز تھی۔ ترک سردار نے اپنے بانی سے ایک مہربان خط لکھا اور آگے بڑھ کر خلیفہ کے ہاتھ میں دے دیا۔ ایوان میں شہزادی قطراندی ہی کا معاملہ زیر بحث تھا لوگ اس کے لگاؤ کی روداد اور معتقد ابو عباس کے سردار کی تعمیر سن چکے تھے۔ سردار ظنگ جو خط لے کر آیا۔ اس نے ایک نئی دل چسپی، ایک نئی سستی پیدا کر دی۔ کوئی نہیں جانتا تھا، اس موقع پر جب سلطان خمار و بیہ نے بیٹی کو ولید سے منسوب کر دیا تھا، شہزادی کے خط کا مضمون کیا ہو گا۔

اتنی دیر میں خلیفہ نے میری توڑ کر خط کا مطالعہ کیا اور وزیر سلطنت عبید اللہ کی طرف بڑھا دیا کہ حاضرین کو ٹرہ کر سنا دیا جائے۔ یہ ایک اور طرف بات، ہوئی تھی عبید اللہ اپنی آواز میں تاکہ سب لوگ سن لیں۔ خط پڑھنے لگا۔ شہزادی نے کھاتھا۔

”ابو عباس! ہم اکثر آپ کو یاد کرتے ہیں۔ امید ہے آپ بھی ہمیں بھولے نہیں ہوں گے۔ جب سے آپ نے تخت خلافت پر جلوس فرمایا ہے ہم دوسرے بلاد بغداد کے خواب دیکھنے لگے ہیں۔ کچھ دنوں ہم شہزاد اور

فلسطین کے کئی شہروں سے گزرے اور القضاۃ پہنچے تو رہتا جتنا کہ تاریخ کی نظریں شمالی افریقہ کا بہ طور جائزہ لے رہی ہیں جہاں بربر قبائل نے ہمدی کی حمایت میں اپنے پرچم اٹھالیے ہیں جب کہ وہ خود بھی پروردہ انشا میں ہے۔ ہم نے سلطان معظم کو مشورہ دیا وہ آپ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائیں۔ ابولہیش اس مشورے پر بہت حیران ہوئے مگر ہم نے انہیں یقین دلایا کہ آپ بنی ٹولون کی دوستی کا ہاتھ تمام لیں گے چنانچہ ہماری درخواست پر سلطان معظم "دوستی کا سفیر" آپ کی طرف بھیج رہے ہیں۔ ابولہیش! ہم چاہتے ہیں آپ بنی ٹولون سے دوستی کر لیں اور دوستی کی شرط ہمیں ٹھہرائیں۔ یہ شرط سن کر سلطان ہماری ضرورت دریافت کریں گے اور ہم کہہ دیں گے کہ اعلیٰ حضرت جو کچھ چاہتے ہیں، وہی کیا جائے اس طرح ہماری زندگی کی سب سے بڑی خواہش پوری ہو جائے گی کہ ہم آپ کی حرم میں اور مصر و عراق کے درمیان قرابت کا رشتہ قائم ہو سکیں بنی ٹولون اور بنی عباس میں دشمنی کی رات ختم ہو جائے گی اور دوستی کا نیا دن طلوع ہو گا۔ قانون قدرت کے مطابق۔ لکن لیشیل لہمار" (زہرات کے لیے دن ہے)

ہم اس خط پر اس انگوٹھی کی ہر شہت کر رہے ہیں جو آپ نے شہت فرات میں تہیں اپنی محبت کا تحفہ کچھ کمیشن کی تھی۔

معہ السلام

مشتاقی دید

(اسماء قطر الندی)

خط کے تحت "اسماء قطر الندی" کے دستخط تھے وہاں احمد ابولہش کے نام کی ہر بھی ثبت تھی۔ یہی نام اس انگوٹھی پر کندہ تھا جو دشت فرات میں قطر الندی کو دی گئی تھی۔ خط کی تحریر نے اسماء قطر الندی اور معتقد ابولہش کے باہمی رشتہ کی تصدیق کر دی۔ یہ بات مزید دلچسپی کا باعث تھی کہ شہزادی نے ابولہش خمارویہ کو خلیفہ سے دوستی کرنے کا مشورہ دیا اور خط لکھ کر معتقد سے درخواست کی کہ "دوستی کی شرط" اسے

ٹھہرایا جائے تاکہ وہ اس کی حرم میں سکے۔

شہزادی کا خیال تھا جب اسے "دوستی کی شرط" ٹھہرایا جائے گا، تو خمارویہ اس کی مرضی معلوم کرے گا اور وہ "ہاں" کہہ دے گی۔ لیکن ہوا یہ تھا کہ باپ نے بیٹی کی مرضی دریافت کیے بغیر ہی اسے "دوستی کی ضمانت" قرار دے دیا اور عباسی ولی عہد کے ساتھ اس کے اندر دوا چک پیش کش کر دی تھی جس کا اختیار عارت کو دیا گیا تھا لیکن شہزادی کو معاملے کی اس نوعیت کا علم نہیں تھا کہ وہ بر جاتی تھی کہ باپ نے اس کے مشورے کی کیا قیمت لگائی ہے۔

خط کا مضمون معتقد کے حق میں تھا۔ اب وہ پورے رعب اور جمال اور حکم کے لیے میں سفیر سے مخاطب ہوا۔ "حارث! ہم نے تمہیں اجازت دی تھی کہ شہزادی سے ہمارے عقد کے لیے خمارویہ کی منظوری حاصل کرو مگر قطر الندی کی مرضی بھی معلوم کر دو کہ وہ کیا کہتی ہے اور جو کچھ وہ کہتی یا چاہتی ہے، شہزادی کا خط اس کی تحریر کی شہادت پیش کرتا ہے۔ ہمارے نزدیک اب خمارویہ سے کچھ پوچھنا ضروری نہیں۔ ہم شہزادی قطر الندی کو "دوستی کی شرط" قرار دیتے ہیں اور اب دوستی کا معاہدہ اسی صورت میں لکھا جائے گا جب خمارویہ اپنی بیٹی سے ہمارا عقد منظور کرے گا۔"

حارث یہ سن کر پریشان ہو گیا۔ اعلیٰ حضرت اور دوستی کے معاہدے کی تمام شرطیں طے ہو چکی ہیں، اس کی تحریر کو انہیں نہ ڈالیے میں یقین دلاتا ہوں، حضور کی نئی شہادت بھی پوری کر دی جائے گی۔

"ہم معاہدے سے انکار نہیں کرتے" معتقد نے اسی برے موئے لیے میں جواب دیا۔ "میں لاکھ دینار سالانہ خراج کے عوض ہم نے تیس سال کے لیے ٹولونی حکومت کی منظوری دینے کا فیصلہ کیا تھا، خراج کی رقم اور منظوری کی مدت وہی رہے گی جو ہم طے کر چکے ہیں صرف معاہدے کی بنیاد تبدیل ہو گئی ہے اب "دوستی کی شرط" قطر الندی ہے اور دوستی کا معاہدہ بھی بغداد کی بجائے القضاۃ میں لکھا جائے گا جس پر پہلے خمارویہ کے دستخط ہوں گے اور اس کے بعد ہماری طرف سے ابولہش قاسم بن عبداللہ دستخط کریں گے جو تمہارے ساتھ مصر جائیں گے۔"

حارث چاہتا تھا معاہدہ بغداد میں لکھا جائے اور خلیفہ اس کی منظوری دے دے

میں ٹھہرایا جائے۔

اس کے ساتھ ہی معتقد مسند سے اٹھا اور اجلاس ختم ہو گیا۔ حارث ابو ظفر کی خلیفہ سے پہلی ملاقات کامیاب رہی تھی اور اس نے اپنا مقصد حاصل کر لیا تھا۔

✽

بعض واقعات بالکل خلاف توقع رونما ہوتے اور گردن میں پرگمرا اثر چھوڑتے بلکہ حالات کا رخ بدل دیتے ہیں۔

مصری سفیر کی غیر متوقع آمد بھی ایک ایسا ہی واقعہ تھا۔ ویش سے کئے والے تحفے اور پیغام کے بعد لوگ سوچ رہے تھے اب ملکہ خلافت عنقریب مصر پر چڑھائی کر دے گا مگر حارث کے آتے ہی صورت حال یک لخت تبدیل ہو گئی اور اہل بغداد یہ خبر س کر حیران رہ گئے کہ ابو نصر یاقوت، شہزادہ شہباز یا طو لونی حکومت کا قاعدہ ہیں تھا، پھر وہ کس کا ایچی بن کر آیا تھا؟

بغداد کے لوگوں کو جو عجیب و غریب خبروں کی ٹرہ میں رہتے اور نت نئے اشلے چھوڑنے کے عادی تھے۔ اب ابو نصر یاقوت کا اشتغلا ہوا تھا آگیا اور وہ اس بات پر تعجب کا اظہار کرنے لگے کہ اسے مصری حکومت نے نہیں بھیجا تھا۔ بغداد کے کوچوں بازاروں، گلیوں مکوں میں اسی بات کا چرچا ہونے لگا اور ہر شخص کی زبان پر ایک ہی لفظ تھا "أَعْجُوبَةُ" (بہ تو ایک اہمکی بات ہے)

لیکن اس سے بھی ایک اہمکی بات یہ ہوئی تھی کہ خلیفہ معتقد نے تین لاکھ دینار سالانہ کے عوض تیس برس کے لیے مصر و شام پر بنی طولوں کا اختیار تسلیم کر لیا، گویا دشمن سے دوستی کر لی تھی اور اس سے بڑا عجوبہ بلکہ طرفہ تماشا جو لوگوں نے سنایا تھا کہ سلطان مغربیہ نے اپنی بیٹی قطر الندی کو دلی عہد ابو محمد علی کی زوجیت میں دینے کی پیش کش لیکن خلیفہ معتقد نے "طو لونی عذرا" کو اپنے لیے پسند کر لیا اور بنی طولوں کے ساتھ دوستی کی شرط ہی پر رکھی کہ شہزادی قطر الندی اس کے جائز نکاح میں دی جائے۔

ایک نوجوان عاتق نے اپنے خیال کا اظہار کرتے ہوئے کہا "خیر یہ بات ہے تو اہمکی کہ جو رشکی دلی عہد سے منسوب کی جا رہی تھی اسے خلیفہ اپنے عہد میں لانا چاہتا ہے

تاکہ جب وہ القطار واپس جائے تو کامیابی کی دستاویز بنا تھو میں ہو اور اپنے آقا شہباز سے کہہ سکے کہ جو فرض اس کے سپرد کیا گیا تھا، اسے پورا کر کے لوٹا اور منہ مانگے انعام کا حق دار ہے جس کا مدنا لگی سے قبل وعدہ کیا گیا تھا۔ اگر معتقد قطر الندی کو "دوستی کی شرط" قرار دے رہا تھا تو حارث بھی حکم الیل کو حاصل کرنے کے لیے کامیابی کی سند ضروری سمجھتا تھا۔ بڑی نیاز مندی، ٹکڑے چینی سے کئے لگا۔ "اعلیٰ حضرت! آپ علی نسب اور وسیع القرب میں اور غلام یہ عقائد لے کر آیا تھا کہ آپ کے دربار سے خالی ہاتھ نہیں جائے گا۔ میری گزارش ہے کہ دوستی کا معاہدہ بغداد ہی میں رقم ہو۔"

"مگر ہماری شرط دوستی؟"

"میں سلطان معظم ابو جیش خوار و یہ کی طرف سے آپ کی شرط منظور کرتا اور بیضات دیتا ہوں کہ ابو جیش کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔"

غالباً اس نے سوچ لیا تھا جب قطر الندی معتقد ابو عباس سے لگاؤ رکھتی اس کی حرم بنا جائی اور خود کو "دوستی کی شرط" قرار دیتی ہے تو خوار و یہ اس شرط سے انکار کیوں کرنے لگا۔ جو ہر قیمت پر عباسیہ کی دوستی اور طو لونی حکومت کی منظوری چاہتا تھا مگر اس نے معاہدے پر خلیفہ کے دستخط کرانے کے لیے ایک نکتہ نکالا۔

"میری دو مہری گزانش یہ ہے کہ معاہدے کی شرط بنت سلطان سے اعلیٰ حضرت کی مناکحت قرار پائی ہے۔ لہذا معاہدے پر آپ کے دستخط پہلے ہوں گے۔ القطار میں جب ابو جیش دستخط کر س گئے تو آپ کے خاص آپچی کی حیثیت سے ابو الحسن قاسم بن عبداللہ وہاں موجود ہوں گے۔"

دوستی کے معاہدے نے ایک قسم کے نکاح نامے کی شکل اختیار کر لی تھی۔ وزیر عبید اللہ بن سلیمان نے حارث کی بات بھی اور اس کی تائید کی۔ معتقد نے اعلان کیا۔ "ابو الحسن قاسم اور حارث ابو ظفر مل کر معاہدے کا مسودہ تیار کریں۔ ہم اس پر دستخط کر دیں گے۔"

پھر اس نے عبید اللہ بن سلیمان کو ہدایت کی کہ مصری سفیر حارث اور اس کا نائب سردار طفیل حکومت کے خاص ہمان ہوں گے۔ ان کے قیام اور آرام کا خاص خیال رکھا جائے اور مصری وفد کے دوسرے ارکان محافظ سواروں اور ساربانوں کو شاہی ہمان خانے

لیکن اتنی انوکھی بھی نہیں کہ معتقد پر اعتراض کیا جائے۔

کسی بوڑھے نے انگلی اٹھائی۔ ”اعتراض کیوں نہ کیا جائے صاحب زادے؟“
اب نوجوان اپنی مونچھوں پر تاؤ دے کر بولا۔ ”اگر قطر اندی سولہ برس کی تھیں
دو تیرہ ہے تو معتقد ابو عباس بھی چالیس برس کا جوان، امتحانی خوب صورت اور
شجاعت ور ہے۔“

اسی بوڑھے نے جسے غالباً تعلق تھا کہ کنواری شہزادی کی نسبت نوجوان دل بہد
سے کیوں نہیں ہونے دی گئی۔ معتقد کی جوانی پر فقرہ کس۔ ”استشباب شعبة من الجنون
وَحُبُّكَ الْعَذْرَاءَ يَجْعَلُ وَيُصْنَعُ“ جوانی دیوانی ہوتی ہے اور کنواری لڑکی کی محبت
آدی کو اندھا بہرہ کر دیتی ہے۔

بوڑھے کی بات سن کر پورا مجمع چوہک اٹھا اور اس نے اعتراض کا نیا پلونا کالہ
”یہ بنی طولوں کی حسین باکرہ کی اندھی بہری محبت کا جادو نہیں تو اور کیا ہے کہ خلیفہ نے
تیس سال کے لیے مصر و شام کی آزادی اور خلافت کا پٹا لکھ دیا اور طولی حکومت کو تسلیم
کر لیا کیا ہماری تلواریں اتنی کند ہو چکی ہیں کہ اب وہ ہاتھیوں کے خلاف نہیں اٹھ سکتیں؟“
لوگوں نے یہ خبر سنی تھی یا نہیں کہ ان کی باہمی دل جیسی کا معاملہ دشت فرات ہی سے
شروع ہو گیا تھا کہ انھیں تو صرف ”دوستی کی شرط“ سے غرض تھی جس کے نتیجے میں خمار دیہ
اور اس کے طولی جانشینوں کی حکومت تیس سال کے لیے تسکیم کی جا رہی تھی بوڑھے نے
اس معاملے کو جس رنگ میں پیش کیا اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ خلیفہ معتقد نے مصر قطر اندی
کی خاطر مصر و شام کی عداوت قبول کر لی ہے، اگر باہت خمار دیہ مصر و شام سے کوئی زیادہ
گراں قدر اور قیمتی شے تھی۔

بوڑھے کے سوال نے مجمع میں ایک نئے تھیر کی لم دوڑا دی۔ یہ بات حیرت انگیز
تھی کہ موفق طلحہ کے دور میں بنی طولوں سے جنگیں پڑی تھیں تاکہ تفریق کی تکرید متا دی جائے
اور معتقد ابو عباس کے عہد خلافت میں طولیوں کے خلاف تلوار کا لوہا آزمانے کی بجائے
ان کی ریاست اور حکومت کو تسلیم کیا جا رہا تھا اور کس قیمت پر تسلیم کیا جا رہا تھا؟

بوڑھے نے یہی سوال اٹھایا تھا اس کے نزدیک طولی عذرا، قطر اندی بنی تھی ریاست
کی قیمت شہرانی گئی تھی۔ لوگ آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے، معاملہ اگرچہ برا بھلا معلوم

ہو تھا لیکن کسی نے بھی اس کا سیدھا جواب نہیں دیا جیسا کہ لوہا چاہتا تھا۔ اچانک ایک
فصیحہ گرنے جو سر بازار داستان گئی پر پابندی لگنے سے ہیکار نہ ہو گیا اور دل ہی دل میں
جلالیتھا ایک نیا اشتعال چھوڑ دیا۔ ”میں نے تو سنا ہے معتقد اور قطر اندی کے دربار
کی راہ چمک خاتون نے ہموار کی تھی اور اس میں بھی ایک گہری چال ہے۔“

”گہری چال“ کے الفاظ سن کر لوگوں کے کان بھرے ہوئے اندھوں میں مناسبت
سی گزرنے لگی کہ بھانے وہ ”گہری چال“ کیسا ہے؟ قصہ گو خود ہی بتائے لگا۔ (چمک خاتون کی
چال یہ ہے کہ قطر اندی کو معتقد کی حرم بنا کر دربار کا کتا نکال دیا جائے۔ نوخیز طولی شہزادہ
کے من پر فریفتہ ہو کر وہ دربار کو بھول جائے گا جو بحیرہ کے محل میں رہتی اور تمام حرموں کی
پھالی پر مزگ رہتی ہے۔ دیا جاتی ہے کہ معتقد نے دن بھر میں کیا لینے جاتا ہے جب
ساتھ ہزار سونے یا دینار خرچ کر کے وہاں دربار کے لیے ایک عالی شان گارت تعمیر کرائی گئی ہے
اور ابو عباس کی اکثر باتیں وہیں بسر ہوتی ہیں۔“

سب لوگ جلتے تھے کہ بحیرہ میں ایک عالی شان اور حسین قصر تعمیر کرایا گیا ہے اور
معتقد ابو عباس اکثر وہاں جاتا ہے۔ قصہ گو کی بات سن کر انھوں نے سر ہلائے۔ دراصل
سے ایک دربارے کو اشارے کیے کہ بات واقعی بڑے پنے کی ہے۔ خود توں میں رقابت
اور حسد کی آگ تر ہوتی ہے۔ قصہ گو کے نزدیک چمک خاتون نے دربار کے خلاف ایک
گہری چال کھیلی تھی۔ یقیناً دوسری حرموں نے بھی اس کے ساتھ اتفاق کر لیا ہوگا ایک شخص
بولتا۔

”یہ بات سمجھ میں آتی ہے۔ اب دربار کے حسن کا جادو نہیں چل سکے گا۔“
قصہ گو نے مشہور شاعر ابن بسام کے شعر پڑھے جو اس نے معتقد ابو عباس
اور دربار کے تعلق پر کہے تھے۔ شعر ایسے تھے کہ صرف خاص خاص اور بھر دے کے لوگوں

نے خلیفہ معتقد نے ساتھ ہزار دینار کی لاگت سے اپنی مجبور کے لیے بحیرہ میں ایک
خوب صورت قصر بنوایا تھا جہاں حسین دربار کے ساتھ خلوت، موتی تھی اور بھی کئی حسین
کنیزیں دہن رہتی اور خلیفہ کا دل بھاتی تھیں۔

(بحوالہ تاریخ الخلفاء از علامہ جلال الدین سیوطی)

میں پڑھے اور سنے جاتے تھے۔

قُرَیْشُ الشَّامُ بَحْبُورُهُ
وَنُحْلِي فِي الْبَحْرِ
(لوگوں نے بحیرہ چھوڑ دیا
اب خلیفہ وہاں خوت میں بیٹھا)

قصہ گو نے دوسرا شعر ذرا دبا کر پڑھا، جس کا تابیہ "دریرہ" تھا اور سننے والوں نے کالوں میں انگلیاں دے دیں۔ شاعر نے دریرہ کی نسبت سے بڑا فحش مضمون باندھا تھا وہی شخص جس نے "حسن کے جادو" کا ذکر کیا تھا۔ قصہ گو کو کھانے لگا۔ "میرا مشورہ مانو تو پھر کسی مجمع میں یہ شعر نہ پڑھنا کسی تجربے تھیں شعر پڑھتے ہوئے سن بیا تو ابن بام کے ساتھ چھاری بھی خیر نہیں ہوگی۔"

شعر معتمد ابو عباس کے خلاف لکھے گئے تھے جو قبیل ارحم مشہور تھا اور اگر کسی سے ناراض ہوتا تو اسے زمین میں زندہ گرا دیتا تھا۔ قصہ گو نے مشورہ سن کر تجسس سے ادھر ادھر دیکھا۔ حاضرین پر تو جہر کی نظر ڈالی اور جب یہ اعلان کر لیا کہ سب بھروسے کے آدمی ہیں اور کسی پر "سرکاری مجسہ" کا شبہ نہیں کیا جاسکتا تو بے خولی سے بولا۔ ایک تم یہ سمجھتے ہو، میں خلیفہ سے ڈرتا ہوں؟ نہیں بناب! بلکہ میں تو ابن بام سے مل کر کہوں گا وہ دریرہ کو چھوڑ کر اب "طوفانی عذرا" اسما قطر الندی کے حسن کی تعریف میں کوئی قصیدہ لکھے۔ واللہ کیا حسین کنبہ ہے قطر الندی..... قطرہ شبنم اب دریرہ کا قصہ تو ختم بچھو۔"

"اگر ابن بام نے قطر الندی کی تعریف میں قصیدہ لکھا، تو دریرہ پر شعر کہنے کی خطا شاید معاف ہو جائے۔"

ابن حمدون ندیم نے اپنی کتاب میں ابن بام کے وہ اشعار نقل کیے ہیں جو معتمد اور دریرہ کے تعلق پر لکھے گئے تھے۔ شروع شروع میں یہ شعر خلیفہ تک نہ پہنچ سکے مگر علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ جب ابن بام کے اشعار خلیفہ نے سن لیے اس نے بحیرہ کا قصہ دیران کو دیا۔ دریرہ بھی کچھ عرصے بعد اسی صدمے سے چل بسی جس پر معتمد بہت ڈرا اور دریرہ کی موت پر ایک مرثیہ لکھا۔ (تاریخ الخلفاء)

بوڑھے کو جس نے بہت خار دیہ کے لیے "دوستی کی شرط" کو جوانی کی دیوانگی سے

تغییر کیا تھا اس امر سے کوئی دل چسپی نہیں تھی کہ جیوک خاتون نے دریرہ کے خلاف کوئی چال کھیلی ہے یا نہیں۔ شاید اس نے کسی مقصد ہی کے تحت قطر الندی سے اپنے بیٹے کی نسبت منظور نہیں کی تھی۔ بوڑھے کا ذہن تو صرف ایک ہی نقطے پر مرکوز ہو گیا تھا کہ خلیفہ نے نوخیز طوفانی شہزادی کی خاطر مصر اور شام کی آزادی تک قبول کر لی ہے۔ کہنے لگا۔

"اب تو شاید خراسان سے بھی کوئی لڑکی آئے اور آزاد و خود مختار خراسان کے لیے دستاویز بن گئی جائے۔"

ایک ادھیڑ عمر آدمی نے جو ابھی تک خاموش تھا، بوڑھے کی بات سن کر دھڑکی اور معاملے کی بالکل ہی نئی صورت بیان کی۔ "تم کہتے ہو مصر و شام الگ ہو گئے لیکن میں کہتا ہوں قطر الندی کے ذریعے مصر کے ساتھ ایک نیا تعلق قائم ہو گا۔ میں تو بہت خار دیہ کو اتحاد کی علامت سمجھتا ہوں۔ جو ترکی دو خاندانوں کو، مسلمانوں کے دونوں اہل گرد ہوں کو باہم ملا دے وہ مبارک ہے۔"

یہ کہہ کر ادھیڑ عمر آدمی مجمع سے نکلنا اور دربار اہلبان (دودھ بچنے والوں کے پیمانہ) کی جانب ہوا۔ کوئی بھی اس کی بات کو جھٹلانے کی جرأت نہ کر سکا۔ برگ اسے جاتے دیکھتے رہے پھر گہری سوچوں میں کھو گئے۔ یہ تو قاعدے اور اصول کی بات تھی کہ جب دو خاندانوں میں رشتے داری ہوتی ہے، وہ ایک دوسرے کے قریب آجاتے اور ان کے دل ایک ہی مرکز میں دھڑکنے لگتے ہیں۔ ماضی میں بنی طولون اور بنی عباس کے درمیان جنگیں لڑی گئی تھیں۔ نیزوں سے نیزے اُلکھے تھے، تلواروں سے تلواں لٹکائی تھیں اور یہ نتیجے میں مسلمانوں کا خون بہا تھا مگر اب ان سے دوستی کا معاہدہ ہو رہا تھا۔ قطر الندی "شرط لڑکی قرار پائی تھی اور وہ دوستی اور اتحاد کی علامت بن رہی تھی۔"

یہ اس معاہدے کا بالکل نیا گوشہ اور نیا زاویہ تھا جس پر لوگوں نے توجہ نہیں دی تھی۔ یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ شمالی افریقہ میں حالات کی رفتار بدل گئی اور وہاں ایک نئی تاریخ لکھی جا رہی ہے جو آگے چل کر ایشیا کے حالات پر اثر انداز ہونے والی تھی۔ خلیفہ معتمد کی فرست گئی بنی طولون سے دوستی اس لیے خودی لکھی کہ مصر کہیں افریقی آندھنیوں کی پیٹ میں نہ آجائے۔

اور نہ ان ائمہ میں شریک ہو سکے جو شاید مشرق کے نفع کو بھی گد اؤد کر دیں



مصری وفد کو بغداد آئے پانچواں دن تمام ایام میں ارکانِ وفد نے اہم مقامات دیکھے اور شاہی بحر سے پردہ پر دیکھے۔ دجلہ کی میری۔ بغداد درختوں میں شاہی شہر تھا جہاں ہزاروں دل چسپیاں تھیں۔ قبل ازیں یہ ایک سائنسی گارڈ تھا۔ عباسی خلیفہ جعفر المنصور نے ۴۶۱ھ میں اس کا سنگ بنیاد رکھا پھر کوثر کو چھوڑ کر اسی شہر میں آگیا جسے مدینۃ السلام قرار دیا۔ شہر کے گرد زمین فضیلیں تھیں۔ پہلی فصیل سے باہر ایک خندق تھی۔ جنوب مشرق میں باب الکوفہ، جنوب مغرب میں باب البصرہ شمال مشرق میں باب خراسان اور شمال مغرب میں باب الشام تھا۔ اندر دینی فصیل میں متعدد دروازے تھے۔

تھوڑے ہی عرصے میں بغداد نے ایسی ترقی کی کہ اسلامی دنیا کا سب سے بڑا اور ایک الف بلی شہر بن گیا۔ اس کے محلات اور قصر و ایوان دیکھ کر چشم انسانی حیران رہ جاتی تھی۔ باب الذہب سونے کا محل تھا، امین کا قصر لعلہ۔ مکہ۔ سیدہ کا قصر انوار۔ قصر ابی بکر کا قصر بطین۔ عمارت ازیں دجلہ کے ساحلوں پر متعدد عالی شان قصر تھے۔ قصر خلافت بکاتے خود ایک عظیم عمارت تھی۔ بے شمار مساجد تھیں۔ جامع منصور اور جامع الرضا بہت وسیع اور نیکو کامی موزے تھیں۔ امام العظم ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل کے مزار بھی بغداد میں تھے جب کہ امام مالک مدینہ میں اور امام شافعی فسطاط مصر میں مدفون ہوئے درپائے دجلہ کا ایک پل مزار احمد بن حنبل کے قریب سے مشرقی ساحل پر جاتا تھا۔ پھر نظامیہ اور مستنصر یہ عالی شان درس گاہیں تھیں جو خلیفہ اردن الرشید اور مامون نے تعمیر کرائیں۔

بغربی نے کتاب البلدان میں بغداد کو "عطیۃ خدا" قرار دیا ہے۔ بخاری بھی فتوح البلدان میں یہی لکھتا ہے۔ بعض مؤرخین نے تصریح کی ہے کہ اس سائنسی گارڈ میں غرض نمایاں تھی اور نو شیردان نے یہاں مظلوموں کی دادرسی کی تھی اس لیے قصبہ کا نام "باغداد" پڑ گیا جو عباسی دور میں بغداد کہلایا۔ عربیت کے باوجود بغداد پر ساسانی اثرات ہمیشہ غالب رہے (قرآن مجید)

اور جس کے بوج قابل دید تھے۔

سیر بغداد کے علاوہ ارمغان، قصر معتد اور قصر ابیوسف سفید قصر ابی دے جانے والی دنیا تھیں مصری وفد کے لیے بڑی پرکشش تھیں جن میں عباسیہ کے اعلانِ دولت امر اور قبائل کے شیوخ نے شرکت کی اور یہ دنیا تھیں مصری وفد کی غیر معمولی پذیرائی کی منظر تھیں۔

اس عرصے میں ابو الحسن قاسم بن عبداللہ اور حارث ابو ظفر نے دمشق کا معاہدہ تیار کر لیا تھا جس کا مسودہ وزیر سلطنت عبید اللہ بن یحییٰ بن داؤد کی منظوری کے بعد خلیفہ بغداد نے منظور کیا۔ قاسم نے معاہدے پر دستخط کر دیے تھے۔ حارث ابو ظفر نے بھی دستخط کیے لیکن مصر کے سلطان اور شہزادی قطر الندی کے والد کی حیثیت سے معاہدے پر حارث کے دستخط ضروری تھے اور ان کے بعد ہی یہ معاہدہ فریقین کے لیے قابل قبول سمجھا جاتا تھا۔ بھی حارث اس قدر خوش تھا جیسے اپنی زندگی کا سب سے بڑا امر کر جیت لیا ہو جو مقصد سے لے کر آیا تھا حاصل ہو گیا جو تمنا کی تھی پوری ہو گئی اور اسے یقین تھا جب وہ دمشق کی دستاویز اپنے ہاتھ میں لے کر واپس جائے گا ابو جیش خمار وید اس کا مہنون ہو گا جس کے لیے اس نے "سلطان" کا لقب تسلیم کر لیا تھا۔

ابو جیش خمار وید اگرچہ "سلطان" ہی کہلاتا تھا مگر اس کے والد احمد بن طرون کو بھی اسی لقب سے یاد کیا جاتا تھا مگر طرونی حکومت کو دنیا کی سب سے بڑی عباسی سلطنت نے پہلی بار تسلیم کیا تھا۔ اب خمار وید "سلطان" کے لقب کا سیاسی اعزاز حاصل کر چکا تھا اور دولت عباسیہ کے ساتھ ہونے والے معاہدہ دوستی میں اسے سرکاری طور پر سلطان مہر و نام کے لقب سے یاد کیا گیا تھا۔ طرونی ریاست کی بنیاد احمد بن طرون نے رکھی تھی اس کی موروثی حیثیت کو حارث ابو ظفر نے منوایا تھا۔ یہ ایک بہت بڑی کامیابی تھی اور جیسے اس کے آقا شیبان نے وعدہ کیا اور اس نے یہ وعدہ ابو جیش خمار وید کی طرف سے کیا تھا کہ کامیابی کی صورت میں اس کا مرتبہ بلند ہو گا اور اسے مہمانگاہ انعام دیا جائے گا۔ تو اس نے خود کو ایسے انعام کا مستحق ثابت کر دیا تھا کہ وہ یہ بھی جانتا تھا جس عرج سوچ کا ہر صبح مشرق سے طلوع ہوتا اور ہر شام مغرب میں غروب ہو جاتا اگر دستیں بل و نہار کا طبعی اور منسلک تاریخی عمل ہے اسی طرح منہ مانگے انعام کا وعدہ بھی یقیناً پورا ہو گا۔ اب وہ قصور

کی آنکھ سے شہزادی نجم اہل کی گراستہ دیر اسنے جلد سوزی دیکھنے لگا جہاں ایک رات کے داخل ہونا تھا۔

جہاں اُنھوں اور کاروانوں کی طرح چند روزہ قیام کے بعد مصری وفد اُنکی صحن بغداد سے روانہ ہوئے والا تھا لیکن روانگی سے قبل حادثے نے عباسی حکمران سے آخری مذاقات کی درخواست کی تھی جسے خلیفہ معتقد نے منظور کر لیا تھا۔ چنانچہ جب سورج مغرب کی سحران میں غروب ہو گیا اور شام بغداد نے اپنی سرسبز زلفیں کھول دیں۔ حادثات آزمائش کی دیوار تیش نمودار ہوا۔ نئے داروغہ نے استقبال کیا اور فرما ہی اُسے ارضۃ الصلواتہ میں بیٹھا دیا جہاں معتقد بیٹے سے اُس کا منتظر تھا۔

وہ عباسی حکمران کا شکر یاد ادا کرنا چاہتا تھا جس نے اس کی سفارت کو غیر معمولی عزت اور پزیرائی بخشی تھی۔ مگر بے میں داخل ہوتے ہی غیر معمولی ناز و مندی کا انداز کر لیا۔ مصافحہ کے بعد خلیفہ کے دونوں اظہوں کو بوسہ دیا۔ آنکھوں سے لگایا اور بڑے ادب کے ساتھ اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ یہ ملاقات تنہائی کی تھی جس میں حادثے معتقد کے ساتھ زیادہ سے زیادہ فردوسی کا اظہا غزوری تھا اور اس کی زیادہ سے زیادہ خوشنودی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس میں جذبات کا ایک دھڑلہ راجل رہتا اور گفتگو کا آغاز کرنے کے لیے اس نے بن حرب کا نام منتخب کر لیا تھا جو خلیفہ معتقد کا باغی بلکہ اس کی اپنی محبت کے لیے بھی کہیں نہ کیس ضرور بن سکتا تھا۔

عجیب بات یہ تھی شہزادی نجم اہل کی سوداگری گنیز غبر نے اور پھر شہزادی نے اُسے باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ ابن حرب اُس کا طلب گار نہیں بلکہ ایک سپاہی اور جنگی مرد ہے جسے وہ کسی میدان جنگ میں بھیج دینا چاہتی ہے تاکہ غری طوں کے لیے فتوحات حاصل کرے۔ خود حادثے کوشش کے باوجود غزوری شہزادی سے اُس کی دل چسپی یا کسی عاشقانہ ماحہ در حکم کا ثبوت حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ پھر بھی ابن حرب کا نام کئی بار شہزادی نجم اہل کے ساتھ سن لیا تھا۔ یہی بات حادثے کے ذہن کو ڈس رہی تھی اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ اُس کا نام شہزادی کے نام کے ساتھ لایا جائے۔ پس اس کے نام ہی سے رفاقت کا ذکر کا شکوک کر رہا تھا۔ اسی دھڑلے یا اندیشے اور خلیفہ معتقد کی خوشنودی کے پیش نظر اس نے ابن حرب کی بات بھیر دی۔

”اعلیٰ حضرت! جب ابن حرب بغداد سے فرار ہو کر خلیفہ پنچا اُس وقت کوئی بھی حالات کی صورت سے واقف نہ تھا۔ غزالیوں کے قدیم دستور کے مطابق اُسے مصر میں غاضی پناہ دے دی گئی تھی مگر اب ہمارے درمیان دوستی بلکہ قربت کا معاہدہ طے پایا ہے اور میں ابن حرب کے متعلق حضور کا ارادہ معلوم کرنا چاہتا تھا۔ معاہدہ دوستی کے بعد مصر آپ کے کسی دشمن کو پناہ نہیں دے سکتا۔ حادث کا خیال تھا خلیفہ اپنے باغی کی گرفتاری یا ہلاکت کا مطالبہ کرے گا جس کے لیے وہ کوئی ترک جیسے بہترین افسر اور پانچ عربی سواروں سے مخدوم ہو چکا تھا مگر اُس نے کسی قسم کی دلی جیسی کا اظہار نہ کیا اور سپاہیوں میں جواب دیا۔ ”اب ابن حرب ہمارا نہیں غزوری حکومت کا مسئلہ ہے۔ یہ جواب غیر واضح، مبہم بلکہ حادث کی توقع کے بائیں برکت تھا۔ اُسے حیرت ہوئی خلیفہ نے اس کے سامنے ایک سفارت رکھ دیا جس کا مطلب سمجھنے سے نہ تھا اگر ابن حرب غزوری حکومت کا مسئلہ سے تو غزوریوں کو اس کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے کچھ سوچ کر ہوا۔

”ابنی طوں کو حضور کی خوشنودی منظور ہے۔ آپ جو حکم دیں گے اس پر عمل کیا جائے گا۔ اب جلیش آپ کی مرضی کو مقدم سمجھیں گے۔“

ان الفاظ میں اُس نے تخریب دی تھی کہ وہ حکم کرے تو ابن حرب کا کام تمام ہو سکتا ہے۔ معتقد نے اس تخریب پر توجہ دینے کی بجائے بات کو ایک نیا رنگ دے دیا ”اُمم کہتے ہو ابو نصر یا قوت شہزادہ شیبان یا مصری حکومت کا تاسد نہیں تھا مگر عربیوں سے جو پیغام ہمیں پہنچا اُس کے الفاظ میں ایک طاقت بول رہی ہے۔“

حادث نے فوراً جواب دیا۔ ”میرا خیال ہے وہ پیغام ابن حرب نے بھیجا تھا۔“

”نہیں۔“ خلیفہ نے اُس کا نیاں مسترد کر دیا۔ ”تمہاں ابن حرب ایسی جرأت نہیں کر سکتا اُس کے پیچھے کوئی غیر طاقت کا نام کر رہی ہے جو جہاں رشتاں چاہتی ہے۔“

”خلیفہ طاقت کا حادث دم بخور رہ گیا۔“

پھر اس نے بڑے یقین کے ساتھ کہا۔ ”اعلیٰ حضرت! مصر میں ایسی کوئی خیر طاقت نہیں جو بغداد کے کسی باغی کی پشت پناہ کر سکے۔ آپ حکم دیں تو ابن حرب کو طوق و سبائل میں جکڑ کر یا اس کا سر نیز سے بوجھا کر بغداد روانہ کر دیا جائے گا۔“

حادث نے یہ خوفناک تجویز اگرچہ معتقد کی خوشنودی کے لیے پیش کی لیکن یہ قدر گزیر

عقل کی بیماری یا دل کے نہاں خانے میں چھپ کر معنی ہونی رفاقت تھی جس نے بنا کارشمن کو راستے سے ہٹانے کا جن کیا تھا۔ پھر بھی خلیفہ نے اس کی پیش کش پر توجہ نہ دی، مزید دھماکت مقرر دی گئی کہ چند شرطوں کے عوض اس کی ہلاکت اور سیری سے باتھاٹھا چکا ہے۔ حارث کی بات سن کر اس نے نفی میں، بنا ہاتھ بلایا اور کہا۔
”ہم نے ایک معاملے میں اس کی گرفتاری کا حکم دیا تھا۔ باقی کا انجام بہر حال قتل ہونا ہے مگر اب ہم چاہتے ہیں وہ زندہ رہے۔“

حارث نے بڑی سیرت پاشن نظروں سے اسے دیکھا وہ تو کچھ انفا باغی کا سر نیزے پر چڑھانے کی تجویز پیش کر کے وہ عباسی حکمران کی خوشنودی حاصل کر سکے گا لیکن معتقد اس کی زندگی کا خواہش مند تھا۔ اس نے حارث کے استعجاب میں کچھ اور اضافہ کر دیا۔ ”دشت فرات میں ابن حرب ہمارے ساتھ تھا۔ اس نے شہزادی قطراندی کو پہچان لیا تھا اور جب وہ تمھارے ہمراہ شام کے علاقے کو لوٹ گئی تو ہمیں مشورہ دیا تھا کہ ہمارے دشمن کی جنگ سے ہم دشمن کو یاد رکھیں اور اس کی بیٹی کو بھول جاویں۔ ابن حرب کا خیال تھا ابھی ہمیں خارویہ سے اپنا حساب بے باقی کرنا ہے لیکن اب بنی طولون سے ہمارا معاہدہ ہو گیا اور اسماعیل قطراندی ہمارے عقید میں آ رہی ہے۔ اس مبارک عقد کی خوشی میں ہم ابن حرب کے قتل سے دوسری بار دست بردار ہوتے اور چاہتے ہیں کہ وہ زندہ رہے اور قطراندی کو ہماری عروس بننے دیکھیں۔“

خلیفہ کی مرضی جان لینے کے بعد حارث نے بھی فوراً پینترا بدلا۔ ”امیر المؤمنین! یہ تو آپ کی رحمندی اور بلند نظری ہے کہ عقد کی خوشی میں اس کی جان بخش دی خوشی کے موقع پر لوگ نذر دے کر قیدی رہا کرانے ہیں۔ آپ ایک واجب القتل باغی کی جان بخشی کر رہے ہیں۔“

”ہم جانتے ہیں وہ مصر کی جانب اس لیے بھاگا تھا کہ خارویہ کو اس کے ہمارے خلاف میدان جنگ میں لے آئے لیکن ہم اسے اور سی منظر دکھانا چاہتے ہیں۔“

یہ بات سن کر حارث کچھ بدحواس ہو گیا لیکن معتقد اس کی بدحواسی کو نہ دیکھ سکا، یا نظر انداز کر گیا اور کہنے لگا۔ ”ہم اسے قطراندی کی رخصتی کا منظر دکھانا چاہتے ہیں کہ ہمارے دشمن اپنی بیٹی کو ہماری عروس بنا کر بغداد کی طرف روانہ کر رہا ہے۔ اس منظر سے ابن حرب

کے دل کو ایک دھچکا لگے گا کہ وہ خارویہ کو ہمارے خلاف استعمال نہ کر سکا۔ اگر آدمی کا سر نیزے پر چڑھا دیا جائے تو وہ کچھ دیکھ سکتا ہے، نہ کچھ سن سکتا ہے، نہ کچھ محسوس کر سکتا ہے لیکن ابن حرب زندہ رہ کر کچھ دیکھے گا، کچھ سنے گا، کچھ محسوس کرے گا۔“

حارث پر ایک سکتہ گزریا۔ ابن حرب نے خارویہ ابوحشیش کو عباسی حکمران کے خلاف اس کی پوری کوشش کی مگر خارویہ نے بغداد پر چڑھائی کی تجویز مسترد کر کے خلیفہ کے طرف درستی کا ہاتھ بڑھایا تھا۔ معتقد کو کسی بھی ذریعے سے اس واقعے کی اطلاع ہو سکتی تھی پھر بھی اس نے خود ایک ایسی بات کا اراک کر لیا تھا۔ جو حارث نے اس سے پوشیدہ رکھی تھی۔ فوراً اس کی تائید ضروری سمجھی اور کہنے لگا۔

”آپ کا خیال درست ہے اعلیٰ حضرت! ابن حرب کہ شہزادی قطراندی کی رخصتی کا منظر دیکھنے کے لیے زندہ رہنا چاہیے۔ رخصتی کا منظر اس کے لیے کسی سزا سے کم نہ ہوگا۔“ اسی لیے ہم نے کہا تھا۔ اب وہ ہمارا نہیں طولونی حکومت کا مسئلہ ہے۔ پھر اس نے اپنا لبریک تخت تبدیل کر لیا اور بدلی ہوئی آواز اور بدلے ہوئے لہجے میں بولا۔
”ہماری طرف سے ابن حرب کو اس وقت تک ہمت ہے جب تک وہ ہمارے خلاف تلوار نہیں اٹھاتا کسی دشمن کے ساتھ مل کر ہم پر حملہ نہیں کرتا، ہمارے قاتلوں کو نہیں روکتا اور ہمارے کسی علاقے کو تاراج نہیں کرتا۔“

حارث سمجھ گیا کہ ابن حرب کی جلی نچنی اگرچہ مشروط ہے لیکن اس کے بارے میں عباسی حکمران کی رائے بدل چکی ہے اور وہ اپنے باغی کو اس لیے زندہ رکھنا چاہتا ہے کہ وہ اس کے حاکمانہ جاہ و جلال اور اپنے ارادوں کی شکست کا نظارہ کر سکے۔

حارث نے ابن حرب کے خلاف خلیفہ کے سامنے جو چال رکھی تھی وہ ناکام ہو گئی اب اسے رقیب کو اپنے راتے سے ہٹانے کے لیے خود ہی کوئی ترکیب سوچنا تھی۔ اس کے ساتھ ابن حرب کے متعلق گفتگو بھی ختم ہو گئی۔

معتقد نے اپنی تباکی جیب سے الماس کا ایک چھوٹا سا ہنوا (صراة) نکالا اور اس کا نہ کھول کر اٹا تو ایک ہی ساخت اور ایک ہی وزن کے دو قیمتی امیرے اس کی ہتھیلی پر جھل جھل کرنے لگے پھر ہتھیلی حارث کے سامنے کر دی۔ ”یہ دنیا کے نایاب ہیرے ہیں۔ ہوا کی طرف سے قطراندی کے لیے لے جاؤ۔ وہ جو ہر شے اس سے اور یہ ہیرے اس

کے کانوں میں جھونکے اچھے ٹیس گئے۔

حادثہ نے پیر رند تریف کی اور کھڑا اعلیٰ حضرت آپ نے بھی بی عیون کو سب سے قیمتی اور سب سے بہترین میرا پسند کیا ہے۔

مقتصد نے دونوں میرے پھر بھی قیام میں ڈال دیے اور قیامی حادثہ کے حوالے کر دی گرائی سے پہلے کہ ملاقات ختم ہوئی۔ حادثہ نے ایک نئی درخواست کر کے اسے چڑکا دیا۔ اعلیٰ حضرت جس طرح قیل کے بغیر چراغ نہیں جلتا۔ اسی طرح سلطان خمارویہ اپنے بھائی شہسپان کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے۔ سفارت کے لیے مجھے آقا شہسپان ہی سے نامزد کیا تھا اور جب میں مصر داپس جاؤں گا۔ میری کامیاب واپسی کی سب سے زیادہ خوشی بھی اٹھی کہ ہوگی کیونکہ وہ خلیفہ المسلمین سے دوستی کے خواہاں تھے اور میں ان کے لیے آپ کی محبت کا خواہش مند ہوں۔

مقتصد نے حادثہ کی بات ترجمے سے سنی اور مسکرا کر جواب دیا۔ ”ہم جانتے ہیں شہزادہ شہسپان خمارویہ کے چراغ میں جلتے دالامیل ہے اور نظر انداز بھی اپنے شہسپان کو تمام چچیوں سے زیادہ عزیز رکھتی ہے اس لیے شہسپان ہمیں بھی عزیز ہو گا۔“
ان الفاظ کے ساتھ ہی مقتصد مسند سے اٹھا اور ملاقات ختم ہو گئی۔

★

دوسرے روز جب مصری قافلہ بغداد سے روانہ ہوا اس کی سواروں میں اضافہ ہو چکا تھا۔ سارے اونٹ جو مصر سے تحائف لے کر آئے، اب عراقی تحائف سے لہرے بھندے واپس جا رہے تھے بلکہ قافلے میں مزید اونٹ اور عراقی ساربان بھی شامل ہو گئے تھے۔ خلیفہ مقتصد نے سلطان ابو جیش خمارویہ اور شہزادہ شہسپان کے علاوہ ان کے پندرہ بھائیوں کے لیے بھی تحائف بھجوائے تھے ارران میں سولہ طوٹونی شہزادوں کا بھی حصہ رکھا تھا۔

اُنٹوں کے ساتھ قافلے میں گھوڑوں کی تعداد بھی بڑھ گئی تھی۔ مدد ملت جہا سید کا شہزادہ ابوالحسن قاکم بن عبداللہ اپنے وفدا اور محافظ کھاروں سمیت مصری سفیر کے ہمراہ جارا تھا۔ جہاں اسے سلطان خمارویہ ابو جیش کی طرف سے خلیفہ مقتصد اور سہاد قلعہ اندلی

کے رشتہ ازدواج کی منظوری کے بعد معاہدے پر گواہ کی حیثیت سے دھتھوروں کے عہدہ ہندوی کی جنتی کے بارے میں دیگر امور سمجھے کرنا تھے۔ اس طرح مصر کی جانب جانے والے قافلے کی تعداد دو گنی ہو گئی اور اس نے ایک بڑے کامیاب کی شکل اختیار کر لی تھی۔ بے شمار لوگ اس کی روانگی کا منظر دیکھنے کے لیے دارالامارہ کے ارد گرد جمع ہو گئے اور حسب معمول چہ میگوئیوں میں مصروف تھے۔ راج کنگہ کسی وراثت جو مصر کی طرف بھی دارالخلافت سے اتنا بڑا قافلہ روانہ نہیں ہوا تھا۔ اچانا بڑا قافلہ مصر جو بارہا خلیفہ مقتصد باللہ نے سلطان خمارویہ کو اتنے تحائف ارسال کیے تھے کہ راضی میں ان کی کوئی مثال نہ ملتی تھی۔ اہل بغداد کے نزدیک عرفہ بات یہ ہوئی تھی کہ وہ جس ملک پر عباسی شہزادوں کی چھٹی اور بغداد کی توفیق رکھتے تھے اس کی جانب اونٹوں کا ایک بڑا کاروان تحائف لے کر جا رہا تھا۔ یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ خلیفہ نے تیس سال کے لیے مصر و شام کی عداوت کا خاتمہ کر دیا تھا۔ بعض لوگوں کا خیال تھا تیس سال کے لیے الحاق کی شرط رکھی گئی ہوگی لیکن اکثر لوگ کہتے تھے معاہدے میں ایسی کوئی شرط شامل نہیں۔ مقتصد نے اپنے لیے صرف ہفت خمارویہ سے لکاح کی شرط رکھی ہے۔ کچھ لوگ یہ بھی سوچ رہے تھے کہ تیس برسوں کی مدت کے بعد مصر و شام سے جہا سید کا الحاق از خود لازم ہو جائے اور یہ بات خلیفہ مقتصد وراثت کے جائز بنو۔ یہ پرکھ رہے کہ وہ معینہ مدت کے بعد یا اس سے قبل عداوت کی مکیر بنا سکتے ہیں یا نہیں۔

اہل بغداد کی ان قیاس آرائیوں کے درمیان قافلہ روانہ ہوا تو مصری سفیر حادثہ اور سلطان عبداللہ بن علیکان سے یوں رخصت ہوا جیسے وہ بغداد کو فتح کر کے لوٹ رہا ہو۔



کے پیچھے کی خبر کر رہے رہاں سے ملنے وہ خود عربی میں آجائے گا۔

ابونصر یا قوت ابھی بغداد کے سفر سے نہیں لوٹا تھا کہ سلاطین ابن حرب کا پیغام لے کر عربی میں پہنچ گیا۔ سرائے دار یہ خبر سن کر حیران رہ گیا کہ سلطان خمار دیہ نے عراق پر چڑھائی کرنے اور خلیفہ پر فوجی دباؤ ڈالنے کا ارادہ بالکل ترک کر دیا ہے جیسے اس کی بیوہ بہن نے تجویز پیش کی تھی، بلکہ سردار عمارت کو ”درستی کا سفیر“ بنا کر بغداد بھیج دیا ہے۔ اس سے ابھی بڑھ کر حیران کن واقعہ یہ پیش آیا تھا کہ عمارت نے عراق کی طرف جاتے ہوئے اپنے قافلے سے ہمراہ نہ تو عربی میں کی کاروں سرائے میں پڑاؤ کیا، نہ وہ عربی میں کے قرب و میاں ہی سے گزرا تھا، جب کہ شمال افریقہ اور مصر سے فلسطین، شام، اردن، حجاز و یمن، درعیہ کی طرف جانے والے فوجی قافلے اور تجارتی کاروں اس قدم نہارتی شاہراہ پر سفر کرتے تھے، جو بحر المتوسط (بحیرہ روم) کی ساحلی پٹی کے ساتھ ساتھ عربی میں سے گزرتی تھی مگر عمارت نے اس معروف شاہراہ کو چھوڑ کر غالباً صحرائے سینا اور دشت قبیہ کا دشوار گزار راستہ اختیار کیا اور اپنے قافلے کو لے کر کئی میل جنوب سے گزر گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ عربی میں کسی کو بھی اس سفارتی قافلے کا علم نہ ہو سکا۔

فلسطینی سرائے دار جو حالات کو سمجھنے کی غیر معمولی صلاحیت رکھتا تھا۔ اس خلاف معمول واقعے پر دھڑکی بری طرح چومک گیا بلکہ اس کا ہوشیار ذہن اس نتیجے پر پہنچا کہ عمارت کے سفر بغداد کو اس سے پوشیدہ رکھا گیا ہے اور یہ کوشش غالباً اس لیے کی گئی ہے کہ اس نے بغداد پر چڑھائی کا مشورہ دیا تھا اور سلطان خمار دیہ اس مشورے کے برعکس خلیفہ کی جانب ”سفیر دوستی“ بھیج رہا تھا۔

یہ کوشش گویا اس پر بے اعتمادی کے مترادف تھی اور یہ تھا ان تمام خدمات کا صلہ جو اس نے بنی طولون کی خاطر سرانجام دی تھیں۔ سرائے دار کے ماتھے پر کئی شکلیں نمودار ہوئیں اور وہ غصے میں بڑبڑایا۔

”ابو حشیش! تم نے اپنے دل میں جو گرہ باندھ لی اور جو معاملہ مجھ سے چھپایا ہے، میں اسے کھولوں گا نہیں، بلکہ اس پر ایک ایسی گرہ لگاؤں گا کہ بنی طولون کی خیم دار تلواریں بھی اس کو کاٹ نہ سکیں گی۔“

ابن حرب نے اس دل شکن خبر کے ساتھ ایک خوش خبری بھی بھیجی تھی کہ طوینی شہزادی

(۲۴)

عبداللہ

○

قارئین چار چکے ہیں کہ جب عمارت خلیفہ معتقد کے لیے درستی کا پیغام اور قافلے سے لہرے ہوئے آؤٹ لے کر مصر سے روانہ ہوا تھا، شہزادی نجم العلیل بے حد پریشان ہو گئی اور اس نے سوچی سمجھی کی حویلی میں ابن حرب سے ملاقات کی تھی جس میں اس کی ساری پریشانیاں جاتی رہی تھیں اور ابن حرب نے اسے ملکہ الزباد سے تشبیہ دے کر اس کے خوابوں کو ایک نئی تعبیر بخش دی تھی لیکن طویل سفر کے بعد عمارت کے بغداد پہنچنے اور خلیفہ سے مذاکرات کرنے تک، جس میں ایک ماہ سے زیادہ کا عرصہ بیت گیا تھا، فلسطین اور عربی میں کئی واقعات ہو گزرے تھے۔

عمارث کی سفارت ایک اچھا بھلا تھی۔ ابن حرب اپنے سرائے دار دوست سلیمان بن مام کو بھی اس اچھے سے آگاہ کرنا چاہتا تھا مگر ابھی دنوں حویلی کے خادم سلاطین کی بیوی عائشہ چشم میں مبتلا تھی اور وہ ایک مصلیٰ کمال سے اس کا علاج کر رہا تھا (مصر میں آنکھوں کی بیماری نہ آؤتی ہے اور آنکھوں کا علاج کرنے والے طبیب بھی عام ملتے ہیں) تاہم چند روز کے بعد اس نے سلاطین کو عربی کی جانب دوڑایا تاکہ سرائے دار کو بدلتے حالات کی خبر دے سکے اور یہی معلوم کرے کیا ابونصر یا قوت بغداد سے واپس آگیا ہے یا نہیں؟ اس نے سلیمان کو اصرار دی تھی کہ اب وہ اپنی والدہ کو فلسطین میں ٹھہرانا مناسب نہیں سمجھتا تھا وہ ابونصر کے ہمراہ بغداد سے آجائے، اسے عربی میں روک لے اور فلسطین میں اس

مخبرانی خیموں کی طرف سفر کے لیے تیار رہے لیکن آقا حسین کو اس معاملے سے قبل از وقت مطلع کرنا ضروری ہے تاکہ جب وہ صحرا کا رخ کرے، اس کا استقبال ایک شہزادی کی حیثیت سے کیا جائے۔

دوسرے روز اس نے سلاطین کو اس جواب کے ساتھ فسطاط کی طرف بھیج دیا کہ ابونصر یا قوت ابھی بغداد سے نہیں لوٹا، جب آئے گا، اُسے آگاہ کر دیا جائے گا۔ اس نے ابن حرب کو تاکید کی تھی کہ ابھی فسطاط سے نہ نکلے اور مسوق انجیل ہی میں ٹھہرے۔ شہزادی نجم لیل پر زیادہ توجہ دینے کی ہدایت بھی کی گئی تھی جسے قرامطہ کے آسمان پر ستارہ شہد کی طرح فروزاں ہوا تھا۔ سلیمان بن عامر کے نزدیک بھی حارت کی کامیابی کا کوئی امکان نہ تھا اور ابن حرب کو وہیں اس کی ناکامی کا بھی انتظار کرنا تھا۔

سلاطین کو رخصت کر کے سرائے دار اس تشویش میں کھو گیا کہ ابونصر یا قوت ابھی تک کیوں نہیں آیا؟ اس کی داپسی کے ایام اور سفر کے پڑاؤ طے شدہ تھے اور طے شدہ ایام کے مطابق اسے لوٹ آنا چاہیے تھا، سوچنے لگا کہیں اسے بغداد میں روک نہ لیا گیا ہو۔ لیکن سلاطین کی داپسی پر ابھی یکسر سے دن کا سورج غروب ہوا تھا اور عیش میں شام کا اندھیرا تہہ رنگ گہرا ہو رہا تھا کہ ابونصر یا قوت چاروں غلاموں کے ہمراہ لوٹ آیا مگر سرائے دار اس بات پر حیران تھا کہ حرب الکندی کی بیوہ اور اس کے غلام عبد اللہ کی لائیاں اس کے ساتھ نہ آئی تھیں۔

جب ابونصر نے بتایا کہ بڑھیا نے ابن حرب کو واپس بلایا اور پیغام بھیجا ہے کہ وہ بغداد لوٹ آئے، خلیفہ سے کہہ کر اس کی خطا معاف کر دے گی تو سرائے دار بگڑا کہ وہ گیا کیوں کہ اب ابن حرب کو واپس نہیں جانا تھا اور جماعت کے لیے وہ اہم خدمات سر انجام دینا تھیں جن کے لیے بہت عرصہ پہلے اس کا انتخاب کر لیا گیا تھا۔

بادشاہ نے قبائل تلوار چلانے اور بیڑہ مارنے میں بڑے بہادر اور جی دار تھے۔ لیکن عسکری امور اور حربی گھاتوں کو نہیں سمجھتے تھے۔ قرامطہ کو صحرائی لشکروں کی تربیت اور قیادت کے لیے ایک ایسے تجربہ کار جنگی مرد کی ضرورت تھی، جو انھیں تربیت یافتہ فوجوں سے لڑانے اور خروج کو کامیاب بنانے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ ابن حرب کو جماعت کا کرن بنانے اور اس کے فوجی تجربوں سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ اس وقت ہو گیا تھا جب اس

کا باپ حرب الکندی اتر صاف کے محل کا داروغہ اور وہ خود معتقد ابو عباس کے محافظ تھے۔ کاسالار تھا کہ چنانچہ فلسطینی کنیز دمتہ اتر صاف میں نمودار ہوئی اور کچھ عرصے کے بعد ابن حرب کو بغداد سے فرار ہونا پڑا۔ سرائے دار نے سوچا، بڑھیا کا بغداد میں رہنا اور خلیفہ سے ملنا سراسر خلاف مصلحت ہے اُسے وہاں سے نکالنے کے لیے کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔

ابونصر یا قوت نے اپنے سفر کی جو روداد سنائی، وہ دل چسپ تھی اس کے بیٹا نے دوبار بغداد کو مشتعل کر دیا تھا اور دولت عباسیہ کے امراء سردار اور فوجی سلاطین کی طرف پر اپنی حماقت کا دل آڑا کرنے پر تیار ہو گئے تھے۔

سلیمان بن عامر کا منصوبہ یہی تھا کہ وہ بغداد میں اشتعال پیدا ہوا اور مصر کو حملے پر تیار کیا جائے مگر خواروہ نے خلیفہ کی طرف ”سیف دوستی“ بھیج کر معاملہ مشکوک بنکے۔ حرب کو دیا تھا، سرائے دار کا خیال یہ تھا عیش سے بھیجے جانے والے اشتعال گیز پیغام کے منتقلی اُس کے علاوہ ابونصر یا قوت سے بھی جواب طلبی ہوگی۔ سرائے دار کو اپنی فکر نہ تھی اس کے پاس شہزادہ شیبان کی اجازت کا عذر موجود تھا البتہ ابونصر کی گرفتاری کا اندیشہ تھا جو کادیاں سرائے میں سرکاری محصول لینے والا افسر تھا۔

شخصی حکمتوں میں معمولی جرم کی سزا بڑی بھیاں ہوئی تھی اور اب بھی ہوئی ہے مگر جو تنظیمیں حکومتوں کے خلاف انقلاب برپا کرنے کے لیے خفیہ سرگرمیوں میں حصہ لیتی ہیں وہ قید و بند کی صعوبتیں جھیلنا اور سرکٹا اجماعی ہیں۔ قرامطہ کی خفیہ تحریک میں قربانی دینے والوں کی کمی نہ تھی بلکہ فدائیوں کا حلقہ جماعت کی خاطر دوزخوں کی جان لینے اور اپنی جان دینے کے لیے تیار رہا تھا۔ ابونصر یا قوت اسی حلقے کا آدمی تھا۔ قرامطی سرائے دار کی سیاست یہ تھی کہ ابونصر یا قوت اور اس کے ساتھ چاروں غلاموں کو عیش کے منظر سے غائب ہو جانا چاہیے۔ انھیں صحرائیں بھیج دیا جائے جہاں کوئی اُن کا سراغ نہیں لگ سکے گا۔

تجربہ قرامطیوں کے بارہو کیوں کی طرح انتہائی منظم اور خفیہ تحریک تھی جسے عقیدے کی قوت سے مضبوط کیا گیا تھا۔ اسی عقیدے کی بنا پر جس میں دہشت پسندی کا عنصر بھی شامل تھا وہ عالم اسلام کے لیے انتہائی خطرناک ثابت ہوئی (قرآن مجید)

بادیہ نشین قبائل صحرا کے تدبیر اور طبعی دستور کے مطابق جو صدیوں اور قرونوں سے رائج تھا اسرار و خود مختار سمجھے جاتے تھے۔ وہ نہ تو کسی کے بائگزانہ کسی کے دشمن تھے مگر ان کے اندر گرم ہواؤں کی طرح ان کی زندگی بھی آزار تھی جس میں وہ کسی کی ولایت گوارا نہ کرتے تھے۔ مدائنات صحرا کے قدرتی دستور اور درہن میں ان کے خلاف تھی۔ صحرا کا دستور آزادی کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ ان حکمران بھی ان آزادی میں محفل ہوتے نہ ان کے دنیوی معاملات سے کوئی سروکار رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی اگر صحرائی قبائل میں کوئی خفیہ تحریک پیدا ہوتی تو اس کا سراغ لگانا اتنا ہی مشکل ہوتا تھا جتنا جہیزوں کے کسی چھتے کی باسرسی یا قرامطہ کی رعرت کا پتہ کرنا۔ سوائے سوارانہ سوارانہ میں تھا جو جنوب مشرقی عراق میں عربوں اور کوفے کے سوارانہ پھیلا تھا۔ یہ ایک نامعلوم مقام پر بدو اقامت رکھتی تھیں قرمطی کی بارگاہ تھی جہاں عرف الخوان الصغیاء پھر حلقہ افغان کے سرور اور شیروں حاکم تھے۔ یہ تھے گارہ حاکم کا درمیان علاقہ یا مدینہ شام کے ان صحرائی حاشیوں پر نام ہوا جو تدریسے الجربک پھیلے تھے۔ یہ سارا علاقہ عراق، اردن، فلسطین اور شمال مغربی جزائر کے ساتھ کرتا تھا جو کسی خرافانی وحدت کے نمائندہ نہ تھے۔ جماعت کا یہ حلقہ امام یحییٰ کے نائب اور بجائی آگیا جنہیں نے قائم کیا تھا جو بنی کلب اور بنو قلیص کے حلقے سے نکل کر جہاں دونوں بھائیوں نے ذکر کیا۔ قائم بائنی کی مدد پر شام کے ایام میں دعوت کا آغاز کیا۔ بارہ شام کے جنوب مغربی حاشیے پر آگیا تھا تاہم شام و فلسطین اور شمال مغربی حجاز کے بادیہ نشین قبائل کو اپنی تحریک میں شامل کر کے بنی کلب کی ایک شاخ بچھوڑ کر کے جنوب مغرب میں صحرا کے اس حاشیے پر آگیا تھا جو جرج کے علاقے تک پھیلا ہوا تھا۔ یہ قرمطہ کی پراسرار صحرائی بستیوں کا حلقہ تھا مگر آتا یہی صحرائی تھے کہیں تھے؟

یہ بات سلیمان بن عامر یا چند خاص لوگوں کے سوا جن کا شمار "افغان" میں ہوتا تھا اور کوئی نہ جانتا تھا۔ یہ مجرہ مدار کے جنوب سے لے کر جو علاقہ حلیج عقبہ کے دریاں تک پھیلا ہے اور کسی زمانے میں خراج کسی زمانے میں پیرا تھا تھا۔ ان حاشیوں کو اس لیے پسند تھا کہ بیک وقت مصر، فلسطین، اردن اور حجاز سے ملتا تھا، جہاں سے عباسیوں کے علاوہ طور لوگوں کے خلاف بھی کاروائی ہو سکتی تھی۔

ابونصر یا قوت اور چاروں غلاموں کو بنی کلب کی صحرائی بستیوں کی طرف سفر کرنا

لغا۔ جو جرج کے علاقے سے شمالی جانب بادیہ شام کے حاشیے پر واقع تھیں۔ ابونصر ایک مرتبہ پہلے ہی ان بستیوں کا سفر کر چکا اور بنی کلب کے سردار سے مل چکا تھا۔ یہ سفر اس کے لیے مشکل نہ تھا۔

دوسرے روز علی الصبح ابونصر یا قوت چاروں غلاموں سمیت عیش سے رخصت ہو گیا۔



ابونصر یا قوت کو منظر سے غائب ہوئے ابھی پانچواں دن تھا کہ کوربتے سورج کے ساتھ گروگر کا مارا سوا ایک ساندنی سوار جس کے مشکیزے کا پانی ختم ہو چکا اور پیاس کی شدت سے ہونٹ سوکھ رہے تھے۔ کارواں سرائے کے بیرونی دروازے پر ساندنی سے اترا اور پاس بان سے فلسطینی سرائے دار سلیمان بن حام کے بارے میں اس کا نام لے کر پوچھا جیسے اسے جانتا یا اس کے لیے کوئی ضروری پیغام لے کر آیا ہو۔

پاس بان نے ساندنی کو اسطبل میں اور اجنبی کو سرائے دار کے کمرے میں پہنچا دیا۔ سلیمان اسے دیکھ کر کوئی رائے قائم نہ کر سکا کہ اجنبی کو اس سے کیا کام درپیش ہے۔ خشک ہونٹوں سے پیاس کا اندازہ بھی کر لیا اور فوراً پانی منگوایا تاکہ اس کے حواس بحال ہوں۔ جب تک اجنبی پانی پیتا۔ سلیمان کی جلیپکھ دلی نظریں اسے گھورتی رہیں۔ پانی پی چکا تو پوچھا۔

"کہاں سے آئے ہو؟"

"بغداد سے"

سرائے دار بُری طرح چونک گیا اور ایک بار پھر اسے غور سے دیکھنے لگا۔ بغداد سے کبھی ابھی خبر نہیں آئی۔

"مگر میں ابھی خبر لے کر آیا ہوں۔" اجنبی کے لہجے میں بے قراری تھی۔ "میرا نام

عبداللہ ہے اور میں اپنے آقا ابن حرب سے فوراً ملنا چاہتا ہوں۔"

سندھ کے سرائے دار نے اسے دیکھا اور وہ ابن حرب کا غلام عبداللہ ہی تھا تو اسے

طرور نازل ہوگی لیکن میں یہ ہدایت لے کر آیا ہوں کہ اس پر گزرنے والی کسی مصیبت میں میرے آقا کا ہاتھ نہیں ہونا چاہیے۔

سلیمان بن عامر نے اپنی بات پر الفاظ کی چٹیں گرا دی۔ ”ابن حرب کو کیا پڑی ہے کہ خلیفہ سے خواہ مخواہ چھگڑا مول لے۔ اگر اس پر بغداد کے دروازے بند کر دیے گئے ہیں تو مصر و شام کے دروازے کھل گئے ہیں۔ اب وہ ہمیں رہے گا۔“

”مگر فسطاط سے واپسی کب ہوگی؟“

”ابن حرب کو وہاں کئی معاملے درپیش ہیں۔ ہو سکتا ہے واپسی میں مزید ایک مینا لگ جائے۔“ سرائے دار نے اسے تسلی دی۔ ”فکر نہ کرو تمہارا پیغام اُسے پہنچ جائے گا۔“

”پھر تم مجھے فسطاط جانا ہو گا۔ بس ان کا پتا دے دوں اور راستے کے بارے میں ضروری معلومات سے آگاہ کر دوں۔ میں ان سے وہیں مل لوں گا۔“

سلیمان بن عامر کے چہرے پر تشویش کا ایک سایہ سا گزر گیا۔ ”محکم ہے جب تم فسطاط پہنچو وہ کسی اور طرف منتقل کیا ہوا اور تمہاری ملاقات نہ ہو سکے۔“

”وہ جہاں بھی ہوں گے میں انہیں ڈھونڈ لوں گا۔ ان سے ملے بغیر واپس نہیں جاسکتا۔“

کئی روز سے فسطاط جانے والا کوئی قافلہ سرائے میں نہیں اتر تھا۔ سلیمان کچھ سوچ کر بولا۔ ”فی الحال سرائے میں قیام کرو۔ شاید پانچ چھ یوم تک کوئی قافلہ آجائے تو اسی کے ہمراہ تمہیں فسطاط بھیج دیا جائے گا۔“

”میں نے بغداد سے عیش تک تقریباً ایک ماہ کا طویل سفر تنہا کیا ہے۔ فسطاط تو یہاں سے دویس دن کی مسافت پر ہو گا جناب! اس لیے پانچ چھ یوم تک قافلے کا انتظار کیوں؟“

عبداللہ فسطاط جانے اور اپنے آقا سے ملنے کے لیے بے چین ہو رہا تھا۔ سلیمان نے اس کی بے چینی کو بھانپ لیا۔ ”اب میں تمہیں نہیں روک سکتا۔ میری طرف سے صبح روانہ ہو جاؤ۔ فسطاط میں ابن حرب ہر آنے والے قلعے کی جانب سوتل اخیل کی جوتی میں رہتا ہے۔“

جوتی ابو نصر یا قوت کی ہے جس کسی سے اس کا پتا پوچھو گے وہ بتا دے گا۔“

ابو نصر یا قوت کا نام سن کر عبداللہ دنگ رہ گیا۔ بغداد کے کوجروں اور نازاں

میں آقا نا پسندیدہ نام کا چرچا ہو رہا تھا اور اس کا آقا فسطاط میں اسی کا ہمان تھا۔ سیرنگار نے راستے کے باسے میں عرف آنا کہا۔ ”فسطاط کی طرف جانے والی شاہراہ سیدھی اور صاف ہے۔ البتہ القنطرہ کے اُس پاس آج کل ایک درندہ گھومتا پھرتا دیکھا گیا ہے لیکن ضروری نہیں تمہارا اُس سے آمنہ سامنا ہو۔ اگر تمہارے نیزے کی ضرب مضبوط اور سائنڈنی کی رفتار تیز ہے تو کوئی درندہ تمہارا راستہ نہیں روک سکتا۔“

پھر اس نے ایک غلام کو طلب کیا اور اسے ہدایت دینے لگا۔ ”منصور! یہ میرے عزیز ہمان ابن حرب کا خادم عبداللہ ہے، جو اپنے آقا کے لیے بغداد سے ایک ضروری پینا گئے کر آیا اور جمع فسطاط کی طرف روانہ ہو رہا ہے۔ آج رات عبداللہ کے آگے آگے چل رہا ہے اور سویرے جب اسے روزانہ کرن تو اس کا گوشہ دان خوراک سے اور شکیزہ پانی سے بھرا ہوا ہونا چاہیے۔“

منصور ہمان کو اپنے ساتھ لے گیا۔



عبداللہ ابن حرب سے ملنے کے لیے اس قدر دیوانہ ہو رہا تھا کہ اس نے کسی قافلے کا انتظار ضروری نہ سمجھا اور جس طرح بغداد سے تنہا آیا تھا اسی طرح فسطاط کے سفر پر بھی تنہا تیار ہو گیا۔ سویرے جب وہ سرائے سے رخصت ہونے لگا اُس کا گوشہ دان خوراک سے اور شکیزہ پانی سے بھرا ہوا تھا۔ منصور نے اسے راستے کے بارے میں جملہ معلومات فراہم کر دی تھیں لیکن سرائے کے جڑے عربی دروازے پر ابھی وہ سائنڈنی پر سوار نہیں ہوا تھا کہ مصری کنیز سلام ہو ا کے جھونکے کی طرح اُڑتی آئی اور عبداللہ کے ہاتھ میں ایک خط دے کر بولی۔

”یہ اپنے آقا ابن حرب کو دے دینا۔“

عبداللہ نے حیرت پاشن نظروں سے پہلے سلام کی طرف دیکھا پھر اس کی استغماہی لگا۔ یہیں منصور کے چہرے پر حرکت ہو گئیں جس نے سر کو اثبات میں حرکت دی اور چند نظروں میں پوری داستان بیان کر دی۔ ”شاید تمہارے آقا ابن حرب کو بھی سلام کے خط کا انتظار ہو گا۔“

عبداللہ نے خط اپنے تباوے میں محفوظ کر لیا اور سلام پر ایک نظر ڈالتا ہوا سائنڈنی

پر سوار ہو گیا۔ منصور نے بتا دیا تھا کہ دو پہر کو اُسے کہاں دم لینا اور رات کو کہاں پڑنا کرنا ہے۔

دوسرے دن کی دو پہر اسے القطرہ کی سرائے میں گزارنا تھی۔ اہل شام راہ پر اس کی ساندنی تنہا جاگ جا رہی تھی۔ اُسکے پیچھے کوئی قافلہ تھا، نہ کوئی مسافر۔ چھوٹی چھوٹی کھردی چٹانوں کو دیکھ کر خوف کی ایک لہر جسم سے گزرنے لگی کہ ایسی ہی جگہوں پر درندہ گھات لگا کر بیٹھتا اور اکیلے مسافر پر ناگہاں بھینٹتا ہے۔ عبداللہ نے نیزہ مضبوطی سے تھام لیا۔ ابھی القطرہ سے مین چار فرسخ دور تھا کہ عقب سے چند ترسوار بڑی تیزی سے نمودار ہوئے اور راستے کو برقی رفتاری سے طے کرتے آنا تھا اس کے قریب آ گئے۔

عبداللہ کو جو حملہ ہوا کہ اب وہ تنہا نہیں اور ان کے ساتھ القطرہ پہنچ جائے گا جتنے سو راج کے نیچے اُنے والوں کے سفر کی رفتار خاصی نیز تھی اور عبداللہ کی ساندنی بھی تیز و زور سکتی تھی۔ اچانک دشتہ سوار جنھوں نے اپنے چہرے لظاق (خچلے) سے ڈھانپ رکھے تھے اُس کے دائیں بائیں سے پھیل کر آگے بڑھے اور راستہ تنگ کر کھڑے ہو گئے ابھی وہ صورت حال کو سمجھ بھی نہ پایا تھا کہ عقب سے کسی نے رستے کا جال پھینکا اور وہ کسی بے بس پرندہ سے کی طرح اس میں پھنس گیا۔ حملہ اس قدر اچانک اور غیر متوقع تھا کہ نیزے کو حرکت دے سکا نہ میان سے تلوار نکال سکا۔ ایک ہی جھٹکے میں ساندنی سے زمین پر پھینچ گیا۔ ساتھ ہی سر پہ بھاری ضرب پڑی اور ہوش و حواس کھو بیٹھا۔

معروف راستوں پر اگرچہ لوٹ مار کا خطرہ کم تھا کیوں کہ تجارتی قافلے محافظ سواروں کی نگرانی میں سفر کرتے اور خطرات سے غٹ لیتے تھے لیکن تنہا سفر کرنے والے اٹاؤ گا مسافر بعض اوقات صحرائی قزاقوں کے ہتھے چڑھ جاتے اور زاد راہ کے ساتھ کبھی کبھی اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے تھے۔

شتر سواروں نے بے ہوش اور زخمی عبداللہ کو اسی کی ساندنی پر باندھا ہیبانی سے جو رقم ملی اُسکی پھر ساندنی کو اپنے حلقے میں لے کر جدھر سے اُسکے تھے، اُسی جانب لوٹ گئے۔



(۲۵)

پریشانی

○

ابن حرب کو فسطاط کے تین مہینے ہو چکے تھے۔ ۲۸۰ ہجری کا جمادی الاول گزر رہا تھا۔ سلیمان بن عامر نے پریشانی سے کوئی نئی اطلاع نہیں بھیجی تھی نہ ابو نصر یا قنوت کے بعد یحییٰ سے جو صے کی، نہ اس کی والدہ اور غلام عبداللہ کے عربش پہنچنے کی اس کے نزدیک ابو نصر یا قنوت جسے ریح النہانی کے آغا تنک لوٹ آنا چاہیے تھا۔ اگر واپس نہیں آیا تو بغداد میں قتل یا گرفتار ہو چکا تھا۔ اُسے خبر ہی نہ تھی کہ وہ منظر سے غائب کر دیا گیا اور ان صحرائی بستیوں میں پہنچ چکا ہے جہاں فسطاط کے مخبر تو کیا، صحرائے سینانی کے گرد و باور بھی داخل ہوتے دُرتے تھے کیوں کہ خلیج عقبہ کے ادھر عرب کی ہواؤں کے مزاج بڑے مختلف اور بادیہ شام کے حاشیوں پر نقل مکانی کرنے والے قبیلے صحرائی بچوں کوں کے ساتھ گزشتہ کرتے تھے کوئی غیر صحرائی آدمی اس حلقے میں داخل نہ ہو سکتا تھا۔ ابو نصر کی واپسی کے ساتھ اب وہ اپنی والدہ اور غلام عبداللہ کی آمد سے بھی مایوس ہو چکا تھا۔

سلیمان نے ہدایت کی تھی۔ بدلے ہوئے حالات میں اسے سوق الخلیل ہی میں رہنا اور شہزادی حکم العلیل کو تریارہ اعظم و میں لینا بندہ، اردیہ اور بنی طولون سے الگ ٹھکانا کرنا ہے۔ قریبی دعوت اور تحریک کو ذہنی طور پر قبول کر لینے کے بعد ابن حرب اس منصوبے کی اہمیت کو سمجھتا اور خود بھی اس میں بڑی شش محسوس کرتا تھا جس کے مطابق اسے بھی ملی غلامی آنکھوں والی طولونی خاتون کو جیتنا یا پھر عراقی بستیوں کی طرف ہجرت کرنا

لے جانا تھا۔ یہ تقدیر کی مہربانی اور ابن حرب کی خوش بختی تھی کہ حسین شہزادی خود اس کی جنگی شخصیت، حربی وحشت اور مردانہ کشش کی گرویدہ ہو گئی اور خوف کے ہر دم میں اس کے ساتھ جینے مرنے کا عہد کر چکی تھی لیکن طوفانی ابل کی ملاقات تنہائی میں نجم العین کے پراسرار خواب کی تعبیر اور ازبا کی طرح "ملکہ صبرا" بننے کا انکشاف کچھ ایسا حیرت انگیز اور گہرا اثریں تھا کہ ابن حرب اس کی تمام تمنائوں کا مرکز اور مستقبل کے خوابوں کا نقطہ تعبیر بن گیا تھا اور اس کے ایک اشارے پر سب کچھ گزرنے پر تیار تھی۔

ابن حرب کے دل میں بھی طوفانی بیوہ کے لیے جذبات کا ایک نیا دم دھڑکنے لگا تھا اسے جتنا اگرچہ قریبی مقصود ہے اور اس کے فرض کا ایک حصہ تھا لیکن نجم العین کے ترک حسن اور لمبی لمبی جادوگر آنکھوں نے اس پر محبت کا سحر چھونک دیا اب وہ جماعت کے مقصد کے علاوہ اسے اپنی دھڑکنوں، اپنی راحتوں، اپنے خوابوں کی تعبیر بنا چکا تھا یہی وجہ تھی نجم العین سے محبت بڑھتی تو ساتھ ہی سلیمان بن عامر اور آقا حسین سے دل چسپی بھی بڑھ گئی۔

طوفانی ابل کی ملاقات کے بعد طوفانی شہزادی کی اپنی زندگی میں ایک بہت بڑی تبدیلی آگئی اور وہ غمگین تان میں چلنے والی تانہ بول کی طرح لڑکھاتی پھرتی تھی اور اب ہر یوم انیسین (جمعرات) کی شام کو سو ڈانی کینز عین کے ساتھ طوفانی ابل کا رخ کرتی۔ طوفانی خواتین جمعرات کی شام ہی کو امام شافعی کے مزار کی حاضری دینے اور خیر و برکت کی دعا مانگنے جایا کرتی تھیں، اسی بہانے نجم العین کو بھی القطار سے نکلنے کا موقع مل جاتا تھا اور ہر جمعرات کو ابن حرب کی جنت کچھ دیر کے لیے آباد ہو جاتی تھی طوفانی خاتون اس پر پہلے سے زیادہ مہربان ہو گئی تھی۔ اس کی کینز عین تحویلی کے زمانہ جھٹے میں سلام کی بیوی کے ساتھ باتوں میں مصروف ہو جاتی اور وہ خود مردانہ جھٹے میں ابن حرب کے کمرے کو بہت افسوس میں تبدیل کر دیتی تھی۔

عورت کا حسن عطر کو بھی فرود کس بنا دیتا اور اس کا صرف ایک لمس جھنجھو وحشی مرد کو مغلوب کر لینے کی طاقت رکھتا ہے۔ وہ جس مرد کو پیار کرتی ہے، اس کے ساتھ عین کی تنہائی اور دشت کی دیرانی کو بھی بارغ بہشت میں بدل دیتی ہے۔ نجم العین نے ابن حرب کے لیے دل کا ہر گوشہ کھول دیا تھا اسے اپنی مہربانیوں سے نوازی اور

ابن حسین مکران میں پھار کر قتل تھی جس طرح باد صبا کا کرنی گستاخ جھوٹا شاخ گل کو لہراتا ہوا گزرتا ہے تو اپنی ٹہنی پر کھلتے پھول اور ادھ کھلے غنچے زیادہ خوب صورت نظر آتے ہیں۔ اسی طرح محبت کی ہوائے اس کے حسن کو کچھ اور نکھار دیا تھا یا پھر اس نے خود کو ایک مکمل طوفانی مجاہد میں ڈھال لیا تھا۔ اب اس کی لمبی لمبی غلامی آنکھیں ابن حرب کو خشن اور غلامی آنکھوں کی آنکھوں سے زیادہ حرا انگیز معلوم ہونے لگی تھیں جی میں ہر شے گال کی کفنی ہی حسین راہیں خوابیدہ تھیں۔

دونوں اس کشش میں تھے کہ کوئی بھی محبت کے اس دل کش منہ سے حصا سے نہ نکل سکے جو انہوں نے اپنے ارد گرد تعبیر کر لیا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کی ضرورت بن چکے تھے اور اب علاج کی ممکن نہ تھی۔ حسین طوفانی بیوہ نے جرأت کا مظاہرہ کر کے ایک شام ابن حرب کو اپنے قہر میں بلایا اور کمرہ خواب میں اسے ملاقات کا شرف بخشا تھا۔ اس طرح القطار میں قہر نجم کا موسم بدل گیا تھا۔ اس بدلے ہوئے موسم نے جو بڑا عشق انگیز اور راحت افزا تھا، ابن حرب کو یہ احساس ہی نہ ہونے دیا کہ مہر اور عراق کے موسم بھی تبدیل ہو رہے ہیں اور ان کے ساتھ ہی بہت کچھ بدل جانے والا ہے۔

ان ایام میں ایک عجیب واقعہ ہوا تھا کہ ابو جیش خمار ویدے بیوہ بن کر اپنے ترک غلام رضوان کی معرفت قہر تصویر میں بلایا اور اس سے ایک مشہور ترک سردار کے متعلق رائے دریافت کی تھی۔ شہزادی نجم یہ بھی شاید جانی اسے کسی اہم عہدے پر ناز کرنا چاہتا ہے۔ اس نے جواب دیا۔ "وہ ہمارے والد مرحوم کے قابل اعتماد سرداروں میں شامل رہا ہے آپ کو کسی معاملے میں دھوکا نہیں دے گا۔"

جس طرح خمار ویدے کا حال بہم بخا تھی اس نے یہ نہیں بتایا تھا کہ ترک سردار کے متعلق اس کی رائے کیوں درکار ہے، اسی طرح طوفانی بیوہ کا جواب بھی سرسری تھا تاہم اس کے جواب سے خمار ویدے کو بات واضح کرنے کا موقع مل گیا۔ "کیا تم اُسے ذاتی طور پر پسند کرتی ہو؟" اب نجم العین اس کے سوال کا مطلب سمجھ گئی اور اس نے دو ٹوک جواب دیا۔ "نہیں" خمار ویدے بایوس ہو گیا۔ "ہم اس کے بارے میں صرف خمار ویدے ذاتی رائے معلوم کرنا چاہتے تھے جب تک نہیں پسند نہیں تو ہم اُسے انکار کر دیں گے۔"

اس کے ساتھ ہی ملاقات ختم ہو گئی اور ملاقات کے ساتھ یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ سلطان

کواس کے عقد ثانی کی فکر ہے، نہ صرف سلطان کو بلکہ طوینی خواتین کو بھی، بعد میں پتا چلا کہ ترک سردار کی سفارش شہزادی عباسیہ نے کی تھی۔ اس کا یہ مطلب تھا کہ خاندان میں اس کے عقد ثانی کے بارے میں سوچا جا رہا ہے۔

اسی شام وہ پھر سوق الخلیل کی حویلی میں موجود تھی۔ اُس نے ابن عرب کو معاملے کی صورت سے آگاہ کر دیا اور اپنی تشویش کا اظہار بھی کیا۔ وہ جانتی تھی کہ ابن عرب کو بتا چکی تھی کہ اس کے طلب گار بہت ہیں۔ انقطاع کا محافظ مردار حارث ترکھن کو سامنے آگیا اور اپنے عشق کا اظہار بھی کر چکا تھا لیکن یہ پہلا موقع تھا جب سلطان ابو جیش خمارویہ نے کسی طلب گار کے متعلق اس کی رائے دریافت کی تھی۔

اس شام بھی سوق الخلیل کی وہی حویلی تھی، وہی کمرہ تھا، جہاں طوینی بیوہ ابن عرب پر ہر بان ہوتی تھی اور وہ اُسے "ملکہ صحرا" کے رتبہ میں دیکھتا تھا، وہی مسند تھی وہی دونوں تھے۔ پہلو پہ پہلو باتیں کرتے رہے اور اُسے اُسے کہہ کر ایک ایک باتیں پریشانی کے لیے میں بولی۔

"مہم نے اپنے ایک امیدوار کے لیے، نکاح کر دیا ہے، کسی دوسرے کے متعلق پوچھا تو اس کے لیے بھی انکا کر دیں گے لیکن میرے طلب گار کے لیے شاید میں موقع نہ دیا جائے اور فیصلہ یک طرفہ ہو جائے۔"

ابن عرب پریشان ہو گیا مگر فسطاط میں پیام کا پابند تھا اور سرائے والے مرضی کے بغیر وہاں سے نکل نہ سکتا تھا۔ اسے وقت کا یا پھر اقا حسین کے اشارے کا انتظار تھا۔ صبح انی بیسیوں میں طوینی شہزادی کے استقبال کی جو تجویز پیش کر چکا تھا، ابھی مسلمان بنام نے اس کے تعلق بھی کوئی اعلان نہ کیا تھی بلکہ پیش سے کوئی خبر ہی نہیں آ رہی تھی۔ اس نے تمایا۔ میں فسطاط میں ابوتیش خمارویہ کے جواب کا اور بغداد سے آنے والی خبر کا انتظار کر رہی تھی مگر میرے سوا کوئی طلب گار نہیں حاصل کر سکے گا۔ ان الفاظ نے طوینی بیوہ کے بدن میں سنسنی کی لہر دوڑادی۔



دوسری شام کو جب آسمان پر چاندی انسانی کا چاند نہ کھ لیا گیا اور یوں شام

ہو گیا تھا، سلیمان بن عامر کا غلام منصور اچانک سوق الخلیل کی حویلی میں داخل ہوا۔ اسے دیکھتے ہی ابن عرب یہ سمجھا شاید اس کی والدہ اور غلام عیش بنح گئے ہیں اور منصوران کی آمد کی اطلاع دینے آیا ہے مگر منصور حویلی میں آئے ہی بڑی متعجب نظروں سے اوجھڑا دھر دیکھنے لگا جیسے کسی کو ڈھونڈ رہا ہو آخر اس نے پوچھ ہی لیا۔

"عبداللہ کہاں ہے؟"

ابن عرب اس کے سوال پر حیران رہ گیا۔ "کون عبداللہ؟"

"آپ کا غلام عبداللہ" اور اس کے ساتھ ہی منصور نے ابن عرب پر بھلی گرا دی۔ "آپ تو عیش سے روانہ ہوئے ہیں روز گزر چکے ہیں۔"

اس سنسنی خیز اطلاع پر ابن عرب سمجھ گئے میں آگیا اور میں گم جم ہو گیا جیسے گویائی اور سماعت تباہی رہی اور جب ذہن میں ہونے والے کڑا کے کی گورگ کم ہوئی اور حیرت کا سکڑا ہوا بار بے چینی سے بولا۔ "مگر عبداللہ عیش کب آیا تھا؟"

منصور بتانے لگا۔ "ابن عرب باقوت چاروں غلاموں سمیت بغداد سے لوٹ آیا تھا۔ لیکن آپ کی والدہ نے مصر آنے سے انکا کر دیا بلکہ آپ کے لیے پیغام بھیجا تھا کہ بغداد واپس آجائیں۔ وہ خلیفہ سے کہہ سن کر آپ کی خطا معاف کر دیں گی جس پر مالک سلیمان بن عام کو برا تعجب ہوا۔ وہ اس بات پر بھی بہت پریشان تھے کہ سلطان خمارویہ نے بغداد کی طرف

"دوستی کا سفیر بھیجا ہے اور خطرہ تھا کہ کہیں مارش کی پالیسی پر ابو نصر یا قوت کو گرفتار نہ کر لیا جائے۔ اس لیے مالک نے اسے چاروں غلاموں سمیت صحرائی بستیوں کی جانب بھیج دیا۔ ابو نصر کو گئے ابھی پانچواں دن گزرا تھا کہ ۹ جمادی الاول کی شام کو عبداللہ ناگماں

عیش میں وارد ہوا، وہ بغداد سے تنہا اور بھگم بھگ اس لیے آیا تھا کہ والدہ کا پیغام اس کو کہیں آپ بغداد کی طرف نہ چلیں کیوں کہ آپ کو نہ صرف بغداد سے بلکہ عباسی سلطنت سے بھی دور رہنا چاہیے ورنہ دشمنوں کی تلواریں آپ پر اٹھیں گی۔ یہ پیغام اسے کراسے بغداد لوٹ جانا تھا مگر جب پتا چلا آپ فسطاط میں ہیں، وہ فسطاط آنے کے لیے مضطرب ہو گیا۔ مالک نے بہتیرا کہا کہ کوئی قافلہ آجائے تو اس سے رات کو سفر کرے لیکن وہ آپ سے

نور ملنا اور فدا واپس جانا چاہتا تھا۔ اسے سوق الخلیل کی حویلی کا پتار سے دیا گیا تھا بلکہ

اب پی سوچ رہے تھے کہ شاید وہ کسی ایسے ہی حادثے کا شکار ہو گیا ہے مگر عبداللہ کو جو حادثہ پیش آیا وہ اس سے کچھ زیادہ بھیانک اور ہولناک تھا کیوں کہ فسطاط کی طرف جاتے ہوئے اس پر لڑائی درندے چھپٹے تھے جو بے ہوشی کی حالت میں اسے ساند ثنی پر باندھ کر لے گئے اور کیا معلوم اس کے ساتھ کیا ہوئی۔ آیا بے ہوشی کے بعد اس کی کچھ مہینیاں کھلی تھی یا کسی دوسری دنیا میں؟

ابن حرب کو عبداللہ کے مدفن کے ساتھ دوسری پریشانی یہ تھی کہ اب بغداد میں اس کی بوڑھی ماں کا پر سان حال کون ہو گا۔ خاندان ہلاک کر دیا گیا تھا۔ بدایا بغداد سے بھاگ آیا تھا۔ غلام مصر میں کسی عمارت کے شکار ہو گیا تھا اور خیزران کی حویلی میں وہ بالکل ریکاؤ نہ کر رہا تھا۔ منصور نے بنایا کہ مالک اس کی والدہ کو بغداد سے لے کر اور مصر بلانے کی ایک اور کوشش کریں گے۔ اب اس کا وہاں رہنا خطرے سے خالی نہیں جس سے ابن حرب کو کچھ ڈر تھا اس ہوئی۔

منصور عیش سے ایک غمزدی پیغام لے کر آیا تھا۔

سیلمان بن عامر نے فسطاط کے بدلے ہوئے حالات کی اطلاعات آقا حسین کے صحرائی حکموں تک پہنچا دی اور ابن حرب کے بارے میں اجازت طلب کی تھی کہ اسے شہزادی نجم العلیل کے ہمراہ فسطاط سے کب نکالنا چاہیے؟ آقا حسین کی ہدایت یہ تھی، خمارویہ کے سفیر حارث کی ملاپسی تک اسے وہیں رہنا اور یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ خلیفہ معتز کے ساتھ کوئی معاملہ طے کر کے آتا یا ناکام لوٹتا ہے۔ اگر خلیفہ نے بنی طورون کی دوستی قبول رکھی تو شاید خمارویہ کا رہی ایک بار پھر تبدیل کیا جاسکے اور وہ عباسی علاقوں کو ناخت و تاراج کرنے کے لیے ابن حرب کی ضرورت محسوس کرے۔ فسطاط میں اس کے قیام کا اصل مقصد یہی تھا کہ وہ بنی عباس کے خلاف خمارویہ کو اپنی ضرورت کا احساس دلائے اس کے برعکس اگر بنی طورون سے خلیفہ کی کوئی بات طے ہو جاتی ہے تو بھی اسے معلوم کرنا ہے کہ بات کہاں اور کن طرح طے پائی؟ اسی پر کسی آئندہ ٹیل کا دار و مدار تھا گویا ابن حرب کو حارث کی ملاپسی تک بہر حال فسطاط ہی میں قیام کرنا اور شہزادی نجم العلیل سے بھی ملنے رہنا تھا۔

دوسرے روز منصور عیش کی طرف لوٹ گیا اور یہ تسلی بھی دیتا گیا کہ وہ عیش کے ساتھ اپنے سفر کے متعلق پرچھنا رہے گا۔ شاید کوئی کھسک مل

جمادی الاول کو علی الصبح عیش سے روانہ ہوا بلکہ عین روانگی کے وقت سلامہ نے اسے آپ کے لیے ایک خط بھی بیا تھا۔ مالک کا خیال تھا شاید آپ نے اسے فسطاط میں رک لیا ہے مگر آپ کہتے ہیں عبداللہ ہاں نہیں آیا۔ اگر یہاں نہیں آیا تو پھر کہاں چلا گیا؟ منصور کی زبانی یہ راز و اس کر ابن حرب دم بخود رہ گیا۔ ماں کا مہر آنے سے انکار کرنا بلکہ اسے بغداد بلانا پھر فوراً ہی عبداللہ کو تنہا عیش کی طرف دوڑا دینا کہ رہ بغداد نہ آئے اور عباسی سلطنت سے بھی دور رہے کسی اچھے سے کم نہ تھا مگر اس سے بڑا اچھا یہ تھا کہ عبداللہ بغداد سے عیش پہنچ گیا مگر عیش سے فسطاط نہ پہنچ سکا اور کہیں راتے ہی میں غائب ہو گیا۔ حیرت اور مدے سے ابن حرب کا ذہن مغلوچ ہونے لگا۔ منصور نے اپنے اندیشے کا اظہار کیا۔ ”صحرائی قزاق اتکاؤ کا مسافر کی تاک میں رہتے اور دن دھڑے انھیں لوٹ لیتے ہیں ممکن ہے عبداللہ کو ڈاکوؤں نے لوٹ لیا اور کہیں زخمی کر کے پھینک دیا ہو؟“

اس سے صرف یہ سوچا جاسکتا تھا کہ شاید وہ زندہ اور کہیں زخمی پڑا ہو مگر کوئی زخمی پانی، خوراک اور علاج کے بغیر زیادہ دن زندہ نہیں رہ سکتا اگر وہ چلتے پھرنے کے قابل تھا یا کسی راہ گیر نے اسے زخمی حالت میں دیکھا ہو تو ابھی کسی نہ کسی ذریعے عیش کی کارواں سرائے یا فسطاط میں سوئی لیل کی حویلی تک اس کی خبر پہنچ سکتی تھی جب میں روز ایک کسی بھی جگہ ایسی اطلاع نہیں پہنچی تو اس کا زخمی ہونا یا زندہ رہنا قریب قیاس نہ تھا۔ یہی بات ابن حرب کو پریشان اور مایوس کیے رہتی تھی کہ اگر وہ زندہ ہوتا تو اس کے بارے میں کوئی نہ کوئی اطلاع ضرور ملتی۔ عبداللہ کے ساتھ کوئی اور حادثہ پیش آیا تھا۔ منصور نے ایک نیا حادثہ ظاہر کیا۔ ”کچھ عرصے سے القنطرہ کی صحرائی ٹی پر ایک درندہ بھی دیکھا جا رہا ہے اور مالک نے عبداللہ کو اس خطرے سے آگاہ کر دیا تھا۔“

سلامہ نے اس بات کی تصدیق کی تو گزشتہ دنوں جب میں عیش گیا تو القنطرہ میں درندہ کے متعلق کچھ تھا جس نے ایک فلاح کو جو القنطرہ کی جانب آ رہا تھا اس کے گرد سے سمیت ہلاک کر دیا اور فلاح کی لاش اٹھا کر لے گیا تھا۔“

جائے کہ اسے کیا حادثہ پیش آیا تھا راستوں کے فزاق کبھی کبھار کسی مسافر کو پر غماں بھی بنا بیٹے اور رقم لے کر چھوڑ دیتے تھے کیا عجیب عبد اللہ کو بھی یہ خیال بنایا گیا ہو۔

منصور کی واپسی کے بعد ابن حرب نے طرطری شہزادی کو سارے معاملے سے آگاہ کر دیا اور یہ پہلے کھول دیا کہ ایک نئی صحرائی ریاست کے قیام کی خاطر دو حریف طاقتوں کے درمیان فوجی تصادم کی ضرورت ہے۔ ”صحرائی ریاست“ کے ذکر سے ہی طرطری بیوہ کی شریانوں میں لہو کی روانی تیز ہو گئی، اب ابن حرب نے پہلی مرتبہ اپنے مذہبی شیخ کی بات چھڑ کر اس کی دل چسپی میں مزید اضافہ کر دیا اور بتایا کہ مذہبی شیخ کے فترے پر باد یہ نشیں نہ لیں اپنے سبب عظم اٹھالیں گے اور وہ خود ان لشکروں کو لے کر میدان جنگ میں اترے گا کیسکں اچھا جنگ جو قائد صرف جنگ نہیں لڑتا بلکہ اس کا اچھا نتیجہ چاہتا ہے۔ وہ کچھ نقشے تیار کرتا اور اپنے طائفہ در دشمن کو ضعیف کر دینے کے لیے اس کے دوسرے حریفوں سے بھی کام لیتا ہے اور فسطاط میں اُس کے قیام کا مقصد یہی ہے۔

ابن حرب نے جو اشارے دیے شہزادی خیم اٹھیں عاف صاف سمجھ گئی۔ اب خود بھی بڑی شدت سے حادث کی واپسی کا انتظار کرنے لگی۔ چاہتی تھی کہ وہ بغداد سے ناکام واپس آئے مگر وہ نہیں جانتے تھے کہ مصر اور عراق کے درمیان حالات کی رفتار بدل گئی تھی وقت دبے پاؤں آگے گزر گیا تھا اور وہ اُس کے قدموں کی چاپ بھی نہیں پاتے تھے۔

بحاروی اٹائی گزرنے لگا اور ستائیس تارچ کا لون طلع، سوا تو ایک سوار مصری نالے کی واپسی کا مزدور لے کر آیا۔ حادث نے سلطان ابو جلیش خمار دیہ اور اپنے آقا شیبان کو اطلاع دی تھی کہ میسر سے پہر اس کا قافلہ فسطاط پہنچ جائے گا۔ اُس کے ہمراہ خلیفہ المسلمین کا خاص مشیر اور عباسی ولی عبد الجبار علی کا اہلیق ابوالحسن قاسم بن عبد اللہ بھی سلطان معظم سے ضروری گفتگو کرنے آیا ہے۔ اس نے سلطان سے درخواست کی تھی کہ فریقین کے درمیان دوستی کی خوشی میں ابوالحسن کا شایان شان استقبال کیا جائے۔

یہ اطلاع فی الواقع کسی مزدور کا ہاں خزا سے کم نہ تھی۔ خمار دیہ نے نہ صرف خلیفہ معتضد باللہ کے مشیر خاص ابوالحسن ناکم کا پر جوش استقبال کرنے کا حکم دیا بلکہ حادث ابو ظفر کی شاہانہ پذیرائی کا بھی اہتمام کیا جو اپنے سفر سے کامیاب لوٹا تھا۔ سلطان خمار دیہ اگر اقطاع کے شاہی محل میں معانوں کی واپسی کا منظر نہ تھا تو شہزادہ شیبان نے شہر سے

باہر نکل کر قافلے کا استقبال کیا۔ سلطان کے دونوں بیٹے حبیش اور اردزن شہر پناہ پر قافلے کے انتظار میں تھے۔

یہ خبر سن کر کہ بنی طویون اور بنی عباس میں باہم دوستی ہو گئی اور خلیفہ معتضد باللہ نے طویونی حکومت کو تسلیم کر لیا ہے۔ لوگ بحوم در و م قافلے کا استقبال کرنے اُٹھ آئے۔ سردار حادث ابو ظفر اچی کا میابی کی دستاویز ہاتھ میں لے کر شہر میں داخل ہوا تھا۔ فسطاط میں ایسا فقید المثال جلوس شاید کسی حکمران کے لیے بھی آراستہ نہیں ہوا ہوگا جیسا جلوس حادث ابو ظفر کی واپسی پر دیکھنے میں آیا۔ لوگوں کے لیے یہ بات بھی حیرت و دل چسپی کا باعث تھی کہ جتنی سواریاں حادث کے ہمراہ بغداد گئی تھیں، ان سے دگنی سواریاں فسطاط آئی ہیں اور عباسیہ کے نامدار حکمران نے مصری تحائف کے جواب میں صرف سلطان ابو جلیش خمار دیہ اور شہزادہ شیبان ہی کو تحفے نہیں بھیجے بلکہ تمام طویونی شہزادوں اور شہزادیوں کو تحائف میں شریک کیا ہے۔

حادث ابو ظفر کی روانگی اگر حیرت انگیز تھی (کیوں کہ باہمی دشمنی کی وجہ سے دوستی کی امید نہ ہونے کے برابر تھی) تو اُس کی واپسی کسی عجوبے سے کم نہ تھی۔ خلیفہ معتضد نے دوستی کا ایسا بھرپور مظاہرہ کیا تھا کہ دشمنی خواب و خیال معلوم ہونے لگی۔

حادث ابو ظفر کی واپسی اور استقبال کا نظارہ ابن حرب نے بھی دیکھا اور قلب ذہن پر کئی حیرتیں گزریں۔ اس کے نزدیک ایک ناقابل یقین واقعہ ظہور میں آ گیا تھا۔ ایک ان ہونی ہو گئی تھی۔ وہ سمجھتا تھا خمار دیہ کے پاس مصر و شام سے زیادہ قیمتی شے کوئی نہیں جس کے عوض خلیفہ معتضد سے اپنی ریاست اور حکومت کو تسلیم کر اسکے مگر اسے یہ علم نہ تھا کہ خمار دیہ کے پاس مصر و شام سے بھی قیمتی ایک شے موجود تھی اور اب حادث کے واپسی کا منظر دیکھ کر حسوس کرنے لگا تھا کہ مصر کی زمین اُس کے قدموں تلے سے نکلی گئی ہے۔

اسی شام کعب القطائع کے شاہی محل میں بہت بڑی قربانت کا ہنگامہ ہوا تھا، جہاں بنی طویون کے تمام مردوں اور خواتین کے علاوہ امرا، سردار، شیوخ اور ان کی بیگمات اور تمام طبقوں کے نمائندہ لوگ مدعو تھے۔ شہزادی خیم الخیم سوق الخیل میں ابن حرب سے ملاقات کر رہی تھی۔ وہ جس امید پر یہاں پہنچا تھا اُس سے حالات کی گردش یا تقدیر کی ضرب نے

چلن چور کر دیا تھا۔ اس کے نزدیک اب بنی عباس اور بنی طہون میں کوئی فرق نہ رہ گیا تھا۔ دونوں اپنی دشمنیاں ماضی کے طاغیوں میں دکھ کر دوستی کی دہلیز پر اکٹھے ہو گئے تھے مگر وہ نہیں جانتا تھا۔ دوستی کس شرط پر ہوئی ہے۔ طہونی بیوہ نے جو تمام معلومات حاصل کر چکی تھیں بتایا۔

”اسامہ قطر الندی دوستی کی شرط قرار پائی ہے۔“

ابن حرب کے ذہن میں بیک وقت کئی بھیلیاں گونگئیں اور شہزادی نجم العلیل اجمال کی تفصیل بیان کرنے لگی۔ ”ابو جیش نے بنی عباس سے دوستی کے لیے قرابت داری کی بنیاد رکھی اور بنی سلطان قطر الندی کو عباسی ولی عبدالرحمن محمد علی کے عقد میں دینے کی تجویز پیش کی تھی مگر خلیفہ معتقد نے قطر الندی کو اپنے لیے قبول کر لیا اور دوستی کی یہ شرط ٹھہرائی کہ قطر الندی اس کے عقد میں دی جائے۔ اس کا مشیر ابوالحسن قاسم بھی شرط منوانے کے لیے مصر آیا ہے ابو جیش نے فوراً شرط قبول کر لی اور کہا ”یہ تو بڑے فخر کی بات ہے کہ ہماری بیٹی ولی عہد کی بجائے خلیفہ اسلمین کی زوجہ بنے۔“

یہ تفصیل یا انکشاف سن کر ابن حرب کا ذہن اسی طرح سسنا اٹھا جیسے کسی نے سر پر تھوڑے سے ضرب لگائی ہو۔ ایک دم مسند سے اچھل کر فرش پر آگیا۔ نجم اس حرکت کی نظروں سے دیکھنے لگی وہ خود فرش پر حیران و ششدر سا کھڑا تھا کہ حافظے پر کارروائیاں کی اس رات کا منظر ابھرا، جب نقاب بوزن اُٹا حسین سمرائے دار کے ساتھ بنی سلطان اسامہ قطر الندی کے خواہیدہ حسن کا نظارہ کر کے بے چین ہو گیا اور اس نے ”طہونی عذاب“ کو اپنی حرم بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ساتھ ہی ذہن میں سلیمان بن عامر کا یہ فقرہ گونج گیا ”اُٹا نے قطر الندی کو پسند کر لیا ہے تو حضور ہی کے حرم میں داخل کی جائے گی۔“

لیکن وہ بنی طہون اور بنی عباس کے درمیان دوستی کی شرط قرار باجی اور اب معتقد ابوالعباس کے جاث نکاح میں دی جا رہی تھی ابن حرب کے دماغ سے ایک خیال بگولنے کی طرح گزر گیا۔ شہزادی نجم حیران تھی کہ بچانے کیا سوچ رہا ہے لیکن ابن حرب نے اسے کسی سوال کا مرنج نہ دیا اور خود ہی بتانے لگا۔ ”میں معتقد ابوالعباس کا خواب منتشر کر دوں گا۔ صرف چند روز کے لیے مجھے تم سے رخصت ہونا ہے۔“

”کیا کرنے جارہے ہو، کہاں جا رہے ہو؟“

”یہ نہ پوچھو، صرف میری واپسی کا انتظار کرو۔“

اس کی گفتگو کا ہر لفظ، ہونٹوں کی ہر جنبش اور ہر لہجے کا آواز چرچساؤ ایک ہی جانب اشارہ کر رہا تھا کہ اس نے اپنے دشمن کے خلاف کوئی اہم فیصلہ کر لیا ہے۔ اب کچھ پوچھنا بیکار تھا تاہم نجم جو پوچھنا چاہتی تھی ابن حرب نے کسی سوال کے بغیر ہی اس کا جواب دیدیا۔ ”شاید مجھے واپسی میں ایک عشرہ لگ جائے اور ایک عشرہ (دس یوم) کوئی لمبا عرصہ نہیں۔“

اس کا دھڑے پر طہونی شہزادی اس سے رخصت ہوئی۔



معتقد کی ہلاکت کے بعد اس کے باپ کے قتل میں بھی استحقاق کی گئی پھر انھوں نے رانہ کی خاطر زمین کے پیٹ میں اتار دی گئی۔ بہر حال باپ کا انتقام واجب تھا۔ معتقد ابو عباس ہی اُس کا نشانہ بننے والا تھا۔ بروہ اس پر پہلا وار کرنے جا رہا تھا تاہم اُس کے دل کو دھچکا لگے۔ وہ اپنی آرزوؤں کی شکست سے دوچار ہوا۔ رانہ کا کام حسرتوں کا نام کرے۔

اسی جوش میں اعریش کا سفر بہت تیز رفتاری سے طے ہوا۔ دوسرے دن شام کے گھرے اندھیرے میں وہ کارواں سرانے کے دروازے پر گھوڑے سے اترا تو گھوڑا رانہ کے حوالے کر کے کُرا سے اطمینان میں رہے، خود دروازے کی طرف بڑھا۔

غالباً سرانے میں کوئی کارواں نہ آتا تھا۔ وہ چل پھل تھی جو کارواں کی آمد سے ہو جاتی تھی۔ مگر یہ خالی لگ رہے تھے البتہ قدیم میں ہر طرف فردوزان تھیں۔ اوضہ الدوا (بالکے) میں رہنے والوں کا چھٹا ہوا تھا اور اندر سے نچری کی نقاب اور اُس کے چھناکوں کی مریبقتی پر گانے کی بڑی دلکش آواز سنائی دے رہی تھی۔ رقص و غنا کی ایسی مجلس خاص ہانوں ہی کی نظر معتقد ہوتی تھی۔ ابن حرب نے سوچا۔ شاید کوئی شاہی رئیس سرانے میں آتا ہے اور دروازے میں داخل ہوا۔

دروازہ اُسی سقہ (ڈیوڑھی) میں کھلتا تھا جہاں دونوں جانب سے زینے اور پرکی منزل پر جاتے تھے۔ سامنے رہاڑا تھی۔ جو بھی اُس نے ڈیوڑھی میں قدم رکھا، ایک پارہاں جو ڈیوڑھی میں کھڑا ہو بیٹھی اور غصے لطف اندوز ہو رہا تھا، چونکا اور اُسے روکنے کے لیے فوراً پھٹا لیکن اُسے واسطی شنگلی دیکھی، تو ایک طرف ہٹ گیا، بلکہ ذرا جھلک بھی گیا۔ ابن حرب رہاڑی سے سیدھا ہال کمرے کی جانب بڑھا۔

یہ دای کرا تھا، جہاں کوٹان ترک اور اُس کے ساتھی اپنے انجام کو پہنچے تھے اور کُن وہیں رقص و غنا کی محفل بہا تھی۔ مگر سے کا دروازہ بند تھا۔ اُس نے ایک جھٹکے سے کواڑ کھول دیا۔ درجیران دشت شد رہ گیا۔ سامنے آقا حسین سبز لباس پہنے، سر کے ٹکے یا نطق سے نصف چہرہ ڈھلپے مسند پر جلوں آ رہا تھا۔ مسند کے پایوں میں یا پھر آقا حسین کے قدموں میں سلیمان بن عامر بیٹھا تھا اور فرخ ش کے قالین پر نیم عریاں لباس میں ایک نوجوان اور خیر صبرت زرقا صہ تجری بجا کر رقص و غنا کے جادو کو بکھیر رہی تھی۔ ابن حرب اُسے دیکھ کر نقش حیرت بن گیا وہ آقا صاف کی طبعیت کی بہ دمنہ تھی۔ پہلے تو یہی گمان گزرا، شاید دھوکا کھو رہا ہے لیکن اُس پر نگاہ

(۲۶)

حلول

○

دوسرے دن ابن حرب کا گھوڑا اعریش کی جانب اڑا جا رہا تھا۔ نئی طوٹوں سے خلیفہ معتقد کی دوستی، ایک اہم خبر تھی مگر اُس سے اہم خبر یہ تھی کہ اسما (قطر اللہ) معتقد کو پہلی جارہی ہے اور اب وہ سلیمان بن عامر کے پاس اس لیے جا رہا تھا کہ سرانے دار اُسے آقا حسین کے حوائی فیموں کا راسخہ دکھائے تاکہ یہ سستی خیر خود آقا حسین کے گوش گزار کرے اور اُس کا نتیجہ دیکھے۔

معتقد نے اُس پر بغداد کے دروازے بند کر دیے تھے اور اب خمار میر سے دوستی کر کے فسطاط بلکہ پورے مصر کی زمین اُس کے پاؤں تلے سے کھینچ لی تھی۔ ابن حرب کا جذبہ انتقام چاہتا تھا کہ وہ بھی اُس دوستی کی دیوار گرا دے جس نے اُس کے کام راستے روک لیے تھے اور جس لوگ کو خلیفہ اپنے حرم میں داخل کرنا چاہتا ہے اُسے کسی دوسرے حرم میں داخل کیا جائے۔ وہ صرف حوائی فیم تھا۔ اس طرح اُس نے اپنے قمر ملی آقا کی پسلی خدمت سرانجام دینے کا فیصلہ کر لیا۔

دل میں انتقام کا جو الجھڑک رہا تھا۔ ذہن میں ماضی کے کچھ منظر اور کچھ سامنے گزر رہے تھے۔ اُن مایوں میں معزول خلیفہ معتقد علی اللہ کا سایہ، معتقد ابو عباس کا سایہ، بلکہ جو ک خاتون کا سایہ، اتر صادق فلسطینی کنیز دمنہ کا سایہ اور اُس کے باپ حرب اکندی کا سایہ بھی شامل تھا وہ کھٹا تھا ان ساری مصیبتوں کی وجہ فلسطینی کنیز دمنہ تھی۔ خاتون کا سایہ کا سایہ

پڑنے ہی دمنہ کے رقص کی گنت اور نغمے کی تان ٹوٹ گئی اور خود جو اس ہو گئی۔

ابن حرب نے سر سے پاؤں تک پہچان لیا، وہی تھا۔ پھر خون میں انتقام کا شعلہ جھلکا اور ایک پل کے اندر تلوار میدان سے باہر آگئی۔ اُس اُواز کے ساتھ ہی جو میدان سے تڑا کھینچے سے پیدا ہوتی اندرون میں ہول پیدا کر دیتی ہے، دمنہ کی تیغ بلند ہوئی۔ تیغی اُواز سے چھوٹ کر فرش پر گری اور خود موت کی دہشت سے کانپنے لگی مگر اس سے پہلے کہ تلوار اپنا کام کرتی، سبز پوش آقا پر جہاں آواز میں گر جا۔ "ابن حرب! دمنہ ہماری امانت ہے۔" ساتھ ہی مسند سے گود کر دمنہ اور ابن حرب کے درمیان حائل ہو گیا۔ ابھی تلوار وہیں گر گئی،

ابن حرب نے دمنہ کے قتل سے ہاتھ اٹھایا۔ تلوار آقا حسین کے قدموں میں ڈال دی شاید مصلحت یہی تھی لیکن مصلحت سے زیادہ اس میں کسی پُر اسرار طاقت کا دخل بھی تھا جس نے اُسے تلوار پھینک دینے اور "سبز تیغ" کے سامنے جھکنے پر مجبور کر دیا تھا۔

جتنی تیزی سے آنکھ بک جھپکتی ہے۔ اتنی ہی تیزی سے آقا حسین مسند سے اٹھا تھا، ابن حرب نے بس اس کا ہاتھ بلند ہونے دیکھا۔ ایک آواز سنی پھر ذہن پر دھند سی چھا گئی اور بارگے تیغ زن فضا میں اٹھا رہا جیسے کسی طاقت نے اُسے پکڑ لیا ہو۔ نجانے یہ پُر عجب اُواز کا اثر تھا یا کچھ اور کہ اس کا بازو حرکت نہ کر سکا۔ ایک پل سے بھی قلیل ٹپ میں آقا حسین فرش پر گود چکا اور ان دونوں کے درمیان حائل ہو گیا تھا پھر یوں لگا اگوا کسی دستِ غیب نے تلوار اُس کے ہاتھ سے چھین کر آقا حسین کے قدموں میں ڈھیر کر دی ہو۔ ساتھ ہی وہ جھکا اور گھٹنے ٹیک کر دوڑا تو ہو گیا۔ اس معاملے میں اُس کے ارادے کا دخل تھا یا نہیں لیکن ذہن پر سبز دھندلڑ رہی تھی اور اسی سبز دھند میں ایک آواز جکر کاٹ رہی تھی۔ "دمنہ ہماری امانت ہے۔"

ابن حرب یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ جھک خاتون کی ہلاکت کا راز اور الزامِ مذکور کی خدمت گزار کبیز جو اس کے باپ حرب اکندی کے قتل کا ذریعہ بنی، آقا حسین کی امانت کس طرح ہو سکتی ہے؟ اسی عالمِ حیرت میں اپنے کندھوں پر ہاتھوں کا دباؤ محسوس کیا۔ سبز آقا اسے بازوؤں سے پکڑ کر قدموں سے اٹھا رہا تھا اور جب وہ کھڑا ہوا تب بدلے ہوئے لیچ میں جو بڑا نرم تھا اور پٹھری آواز میں جو شیر پٹھری تھی اس سے مخاطب ہوا۔

"ابن حرب! تم نے ہمارا حکم مانا اور ہماری خاطر اپنا سر تسلیم خم کر دیا جو اطاعت کرتا ہے، وہ غایت کا حق دار ہوتا ہے۔ ہم بھی تمہیں اپنی عنایات سے سرفراز کریں گے۔"

پھر جھک کر تلوار اٹھائی اور اُس کے حوالے کر دی۔ "تمہاری تلوار صرف ہمارے دشمنوں کے خلاف اٹھے گی، بنات العرب پر نہیں، اسے میدان میں رکھو۔"

اس نے تلوار میدان میں ڈالی تو "سبز آقا" نے اس کی پشت پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا "اب اگر ہم حقیقت بیان کریں اور تم توجہ سے سنو تو ہماری یہ ملاقات نتیجہ خیز ثابت ہو سکتی ہے۔"

پُر اسرار حسین کی شخصیت ابھی تک ابن حرب کے وجود پر اپنا سایہ ڈال رہی تھی مگر وہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مدتِ کثرت میں ڈال رہی ہے۔ خیال آیا شاید وہ آقا حسین سے اس لیے مرعوب ہو گیا تھا کہ خود کو تحریکِ قرامطہ سے وابستہ کر چکا ہے یا پھر اس لیے کہ یہ ملاقات بالکل خلاف توقع تھی اور خلاف توقع ملاقات میں کچھ اضطرابی باتیں غیر معمولی اثر کرتی ہیں۔ دمنہ بھی کسی طلسم ہوش ربا کی طرح بالکل ناگہان نظر آئی تھی۔ اور اس پر حملہ بھی ایک اضطرابی فعل تھا جسے آقا حسین نے اپنے حکم یا پُر اسرار طاقت سے روک دیا اور ابن حرب ابھی تک ایک ایسی کیفیت سے دوچار تھا جو اسے متفصل کیے دے رہی تھی۔ اس نے ایک بار پھر سر اطاعت خم کر دیا۔ آقا حسین اسے بازو سے پکڑ کر مسند پر لے گیا اور اپنے پہلو میں بٹھایا۔

یہ اعزاز "اخوان" میں سے کسی کو حاصل نہ ہو سکا تھا کہ وہ نائب امام کی مسند پر اس کے پہلو میں بیٹھے جو آگے چل کر خود امام بننے والا تھا۔ سلیمان بن عامر جیسا سرگرم رہی اور معتقد مشیر بھی جس نے جہوت کے لیے بڑی اہم خدمات سر انجام دی تھیں آقا حسین کے قدموں میں بیٹھا اور اس وقت بھی ادب سے گردن جھکائے، سر ہواڑے ایک طرف کھڑا تھا۔ فلسطینی کبیز دمنہ رقص کے لباس، پشتوازا اور صدرہ (سینہ بند) میں نیم عریاں کی کسی ڈری اور سخی ہوئی کیوتری کی طرح اپنے اوپر چھپنے والے عتاب کو خوف زدہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ مسند پر بیٹھے ہی پُر اسرار حسین نے وہ بات پھیر دی جس نے ابن حرب کے ذہن میں پچھل سی ڈال رکھی تھی۔ کہنے لگا۔

"ابن حرب! تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ دمنہ الزامِ مذکور کا راز تھا جسے والد

کے قتل کا ذریعہ بنی یہ ہماری خاص کینز ہے اور ہمارے حکم پر بغاوت بھی گئی تھی۔ اسے
 بنی عباس کے در احمد بن میں سے کسی ایک احمد کو ختم کرنا تھا۔ نئے خلیفہ معتقد باللہ احمد
 کو یا معز بن خلیفہ معتقد علی اللہ احمد کو۔ حرب الکندی کا کام صرف یہ تھا کہ وہ دمنہ کو افرات
 میں پہنچا دے اور اس نے اپنا کام بڑی ہوشیاری سے پورا کیا۔ دونوں ایک ہی مقصد
 میں شریک تھے اور جب دو افراد کسی مقصد میں شریک ہوں، وہ ایک دوسرے کے رفیق
 ہوتے ہیں دمنہ کو اپنی انگوٹھی کا زہر معتقد پر آزمائے کا موقع نہ مل سکا۔ وہ گنتی کی چند
 راتیں افرات میں گزارتا ہے، اس کی راتیں اور اوقات منقسم ہیں گزرجیک خاتون کے
 دل میں پیدا ہونے والا تجسس کہ معز بن خلیفہ اس کے شوہر کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے
 بعد بھی بنی طولون کے پراسرار قاصدوں سے میل جول کیوں رکھتا ہے، معتقد کی موت کا بہانہ
 بن گیا۔ جیک خاتون نے اس کے دل میں جھانکنے کی خدمت دمنہ کے پیروں کی حرب الکندی
 نے جیک خاتون کی فرمائش پر معتقد کی گئی کوہ شاہراہ کو سامرہ بھاگ دیا اور اس کی جگہ دمنہ کو
 قصر معتقد میں چھوڑ آیا۔ ۶۹ رجب کی رات کو جب یہ اپنا کام ختم کر کے قصر کے اس حصے
 میں اتاری جو دمنہ کے رخص واقع ہے تو حرب اس کا منتظر تھا۔ وہ دمنہ کو اپنی حفاظت میں لے
 کر شوینہ دیہ کے ایک مکان میں پہنچا جہاں ان دونوں کو چند روز روپوش رہنا اور پھر
 شام کی طرف گرج کرنا تھا مگر بغداد میں دمنہ اور حرب کی تلاش اس طرح شروع ہوئی کہ رگانی
 تجربہ ایک شونیزیر کی خانقاہ تک پہنچ گئے اور دونوں کو اپنی خفیہ کمین گاہ سے اتر اتوی
 میں دریائے دجلہ کی طرف بھاگ پڑا تا کہ تھکنی پر کوفہ کی جانب نکل جائیں اور وہاں سے
 فوجیوں کی صحرائی بستیوں کا رخ کریں مگر دجلہ کے گھاٹ پر حرب کی مدھیٹر ایک ایسے مقام
 سے ہو گئی جو اسے جانا تھا۔ اس نے حرب کو گرفتار کرنے کی خاطر اپنے ساتھیوں کو آواز دی
 مگر اس سے پہلے کہ کوئی آواز دمنہ نے اپنا ہلالی شجر اس کے سینے میں ترازد کر دیا اور حرب
 کو سے کر بھاگ۔ ملاح گھائل ہو کر گر پڑا لیکن گرتے گرتے اس نے شجر اپنے سینے سے نکال کر
 حرب پر پھینکا جو دمنہ کے عقب میں تھا۔ شجر اس کی پشت میں اتر گیا اور چوں کہ زہر میں گھلا
 ہوا تھا اس لیے ملاج کے ساتھ حرب کے لیے بھی جان لیوا ثابت ہوا۔ دمنہ نے حرب کو بچانے
 کے لیے جو کوشش کی تھی، فوج بیکارگی لگ چڑھا تا کہ اندھیرے میں بھی بچائی جماعت کے
 ایک داعی رضا خیل کی تمام گاہ نگ پڑ گئی اور وہیں چھپی رہی۔ آخر ہمدے داس نے دمنہ

کو یہاں پہنچا دیا۔ یہ ہے اصل واقعہ اب تم خود فیصلہ کر سکتے ہو کہ دمنہ جزا کی مستحق ہے
 سزا کی نہیں۔

یہ داستان اسرار میں کہ ابن حرب و رطہ حیرت میں ڈوب گیا۔ اسے اب معلوم ہوا کہ
 فلسطینی حیدرہ جیک خاتون کی نہیں بلکہ "سز آقا" کی آواز کا تھی یہ انکشاف بڑا حیرت انگیز
 تھا کہ دمنہ ایک خطرناک مقصد کے لیے بغداد بھی گئی تھی مگر اس سے بھی بڑا اور سنسنی خیز
 انکشاف یہ تھا کہ اس کا باپ اور اترہ خاندان کا دار و فر حرب الکندی اس خطرناک مقصد میں فلسطینی
 کینز کا رفیق اور مددگار تھا اگرچہ جاعت کا رکن اور آتما حسین کے حکم کا پابند تھا۔ یہ بات
 ابن حرب کے علم میں تھی کہ اس کا باپ باطنی عقیدے سے دل چسپی رکھتا اور کبھی کبھار شونیزیر
 کی خانقاہ میں جایا کرتا تھا لیکن یہ حقیقت بھی کے کڑا کے کی طرح آشکار ہوئی کہ وہ تحریک
 قرامطہ کا پیروکار اور امام۔ کچی قرامطی کو مددگار موعود کا اپنی سمجھتا تھا۔

معتقد کے قتل کی روداد سن کر یہ خیال بھی نقش بر آب ثابت ہوا کہ دمنہ اس کے
 باپ کی قاتل یا قتل میں شریک تھی۔ اس کے برعکس اس نے حرب کو گرفتاری سے بچانے کی
 خاطر ایک ملاح کو اپنے خچر سے ہلاک کر دیا اور یہ محض اتفاق یا تقدیر تھی کہ حرب کی موت
 بھی اسی زہر انکو خچر میں چھپ کر بیٹھ گئی اور وہ ایک مقصد کی خاطر جاں بحق ہوا۔

وہ قرامطہ کی خفیہ تحریک کے بارے میں کچھ زیادہ معلومات نہ رکھتا تھا نہ اُسے باپ
 کی طرح کسی باطنی مسلک سے دل چسپی تھی۔ وہ تو سمجھتا تھا، اس کا باپ اترہ خاندان کی سازش
 کا شکار ہوا اور جیک خاتون کے ونازار غلاموں کے ہاتھوں مارا گیا ہے اس کی اپنی گرفتاری
 کا حکم اس خیال کی تصدیق کرتا تھا۔ وہ گرفتاری سے بچنے اور باپ کا انتقام لینے کی خاطر
 عربی پہنچا تو یہاں اس کے سرے دار و درست نے تحریک قرامطہ کے بارے میں حیرت انگیز
 معلومات فراہم کیں اور مشورہ دیا کہ انتقام کا مقصد پورا کرنے کے لیے کسی طائفہ کا اس
 کی پشت پر ہونا ضروری ہے۔ اسی رات سبز پوش آقا کی شخصیت سامنے آئی جو اپنا
 نصف چہرہ ہمیشہ چھپائے رکھتا تھا اور ابن حرب خلیفہ معتقد کے خلاف اپنے جذبہ انتقام
 کی تکمیل کے لیے تحریک قرامطہ میں شامل ہوا۔ مگر یہ حقیقت کئی پراسرار تھی کہ باپ پہلے ہی سے
 اس کا رکن اور جاعت ہی کی خاطر اپنی جان سے اتار بیٹھا تھا۔

یہ بات سلیمان بن عامر سے پوشیدہ نہ ہو سکتی تھی کہ حرب الکندی جماعت کا رکن۔

اور بغداد میں دمنہ کا منگوا رکھا لیکن اس نے ابن حرب سے سب کچھ چھپائے رکھا البتہ اسے جماعت کے مقصد کی ترغیب دیتا رہا حتیٰ کہ باپ کی طرح بیٹا بھی جماعت کے لیے اپنا تن من قربان کر دینے پر تیار ہو گیا۔ اس طرح عربی کی یہ ضرب المثل پوری ہوئی کہ "ألوکد سبت" بلاشبہ (بیٹا اپنے باپ کا بھید ہوتا ہے)۔

اس سنسنی خیز انکشاف کے بعد کہ باپ بیٹا دونوں ایک ہی جماعت، ایک ہی تحریک اور ایک ہی مقصد سے وابستہ ہوئے۔ ابن حرب کے دل میں اس وابستگی کا نقش کچھ اور گہرا ہو گیا۔ اس کے نزدیک یہ پراسرار تقدیر ہی تھی، جو اسے عجیب و غریب حالات میں بغداد سے نکال کر ایش میں لے آئی اور تقدیر ہی اس جیسے جنگی مرد کو قرامطہ کی چوٹ پر کھینچ لائی تھی تاہم وہ باپ کی وفاداری کو تازہ کرے اور جو واقعات ابھی عدم کے حجابوں میں پچھے ہیں، معضوبہ وجود میں آئیں۔

ابن حرب کے ذہن سے یہ ساری باتیں کبھی تیز رفتار خواب کی صورت گزرتی رہیں اور جیسے خوابوں میں منظر آنا فنا تبدیل ہو جاتے ہیں، اسی طرح زندگی کے واقعات بھی حیرت انگیز سرگشتی کے ساتھ پیش آئے تھے جنہیں اس نے ان دیکھی قدرت کا فیصلہ یا پھر پراسرار آقا حسین کا بلاوا سمجھ کر قبول کر لیا۔

اسے خاموش اور گم غم دیکھ کر "سبز آفتاب" نے اپنے بازو کو حرکت دی اور کہا "ابن حرب! تم اس باپ کے بیٹے ہو، جو جماعت کی خاطر جاں بحق ہوا۔ ہمیں بھی حرب کی رحلت کا حدسہ ہے مگر وہ بغداد میں ہلاک ہوا ہم بالواسطہ طور پر حلیفہ معتضد بنی کو اس کا قاتل سمجھتے ہیں۔ جس نے اس کی تلاش و گرفتاری کا حکم جاری کیا تھا اور باپ کا انتقام تم پر واجب ہے۔" ابن حرب نے پراسرار حسین کا مطلب سمجھ لیا اور اطاعت کے لہجے میں کہا "و سیدنا انتقام نہ لینا ایک بہادر عرب کی غیرت سے بعید ہے۔"

"ہم تمہیں انتقام کا پورا موقع دیں گے۔"

"اور جماعت کا مقصد میری زندگی کا مقصد ہو گا۔"

"مرحبا....." آقا حسین نے کلمہ تحسین بلند کیا۔ "ہمارا خیال ہے دمنہ کے بارے میں تمہارا دل صاف ہو چکا ہو گا۔"

"میں شرمندہ ہوں کہ دمنہ پر تلوار اٹھانے کی غلطی کی اور میری غلطی غلط فہمی کا

نتیجہ تھی۔"

"دمنہ تم سے ڈر گئی ہے، ہم چاہتے ہیں کہ تم اس کا خوف دود کر دو۔" پھر آقا حسین نے فلسطینی کینز کی طرف دیکھا جو ابھی تک سہمی کھڑی تھی۔ "دمنہ! آگے آ جا۔"

حکم سننے ہی وہ فوراً آگے بڑھی اور سند کے قریب آ گئی۔ آقا حسین نے دمنہ کو حکم دیا۔ "ہمارے مکان سے ہاتھ دلا۔"

دمنہ کی نظریں اس جنگ جو وحشی مرد کے چہرے پر مرکوز تھیں، جس نے اس پر تلوار اٹھائی تھی اور اپنا خوب صورت ہاتھ آگے بڑھایا۔ اب "سبز آفتاب" نے ابن حرب کو دیکھا اور دمنہ کے ہاتھ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"پکڑو اور چومو۔"

اس نے کسی سحر زدہ آدمی کی طرح تعمیل کی، دمنہ کا خوب صورت، نرم و گداز ہاتھ اپنے سخت کھروسے انقباض میں تھا، ابھی پھر اس ہاتھ کو ہونٹوں کے قریب لے گیا اور اسے بوسہ دیا۔ دمنہ کے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔ ایک باعت کے لیے دونوں کی نظریں ٹکرائیں اور جیسے بجلیاں ٹکرائیں، ہوں مگر ان بجلیوں کے کڑا کے دونوں نے اپنے دلوں میں محسوس کیے۔ غالباً آقا حسین نے بھی ان کی نظروں کو باہم مٹھانے دیکھا یا اور ان کا منہ سمجھ لیا تھا۔

اب ایک ایک نیا لڑک سناٹا دی۔ "دمنہ!"

یہ بجلی فلسطینی کینز کے دل پر گری اور اس کی آواز بھی رعد کی طرح جماعت سے گونجی۔ دمنہ کا منہ گئی۔ ابن حرب نے گہرا اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور آقا حسین نے کینز کو سزا سنائی۔ "اتنی بے قرار نہ ہو دمنہ! تیری خدمت کا صلہ دیا جائے گا مگر مہمان کا احترام واجب ہے۔"

دمنہ ابن حرب کے سامنے ادب سے جھک گئی اور اس نے پریشان نظروں سے آقا حسین کی طرف دیکھا۔ "سیدنا! کیا مجھ سے پھر کوئی غلطی سرزد ہوئی ہے؟"

"نہیں۔" پراسرار آفتاب نے ذرا معنی جواب دیا۔ "نظروں کی خطا جزا جاتی ہے۔"

سلیمان بن عامر جو ابھی تک خاموش کھڑا تھا آگے بڑھا اور پہلی بار گفتگو میں شریک ہوا۔ "سیدی! میرا درست و واقعی جزا کا مستحق ہے مگر میں اس کی اپنا ک

”مصرف شرطمان لی بلکہ وہ اس بات پر خوش ہو کہ اس کی بیٹی خلیفہ معتمد جیسے
عادل مرد کی عروس بنے گی لیکن میں یہ سن کر پریشان ہو گیا اور رئیس کی طرف بھاگتا کہ اپنے
دوست کو اس ناشدنی خبر سے مطلع کروں۔ میں نے سنا تھا قطر الندی کو سیدنا پند کر چکے
اور اپنی حرم بنانا چاہتے ہیں۔“

ابھی آقا حسین نے کسی بے چینی کا اظہار نہیں کیا تھا کہ سلیمان بن عامر نے ہاتھ کو بین
دکھائی جیسے کچھ کاٹ دیا اور پر جوش لہجے میں کہا ”بغداد کے شاہی محلات کی
دریں اپنے بنانے والوں کا ماتم کر رہی ہیں اور خمارو یہ کی بیٹی ان محلوں میں داخل نہیں
ہو سکتی۔“

پھر وہ آقا حسین سے مخاطب ہوا ”سیدی ابن حرب کو میں نے بتایا تھا کہ
شہزادی قطر الندی کو قاتلے اپنے لیے پسند کر لیا ہے مگر خمارو یہ نے لڑکی کا عقد خلیفہ
سے منظور کر لیا تو میرا دوست فسطاط سے بھاگتا کہ آپ کو اطلاع دی جائے۔“

اس اثنا میں آقا حسین نے اپنی بے چینی پر کچھ قابو پایا مگر بڑے ٹھہرے
لہجے میں کہہ ”سلیمان! ہمارے ذاتی معاملے سے تمہارے دوست کی اتنی گہری
دراپسی اور بے قراری دراصل سہاری ذات سے شدید وابستگی کا ثبوت ہے۔ ہم بھی
ابن حرب کے ساتھ ذاتی لگاؤ رکھتے ہیں۔ اسی لیے ہم نے طوینی بیوہ نجم اللیل کو تمہارے
دوست کے لیے اور شہزادی قطر الندی کو اپنے لیے پسند کیا کیونکہ عالی نسب حرمیں اپنے
شوہر کو تقویت دیتی اور اس کے قبیلے یا مقصد کی کامیابی کا وسیلہ بنتی ہیں۔“

ابن حرب اگرچہ پہلے ہی جانتا تھا لیکن اب حیدری ہوئی کہ طوینی شہزادیوں کے
مصلحت کا مقصد اپنی ذات کے علاوہ جماعت کو تقویت دینا ہے۔ ”پھر آپ نے قطر الندی
کے لیے پیغام کیوں نہ بھیجا سیدنا؟“

”ہم نے امام بیہی البراقم کو اپنی پسند سے بے گاہ کر دیا اور پیغام کے بارے میں
ان کا مشورہ طلب کیا۔ ان کا خیال تھا کہ سلطان خمارو یہ پیغام مسترد کر دے گا وہ فرج بن بیہی
ناشانی کے بیٹوں کی طاعت کو نہیں جانتا نہ فی الحال کسی کو اپنی دینی اور دنیوی طاقت سے
انکار کرنے کی ضرورت ہے۔ جماعت کو دقت سے پہلے منظر عام پر لانا خطرناک ہو سکتا ہے
اس لیے ہم نے پیغام بھیجا مناسب نہ تھا۔“

پھر وہ اس سے براہ راست مخاطب ہوا۔ ”ابن حرب فسطاط کس حال میں ہے؟
سراے دار کے سوال پر ابن حرب اچانک اپنی آمد کا مقصد یاد آیا اور نہ عیش
میں آتے ہی وہ جس واقعے سے دوچار ہوا اس نے زہن کو اس قدر منتشر کر دیا تھا کہ
اپنے آنے کا مقصد ہی بھول گیا۔ اب فسطاط کے ذکر پر چرچا اور بولا۔

”فسطاط کے حالات بگڑ گئے دوست!“

”وہاں کیا ہوا؟“

ابن حرب بتانے لگا۔ ”حارث فسطاط لوٹ آیا اور اس کے ساتھ خلیفہ معتمد کا نام
مشیر ابوالحسن قائم بن عبد اللہ بھی آیا ہے جس کا فسطاط میں فقید الملل استقبال کیا گیا؟
سلیمان بن عامر نے خیال ظاہر کیا کہ ابوالحسن غالباً خلیفہ کی طرف سے کچھ نئی شرطیں
لے کر آیا ہوگا کہ خمارو یہ انہیں مانے تو دوستی کا معاہدہ ہو جائے۔“

”دوستی کا معاہدہ تو ہوگا سلیمان! حارث بغداد سے کامیاب لوٹا اور جب فسطاط
میں داخل ہوا تو معاہدے کی دستاویز اس کے ہاتھ میں تھی۔ خلیفہ معتمد نے من لاکھ
دینار سالانہ کے عوض تیس برس کے لیے طوینی ریاست کو تسلیم کر لیا ہے۔“

یہ ایک حیرت انگیز خبر تھی جس نے سراے دار کے ساتھ آقا حسین کو بھی حیران کر دیا
اُس نے بڑے اضطراب سے مسند پر ہلچل بدلا اور پوچھا ”جب فریقین میں معاہدہ
ہو گیا اور خلیفہ نے طوینی ریاست کو تسلیم کر لیا پھر ابوالحسن قائم کیا لینے آیا ہے؟“
”خلیفہ معتمد نے دوستی کی شرط قطر الندی ٹھہرائی ہے۔“

آقا حسین کا نصف چہرہ اگرچہ اس وقت بھی غامض کے ”ذیل“ سے ڈھکا ہوا
اور چہرے پر گزرنے والے تاثرات کا پورا اندازہ لگانا مشکل تھا لیکن پرکشش سیاہ
اور گہرے آنکھوں میں کووندی ہوئی حیرت کی بجلیوں سے معلوم ہوتا تھا کہ قطر الندی والی
شرط نے دل کا سکون پھینک دیا ہے۔ تڑپ کر پوچھا ”قطر الندی کی کیا شرط ہے؟“

”جو شرط بیان کرنے لگا۔“ خمارو یہ نے اپنی بیٹی معتمد کے لڑکے ابو محمد علی
کے عقد نہ ریتے کی پیش کش کی تھی مگر خلیفہ نے معاہدے کی شرط یہ رکھی ہے کہ اسما
قطر الندی اس نے نکاح میں رہی جائے۔ ابوالحسن قائم یہی شرط متوانے آیا ہے۔“

”کیا خمارو یہ نے شرط مان لی؟“

”پھر قطر اندی کا کیا ہوگا؟“

”کیا ابو الحسن قاسم اس کی مدد ساتھ لے کر جائے گا؟“

”میں نے شہزادی نجم سے پرہیز کیا تھا۔ اس کا خیال ہے وہ صرف نسبت طے کرنے آیا ہے اور خارویہ ابو جلیش نے خلیفہ معتمد سے ملنے کی نسبت اس لیے منظور کر لی ہے تاکہ معاہدہ واجب العمل اور وہ طرہوں کی ریاست کا تسلیم شدہ ”سلطان“ سمجھا جائے۔“

”ہمارا بھی یہی خیال ہے۔ خارویہ بیٹی کی رخصتی میں دیر لگائے گا تاکہ اس سے قبل طرہوں کی سلطنت اور بنی عباس کے باہمی تعلقات مستقر ہو جائیں اور دنیا جان لے کہ جو بنی طرہوں نے جو علاقے دولت عباسیہ سے الگ کر لیے تھے، ان پر عباسی خلیفہ بنی طرہوں کا مودہ و حق تسلیم کر لیا ہے۔“

”لیکن سیدنا! آج نہیں تو کل قطر اندی کی رخصتی بہر حال ہوگی۔“

آقا حسین نے ابن حرب کی پریشانی کو بھانپ لیا اور کہا: ”ہم قطر اندی سے دست بردار نہیں ہوئے۔ جب اس کا عہد تیار کیا جائے گا تب خارویہ کو ایک پیغام ملے گا کہ بیٹی کی رخصتی روک دے اگر اُس نے ہمارے پیغام پر عمل نہ کیا تو نتیجہ جھگڑے کا ہوگا۔“

ابن حرب سمجھ گیا قطر اندی کے لیے جنگ ہوگی یا پھر باد فیضیں لے لے کہیں رستے میں اٹھا کر لیں گے اور آقا حسین کے صحرائی خیموں میں پہنچا دیں گے۔ وہ بھی چاہتا تھا کہ ریت خارویہ معتمد تک نہ پہنچ سکے۔ رشتہ فرات میں اس نے ابو عباس کو مشورہ دیا تھا کہ دشمن کی بیٹی کو بھولی جائے اور دشمن کو بارگھنے لگو اس کا مشورہ مسترد کر دیا گیا اور جب کسی کا مشورہ مسترد کر کے اس کے اُلٹ کا کیا جائے تو وہ اس کام کو قطعاً پسند نہیں کرتا یہاں تو معاملے کی صورت ہی کچھ اور تھی۔ آقا حسین نے اگر خوب صورت طرہوں کی بیوہ کا قتل اس سے نام ڈالا تو طرہوں نے ”عذر“ لگوا دیا۔ ”یہ پسند کر چکا تھا پھر وہ کیسے گوارا کر لیتا کہ معتمد ابو عباس جواب اس کا دشمن تھا طرہوں نے ”عذر“ کی راحتوں سے کٹھن اندوڑ ہو۔“

آقا حسین نے کچھ سوچ کر سرائے دار کو توجہ دلائی۔ ”سلیمان! خارویہ اور خلیفہ معتمد میں دوستی ہو گئی ہے اور اب ابن حرب کا فسطاط میں ٹھہرنا مناسب نہیں۔ یہ شہزادی نجم کو لے کر صحرانے سفر کرے۔“

سرائے دار نے چونک کر سر جھٹک دیا اور کہا۔

”سیدی! ابی شہزادی نجم کا فسطاط سے فرار خطرناک ہوگا۔ طرہوں کی خبر نجم اور ابن حرب کی ملاقات میں سیدھے عیش پیچیں گے اور بڑا ہنگامہ ہوگا۔“

سید آقا نے معاملے کی نوعیت پر غور کیا اور کچھ سوچ کر کہا: ”ہمارے نزدیک اب ابن حرب کو فسطاط چھوڑ دینا ہوگا اور شہزادی نجم کو بھی البتہ یہ کام اگر کسی ہنگامے کے بغیر نہ انجام پائے تو زیادہ بہتر ہے۔“

”اس کی ترکیب یہ ہے نجم فی الحال الفسطاط میں رہے اور ابن حرب واپس نہ جائے بلکہ مشہور کر دیا جائے کہ خلیفہ سے ابو جلیش خارویہ کی دوستی کا حال سن کر وہ کہیں فرار ہو گیا اور شاید قیر دان کی طرف بھاگ گیا ہے۔ خارویہ اور سلیمان دونوں اس بات پر یقین کر لیں گے اس لیے میں ابن حرب صحرائی بیٹیوں میں روپوش رہے گا اور کسی مناسب وقت پر شہزادی نجم کو الفسطاط سے نکال لائے گا۔ اس صورت میں میں بھی بری الزمرہ سمجھا جاؤں گا اور عیش کی کارواں سرائے پر لمبی کوئی حرف نہیں آسکتا۔“

سلیمان بن عامر کی یہ الگھی تجویز سن کر آقا حسین نے پسندیدگی کا اظہار کیا کیونکہ ابن حرب کہنے لگا: ”مجھے ایک بار فسطاط ضرور جانا اور شہزادی نجم سے ملنا ہوگا تاکہ اسے منصوبے سے آگاہ کر سکوں اور وہ مقررہ یوم کو الفسطاط سے نکلنے کے لیے تیار رہے۔“

”نجم کو اس منصوبے پر کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا؟“

”میرا خیال ہے نہیں وہ صحرا کے خواب دیکھتی اور ہر قیمت پر اپنے خوابوں کی تعبیر چاہتی ہے۔“

آقا حسین پر جوش بھے میں بولا: ”ابن حرب! اگر وہ جماعت کے لیے کام کرے گا تو اس کے ہر خواب کی تعبیر دیا کی جائے گی۔ صحرائی بیٹیوں میں اس کی حیثیت کسی ”ملکہ“ سے کم نہیں ہوگی کیوں کہ ہم بادیریش قبائل پر جنھیں عسکری تربیت دے کر شاہی لشکر دان کے ساتھ جنگ کے لیے تیار کر دو گے ہمارے نائب اور حاکم ہو گئے۔“

ابن حرب پر ایک خوش گوار حیرت گزر گئی۔ ”کیا سیدنا! مجھے اپنا نائب مقرر کریں گے؟“

”صرف نائب نہیں، ہم تمھیں اپنا مفتی، اپنا دوسرا بنائیں گے اور خود کو نکھارے۔“

”مفتی کیوں گے؟“

کونسی جوش میں آقا حسین پھر مسند سے اٹھ کر فرش پر آگیا اس کے ساتھ
ای ابن حرب بھی اٹھا اور "سبز آقا" نے اُسے بازوؤں سے پکڑ کر بے اختیار سینے سے
لگا لیا۔ سینے سے لگا کر اس طرح بھیجنے، دبانے اور مسونے لگا جیسے لوگ اپنے کسی عزیز
عزیز کو رخصت کرتے وقت یا عرصہ دراز کے بعد ملنے ہوئے بڑی گرم بوشی سے بغل گیر
ہوتے ہیں۔ لیکن آقا حسین نہ تو ابن حرب کو رخصت کر رہا تھا نہ وہ اُس کا کوئی انتہائی
قربانی ہو رہا تھا، جو طویل مدت کے بعد ملا ہوا، بلکہ ابن حرب سے سیلنہ بر سیلنہ ملنے اور
ہم آغوش ہونے کا یہ منظر کسی اور ہی نوعیت کا تھا۔ آقا حسین نے اُسے پوری طرح اپنے
بازوؤں کے حلقے میں لے کر سینے سے سیلنہ اس طرح ملا دیا تھا جیسے خود اس میں ڈوب
رہا یا اپنے جسم کی کوئی طاقت اس کے جسم میں منتقل کر رہا ہو۔ اگر اس ہم آغوشی میں کوئی دلدادہ
روحانی جذبہ کارفرما تھا تو پراسرار حسین کی آنکھوں میں بھی ایک نکلی سی دھڑکتی پھرتی شمع
جس سے معلوم ہوتا تھا کہ خود برق دم ہو رہا اور گویا اپنے وجود کو اس کے وجود میں تبدیل
کر دینا چاہتا ہے۔

اس دالہانہ ہم آغوشی اور بغل گیری کا عرصہ ٹھہرے بخرویل ہوتا گیا جس نے سلیمان
بن عامر اور فلسطینی کبیر دمنہ کو متحیر کر دیا۔ ان کے لیے یہ بات بڑی عجیب اور حیرت انگیز
تھی کہ آقا حسین ابن حرب کے ساتھ خود دھڑے دالہانہ انداز سے بغل گیر ہو رہا تھا مگر اس
طرح دیر تک سینے سے سیلنہ ملائے رکھنا اور پل پل ایک نامعلوم بے قراری کا اظہار کسی
اچھے سے کم نہیں تھا۔

دونوں حیرت زدہ سے ہم آغوشی کا یہ عجیب منظر دیکھتے رہے جو بغل گیری سے
زیادہ ان کے دھل اور اہلکاروں کی یہ مشتعل تھا جیسے ایک کا دوسرے کے اندر ادغام یا
حلول ہو رہا ہو۔ آخر طویل ہم آغوشی کا یہ سلسلہ ختم ہوا۔ آقا حسین نے ابن حرب کو خود سے
الگ کیا پھر اُس کے کندھوں پر دونوں ہاتھ رکھ دیے اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر
بڑے پُر جمال روحانی لہجے میں کہنے لگا۔

"ابن حرب! آج ہم نے اپنے آپ کو تمہارے اندر داخل کر دیا اور خود تمہارے
وجود میں منتقل ہو گئے ہیں۔ آج سے تم ہمارے نائب بلکہ ہمارے نکل ہو اب ہمارے
اور تمہارے درمیان کوئی دُورئی، کوئی جُدائی، کوئی علاحدگی نہیں رہی۔ آج کے بعد جب تم

کسی پر حملہ کر دے تو دراصل ہم حملہ کر رہے ہوں گے۔ تم کی پر غالب آؤ گے تو حقیقت
میں ہم غالب آئیں گے اور جب تم اپنے اندر سے باہر آؤ گے تو دراصل ہمارے اندر
سے باہر آؤ گے کیوں کہ اب تم ہمارے منتقل یعنی ہمارے "دوسرے" ہو۔ تمہارا دل
رحم سے بیگانہ ہے۔ تمہارے کان فریاد سے نا آشنا ہیں اور تمہاری تلوار کی ضرب
جان لیوا ہے اسی لیے ہم نے تم پر اعتقاد کیا اور تمہیں اپنا منتقل بنایا ہے۔ آج کے بعد اپنی
کمزوری کو طاقت میں، اپنے پیار کو غصے میں، اپنی نرمی کو وحشت اور ہیبت میں بدل دو
جہت کے لیے تمہارے اندر تباہ جوش اور مقصد کی خاطر نیا جہنم ہوا چاہیے جو جوش
اور جہنم ہی تم جیسے جنگی مرکب کو دوسروں پر سبقت اور غلبہ عطا کرے گا۔"

آقا حسین نے جو کچھ کہا وہ صرف ابن حرب کے لیے ایک عجوبہ نہ تھا بلکہ مراے دار
اور فلسطینی کبیر دونوں کے لیے بھی بے حد حیرت انگیز اور سنسنی خیز تھا وہ اگرچہ حلوں کے
قائل اور یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ خدا کی روح جو بغیروں اور اماموں کے اندر داخل ہو کر
معجزات دکھاتی ہے اسی طرح امام کی روح کسی دوسرے کے جسم میں حائل ہو جاتی اور
علم و عمل میں اپنے جیسا بنا دیتی ہے لیکن انھوں نے حلوں یا انتقال روح کا منظر پہلی بار
دیکھا تھا جس میں آقا حسین نے خود کو ابن حرب کے اندر منتقل کر کے اسے اپنا منتقل یا ہمزاد
بنالیا تھا اگر وہ مکمل طور پر بغل گیر ہو کر کوئی جذبہ کوئی طاقت یا اپنی روح اس کے
وجود میں داخل کرتا رہا تو گفتگو کے وقت بھی جب وہ آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دُورئی
اور علاحدگی کو ختم کرنے اور اسے اپنا منتقل یا اپنا "دوسرا" بنا لینے کا اظہار کر رہا تھا اس
کی آنکھوں کی پراسرار طاقت ابن حرب کو مسحور کیے دے رہی تھی اور وہ محسوس کر رہا تھا
جیسے اس پر عمل تو یہ کیا جبار ہو یا آنکھوں سے نکل کر کوئی شے اس کے قلب و ذہن میں
اگر وہی ہو۔

وہ سلوک اور منظر جس سے ابن حرب پہلی مرتبہ دوچار ہوا، بہر حال حیران کر دینے
والا تھا۔ سلیمان بن عامر اور دمنہ کے نزدیک بھی انتقال روح یا انتقال ذات کا عمل بڑا

قرامط کی طرح دوسرے باطنی فرقے بھی حلوں کا یہی استدلال کرتے تھے کہ کوئی
وقت یا روح اندر منتقل ہو جاتی ہے۔ مادی دلیل یہ تھی کہ جس طرح لوہا آگ میں چڑ کر
رقیقہ جاشیدہ لگے صفی ہو

دمنہ کی کہانی

پیش کی وہ رات ان تمام راتوں سے زیادہ حسین اور خوشنظر تھی جو ابن حرب یہاں گزار چکا تھا۔

اس رات کارواں سرائے میں نہ کوئی اچھی مہمان وارد ہوا نہ مشرق یا مغرب کی جانب سے کسی کارواں کے آنے کی توقع تھی۔ سرائے کے تمام کمرے خالی تھے اور سیلہ بن عامر کے غلاموں، خادموں، نوکروں، خدمت گار، رکابوں اور کنبہوں کو عرف آقا حسین یا ابن حرب کی خدمت کرنا تھی۔ سرائے دار نے سب لوگوں کو بتا دیا تھا کہ سیدنا حسین نے اس کے جنگ جوا اور بہادر در دست کو اپنی قوت قدسیہ سے فیض یاب کیا اور اپنا مٹی (اپنا دوسرا) قرار دیا ہے۔ سرائے کے لوگ اگرچہ پہلے ہی سلیمان کے دوست کی حیثیت سے ابن حرب کا احترام کرتے تھے لیکن اب ان کی تعظیم و تکریم کے انداز بھی بدل گئے اور وہ اس کی یوں عزت کرنے لگے جیسے آقا حسین کی کرتے تھے۔

سلام نے جو چند ٹھوں کے پیاس کے سامنے آئی کیوں کہ بڑی مصروف دکھائی دیتی تھی پر جوش الفاظ میں اسے "اَتَيْتُ اَهْلًا وَطَلَبْتُ سَهْلًا" کہا جس کا مطلب تھا

اے اہل! و سہلا! محذوف ہیں جن سے اَتَيْتُ اور وَطَلَبْتُ کے الفاظ حذف کر

رہے۔ اس سے مراد ہے کہ میں نے تم کو ملنے کے لیے اصل فقرہ دی ہے جو ہم نے نقل کیا ہے (ابن جواد الفہم)

انوکھا بڑا عجیب لیکن بڑا آفرین تھا۔ اس عمل کے ساتھ ہی ابن حرب کی شخصیت بالکل تبدیل ہو گئی اب وہ آقا حسین کا نائب ہی نہیں اس کا خلیفہ بھی تھا۔

کسی جزوہ آدمی یا معمول کی طرح اس نے ہر بات سے اتفاق کیا جو اس کی تبدیلی ذات کے بارے میں کی گئی جو نئی آقا حسین اسے چھوڑ کر تھے ہٹا سلیمان بن عامر اور دوسرے ذرا آگے بڑھے اور مٹی کے سامنے ٹھک گئے سرائے دار نے اپنے دوست کو مبارکباد دی۔ ابن حرب اگرچہ کادون تھا ہی زندگی کا بہترین دن ہے کہ نائب امام نے جو خود امام بننے والے ہیں انھیں اپنا مٹی بنایا اور وہ اعزاز دیا جو آج تک کسی کو نہیں دیا گیا۔ یس میں خوش نصیبی پر تھیں مبارک باد دیتا اور اپنا سر تھارے سامنے خم کرتا ہوں۔

دمنہ نے بھی اس بات پر خوشی کا اظہار کیا کہ آقا حسین کا جو ہر ذات ابن حرب میں بدل کر گیا اور اب اس کی حیثیت آقا حسین کی سی ہو گئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ مجلس ختم ہو گئی جو دراصل رقص و غنا کی محفل تھی مگر ابن حرب کے آتے ہی اس کی نوعیت تبدیل ہو گئی تھی اور اس مجلس کی طرح اب ابن حرب بھی بدل گیا تھا۔



بقیہ حاشیہ

آگ کا رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ اسی طرح جب امام کی روح کسی میں حلول کر جاتی ہے تو اسے اپنے رنگ میں رنگ لیتی ہے۔ (قرآن جلد ۱)

کہ تم میرے اہل یعنی میرے اپنے ہو اور اپنوں ہی کے پاس آئے ہو میرا مکان صاف
تھرا ہے اور تمہارا آنا میرے لیے راحت بخش ہے۔

پھر اُسے سلام کر قافان کمر کی طرف چلی گئی جو سلیمان کے خاص مہمانوں کے لیے
دقت تھے اور وہ دیکھتا ہی رہ گیا سلام کرنے جن الفاظ میں اُسے خوش آمدید کہا، ان
سے اشارہ ملتا تھا کہ اُس کی آمد کو اپنے لیے راحت بخش قرار دینی ہے۔ ملاقات کے
لیے آئے گی۔

محفل سے فارغ ہونے کے بعد آقا حسین فلسطینی کینز دمنہ کے ساتھ اس رہزنی
میں غائب ہو گیا تھا، جہاں چند کمرے نجی مہمانوں کے لیے مخصوص اور سلیمان کی ذاتی رہائش گاہ
سے ملتی تھی اور جہاں وہ خود بھی ایک کمرے میں چند راتیں گزار چکا تھا مگر اس مرتبہ اس
کے قیام کا انتظام کسی دوسری جگہ کیا جا رہا تھا۔

اسی اثنا میں سرائے دار اپنے کمرے سے نمودار ہوا اور اسے ساتھ لے کر نینے کی
جانب ہولیا، دوسری منزل پر حسب سے الگ قفل ایک بڑا کمر صرف سلطان ابو جیش
خارویہ کے لیے وقف تھا اور یہ کمر اسی وقت کھولا جاتا تھا جب وہ شام فلسطین کے
طرف جاتے ہوئے یا دمشق اور القس سے مصر کی جانب آتے ہوئے عیش کی کارواں
سراٹے میں قیام کرتا تھا۔ ابن حرب جانتا تھا وہ شاہی کمر سلطان خارویہ کے علاوہ کسی
دوسرے مہمان کے لیے نہیں کھلتا خواہ سلطان کا کوئی بھائی یا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

سلیمان بن عامر اسی کمرے کے دروازے پر رکا۔ ابن حرب یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ
دروازہ ہمیشہ مقفل رہتا تھا کیوں کہ خارویہ شاذ و نادر ہی سفر کرتا اور سرائے میں
ٹھہرتا تھا، کھلا ہوا تھا اور غالباً تھوڑی دیر قبل صفائی ستھرائی کی خاطر کھولا گیا تھا سلیمان
اس کی رہنمائی کرتا کمرے میں داخل ہوا۔ جو القطار کے کسی حجرہ راحت کی طرح سامانہ
آرائش سے آراستہ دیراستہ اور سات شاخے فانوس میں جلتی بڑی بڑی کافوری شمعوں
سے نور تھا۔ ابن حرب نے کمرے کی آرائش پر نظر ڈالی پھر چشم حیرت سے اپنے دوست
کی طرف دیکھا۔

سراٹے دار نے اس کی حیران نظروں کا مفہوم سمجھ لیا اور جواب دیا اب تم
آقا حسین کے نائب اور صحرائی قبیلوں کے نامزد حاکم ہو رہے ہو تمہاری حیثیت کسی سلطان

بادشاہ سے کم نہیں۔

سلیمان بن عامر کے الفاظ سن کر، مزید حیران ہوا حالانکہ مخصوص کمرے میں
ٹھہرانے کا مقصد غالباً یہ تھا کہ وہ خود بھی اپنی نجی حیثیت کا احساس کرے۔ سرائے دار
اسے حیرت زدہ سا چھوڑ کر کمرے سے نکل گیا اور وہ سوچنے لگا کہیں یہ سب کچھ خواب
تو نہیں انسان جب سوئے ہے، اکثر خواب دیکھتا اور وہ کہتا ہے تو اس کی تعبیر نکالنا
ہے لیکن وہ بیداری کی حالت میں خواب دیکھ لے گا۔ کم از کم آج کے واقعات کسی حسین
خواب یا طلسم ہی کی طرح پیش آئے تھے۔

ابھی اسی ادھیر لٹی میں تھا کہ سلیمان کا غلام منصور ایک بڑے شاہی طباق میں کھانا،
پانی کی مراچی، حیفہ کی انڈری شرب کا ایک بوسہ قراہ اور لبنانی کاپڑ کے کوب (گلاس)
لے کر داخل ہوا۔ پیچھے پیچھے فلسطینی کینز دمنہ بھی اسی نیم عریاں لباس بشووار اور صدرہ
(سینہ بند) میں نمودار ہوئی جس میں اُس نے قص کیا تھا۔ منصور نے طباق ایک چوڑی
تخت پر رکھ دیا جس پر قافلین بٹھا تھا اور سلام کرتا اُلٹے قدموں کمرے سے
نکل گیا۔ دمنہ بھی قریب آکر جھکی اور تقریباً بارگور کی حالت میں چلی گئی۔ جیسے اس پر آقا حسین
کے شفیق کی ہیبت طاری تھی۔

یہ سب کچھ کسی سحر و خواب کی طرح دل آویز اور حیرت انگیز تھا۔ اپنی حالت پر خلیفہ
ارون الرشید اور ابو الحسن کا وہ قصہ یاد آیا جسے داستان ہر ابقا کے بازاروں میں
لوگوں کو سنایا کرتے تھے، وہی سوتے جگتے کا قصہ ابو الحسن رات کو سوتا تو اپنے جھونپڑے
میں تھا لیکن ادھی رات کو آنکھ حسین کینزوں کے درمیان قصر زبیرہ میں کھلتی تھی جن پر
کوہ قاف کی پریوں کا گمان ہوتا تھا۔ اس وقت دمنہ بھی کسی فلسطینی نجیت کی صورت
میں موجود تھی۔

دمنہ نے کھلے دروازے کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ ”دروازہ بند کروں اب
یہاں کوئی نہیں آئے گا۔“

دوسری منزل پر تمام کمرے خالی اور سناں تھے۔ صرف اسی کمرے میں روشنی
اور زندگی تھی جہاں وہ دونوں تہا تھے۔ ابن حرب نے جواب دینے کی بجائے خاموشی بہتر
سمجھی اور دمنہ کی نیم فضا کے اندر اپنی طرف بڑھی، دونوں کو اذیت دینے

کڑی چڑھاہی اور لوٹ آئی۔ اب دونوں مکمل تجلیے میں تھے۔ اچانک ابن حرب کو خیال آیا شاید آج آقا حسین کے شہنشاہ کی حیثیت سے اس کا امتحان لیا جا رہا ہے کہ وہ اس امتحان میں کہاں تک پورا اترتا اور برکتِ فلسطین کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے؟ آقا حسین نے دمنہ کو اپنی امانت قرار دیا اور ابن حرب کو اس کی طرف سے اپنا دل صاف کر لینے کی ہدایت کی تھی تاکہ آئندہ بنات العرب کے لیے اس کے رویتے میں درستی اور سستی نہ ہو۔ یہ بھی لکھا تھا آج سے وہ اپنی کمتری کو طاقت میں، اپنے پیاد کو غصے میں، اپنی نرمی کو وحشت اور ہیبت میں بدل دے۔

عجب بات یہ تھی، اس نے دمنہ کو ابن حرب سے اتھڑا ملنے اور اسے دمنہ کا ہاتھ چوم لینے کا حکم دیا تھا اور جب اتھڑا پر دیے جانے والے بوسے سے فلسطینی کیز کے جسم میں سنسنی دوڑ گئی تو اسے سرزنش کی گئی تھی کہ کسی بے قراری کا اظہار نہ کرے لیکن رات کو دمنہ اس کی خواب گاہ میں بھیج دی گئی تھی حالاں کہ وہ سلامہ کے آنے کی توقع رکھتا تھا اور جو کچھ پیش آگیا تھا اس کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اس نے دمنہ کا جائزہ لیا اور سپاٹ لبھے میں، جس سے کسی خاص رویے کا اظہار نہیں ہوتا تھا کہا: ”جب تین سرائے میں ٹھہرتا ہوں، سلام میری دیکھ بھال کرتی ہے۔“
 ”وہ آقا حسین کی خدمت میں ہے؟“ دمنہ آہستہ سے مسکرائی تبتم زیر لب سے اس کے حسین اور نگین جذبے کا اندازہ لگانا مشکل نہ تھا۔ ”آج آقا نے تمھاری...“
 وہ کچھ کہتے کہتے فوراً کی پھر گفتگو کا صیغہ تبدیل کیا اور بتائے لگی: ”آج آقا نے آپ کی خدمت کا موقع مجھے دیا ہے، تاکہ اگر آپ اپنے والد کے بارے میں مجھ پر کوئی شک کرتے ہوں تو اسے دُور کر دوں۔ بغداد کے متعلق مجھ سے کچھ پوچھنا چاہیں تو جواب اسے دوں۔“

ابن حرب کے نزدیک یہ سب باتیں غیر ضروری اور صرف ملاقات کا ذریعہ پیدا کرنے کے لیے تھیں۔ وہ نہ جانتا تھا کہ دمنہ اس کے پاس کیوں بھیجی گئی ہے اور قرامطہ کے مسلک میں یہ کوئی غیر معمولی اور انوکھی بات نہ تھی۔ انوکھی بات صرف یہ تھی کہ آقا حسین نے دمنہ کو اپنی امانت قرار دیا تھا اور آج رات ”اپنی امانت“ اس کے سپرد کر دی تھی۔ شاید اس لیے کہ انتقالِ روح کے بعد وہ دونوں ایک ہو گئے تھے اور اب ان میں

کوئی فیریت، کوئی دُور، کوئی بے گانگی نہ تھی۔ اُس نے آقا حسین ہی کے انداز میں اسے مخاطب کیا۔ ”پہلے یہ بتا آقا حسین کے علاوہ تجھے کسی اور کی خدمت کرنے کا موقع بھی ملے گا دمنہ ایک سخت بھیدہ ہو گئی۔“ نہیں۔ کبھی نہیں۔“

لہجہ پُر اعتماد تھا۔ الفاظ اطمینان بخش تھے۔ ابن حرب نے اس پر مسکرائی نظر ڈالی۔ ”پھر تجھے مجھ پر کوئی شک نہیں تیری گواہی آقا حسین نے دی ہے اور ان کی گواہی پر شک کرنا کفر ہے، البتہ بغداد سے متعلق تجھ سے کچھ باتیں ضرور ہوں گی۔ ان باتوں کے لیے تھامے درمیان بے تکلفی ضروری ہے۔ اگر تو چاہے تو ”آپ“ کی بجائے مجھے ”تم“ کہہ سکتی ہے۔“
 ”لیکن آقا نے آپ کو اپنا سفیر (اینا دوسرا) قرار دیا ہے۔ اب اُن میں اور آپ میں کوئی فرق نہیں۔“

”ہمارے درمیان صرف جذبات کا نہ عانی انتقال ہوا ہے۔ میں آقا حسین کا شہنشاہ ہوں لیکن آقا حسین نہیں۔ ہماری شکلوں میں، آوازوں میں، مشقتوں میں جو فرق ہے وہ رہے گا البتہ ہمارا مقصد ایک ہے اور تشبیہ اسی مقصد کے لیے ہوا ہے۔“
 دمنہ ایک بار پھر مسکرائی اور اس مسکراہٹ میں ایک حسین پیغام تھا: گریا خود بھی تیرے ہوا چاہتی تھی۔ ”اگر تمھیں میری بے تکلفی پسند ہے، تو یونہی سی۔“

پھر آراستہ تخت کی طرف اشارہ کیا جس پر کھانے کا طبق رکھا تھا، دونوں تخت پر آ بیٹھے۔ ابن حرب نے اُسے اپنے قریب جگہ دی اور کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ دمنہ تازہ اٹھا کر پوری کوب میں شراب انڈیلنے لگی۔

رات اپنے پہلے پھر سے گزر رہی تھی۔ باہر اندھیرا تھا اور مغرب کی جانب کھلنے والی کھڑکی سے تاریک آسمان پر ستارے جھلکاتے دکھائی دے رہے تھے بلکہ کھلی کھڑکی سے ان دونوں کو جھانک رہے تھے۔ اور عیش کی اس حسین مگر تاریک رات میں ستاروں کی آنکھ کے سوا اُن کو دیکھنے والا کوئی نہ تھا۔

دوسری منزل کا شاہی کمر مغربی جانب واقع تھا اور دن کی روشنی میں اس کی کھلی کھڑکی سے سیرۂ آدم (البحر المتوسط) کی ساحلی پٹی پر مغرب کی طرف جانے والی تاریخی شاہراہ کا نظارہ کیا جاسکتا تھا جس پر فوجی قافلے اور تجارتی کاروں فسطاط یا برقعہ اور طبرج کی طرف سفر کرتے تھے۔

جانب سے اُنے زالی سمندری ہوائیں اس شہر سے گزرتی ہیں تو جنوب کی سمت سے
چھوٹے اقبیہ کے گرم گھبرائے گی پیاں پہنچ جاتے ہیں لیکن راتوں کالی ہوں بارش، عیش
کی تڑپیاں جذبہ عشق کو بیدار کرتی ہیں، وہ بھی ایک ایسی ہی عشق انگیز اور ستاروں
سے سرگوشیاں کرتی ہوئی رات تھی بہت فائدہ اس سہلے سی دوسری منزل پر چہاں نہا موشی
اور تہائی تھی، اگلے دس شرب کا روز شروع ہوا۔

ابن حرب نے دمنہ کو اپنے ساتھ صرف کھانے میں شریک نہیں بلکہ فلسطینی کشیدہ
کے چند جرے بھی پلا دیے تاکہ وہ اس کے ساتھ بے تکلف ہو کر گفتگو کر سکے۔ دمنہ پر بڑا
خوشگوار اثر ہوا اور اسی واقعے سے تکلفی سے بات چیت کرنے لگی۔ دمنہ پہلے وہ کچھ بنی بنی
کچھ بھکی بھکی تھی۔ شاید اس پر ابن حرب جیسے اکھڑ، وحشی بے رحم اور سنگ دل بھکی مرد کا
خوف طاری تھا اور محض آقا حسین کے حکم کی تعمیل کے لیے اس کی خدمت میں حاضر ہو گئی تھی
مگر اب وہ چپکنے اور بکھنے لگی۔ ابن حرب بھی فلسطینی کینز کی قربت اور فلسطینی کشیدہ کی
سرور انگیز لہر محسوس کر رہا تھا۔ دمنہ کی آواز نے ذہن پر سے سب خواب بکھیر دیے تھے۔ ان
خوابوں میں بھٹکا، نوا بولا۔

"نیری آواز میں جادو ہے۔"

"گانا سونگے؟"

"تیرا غنا ہی تیرا کمال ہے۔"

دمنہ نے اس کا سخت کھردہ لیا اور مدغم سر میں اپنے غنا کا جادو چھڑ دیا۔

أَلَوْجُهُ مِنْهُ كَبْدَرٌ وَالْقَدْ تَحْتِي الْقَضِيْبَا

اس کا بھرہ چاند کی مثال ہے اور قد کسی شان کے مشابہ ہے

وَأِنْ قَتَاوُلٌ سَيْفَا دَلَيْتُ يَشَا حَرْيَا

جب وہ تلوار اٹھاتا ہے تو جنگ پر شیر نظر آتا ہے۔

وَأَنْ رَّحِي بِسَهَامِ كَانِ الْمَجِيْدُ الْمَضِيْبَا

اور جب تیرا چلتا ہے تو ٹھیک نشانے پر بیٹھتا ہے۔

یہ غنا کسی موسیقی کے بغیر نفاذ کوئی ساز نہ تھا، کوئی ساز نہ نہ تھا۔ صرف اشعار

تھے، الفاظ تھے۔ دمنہ کی آواز تھی۔ آواز کا سر اور زیر زم تھا جس نے ابن حرب پر جادو

سلاطری کر دیا اور بکھے نشے کی کیفیت میں محسوس کرتا رہا، جس طرح "سبز آکا" نے اسے
سینے سے لگا کر رکھی ان دیکھی شے اس کے اندر منتقل کر دی تھی، اسی طرح دمنہ بھی اس کا
ہاتھ تھامے اپنے جسم کا لمس اور اپنی آواز کا جادو اس کے جسم میں منتقل کر رہی ہے۔ غنا
کے جادو نے اُس کے نشے کی لہر تیز کر دی، جو اب بار بار شعور سے ٹکرانے لگی تھی۔

دمنہ نے اپنے اشعار میں کسی جنگ جو مرد کی شجاعت اور جنگی دھارت کے ساتھ
اس کی خوب صورتی اور قیامت کی بھی تعریف کی تھی۔ اچانک ابن حرب کے ذہن میں کچھ
نے انگڑائی لی۔ "تو نے یہ اشعار کس کی تعریف میں گائے ہیں؟"

فلسطینی حسینہ مسکرائی۔ "اندازہ لگاؤ، ایسا شخص کون ہو سکتا ہے؟"

"اگر یہ اشعار بندایں گائے جاتے تو ان سے صرف ایک شخص مراد لیا جاتا۔"

"کون؟"

"معتقد ابو عباس۔"

"مگر میں نے اشعار عربیہ میں گائے ہیں اور ان میں معتقد ابو عباس کے

دشمن کی تعریف کی ہے۔"

پھر اس نے بڑی بے باکی سے ابن حرب کے چوڑے سینے پر ہاتھ مارا۔ اور

معتقد ابو عباس کے وہ دشمن تم ہو۔"

ابن حرب کے ذہن پر ایک نیا جادو بکھر گیا کہ سلامہ کی طرح دمنہ بھی اسے معتقد

کی طرف توجہ دلا رہی ہے۔ فلسطینی کینز کے ذہن میں نئے اور سرور کی روح چل رہی تھی

اس کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

"أَنْتَ سَيِّدِي وَأَنَا أَمِيَّتِي (تم میرے آقا ہو اور میں تمہاری لونڈی ہوں)"

ابن حرب نے دمنہ کو گھونٹ پھرے اور کوب دمنہ کے ہونٹوں سے لگا دیا کہ

بھی ہے، اس نے شہزادہ کا ہونے سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیوں نشہ نہ لکھے

مگر کس نہ کر دے؟"

اس نے بھی شرارت سے جواب دیا۔ "میں تم جیسی لونڈی کی سرکشی پسند کر سکتا ہوں۔"

دمنہ کی آنکھیں مسکرائیں گھونٹ پھر کوب سے گھونٹ گھونٹ چتی رہی حتیٰ کہ وہ خالی

ہو گیا اور اسے تپائی برکھ کر ایک بار پھر ابن حرب کے سینے پر ہاتھ مارا اب اُس نے

ہاتھ پکڑ لیا اور پوچھا۔ ”تو بغداد صرف بنی عباس کے در احمدوں میں سے کسی ایک کو ختم کرنے کی تھی یا کوئی اور مقصد بھی تھا؟“

دمنہ کے ذہن سے نشے کی لہر گزری تھی۔ ”ایک مقصد اور تھا۔“

”وہ کیا؟“

”وہ مقصد یہ تھا کہ تم بغداد کو چھوڑ دو، عراق کو چھوڑ دو، عباسیہ کو چھوڑ دو۔“

”مگر کیوں؟“

”آقا حسین چاہتے تھے۔“

ابن حرب بڑی طرح چونکا ”بس؟“ (کس لیے؟)

دمنہ نے اس کے سینے پر عیسوی مرتبہ ہاتھ مارا اور مسکرائی۔ ”تمہیں اپنا کتنی

بلانے کے لیے۔“

لیکن بغداد میں تو نہ کبھی ٹھہرے ملی، نہ اس مقصد کا ذکر کیا۔“

دمنہ نے ایک اور انکشاف کر دیا۔ ”جب میں اتر صافہ میں پہنچ گئی تو آقا حسین نے

تمہاری طرف ایک دائی بھیجا تھا، جو میری مشکل آسان کر دیتا۔“

”وہ کیسے؟“

”اگر تم دعوت میں دل چسپی لیتے تو دائی تمہیں ٹھہرے ملائے کی کوشش کرتا مگر

تم نے دعوت سے دل چسپی کا کوئی اظہار نہ کیا جس سے دائی کو یابوسی ہوئی اور وہ مخصوص

خبر جو فدا میں کی علامت تھا، تمہارے کمرے میں چھوڑ آیا۔“

دھڑک باہر چوک گیا۔ ”کیوں؟“

”اُسے علم تھا، ایک جنگ جو مرد ہونے کے ناتے تمہیں ہتھیاروں سے دل چسپی

سے بخیر اپنے پاس رکھ لو گے پھر ایک نہ ایک دن وہ تمہارے پاس دیکھ لیا سبائے گا۔ اس

ساخت کا خیر نہ کہیں ڈھالا جاتا ہے، نہ کہیں بازار میں فروخت ہوتا ہے۔“

ابن حرب پر ایک سنسنی خیز حیرت گزر گئی۔ ”میں یہ کچھ قارہ کہہ رہی تھی جو مجھے

دعوت دینے آیا تھا خیر میرے کمرے میں بھول گیا ہے۔“

”جماعت کا کوئی رکن اسے بھولنے کی غلطی نہیں کر سکتا۔ وہ خیر جان بوجھ کر تمہارے

پاس چھوڑ دیا گیا تھا۔“ پراسرار دمنہ حیرت انگیز انکشافات کرنے لگی۔ ”تم سمجھتے ہو شاید

میں تمہیں بھول گئی تھی! حالانکہ میں نے حرب الکندی سے کہہ دیا تھا کہ بغداد سے تمہیں ساتھ لے کر جاؤں گی لیکن معتد کی ہلاکت کے بعد ہمیں شونیز یہ سے ناگہاں بھاگ پڑا پھر دجلہ کے گھاٹ پر جو کچھ ہوا، تم آقا حسین سے سن چکے ہو، حرب کا ساتھ چھوٹ جانے سے میری آدمی طاقت جاتی رہی پھر بھی میں اندھیرے میں پتہ نکلی اور رضا خیاط کے ٹھکانے پہنچ گئی۔“

دمنہ کا ذہن نشے کی مد میں تیز ہو چکا تھا اس نے اپنی داستان کا جس کا قلم وہ خود ہی لکھی ایک نیا ورق اٹھا اور بتانے لگی۔

”حرب کی اچانک ہلاکت کے بعد میں بے جد پریشان ہو گئی۔ تم سے رابطے کا ذریعہ

نوٹ کیا تھا میں نے رضا کو محلہ خیرہ ران میں بھیجا کہ تمہیں حرب کے حوالے سے کسی طرح

میرے پاس لے آئے لیکن وہ یہ اطلاع لے کر واپس اسی خیرہ کے باعث، جسے وہ تمہارے

ٹاں چھوڑ گیا تھا۔ تمہاری گرفتاری کا حکم صادر ہو چکا اور کزان ترک جیسا ہوشیار اور

ظالم افسر تمہیں ڈھونڈ رہا ہے۔ دوسرے روز معلوم ہوا، تم بغداد سے فرار ہو گئے ہو

میں مطمئن ہو گئی کہ تم نے بغداد کو چھوڑ دیا ہے تو یقیناً عراق کو بھی چھوڑ دو گے اور یہ

بات تقدیر کی طرح کتنی راست اور عظیم ہے کہ عراق کو چھوڑ کر تم اپنے دوست سلیمان بن

عامر کے پاس عریش چلے آئے اور اس وقت نہ صرف جماعت کے رکن بلکہ آقا حسین

کے مٹھی بھی بن چکے ہو اور میں جو تمہاری خدمت کی تمنا رکھتی تھی آج رات تمہاری خدمت

میں حاضر ہوں۔“

ابن حرب طلسم ہوش ربا کی سی یہ داستان سن کر نہ صرف دنگ رہ گیا بلکہ سوچنے

لگا کہ اُسے ایک باقاعدہ منصوبے کے تحت بغداد سے نکلوا یا گیا ہے اور اس منصوبے

میں آقا حسین کے علاوہ سلیمان بن عامر کا ہوشیار ذہن بھی شامل ہو گا جس نے چند

برس قبل اسے طوبیوں کی جنگی قید سے رانی دلائی تھی۔ ماغی کے اس پس منظر میں

واقعات پر غور کیا، تو ایک پراسرار سلسلہ نظر آیا جس کی تمام کڑیاں مربوط اور عریش کی

کارواں سرائے سے منسلک تھیں۔

ابھی یہیں تک سوچنے پایا تھا کہ دمنہ نے پھر اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ ”جب

آقا حسین نے مجھے بغداد بھانپا تو یہ بھی بتا دیا تھا تم بڑے سے بڑے رحم، وحشی، بڑے جنگجو

مرد ہو اور جماعت کو تم جیسے جنگی سرک ضرورت ہے۔ میرے دل میں تمہیں رکھنے کا خواہش
پیدا ہوتا اور یہ خواہش اس وقت پوری ہوئی جب تم اتر صاف کی ڈیوڑھی میں رہتے باب سے
گفتگو کر رہے تھے اور میں حرب کو بلا۔ نہ اُٹی تھی۔ تمہارا قد، ڈیل، ڈول اور فوجی جوش پرکشش
تھا۔ تمہیں رکھنے ہی دل میں ایک چنگاری سی بھڑک اٹھی اور میں فوراً اتر صاف میں لوٹ گئی،
کیوں کہ میرے دل میں ایک ناداجب خواہش بھڑکی تھی۔ جب میں نے سنا کہ تم بغداد سے
فرار ہو گئے اور عراق کو چھوڑ گئے، ہوا میں ایک سکون سا عسوس کرنے لگی لیکن اس سکون میں ایک
جینی جینی بھی تھی کہ تم سے کب مل سکیں گی۔ مل سکیں گی یا نہیں؟ یہ دینی ناداجب سی خواہش تھی جو کچھ
ترک تھی۔ جب میں رضا خاں کے عراہ آقا حسین کے پاس لوٹ آئی اور سنا کہ تم ویش پنج چکے
اور حلقہ اخوان میں شامل کر لیے گئے ہو تب مجھے بے حد خوشی ہوئی اور میں نے آقا حسین سے
اپنے دل کی بے چینی کا اظہار کیا جو تمہارے متعلق تھی، انھوں نے وعدہ کیا کہ میری خدمت کا صلہ
دیا جائے گا۔

اس داستانِ امرار میں ابن حرب کی دل چسپی کا بھی ایک پلو تھا کہ دمنہ اس کے لیے
بے چین رہی ہے یہ تو سمجھ چکا تھا کہ جن حالات میں اُسے بغداد سے بھاگنا پڑا، وہ ایک منصوبے
کے تحت پیدا کیے گئے تھے لیکن اب تعجب اس بات پر تھا کہ دمنہ یہ ناگفتنی باتیں سننے کی لہر
میں تباہی مچاتی یا اسے ہلاکت کی گئی تھی کہ جو باتیں پورے شہیدہ رکھی گئی تھیں، انھیں ظاہر کرنے۔
غالباً اب ان کے اخفا سے کچھ حاصل نہ تھا۔ ابن حرب زندگی کے جس موڑ پر پہنچ گیا تھا وہاں
سے واپسی ناممکن تھی۔ اس کے سامنے ایک ہی راستہ تھا، ایک ہی منزل تھی، جسے اس نے
تقدیر کا فیصلہ سمجھ کر ذہنی طور پر قبول کر لیا تھا۔

اُس نے اپنے آپ سے سوال کیا کہ اے آقا حسین سے، سلیمان بن عامر سے، حسین
دمنہ سے کوئی شکایت ہے، جو بغداد سے اس کے فرار کا ذریعہ بنے؟
ذہنی نے فرار کا جواب دیا کہ نہیں، بغداد میں رہ کر اسے وہ سب کچھ نہ مل سکتا تھا جو
بغداد چھوڑ دینے کے بعد مل رہا ہے۔

اس کے دل و دماغ کے درمیان اب کوئی کشمکش نہ تھی۔ آقا حسین کے سلوک اور
دمنہ کے حیرت انگیز انکشافات نے سارا تریدہ دُور کر دیا تھا اگر جماعت کو اس کی حربی خدمات
کی ضرورت تھی تو ان خدمات کی قیمت بھی اتنی بڑی نہ لگائی گئی تھی جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا

ہاگن اس کے اندر سے آواز آئی۔

”دمنہ راستہ تمہاری منزل کو جانا ہے جس پر گامزن ہو چکے ہو۔“
خیال گزرا کہیں یہ آواز آقا حسین کی نہ ہو جو آج ہی اس کے اندر قتل ہوا تھا لیکن اتر
سے آنے والی آواز کسی کی بھی تھی، آقا حسین کی یا اس کی اپنی، بہرحال تو کہیں بخش تھی۔ اب اس
کے سامنے ایک ہی منزل تھی اور اس منزل کی طرف جانے والا راستہ بھی ایک ہی تھا۔
اسے خیال میں گم صدمہ رکھ کر فلسطینی کنیز نے ایک بار پھر فلسطینی کشید کو بے اُڑی
اور اسے پیش کیا۔ ”شاید اب تمہیں اس کی ضرورت ہے۔“

ابن حرب نے مسکراتے ہوئے ہاتھ لیا اور شکر یہ ادا کیا واقعی شرب کی ضرورت عسوس کر
رہا تھا۔ دمنہ نے پوچھا ”کیا سوچ رہے تھے؟“
”کوچا تھی تھی کہ میں عراق کو چھوڑ دوں۔“
”ہاں۔“ وہ مسکرائی۔

”اور تیری خواہش کے مطابق میں عراق کو چھوڑ آیا ہوں۔“
یہ کہہ کر کوہ ہونٹوں سے لگا ہوا دمنہ اپنی کلائی اس کے شانے پر رکھ کر سُر ملی
آواز میں نغمہ سرا ہوئی۔

فَإِنْ تَدْعُ الْعِسْرَاقَ وَ سَاكِنِيهِ
اگر تم نے عراق اور اس کے رہنے والوں کو چھوڑ دیا
فَقَدْ تَبَشَّرَ الْمَدِينَةَ بِسَاطِلَاقِ
تو کبھی کبھی خوب صورت عورت کو بھی حلاق ہوجاتی ہے

ابن حرب اُس کی برجستہ گوئی پر حیران بھی ہوا اور حنفیہ بھی۔ دمنہ آقا حسین کی خاص کمیز
اور خوب صورت مغیرہ تھی جسے بہت سے اشعار یاد تھے۔ موقوفہ کل کے مطابق خود بھی شعر گو
تھی اور سی خوبی اس کے حسن میں اس کی ذات میں ایک نئی کشش پیدا کرتی تھی۔ ابن حرب
کو عراق سے بغداد سے عشق تھا۔

آدی فطر اپنے رزیم سے جہاں وہ پیدا ہوا ہے، محبت رکھتا ہے کیوں کہ مغفلام
پیدا ہونے کی آب دہوا اور مٹی کی گواہی اس کے خون میں چھپی ہوئی ہے بلکہ اس کے مزاج
کا حصہ ہی حلق ہے، پھر بغداد تو شہروں کا تہہ بزمِ سلام اور عروسِ اہل اتر تھا جس کی کشش
دمنہ کو گھمسنے پر

لوگوں کو ہزاروں میل سے کھینچ لائی تھی اور جس کی خوب صورتی کی داستانیں ایشیا، افریقہ اور یورپ میں دہرائی جاتی تھیں۔

دمنہ نے عراق یا بغداد کو خوب صورت بیوی سے تشبیہ دی جسے آدمی کبھی طلاق دینے پر مجبور ہو جاتا ہے تو اس حربے اختیار کر لیا "بغداد واقعی وہ خوب صورت زریحہ ہے جسے میں نے جماعت کے لیے اور آقا حسین کے لیے طلاق دے دی۔"

دمنہ نے تڑپ کر پوچھا۔ "وَمَا ذَاكَ لِي بِكَ يَا بَنِي آدَمَ؟" (اور مجھے کیا صلہ دو گے؟)

"تو کیا چاہتی ہے؟"

"جو چاہتی ہوں مانو گے؟"

"تیری خوشی کے لیے مانوں گا۔"

"پھر قسم کھاؤ؟"

"کس کی قسم کھاؤں؟"

"اپنی قسم کھاؤ۔"

ابن حرب نے کوب غالی کر کے لٹا دیا اور اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "اَلَيْسَتْ عَلَيَّ نَفْسِي؟" (میں نے اپنی جان کی قسم کھائی)

دمنہ خوش ہو گئی اور اپنی دونوں کلا میاں اس کی گردن میں پردہ کر کہنے لگی۔ "آقا حسین کی طرح آج سے تم بھی میرے مالک ہو اور میں چاہتی ہوں جس طرح آقا حسین مجھے غلام لوندیاں سے زیادہ پیار کرتے ہیں اسی طرح تم بھی مجھے تمام لوندیوں سے زیادہ عزیز رکھو۔"

ابن حرب اس خواہش پر حیران رہ گیا۔ مگر میرے پاس تو لوندیاں نہیں ہیں۔

دمنہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولی۔ "ابن حرب! جن لوگوں کو اللہ مرتبے عطا کرتا ہے انھیں عالی نسب حرمیں اور خوب صورت لوندیاں بھی ملتی ہیں۔ شہزادی نجم العلیل یہ وہی لیکن طوبی خاندان کی غالی نسب اور والا مرتبت خاتون ہے جو تمھاری حرم بننے والی ہے آج سے تم آقا حسین کے منی ہو اور میری طرح ان کی سب لوندیاں اور کنیزیں تمھاری ہو گئیں۔"

(دیکھو صفحہ کا حاشیہ)

آقا کے جیسے بغداد اور فسطاط کی محل سراؤں کی طرح عالی شان تو نہیں لیکن وسیع و عریض اور صحرائی لاندہ غنیوں کے حص سے آباد ہیں۔ جب تم وہاں جاؤ گے ان سب پر تمھارا حکم جاری ہو جائے گا اور چونکہ آقا حسین سے زیادہ قوی ہیکل، طاقت ور اور جنگ جرمزد ہوا اس لیے سب تمھاری غایات کی طلب گار ہوں گی۔"

ابن حرب پر ایک نئی حیرت گزر گئی۔ دمنہ کی بات کو جھٹلا نہیں سکتا تھا جو آقا حسین کی کنیز بلکہ امانت ہونے کے باوجود اس کی خدمت کے لیے بیچ دی گئی تھی اس نے خوشگوار بستن سے پوچھا۔ "کیا صحرائی لاندہ نہیں تم سے زیادہ خوب صورت ہیں؟"

دمنہ کا جواب سنسنی خیز تھا۔ "بارہ بیٹنیں قابل جلتے ہیں کہ امام بجلی کے بعد آقا حسین امام ہوں گے اور ہر امر اقتدار آئیں گے، اس لیے آقا کے نہیں میں صحرائی حیدناؤں کا جھگڑا ہو گیا ہے۔ ان میں کئی جوان، کئی نوجوان، کئی نوجوڑ ہیں۔"

قرامط کے ملک میں دنیاوی لذات مذہبی نفریات سے وابستہ تھیں اور خوب صورت لاندہ یوں کو قدرت کا عطیہ سمجھا جاتا تھا ان صحرائی قبیلوں کی عورتوں اور لڑکیوں میں بھی جنھوں نے قرامطی مذہب اختیار کر لیا تھا یہ بات عقیدے کے طور پر رائج تھی کہ امام، اس کے نائب اور جماعت کے خاص لوگوں کی خدمت کرنے والیاں موت کے بعد حورائے بہشت کے ذریعے سے انھیں گی بلکہ دنیا میں ان کے عیش و آرام کا جتنا زیادہ خیال رکھیں گی، جنت الفردوس میں ان کا درجہ اتنا ہی بلند ہو گا۔

ابن حرب نے خوشگوار حیرت کے ساتھ دمنہ کی باتیں سنیں اور رگ و پے میں ایک سناہٹ سی گزرنے لگی۔ آقا حسین کے صحرائی خیموں کی روداد بڑی خیال انگیز تھی اس کی مزید دل جوئی کے لیے کہنے لگا۔

"جس طرح تو آقا حسین کی پیاری ہے اسی طرح میں بھی تجھے عزیز رکھوں گا اور اگر تو چاہے تو شہزادی نجم العلیل کی دیکھ بھال بھی تیرے سپرد کر دی جائے۔"

دمنہ کے چہرے پر ہنس بکھر گیا۔ "میں بھی چاہتی ہوں، شہزادی کی دیکھ بھال بھی کروں اور تمھارے قریب بھی رہوں۔"

عربش کی کارواں سرائے کی وہ سات بڑی رنگین تھی۔ دمنہ جس دار فتنگی کا اظہار کرتی رہی اس میں ذاتی لگاؤ کے علاوہ جماعت اور اس کے مقصد کی گنج بھی شامل تھی جس نے

ابن عرب کو الف یلکہ کسی زاری کا نام و حیرت میں پہنچا رہا۔ بحیرہ روم کی طرف سے آنے والی بادشاہان ان کے جذبات عشق کو بھر کا قیامی رکھی کھڑکی سے جھانکنے والے تارے مغرب کی سمت دور نکل گئے اور آخر انہوں نے اپنی آنکھیں موند لیں۔



دنیا میں بعض حقیقتیں جی پر اخفا کے پردے چڑے بستے ہیں۔ انسانوں، داناؤں اور کمائیوں سے دنیا، جیسا کہ انگریز حقوق ہیں۔ جب ان سے امرار کے پردے اٹھنے اور اصل کتاب کے درج کھلتے ہیں تو آدمی اصلیت جان کر دنگ رہ جاتا ہے۔

عالمی کمنے نئے سفر میں ابن حرب کو اپنے باپ حرب الکندی کی ہلاکت کے ساتھ ساتھ امن کے مسلک اور عقیدے کے بارے میں جو معلومات حاصل ہوئیں، وہ کسی پر امرار دست بن سے کم فوہی نہ تھیں مگر دین کی قربانی یہ انکشاف کہ خود اس کا بغداد سے نزار اتفاق نہیں بلکہ ایک طے شدہ منصوبے کا نتیجہ تھا۔ کوئی اچھا یا ظلم جو شس فرما تھا جس نے اسے در طہ حیرت میں ڈال دیا۔ خرامط کی خفیہ حمایت کو جو عباسیہ کے خلاف خروج اور بغاوت کی دیر پر رہنما رہا، انہی تھیں، ابن حرب کی ضرورت تھی اسی ضرورت کی خاطر اسے بغداد سے نکلوانے کا ایک چارہ امرار منصوبہ کیا گیا اور عین اسی منصوبے کے مطابق اس کا زار عمل میں آیا تھا جس کے لیے اسے کئی دھوکے، کٹھن مشکوں اور بازیہ شام کے ہولناک مصائب سے گزرا پڑا تھا اگر وہ رضا خیل وائی کی دعوت قبول کر لیتا تو حالات کی صورت کچھ اور ہوتی اور وہ کی رفاقت میں مصر و شام کی طرف اس کا سفر بڑا خوش گزار ہوتا لیکن اس وقت وہ معاملے کی نوعیت سے بے خبر تھا۔

یہی بے خبری اور لغت ہے بے تعلقی اس کی مصلحتوں کا سبب بن گئی تھی اور غیر معمولی حالات نے اسے اپنے خطرناک نرغے میں لے لیا تھا مگر اپنی بہادری، ہمت پسندی اور جنگجو فطرت کے باعث وہ مشکلات سے بڑھتا ہوا، حالات کے خطرناک نرغے سے نکل آیا تھا۔

ہر انسان میں کوئی ہنسندہ یا کُن ہونٹ ہے جس کی کوئی نہ کوئی قیمت ضرور لگنی ہے دنیا کی منڈی میں ضمیر اور ایمان بھی بک جاتا ہے۔ قمر مٹی آتا ہے ابنِ حرب کی جو قیمت لگائی اس پر دربارِ بلند اوکے کسی وزیرِ مشیر یا کسی تخلصی کے بھی خریدنا ممکن تھا۔

مشیر، قاضی اور امیر کی نہیں ایک جنگ جو ہر دین ضرورت تھی جو سپاہِ خلافت کے فوجی طریقے سے آگاہ ہوتا، رعدادا کرنے کے حربے جانتا، دشمن پر بے رحمی سے حملہ کرتا۔ صحرائی قبائل کو تجربے کا شکر کروں کے خلاف نہرواڑا ہونے کی تربیت دے سکتا اور جماعت کے لیے فتح کے دروازے کھول دیتا۔ ابنِ حرب میں یہ ساری عملاً حقیقی موجود تھیں اور وہ خلیفہ معتضد ہی کی طرح بے رحم اور منتقم مزاج بھی تھا اسی لیے اُس کا انتخاب کیا گیا تھا اور اُس کی خدمات کی بہت بڑی قیمت لگائی گئی تھی۔ ابنِ حرب جس ماحول اور جس معاشرے کا فرد تھا وہاں رنگی نیزے کی ضرب اور تلوار کی دھار سے کشتی یا پھر جنگ درباب کی دھنیں پر رقص کرتی تھیں۔ عمر ان خاندان اور مراعات یافتہ قبیلوں کی تمام تر جدوجہد اور کشمکش کا مقصد کیا تھا حکومت کا عجب داب، درباروں کی شان و شوکت، شہرت، ناموری، لشکروں کے جھگمگے، بطل و کوس کی کڑک، تلواروں کی قوت، پرچموں کی اڑوان، مصابحوں کی خوشامد، غلاموں کی وفاداری غلاموں کی اطاعت، خوب صورت اور عالی نسب حرموں کی رفاقت، حبیبی لونڈیوں کی ہم نشینی کم سن کنیزوں سے رغبت، منہرے رن، تہیں شامیں، رنگین راتیں اور عیش و راحت کی فراوانی بلکہ یہ عجب معاشرے کا وہ دور تھا، جب کسی سردار یا قبیلہ کی قوت کا اندازہ اس کے غلاموں کے انگوٹھ سے لگایا جاتا اور حبیبی و غریبہ کنیزوں کی کثرت کو اس کی دولت و شہرت کا معیار سمجھا جاتا تھا جس کے پاس کم لونڈیاں اور تھوڑے غلام ہوتے، اس کا شمار کم تر سرداروں میں ہوتا تھا۔

ابن حرب بغداد میں رہ کر کسی تنفعے یا شہر کا حاکم بھی نہیں بن سکتا تھا۔ فوج اور ضبطیہ (پولیس) ایسے ترکوں کا مل دخل بڑھ گیا تھا اور وہی عمروں پر قابض تھے۔ اپنی ذاتی شہادت اور فطری جنگ جوش سے اس نے ابو عباس کے محافظ رہنے کی سرداری کا جو اعزاز حاصل کر لیا تھا غالباً وہی اُس کی زندگی کی معراج ہوتی لیکن بغداد سے فرار ہو کر اور حالات کی خطرناک گرفت سے نکل کر وہ جن حسین و شکیم واقعات سے دوچار ہوا وہ طلسم حیرت کی ان داستانوں سے کم ہوش قرار دے سکتے تھے، چھین قصہ گو بغداد اور فسطاط کے بازاروں میں جمع لگا کر سنایا کرتے تھے۔

وہ طبعاً جنگ جُو اور ہمہ بند تھا۔ قدرت نے اس کے لیے نعم جوئی کی ایک ایسی بساط بچھا دی تھی جس میں کامیابی اس کی عسکری مہارت اور خوش قسمتی پر منحصر تھی اور قسمت نے

سے آنے والے ایک قاصد کا انتظار کر رہا تھا

انھی ایام میں آقا حسین، ابن حرب اور سلیمان بن عامر کے درمیان کچھ فرسندی باتوں کا فیصلہ ہو گیا۔ نئے حالات میں ابونصر یا قوت کی طرح اب ابن حرب کو بھی منظر سے غائب ہو جانا اور صحرائی تیموں کی جانب سفر کرنا تھا لیکن اس سے قبل اُسے خفیہ طور پر فسطاط واپس جانا شہزادی نجم العیل کو نئے منصوبے سے آگاہ کرنا اور اس کے ساتھ القطار سے فرار اور صحرائی سفر کی تیاریاں طے کر کے لوٹ آنا تھا۔

وہ جماعت سے پہلے ہی وابستہ ہو چکا اور اپنی شخصی اہمیت سے حلقہ و خان میں شامل کیا گیا تھا لیکن اب اس کی حیثیت مزید بڑھ چکی تھی۔ وہ عباسیہ کے خلاف ایک خطرناک ہم کا آغاز کرنے والا تھا۔ لہذا اس کی والدہ کا بغداد میں رہنا سزاوار خلافت مصلحت تھا جبکہ دفاتر عبداللہ جو بغداد سے اُس کے بیٹے کے لیے ضروری پیغام لے کر آیا تھا مصر میں ایک حادثے کا شکار ہو گیا اور اس کا کوئی کھوج نہ مل سکا تھا۔ سلیمان کے غلام منصور نے بتایا کہ کسی مسافر نے اُسے عرب میں اور فسطاط کے درمیان سفر کرتے دیکھا ہی نہیں شاید وہ درمیانے کا قمر بنایا صحرائی ٹاکوؤں کے انھوں مارا گیا، اس لیے کے بعد بڑھیا کو بغداد سے لکھنا اور ضروری ہو گیا تھا جس کا وہاں کوئی پڑسان حال نہ تھا مگر وہ مصر آنے سے انکار کر چکی تھی سلیمان بن عامر نے تجویز پیش کی کہ "کیوں نہ اُسے اغوا کر کے شام کی صحرائی بستیوں میں پہنچا دیا جائے جہاں ایک دن ابن حرب بھی طو لوئی شہزادی کو لے کر پہنچ جائے گا۔"

وہ اپنی والدہ کے اغوا کی تجویز سن کر ہٹا ہٹا رہ گیا۔ لیکن پُر اسرار حسین نے مرے مار سے اتفاق کیا اور کہا "حرب کی بیوہ کو بغداد سے نکالنے کی یہی ایک ترکیب رہ گئی ہے، درنہ خلیفہ اُسے یرغمال بنالے گا۔"

آخر ابن حرب کو بھی اس راستے سے متفق ہونا پڑا لیکن اس نے بتایا "رمضان قریب ہے وہ روزے رکھتی ہے، انکشاف میں بیٹھتی اور عید الفطر پر صدقہ و خیرات دیتی ہے۔"

"ٹھیک ہے" انھا حسین فیصلہ کن لہجے میں بولا۔ "وہ رمضان اور عید الفطر بغداد آئی میں گزارے گی لیکن بغداد میں یہ اُس کی آخری عید ہوگی۔" سوال کو اسے وہاں سے نکال لیا جائے گا۔"

سلیمان بن عامر نے اپنے زرخیز دماغ سے ایک اور تجویز نکالی "سییدی اکیوں نا

خطرناک حالات میں اس کا سامنا دیا تھا تو اُنہندہ بھی اس پر سر بیان رہے گی۔

اس کے ذہن میں یہ خیال بھی چکر لگا رہا تھا کہ اگر خراسان جو عباسی جیسا پیش کر رہا ہے سو وہاں درجہ شہ کے "جہاں فسادوں" اور اپنے تیز رفتار رسالے کے بل پر جس میں ترکہ، اب، مصری اور سوڈانی سوار شامل تھے، ماضی میں عباسی لشکروں کا کامیاب مقابلہ کرنا اور بغداد کے فوجی حربوں کو ناکام بنانا رہا ہے تو وہ بھی باور نہیں قبائل اور فدائین کے ذریعے جنہیں قرمطی عقیدے کی آندھی طانت قربانی اور شہادت پر آمادہ کر دی تھی عباسیہ کے کچھ علاقے حاصل کر سکتا اور عراق و حجاز کے صحرائی گزشتوں میں قرمطی کے پرچم کا گڑ سکتا ہے۔

ذکر دیر قرمطی "قائم باکتی" اور اس کے جانشین ابوالقاسم یحییٰ قرمطی اور ابوباسر حسین قرمطی اپنے آپ کو "مہدی کے اہل" ضرور کہتے تھے تاکہ فاطمی علوی اور اسماعیلی حلقوں کی حمایت حاصل کر سکیں۔ لیکن ان کے عقائد ہی مختلف تھے بلکہ وہ امام کے لیے صرف علوی ہونا ضروری سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک امامت کے دعوے دار کا فاطمی اور حسینی یا حسینی ہونا ضروری نہ تھا۔ وہ فرزند علیؑ محمد بن حنیفہ اور ان کی اطاعت کی امامت کے طلب دار تھے جب کہ فاطمیوں کے نزدیک امامت کا حق صرف اُس اولاد کو حاصل تھا جو حضرت علیؑ کے صلب اور حضرت فاطمہؑ بنو ل کے بطن سے تھی۔

ابن حرب کو عقیدہ و مسلک کے اختلاف سے مطلب نہ تھا۔ اُس مقصد سے غرض تھی جس کے حصول کی خاطر آقا حسین نے اسے منتخب کر لیا اور ان حقیقتوں سے دوچار کیا تھا جو کچھ پیش آچکی اور کچھ پیش آنے والی تھیں۔ اسے انھی پیش آنے والی حقیقتوں کی تلاش تھی۔

★

غزیش میں قرمطی مسیح کا قیام بے مقصد نہ تھا۔ وہ یہاں دو دن سے مقیم اور قرآن

بھی قرمطی "مہدی کا اہل" کہلاتا تھا لیکن اس کی وفات کے بعد جب آقا حسین قرمطی امام بنا تو خود کو "مہدی امیر المؤمنین" کہلانے لگا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرمطی مہدی تحریک سے سیاسی فائدہ اٹھا رہے تھے (قرآن جاری)

KHAN BOOKS
 & LIBRARY
 S-527, BHABRA BAZAR, RAWALPINDI.
 Cell: 0345-5048634-0345-5048559
 Prop: Ali Khan

منہ نانگا العالم

حادث کی دلیلی اور دولت عباسیہ کے زندگی آمد بنی طویون کے لیے ایک ایسی
 خوش خبری تھی جس کے وہ کئی سال سے منتظر تھے۔
 مصر کا والی احمد بن طویون ایک زبردست جنگجو مرد، ہوشیار سیاست دان اور فوجی آمر
 تھا۔ ۲۶۹ ہجری میں سلطنت کے داخلی جھگڑے سے فائدہ اٹھا کر جب خلیفہ معتقد کو معزول کر
 گرفتار کر کے واسطہ بھیج دیا گیا، اس نے مصر و شام کو دولت عباسیہ سے الگ کر کے ایک طویونی
 ریاست کو قائم کر لی تھی لیکن دربار بغداد نے نہ کبھی ان صوبوں کی ملاحضہ کو تسلیم کیا تھا نہ طویونی
 حکومت کے ساتھ سفارتی تعلقات کی ضرورت سمجھی تھی۔ عباسیوں کے نزدیک مصر و شام اس
 اسلامی سلطنت کا جزو لا ینفک تھے جس پر وہ ۱۴۳ سال سے حکومت کرتے آ رہے تھے تاہم معتقد
 ابو عباس کی سخت تشنہ اور امیر خلافت کی بحالی پر غماز ویرانہ جویش نے دربار بغداد کی طرف مبالغہ
 کا پیغام بھیجا۔ قیمتی تحائف ارسال کیے جنہیں قبول کر لیا گیا۔
 دونوں حکومتوں کے مابین یہ پہلا رابطہ تھا جسے ایک رنجی کارروائی سمجھا گیا کسی نئے
 حکمران کے برسر اقتدار آنے پر حکمرانی کے آداب یا اخلاقی دستور کے مطابق اپنے بیگانے،
 دوست دشمن ضرورتاً اور مصلحتاً ایک تناؤ کا اظہار کرتے ہیں مگر بنی عباس اور بنی طویون کے
 اس پہلے رابطے کے پیچھے قطر اندی کھڑی تھی۔

پھر کہ حالات کے سبب یہ تناؤ اس سخت خلافت پر بیٹھا، اس نے بنی طویون

۱۔ شمال ہی کو شہزادی نجم بھی ابن حرب کے ہمراہ فسطاط سے فرار ہوئے
 آقا حسین نے اُس کے ذہنی رسا کی داد دی۔ ”دو کام ایک سے بہتر ہیں“
 اس طرح بغداد سے ابن حرب کی والدہ کا اغوا اور فسطاط سے طویونی بیوہ کے فرار
 کی ایک ہی تاریخ مقرر ہوئی۔

ایک دن علی الصبح کیوں کہ قیروان سے کوئی قاصد نہ آیا تھا۔ کارواں مراٹے کے
 باہر جہاں آقا حسین کے محافظ قبائلی اپنی سائڈ نیوں کو یہ کھڑے تھے وہ دونوں ایک دوسرے
 سے سینہ بہ سینہ بغل گیر ہوئے اور ”سبز آقا“ نے سلیمان بن عامر کو تاکید کی کہ جو بھی ابن حرب
 فسطاط سے لوٹ آئے وہ اسے لے کر صحرائی بیخون کا رخ کرے۔ دوسری اس سے رخصت
 ہوئی، جس کا عمل آقا حسین کی سواروں کے ساتھ جاری رہا تھا۔

دونوں ایک ہی صبح ۶ بیش سے روانہ ہوئے۔ فسطاط کی جانب اور مشرقی بہ شام کی
 طرف۔ جب سائڈ نیوں اپنے سواروں کو لے کر اٹھیں ابن حرب بھی گھوڑے پر سوار ہوا اور
 اسے ایڑ لگائی۔



KHAN BOOKS
 & LIBRARY
 S-527, BHABRA BAZAR, RAWALPINDI.
 Cell: 0345-5048634-0345-5048559
 Prop: Ali Khan

کے معاملے پر کسی اور پہلو سے سوچنا شروع کیا۔ شاہی قبائل کو عباسی حکمرانوں سے جو فخر و ریا تھی اور وہ ان کے خلاف جس سیاسی اور قبائلی کدورت کا اظہار کرتے آئے تھے اس میں مہربروں کی دشمنی بھی شامل ہو گئی تھی جو مصر و شام کو تقویت دے رہی تھی اس کو تنواروں سے دور کرنے کا نتیجہ پہنے مسلمانوں کے کشت و خون کی صورت میں برآمد ہوا تھا اور آئندہ بھی جنگ و جدل سے بچر۔ عداوت کچھ حاصل نہ ہوتا۔

یہ سوچ حقیقت پسندی کے قریب تھی

مصر اور شام کی سیاسی حقیقت کو پہلی بار تسلیم کیا گیا لیکن قطر الندی ہی ”دوستی کی شرط“ قرار پائی جسے خواروہ نے قرار مان لیا۔ وہ معاہدے کو عملی شکل دینے کے لیے اس قدر بے چین تھا کہ میسرے روز اپنے شاہی محل کے خاص ایوان میں ایک خصوصی تقریب کا اہتمام کیا جس میں بھائیوں، بہنوں، اندوارج، بیٹوں اور بیٹیوں کے تمام افراد کے علاوہ خاص خاص ایوان اور امرا کو بھی دعوت دی۔ مصر کے قاضی القضاۃ اور نامور علماء کو پروانے بھیجے۔ خلیفہ معتضد کے سفیر ابو الحسن قاسم بن عبداللہ اور اس کے تمام ساتھیوں کو مدعو کیا۔ بیٹی اسماء قطر الندی کو جو شرط دوستی تھی، ایوان میں طلب کیا، جماعی چچی شہزادی عباسیہ کے ساتھ پردوں کی اس جانب طولونی خواتین کے گھر مٹے میں موجود تھی۔

جب تمام لوگ جن کی شمولیت فروری تھی جمع ہو گئے تب سلطان خواروہ کے اشارے پر شہزادہ شیبان نے معاہدہ دوستی کی وہ شرط پڑھ کر سنائی جس کے مطابق اسماء قطر الندی کا عقد خلیفہ معتضد باللہ کے ساتھ فروری قرار دیا گیا تھا۔ شرط کی بجا آئی تھی تو خواروہ ابو جیش خود کھڑا ہوا اور اس نے سب لوگوں کی موجودگی میں اپنی بیٹی کی مرضی دریافت کی کہ وہ اس شرط کو قبول کرتی ہے یا مسترد؟

ایوان پر ایک سناٹا طاری ہو گیا، اس سناٹے میں پس پردہ شہزادی اسماء قطر الندی کی آواز سنائی دی۔ ”سلطان معظم ایہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمیں بیٹیوں اور بیٹی عباسیہ کے درمیان دوستی کی شرط پڑھایا گیا ہے ہم خلیفہ المسلمین معتضد ابو عباس کے ساتھ دشمنی اپنا شوہر تسلیم کرتے ہیں نہ کہ بقت سے تفرقہ دور ہوا اور پھر اسے لوگ مل جائیں۔ امیر المومنین سے طولونی ریا کو تسلیم کر کے ایک حقیقت کو تسلیم کیا ہے لیکن دوسری حقیقت یہ ہے کہ طولونی ریاست دولت عباسیہ کا ایک مضبوط بازو نہایت ہوگی۔“

شہزادی کے ان خیالات کو تمام حاضرین نے پسند کیا جب کہ معتضد کے سفیر اور سفیر ابو الحسن قاسم نے یہ سناقتہ تحسین کی۔ شہزادی کے اظہار رفاہندی کے بعد خواروہ نے قاضی القضاۃ سے نکاح خوافی کے لیے کہا جس نے خطبہ مسنونہ پڑھا اور ایجاب و قبول کے درمیان ابو الحسن قاسم بن عبداللہ نے بہت خواروہ کو اپنے صاحب کے لیے قبول کیا۔

نکاح خوافی کے بعد خواروہ ابو جیش نے بیٹی کے باپ اور مصر و شام کے سلطان کی حیثیت سے ابو القاسم نے خلیفہ کے فائدے اور مہر کی حیثیت سے اور عمارت ابو طغر نے بطور سفیر و تحفظ کیے۔ خواروہ کے بعد اس کے دونوں بیٹے جیش اور ہارون اور اہلانی شیبان چوں کہ علی الترتیب اولیٰ عہد اور طولونی سلطنت کے وارث و جانشین تھے لہذا معاہدے پر ان بیٹیوں کے دستخط کر ائے گئے۔ بعد ازاں ابو الحسن قاسم نے دولت عباسیہ اور خلیفہ معتضد باللہ کی عزت ابو جیش خواروہ کو ”سلطان مصر و شام“ کی سند پیش کی اور بیٹے کے عقد پر مبارکباد دی جس پر ایوان مبارک باد کی آوازوں سے گونج اٹھا۔ اس طرح دوستی کا معاہدہ معرض عمل میں آ گیا۔

اس موقع پر خواروہ شہزادی کے علاوہ ایوان میں ضیافت کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔ فروری ہی دسرخوان بکھ گئے اور انواع و اقسام کے کھانے تقسیم ہونے لگے یہ ایک ایسی ضیافت یا اسی تقریب تھی جس میں بارہ برس کی طویل کش مکش، دوستی اور قربت داری میں تبدیل ہو گئی۔ خواروہ اس کے جملے بیٹے اور بیٹیوں کے تمام لوگ بے حد خوش تھے کہ آخر بنو عباس کے ساتھ ان کے معاملات درست ہوئے اور بیٹیوں کی موروثی حکومت تسلیم کر لی گئی لیکن اس تقریب کی سب سے زیادہ خوشی شہزادہ شیبان کے خاص غلام اور القضاۃ کے محافظ سردار حارث ابو طغر کو تھی جس نے دوستی کا یہ کام سرانجام دیا تھا۔

بھاری پردوں کے پیچھے خواتین کے ہجوم میں طولونی بیوہ نجم العلیل بھی موجود تھی جو بہت سلطان قطر الندی اور شہزادی عباسیہ کے ساتھ بڑے بڑے بائیں کردہ بھی تھی حارث اگرچہ اسے دیکھ نہ سکا تھا لیکن پردے کے عقب میں اس کی آواز فردرسن رہا تھا جسے ہزاروں آوازوں کے درمیان بھی پہچانتا تھا۔

معاہدے پر سلطان خواروہ کے دستخط ہونے ہی حارث نے طولونی بیوہ کو جیت لیا تھا کیوں کہ وہ اس کا منہ مانگا انعام تھی۔

ابو نعرب میں ابو الحسن کا مہر نے سلطان سے قطر الندی کی رخصتی کے بارے میں غبی گفتگو کی اور اس نے جواب دیا: "ہم اپنی بیٹی کو خلیفہ المسلمین کے خلی مرتبہ اور زمانہ نشان تری و عروج و دام سے رخصت کرنا چاہتے ہیں تاکہ دنیا جان لے کہ تمہاری بیٹی دنیا کے سب سے بڑے فرمانروا کی عروس بنی سے اور نیاری کے لیے جس چند ماہ درکار ہوں گے وہ سب بچہ رخصتی کی نیازیاں مکمل کر لیں گے۔" وہ اپنی بیٹی کو عروسی لباس پہنا دیں گے اور اسے قاصد بغداد کی جانب روانہ ہو جائیں گے تاکہ خلافت ماب کو شہزادی کی آمد سے مطلع کر سکیں خلیفہ المسلمین کی خواہش کے مطابق ہمارا سفیر حارث ابو ظفر ہی قطر الندی کو لے کر بغداد جائے گا اور اُسے ابو عباس کے سیر کر سکے گا۔

پھر وہ اپنے سفیر سے مخاطب ہوا اور فریب ہی موجود تھا: "حارث! ہمارے معزز مہمان کو تین روز تک انقطاع سے نکلتا رہے گا مگر میرے کہنے کے موافق نہیں مل سکا اس لیے اہم کام سرانجام پانگے ہیں۔ اب مہمانوں کو مقرر دکھاؤ۔" کاراجال ہے اس معاملے میں شہباز بھی تمہاری مدد کریں گے۔

سلطان کا اشارہ پاستے ہی شہزادہ شہباز اور حارث عراقی مہمانوں کی طرف متوجہ ہو گئے مہمان خود بھی مصر دیکھنے کے مشتاق تھے۔

امیر وند ابو الحسن قائم نے کہا: "میرے ساتھی سب سے پہلے امام شافعی کے مزار پر حاضری دینا چاہتے ہیں۔ کل جمعہ ہے۔ اس لیے نماز سے قبل مزار امام پر دعا خیر و برکت کا باعث ہو گئی۔"

سب لوگوں نے ابو الحسن کی رائے سے اتفاق کیا اور طے پایا کہ نماز جمعہ کے بعد شہر کے اہم مقامات دیکھے جائیں۔ درخت عباسیہ اس کو دور کی سب سے بڑی سلطنت تھی اس لیے ابو الحسن قائم اور وفد کے دوسرے ارکان مصری حکومت کے سب سے زیادہ معزز مہمان تھے اور سلطان خمار دیہ نے مصر کی سیر کے لیے حارث ابو ظفر کے ساتھ شہزادہ شہباز

بعض روایات کے مطابق اس نسلے میں پرانے دار الحکومت فسطاط کی کو "مصر" کہا جاتا تھا کیوں کہ مصر کے قدیم ترین آثار ابوہول اور اہرام وغیرہ فسطاط کے قریب ہیں کے مغربی ساحل پر واقع تھے۔ (دبئی پبل)

کو بھی یہ فرض سوچ دیا تھا کہ وہ معزز مہمانوں کو معرہ دکھائے اور ان کی رہنمائی کرے۔ دوسرے روز نماز جمعہ سے قبل شہزادہ شہباز حارث ابو ظفر اور فسطاط کے چند اعلیٰ افسروں کی سمیت میں عراقی وفد بحسب سے پہلے امام شافعی کے مزار پر حاضری دی اور فیروہ برکت کی دعا مانگی پھر وہ محلہ مرقہ میں مشہد نفیسہ پر گئے اور وہاں بھی فاتحہ پڑھی۔

عراقی مہمانوں نے فسطاط میں مسجد مرقہ کی بھی زیارت کی۔ شہر کے ہر دولتی بازاروں اور پانچ چھ منزلہ عمارتوں کو دیکھا۔ فسطاط سے انقطاع کی طرف واپس آنے کوئے عسکر کا نظارہ کیا۔ عسکر فسطاط کے بعد مصر کا دوسرا دار الحکومت تھا جو دوسری صدی ہجری میں ایک عباسی سپہ سالار نے فوجی معسکر کے طور پر تعمیر کیا اور بعد ازاں دار الحکومت بن گیا انقطاع جو فسطاط اور عسکر سے علی الترتیب شمال کی سمت واقع تھا مصر کا تیسرا دار الحکومت تھا جو احمد بن طولون کے عہد میں تعمیر ہوا۔ پہلا دار الحکومت فسطاط تھی کیا رہیں کے جنوب میں دریائے نیل اور برکت العیش (جسٹہ تھیل) کے درمیان واقع تھا۔

عراقی وفد نے نماز جمعہ انقطاع کی جامع مسجد احمد بن طولون میں اہوا کی جو فی تعمیر کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔

مصر میں آنے والے مہمان یا سیاح کے لیے دریائے نیل اس کے مغربی ساحل پر جزیرہ نیز ابوہول اور اہرام کی سیر لازمی تھی جاتی ہے جو چیزہ سے پانچ میل مغرب کی سمت واقع ہیں یہ اہرام جو فرعون کے مقبرے اور تعداد میں نو ہیں عجائبات عالم میں شمار ہوتے ہیں۔ یہ ضرب المثل مشہور ہے جس نے اہرام نہیں دیکھے، اس نے مصر نہیں دیکھا۔ نیل اور چیزہ سمیت وادی اہرام کی سیر کے لیے جتنے کے بعد کا وقت بہت کم بلکہ

فسطاط میں مشہد نفیسہ ایک مشہور زیارت گاہ تھی اکثر عقیدت مند وہاں حاضری دیتے تھے۔ سیدہ نفیسہ، حسن بن زید بن حسن بن علیؑ کی بیٹی اور امام جعفر صادق کے بیٹے احناف کی زوجہ تھیں۔ اپنے شوہر کے ساتھ مصر آئیں۔ ۲۰۰ھ کو وہیں فوت ہوئیں اور اپنے ہی مکان واقع محلہ مرقہ (فسطاط) میں دفن ہوئیں۔ (آئینہ نفیسہ جلد ثانی)

فسطاط موجودہ قاہرہ سے دودھلی میل جنوب میں واقع اور جزیریہ بیابان سے ملتی تھا جہاں میلونک ریت کے قودوں میں اُس کے آثار آج بھی پائے جاتے ہیں (دبئی پبل)

ان الفاظ کے ساتھ گویا شبیہاں نے منہ مانگے انعام کی ترشینی کر دی اور وہ کہنے لگا: ”حاکم فسطاط کا عمدہ بلاشبہ میرے لیے ایک بہت بڑا اعزاز ہے اور میں بے حد خوش ہوں کہ سلطان عالی مقام نے غلام کو اس عمدے کے لائق سمجھا لیکن مجھے عہدوں کی نہیں کسی اور چیز کی تمنا ہے۔“

”کیا چاہتے ہو؟“

حادث نے جواب دینے کی بجائے اپنے مخصوص انداز میں سوال کیا: ”هل جزا الا حسن؟“ (کیا نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا کچھ اور بھی ہو سکتا ہے؟) شبیہاں نے بھی اسی لہجے میں جواب دیا: ”زات السجود يجيد السجود“ (نیکی کرنے والا خوشی کا شہ ہے)

”پھر غلام کی خوشی یہ ہے کہ مجھے بنی طوروں کی فراہمیت نصیب ہو۔“

”تم بنی طوروں کے بہت قریب آچکے ہو۔ حادث! پورا خاندان تمہارے کارنامے پر خوش ہے۔“

”قریب سے غلام کا مطلب کچھ اور ہے۔“

”تو مطلب یہاں کرو؟“

حادث نے الفاظ کو اپنے ذہن میں تو لٹا پھرتا رہا: ”شہزادہ علی! میں ایک ایسے انعام کا طلب گار ہوں جو میری حیثیت سے اوجہ خاں ضرور ہے لیکن میں اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کر دوں گا۔“

”انعام میں کیا چاہتے ہو؟“

اُخروں میں دھڑکتا ہوا نام حادث کی زبان پر آگیا: ”شہزادی نجم ایل!“ شبیہاں تعجب کی نظروں سے اُسے دیکھنے لگا لیکن ابھی کچھ کہنے نہیں پایا تھا کہ حادث نے ٹھوڑی سی وضاحت ضروری سمجھی تاکہ اُس کے آقا کا استعجاب دور ہو: ”شہزادہ علی! شہزادی صاحبہ بھی غلام کو پسند کرتی ہیں۔“

حادث کے الفاظ نے اُسے ایک نئے تعجب سے دوچار کر دیا اور اب معاملے پر کسی اور پہلو سے غور کیا: ”نجم بیوہ ہے اور بیوہ کا عقد ثانی مسنون ہے لیکن نجم کا فیصلہ سلطان معظم کو کرنا ہے۔“

ایک دن بھی تھوڑا تھا۔ چنانچہ دوسرے روز جب عراقی وفد ابوالہول کا نظارہ کرتا ہوا ادائیہ امیر ام میں داخل ہوا شہزادہ شبیہاں کے حکم پر خورف کے ہم کا وہ دستہ کھل دیا گیا جس دستہ عباسی خلیفہ مامون اس ہرم میں داخل ہوا تھا۔ ابوالحسن قاسم نے بھی اپنے ارکان وفد سمیت خورف کے حرم کی سیر کی۔ شام کو وفد انقطاع میں لوٹا تو سب لوگ تنگے ماندے اور مذہل حال تھے انقطاع میں سات روز قیام کرنے کے بعد جب عراقی وفد بغداد کی جانب روانہ ہوا تو اُرنٹ تحائف سے لدے ہوئے تھے اور ابوالحسن قاسم بن عبداللہ کی جیب میں ایک ٹھہر بند مراسلہ تھا جو شہزادی نظر اندی نے معتمد ابوعباس کے نام لکھا تھا۔ ابوعباس کے نام تو ان کی کاپیہ دو سرا خط تھا۔



مہمان رخصت ہوئے تو حادث نے اطمینان کا سانس لی۔ مسلسل تین مہینے مصروف رہا تھا لیکن یہ مصروفیت اس کی کامیابی پر ختم ہوئی تھی اور اسی غمی وہ کامیابی جس نے بنی طوروں کو مسرتوں سے ہلکا کر دیا تھا۔

ابھی لباس تبدیل کر کے بیٹھا ہی تھا کہ شہزادہ شبیہاں کا خادم طلحی کا پیغام لے کر آگیا۔ خادم کے ساتھ قصر شبیہاں میں پہنچا تو اُس کا آقا دروازے پر استقبال کے لیے موجود تھا۔ بڑے تپاک سے آتھ پڑ کر کمرہ ملاقات میں لے گیا اور جب وہ بیٹھ گئے، تو کہنے لگا:

”حادث! تم نے طوروں کی حکومت کے لیے اتنی بڑی خدمت سرانجام دی ہے کہ سلطان معظم نے اس کے صلے میں تمہیں فسطاط کا حاکم بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔“

حادث اسی دن کے انتظار میں تھا جب اس کی خدمت کا صلہ دیا جانے والا تھا اس نے امیر شبیہاں کے سامنے اپنا سر جھکا دیا اور اُسے یاد دلایا: ”بغداد کی طرف روانگی سے قبل آپ نے وعدہ کیا تھا کہ اگر میں اپنی سفارت میں کامیاب واپس آؤں تو غلام کو منہ مانگا انعام دیا جائے گا اور یہ وعدہ حضور نے سلطان معظم کی طرف سے کیا تھا۔“

شہزادہ شبیہاں اسے بے چین سا دیکھ کر کہہ دیا: ”سلطان معظم نے تمہیں فسطاط کا حاکم بنانے کا فیصلہ اپنی خوشی سے کیا ہے۔ جب اپنی پسند کا انعام طلب کرو گے تو اس سے بھی انکار نہیں ہوگا۔“

"غلام کو منہ مارا انعام دینے کا وعدہ بھی سلطان معظم ہی کا ہے۔"
 "میں انھیں غصائی طلب سے آگاہ کر دوں گا۔"
 "غلام اس معاملے میں حضور کی سفارش کا بھی اُمیدوار ہے۔"
 "میں انھیں پسند کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر چھڑا ہو گیا۔ حارث بھی اٹھا۔ دونوں دروازے تک آئے۔ شیبان خدایں
 گھونٹا بولا۔ "تم نے جو ستارہ طلب کیا ہے میں اُس کے آسمان کی طرف جا رہا ہوں۔"
 اور اُسی وقت قہر سلطان کی جانب ہو گیا۔



اب جیش خمار در یہ قہر تصویر میں ترک غلام رضوان کی نجم نشینی میں تھا کہ بھائی کے آئے
 اطلاع ملی اُس نے رضوان کو رخصت کیا اور شیبان کو واپس بلایا۔ بھائی کو فکر مند دیکھ کر حیرت
 ہوئی مگر اس کی حیرت کو نظر انداز کرتا ہوا بولا۔ "تم نے حارث کو نئے عہدے کی اطلاع دے
 دی ہوگی۔"

خمار دیہ نے خود ہی حارث کا ذکر چھیر دیا تھا۔ شیبان کی مشکل آسان ہو گئی۔ "میں اسی
 کے بارے میں گفتگو کر رہا تھا۔"

اب حیران ہونے کی باری خمار دیہ کی تھی کہ بھانے اس کے بارے میں کیا گفتگو کرنے
 آیا ہے۔ شیبان نے بتایا۔ "وہ منہ مارا انعام چاہتا ہے۔ آپ نے قول دیا تھا کہ کامیابی
 کی صورت میں جو کچھ طلب کرے گا، دیا جائے گا۔"

خمار دیہ ذرا سنبھل کر بیٹھ گیا۔ "میں اپنا قول یاد ہے اس نے ہماری جو خدمت
 کی ہے، اس کا صلہ بھی ضرور دیں گے۔ کیونکہ حاکم فسطاط سے کوئی بڑا عہدہ چاہتا ہے؟"
 "اُسے عہدے کی خواہش نہیں۔ صرف انعام کا طلب گار ہے۔"
 "انعام میں کیا چاہتا ہے؟"
 "نجم البلیل....."

یہ نام بھئی کی طرح خمار دیہ کے ذہن پر گرا اور بارے حیرت کے اچھل کر پھڑا ہو گیا۔
 شیبان نے بھائی کی حیرت کو کچھ سوچنے کی دعوت دی۔ "حارث کا خیال ہے کہ نجم بھی اُسے

پسند کرتی ہے۔"

خمار دیہ کے ذہن کو ایک اور دھچکا لگا۔ بڑے غصے سے تالی بجاتی تو غلام فوراً
 حاضر ہو گیا۔ سلطان نے حکم دیا۔

"رضوان سے کہو تم شہزادی نجم البلیل سے اسی وقت ملنا چاہتے ہیں انھیں اپنے
 ساتھ لے کر آئے۔"

غلام چلا گیا کہ شیبان بھائی کو کھانے لگا کہ اس معاملے پر مشتعل ہونے کی بجائے
 دل و دماغ سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ انھیں یوں بہن کا دوسرا عقدہ بہر حال کہیں کرتا ہے
 اور اگر سلطان معظم اس کا مشورہ پسند فرمائیں تو حارث البظفر اس کا بہت اچھا شوکر ثابت ہوگا
 اس نے اپنی فراست سے ہماری ایک بہت بڑی مشکل حل کر دی ہے جس کے حل میں سلطان
 اُسے حاکم فسطاط کے عہدے پر فائز کر رہے ہیں اس کی حیثیت پہلے سے بڑھ جائے گی۔
 اگر اُسے منہ مارا انعام دے دیا جائے تو ساری غلط فہمی ریاست کی خدمت کو تار پڑے گا۔

شیبان کے نزدیک نجم البلیل کے لیے حارث سے بہتر کوئی شوکر مل ہی نہیں سکتا تھا
 اب خمار دیہ بھی غصے دل سے غور کرنے لگا اور اُسے محسوس ہوا کہ حارث فی الواقع کارآمد
 آدمی ہے، جو مستقبل میں بھی سلطنت کے کام آسکتا ہے۔ بدلے ہوئے اچھے میں بولا۔ "اگر نجم
 حارث کو پسند کرتی ہے تو ہم بھی اُسے منہ مارا انعام دے دیں گے۔"

دونوں بھائیوں میں گفتگو جاری تھی کہ رضوان شہزادی نجم البلیل کو لے کر داخل ہوا۔
 وہ بڑی عجلت اور پریشانی میں آئی تھی کہ بھانے سلطان معظم نے اُسے اچانک کیوں بلایا ہے وہاں
 شیبان کو دیکھ کر وہ بھی حیران ہوئی۔ خمار دیہ نے اُسے بیٹھنے کے لیے کہا اور جب رضوان پاتا
 فرض ادا کر کے کمرے سے نکل گیا تو بہن سے مخاطب ہوا۔ "نجم باجم ایک معاملے میں تمہاری رائے
 معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ تمہارے خیال میں بنو عباس کے ساتھ دوستی کر کے ہماری عزت میں کوئی
 اضافہ ہوا ہے؟"

وہ اس سوال پر حیران ہوئی اور سنبھل کر بیٹھ گئی۔ طوفانی ریاست کو تسلیم کرانے کی نظر
 خلیفہ پر حربی دباؤ ڈالنے اور عراق پر فوجی تاخت کرنے کا مشورہ دے چکی تھی، جو ستر در
 دیا گیا تھا۔ بھائی کے سوال کو سمجھ نہ سکی کہ آخر اس کا مقصد کیا ہے، سوچ کر کچھ بڑے
 مخاطبات غلام میں ہوئی۔

یہ کہہ کر کھڑی ہو گئی۔ ”اگر آپ اجازت دیں تو ہم جائیں گے۔“

سلطان ابوجیش خاوریہ بھی اٹھا اور منہ پھیر کر کھڑا ہو گیا۔ ”نجم! ایک بار پھر سوچ لو۔“

”ہم سوچے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرتے۔“

پھر جواب کا انتظار کیسے بغیر دروازے کی طرف بڑھی اور دوا کے نیز جھونکے کی طرح کمرے سے نکل گئی۔ دونوں بھائی درپردہ حیرت میں ڈوب گئے۔ شبان جی پہلے اس کیفیت سے لگا اور بولا: ”نجم کا انکار پریشان کر دینے والا ہے۔“

”اُسے سمجھانے کی کوشش کرو۔ شاید بخار اکھا مان جائے۔“



شہزادہ شبیان ناکام لوٹ رہا تھا۔ شاہی محل سے مایوس اور پریشان لگا اور اپنے قصر کی جانب آیا تو دروازے پر حارث اُس کا منتظر تھا۔ شبیان نے بتایا کہ سلطان معظم اپنا وعدہ پورا نہیں کر سکتے۔ شہزادی نجم ابدیل نے انکار کر دیا ہے۔

پھر ان سے کہہ دیجئے مجھے حاکم فسطاط کے عہدے کی ضرورت نہیں۔“

یہ کہہ کر لوٹے دل سے بلٹا اور چل دیا۔ شبیان نے آواز دی: ”عُمر د۔“

وہ اٹھی قدموں رک گیا۔ شبیان نے اُس کے بڑھ کر اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ ”تم نے کہا تھا کہ نجم تمہیں پسند کرتی ہے لیکن وہ تمہیں صرف ایک چرس محافظ افسر کے طور پر پسند کرتی ہے۔“

”شہزادہ عالی! شہزادی صاحبہ مجھ سے جو گفتگو کر چکی اور میرے لیے جو الفاظ استعمال کرتی رہی ہیں ان سے مقابلے میں ”پسند“ کا لفظ تو کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ میں حیران ہوں وہ اپنے الفاظ سے انکار کیسے کرتی ہیں؟“

”پھر تم نجم سے خود کیوں نہیں ملنے۔ ممکن ہے کسی بات پر تم سے ناراض ہو گئی ہو اور مجھ سے ناراضی جاتی رہے۔“

شبیان کا سوتیلہ ہمدردانہ تھا وہ اسے شہزادی سے ملنے کا مشورہ دے رہا تھا۔ یہ مشورہ اس کی ہمت افزائی کر رہا تھا۔ خیال آیا، ایک بار مل کر دیکھنا تو جیسے شاید اُس کے انا کی بات صحیح ہو۔ اگر وہ ناراض ہے تو اُس کی ناراضی دور کرنے کی کوشش کرے گا۔

”سلطان معظم! آپ مقصد میں کامیاب رہے اور پہلے سے سر بند ہو گئے ہیں اب آپ کو مشرق اور مغرب سے کوئی خطرہ نہیں۔“

”یہ کامیابی حارث ابوفکر کے طفیل حاصل ہوئی اور ہم نے اُسے حاکم فسطاط بنانے کا فیصلہ کیا ہے کیا وہ اس منصب کے لائق ہے؟“

”اب وہ اس منصب کا مستحق ہے۔“

خمار دیہ کچھ حارث کی حمایت کرتی ہے ضرور اس سے دل چسپی رکھتی ہوگی۔ ”تم حارث کے بارے میں تمہاری ذاتی رائے جاننا چاہتے ہیں۔“

اب وہ چڑکی: ”کس لیے؟“

خاوریہ نے یہ سمجھ کر کہ حارث کو پسند کرتی ہے بات کھول دی: ”ہم نے قول دیا تھا کہ وہ دوستی کا معاہدہ کرالے میں کامیاب رہا تو اُسے منہ مانگا انعام دیں گے۔ اپنی کامیابی کے صلے میں اُس نے تمہیں ہم سے مانگا ہے۔“

نجم ابدیل پر سکتہ سا گزر گیا۔ ”مجم ہو گئی۔ خمار دیہ نے توجہ دلائی۔“ ہم تمہارے جواب کے منتظر ہیں۔“

اس کی آواز بول سنائی دی جیسے کسی کوئٹھ سے بول رہی ہو۔ ”سلطان معظم! آپ نے پہلے بھی ایک ترک سردار کے متعلق ہماری رائے پوچھی تھی اور ہم نے انکار کر دیا تھا۔ اب بھی انکار جواب دہی ہے۔“

اس کا انکار سن کر شبیان حیران رہ گیا اور خاوریہ پریشانی سے بولا: ”ہم نے سنا تھا کہ تم حارث کو پسند کرتی ہو۔“

”صرف ایک چرس محافظ اور دفا دارنگا کی حیثیت سے، اس سے زیادہ نہیں۔“

نجم ابدیل کا انکار بالکل واضح تھا۔ خاوریہ کی پریشانی بڑھ گئی۔ ”ہم اُسے منہ مانگا انعام دینے کا قول دے چکے ہیں۔ ہمارا قول کیسے پورا ہوگا؟“

”ہمارے پاس اگر وہ آپ سے خدائی طلب کر لیتا تو کیا آپ اپنا قول پورا کر سکتے تھے؟“

یہ جواب ایسا مسکرت تھا کہ مزید کچھ کہنے سننے کی گنجائش نہ تھی۔ اس نے دونوں بھائیوں پر ایک اور بجلی گرا دی۔ ”اپنا شوہر ہم خود منتخب کریں گے اور شریعت ہمیں یہ حق دیتی ہے۔“

شام کے بلے دھندلے میں قصرِ نجم کی طرف جاتے ہوئے گزشتہ ملاقات کا ایک
ایک منظر اس کی نگاہوں میں گھومتا رہا۔ الفاظ یا داشت کے ڈربے سے نکل کر وہیں میں
پھر پھرتے اور ساحت سے ٹکراتے رہے۔ ابنِ حرب تو کانٹے کی طرح ہمیشہ سینے میں کھٹکنا
رہا تھا۔ بعد اسے واپسی کے بعد عراقی مہمانوں کی رفاقت اور میزبانی کی وجہ سے اگرچہ وہ
بے حد مصروف تھا پھر بھی دوسرے کی دن اپنا ادوی سوتق اٹھل کی طرف بھیج کر معلوم کرایا کہ ابنِ حرب
بھی ملک اسی حویلی میں ہے یا فسطاط سے کسی اور جگہ چلا گیا؟ اور ادوی خبر لے کر آیا تھا کہ وہ چلا گیا
ہے یا نہیں چلا گیا ہے حویلی کا خادم سارا بھی نہیں جانتا کہ کہاں چلا گیا ہے اور واپس بھی آئے گا یا
نہیں؟

اس خبر سے حادث کے دل کو ایک عجیب سی ڈھارس ہوئی یا تسکین ملی تھی کہ چلو فساد
کی جو کٹی۔ اب نہ کانٹے کا ڈر نہ بول کا خطرہ۔ یہی باتیں سوچتا اور خیالات کے تانے بانے بٹاتا
شہزادی سے بالمشافہات حجت کرنے قصرِ نجم کی طرف چلا جا رہا تھا اور دل میں امید کی ایک
شعشع روشن تھی کہ جب سلطان ابو جیش خوارویر اور برادر سلطان شہزادہ شیبان دونوں چلتے
ہیں کہ طوونی بیوہ اس کا منہ مانگا انعام بنے تو شہزادی نجم اس سے اپنا دامن کیونکر چھڑا سکتی اور
اس کی زوجیت سے انکار کیسے کر سکتی ہے؟

قصرِ نجم قریب آگیا تھا۔ اور حادث اپنے خیالوں میں محو، اپنے دھبوں میں گم اس
سے صرف چند قدم دور تھا کہ کچھ فاصلے پر ناگہان ایک شخص جادو کے پتلے کی طرح نمودار ہوا
جس نے اپنے دل و دماغ کے سانچے فسطاط سے بھی نکال بیٹھا تھا اور وہ اس کا پرانا رقیب باحرف
ابنِ حرب تھا، جو شہزادی نجم لیل کی سٹوڈانی کنیز خنجر کے ہمراہ مخالف سمت سے چلا آ رہا تھا۔
غالباً شہزادی نے شاہی محل سے واپس آتے ہی خنجر کو سوتق اٹھل کی طرف دوڑا دیا تھا کہ معلوم
کرے، ابنِ حرب واپس آیا ہے یا نہیں؟ اور آگیا ہو تو کسی طرح اپنے ساتھ ہی لے گئے۔
وہ آج ہی عیش سے لٹا اور ابھی کپڑوں سے سفر کی گند بھی نہیں اُتار سکا تھا کہ خنجر
اچانک حویلی میں پہنچ گئی۔ وہ طوونی شہزادی کا بلادار ملے ہی اس کے ساتھ انقطاع کی طرف چل
دیا اور قصرِ نجم کے قریب پہنچ گیا تھا کہ سامنے حادث کو دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔ خنجر بھی ہکا بکا کسی
رہ گئی۔

یہ ایک عجیب اتفاق تھا کہ دونوں رقیب نیل کی بندرگاہ کے بعد پھر ایک دوسرے

شیبانی نے مزید حوصلہ دیا۔ ”میں بھی نجم سے ملوں گا اور تمہارے لیے بات کر دوں گا
مگر حوریت کے معاملے میں ان کی اپنا سنیر اور تنا صد خود موزنا ہے۔“

شیبانی کی باتوں سے مزید حوصلہ ہوا دل میں ایک شعلہ سا بھڑکا اور اپنے جہز پر
عشق پر اعتماد کمال ہونے لگا۔ جو شہزادی کا انکار سننے کے بعد ٹوٹ گیا تھا۔

قصرِ شیبان سے نکلتا تو شاہ اپنے بھی پر پھیلائے آہستہ آہستہ زمین پر گرتی
تھی اور ہوا کی ہوا اس کے ہمارے میں سرسراہٹ پیدا کرنے لگی تھی۔ زمین میں بھی ایک عقیق
کا سرسراہٹ گورنے لگی اور چلتے چلتے شہزادی نجم کے وہ الفاظ آپ سے آپ سنائی دینے
لگے جب شہزادی نے خود پیغام بھیج کر اسے بلا یا تھا۔ تنہائی کی ملاقات کا شرف بخشا تھا اور
اس جہے الفاظ میں باتیں کی تھیں۔ اس کی آواز سننے کی سی تھی۔ الفاظ کتنے شیریں تھے۔

”ہم چاہتے ہیں تمہارے بارے میں دماغ کی بجائے دل سے سوچا کرو۔“
اس ملاقات میں ابنِ حرب کا ذکر بھی آیا تھا، بلکہ وہ ملاقات ابنِ حرب ہی کے سلسلے
میں ہوئی تھی اور حادث کے نزدیک سارے فساد کی جڑ وہی تھا، جو اسے نیل کے ساحل پر
ملا یا نہیں ملا تھا تاہم حادث نے اسے نجم لیل کا ناشق ٹھہرایا اور شہزادی پر سیر دریا کا الزام
لگا یا تھا مگر شہزادی نے کس محبت اور پیار سے کہا تھا۔

”تم نے ابنِ حرب کو اپنا رقیب سمجھ لیا ہے؟..... پھر بھائی شیبان سے کہو کہ
کسی ہم کے ساتھ بعد اورواد کر دیں..... اگر اسے اپنا رقیب سمجھ بیٹھے ہو تو تمہارا راستہ
صاف ہو جائے گا۔“

ان الفاظ کا کیا مفہوم تھا؟ کیا مطلب تھا؟ کیا مقصد تھا؟ کوئی مقصد تو تھا اور یہ مفہوم
کتنا صاف تھا کہ ابنِ حرب کو کسی ہم پر بھجوا کر حادث کا راستہ صاف کر دینا چاہتی اور اسے اپنی
محبت کا موقع دے رہی تھی، اس پر مہربان ہو رہی تھی۔ شہزادی کے یہ الفاظ تو کسی معبود کی
مقدس گفتگو کی طرح اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔
”حادث! تم تم پر اور بھی مہربانیاں کر رہے گے۔“

یہ سارے خوب صورت الفاظ اس بات کی شہادت دے رہے تھے کہ وہ حادث کو
محض ایک چوکس محافظ افسر کی حیثیت سے نہیں بلکہ کسی اور حیثیت سے پسند کرتی بلکہ چاہتی ہے
مگر آج وہ ان ساری باتوں سے، ان تمام باتوں سے محو تھی کہ

KHAN BOOKS
& LIBRARY
 S-527, BHABRA BAZAR, RAWALPINDI
 Cell: 0345-5048634 - 0345-5048559
 Prop: Ali Khan

منصوبہ

کے آئنے سامنے ہوئے تو خیر بہاں بھی ابن حرب کے ہمراہ تھی اور اب کسی طرف فرار ہو سکتی نہ
 کہیں چھپ سکتی تھی۔ ایک ہی سرگ تھی، ایک ہی راستہ تھا۔ اس رات سے پر ادھر حادثہ تھا،
 ادھر خیر بھی اور اس کے ساتھ ابن حرب تھا اب دو رقیبوں کا ٹکراؤ ہو گیا تھا۔
 ابن حرب کا ہاتھ غور کے دستے پر چلا گیا اور خیر مارے خوف کے سہم گئی کہ بچانے اب
 کیا ہو چاہتا ہے ادھر حادثہ ابھی تک اپنے تیز میں گم تھا کہ ناگہاں چوڑکا اور ایک تیز کے ساتھ
 بڑی تیزی سے آگے بڑھا۔



KHAN BOOKS
& LIBRARY
 S-527, BHABRA BAZAR, RAWALPINDI
 Cell: 0345-5048634 - 0345-5048559
 Prop: Ali Khan

حادثہ کو بڑھتے دیکھ کر ابن حرب نے بھی بڑی تیزی سے قدم آگے بڑھائے
 لیکن اسی لمحے خیر نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور قصر کے چوٹی پھاٹک کی جانب اشارہ کیا۔ وہ
 ابھی قدموں رک گیا جتنی محافظ ڈنگا نے پھاٹک اچانک کھول دیا اور خود بھی باہر آ کر کھڑا ہو
 گیا۔ پھر پریشان اور بے چین بھی دکھائی دے رہا تھا جس سے اندازہ ہوتا تھا کوئی معزز رہبر
 قصر سے باہر آ رہا ہے جس کے لیے محافظ نے دروازہ کھولنے میں عجلت سے کام لیا یا پھر اندر
 کوئی غیر معمولی واقعہ رونما ہو گیا اور وہ اس سے انگ تھک رہتا چاہتا ہے۔

شاہی محلات اور شہزادوں، شہزادیوں کے قصر وں میں بعض اوقات ایسے رومانی
 مناظر بھی پیش آجاتے تھے جنہیں دیکھنے کی بجائے غلاموں اور خادموں کا مزہ پیر لینا پوایاں
 سے ہٹ جانا لازم ہوتا تھا۔ یہ خیال ہی بڑا سنسنی خیز تھا کہ قصر خیم میں ایسا منظر کس کے
 ساتھ پیش آ سکتا ہے یا محافظ کی پریشانی کا مطلب کچھ اور تھا اور اس نے پھاٹک کسی اہم
 شخصیت کے لیے کھولا تھا۔ بہر حال معاملے کی صورت ایسی تھی جس نے حادثہ کی توجہ اپنی
 طرف مبذول کر لی۔ حد درجہ سے پھاٹک ہی کی طرف بڑھا تھا اور اس افراتفری میں اسے یہ
 دیکھنے کی مہلت نہ مل سکی کہ مقابل سمت سے تھوڑے فاصلے پر اس کا وہی رقیب اور حریف
 قصر کی جانب چلا آرہا ہے جیسے نیل کی بندرگاہ پر دیکھ کر دل میں ایک کاٹا سا چبھ گیا تھا اور
 اس کے ہر شاہزادے اور خیم کے محافظوں کی نگاہیں اس کی جھلک نیل کی بندرگاہ پر بھی

نظر آئی اور بے کی سر ہی کر اس کے خون میں اتر گئی تھی۔

اگرچہ شہزادہ کو ابن حرب کے ساتھ دیکھ لینا تو سودانی کینز اور طوبی شہزادی کی وہ تمام عنائی جو اس کا شہرہ در کرنے کے لیے پیش کی گئی تھی، رقابت کی آگ میں بدل جاتی اور پھلک کی طرف بڑھنے کی بجائے وہ پہلے اپنے رقیب ہی سے فتنے کی کوشش کرتا لیکن ناگہان پھانک کھینے اور جشی محافظ کے باہر آنے کا واقعہ کچھ اس طرح پیش آیا تھا کہ نظر افغا کر سامنے دیکھنے کا بھی ہوش نہ رہا اور بڑی بے چینی کی حالت میں پھانک بھی کی جانب بڑھتا چلا گیا۔ ادھر خبر نے بھی کہاں ہوشیاری سے ابن حرب کو روک لیا تھا کہ مبادا حارث کی نظر اس پر پڑ جائے۔

اس طرح دو چیزوں میں وہ تصادم نہ ہو سکا جو ان میں سے کسی ایک کی ہلاکت پر ختم ہوتا مگر یہ دونوں بھائی باہم ٹکراتے ٹکراتے رہ گئیں اور اپنے بادلوں میں لوث گئی تھیں۔ قدرت نے ان کا تصادم کسی اُتھ وقت پر ٹال دیا تھا کیوں کہ انھیں ایک دوسرے سے ٹکراتا تو بہر حال تھا۔

حارث پھانک پر پہنچا تو جشی محافظ نے بڑے ادب سے سلام کیا مگر وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ کھلے پھانک سے قصر کے اندر جہاں تک نظر جاسکتی تھی کسی کی پرچھائیں بھی نہیں تھیں۔ نہ کوئی منظر تھا، نہ کسی کے آنے کے آثار تھے۔ اُس نے تعجب کی نظروں سے محافظ کو دیکھا اور پوچھا۔ ”تم سے دروازہ کس کے لیے کھولا تھا؟“

”یہ نام غلام ڈنگ کا حجاب حیران کر دینے والا تھا۔“ آپ کے لیے جناب؟

”میں نے آپ کو آتے دیکھ لیا تھا اور دیکھتے ہی دروازہ کھول دیا۔“ حارث پر ایک اور حیرت گزرتی۔ ”کیا میرے لیے غیص دروازہ کھولنے کی ہدایت کی گئی تھی؟“

”اب آپ کے لیے کسی ہدایت کی کیا ضرورت ہے جناب! آپ کسی ضروری کام کے سلسلے میں شہزادی صاحبہ سے ملنے آئے ہوں گے۔ تشریف لے لیں۔ میں انھیں آپ کے آنے کی اطلاع کرتا ہوں۔“

ڈنگ اسے اندر لے گیا۔ پھانک کے دونوں پٹ بھیڑ کر ٹنڈی چڑھائی اور خود صحن کی

طرف پکٹا چلا گیا۔ چھوٹا سا بلچہ عجور کر کے وہ ایک غلام گردش میں غائب ہو گیا۔ حارث کو زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ جشی غلام چند لمحوں کے بعد لوٹ آیا اور بتانے لگا کہ اُس کے آنے کی اطلاع دے آیا ہے۔ تھوڑی دیر میں ایک کینز غلام گردش سے نکل کر باغیچے کے درمیان آتی دکھائی دی۔ اس نے اگر مرثوہ سبایا کہ شہزادی صاحبہ نے ملاقات کی اجازت دے دی ہے۔

حارث اس کے پیچھے پیچھے ہو گیا۔ جوئی دونوں باغیچہ پور کر کے غلام گردش میں داخل ہوئے، جشی غلام نے بیرونی پھانک کا ایک پٹ کھولا اور اُس کی چھٹی سے خبر کو اندر آنے کا اشارہ کیا جو ابن حرب کو لے کر فوراً آگے بڑھی۔ ڈنگ محافظ بتانے لگا کہ اُس نے ایک جانب سے ان دونوں کو اور دوسری طرف سے حارث کو آتے دیکھا تو پریشان ہو گیا۔ پھر پھانک کھول کر حارث کو اپنی طرف متوجہ کر لیا اسے اندر لے آیا اور شہزادی صاحبہ کو جاکر صورت حال سے آگاہ کیا۔ انھوں نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ حارث کو ملاقات کے کمرے میں بلایا جائے تاکہ تم دونوں کو اندر آنے کا موقع مل جائے۔

عین نے جشی محافظ کی ہوشیاری اور خوش تدبیری پر آخر میں کب جس کے باعث ایک بہت بڑا خطرہ ٹل گیا تھا۔ پھر ابن حرب کے ساتھ قصر کی جانب ہوئی۔ حارث ملاقات کے کمرے میں پہنچ چکا تھا۔ دونوں غلام گردش سے گزر کر ایک باغیچے میں داخل ہوئے جو کمرہ ملاقات سے ملتی تھا اور جہاں ایک کھڑکی سے جس کے آگے بجائی پر وہ آویزاں تھا طوق کمرے میں ہونے والی گفتگو بھی سمجھ جاسکتی تھی۔

شہزادی ابھی کمرہ ملاقات میں نہیں آئی تھی۔ عین ابن حرب کو تنہا چھوڑ کر نکل گئی۔ غالباً وہ اپنی ماکن کو معاملے کی نزاکت سے آگاہ کرنا چاہتی تھی۔ دو رقیب ایک ہی چھت کے نیچے الگ الگ کمروں میں موجود تھے۔ ایک کو شہزادی نے خود بلایا تھا جس کا قسمت ساتھ دے رہی تھی۔ دوسرا اپنی قسمت آزمانے آیا تھا اور شہزادی دونوں سے الگ الگ ملاقات کرنے والی تھی۔

عین کو کچھ بھی چند لمحے گزرے تھے کہ ابن حرب نے کمرہ ملاقات میں حرکت کی اور محسوس کی۔ شہزادی غم کمرے میں آگئی اور حارث اُسے سلام کر رہا تھا۔ ابن حرب نے کان بند کھڑکی سے لگا دیے تاکہ پوری گفتگو سن سکے اور جو کچھ اس نے سنا تقریباً وہی تھا جس کی اطلاع اُسے عنبر کو ملانی ل چکی تھی۔ حارث تار تار تھا اُس نے بغداد کا سفر اس امید پر کیا تھا کہ کامیابی کی صورت

میں منہ مانگا انعام حاصل کر کے لیکن شہزادی نے اس کا انعام بیٹنے سے انکار کر دیا ہے جس پر اس کی دنیا تاریک ہو گئی ہے۔

جب وہ اپنے عہدے کا اظہار کر چکا تو شہزادی نجم کی آواز سنائی دی۔ ”ہیں افسوس ہے کہ سلطان معظم نے جو فرمائش کی ہم وہ پوری نہ کر سکے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم تمہیں ناپسند کرتے ہیں۔“

ان الفاظ سے حارث کو کچھ حوصلہ ہوا اور ہمت کر کے بولا۔ ”پھر تو میں یہی سمجھوں گا آپ میری کسی بات پر خفا ہیں۔ میں نے ابن حرب کے معاملے میں آپ پر شک کیا تھا شاید وہی بات آپ کے دل میں بیٹھ گئی ہے مگر میں دوسری مرتبہ اپنی غلطی پر ندامت کا اظہار کرتا ہوں اور آپ سے معافی کا طلب گار ہوں۔“

ابن حرب اپنا ذکر سن کر چونک گیا اور بڑی دل چسپی سے گفتگو سننے لگا تھا۔ شہزادی نجم کہہ رہی تھی۔ ”ابن حرب کا نام درمیان میں کیوں لاتے ہو؟“

”شاید وہی میرے اور آپ کے درمیان حائل ہو؟“

ان الفاظ نے شہزادی کو چونکا دیا لیکن فوراً سنبھلی۔ ”تم نے دوسری بار ہم پر شک کیا ہے، حالانکہ ابھی ابھی اس معاملے میں اپنی غلطی پر ندامت کا اظہار کر رہے تھے۔“

حارث فی الواقع دوسری غلطی کو بٹھا کر سوچ رہا تھا کہ اب اسے بات واضح کرنی چاہیے۔ ”شہزادی نجم اگرچہ میں اس کے خلاف کوئی ثبوت فراہم نہیں کر سکا پھر بھی میں نے اکثر اس کا نام آپ کے نام کے ساتھ سنا ہے اور یہی بات میرے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتی رہتی ہے لیکن وہ آپ کو مجھ سے چھین کر نہیں لے جاسکتا۔ ہم دونوں میں سے کسی ایک کو مرنا ہوگا۔“

حارث کے الفاظ خوف ناک تھے۔ شہزادی نے غصے سے کہا، وہ ابن حرب کو واقعی اپنا رقیب اور حریف سمجھتا اور اس سے بھڑکنا چاہتا ہے۔ کہنے لگی۔ ”شک آدمی کے دل میں نفرت پیدا کرتا اور اس سے سوچنے سمجھنے کی قوت چھین لیتا ہے۔ تمہارے دل میں شک کی آگ بھڑک رہی ہے۔ جب تک یہ آگ بجھ نہیں جاتی، تم کوئی صحیح بات نہیں کر سکتے۔“ یہ کہہ کر کھڑی ہو گئی گویا ملاقات ختم کر رہی تھی۔ ”تمہیں کچھ اور بھی کہنا ہے؟“

حارث نے بھی اپنی نشست چھوڑ دی اور کہا۔ ”صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ انکار کر کے اپنے جان نثار کا دل نہ توڑیں کیوں کہ جس طرح تلوار میں چویند نہیں لگتا، اسی طرح لوٹا

ہو ادل بھی جوڑا نہیں جاسکتا۔“

”مگر جو کچھ تم چاہتے ہو، وہ فی الحال ناممکن ہے۔“

”دنیا میں کوئی بات ناممکن نہیں۔“ ایک لحظہ اس کا رویہ بدل گیا۔ ”آپ میری محبت بھی

میں اور انعام بھی۔ میں نہ اپنی محبت سے دست بردار ہو سکتا ہوں، نہ اپنے انعام سے آپ کی خاطر ہر مشکل سے ٹھکرا جاؤں گا۔“

شہزادی جانتی تھی سلطان ابو جلیش خمارویہ اور شہزادہ شیبان اس کی پشت پر کھڑے ہیں اسی لیے ناممکن بات کو بھی ممکن میں بدل دینا چاہتا ہے مگر اس نے بھی قطعی ناممکن بات کے بارے میں سوال کر دیا۔ ”کیا ہماری خاطر آسمان سے ستارے توڑ کر لاسکتے ہو؟“

حارث ہلکا ہلکا سا رہ گیا اور سوچنے لگا، اُس نے صرف خمارویہ کی زبان میں سنا ہے توڑ لانے کی بات نہیں کی، بلکہ فی الواقع کوئی آسمانی اور ناممکن اہمیل توقع رکھتی ہے کہنے لگا۔ ”جو کچھ آدمی کے بس میں ہے، وہ میں کر دوں گا لیکن جو بات خارج الزامکان ہو، اس کی خواہش کرنا ہی بے سود ہے۔“

”پھر ہمارا خیال اپنے ذہن سے اور ہماری محبت اپنے دل سے نکال دو کیوں کہ ایک ناممکن بات کی خواہش رکھتے ہیں جسے پورا کرنا تمہارے نزدیک خارج الزامکان ہے۔“ حارث نے تھوڑی سی جرات کا مظاہرہ کیا۔ ”آخر معلوم بھی ہو، آپ چاہتی کیا ہیں؟“

”میں تمہیں کسی سلطنت کی ملکہ بنا سکتے ہو، ۱۶۹۷ء سے سریرہ تلج شاہی رکھ سکتے ہو، ہماری خاطر دشمنوں کے سر تسلیم کر سکتے ہو؟“

شہزادی کے الفاظ اُس کے دل و ذہن پر حیرت کی بجلی بن کر گرے۔ جسم پر ایک لرزہ سا گزر گیا اور وہ اٹھی اٹھا کر کہنے لگی۔ ”تم وہ سب کچھ نہیں کر سکتے جو ہم چاہتے ہیں۔“

حارث نے دھکی کی جڑ زبان استعمال کی تھی، نجم ابیل نے بھی اُسی زبان میں بات کی اور مکر سے نکل گئی۔ وہ تھکر کے بت کی طرح کھڑا رہ گیا۔ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ طوفانی بیوہ کسی سلطنت کی ملکہ بننے کی خواہش رکھتی ہے اور فی الواقع ملکہ بننا چاہتی یا صرف ایک ناممکن خواہش بیان کر کے اس کا امتحان لے رہی ہے؟

ابن حرب نے ملکہ کے لیے ہر ساری گفتگو سن لی اور سمجھ گیا تھا کہ طوفانی شہزادی

نے حادثہ کی آواز نہ سنی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

”عنبر! اپنی ماں کو سمجھاؤ۔ سلطان معظم اُن کا عقد مجھ سے کرنا چاہتے ہیں، مگر وہ انکار کر رہی ہیں۔“

غالباً سو ڈانی کنیز اُسے رخصت کرنے آئی تھی، کہنے لگی۔ ”جب وہ سلطان معظم کی بات سنے انکار کر رہی ہیں، تو میرا کما کب مائیں گی۔“

”تم شہزادی کی رازدار کنیز ہو اور رازدار کنیز وہ فن ہوتی ہے، جہاں زمین اور آسمان مل جاتے ہیں۔“

عنبر کو جواب جبرت انگیز تھا۔ ”اُن فن تو صرف نظر کا دھوکا ہے صاحب! ورنہ زمین اور آسمان ایک دوسرے سے کبھی نہیں ملتے۔ ایک کنیز اور شہزادی کے درمیان بھی اتنے ای فاصلے ہوتے ہیں جتنے زمین اور آسمان کے درمیان ہیں۔“

پھر ایک پل رُک کر بولی۔ ”چلو تمہیں چھوڑ آؤں۔“

حادثہ جُب جاپ اُس کے ساتھ ہو گیا اور چند لمحوں کے بعد ابنِ حرب ان کے نکاح کی آواز غلامِ گروش میں سُن رہا تھا۔



حادثہ اپنی بازی ہار آیا تھا۔ شہزادی نجم اہیل نے جو خواہش کی، وہ اُس کے اختیار سے باہر تھی تاہم اُس نے محسوس کیا کہ سو ڈانی کنیز کا رویہ بدلا ہوا ہے۔ پہلے تو اس کا نام بھی اور ہی لمحے میں لیتی لیکن اب اُسے ”صاحب“ کہہ کر بلاتا رہی تھی۔ شاید یہ اس پہلے تحفے کا نتیجہ تھا جو طحانی کڑوں کی شکل میں دیا گیا اور اسی لیے اس کا احترام کرنے لگی تھی جتنے چلتے سوچتے لگا، عنبر شہزادی کے مزاج میں بڑا دخل رکھتی اور اگر کوشش کی جائے تو کام آسکتی ہے۔ بہر حال اُن کا رویہ دیکھنا تو چاہیے۔ وہ محض کے باغیچے میں گلاب کی ایک جھاڑی کے پاس رُک گیا اور سرگوشی کے لیے میں بولا۔ ”عنبر! کیا میں تم پر اعتماد کر سکتا ہوں؟“

سو ڈانی کنیز نے بھی اسی لمحے میں جواب دیا۔ ”کیوں نہیں صاحب! مجھے تم سے ہمدردی ہے۔“

وہ کچھ سوچ کر کہنے لگا۔ ”تم سے کچھ سوچنا پڑتا ہے، مگر بتاؤ گی تو تم کو کھانا

کی طرح ایک جڑاؤ باری بھی تمہارا ہو جائے گا۔“

اس نے نہ صرف پہلا تحفہ یاد دلایا بلکہ سنے انعام کا لالچ بھی دیا۔ جانتا تھا زبور عورت کی کمزوری ہے۔ عنبر نے طحانی کڑوں کی طرف دیکھا جو اس وقت بھی باتوں میں مہین رکھے تھے اور بولی۔ ”سچی بات تو یہ ہے صاحب! میں ابھی تک تمہاری کوئی خدمت نہیں کر سکی۔“

”اگر چاہو، تو اب میرے کام آسکتی ہو۔“

”کوشش کروں گی۔“

حادثہ نے سوچا، زبور کے لالچ میں آگئی ہے اور بات چٹائی۔ ”تم جانتی ہو میری بھواد رو آئی سے قبل شہزادی نجم بھر پر مہربان تھیں۔ میں نے اُنہما شش کیا تو انھوں نے میری حوصلہ افزائی کی مگر بعد ازاں سے واپس آگیا تو ان کا رویہ بالکل بدل چکا ہے پہلے وہ میرا دستہ صاف کرتا چاہتی تھیں اب راستہ روک رہی ہیں۔ مجھے اس بات کا کھٹکا ہے کہ غالباً میری غیر حاضری میں کوئی دوسرا شخص ان کی زندگی میں داخل ہو گیا ہے۔“

عنبر نے حیرت کا اظہار کیا۔ ”دوسرا شخص کون؟“

”یہی تم سے پوچھنا چاہتا ہوں۔“

”میں تو صرف اتنا جانتی ہوں کہ تمہارے جانے کے بعد سلطان معظم نے ایک دن شہزادی صاحبہ کو بلایا اور ایک ترک سردار کے متعلق ان کی رائے پوچھی تھی لیکن شہزادی صاحبہ نے انکار کر دیا تھا۔“

یہ ایک نئی بات معلوم ہوئی تھی۔ ”اس ترک سردار کا نام بتا سکتی ہو؟“

”صاحب! آؤں تو میں اس کا نام جانتی نہیں۔ اگر جانتی بھی تو بتانے سے کیا فائدہ جس آدمی کو شہزادی صاحبہ نے ستر دکر دیا وہ تمہارا حریف نہیں ہو سکتا۔“

بات معقول تھی۔ حادثہ خاموش ہو گیا۔ اُسے تو کوئی اور ہی کھٹکا، کوئی اور ہی دھڑکا تھا کچھ سوچ کر بولا۔ ”میں کسی ایسے آدمی کے متعلق دریافت کرنا چاہتا ہوں جس میں تمہاری ماکن بھی دل چسپی رکھتی ہوں۔“

”بھلا ایسا آدمی کون ہو سکتا ہے؟“

حادثہ کے دل کا دھڑکا آخر زبان پر آ گیا۔ ”کیا میرے بعد کبھی ابنِ حرب کی شہزادی

سوڈانی کینز ابن حرب کا نام سن کر چونکی۔ حارث اپنے اصل مطلب پر آگیا تھا اس نے بھی ناخوش گوارہجے میں جواب دیا۔ ”صاحب! تم نے ایک مرتبہ پہلے بھی ابن حرب کا نام لیا اور شہزادی صاحب پر نبل کی سیر کا الزام دھرا تھا مگر جب کوئی بات تھی، نہ اب کوئی ہے۔“
 ”حدث سوچ میں پڑ گیا۔“ تو انھیں ابن حرب کے بارے میں کچھ علم نہیں؟
 ”میں تو یہ بھی نہیں جانتی وہ رہتا کہاں ہے۔“ خیر نے جواب دیا۔
 ”سوق الخیل کی ایک جوتی میں رہتا تھا لیکن سنا ہے میرے آتے ہی فسطاط سے فرار ہو گیا ہے۔“

سوڈانی کینز کے جوتوں پر ہلکا سا نقہ چل گیا۔ شاید اس کی بے خبری پر ہنسی لگتی تھی۔ ابن حرب تو اس وقت نصر نجم میں موجود تھا مگر خیر نے اس کے خیال کی تردید نہیں کی بلکہ آواز بڑا کر بولی۔ ”اگر وہ تمہارے آتے ہی فسطاط سے بھاگ گیا ہے تو پھر تمہیں اس کی طرف سے کیا کھٹکاتے صاحب!“

خیر کی بات حارث کے دل میں آ کر گئی سوچنے لگا۔ وہ بنی طولون اور بنی عباس میں دوستی کی خبر سن کر بھاگے اس وقت بھی کے بعد شہزادی نجم اللیل کا اس میں دل چسپی لینا ایک انہونی بات ہے اور اس کے دل میں جو کچھ گھٹنا رہا ہے ممکن ہے صرف اس کا وہم جو درد ابھی ابھی شہزادی کی جگہ تنگ کر رہا تھا، اس کے مطابق وہ کوئی ایسا شوہر چاہتی ہے جو اسے کسی سلطنت کی ملکہ بنا سکے، اس کے سر پر تاج شہنشاہی رکھ سکے اور ابن حرب جو بغداد سے بھاگا اور اب فسطاط سے بھی بھاگ گیا ہے اس کی خواہش بھلا کیسے پوری کر سکتا ہے؟ ذہن نے فیصلہ دیا ابن حرب یہ سب کچھ نہیں کر سکتا اور دل سے اس کا کھٹکا جاتا رہا لیکن اب اس بات پر پریشان تھا کہ ہر خواب کی ایک تعبیر، ہر خواہش کی کوئی وجہ ہوتی ہے۔ پھر القطارح میں، فسطاط میں، مصر میں ایسا کون سا شخص ہے جو طولونی شہزادی کے خواب پریشان کو تعبیر دے سکے؟

وہ بنی طولون کے علاوہ ترک اور عرب سرداروں کو بھی جانتا تھا۔ ان میں سے کوئی ترک کوئی سردار ایسی ناگھن تھا جس میں پوری نہیں کر سکتا تھا۔ نہ ابھی تک شہزادی نجم کے لیے کسی ریاست کے حکمران یا شہزادے کا پیغام آیا تھا مگر اس گفتگو کا کوئی نہ کوئی مفہوم ضرور تھا خود کتنی تھی کہ وہم ایک ناممکن بات کی خواہش رکھتے ہیں۔ پھر وہ کون شخص ہے، جو اس ناممکن کو ممکن میں بدل سکتا ہو؟

خیر شہزادی کی راز دار کثیر تھی مگر کیا عجیب اس نے کینز سے بھی یہ بات پرشیدہ رکھی ہو کہ وہ کیا چاہتی ہے۔ ہو سکتا ہے کسی سردار یا فوجی سپہ سالار نے طولونی سلطنت ہی کے خلاف بغاوت کر کے اسے ملکہ بنانے کی آمیزش لائی ہو۔ بظاہر اس امر کا کوئی امکان نہ تھا لیکن ایسی حالت میں جب وہ سلطان ابو جلیش کی بات ماننے سے انکار کر رہی تھی، کسی بھی اندیشے، کسی بھی خطرے کو نظر انداز نہ کیا جاسکتا تھا۔ اب سوڈانی کینز کے تعاون کی پہلے سے زیادہ ضرورت محسوس کرنے لگا اسے اس بات کا کھوج لگانا تھا کہ شہزادی نجم ملکہ بننے کا خواب کیوں دیکھ رہی اور کس شخص میں دل چسپی رکھتی ہے؟ بے اختیار خیر کا سالو ہاتھ پکڑ لیا اور راز دارانہ آواز میں کہا۔ ”خیر! اگر ایک کام کر دو تو میرے ساتھ تمہاری بھی قسمت بدل سکتی ہے تم سونے کے گتے کیسا ہیرے جواہرات پہن سکتی ہو۔“

سوڈانی کینز کے جسم میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔ خیر سنسنی کی لہر تو اسی وقت دوڑ گئی تھی جب حارث نے اس کا ہاتھ پکڑا تھا اب قسمت بدل جانے اور ہیرے جواہرات پہننے کی بات سن کر ایک نئے استحباب سے دوچار ہوئی اور چشم حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔ ”مجھے کیا کام کرنا ہوگا؟“

حارث کا لہجہ انتہائی راز دارانہ ہو گیا۔ ”باتوں باتوں میں کسی طرح شہزادی سے اس شخص کا نام معلوم کر دو جو انھیں ملکہ بننے کی ترغیب دے رہا ہے۔“
 خیر جانتی تھی شہزادی نجم ”ملکہ صحر“ بننے کے خواب دیکھتی اور ان خوابوں کی تعبیر چاہتی ہے لیکن حارث کی بات سن کر بڑے تعجب سے پوچھنے لگی۔ ”کوئی انھیں ملکہ بننے کی ترغیب دے رہا ہے؟“

”بے شک شاید کوئی فوجی سردار ہے، میں خطرے اور بغاوت کی بو سنو گھر رہا ہوں خیر! اگر تم اس آدمی کا پتا لگے تو میں میری مدد کر دو تو سلطان معظم تمہیں سونے کے دیناروں میں تول دیں گے۔“

سوڈانی کینز بظاہر تو ”دیناروں میں ملنے“ کی بات سن کر خوش ہوئی لیکن اس خیال سے کانپ گئی کہ اگر حارث نے سلطان معظم کے سامنے بغاوت کی اٹنی سیدھی بانگ دی تو شہزادی پر ہیرے لگ جائیں گے۔ فقہ نجم کی ٹھیکہ نگارانی ہوگی۔ ایک ایک کینز اور ایک ایک غلام پر نظر لگے۔

گئے: مشرق و غمی کے تمام ملکوں میں باغیوں کے ساتھ جو بے رحمانہ سلوک روا رکھا جاتا تھا اس کے بیان کی ماسہ نہ تھی۔

وہ لوگ جن پر بغاوت کا شک بھی ہوتا، خون میں رنگے ہوئے کپڑوں اور جسموں کے ساتھ دفن کر دیے جاتے تھے۔ چنانچہ ان کے بے روح جسموں کو زندہ نہیں کر سکتی تھیں۔ قبریں ان کی لاشیں اٹکل نہ سہی تھیں کہ ان کے چہرہ پر پرگزر نہ دے دلی موت کی سختی کا اندازہ لگا سکیں۔

عزیز نے اپنی آواز کو خوف کی لرزش سے بچایا اور بڑے یقین سے بولی: "میں جانتی ہوں شہزادی صاحبہ کا کسی فوجی سردار کے ساتھ میل جول نہیں۔ اس لیے بے کار کوشش سے کچھ حاصل نہ ہوگا اور صاحبہ! تمہیں اپنے کام سے مطلب ہے کسی دوسرے سے کیا غرض! اگر کہتے ہو تو تمہارے لیے شہزادی صاحبہ کو ہمدار کرنے کی کوشش کروں گی۔"

یہ بات سن کر حارث یکے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ کینز کا ہاتھ پکڑ کر بولا: "عزیز! کل کا سورج غروب ہونے سے پہلے تمہیں ایک جڑاؤ بارل چائے گا۔"

اس کے ساتھ ہی ان کی گفتگو ختم ہو گئی۔ دونوں باغیچے سے نکل کر پھاٹک کی طرف بڑے سوڈانی کینز نے اُسے ایک نئی امید کے ساتھ رخصت کیا اور پھر ملک سے حزی تو حسیہ ہوا کی طرح اٹھی، موٹی باغیچے سے گزری اور آنا ناغلام گزشتہ میں غائب ہو گئی۔



قصر نجم کے کمرہ ملاقات کا منظر تبدیل ہو چکا تھا۔

تھوڑی دیر پہلے طوبی شہزادی اپنے اپنے ملاقاتی حارث کو حیرتوں کے بھونڈ میں دھکیل کر باہر چلی گئی تھی لیکن جب حارث رخصت ہو گیا وہ پھر کمرہ ملاقات میں موجود تھی اور اب اس کے سامنے ابن حرب بیٹھا تھا۔

ابن حرب کو عزیز کی زبانی معلوم ہو چکا تھا کہ سلطان خاراویہ نے اپنی بیوہ بہن سے کیا فرمائش کی ہے۔ شہزادی نجم اور حارث کے درمیان ہونے والی گفتگو سن چکا تھا۔ ابن نجم ایل بتاری تھی کہ اُسے بھلانے کا مقصد ان حالات سے آگاہ کرنا ہے جو ناگہاں پیش آئے ہیں۔ اس نے بھی قصر نجم میں آتے ہی حالات کی نزاکت کا اندازہ لگا لیا تھا۔

شہزادی کو گھیر لیا ہے۔ حارث کی ہانپ سے بھی پتا چلتا تھا کہ وہ انعام سے دست بردار ہونے پر تیار نہیں۔ وہ خود فسفاط اس لیے آیا تھا کہ شہزادی نجم کو اپنے منصوبے سے آگاہ کر سکے کہ اسے شوال تک بہر حال القلاع ہی میں رہنا ہے لیکن یہاں حالات نے جو خطرناک صورت اختیار کر لی تھی۔ اس کے پیش نظر شوال سے پہلے ہی کچھ نہ کچھ ہو سکتا تھا اور حیران تھا کہ نجم ایل سے کیا کہے کیوں کہ، شوال کی تاریخ دور تھی اور خطرے شہزادی کے بہت قریب منڈا رہے تھے ابھی سوچ ہی رہا تھا اُسے اپنے منصوبے سے کس طرح آگاہ کرے کہ سوڈانی کینز ہوا کے زیر جھونکے کی طرح اندر داخل ہوئی اور ایک ایک بات جو حارث سے ہوئی تھی بیان کرنے لگی۔

عزیز نے جو روداد سنائی وہ نئے اندیشے اور نئے خطرے کی طرف اشارہ کر رہی تھی شہزادی نجم کی انہونی خواہش سن کر حارث کا ذہن کچھ اور سوچنے لگا تھا کہ کوئی فوجی سردار اسے طوبی ریاست کی ملکہ بنانے اور سلطان ابو حشیش خاراویہ کے خلاف بغاوت کرنے کی ترغیب دے رہا ہے یہ ایک آتمانی خطرناک اور بھیانک خیال تھا جس کا نتیجہ بھی بے حد خوفناک ہو سکتا تھا لیکن سوڈانی کینز نے اپنی خوش تدبیری سے یہ خیال حارث کے ذہن سے نکال دیا اور اس کے دل میں شہزادی کو اعتماد کرنے کی جوت روشن کر دی تھی جس پر وہ خوش خوش لوٹ گیا اور نہ اندیشہ تھا کہ شہزادی کے جواب سے دیوس ہو کر بغاوت کے خطرے کی آڑ لینا اور سلطان کے حکم سے قصر نجم پر پہرہ بٹھا دینا۔

شہزادی اپنی راز دار لونڈی کی کارکردگی پر بے حد خوش ہوئی اور بولی: "عزیز! کل کا سورج طلوع ہونے سے پہلے تم مجھے ایک جڑاؤ ہار دے دیں گے۔"

عزیز مسکرائی: "سرکار! ہار تو اُسی موٹے سے وصول کروں گی۔ بغداد سے بڑی سوغاتی لے کر آیا ہے۔ اگر ہار نہ لیا تو شک کرے گا مجھے اس کی یہ "خدمت" تو بجالانے دیجئے۔"

اس نے "خدمت" کے لفظ کو ذرا کھینچ کر ادا کیا جیسے اُس کی عجمت کرنا چاہتی ہے اور مسکراتی ہوئی لوٹ رہی تھی کہ ابن حرب نے ٹھٹھرنے کے لیے کہا وہ ٹک گئی تو کہنے لگا: "عزیز! مجھ سے کوئی بات پوشیدہ نہیں۔ شہزادی نجم عفریب صحر کا سفر کرنے والی ہے اور تو بھی ساتھ جائے گی۔"

سوڈانی کینز نے گردن جھکا دی: "میں نہ گئی تو ان کی خدمت کون کرے گا؟"

www.urdukorner.com

"ماشوال کو تھیں سفر کے لیے تیار رہنا ہوگا۔ دن کے دوسرے پر تم غنیمت کے ساتھ عام مصری عورتوں کے لباس میں القطار ٹرک سے نکلو گی۔ اس مقصد کے لیے فسطاط میں امام شافعی کے مزار یا مشہد فہید کی زیارت یا کسی سہیلی کے ہاں غیانت کا بہانہ کر سکتی ہو لیکن القطار ٹرک نے کل ستر فسطاط کی شہرینہ اور جھیل کے درمیان جنوب کی طرف بڑھو گی۔ بعد اقصیٰ کسی بستی واقع ہے۔ بستی سے دور دو کھیتوں کے درمیان چل کر تھیں نیل کی بندرگاہ سے جنوب کی سمت ساحل پر پہنچا ہے۔ اس رستے کھیتوں میں کچھ دار پانی سے گزرنا پڑے گا لیکن تم لوگوں کی نظروں سے غفلت رہو گی۔ دریا کے ساحل پر میں ایک سمت تمہارا انتظار رہو گا۔ وہاں سے ہمارا دریائی سفر شروع ہوگا اور سورج غروب ہونے تک ہم القطار ٹرک سے فسطاط سے بہت دور نکلے جائیں گے۔"

شہزادی یہ تفصیل سن کر رنگ رہ گئی۔ وہ تو سمجھتی تھی مشرقی صحرائیں جانے کے لیے القطار اور پیش سے گزرنا ہوگا لیکن ابن عربی کے ساحل پر بلکہ باہر دریائی سفر کا ذکر نہ تھا۔ تعجب سے بولی "دریائی سفر کیوں کیا دیما طہ کی طرف سے نکلنے کا ارادہ ہے؟" "دیما طہ کی طرف نہیں ہم اپنی سوخت اور اسیر ہو چکی جانب دریا کے اگلے رخ سفر کریں گے۔"

شہزادی کی حیرت میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔ "ابہیں بالائی مصر میں کہیں نے جانے گئے؟" "نہیں نجم! یہی سوف کی جانب ہمارا سفر ختم ہو گیا۔ جو غروب شمس تک ختم ہو جائے"

اصطفا فسطاط کے جنوب میں فلاحین کی ایک بستی دریا کے نیل کی جانب واقع تھی اس علاقے میں دریا کا پانی آجانے سے کھیت گارے اور کچھڑے بھر جاتے تھے۔ دیما طہ زمین مہر کا مشہور شہر جنہیل کے ڈیلے پر اسکندریہ سے صرف چار میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہی سوف اور اسیر ہو، فسطاط یا موجودہ تاناہرہ سے جنوب کی سمت نیل کے ساحل پر آباد ہیں۔ یہی سوف میں قدیم فراغی کی کئی یادگاریں ہیں جنہیں سیاح بڑے شوق سے دیکھتے ہیں۔ (قمر اجاوی)

ایضاً

بتلا کر دی جائے گی۔ اس لیے تیرا ساتھ چلنا بہت ضروری ہے۔"

موت کے غلاب کا ذکر سن کر شورش سنانی اونڈی کا رنگ متغیر ہو گیا اور گھبرا کر اپنی ماکن کے قدموں میں بیٹھ گئی۔ "میں شہزادی صاحبہ سے الگ ہو کر مرنا نہیں چاہتی۔"

نجم ایلل دل ہی دل میں خوش ہو رہی تھی کہ ابن عرب اُسے لینے آیا ہے جو حبش خمارویہ سے ڈرتی تھی کہ آج جو بات اُس نے نری سے کہی، کل اسے زبردستی منوانے کی کوشش کرے گا لیکن اس سے پہلے وہ القطار ٹرک سے جا چکی ہو گی۔ اس نے جب حبشی سے پہلے بدلا جس کا جواب دینے کے لیے ابن عرب نے غنیمت کا سہارا لیا تھا۔ کہنے لگا "سفر میں ابھی کچھ دیر ہے۔"

"کم دیر؟"

"کم دیر؟"

شہزادی نے دونوں الفاظ الگ الگ کر کے دہرائے اور اپنی پریشانی ظاہر کی "میں تو درگاہانی دن میں کچھ اور بھی ہو سکتا ہے۔"

"تمہارا بال بھی بیگانہ ہو گا کیوں یہ فیصلہ میرے مذہبی شیخ کا ہے۔"

"کیا فیصلہ ہے شیخ کا؟"

"فیصلہ یہ ہے کہ تم سات شوال تک القطار ٹرک میں رہو گی۔ میں اسی تاریخ کو آؤں گا اور تمہارا سفر شروع ہو گا۔"

پھر وہ بتانے لگا کہ اس سفر سے قبل اس کا ٹھکانا ایک نہ صرف فسطاط بلکہ مصر ہے ہی غائب اور روپوش رہنا ضروری ہے تاکہ سمجھ لیا جائے شاید وہ برقعہ یا قیردان کی طرف بھاگ گیا ہے اور شہزادی کے فرار کا شبہ اس پر نہ کیا جائے۔ اگر اس کا نام درمیان میں آگیا تو سلیمان بن علی اور حبش کی کارروائی پر قیامت گزر جائے گی۔ مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ شہزادی کے فرار سے بے تعلیق سمجھا جائے نہ اس پر کوئی انگلی اٹھے، نہ سلیمان بن عامر پر کوئی آفت آئے۔ جب خبر سلطان خمارویہ کو ابن عرب کے متعلق خبر دے رہے ہوں گے کہ وہ مصر کی جد عبور کر چکا تو شہزادی کے فرار سے اس کی بے تعلقی ظاہر ہو جائے گی۔

ابن عرب نے جو منصوبہ پیش کیا، وہ بہت سوچ سمجھ کر بنایا گیا تھا۔ شہزادی اس کی مصلحت اور حکمت سے انکار نہ کر سکی۔ اب وہ سفر کی تیاریاں کرنے لگا۔

گدا شام کے پھیلتے اندھیرے میں ہم نیل کے مشرقی ساحل پر اتریں گے اور سفینہ چھوڑ دیں گے۔ وہاں ہماری تیز سواریاں تیار ہوں گی۔ جن پر ہم جنوب مشرق کے رخ سفر کریں گے۔ اور تیسرے دن بحیرہ قلزم کے ساحل پر پہنچ جائیں گے۔

”نجم الملیل پر ایک اور حیرت گزری۔ ”بحیرہ قلزم کا راستہ تو بڑا دشوار گزار ہے اگر ہماری سواریاں تیز رفتار ہوں گی تو جنوب مشرق کی بجائے ہم شمال مشرق کی جانب القطر اور ایش کے رستے سفر کیوں نہ کریں؟“

اب ابن حرب اُسے سمجھانے لگا۔ ”شمال مشرق کا راستہ معروف ہے اور اس راستے تعاقب کا خطرہ ہوگا مگر جنوب مشرق کا راستہ غیر معروف بھی ہے اور دشوار گزار بھی کسی کے ذہن میں اُس راستے کا خیال بھی نہیں آئے گا اور ہم تعاقب سے محفوظ رہیں گے۔“

پھر فرار کا پہلا اصول یہ ہے کہ تعاقب کرنے والوں کو شرور ہی میں دھوکا دیا جائے۔ شمال کی طرف سفر کرنے کی بجائے جنوب کی طرف سفر کرنے میں یہی حکمت ہے۔ فسطاط سے بحیرہ قلزم کا راستہ دشوار گزار ضرور ہے مگر فرار کے لیے ایسا راستہ ہمیشہ مفید ہوتا ہے۔“

وہ کچھ گئی کہ جنوب مشرق کی طرف سفر کا منصوبہ تعاقب سے بچنے کے لیے تیار کیا گیا ہے اور تعاقب سے بچنا بہر طور ضروری تھا۔

ابن حرب نے ایک اور وضاحت ضروری سمجھی۔ ”رات کی بجائے دن کے تیسرے یا چارم دوپہر شہرینا سے نکل آؤ گی تو کوئی توجہ بھی نہیں دے گا۔ دن کو دریا کی جانب آمد و رفت عام ہوتی ہے۔ جب کہ رات کو شہر کے دروازے بند ہو جاتے اور پاسباں آنے جاتے دلوں پر

نظر رکھتے ہیں۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ مشہد نفیسہ یا عیافت سے تمھاری واپسی کا مات کے پہلے پہن تک ضرور انتظار کیا جائے گا۔ القطنج میں تمھاری تلاش نصف شب کو یوں چڑھے

شہر آؤ گی اور اس وقت تک تم پچاس کوس کا سفر طے کر چکے ہوں گے پھر جنوب مشرق کی طرف بہار سفر بالکل محفوظ ہوگا اور طولی سوارا سکندریہ یا ایش کے راستوں کی طرف بھاگیں گے۔

شہرادی نے غور کیا تو فرار کا جو منصوبہ بنایا گیا اور سفر کا جو راستہ منتخب کیا گیا اس میں تعاقب اگر فادری یا ناکامی کا کوئی احتمال نہ تھا۔ اب وہ مطمئن تھی۔ اُسے صرف اپنی سوگوانی لڑائی کے ہمراہ شہرینا سے نکلنے وقت احتیاط سے کام لینا اور القطنج کی بستی کے پاس پکس کھینچنے کے درمیان گارے کچرہ اور پانی سے گزرنا تھا۔

عزیز کی ہمراہی میں یہ کوئی مشکل کام نہ تھا۔

ابن مشکل یہ تھا کہ وہ القطنج میں ڈھائی ماہ کا طویل عرصہ کیسے گزارے گی؟

ابو عیش خمار ویر نے نجم الملیل پر نہ تو ابھی تک کوئی سختی کی تھی نہ درستی سے پیش آیا تھا صرف اُسے اپنی پیش کش یا فرمائش پر غور کرنے کے لیے کہا تھا مگر ساتھ ہی یہ اشارہ بھی دے

دیا تھا کہ بادشاہوں کے دند سے ایذا کرنے کے لیے ہوتے ہیں۔ اداہر حارث اپنے انعام پر

بغض تھا۔ ان حالات میں یہ اندیشہ نظر انداز نہ کیا جاسکتا تھا کہ خمار ویر اپنا قول پورا کرنے کے لیے حارث کے ساتھ دہرستی اس کا عقد کر دے۔ باقصر نجم پر پھر سے بٹھا دے کہ یہاں بغاوت

کی کوئی سازش تو نہیں ہو رہی؟ اس طرح، سوال کو اسے القطنج سے فرار کا موقع بھی نہیں

مل سکے گا کیوں کہ پھر سے میں بند ہو جانے والے پرندے پر داز نہیں کر سکتے۔

یہ سب کچھ ابن حرب کے ذہن میں بھی تھا کہنے لگا۔ ”ابن میں ایک ضرب مثل مشہور ہے کہ ”أَخْضَوْعٌ عِنْدَ الْحَاجَةِ وَجُودٌ لِيَّةٌ“ (ضرورت کے وقت بجز دانگسارفت کا

باعث ہونا ہے یا ضرورت کے وقت لوگ گدھے کو بھی باپ بنا لیتے ہیں) تمھیں بھی خمار ویر کو

ملاحظہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ بھائی کے ساتھ اپنا رویہ نرم رکھو۔ اگر وہ اپنا وعدہ پورا کرنے

پر اور دسے تو سوچنے کی مصلحت مانگو بلکہ یہ تاثر دو کہ تمھارا مقصد اُسے ناراض کرنا نہیں

اپنے آپ کو اُس کی مرضی کے مطابق دھانسی کی کوشش کرتی رہو۔ بھائی کے ساتھ بات چیت

کرتے وقت اُس کے شاہی وقار کو ملحوظ رکھو۔ اگر تھوڑی سی خوشامد، تھوڑی سی چالبوسی کرنا پڑے

تو یہی مضائقہ نہیں۔ بس کسی نہ کسی طرح تمھیں اُسے خوش رکھنا اور تین ماہ کی مصلحت حاصل کرنا ہے

اس سے برگشتہ ہونے کا مطلب یہ ہوگا کہ تم اپنی زندگی سے تنگ آگئی ہو۔“

نجم الملیل نے اُس کی بات توجہ سے سنی اور بھائی کو رام کرنے پر آمادہ ہو گئی۔ ”ہم نے

انکار کر کے ابو عیش کی ناراضی مول لی ہے۔ اب اُن کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش

کریں گے۔“

ابن حرب نے بات کچھ دراگے بڑھائی۔ ”حارث کو مایوس کرنے کی ضرورت نہیں

اُس کے سامنے کسی ایسی خواہش کا اظہار مناسب نہ تھا جسے وہ پوری نہ کر سکے جس طرح

پہلے ایک مرتبہ اُسے اُمید دلائی ہو۔ اسی طرح اب بھی اُس کی دنیا اُمید پر قائم رکھو۔ اس

معاملے میں غبر بھی تمھاری مدد کر سکتی ہے۔“

سوگوانی کنیز کو بھی بات کرنے کا موقع مل گیا۔ ”میں نے حارث سے کہہ دیا ہے کہ

www.urdukorner.com

شہزادی صاحبہ کو اس کے بیسے مناؤں گی۔ اگر کل مارے آیا تو مجھ لوں گی کہ میری خیالات پر لگ گیا ہے۔

”میرا خیال ہے، وہ ہارے آئے گا۔“

”پھر اُس کی لگام میرے ہاتھ میں ہوگی۔ دھاتی پینے چکر دیتی رہوں گی کہ شہزادی صاحبہ اُس کے بارے میں سوچ رہی ہیں اور کچھ آمادہ بھی ہو رہی ہیں۔ وہ میرے دم دلائے نکلے نہیں سکے گا۔“

”تمہارے دم دلا سے کے علاوہ شہزادی کو خود بھی حادثہ سے ملنا اور اس کی دلچسپی کرنا ہوگی۔“

”اگر تم کہتے ہو تو ہم بھی اُسے خوش رکھنے کی کوشش کریں گے۔ مگر ہماری دلچسپی کو اُس نے اپنی مرضی کے سنی پہنچا دیا اور ہمیں کچھ فائل دیکھا تو ممکن ہے گستاخی پر آمرا آئے اور ہمیں پریشان کرے۔ اب تو اُسے سلطان اور بھائی شیبان کا بھی ڈر نہیں۔“

نجم البیل نے اپنے اندیشے کا اظہار کیا تو غبر چمک کر بولی۔ ”اُس کی کیا مجال کہ گستاخی کرے۔ آپ جیسی حسین مرہمیں شہزادی کی طرف ایک مسکراہٹ حادثہ جیسے مرد کے پاؤں میں زنجیر ڈال سکتی ہے۔ ایک قدم آپ کی طرف نہیں بڑھا سکے گا۔“

شہزادی کے ہونٹوں پر ہنس بکھر گیا۔ ”بہت اچھا۔ ہم اُسے اپنی مسکراہٹ کی زنجیر پہنا دیں گے۔“

”لیکن زنجیر ایسی ہو کہ وہ سات سوال تک بندھا رہے۔“

بہر حال یہ طے پا گیا کہ شہزادی نجم سلطان خاویہ کی ناراضی کو خوشنودی میں برتنے کی کوشش کرے گا۔ اُس کا قول پورا کرنے کے سلسلے میں کچھ مہلت مانگے گی۔ حادثہ کی اپنی دلچسپی کرے گی۔ اُسے دم دلا سادتی رہے گی اور اس دم دلا سے میں غبر اس کا ہاتھ بٹائے گی۔

باہر الفطاح کی جامع احمد بن طولون میں عثمان کی اذان ہونے لگی تو ابن حرب کھڑا ہو گیا اور رخصت طلب کی۔ ”کل منہ اندھیرے مجھے فسطاط سے نکل جانا ہے اس لیے اجازت چاہتا ہوں۔ اب، سوال کو واپسی ہوگی۔“

شہزادی نجم اور غبر بھی اٹھیں۔ ابن حرب نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔ ”گھر جانا نہیں نجم جو قسمت میں کھا ہے وہ پیش آئے گا۔“ پھر اچانک ایک غیر متوقع سوال کر دیا۔ ”کی قطر اندی کی

منصقی کی کنڈ تاریخ مقرر ہوئی ہے؟

”نہیں۔ شہزادی نے جواب دیا۔“ سلطان اُسے انگور سال رخصت کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔“

”پھر تو تمہارے پاس ایک علم ہوتا ہے کہ تم بھی آئندہ سال حادثہ کا انعام ہوگی۔ نجم ایسے سکوائی۔“ اب تمہیں حادثہ کے بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم اسے یاد دہیں گے۔

ہوشیار کینز فوراً کمرے سے نکل کر دروازے پر ایک دوسرے سے رخصت ہوئیں اور علامہ کمرش میں اگر کھڑی ہوگی۔ ابن حرب چند لمحوں کے بعد باہر آیا تو اُسے لے کر پھاٹک کے جانب بڑھی۔ شہزاد کی چھانوں میں وہ قصر نجم سے نکل اور الفطاح سے بھی نکلنا چلا گیا۔



۳۰

مہلت

۰

حادث ابو ظفر کے معاملے نے کچھ ایسی اہمیت اختیار کر لی تھی کہ دوسرے دن شہزادہ شیبان ناگماں قعرِ نجم میں وارد ہوا اور ایک عرصے کے بعد آیا تھا اس لیے نوکروں ، کبیزوں میں طے چلی گئی۔

دن ابھی پہلے پرے آکر رہا تھا۔ شہزادی نجم اہلیل نے خندہ پیشانی سے بھائی کا استقبال کیا اور اسے اپنے ناش کمر میں بے آئی۔ شیبان نے بیٹھنے ہی خیر دعائیت پوچھی اور اس کی گھر پر پچیسویں کے با۔ سے میں شنگو شرور شروع کر دی۔ وہ جانتی تھی کہ اسے ان باتوں سے کوئی مطلب نہیں کر رہا تھا اور کیا نہیں کرتی۔ نہ اس کی خیر دعائیت دریافت کرنے آیا تھا پھر بھی گھر پر معاملات کی باتیں کیے جاتے اور اسے خیریت پوچھے جارہا تھا۔

”نجم! تم ٹھیک تھو؟“

”تمہیں کوئی پریشانی تو نہیں؟“

”میں جانتا ہوں تم ہر وقت خوش رہو۔“

نجم کھنٹی تھی کہ وہ کیوں آیا اور کیا جانتا ہے۔ حادث ابو ظفر اس کا دربارِ نظام اور اسی کی سفارش پر ”سیفر دو تھان“ کر رہا تھا وہ حادث ہی کے بارے میں کچھ کہنے آیا تھا۔ جب نجم بنا چکی تو وہ ٹھیک ہے، اسے کوئی پریشانی نہیں اور اکثر خوش رہتی ہے، شیبان حرف بدعا زبان پر لایا اور کہنے لگا۔

”نجم! آج میں تمہارے پاس سلطان معظم کی زبان بن کر آیا ہوں۔ تم نے جو تہہ اختیار کیا وہ ان کے لیے تکلیف کا باعث ثابت ہوا ہے۔ اگرچہ میں بے شک تمہارے بھائی میں اور بھائی بہن کے درمیان کبھی کبھی اختلافات بھی ہوجاتے ہیں مگر وہ ایک سلطنت کے حکمران بھی ہیں اور حکمران کی حیثیت سے ان کی کچھ ذمے داریاں اور کچھ مجبوریات بھی ہیں۔ تمہیں ان کا خیال رکھنا چاہیے۔ انہیں بھی تمہارا خیال ہے۔ کل جب تم ان کی بات ٹھکرا کر چلی آئیں تو بہت پریشان ہوئے اور آج مجھے بھیسا ہے کہ اگر ناراض ہو تو تمہیں منا کر، پریشان ہو کر کچھ اڑوں کہ وہ تمہارا بھلا چاہتے ہیں۔“

یہ کہہ کر شیبان روک گیا۔ شاید معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اس کی گفتگو کا کوئی اثر بھی ہوا ہے یا نہیں، نجم اہلیل نے بڑے محتاط لیکن مؤثر نقطوں میں معذرت کی۔ ”بھائی شیبان! ہمیں افسوس ہے کہ کل ہم نے سلطان معظم کی رائے سے اختلاف کیا اور ہماری زبان سے کچھ نازیبا الفاظ نکل گئے جن پر ہم خود شرمندہ ہیں۔ ان سے کیسے ہمارے دل میں ان کا آج بھی وہی احترام ہے جو پہلے تھا وہ ہم سے خفا نہ ہوں۔“

نجم کا جواب حوصلہ افزا تھا۔ اس نے اپنے رویے پر ندامت کا اظہار کیا تھا جس سے شیبان کو بات آگے بڑھانے کا موقع ملا اور بولا۔ ”نجم! اگر تم مجرا نہ سناؤ تو میں حادث کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔“

”ہم آپ کی بات کا بڑا کیوں منائیں گے؟“

”پھر غور سے سنو۔ حادث ابو ظفر نے بنی طولون کی جو خدمت سرانجام دی ہے وہ مہم کا کوئی سردار کوئی رئیس، کوئی وزیر بھی ادا نہیں کر سکا۔ آج ہماری ایک موروثی ریاست قائم ہو چکی ہے ہم بیرونی خطروں سے محفوظ ہو گئے ہیں جو ملک پہلے ”لوٹ کا مال“ سمجھا جاتا تھا، اب وہ ہماری قانونی ملکیت بن گیا ہے اور یہ سب کچھ حادث کے طفیل ہوا ہے۔ سلطنت میں کسی آدمی کا درجن، اس کی خدمات سے لگایا جاتا ہے، عمدہ در منصب سے نہیں اور خدمات کے اعتبار سے حادث کا وزن کسی سلطنت سے کم نہیں۔ سچ پوچھو تو اب میں اسے اپنا غلام نہیں بلکہ بنی طولون کا محسن سمجھتا ہوں لیکن حیرت ہے کہ تم طولونی شہزادی ہو کر اس کی اتنی بڑی خدمت کو تسلیم نہیں کرتیں؟“

نجم اس کا جواب نہ دے سکی۔ اس نے ایک ایسا کارنامہ اپنی

نہیں۔

حیات بخیر ہے کم !

”ہیں سوچئے! جھٹنے اور فیصلہ کرنے کے بغیر صرف میں سینے کی ملت و کار ہے آپ جڑیں
میں کدیں بعض معاملات میں ہم حارث کو پسند کرتے ہیں۔ شاید اس غرض سے یہاں سے اپنے
شوہر کی حیثیت سے ہی پسند کر لیں۔“

”شاید.....“ ہزاروں نغم بھی اپنی ترکیب کی پہلی کامیابی پر خوش تھی۔

اس آٹنا میں کینزدوں نے کھانے کے کمرے میں قسم قسم کے کھیل، بھٹک میوے کھانے،
طشتریوں میں چمن، ریسیے تھکر، عنبر نے اکر اطلاع دی کہ طمانا کے ریا گیا ہے۔ شہزاد شیبان
نے بن کے ساتھ کھانا کھایا اور اس کا شکریہ ادا کر کے بلا گیا۔ اُس کے جاننے ہی ظویر جوہ
اپنے کمرہ استراحت میں اکر بیٹھ گئی اور سوچنے لگی کہ قسمت ساتھ دے رہی ہے۔ اس کی
تدبیر کا پہلا مرحلہ کامیابی پر ختم ہوا اور شیبان نہ صرف خونزین ماہ کی اہلیت دیکھ کر ہنس رہا ہے

”یہ تو خوشی کی بات ہے کہ حارث کی سفارت کا بیاب ہوئی اور اس کا میمانی کے فضیل
اسے عزت ملی“

”اُم نے حارث کو حقیر آ رہی کبھی نہیں سمجھا۔“

”سلطان معظم کا یہی خیال ہے کہ تم اسے خفیہ سمجھتی ہو۔“

”ممكن ہے كل شخص ميں ہمارى زبان سے كوئى غلط نطق نكل گى ہو۔ ورنہ ايک حافظہ افر
كى حيثيت سے ہم كل بچى اسے پسند كرتے تھے، آج بچى پسند كرتے ہيں۔“ يہ كہ كر ايک
پيل كے ييسے رڳي پھر كھسے گى۔ ”كل شام كو وہ ہمارے پاس ايک سوال بن كر آيا تھا ليكن ہم نے
سخت جواب ديا اور اس كى دل نشكنى كى جس كا بعد ميں ايسى افسوس ہوا حلاں كہ حالات كا تقاضا
يہ تھا ہم اس كى كچھ حوصلہ افزائى كرتے۔“

شیبان کے چہرے پر استعجاب کی ایک لہر گزر گئی۔ ”نعم ایک ایسے ہی عجیبوں کی حیرت کے مطلق نقاری راستے تبدیل ہو رہی ہے؟“

شہزادی نجم کا جواب اس کی مرضی کے مطابق تھا۔ ”رات ہم اس معاملے پر بہت
چتے رہے اور آخر اس نتیجے پر پہنچے کہ سلطانِ معظم اور آپ کی خاطر شاید ہمیں اپنی رائے
لٹا کر دے۔“

مشیمان مارے خوشی کے منہ سے اچھیل گیا۔ "بخم! اگر تم حارث کو قبول کر لو تو سلطان معظم اس کے مرتبے میں کچھ اور اضافہ کر دیں گے۔"

”اے تم کوئی وعدہ نہیں کرتے۔ البتہ حارث کو ایسے قریب آنے کا موقع دیں گے اور یہیں گے وہ ہم سے عشق کرے کہ تم اسے مگر جہاں رفیق حیات بننے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے

عجب و غریب تبدیلی پر حیران تھا جس نے اس کی میدان کے نیچے چراغ پھر سے درشن کر دیے تھے۔ خبر چلتے چلتے اُسے کھجانے لگی۔ "اپنی وفاداری اور جان نثاری پر تادم رہنا صاحب اور شہزادی صاحبہ کے حسن کی تعریف کرنا نہ بھولنا۔"

"کیا شہزادی صاحبہ اپنے حسن کی تعریف پسند کرتی ہیں؟"

"ہر عورت اپنے حسن کی تعریف پسند کرتی ہے مگر وہ تو ناخون عورتوں میں ایک اور تعریف کی مستحق ہیں۔"

حادث کے ذہن سے خوب صورت الفاظ اور فقرے گزرنے لگے جو حسین عورتوں کی تعریف میں لکھے گئے تھے۔ جب وہ کمرہ ملاقات میں داخل ہوئے، ایک سیباؤنڈی ٹافوس روشن کر کے رکھ رہی تھی۔ حادث کو وہاں پھوڑ کر غنیمت بھی چلی گئی، اُسے گئے چند لمحے گزرے۔

نچے کہ شہزادی نجم العلیل انتہائی خوب صورت لباس پہنے جس میں اُس کے حسن و جمال کی نشان دہی سے دو بالا نمودار تھی، کمرے میں داخل ہوئی۔ حادث نے اٹھ کر استقبال کیا اور اس کے پیچھے جمال کو دیکھتا ہی رہ گیا۔ شہزادی بیٹھ گئی تو مزہ بھی بھلا اور کھٹے سکار "یہیں بے حد ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے شرف ملاقات بخشا۔"

شہزادی نے اپنے گل کے رویتے پر معذرت کی۔ "ہمیں انکسوس ہے۔ حادث اہل ہم پریشان تھے اور اس پریشانی میں انھار سے ساتھ سختی سے پیش آئے، نہانے گل چیں اتنا غصہ کیوں آگیا تھا؟"

حادث نے بھی نرمی اور انگاری مناسب بھی۔ "غصہ عموماً کسی کی غلطی پر آتا ہے شاید گل بھی سے کوئی غلطی ہو گئی تھی جس نے آپ کو برہم کر دیا تھا؟"

اس نے شہزادی کی برائی کا الزام اپنے سر لے لیا اور شہزادی نے بھی اس کی دہائی کا پہلو اٹھایا دیکھا۔ بے شک گل تم سے کوئی غلطی ضرور ہوئی جس پر ہمیں غصہ آگیا لیکن ہم صرف اس پر ناراض ہوتے ہیں، جسے اپنا سمجھتے ہیں کسی بیگانے پر ہمیں غصہ نہیں آتا خواہ وہ ایک چھوڑ بھڑا عظیم کرے۔"

نجم العلیل نے بڑی خوب صورتی سے اُس کی غلطی اور غصے میں ایک مطابقت اور معنویت پیدا کی، جس نے حادث کو ایک نیا حوصلہ بخشا کہ گل اگر اس سے ابن حرب کا ذکر کرنے کی غلطی ہوئی جو شہزادی کی ناراضی اور برائی کا باعث بنی تو راج کا یہ روبرو اظہار یہ بیان کس قدر

دل چسپ اور دل نشین ہے کہ اسے غصہ ہمیشہ اپنے پر آتا ہے کسی بیگانے پر نہیں گویا وہ اس پر ناراض ہی ہوئی تو اپنا کچھ کر، بیگانہ کچھ کر نہیں۔

شہزادی کے الفاظ حادث کے لیے کسی مژدہ جانفزاسے کم نہیں تھے مگر یہ ترکچہ اور بھی کہہ رہی تھی اور یہ کہہ رہی تھی۔ "رات بھر نے تمھاری وفاداری کا ذکر کیا تریاں؟ اگر تمھارے معاملے پر دوبارہ خود کریں گے اس لیے گل کی باتوں سے اگر تمھاری دل شکنی ہوئی ہے تو انھیں بھول جاؤ، ہم انھیں غور نہیں سمجھتے۔"

حادث کے حال پر یہ اتنی بڑی مہربانی تھی کہ اُس کے پاس کہنے کے لیے کچھ باقی نہ رہ گیا۔ شہزادی کی باتوں نے دل میں ایک جواں سا کردیا کہنے لگا۔ "مجھے آپ سے کوئی شکایت کوئی گلہ نہیں۔ آپ کو مجھ پر ناراض ہونے کا حق ہے کیونکہ آپ حسین ہیں اور جمیں ہیں۔ میں جان نہ ہوں اور میرا کام صرف اطاعت کرنا ہے۔"

اب ایک ہی خیال، ایک ہی موضوع رہ گیا تھا کہ شہزادی کے حسن و جمال کی تعریف کرے۔ عجب شاعروں اور اربابوں کے وہ خوب صورت الفاظ اور فقرے جو تھوڑی دیر قبل ذہن سے گزر رہے تھے نہان پر اترنے لگے۔ شہزادی نجم، آپ حسن کے آسمان پر چرچر ہوئیں کا چاند ہیں انگشتان جمال کا منکنا ہوا پھول ہے۔ نخلستانِ محبت میں ہنسا چشمہ میں آپ کی روشنی۔ مک، گھنڈک مبری زندگی ہے۔ آپ کی خوب صورت لمبی آنکھیں حسن کی دو چراغیاں ہیں جس میں محبت کی نشر اور شراب بھری ہے۔ آپ کے عارض گلابوں کی مثال اندر آپ کی بہا، زلفیں سہل کی طرح ہیں۔ جب دشتِ محبت کی ہوا چلتی اور آپ کے سکے لگاؤں سے کھلتی ہے۔ تو آپ کی خوشبو چاروں طرف پھیل جاتی ہے۔"

شہزادی نجم نے اُسے چشم حیرت سے دیکھا، اُس کے الفاظ راحت بخش تھے، جھڑب کے شاعروں اور مر کے اربابوں سے اخذ کیے گئے تھے۔ شاعر اور ادیب حسین عورتوں کے لیے جو خوب صورت الفاظ، جو انوکھی تشبیہات جو نادر ترکیب وضع کرتے ہیں، وہ ان کے اعتراف جمال کا مدیہ یا تحفہ ہوتا ہے۔ پندت اور پرہیز جنت اپنے نذرانوں کے پھول پر یوں کے چہروں میں جھینٹ کرتے ہیں، استغفار و اسباب پادری اپنی تقیدت کے ہر بے قربان گارڈ میں مسیح مصلوب کے حضور گزرتے ہیں۔ صوفی ناہید بار ساگ عشق حقیقی میں مہر شہزادہ کو اپنے خدا کے واحدی غلط خاک پر رکھ دیتے ہیں لیکن شاعر اور لوگوں کی محبت و شہنشاہ

"اہریت قسمت پر منحصر ہے، نجم، ستارے اچھے ہو تو جیت عاشقی کی ہوتی ہے۔"
 "ستاروں پر یقین رکھنے ہو؟"
 "زیادہ نہیں مگر ستارے آدمی کے ساتھ سفر کرتے، اُسے آسمان سے جھانکتے اور
 راستہ دکھاتے ہیں۔"

"ستاروں سے رہنمائی بھی لینے ہو؟"
 "صرف ایک ستارہ میری رہنمائی کرتا ہے۔"
 "کون سا ستارہ؟"

"جو ہر شام طلوع ہوتا ہے، وہی میری قسمت کا ستارہ ہے، اُس نے مجھے بغداد
 کا راستہ دکھایا تھا اور میں بغداد سے جیت کر آیا ہوں۔ وہ ستارہ یہاں بھی میرے ساتھ ہے۔"
 نجم ایسی ایک اضطراب کی حالت میں کھڑی ہو گئی اور اُس کی جانب ہاتھ لہرا کر کہی۔

"حادث اگر قسمت کا ستارہ تھا تو اساتذہ دے رہا ہے تو بے شک ہمیں جیت لوں گے اپنے
 قریب کا اُسے موقع ہم دیں گے جتنے کی کوشش تم کر دے گے تمہاری قسمت یاور ہوئی تو ہمیں
 جیت لو گے اور اگر نہ جیت سکے تو قصور تمہاری قسمت کا ہوگا ہمارا نہیں۔"

حادث بھی ساتھ ہی کھڑا ہو گیا، اُس نے شہزادی کے الفاظ کی گونج اپنے دل میں سُنی
 جو اُسے قریب آنے کی ترغیب دے رہے تھے۔ پھر آگے بڑھ کر انہی جانب اٹھا ہوا گورالکابی
 ہاتھ تھام لیا۔ شہزادی نے ہاتھ پھڑکانے کی کوشش نہیں کی غائب! اُسے اپنے قریب ہونے
 کا پہلا موقع دیا تھا اس نے ہاتھ لمبوں سے لگا کر چھوڑ دیا تو اُسی دروازے سے نکل گئی جس
 دروازے سے اُنی تھی۔

یہ ملاقات حادث کے لیے بہر حال ایک نئی زندگی کی نوید تھی، خوشی بخشی کی علامت تھی،
 روشنی کی کرن تھی، جو اُس کے ارد گرد آئینہ کا ایک بالترتیب قائم کر رہی تھی۔ اسی لمحے خبر داخل ہوئی
 دستور کے مطابق اُسے حادث کو یہاں تک چھوڑنے جانا تھا اُسے دیکھتے ہی شکر برآ کر کہنے
 لگا۔ "خیر اتم نے میری کھوئی ہوئی جنت مجھے لوٹا دی ہے، تمہارا یہ احسان ہمیشہ یاد رکھوں گا۔"
 سو ڈانی کثیر کے نوٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ تیر گئی۔ "پہلے صاحب تمہاری تسلی تو ہوئی
 کہ میں نے تمہارے لیے کچھ کیا ہے مگر ایک بات اور بتا دوں، سیانے کہتے ہیں سچ کچھ
 سو بٹھا ہو، کسی معاملے میں جلدی نہ کرنا۔" پھر گویا اُسے کھانے کی۔

کا مرکز صرف بارگاہ جمال ہے، اس لیے ان کے فقرے اور الفاظ بھی حسن کی تعریف کے لیے
 زیارہ دل کش اور اثر انگیز ہونے میں۔

ہر حسین صورت کی طرح نجم ایسی بھی اپنے حسن کی تعریف پسند کرتی تھی اور حادث نے
 جن الفاظ میں اسے نذرانہ جمال پیش کیا وہ اس کے کانوں میں رس گھولتے چلے گئے اگرچہ
 ایک ایسا شخص اس کے حسن کی تعریف کر رہا تھا جس سے وہ دلی لگاؤ نہیں رکھتی تھی پھر بھی اسے
 وہ تعریف اچھی لگی اور چاہتی تھی کہ حادث بولتا رہے، وہ سنتی جائے مگر جوا الفاظ جو اشعار
 اس کے حافظے میں محفوظ تھے وہ ختم ہو گئے اور ذہن کو دوڑانے کے باوجود نئے فقرے یاد
 نہیں آ رہے تھے اس نے اپنی تنگ دامانی کا اعتراف کیا اور کہا۔

"شہزادی نجم ایسی آپ کے حسن کی تعریف کرنا چاہتا ہوں لیکن الفاظ نہیں مل رہے
 اور مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ آپ کا حسن تعریف سے بالا ہے۔ میں لاکھ کوشش کروں پھر بھی
 اس کی تائید نہیں کر سکتا۔"

اس طرح اُس نے سادہ لفظوں میں شہزادی کی ایسی تعریف کر دی جو شاید پہلے کسی
 نے نہیں کی ہوگی وہ اُس کی اس سادہ بیانی سے بھی متاثر ہوئی۔ "تم نے شاعروں سے بڑھ
 کہ ہماری تعریف کی ہے اور تم تسلیم کرتے ہیں کہ واقعی ہم سے محبت کرنے ہو؟"

اب حادث کو اپنے جذبات کے اظہار کا موقع مل گیا۔ "شہزادی نجم ہیں محبت سے بڑھ
 کہ آپ سے عشق کرتا ہوں، آپ کے بغیر میری زندگی ادھوری رہے گی، جب مجھے کامیابی
 کی صورت میں انعام دینے کا وعدہ کیا گیا میں نے اُسی وقت فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر مصر کے خزانے
 ایک طرف اور آپ کو دوسری طرف رکھ دیا جائے تو صرف آپ کو طلب کروں گا۔ میں خود چھوٹا
 آدمی ہوں لیکن میرا ظرف بڑا ہے، میں نے آپ کو مانگ کر پوری کائنات مانگ لی ہے۔"

حادث کے فقرے، جملے، الفاظ شہزادی کے دل کو تسکین دے رہے اور ذہن کو
 مسحور کر رہے تھے، اگر محبت نہیں تو اس سے ہمدردی ضرور پیدا ہو گئی تھی جو اُسے پوری
 کائنات سمجھ رہا تھا اس بات سے بھی انکار نہیں ہو سکتا تھا کہ اُس نے مصر کے خزانے لٹکرا لیے
 اور طولی بوجہ کو پسند کیا تھا یہ اس کے عشق کا ایسا ثبوت تھا جس کی وہ خود بھی تردید نہ کر سکتی
 تھی۔ آخر کہنے لگا۔ "اہم تمہارے جذبہ عشق کا اعتراف کرتے ہیں حادث، مگر تمہیں یہ نہیں
 بھولنا چاہیے کہ عشق میں جیت بھی ہوتی ہے ہار بھی ہوتی ہے۔"

"بہن تین چار مہینوں میں تمہارا معاملہ درست ہو جائے گا" اور خود حادثہ کا ہاتھ پکڑ کر دیا۔ "تمہیں جلدی تو نہیں، تین مہینے انتظار کر لو گے؟"

"ایک سال بھی انتظار کروں گا مگر اس عرصے میں تم تجھے پر مہربان رہو گی نا؟" وہ مسکرائی "مگر ذکر و صاحب اصل زر کے ساتھ سودھی تمہارا ہی ہے؟"

غیر اسے لے کر باہر آئی تو اندھیرا پھیل گیا اور ستارہ شام طلوع ہو چکا تھا، حادثہ نے آسمان کی پٹیلیاں پر چمکتے ہوئے اُس ستارے کو دیکھا اور اس سے نیک فال ملی۔ شہزادی نجم العلیل ستارہ شب تھی اور ستارہ شام آسمان کی بلندی سے اس کے قصہ کو دیکھ رہا تھا۔



انقطاع میں گزرنے والے حالات جن کا مابقی میں ذکر ہو چکا ہے ان واقعات کا دیباچہ یا مقدمہ تھے جو آگے چل کر پیش آنے والے تھے۔

سلطان خسار دیر اور شہزادہ شیبان شہزادی نجم العلیل کے بدلے روپیے سے مطمئن تھے کہ وہ حادثہ کی دل جوئی کرنے اور اسے اپنی خربت کا موقع دینے پر راضی ہوئی بلکہ اس سلسلے کا آغاز بھی کر چکی ہے۔ اب وحیش خسار دیر نے تین مہینے کی مہلت بخوشی منظور کر لی اس کے نزدیک نجم العلیل کو بیوہ ہونے کی وجہ سے یہ حق حاصل تھا کہ عقد ثانی سے پہلے اپنے ہونے والے شوہر کو دیکھ لے، پھر کھلے اور میل جول برپا کر اطمینان کر لے کہ اس کی توقعات پر کہاں تک پورا کر سکتا ہے۔

دونوں بھائی جانتے تھے، حادثہ ایک بہادر فوجی، ہوشیار محافظ، کامیاب سفیر اور بات چیت کرنے کی عمدہ صلاحیت رکھتا ہے۔ جسم کا مضبوط اور طاقتور ہونے کے علاوہ شکل و صورت کا بھی اچھا ہے، انہیں امید تھی، وہ شہزادی نجم کو رام کرے گا اور دونوں دامادوں خوش اسلوبی سے طہ پا جائے گا اس لیے ان کے میل جول میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے، نئے طوطے کے جن مردوں اور عورتوں کو اندر ہی اندر اس معاملے کا پتا چلا وہ بھی حادثہ کی کامیابی چاہتے تھے جس نے ہنس مچھوٹ کی حکومت کو قانونی اور موروثی بنا دیا۔

لوگ کہتے ہیں کبھی ہوئی باکھ چمکتی نہیں، مگر جانتے ہوئے پھول کھلتے نہیں مگر حادثہ

کی آرزوؤں کے مرجھائے ہوئے پھول کھل اٹھے تھے۔ نجم العلیل کی ذہانت سے ناممکن باتیں ناممکن نہیں تھیں، اُس نے دوراندیشی اور حکمت سے کام لے کر اپنی جانب بڑھتے والوں خطروں کو روک دیا اور حادثہ کو اپنی مسکراہٹ کی زنجیر میں باندھ لیا تھا۔ یہ ترغیب بھی دے دی تھی کہ بے شک اسے جیت لے اور اگر جیت نہ سکا تو نازام اُس کی قسمت پر آئے گا۔

سوڈانی کثیر، غیر منصوبے کے تحت ان دونوں کے درمیان ملاقات کا واسطہ بنی اور ہوا اس حادثہ کو نوٹ کرنے کی ترغیبیں سرچنے لگی جو طولی ٹنڈرادی کے ساتھ اب اُس کی سوڈانی کثیر کا بھی طلب گار تھا اور اُسے بڑی رغبت کی نظروں سے دیکھتا تھا۔ غیر طائی لڑوں کے علاوہ ایک قیمتی جزاؤں پر بھی حاصل کر چکی تھی اور توقع رکھتی تھی کہ دوڑھانی مہینوں میں اس سے اچھا مل جائے گا۔ حادثہ نے اُس کے سامنے اپنی کمزوری کا اظہار کر دیا اور "مہربانی" کا طلب گار تھا۔ اُس کی مرضی بھانپ کر تجر بھی کچھ بے باک ہو گئی اور اب اس پر اپنے ہتھم کی ایک آرنج چلی کرانے لگی تھی۔

شہزادی نجم حادثہ کی میز پر مراد اور غیر اس منزل تک پہنچنے کا راستہ تھی مگر دونوں بل جیل کر اسے دم دلا سادے رہی تھیں۔

حالات کی اس بدلی ہوئی صورت میں حادثہ نے تانے بانے بٹھانے لگا، سمجھتا تھا وہ طولی ٹنڈرادی کو ہر قیمت پر جیت لے گا مگر نجم جانتی تھی وہ اسے کسی قیمت پر جیت نہیں سکتا اور مغربی اس کی تمام خوش فہمیوں کا خاکہ ہو جائے گا۔ صرف اڑھائی ماہ کے بعد، شوال کو جب ستارہ شام انقطاع کے آسمان پر طلوع ہو گا وہاں سے بہت دور جا چکی ہوگی اور اس شام کا ستارہ حادثہ کی رہنمائی نہیں کر سکے گا۔

شہزادی نجم کو اس بات کا علم تھا کہ فرار کا بھید کھلتے ہی طولی سوار نیزہ و ساندلیوں اور بریق رفتار گھوڑوں پر تمام راستے کھنڈ ڈالیں گے۔ چاروں طرف اُس کی تلاش شروع ہو جائے گی۔ قصہ نجم کے غلاموں اور کثیروں پر کوڑے برسوں گے، انقطاع کے محافظوں پر ایک قیامت ٹوٹ پڑے گی۔ فسطاط میں قہری بھلیاں کو کہیں گی، نامک میں کھیلی پک جائے گی کہ طوفانی شہزادی کو کون اٹھا کر لے گیا۔ ان ساری مشکلوں، مصیبتوں اور پریشانیوں کے باوجود جو غیش آنے والی تھیں۔ وہ اپنے غرار کے قیصر پر قائم تھی۔ اُسے بہر حال نام کی بھڑائی مستحق کا سفر کرنا اور اپنے انوکھے خوابوں کو کب تک تعبیر دینا تھی۔

القطر میں اس قیامت کی تمہید کا آغاز ہو گیا تھا جو رات کو نمودار ہونے والی تھی۔ شہزادی نجم اپنے خوابوں کی بساط پر ایک بازی کھیل رہی تھی جس کا انجام اُسے خود معلوم نہ تھا۔



(۳۱)

حجر کا خرابہ

ابن حرب اس رات کی صبح کو جس رات اس نے شہزادی نجم اور خیر کو اپنے منصوبے سے آگاہ کیا تھا، فسطاط سے نکلا اور تیسرے روز عریش کی کارواں سرائے میں پہنچ گیا جہاں سے اُسے آقا حسین کے صحرائی بچوں کی طرف سفر کرنا تھا۔

اسی روز سرائے میں ایک بخاری تافس نے پڑاؤ والا جو عین سے ہندوستانی خود دگر (صندل، بویان، املے اور دوسرا سامان تجارت کے) کے مغرب کی طرف جا رہا تھا، مہر اور شمالی افریقہ کی منڈیوں میں ان اشیاء کی بڑی مانگ تھی اور بیچا سودا گروں کا مال ہاتھوں بلخہ فروخت ہو جاتا تھا۔

کارواں بہت بڑا تھا، جس کے ساتھ محافظ سوار بھی سفر کر رہے تھے۔ نیچے سرائے کے تمام کمرے مسافروں سے بھر گئے تھے۔ ابن حرب نے اس حصے میں قیام کیا، جو سلیمان بن حار کے خاص مہمانوں کے لیے وقف تھا۔ اور جہاں وہ پہلے بھی کئی دن اور کئی راتیں گزار چکا تھا۔ مگر اب آقا حسین کا ملٹنی ہونے کے نائنے اس کی حیثیت بالکل مختلف تھی۔ اُسے سرائے کے نیچے حصے میں اسی طرح پوشیدہ رکھا گیا جس طرح آقا حسین کی آمد اکثر خفیہ ہوتی تھی۔ یہ اخفا اس لیے بھی ضروری تھا کہ اصطلاحی طور پر وہ فسطاط بلکہ مہر سے برقعہ امیر و ان کی جانب قرار ہو رہا تھا اور اب اُسے مہر سے ”مفرور“ یا روپوش ہی رہنا تھا۔

اس بار بھی وہ اپنے سفر کا مقصد یہ تھا کہ شوال کو جب وہ طوفانی شہزادی کو قطر

سے جنگ لائے تو اس پر رشتہ نہ کیا جائے۔ چونکہ سلیمان بن عامر کا دوست اور اسی کے ذریعہ
مصر میں وارد ہوا تھا اس لیے پیش کی کارواں سرانے اور سرانے دار پر کوئی حرف نہ ہئے،
فدعا طے سے "قرار" کے بعد اس کا سرانے سے کوئی تعلق ظاہر نہیں ہونا چاہیے تھا۔ اسی
احتیاط کے پیش نظر وہ خود بھی سرانے میں اس طرح داخل ہوا تھا کہ چند خاص آدمیوں کے علاوہ
کسی کو اس کی آمد کا پتا نہ چل سکا۔

ایک بڑا کارواں آجانے سے سرانے میں خاصی چہل پہل ہو گئی تھی۔ سلیمان کے غلام
غلام، بادوچی، برتن عاف کرنے والے لڑکے، پیر کیدار، اصابیل میں جانور روں کی دیکھ بھال
کرنے والے سائیس اور خدمت گار سب اپنے اپنے کام میں مصروف تھے۔ مٹی کارواں ایک
طویل سفر کے پیش پینا تھا۔ لہذا مسافروں کو کم از کم ویرم تیار کر کے اپنے پچھلے سفر کی
تنگن تارنا اور نئے سفر کے لیے تازہ دم ہونا تھا۔ کارواں کا سردار سلیمان بن عامر کا پرانا آشنا
اور پہلے بھی کئی بار سرانے میں تیار کر چکا تھا، جب تک سردار اپنے کارواں کے ساتھ بڑا
نہ اٹھائے، اس وقت تک سلیمان کا سرانے سے نکلنا اخلاقی طور پر مناسب نہ تھا اور اب
ابن حرب کو بھی دو راتیں یہیں قیام کرنا تھا۔

ایک دو رات کے کھانے سے فارغ ہوا تھا اور سلامہ جو اس کی خدمت پر مامور تھی،
برتن سمیت رہتی تھی کہ اچانک زہری میں قدموں کی چپاں اُبھری اور دروازے پر ہلکی
ہی دستک ہوئی۔ اس رہداری میں کبھی خاص کینز یا غلام کے علاوہ کوئی نہا سکتا تھا سلامہ
نے دروازہ کھولا تو سلیمان کے غلام منصور کی صورت نظر آئی اس نے اعلان دی کہ مانگ
یعنی سردار کے ساتھ ابن حرب سے ملنے آ رہا ہے۔ اس لیے سلامہ کچھ دیر کے لیے وہاں سے
بہٹ جائے۔ یہ سنتے ہی وہ برتن اٹھا کر نجی رہائش گاہ میں چلی گئی منصور بھی اعلان دے کر
لوٹ گیا اور ابن حرب سوچنے لگا۔ آخر مینی سردار سے اس کی ملاقات کا مقصد کیا ہو سکتا ہے
فسطاط نے کل آنے کے بعد اس کا لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رہنا ضروری تھا تاکہ نہ
کوئی اسے دیکھے نہ اس کی نشان دہی کر سکے۔

ابھی سرج ہی رہا تھا کہ رہداری میں پھر قدموں کی چپاں اُبھری اور سلیمان بن عامر نے
اپنے آنے کی اطلاع دی پھر دروازہ کھلا اور وہ اپنے مہمان کو لے کر کمرے میں داخل ہوا
یعنی سردار زید بن سلامہ کا رہنے والا اور ایک ادھیر عرادی تھا۔ اس نے آتے ہی ابن حرب

کو توڑنے والی تجسس نظروں سے دیکھا اور سر سے پاؤں تک اس کے پورے جسم کا اس
طرح جائزہ لیا جیسے اس کے چہرے اور جسم کی پوری شناخت کر لینا چاہتا ہو۔ سلامہ
دعا اور تعارف کے وقت بھی اس کی نگاہیں ایک پل کے لیے رادعہ اظہر نہ ہوئیں۔ ابن حرب
یعنی سردار کی تجسس نظروں کا مفہوم سمجھنے سے قاصر تھا۔

جب وہ بیٹھ گئے تو سلیمان بن عامر نے بتایا کہ سردار زید اس کا پرانا دوست اور
سلمان تجارت لے کر افریقہ جا رہا ہے۔ ان دنوں شامی افریقہ کے رستے مزدوش تھے،
ابن حرب نے تعجب کا اظہار کیا۔ "حکومت مصر کی اجازت کے بغیر آج کل کوئی قافلہ برتنہ (طریق)
کی سرحد میں داخل نہیں ہو سکتا۔ کیا آپ نے مصر کی حکومت سے اجازت حاصل کر لی ہے؟"
سوال نبی سردار سے کیا گیا تھا جواب بھی اُسی نے دیا۔ "سلطان ابو مہیش خمارویر
سے میرے کچھ خاص مراکم ہیں۔ میں اپنے ہر سفر میں اُس کے لیے ہندوستانی اور کچھ فنی غلاتیں
لے کر آتا ہوں۔ اس مرتبہ بھی میرے قافلے میں چند اونٹ صرف اس کی سوغاتوں کے لیے
مخصوص ہیں۔ میرا نائب ان اونٹوں کو لے کر فسطاط اور القطارح کا رخ کرے گا اور میں
اپنے قافلے کو لے کر آگے بڑھ جاؤں گا۔ میرے سفر کا ایک خاص مقصد ہے، اس لیے
خدا دیر نے مجھے برقع میں داخل ہونے کی بخوشی اجازت دے دی ہے۔"

اب سلیمان بن عامر نے لگا "سردار زید کتا مر کے بعض سرداروں سے ملنے قیران
جا رہا ہے تاکہ انھیں مہدی کے داعی ابو عبد اللہ بن حسین کی مدد کرنے سے روک دے
اور ان کو غلبی حکومت کی حمایت پر آمادہ کرے۔ کتا مر کے کئی سردار زید بن سلامہ کو اچھی
طرح جانتے ہیں اور سلطان خمارویر کو توقع ہے کہ مینی سردار قیران میں مہدی تحریک کو
بڑھنے اور پھیلنے سے روک دے گا، جو کسی وقت مصر کے لیے بھی خطرہ بن سکتی ہے۔

ابو عبد اللہ بن حسین بن محمد بن احمد بن ذکریا معروف بہ محتسب جو قیران میں
مہدی کا داعی تھا تاریخ میں "ابو عبد اللہ مشیحی" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے وہ
کتا مر کے قافلہ حجاج کے ہمراہ (۲۷۸ھ میں) مکہ معظمہ سے قیران چلا گیا
اور مہدی تحریک کے لیے سرگرم عمل ہو گیا تھا۔

(ابن خلدون، ابن اثیر)

پھر وہ دن تھا کہ میں قلعہ دار افغانوں میں سلطان حمزہ سے ملنا اور اسے قیصران کی خدمت میں
لے کر لگانا چاہتا تھا۔ پھر میں اپنے نائب اور ساربانوں کے ہمراہ جو میری واپسی تک فرماؤ
میں میں ٹھہر گیا۔ یہی کہ طرف لوٹ جاؤں گا۔ قیصران سے کہہ سکتا ہوں کہ وہاں کا
نوعہ لگ جائے گا اور میں رمضان ہی میں فرسٹاؤں پہنچ جاؤں گا۔

یہ ایک خفیہ منصوبہ تھا، جو کھون کا سفر تھا اور سفر کا مقصد مدد دہی تحریک کو مالی مدد فراہم کرنا تھا۔ ابن حرب پر مبنی سردار ندیکہ کی اہمیت واضح ہو گئی جو ابن جوشیبہ کی طرف سے رقم لے کر جارہا تھا۔ سلیمان بن عامر کہتے تھے۔ "ابن حرب اہم نے اندازہ کر لیا ہوگا سردار ندیکہ کا سفر کتنا اہم اور قصہ کس قدر مبارک ہے مگر یہ سفر تمھارے لیے بھی مفید ہوگا" ابن حرب حیران ہوا کہ جب وہ شریک سفر بنی نہیں تو سفر اس کے لیے کیوں کر مفید ہو سکتا ہے۔ بھلا میرا اس سفر سے کیا تعلق ہے؟

سوائے دارنے ایک اور انکشاف کیا " تھا ان تعلق یہ ہے کہ جب سردار زبید قزوان سے واپسی پر سلطان غبارویہ سے ملے گا تو بتائے گا کہ اس نے رنادرہ (قزوان) میں مندر ابن حرب نام کے ایک آدمی کو دیکھا جسے کہیں عراق میں دیکھ چکا تھا اور حیران ہوا کہ وہ یہاں کیا لینے آیا ہے؟ غبارویہ رنادرہ میں غباری موجودگی پر غرور متعجب ہو گا پھر مثنی سردار تھا راغب ہو خلیفہ بیان کرے گا۔ چہرے کے خدو وخال سے لے کر قد و قامت اور چال و حال تک کا نقشہ کھینچ دے گا اور اس کی شہادت سے ابو جیش غبارویہ یقین کرے گا کہ تم مصر سے قزوان چلے گئے ہو اور تھا را مصر کے واقعات سے کوئی تعلق نہیں کسی تک کے واقعات سے آدمی کا تعلق اسی وقت تک ہوتا ہے جب تک وہ وہاں موجود ہو اب تم بخیرین سمجھ سکتے ہو کہ سردار زبید کے سفر سے تھا را کیا تعلق ہے اور یہ سفر تھا را سے حتیٰ تک مفید ثابت ہو گا۔

یعنی سردار کے سفر کا بھید کسی غلام دوستربائی طرح کھلا اور ابن حرب اپنے سرکار دوست کی دُور اندیشی اور دُشیماری پر دنگ رہ گیا کہ اس نے مبنی سردار کو قبروان میں اس

(مقیہ پچھلے صفحے کا حاشیہ)

”نوح الخضر“ مشہور ہوا۔ قیران میں یہ ہندو تلجیک کا پہلا مرکز تھا۔ ابن خلدون،

کردار بزمِ حبِ قیروان سے لوٹے گا۔ انقطاع میں سلطانِ خسروید سے کادے کے
قیروان کے عیسوی حالات سے آگاہ کرے گا۔

میرا سے درگفتگو سن کر بن حرب پر تہمت کا ایک سکہ گزر گیا، حیران تھا کہ اُسے
کسی ایسے شخص سے بھی دل چسپی ہو سکتی ہے جو ہمدی کی تحریک کا مخالف اور قیروان اس لیے
جبار، جو کہ اہل کتہہ کو ہمدی کے داعی ابو عبد اللہ کی حمایت سے روزگ دے جب کہ خود
زمینی جماعت کے قیام کا سبب ہمدی کا طور تھا۔ سلیمان نے اس کی حیرت بجا نہ پائی اور
ذرا آواز دبا کر کہا: ”مگر معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔“

ابن حرب کا استعجاب کچھ اور بڑھ گیا۔ ”وہ کیا معاملہ ہے؟“
سیمان بن عامر نے ایک سنسنی خیز انکشاف کیا اور بتایا: ”ابو عبد اللہ کو فیروان
میں ساہان حرب خریدنے اور بعض دیگر غریبوں کے لیے رقم درکار ہے اور مثنیٰ مردار زید
راصل اس کے لیے رقم لے کر جا رہے ہیں جس کا انتقال ام ابن جبر شیب نے کر دیا ہے۔“
فیروان جانے سے پہلے صنف (زین) میں رہتا تھا اور مردار زید کو اچھی طرح جانتا ہے مگر
یہ بات سلطان خمار زید اور انجمنی حکومت سے پوشیدہ رکھی گئی اور انھیں یہی بتایا گیا
تھا کہ مثنیٰ مردار کا نام کے نہ نارت سے ملنے اور انھیں مہدوی تحریک سے برگشتہ کرنے
کا ارادہ ہے۔ اگر کسی کو پتہ چل جائے کہ مردار زید کے اس سفر کا مقصد ابو عبد اللہ کو رقم
کیا کرنا ہے تو اسے مصر سے گزرنے کی اجازت نہ مل سکتی بلکہ قافلے کو لوٹنا پڑتا۔

ابنِ حرب یہ منصوبہ سن کر حیرت سے مٹی مہر دار کو دیکھنے لگا وہ بولا: ”سلیمان نے
 ٹیپک کہلے ریلں جیلے سے قبروں جا رہا ہوں جہاں کوہ انجمن پر ابو عبد اللہ کے ٹھکانے
 ”خاتون“ میں اسی سے خفیہ مافائنتہ کر رہا تھا اور رقم دے کر لوٹ آؤں گا۔ میں کستانی
 سرداروں عربیہ جمیلی اور موسیٰ بن مکار اور حسین بن ہارون سے بھی ملوں گا واپسی پر مجھے

۱۔ رستم بن حسین بن جوشب الاسمانی علویوں کا ایک سرگرم حامی۔ ابو عبد اللہ کراچی
نے تریقہ دی اور فیروان بھیجا تھا۔ (ابن خلدون)

جو کئی سردار سچ کرنے کے بعد ابو عبد اللہ کو اپنے ساتھ قیروان لے گئے تھے۔ انھوں نے اُس کے لیے وہاں کوہ انجمن پر ایک مکان تعمیر کر دیا جس کا نام (باقی مآثر اگلے صفحہ پر)

کرتی ہے۔ اسی طرح اس کے پاؤں کی گردش باری تھی یہ مصر میں اگر بھی عیش اور فسطاط کے درمیان سفر جاری رہا اور ایک سفر اس کے اندر بھی جاری تھا طرہی میں ضرب مثل مشہور ہے۔ "السفن سفن لکولکان حیدلہ" (سفر جہنم ہے خواہ ایک میل ہی کا کیوں نہ ہو) بغداد سے نکل کر وہ اس وقت تک کہ ویش دو ہزار کوس کی مسافت پر ہی کہ چکا تھا لیکن پاؤں کی گردش ختم نہ ہو سکی تھی کیوں کہ سفر ابھی جاری تھا اور اب وہ مصر سے آتا حسین کے عراقی خیموں کی طرف جارہا تھا۔ عربی میں سفر کے متعلق ایک اور کہاوت بھی ہے کہ "السفہ وسبیلہ الظفر" (سفر کامیابی کا ذریعہ ہوتا ہے)

یہ سفر اس کی کامیابی کا وسیلہ بننے والا تھا کیوں کہ قسمت کا اشارہ بھی تھا کہ اس کے نصیب کا سورج محمد اکے آفتاب سے طلوع ہو گا۔ اب وہ اس آفتاب کی باب بڑھ رہا تھا جہاں کامیابی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ خوش بختی اور کامرانی کا تصور آئی کے ذہن پر یکسر روشنیوں اور جھلکیوں سے بکھر دیتا ہے جیسے وہ کوئی حسین خواب دیکھ رہا ہو مگر خواب تو نیند کی حالت میں آتے ہیں اور کامیابی کے لیے بیداری ضروری ہوتی ہے تاہم بعض خیال اتنے خوش آیند ہونے میں کہ ان پر خوابوں کا گمان گزرتا ہے۔ نئے سفر میں ابن حرب کا جاگتا ذہن ایسے ہی خوابوں یا خیالوں سے بچا رہتا جیسے کوئی پراسرار واقعہ طور پر اس کے دل میں ابھرتا ہو جس شمع کی طرف جارہا تھا اور جس جماعت سے خود کو وابستہ کر چکا تھا اس پر ابھی امراء کے ہر سے بڑے ہوئے تھے اور وہ سوچ رہا تھا، نہ جانے صحرائی بسینوں میں کون سے مناظر پیش آئیں گے۔

اس سفر کے لیے سلیمان بن عامر نے بھی گھوڑا اسی پسند کیا حالانکہ عیش اور فسطاط کے درمیان وہ تیز رفتار ساندھی پر سفر کرتا تھا۔ دونوں عیش سے حاصل ہونے والی چیز پر غور کی جانب رواں تھے لیکن رخ کی بستی سے نکلنے ہی سلیمان نے گھوڑے کی باگ جنوب کی سمت موڑ لی۔ یہ راستہ مصر سے شمالی جانب کے علاقے چم کی طرف جاتا تھا جو طح عقیقہ اور کچھ ہزار کے درمیان واقع اور مختلف زمانوں میں مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا رہا مگر اسلامی دور میں چم کے نام سے شہرت رکھتا تھا۔

ابن حرب نے اپنے سرائے وار دوست سے یہ نہیں پوچھا کہ انھیں کہاں جانا اور

کی موجودگی کی شہادت دینے پر آمادہ کر لیا اور وہ بھی ایک ایسی بات کی گواہی دینے پر تیار ہو گیا جو خلاف واقعہ تھی۔ اب وہ سردار زبیدی کی تجسّس نشروں کا مقیم کچھ گیا کہ وہ اس کے چہرے اور جسم کی پروری شناخت اپنے حافظے میں محفوظ کر لینا چاہتا تھا۔ اس مناظر کا مقصد بھی یہی تھا کہ وہ ابن حرب کو اچھی طرح دیکھ لے اور جب قیرون سے لوٹے تو اس کا حلیہ بالکل صحیح بیان کر سکے۔

سلیمان بن عامر کے ذریعہ دہلیز نے مصر سے اس کی غیر حاضری اور عیش سے سینکڑوں میل دوری کو یقینی بنانے کے لیے جس شہادت کا بندوبست کیا تھا اپنی سزا نے بھی اس کی تائید کر دی اور کہا۔ "میں سلطان خسرو سے کہہ دوں گا کہ تمہیں رفاہ میں دیکھ آیا ہوں جس جھوٹ سے کوئی فساد ترک جانے و فساد ڈالنے والے پر سچ سے بہتر ہوتا ہے۔ یہ جھوٹ بھی نہیں بلکہ "سیاست" ہے کہ دشمن کو دھوکا دیا جائے "عند لقصیرات تبناح المخطورات" (ضرورت کے وقت ممنوعہ چیزیں بھی جائز ہو جاتی ہیں)

ابن حرب کچھ کہ سردار زبیدی ضرورت کے مطابق شہادت دے گا اور اس سوال سے قبل یہ شہادت اس لیے ضروری تھی کہ شہزادی نجم کے فرار سے اس کا کوئی تعلق ثابت نہ ہو سکے اور خسرو سلیمان بن عامر پر بھی شک و شبہ نہ کیا جائے۔

یہ خاندانانہ کاہنہ جو ابن حرب کی پیمان اور شناخت کی خاطر کرائی گئی تھی اور جس کے ذریعے سلیمان بن عامر کا شکار ذہن پیش آنے والے بعض خطروں سے بچنا چاہتا تھا میرے روزی الصباح جب بچی کا رواں نے عیش کی سرائے سے پڑاؤ اٹھایا تو سردار زبیدی اپنے تانے کو لے کر مغرب کی طرف روانہ ہو گیا اور سلیمان بن عامر نے ابن حرب کے ساتھ مشرق کا رخ کیا۔

ایکسینا اور پراسرار سفر شروع ہو گیا تھا۔



ابن حرب نے بغداد عراق کو چھوڑا، اب مصر کو بھی چھوڑ رہا تھا۔ گھر سے نکلتے ہی سفر ہی نہ تھا جس طرح سمندر کا لہر ہمیشہ بے قرار اور متحرک رہتی یا بھلا اپنے مدار میں گردش

کم نہیں کر سکتا۔ البتہ یہ امر اس کی دل چسپی کا باعث تھا کہ سفر کا رخ جنوب کی طرف تھا اور وہ اس راستے سے پہلے بھی گزر چکا تھا حج اور صومناح کے درمیان ایک معروف شاہراہ تھی جس پر تجارتی کاررواں اور خراج کے نانے سفر کرتے تھے لیکن حج کا موسم ابھی دور تھا اور کوئی بخاری قافہ بھی جنوب کی طرف نہیں جا رہا تھا۔ پھر بھی سیلمان کی معیت میں یہ سفر حیرت انگیز تھا اس نے شاہراہ پر واقع کسی سرسبزے میں نہ دوپہر کو ٹھکانا نہ رات کو قیام کیا بلکہ دوپہر کا کھانا اگر ایک کنوئیں پر کھایا تو رات کو ایک بستی میں داخل ہوا جو شاہراہ سے ہٹ کر واقع تھی ایک مکان کے دروازے پر دستک دی۔ نہ صرف دروازہ فوراً کھل گیا بلکہ صاحب خانہ نے بڑی آؤ بگلت کی۔ مکان دیکھنے میں معمولی لیکن اندر سے کافی فراخ تھا اور جس کمرے میں انھیں ٹھہرایا گیا، بڑا کمرہ آراہ تھا۔

سفر کی دوسری رات ایک ایسے ڈیرے میں قیام کیا گیا جو صرف تین جھونپڑوں پر مشتمل اور شاہراہ سے ڈیڑھ دو کوس دور تھا۔ یہاں بھی ان کی غیر معمولی خاطر تواضع ہوئی اور جس جھونپڑے میں رات کچی وہ اندر سے خوب آراستہ اور ایک روضۃ النوم (حجرہ خواب) کا نقشہ پیش کرتا تھا۔

ابن حرب بتا نے بغیر کچھ لیا کہ جہاں جہاں انھوں نے پڑا دیا وہ جہالت کے مخفی حلقے اور سفر میں اتنا حسین کے قیام کے لیے مخصوص ہوں گے، اس وقت وہ اتنا حسین کے شوق کی حیثیت سے سفر کر رہا تھا اس لیے ہر جگہ اس کی آؤ بگلت ہوئی پھر سے دن کی رات حج کے علاقے میں معان شہر کے ایک مکان میں اسے ٹھکانا۔ اس کا خیال تھا سیلمان اس علاقے میں داخل ہوتے ہی اردن کی ان بستیوں کا رخ کرے گا جو باؤدینہ شام کے جانے پر آ رہی ہیں لیکن ان کا سفر بدستور جنوب کی طرف جاری تھا انہیں ہمراہ کسی شہر کہیں چھیلے راستے عبور کرتے چوتھے دن وہ ایسے علاقے میں داخل ہوئے جس کے پہاڑی نیلے ڈھلوان سے دکھائی دے رہے تھے اور جہاں ایک عجیب سی بستی اور وحشت بریں راسخ تھی۔ ایک سلسلہ کوہ قد نظر آ رہا تھا۔ دن کی فرار ہوئی روشنی میں اس پہاڑ کی قیر عاجیاں نظر آ رہی ایک رقبہ میں حلقہ در حلقہ ڈور تک پہنچی اور سنگلاخ زمیں میں اپنے پیچھے مضبوطی سے لگاڑے ایک بول ناک منظر پیش کر رہی تھیں جیسے وہ چٹانیں نہ ہوں مگر بے ہول۔

اس علاقے میں داخل ہوتے ہی ایک درخت ال سیلانی (ساروہی) کے درختوں کے درمیان

کا احساس ہوا تھا، جیسی ویرانی اور خاموشی قبرستانوں یا مقبروں میں ہوتی ہے کیوں کہ مردے نہ آپس میں باتیں کر سکتے ہیں نہ کوئی آہ بھر سکتے ہیں بس ایک ابدی چپ سا دھبہ ان کے جسم مٹی میں تبدیل ہو جاتے اور پھر یوں کے بچر باقی رہ جاتے ہیں، وہ پہاڑ بھی ایک بہت مقبرہ معلوم ہوتا تھا۔

ابن حرب حیرت سے اس سلسلہ کوہ کا منظر دیکھنا جا رہا تھا کہ سیلمان بن عامر نے انکشاف کیا کہ تم حج کے قدیم شہر میں آ گئے ہیں۔ تم اپنے سامنے جبل الشام کی وہ چٹانیں دیکھ رہے ہو جنہیں تراش تراش کر قوم مقدونہ نے عمارتیں بنائی تھیں۔ وہ لوگ انھی سنگستانی عمارتوں میں رہتے اور حضرت علیؓ کی نافرمانی کے باعث انھی عمارتوں میں دفن ہو گئے تھے۔ قوم مقدونہ کی تباہی پر نہ جانے کتنے قرن اور کتنے زمانے بیت گئے تھے مگر اس کی خوف ناک یادیں اور ہیبت ناک یادگاریں ابھی تک باقی تھیں۔ ابن حرب کے ذہن میں اس نافرمان قوم کی تباہی کا رزقہ حیرت منظر ابھرا جو ایک شدید ترین نذر سے آگاہا تھا۔ ابھی تو حج کا سنگستانی شہر (جسے ماضی حاکم بھی کہا جاتا ہے) تیار کے جنوب میں دانی افرائی سے ایک یوم کی مسافت پر ہے جسے قوم ثمود کا تاریخی تھقبہ یا اس کی یادگاروں کا ذخیرہ کہنا چاہیے جو عیدیاں گزر جانے کے باوجود آج بھی موجود ہیں۔

حج عرب انبساط کا علاقہ تھا جو مدی اور بے نیلنی دور میں ”پیر“ بھی کہلاتا تھا۔ جسے قیصر جزیرۃ العرب یس بنی ”حفاطتی جحک“ سمجھتے تھے۔ آخر وہ ایک رومی نوآبادی کی شکل اختیار کر گیا۔ بعد اسلام سے قبل اس سارے علاقے میں ایک ہمدانی قبیلہ بنو خذام آکر بس گیا اور حجر معان، ادح اور بچہ ہمدان کے مشرق میں جبل شراۃ تک قابض ہو گیا تھا جس نے قسطنطنیہ کے زیر اثر عیسائیت اختیار کر لی تھی۔ ۵۵ ہجری کی جنگ یرموک میں بنو خذام کی طرح بنو خذام بھی ہزقل کی طرف سے لشکر اسلام کے خلاف لڑے تھے، اسی جنگ نے شام کی قسمت کا فیصلہ کر دیا تھا، جس میں عیسائی فوج کو شکست اٹھانا پڑی تھی بعد ازاں

حضرت علیؓ نے اپنی اوجھنی کو کبرستان قرار دیا اور انھیں سے کہا تھا وہ اُسے نقصان نہ پہنچائیں ورنہ غدا انی کا نکارہوں گے مگر ان لوگوں نے اونٹنی کوہ

بنو حذام نے اسلام قبول کر لیا تھا مگر شام و فلسطین کی فتوحات کے بعد حوران اور حجر کے علاقوں کی فوجی حیثیت یا نکل ختم ہو گئی، جس کی عکاسی اور منطقی رہاستیں ”رومی گارڈز“ کے فرائض انجام دے رہی تھیں۔ بنو حذام بھی اِدھر اُدھر بکھر گئے تھے۔

عہد اسلام کی دو دھاتی صدیوں سے حجر کا علاقہ زیادہ تر بدلتی قبیلوں کا مسکن رہا تھا، منطقی حکومت کے خاتمے کے بعد یہاں دوبارہ پہلی سی آبادی نہ ہو سکی۔ بادیہ نشین قبیلوں کی اکثر ضرورتیں تجارتی کارروائی یا شامی فلسطینی اور مصری تجارت کے قافلوں سے پوری ہو جاتی تھیں جو کتے کی طرف جاتے یا آتے ہوئے اس علاقے سے گزرتے تھے۔ اثاثہ پر ایک روز ٹھہرتے اور غار زاد کرتے تھے۔ انھی ایام میں بدوی قبیلے بھی نمود کے اس خرابے میں آکر خیمہ زن ہو جاتے تھے۔

حجر جنوب کی طرف جانے والے دو راستوں پر کئی میلوں میں واقع ہے بائیں جانب سے گزرنے والی شاہراہ کے مغرب میں ریت کے پتھروں کی پانچ چٹانیں دوڑتے چلی گئی ہیں انھی چٹانوں کو کاٹ کاٹ کر عمارتیں بنائی گئی تھیں جنہیں دیکھ کر قوم نمود کے سنگ تراشی اور صنائی پر حیرت ہوتی ہے ماضی میں شدید زلزلے سے اگرچہ بیشتر عمارتیں پتھروں کے ڈھیر میں تبدیل ہوئی تھیں اور ان کے مکینوں کو بھی باہر نکلنے کی مصلحت نہ مل سکی تھی مگر جو تراشیدہ عمارتیں آج بھی موجود ہیں ان میں قصر البنت بیت الفخ، بیت الخریات، محل المجلس اور دیوان (دربار) خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

قوم نمود بدوی عرب اور قدیم عربی زبان ہی بولتی تھی نہ جبل اثاثہ کے علاقہ یہاں ایک پہاڑی اور ہے، جس کے درمیان ایک طویل درہ ہے روایت کے مطابق وہ اونٹنی جیسے صابکہ میغیر نے نشان الہی قرار دیا تھا، اسی درے سے نکل کر کنوئیں پر پانی پیئے آتی تھی۔ آج کل اس درے کو ”سج الثاقہ“ اور کنوئیں کو ”بیر الغتم“ کہتے ہیں۔ درے اور کنوئیں کے درمیان ایک وادی کئی میل تک پھیلی ہے۔

قوم نمود کی تباہی سے قبل حجر کے آس پاس کھیت، باغات اور نخلستانوں کے جھنڈ

حجر اور قوم نمود کے بارے میں جملہ معلومات تغیر ابن جریر، ابن کثیر اور انس الیکلوپیڈیا آف اسلام سے حاصل کی گئی ہیں (مترجمانوی)

تھے لیکن زلزلے کا عذاب نازل ہونے کے بعد جسے ہزاروں سال گزر چکے تھے۔ یہاں کی آبادی بہت بدل گئی اور شادابی رخصت ہو گئی۔ شاید زلزلے کی وجہ سے زیر زمینی ہونے والی تبدیلی کا اثر ہے۔

صدیاں بیت جانے کے باوجود حجر کا سنگتانی خرابہ حیرت، وحشت اور وحشت کی علامت بنا ہوا ہے۔ پتھر کی ان تراشیدہ عمارتوں پر دھنسی کی حیران کر دیتے والی نشانیاں اور ماضی بعید کے آثار ہمارے دیکھ بھال کی یاد دلاتی ہیں، آج بھی ویرانی، خاموشی اور نوحہ برستی ہے اور تاریخ کا وہ دیرانہ حیرت و حسرت کا ایک ایسا نقشہ پیش کرتا ہے جو دلوں پر ہول طاری کر دیتا ہے۔

غزوہ جوک پر جانے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر صحابہ کے ہمراہ کچھ دیر کے لیے وہاں قیام کیا اور تاریخ و آثار کا وہ خاموش حیرت کدہ دیکھا تو فرمایا کوئی شخص یہاں کے کسی کنوئیں سے پانی پیے نہ اسے استعمال کرے۔ یہ مقام عبرت ہے اور یہاں سے جلد گزر جانا چاہیے۔

راوی بیان کرتے ہیں۔ بعض لوگوں نے آگ آگندھنے کے لیے پانی استعمال کیا تھا مگر حکم نبوی سن کر انھوں نے پانی کے ساتھ گندھا ہوا اکھا بھی گرا دیا اور اس عبرت کدے سے نکل جانے میں محنت کی۔

سیمان بن عامر اپنے دوست کو تاریخ کے اسی خرابے اور حیرت و عبرت کے اسی دیرانے میں لے آیا تھا جس کا پہاڑ ماضی کا ایک پُر ہول مقبرہ تھا اور جس کی حلقہ در حلقہ پھیلی چٹانیں دراصل قوم نمود کی قبریں تھیں۔ ابن حرب سنوچر ہاتھ تھا۔ شاید وہی خرابہ حیرت ان کی منزل ہے کیوں کہ اب جبل اثاثہ صرف نصف یا پون میل دور تھا جس کے دائرے میں پھیلے وسیع و عریض میدان میں بادیہ نشینوں کے خیمے بھی دیکھ رہا تھا جو در صد کے قریب اور صحرائی دستور کے مطابق وہیں حلقوں میں بٹے ہوئے تھے پہاڑ کے مغربی گوشے میں ایک خیمہ دوسرے خیموں سے کچھ بڑا اور ان سے الگ تھلک ایستادہ تھا ابن حرب کے نزدیک غالباً وہی آغا حسین کا ذاتی خیمہ ہوگا اور وہیں اسے پہنچا تھا مگر

وہ اس بات پر حیران تھا کہ قرمطی شیخ نے ایسے خرابے کو اپنا مسکن کیوں بنالیا ہے جس کی سنگت فی عمارتیں اپنے ہی ترانے والوں پر فوج کناں تھیں اور جہاں ماضی کی میراثوں نے ڈیرا ڈال رکھا تھا؟

زخموں کے درمیان بدوی عربوں کے جانور، بھڑکریاں اونٹ بندھے تھے اور چولہوں سے اٹھتا ہوا دھواں راوی میں پھیل رہا تھا، دن کی آخری اور بچی کچی روشنی جبل اٹالت کی مخوس چٹانوں پر سسک سسک کر دم توڑ رہی تھی۔ بحیرہ قمر کی جانب سورج مغربی آسمان پر خون رنگ سرخوں کی افقی کبیر کے پیچھے اتر چکا تھا اور شام کسی چمکاوڑی طرح تاریخ کے اس خرابے میں اتر رہی تھی۔

سلیمان بن عامر نے اس اترتی شام میں گھوڑے کا رخ جبل اٹالت کے مغربی گوشے کی جانب جانے والی پگ ڈنڈی پر موڑ دیا بعد میں ایک عظیم انگ تھلگ کھڑا تھا، ابھی وہ بمشکل سو سو اسوگر آگے بڑھے ہوں گے کہ جبل اٹالت کے اسی گوشے سے ایک بدوی شیخ بھاگتا ہوا نکلا جس کے پیچھے پیچھے دو بادیر نشین اور تھے، تینوں حیرت انگیز تیزی کے ساتھ ان کے قریب پہنچ گئے۔ ادھیڑ عمر شیخ نے کمر تک جھک کر سلام کیا اور "خیر بے" کی گردن کرتا انھیں اپنی رہنمائی میں لے کر پہاڑ کے مغربی گوشے کی جانب ہویا دونوں بدو بدستور پیچھے پیچھے تھے۔

اس بدویائی سے معلوم ہوا کہ یہاں ان کا انتظار کیا جا رہا تھا۔

شیخ کی رہنمائی میں چلتے وہ اسی انگ تھلگ خیمے کے پاس پہنچ کر گھوڑوں سے اترے تو دونوں بادیر نشینوں نے گھوڑوں کی رگ میں تھام لیں اور وہ شیخ کے ساتھ خیمے میں داخل ہوئے، ابن حرب کا خیال تھا، اندر آقا حسین سے ملاقات ہوں۔ یہ خیمہ خالی تھا اور اس میں دو آدمیوں کے لیے دو بستر لگے ہوئے تھے۔ پیرا سر حسین وہاں نہیں تھا۔ اُسے ایک چمکا سا لگا اور ساتھ ہی ذہبی میں سوال اُبھر اُکھرا کہ وہ یہاں ہے بھی یا نہیں اور منزل میں ہے یا مزید سفر کرنا ہو گا۔

بدوی شیخ جس کا نام دریاں تھا انھیں بٹھا کر باہر نکل گیا تاکہ ان کی ضیافت کا بندوبست کرے تو سلیمان بن عامر نے اپنے دوست کے چہرے پر وہ سوال پڑھ لیا جس کا انظار اُس نے زبان سے نہیں کیا تھا اور کچھ پرچھے بغیر نکلے لگا "دوست! آقا حسین یہاں سے عرف

ایک یوم کی مسافت پر مشرق کی جانب تیار پذیر ہیں کھل ہم لوگ علی الصبح یہاں سے روانہ ہوں گے تو شام کو وہاں پہنچ جائیں گے۔

گویا سفر ابھی ختم نہیں ہوا تھا سلیمان نے مزید بتایا "یہ بدوی قبیلہ جو یہاں خیموں سے آباد یہ نشین قبائل کا پہلا حلقہ ہے جو جماعت سے تعلق رکھتے اور صحرا کے حاشیے پر مقیم ہیں۔ شیخ دریاں ایک خاص مقصد کے تحت یہاں ٹھہرا ہوا اور جو کسی سنگستان غارتوں کے متعلق نہانی معلومات رکھتا ہے۔"

ابن حرب جب تڑپ کے اس خرابے میں آیا گیا تھا تو دل میں یہاں کے آثار و عجائبات دیکھنے کی خواہش جگ اٹھی، دن کی روشنی میں جبل اٹالت کی ایک پہاڑی پر منزل منزل تراشیدہ علامتوں کی جڑ جھلک رہی تھی، اس نے توجہ جیسے بڑھادیا تھا کہ آخر قوم ثور کے کامیگوں نے اور پینٹ وولف میں کیسے تماشائی ہوں گی اور نیلے حلقے سے اوپر جانے کے راستے کس طرح تیار کیے ہوئے گئے؟ لیکن اس کا درست علی السبیل درجہ کا ذکر کر چکا اور ساتھ عجائبات کو دیکھنا ممکن نہ تھا۔ آخر سلیمان نے اس مشکل کا حل بھی ڈھونڈ لیا اور کہا "ابھی شام کو ہی اسے اور بدوی شیخ دریاں کے ہوا اس میراثے کا پیکر لگا سکتے ہیں۔ چاندنی رات میں بچے عجائبات کی سیر کیا۔ وہ بھرت تک آوے گی؟"

اسی لمحے شیخ نے ایک راسل کو اس کے پیچھے پیچھے ایک بدوئی لڑکے نے شربت کھرائی، اٹھ کھڑی تھی۔ سلیمان نے اُسے بتایا کہ وہ ان راستے پر کے آگے دیکھنا چاہتے ہیں کیونکہ سویرے یہاں سے جلد کوچ ہو گا۔ شیخ دریاں تعمیل حکم کیسے فوراً تیار ہو گیا جب تک وہ شربت پیتے رہے اُس نے ایک بوڑھے کو بڑا پچھڑا حلیہ پہنا دیا۔

★

شربت پینے کے بعد شربت کے تھکے تو ان کے دونوں گھوڑے تیار ہو گئے تھے۔ ساتھ ساتھ بدوئی نے خیمے سے تھکے سے مڑتے تھے۔ ان کے اقبوں میں شعلیں بھی تھیں۔ درجہ یہ سب کچھ دیکھ کر حیران ہوا۔ بدوی شیخ دریاں نے بتایا "رات کو تو کیا، دن کے وقت بھی ان بدوئی میراثوں میں تمام غریب مسلمان جانا سب میں۔ اس علاقے کا ساہب

سلمان اور ابن حرب پھر گھڑوں پر سوار ہوئے۔ شیخ دیان نے ایک چوہنٹھالا پتھر
سیا وہ پاتھے۔ شام کے ملگے اندھیرے میں وہ لوگ ہند پھاڑ کے ساتھ ساتھ مغرب کی جانب
ہو لیے۔

جگر پہاڑیوں کے درمیان وسیع وادی کئی میل کے بقعے میں تھی۔ رحلتہ اشتارہ
الصیف کی تاریخی شاہراہ وہاں سے چند میل مغرب کی جانب واقع تھی لیکن اس شاہراہ
سے ایک راستہ جگر کی طرف نکلتا تھا اور ماضی کا خرابہ دیکھنے والے اسی راستے ادھر
آتے تھے۔ ابھی وہ لوگ جبل اٹالت کے گوشے سے نکلے ہی تھے کہ ایک عجیب واقعہ
پیش آیا۔

شام کے اندھیرے اُجالے میں کیوں کہ آسمان پر دسویں تاریخ کا چاند بھی روشن
ہو گیا تھا۔ تیز رفتار سانڈنیوں اور اونٹوں کا ایک قافلہ ایک ایسی شمال مغرب کی جانب سے
اسی راستے پر نمودار ہوا، جو رحلتہ اشتارہ الصیف کی شاہراہ سے نکلتا تھا۔ ان کی تعداد
چالیس کے لگ بھگ تھی۔ دس سانڈنیاں آگے، دس پیچھے اور درمیان میں بیس کے
قرب اونٹ، جن پر دو دو آدمی اس طرح لادے بلکہ باندھے گئے تھے کہ ان کے اوتھ
تو نکلے تھے مگر پاؤں میں لپٹے ہوئے بیڑیاں تھیں۔ پانچ چھ اونٹوں پر کچھ لڑکیاں اور جوان
موتیں بھی اسی حالت میں نظر آئیں۔

وہ محرائی ڈاکوؤں اور برہنہ فروشوں کا گروہ تھا جو حجر کے کنوؤں سے پانی لینے
یا اس پہاڑی ویرانے میں شب بھری کی خاطر پڑاؤ ڈالنے آیا تھا مگر جبل اٹالت کے
دامن میں ایک بدلتی قبیلہ کو خیمہ زن دیکھا تو اس نے اپنی رفتار تیز کر دی تاکہ سب سے
آگے نکل جائیں۔ برہنہ فروش مصر، فلسطین اور شام سے لوگوں کو اغوا کرتے اور انھیں
جنوبی علاقوں میں لے جاکر فروخت کر دیتے تھے۔ ان کے گروہ مسلح ہوتے اور ایسے نکل
پر سفر کرتے تھے جن پر آمدورفت کم یا شاید نارہمی ہوتی تھی۔ ان کا دگما مسافر تھیں
دیکھ کر خود ہیچ جانتے تھے۔

ابھی قافلہ پھاڑ کے گوشے سے نصف فرلانگ دور تھا کہ اونٹوں پر لمبے بندھے
اسیروں میں سے کسی کی خیمہ اور خوف زدہ آواز بلند ہوئی۔ وہ المدیہ اہل البادریہ
پر آدھار ایک بار نہیں نہیں مرتبہ بلند ہوا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو

میں شہر میں ابی حرب اور اس کے ساتھیوں کی سماعت سے بھی ٹکرائے، عرب تلوار اور
نفاذی غیرت، کا تھنا تھا کہ "المدد" کی پکار کی۔ منظر میں مدد کی جائے۔ ابن حرب
نے شیخ دیان کی طرف دیکھا اور حکم دیا وہ اپنے اہل قبیلہ کو بلائے ساتھ ہی تلوار کینچ لی اور
گھوڑے کو ایڑ لگا کر قافلہ روکنے کے لیے آگے بڑھا۔ سلمان، یونسہ اور انھوں نے نیزہ
بردار بدواس کے پیچھے پیچھے تھے۔ ادھر شیخ دیان نے اہل قبیلہ کو آواز دی، اور ابن حرب
قافلے کے سامنے جان نکلا۔

برہنہ فروشوں کے سردار نے جو سب سے آگے تھا۔ یہ منظر دیکھا تو نیزہ لہرایا اور
بڑے سخت لہجے اور کرحت آواز میں راستہ چھوڑ دینے کے لیے کہا اس کے
ساتھیوں نے بھی خطرے کو بھانپ کر نیزے سنبھال لیے۔ ان کے قیور بتا رہے تھے کہ
وہ راستہ روکنے والوں کو اپنے نیزوں سے چھیدتے اور سانڈنیوں سے کھینچتے ہوئے
سگز جالیں گے۔ ڈاکوؤں اور برہنہ فروشوں کو روکا جائے تو ان کا پہلا حرب یہی ہوتا
ہے کہ روکنے والوں کو ہلاک، زخمی یا دہشت زدہ کر کے نکل جائیں۔ سردار نے اسی
امداد سے بھاگتی سانڈنی ابن حرب پر چڑھا دی اور لمبے نیزے کا چمکتا پھل اس کی
گردن کی طرف سیڑھیا۔

چاند کی مدھم روشنی میں ابن حرب نے تیز چمکتا نیزہ اپنی جانب بڑھتے دیکھا تو
تلوار کو حرکت دی اور اس کا بانس کاٹ کر پھینک دیا پھر کمال پھرتی سے جھک کر سانڈنی
کے اگلے گھٹنے پر دیر کیا اور اس کی کوچ کاٹ دی۔ دوسرے دار میں دوسری ٹانگ کی
کوچ کٹی اور جب تک سردار کوئی دوسرا ہتھیار نہ لگا، سانڈنی زمین پر ڈھیر ہو گئی
ساتھ ہی سردار بھی گرا اور اس سے پہلے کہ سنبھلتا، ابن حرب کی تلوار اس کے سر کو دو
حصوں میں کاٹتی شانوں تک اتر گئی۔

یہی حشر اس کے نائب کا بھی ہوا، جو سردار کو ہلاک ہونے دیکھ کر ابن حرب پر
چڑھ کر دوڑا تھا۔ بچی کی طرح لپکتی چمکتی تلوار سانڈنی کے ساتھ اس کے سوار کو بھی کھانچی
دو برہنہ فروش سلمان بن عامر اور مسلح بدوؤں پر حملہ آور ہوئے تھے۔ ایک حملہ آور کا
نیزہ ایک بدو کی پسلیوں میں اتر گیا اور تیور اگر گرا مگر اس کے ساتھیوں نے حملہ آور
کو سانڈنی سے گھسیٹ کر قتل کر دیا۔ دوسرے حملہ آور نے گھبرا کر سانڈنی کی ہمار

مراد اذی حق سے تزلزل کیونکہ انہوں پر اس کے دم توڑ گئی۔ ”عبداللہ تم.....“
 اُسے دیکھتے ہی عبداللہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے، آواز بھر گئی اور اپنی خیف
 بھرائی آواز میں بولا ”شکر ہے، آپ مل گئے۔ میں نے آپ کو دیکھ لیا۔“

عبداللہ جیسا بھی تھا جس حال میں بھی تھا، اُس کا دل جانا ایک معجزے سے کم نہ تھا شاید
 تقدیر ابن حرب کو صرف اس لیے جو کہ تاریخی خرابے میں کھینچ لائی کہ بروہ فردش اپنے
 امیروں کو لے کر یہاں سے گزرنے والے تھے اور عبداللہ کی رہائی اسی دیر کے میں مقدر
 تھی۔

اس اثنا میں سیدکان بن عامر بھی وہاں پہنچ گیا اور عبداللہ پر نظر پڑی تو دلنگ رہ گیا
 اس کے غیر متوقع طور سے مل جانے پر خوشی ہوئی مگر یہ عبداللہ اُس عبداللہ سے بڑا مختلف
 اور کمزور تھا جس کے ساتھ پیش کی کارواں سرانے میں مل چکا تھا۔ ابن حرب نے شیخ
 دیان کو حکم دیا کہ اونٹ ہانکے جائیں،

قبیلے میں سب سے پہلے عبداللہ کے پاؤں کی ہیریاں کاٹی گئیں اور جب تک
 ہیریاں کٹ نہیں گئیں، ابن حرب سامنے کھڑا رہا، جو کئی دہ آواز ہوا، اپنے آٹا کے قدموں
 میں دھیر ہو گیا۔ ابن حرب نے اُسے اٹھا کر گلے سے لگایا۔ دونوں اس طرح بغل گیر ہوئے
 جیسے عداوتوں کے بعد ملے ہوں۔

عبداللہ کے ساتھ خورتوں اور آنتیں مردوں کو بھی رہائی ملی تھی۔ سب اپنے محسن
 کے لشکر گزرتے تھے جس نے حیرت انگیز جرات اور شجاعت کا مظاہرہ کر کے قافلے کو روکا
 ہم بروہ فردشوں کے وحشی سردار اور اس کے ظالم ترین نائب کو اٹا قاتا ہلاک کر کے لوے
 گزردہ پر اپنی دہشت اور ہیبت ظاہر کر دی۔ اُس کی جنگ جوشی کا نقشہ اور دھاوا کرنے
 کا منظر سیدکان بن عامر، شیخ دیان اور بادیر نشینوں نے بھی دیکھا اور سب حیرت زدہ رہ
 گئے تھے۔ ان کا خیال تھا وہ اتنا شہزادہ اور جنگ جوئے کہ اکیلا بھی لوہے قافلے کو روک
 لیتا تو آج اڈا ہوتا، جو ہواقتار سارے قبیلے میں اُس کے متعلق چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں
 اور سب لوگ جان گئے تھے، وہ آقا عسین کا منی اور عسائی قبائل کا جنگی سردار مقرر ہوا
 ہے اس نے ثابت کر دیا تھا کہ اُس کا انتخاب غلط نہیں۔

ابن حرب اور سیدکان بن عامر زہا ہونے والے امیروں کے بارے میں بددیتی شیخ کو

مٹوری اور شیخ کو بھانا، ابن حرب نے عقب سے دھاوا کر کے ساڈنڈل پھینک دیا۔
 دیر اور سوار کے۔ اندوہی ملک کی آواز سردار اور نائب سردار کے ساتھ کرچکا تھا۔
 اُن کی آنکھیں سرخ و خیمت گردہ کے چار اہم آریروں کی ہلاکت اور الزبہ نیزہ وافر
 تھا جس نے بروہ فردشوں کے پاس سے لڑے میں کھینچ لیا۔ زہا زہا ہونے لگے۔
 نے جلد بلدان کوٹوں کا رخ موڑنے کی کوشش کی جن پر ان کے تم رسیدہ شکار پر یوں
 میں جکڑے ہوئے تھے تاکہ انھیں لے کر نہیں جائیں۔ لیکن اسی اثنا میں شیخ دیان کی
 آواز پر قبیلے کے، ہاتھ سر جو ان تھا۔ اور اتنے قریب پہنچ گئے تھے جنھیں دیکھ کر بروہ
 فردشوں نے اپنا ”دعا“ چھوڑا اور بڑی افراہوئی میں اسی نائب فرار ہو گئے بعدھر
 سے آئے تھے۔ ساڈنڈیاں اڑتی پل گئیں۔

ابن حرب نے اُن کے تعاقب کی ضرورت نہیں سمجھی۔ تیز رفتار سائڈنیوں کا تعاقب
 کرنا۔ اور لانا حاصل تھا۔ اُس نے بددیتی شیخ کو حکم دیا کہ امیروں سے ملے ہوئے اونٹ
 قبیلے میں پیچھے جائیں تاکہ ہیریاں کٹ کر انھیں آواز دیا نہ سکے، شام کے اس اندھیرے
 اجالے میں جب چاند کی روشنی شام کی سیاہی پر غائب آج ہی تھی اور بھاگنے ہوئے
 بادیر نشینوں کا بے شک شور و سحر کے ہوا کی طرح اٹھ رہا تھا۔ اُس کی آواز دور تک سنی
 گئی اور ایسی تھی وہ آواز جس نے ہونٹوں پر لہرے بندھے امیروں میں مسرت کی لہر پڑ
 دی اور وہ شکر و سپاس کا اظہار کرنے لگے۔ گھرانے کی آوازیں میں خوشحالت سے لڑتی
 اور دفر مسرت سے کہانی ایک خیف سی آواز ایسی بھی تھی جس نے ابن حرب کے جسم میں
 سنسنی دوڑا دی، وہ خیف سی آواز صرف ایک لفظ پر مشتمل تھی جو کہ بار بار ایسا کہتا
 تھا..... آقا..... آقا.....

ابن حرب اس آواز کو پہچاننا تھا۔ وہ دیوانہ وار اونٹوں کی طرف بڑھا جنھیں بادیر
 اپنے گھیرے میں لے رہے تھے اور ان واحد میں گھوڑا کھانا اس اونٹ کے قریب پہنچ
 گیا، جس پر لہا بندھا ایک اسیر اُسے پکار رہا تھا اس اونٹ پر بھی دو آدمی لادے گئے
 تھے اور ان میں ایک اس کا وفادار غلام عبداللہ تھا۔ اگرچہ امیری کے صدر سے یا نہ تھے
 اور اینداز سائی سے وہ کمزور ہو چکا تھا اور غصوں کی دھچپ میں اُس کا چہرہ لٹوٹ گیا تھا
 چہرہ بھی چاند کی روشنی میں ابن حرب نے اُسے پہچان لیا اور اس کی خراب و خستہ حالت دیکھ

کو ضروری ہدایات دے کر اٹھے اور عبداللہ کو اپنے مجھے میں لے آئے لیکن اب ایک اور انکشاف ہوا کہ وہ صرف تحیف و کمزوری نہیں بلکہ ننگہ کر چلنا اور بائیں پاؤں میں شدید تکلیف محسوس کرتا ہے۔

عبداللہ نے عربی اور انگریزوں کے درمیان اپنے اٹھارہ دو دوستوں اور بتایا کہ انھیں وہ صحرائی ڈاکو سمجھتا تھا وہ پردہ فروش تھے جو اُسے صحرائے سینا کے ایک پُر ہول مقام پر لے گئے جہاں اور بھی کئی امیر تھے، زعمی ہونے کے باوجود اس نے ڈیرے سے بھاگنے کی کوشش کی مگر جس کی پاداش میں اُسے تنگی میں کس دیا گیا اور پاؤں کا ٹخنا اُتر گیا جو ابھی تک اُترا ہوا ہے۔ پردہ فروشوں کے پاس ایذا رسانی کے بڑے وحشیانہ حربے تھے۔ سردار کا نائب کئی روز اُسے اذیت دیتا رہا پھر پردہ فروش اُسے دوسرے امیروں سمیت عمرائے سینا سے نکال کر فلسطین کے شہر نجب میں لے آئے جہاں ایک حویلی کے زیر زمین قید خانے میں انھیں محبوس رکھا گیا۔ حویلی کی دیواریں اونچی اور نہ خانے کی کھڑکیاں بڑی تاریک اور بھیاں تھیں۔ وہاں کچھ شامی اور فلسطینی لڑکیاں بھی محبوس تھیں جن کے ساتھ ہر رات جیسا کہ سلوک کیا جاتا تھا تین روزہ بلی پردہ فروشوں کا سردار وہاں پہنچا اور رات کو قافلو روانہ ہوا وہ انھیں جنوبی حجاز اور یمن کی طرف لے جا رہے تھے جہاں انھیں فروخت کر دیتے لیکن حجاز میں داخل ہوتے ہی تقدیر نے ان کا راستہ روک دیا۔

یہ نئی اُس کی اسیری اور رہائی کی داستان، وہ بغداد سے ایک ضروری پیغام لے کر روانہ ہوا تھا مگر عربی پینچ کو بھی اپنے آقا سے نہ مل سکا۔ اب اُس نے بغداد کے حالات سنائے، اپنی ماکن کی حالت بیان کی اور بتایا کہ وہ خلیفہ معتمد سے اپنے بیٹے کے لیے رقم مانگنے اتر صاف نہیں گئی تھی اور خلیفہ ان شرطوں پر ابن حرب کی اسیری سے دست بردار ہو گیا کہ وہ بغداد میں نہیں آئے گا۔ عباسی علما نے پرتاخت نہیں کرے گا اور اس کے قافلوں کو نہیں روئے گا بصورت دیگر تنوار اس کا فیصلہ کر دے گی اور اس کی لاش شہر کی فصیل پر آویزاں کر دی جائے گی۔ وہ یہی پیغام اپنے آقا تک خود پہنچانا اور اس کا جواب لینا چاہتا تھا تاکہ اپنی ماکن کو مطمئن کر سکے لیکن فسطاط جاتے ہوئے رستے ہی میں اسیر بنا ہوا گیا۔

ابن حرب کو پہلی بار معلوم ہوا کہ خلیفہ معتمد اس کی گرفتاری سے دست بردار ہو

گیا مگر اسے بغداد سے دور رکھنا چاہتا ہے۔ وہ صرف اسیری سے دست بردار ہوا مگر عدوت سے دست بردار نہیں ہوا تھا۔ ابن حرب کچھ سوچتا رہا پھر یک نیت کھڑا ہو گیا اور بے ہوشے لمحہ میں بولہ "معتقد ابو عباس سمجھتا ہے اس کی طاقت مخالف کے عزم کو متزلزل، دل کو لرزاں اور تلوار کو بے کار کر دیتی ہے لیکن میں ہر رات اپنی تلوار مرہ لے رکھ کر سوتا ہوں اور رحم کا لفظ میرے لیے بے معنی ہے، تم جو پیغام لے کر آئے اس کا جواب تمہیں شوال کے مہینے میں مل جائے گا جب تمہاری ماکن بغداد سے نکل آئے گی۔"

اس کے نزدیک جواب کے لیے عبداللہ کو شوال تک انتظار کرنا تھا لیکن جواب تو اس نے دے دیا تھا جسے سن کر سلیمان بن عامر مطمئن ہوا اور عبداللہ شیران و ششدر رہ گیا۔۔۔

"کیا ماکن بغداد چھوڑ دیں گی؟"

مگر ابن حرب نے خاموشی اختیار کر لی، میں اس کا جواب تھا۔ اسی وقت شیخ دیان نے اطلاع دی کہ کھانا تیار ہے۔ پھر دسترخوان بچھا دیا گیا اور انھوں نے عبداللہ کو بھی اپنے ساتھ کھانے میں شریک کیا، جسے ایک عرصے کے بعد لذیذ کھانا ملا تھا۔

حجر کے سنگستانی عجائبات دیکھنے کا ارادہ ملتوی کر دیا گیا اور اسے کا نتیجہ عبداللہ کی بازیابی کی صورت میں نکلا جس کے متعلق گمان کر لیا گیا تھا کہ شاید وہ کسی درندے کا شکار ہو چکا ہے۔ اب ابن حرب اُسے سمجھانے لگا کہ وہ شوال تک اسی بدوی قبیلے میں رہے گا جہاں اس کا علاج بھی ہوگا اور اچھی خوراک بھی ملے گی۔ اگر وہ صحت یاب ہو جائے تو اُسے بھی اپنے ہمراہ صحرائی لہیتوں میں لیے جاتا لیکن وہ سفر کے قابل نہیں۔ اب اسے یہیں رہنا اور اس کی داپہی کا انتظار کرنا ہے۔ اس نے یہ نہیں بتایا کہ وہ صحرائی لہیتوں میں کیوں جا رہا ہے مگر یہ ضرور بتا دیا کہ اب تمہیں بھی بغداد نہیں جانا۔"

یہ ساری باتیں عبداللہ کے لیے کسی چیتان سے کم نہ تھیں لیکن اس سلسلے میں کچھ پوچھنا مناسب نہ سمجھا۔ پوچھنا بھی تو جواب نہ ملتا۔ ہر سوال کا جواب ایک ہی تھا کہ شوال تک انتظار کرو البتہ سلیمان بن عامر نے اسے ایک اشارہ دینے کی کوشش کی کہ اس کا آقا منذر ابن حرب اس جماعت سے وابستہ ہو چکا ہے، جس سے اس کا باپ حرب الکندی متعلق تھا مگر عبداللہ کے فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی کہ حرب الکندی کس جماعت سے تعلق رکھتا تھا۔

اس کا بستر ایک علیحدہ جگہ میں بچھایا گیا تھا۔ وہ رات در بزمک بستر پر کر و میں پڑا
اور سوچتا رہا، آخر کون سی جماعت ہے جس کے ساتھ اس کا آقا وابستہ ہوا اور صحرائی
بستیوں کی طرف جا رہا ہے؟ لیکن بہت جلد یہ اچنبھا اس پر آشکار ہو جانے والا تھا۔
انہی سوچوں کے درمیان وہ نیند کے صحرائیں اتر گیا۔



صحرائی مسکن

(۳۲)

اگلے یوم علی الصبح سفر پھر شروع ہو گیا۔
بدوی شیخ نے ابن عرب کی آمد کو اپنی خوش قسمتی پر غور کیا تھا، جس کے طفیل اسے
برودہ فرہ ٹول کے بیس اونٹ بطور مال غنیمت ملی گئے تھے۔ وہ اپنے دونوں باوریشیمنوں
کے ہمراہ، جو کل بھی اس کے ساتھ تھے جبل اثاث کے گوشے سے نکل کر انہیں اس مقام
تک رخصت کرنے آیا، جہاں ان کا استقبال کیا تھا، البتہ عبداللہ بہ وجہ معذوری ساتھ
نہ آسکا۔ اور جیسے ہی اس کے رخصت ہوا تھا۔

تو شہر سفر کے علاوہ مشکیز سے پانی سے بھر لیے گئے تھے اب انہیں مشرق کے
جانب سفر کرنا تھا اور راستے میں نہ کوئی سرائے تھی نہ کوئی لہتی اور جیسا کہ آگے چل کر
معلوم ہوگا، کوئی رستہ بھی نہیں تھا۔ چرے نکل کر وہ چند میل اسی راستے پر واپس
چلتے رہے جس راستے سے آئے تھے مگر واپسی کا سفر پانچ چھ کوس سے زیادہ نہ تھا چڑھتے
سورج کے ساتھ ایک پہاڑی میلے سے انہوں نے گھوڑوں کے رُخ مشرق کی طرف موڑ
لیے۔ زمین میں سنگلاخ، کمیں شور تھی، کچھ دور پہاڑی ٹیلوں کے درمیان مڑی تڑی گریں
سی نظر آتی رہیں جیسے پگڈنڈیاں ہوں حالانکہ وہ چمک ڈنڈیاں نہیں تھیں لیکن سات آٹھ
کوس کے بعد وہ پہاڑی ٹیلے، وہ لکیریں، وہ سنگلاخ زمین سب کچھ پیچھے رہ گیا اور
انہوں نے ایک جگہ پر پہنچے جہاں صحرا کا سفر شروع ہوا۔ ان کی ریت کی لکیریں تو مگر درختیں جنہیں

ہوا بنائی اور شاتی رہتی ہے لیکن کوئی راستہ نہیں تھا۔

محران کے مائیں پر راستے ہوتے ہیں اور بادیہ نشین ان کی مخصوص علامتوں کو دیکھ کر آگے بڑھتے ہیں مگر اس صحرائ میں کوئی ایسی علامت بھی نظر نہ آتی تھی جسے دیکھ کر سمت اور سفر کا تعین کیا جاتا، البتہ محراب شواگرزار اور ناقابل عبور نہیں تھا گھوڑے کسی خاص دشواری کے بغیر چلتے رہے اور ابن حرب ان ٹیلوں اور پہاڑیوں سے جنہیں وہ پیچھے چھوڑ آئے تھے، اس سمت کا اندازہ لگاتا رہا بعد میں بڑھ رہے تھے۔

دو پہر کو وہ ایک ایسی جگہ کے جہاں چند تھیر زمین کی چھاتی سے کئی کئی ہاتھ اونچے تھے اس سفر میں یہی ایک علامت تھی جو ابھی تک مل سکی تھی۔ وہاں انھوں نے جلتے سورج کے نیچے کھانا کھایا، گھوڑوں کو چار اڑا، پانی پلایا اور کچھ دیر آرام کر کے پھر چل دیے۔ ابن حرب نے جلتے جلتے محسوس کیا کہ اس جگہ سے جہاں پڑاؤ کیا تھا سفر کا رخ مشرق کی بجائے ذرا شمال مشرق کی جانب ہو گیا ہے۔

چند میل طے کرنے کے بعد ریگستان میں کہیں کہیں پتھر دکھائی دینے لگے مزید چند میل آگے بڑھے تو منظر کچھ اور بدل گیا۔ اب وہ چھوٹے چھوٹے پہاڑی ٹیلوں کے درمیان پھیلے صحرائ میں سفر کر رہے تھے۔ جن کا سلسلہ شمال مشرق کی جانب ایک پہاڑی کی شکل اختیار کر گیا تھا مگر دیران اور سندان ماحول سے یوں لگتا تھا، جیسے کسی انسان کا ادھر گزر نہیں ہوا، کسی انسان کو دیران ٹیلوں کے درمیان پھیلے صحرا اور بے آب دیکھ پہاڑی سے لینا بھی کیا تھا۔

ان ٹیلوں کے درمیان سفر کرتے وہ پہاڑی کے قریب پہنچ گئے اور ابن حرب یہ دیکھ کر رنگ رہ گیا کہ پہاڑی کے ارد گرد ایک کٹی پھٹی کھائی کسی خندق کی طرح پھیلی تھی اور آگے راستہ مسدود تھا۔ سلیمان اس کھائی کے ساتھ ساتھ شمال کی جانب ہولیا اور ایک ڈھلان جگہ سے کھائی میں اتر گیا جو طویل تھی۔ ٹوڑھ دو فرلانگ چلنے کے بعد اس نے اپنا گھوڑا دوسرے کنارے کی طرف لپی ڈھلان پر ڈال دیا۔ دونوں آگے پیچھے اس ڈھلان پر چلتے کھائی سے نکلے تو آگے ایک لمبی چٹان حائل تھی۔ اس چٹان کے ساتھ ساتھ بڑھتے آہی وہ ایک چھوٹے سے درے میں داخل ہوئے تھے کہ اچانک چار پانچ بدبو بھانے کہاں سے نکل کر محرابی بھوتوں کی طرح ان کے سامنے نمودار ہوئے، جن کے ہاتھوں میں جوڑے

پتھروں والے لمبے نیزے تھے۔

وہ اپنے سردار سمیت جو سب سے آگے تھا پانچ ہی تھے مگر جو نبی سلیمان بن عامر پر نظر پڑی انھوں نے "السلام، السلام" کی صدا بلند کی اور سردار اس کے ساتھی کو دیکھنے لگا۔ سلیمان نے اپنے ساتھی کا نام بتایا۔ "ابن حرب؟"

یہ نام سنتے ہی پانچوں نے "مٹنی مٹنی" بکارنے ہوئے اپنے نیزے زمین پر چھیک دیے اور اس کے سامنے رکوع میں چلے گئے۔ ابن حرب اپنی اس پذیرائی پر حیران ہوا مگر کچھ گیا کہ افاحسین نے انھیں اپنے مٹنی کے بارے میں بتا دیا ہوگا اور وہ اس کی آمد کے منتظر ہوں گے اس نے درے کے محافظ بدوؤں کا سلام عقیدت قبول کیا اور کہا۔ "اخشوالی حضرت الشیخ" (شیخ کے مجھے کی طرف چلو)

بدوؤں کے سردار نے اپنے چاروں ساتھیوں کو رہیں چھوڑا کیوں کہ وہ درے اور کھائی کے گہراں تھے اور خود نیزہ اٹھا کر ہانوں کے آگے آگے چل دیا۔ درے سے نکلے تو سامنے ریتلا میدان دوڑنگ چلا گیا تھا جس میں چھوٹے بڑے پہاڑن لپٹے سر اٹھائے کھڑے تھے اور ان ٹیلوں کے نیچے جہاں تک نظر کا کرتی تھی، ایک وسیع صحرا پھیلا تھا جو اسی ہولناک بادیہ نما کا معلق تھا جو شمالی حجاز، اردن، شام اور عراق سے گزرتا تھا۔ محافظ سردار درے سے نکلنے ہی پہاڑی کی ڈھلان کے ساتھ ساتھ مشرق کے رخ چلتا رہا۔ کوئی دو فرلانگ کے بعد پہاڑی سیدھی جنوب کی جانب ٹھٹھکی تھی اور اس کے مشرق میں بھی ٹیلوں سے گھرا ہوا ایک ریتلا میدان دوڑنگی میل کے رقبے میں پھیلا تھا۔ اس میدان میں ایک چھوٹی سی خیمہ بستی نظر آئی جہاں خیموں کی تعداد ستہ آٹھ کے درمیان اور عورتوں۔ مردوں سمیت آباری چار سو کے لگ بھگ ہوگی۔

یہ تھا افاحسین کا خیمہ صحرائی مسکن جس میں سلیمان بن عامر کے لیے حیرت و استعجاب کا کوئی گوشہ نہ تھا کیوں کہ وہ پہلے بھی کئی بار یہاں آچکا تھا البتہ ابن حرب نے اس خیمہ مسکن پر تعجب کی نظر ڈالی۔ بستی سے ہٹ کر پہاڑی کے دامن میں بہت بڑا خیمہ ایسا رہتا تھا جو کم و بیش ایک کنال کے رقبے پر محیط اور کسی پار چاتی محل کا نقشہ پیش کرتا تھا۔ قنائین کی ایک دیوار جو چاروں طرف کھڑی تھی اسے بستی کے عام خیموں سے الگ کرتی تھی۔ یہی افاحسین کی بادشاہی تھی لیکن ان کے جانب کے فاصلے پر اس سے نسبتاً چھوٹا ایک اور خیمہ

دکھائی دیا، بستی کے جنوب مشرق میں ایک کنواں کھودا گیا تھا جس کے ارد گرد پتھروں کی میٹھ اٹھائی گئی تھی اور قریب ہی جانوروں کے پانی پینے کا کوئی دس بارہ فٹ طویل حوض تھا پورے وسیع رقبے میں ایک ٹولہ تھا، جہاں دوسو کے لگ بھگ سائڈیاں اور اونٹ بندھے ہوئے تھے ان کے قریب ہی بھڑ بھڑ بھریوں کا بارہ تھا۔

اونٹوں کو دیکھ کر اُسے خیال آیا کہ آقا حسین کے ساتھ شتر سواروں کا لشکر مقیم ہے جو صحرا میں حفاظت کا بہترین حلقہ ہوتا ہے، اس کے اندازے کے مطابق یہ صحرائی مسکن بڑا محفوظ تھا مگر اُس پاس کوئی ٹھکانہ نہ تھا، نہ کوئی چراگاہ تھی۔ انسانوں کے ساتھ جانوروں کی خوراک کا بندوبست بھی باہر سے ہوتا تھا۔ اس نے سوچا کہ قینیا کوئی صحرائی قبیلہ قریب ہی مقیم ہوگا جو غیر درت پوری کرنا ہوگا۔

جوں جی وہ پہاڑی کے شمال مشرقی کونے پر نمودار ہوئے بدو سردار نے اُنکی آواز میں کچھ کہا اور نیزہ فضا میں لہرایا غالباً یہ مہمانوں کے آنے کی اطلاع تھی۔ بستی کے بعض مردوں اور عورتوں نے جھجھکیوں کے درمیان چل پھر رہے تھے کیوں کہ سورج غروب ہونے لگا تھا اور پہاڑی نے پورے مشرقی میدان پر اپنا سایہ ڈال دیا تھا، آواز سنی اور سردار اُٹھا کر مغربی جانب دیکھا اسی لمحے بڑے خیمے کے سامنے جو آقا حسین کا پارچائی محل تھا، نوبت کی آواز بلند ہوئی، گویا مہمانوں کے آنے کی اطلاع وہاں تک پہنچ گئی تھی اور ان کی آمد پر تقاریر بھی باجا رہا تھا۔

نقارے کی آواز سے خیمہ بستی میں ایک پہلی سی مچادی۔ عورتیں، مرد بچوں سے نکل آئے اور اس دُور افتادہ صحرائی مسکن میں زندگی کی ایک نئی لہر حرکت کرنے لگی۔ دہیتے سو بچے رشتی میں جب صبح کا تپ بدل جاتا ہے لوگ بدوی لباس میں بڑے خیمے کی طرف بڑھتے اور اُسے دائروں کو دیکھنے لگے جو بدو سردار کے پیچھے پیچھے گھومتے رہتے۔

اچانک ”سیدنا، سیدنا“ کا شور بلند ہوا اور اس شور میں آقا حسین اپنے خادم دشم کے ساتھ پارچائی محل سے نکل کر قناتوں کی دیوار کے حراہی دروازے پر نمودار ہوا، مسان بھی وہ اپنے مخصوص سبز لباس میں تھا اور سبز ذیل نے اس کا نصف چہرہ بدستور ڈھانپ رکھا تھا۔

اُسے دیکھتے ہی سیماں بن عامر اور ابن حرب گھڑوں سے اترے اور اہم آقا حسین

جس کے پیچھے چند لوگوں کا حلقہ تھا، آگے بڑھا، اس نے سیماں سے صرف مصافحہ کیا اور ابن حرب سے معاف کیا اور چند لمحے اسے سینے سے لگائے رکھا، پھر اس کی خیمت پر بھی۔ ارد گرد لوگوں کا جھوم تھا اور قنات کی دیوار سے پرے بڑے خیمے (مغرب) کے جانی دار غزفوں سے نمودار یحییٰ (کالی آنکھ والی) صحرائی حسینا میں بھی ملاقات کا یہ نظر دیکھ رہی تھیں۔ اچانک ابن حرب کی نظر سبز شیخ کے عقب میں ایک شخص پر پڑی اور اُسے دیکھ کر جو بچکا سارہ گیارہ بنی کلب کا سردار تھا، جس نے اپنے خیمے میں ابن حرب کا اس وقت علاج کیا تھا جب وہ کئی روز زیادہ شام کا خوف ناک زمین سفر کرتے ہوئے بخار میں مبتلا ہو گیا تھا اور وزیران معبد سے بھاگا تو بخار کی شدت سے بے ہوش ہو کر گھوڑے کی گردن پر ڈھے گیا تھا۔ پھر اس کی آنکھ بنی کلب کے سردار نعمان کے خیمے میں کھلی تھی۔

سردار نعمان نے بھی ابن حرب کو چشم حیرت سے دیکھا اور تیزی سے اُس کی طرف بڑھا۔ فرمطی شیخ کے صحرائی مسکن میں اگر بنی کلب کے سردار نعمان کی موجودگی ابن حرب کے لیے ایک طرذبات تھی تو وہاں ابن حرب کی آمد سردار نعمان کے نزدیک بھی کسی اچھے سے کم نہ تھی اور وہ بھی آقا حسین کے ملنے کی حیثیت سے۔ دونوں ایک دوسرے کو دربار بغداد کے وفادار سمجھتے رہے تھے لیکن جس طرح دوست اور دشمن کی حقیقت میدان جنگ میں کھلتی ہے کہ کون کس کے ساتھ ہے اُسی طرح اُن کی اصلیت صحرائی مسکن میں ظاہر ہوتی تھی کہ دونوں ایک ہی منزل کے رہی ہیں۔

سردار نے بڑی تیزی سے آگے بڑھ کر اُس کے ساتھ ہر جوش مصافحہ کیا اور کہا ”خَبِيرُ الْأَشْيَاءِ جَدِيدُهُا وَخَيْرُ الْأَخْوَانِ قَدِيمُهُا“ (چیزیں نئی اچھی ہوتی ہیں اور دوست پرانے اچھے ہوتے ہیں)

ان الفاظ میں اُس نے ابن حرب کو اپنا وہ دوستانہ سلوک یاد دلایا جو کچھ عرصے قبل اُس سے کرچکا تھا۔ ابن حرب نے جواب دیا ”سردار نعمان! دوستی کا رشتہ کبھی نہیں ٹوٹتا اور مجھے تمہاری دوستی ہمیشہ یاد رہے گی۔“

ساتھ ہی مصافحے کو معافے میں بدل دیا اور اُس کے ساتھ بغلی گیر ہو گیا۔ دونوں کی تپانے لگی اور ہر طرف خوش گوار حیرت گزری کہ وہ پہلے

سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ ابن حرب آقا حسین کو بتانے لگا۔

”سیڑنا! جب میں بغداد سے فرار ہوا تو بادیہ شام کو عبور کرتے ہوئے صحرائی لو کا شکار ہو گیا تھا مگر کزان ترک اور اس کے ساتھیوں نے سانڈنیوں پر میرا تعاقب کیا۔ میں قصر العمرہ سے بھاگا تو رستے میں بخاریہ نیزہ ہو گیا اور رات کو نہانے کس وقت بے ہوش ہو کر گھوڑے کی گردن پر ڈسے گیا۔ جب آنکھ کھلی۔ میں ایک جیسے میں تھا جہاں میرا علاج ہو رہا تھا اور وہ خیمہ بنی کلب کے سردار نعمان کا تھا۔“

اس واقعے کا دوسرا حصہ سردار نعمان نے بیان کیا۔ ”ہم نے نشان زدہ فوجے گھوڑے سے اندازہ کر لیا تھا کہ اس کا سوار عراقی فوج کا کوئی اعلیٰ افسر ہے۔ بیمار کو تیسرے پہر ہوش آیا تو اس نے بتایا کہ میں خلیفہ معتقد کے محافظ دستے کا سالار ابن حرب ہوں اور ایک اہم کام کے لیے میرا عہدہ پہنچنا بہت ضروری ہے۔ حکیم کا جینال تھا بیماری کی حالت میں سفر خطرناک ہو گا لیکن ابن حرب نے جواب دیا کہ مجھے یہ سفر اپنی زندگی سے زیادہ عزیز ہے۔“

”سردار نعمان! میں اس وقت تمہیں یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ خلیفہ کے سوار میرے تعاقب میں ہیں۔ اندیشہ تھا وہ میرے گھوڑے کے قدموں کا کھوج لگاتے کہیں بنی کلب کے بخون تک نہ پہنچ جائیں اور شاید تم بھی مجھے گرفتاری سے نہ بچا سکو۔ اسی لیے میں نے سفر پر اہم ارکی تھا۔“

”اگر مجھے معاملے کی اس صورت کا علم ہوتا تو بنی کلب کے ہیرے تمہارے دشمن کا استقبال کرتے اور ان کی سانڈنیاں اپنے سواروں سے محروم ہو جاتیں۔“

اب آقا حسین نے گفتگو میں دخل دیا اور ابن حرب کو بتایا۔ ”سردار نعمان جہالت کے حلقہ اخوان میں شامل ہے۔ اگر تم اسے صرف اتنا بتا دیتے کہ عیش کی کارواں مراٹے میں جانا اور سلیمان بن عامر سے ملنا چاہتے ہو، تو حالات کا نقشہ بالکل بدل جائے۔ بنی کلب کے جوان خلیفہ کے سواروں کو خود بخود لپٹنے اور جس جھگڑے کا فیصلہ عیش جاکر ہوا، وہ بنی کلب کے خیموں ہی میں ختم ہو جاتا۔ بہر حال یہ خوشی کی بات ہے کہ ہمارے دو اخوان پہلے سے ایک دوسرے کے دوست ہیں اور پرانے دوست واقعی پیچھے ہوتے ہیں۔“ یہ کہہ کر وہ یہاں کے ہمراہ قنات کا عراقی دروازہ عبور کر کے اس غلی میں نمودار

ہوا جو ایک کنال سے بھی زیادہ رقبے میں پھیلے عظیم خیمے کے چوہدر واقع تھی۔ جو بھی وہ لوگ دیوار کی طرح استوارہ قنات کے اندرونی حلقے میں آئے، خیمے کے کئی جہل دار غزفوں سے سیاہ آنکھ والیوں نے وجہ گرانڈیل چوڑی چھانی اور مضبوط بازوؤں والے ابن حرب کا نظارہ کیا اور اسے دیکھتی آنکھ لگیں۔ آقا حسین اپنے مہانوں سمیت فوراً ہی گلی سے گزر کر کمرہ ملاقات میں چلا گیا تو سیاہ آنکھیں غزفوں کی جالیوں سے ہٹ گئیں کیوں کہ اب گلی میں جہاں کھنے کے لیے کچھ باقی نہ رہا تھا۔

صحرائی خیمہ بہت اونچا، بہت بڑا اور کئی بلٹیوں پر کھڑا کسی محل سرا کی طرح کئی حصوں اور مختلف کمروں میں بٹا ہوا تھا جس کے درمیان طویل رہاریاں گزرتی تھیں کمرہ ملاقات ایک رہاری کے سرے پر الگ ٹھگ اور ایک چھوٹے سے دربار کا نقشہ پیش کرتا تھا۔ ابن حرب اس کی سچ درجہ دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ فرشتے کی چٹائیوں کا تھا جس پر ندرے اور تالین آراستہ تھے۔ کمرے کے وسط میں دو اونچی لمبائی کے درمیان ایک بڑا فالوس آدھیاں تھا جس میں بیک وقت آکیں شمعیں روشن ہو سکتی تھیں۔ سامنے کی دیوار کے ساتھ ایک سبز غالیچہ بچھا ہوا تھا جو یقیناً سبز شیخ کے لیے مخصوص تھا۔ وہ اُسی پر بیٹھا اور دوسرے لوگوں نے اس کے سامنے ایک بڑے قابین پر نشستیں سنبھالیں۔

ابھی وہ بیٹھے ہی تھے کہ اندرونی دروازے سے جو رہاری میں کھلتا تھا۔ تین کینیریں طشتیوں میں شربت کی مہراجاں اور کوب پے داخل ہوئیں اور شربت سے حظ لین کی ترغیب کرنے لگیں۔ اس اثنا میں آقا حسین نے ابن حرب کو اپنے سبز غالیچے پر بلا دیا اور شربت نوشی کے درمیان اپنے مٹھی کی حیثیت سے اس کا تعارف بھی کرنا رہا۔ ابن حرب یہ جان کر حیران سا رہ گیا کہ وہ بنی کلب کے سردار نعمان کے علاوہ پانچ بادیہ نشین تہاہل کے سردار بھی آقا حسین کے مٹھی کو دیکھنے کے لیے دُور دُور سے آئے تھے۔ ان کی آمد ایک خاص مجلس کے سلسلے میں تھی جو صرف ابن حرب کے لیے بلائی گئی تھی۔



مجلس کا باقاعدہ انعقاد شام کے بعد ہونے والا تھا۔ آقا حسین نے مہانوں سے کہا کہ اتنی دیر میں وہ سفر کی گرد آٹا لیں اور نہاد حو کر تازہ دم ہو جائیں۔ پھر ایک خادم کو

اشارہ کیا کہ انھیں حمام میں لے جائے۔ سلیمان بن عامر پہلے بھی کئی دفعہ ان خیموں میں اپکا تھا لیکن ترقی و رونق صحرا کے حاشیہ پر ایک نیمچہ بستی میں ”حمام“ کا لفظ ابن عرب کے لیے کسی عجوبے سے کم نہ تھا۔

کرہ ملاقات سے نکل کر دونوں اُس چوڑی گلی میں آئے جو عیسے کے چوہرہ واقع تھی اور اُسی گلی میں خادم کے ساتھ جنوب کی طرف ہوئی۔ اُسی جانب گلی میں پتھروں کی قد آدم دیواریں تعمیر کر کے حمام بنائے گئے تھے جن کے سفایہ میں مشکوں سے پانی بھرا جاتا تھا۔ پانی کے اخراج کے لیے بھی پتھروں کی ایک نالی تعمیر کی گئی تھی جس کے ذریعے استعمال شدہ پانی کوئی ڈیڑھ دو فرلانگ دور ایک بڑے حوض میں جمع ہوتا رہتا اور جانوروں کے کام آتا تھا۔

ابن عرب صحرا میں حمام کا یہ منظر دیکھ کر ایک نئی فرحت سے دوچار ہوا اور جب غسل سے فارغ ہوا تو سفر کی گرد کے ساتھ سفر کی تھکن بھی جاتی رہی۔ اس اثنا میں شام کا اندھیرا اتر آیا تھا۔ بستی کے خیموں میں چراغ روشن ہو گئے تھے اور چرواہوں سے دھواں اُٹھ رہا تھا۔ شام کے اندھیرے میں صحرا کا موسم بھی تبدیل ہو گیا تھا۔

دونوں کرہ ملاقات میں واپس آئے تو یہاں بھی فانوس روشن ہو چکا۔ امیر کو شمول کی روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ اُن کے آتے ہی آقا حسین نے مجلس کا آغاز کر دیا۔ ابن عرب کو سب غلیچے پر اپنے پہلو میں جگہ دی باقی سب لوگ نیم دائرے کی صورت میں اُن دونوں کے سامنے بیٹھے۔ پھر اپنے بڑے بھائی امام یحییٰ بن زکریا کا پیغام سنانے لگا۔ جس نے منذر ابن حرب جیسے ماہر جنگ کی جماعت میں شمولیت پر مسرت کا اظہار کیا اور کہا تھا کہ ”بِئِذِ اللّٰهِ عَلٰی جَمَاعَةٍ“ یعنی جماعت پر اللہ کا ہتھ ہے یا جماعت سے کرامت ہوتی ہے۔ امام نے اپنے چھوٹے بھائی حسین بن زکریا کو جو اُس کا جانشین اور قائم مقام تھا ابن حرب کو اپنا ”منشیٰ“ بنانے پر بھی مبارک باد دی تھی کہ اس سے نظریہ حلاوت کی حدائق ظاہر ہوتی ہے جس کے مطابق خدا کی روح یا قدرت نبیوں اور اماموں کے وجود میں کار فرما ہو کر انھیں دوسروں سے مختلف اور ممتاز بنا دیتی ہے۔ اُسی طرح اماموں اور اُن کے جانشینوں کی روح اپنے خاص متبعین میں داخل ہو کر انھیں نئے جذبے اور نئے عمل سے دوچار کرتی ہے۔

امام یحییٰ نے اخلع دی تھی کہ عراق کے صحرائی قبیلے جن کے دل نوریاکان سے روشن ہو چکے اور جو کونے اور بھرے کے سوا دیں خیمہ زن ہیں، ابوالنور اس جیسے جرنیل کی ہر کردگی میں خروج کی تیاریاں کر رہے ہیں بلکہ خروج کی ہر انداز کی اندر کوہن کی جانب تیزی سے حرکت کر رہی ہے اور اس اخلع کے ساتھ ہرایت کی تھی کہ شام کے بادشاہین قبائل کو جلد از جلد جنگی تربیت سے آراستہ کر دیا جائے تاکہ جب مدی کے مدعی کامبز پرچم بلند ہو تو قبا اقبال اس کی حمایت میں صحراؤں سے نکل آئیں۔

امام کا پیغام سنا کر آقا حسین بتانے لگا کہ وہ صحرائی قبیلے جو بادشاہ شام کے حاشیوں پر آباد اور جماعت سے وابستہ ہو چکے ہیں۔ ابن حرب کی کان میں دے دیے گئے ہیں ابن حرب ہی ان قبائل کی عسکری تربیت کا فرض ادا کرے گا بلکہ ان کا سپہ سالار اور حاکم بھی ہوگا جس پر سب لوگوں نے اپنی گردنیں خم کر دیں۔ اس اعلان کے بعد آقا حسین نے ایک اور انکشاف کیا کہ جس طرح عراق میں صحرائی قبائل کا مرکز بتولید صحرانویا گیا ہے اُسی طرح شام کے بادشاہین قبائل کا صدر مقام بنی کلب کا قبیلہ ہوگا جہاں ابن حرب کے لیے ایک مغرب (بڑا نیمہ) لگایا جائے گا۔

در اصل یہ، یہ شام کے حاشیہ پر ایسی جگہ آباد تھے جسے ایک طرف تدمر تک پھیلے ہوئے صحرائی قبیلوں اور دوسری جانب بحیرہ مدور کے مغرب میں خلیج عقبہ تک نیز حجر کے علاقے میں اٹکاؤ کا قبائل کے درمیان ایک مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ اس جغرافیائی صورت کے پیش نظر بنی کلب کو صدر مقام بنایا گیا تھا جو شام، اردن اور خلیج عقبہ تک حجر کے علاقے میں مرکزی حیثیت رکھتا تھا اور جہاں سے عراق کی عباسی سلطنت کے علاوہ مصر و شام کی طولانی حکومت کے خلاف بھی کارروائی ہو سکتی تھی۔

قبائلی سرداروں نے اس حکم پر بھی ”آمنتا و صدقتا“ کہا۔ سردار نعمان کے لیے یہ ایک اعزاز تھا کہ بنی کلب کو تحریک کا صدر مقام بنایا گیا اور صحرائی قبائل کے حاکم کا خیمہ اُس کے قبیلے میں نصب ہوگا۔ ان اعلانات کے بعد آقا حسین نے بتایا کہ ابن حرب اُس کے منشی کی حیثیت سے قبائل کا سفر کرے گا اور اس کے سفر کا آغاز بنی کلب سے ہوگا۔ اس نے یہ وضاحت بھی ضروری سمجھی کہ منشی کا پہلا سفر یا پہلا دورہ مختصر ہوگا وہ صحرائی قبائل میں تربیتی حلقے قائم کرے گا اور انھیں ضروری عسکری تربیات دے کر،

دندان تک بیس لوٹ آئے لگا بیوں کو شمال کے پہلے عشرے میں اسے ایک اہم نم کے
بے مغرب کی جانب سفر کرنا ہے۔

ابن حرب کے اوقات ستاروں کے سفر اور ان کی منزلوں کی طرح طے کر دیے گئے
اُس نے محسوس کیا کہ عراق کی طرح شام کے بادیہ نشین قبائل میں بھی خدو و خد کا مذہب اور دوار
بڑھتا جا رہا ہے لیکن عجیب بات یہ تھی، اخرو وچ کی تیاریاں اتنی خفیہ اور پوشیدہ تھیں
کہ شہروں میں کسی کو ان کا علم نہ تھا، نہ کوئی یہ جاننا تھا کہ محرواؤں میں رقص کرنے والے
یگوانے کسی خوف ناک آئندہی کی شکل اختیار کر رہے ہیں۔

باہر شام کا آئندہ حیرات کی سیاحتی سے نکلے مل رہا تھا جب مکہ ملاقات میں مجلس کی
کارروائی ختم ہو گئی اور اسی کمرے میں دسترخوان چمکنے لگے۔ توری رزمیوں اور صحرائی و بے
کے گوشت کی ضیافت ختم ہونے ہی دسترخوان اٹھایا بیٹھے اور سابقہ لڑکیوں نے کشیدہ
فلسطینی پیش کی ماس کے ساتھ ہی خیمے کے کسی گوشے میں نیفری کی لے، خجری کی تھاپ اور
پیش کی چمکنی مل جل کر ابھری اور اس ملی جلی موسیقی کے درمیان نیم غریباں بس میں ہر
محرفی رقص صائیں کسی طلسم کی طرح کمرے میں داخل ہوئیں جنہیں دیکھ کر پلکیں جنبش کرنا بھول
سین ان میں حسین دمنہ سب سے مٹا زادہ منفرد تھی۔ اُس نے کمرے میں داخل ہوتے ہی
نہایت کاثر اور اکرار کیا اور ایک نغمے کی تان اٹھائی۔

اطن الشام قشمت باالعراق

شام عراق کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے

اذا عنهم الامام علی الانصلاقی

کیوں نہ آئے وہاں جانے کا ارادہ کرنا ہے

رقص کرنے والی صحرائی حسین میں نہ صرف رقص میں دمنہ کی پروا کر رہی تھیں بلکہ
جب وہ نغمے کا ایک مصرع ختم کرتی تو اسے مشترکہ آواز میں اٹھاتی تھیں۔ رقص کے
ساتھ نغمے نے حافظہ میں ہر ایک جادو سا کر دیا۔ وہ بادیہ نشین قبائل کے سرداروں کو عراق
پر چڑھائی اور بغداد کا واضح اشارہ دے رہی تھی۔ نیفری، خجری اور مجیدوں کی موسیقی
اور دمنہ کی خوش محوئی کے ساتھ شہر جات (اُس کی ہم عمر لڑکیوں) کی ہم آہنگ آواز سے
شعر کے الفاظ میں ایک نیا بحر بھر دیا اور ان کے معنی و مفہوم کو کچھ اس طرح واضح کر کے

اہم اپنے صحرائی لشکروں سمیت عراق کی جانب روانہ ہو رہا تھا اور دمنہ اپنی ہم عمر اور ہم آواز
لڑکیوں کے ساتھ اسے رخصت کر رہی تھی۔

جب اس نے دوسری مرتبہ یہی شعر گایا تو آقا حسین نے خوش ہو کر کلمہ تحسین کہا۔
"مرحبا بیک زہرے بے زمین کشادہ ہو"

حافظ نے بھی "حبذا حبذا" بہت خوب بسمت خوب! کی آوازوں میں
داد بچاؤ کی پھر دمنہ نے بھی حرب کی طرف اشارہ کیا اور دوسرا شعر گایا۔

ثمان قشمت بالعراق و سائیکسہ

اگر تم نے عراق اور اس کے رہنے والوں کو چھوڑنا

فقد تبلى المیحة باطلاق

تو کبھی بھی خوب عورت عورت کو ملی طلاق ہو

سب لوگوں نے محروا کی اور معنی غیر نظروں سے ابن حرب کی طرف دیکھ کر یہ شعر
پیش کی کارواں سرائے میں بھی سن چکا تھا۔ دمنہ نے اُس کے عراق چھوڑنے کو بڑے خوبصورت
بیرائے میں بیان کیا تھا جیسے وہ کہہ رہی ہو۔ اب وہ عراق کو بھول جائے مگر اُس نے
جواب دیا۔

"لست اھنأ (میں اسے نہیں بھولوں گا)

دمنہ نے دوسری بار طلاق والا شعر گایا اور ابن حرب نے ہر مرتبہ اپنا فقرہ دہرایا جس
سے نغمے میں ایک نئی دل کشی پیدا ہو گئی۔ دمنہ اور اس کی ہم رقص اور ہم آواز لڑکیوں نے
رقص و غنا کا جو دل فریب مظاہرہ کیا اُس کے سامنے بغداد اور فسطاط کی وہ محفلیں بھی
مات ہو گئیں جن میں رقص و غنا کے جادو جگائے جاتے تھے۔ ابن حرب نے محسوس کیا کہ صحرا
شہر سے زیادہ حسین اور رنگین ہو گیا ہے۔

بڑے خیمے کے باہر وہ صحرائی لڑکیاں جو جنوب مغرب میں کئی پہلی پہاڑی اور شمار
مشرق کی جانب اونچے نیچے ٹیلوں میں گھرے کی سرخ میل کے ریتلے میدان میں آواز دہاتی
کے اندھیرے میں ایک عظیم اور عجیب صحرا کے حاشیے پر بڑی عجیب لگ رہی تھی۔ آخر زانو
کا چاند کہیں دور خلا میں ٹھٹھک رہا تھا اور اس تاریک رات میں حلقہ در حلقہ پھیلے خیموں
کا اندھیرا روشنی سے تھیں جن کی روشنی سے صحرا کی خشک ہوا جانے لگی تھی۔

جگنوؤں کا گمان ہوتا تھا لیکن رات کے بیٹھ اندھیرے میں، جب روشنی کا ایک ٹھکانہ نظر
 بھی نہ نظر تک پہنچے صحرا میں بیٹوں سے نظر آ جاتا ہے کوئی بھڑکا صحرائی قافلہ یا کتاؤ کا
 مسافر بھی بستی کے چراغوں کی روشنی دیکھ سکتا تھا۔ پہاڑی اور بیٹوں نے اس کے اندر
 ایک ایسا قدرتی حصار قائم کر لیا تھا کہ روشنی کی کوئی کرن اُس حلقے سے باہر نہ نکل سکتی تھی
 یوں قافلوں کا صحرائی مسکن دیکھنے والی نظروں سے اوجھل اور محفوظ تھا جس کی چاروں جانب
 صحرائی پتھروں، تنہائیوں اور خاموشیوں مسلط تھیں لیکن اُن ٹھہرے بسے تنہائیوں، دیرین خاموشیوں
 رات کی کافی تاسکیوں میں وہ بستی اپنے قدرتی حصار کے اندر کسی داری طسم و حیرت کا منظر
 پیش کر رہی تھی اور برے نیچے سے سنائی دینے والی قنص و نغمہ کی آوازوں پر خوب د
 خیال کا سلگان ہوتا تھا مگر نہ کوئی طسم تھا، نہ کوئی خواب تھا، ہول نہ صحرا کے حاشیے پر
 بھی زندگی اپنی راحتوں اور مسیتوں کے عمل سے گزر رہی تھی۔

انسان کی قبائلی سرشت اگر صحرائوں اور ویرانوں کو آباد کرتی ہے تو عورت اُس تصویر
 کائنات میں اپنی خوب صورتی کا رنگ بھرتی اور جلتے پتے صحرائوں کو بھی گوشہ بہاراں میں بدل دیتی
 ہے جس طرح ایک دریا پہاڑ سے نکلتی میدانوں میں بہتا، ویرانوں سے گزرتا اور زمین
 کو سیراب کرتا اپنے طویل سفر کے بعد سمندر میں جا گرتا ہے اسی طرح زندگی بھی مختلف
 مقامات یا مختلف مراحل سے گزرتی اور جدوجہد کا سفر کرتی، بحرِ غلمات میں اتر جاتی ہے۔

یہاں بھی صحرا کے مہیب سنائوں اور رات کے کالے اندھیروں میں زندگی کا ہنگامہ
 جاری تھا مگر صحرائی زندگی کے اس ہنگامے کا مقصد کچھ اور بھی تھا اور دمنہ اپنی مشاطات
 کے ساتھ وہی مقصد قبائلی سرداروں پر واضح کر رہی تھی جنہیں سویرے یہاں سے رخصت
 ہو جانا تھا ان کے ساتھ ابنِ حرب بھی جانے والا تھا اور دمنہ چاہتی تھی، وہ نئے سفر میں اس
 کی کچھ باریں ساتھ لے جائے۔

رات پہلے برے گزر رہی تھی اور چاند ابھی تک طلوع نہ ہوا تھا جب صحرائی
 نیچے میں رقصِ رخسار کی محفل ختم ہو گئی اور دمنہ اپنی مشاطات سمیت سلام کرتی اور دنی
 رہداری کی طرف مرہاں آقا حسین کے ساتھ وہاں بھی اُٹھے مگر ابنِ حرب کو روک لیا
 گیا۔ جب قبائلی سردار چلے گئے اور سلیمان بن عامر نے بھی وہاں خانے کا رخ کیا تو ناخین
 ابنِ حرب کو لے کر اپنے خاص کمرے کی طرف ہویا۔ اُسے اپنے منشی کے ساتھ بھیج دیا۔
 سی ضروری اور ان کئی باتیں کرنا تھیں۔

۳۳

چال

دوسرے روز علی اصباح ابنِ حرب نے آقا حسین کے ساتھ اپنے سرانے دار
 دوست سلیمان بن عامر کو بھی "خدا حافظ" کہا اور سردار نعمان اور دوسرے قبائلی سرداروں
 کے ہمراہ بنی کلب کی طرف روانہ ہو گیا۔ باویہ نشین سردار تیز رفتا رساندھیں پر سوار تھے مگر
 ابنِ حرب کے نیچے اُس کا وہی سخت جان فوجی رہنما تھا جو اُسے باویہ شام جیسے ہونک
 صحرا سے نکال لیا تھا۔

سلیمان بن عامر نے اگلے دن کوچ کیا اور قرمطی آقا سے رخصت ہو کر اکیلا حج کی جانب
 ہو گیا۔ اُس کی واپسی کے سفر کا پہلا پڑاؤ جہاں اُسے بدری شیخ ریان کو جو بنو حذام
 کے نیچے کچھ قبیلے کا سردار تھا، کچھ ضروری ہدایت دینا تھیں۔ واپسی پر سفر کی رفتار تیز تھی۔
 وہ تیسرے پہر حج کے اُس تاریخی خرابے میں پہنچ گیا جہاں عرب قبائل آباد ہونا پسند نہ کرتے
 تھے مگر شیخ دیان کئی ماہ سے جلِ ثلث کے شمالی میدان میں شہزاد تھا۔

سلیمان کی واپسی پر بھی شیخ نے اُس کا پرہیزگار خیر مقدم کیا۔ قبیلے کے حکمران ابنِ حرب
 کے غلام عبد اللہ کا اترا ہوا شہنشاہ چڑھا دیا اور پائل پر چٹیاں باندھ کر ہدایت کی حتیٰ کہ کم از کم
 دس روز مکمل آرام کرے۔ اس لیے وہ بستر پر پڑا تھا۔ سرانے دار کو دیکھتے ہی اپنے آقا
 کے بارے میں سوال کرنے لگا۔ اس نے جواب دیا۔ "عبد اللہ تم بولتے بہت ہو اور میں
 زیادہ بات کرنے کا آدمی نہیں ہوں۔ ایک بات اور کہو، تمہارا آقا تنہا فرد نہیں بلکہ ایک

جماعت بن چکا ہے۔

”جماعت“ کے لفظ نے عبداللہ کے ذہن میں پھر ایک، چل، ٹوال دی۔ سن چکا تھا کہ حرب الہندی اپنی اسی جماعت سے منسلک تھا۔ ایک بار پھر اس کا ذہن جماعت کے لغت میں نکل گیا۔

شیخ دیان نے ان لوگوں، لڑکیوں، جوان عورتوں اور مردوں کو جنہیں بڑے فرزندوں سے چھڑا لیا تھا، اپنے ساندھی سواروں کی ٹکرائی میں القدس روانہ کر دیا تھا جہاں سے وہ اپنے شہریں اور گھروں کو جاسکتے تھے البتہ ایک خوب صورت لڑکی شریعہ اور ایک مہری مرد جو مال بیماری کی وجہ سے وہیں پڑے تھے لڑکی کا بخار تو جوار بانہا لیکن اپنی رسوائی کے ڈر سے گھر جانے پر تیار نہ تھی۔ جوال کا کوئی گھر کھانا تھا ہی نہیں۔ سلیمان بن عامر نے انھیں عیش کی کاروں سرائے میں چھپنے کے لیے کہا تو دونوں راضی ہو گئے اور شیخ دیان نے ان کی سواری کے لیے ایک اونٹنی بھی مہیا کر دی۔

دوسرے روز سلیمان، شیخ دیان کو ضروری ہدایات دے کر اور عبداللہ کو بھیجا کہ وہ اپنے آقا کے لیے پریشان نہ ہو، شریعہ اور جوال کے ہمراہ عیش کی طرف چل دیا۔ رستے میں شریعہ کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ ایک تیمم اور بلا وارث لڑکی ہے۔ فلسطین کے ایک گاؤں میں دور کے رشتہ داروں کے ہاں رہتی تھی۔ رستے دار اس کے حق میں بڑے ظالم اور صرف چند دینداروں کے عوض اسے ایک سیر فرقت کے پتے باندھنے کی سوچ رہے تھے کہ انھوں نے داروات پیش آگئی اب وہ واپس گاؤں نہیں جانا چاہتی تھی۔

عیش میں آنے ہی وہ سلیمان کی کبیزوں سے گھل مل گئی جوال نے بھی بہ خوشی سرائے میں خدمت انجام دینا قبول کر لی تھی۔

ابھی عیش میں واپس آئے ایک ہفتہ بھی نہیں گزرا تھا کہ سلطانی سوار سلیمان بن عامر کی طلبی کا پروانہ لے کر پہنچ گئے سواروں کا جیشی افسر بڑا اکھڑا اور تدمراج تھا۔ سلطان ابو جیش خمار دیہ نے سلیمان کوئی القور طلبی کا حکم دیا اور اس کے مہمان مندر ابن حرب اور حصول لینے والے افسر ابو نصر یاقوت کو ساتھ ہی طلب کیا تھا۔

سلیمان سمجھ گیا کہ باز پرس کی ساحت آگئی ہے مگر ابن حرب اور یاقوت کو پہلے ہی منظر سے غائب کر چکا تھا۔ جیشی افسر نے بھی دیکھ لیا کہ بوڑھے فلسطینی سرائے دار کے علاوہ دونوں

مخلوبہ آدمی وہیں موجود نہیں۔ اس نے بڑے دشت لھے میں ابھی حرب اور یاقوت کے بارے میں پوچھا۔ سلیمان نے کہا۔ ”میں ان کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔“

پھر دریافت کیا۔ ”اس اچانک طلبی کا مقصد کیا ہے؟“
”نقص ہر سوال کا جواب القائل میں مل جائے گا مگر ابن حرب اور ابو نصر یاقوت کے بغیر تمھاری حاضری زیادہ مفید نہیں ہوگی۔“

سرائے دار کے بقول وہ دونوں مفقود ابھر تھے۔ فوجی سوار اسے اپنے حلقے میں لے کر عیش سے چل دیے لیکن گرفتاری عمل میں نہیں آئی۔ نہ اسے وطن و سلس پناہ گئے۔ سلیمان راستے میں سوچتا رہا اگر سلطان نے اس کی گرفتاری ضروری نہیں تھی تو شاید معاملے کو کسی احسن طریق سے ٹھکانا چاہتا ہے۔ ممکن ہے شہزادہ شیبان نے سلطان کو آگاہ کر دیا ہو کہ دربار بغداد میں پیغام اگرچہ اس کی اجازت سے بھیجا گیا تھا لیکن پیغام رسانی میں ضروری بے احتیاطی کی گئی اور خلیفہ معتقد ابو عباس جیسے بڑے حکمران کے حضور مراتب کا خیال نہیں رکھا گیا۔ غالباً اسے اسی بات پر مزمنش کے لیے طلب کیا گیا ہے لیکن جب وہ القائل میں سلطان کے حضور پیش کیا گیا صورت حال اس کی توقع کے بالکل برعکس ہے۔ خدشہ ابھی اور ابو جیش خمار دیہ کسی سرکش اونٹ کی طرح مشتعل اور مغلوب الغضب ہو رہا تھا۔ اس نے سلیمان بن عامر کو تنہا دیکھ کر سوال کیا۔

”ابن حرب اور یاقوت کہاں ہیں؟“

اس نے جواب دیا۔ ”ابن حرب کو فسطاط ہی میں چھوڑ دیا تھا۔ اگر یہاں نہیں ہے تو میرے پاس نہیں پہنچا۔ ابو نصر یاقوت بغداد گیا تھا لیکن ابھی تک لوٹ کر نہیں آیا۔“

بغداد کا ذکر چھڑ کر اس نے خود ہی اصل معاملے کا آغاز کر دیا جس کے لیے طلب کیا گیا تھا۔ شامی کرے میں ان دونوں کے علاوہ ایک تیسرا شخص بھی موجود تھا اور وہ حادثہ البرقعہ تھا جس نے خلیفہ معتقد کی شکایت سلطان کے گوش گزار کی تھی۔ ابو جیش خمار دیہ نے سرائے دار کی طرف غصے کی آنکھ سے دیکھا اور پوچھا۔ ”سلیمان! کیا یہ درست ہے کہ کچھ عرصے قبل تم نے جوش سے دربار بغداد میں ایک پیغام بھیجا تھا؟“

سرائے دار نے نہ تسلیم خم کر دیا۔ ”درست ہے سلطان محکم۔“

”اور یہ بھی درست ہے کہ اس پیغام کے ساتھ تم نے عراقی سواروں کے کئے ہوئے غر
ارسال کیے تھے؟“

سلیمان بن عامر نے چونکے اور حیران ہونے کی بڑی عمدہ ادکاری کی کہ ”مجھے اس بات کا علم نہیں سلطان معظم ابو نصر یا قوت شاید کے ہونے سے اسے خود ساتھ لے گیا ہو۔ البتہ دربار بغداد میں جو پیغام بھیجا گیا وہ انہی عراقی سواروں کے متعلق تھا، جو اپنی حرب کا تعاقب کرتے ہوئے پیش نمک ائے اور اسے گرفتار کرنے کی کوشش میں خود ہلاک ہو گئے تھے۔“

سلطان خوارزمیہ نے اس کے جواب پر کوئی جرح نہیں کی بلکہ غضب آلود لہجے میں کہنے لگا ”اس واقعے کے چند روز بعد تم ابن حرب کو لے کر ہمارے پاس آئے اور عزول خلیفہ مقتد کے قتل کا قصاص لینے، بغداد پر فوج کشی کرنے اور ابن حرب کو اس ہتھیار سالار بنانے کا مشورہ دیتے رہے۔ تم نے ایک طرف دربار خلافت میں عراقی سواروں کے مزید کھینچ کر خلیفہ المسلمین کو مصر کے خلاف جنگی ہوش دلایا دوسری جانب ہمیں بغداد پر چڑھائی کی ترغیب دی۔ اس کا یہ مطلب ہے، تم مصر اور عراق کے درمیان جنگ کا میدان تیار کر رہے تھے جس کے لیے تم نے پیش کے حصول کے لیے ابو نصر یا قوت کو طوفانی حکومت کا سفیر یا پیغام بھجوا دیا۔ اب ہم یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں تمہیں ایک خود ساختہ سفیر بھیجنے کا اختیار کس نے دیا؟ یہ تو ایک ایسا سنگین جرم ہے جس کی سزا قتل کے سوا اور کچھ نہیں۔“

سلیمان بن عامر خاموشی اور غصے سے اپنے خلاف حاکم کی جانے والی فوجیں منسحاب کر کے اس سے انکار کیا، نہ کسی معاملے کی وضاحت ضروری سمجھی۔ غضبناک سلطان خاموش ہو کر تو اپنا سر ایک مرتبہ پھر جھکا دیا اور کہنے لگا۔

”اگر مجھے قتل کر کے طوفانی حکومت مضبوط ہو سکتی ہے، تو میرا سر حاضر ہے۔ جلاؤ کو حکم دیجئے کہ اسے قن سے جدا کر دے لیکن کیا یہی صلہ ہے، میری ان تمام خدمتوں کا جو میں اپنے آقا مرحوم سلطان احمد بن طوہر کے زمانے سے لے کر اب تک سر انجام دیتا آیا ہوں؟“

ابو جیش خوارزمیہ نے بڑی برائی سے جواب دیا۔ ”ہمیں تمہاری خدمتوں سے انکار نہیں لیکن مت بھولو۔“ ذنب واحد کشید اور الفطاعتہ قلیل۔ ”(میرے ایک گناہ بڑا ہوتا ہے اور زار طاعت گزاریاں بہت کم ہوتی ہیں۔“

اب سلیمان بن عامر کو معاملے کی سنگینی کا احساس ہوا اور اپنی صفائی کی ضرورت محسوس کی۔ ”میں نے کوئی گناہ نہیں کیا سلطان معظم! مجھے تو صرف اتنا علم ہے کہ خلیفہ مقتد کا حق و اختیار سلطنت عراق کی سرحد پر ختم ہو جاتا ہے مگر عرب خلیفہ کے سواروں نے مصر کی حدود میں

داخل ہو کر ابی حرب کو گرفتار کرنے کی کوشش کی تو یہ نہ صرف طوفانی حکومت میں ایک بے جا مداخلت تھی بلکہ اس سے نئی طوہر کی خود مختاری پر ضرب پڑتی تھی۔ اس لیے میں نے طوہر حکومت کے حقوق و اختیارات کے تحفظ کی خاطر دربار بغداد میں یہ انتباہ یعنی ضروری سمجھا کر آئندہ اس قسم کی مداخلت کا انکاب نہ کیا جائے۔“

جواب اگرچہ معقول تھا مگر سلطان خوارزمیہ کا غصہ دو چند ہو گیا۔ ”اس قسم کے انتباہ کا اختیار صرف ہمیں ہے کسی اور کو نہیں۔“

سلطان کا لہجہ بڑا سخت تھا۔ اس کے مقابلے میں سلیمان کی آواز بڑی نرم تھی۔ ”حضور آپ کی طرف سے پیغام رسانی کا فرض شہزادہ شیبان ادا کرتے ہیں اور صبراً بغداد میں جو پیغام بھیجا گیا اس کی اجازت شہزادہ علی سے لے لی گئی تھی۔“

خوارزمیہ نے چمک کر عارضہ النظر کی طرف دیکھا۔ ”مگر عارضہ کا خیال ہے پیغام رسانی کے لیے صرف شہزادہ شیبان کا نام استعمال کیا گیا ہے۔“

”اس معاملے میں خیال کا کیا تعلق، یہ تو ایک حقیقت ہے کہ شہزادہ شیبان نے پیغام کے الفاظ سن لیے تھے اور ان کی منظوری دے دی تھی۔ کیا حضور نے شہزادہ علی سے نہیں پوچھا؟ وہ بتا سکتے ہیں کہ حقیقت کیا ہے؟“

سلطان ایک لحظہ گرجا۔ ”شہزادہ شیبان کو ہماری حاضری کا پیغام دیا جائے۔“ عارضہ لے کر ”اجازت طلب کی۔“ سلطان معظم! اگر حکم ہو تو خود جاکر شہزادہ علی کو بلال لاؤں۔“

سلیمان کچھ گیا کہ اس کے خلاف شکایت کرنے سے قبل شہزادہ شیبان سے مشورہ نہیں لیا۔ اس نے فوراً ہجرت نکالی۔ ”میرے خیال میں اس وقت حادثہ کا یہاں موجود رہنا زیادہ ضروری ہے۔“

سلطان خوارزمیہ نے غلام کو آواز دی جو بند دروازے کے باہر مستعد کھڑا تھا اور حکم دیا، وہ شہزادہ شیبان کو حاضری کا پیغام پہنچائے۔ معاملے کی نئی صورت سلیمان بن عامر کے حق میں تھی اسے کسی قدر حوصلہ ہوا اور اب وہ اپنے طے شدہ منصوبے کے مطابق خوارزمیہ پر پیش کو بتانے لگا۔

”سلطان معظم! بغداد میں پیغام شہزادہ علی کے حکم سے بھیجا گیا تھا جس کی تصدیق یا تردید

وہ خود آکر کر دیں گے لیکن جہاں تک غزالی سواروں کے سر بھیجنے کا تعلق ہے شاید یہ غلطی ہو نصرت
سے سرزد ہوئی یا ممکن ہے ابن حرب نے اُسے بہکا دیا ہو۔ انتقام کے جو ش میں آگیا کبھی
ایسی غلطی کر جاتا ہے۔ یا قوت کو بے قدر گئے کئی مینے ہو گئے ہیں لیکن وہ واپس نہیں آیا۔ میلانیال
ہے اُس نے اپنی غلطی کی سزا بھگتی ہے اور وہ بغداد میں قتل کر دیا گیا ہے ورنہ ضرور واپس
آتا۔ اب ابن حرب کا معاملہ جسے حضور بار بار میرا دوست قرار دیتے ہیں، تو کسی سے میری
دوستی اپنی ذات کے لیے نہیں صرف طو لونی مملکت کے لیے ہوتی ہے۔ ابن حرب کی طرف بھی
میں نے دوستی کا ہاتھ شہزادہ شیبان کی خواہش کے مطابق بڑھایا تھا کیوں کہ جب وہ جنگ طو لونی
میں قیدی بنا کر مصر میں لایا گیا تو شہزادہ شیبان چاہتے تھے ابن حرب جیسا جنگ جو مرد بنی طو لونی
کا دوست ہونا چاہیے۔ لیکن اُسے جنگی قید سے رہا کر کے اپنے اعتماد میں لے لیا۔ حال ہی
میں جب وہ بغداد سے فرار ہو کر عیش آیا تو اس کے ساتھ ایک بار پھر مہربانی کا سنوٹ کیا اور
بنی طو لونی کے لیے اُس کی دوستی حاصل کر لی۔ شہزادہ شیبان نے بھی نہ صرف اُسے مصر میں پناہ
دی بلکہ اپنا دوست بنالیا اور اُسے اُس کی سفارش کرنے کا وعدہ کیا تھا۔

اگر میں نے مقتول خلیفہ معتقد کے قصاص کی خاطر عراق پر چڑھائی کرنے اور ابن حرب
کے لیے جہنم آباد ہونے کا مشورہ دیا تو مقصد صرف یہ تھا کہ اُس کی عسکری عملییت کو بنی طو لونی
کے لیے استعمال کیا جائے۔ وہ خلیفہ مقصد سے انتقام لینے کی خاطر دیوار ہو رہا تھا ضرور اُس
کے لیے کوئی بڑا معرکہ انجام دینا مگر جب اُسے معلوم ہوا کہ اُس نے خلیفہ کی طرف ”دوستی کا سفیر“
بھیجا ہے تو وہ شکستہ خاطر ہو گیا اور معاہدہ دوستی کے بعد تو شوقِ انجیل کی حویلی سے بھی غائب ہے
ایک مرتبہ اُس نے کہا تھا ”اگر مصر کی زمین بھی میرے لیے تنگ ہو گئی تو شاید میں قیرون چلا جاؤں۔“
مکن ہے نئے حالات سے پریشان ہو کر وہ مصر سے نکل گیا اور قیرون چلا گیا ہو۔ میرا اُس کے
ساتھ دوستی کا رشتہ صرف اس قدر تھا کہ شہزادہ شیبان اُس سے دوستی چاہتے اور اُس کی
جنگ جوئی کو پسند کرتے تھے لیکن وہ مصر سے نکل گیا تو میرے دل سے بھی نہ بکلی گیا۔“

سلطان خمارویہ اُس کی باتیں سن کر دنگ رہ گیا۔ اُن باتوں میں بنی طو لونی سے گہری
محبت اور وفاداری کا رنگ تھا اب وہ ہنسنے لگا۔ ”سیمان باقم نے ابن حرب کے بارے میں
جو کچھ کہا ہے وہ درست ہو گا لیکن ہم نے خلیفہ معتقد کے خون کا قصاص لینے کے لیے بغداد پر
لگ کر کشتی اس لیے مناسب نہ تھی کہ معتقد کے قتل میں ابن حرب کا باپ بھی قتل تھا اور ہم قاتل کے

بچنے کو معتقد کے قصاص کا پرچم نہیں دے سکتے تھے۔“

سیمان بن عامر اس انکشاف پر چونک گیا کہ معتقد کے قتل میں حرب الکندی کے ملوث
ہونے کی خبر اُس تک پہنچ چکی ہے اور اُسی خبر کی وجہ سے اُس نے ابن حرب کے بارے میں
اُس کے مشورے پر عمل مناسب نہیں سمجھا۔ ابھی وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دروازے پر کھڑے
غلام نے شہزادہ شیبان کے آنے کی اطلاع دی۔

شیبان کو علم نہیں تھا کہ اُسے کس معاملے میں طلب کیا گیا ہے۔ حادثہ نے خلیفہ معتقد
کی شکایت سلطان خمارویہ کے گوش گزار نے جوئے از خود سوچ لیا تھا کہ اُس کا آقا شیبان
خلیفہ سے دوستی کا خواہش مند تھا اور جب اُسے بغداد روانہ کیا گیا تو شیبان نے اپنی ذاتی
دوستی کے لیے بھی بہ طور خاص تاکید کی تھی۔ لہذا اب نصرت یا قوت کے ذریعے جو پیغام دربار بغداد
میں بھیجا گیا، وہ سرائے دار یا اُس کے دوست ابن حرب کی سازش کا نتیجہ تھا، جو بغداد کے
خلاف فوج کشی کا نقشہ تیار کر رہے تھے اور اُس گستاخانہ پیغام میں شہزادہ شیبان کا نام
ازراہ شرارت استعمال کیا گیا ہے۔

شیبان کو حادثہ پر بڑا اعتماد تھا اور کبھی کبھی حد سے بڑھا چکا اعتماد بھی ان لوگوں
کے لیے جن پر اعتماد کیا جاتا ہے مصیبت کا باعث بن جاتا ہے اور وہ اس کے بدلے میں اپنے
ممدوح کے لیے آندھے لقمین کا اظہار کرتے ہیں۔ حادثہ سے بھی یہی غلطی سرزد ہو گئی تھی۔ اُس نے
بڑے وثوق سے سلطان کو بتایا تھا کہ دربار بغداد میں جو پیغام بھیجا گیا اُس میں آقا شیبان
کا نام غلط طور سے استعمال کیا گیا حالانکہ اُنھیں ایسے پیغام کا علم ہی نہیں۔ شیبان کے دخل
ہوتے ہی خمارویہ نے دریافت کیا۔

”کچھ عرصے پہلے دربار بغداد میں عیش سے ایک پیغام بھیجا گیا تھا۔ ہم نے اُسی پیغام کے
سلسلے میں تمھیں طلب کیا ہے۔“

شیبان نے کسی تردید کے بغیر سیمان بن عامر کے بیان کی تصدیق کی اور بتایا کہ سیمان
کو طو لونی مملکت کے اندر عراقی سواروں کی مداخلت ناگوار گزری تھی اور اس نے توجہ دلائی تھی
کہ پہلی مداخلت پر احتجاج نہ کیا گیا تو ایسی مداخلت ایک روایت بن جائے گی اور عراقی سوار
آئے دن ہماری حدود میں دخل اندازی کریں گے جس سے طو لونی حکومت کا وقار جاتا رہے گا
یہاں اُن کے سامان کی تحریک کا علم ہو جائے گا۔ یہی ہے اس کی اجازت دے دی تھی اور وہ خود

بھی چاہتا تھا کہ دربار بغداد کو انتہاء کیا جائے۔

اس کا بیان کن کر عارضہ ابوظہر کے قندوسوں سے ہو کر مل گئی، جس پر کھڑا تھا۔ سلطان خادریہ نے بھی جہاں کو حرکت کی۔ نظروں سے دیکھا اور وہ وضاحت کرنے لگا۔ "ابولیش! چند ماہ قبل مصر و لوانی کے درمیان حالات کی صورت بہت مختلف تھی۔ رستا جارتھا کہ معتقد البر عباس اپنے داخلی معاملات درست کرنے کے بعد مصر و شام کا رخ کریں گے۔ اور ہمارے خلاف ایک بار پھر تلوار اٹھائیں گے اس لیے عراقی سواروں نے ابن حرب کے تعاقب میں عربوں تک جو دھاوا کیا، اس پر انہیں ضروری تھا کہ بعد ازاں سلطان معظم کے ذاتی تدبیر نے معاملے کی ایک نئی صورت نکالی اور بغداد کے ساتھ دوستی کا معاہدہ ہو گیا جس سے حالات یکسر تبدیل ہو گئے۔"

سلطان خادریہ نے بھائی کا بیان بڑی توجہ سے سنا اور صرف اتنا کہا کہ بے شک طوینی خلع کے اندر لاتی سواروں کی مداخلت ہمیں بھی ناگوار تھی لیکن اس مداخلت پر دربار بغداد سے جو احتجاج کیا گیا اس کی اطلاع تم نے ہمیں کیوں نہ دی؟

"سلطان علی ابن ولید خیر دان کے معاملے میں بہت پریشانی تھی اس لیے میں نے یہ اس کو سب نہ بکھا۔"

اس گفتگو کے ساتھ سلیمان بن عامر پر جس بے اعتمادی اور غصے کا اظہار کیا گیا تھا اس کی نوعیت بالکل بدل گئی بلکہ اس نے ابن حرب سے متعلق دوستی کی جو باتیں کی تھیں، وہ نئی طوں سے اس کی گہری وابستگی ظاہر کرتی تھیں اور خادریہ اب وحیث دل ہی دل میں محسوس کر رہا تھا کہ سلیمان بن عامر جیسے وفادار پر خفا کی اور بڑھکی ناواقف تھی بلکہ اب اسے عارضہ پر غصہ آ رہا تھا جس نے معاملے کی نوعیت کو سمجھ بغير اس کے سامنے شکایات کا دفتر کھول دیا تھا۔ سوائے دار کو بھی موقع مل گیا کہ وہ بھی عباس کے ساتھ دوستی کے معاہدے پر کچھ کہہ سکے لیکن اس سے پہلے وہ بڑے ادب سے خادریہ کے سامنے ٹھک گیا اور کہنے لگا۔

"سلطان معظم! مجھے نئی طوں کی خدمت کرتے ایک مدت گزر گئی۔ اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور شاید آپ کی خدمت کے قابل نہیں رہا۔ اس لیے آئندہ مصر کی کوئی خدمت نہ کر سکوں گا۔"

خادریہ سمجھ گیا کہ بے اعتمادی کے اظہار سے وہ آزرہ ہو گیا ہے۔ "سلیمان! بھائی۔"

ساتھ جو زیادتی ہوتی ہے ہم اس کی تلافی کریں گے۔

"جب کسی کی وفاداری ایک بار ٹھک کر ہو جائے تو وہ لائق اعتماد نہیں رہتا۔ یہی صورت طوینی حکومت کی خدمت سے دست بردار نہیں ہوا بلکہ مصر سے بھی نکل جان چاہتا ہوں۔" پھر اس نے اپنے الفاظ کو حالات کی منطق سے توننا شروع کیا اور کہا کہ سلطان معظم مصر کے حالات یکسر تبدیل ہو گئے ہیں۔ جو کل تھا وہ آج نہیں اور جو کچھ آج ہے، وہ کل نہیں ہو گا کیوں کہ جب تبدیلی کا عمل شروع ہوتا ہے تو سب کچھ بدل جاتا ہے اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بدلے ہوئے حالات کے ساتھ بھڑکے نہیں کر سکتے اس لیے میں چاہتا ہوں کہ نئی تبدیلی سے پہلے مصر سے رخصت ہو جاؤں۔ مصر کی ایک تاریخ ختم ہو گئی اور ایک تاریخ شروع ہو رہی ہے اس نئی تاریخ کے ساتھ میں آپ کو ایک مشورہ دے کر چلا جاؤں گا اور یہی نئی طوں کے لیے میری آخری خدمت ہو گی کیوں کہ اس کے بعد میں مصر کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ دوں گا اور آپ کسی کی زبان سے میرا نام بھی نہیں سُنیں گے۔"

اس کے الفاظ میں حسرت اور لمحے میں یاس تھی۔ سلطان خادریہ اور شہزادہ شیبان یہ گفتگو سن کر حیرت زدہ رہ گئے۔ مصر و شام کی علاقہ داری طوینی حکومت کے قیام میں اس نے فی الواقع بڑی اہم خدمات سر انجام دی تھیں اور ایسے شخص کا محض ایک غلط فہمی یا بے اعتمادی سے شکستہ خاطر ہو کر مصر چھوڑ دینا بے حد افسوسناک تھا۔ خادریہ نے ایک بار پھر اس کا اعتماد بحال کرنے کی کوشش کی۔

"سلیمان! جو کچھ بلوآؤ اسے چھو ل جاؤ اور مصر کو چھوڑنے کا ارادہ ترک کر دو۔ تمہارا مصر کو بھرنے کے لیے خیر بلا کہ دینا ہمارے لیے تکلیف دہ ہو گا۔ ایک چھوٹی سی بے اعتمادی کے بعد تم پر ہمارا اعتماد دیکھنے سے بھی بڑھ گیا ہے۔ آج سے تم صرف عربوں کے مراعات داریں بلکہ ہم تمہیں عربوں کا حاکم مقرر کرتے اور یہ اعتبار بھی دیتے ہیں کہ اگر کسی بحرم کی سفارش کرو گے تو تمہاری سفارش پر اسے راکر دیا جائے گا تاہم اس سے بڑھ کر ہمارے اعتماد کا ثبوت اور کیا چاہتے ہو؟"

سلیمان بن عامر تو مصر چھوڑنا چاہتا تھا، نہ طوینی حکومت سے اپنا رابطہ توڑ لیستنا مناسب سمجھتا تھا اس نے بڑی ہوشیاری اور عیاری کے ساتھ طوینی حکومت کی خدمت سے دست بردار ہونے اور مصر کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ دینے کا جو نامک درجایا اس کا ایک مقصد

کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے میں توجہ سے پہلے ملک کے دانش وران سے رائے لینے ہیں۔ آپ نے بغداد کے ساتھ دوستی کر لی لیکن اس کے لیے دانشوروں سے مشورہ نہیں لیا۔

خارویہ نے برکتہ جواب دیا۔ ”تم جانتے ہو یہ دوستی ہماری ضرورت تھی۔“ سلیمان بن عامر نے بات کو ایک نیا رخ دیا۔ ”مجھے بھی طوون کی اس ضرورت سے انکار نہیں لیکن دوستی کے اس معاہدے پر دستخط کرنے سے قبل ضروری تھا کہ اہل نجوم کا مشورہ لیا جاتا اور اس کے اچھے بُرے اثرات پر توجہ دی جاتی۔ آپ تو فلکیات پر اعتماد رکھتے اور بُرے حکمرانوں کی طرح علم نجوم سے اشارہ لینا ضروری سمجھتے ہیں مگر تعجب ہے اتنے اہم معاملے پر آپ نے آسمان سے رہنمائی حاصل نہیں کی۔“

اس بات نے دونوں جانیوں کو حیرت زدہ کر دیا۔ سلطان خارویہ کی نجوم سے دل چسپی ڈھکی چھپی نہ تھی۔ وہ اکثر مہلات میں نجومیوں سے رائے لیتا اور رائے نکلوانا تھا مگر بغداد سے دوستی کے ضمن میں اس نے نہ کوئی زانچہ نکلوایا، نہ اس سے سجدہ و تحسین اثرات کا جائزہ لیا تھا۔ سلیمان بن عامر کی بات نے دل میں ایک الجھنا مول پیدا کر دیا اور پریشانی کے لمحے میں بولا۔ ”بے شک ہم سے یہ بھول ہو گئی کہ بغداد کے معاملے میں کسی نجوم سے رائے نہیں لی، مگر ہمارا خیال ہے، وہ مسلمان حکومتوں کے درمیان دوستی کا معاہدہ نیک اور سعدی ہو سکتا ہے۔“

”پھر بھی آپ یہ بات یقین سے نہیں کہہ سکتے۔ صرف آسمان میں جھانکنے اور مستقبل کے حالات کا جائزہ لینے والے نجوم ہی صحیح رہنمائی کر سکتے ہیں۔“

خارویہ نے تباہی۔ ”شاہی نجوم کی رحلت کے بعد ہم ستاروں کی رہنمائی سے محروم ہو گئے ہیں اور فسطاط کے بانوؤں میں بیٹھنے والے نجومیوں پر ہمیں بھروسہ نہیں۔ ان کا علم بالکل سلی ہوتا ہے اگر تمہاری دانست میں کوئی ایسا نجوم ہو جو مستقبل کے حالات کی صحیح خبر دے سکے تو ہم اس سے مشورہ لینے کے لیے تیار ہیں۔“

اس موقع پر شہزادہ شیبان نے ایک حیرت انگیز انکشاف کیا کہ چند ماہ قبل جب وہ طوون شہر بلوچوں کے ہمراہ القدس کی زیارت کرنے لگی تو اس نے وہاں جعفر بن ابی کانام سنا تھا جو بغداد کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ آیا تھا کیوں کہ خلیفہ معتضد نے اہل نجوم کو شیش گوبیاں کرنے اور لوگوں کی قسمت کا حال بتانے سے حکما روک دیا تھا۔ بغداد کے اکھبرا اہل نجوم دوسرے علاقوں کی طرف

تھا اور معتضد یہ تھا کہ اس کی ذات پر پہلے سے زیادہ اعتماد کیا جائے اور اسے مصر کو چھوڑ دینے کے ارادے سے باز رکھا جائے تاکہ اُشدہ کے لیے اس کی شخصیت ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاسے۔ عیاری کی اس باطن پر خارویہ سلیمان کی مرضی کے مطابق بازی بدل رہا تھا۔ اپنا مقصد حاصل ہونا دیکھ کر اس نے بھی اپنی چل تبدیل کر دی اور بڑی مکاری سے جس سے خیر اندیشی کا اظہار ہوتا تھا، کہنے لگا۔

”سلطان معظم! اگر آپ اصرار کرتے ہیں کہ میں مصر چھوڑ کر دجاؤں تو میرا اپنا جسم اس دھرتی سے جدا ہونا پسند نہیں کرتا اور میں چاہتا ہوں کہ میرے بعد بھی اسی خاک میں دفن کیا جاؤں اس لیے مصر کو خیر باد کہنے کا ارادہ ترک کرنا ہوں لیکن میں عربیہ کی حکومت کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا مجھے اس خدمت سے معذور سمجھیں۔“

خارویہ اس کی دل جوئی اور اعتماد کی بجائی چاہتا تھا۔ خوش ہو کر بولا۔ ”پھر اُشدہ عیش کے حکم کا تقرر تمہاری مرضی سے ہو گا۔“

سرائے دار نے اپنی رضامندی کا اظہار سر جھٹکا کر کیا۔ اس طرح اس نے وہ بازی جیت لی جو حارث ابو ظفر کی ایک معمولی غلطی سے اس کے حق میں سیدھی ہو گئی تھی۔ اب سلطان خارویہ دو تین قدم آگے بڑھ کر قریب آگیا اور بالکل اُدھ رو ہو کر کہنے لگا۔

”سلیمان! ہمیں خوشی ہے کہ تم نے ہماری بات مان لی۔ تم عقل مند ہو اور صاحبِ ارائے بھی۔ ہم نے تمہارے مشورے سے ہمیشہ فائدہ اٹھا لیا ہے۔ تمھوڑی دیر پہلے ہی تم ہمیں کوئی اہم مشورہ دینا چاہتے تھے۔ ہم تمہارا مشورہ سننے کے لیے بے چین ہیں۔“

اب مویشی سلیمان نے گریز کا پہلو اختیار کیا۔ ”سلطان معظم! وہ مشورہ میں اپنی آخری خدمت کے طور پر دینا چاہتا تھا۔“

”تم نے حالات کی تبدیلی اور مصر کی نئی تاریخ کا ذکر کیا تھا۔ مصر کی نئی تاریخ سے ہمیں دل چسپی ہے۔“

”نہیں ہے، میری رائے آپ کو ناگوار گزرے۔“

”اس سے باوجود اگر اس میں ہماری بھلائی کی کوئی بات مضمر ہوگی تو اسے ضرور قبول کریں گے۔“

”سلطان معظم! سرائے دار نے اپنا اہم براہِ راستہ اور شائستگی کر لیا۔“

KHAN BOOKS & LIBRARY
S-527, BHABRA BAZAR, RAWALPINDI
Cell: 0345-5048634 0345-5048559
Prop: Ali Khan

پھر جعفر بخوبی

یہ ستاروں کی چال تھی یا کاتب تقدیر کا کھانا تھا کہ جعفر بخوبی بغداد سے نکلا تو کسی جگہ نہ جہم سکے۔ اُس نے کوفہ بھرہ یا خراسان جانے کی بجائے جدھر اکثر اہل نجوم گئے تھے، چپ چاپ شام کا سوخ کیا اور حلب میں ڈیرا جمایا۔ حلب میں دل نہ لگا تو دمشق پہنچ گیا۔ بنی امیہ کے دور میں دمشق دار الخلافت اور اسلامی دنیا کا مرکز تھا لیکن دار الخلافت کی تبدیلی سے اس شہر میں بھی پہلی بار سی بھر مکی چمک نہیں تھی۔ جعفر بخوبی نے ایک صبح اپنے گدے پر پالان باندھا، سامان لاداد اور دمشق سے القدس کی راہ لی۔

اُس کا خیال تھا خلیفہ معتقد نے اہل نجوم پر پابندیاں لگا کر اور انھیں پیش گوئیاں کہنے سے روک کر صرف بغداد ہی کی نہیں بلکہ ”پوری دنیا“ کی زمین اُس کے پاؤں تلے سے کیٹھ لی ہے۔ وہ بغداد کو ”پوری دنیا“ سمجھتا تھا۔ عباسیہ کے بغداد کی خوبی اور ذوق سورتی کے سامنے دنیا بچ تھی اور مشرق و مغرب کا کوئی شہر اُس کا مقابلہ نہ کرتا تھا۔ جعفر بخوبی کو بغداد سے نہ امانہ محبت تھی جس کی شان و شوکت، دھوم دھام، علم و فن کی لگن، ارفص و سخا کی لمبی باز آروں کی مدتی، مختلف رنگ و نسل کے باشندوں کی آمد و رفت، و جہل کی روحان آفرین دل کشی، نخلستانوں کی آب و ہوا، حتیٰ کہ خاک بغداد کی بہت تک اُس کے خون میں رچی بسی تھی اور وہ اس مزبور کو پھر رُٹنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا جب وہ بغداد سے رخصت ہوا، تو دراصل اس نے شہریت سے قلمبند ہو کر دنیا سے عزیز تھا اسی لیے اب اُسے کہیں

پائے گئے ہیں۔ جعفر بخوبی بھی حلب اور دمشق سے ہوتا اسی وطن القدس پہنچا تھا۔
سید بن عامر یہ ٹہکی کر اسے حیرت کے اچھل سا گیا۔ ”کی جعفر بخوبی واقعی القدس میں ہے؟“

”کسی شخص نے مجھے یہ بتایا تھا کہ بغداد سے آنے والے بخوبی کا نام جعفر ہے اُس نے باب دمشق کے قریب ایک جگہ کرائے پر لے رکھا ہے مگر وہ القدس سے کسی دوسرے شہر میں قفل ہرجانا چاہتا ہے جہاں لوگ اہل نجوم کی قندہ کرنا جانتے ہوں۔ القدس کے باشندے نجوم سے دلچسپی نہیں رکھتے، معلوم نہیں، وہ ابھی تک القدس میں ہے یا وہاں سے بھی کسی دوسرے شہر کی جانب چلا گیا ہے؟“

اب سرانے دار غمار رویہ سے مخاطب ہوا: ”سلطان معظم! اگر آپ جعفر بخوبی کا تعلق میں جہاں کراس کی دل چاہی کریں اور مصر کے مستقبل میں جھانکنے کے لیے کہیں تو شاید وہ آپ کو بتا سکے گا کہ اُنکدہ حالات کی صورت کیا ہوگی اور مستقبل نے بنی طور کے لیے اپنے پردوں میں کیا چھپا رکھا ہے جعفر بخوبی ماہر فلکیات ہے اور اس کی اکثر پیش گوئیاں پوری ہوتی ہیں۔“
”اگر جعفر فلکیات کا ایسا ہی ماہر ہے جیسا کہ تم بیان کرتے ہو تو ہم یہ فرض شہر دوشیان کو سوچتے ہیں کہ اُسے القدس سے بلائے اور ہمارے حضور پیش کردے ہم اس کی جگہ کی کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھیں گے بلکہ اُسے ”شاہی نجوم“ کی حیثیت سے سرفراز کریں گے۔“
اس کے بعد سلطان احداث کی طرف متوجہ ہوا: ”تھیں سیاسی امور میں ابھی تجربے ضرورت ہے مگر ہم امید کرتے ہیں کہ آئندہ ہمیں کسی شکایت کا موقع نہ دے گا۔“
پھر اُس نے سلیمان بن عامر کو عزت کے ساتھ رخصت کر دیا۔

KHAN BOOKS & LIBRARY
S-527, BHABRA BAZAR, RAWALPINDI
Cell: 0345-5048634 0345-5048559
Prop: Ali Khan

یہی قرار نہ مل رہا تھا۔

افندس بے شک ایک قدیم تاریخی شہر تھا جو ہر دور و نصاریٰ کے دور میں یروشلم کے نام سے مشہور ہوا اور فاطمین کا کھانا بنا رہا پھر اسلامی عہد میں بیت المقدس یا افندس کی حیثیت سے یاد کیا گیا کہ ارض مقدس کا صدر مقام تھا لیکن نہ تو وہاں بغداد جیسے مسقف بازار تھے نہ بازاروں میں دانتاں سراؤں کی حکایتیں اور اہل نجوم کی محفلیں اور نہ نقبیں تھیں۔ ویسے ہی لوگوں کو نہ علم نجوم سے دل چسپی تھی نہ وہ ماہرین فلکیات کی قدر جانتے تھے وہاں تو بس صف نہ نحو تفسیر احادیث اور تصوف کے چرچے تھے۔ جعفر نجومی افندس میں بھی اپنے آپ کو اجنبی محسوس کرتا رہا، اُسے کسی ایسے شہر کی تلاش تھی جس میں بغداد جیسی جہل پہل ہوئی کسی نے فسطاط کی رونق و دل کشی کا ذکر کیا۔ اُس کے بھرے پورے بازاروں پانچ پانچ، چھ چھ منزلہ عمارتوں اور مغرب میں دریائے نیل کی رونقوں کی تصویر کھینچی اور بتایا کہ دنیا میں اگر کوئی شہر بغداد کا ثانی ہو سکتا ہے تو یہ شرف صرف فسطاط کو حاصل ہے جسے افریقہ کے لوگ "دوسرا بغداد" کہتے ہیں پھر مصر علم نجوم میں بھی تاریخی شہرت رکھتا ہے اور اس کے ماہرین نجوم نہ صرف دنیا کے نامور لوگ مانے گئے بلکہ مصر کے باشندے بھی نجوم سے بڑی دل چسپی رکھتے ہیں اور فسطاط کے بازاروں میں نجومیوں کے گرد گرد لوگوں کا ہجوم رہتا ہے۔

جعفر نے فسطاط کی تعریف سنی تو ایک روز افندس کو خیر باد کہا گدھے پر سوار ہوا اور مصر جانے والے ایک شامی قافلے کے ساتھ ہو گیا۔ فسطاط میں جو تجارتی قافلے آتے تھے اُن کا پورے شہر میں چرچا ہوتا تھا بلکہ تاجر، آرٹھیبے اور بڑے بڑے دکان دار تجارتی قافلوں کے انتظار میں رہتے تھے مگر شامی قافلے کے ساتھ جعفر نجومی اور اُس کے بغدادی گدھے کا بھی چسپا ہوا۔

اُٹانے سفر میں جعفر سردار قافلہ سے نجوم کی دھکیلیں مارتا آیا تھا اور اُس نے پیش گوئی کر دی تھی کہ اُس کا سامان تجارت ہاتھوں ہاتھ بک جائے گا اور اس سفر میں اُسے اتنا نفع ہو گا جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتا۔ ہوا بھی یہی۔ ادھر قافلہ فسطاط پہنچا، ادھر مصری تاجروں اور آرٹھیبوں نے سردار قافلہ کو گھیر لیا۔ اتفاق سے سردار جو سامان تجارت لے کر آیا، اُس کی مصر میں بڑی قلت تھی۔ مسلمان کی قیمت تو فتح سے بہت زیادہ ملے گی اور آنا نانا فردخت بھی ہو گیا جس پر سردار قافلہ نے خوش ہو کر جعفر نجومی کو ایک سو دینار پیش قدمی دے دی۔ اُس نے پیش گوئی کی تھی

کی تصدیق کی اور منڈی کے ایک تاجر سے کہہ کر اُسے بازار میں ایک کمرہ بھی کرائے پر لے دیا، جس کی کچلی جانب ایک چھوٹا سا صحن بھی تھا۔

جعفر نجومی نے گدھا صحن میں باندھا۔ دروازے پر اپنے نام کی تختی لگا دی۔ نجوم کے سب سے کار دیے۔ راجوں کی ٹوئیں آدیں زائل کر دیں اور آسمانی برجوں کے ہاتھ پر نقشوں سے کمرے کو سجا دیا۔ بازار کے تاجر، منڈی کے آرٹھیبے اور وہ دکان دار جنہوں نے قافلے کے ہائے میں پیش گوئی سنی تھی اُس سے جان پہچان پیدا کرنے لگے کہ اپنے کاروبار کے متعلق اُس کے علم نجوم سے فائدہ اٹھائیں۔ اس طرح فسطاط میں آتے ہی جعفر نجومی کے نام کا چرچا ہو گیا۔

اتفاق سے یا تقدیر سے شامی قافلہ اُسی روز فسطاط پہنچا تھا جس روز افطاح میں سلطان خمار دیہ الویش نے جعفر نجومی کو افندس سے بلانے کا فرض شہزادہ شیبان کے سپرد کیا اس نے شامی ہر کاروں کو افندس کی جانب سفر کرنے کی ہدایات جاری کر دی تھیں مگر دوسرے ہی دن شامی قافلے کے ساتھ جعفر نجومی کے فسطاط پہنچنے کی خبر شامی ہر کاروں کا افسر اپنے نائب کے ہمراہ منڈی کی طرف بھاگا اور قافلے کے بازار سے بلا اس سے پوچھ گچھ کی کہ جعفر نجومی وہی ہے جو بغداد کو چھوڑ آیا ہے یا کوئی اور؟ پھر اُس کے کمرے کا پتہ پوچھا۔ بازار میں جا کر دروازے پر جعفر نجومی کے نام کی لوح دیکھی اور اندر آنے کی اجازت طلب کی۔

بوڑھے جعفر نے دروازے کا ایک پٹ کھول کر درپردہ ہٹا کر باہر جھانکا تو شامی ہر کاروں کے افسر اور نائب کو دیکھ کر جو اپنے مخصوص لباس سے پہچانے جاتے تھے ہوش اُڑ گئے کہ ضرور کوئی گڑبڑ ہونے والی ہے۔ بادلِ خوارستہ اُنہیں اندر آنے کی اجازت دی اور سنبھل کر بیٹھ گیا۔

افسر نے کمرے میں داخل ہونے ہی جعفر کے گھٹنے پر چڑھ کر اُس کی اچانک آمد کو خوش نصیبی قرار دینے لگا۔ "جناب! اسے کہنے میں تقدیر کا کرشمہ، ادھر میں آپ کو لینے کے لیے افندس جانے والا تھا۔ ادھر آپ ستاروں کی مہربانی سے خود فسطاط پہنچ گئے۔ اچھا ہوا کہ میں فلسطین کی جانب روانہ نہیں ہوا ورنہ آپ مجھے افندس میں نہ ملتے اور اتنا طویل سفر کر کے بھی مجھے ناکام لوٹنا پڑتا۔"

جعفر اُس کی بات سن کر چونک گیا۔ "تم مجھے لینے افندس جا رہے تھے؟

"جی ہاں، رہتا ہے آپ وہاں باب دمشق میں رہتے تھے۔"

جعفر کو حیرت ہوئی کہ وہ القدس میں اس کا ٹھکانا بھی جانتا تھا۔ ”مگر تم مجھے لینے کیوں جا رہے تھے؟“

”اس کا جواب شہزادہ شیبان ہی دے سکتے ہیں جنہوں نے حکم دیا تھا کہ میں فوراً القدس جاؤں اور آپ کو لے آؤں؟“

مصلحت کی صورت کچھ خطرناک معلوم ہوئی تو جعفر نے گھبرا کر پوچھا۔ ”شہزادہ شیبان نے مجھ کو یہ بات کیوں طلب کیا ہے؟“

”آپ کو دراصل سلطان معظم نے طلب کیا اور حکم دیا ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو آپ کو ان کے حضور پیش کیا جائے۔“

اب جعفر کو مزید فکر لاحق ہوئی کہ بات شہزیہ ہر کاروں کے افسر سے شہزادہ شیبان اور شہزادہ شیبان سے سلطان معظم تک جا پہنچی ہے اور خطرہ بدرجہ بڑھتا جا رہا ہے۔ فسطاط کی طرف روانگی سے قبل اپنے سفر کا کوئی زاپچنگال سکھانے اور دوسرے نجوم یہ معلوم کر سکا تھا کہ

مصر میں کئی حالات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ بس ”بغداد ثانی“ کے شوق میں تھانے کے ساتھ ہریا تھا۔ یہاں پہلے سے تقدیر نے ایک بساط بچھا رکھی تھی اور اس بساط میں سلطان مصر دشام غازیہ

ابو جیش کھڑا تھا۔ جعفر کو اس کے بلاد سے خطرے کا احساس ہوا اور جھپٹی جس کہ رہی تھی کہ مصر میں اُسے بغداد سے بھی بدتر سامنے پیش آنے والا ہے۔ اب الفاظ حقیقی میں اٹھنے لگے۔

”سلطان معظم..... نے طلب کیا ہے..... مگر کیوں؟“

”جناب! آپ بخوبی ہیں اور یہ بھی جانتے ہوں گے، بادشاہ اہل نجوم کو کیوں طلب کرتے ہیں؟“

جعفر کی پریشانی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا جس پر افسر نے بڑے حوصلہ افزا اور گفتگو سے یوں کہا۔ ”معلوم ہوتا ہے سلطان معظم کو کوئی پریشانی لاحق ہے جس کے لیے وہ آپ سے مشورہ کرنا چاہتے ہیں۔“

لیکن سوال یہ تھا، کیا مشورے کے لیے فریب جعفر بخوبی ہی رہ گیا ہے، جب کہ مصر میں بڑے بلا سے وائش و زوال اہل نجوم موجود تھے۔ اُس کے چہرے پر فکر و تردد کے سائے

دیکھ کر افسر نے پھر تسلی دی۔ ”پریشانی کی کوئی بات نہیں جناب! اگر آپ نے سلطان کی پریشانی کا حل تلاش کر لیا تو انعام و اکرام پائیں گے اور آپ کے غنیمتیں ہمیں بھی کچھ مل جائیں گی۔ بس

ہمارے ساتھ چلیے۔“

سلطان کے حضور فوری حاضری کے خیال سے جسم پر زرخش زخنی سی طاری ہو گئی مگر کے بولا۔ ”آج کا دن ملاقات کے لیے مختص ہے۔ سلطان معظم سے ملاقات کل مناسب ہے گی۔“

”مگر اہل سے لیے تو آج کا دن بڑا مبارک اور سعید ہے ہم فلسطین کا سفر کرنے والے تھے لیکن یہیں فسطاط میں آپ کے آنے کی خبر مل گئی، پھر آپ لے لیں گے۔ اس لیے آج ہی آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہو گا۔“

”جہاں آج کا دن تقدیر سے لیے مبارک ہو سکتا ہے میرے لیے نہیں پھر میں سفر کا قحطامند ہوں۔ مجھے ایک دن آرام کر لینے دو۔ کل سلطان معظم کی خدمت میں خود چھائے ساتھ چلوں گا۔“

افسر نے بخت نکال دیا۔ ”میں کل کا انتظار نہیں کرتا۔ کل“ کا لفظ صرف ٹٹانے کے لیے ہوتا ہے۔ کیا معلوم کل کا سورج طلوع ہونے سے پہلے آپ کیسے اوجھڑا ہو جائیں، پھر میں آپ کو کہاں ڈھونڈتا پھروں گا۔“

جعفر اس کی بات سن کر دنگ رہ گیا بلکہ دل میں خطرے نے انگڑائی لی کہ آج ہی سلطان کے حضور پیش کرنے پر بصدبے تو ضرور کسی انتہائی مصیبت سے دوچار ہونے والا ہے

سوچ رہا تھا کہ اُسے کس طرح ٹٹلے اور سر پر ناگہاں جو افتاد آپڑی ہے اس کے لیے کیسے ملت حاصل کرے کہ مصری افسر حکم کے لیے میں کہنے لگا۔ ”بس جناب، اب دیر دیکھ شہزادہ“

حلی ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے اور آپ جلد سے ہوں گے تھے۔ اوروں کا انتظار کبھی بھی زحمت کا باعث بن جایا کرتا ہے۔ ہم جس قدر جلد ان کے حضور پیش ہائیں گے اتنا ہی آپ کے حق میں مفید ہو گا۔“

وہ سمجھ گیا کہ مصیبت ٹٹلی نظر نہیں آتی اور تکرار بے کاس ہے۔ اگر انہوں نے کسی اُسے سیدھا نام میں گرفتار کر لیا تو پولیس میں گرفتاری کے ساتھ رسوائی بھی ہوگی۔ جن پر تقدیر

اٹھ کر دستار بنجالی۔ اپنا مخصوص تجربہ پہنا کر ساتھ ہو گیا۔



فسطاط سے القیائے میں پہنچا اور قصر شیبان میں حاضری کی اجازت لی تو ماحول بڑا

اُن تیسرے پر جعفر نجفی شہزادہ شیبان کے جہاد القطار کے شاہی حکمت میں اس طرح داخل ہو رہا تھا جیسے اگر وہ کسی ریاست کا نیکو حکم کا جہاد ہو۔ اُسے شاہی حکمت میں بڑی عزت و تکریم سے لایا گیا جب وہ ایوان تصویر میں سلطان ابو جیش خمارویہ کے حضور پیش کیا گیا تو اُس نے بوڑھے ستارہ شناس کا بڑی خوش دلی سے خیر مقدم کیا اور کہا ”جعفر اہم نے سنا ہے خلیفہ معتقد نے اہل نجوم پر پابندیاں عائد کیں اور انہیں پیش گوئیاں کرنے سے رکھا روک دیا تو تم بعد ازاں کوہ ہشتہ کے لیے چھوڑ آئے، لیکن ہم مصر میں تمہیں خوش آمدید کہتے ہیں؟“ ان خیر مقدمی کلمات کو سن کر جعفر نجفی کی روح فلک افلاک (نویں آسمان) پر پہنچ گئی اور اس نے ایک ماہر فلکیات کی طرح بڑے موزوں الفاظ میں شکر یہ ادا کیا ”سلطان ذی شان! اہل علم کی قدر کو کرنے والے حکمران نہ صرف زمین پر مرفرانہ ہوتے بلکہ آسمانوں پر بھی اُن کے اسمائے گرامی ثلوات و سیارگان کی مثل ہمیشہ درخشاں رہتے ہیں۔“

پھر اچانک اُکھار کے نبیے میں بولا ”میں تو میرا چھٹے ڈالا ایک معمولی نجفی ہوں اور ماہر افلاک ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا کیوں کہ علم فلکیات میں مہارت کے لیے علم نجوم چاہیے پھر بھی حضور نے خادم کی جو عزت افزائی فرمائی ہے اس کا تہہ دل سے ممنون ہوں۔“

”ہم تمہارے علم کے بارے میں گزارش کے سرائے دار سلیمان بن عامر سے جو معلومات حاصل کر چکے، وہ بہت کافی ہیں۔“ سلطان نے مزید حوصلہ افزائی کی ”تمہیں طلب کرنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ تم جیسے اہل علم دنیا میں بھٹکنے کے لیے پیدا نہیں ہوتے بلکہ بادشاہوں پر اُن کی سرپرستی واجب ہے۔“

یہ الفاظ جعفر کی سماعت سے گھنٹیوں کی مترنم آواز بن کر ٹکرائے اور بڑے پرجوش الفاظ میں کہنے لگا ”اسطان ظل اللہ و وسیلۃ العلم“ (بادشاہ خدا کا سایہ اور ترقی علم کا وسیلہ ہوتا ہے)

”ہم نے سنا ہے تم ایک فلکیاتی رصد گاہ قائم کرنے کی خواہش رکھتے ہو۔ ہمارے نزدیک اس مقصد کے لیے مصر کی زمین دنیا بھر میں سب سے زیادہ موزوں ہے کیوں کہ باغی بید میں بھی علم نجوم کا مرکز و منبع مصر ہی تھا۔ تم یہاں جس شہر اور جس جگہ رصد گاہ قائم کرنا چاہو ہمیں مطلع کر دو۔ اُس کی تعمیر کے اخراجات شاہی خزانے سے ادا کیے جائیں گے۔ وہ رصد گاہ تمہارے ہی نام سے تعمیر کی جائے گی اور ناجہات تھمادی تجویز میں رہے گی۔“

صاف اور نقد پر کاپاسا بالکل سیدھا تھا۔ شہزادہ شیبان اُسے دیکھ کر بڑا خوش ہوا اور کہنے لگا ”جعفر! معلوم ہوتا ہے تمہارا مستر مصر کے آسمان پر بھٹکنے والا ہے کیوں کہ پراسرار قدرت تمہیں خود وہاں سے آئی ہے۔ کس قدر عجیب بات ہے کل سلطان معظم کے حضور تمہارا ذکر ہوا تو انہوں نے ملاقات کی خواہش کی اور آج تم انظار میں مجھ کو موصول کہ تمہارا نیا م اقدس میں تھا اور اقدس اور اقطار کے درمیان ٹیکر دوں میل کا فاصلہ ہے۔“

شہزادہ شیبان کا اچھ خوش گوار اور انداز بیان حوصلہ افزا تھا جعفر کو تسلی ہوئی کہ اُس کے ستارے کو مصر کے آسمان سے نسبت دے رہا تھا تو معاملہ ضرور خوش اقبال سے تعلق رکھتا ہے کیا خبر مصر میں اُس کی قسمت کا ستارہ اچھا ہے پھر بھی تجس کے بچے میں بولا ”یہ میری خوش نصیبی ہے کہ سلطان ذی شان خادم سے ملنا چاہتے ہیں مگر اس لطف و عنایت کا کوئی سبب ہو گا۔ دنیا میں اسباب ہے اور یہاں ایک سبب دوسرے سبب کا ذریعہ بنتا ہے۔“

”سلطان معظم کو ایک اہم مسئلہ پیش ہے اور اُس کے متعلق ستاروں سے رہنمائی چاہیے ہیں تم ماہر فلکیات ہو اور اپنے علم سے اُن کی پریشانی دور کرنے کی صلاحیت رکھتے ہو۔“ جعفر کو مزید حوصلہ ہوا کہ بات نجوم و فلکیات سے تعلق رکھتی ہے۔ ”یہاں میں معلوم کر سکتا ہوں وہ کس مسئلے میں رہنمائی چاہتے ہیں؟“

”مسئلہ بھی دی بتائیں گے اور سوال بھی وہی کریں گے البتہ میں یقین ضرور دلا سکتا ہوں کہ اگر تم نے سلطان معظم کی مشکل حل کر دی تو دنیا کے خوش نصیب آدمی سمجھے جاؤ گے۔“

”کیا سلطان معظم علم نجوم پر یقین رکھتے ہیں؟“

”وہ علم الافلاک پر یقین ہی نہیں رکھتے بلکہ ماہرین نجوم کے قدر دان بھی ہیں۔“

اب تو جعفر ہی سمجھا کہ خوش نصیبی خود اُسے مصر پہنچ لائی ہے ہر آدمی کی قسمت کا ستارہ اُس کے آگے آگے سفر کرتا ہے اور اُس کے بخت کا ستارہ بھی اُس سے پہلے مصر پہنچ چکا ہے ”تو عالی جاہ کی خدمت میں حاضری کب ہوگی؟“

”آج ہی بلکہ اسی وقت۔“

یہ کہہ کر شہزادہ شیبان نے اپنے غلام کو طلب کیا اور حکم دیا ”اسی وقت شاہی محل میں جاؤ اور سلطان معظم سے عرض کر دو کہ جعفر نجفی اتفاق سے یہاں پہنچ گیا ہے اور حاضری کا طلب گار ہے۔“

جعفر بخوی کے بدن میں حیرت کی سنسنی دوڑ گئی کہ سلطان مسر اس کی سرپرستی پر آمادہ اور اس کی وہ خواہشیں بھی پوری کرنے کی حامی بھر رہا ہے جن کا اس نے صرف خواب دیکھا تھا۔ بارعنایت سے مکر تک جھک گیا۔ ”سلطان عالیٰ احسنور نے علم نجوم کے بارے میں جس دل چسپی کا ذکر فرمایا ہے اس سے دنیا میں آپ کا نام روشن ہوگا اور میں کوشش کروں گا کہ ماضی کی طرح مصر کو اس علم میں ایک بار پھر فضیلت حاصل ہو۔“

”ہم بھی غلیات میں مصر کو ساری دنیا سے سر بلند دیکھنا چاہتے ہیں۔“

ان الطاف و عنایات کے اظہار پر اب جعفر بخوی کو بھی اپنی علیٰ حیثیت کا احساس ہوا اور تعقی سے بولا۔ ”سلطان معظم! آپ سرورستی فرمائیں گے تو میں یقین دلاتا ہوں کہ مصر کا درجہ نجوم ساری دنیا میں شہرت پائے گا اور اہل نجوم تحصیل علم کے لیے مصر میں کھینچے آئیں گے۔“

سلطان خماردیہ نے اس کے الفاظ سے دلی راحت محسوس کی۔ اب وہ اپنے اصل مقصد کی طرف آیا۔ ”جعفر! انھیں ایک اور کام بھی کرنا ہے اور کام یہ کرنا ہے کہ ہماری خاطر اسانوں کے امراء میں جھانکن اور یہ دیکھنا ہے کہ ہم نے خلیفہ معتمد ابو عباس کے ساتھ دوستی کا جو معاملہ کیا اور قربت داری کا جو بیوند باندھا ہے، اس کا مصر کے حالات پر کیا اثر پڑے گا؟ انھیں اپنے علم نجوم سے یہ بھی معلوم کرنا ہے کہ بنی طولون کی موروثی سلطنت کے متعلق تارے کیا کہتے ہیں اور ہماری سلطنت کا مستقبل کیا ہوگا؟“

جعفر بخوی بڑی نوجہ سے سلطان کی باتیں سن رہا اور وہ ایک بلی خاموش رہ کر پھر کہنے لگا ”تمھاری معلومات کے لیے تم یہ بیان کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ خلیفہ المسلمین احمد ابو عباس معتمد باللہ نے تین لاکھ دینار سالانہ خراج کے عوض مصر و شام کو تیس برس کے لیے بنی طولون کی موروثی سلطنت تسلیم کر لیا اور ہماری بیٹی اسامہ قطر اللہی سے زوجیت کو اس معاہدے کی شرط ٹھہرایا ہے۔ ہم قطر اللہی کو آئندہ سال بغداد بھیجے اور خلیفہ معتمد کے حرم میں داخل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ تین لاکھ کی رقم ادا کر دی گئی ہے۔ ہم دل سے چاہتے ہیں کہ بنی عباس سے ہماری دوستی عالم اسلام کے لیے مبارک ہو اور ہماری بیٹی فریقین میں دوستی کی تعویذ کا ذریعہ بنے۔ غالباً تم ہمارا مطلب سمجھ رہے ہو چند سال قبل ہمارے والد سلطان احمد بن طولون جنت مملکتی نے طرونی ریاست کا جو خواب دیکھا تھا، ہم نے بعد ازاں سے صبح کر کے اس خواب کو ایک تعبیر بخش دی ہے۔ اب ہم طرونی مملکت کا استحکام اور عروج چاہتے ہیں اور تم ہمیں بتاؤ گے کہ تارے اس مملکت کے متعلق

کیا کہتے ہیں۔ آسمان کی کتاب اسرار میں ہمارے اور ہماری موروثی ریاست کے بارے میں کیا کچھ معروض تحریر میں آچکا ہے اور ابھی کیا کچھ معروض تحریر میں آنے والا ہے۔ بس یہ ہے ہماری پریشانی یا مشکل جس کے لیے ہم نجوم کی رہنمائی چاہتے اور توقع رکھتے ہیں کہ تم ہمارے لیے آسمانوں میں جھانکو گے، ثوابت و سیارگان سے رہنمائی حاصل کرو گے۔ ہمیں ہماری موروثی سلطنت کے آنے والے ماہ و سال کی خبر دو گے اور بتاؤ گے کہ ہم نے دولت عباسیہ کے ساتھ دوستی کا جو معاہدہ کیا ہے وہ بنی طولون اور ہمارے جانشینوں کے حق میں کیسا ہوگا؟“

ان الفاظ پر خماردیہ اوجھلش نے اپنی تقریر ختم کی اور جعفر بخوی بڑی نیازمندی سے بولا۔ ”سلطان معظم! میں نے حضور کا مطلب ابھی طرح سمجھ لیا ہے اور مجھے نجوم میں جو تھوڑی بہت دسترس حاصل ہے، اس کے مطابق آپ کے سوال کا جواب تلاش کروں گا۔ امید ہے کہ جب میں پوری توجہ اور محویت سے آسمانوں میں جھانکوں گا تو ستارے اور آسمانی برج میری رہنمائی کریں گے مگر تین تین روز سے قبل آپ کے کسی سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔ تین راتیں مسلسل افلاک میں جھانکنے، استاروں کی گردش و رفتار کا مطالعہ کرنے اور زمین یوم متواتر زائچے نکالنے اور انھیں اچھی طرح پڑھنے کے بعد، کیوں کہ آسمانی اسرار بڑے دقیق اور پر معانی ہوتے ہیں، میں کسی نتیجے پر پہنچ جاؤں گا پھر کہیں جا کر آپ کے سوال کا جواب دے سکوں گا۔ اس لیے ہماری آئندہ ملاقات آج سے چار یوم کے بعد ہوگی اور میں شہزادہ عالی کے ذریعے حضور کو مطلع کر دوں گا۔“

سلطان خماردیہ نے جعفر کی گفتگو پر اطمینان کا اظہار کیا کہ وہ تین راتیں اور تین دن مسلسل علمی تحقیق میں مصروف رہے گا اور جو تھے روز اس کے سوال کا جواب دے گا، کہنے لگا۔ ”میں اطلاع بھیجے گی ضرورت نہیں۔ چونکہ روزناوردہ یوم التبت (ہفتہ) ہوگا۔ ہم اسی وقت تمھارے منتظر ہوں گے۔“

سلطان نے عزت افزائی کی خاطر اسے خلعت فاخرہ کے ساتھ ایک ہزار نرخ دینار دے کر رخصت کیا اور جعفر بخوی نے سمجھ لیا کہ مصر میں اس کی قسمت کا دروازہ کھل گیا ہے لیکن تقدیر کا حیرت کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ جب وہ شامی محل سے نکلا تو شاہی ہرکاروں کا افسر اور اس کا نائب، دونوں پیشوائی کے لیے موجود تھے انھوں نے اسے بتایا کہ خلعت فاخرہ کے ساتھ جعفر کو ایک ہزار دینار عطا ہوئے ہیں اور وہ اپنا ”حفصہ“ لینے آگئے تھے۔ کچھ جعفر نے دونوں کو اپنے اپنے ہاتھ دے دیے۔ ”خیر خیر! کوئی بات نہ ہو۔“ ”جناب! ایک ہزار میں سے اگر ایک سو

نیں تو کم از کم پچاس دینار تو ہمارا واجب حق بنتا ہے۔

ابن علم کے نزدیک اسی کے ارادوں کی شکست اور امیدوں کی ناکامی ہی خدا کی قدرت کا ثبوت ہے۔ اولیٰ کچھ چتا ہے مگر تقدیر کی چال کچھ اور ہوتی ہے۔

جعفر کا خیال تھا، جب وہ سلطان ابو جیش خوارزم اور اس کے علی المرتضیٰ ہاشمیوں جیش بن خوارزم، ہارون بن خوارزمیہ اور برادر سلطان شہزادہ شیبہ کے ناپے تیار کرے گا۔ شادوں کی گردش و رفتار اور برد و ج آسمانی سے اُن کے گزرنے کی ساتیں دیکھنے کا تو اس پر طوفانی مہکت کا اُشدہ حال روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے گا اور وہ یقیناً سلطان خوارزم کی خواہش کے مطابق ہوگا۔

ماضی میں بنی طولون نے بڑے عزم و حوصلہ سے جنگی مقابلے کیے۔ جہوں کو روکا اور مصر و شام میں اپنے قدم مضبوطی سے جما لیے تھے۔ اب جب اُن کی سلطنت قانونی طور پر تسلیم کرنی گئی اور موروثی قرار دے دی گئی تھی وہ اس کے فروغ و استحکام میں پہلے سے زیادہ متہدد اور ثابت قدم واقع ہوں گے۔

اس نے بھی یہ سوچا، شہزادی اسماء دختر النعمانی اور خلیفہ معتز کے شہزادی نہ صرف دونوں سلطنتوں کے درمیان روابط و مہر عالم اسلام کے اتحاد کے لیے جس نیک فال ہوگی۔ حالات کی منطق یہ کہن تھی کہ مصر و عراق کے مابین حرب و سرب کا دور ختم ہوا۔ اب اتحاد و یکجہتی کا عہد شروع ہو گیا ہے اور بنی عباس سے بنی طولون کی دوستی طوفانی مہکت کی ترقی کا باعث ہوگی۔ سلطان خوارزمیہ سے تین روز کی مسافت اسی لیے لی تھی کہ نہ تین راتیں ستاروں کو بڑھ کر مطالعہ کرے اور اُن کی گردش و رفتار کے مطابق تین دنوں میں اہلیان کے ساتھ لڑائے نہ کر سکے۔ پہلی رات اُس نے اچھوٹی آسمان فلک ابھری تھی یہ قائم بلکہ گڑے ہوئے

جو لوگ علم نجوم اور فلکیات کے بارے میں معلومات نہیں رکھتے، ان کا اطلاع کے لیے یہ تاہم تاخیر ضروری ہے کہ اب علم کے نزدیک آسمان ہیں۔ فلک آسمان فلک الممالک کہلاتا اور ستاروں کی ثابت سے بالکل صاف ہے اس لیے اسے فلک اعلیٰ یعنی سادہ آسمان ہی کہا جاتا ہے۔ رات کو آسمان پر غیر متحرک ستارے (ثوابت) جیسے گڑے ہوئے ہیں جو تعداد میں بارہ ہیں۔ رمل، انور، جمر، اسرطان، اسد، مہبلہ، میزان، مغرب، قوس، دروز اور حوت۔ یہی غیر متحرک ستارے یا ثوابت آسمان کے بارہ برج کہلاتے ہیں (باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

پچاس دینار کا عدد مقرر کر جعفر حیرت زدہ سا رہ گیا کہ دونوں عین اُس کے ایک ہزار میں سے پچاس دینار مفت میں بڑھ لینا چاہتے ہیں، حالانکہ انہیں پانچ پانچ دینار دیتے ہوئے بھی اُس کے دل پر پانچ ہزار قیامتیں بیت گئی تھیں۔ جعفر نے کھانے کی کوشش کی کہ افغان کے مال میں اُن کا کوئی حصہ نہیں کہوں کہ یہ ٹوٹ کا مال نہیں جس پر ناسب انسر نے بڑے چھتے ہوئے الفاظ میں کہا۔ ”جناب! افغان کی رقم رات کو آپ کے کمرے سے چوری بھی ہو سکتی ہے مگر ہم بازار میں پہرہ دینے والے محافظ کو کمرہ دہن گے تو آپ کے کمرے کی خصوصی حفاظت کرے گا۔ بس شرط یہ ہے کہ ہمارے حصے کے مزید چالیس دینار ہمیں ادا کریں۔“

جعفر سمجھ گیا کہ وہ پورے پچاس دینار لیے بغیر اُس کا بیچا نہیں چھوڑیں گے سوچ بچار کے بعد وہی میں چالیس دینار پانے کی ایک عجیب سی ترکیب آئی اور کہنے لگا۔ ”تم جانتے ہو میں نجوی ہوں اور یہ افغان مجھے سلطان ابو جیش خوارزمیہ کی قسمت کا حال بتانے کے لیے بھیج دیا گیا ہے۔ تم دونوں کو بھی اپنی قسمت کا حال معلوم کرنے سے دل چسپی ہوگی؟“

”یہ بھی کوئی بوجھ کی بات ہے۔“ انسر چپک کر بولا۔ ”اب تو ہم آپ سے اپنی قسمت کا حال بھی معلوم کریں گے۔“

”میں تمہیں تمہاری قسمت کا حال ضرور بتاؤں گا جس کے لیے میرا معاوضہ پچاس دینار ہوتا ہے لیکن تم دونوں سے رعایتی طور پر میں صرف ۲۵-۳۵ دینار لے لوں گا۔ میں اب جاؤ اور جس وقت تمہیں اپنی قسمت کا حال معلوم کرنا ہو پنتالیس پنتالیس دینار لے کر میرے پاس آجانا۔“

یہ کہہ کر جعفر نجوی نے دونوں انسروں کو وہیں چھوڑا اور خود تیزی سے اُگے بڑھ گیا مگر انہیں جو دس دینار دے آیا تھا، وہ دل میں کاسٹھ کی طرح کھٹک رہے تھے۔ تاہم یہ بھی سوچ رہا تھا جو دس دینار میں مصیبت کئی لیکن مصیبت اُسے سستے داموں تھوڑی کٹ جاتی ہے جعفر نجوی نہیں جانتا تھا وہ ایک کڑی مصیبت سے دوچار ہونے والا تھا، جو حالات کے پھروں میں چھپ کر بیٹھی تھی۔



اور خالص تھے جو کچھ کل رات تھا وہی آج شب تھا کسی جگہ ایک دقیقے کی بھی تبدیلی نہ ہوتی تھی۔

جعفر بخوی اس صورتِ حال سے پریشان ہو گیا۔ خیال کیا کہیں زاچکے تیار کرنے میں سمون ہو گیا ہو۔ چنانچہ دوسرے روز خازن بن احمد کشیش بن خاویہ بہار بن بن خاویہ اور شیبان بن احمد کے زاچکے از سر نو تیار کیے اور چاروں زاچکوں کو فلکیات کے معیار پر چھٹی جانچ کر دیکھا ہر ستارے اور برج کے زیر اثر صاحبِ زاچکے کے حالات کا بطور جائزہ لیا لیکن زاچکوں اور حب کے نقشوں کا نتیجہ بھی وہی تھا جو کل برآمد ہوا تھا اُس کے تیار کیے گئے زاچکوں اور اُن سے حاصل ہونے والے نتائج میں فرقہ برابر فرق نہ تھا اس کا مطلب یہ تھا کل کی طرح وہ برج بھی اپنے حب میں کہیں نہیں چوکا تھا کیوں کہ جرات کل تھی وہی آج تھی۔ جو نتیجہ کل سامنے آیا تھا وہی آج پیش نظر تھا لیکن کج یا کل کی کوششوں کا نتیجہ بیان کرنا حاصل تھا اور نتیجہ تو ایک ہی تھا۔

جعفر کی پریشانی میں مزید اضافہ ہو گیا اپنے آسمانی مشاہدے اور علم و حساب کے مطالعے کا حاصل ایسا نہ تھا جسے ایک بادشاہ کے سامنے بیان کرنے کی جرات کو سکتا۔ حاصل علم سے جو پیش گوئی تیار ہوتی تھی اُسے سن کر انعام و اکرام یا سرپرستی کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا جبکہ اندیشہ تھا کہیں سلطان غصے میں آکر اُس کا سر تلیم کرنے کا حکم جاری نہ کر دے۔ اس تصور ہی سے جعفر کے سینے چوٹ گئے۔ سلطان خاویہ ابوحشیش کے بتانے کے لیے اُس کے پاس کچھ نہیں تھا اور جو کچھ تھا اُسے بیان کرنا بالکل خلافِ مصلحت تھا۔

سوچنے لگا اب کسے تو کیا کرے اور اپنی جان بچائے تو کس طرح؟ سورج پکار کے بعد ایک بار پھر آسمانوں کے مشاہدے میں غرق ہو گیا کہ شاید کسی جگہ غلطی کا امکان یا اس کا کوئی ثابہ نظر آئے اور نجوم کا نقشہ تبدیل ہو سکے لیکن تیسری رات کی کوشش کا نتیجہ بھی وہی تھا۔ اور کسی مقام سے مشاہدے یا اثرات کا نتیجہ اخذ کرنے میں اس سے کوئی غلطی سرزد نہ ہوتی تھی ای طرح تیسرے روز پھر زاچکوں اور حساب میں کھویا رہا اور یہاں بھی سب کچھ جوں کا توں تھا۔ تیسری کوشش کے بعد جہاں وہ مولونی مملکت کے مستقبل سے بائوس ہو گیا وہاں دل میں عین یقین کی کیفیت بھی پیدا ہوئی گویا اُس نے سب کچھ اپنے علم کی آنکھ سے دیکھ لیا تھا جس میں کسی تبدیلی یا غلطی کا کوئی امکان نہ تھا کیونکہ تین راتوں کے آسمانی مشاہدے اور تین دنوں

بارہ راتوں کے غیر متحرک سیاروں کا تعین کیا پھر مختلف ستاروں سے ان کے فاصلوں اور وقتوں کا تعین کیا اور ستاروں کی سطحِ آواز سے اندازہ لگایا کہ ہر ستارہ آسمانی برجوں سے کتنے فاصلے سے گزرے گا یا کب کرنی شمار کس سمت میں داخل ہوگا اور ہر حالت میں زمین پر اُن کے اثرات کیا ہوں گے؟

جعفر اپنے علم اور قیبت کے مطابق بڑے تجسس کے ساتھ آسمانوں میں بھاگتا اور آسمانی برجوں سے شماروں کے فاصلوں کی پیمائش کرتا رہا تاکہ ہر ستارے کے شخص اور متعدد اثرات کا صحیح اندازہ لگا سکے۔ ساری رات آسمانوں کے مشاہدے اور مطالعے میں گزر گئی علی الصبح تھوڑی سی نیند ہی رہی سارا دن مختلف ناموں کے زاچکے بناتے گزر گیا زاچکوں کے مطابق ستاروں کے تعین اور آسمانی برجوں سے اُن ستاروں کی دوری یا نندی کے حساب سے زمین پر ہونے والے تغیرات اور ہر صاحبِ زاچکے کی ذات پر گزرنے والے اچھے بُرے اثرات کا شمار کرتا رہا لیکن شب و روز کی اس فرق ریزی اور کوشش کا نتیجہ توقع کے بالکل برعکس تھا۔ باجوابات از روئے فلکیات اُس کے علم میں آئی وہ اتنی حیرت انگیز اور بامعنی سن تھی کہ جب تک فکر و حیرت کے گڑباز میں کھویا رہا اور جو کچھ اُس نے علم و نجوم سے معلوم کیا وہ سلطان خاویہ یا بی طوں کے لیے چنداں خوشی آئند نہ تھا۔ آسمانوں کے مختلف گوشوں میں اُسے ستاروں کی برشکلیں نظر آئیں وہ بیان کرنے کے قابل نہ تھیں۔

یہ سوچ کر کہ شاید شب و روز برجوں کے تعین اور ستاروں کی پیمائش میں اُس کے غلطی ہو گئی ہے یا نجوم کی رفتار کا صحیح اندازہ نہیں کر سکا۔ دوسری رات آسمانوں کا مشاہدہ دوبارہ مستعدی اور کمال احتیاط کے ساتھ کیا اور ساری رات چاروں کھونٹ تنہے ہوئے انہک میں بھاگتے اور فاصلوں کی پیمائش کرتے ہوئے گزار دی لیکن پہلی رات اور دوسری رات کے مشاہدے میں کوئی فرق نہ تھا وہی ہشت انہک کی سیر گامافی، وہی تلک اثرات یا کُل برج میں قائم وثابت بردج آسمانی کے نقشے تھے اور وہی اُن سے مختلف ستاروں کے زائچے۔

(بقیہ حاشیہ)

ہمارے نظامِ شمسی کے سات ستارے تختی کیے گئے۔ بعض کے نزدیک اگر کہ تعداد دس ہے۔ یا دس سے زائد ہیں (سارے آسمان) کا نقشہ بعدی کے بے انتہا زمانے پر آسمانوں کا مطلب اور بلند ہاں ہیں۔ (تقریباً ملوی)

کے حساب کتاب کا معاملہ ایک ہی تھا جس سے ایک ہیوسس کن پیش گوئی تیار ہوتی تھی اور وہ اس پیش گوئی کو طوبی سلطان کے سامنے بیان نہ کر سکتا تھا۔ اس کی حاضری میں اگرچہ ایک دن باقی تھا لیکن القطار میں جانا اور سلطان خاوردیہ کے حضور پیش ہونا یہ کام بلکہ نقصان دہ تھا۔ ایک سخت اس نے فیصلہ کیا جس قدر جلد ممکن ہو، فسطاط سے مصر سے نکل جائے در نہ کل اس کا شہر پناہ کے کسی دروازے پر ہٹکا نظر آئے گا۔

اس فیصلے کے مطابق رات ہی کو کمرے کے دروازے پر نصب نجوم کے پنجے اکھڑے۔ زائچہ کی نوچیں سبٹ لیں۔ اپنے نام کی تختی آناری۔ برج آسمانی کے نقشے اکٹھے کر لیے۔ کتاب التقذیر کی جلدیں اور نجوم و فلکیات سے متعلق سارے بوسیدہ اوراق چری جزدان میں نہ کر لیے۔ نجوم کا سارا کاجر خانہ جو نہ جانے کہاں کہاں سے اکٹھا کیا تھا باندھ لیا اور سفر کے لیے تیار ہو کر بستر پر لیٹ گیا۔

مشرق وسطیٰ کے اس علاقے میں قافلے عموماً نور کے تڑکے سفر پر روانہ ہوتے تھے جعفر نجوی نے بھی فسطاط سے درانگی کے لیے وہی وقت مناسب سمجھا تھا جب قافلوں اور مسافروں کے لیے شہر پناہ کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ رات سونے، جاگتے اور کمر میں بستے گزر گئی۔ جب آسمان پر صبح کا ستارہ (زہرہ) طہنہ ہوا۔ جعفر نے اپنا بستر بھی پیٹ لیا اور سارا سامان گدھے پر لاد لیا۔ پھر سلطان خاوردیہ سے ملنے والا خلعت فاخرہ بڑے اہتمام سے کپڑے میں لپیٹ کر فرش پر رکھا۔ اس پر نو سو نوے (۹۹۰) دینار کی تھیلی رکھی جس کے ساتھ ایک تحریر منسلک کی۔

جہاں ت مختصر تھی کہ وہ سلطان ابو جیش خاوردیہ کے سوال کا جواب نہیں دے سکتا اور ان کی خدمت سے معذوری ہے۔ لہذا خلعت اور انعام کی رقم چھوڑے جا رہے یہ وضاحت بھی کر دی تھی کہ ایک ہزار کی رقم سے دس دینار کم ہیں جو اس سے شاہی کارڈوں کے افسر اور نائب افسر نے ہتھیائے تھے۔ لہذا اس دینار ان سے وصول کر لیے جائیں۔ یہ درخواست بھی کی گئی تھی کہ اس کی کوئی منزل نہیں لہذا اس کا پیچھا نہ کیا جائے۔ آخر میں لکھا تھا جو شخص پہلے کمرے میں داخل ہوا اس کا فرض ہے کہ خلعت اور رقم کی تھیلی مع خط القطار میں شہر آؤ شہر بیان تک پہنچا دے اگر کسی نے ان اشیاء کو غصب کرنے کی کوشش کی تو از روئے نجوم اس کا انجام عبرت ناک ہوگا۔

پھر وہ گدھے کو کڑے کر لٹکا کرے کا دروازہ بند کیا اور منہ اندھیرے شہر پناہ کی طرف ہو گیا۔ اتفاق سے دروازہ کھلا تھا کچھ سوار باہر نکل رہے تھے۔ ان کے پیچھے پیچھے وہ بھی شہر پناہ سے نکل آیا اور اپنے گدھے کا رخ جبل مقطم کی جانب موڑ دیا۔ شام و فلسطین کو جانے والی شاہراہ جبل مقطم کے دامن سے گزرتی تھی۔

وہ فسطاط سے بھی اسی طرح نکل رہا تھا جس طرح بغداد کو چھوڑ آیا تھا۔ فسطاطی اوراق "دوسرا بغداد" تھا لیکن یہ شہر بھی اس کے جسم اور خون میں رچا ہوا نہیں تھا اور اسے چھوڑنے کا صدر بغداد جیسا نہ تھا۔ پھر دل میں اداسی کی ایک لہر گزر رہی تھی۔ دنیا میں ہر آدمی اپنی ناکامیوں کا بوجھ خود اٹھاتا ہے لیکن کتنی عجیب بات تھی مصر سے وہ دوسروں کی ناکامیوں کا بوجھ اٹھا کر نکل رہا تھا۔



جعفر نجوی اگر سمجھتا تھا کہ وہ فسطاط سے چوری چھپے فرار ہونے میں کامیاب ہو جائے گا اور کوئی شخص اس کا تعاقب نہیں کرے گا کیوں وہ خلعت اور انعام کی رقم اپنے کمرے میں رکھ لیا اور اپنی معذوری و بجوری پر مشتمل ایک تحریر بھی چھوڑ آیا ہے جو جلد یا بدیر القطار میں پڑ جائے گی اور اسی معذرت کی بنیاد پر اس کا معاملہ نظر انداز کر دیا جائے گا تو یہ اس کی بھول تھی جس طرح تقدیر اسے اس بہانے فسطاط میں گھیر لائی تھی کہ وہ "دوسرا بغداد" ہے اسی طرح قدرت کے پراسرار اور نظائمانہ دالے ہاتھوں نے اس کے لیے ایسے پھندے بھی بچھا دیے تھے کہ مصر سے فرار نہ ہو سکے۔

یہ سوائے اتفاق تھا یا جعفر کی بد نصیبی کہ اس کے فرار کا بھید توقع سے پہلے کھل گیا غلطی خود اسی سے سرزد ہوئی تھی کہ بند کمرے میں چراغ جلتا چھوڑ گیا تھا طلوع آفتاب کے ساتھ جب بازار کھلا اور چل پل شروع ہوئی تو لوگوں نے دروازے کی دھڑل اور جھروں سے نظر اٹھانے والی روشنی کو تعجب کی نظروں سے دیکھا۔ دوسری حیرت اس بات پر ہوئی کہ دروازہ باہر سے مقفل تھا اور اس کی کئی قفل میں موجود تھی۔ اس پاس کے دکان داروں نے اس پر بھی تعجب کا اظہار کیا کہ دروازے سے "جعفر نجوی" کے نام کی لوح اُتری ہوئی تھی، نجوم کے پنجے اکٹھے ہوئے تھے اور آثار و قرائن سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ راتوں رات کہیں چلا گیا ہے۔ انھوں نے

ملک مکان کو اطلاع دی بلکہ اس سے دریافت کیا: "کی جعفر نجفی کرا چھوڑ گیا ہے؟"
ملک مکان نے ان کو دروازے کا نفل آتا اور کوڑھول کر اندر نظر ڈالی تو طالعے
میں چرند روشن تھا مگر کرا خلی اور چکا تھا البتہ کمرے کے وسط میں فرش پر کچڑوں کی پٹی دکھائی
دی جس پر ایک تھیلی رکھی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر تھیلی اٹھائی۔ اس کے ساتھ ایک تجسیر
منسلک تھی تجسیر پر بھی تو بھونچکا سا رہ گیا اس پاس کے دکان داروں نے بھی، جو ملک کے
ساتھ ہی کمرے میں آگئے تھے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا کہ جعفر نجفی سلطان معظم کا بھٹا
ہوا خلعت اور انعام چھوڑ کر مصر سے بھاگ گیا ہے۔ تھیلی کی رقم گنتی تو پورے ۹۹۰ دینار تھے
ہزاروں سے دل کم۔

معاملہ بڑا بڑا اسرار تھا۔ ملک مکان اُسی وقت خلعت اور شای تھیلی کو اٹھا کر قطعاً
کی طرف بھاگا کہ کہیں اس پر کوئی الزام نہ آئے۔ غلام کے ذریعے شہزادہ شیبان کو جعفر نجفی کے
خزائن کی اطلاع دی۔ شیبان نے خلعت کے ساتھ تھیلی دیکھی، اس کے ساتھ منسلک تجسیر کا قطعہ
کیا تو بڑا حیران ہوا اُسی وقت شای ہر کاروں کے افسر کو طلب کر کے حکم دیا کہ جعفر نجفی فسطاط سے
زیادہ دور نہیں گیا ہوگا فوراً تعاقب کرے اور وہ جس حال میں بھی ملے، اسے انقطاع میں لے
آئے۔

افسر نے ماتحت سواروں کو ساتھ لیا اور تیز رفتار گھوڑے سے شام کو فطیس کی طرف جانے
دک شہراہ پر ڈال دیے جعفر نے اگرچہ کھانا کھا کر اس کی کوئی منزل نہیں مگر ایک عام انداز سے
ان کے مطابق اُسے فطیس اور شام ہی کے کسی شہر میں جانا تھا اور یہ اندازہ غلط نہ تھا۔
دن کی بنی میں فسطاط سے پندرہ سولہ میل دور جعفر اُسی شاہراہ پر نظر آگیا۔ وہ
پانچ گھنٹہ گھبراہٹ سے بیٹھ رہا تھا جیسے اپنی ساری مصیبتیں فسطاط ہی میں چھوڑ
آتا حالانکہ سب سے بڑی مصیبت تو اس کے پیچھے تھے بھاگ کر رہی تھی۔
جعفر کہہ جاتے دیکھا تو شای سواروں نے اچانک دھاوا کر کے اُسے آگے پیچھے سے
گیر لیا وہ اپنا ہتھیار دھارے سے گھرا لیا پھر شای سواروں میں ان کے افسر اور نائب پر
نظر پڑا تو کوس اڑنے لگا۔ افسر اپنا گھوڑا اگرچہ کے قریب لے آیا اور ہاتھ پیرا کر بولا۔
"کیوں جناب یہ دن کے اُبلے میں آپ جو رزوں کی طرح کدھر بھاگے جا رہے ہیں؟"
لبے میں طنز تھی، اندازہ کر رہے تھے جعفر نے ان کی تلخی محسوس کی اور اس کے

کی طرف دیکھا جیسے افلاک سے شکایت کر رہا، کہ وہ اُسے والی شکوں اور مسیبتوں کو اپنے
کمرے میں بھونچ رہا تھا۔ یہ بلائے ناگہانی کہاں سے نازل ہوئی؟ پھر غایت سے کہنے لگا۔
"خدا تھا رات تیرہ بند کمرے بھائی! میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔ مجھے اپنی راجعت دو!"
اب افسر کا رویہ گستاخانہ انداز کا بدل اور لہجہ کرخت ہو گیا۔ "مجھے جانے دو!"
اور تیزی جگہ خود بھانسی پر چڑھ جاتا تھا! جانتا تھا ہے تیرے فرار کی اطلاع ملے پر شہزادہ
علی کس قدر برا فروختہ ہوئے انھوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ اگر میں روپہ سے پہلے نکلتا ہوں
میں پیش نہ کر سکا تو میری گردن مار دی جائے گی اور تو کہتا ہے مجھے جانے دوں بغیر یہاں ہی
ہے کہ اپنا کدھار پس موڑ لے اور چل نہ جت کے بغیر ہمارے ساتھ ہیں ورنہ طوق رساں میں
جکڑ کر لے جاؤں گا!"

ساتھ ہی اس نے گھڑے کے دین سے بندھی آگنی زنجیر اور اس کے حلق پر اس
طرح ہتھ مارا کہ وہ ہے کی جھٹکا رہیں کہ جعفر کارل کا سننے لگا۔ مصر سے خازن کا منصوبہ ناکام ہوا اور
اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ جو حکم دیا جا رہا ہے اس کی تعمیل کرے کسی حجت اور تکرار
کا موقع تھا کسی قسم کی منت سماجت سے غافل پھر اس مثل کے مطابق کہ غریب کا غصہ اس
کی اپنی جان پر نزات، چپ چاپ گدھے کی باگ موڑی اور اپنے آپ کو حالت یاتقہ پر
کے قدم و کمر پر چھوڑ دیا۔

شای سوار اس کے آگے پیچھے گھیرا باندھے چل رہے تھے لیکن افسر اگر دائیں طرف
تھا تو اس کا نائب بائیں جانب۔ دونوں قمرانوں کا ہوں سے اُسے گھور تے ہی جا رہے تھے
چلتے چلتے افسر رات میں گریو۔

دو سبوں کے ہتھ اُٹھانے تیرے دس دینار ہتھیار لیے تھے جس کی ٹونے اپنی تجسیر پر
میں شکاب کے گھسے لیکن باریک نہ تھے اس "شرارت" کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ اب تو
نسل ہی سے جعلی نجفی معلوم ہوتا ہے۔ سلطان معظم کو دھوکا دینے کے جرم میں مجھے دس
لکھ کا حکم صادر ہوگا اور موقع پر یہ خدمت میں ہی سر انجام دیا کرتا ہوں جب تیری بیٹی
پر دڑے لگیں گے مجھے پتا چل جائے گا کہ میرا ایک دڑو دس دینار سے زیادہ ملے گا اور
محنت ہوتا ہے۔"

نائب نے بھی اپنا غصہ نثار نہ کیا کوئی کسر نہ چھوڑی "کیا بوا نجفی ہر سہ ہزار میں

قسمت کا حال بتاتا ہے۔ اسے اسے مجھے اپنی قسمت کا حال تو معلوم نہ تھا کہ راتے میں بکرو اچائے گا
پھر تو دوسروں کی قسمت کا حال کیا بتائے گا؟ اگر تجھے غم کا علم نہیں آتا تو بخوبی کا سو انگ بل
کر لوگوں کو دھوکا کیوں دیتا ہے؟

جعفر بے چارہ اُن کی جلی کئی باتیں سُنا اور دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتا ساتھ چتا
رہا اور کبھی کیا سکتا تھا۔ یہ سب کیا دھرا تقدیر کا تھا جس نے اُسے رستے میں گھیر لیا تھا۔



پیشگوئی

○

شاہی خلعت اور انعام چھوڑ کر جعفر بخوبی کا فرار ایک حیرت انگیز داستانِ انعام
واقعہ تھا۔

جس نے بھی سُنا حیرت زدہ رہ گیا۔ منجم اور اہل علم حضرات، بادشاہوں اور رازدوں
کے اطفاف و اکرام کے خواہش مند ہونے میں یکن جعفر کیسا منجم تھا جس نے طوفانی سلطان
کا بچنا ہوا انعام کو مارا یا اور مصر سے ہٹا گیا۔

شہزادہ شیبان اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ سربراہ بیٹھے والا ایک عام بخوبی اور ملکیت
کے گھر سے اسرار سے بے بہرہ تھا اور نہ اس طرح بھاگنے کی کوشش نہ کرنا جب کہ خدادادہ فطرت
نے اُس کی سرپرستی کرنے اور رصدگاہ کی تعمیر کا وعدہ بھی کر لیا تھا۔ شاہی ہرکاروں اور رازوں
کو جعفر کے تعاقب میں دوڑا کر تھوڑی دیر کے بعد درہ قصر سلطانی میں پہنچ گیا اور یہاں کو نہ
صرف جعفر بخوبی کے فرار کی خبر سنائی بلکہ وہ خبر بھی دیکھائی جس میں جعفر نے خلعت اور
دیناروں کی بجائے چھوڑ جانے کے ساتھ سلطان معظم کی خدمت سے معذوری کا اظہار کیا تھا۔
ابو جیش خادیم بھی اس کے فرار کی خبر سن کر اور نخر یہ پڑھ کر حیران ہوا پھر یہاں سے
پوچھنے لگا۔ "تمہارے خیال میں وہ کیوں بھاگا ہے؟"

"سلطان معظم! میرے نزدیک وہ بازاروں میں بیٹھنے والے عام بخوبیوں سے مختلف

www.urdukorner.com

آپ نے جو کچھ پوچھا اور جہد ف اُس کے سامنے رکھا، اُسے پورا کرنا جعفر کے بس کی بات نہ تھی۔

سلطان مکرانگیر بھی میں بولا: تمہیں یاد ہوگا اُس کی تعریف سلیمان بن عامر نے کی اور بڑے یقین سے کہا تھا کہ میں اپنے مستقبل سے عرف جعفر بخوبی آگاہ کر سکتا ہوں۔ وہ کسی معمولی اور سطحی آدمی کی تعریف کبھی نہیں کرتا۔

شیبان نے جواب میں مشہور عربی ضرب المثل کا سہارا لیا: "الانسان من السهو والنسيان" (انسان سوخٹا کا پیلا ہے) ممکن ہے کسی نے سلیمان کے سامنے جعفر کے بخیر کی غلط اور مبالغہ آمیز باتیں بیان کی ہوں اور اُس نے یقین کر لیا ہو کہ وہ فی الواقع بڑے پائے کا منجم ہے۔ بھول چوک بہر حال انسان ہی سے ہوتی ہے۔

"مگر ان گفتگو عالموں اور فاضلوں کی طرح کرتا ہے اور کسی آدمی کے اندر کا حال اُس کی گفتگو سے معلوم ہو جاتا ہے۔ تم نے سنا ہوگا "أَلْسَانُ تَرْجِمَانُ الْقُلُوبِ" (زبان دلوں کی ترجمان ہوتی ہے یا جو کچھ دل میں ہو وہی زبان پر آتا ہے)۔

سلطان معظم، پشیمہ در بخوبی بھی بڑی مرتعہ گفتگو کرنے اور لوگوں کو اپنی باتوں سے مسحور کرنے میں علم کی جگہ کے و محض باتوں کی معاش کھاتے ہیں۔

"کچھ بھی ہو جعفر کے بارے میں تم کچھ اور سوچ رہے ہیں ایسے شخص کا مصر سے نکل جانا مناسب نہیں ہوگا۔"

"شاہی ہرکارے اُس کے نقاب میں روانہ ہو چکے ہیں وہ اُسے مصر سے نکلنے نہیں دیں گے اور بہت جلد واپس لے آئیں گے۔ پھر اس خیال سے کہ شاید سلطان جعفر کے متعلق اچھا ارادہ نہیں رکھتا اور فلار کے جرم میں اُسے کوئی سخت سزا دینا چاہتا ہے، کہنے لگا: "سلطان معظم! میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ جعفر کس قسم کا منجم ہے البتہ یہ ضرور بتا سکتا ہوں کہ وہ لاپچی اور جریں نہیں بلکہ دیانت دار آدمی ہے۔ اگر وہ آپ کی خدمت میں کبر کا تو اُس نے خلعت اور انعام کا لالچ بھی نہیں کیا اور سب کچھ میں چھوڑ گیا ہے۔ میرے نزدیک ایسے آدمی کو معمولی سزائوں کے بعد چھوڑ دینا بہتر ہوگا کہ جہاں چاہے چلا جائے۔"

ابھی وہ جعفر کے لیے سفارش کر رہا تھا کہ غلام نے حاضر ہو کر اطلاع دی شاہی ہرکاروں کا سردار اور اُس کا نائب جعفر بخوبی کو لے کر آگئے اور حاضری کے طلب گار ہیں۔ سلطان نے

فی الفور اُسے پیش کرنے کا حکم دیا اور خود بڑے عجب و جلال کے ساتھ مسند پر جا بیٹھا۔ سردار اور نائب دروز جعفر کو ایک اس بازو سے، دوسرا اُس بازو سے کپڑے اس طرح حاضر ہوئے، ایسے وہ اُن کے ہاتھوں سے نکل کر بھاگ جانا چاہتا ہوا کہ جعفر نے کوئی مزاحمت کر رہا تھا نہ اُس کی طرف سے کسی مزاحمت کا امکان تھا۔ وہ بے چارہ تو اُن کے مقابلے میں بڑا کمزور اور ضعیف آدمی بلکہ اپنے آپ کو محالات کے سپرد کر چکا تھا۔ سلطان نے کرخشت آواز میں حکم دیا۔

"اس شریف آدمی کو چھوڑ دو اور ہمارے حکم کا انتظار کر دو۔"

سردار اور نائب سردار جعفر کو چھوڑ کر فوراً کمرے سے نکل گئے تو وہ بھاگ کر خارجیہ ابو جیش کے قدحوں میں جا بگا اور گرد گرد لے لگا۔ "سلطان ذی شان! میرا علم ٹھوٹا اور حضور کا سوال بہت بڑا تھا جس کا میں اس ایلانہ کر سکا اور بھاگ نکلا، میری خطا معاف فرمائی جائے۔" سلطان نے بڑے وقار اور عتاب سے کہا: "جعفر! تم جیسے صاحب علم کو ہمارے قدحوں میں گرنا زیب نہیں دیتا، کھڑے ہو جاؤ۔"

جعفر نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور بیٹنے پر ہاتھ بانٹھ کر کھڑا ہو گیا، سلطان غار میں کہنے لگا: "تم نے تمہارا غدر من لیا، تمہاری خبر پر پڑھی، اب صرف یہ ضرورت کرنا چاہتے ہیں کہ کیا تمہارے غدر میں کسی تبدیلی اور بخاری خبر پر میں کسی ترمیم کی گنجائش ہے؟" "نہیں سلطان ذی شان! اُس نے انکار کے بھیجے ہیں جواب برابر: "میں ایک ناقص علم آدمی ہوں اور حضور کی خدمت کے لائق نہیں۔"

"یہی بات تمہارے صاحب علم کی ہونے کی دلیل ہے۔ ہمارے نزدیک تم نے جو خیر ممکن وہ اضطراب کی حالت میں بھی اور اضطراب و بے اختیاری کی حالت میں انسان جو فیصلہ کرنا ہے اُن میں ترمیم اور تبدیلی کی گنجائش ہوتی ہے۔ پھر اُس نے یکہ بحث بات کا رخ بدل دیا اور کہا: "اضطراب کی حالت میں تم جیسے صاحب علم آدمی کہ یہ بھی پار نہ کرنا کہ بادشاہ کا دیا ہوا خلعت اور انعام واپس کرنا، اُس کی توہین کے مترادف ہوتا ہے۔"

سلطان کے الفاظ سن کر شہزادہ شیبان کچھ گیا کہ جعفر کا ستارہ گردش میں آگیا ہے جعفر نے بھی اگرچہ ان الفاظ کی سنگینی محسوس کر لی لیکن فوراً جواب دیا:

"سلطان! میرا علم جعفر کے ہاتھوں سے ٹھوٹا تھا، میں نے تو خلعت اور انعام

جو گویا ہے اب اس بات کے اظہار کی ضرورت نہ تھی کہ القطار کے غیر تصویر "میں اچھن طوں کے درجوں خار دیہ اور شیبان کو جو کچھ سنا تھا وہی طوں کے لیے خوش آمد نہ تھا کہ جو جعفر نے تین شب دروزہ کے شاہد سے اور مطالعے میں بنی طوں اور طوںی سلطنت کے عرتناک مناظر کا ایک حیرت انگیز تسلسل دیکھا تھا جسے بیان کرنا کوئی عقل مندی نہ تھی لیکن اب وہ خار دیہ کے اظہار پر پیش گوئی کرنے کے لیے اس لیے تیار ہو گیا تھا کہ سلطان خار دیہ اوس اس کے جانشین اگر حالات کا رخ موڑ سکتے ہیں تو موڑ دیں اور اپنی قسمین کو بدل سکتے ہیں تو بہت اور کوشش کر دیکھیں۔

اپنی پیش گوئی کا آغاز کرنے سے قبل جعفر نے سلطان خار دیہ کو مسند پر بیٹھنے اور شہزادہ شیبان کو اس کی بائیں طرف کھڑا ہونے کے لیے کہا۔ مسند کی دائیں سمت اس نے خار دیہ کے دونوں بیٹوں جیش اور ہارون کے لیے مخصوص رکھی جو اس وقت کمرے میں موجود تھے لیکن خار دیہ کے اوتیں جانشین وہی تھے پھر وہ مسند کے بالکل سامنے کھڑا ہو کر کہنے لگا "سلطان معظم! آپ نے اپنے جانشینوں کو پیش آنے والے حالات اور طوںی ریاست کے مستقبل کی بابت سوال کیا تھا آپ کے بقول خلیفہ معتقد ابوباس نے جو اس وقت دنیا کے سب سے بڑے حکمران ہیں انہیں لاکھ دینار سالانہ کے عوض تین سال کے لیے مصر و شام کو بنی طوں کی موروثی اور قانونی ریاست تسلیم کر لیا ہے اور آپ کی بیٹی اسماء قطر الدنئی کو صلیب کی شرط طرہ پر ہے جو آئندہ برکس خلیفہ کی عروس بننے والی ہے۔ آپ نے یہ بھی پوچھا تھا کہ کہ بنی عباس کے ساتھ دوستی اور خلیفہ سے شہزادی قطر الدنئی کی شادی کا بنی طوں کے حالات اور طوںی ریاست کے مستقبل پر کیا اثر پڑے گا؟ تو آپ کی باتوں کا جواب حاصل کرنے کے لیے میں تین راتیں لگا کر آسمانوں میں جھانکتا، ستاروں کی رفتار کا جائزہ لیتا اور آسمانی برجوں سے ان کے فاصلوں کی پیمائش کرتا رہا۔

میں نے انھیں آسمان فلک الثوابت، فلک البروج پر بارہ سیاروں یا بارہ برجوں کو دیکھا جو حرکت اور گردش نہیں کرتے اور درازل سے ایک ہی مقام پر قائم و ثابت یا پھر گزرتے ہوئے ہیں۔ بارہ برج حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو اور حوت دراصل بارہ ستارے یا بارہ ثوابت ہیں جو آسمان سے زمین کو دیکھ رہے ہیں اور اس پر اپنے اثرات ڈالتے ہیں۔ ان کے اوپر نواں آسمان ہے فلک الافلاک

آسمانوں میں جھانکنے اور ستاروں کے عمیق مشاہدے سے جو کچھ میں نے معلوم کیا وہ طوںی ریاست اور بنی طوں کے حق میں سازگار نہیں تھا کیوں کہ آئندہ کئی برسوں تک لگاتار پھر کی سرزمین ستاروں کی نفس و بد اثرات کی زد میں رہے گی پھر میں تین یوم تک مسلسل آپ اور آپ کے جانشینوں کے زائچے تیار کرتا رہا۔ سن وار آسمانی برجوں اور ان کے ستاروں کی رفتار کے مطابق مستقبل میں رونما ہونے والے واقعات کا جائزہ لیتا اور اپنی لوح پر ان کا حساب لکھتا رہا مگر زائچوں کی رو سے بھی آنے والے ایام بنی طوں کے لیے موانعی نہیں بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ بنی طوں کا مستقبل حالات و واقعات کی خون آشامیوں میں لپٹا ہوا ہے۔

سلطان معظم جہاں تک آسمانوں کے مشاہدے اور زائچوں کے مطالعے میں میری تحقیق و تدقیق اور محنت و کوشش کا تعلق ہے تو میں مختلف زاویوں اور مختلف پہلوؤں سے معاملات کو جانچتا، پرکھتا رہا لیکن آسمانوں کے مشاہدے کا جو نتیجہ پہلی رات سامنے آیا تھا، بالکل وہی نتیجہ دوسری اور تیسری رات برآمد ہوا۔ اسی طرح مختلف زائچوں اور نقشوں کا جو حاصل پہلے دن نکلا وہی دوسرے اور تیسرے دن کی کاوشوں کا حاصل تھا۔ تین راتیں اور تین یوم کی کاوش و تحقیق کا نتیجہ اور حاصل ایک ہی تھا جس سے میں اس فیصلے پر پہنچا کہ آسمانوں اور زمین کے درمیان بنی طوں کے دن گنے جا چکے ہیں اور ان کی حکمرانی کی مدت بہت مختصر ہی رہی ہے۔ آپ اس بات پر خوش ہیں کہ عباسیہ نے بنی طوں کی خود مختار موروثی ریاست کو نہیں برس کے لیے تسلیم کر لیا ہے۔ اب آپ جہاں اپنی موروثی سلطنت کو مضبوط و مستحکم کرنے میں

کوشاں میں۔ وہاں یہ تحسین بھی رکھتے ہیں کہ طوطی ریاست کا مستقبل کیا ہوگا۔ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ تیس برس کی مدت تو پھر بھی رُبع صدی سے زیادہ ہوتی ہے مگر طوطی سلطنت رُبع صدی بھی پوری نہیں کر پائے گا اس سلطنت کو جو رُبع آج حاصل ہے پھر کچھ نصیب نہیں ہوگا کیوں کہ آئے والا ہر دن اُس کے زوال و انحطاط کی لکیریں کھینچتا ہوا طوطی ہوگا۔

آپ نے یہ بھی پوچھا ہے کہ شہزادی قطراندی اور خلیفہ معتضد کی شادی بنی طولون اور طوطی ریاست پر کیا اثر ڈالے گی؟ آپ کا اس سوال کا مطلب یہ ہے کہ قطراندی کی شادی بنی طولون کے رُبع صدی یا طوطی ریاست کے اسی کام کے لیے سازگار ہوئی چاہیے مگر میری زبان سے طوطی ریاست کے زوال و انحطاط کی خبر سن کر آپ حیران بھی ہو رہے ہیں کہ بنی عباس کے ساتھ دوستی اور قربت داری سے تو بنی طولون کو رُبع صدی چھپنے میں زوال کی بات کیوں کرتا ہوں؟ سلطان عالی میراظم کہتا ہے اور ستارے بتاتے ہیں کہ شہزادی قطراندی کی شادی پر ایک ہنگامہ ضرور ہوگا مگر اُس کا نتیجہ کچھ نہیں نکلے گا۔ آپ اپنی بیٹی کو خلیفہ کی زوجیت میں دے کر جی تو اُن کی فوج رکھتے ہیں وہ حامل نہیں ہوں گے بلکہ اس معاملے کا اہلک پہلو تو یہ ہے کہ طوطی ریاست کی تباہی عباسی لشکر دہ کے ہاتھوں لکھی ہے۔ بنی عباس بنی طولون کے لیے اندھیرے کے تیر ہیں اور اندھیرے میں چلنے والے تیر خطرناک ہوتے ہیں۔

آپ کے لیے یہ بات کسی اجنبی سے کم نہیں کہ سب کچھ کیسے ہوگا اور طوطی ریاست ایک قلیل سی مدت میں کس طرح تباہ ہو سکتی ہے جس کے نتیجے میں ترک، عرب، موذانی اور حبشی لشکروں کی طاقت کھڑی ہے؟ سلطان معظم کسی شہر کو آباد کرنے میں برسوں لگ جاتے ہیں کیوں کہ شہر ایک دن میں بھی آباد نہیں ہوتا لیکن اُس کی تباہی کے لیے صرف ایک دن کافی ہوتا ہے بلکہ اسی آفات میں سے زلزلہ، لوہندخوں میں اُسے تھس تھس کر سکتا ہے۔ اسی طرح جب آسمان کے ستارے کسی سلطنت کے زوال کی خبر دیتے ہیں تو اُس کی تباہی کا سبب خود وہ خود پیدا ہو جاتے ہیں۔ میراظم کہتا ہے کہ آج کے دن سے ابھی بارہ سال پر سے نہیں ہوں گے کہ طوطی سلطنت کا نام دشنام مٹ جائے گا۔ صرف بارہ سال کے اندر آپ اور آپ کے جانشین دنیا سے اپنا حق لے کر رخصت ہو جائیں گے اور جو کچھ ہونا ہے اسی مدت میں ہو کر رہے گا۔

آپ اگرچہ اپنے ستر بھائیوں اور سولہ بہنوں میں سب سے بڑے ہیں اور آپ کی عمر اس وقت تیس برس سے زیادہ نہیں ہوگی مگر آپ پوری جوانی (چالیس سال کی عمر) کو نہیں

بیچ پائیں گے کہ ناصہر اجل کا بلاوا آجائے گا۔ آپ کی زندگی کے پانچ میں صرف پانچ چھ گھنٹہ باقی رہ گئے ہیں۔ صرف چند سال میں قصہ ختم ہو جائے گا اور جب میں موت کی خبر ملے رہوں جو آنا نانا وقوع میں آئے گی تو ہر عقل مند سمجھ سکتا ہے کہ فوری موت قتل ہی سے واقع ہوتی ہے۔ ستارے کہتے ہیں کہ آپ قتل ہوں گے جس کے بعد آپ کا پہلا جانشین یعنی بڑا بیٹا حبش سریر آرائے حکومت ہوگا لیکن اُس کی حکمرانی کا رُبع صدی چند مہینوں غالباً چھ مہینوں سے زیادہ نہیں ہوگا۔ آپ کی طرح وہ بھی قتل کیا جائے گا پھر آپ کا دوسرا جانشین یعنی دوسرا بیٹا تخت پر بیٹھ جائے گا اور چھ سال کے اندر اندر وہ بھی ہلاک ہوگا۔ یہ بات خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ آپ اور آپ کے دونوں بیٹوں کی زندگی کو کچھ کے ہند سے کوئی خاص نسبت ہے۔ یہ تو ہے آپ اور آپ کے بیٹوں کا انجام جو ہونے والا ہے۔ دوسرے جانشین کی ہلاکت کے بعد آپ کے تیسرے جانشین یعنی شہزادہ شیبان، جو اس وقت یہاں موجود ہیں۔ مسند اقتدار پر بیٹھیں گے مگر برسر اقتدار آتے ہی گرفتار ہوں گے اور زندان میں ڈالے جائیں گے۔ یہ سب کچھ عباسی لشکروں کے حملوں کی وجہ سے ہوگا جو طوطی سرداروں کو قتل کریں گے یا ہلاک دیں گے اور بنی طولون کی عورتوں کو گرفتار کر کے اور بنی طولون کے مردوں کو میرزاں پنا کر بغداد لے جائیں گے۔

آپ نے یہی پوچھا تھا عباسیہ کے ساتھ دوستی اور رشتے داری کا طوطی ریاست پر کیا اثر پڑے گا؟ غالباً آپ کو اپنے سوال کا جواب مل گیا ہے۔ بنی طولون کی تباہی و بربادی اگرچہ عباسیہ کے ہاتھوں مفید ہے پھر بھی اس تباہی کے لیے ایک خفیہ جماعت واسطہ بنے گی جو ابھی اخفا کے پردوں میں چھپی بیٹھی ہے لیکن عنقریب منظر عام پر آئے گی اور محرامے اٹھنے والی آندھ کی طرح بہت جلد میدانوں اور شہروں کو اپنی ہلاکت آفریں گردش میں لے لے گی۔ اُس جماعت کے نیزے اگرچہ بنی عباس کے خلاف بلند ہوں گے مگر جب اُس کے لشکر اور پرچم حرکت کریں گے وہ مصر و شام اور عراق کے درمیان کوئی امتیاز بردار نہ رکھے گی۔ اہل گت آدمی ہلاک ہوں گے اور بہت سے شہروں اور علاقوں پر جماعت کا قبضہ ہو جائے گا۔ تب عباسیہ کے سیاہ پھریرے غبار ہوں گے اور فریقین کے درمیان تباہ کن جنگیں ہوں گی پھر عباسی لشکر اُس جماعت کے خلاف ایک وقتی کامیابی حاصل کرے مصر میں داخل ہو جائیں گے اور طوطی حکومت کا خاتمہ کر دیں گے اس طرح بنی طولون حسرت و ناکامی اور تباہی و بربادی کا دوچار ہوں گے لیکن عباسیہ جو اس وقت زندہ ہے نہیں بچ سکیں گے اُن کے خلاف بغاوتیں

شہر نہیں اور خروج کے جنگلے جاری رہیں گے اور ایک دن وہ بھی زمانے کے لیے نقشِ عبرت بن جائیں گے مگر آپ کو نہ اس جماعت سے کوئی غرض ہے جس کی ناکامیوں اور کامیابیوں کا سلسلہ بڑا اور اڑھو گام نہ بناسیوں سے کوئی مطلب ہے جو خود نیز ملک زمانہ تباہی سے دوچار ہونے والے ہیں۔ آپ کو صرف طولی ریاست اور بنی طولوں کے مستقبل کی فکر ہے، جس کا حال میں نے بیان کر دیا ہے اور عرف بارہ برس کے اندر اندر انھیں عبرت ناک انجام دے دیتا ہے۔

سلطان عالی! جو کچھ میں نے دیکھا اور بیان کیا ہو سکتا ہے وہ سب کچھ درست ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ سب کچھ غلط ہو مگر میری پیش گوئی غلط نکلی تو آپ کو ان خطرات و حوادث سے جو میں نے بیان کیے ہیں کوئی گزند نہیں پہنچے گا اور اگر سب کچھ درست ہو اتنی طولوں کو اپنے اچھے دنوں میں آئندہ پیش آنے والے بڑے دنوں کو روکنے یا بدلنے کی کوشش کرنا ہوگی کیوں کہ جرات و ہمت، جدوجہد اور سعی و کوشش سے بڑے حالات کو بدلنا جاسکتا ہے اور جیسے میں پہلے کہہ چکا ہوں میرے نزدیک تقدیر کا فلسفہ ہی ہے کہ انسان اپنی ہمت اور کوشش سے حوادث کی سختیوں کو کم کر سکتا اور حالات زمانہ سے بڑھ کر اپنی تقدیر کا رخ موڑ سکتا ہے۔

سلطان معظم! جو کچھ میں جانتا تھا، بیان کر چکا ہوں اور جو کچھ میں نے بیان کیا وہ بے حد حسرت ناک اور جگر خراش ہے کوئی نظم کسی بادشاہ کو ایسی تباہی و بربادی اور ایسے ہول ناک انجام سے آگاہ نہیں کرتا کہوں کہ بعض اسکے مزاج حکمران اپنی ہلاکت اور تباہی کی خبر سن کر اس کے قتل کا حکم صادر کر دیتے ہیں اس لیے میں خلعت و انعام چھوڑ کر بھاگ نکلا تھا مگر پکڑا گیا اور آپ کے حضور پیش کیا گیا۔ تاہم آج جب میں القطار میں داخل ہوا تو اپنی زندگی کو بہت پیچھے چھوڑ آیا تھا۔ اب مجھے زندگی عزیز نہیں، آپ میری کھال کھینچوا سکتے ہیں، میرے شہر بنیاد کے دروازے پر آویزاں کر سکتے ہیں کہ یہ وہ جعفر نجوی تھا جس نے بنی عزیز کی ہلاکت و بربادی کی پیش گوئی کی تھی۔ البتہ مجھے یہ حسرت ضرور رہے گی کہ میں بنی طولوں کو ہلاکت و بربادی سے بچانے اور ان کے بڑے انجام کو بدلنے پر قادر نہیں۔

ان الفاظ کے ساتھ جعفر نجوی نے اپنی طویل پیش گوئی ختم کی جسے سن کر احمد بن طولوں کے دونوں بیٹوں سلطان خمار دیہ اور شہزادہ شہباز بہر حیرت و استعجاب کا منہ کھارے ہوئے تھے۔

پتھر سے ہو گئے جیسے جھڑکی باتوں نے ان کے جسموں سے زندگی کی حرکت اور حرارت چھین لی ہو۔ بنی طولوں پر گزرنے والی تباہی کے اکناف نے دونوں کو ہسوت کر دیا تھا کیوں کہ جو کچھ جعفر نے کہا وہ کوئی انکسار یا سلی قیاس آرائی نہ تھی۔ انھوں نے محسوس کر لیا تھا کہ میں کوئی نقلیات کے گہرے شاہد سے اور غوم و گواہ کی قطعی پیمائشوں کے بعد ترتیب دی گئی ہے جس میں سو و خفا کا احتمال اس لیے نہیں ہو سکتا کہ تین راتوں کے نگاہ نامشاہدے کا نتیجہ اور تین دنوں کے مسلسل حسابات کا حال ایک ہی تھا۔ اسی بات نے انھیں موت جیسے سکتے سے دوچار کر دیا اور القطار کا "قصرِ تصویر" حسرت ناک سناٹے کے کسی مقبرے کا نقشہ پیش کر رہا تھا۔

جعفر نجوی بھی چپ چاپ کھڑا تھا۔ وہ دونوں بھی پتھر کے تنوں کی طرح ساکت و صامت تھے۔ اچانک خمار دیہ نے مسند پر بیٹھے بیٹھے حرکت کی جیسے عدم سے وجود میں آگیا ہو اور مدغم الفاظ اور فزونی آواز میں کہنے لگا۔ "جعفر! تم نے جو کچھ کہا ہے، وہ فی الواقع بے حد حسرت ناک اور جگر خراش ہے۔ تم نے ہماری، ہمارے بیٹوں، ہمارے بھائیوں بلکہ ہمارے پورے خاندان کی ہلاکت و بربادی کی خبر دی ہے جسے سن کر زندگی اور زندگی کی دل چسپی سے ہمارا رنج اُچھا ہو گیا ہے جب سب کچھ فنا ہو جانے والا ہے تو ہم کس لیے جلیں سیکھیں تمہارے لشکر گزار ہیں کہ تم نے کسی رُو رعایت سے بغیر بھی مستقبل میں پیش آنے والے خیر حالات سے آگاہ کیا تاکہ اگر ہم اور ہمارے جانشین حوادث کی گردش کو بدل سکتے ہیں تو بدل دیں۔ ہم آنے والی تباہی کو روکتے یا اس کا رخ بدلنے کی کوشش ضرور کریں گے لیکن ہماری خواہش ہے کہ تم ہمارے ساتھ رہو تاکہ تمہارے مشوروں کے مطابق بڑے حالات کو بدلنے کی کوشش کر سکیں۔ ہم تمہارے لیے آج ہی ایک رصد گاہ کی تعمیر کا حکم صادر کر دیں گے۔ ہم تمہیں ایسا شایعہ مقرر کرتے ہیں کہ خواہ القطار میں رہنا چاہو یا فسطاط میں تمہارے لیے ہر کاری طور پر تمام گاہ کا بند و بست کر دیا جائے گا اور تم مصر سے جانا چاہو تو ہم تمہیں انعام و اکرام دے کر رخصت کریں گے۔ اب ہم تمہارا فیصلہ سننا چاہتے ہیں۔"

جعفر نے سر کو ذرا خم کر لیا اور جواب دیا۔ "سلطان معظم! پہلے میں مصر سے نکل جانا چاہتا تھا لیکن اب میری خواہش ہے کہ میں بنی طولوں کے صدموں کی شدت کم کرنے کی حد و حد کا ساتھ دوں۔ میں نے ہلاکت و بربادی کی پیش گوئی کر کے آپ کو کم زدہ کر دیا ہے

تو آپ کے اچھے یا بُرے انجام میں بھی شریک ہونا چاہتا ہوں۔

”تم واقعی صاحبِ علم ہو اور تمہارا ظرف بڑا ہے۔ ہمارے قریب رہو گے تو ہمیں حوصلہ ہوگا۔“

جعفر نے بتایا کہ وہ اپنی رہائش کے لیے فسطاطی کو پسند کرتا ہے جو واقعی ”بغداد ثانی“ ہے۔ جس پر سلطان خمار دیہ نے شبیبان کو حکم دیا کہ فسطاط میں ایک عالی شان عورتی غیرہ کر جعفر کے نام کر دی جائے اور شاہی منجم کے طور پر اس کی تقریری کا اعلان کر دیا جائے اس طرح یہ ملاقات عمل ہوئی اور جب وہ کمرے سے نکلا تو اس نے شاہی خلعت زیب تن کر رکھا تھا اور اس کی خوبش پر شاہی ہرکاروں کا انصر اور نائب دونوں اس کی چاکری میں دے دیے گئے تھے جس سے دونوں بھونچکے رہ گئے لیکن شاہی حکم کی تعمیل کے لیے چپ چاپ اس کے پیچھے پیچھے ہوئے۔



جعفر نجوی کی ہولناکی میں گئی نے سلطان خمار دیہ اور شہزادہ شبیبان دونوں کو بے حد افسردہ اور مضطرب کر دیا تھا۔ نہ مانے کا دستور ہے کہ انسان موت کے بہتر پر بھی جیسے کی خواہش اور کشش کرتا ہے۔ دونوں بھائی چند روز اپنے معمولات بڑی بے دلی سے ادا کرتے رہے مگر فوراً سنبھل گئے اور طولانی ریاست کو سنبھالنے کی تدبیریں سوچنے لگے۔

انھوں نے مملکت کے صوبوں اور بڑے بڑے شہروں کے حاکموں نیز ضباط اور فوج کے سرداروں کے بارے میں غور کیا اور ان کی بہدر دیوں اور وفاداریوں کا جائزہ لیا کہ کون قابل اعتماد اور کون کسی مشکل کے وقت غدراری کر سکتا ہے۔ بغداد سے معاہدہ دوستی کے بعد کئی لوگ حیرت انگیز طور پر بنی عباس کے حامی نظر آنے لگے تھے۔ حالانکہ ان کی اس تبدیلی کو بنی طولوں کی تبدیلی کا نتیجہ ہی قرار دیا جاسکتا تھا۔ جعفر نے خلیفہ کی طرف خود دوستی کا اظہار اعلیٰ شاہین جعفر کی پیش گوئی کے مطابق جب عباسی لشکر بنی طولوں کی سلطنت کی بربادی کا ذریعہ بننے والے تھے تو سیاسی نقطہ نظر سے بنی عباس کے ساتھ تعلقات میں بھی احتیاط کی ضرورت تھی اور ان کی طرف زیادہ میلان مناسب نہ تھا۔ ایسے لوگوں کی وفاداریاں بھی کسی وقت ٹھوکر کھانسی جیسی جو معاہدہ دوستی کی وجہ سے عباسیوں کی طرف مائل ہو گئے تھے۔

سلطان خمار دیہ نہ تو معاہدہ منسوخ کر سکتا تھا نہ خلیفہ سے قطعی شادی کر سکتا تھا۔ یہ بعدی اب زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ ویسے بھی ایک بڑے حکمراں سے یہ تعلق اس کے لیے باعثِ عزت تھا۔ اس نے یہ تعلق توڑنا مناسب نہ سمجھا اور سوچا کہ اسی ذریعے بغداد کا اعتماد قائم رکھے گا لیکن درپردہ کارِ خاص کے محکمے کو ایسے افسروں اور سرداروں کی فہرست تیار کرنے کی ہدایت کر دی جن کا بنی عباس کی طرف میلان بڑھ گیا تھا۔

یہ ایسا اطمینان تھا کہ خمار دیہ نے جس ہاتھ کو ”دست دوستی“ سمجھ کر قبول کیا وہی پیش گوئی کے مطابق بنی طولوں کی گردن تانے والا تھا۔ تاہم جعفر نے بعد ازاں یہ وضاحت کر دی تھی کہ طولانی ریاست کو خطرہ خلیفہ معتمد سے نہیں اس کے جانشینوں کی طرف سے ہے جس سے خمار دیہ نے کسی قدر اطمینان کا سانس لیا تھا۔

فسطاط کی ایک عالی شان حویلی خرید کر جعفر کے نام کر دی گئی تھی اور ”شاہی منجم“ کے طور پر اس کا تقرر بھی عمل میں آ گیا تھا۔ شاہی ہرکاروں کا انصر اور نائب دونوں اس کی خدمت پر مقرر تھے۔ دن میں ایک بار جعفر کے گدھے کو نعلانا، اسے کسی سبزہ زار کی سیر کرانا، چارہ دانہ ڈالنا اور شام کو اس کی ماش کرنا دونوں کے فرائض میں شامل تھا، جسے وہ باری باری ادا کرتے اور جعفر کے ساتھ ساتھ اس کے گدھے کی خوشنودی کے بھی طلب گار رہتے تھے۔ جعفر سے دس دینارہ تنجیہا نے اور اس جیسے صاحبِ علم کے ساتھ گت فنی سے پیش آنے کی پاداش میں انھیں تین ماہ کے لیے اس کی خدمت پر مامور کر دیا گیا تھا مگر چند ہی روز میں دونوں مرمہ ڈالنے والی سلائی کی طرح سیدھے ہو گئے اور اب اکثر اس کی چاکری کرنے رہتے تھے۔

اسی اثناء میں ماہِ حیات شروع ہو گیا اور اس مہینے میں انتظامی امور بڑی مستعدی سے سرانجام دیے گئے۔ لوگوں نے محسوس کیا اب وجیش خمار دیہ اور شہزادہ شبیبان انتظامی امور کی پہلے سے زیادہ نگہداشت کرنے لگے اور کسی بھی غلطی پر کڑی باز پرس کرتے ہیں۔



۳۶

تصادم

○

رمضان کی ۲۹ تاریخ کو جب رگ مکھن کی چھتوں پر چڑھے ہلال بخید دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے فسطاط میں یعنی سردار زید بن سلام کے کاروان کی آمد کا اعلان ہوا اور اگلے اس لیے ہوا کہ اس کا تجارتی قافلہ قیروان سے آیا تھا۔ سلطان مصر کے لیے یعنی سردار کے پاس مغرب کے قیمتی تحائف کے علاوہ "بڑی کارآمد معلومات" بھی تھیں۔

انقبویں کے چاند کی طرح خارویہ ابوحشیش یعنی سردار کی آمد کو بھی نیک فال سمجھا اور اسے فوراً انقطاع میں طلب کر لیا۔ مدینت ہلال پر لوگ فسطاط العسک اور انقطاع میں خواتین مناسبتے تھے اور بازاروں میں خریداروں کا ہجوم بڑھ گیا تھا۔ سردار زید کے قافلے کا ایک حصہ پہلے ہی سلطان ابوحشیش کے لیے ہندوستانی تحائف لے کر فسطاط پہنچ گیا اور ابھی تک وہیں عظیم تھاواب یعنی سردار نے وہ تحائف منہا لے کر قیروان سے لے کر آیا تھا اور انقطاع کے شاہی محل میں داخل ہوا تو سلطان خارویہ نے بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا۔

چاند رات کی خوشی میں یعنی سردار سے ملاقات کا اہتمام اس حوض پر کیا گیا جس میں پیارہ بھرا ہوا تھا اور پارے کے اوپر استراحت کے لیے بڑے بڑے چری گدھے بچھے رہتے تھے چری گدوں کو ریشم کے مضبوط دھون سے چاندی کے آنستوں سے باندھ دیا گیا تھا جو حوض کی چاروں جانب غلام گردش کی طرح ایتادہ تھے۔ چاندی کے ستونوں کے درمیان حراہوں میں سونے کے فانوس آویزاں تھے جن میں شمعیں روشن تھیں اور ان کی روشنیوں میں حوض بہا۔

پارے کی حرکت اور چمک دیکھ کر حوض کے منظر پیش کر رہا تھا۔ چاندی کے ستونوں کے ساتھ ساتھ خوب صورت کیمیزیں خوش نازاں لباس میں کوفہ قاف کی روایتی پردوں کی صورت کھڑی تھیں اس الف بیری ماحول میں جس کا حیرت انگیز نظارہ یعنی سردار زندگی میں کبھی فراموش نہ کر سکا ان کی ملاقات ہوئی اور پارے کے کوا پر پہنچے جو گئے چری گدوں پر بیٹھے ہی سردار زید نے خاندیہ کو "خوش خبری" سنائی کہ وہ جس مقصد کے لیے قیروان گیا تھا۔ اس میں کامیاب ہوا ہے۔ اس نے بتایا کہ کئی سرداروں حریش جمیلی، موسیٰ بن مکہ اور حسن بن رزن سے خفیہ طور پر ملا اور انھیں اس بات پر آمادہ کر لیا ہے کہ ممدی تحریک کے داعی ابو عبد اللہ بن حسین شیعہ کی حمایت ترک کر دیں گے اور اگر اعلیٰ حکومت کا ساتھ نہیں دے سکتے تو ممدی تحریک سے بھی الگ رہیں گے (حالانکہ یعنی سردار داعی ابو عبد اللہ کے لیے خفیہ امداد لے کر گیا تھا تاکہ ممدی تحریک وہاں زور پکڑے اور اعلیٰ مزاحمت کی دیواریں ڈھکے جائیں)۔

خارویہ کو سلطان مصر کی حیثیت سے۔ اندیشہ لاحق ہو گیا تھا کہ کہیں قیروان میں ممدی تحریک کا پیاب نہ ہو جائے اور ممدی قافلہ کے مال جن کے ساتھ عاری بھی شامل ہو گئے تھے مگر کا رنج دیکھیں لیکن یعنی سردار نے جو خود ممدی تحریک کا قریب دست حالی تھا اس تحریک کی "نامانی" اور قیروان کی سیاحت و تجارت کا ایسا نقشہ بانٹا کہ خارویہ کے سردار سے اندیشے جلتے نہ اگل زہر ب کے درمیان سردار زید نے ابو عبد اللہ اور بنو قیال کی سرگرمیوں کو "بابوس کن" قرار دیا، جو اُس کے دور قیروان کے بعد مزید "کھنڈی" بن جانے والی تھیں اور بازنطیوں میں ایک عجیب واقعے کا ذکر کر کے خارویہ کو چمکا دیا۔ اس نے بتایا۔

"سلطان معظم! جب میں قیروان کے شہر نفا د میں پہنچا تو وہاں ایک ایسے شخص کو دیکھ کر حیران رہ گیا، جسے میں ایک حریر ہندو میں دیکھ چکا تھا اور وہ خلیفہ مقتصد ابو ہاشم کے محافظ دستے کا ساتھی تھا۔"

"محافظ دستے کا ساتھی؟" کے ذکر پر خارویہ ابوحشیش کی حیرت اور دلچسپی بڑھی۔ کہیں ہمارا یہ مطلب تو نہیں کہ وہ ملحد ابن حرب الکندی تھا؟

"وہی تھا؟" سردار زید نے اس کے خیال کی تصدیق کی۔

"مگر ابن حرب قیروان کیسے جا پہنچا؟"

"میرا خیال ہے شاید مقتصد نے اسے اپنے خفیہ طور سے بنی اغلب کی مدد کے لیے بھیجا ہوگا۔"

نسا ہے بڑا بہادر اور جنگ جو سالار ہے۔

”کہیں تمہیں ابن حرب کہ پہچانتے ہیں دھوکا تو نہیں ہوا“

اس پر سردار زید نے ابن حرب کا مکمل تحلیلہ بتایا، اُس کی پہچان کی ساری شناختیں اور علاماتیں بیان کیں جس پر خمار ویکنے لگا۔ ”تم نہیں جانتے زید! اُسے خلیفہ معتضد نے ہرگز نہیں بھیجا۔ وہ تو بغداد سے بھاگا ہوا ایک مجرم ہے جس نے مصر میں پناہ لی تھی جب ہم نے خلیفہ سے دوستی کا معاہدہ کر لیا، وہ مصر سے بھی بھاگ گیا اور قیروان چاہتا تھا لیکن رقادہ تو بنی اُغلب کا شہر ہے کیا وہ اُغلبی حکومت کی حمایت کر رہا ہے؟“

”رقادہ بن اُس کی موجودگی کا اور کیا مطلب ہو سکتا ہے؟“

اس جواب پر خمار ویکنے نظر آئے لگا کہ وہ مصر سے قیروان کی طرف چلا گیا تو اچھا ہوا سردار زید نے بڑی ہوشیاری سے ابن حرب کے رقادہ میں موجود ہونے کی ”یعنی شہادت دے کر ایک سخت اُس کا ذکر ترک کر دیا اور ایک بار پھر مددی تحریک کے بارے میں خمار ویک کی دل چسپی کی باتیں شروع کر دیں اور اُسے یقین دلایا کہ مددی کے داعی کا حلقہ ”ڈٹ“ رہا ہے اور تحریک کامیاب نہیں ہو سکتی پھر یہ ملاقات ختم ہو گئی اور سردار زید بن سلام نے رخصت لے لیا۔

زید نے قید انظر فسطاطین منائی اور تیسرے روز اپنے قافلے کے ساتھ مصر سے کوچ کیا۔ ایک روز زید بن سلام کی کاروان مراٹے میں ٹھہرا اور سلیمان بن عامر کو سلطان خمار ویک سے اپنی ملاقات کا حال سُنا کر علامہ عین ہو گیا۔ مراٹے دارخوش تھا کہ اس نے ابن حرب کے متعلق خمار ویک کو جو ”ابتدائی خبر“ دی تھی، ایسی سردار اُس کی تائید و تصدیق کر رہا ہے۔ اب اُس سوال کو رد نہ ہونے دے دافنے سے ابن حرب کا کوئی تعلق ثابت نہ ہو سکے گا، اُس کی اپنی ذات پر کوئی حرف آئے گا۔

ہوشیار مراٹے دار نے ایک طرف القطارح میں بندھ لگانے اور ابن حرب کے ساتھ طوقی بیوہ کے فرار ہونے کی راہ، عموماً کر لی تھی، دوسری جانب اس نے تحفظ کا مورچہ اتنا مضبوط کر لیا تھا کہ ہر ایک کی کوئی انگلی ابن حرب پر اٹھ سکتی تھی نہ جسے کی کوئی نظر ویش کی کارواں مراٹے پر پڑ سکتی تھی۔

اُس سوال القطارح کی تاریخ میں ایک ایسا دم تھا کہ خیر یوم تھا جس سے بنی طولون کے زوال کا آغا ہونے والا تھا۔ اگرچہ جعفر نجفی نے اس حیرت انگیز واقعے کی خبر نہیں دی تھی کیوں کہ اس سے شہزادی نجم العلیل کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا گیا تھا تاہم یہ پیش گوئی ضرور کر دی تھی کہ مصر کی سرزمین ستاروں کے نغمہ اشراک کی زد میں ہے اور بنی طولون کا زوال شروع ہونے والا ہے۔

شہزادی نجم العلیل نے ملت کی مدت بڑی خوبی کے ساتھ گزار لی تھی اور کسی کو شبہ نہ ہو سکتا تھا کہ اُنہیں بنجرہ خالی کرنے والی ہے۔ سوڈانی کنیز عنبر بھی اُس سوال کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہی تھی۔ ماکن اندکنیز دونوں نے حادثہ کو اپنے اعمام کی زنجیروں میں باندھ رکھا تھا وہ قصر نجم میں آتا تو شہزادی بڑے تنگ سے خیر مقدم کرتی۔ محبت سے پیش آتی اور کبھی کبھار اس پر اپنی مسکراہٹ بھی پٹھا کر دیتی تھی جو حادثہ کو لامتناہی فضاؤں کی طرف لے آتی اور دھڑکتا ہوا چلتے ہوئے جال میں پھنس جاتا۔

سالولی سلونی عنبر حادثہ پر پہلے سے زیادہ ہر بان ہو گئی تھی اور وہ شہزادی سے زیادہ اُسی میں دل چسپی لینے لگا تھا کہ شہزادی کے مزاج میں بڑا دخل رکھتی اور نہ صرف اپنی آنکھوں سے اُس کی سفارش کرتی رہتی بلکہ ملاقات بھی کر دیتی تھی۔ ان حمایتوں کے بسے حادثہ اُس کا گردیدہ ہو گیا اور اُسے خوش رکھنا تھا۔ کبھی کبھی تو یہ مشہد ہونا کہ وہ قصر نجم میں صرف عنبر سے ملنے آتا ہے جو اُسے اپنی نیکی اداؤں اور سلونی مسکراہٹوں میں الجھا لیتی تھی۔

سوال ہی میں شہزادی نجم بھائیوں کو حادثہ کے متعلق اپنی مرضی سے آگاہ کرنے والی تھی کہ اُسے پسند کرتی ہے یا نہیں اور حالات کی صورت بنا رہی تھی اُس کا فیصلہ حادثہ کے حق میں ہو گا عنبر نے اُسے یہی بتایا تھا شہزادی اس پر مائل ہو گئی اور اُسے اپنے شوہر کے طور پر قبول کر چکی ہے اب تو صرف سلطان معظم اور شہزادہ شعیبان کو اطلاع دینا باقی رہ گیا ہے اور سوال کے آخری ہفتے میں یہ مرحلہ بھی طے ہو جائے گا جبکہ سوال کو کنیز بھی اپنی ماکن کے ساتھ اُن چھو ہو رہی تھی۔

دونوں نے فرار کی تیاریاں مکمل کر لی تھیں، حتیٰ کہ دو مموور اٹلیا اور ٹھیک تیسرے پہر انھوں نے قصر کے پھاٹک پر پہرہ دینے والے حبشی محافظوں کو زور و سامان کے ساتھ فضا کی جنوبی بستی انھوں کی طرف روانہ کر دیا۔ حمار سے اُسے نیل کے ساحل پر پہنچا تھا۔ لوگابن جبر

اور شہزادی نجم کے تعلق سے آگاہ ہو چکا اور اُسے القطار نے میں چھوڑ جانا مصیبت کے خلاف تھا۔ اب وہ بھی فرار میں شامل کر لیا گیا تھا اُسے آگے آگے روانہ کر کے شہزادی اور کینز دونوں عام مصری عورتوں کے لباس میں تھمرے نکلیں اور یہ سفر ترانہ کہ مشہور نفیسہ کی زیارت کرنے جاری ہیں اور فدا و بر سے واپس آئیں گی۔

القطار نے نکل کر اور اسکر کی عمارتوں کو بائیں طرف چھوڑ کر وسط طے کے پر رونق علاقے میں داخل ہوئیں اور پھر سے گزرتی جنوبی شہر پناہ سے نکل کر المقتض کی جانب ہوئیں آئی جبر اور مردوں، عورتوں کی آمدورفت کے درمیان کسی نے ان پر توجہ بھی نہ دی۔ البتہ دو بزرگ پیش خواتین کا شہر سے نکل کر المقتض کی طرف جانا ایکس جون کا دینے والی بات تھی۔ عورتیں کوکھو بھی اس جانب سے نکل کر گئے تھے کیوں کہ کبھی کبھی شہر پناہ کی مغربی اور جنوبی دیواروں کی جانب دریا کا پانی چڑھا آتا تھا جس کے باعث شہر پناہ سے لے کر نیل کے ساحل تک زمین کے نشیبی حصے اور گڑھے جھیلوں کی شکل اختیار کر لیتے تھے۔ خاص طور سے غامین کی بستی المقتض کے آس پاس جو نیل کے قریب واقع تھی کھیت۔ پانی کو کھڑا اور گارے سے بھرے رہتے تھے اور کھیتوں کی پگڈنڈیوں یا مٹریوں سے پانی کی کھڑا سے پڑ کر گزرنا مشکل تھا۔

شہزادی نجم اور سوڈانی کینز غنبر بڑی ہوشیاری کے ساتھ القطار سے نکل آئیں اور کسی کو ان پر شبہ تک نہ ہو سکا کہ عام مصری خواتین کے لباس میں دراصل اہم عورتیں شہر سے نکل رہی ہیں لیکن نقد بر جنوبی علاقے اور المقتض کے آس پاس اپنے دام بچھا کر بیٹھ گئی تھی۔ انہوں نے تھا کہ جب تھمر نجم کا جتنی غلام ڈنگا سامان اٹھائے فسطاط سے گزر رہا تھا تو ایک حادثہ کی نظر میں آگیا، جو اُس روز اتفاق سے جنوبی فسطاط میں کسی آدمی سے ملنے آیا تھا اور ایسے ہی اتفاقات کے پس پردہ تقدیر کے پیرامور ہاتھ اپنا کام کر رہے ہوتے ہیں۔ حادثہ ڈنگا کو دیکھ کر چونک گیا کہ تھمر نجم کے جتنی غلام اکاؤھر کیا کام پہ پھر اس جہت کے پیش نظر کہ کھر جاتا ہے کچھ فاصلے سے اُس کا تعاقب کرنے ڈنگا کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہو سکی کہ کوئی اس کا تعاقب کر رہا ہے۔ وہ شہر پناہ کے جنوبی دروازے سے نکل کر المقتض کی جانب ہو گیا تو حادثہ کا جھگڑا اور بڑھا اور وہ بھی شہر پناہ سے نکل کر ایک خشک پگڈنڈی پر پہنچے تھے چنانچہ ڈنگا کم و بیش ایک ڈیڑھ فرلانگ آگے تھا۔ اس علاقے میں چونکہ سرکنڈوں اور نرسوں کے پورے سر اٹھائے کھڑے تھے اور کچھ فاصلے پر کھیتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اس لیے حادثہ

ان کی آدھیں ہر آسانی آگے بڑھتا رہا۔ اُسے شہر ہوا کہ ڈنگا تھمر نجم سے کوئی قیمتی سامان چڑا لیا اور اب ایسے راستے سے فرار ہو رہے تھے جو لوگوں کی آمدورفت نہیں ہوتی۔ دونوں شہر پناہ سے تقریباً نصف میل دور نکل آئے تھے اور پانی کی کھڑا گارے سے بھرے کھیتوں کا راستہ شروع ہو گیا تھا کہ ناگہاں ڈنگا نے پیچھے مڑا کر دیکھا۔ حادثہ بڑی تیزی اور ہوشیاری سے نرسوں کی اوٹ میں ہو گیا۔ ڈنگا اُسے دیکھ نہ سکا اور اپنے عقب پر نظر دوڑا کہ پھر المقتض کے رخ آگے بڑھنے لگا۔ اب حادثہ نے بھی نرسوں کی اوٹ سے پیچھے کی جانب دیکھا تو وہ مصری خواتین شہر پناہ کے دروازے سے نکل کر اسی راستے پر آتی دکھائی دیں جس راستے پر وہ ڈنگا کا پچھا کر رہا تھا۔

حادثہ کی دل چسپی کے ساتھ حیرت بھی بڑھی کیوں کہ عام مصری خواتین کے پہناوے میں ہونے کے باوجود حادثہ نے ڈنگا کے حوالے سے دونوں عورتوں کو پہچان لیا تھا ان کے لباس وہی تھے جو ایک مرتبہ پہلے بھی نیل کی بندرگاہ پر دیکھ چکا تھا اور اب وہ یقین سے کہہ سکتا تھا کہ ان میں ایک شہزادی نجم العلیل اور دوسری اُس کی سوڈانی کینز غنبر ہے۔

تین ماہ قبل اُس نے دونوں کو اسی لباس میں ابن عرب کے پیچھے پیچھے پیچھے سے نیل کے ساحل پر اترتے دیکھا تھا۔ آج انھیں ڈنگا کے پیچھے پیچھے المقتض کے ستے نیل کی طرف جاتے دیکھ رہا تھا، بار سے حیرت کے پورے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔ اب اُسے ڈنگا سے کوئی دل چسپی نہ کی تو نرسوں میں چھپ کر بیٹھا رہا اور جب دونوں عورتیں نرسوں کے جھنڈے سے گزر کر پانی کی کھڑا گارے سے بھرے کھیتوں کی جانب ہوئیں تو وہ بھی کچھ فاصلے سے ان کا تعاقب کرنے لگا۔ اُس نے اندازہ کر لیا کہ ڈنگا جو ان سے نصف میل آگے تھا المقتض کی بستی کو اپنے دائیں ہاتھ چھوڑتا ہوا کھیتوں کے سبز چوں بزم نیل کے ساحل کی طرف بڑھ رہا تھا اور دونوں عورتیں بھی اُس سیدھا میں بڑی احتیاط سے قدم اٹھاتی چلی جا رہی تھیں گویا ان کا مقصد سفر نلا میں کی بستی نہیں نیل کا ساحل تھا۔

اب حادثہ رخ کاٹ کر اور المقتض کو چھوڑ کر دوسرے راستے نیل کی جانب بڑھا مگر یہ احتیاط ضرور کی کہ ڈنگا یا تھمر نجم کی خواتین اُسے دیکھ نہ سکیں کھیتوں کے درمیان کچھ بھرا راستہ عبور کرنا بے شک دشوار تھا لیکن ڈنگا کے پیچھے پیچھے دونوں عورتیں وہ مشکل راستہ طے کر کے آخر نیل کے ساحل پر نمودار ہوئیں اور حادثہ یہ دیکھ کر حیرت کے سکتے میں آگیا کہ ساحل

پراہن حرب ان کا منتظر اور ایک سفینہ بھی کنارے پر موجود تھا۔

ابن حرب کو دیکھتے ہی دونوں عورتوں نے اپنے نقاب اٹھا دیے۔ وہ شہزادی نجم اور اس کی سوڈانی کنیز غنبرہ ہی تھیں۔ حارث اُن سے صرف نصف فرلانگ کے فاصلے پر ساحل کی چھاپوں میں چھپا اُنھیں دیکھ رہا۔ اور اُن کی باتیں سن رہا تھا۔ یہ جان کر اُس کے ہوش و حواس پر بجلیاں سی ٹوٹ پڑیں کہ شہزادی نجم ابن حرب کے ساتھ فرار ہو رہی تھی اور اُنھیں سینے میں دریا کے اگلے رخ سفر کرنا تھا۔

سورج نیل کے مغربی ساحل پر حبزہ اور اہرام کی مخروطی چوٹیوں کے پیچھے مغربی افق کی جانب بھک رہا تھا اور مشرقی ساحل پر شہزادی نجم، ابن حرب، سوڈانی کنیز عنبر اور حبشی غلام ڈنگا سفینے کی طرف بڑھ رہے تھے کہ ناگہاں حادثہ پر حیرت کا سکہ ٹوٹا اور وہ میاں سے تلوار کھینچتا ہوا اپنی مکین گاہ سے باہر آگیا۔ اُس کی موجودگی میں شہزادی نجم کو جو اُس کی محبت اور زندگی تھی بھگا کر لے جانا ممکن نہ تھا۔

ابھی حرب نے بھی ساحل کی طرف بڑھتے ہوئے ایک کھٹکا اُسے دیا اور پلٹ کر دیکھا تو حارثہ کو اپنے عقب میں تیغ بہ کف آتے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ شہزادی نجم، عنبر اور ڈرگاہ نے بھی اُسے دیکھ لیا۔ اُس کانٹیل کے ساحل پر ناگاہانہ نکل آنا ایک ایسا ہوش رُبا اور ہولناک منظر تھا جس نے انہیں لرزادیا کہ وہ دیکھ لیے گئے ہیں اور اب شاید فرار ہونا ممکن نہیں رہا۔ فوری طور پر ہی خیال گزرا تھا کہ اُن کے فرار کا راز کھل گیا اور حارثہ نے اپنے آدمیوں کے ساتھ ساحل پر انہیں گھیر لیا ہے مگر اُس کے پیچھے یا اُس پاس طولونی فوج کا کوئی سپاہی نہ تھا۔

ابھی حرب نے بھی حارث کو بڑھتے دیکھ کر بجلی کی طرح تلوار کھینچ لی تھی۔ اس لڑائی کے لیے کسی اعلان کی ضرورت نہ تھی۔ دونوں اس کا سبب جانتے تھے پھر ناگہاں اُن کی تلواریں ٹکرائیں اور ایک عورت کے لیے دو مردوں کے درمیان جنگ شروع ہو گئی جس کا انجام ان دونوں میں سے کسی ایک کی موت پر ہو گئے والا تھا۔



فسطاط کی دریائی بندرگاہ سے تقریباً ڈیڑھ دو میل جنوب کی سمت نیل کے ساحل پر طولی شہزادی کے دو دعوے دار ایک دوسرے سے بدسریکا رتھے اور وہ خود اپنی ٹوٹانی کینز عنبر اور ہیشی غلام ڈنگ کے درمیان کھڑی اس خطرناک لڑائی کے انجام کی منتظر تھی۔

ابھی تک حادث کے علاوہ کسی فوجی کی شکل نظر نہ آئی تھی پھر بھی خطرہ تھا کہ تنہا سرگرم نہ ہو گا۔ سورج مغربی صحراؤں میں غروب ہونے کا تیار ہوا کر رہا تھا اور نیل کے مشرقی ساحل کے پشتے پر دو حریفوں اور رفیقوں میں جنگ جاری تھی۔ اس طرف دریا پر اترنے والی شام کا سناٹا طاری تھا اور اس سناٹے میں ان کی تلواروں کا لڑا باہم ٹکرا کر خوف ناک جھٹکار پیدا کرتا تھا جس کا ہول دونوں میں اتر رہا تھا، عجیب بات یہ تھی کہ دونوں حریف خاموشی سے ایک دوسرے پر وار کر رہے تھے کسی نے کوئی گفتگو نہیں کی، جب کہ اس قسم کی ذاتی لڑائیوں میں غزوہ بات کے ذمہ نعروں کے علاوہ بات تلخ کلامی اور گالی گلوچ تک بھی منع جایا کرتی ہے لیکن ان کی زبانیں خاموشی اور صرف تلواریں بول رہی تھیں۔ حادث کے واقعے سے کہیں زیادہ تیز اور خطرناک تھے اس تیزی اور طراری کی وجہ غالباً یہ تھی کہ اس کا رقیب شہزادی کو اس کی شہزادی کے سامنے آندا کر کے لیے جا رہا تھا کہ اس کے لیے یہاں پہنچے اور حیرت کی بات یہ تھی کہ شہزادی خود انخوا یا ابن عرب کے ساتھ نزار ہو رہی تھی۔ اس ٹم وعظہ میں چاہتا تھا کہ وہ اپنے حریف کا خاتمہ کر دے اور اس بے وفا عورت کو جو اسے اپنے چھوٹی بہتہ

قریب دیتی رہی، کلائی سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا القطارے میں لے جائے اور سلطان خار دیہ جلوس کے قدموں میں جا پھیلے کیوں کہ وہ بھائی کے ناموس پر بدنامی کا داغ لگا کر اپنے عاشق کے ساتھ بھاگ رہی تھی۔

حادث کو یقین تھا کہ اگر اُس نے حریف کو مار گرایا اور شہزادی کو فرار ہونے سے رک لیا تو بی طوون میں اُس کی فدا داری اور خدمت گزاری کا مزہ چرچا ہوگا اور سلطان کی نظر میں قدر و منزلت پہلے سے بھی بڑھ جائے گی پھر نجم اسیل زبردستی اُس کے حوالے کر دی جائے گی۔ جہاں تک سوڈانی کیز اور حبشی غلام کا معاملہ تھا ان کی موت ہر حال میں یقینی تھی۔ ابن حرب کو بچاؤ دیتے اور اُس کا سر کاٹ لینے کے بعد وہ اپنی تلوار کے ایک ہی دار سے غنہ اور ٹوٹکا کو جام مرغی بنا لیتا تھا اس لیے مارے جوش اور غصے کے بڑھ چڑھ کر حملے کرتا تھا کہ اپنے حملوں کی وحشت سے حریف کو اس قدر دہشت زدہ کر دے کہ وہ زخم کھاکر گرے اور اس کا کام اتما کرے۔ سورج مغربی صحراؤں میں اُتر گیا تھا اور اہرام کی بندوبست کے درمیان افق پر خون کبود کی سی شریاں بکھر گئی تھیں۔ شام کے اس جھپٹے میں حادث نے اس جنگ کو ذرا طول دینے کی کوشش کی کہ آسمان کے ماتھے پر ستارہ شام طلوع ہونے کو اپنا آخری وار کرے۔ وہ نجم ساد کو اپنی خوش بختی کا ستارہ کہتا اور اسی سے رہنمائی حاصل کرتا تھا اس نے بھانپ لیا تھا کہ حریف اس سے کچھ دب رہا ہے خود ہی اس کی توجہ بھی سوچ لی کہ وہ طوونی شہزادی کو اغوا کرتا ہوا پکڑا لے اور مجرم فمیر اسے شرمندہ کر رہا ہے گویا اس ذاتی جنگ میں اخلاق اور ضمیر کی قوت بھی رقیب کے خلاف اس کے شامل حال تھی اور اب منتظر تھا کہ کب ستارہ شام طلوع ہوتا ہے۔

حادث کی یہ تمام قیاس آرائیاں غلط تھیں۔ ابن حرب نہ اس سے کمزور تھا نہ ضمیر کی خوش اسے پریشان کر رہی تھی۔ شہزادی کی طرح وہ بھی اسی وہم میں تھا کہ شاید حادث نے اپنی فوجی جمعیت کے ساتھ اسے گھیر لیا اور زندہ گرفتار کرنا چاہتا ہے اسی لیے اسے اُلجھا رہا تھا کہ رات تھا۔ آخر ابن حرب بھی سمجھ گیا کہ بد نصیب حادث بالکل تنہا ہے۔ اگر کوئی ساتھ ہے تو صرف اُس کی تقدیر۔

شفق کی سیاہ ہوتی سرخیوں کے اوپر شام کا ستارہ چمکے لگا تو حادث نے پوری شدت کے ساتھ حملے شروع کر دیے۔ اب ابن حرب بھی یہ قصہ جلد از جلد ختم کر کے فسطاط سے روانہ ہونا چاہتا تھا حادث غصے کے جوش میں ذرا آگے بڑھ آیا اور دریا کے پتے پر اس کا پاؤں

کچھ غلط پڑ گیا۔ اگرچہ یہ غلط حرکت ایک پل کی تھی لیکن اسی ایک پل کے اندر ابن حرب کی تلوار کا ٹوہا اس کے دائیں کندھے میں اتر گیا دار فشا کاری تھا کہ پورا بازو بے کار ہو گیا۔ دوسرا ہاتھ تلوار پر مارا جو حادث کے قبضے سے نکل کر دور جا پڑی۔ وہ لڑکھڑایا اور سنبھلنے کی کوشش میں نیچے گر پڑا۔ اسی آن ابن حرب کی تلوار بلند ہوئی اور حادث کا خاتمہ کرنے کے آ رہی تھی کہ شہزادی نجم چلائی۔

”ابن حرب! دشمن کو ہلاک نہ کرنا“

اس نے تلوار روک لی اور تعجب سے پوچھا۔ ”کیا اسے نشان دہی کے لیے زندہ چھوڑ جاؤں؟“

”زندہ یا مردہ چھوڑ جانا خطرناک ہوگا۔ ساتھ لے چلو“

حادث زمین پر پھرت پڑا دونوں کی گفتگو بھی سن رہا تھا اور آسمان کی پیشانی پر ستارہ شام کو جھلکتے ہی دیکھ رہا تھا جو اس کی شکست و ناکامی پر مسکرایا تھا اس نے جوش کے عالم میں اٹھنے کی کوشش کی مگر اسی وقت ابن حرب نے سر پر اس شدت کی ٹھوک لگائی کہ اُنکھوں کے سامنے شام کا جھلکا سا ستارہ ماند پڑ گیا اور شعور اندھیرے میں ڈوبنے لگا پھر ہوش جاتے رہے اور وہ لاش کی طرح چت ہو گیا۔

ابن حرب نے ساحل کے پتے پر کھڑے ہو کر دریا کی طرف نشیب میں دکھایا وہاں بستے پانی پر چمکتا رہا کچھ دور تھا ایک لمبی افزائشی ناؤ کھڑی تھی جس کی چوڑائی نسبتاً کم تھی تاؤ میں چار مستعد قاتلوں کے علاوہ ابن حرب کا غلام عبداللہ اور حجر میں مقیم بدڑی قبیلے بنو جنہام کا سردار دیان بھی موجود تھے۔ اس نے دونوں کو اوپر آنے کا اشارہ کیا۔ ناؤ میں بیٹھے وہ دریا کے پتے پر ہونے والی لڑائی کا منظر نہ دیکھ سکتے تھے مگر اوپر آکر ایک خون آلود آدمی کی لاش دیکھی تو دلگ رہ گئے۔ ابن حرب ان سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

”ابھی یہ مرا نہیں، زندہ ہے۔ اس کے ہاتھ باندھ لو۔ منہ میں کپڑا اٹھو نس دوا اور ناؤ میں لے چلو۔ یہ بھی ہمارے ساتھ جائے گا۔“

سردار دیان اور عبداللہ نے فوراً حکم کی تعمیل کی مگر حادث تن و توشش کا بھاری تھا۔ دریا کا پتہ اترنے اور اسے ناؤ تک پہنچانے میں حبشی غلام ڈنڈگانے بھی ان کا ساتھ دیا۔ پھر ابن حرب نے حادث کی تلوار اٹھائی اور شہزادی نجم کو سہارا دے کر پتہ اترنے لگا۔

سامان کی گھڑی اٹھائے، ان کے پیچھے پیچھے تھی۔



انزلیقی قسم کی بادبانی ناؤ میں کوئی حجرہ نہیں تھا مگر کم از کم ۲۵ آدمیوں کا وزن برداشت کر سکتی تھی۔ وہ ملاحوں سمیت گل گیر تھے۔ دریا کے اُسے رخ سفر شروع ہوا تو ناؤ کے بادبان کھول دیے گئے اور چاروں ملاح بہ یک آہنگ چپو چلانے لگے۔ دریا کی روانی کے خلاف سفر کا انحصار عموماً ہوا کرتا ہے اور ہوا شمال سے جنوب کی طرف چل رہی تھی۔ یعنی اُن کے موافق تھی ناؤ بہتے پانی کا سیلہ چیرتی بڑی تیزی کے ساتھ جنوب کی طرف تیرنے لگی۔ سفر شروع ہوتے ہی ابن حرب نے سردار دیان کو حادثہ کی مرہم چکی ہدایت کی اور بتایا۔ "بڑا فائدہ بخش دشمن ہے میں اسے زندہ رکھنا چاہتا ہوں۔"

حادثہ کے کندھے کا گوشت اُدھر گیا اور ہلوار ایک انگل تک اندر اتر گئی تھی جس سے شریانیں کٹ گئیں اور بدن لہو مان ہو گیا تھا سردار دیان اور عبداللہ اس کی مرہم چکی میں غرق ہو گئے، تو شہزادی نے شام کے اندھیرے میں سرگوشی کی "اُسے زندہ رکھ کر لیا کرو گے؟" "تھمارے حکم کی تعمیل۔" ابن حرب نے بھی مدھم آواز میں جواب دیا "اُمحی نے مجھے اس کی ہلاکت سے منع کیا تھا۔"

دونوں ناؤ کے عقبی حصے میں بیٹھے تھے۔ عزیز بھی قریب تھی۔ شہزادی اسی سرگوشیاں نہ بولے میں بتانے لگی۔ "ہم نے اس لیے منع کیا تھا کہ اگر اس کی لاش دہاں چھوڑ آتے یا دریا میں بہا دیتے تو بھی کوئی نہ کوئی اسے دیکھ لیتا۔ حادثہ کی لاش دریافت ہوتے ہی نہ صرف ہمارے فرار کا راز فاش ہو جاتا بلکہ فرار کی سمت کا بھی پتا چل جاتا اور مصری ملاح گشتیاں اور سیفنے لے کر ہمارے تعاقب میں دوڑ پڑتے۔"

"بہر حال میں تمہارے بروقت مشورے کا بے حد ممنون ہوں۔ حادثہ کو ساتھ لے آئے سے ایک ایسا کام ہو گیا ہے جس کے متعلق شاید تم نے سوچا بھی نہ ہو گا؟"

"کون سا کام؟"

ابن حرب کے اونٹوں پر ایک سفاکانہ مسکراہٹ تیر گئی جسے نیل کے ملگے اندھیرے نے کچھ اور بھیلا دکھایا کیوں کہ ناؤ اب وسط دریا میں مخالف رخ اڑی جا رہی تھی۔ "تھمارے"

ساتھ حادثہ کی گشتگی سے یہ سمجھا جائے گا کہ وہی تھیں کہیں انکار کے لیے کیا ہے۔ تمہارا طلب کا جو تھا۔ تھیں میرے ساتھ ناؤ میں سوار ہونے ستارہ شام کے سوا اور کسی نے نہیں دیکھا۔ یہ بھی کوئی نہیں جانتا کہ تم اپنی مرضی سے بھاگ رہی ہو مگر کل جب حادثہ بھی اقطاع سے غائب ہو گا تو اس کے سوا کوئی دوسرا تہیہ نکل ہی نہیں سکے گا کہ تم حادثہ کے ظلم کا شکار ہو گئی اور تھیں انکار کرنے والا وہی ہے۔"

شہزادی اس کی زبان سے یہ انوکھی گھڑت سن کر حیرت زدہ سی رہ گئی اور بولی "جینک ہماری اور حادثہ کی اکٹھی گشتگی یہی شبہ پیدا کرے گی کہ یا تو ہم اس کے ساتھ بھاگ گئے یا وہ ہمیں زبردستی انکار کے لیے گیا اور ہم چوں کہ اس کا "منہ مانگا انعام لینے پر تیار نہیں تھے اس لیے وہی ہمیں لے بھاگا۔"

"جیسی میں اپنے رقیب کو ساتھ لے آیا اور تمہارے اغوا و فرار کی ساری پریشانیوں اقطاع میں چھوڑ آبا ہوں۔ اب شاہی سوار حادثہ کو تلاش کرتے پھر میں گئے۔"

"ہم تو حادثہ کو اچانک نمودار ہوتے اور تم سے اُلجھتے دیکھ کر گھبرائے تھے کہ شاید اس نے اپنے محافظوں سمیت ہمیں گھیر لیا ہے۔"

"نیلے میرا بھی یہی خیال تھا کہ وہ کیا نہیں اسی لیے مقابلے میں اسے طرح دینا کہ اگر کوئی حمایتی اُس پاس چھپ کر بیٹھا ہے تو پھل آئے مگر وہ اکیلا اسی تھا۔"

"ہم ابھی تک حیران ہیں کہ اس نے ہمارا تعاقب کہاں سے شروع کیا اور ہمیں کیسے پہچان لیا۔"

"اُس نے تمہارا نہیں غالباً ڈنگا کا تعاقب کیا تھا۔ تم اور عزیز اچانک اس کی نظروں میں آ گئیں وہ تم دونوں کو عام مصری عورتوں کے لباس میں پہنے بھی دیکھ چکا تھا اس لیے سامنے آ گیا۔"

شہزادی کبیر نے اپنا نام سنا تو ذرا قریب کھسک آئی اور آہستہ سے گویا ہوئی۔ "ایک مرتبہ میں اسے چکر دے چکی تھی اس بار تقدیر نے دھوکا دیا اور خود آپہنسا اچھا ہوا اکیلا تھا۔"

ابن حرب نے لفظوں کی چٹکی بھری "اکیلا تھا اسی لیے ساتھ لے آیا ہوں کہ حادثہ سے تمہارا دوستانہ چٹا رہے۔ تم بھی تو اس پر بڑی مہربان ہو گئی تھیں؟"

ناؤ ٹھیک اسی روشنی کے مقام پر دریائی پتے کے ساتھ آگئی تو من فرماہل پر اتارے
ابن حرب نے شہزادی اور کنیز دونوں کو ہمارا دسے کر اتارا۔ حادث کے زخموں کی مرہم پٹی ہو
چکی تھی اب بوش میں آگیا تھا اور کھلی آنکھوں سے حیرت ٹپک رہی تھی مگر بول نہیں سکتا تھا
کہ مذہب پر اٹھنا تھا اپنے پیروں سے چل نہ سکتا تھا کہ دونوں پر بندھے ہوئے تھے پہلے
کی طرح سردار دریاں، عبداللہ اور ڈوگایونوں نے مل کر اُسے اٹھایا اور ناؤ سے اتار کر
ساحل پر لایا۔

حادث کو اتارے ہی سردار دریاں نے چاروں تاجروں کو انعام دے کر رخصت کر دیا۔
انہیں بدلتور جنوب کے رخ یعنی سوف کی طرف کسی مقام پر جانا تھا۔ جو نیل کے مغربی ساحل پر واقع
تھا انعام لیتے ہی وہ آٹا فانا روانہ ہو گئے۔

دریا کے پتے پر سردار دریاں کا نائب اُن کا منتظر تھا۔ شہزادی نے نظر اٹھا کر دیکھا تو
پتے کی اوٹ میں شہزادوں کا پورا دستہ موجود تھا۔ سواری کے لیے تیز رفتار ساندئیاں بھی
تھیں۔ ایک ساندنی پر محل بھی دکھائی دیا۔ وہ سارے انتظامات دیکھ کر حیران ہوئی۔ ابن حرب
ایسے جمعیت کے ساتھ اُسے لینے آیا تھا، جسے شاید مصری رسالہ بھی روک نہیں سکتا تھا اب اس پر
اپنے جنگ جو محبوب کی شخصیت اور اہمیت واضح ہونے لگی۔ غمزہ اور ڈوگایون بھی شہزادوں کو دیکھ
کر ہونچکے سے رہ گئے۔

شہزادی کے ساتھ غمزہ محل میں سوار ہوئی۔ زنجی حادث کو عبداللہ نے اپنے ہمراہ کہا جسے
پر لاد اسے حادث کی اصلیت اور اپنے آقا سے عداوت کا حال معلوم ہو چکا تھا اور بڑی سختی
سے اس کی نگرانی کر رہا تھا۔ ابن حرب سردار دریاں اور ڈوگایون ساندنیوں پر سوار ہو چکے تو
شہزادوں ساندنیوں کو اپنے حلقے میں لے کر جنوب مشرق کی طرف ہو بیٹے۔

بنو حنظلہ کا سردار دریاں قافلے کا راہنما اور جنوب مشرقی راستے سے خوب واقف تھا۔
وہ راستے دشوار گزار اور بڑے جھکوں کے تھے۔ اس علاقے میں آبادی کم تھی جس کے
درمیان طویل اور خطرناک فاصلے حامل تھے۔ ویسے ہی مصر کے اہم شہر اور قصبے نیل کے دونوں
ساحلوں پر آباد ہیں اور ان کی ساری شادابی اور رونق نیل کے ساتھ ہے مگر جنوب مشرقی
مصر دشوار گزار پہاڑیوں، بنجر میدانوں اور صحراؤں پر مشتمل تھا اس علاقے میں شاذ و نادر ہی
کوئی قافلہ سفر کرتا۔ البتہ دور دراز بستیوں میں رہنے والے لوگ کبھی کبھی کسی راستے پر

غزیرے فوراً وضاحت کی۔ ”میرا اس سے کیا واسطہ۔ میں تو شہزادی صاحبہ کی وسالت
سے آپ کی لوندی ہوں اور آپ کی لوندی ہو کر کسی غیر سے دوستی کیوں کروں؟“

ابن حرب نے شہزادی کا ہاتھ دبا دیا۔ ”تم نے دیکھا تم اب حادث کے پاس غمزہ کو دینے
کے لیے قیمتی سوغاتیں نہیں۔ بچا رہ خالی ہاتھ ہمارے ساتھ چل دیا ہے، تو غمزہ نے اس کے
دوستانے ہی سے انکار کر دیا۔ سب نے ٹھیک کہنے ہیں کہ دنیا مطلب کی ہوتی ہے۔“

اس کا خیال تھا بنجم الیل اس خوش طبعی کا پورا سا ہاتھ دے گی اور غمزہ کو چھوڑے گی
جو حادث کو دونوں ہاتھوں سے لٹتی اور شہزادی کے علاوہ اس کے ساتھ اپنی رغبت کا بھی اظہار
کرتی رہتی تھی لیکن طوبی خانہ نے اس کی خوش طبعی کو سنجیدگی میں بدل دیا اور اتنی مرہم
آواز میں جسے غمزہ بھی سن سکتی تھی کہا۔

”ابن حرب! غمزہ ٹھیک کہتی ہے تم جیسے بہادر اور جواں مرد کی لوندی ہو کر کسی غیر سے
دوستی کیوں کرنے لگی۔ حادث کے ساتھ تو اس نے ایک چال کھیلی تھی ورنہ غمزہ جیسی ہماری
وفادار ہے اسی طرح تمہاری وفادار رہے گی۔“

وہ یہ سن کر چونک سا گیا کہ شہزادی غمزہ کی ایک خاص حیثیت متعین کر رہی ہے۔ اسی
لئے شہزادی بنجم نے چاندنی میں جوشام کے اندھیرے پر غالب آگئی تھی۔ غمزہ اور ابن حرب کے
ہاتھ پکڑ کر اپنے ہاتھوں میں اٹکے کیلئے اور بولی۔ ”ابن حرب! ہمارے درمیان کوئی غیرت نہیں
ہم نینوں ایک ہیں۔“

اس نے طوبی شہزادی کا مطلب سمجھ لیا اور اس سے اتفاق کیا۔ ”بنجم! مجھے تمہاری ہر
بات منظور ہے۔“

نیل کے دونوں ساحلوں پر چاندنی کا اُٹھال پھیل گیا تھا۔ سوال کا چاند ایک طرف
آسمان پر فرودزاں ہو گیا۔ دوسری جانب بتے نیل میں غوطے کھا رہا تھا اور دریا کی لہریں اس
کے لرزے ٹکس کو کئی ٹکڑوں میں تقسیم کر رہی تھیں۔ اچانک ناؤ وسط دریا سے مشرقی ساحل کی
طرف رخ بدلتے لگی۔ بانولہ ی باتوں کیس اچانک ڈھائی تین میل کا سفر طے ہو گیا تھا۔ باؤٹل
موافق تھی رطوبت چھلٹے اور ہواؤں کے خلاف ناؤ کھینے میں بڑے مایوس اور مستعد تھے دریا
کے مشرقی پتے پر آکر ڈکی روٹنی نظر آ رہی تھی اور وہی روشنی اُن کے مختصر سے دریائی سفر
کا نقطہ انجام تھا۔

چلتے دکھائی دیتے تھے ورنہ کسی اجنبی کا ادھر گزرنہ ہوتا تھا۔ جنوب مشرقی مصر کی اس جغرافیائی خصوصیت اور راسخوں کی دشواری کے باوجود شہزادی نجم کے فرار کا سفر رات ہی کو مناسب سمجھا گیا تھا۔ یہ احتیاط اس لیے ملحوظ رکھی گئی تھی کہ کوئی مصری قافلے کو منفر کرتے دیکھ نہ سکے حتیٰ کہ اگر سردار دیان کے بس میں ہوتا تو اس علاقے کے پیادوں پہاڑی راستوں، بجز میدانوں اور صحراؤں کو بھی خبر نہ ہونے دیتا کہ ادھر سے کوئی قافلہ گزر رہا ہے۔

انھیں دھائی دن میں تقریباً دھائی سو میل کا دشوار گزار سفر کرنا اور تیسرے دن شام سے قبل بحیرہ قلزم (احمر) کے ساحل پر اس جگہ پہنچنا تھا، جہاں سے وہ سمندر عبور کر کے بحیرہ قلزم کے اس پار راس محمد پر اندر سکتے تھے جس کی ساحلی پٹی دوزخ سمندر کے اندر چلی گئی ہے نیل کے سرسبز دشا اب علاقے کو بڑی تیز رفتاری سے جوڑ کرنے کے بعد رات کے دوسرے پہر وہ جنوب مشرقی مصر کے اس ریگستان میں داخل ہوئے جو عربی صحرا کے نام سے شہرت رکھتا اور جنوب کی طرف میل بمیل تک پھیلتا چلا گیا ہے۔ مشرق میں یہ صحرا اس پہاڑی سلسلے سے جاملتا ہے جو خلیج سویز سے بحیرہ قلزم کے جنوب تک شمالاً جنوباً وسیع و طویل اور بحیرہ احمر یا بحیرہ قلزم کا پہاڑی سلسلہ کہلاتا ہے۔

”عربی صحرا“ بھی اگرچہ بڑا دشوار گزار سمجھا جاتا ہے مگر سردار دیان کے ہمراہ جو شہسوار بھیج گئے وہ بادیہ شام جیسے خطرناک صحرا سے گزر چکے تھے۔ خود ابن حرب صحرائی جو کھوں کا تجربہ رکھتا تھا اس لیے چاندنی رات میں ریگستان کا سفر بھی خاصی تیزی سے طے کیا گیا بلکہ چاند غروب ہو جانے کے باوجود قافلہ چلتا اور سردار دیان اندھیرے میں اس کی راہنمائی کرتا رہا قافلے کے راتے متعین اور سفر کے اوقات طے شدہ تھے جن کے مطابق پہلی رات اُسے فسطاط سے تقریباً ایک سو میل دور نکل جانا اور سورج کی پہلی کرن کے ساتھ ہی کسی محفوظ مقام پر پڑاؤ ڈالنا تھا جس کی نشان دہی پہلے ہی کر دی گئی تھی کہ قافلہ یہاں رُکے گا گویا ساری رات سفر اور سارا دن پڑاؤ میں آرام کرنا تھا۔ دن کے اُچالے میں سفر کی ممانعت تھی کہ مبادا کہیں قافلہ بمقصد نظروں میں نہ آجائے۔ طے شدہ اوقات کے مطابق سفر جاری تھا۔

حادثہ زخمی اور اسیر تھا اس لیے صحرا کا سفر اس کے لیے بڑا تکلیف دہ ثابت ہوا۔ تیز رفتاری کے باعث کچا دے میں پھوٹے گتے سے زخم میں ٹیسپیں اٹھتی رہیں مگر اس بات پر سخت حیران و پریشان تھا کہ ابن حرب، شہزادی نجم کے ساتھ اسے لیے کہاں لے جایا ہے۔ عبد اللہ

سے پوچھنے کی کوشش کی مگر اس نے زبان نہیں کھولی، خود جنوب مشرقی مصر کے راستوں اور منزلوں سے آگاہ نہ تھا کبھی اس جانب سفر ہی پیش نہ آیا تھا، پھر اُس نے چاند کے غروب ہونے اور ستاروں کی رفتار سے اندازہ لگایا کہ قافلے کا رخ جنوب مشرق کی سمت ہے۔ سوچنے لگا، کہیں ابن حرب کی منزل میں تو نہیں؟

اس کے برعکس ستاروں کی چھاؤں میں صحرا کا تھا کھکا دینے والا سفر شہزادی نجم کے لیے راحت بخش تھا۔ وہ محل میں آرام کر سکتی تھی مگر جاگتی اور ”صحرائے عرب“ کی ہوا کے جھونکوں کو اپنے بدن سے چھو کر گزرتے محسوس کرتی رہی۔ وہ اس صحرا سے ان بڑے صحرائوں کی طرف جا رہی تھی جہاں اس کے خوابوں کی تعبیر ملنے والی تھی۔ ابن حرب کی ساندڑی اس کے محل کے ساتھ ساتھ چلتی رہی۔

صبح کاذب کے وقت سفر کی رفتار مزید تیز کر دی گئی جو پو پھٹنے کے بعد بھی تیز رہی، مگر جو نبی مشرقی افق پر جو ان کی نظروں کے سامنے تھا شفق کی سرخیاں نمودار ہوئیں سرد دریاں نے قافلے کا رخ ان پہاڑی چٹانوں کی طرف موڑ دیا، جو صحرا کے درمیان یوں کھڑی تھیں، جیسے بحر زمین پر ٹھوہر کھڑے ہوں نقشے کے مطابق قافلے کو واپسی پر انہی چٹانوں کے درمیان پڑاؤ ڈالنا اور دن بھر آرام کرنا تھا۔

طلوع آفتاب کے ساتھ ہی سفری جیسے تان دیے گئے اور رات بھر کے جاگے اور تھکے ماندے مسافر نیند کے صحرا میں بھٹکنے لگے۔ وہ فسطاط کو شکم و پیش ایک سو میں پیچھے چھوڑ آئے تھے مگر دریاں کے غلام دن کے اجالے میں بھی پڑاؤ کی نگرانی کرتے رہے۔



(۳۸)

گردِ رسوائی

یوں تو سب دن ایک جیسے ہوتے ہیں، سورج کے ساتھ دن چڑھتا اور اس کے ساتھ ہی ڈوب جاتا ہے مگر نجومیوں کی اصطلاح میں بعض دن سعد اور بعض نحس ہوتے ہیں اہل علم کے نزدیک بھی خدا زمانے یا دنوں کو پھرتا اور بدلتا رہتا ہے اسی لیے وہ منگ الایام خدا دلہا کی بات کرتے ہیں، ایام کی گردش کسی پتھر اور کسی مفہوم سے سہی، بہر حال آدمی پر اثر انداز ہوتی ہے۔

سوال: جس کا آغاز غروب شمس سے ہوا۔ بنی طرون کے لیے ایک مفوس دن تھا، ہر قمری مہینے کی ابتدا شام سے ہوتی ہے، جب غروب شمس کے بعد ہلال طلوع ہوتا ہے۔ اسی طرح قمری مہینے کا ہر دن شام سے شمار ہوتا اور رات دن کے اکٹھے پھر گزر جانے کے بعد اگلی شام پر ختم ہو جاتا ہے۔ سوال کو شام کے چھٹے میں شہزادی نجم الملک فسطاط کے ساحل سے فرار ہوئی اور ابن حرب اس کے ایام پر اپنے رقیب کو بھی گرفتار کر کے لے گیا، جس نے اپنی محبت کی خاطر فی طولون کی عزت و ناموس کو بچانے کی کوشش کی تھی مگر کامیاب نہ ہو سکا اسی رات القطار میں ایک اور واقعہ پیش آیا جو دراصل ایک ایسے خطرے کا نشان تھا، جو مستقبل میں بڑی سنگین صورت اختیار کرنے والا تھا۔

تیسری صدی ہجری میں عرب معاشرہ جہاں کئی قوموں، کئی رنگوں اور کئی نسلوں سے مخلوط تھا، وہاں اس مخلوط معاشرے میں کئی اخلاقی بُرائیاں اور خرابیاں بھی نمودار ہو چکی تھیں

اس داستانِ اسرار میں عربوں کی رزم آرائیوں کے ساتھ ساتھ ان کی ہزم آرائیوں بلکہ عسرت کوشیوں کا حال بھی اسناد کے ساتھ رقم کیا جا رہا ہے تاکہ اس دور کی صحیح معاشرتی زندگی قارئین کے سامنے آجائے۔ ہمارے پڑھنے والے جانتے ہوں گے یہ وہ دور تھا، جب عربوں پر ترکوں کا اثر غالب آ رہا تھا انھیں صرف لشکر و سپاہ پر اختیار حاصل نہیں ہو گیا تھا بلکہ حکومتی معاملات میں بھی ان کی گرفت مضبوط ہو رہی تھی مال و دولت کی فراوانی کے باعث عرب عیش و عشرت میں غرق ہو رہے تھے۔ ان کی محل سراؤں، کوشکوں اور حویلیوں میں حرموں کی تعداد تین تین چار چار سے کم نہ تھی۔ کنیزوں کی نفرتی بڑھ گئی تھی، غلاموں میں اضافہ ہو گیا تھا کسی رئیس، سردار یا شیخ قبیلہ کی دولت و حشمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاتا تھا کہ اس کے پاس کتنی بیویاں، کتنی کنیزیں اور کتنے غلام ہیں؟ گویا حرمیں اور لونڈیاں نمائش کی چیزیں تھیں۔ خوب صورت اور عالی نسب بیویاں اگر بڑے بڑے خان دانوں سے حاصل کی جاتی تھیں اور پڑوسی ملکی کنیزیں جنگلے داموں خریدی جاتی تھیں جن سے امراء اور شیوخ کی عزت و عظمت میں اضافہ ہوتا تھا اور جو کنیز کسی مالک کے بچے کو جنم دیتی وہ "ام الولد" کہلاتی اور از خود آزاد سمجھی جاتی تھی۔ اس دور کی سب سے بڑی قیامت، حسین اور زہراؑ کی غلاموں کی طرف رغبت تھی جنھیں ندیم، ہم نشین یا ساتھی کہا جاتا تھا۔ یہ قیامت بڑے طبقے میں عام تھی حتیٰ کہ بعض خلفاء

۱۔ خلیفہ مہدیؑ اپنے ندیم عمر بن نریج ابی حفص سے متعلق لکھا ہے۔

وہ تہمدلی نعیمی بانی حفص مندیہ

(اے خدا! ابی حفص کے طفیل میری نعمت پوری کر جو میرا ندیم ہے)

یہ شعر خلیفہ امین ابو عبد اللہ کے ندیم کوثر کی تعریف میں کہے گئے ہیں۔

ما تہم اہوی شنیۃ فہ الدینا قتیۃ

(میرے معشوق کا کوئی ہم شکل نہیں، دنیا اسے دیکھ کر حیران ہے)

و ضلۃ حلۃ و کثۃ ہنجرة مہرۃ کسۃ

(اس کا وصل بڑا شیریں ہے اس کا ہجر بڑا تلخ ہے)

یہ اشعار ہم نے "تذکرۃ الخلفاء" سے نقل کیے ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے اس

صحن میں اور بھی بہت کچھ لکھا ہے جسے ہم نظر انداز کرتے ہیں مگر جب خلفاء اس

(باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

قاضی کی عدالت میں عرضی دی تھی کہ اس کے لڑکے کا اصل قاتل سلطان خمارویہ بن احمد ہے جو اس کے ساتھ زیادتی کا مرتکب ہوا لہذا عدالت اس مقدمے کا فیصلہ کرے اور لڑکے کے باپ کو انصاف دلائے۔

قاضی نے معاملے کو اس لیے سنگین قرار دیا تھا کہ الزام کی انگلی طوبی حکمران پر اٹھائی گئی تھی اور عرضی اس یادداشت کے ساتھ قاضی القضاۃ کو بھیج دی تھی کہ غلام پرستی کو لائق تعزیر جرم قرار دیا جائے اور ثبوت جرم کے بعد مجرم پر حد لگائی جائے قاضی نے کھانا کھا جب کسی ملک کا حکمران ایسی برائی میں مبتلا ہو تو معاشرے میں اس کا پھیل جانا ضروری ہے، کیوں کہ اللہ اس علی دین مملوک کہ ہم لوگ اپنے بادشاہوں کی پیروی کرتے ہیں (وہ ایک خفیہ درخواست تھی جس پر سائل نے اپنا نام بھی نہیں لکھا مگر انصاف مانگا تھا خمارویہ اب پیش پید تو اسے پڑھ کر سکتے ہیں آگیا پھر ذرا سیٹھل کر بول۔

”یہ ایک گنہگار آدمی کا دعویٰ ہے جو اتہام کے ذیل میں آتا ہے، تعجب ہے، تم نے ایسی بے ہودہ تحریر پر ہمارا وقت ضائع کیا؟“

اس وقت خمارویہ کی کیفیت ایک ایسے سانپ جیسی تھی جو رنگتے رنگتے اچانک ٹرک جائے اور گردن اٹھا کر پیچھے دیکھنے لگے بلکہ بچھا کرنے والوں پر اپنی ہیبت طاری کر دے قاضی القضاۃ نے اس کے الفاظ کی غلطی اور لہجے کی غلطی محسوس کی مگر اس کی معلومات میں اضافہ کرنے لگا ”سلطان عالی برہم دہوی بے شک ایک گنہگار آدمی نہ کیا ہے لیکن اس نے اپنے نام اور اپنی پوری شناخت کے ساتھ قاضی کو ایک علاحدہ درخواست بھی دے دی ہے کہ وہ اپنے دعوے کی کھلی سماعت نہیں چاہتا اسی لیے عرضی دعویٰ پر اپنا نام نہیں لکھا لیکن اپنے دعوے کے ثبوت اور شہادتیں رکھتا اور اُنھیں پیش بھی کر سکتا ہے، بشرطیکہ عدالت اسے تحفظ دے سکے۔ سلطان عالی! آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ وہ گنہگار آدمی جس نے دوسری درخواست میں اپنی پوری شناخت لکھی ہے، دراصل لڑکے کا باپ ہے۔“

”کون ہے وہ؟“ خمارویہ نے حکم سے پوچھا

”اس کا نام اور مکمل شناخت دونوں قاضی کے پاس بطور ضمانت محفوظ ہیں۔“

”مگر اس قدر بردار آدمی کا نام چھپا نہیں رہ سکے گا۔“

”جب خود کشی کرنے والے لڑکے کا نام نہیں چھپ سکتا تو اس کے باپ کا نام کیسے

درا اور گور تمک اس میں مبتلا تھے۔ طولی ریاست کا سربراہ سلطان ابو جیش خمارویہ خوب صورت غلاموں سے غیر معمولی رغبت رکھتا بلکہ یہ گناہ سب ہو گا کہ اس علت میں بڑی طرح جہ تھا۔

سوال کو قاضی القضاۃ نے سلطان سے ایک انتہائی اہم اور خفیہ معاملے میں ملنے کی درخواست کی تھی۔ خمارویہ نے اسے رات کے کھانے پر مدعو کر لیا کہ دسترخوان پر گفتگو ہو جائے گی۔ منصف اعلیٰ کا خیال تھا آج سلطان تنہا کھانا کھائے گا تبھی اسے مدعو کیا ہے لیکن جب وہ شاہی محل میں پہنچا تو اہم آدمی دسترخوان پر موجود تھے ان میں ایک طغ بن جف جو خمارویہ کے والد احمد بن طوئوں کے انتہائی وفادار لوگوں میں سے تھا اور خمارویہ نے حالات میں اسے شام جیسے اہم صوبے کی گورنری پر فائز رکھنا ضروری سمجھتا تھا۔ دوسرا فوجی سپہ سالار محمد بن سلیمان تھا۔ خمارویہ نے اسے بھی کسی اہم خدمت کے لیے طلب کیا تھا مگر قاضی القضاۃ جو مسئلے کو کیا، اس پر کسی دوسرے کی موجودگی میں بات چیت نہیں ہو سکتی تھی۔ ابھی کھانا شروع نہیں ہوا تھا کہ اس نے سلطان سے تجلے میں ملنے کی درخواست کی۔

خمارویہ بڑے اطمینان سے اٹھا اور منصف اعلیٰ کو ایک مختصر مکرے میں لے گیا جہاں ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ اس تنہائی میں گفتگو کرنے کی بجائے قاضی القضاۃ نے ایک درخواست نکال کر سلطان کے سامنے پیش کر دی خمارویہ حیرت و تعجب کی حالت میں چڑھنے لگا۔

اصل میں وہ درخواست ایک گنہگار شخص نے اپنے علاقے کے قاضی کو دی تھی جس میں ایک خوب صورت اور نوجوان لڑکے کی خود کشی کا واقعہ بیان کیا اور لکھا تھا کہ وہ لڑکا سلطان خمارویہ بن احمد کا غلام تھا مگر جب باپ کو اپنے بیٹے کی ان خدمات کا علم ہوا، جو وہ سلطان کے لیے لو کرنا تھا تو اس نے بیٹے کو بغض ملامت کی اسے اپنی فرزندگی سے خارج کر دیا اور کہا کہ آئندہ وہ اس کی شخصیت کو بھی دیکھتا نہیں چاہتا جس پر لڑکے نے مارے شرمندگی کے اسی وقت خود کشی کر لی اور کیچے میں حجر بھونک کے مر گیا۔ گنہگار شخص نے

(بقیہ حاشیہ)

قباحت کا شکار تھے تو ہمارا دوسرا کیا حال ہو گا۔

”وہ الزام واپس لے۔ ہم اس کی دل جوئی کی خاطر لڑکے کا خون بہا ادا کر دیں گے۔“
اس گفتگو کے بعد وہ طعام کے کمرے میں واپس آ گئے۔ اگرچہ دونوں ایک فیصلہ کر کے آئے تھے لیکن خارویہ بڑا آزدہ خاطر اور برہم دکھائی دے رہا تھا جیسے منصف اعلیٰ نے اسے میزان عدل کے ایک پڑے میں اور حسین غلام کی ہاکنت کو دوسرے پڑے میں رکھ کر تول دیا ہو۔ دشرخوان پر بھی وفا داروں کو چلی کئی سننا بارہ ترک مراد طغ بن جف اور فوجی سالار محمد بن سلیمان سمجھ گئے کہ وہ عدالت کے کسی فیصلے پر ناخوش ہے اور اب شاید اس کے ساتھ معاملے کی گفتگو نہ ہو سکے گی۔

یہ قیاس غلط نہ تھا خود خارویہ اندر ہی اندر اس قدر کھول رہا تھا کہ اس نے مہانوں کو رخصت کر دینا مناسب سمجھا اور کھانے کے بعد انھیں حوصلہ افزا پیغام کے ساتھ ”خدا حافظ“ کہا۔ ”ابن جف اور ابن سلیمان ہم فی الوقت ایک ایسے معاملے میں الجھ گئے ہیں جس نے ہمیں نڈھال کر دیا ہے۔ انشاء اللہ بہت جلد تم سے دوبارہ ملاقات کریں گے۔“

مہانوں کو رخصت کرنے کے بعد جب وہ تیار ہو گیا تو غلاموں اور خادموں پر گرجے برسے لگا کہ وہ سب تک حرام اور بے ایمان ہیں۔ کینزوں کو بھی تپا چل گیا کہ مزاج علی آج بگڑا ہوا ہے اس لیے کسی کینز کو کیا پڑی تھی کہ قریب جاتی۔ ایسی حالت میں صرف حرم خاص کو اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کا کڑا آنا تھا لیکن وہ شہزادی عباسیہ اور شہزادی قطر الندی کے ساتھ امام شافعی کے مزار کی حاضری دینے چلی گئی اور ابھی تک لڑکے نہیں آئی تھی۔
عثمان کے بعد سلطان نے اپنے ترک غلام رضوان کو طلب کیا جسے دیکھتے ہی برہم جاتی رہی اور وہ اس کے ساتھ دل چسپی کی باتیں کرنے لگا اس اشائیں شہزادیاں بھی القطارے میں لوٹ آئیں۔ جب ڈرے ہوئے غلاموں اور سہمی ہوئی کینزوں نے حرم خاص کو سلطان کی برہمی اور خفگی کا حال سنایا اور بتایا کہ اس وقت وہ رضوان کے ساتھ کمرہ خاص میں ہیں تو اس نے بھی مداخلت مناسب نہ سمجھی اور سلطان کو اس کے حال پر چھوڑ دیا۔
یہ تعجب و اتعجب شوال کی رات خارویہ ابوجیش کو پیش کیا اور جس نے اسے بے حد براؤ شتر کر دیا تھا۔

پردہ اخفائیں رہ سکتا ہے لیکن وہ جس مصلحت کے تحت پوشیدہ رہنا چاہتا ہے اس میں آپ ہی کی بہتری ہے۔“

”کوئی شخص ہم پر الزام لگا کر چھپ نہیں سکتا۔“
قاضی القضاۃ نے جواب دیا۔ ”ابوجیش! اگر آپ اُسے ننگا کریں گے وہ آپ کو ننگا کر دے گا۔“

خارویہ نے چونک کر دیکھا اور منصف اعلیٰ اُسے نرم لہجے میں بتائے لگا۔ ”ابھی تک لوگوں کو صرف اتنا علم ہے کہ لڑکے نے کسی بات پر باپ کی لعن طعن سن کر خود کو ہلاک کر لیا ہے اگر کل کھان انھیں لغت ملاقات کی اصل وجہ معلوم ہو گئی تو ممکن ہے لوگ آپ کے خلاف بھڑک اٹھیں اور کوئی بڑا فتنہ ہوا ہو جائے۔“

لوگ تو تب بھڑکتے جب انھیں لڑکے کی خودکشی کا اصل سبب معلوم ہوتا لیکن خارویہ ابوجیش یہ بات سنتے ہی بھڑک اٹھا اور غضب ناک ہو کر بولا: ”کون جانتا ہے کہ باپ بیٹے کے بائین کس بات پر جھگڑا ہوا ہو گا۔ پھر بھی اگر لڑکے کی خودکشی کا بالواسطہ طور پر کوئی شخص ذمے دار ہے تو صرف اس کا باپ لہذا قاضی کا فرض ہے، وہ سائل پر صدر لگائے۔“
”دعویٰ سن لینے کے بعد کوئی قاضی ایسا نہیں کر سکتا کیوں کہ سائل مجرم نہیں۔ اس نے صرف انصاف طلب کیا اور وہ ایک برائی کا خاتمہ چاہتا ہے۔“

قاضی القضاۃ نے اعتراف گناہ کا کڑوا پیالہ خارویہ ابوجیش کے ہاتھ میں دے دیا تھا مگر اس نے پیالہ پینے سے انکار کر دیا اور گنہگار آدمی کی طرف سے دی گئی عرضی لٹا دی۔ ”ہم کسی کی موت کے ذمہ دار نہیں، نہ اس قسم کا گناہم دعویٰ قانون کی نظروں میں کوئی اہمیت رکھتا ہے۔ اسے خارج کر دیا جائے۔“

قاضی القضاۃ نے جو سلطان کے بارے میں بعض ذاتی معلومات رکھتا تھا ایک آخری کوشش کی۔ ”ابوجیش! خوں بہا دے کر بھی سائل کا منہ بند کیا جاسکتا ہے۔“
”اس کا مطلب یہ ہو گا ہم الزام اپنے سر لیں۔“

”کسی بڑے فساد سے بچنے کے لیے چھوٹے فتنے سے نمٹ لینا بہتر ہے۔“
خارویہ نے سوچا پھر کہا۔ ”ہم اس گنہگار آدمی سے ملنا چاہتے ہیں لیکن اپنی شرط پر۔“
”اور آپ کی شرط کیا ہو گی؟“

”مکن تو یہ بھی ہے کہ وہ مشہدِ نفیسہ پر نہ جا سکی ہو اور رہتے ہی میں.....“

شہزادی عباسیہ کچھ کہتے کہتے رگ گئی پھر اُس نے کینیز کی طرف ہاتھ اٹھا کر تھکانے لپچے میں کہا۔ ”شہزادہ شیبان کو فوراً خبر کرو۔ نجم کی پراسرار گمشدگی خطرناک ہے۔“

کینز وہیں سے اُٹے قدم بھاگی۔ القطار کے دوسرے محلوں میں بھی شہزادی کا کوئی سزا نہ مل سکا تھا جیسے جیسے روشنی پھیل رہی تھی، بوڑھے داروغہ کی فکر و تشویش میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا کینز کی واپسی یا لوٹنے کی تھی۔ ابھی سورج طلوع نہیں ہوا تھا کہ خود قصر شیبان کی جانب دوڑا اور سورج کی پہلی کرن کے ساتھ شہزادہ شیبان کو اس افوس ناک واقعے کی اطلاع دی۔ شیبان نے شہزادی نجم المیل کی گمشدگی کی اطلاع حیرت و تعجب سے سنی اور کہا ”ہو سکتا ہے وہ القطار میں کسی بیگم کے ہاں مقیم ہو۔“

”وہ بنی طولون کی کسی بیگم کے ہاں نہیں، القطار کے کسی قصر میں نہیں حتیٰ کہ پورے القطار میں نہیں۔“

یہ کہہ کر بوڑھا داروغہ شہزادہ شیبان کے قدموں میں گر گیا۔ ”شہزادی صاحبہ کو تلاش کیجئے حضور! میرا دل گھبرا رہا ہے۔“

شہزادے نے داروغہ سے کہا کہ وہ قصرِ نجم میں واپس جائے اور اُس کی ہدایت کا انتظار کرے۔ اُسے رخصت کر کے غلام کو حارث ابو ظفر کی حویلی میں بھیجا۔ شہزادے کا خیال تھا نجم المیل کی سب سے زیادہ دیکھ بھال حارث ہی کر رہا ہے اور اُسی کا شہزادی سے مل جوں تھا۔ لیکن ہے، اپنی کینز اور غلام کے ساتھ نجم نے رات حارث کی حویلی میں بسر کی ہو مگر غلام لوٹ کے کیا تو اُس نے یہ وحشت اثر خیر سنائی کہ خود حارث کل تیسرے پہر سے غائب ہے اور رات حویلی میں نہیں آیا۔

یہ ایک حیرت انگیز اطلاع تھی کہ اگر شہزادی نجم کل رات سے غائب ہے تو حارث نے بھی رات اپنی حویلی میں نہیں گزاری۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ شہزادی نجم جہاں بھی گئی حارث اس کے ساتھ ہے مگر دونوں چلے کہاں گئے؟

اچانک ایک خیال بھلی کی طرح ذہن میں لپکا اور فوراً قصرِ نجم کی جانب چل دیا۔ افسردہ کینز اور پریشان غلام بوڑھے داروغہ کے ارد گرد جمع تھے جو مارے فکر کے اودھٹوا ساہو رہے تھے۔ شہزادہ شیبان کو قصر میں داخل ہوتے دیکھا تو یک کر آگے بڑھا اور ایک بار

ادھر قصرِ نجم میں بھی کینز اپنی ماکن کا انتظار کر رہی تھیں۔ شہزادی نجم ایں پیسے بھی کئی بار اپنی سوڈانی کینز عینر کے ہمراہ امام شافعی کے مزار یا مشہدِ نفیسہ کی زیارت کرنے جاتی اور کبھی کبھار دیر سے لوٹتی تھی۔ رات کا پہلا پہر گزرنے والا تھا اور وہ ابھی تک واپس نہ آئی تھی لیکن کوئی اندیشہ اس لیے نہیں تھا کہ آج محافظ ڈنگ بھی ساتھ تھا کینز تو انتظار کر کے سو گئیں لیکن قصر کا بوڑھا داروغہ آدھی رات تک جاگتا اور جھٹیاں لیتا رہا پھر اس اطمینان کے ساتھ سو گیا کہ کالے چلتے کی طرح ہوشیار ڈنگ شہزادی کے ہمراہ ہے تو گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ ہو سکتا ہے فسطاط میں شہزادی کی کوئی سہیلی مل گئی اور اس نے کچھ دیر کے لیے روک لیا ہو، لیکن پوچھنے صبح کی اذان کے ساتھ آنکھ کھلی تو یہ معلوم کر کے حواس باختہ ہو گیا کہ رات نہ ڈنگ لوٹا تھا، نہ شہزادی نجم المیل اور عینر واپس آئی تھیں۔

داروغہ کے ذہن پر دھند سی بکھرنے لگی۔ اس بکھرتی دھند میں خیال آیا لیکن ہے فسطاط سے واپسی پر کوئی طولونی بیگم، شہزادی کو اپنے ہمراہ لے گئی ہو کہ رات اس کے ہاں ٹھہر جائے اس صورت میں بھی کسی غلام کے ذریعے اطلاع بھی ضروری بلکہ خود ڈنگ کا واپس آنا لازمی تھا مگر اُس کے بارے میں کوئی اطلاع نہ ملی تھی۔ داروغہ نے کینز وں کو فوراً بیدار کر دیا کہ بنی طولون کے محلوں میں اپنی ماکن کا پتا کریں۔ صبح کی روشنی میں ایک کینز نے سب سے پہلے شہزادی عباسیہ کے دروازے پر دھک دی۔ وہ نجم المیل سے زیادہ دبے نکلے تھی لیکن یہ سن کر ڈنگ رگ گئی کہ نجم رات اپنے قصر میں نہیں آئی۔ اُس کے استفسار پر کینز نے بتایا کہ اُس کی ماکن کل شام اترنے سے پہلے ہی فسطاط کی طرف چلی گئی اور عینر ساتھ تھی۔

”کوئی اور بھی ساتھ تھا؟“

”جیسی غلام ڈنگ۔ وہ ان سے تھوڑی دیر قبل قصر سے نکل گیا مگر عینر نے بتایا تھا کہ آج واپسی شاید دیر سے ہوگی اس لیے حفاظت کی خاطر ڈنگ بھی ان کے ساتھ جائے گا۔“

”وہ پہلے بھی کسی ساتھ گیا تھا؟“

”ایک دو بار پہلے بھی جا چکا ہے۔“ اس نے بتایا۔ ”ماکن فسطاط میں صرف امام شافعی کے مزار اور مشہدِ نفیسہ کی زیارت کرنے جاتی اور عام طور پر عشاء کے وقت لوٹ آتی ہیں۔“

”لا مگر کل شام وہ امام شافعی کے مزار پر تو نظر نہیں آئی۔“

”مکن ہے پہلے مشہدِ نفیسہ پر چلی گئی ہوں۔“

تدبیر اور تدبیریں

”سرکارِ عزیز! ان کی خاص کمیز ہونے کے نائنے ان کے دل کا حال اچھی طرح جانتی تھی مگر حادثہ کو چھوٹی تسلیاں دیتی رہتی تھی کہ پریشان نہ ہو، ہنگامہ وی جو کچھ وہ چاہتا ہے شاید حادثہ اسی لیے غیر کو سوغاتیں دیتا رہتا تھا کہ وہ اس کے لیے شہزادی صاحبہ کو جیتنے کی کوشش کرے یا کوئی اور لالچ تھا، جس کے متعلق غلام کچھ نہیں جانتا۔“

کمیزوں اور غلاموں نے بوڑھے داروغہ کے بیان کی تائید کی اور خبر کے ساتھ حادثہ کی رازدارانہ ملاقاتوں کی تصدیق ضروری سمجھی جس کے بعد شہزادہ شیبان کے ذہن میں کچھ بڑے کی مانند ایک خیال بار بار پکنے، جھپکنے لگا۔ اب اس نے حبشی غلام ٹونگا کے بارے میں پوچھ گچھ کر ڈونگا کے ساتھ حادثہ کا رویہ کیسا تھا؟

بوڑھے داروغہ نے بتایا: ”میں زیادہ تو نہیں مگر اتنا ضرور جانتا ہوں کہ کچھ دنوں سے ڈونگا حادثہ کا بے حد احترام کرنے لگا تھا۔ اُسے دیکھتے ہی پھاٹک کھول دیتا اور اُس کے ہر حکم کی تعمیل کرتا تھا کل بھی جب حادثہ پھاٹک پر نمودار ہوا تو ڈونگا سر جھکا گئے کھڑا تھا۔ نہ جانے حادثہ اس کے کان میں کیا پھونک مار کر چلا گیا؟“

بوڑھے داروغہ کے بیان نیز کمیزوں اور غلاموں کی تصدیق سے شیبان کے ذہن نے جو کہانی ترتیب دی، وہ حادثہ البظفر کے سر اسر خلاف تھی۔ واقعہ کچھ ایسا سنگین اور پھیلا ہوا تھا کہ اُس نے صرف داروغہ کو ساتھ لیا اور فوراً شاہی محلات کی طرف ہویا۔ سلطان خمار دیہاؤ پیش کو واقعے کی اطلاع دینا ضروری تھا۔

شہزادی نجم الملک کی گمشدگی کی خبر شیبان سے پہلے وہاں پہنچ چکی تھی کیوں کہ قصرِ نجم کی کمیزیں اپنی مالکن کو ڈھونڈنے آئیں تو سلطان کی حرموں کو بھی صورت حال بتا گئی تھیں۔ البتہ کسی نے ابھی تک سلطان کو اس نائنہی سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ خمار دیہاؤ کی استراحت کے بعد اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلا تھا۔ یہ فرض خود شیبان کو ادا کرنا پڑا۔ سلطان نے صبح ہی صبح بھائی کی آمد اور اس کی پریشان صورت سے اندازہ لگایا کہ وہ کوئی بُری خبر لے کر آیا ہے۔ بالکل حال اس بُری خبر کے بعد جو اس نے رات سُنی تھی، وہ ہر بُری خبر سننے کے لیے تیار تھا مگر جب شیبان نے شہزادی نجم کی گمشدگی کی اطلاع دی اور بتایا کہ ڈونگا بھی اس کے ساتھ رات سے غائب ہیں، تو خمار دیہاؤ کے ہوش اڑ گئے۔ پھر حادثہ البظفر کی روپوشی کی خبر سنی کہ وہ

پھر اس کے قدموں میں ڈھیر ہو گیا۔ کمیزیں اور غلام کچھ اور کھم گئے۔ شہزادہ نے داروغہ کو اٹھنے اور بقائی ہوش و حواس سوالوں کے جواب دینے کے لیے کہا۔ بوڑھا داروغہ سینے پر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا شیبان نے پہلا سوال کیا۔

”کیا حادثہ کل یہاں آیا تھا؟“

”آیا تھا مگر شہزادی صاحبہ سے نہیں ملا۔ میری دروازے پر ڈونگا سے کوئی بات کر کے روٹ گیا تھا۔“

”تم نے شہزادی نجم کو اس کے آنے کی اطلاع دی تھی؟“

”نہیں حضور والا!“

”کیوں؟ شیبان کا بھی بھت تھا۔“

بوڑھا داروغہ بتانے لگا۔ ”حادثہ یہاں زیادہ تر سو ڈائی کمیزِ عزیز سے ملنے آتا اور عام طور پر باغیچے میں اُسی سے باتیں کرتا رہتا تھا اگر اُسے شہزادی صاحبہ سے ملنا ہوتا تو عزیز ملاقات کا بندوبست کرتی تھی لیکن شہزادی صاحبہ سے ملاقات کبھی کبھار ہوتی تھی۔“

اچانک ایک ادھیڑ عمر لڑکائی لے لقمہ دیا۔ ”وہ خبر کے لیے تھفے تھانف بھی تو لایا کرتا تھا۔“

”جی ہاں۔“ داروغہ نے اس کی بات پکڑ لی۔ ”ہم نے اُسے شہزادی صاحبہ کے لیے تو کوئی تحفہ ماننے کبھی نہیں دیکھا مگر عزیز کو اُسے دن کوئی نہ کوئی سوغات دے کر خوش رکھتا تھا۔“

ناگہاں شیبان نے ایسا سوال کر دیا جسے سن کر بوڑھا داروغہ پریشان ہو گیا۔ ”سلطان معظم شہزادی نجم کا عقد ثانی حادثہ سے کرنا چاہتے تھے اس لیے میل جول کی اجازت دے دی تھی مگر شہزادی نجم کا اس بارے میں کیا خیال تھا اور وہ حادثہ کے ساتھ کس طرح پیش آتی تھی؟“

ایک دو دن داروغہ کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”شہزادہ علی اگر سچی بات معلوم کرنا چاہتے ہیں تو سچی بات یہ ہے شہزادی صاحبہ اس عقد کے لیے راضی نہ تھیں۔ وہ بظاہر تو حادثہ سے خوش ہو کر ملتی لیکن دل سے اُسے ناپسند کرتی تھیں۔ میرا خیال ہے سوال کے آخر میں وہ سلطان معظم کو اور آپ کو اپنے اس فیصلے سے آگاہ کرنے والی تھیں کھارٹ انھیں قبول نہیں۔“

اس بات نے شیبان کو چھوڑ کا دیا۔ ”کیا خبر بھی جانتی تھی کہ شہزادی حادثہ کے ساتھ

مکی می گرج تھی۔ تمام حرمیں، شہزادیاں کنیزیں غلام اور خادم کچھ گئے کہ شہزادی نجم کی گندگی کا واقعہ اس خبر سے کہیں زیادہ بھیاںک ہے جو شاہی محلات میں سویرے سنی گئی تھی۔

سلطان نے امیر ضباط اور فوجی سالار کو حکم دیا کہ حارث اگر فسطاط یا اس کے گرد و نواح میں کہیں چھپ گیا ہے تو اسے بطن زمین سے بھی برآمد کیا جائے اگر وہ کسی طرف فرار ہو گیا ہے تو مصروف شام کی آخری سرحدوں تک مصری سوار اس کا پیچھا کریں اور اسے زندہ یا مردہ ہمارے حضور لے کر آئیں۔

اس حکم پر ضباط کے جوان حارث کی تلاش میں فسطاط اور گرد و نواح کی بستنیوں پر لوٹ پڑے، جو ان کے نزدیک شہزادی نجم کو اغوا کر کے کہیں چھپ گیا تھا، فوجی رسالے کے سواجن کے گھوڑے اور اونٹ ہوا سے زیادہ تیز رفتار تھے، مختلف راستوں پر دوڑنے لگے کہ اگر وہ بدبخت شہزادی کو لے کر فرار ہو گیا ہے تو کسی نہ کسی راستے پر کہیں نہ کہیں گرفتار کر لیا جائے۔ حارث کی تلاش اور تعاقب کا سلسلہ دن بھر جاری رہا، تیسرے پہر سلطان خاروہیہ الجیش کو جو اپنے قصر خاص میں بڑا مضطرب تھا پہلی اطلاع ملی کہ ابھی تک حارث کا کوئی سراغ نہیں مل سکا یہ ضباط کی اطلاع تھی، جو فسطاط اور اس کے گرد و نواح میں اُسے کھوجتی پھرتی تھی۔ شام کے وقت فوجی رسالے کا فاصد القنطرہ سے خبر لے کر آیا کہ مفرور حارث ابھی ہاتھ نہیں لگا، نہ لوگوں نے کسی ایسے قافلے کو گزرتے دیکھا ہے جس میں ایک حبشی غلام اور دو عورتیں ہوں۔ اس احتمال کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا کہ حارث کے گھوڑے یا اونٹ غیر معروف راستوں پر سفر کر رہے ہوں لہذا رسالے کے جوان تمام راستوں پر اُسے ڈھونڈنے پھر رہے ہیں، ابھی تک پیچھے صفر ہے مگر تلاش کا سفر جاری ہے۔ وہ کہیں بھی چلا جائے گرفتاری سے نہیں بچ سکتا۔

دو دنوں خبریں مایوس کن تھیں جب کہ شہزادی نجم کے اغوا اور حادث کے معقود الخیر ہونے کی اطلاع سن لینے کے بعد انقطاع کے قصر وں اور گوشوں میں ایک قیامت صغریٰ پیا تھی اس بھیاںک سانچے پر طرونی بیکات اور شہزادیوں پر جو صدمہ بیت گیا، سو بیت گیا لیکن اب خاندان کے بڑے بڑے بڑے بھی الزام کی انگلی خاروہیہ الجیش پر اٹھا رہے تھے کہ وہی اس اندوہناک حادثے کا ذمہ دار ہے جس نے ایک طرونی شہزادی کو حارث ابو ظفر کی معمولی خدمت کا ”انعام“ ٹھہرایا اور خاندان کی عزت ایک غلام کے سپرد کرنے پر تیار ہو گیا جب کہ شہزادی نجم نے حارث کا انعام بننے سے انکار کر دیا تھا۔

بھی گل سر پہر کا اپنی حویلی سے غائب ہے اور ابھی تک واپس نہیں کیا تو پیروں تہ سے زمین نکل گئی۔

شہزادہ شیبان کے ذہن میں خیال کا پکینے والا کنگھجور اشارہ کر رہا تھا کہ حارث شہزادی کے اغوا کا شریک ہوا ہے۔
”لیکن جب ہم نجم کا عقد ثانی حارث سے کرتا چاہتے تھے، اُس نے شہزادی کو اغوا کر کے ہماری رسوائی کا سامان کیوں کیا؟“

”اس لیے کہ نجم اُسے اپنا شوہر قبول کرنے پر تیار نہ تھی۔“
اب شیبان وہ کمائی بیان کرنے لگا، جو اُس کے ذہن نے ترتیب دی اور جس کی شہادت واقعات دے رہے تھے۔ اس نے بوڑھے داروغہ کی شہادت دلوانی جس نے سلطان خاروہیہ کے سامنے وہ باتیں دہرائیں جو پہلے شیبان کے سامنے بیان کر چکا تھا خاروہیہ الجیش قصر نجم کے حالت سن کر ہٹکا ہٹکا رہ گیا اور شہزادہ شیبان نے اس پر حیرت کی کچھ اور نہ بھلیاں گرا دیں۔

”سلطان معظم، واقعات کی شہادت کہتی ہے جب حارث کو تپا چل گیا کہ شہزادی نجم بطور شوہر اُسے قبول نہیں کرے گی تو اُس نے نجم کو زبردستی حاصل کرنے کا منصوبہ بنایا اس منصوبے کی پہلی کڑی غیر فنی جسے اُس نے نت نئی سوغاتوں سے رام کر لیا اور شہزادی کے اغوا کی خاطر اپنا آئہ کار بنایا۔ اس کا دوسرا شریک ڈنگا تھا جو انعام کے لالچ میں آ گیا۔ حارث کا منصوبہ غالباً یہ تھا کہ وہ شہزادی کو اغوا کر کے کسی تنہائی میں لے جائے اس طرح نجم اُسے اپنا شوہر قبول کرنے پر مجبور ہو جائے گی اس مقصد کے لیے، شوال کو یوم النہس کی رات طے پائی۔ جب شہزادی نجم عام طور پر ام شافعی کے مزار اور مشہد نفیسہ کی زیارت کے لیے فسطاط جایا کرتی تھی۔ عنبر اور ڈنگا کا فرض صرف یہ تھا، وہ شام کے وقت شہزادی نجم کو اپنے قصر سے نکال کر فسطاط کی طرف لے آئیں۔ آگے چکرنا تھا حارث کو کرنا تھا اور جو کچھ بھی کیا، اُسی نے کیا ہو گا۔ اب میں نہیں کہہ سکتا، وہ نجم کو کہاں لے گیا ہے اور واپس بھی آئے گا یا نہیں۔“

خاروہیہ یہ کمائی سن کر جو واقعات کے عین مطابق تھی جو شش غضب میں آپے سے باہر ہو گیا اور اسی وقت اس نے امیر ضباط کے ساتھ قلعہ کے فوجی سالار کو طلب کیا۔ اس کی بیعت ناک آواز، جو رد کی طرح کرک راکھی تھی اور دہشت انگیز الفاظ سن کر جن میں بادلوں

خاندان میں ہونے والی باتیں کسی غلام یا کنیز کے ذریعے خار دیہ تک بھی پہنچ رہی تھیں جو اپنے قصر خاص میں بیٹھا ضبط اور فوج کے افسروں کو نئی ہدایت جاری کر رہا اور یہ حد پریشان تھا بلکہ ایک ہی رات اور ایک ہی دن کے اندر اپنی عمر کے مقابلے میں زیادہ بڑا لگ رہا تھا۔

وہ بے نام خطرے اور انجانے اندیشے جو آدمی کے ساتھ ساتھ بے آواز سفر کرتے ہیں کسی مقام پر نگاہیں اُسے دبوچ لیتے ہیں اور ان کا صدر ایسا ہوتا ہے جو آدمی کو کچل کر رکھ دیتا ہے۔ یہ سوال کی رات کو اُس نے قاضی القضاۃ سے ایک مخوس خبر مٹی تھی جس نے اُسے پریشان اور مشتعل کر دیا لیکن اس رات کی صبح اس سے بھی زیادہ بُری اور وحشت ناک خبر ملے کہ طلوع ہوئی تھی جسے سنتے ہی طوہنی قصر میں جیسے صفِ ماتم چھ گئی تھی اور انگلیاں ابوجیش خار دیہ پر اٹھ رہی تھیں کہ اسی نے ایک غلام کو شہزادی کی تقدیر کا مالک بنانے کی غلطی کی تھی جس کا خیمہ پورے خاندان کو جھگٹنا پڑا ہے لیکن بنی طوہن کی عورتیں اور مرد نہیں جانتے تھے کہ ابھی وہ جن بڑے خطروں اور صدروں سے دوچار ہونے والے ہیں ان کے مقابلے میں شہزادی نجم کا سانحہ بہت چھوٹا ہے۔

انہیں یہ بھی علم نہیں تھا کہ حعفر بخوی نے آسمانوں میں جھانک کر بنی طوہن پر نازل ہونے والی تباہی و بربادی کا منظر دیکھ لیا ہے اور قوموں کی بد نصیبی یا بربادی کے نشانات سب سے پہلے آسمانوں پر ظاہر ہوتے ہیں۔ پھر زمین پر ان کا سایہ پڑتا ہے۔ اس ہوش ڈال دینے سے صرف سلطان خار دیہ ابوجیش اور شہزادہ شیبان آگاہ تھے کہ آنے والے دنوں میں بنی طوہن کو کیا پیش آنے والا ہے۔

جب تقدیر کسی کے خلاف دام بھاتی ہے تو ان ہونے والی واقعات پیش آتے اور ان سے غلط نتیجے اخذ کیے جاتے ہیں۔ یہ تقدیر کی نیرنگی یا حادث کی بد قسمتی تھی کہ شہزادی نجم کو اغوا کرنے والا کوئی اور تھا بلکہ وہ خود اپنے عاشق کے ساتھ فرار ہوئی تھی لیکن اس کے اغوا کا الزام غریب حادث پر آگیا جس نے شہزادی کو روکنے کے لیے اپنی سی بہت کر لی تھی لیکن تقدیر کا فیصلہ اسی کے خلاف صادر ہوا اور ابنِ حرب اسے بھی اپنے ساتھ ہی باندھ کر چلتا بنا تھا۔

لیکن یہ داستانِ امرار پڑھنے والے اس عجیب واقعے کو طربش کے سرائے دار

سلیمان بن عامر کی دور اندیشی پر محمول کریں جس نے ایک طرف طوہنی شہزادی کے اغوا کا منصوبہ بڑی ہوشیاری سے تیار کیا اور دوسری جانب اپنے دوست ابنِ حرب کو مصر سے "غائب" کر کے نہ صرف "قبر دان" پہنچا دیا بلکہ بڑی سوجھ بوجھ کے ساتھ "قبر دان" میں موجودگی پر مبنی سزاوار ذہین بن سلام کی "حکم شہادت" بھی فراہم کر دی تھی تاکہ نہ شہزادی کے اغوا کا شبہ ابنِ حرب پر ہو سکے، نہ اُس کے حوالے سے کریش کی کارواں سرائے پر کوئی مصیبت ٹوٹے لیکن ہمارے پڑھنے والے غور کریں تو سلیمان بن عامر کی یہ ساری دور اندیشی یا چالاکی اور ہوشیاری صرف اپنے بچاؤ کے لیے تھی کیوں کہ سلیمان جس اہم مقصد کے لیے کریش میں مقیم تھا اس میں بنی طوہن کا اجتماع قائم رکھنا ضروری تھا۔ اس تنازعے میں اگر حادث کا ذکر تھا تو صرف اس قدر کہ شہزادی نجم کو شوال تک اُسے اپنے اعتماد کا فریب دینا اور اپنی مسکراہٹوں کی زنجیر میں اسیر رکھنا تھا اس کی سچ سچ کی گرفتاری اور اسیری کا تو کسی نے سوچا بھی نہیں تھا۔ پھر اس کی گرفتاری اور اسیری کی راہ کس نے ہموار کی؟

اس میں کسی کی دور اندیشی یا چالاکی اور ہوشیاری کا کوئی دخل نہیں تھا کیوں کہ یہ تقدیر کی چال تھی جس نے حادث کو مات دی۔ قسمت کا بچھایا ہوا جال تھا جس میں وہ اپنے پیروں پر چل کر جا پھنسا اور ابنِ حرب اُسے گھڑی کی طرح باندھ کر لے گیا۔ اگر حادث دن کے تیسرے پہر کسی سے ملنے جنوبی فسطاط میں نہ جاتا تو اُس کی نظر ڈنگا پر نہ پڑتی جو کچھ ضروری سامان اٹھائے بڑی خاموشی سے شہر پناہ کے دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ نہ حادث کو اس پر چوری کا شبہ ہوتا نہ اُس کے تعاقب کا خیال آتا نہ شہر پناہ سے نکل کر اس کا چھپا کر نہ ڈنگا کی نظر دلوں سے بچنے کے لیے اُسے نرسوں سے جھنڈ میں چھپتا پڑتا۔ نہ اس کی نظر شہزادی نجم اور کنیز جعفر پر پڑتی جو عام مصری خواتین کے لباس میں شہر پناہ سے نکل کر ڈنگا کے نیچے نیچے فلاجین کی بستی انقص کی طرف چل دی تھیں۔ پھر شوقِ بخت میں ڈنگا کا پیچھا چھوڑ کر شہزادی اور کنیز کا تعاقب کرتا ہوا نیل کے ساحل پر نہ پہنچ جاتا جہاں ابنِ حرب سے اس کی مدد بھیڑ ہوئی اور وہ بازی ہار گیا۔

یہ سارا تانا بانا تقدیر نے اپنے ہاتھ سے بنا اور حادث اس میں یوں پھنس گیا تھا، جیسے کبھی تاریک بکوت میں پھنس جاتی ہے جہاں کسی کے دم و دگان میں بھی نہیں تھا کہ وہ شہزادی اور کنیز کا تعاقب کرتا تھا اصل دربار پہنچ جائے گا اور شہزادی کی خاطر ابنِ حرب

سے حادثہ کی جنگ ہوگی مگر تقدیر نے اسباب کی ایسی کڑیاں جوڑ دیں، جن سے حالت کی ایک زنجیر تیار ہوئی اور وہ زنجیر حادثہ کے پاؤں سے پٹ گئی۔
دست تقدیر جسے انسانی نظریں دیکھ نہیں سکتیں کسی ذی روح کے ہاتھ چھو نہیں سکتے دکھائی دیے بغیر کسی کے لیے خوش بخئی کا دروازہ کھول دیتا اور کسی کے لیے بند کر دیتا ہے۔ قدرت کے اسی عمل کو ماہرین فلکیات علم نجوم یا ستاروں کی گردش کے نام سے تعبیر کرتے ہیں جو آسمانوں سے زمین پر اپنا اثر ڈالتی ہے اور اہل غیب مقدمات قرار دیتے ہیں اور یہ بھی تقدیر کی چال یا ستاروں کی گردش بخئی کہ خمار وہ ابوجیش جب رات کو افسردہ پڑ کر وہ بستر پر گیا تو نہ شہزادی نجم کی کوئی خبر ملی تھی، نہ حادثہ گرفتار ہو سکا تھا۔



۸. سوال کا سورج طلوع ہوا تو خاریہ ابوجیش گھبرا کر بستر سے اٹھا۔ قصر کے باہر بنی طوں کے مخصوص نوے کی آواز روح کو گھائل کرتی بلند ہوئی کچھ طوںی شہزادیاں اور بیگمات کچھ طوںی مرد اور بوڑھے شاہی محل میں اکٹھے ہو چکے اور بخارا کے ترکوں کی طرح مخصوص ماتمی انداز میں سلطان سے احتجاج کر رہے تھے کہ شہزادی نجم کو اغوا ہوئے دو راتیں بیت گئیں لیکن جرم کا سراغ بھی تک شہر پناہ کے کسی دروازے پر نکتا نظر نہیں آیا۔ احمد بن طوں کا بیٹا جواب دے کہ طوںیوں کی ہیبت اور طاقت کہاں نہخت ہو گئی کہ ابھی تک نہ مصر کا حکمران ضباط شہزادی کا کھوج لگا سکا نہ شاہی رسالے کے سوار جرم کو گرفتار کر سکے۔

ایک طوںی شہزادی کا اغوا کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا نہ اس کی گمشدگی پر احتجاج کرنے والے مزدور کم حیثیت تھے جنہیں نظر انداز کر دیا جاتا۔ خاریہ نے فوراً خادم خاص کو طلب کیا اور شہزادہ شیبان کی طرف دوڑایا کہ اُسے لکھلائے۔ ضباط کے اہل کاروں اور افسروں نے فسطاط کی بعض جوبیلوں اور گرد و نواح کی بستیوں کو جس طرح کھوند ڈالا تھا شاہی رسالے کے بکتر باز سوار برق رفتار گھوڑوں اور سائڈ نیوں پر جس تیزی سے حادثہ کے نقاب میں لپکے جھپٹے تھے، اس سے خاریہ کو یہ حوصلہ ہو گیا تھا کہ چند پہروں کے اندر طوںی شہزادی کو نکسیں۔ لیکن اس سے برآمد کر لیا جائے گا اور طرق و سلاسل میں جکڑا ہوا حادثہ اس کے قدموں میں پڑا ہوگا لیکن یہ نہیں ہو سکا تھا اور خاندان کی عورتیں اور مرد اس سے پوچھ رہے

تھے کہ طوںی جاہ و جلال کو کیا ہوا کہ ایک غلام ابھی تک گرفتار نہیں ہو سکا؟
حادثہ نوجاد کے پٹنے کی طرح غائب ہوا تھا اور ابھی تک یہ بھی معلوم نہ ہو سکا تھا وہ حسین طوںی بیوہ کو لے کر کس طرف نکل گیا ہے؟

خاریہ اسی پریشانی میں تھا کہ شیبان افتاب و خیراں کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے قصر کے عقی صحن میں طوںی عورتوں کے مخصوص نوے کی آواز سن لی تھی مردوں کے غم زدہ ادا اس چہرے دیکھ لیے تھے، جو اپنے سلطان سے کچھ پوچھ رہے تھے۔ اسے دیکھتے ہی خاریہ نے عقی درتپے کی طرف ہاتھ لہرایا، جو بند تھا اور کہا: "بتاؤ شیبان! ہم ان لوگوں کو کیا جواب دیں؟"

"سلطان معظم اب بچکانوں کی ہیبت اپنوں کو جواب دینا آسان ہوتا ہے۔ آپ دیکھ کے پٹ کھول کر انہیں بتائیں کہ کل ان کے سوال کا جواب مل جائے گا۔"

"نجم اگر کل بھی برآمد نہ ہوگی؟"
"پھر بھی آپ کے پاس ایسا جواب ہوگا، جو اگر بنی طوں کو مطمئن نہیں تو خاموش ضرور کر دے گا۔"

خاریہ نے حیرت کی نظروں سے بھائی کو دیکھا اور اس کا مطلب مجھے بغیر درتپے کے پٹ کھول دیے۔ دو کچھ کھلتے ہی طوںی مردوں اور عورتوں نے ایک آہ بھری اور خاریہ ان سے خطاب ہو کر کہنے لگا: "ہم بھی صدمے سے دوچار ہیں مگر تمہارے سوال کا جواب کل دیا جائے گا، گھروں میں جاؤ اور انتظار کرو۔"

یہ کہہ کر درتپے کے پٹ دوبارہ بھیر دیے اور عقی صحن میں ابھرے والی آہٹوں اور آوازوں سے سمجھ گیا کہ طوںی عورتیں اور مرد واپس جا رہے ہیں۔ وہ بڑی بے چینی سے بھائی کی طرف بڑھا اور اس کے قریب آکر کہا: "کل کیا ہوگا شیبان؟"

"یہ عورتیں اور مرد نہیں جانتے کہ دست تقدیر نے بنی طوں کے لیے آسمانوں کی کتاب پر کیا لکھ دیا ہے اگر یہ لوگ وہ باتیں سن لیں جو اہم دونوں بھائی جعفر بخوی کی زبان سے سن چکے ہیں تو شاید ان کے کچھ شے ہو جائیں۔"

شیبان ایک، پل کے لیے کھڑا پھر بولا: "میرے خیال میں اس مصیبت کے وقت آپ کو جعفر بخوی سے رجوع کرنا چاہیے۔ دیکھیں وہ اس مشکل کا کیا حل بتاتا ہے؟"

طرح کتاب تقدیر بھی حدود بست سے باہر ہے اگر انسان کی عقل رسا اندازہ کر کے تو اُنہی تا
افق پھیلا آسمان اس کتاب کا صرف ایک صفحہ ہے جب کہ اس کے اوراق کمکشاں کے
ستاروں کی طرح ان گنت اور اس کا حجم اتنا بڑا ہے جتنا آسمان اور زمین کے
درمیان خلا۔

خارویہ اور شبیان دونوں اُس کا جواب سن کر دنگ رہ گئے کیونکہ جعفر کا جواب
حیران کر دینے والا تھا اُس نے تھوڑی سی وضاحت اور کی۔ ”آپ نے کہا تھا میں کتاب
تقدیر کا کھاپڑھ لیتا ہوں لیکن انسان کی بساط ہی کیا ہے کہ وہ کتاب تقدیر کا مطالعہ کر کے
میں تو صرف رات کو اس کے ایک صفحے کو دیکھ سکتا اور اس کے روشن حرف و الفاظ سے
اشارہ لیتا ہوں۔“

وہ سمجھ گئے کہ ”ایک صفحہ“ سے مراد آسمان اور ”روشن حرف و الفاظ“ کا مطلب
وہ ثوابت و سیارگان ہیں جن کا مطالعہ اہل نجوم کرنے میں کتاب تقدیر کی اتنی اُلجھی اور
عجوبہ تشریح نے خارویہ کو جعفر کا کچھ اور گردیدہ کر دیا۔ وہ بڑے ادب سے اس کے سامنے
تھوڑا سا جھک گیا اور کہنے لگا۔

”میں نے سنا ہے تمہارے پاس ایک ایسی آنکھ بھی ہے، جو ارضی کائنات کے اندر
کا منظر دیکھ لیتی اور چھپی چیزوں کو ظاہر کر دیتی ہے۔“
”کوئی آنکھ حد نظر سے آگے نہیں دیکھ سکتی“ جعفر کا جواب فہم معنی تھا۔

خارویہ نے بحث مناسب نہ سمجھی اور مطلب پر آگیا۔ ”جعفر! تم ہمارے شاہی نجوم
ی نہیں بنی طوون کے خواہ بھی ہو۔ شہزادی نجم العیل کے اغوا اور حادث کی ملک حرامی کا
واقعہ تم نے سن لیا ہو گا۔ تمہیں اس لیے بلایا ہے کہ شہزادی نجم کی تلاش اور حادث ملک حرام
کی نشان دہی میں ہماری مدد کرو۔ نجوم کے علاوہ تم علم جعفر میں بھی ماہر اور ہماری مشکل
آسان کر سکتے ہو۔ بنی طوون کی ٹوڑیں اور مرد ہم سے مجرم کا سر طلب کرتے ہیں جب کہ
جرم بھی ہمک مفقود الخبر ہے۔“

فرمائش سن کر جعفر نے جواب دیا۔ ”آپ کا بلاوا آتے ہی میں کچھ گیا تھا آپ مجھ سے
شہزادی نجم کے بارے میں پوچھیں گے اور جواب کے لیے ایک دن تو کیا ایک پہر کا بھی
انتظار نہیں کر سکیں گے اس لیے احتیاطاً میں اپنا بیچ نجوم ساتھ ہی لے آیا ہوں۔“

جعفر نجومی کا نام سن کر خارویہ یوں چونکا، جیسے کوئی کلید ہاتھ لگی ہو۔ وہ نجم کی تلاش
اور حادث کی گرفتاری کے جوش میں بھول ہی گیا تھا کہ ایسے مواقع پر لوگ نجومیوں اور رماؤں
سے رجوع کرتے اور ان کی معلومات سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ پھر جعفر تو بڑے اونچے پائے
کا نجومی اور ماہر فلکیات تھا۔ وہ نجم کے اغوا اور حادث کے فرار کے متعلق اہم معلومات فراہم
کر سکتا تھا۔ شبیان نے ایک اور حیرت انگیز انکشاف کیا۔ ”سلطان معظم جعفر صرف نجومی نہیں
بلکہ علم جعفر بھی جانتا اور مگشده اشیاء کا حال بتاتا ہے۔“

یہ سنتے ہی خارویہ ابو جلیش نے تالی بجاٹی اور غلام فوراً حاضر ہو گیا۔ ”فسطاط میں
جعفر نجومی کو پیغام بھیجو، ہم فی الفور اُس سے ملنا چاہتے ہیں۔“

پھر وہ شبیان سے حادث ابو ظفر کی غداری اور اس کی تلاش کے بارے میں
گفتگو کرنے لگا۔ نجم کے اغوا نے اُسے بُری طرح نڈھال کر دیا تھا بلکہ اس حد سے کہ
علاوہ ایک اور غم بھی اندر ہی اندر اُسے کھائے جا رہا تھا جسے وہ کسی سے بیان نہ کر سکتا تھا۔
تاہم یہ اُمید ضرور تھی، شاید ”گنم آدمی“ اس کی شرط مان لے اور معاملہ رفع دفع ہو جائے۔
نجم اور حادث کے علاوہ ابھی وہ بعض انتظامی امور پر گفتگو کر رہے تھے کہ اسی اثنا میں
دربان نے جعفر کے لیے حاضری کی اجازت طلب کی۔

دونوں بھائی کچھ متفکر اور کچھ مستعد نظر آنے لگے۔ اچانک جعفر نجومی بغل میں ایک
بچہ دبائے اپنے مخصوص لباس کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ ان دونوں میں سے کوئی بھی
دروازہ کھلنے کی آواز نہ سُن سکا۔ شاید دروازہ کھلا تھا، شاید نہیں کھلا تھا مگر انہیں ہی گمان
گزر رہا جیسے جعفر نجومی کسی بھوت یا روح کی طرح بند کواڑوں سے اچانک نکل آیا ہو۔ دونوں
اس کی علمی شخصیت اور فلکیات میں اول درجے کی مہارت سے بڑے متاثر تھے۔ اس
نے جھک کر سلام کیا، تو خارویہ ابو جلیش نے اصل مقصد سے ہٹ کر ایک عجیب سوال کیا۔
”جعفر! تم اپنے علم سے آسمانوں میں جھانک لیتے اور کتاب تقدیر کا کھاپڑھ لیتے
ہو۔ بھلا کتاب تقدیر کتنی بڑی ہوگی؟“

جعفر سوال سن کر حیران ہوا پھر جواب دینے لگا۔ ”سلطان ذی شان! کوئی آنکھ کتاب
تقدیر کا احاطہ نہیں کر سکتی کیونکہ میرے علم کے مطابق وہ بے حدود ہے کنا رہے جس
طرح ایک افق سے دوسرے افق تک پھیلے آسمان کی وسعت و فراخی کا کوئی کن رہ نہیں اسی

جعفر نے مسند پر بیٹھ کر نجوم کا بیج کھولا۔ شہزادی نجم کی تاریخ پیدائش دریافت کی۔ حارث کی تاریخ پیدائش بھی پوچھی جو اتفاق سے شہزادہ شیبان کو معلوم تھی کیوں کہ شاہی دفتر میں حارث کا نام اسی نے لکھا تھا پھر دونوں کے مزاج اور ذاتی رجحان کے بارے میں سوال کیے اور سربراہ بیٹھنے والے نجومیوں کی طرح دونوں بھائیوں کے سامنے ان کے لاپٹے تیار کرنے میں مصروف ہو گیا۔ جعفر بخوبی ایک جمیع صفات آدمی تھا۔ فلکیات کے علاوہ رمل اور جفر کے علم میں خاصی دسترس رکھتا اور بعض باتیں اپنی قوتِ مدد کے (عنوانِ ادراک کی طاقت) سے معلوم کر لیتا تھا۔ اُس نے از روئے نجوم شہزادی نجم اور حارث کے زائچے تیار کرنے میں دیر نہ لگائی۔ رمل اور علمِ جفر سے بھی معاملے کی صورت معلوم کرنے کی کوشش کی۔ عرفان و ادراک کی قوت سے کام لیا اور ایک ایسا نتیجہ نکالا جس پر خود بھی حیران رہ گیا۔ خاریج نے اس کی حیرت بھانپ لی اور پوچھا۔

”کیوں جعفر کچھ معلوم ہوا؟“

جعفر استغراق کی حالت سے نکلا اور سلطان کو چشمِ حیرت سے دیکھنے لگا۔ ”سلطان ذی شان جو کچھ میں نے معلوم کیا یا جو کچھ میرے علم نے مجھے بتایا، وہ اس قدر حیرت انگیز ہے کہ شاید آپ اس پر یقین نہ کریں۔“

”تم بیان کر دو۔ ہم یقین کریں گے کیوں کہ ہمیں تم پر اعتماد ہے۔“

جعفر نے مسند پر بیٹھ بیٹھے علموں کی طرح انگشتِ شہادت اور پراٹھائی اور کہنے لگا۔ ”سلطان عالی! میں اپنے علم کی آنکھ سے دیکھتا اور اپنے عرفان کے کانوں سے سنتا ہوں اور وہی منظر دیکھتا ہوں جو مجھے دکھایا جاتا ہے اور وہی بات کہتا ہوں جو میرے کانوں میں ڈال جاتی ہے۔ میرے علم و عرفان نے جو کچھ مجھے بتایا وہ یوں ہے کہ شہزادی نجم کو کسی نے اغوا نہیں کیا وہ جہاں گئی ہے اپنی مرضی سے اور اپنے پیروں سے چل کر گئی ہے اور کہاں گئی ہے؟ شاید میں اس سوال کا جواب نہ دے سکوں کیوں کہ وہ طویل فاصلوں کے سفر پر ہے البتہ یہ ضرور بنا سکتا ہوں کہ جہاں شہزادی نجم ہے وہیں حارث بھی ہے لیکن فرق یہ ہے کہ حارث گرفتار و اسیر ہے اور شہزادی آزاد ہے۔“

جعفر کی باتیں سن کر دونوں بھائی حیرت زدہ اور دم بخود رہ گئے کیوں کہ جو کچھ اُس نے کہا وہ کسی اچھے سے کم نہ تھا جعفر نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھا۔

”سبحان اللہ! خاریج نے خوشی کا اظہار کیا اور مسند کی طرف ہاتھ اٹھایا پھر مسند پر بیٹھ کر اپنے علم کی کتاب کھولا اور ہماری رہنمائی کر دیا کہ ہم چہرے سے رسوائی کی دھول صاف کر سکیں۔“

جعفر ناخوش گوارہجے میں بولا۔ ”شہزادی نجم کے اغوا کا حادثہ بلاشبہ تکلیف دہ ہے لیکن گتائی معاف! جہاں ہم رسوائی کا تعلق ہے اُس کی دھول آپ نے خود اڑائی ہے۔ خاریج بھائیوں کے مردوں، عورتوں کی طرح شاید وہ بھی اسے شہزادی نجم کو حارث کا انعام ٹھہرائے براہِ اِزام دے رہا ہے لیکن جعفر کا مطلب کچھ اور تھا، کہنے لگا۔

”سلطان ذی شان! ضباط کے افسروں اور جوانوں نے فسطاط کی بعض حویلیوں اور گھروں کی اس طرح تلاشی لی ہے جیسے وہ شہزادی نجم کی بجائے کوئی گمشدہ زیور ڈھونڈ رہے ہوں اور شاہی رسالے کے سوار گھوڑوں اور سامانڈنیوں پر یوں حارث کو کھوجنے دوڑے اگو یا کسی محاذ جنگ پر جا رہے ہوں لوگوں نے یہ سب کچھ دیکھا اور جو شخص نہیں جانتا تھا، اُسے بھی پتا چل گیا کہ حارث، شہزادی نجم کو اغوا کر کے لے گیا ہے، لوگوں نے کہا ہے کیا ہے تو کیا ہوا، وہ اُس کے ”انعام کی رقم“ تھی جس طرح چاہے خیر کرے۔ یوں شاہی خاندان کی برائی کا ڈھنڈورا پٹوایا گیا۔ بنی طور کی خاندانی وجاہت کا تقاضا یہ تھا کہ شہزادی نجم کے اغوا کا لفظ کسی کی زبان پر نہ آتا اور مجرم کی تلاش خفیہ طور پر کی جاتی۔“

دونوں بھائی یہ گفتگو سن کر ہکا بکا رہ گئے بلکہ کچھ نام بھی نظر آئے۔ جعفر کی باتوں میں زندگی کے تجربے کے ساتھ ساتھ عرکِ دانائی بھی بھول رہی تھی۔ شہزادی کی تلاش میں حزم و احتیاط سے کام نہیں لیا گیا تھا۔ خاریج نہایت کے لیے میں بولا۔

”تم ٹھیک کہتے ہو جعفر! بے شک ہم سے غلطی سرزد ہوئی کہ نجم کے اغوا پر اسخفاہ کا پردہ نہ ڈال سکے۔“

”ہر غلطی کے بعد انسان ایک تجربہ حاصل کرتا ہے اور تجربہ اُسے نئی غلطی سے روکتا ہے۔“

”ہم بھی اس تجربے سے سبق حاصل کریں گے۔“ پھر خاریج نے دوسری بار مسند کی طرف اشارہ کیا۔ ”جعفر! مسند پر آجاؤ اور اپنے علم کے مطابق نجم اور حارث کے بارے میں جو کچھ بتا سکتے ہو، بتاؤ۔“

سے پتا چلتا ہے کہ صحراؤں کا سفر اس کی قسمت میں لکھا ہے بلکہ صحرا سے اُسے ایک خاص تعین ہے اگر میرا قیاس غلط نہیں تو اس وقت بھی وہ پہاڑوں اور صحراؤں کے درمیان بھر کر رہی ہوگی۔ ابھی اُس کی منزل دور ہے مگر جہاں بھی جائے گی اس کی حیثیت کسی ملک سے کم نہ ہوگی کیوں کہ خوش بختی کا ستارہ اس کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ صحرا کے لوگ اس کے حسن کی پرستش کریں گے وہ ان پر حکومت کرے گی اور جنگ جو شوہر اس کی ہر ادا پر قربان ہوگا، اس کے ہر حکم کی تعمیل کرے گا۔

یہ ایسے انکشافات تھے جو خار و یہ اور شبیبان کے ہوش و حواس پر حیرت کی بجائیاں بن کر گرے اور اب انہیں معلوم ہوا کہ جعفر نے شہزادی نجم کی تلاش کو بے سود کیوں قرار دیا ہے۔ کمان سے نکلنے والا تیر کمان میں لوٹ کر نہیں آیا کرتا اور قفس سے اڑنے والا پرندہ قفس میں واپس نہیں آتا۔ نجم جو صحراؤں پر حکمرانی کی خواہش مند تھی شہروں سے ناتا توڑ کر ان صحراؤں کی جانب چلی گئی جہاں طاقت ور لوگ اس کی پرستش کریں گے جب کہ انقطاع میں اُسے ایک غلام کے ساتھ باندھا جا رہا تھا۔

دونوں بھائی گم حسم، حالات کی اس نیرنگی پر حیران ہوتے رہے اور جعفر نجوی کہنے لگا ”اس بات پر افسردہ ہونے کی ضرورت نہیں کہ شہزادی نجم کسی غیر مرد کے ساتھ چلی گئی ہے ہر عورت اپنے والدین کے گھر کسی غیر مرد کے لیے پیدا ہوتی ہے اور ایک دن اُس کے ساتھ چلی جاتی ہے۔ البتہ اس اعتبار سے اس کا چلا جانا ضرور افسوس ناک ہے کہ وہ اپنی خوش بختی ساتھ لے گئی اور بنی طولون کو ان کی تیرہ بھتیجیوں کے ساتھ چھوڑ گئی ہے شہزادی نجم البیل ”ستارہ شب“ خاندان کے لیے خوش بختی کی علامت تھی، جو انقطاع سے رخصت ہو گئی اور جب کسی خاندان سے خوش نصیبی چلی جائے تو بھیجے تقدیر کے کھسکے ہوئے کالے حروف باقی رہ جاتے ہیں جو کسی دوسرے کی روشنی سے چلتے ہیں۔ سلطان ذی شان بنی طولون کے لوگ صرف آپ سے روشنی حاصل کرنے میں۔ آپ خاندان کے لیے تیر اقبال کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جب تک طولونی ریاست کی باگ ڈور آپ کے ہاتھ میں رہے گی بنی طولون کی قسمت کے کالے حروف فروزاں رہیں گے پھر بھی عروج و زوال کے درمیان ایک کشمکش جاری ہے بلکہ نجم البیل کے انقطاع سے چلے جانے پر زوال کا آغاز ہو چکا ہے۔ ”روشنی کا ستارہ“ مصر کے آسمان کو چھوڑ کر کسی دوسرے آفتی پر

”آپ حارث کو ملک حرام اور غدار قرار دیتے اور اس پر اپنی بیوہ بن کے اغوا کا الزام دھرتے ہیں لیکن حارث کا زنا چکر بنانا ہے سو غداری اور ملک حرامی کا مرتکب نہیں ہوا۔ اور میرا اپنا اوداک یہ کہتا ہے، جب آپ خود شہزادی کو حارث کے عقد میں دینے پر تیار تھے، وہ اُسے اغوا کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا خواہ شہزادی اسے لیند کرتی یا اس کی زوجہ بننے سے انکار کر دیتی، اغوا کے جرم کا ارتکاب کر کے وہ شہزادی کے استحقاق سے محروم ہو جانا، ہرگز گوارا نہ کرتا۔ البتہ قیاس یہ کہتا ہے کہ شہزادی نے عقد ثانی کے لیے کسی مرد کو پسند کر لیا تھا اور وہ اسی کے ہمراہ جا رہی ہوگی کہ حارث نے دیکھ لیا اور اُسے روکنے کے لیے آگے بڑھا کیوں کہ انقطاع یا فسطاط سے اُس کا فرار حارث کے حق میں نہیں تھا۔ حارث کے دلچسپی سے یہ بات ظاہر ہے کہ زندگی میں ایک بار اُسے زبردست شکست سے دوچار ہونا پڑے گا جس کے نتیجے میں قید ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہے، شہزادی نجم کا منتخب مرد طاقت، جنگ جوشی اور بہادری میں یکتا تھا، جس نے حارث جیسے فوجی سالار کو دست بہ دست لڑائی میں پچھاڑ دیا اور اسیر کر کے لے گیا۔

سلطان ذی شان! یہ بات آپ بھی سوچ سکتے ہیں کہ جو مرد بنی طولون کی ایک شہزادی کو اپنے آیا، وہ تنہا ہرگز نہ ہوگا بلکہ تیغ زنی اور نیزہ برداری کا جھگڑا اس کے بارگاہِ دیوہوگا کہ اگر اس کا راستہ روکا جائے تو طولونیوں سے لڑ کر بھی شہزادی کو لے جائے میرے نزدیک یہ اغوا کا حادثہ نہیں، دل کا سودا ہے اور شہزادی نجم اپنی مرضی سے آپ کو، اپنے عزیز واقارب کو، بنی طولون کو، انقطاع کو، مصر کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ گئی ہے جس طرح کمان سے نکلا ہوا تیر چلتے میں لوٹ کر نہیں آتا اسی طرح شہزادی نجم کی واپسی بھی ناممکن ہے لہذا اسے تلاش کرنے یا برآمد کرنے کی ہر کوشش بے سود ہوگی میرے علم و عرفان کے مطابق نجم ایک ایسے مضبوط اور طاقت ور حلقے میں چلی گئی ہے جہاں سے طولونی فوج بھی اسے واپس نہیں لاسکتی۔“

یہ کہہ کر جعفر نجوی خاموش ہو گیا اور طولونی سلطان اور شہزادہ شبیبان پر حیرت کا ایک نیا سکتہ گزر لے لگا۔ اچانک خار و یہ البو جیش اُس سکتے سے نکلا اور بڑی جھپٹی سے بولا۔ ”کیا یہ بنا سکتے ہو، وہ کس طرف چلی گئی اور اس وقت کہاں ہوگی۔“

”میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا، نہ کسی جگہ کا تعین کر سکتا ہوں۔ البتہ زاپچے

صوح ہونے والا ہے لیکن زوال آپ کے عروج کو آسانی سے شکست نہیں دے سکے گا۔ میں نے پہلے بھی کہا تھا اور اب بھی کہتا ہوں کہ طالع بد سے بچنے کی کوشش عقل مندی ہے لیکن قسمت کی سیاہی آنسوؤں سے نہیں مٹائی جاسکتی، اس کے لیے ہمت اور جدوجہد کرنا پڑتی ہے۔ جدوجہد ہی سے انسان اپنے بڑے نصیب سے بچ سکتا ہے بلکہ اسے بدل بھی دیتا ہے۔

سلطان ذی شان: اب میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ شہزادی نجم کو بھول جائیں اور اس کی تلاش کا سلسلہ ختم کریں، جو آپ کے خاندان کی ذلت و رسوائی کا سبب بن رہا ہے۔ یہ مشورہ میں اس لیے دے رہا ہوں کہ ”اغوا“ کے لفظ میں عورت کی مرضی کے خلاف مرد کی زبردستی، وحشت، اور جبر کے معانی مضمر ہیں۔ ایسی ذلت و رسوائی کسی حکمران خاندان کے زوال کی ابتدا ہوتی ہے اور بنی طولون کو زوال کا سنگین خطرہ درپیش ہے لہذا آپ کو اسے روکنے کی سعی کرنا ہوگی۔

میرے نزدیک تلاش بے سود کا ہمکنار ہے اس خبر کے ساتھ ختم کر دینا زیادہ مناسب ہوگا کہ شہزادی نجم کا پتہ مل گیا ہے اور اس کا قاصد خیریت کی اطلاع لے کر آگیا ہے۔ وہ اپنی سوڈانی کنیز عنبر اور اپنے جشی غلام ڈنگا اور اپنے فوجی محافظ حارث کے ہمراہ اللہ سے کی زیارت کے لیے یا مکہ معظمہ عمرہ یا حج کرنے چلی گئی ہے اور کچھ عرصہ وہیں قیام کرے گی۔ اس اطلاع کو قابل قبول بنانے کی خاطر آپ کو ایک جعلی قاصد بنانا اور اسے ایک جعلی خط مہیا کرنا ہوگا جسے وہ شہزادی نجم کی طرف سے آپ کے حضور پیش کرے گا۔ اکثر لوگ حکمرانوں کی باتوں کا اعتبار کرتے ہیں اور جو نہیں کرتے، وہ بولنے کا حوصلہ نہیں رکھتے۔ اس طرح شہزادی نجم کے اغویا فرار کے متعلق بدنامی اور رسوائی کی جو باتیں ہو رہی ہیں، آپ سے آپ ختم ہو جائیں گی۔ میں نے دروغ مصلحت آمیز کی یہ ترکیب اس لیے پیش کی ہے تاکہ بنی طولون کو بدنامی اور زوال سے بچایا جاسکے۔

ان الفاظ کے ساتھ جعفر نجوی نے تقریر ختم کی اور اپنا گونج سنہا لے لگا۔ دونوں بھائیوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں اس کی تجویز سے اتفاق کیا کیوں کہ اس کی تجویز بنی طولون کی ہونے والی بدنامی کو رد کر سکتی بلکہ اسے ایک نیا مفہوم دے سکتی تھی۔ جعفر اپنا گونج سنہا ل کر مسند سے اتر اتر خار میدان ابوحیش سے بڑے بیچہ لیکن

لیکن مدغم لہجے میں مخاطب ہوا آپ کے لیے میرے پاس ایک اور عجیب خبر ہے۔ کل میں حضور کے زائچے کا از سر نو مطالعہ کر رہا تھا کہ ایک نئی بات معلوم ہوئی۔ کاتب تقدیر نے جو حالات رقم کیے ہیں ان کے مطابق آپ کی ذات گرامی کو غلاموں کی طرف سے ایک سنگین خطرہ درپیش ہے، لہذا اپنی حفاظت کا خاص خیال رکھیں اور کسی غلام پر زیادہ اعتماد نہ کریں۔

پھر اس نے کورنش ادا کی، نصحت کی اجازت لی اور گونج بھل میں دبا کر کمرے سے نکل گیا اس مرتبہ دروازے کا ایک کواڑ کھلا اور وہ اسی کھلے کواڑ سے باہر گیا تھا مگر خار بیہ ابوحیش ”غلاموں سے درپیش سنگین خطرے“ کی خبر سن کر جو اس کے نامہ اعمال میں درج تھی، اس قدر بدحواس ہو گیا تھا کہ نظروں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا۔ وہ کواڑ کھلتے دیکھ سکا نہ اس کی مدغم سی آواز سن سکا بلکہ خوف اور پریشانی کی حالت میں اسے یوں لگا جیسے جعفر نجوی بند دروازے کے کواڑوں میں کسی روج کی طرح تحلیل یا اچانک غائب ہو گیا ہے۔ اور دروازے پر ایک ”گناہ آدمی“ کی عرضی دہری چسپاں کر گیا ہے جس میں اسے ایک جبین غلام کی ہلاکت کا ذمے دار ٹھہرایا گیا تھا۔



KHAN BOOKS
& LIBRARY
8-527, BHABRA BAZAR, RAWALPINDI.
Cell: 0345-5048634 - 0345-5048589
Prop: Ali Khan

مَنْزِل مُرَاد

سرمداریان کی رہنمائی میں سفر کرنے والے قافلے نے دوسرا پڑاؤ اس غریب کے تمام پر کیا جو ہجرہ قدیم کے شانہ جتو پھیلے طویل پڑاؤی سلسلے میں تلخ سویرے کے کنارے واقع ہے۔ یہ پڑاؤی سلسلہ سات آٹھ ہزار فٹ سے زیادہ بلند نہیں جو سمندر کے ساتھ ساتھ کسی مضبوط دیوار کی طرح قائم اور بے حدود شمار ہوتا ہے۔ اسی کے مشرق میں لانا سمندر اور مغرب میں "سحرائے عربی" پھیلا ہے جس میں سفر کرنا آسان نہیں مگر سرمداریان اس صحرا کے قابلِ عبور راستوں سے واقف تھا۔

اگر شوال کو قافلہ رات بھر اسی صحرا میں سفر کرتا رہا اور جھوکوں کے پھاڑی سلسلے کو عبور کر کے جنوباً اقباب سے قبل اس طریب کے غریب پہنچ گیا جہاں وہ ایک کوہستانی وادی میں ٹھہرا۔ ہوا ہر پڑاؤ پر شہزادی نجم، ابنِ حرب اور عتبہ کے لیے ایک ہی خیمہ لگایا جاتا تھا جب کہ دوسرے لوگ چھوٹا دریا میں کھام کرنے لگے۔ ہر پڑاؤ پر حرات کے زخموں کی مرہم چھی ہوئی تھی جن میں بدستور میس اٹھی تھیں کیوں کہ رات کو صحرا میں سفر کی رفتار تیز ہوتی لیکن دوسری رات شمس کی شدت کچھ کم ہو گئی، جب قافلے نے اس غریب کے قریب پڑاؤ ڈالا اس نے اپنے گھرانے عبداللہ سے درخواست کی کہ شہزادی نجم سے ملنا چاہتا ہے مگر عبداللہ نے بڑے شکرانے سے انکار کر دیا۔

"اگر شہزادی نہیں تو ابنِ حرب سے کہو، میری بات سن سے۔"

"آقا منزل پر پہنچ کر انھیں ملاقات کا موقع دیں گے۔"
"اور منزل کہاں ہے؟"

"عبداللہ نے پہلی بار بتایا: "ہجرہ قدیم کے اُس پار"
حارث کی بے یقینی بڑھ گئی۔ "کیا میں جا رہے ہوں؟"
"جہاں ہم جا رہے ہیں، اس مقام کا کوئی نام نہیں۔"
"نام کے بغیر کوئی مقام نہیں ہوتا۔"

"بے نام کا مقام بھی ہوتا ہے۔" عبداللہ نے اسے کچھ اور حیرت زدہ کر دیا۔ "جہاں آندھیاں جلتی ہیں، بگولے رقص کرتے ہیں، ریگ رول کے طوفان آتے ہیں، اُس جگہ کو کیا کہتے ہیں؟"

حیرت اور خوف سے حرات کی آنکھیں پھیل گئیں۔ ہونٹ ٹھنڈے "سحرا"
"ہم ایک خوف ناک صحرا میں جا رہے ہیں جسے لوگ بادِ یثام کہتے ہیں لیکن اس کے سمت سے حلقوں اور گوشوں کا کوئی نام نہیں۔"

"بادِ یثام" کا ذکر سن کر حرات کے بدن پر ایک پکیسی سی طاری ہو گئی۔ "پھر اپنے آقا سے کہو، میری رستیاں کھول دے، میں بھاگنے کے قابل نہیں ہوں۔"
"تم تقدیر کی رستوں میں جکڑے گئے ہو، یہ نہیں کھل سکتیں۔"

کسی کو شہزادی نجم، ابنِ حرب (جسے قافلے میں "مثنیٰ" کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا) اور عتبہ کے خیمے کے قریب ہی جانے کی اجازت نہیں تھی۔ شہزادی اور عتبہ دونوں نے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا تھا کہ قافلے والے اسے "مثنیٰ" کیوں کہتے ہیں۔ شہزادی نجم کے بقول اب وہ تینوں "ایک" تھے اور ان کے درمیان کوئی تکلف یا کوئی حجاب نہیں تھا خود شہزادی نجم عتبہ کی دل جوئی چاہتی تھی جس نے ان دونوں کا پوری وفاداری سے ساتھ دیا اور ابنِ حرب کو بھی اپنا گرویدہ کر لیا تھا۔ غالباً اسی لیے وہ عتبہ میں دل چسپی لینے لگا اور اس کی دل جوئی سے بے مسکرا کر بات کرتا تھا۔ شہزادی نے بھی مسکرا کر پوچھا۔

"مثنیٰ" دوسرے کو کہتے ہیں، تم کس کے "دوسرے" ہو؟
اس نے بڑے شکرانے سے جواب دیا: "اپنے خلیفہ شیخ آقا حسین کا۔"
"کیا وہ صحرا سے ہم شکر ہیں؟"

"نہیں" وہ وضاحت کرنے لگا۔ "جس طرح تم، عزیز اور میں تینوں" ایک ہیں، اسی طرح میں آقا حسین کا منتفی یا "دوسرا" ہوں اور ہمارے درمیان کوئی فرق نہیں۔ ہمارا مقصد اور بعض باتیں مشترک ہیں۔"

یہ ایک سنسنی خیز وضاحت تھی کیوں کہ جب اس نے شہزادی، عزیز اور اپنے آپ کو ایک "اکائی" قرار دیا تو سانولی سلونی کنیز کا دل نیزی سے دھڑکنے لگا تھا اور خود شہزادی نجم نے اس کی یہ کیفیت محسوس کر لی تھی لیکن عرب معاشرے میں جہاں کنیزوں نے ذاتی صفات پر بڑی اہمیت حاصل کر لی تھی، اُن کا محبت میں اشتراک "کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں تھی۔ انوکھی اور نئی بات یہ تھی کہ ایک شہزادی اپنی کنیز کے ساتھ "اشتراکِ محبت" کی خواہش مند تھی۔ ابنِ حرب چاہتا تو عزیز کے سامنے شہزادی یا شہزادی کے سامنے عزیز سے اظہارِ محبت کر سکتا تھا مگر یہ سفرِ اہل تھا کہ کسی نے بھی ایسی دل چسپی کی طرف توجہ نہیں دی۔ انھیں تو اپنے سفر سے، صحرا سے صحرائینوں سے یا آنے والے دونوں سے دل چسپی تھی اور ان کے ساتھ عزیز بھی اس دل چسپی میں شریک تھی۔ ابنِ حرب شہزادی نجم کو جماعت اور مذہبی شیخ کے متعلق مبہم الفاظ میں کچھ اشارے دے چکا تھا لیکن اب عزیز بھی اس کے سفر، اس کے مقصد اور اس کے پیار میں شریک تھی۔ دونوں ایک نئے حلقے اور نئے ملک کے لوگوں میں جاری تھیں لہذا اس نے جماعت کے متعلق کچھ باتیں بیان کر دینا ضروری سمجھا تاکہ وہ صحرائینوں میں جا کر خود کو اجنبی محسوس نہ کریں۔

شہزادی نجم اللیل اور سوڈانی کنیز کو تحریکِ قرامطہ کا کوئی علم تھا، نہ ان دونوں نے کبھی شیخ ذکر دیا یا اس کے بیٹوں بھی حسین اور علی کے نام سنے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ قرامطہ کی تحریک کو خاص مصطلحات اور خاص مقصد کے تحت انتہائی خفیہ رکھا گیا تھا۔ یہی اخفا جماعت کی شمش اور قوت کا ذریعہ ثابت ہوا تھا۔ اس نے بتایا کہ امام یحییٰ جماعت کا مذہبی پیشوا اور آقا حسین اس کا مذہبی نائب اور جانشین ہے۔ وہ خود صحرائی قبائل کا سپہ سالار اور حاکم مقرر ہوا یا دوسرے لفظوں میں ایک سرغنہ ہے۔ شیخ دیمان سے لے کر شتر سواروں تک تافسے کا ہر آدمی جس طرح اس کا حکم سنتا، اسی سے اس کے حاکم اور سرغنہ ہونے کی تصدیق ہوتی تھی۔ شہزادی نجم اور عزیز کو اب صرف ابنِ حرب سے

نہیں بلکہ ان بادیہ نشینوں سے بھی لگاؤ تھا جن کے درمیان وہ جاری تھیں سانولوں نے ساری باتیں بڑی توجہ سے سنیں۔ نجم اللیل تو مارے حیرت اور خوشی کے بولے۔

"ہم تو خود ایک خفیہ جماعت بنانے کے متعلق سوچا کرتے تھے کیوں کہ خفیہ اور منظم جماعت اقتدار کے لیے نیزے کی آبی اور تلوار کی دھار سے زیادہ کام کرتی ہے۔ ان الفاظ کے ساتھ اس نے ذاتی طور پر قرامطہ کی جماعت کو قبول کر لیا۔ عزیز نے بھی خفیہ تحریک سے گہری دل چسپی کا اظہار کیا۔ اس طرح ایک بہت بڑی مشکل خود بخود حل ہو گئی ورنہ ابنِ حرب کو اندیشہ تھا کہ طولانی شہزادی کہیں قرامطی جماعت پر نکتہ چینی نہ کرے۔

شہزادی نجم اللیل نے علاء صحر الزباد کا خواب دیکھا تھا اور اس خواب کی تعبیر چاہتی تھی، اس لیے صحر اور صحرائینوں سے اس کی دل چسپی گہرا ایک طبعی تقاضا تھا مگر عزیز کے متعلق اس نے یہ فرض کر لیا کہ وہ اپنی دناواری اور خدمت کے عوض ان دونوں کی محبت و راحت میں شرکت چاہتی ہے یا پھر خود کو ان سے علاحدہ نہیں سمجھتی، ان سے علاحدہ ہو بھی نہیں سکتی تھی۔ وہ ان دونوں کے اچھے یا بُرے انجام میں شریک ہوتی تھی اور اسی لیے شہزادی نے اُسے اپنی محبت میں بھی شریک کر لیا تھا۔

عزیز موٹے موٹے گردل کش سوڈانی نقش و نگار کی ایک پُرکشش سانولی عورت تھی جو چھوٹی عمر ہی میں طولونی محلات میں آگئی اور شہزادی نجم اللیل کی خدمت پر مامور ہو گئی تھی۔ وہ شہزادی کے ساتھ الفاظِ ہی میں جوان ہوئی لیکن فرق صرف یہ تھا کہ سترہ برس کی عمر میں نجم اللیل کی ایک طولونی مرد کے ساتھ شادی کر دی گئی اور چند برس میں بیوہ بھی ہو گئی جب کہ عزیز کے ساتھ ایسا کوئی حسین واقعہ پیش نہ آیا اور وہ جوان ہونے کے باوجود ابھی تک مرد سے نا آشنا تھی شاید اسی لیے شہزادی کے ساتھ خود بھی اس کے بہادر بے رحم جنگ جو محبوب کو اپنا "مکرِ رنگہ" بنا بیٹھی اور اس کی بیگم نہیں تو لوندی بننے کی خواہش کرنے لگی تھی۔

معلوم نہیں اُس نے شہزادی نجم کی بے لوث خدمت اور بے مثال دناواری کے عوض اس کی محبت میں شرکت کی شرط رکھی تھی یا کوئی اور بھید، کوئی اور فائدہ تھا جس کے اخفا کی خاطر ان دونوں کے درمیان ایک سمجھوتا ہو گیا، بہر حال جو کچھ بھی تھا، دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا اس ستر نہاں سے آگاہ نہ تھا اور شہزادی نے اپنی محبت میں اس کی شرکت قبول کر لی تھی۔

جانب روانہ ہوئے جو وہاں سے تقریباً ۵۶ میل دور تھا۔ پھر اور پہاڑوں کا سفر طے کرنے کے بعد اب انھیں ۵۶ میل چھوڑا۔ بحیرہ قلزم عبور کرنا اور دوسرے کنارے راس محمد کی پہاڑی پر اترنا تھا جو نئی جہاز روانہ ہوئے، چاند بحیرہ قلزم کے مغربی پہاڑوں کی اوٹ میں غروب ہو گیا اور مغربی ساحل کے علاوہ سمندر پر لمبی تاریکی چھا گئی۔ عرب ملاح تاریکی میں بھی جہاز رانی کے ماہر اور اپنے راستے سے خوب آگاہ تھے۔ ہوا کا رخ اگرچہ شمال سے جنوب کی طرف تھا لیکن باد بانوں کی مدد سے جہاز ایک مخصوص رفتار سے مشرق کی سمت بڑھتے رہے۔

یہاں بھی شہزادی نجم، ابن حرب اور کثیر غیر ایک کمرے میں اور سردار دیان سمیت اس کے غلام اور ڈونگا دوسرے کمرے میں منقسم ہو گئے تھے۔ وہ تینوں کمرے کے کھلے دروازوں سے کالے سمندر کا نظارہ کر رہے تھے جو آہستہ آہستہ تبدیل ہو رہا تھا۔ تبدیل ہونے لگا تھا کیوں کہ رات رخصت ہو رہی اور مشرق کی جانب صبح کا زب نمودار ہو رہی تھی۔

ہر جہاز میں بیس بیس جہتی ملا تھے جو بیک آہنگ چمچ چلانے میں ماہر اور انھیں دوسرے ساحل کی طرف لیے جا رہے تھے کچھ عرب ملاح ہوا کا رخ دیکھ کر باد بانوں کو ذرا ترچھا بیڑھا کرنے یا پیوار تھامے رکھتے تھے۔ جہاز ران افسر بھی جانتے تھے کہ مسافروں کو دوسرے کنارے پہنچنے کی جلدی ہے۔ انھوں نے رفتار تیز رکھی تھی۔ پھر بھی بحیرہ قلزم کو عبور کرنے میں پورے دو گھنٹے صرف ہو گئے۔ سورج سمندری سفر میں طلوع ہوا تھا۔ تقریباً ۵۶ میل کا بحری سفر طے کر کے وہ راس محمد کی پہاڑی پر اس وقت لنگر انداز ہوئے جب دن کا پہلا پہر گزر چکا تھا اور مشرقی ساحل کی ریت اور چٹانیں سورج کی تہا زت سے تپنے لگی تھیں۔

تینوں جہاز مسافروں اور جانوروں کو راس محمد کے ساحل پر اتار کر حلیج عقبہ میں ایک مصری بند گاہ کی طرف روانہ ہو گئے اور جہاں شہزادی نجم کو بعد ازاں معلوم ہوا کہ جہاز بھی مصری تھے جو کرائے پر حاصل کیے گئے اور ان کے عرب جہاز ران بھی مصری تھے لیکن انھیں یہ علم نہیں ہونے دیا گیا کہ جہازوں میں سوار ہونے والے مسافر کہاں سے آئے اور کہاں جا رہے ہیں۔ وہ شہزادی نجم کی شخصیت اور غیر کی حیثیت سے آگاہ نہ ہو سکے انھیں

سانولی سلونی اور کنواری غیر میں وفاقا جذبہ غالب تھا، جوانی کی کشش تھی۔ ابن حرب اسے پسند کرنا اور اپنی محبت میں شریک کرنے پر راضی تھا۔ اس نے کسی شرط یا پھونٹے کا معاملہ ان دونوں کی صوابدید پر چھوڑ دیا اور ان کی خوشی کو اپنی خوشی سمجھ کر سفر صحرا اور باد یہ نشیں قبال کے متعلق ایسی معلومات فراہم کرتا رہا جن سے انھیں واسطہ پڑنے والا تھا۔

غروب مشرقی مصر کے راستوں پر سفر صرف رات کو ضروری سمجھا گیا تھا۔ و سوال کا سورج غروب ہوتے ہی پڑاؤ اٹھایا گیا اور قافلہ شمالاً جنوباً پھیلے بحیرہ قلزم اور اس کے پہاڑی سلسلے کے درمیان اونچی نیچی، مڑی مڑی اور شہزادہ اور اپنی پر جب کی سمت ہو گیا اس ناگوار اور مشکل راستے پر سفر کی رفتار کم ہو گئی تھی۔ چاندنی میں قافلہ اپنے راہبر کے پیچھے پیچھے چلتا رہا اور رات کے میسرے پر اس وقت مطلوبہ مقام پر پہنچا جب چاند غروب ہونے والا تھا۔ پھر بھی ڈھائی پہر میں تقریباً پچاس میل کا سفر طے کر لیا گیا تھا۔

مطلوبہ مقام پر بحیرہ قلزم کے ساحل کا منظر بڑا پراسرار معلوم ہوا تھا۔ شہزادی نجم اور غیر نے محل سے وہ منظر دیکھا تو حیرت زدہ رہ گئے۔ ڈوبتے چاند کی روشنی میں سمندر کے کنارے تین بڑے بڑے بادبانی جہاز لنگر انداز اور عرب ملاحوں کے ساتھ ان کے منظر تھے جن میں ایک جہاز دوسرے دو جہازوں سے ذرا الگ کر لنگر انداز تھا۔

آٹا ٹاٹا اونٹوں اور سانڈیوں کو بٹھایا گیا اور سامان اتارا جانے لگا۔ سردار دیان نے شتر سواروں کو حکم دیا کہ وہ جانوروں سمیت سامنے کے دو جہازوں پر سوار ہوں جہازوں کو جہازوں کے اندر پہنچانے کے لیے ساحل پر چوبی تختوں کے دو ایسے عارضی راستے یا پیل بنائے گئے تھے جن کا ایک سراسر ساحل پر اور دوسرا سراجہاز کے اندر پہنچا تھا۔ عمارت اور اس کے نگران عبداللہ کو بھی شتر سواروں کے ساتھ دکھا گیا۔

تیسرے جہاز میں جس پر خوب صورت کمرے بنے ہوئے تھے، شہزادی نجم، ابن حرب، غیر، ڈونگا کے علاوہ سردار دیان اور اس کے مسلح غلام سوار ہوئے جو اس سفر میں شہزادی نجم کی خاص حفاظت پر مامور تھے۔ جب پورا قافلہ جہازوں میں منتقل ہو گیا ملاحوں نے لنگر اٹھا دیا اور تینوں جہاز ایک خاص ترتیب سے بحیرہ قلزم کے مشرقی ساحل کی

صرف اتنا علم تھا کہ قافلہ مصر کے شہر اسدوط سے آیا اور جوف کی طرف جا رہا ہے پھر یہ بات اہل قافلہ کے لباس اور عادات و اطوار ہی سے ظاہر تھی کہ وہ صحرائی بدو ہیں اور ان کا کسی اہم معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔

مشرقی ساحل پر اترتے ہی نیا سفر پھر شروع ہو گیا۔

بحیرہ قلزم کے مغربی ساحل کی طرح مشرقی ساحل پر بھی پہاڑیوں کا ایک طویل سلسلہ چلا گیا ہے جو ساڑھے سات ہزار فٹ سے کچھ اونچی ہیں اور مشرقی ساحل پر لمبی پہاڑی سلسلے کو عبور کرنا جان جو کھوں کا کام سے لیکن سردار دیان جو اس علاقے کا ”چولو“ اور کبھی کبھی بحری قافلوں کو لوٹ لیا کرتا تھا ان پہاڑوں اور چٹانوں کے درمیان بعض ایسے مڑے تڑے مگر دشوار گزار راستے جانتا تھا جنہیں کسی ہم یا مشکل ذلت میں اختیار کیا جاسکتا تھا۔ ان پہاڑی راستوں پر سفر اگرچہ مشکل تھا۔ خاص طور سے جانوروں کے ساتھ پہاڑوں کے نشیب و فراز سے گزرنا ایک خطرناک منصوبہ تھا لیکن منصوبے کے مطابق انہیں راس محمد کی پٹی پر اترنا اور جانوروں سمیت پہاڑی ایچ پیج اور پست و بلند خطرناک راستوں کو عبور کرنا تھا۔

یہاں سے ان کی منزل حجرے دانستے بنی کلب کی قیام گاہ تھی جن کے جیسے بحیرہ مردار کے جنوب مغرب میں بادیرہ شام کے صحرائی حاشیے پر آباد تھے اور جن کے حدود اربعہ سے ہمارے قارئین واقف ہیں۔ راس محمد سے بنی کلب تک تین یوم کی مسافت تھی مگر مشرقی ساحل کی پہاڑیوں کے ایچ پیج اور دشوار گزار راستے عبور کرتے ہوئے اصل راستے نہیں تھے۔ پورا ایک دن صرف ہو گیا۔ پہاڑی راستوں کے نشیب و فراز سے گزرتے ہی انہوں نے عرب کی مشہور شاہراہ امام مبین کو جو بحیرہ قلزم کے کنارے کنارہ سے مین سے شام و فلسطین کی طرف چلی گئی تھی، بڑی سرعت سے پار کیا اور غروب آفتاب کے بعد بھی سفر جاری رکھا۔

بحیرہ قلزم کو عبور نہ کرنے اور حجر کے علاقے میں پہنچ جانے کے بعد دن کو آرام اور صرف رات کو سفر کرنے کی کوئی باندی نہ تھی۔ اب طوبی رساے کے تعاقب کا کوئی خطرہ نہیں تھا اور اس خطے کے دستور کے مطابق وہ دن کے ٹھنڈے اوقات میں بھی سفر کر سکتے تھے۔

امام مبین کی شاہراہ عبور کر کے انہوں نے حجر کے شہر معان کا رخ کیا جسے چند میل بائیں اٹھ چھوڑ کر وہ اپنی منزل کے کچھ قریب ہو جاتے مگر پہاڑی سلسلے کو عبور کرتے ہوئے

انسان اور جانور دونوں تھک گئے تھے اس لیے امام مبین سے چند میل آگے ایک ویرانے میں پڑاؤ ڈال دیا گیا۔ آگے دن انہوں نے آب کی دوسری شاہراہ راحۃ اشتاء والصف کے کنارے قیام کیا اس طرح پڑاؤ پر پڑاؤ ڈالتے تیسرے روز اور فسطاط کے ساحل سے روانگی کے ساتویں دن (کیوں کہ راستوں کی مشکلات کے باوجود سفر کی رفتار خاصی تیز رہی تھی) وہ بادیرہ شام کے صحرائی حاشیے پر نمودار ہوئے۔

سورج غروب ہونے میں ابھی نصف پہر باقی تھا کہ وہ صحرا کا حلقہ عبور کر کے بنی کلب کے خیوں میں پہنچ گئے۔ شہزادی نجم اور عنبر نے محل کے پردے اٹھا کر باہر جھانکا تو یہ دیکھ کر جنہوں میں سنسنی سی دوڑ گئی کہ بنی کلب کے مردوں، عورتوں اور بچوں کا ایک جم غفیر جو ہزاروں پر مشتمل تھا ان کے استقبال کے لیے خیوں سے باہر نکل آیا تھا اور عورتیں اور بچے سب ان کی آمد پر صحرائی گیت گارہے تھے۔

مصر کے بڑے بڑے شہروں اسکندریہ اور فسطاط میں ہزاروں کا مجمع ہے شک کوئی اہمیت نہیں رکھتا جو کالین صحرا کی دنیا میں اتنا بڑا مجموعہ کسی عجوبے سے کم نہیں تھا۔ انہیں آگے آگے سردار نعمان خود موجود تھا جب سواریاں لڑکیں گیت کے درمیان ”مثنیٰ مثنیٰ“ کا شور اٹھا اور سردار نعمان اپنے امرا کے ساتھ آگے بڑھا اسی اثناء میں ابن حرب سواری سے اتر چکا اور سردار نعمان اپنے غلاموں کے ہمراہ اُس کے عقب میں ایک حلقہ قائم کر چکا تھا۔ سردار نعمان اور ابن حرب بغل گیر ہو رہے تھے کہ عورتیں محل کی طرف لپکیں اور شہزادی کو استقبالیہ گیت کی لے میں محل سے اتار پھر اُسے اور اس کی سوڈانی کنیز عنبر کو۔

اپنے حلقے میں لے کر خیوں کی طرف چلیں اور چند صحرائی لڑکیوں نے شہزادی پر پھول پھوار کیے۔ محل سے نکلے ہی اُس پر نگین چادروں کا سایہ ڈال دیا۔ چار دانے اُس کے ساتھ ساتھ چلتی رہیں۔ شہزادی نجم البیل اور اس کی کنیز کے قیام کا اہتمام سردار نعمان کے جیسے میں کیا گیا تھا۔ معان کی میزبانی کا فرض اُسی کے سپرد تھا۔ بنی کلب کے اس کی عورتیں طوبی شہزادی کو سرداری کے خیمے میں لے گئیں اور سردار نعمان اپنے مہمان کو خیمے کے اُسی کمرے میں لے کر داخل ہوا جہاں کچھ عرصہ قبل اُس کا علاج کیا گیا تھا۔ سردار نعمان کے ساتھ بنی کلب کے امرا میں وہ طبیب بھی تھا جس نے ابن حرب کو موت کے منہ میں جانے سے بچایا تھا۔ مگر جب وہ بغداد سے جھاکا ہوا ایک ملام تھا جو کران ترک کے دُرسے بنی کلب میں نیا آئیں

کر سکا اور اب وہ آقا حسین کا دشمن بن کر آیا تھا۔ اس جب اور اب کے درمیان ایک نئی تاریخ شروع ہو چکی تھی وہ بنی کلب سمیت اُن بادیہ نشین قبائل کا سالار اعلیٰ یا حاکم بن گیا تھا جو جماعت کی خفیہ دعوت قبول کر چکے اور خلافت و حکومت کو بدل دینا چاہتے تھے۔ بنی کلب کے سردار اُس کی حربی صلاحیتوں کو جان چکے اور یقین رکھتے تھے کہ وہ جماعت کے لیے کامیابیاں حاصل کرے گا۔

مہانوں کی شہرت سے تواضع کی گئی مگر جب کنیزیں صراحیاں اور کوب اٹھا رہی تھیں خیمے کے دوسرے حصوں میں مجیروں کی موسیقی کے درمیان دف کی آواز ابھری پھر قبائلی غنائی لے سنائی دی۔ اُدھر طولونی شہزادی کے اعزاز میں رقص و موسیقی کی محفل برپا ہو چکی تھی اور قبائلی رہنما عظیم اپنی معزز زبان کی آمد پر مسرت کا اظہار کر رہی تھیں۔

شہزادی اور ابن حرب کے ساتھ آنے والے سردار و دیان کے غلام اور شہزادہ سوار سب سردار نہمان کے مہمان تھے اور انھیں دوسرے حکم تک بنی کلب ہی میں قیام کرنا تھا۔ رات کو دعوت کا ہنگامہ پیارا لیکن اُس رات شہزادی اور عزیز صواری عورتوں میں کچھ اتنی مصروف رہیں کہ پھر ابن حرب سے ملاقات نہ ہو سکی عورتیں اُس قدر خوش تھیں جیسے شہزادی نہیں بلکہ بنی کلب میں خوشیوں کی برات اُگئی ہے۔ شہزادی کے لیے بھی یہ مخلصانہ پذیرائی مسکور کن تھی۔



دوسرے روز صحرائی قبائل کے سردار اپنے تاجوں اور دوسرے امراء کے ہمراہ بنی کلب میں پہنچا شروع ہو گئے اور سردار نہمان اُن کا استقبال کرتا رہا۔ وہ لوگ شہزادی کے لیے قیمتی تحائف لے کر آئے تھے بنی کلب میں یہ اجتماع کسی خفیہ مجلس کے لیے نہیں تھا بلکہ آقا حسین اپنے مہمان اور شہزادی نجم کا خطیہ نکاح پڑھنے آ رہا تھا۔ یہ خبر اچانک سنی گئی تھی کہ آج شام اُن دونوں کی شادی ہونے والی ہے۔ صحرائی قبائل کے سردار اُن ناہنجوں اور امراء کی آمد بھی اسی سلسلے میں تھی۔ شادی کی بات یقیناً پہلے طے کر لی گئی اور سردار اُن کو اس کی اطلاع بھی دے دی گئی تھی لیکن سردار نہمان نے اُس کا اعلان طولونی شہزادی کی آمد پر کیا تھا۔ شہزادی نجم نے جبرستی طور پر واپس میں حیرت اور مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ اس بات پر

بے حد خوش تھی کہ ابن حرب اُسے صحرائیں لے آیا اور صحرائی رقص و رواج کے مطابق اس سے عقد کر رہا ہے۔ عزیز کا دل بھی دھڑکنے لگا تھا شہزادی نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ جب وہ ابن حرب کے حوالہ نکاح میں آجائے گی تو عزیز کو بھی لونڈی کے طور پر اس کے اختیار میں دے دے گی اور ابن حرب نے عزیز کو قبول کرنے کی حالی بھری تھی، جیسا کہ قارئین ماسبق میں پڑھ آئے ہیں۔ اس لیے جب سانولی سلونی عزیز کو معلوم ہوا کہ اس کی مالکین آج رات وہیں بنا کر حلیہ عروسی میں داخل کی جا رہی ہے تو اس کے کنوارے جسم میں ایک عجیب سی سنسنی ہونے لگی۔ ایسی سنسنی ہٹ چاہنے شوہر، مالک یا پہلے مرد کی ملاقات کے تصور سے لڑکی کے بدن میں ہوتی ہے۔

بنی کلب نے اپنے خیمے اگرچہ شہزادی کی آمد سے پہلے ہی جھاڑ پونچھ لیے اور انھیں تھوڑا بہت سجا بھی دیا تھا لیکن شادی کی تقریب کو شایان شان طریقے سے منانے کے لیے عورتیں انھیں آراستہ کرنے میں مصروف ہو گئیں اور سردار نہمان کے خیمے میں تو قبائلی لڑکیاں طرح طرح کے رقص کرنے اور صحرائی گیت گانے لگیں۔ طولونی شہزادی سردار نہمان ہی کے خیمے سے دلھن بنا کر رخصت کی جانے والی تھی اس لیے شادی اور شادی کی ساری خوشیوں کا ہنگامہ اسی خیمے میں ہوا تھا۔

بنی کلب میں کئی روز پہلے ایک مضرب (بڑا خیمہ) نصب ہو چکا تھا۔ کیوں کہ بنی کلب کو بادیہ نشین قبائل کا دارالصدر قرار دیا گیا تھا مگر شہزادی فی الحال نہمان کی حیثیت سے سردار نہمان کے خیمے میں ٹھہرائی گئی تھی البتہ اس نے بنی کلب کے خیموں سے الگ تھلک ایک بہت بڑا خیمہ دیکھا اور سوچا تھا شاید وہ حاکم قبیلہ کا خیمہ ہو گا لیکن اب معلوم ہوا کہ وہ لوہو نے دوکنل کے رقبے پر محیط وہ خیمہ جو کسی مشاہی محل سر کا نقشہ پیش کرتا تھا اس کے لیے نصب کیا گیا ہے اسی کے بڑے ایوان میں حاضرین کے سامنے خطیہ نکاح پڑھا جائے گا اور وہیں ایک آراستہ و پیراستہ محلہ عروسی میں اُسے داخل کیا جائے گا جہاں وہ ابن حرب کے ساتھ اپنی شب زفاف منائے گی۔

یہ سب کچھ بڑا مسرت انگیز اور سنسنی خیز تھا۔ شہزادی نجم کے لیے بھی سانولی سلونی عزیز کے لیے بھی۔

بڑے خیمے کے پار چلتی مکرے جھیں دو بڑی رہداریاں مختلف حصوں میں تقسیم

ہے۔ آج سے "ملکہ صحر" کہلائے گا اور شہزادی نجم العلیل "ملکہ صحرا" کے خطاب سے یاد کی جائے گی۔

پھر ان دونوں کو ہر ایک مسند پر بٹایا گیا۔ یہ گویا رسم تخت نشینی تھی جو ادا کی گئی۔ آقا حسین کا اعلان ہی کہ اور مسند نشینی کی رسم دیکھ کر قبائلی مردوں اور عورتوں میں خوشی کی بے پایاں لہر دوڑ گئی۔ اب ان کا ایک امام لگی تھا۔ ایک نائب امام بھی ایک حکم اور ملکہ صحرا بھی گویا نئی کلب کے خیوں میں ایک حکومت کے قیام کا اعلان کیا گیا تھا۔

نجم العلیل نے کئی سال قبل الزباد کی طرح "ملکہ صحرا" بننے کا جو خواب دیکھا تھا اس کی تعبیر بادِ شہنشاہ کے حاشیے پر ایک صحرائی قبیلے میں مل گئی۔ وہ "ملکہ صحرا" کے اعلان پر اس قدر مسرور تھی کہ آقا حسین کی آواز پر ہاتھ پائی کی صدا کا گمان گزرا اور جوشِ مسرت میں سُرخ نقاب کے اندر چہرہ نکلتا رہو گیا۔ اسی لمحے جب وہ مسرت و حسرت کی ایک عجیب کیفیت سے گزر رہی تھی کیوں کہ یہ واقعہ کسی طسمِ موشِ ربا سے کم نہ تھا۔ آقا حسین کی آواز بلند ہوئی "ملکہ صحرا اپنے چہرے سے نقاب الٹ دے تاکہ صحرائی قبیلے اس کا جلوہ حسن دیکھیں۔"

مسند پر بیٹھی شہزادی نجم نے ایک پل کے اندر اپنے چہرے سے سُرخ نقاب الٹ دیا اور لوگوں کے سامنے بے حجاب ہو گئی۔ سب کی نظریں دوڑ کر اس کے دھوئے "تاہاں پر پڑیں جو چاند سے زیادہ حسین اور بہاروں سے بڑھ کر زمین تھی۔ وہ آقا حسین اُسے دیکھ کر مبہوت رہ گیا۔ وہ ایک سراپا جمالِ عورت تھی جس کے خوب صورت چہرے پر لمبی لمبی غلانی آنکھیں گویا بکھٹے والوں پر چادر چھوٹ چکی تھیں۔ قبائلی مردوں نے اتنی حسین عورت آج تک نہ دیکھی تھی۔ سردار، ان کے نائب اور امراء بنے بانہ اٹھے اور اس کے سامنے سر جھکا کر کھڑے ہو گئے۔ "ملکہ صحرا" نے اپنے صحرائی سرداروں کا ہدیہ تعظیم قبول کیا اور خود بھی کھڑی ہو گئی پھر ہاتھ لہا کر کہا۔

"ملکہ صحرا کی حیثیت سے ہم صحرائی دستور پر عمل کریں گے، اُسے فرمائیں گے، اور تمہارے لیے فتوحات کا دروازہ کھولیں گے جو ہماری خاطر اور جماعت کے لیے ملواری اٹھائے گا اُسے ہمارے حضور میں رتبہ اور آخرت میں مرتبہ ملے گا مگر فتح کے ساتھ مالِ غنیمت میں سب کا حصہ ہوگا۔" یہ کہہ کر ناگاہ سبز شیش کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

سُرخ نقاب اندر سے دھن کی طرح اُڑا سنہ کر دیے گئے تھے سب کروں میں کھجور کی چٹائیوں کے فرش اور ان پر بندے اور قالین بکھے تھے۔ باہر بادِ یہ نشین تباہل کے مختلف النوع پھریرے اُڑ رہے تھے اب وہ اپنی آرائش و زیبائش اور شان و شوکت کے اعتبار سے کسی سراپہ وہ یا بارگاہِ شاہی سے کم نہ تھا۔

آج رات اُڑس کا جوڑا پہن کر شہزادی نجم کو اسی سراپہ وہ میں داخل ہونا اور کینز کو بھی شاہی دستور کے مطابق ساتھ ہی جانا تھا۔

کوئی تیسرے پہر آقا حسین کی آمد کا غل ہوا پھر دو صحرائی ایک جانب چالیس شہزادوں کے ایک دستے کے گھمے آگے اُس کی سواری نمودار ہوئی۔ ابنِ حرب سردار لغمان سمیت تمام سرداروں کو نلے کہ اُس کے استقبال کو آگے بڑھا طوفانی شہزادی اور اس کی کینز نے بھی خیمے کے رخنے سے اُس کی آمد کا نظارہ کیا۔ وہ اپنا مخصوص سبز لباس پہنے اور اپنے نصف چہرے کو حسب دستور عمامے کے ذیل سے ڈھانپے ہوئے کسی مذہبی رہنما کی طرح آیا اندنا قہ سے اُترتے ہی اپنے ٹٹلی سے بغل گیر ہوا قبائلی سرداروں سے اُس نے صرف مصافحہ کیا۔ سردار لغمان نے اس کی رہنمائی بڑے خیمے کی طرف کی جہاں ساقیہ لڑکیاں ٹھنڈے اور میٹھے شربت کی مرا جیاں لیے کھڑی تھیں۔ آقا حسین ابنِ حرب سے سرگوشیاں کرتا بڑے خیمے کی جانب ہولید۔

شربت پینے اور پیاس بجھانے کے بعد خیمے کے بڑے ایوان میں عقد کی مجلس منعقد ہوئی جہاں زیادہ سے زیادہ دو سو افراد کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ صرف سرداروں، نائبوں، امراء اور قبیلہ کے معززین ہی کو جگہ مل سکی۔ بہت سے لوگ خیمے کے باہر کھڑے ہوئے تھے۔ بنی ملک کی برقع پوش خواتین شہزادی نجم کو جس کے چہرے پر سُرخ نقاب ڈال رکھا تھا، اپنے حلقے میں لے کر آئیں اور ایک جانب بیٹھ گئیں۔ عزیز بھی ساتھ تھی۔

سردار لغمان کو شہزادی نجم العلیل بنت احمد بن طویون کا ولی مقرر کیا گیا تھا۔ آقا حسین منذ ابنِ حرب الکندی کا مرگئی و سرپرست خود بنا۔ اس نے بڑا مختصر خطبہ پڑھا اور ایجاب و قبول کے بعد دونوں کو زوجہ و شوہر قرار دیا۔ نکاح خوانی کی تقریب ختم ہوتے ہی شرکائیں خرمے بانٹے گئے اور دُکھا دھن کو مبارک باد دی گئی۔ آقا حسین نے ایک اہم اعلان کیا اور اعلان یہ کیا کہ اُس کا کشتی جو بادِ یہ نشین قبائل کا سالار اعلیٰ

”آقا حسین کیا ہم نے درست کہا؟“

آقا حسین بے اختیار ہلکا رہا تھا ”زمین تمہارے لیے کشتہ ہو، فتح و ظفر تمہارا ساتھ دے۔“

یہ پہلا مکالمہ تھا جو ان کے درمیان ہوا اور جس نے تمام لوگوں کے ساتھ مسند پر بیٹھے ابن حرب کو بھی ورطہ حیرت میں ڈال دیا کیوں کہ نجم نے آقا حسین کو ”آقا حسین“ کہہ کر مخاطب کیا اور شیخ نے اُسے آفرین کہی تھی۔

مردار نائب اور امراء اُس کی حاکمانہ شخصیت سے مرعوب ہو گئے تھے انھوں نے میانوں سے تلوار کھینچیں اور اُس کے قدموں میں رکھ دیں، گویا اُس کی خاطر لڑنے پر تیار تھے۔ وہ بڑی شان بگل سے بولی۔

”اپنی تلواریں اٹھاؤ اور جاکر سینٹل کرو۔ ابھی ان کی دھار پر ہمارے دشمن کے خون کی سُرخئی نہیں۔ بہت جلد ہم تمہارے جوہر دیکھیں گے۔“

آقا حسین نے پھر صراحتاً احسنتِ بلندی کی ”فصل الخطاب، فصل الخطاب“ (حق و باطل میں فیصلہ کرنے والا حکم حق و باطل میں فیصلہ کرنے والا حکم)

مرداروں، نائیوں اور امراء نے اپنی تلواریں اٹھالیں۔ آقا حسین طوہنی شہزادی کے شاہانہ اندازِ مخاطب پر بڑا خوش تھا وہ اُس کی توفعات سے کہیں بڑھ چڑھ کر مطلب کی عورت ثابت ہوئی۔ حکمرانی کے اندازِ جاتی تھی یا پھر اُس کے حسن میں ایسا سحر تھا کہ دیکھنے والا طربِ جمال سے سرخم کر دیتا اور اُس کا حکم ماننے پر مجبور ہو جاتا تھا۔

اس مجلس میں ایک ایسا شخص نہیں تھا جسے ہونا چاہیے تھا تاکہ وہ دیکھتا کہ اس نے ابن حرب جیسے جنگی مرد کے ذریعے شہزادی نجم العلیل کو جماعت کے قریب لانے کی جو کوشش کی وہ رائیگاں نہیں گئی اُس کا انتخاب فی الواقع اعلیٰ ثابت ہوا وہ شخص عربیہ کی کاروائی سرانے کا ایک سلیمان بن عامر تھا جو اپنی مجبوریوں کے باعث شریکِ مجلس نہ ہو سکا تھا کیوں کہ شہزادی نجم کے فرار کے ایام میں خود سرائے میں رہنا چاہتا تھا مگر سلیمان نے سرائے میں بیٹھ کر اس کے فرار کا نقشہ جس طرح ترتیب دیا، کوئی دوسرا ذہن ترقیب نہیں دے سکتا تھا۔

اس مجلس میں ایک ایسا شخص بھی تھا جسے غالباً نہیں ہونا چاہیے تھا اس لیے کہ اُس

کا ہونا نہ ہونا بیکار تھا اور وہ حادثہ تھا جس کے ہاتھ پاؤں اب بندھے ہوئے نہ تھے بولنے پر پابندی نہیں تھی اور جو عبداللہ کی نگرانی میں اپنے پاؤں سے چل کر مجلس میں آیا تھا وہ باریہ نشین قبائل میں اپنے رقیب اور حریف ابن حرب کی حیرت انگیز کارروائی اور شہزادی نجم العلیل کے ساتھ اُس کے باقاعدہ عقد کی تقریب دیکھ کر حیران و ششدر رہ گیا پھر سب شیخ کی طرف سے ان دونوں کے لیے ملک الصحر اور ملک صحرا کے خطابات اور شہزادی نجم کا قبائلی سرداروں سے عجیب و غریب خطاب سن کر ورطہ حیرت میں ڈوبا چلا گیا نیل کے ساحل سے لے کر بنی کلب کے شیوخ تک وہ کئی حیرتوں اور کئی اچنبھوں سے گزر چکا تھا لیکن صحرائی قبائل میں پہنچ کر یہ نیا واقعہ اُس کی عقل ماؤف کیے دے رہا تھا کہ ابن حرب کے ساتھ عقد کر کے وہ فی الواقع ملک بن گئی ہے اور قبائلی سردار اُس کا حکم مانتے ہیں۔

جب اُس نے القحطاج میں شہزادی نجم سے درخواست کی تھی کہ وہ اُس کا انجام خفیہ سے اُٹکار نہ کرے تو شہزادی نے ہرچھا تھا ”کیا تم ہماری خاطر آسمان سے تار سے توڑ کر لا سکتے ہو، ہمیں کسی مملکت کی بلکہ بنا سکتے ہو؟“

اُس کے نزدیک یہ باتیں خارج از امکان تھیں اور ایسا ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ وہ کسی سلطنت کی ملکہ بن جاتی جس پر شہزادی نے صاف کہہ دیا تھا ”پھر ہمارا خیال اپنے ذہن سے اور ہماری محبت اپنے دل سے نکال دو کیوں کہ تم وہ سب کچھ نہیں کر سکتے جو ہم چاہتے ہیں۔“

حادثہ کا خیال تھا جو کچھ وہ چاہتی ہے، دنیا کا کوئی شخص نہیں کر سکتا مگر جو کچھ اُس نے چاہا تھا وہی سب کچھ ہو گیا تھا۔ وہ ابن حرب کے ساتھ مصر سے بھاگ آئی اور باریہ نشین قبیلوں میں لگ کر ”ملکہ صحرا“ بن گئی۔ یہ اتنا عجیب اور حیرت انگیز کارنامہ تھا جس کے سامنے عقل بے کار تھی۔ اب کم فہم بیٹھا عقل کے ساتھ ساتھ اپنی قسمت پر بھی ماتم کرنے لگا۔ وہ صدیوں اور راجوں کے درمیان چل کر جوان ہوا تھا لیکن یہ صدمہ ایسا تھا جس نے اُسے جیتے جی ہلاک کر دیا کیوں کہ شہزادی نجم ہمیشہ کے لیے اُس کی دسترس سے دور ہو گئی تھی۔ ایک کونے میں بیٹھا یہی سوچ رہا تھا کہ ناگہاں اُس نے نجم العلیل کی آواز سنی جو کہ یہی نفی ”آج ہمارا عقد ثانی ہوا ہے اور ہم ایک ایسے مرد سے وابستہ ہو گئے ہیں جو جہالت کی خاطر ہمیں بنی طوروں سے چھین لایا ہے۔ ہم بھی قبائل کی قوت کو یک جا کرنے کے لیے

۴۰

شادی و غم

۰

بڑا خیمہ (مضرب) تقریباً دوپہر نے دوکان کے درتے میں پھیلا اور کم و بیش پچیس فٹ اونچا بھجور کی لائٹ پر الٹا دیا تھا۔ اس کے اندر مختلف پارچائی کرے بھی اور چمک بلیوں پر کھڑے کیے گئے تھے جن کے درمیان دو دریاں ایک دوسری کو قطع کرتی ہوئی گزرتی اور اس رہائش گاہ کو چار حصوں میں تقسیم کرتی تھیں۔ ایک حصہ اندرونی صحن کا کام دیتا تھا۔ رہبریاں نمودوں سے آراستہ اور قندیلوں سے منور تھیں۔ کمروں کو قالینوں اور ان کی دیواروں کو رنگ دار ریشمی کپڑوں سے سجایا گیا تھا۔ ایک بڑے کمرے میں جو شمال مشرقی کونے میں الگ ٹھیک راقع تھا، چاندی کا ایک بڑا فانوس آویزاں تھا جس کی کئی شعلہ پر بے درود تھیں روشن تھیں۔

بنو کلب کی عورتیں شہزادی کو لے کر اسی کمرے میں داخل ہوئیں جہاں آرائش کی ہر شے موجود اور شانہ عظمت کی منظر تھی۔ اندر ایک انتہائی خوب صورت مسہی "ٹامپرس" روشنی میں جھلکتے کرتے ڈریس ویسٹیں تاروں اور رنگین پھندلوں سے آراستہ تھیں اور قیمتی سمور کا بستر بچھا تھا اور مسہری کی چاروں جانب ایسے باریک ریشمی پردے لگ رہے تھے کہ نگاہیں آ رہی نہ ہوتی تھیں۔

یہی شہزادی نجم کا محلہ عروسی تھا جہاں آج رات ابن حرب کو داخل ہونا تھا۔ دو کلبی عورتوں نے مسہری کا پردہ اٹھا دیا اور شہزادی کو لے کر اسی مسہری پر بیٹھ گئیں

یہاں آگئے ہیں۔ اب جماعت اور قبائل کی خدمت ہمارے پائے نظر ہے اور شہزادہ کا اس زوجیت اور آئینہ ہماری فرمائش میں شامل ہو گیا ہے۔ اس لیے ہم یہ مجلس برخواست کرتے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی وہ شوہر کا ہاتھ نکالے آقا حسین کے سامنے لگتی جس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر انھیں خیر و برکت کی دعا دی، مجلس برخواست ہوتے ہی لوگ ایوان سے چلے گئے صرف قبائلی سردار اور ان کے نائب رہ گئے تھے۔ آقا حسین شہزادی کے ریتے کو ایک معجزہ سمجھ رہا تھا۔

باہر چاندنی اتنی تھی اور بڑے خیمے کے اندر قندیلیں اور فانوس روشن ہو گئے تھے۔ بنو کلب کے خیموں میں لڑکیاں اور عورتیں رفیف (خجری) آبی دف دف پر بیاہ کے قبائلی گیت گانے لگی تھیں اور ان عورتوں نے جو شہزادی کو مجلس میں لے کر آئی تھیں پھر اسے اپنے حلقے میں لے لیا تھا۔ آج اس کی شب زفاف (وصل رات) تھی اور قبائلی دستور کے مطابق قبیلے کی عورتیں ہی دھن کو جگہ عروسی میں چھوڑنے جایا کرتی تھیں۔

شہزادی کو اس بات پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ اب وہ صحرائیں تھی اور خود کلبی صحرا کے دستور اور قبائلی رسموں کی پابندی ضروری سمجھتی تھی۔ بنو کلب کی عورتوں کے حلقے میں وہ خاموشی سے جگہ عروسی کی جانب ہوئی۔ عنقریب چھپے چھپے تھی۔ اسے بھی نوڈری کی حیثیت سے اپنی ماگن کے ساتھ جگہ عروسی میں داخل ہونا اور اس وقت تک وہیں بیٹھنا تھا جب تک دھماکے میں نہیں آجانا پھر دھن کو دھماکے سپرد کر کے اور انھیں خلوت میں چھوڑ کر اسے بھی کمرے سے نکل آنا تھا۔

خبر سوتی جا رہی تھی، کتنا دل چسپ اور رومان آفریں فرض ہے جو راج اسکا دا کرنا ہے مگر وعدے یا شرط کے مطابق شہزادی بھی تو اسے اپنے شوہر کے اختیار میں دینے والی تھی اور اس خیال ہی سے جذبات کی ایک تیز لہر سر سے لے کر پاؤں تک اس کے خون میں دوڑ جاتی تھی۔



سلسلے کی ہر بات کو یا تھوڑے بہت کی علامت یا کرامت تھی جو نسبت طوون کو الفاظ سے نکال کر
بنی کلب کے خیوں تک لے آئی اور وہ طوونی شہزادی سے ”مکہ صحر“ بن گئی تھی۔

عزیز بڑی مدغم آواز میں جسے صرف وہی دونوں ہی سن سکتی تھیں کہنے لگی۔ ”یہ سارے واقعات
انہوں نے اور خیال و خواب سے لگتے ہیں جس طرح قصہ گو ایک قصہ بیان کرے اور سننے
والے سمجھ رہے ہوں کہ وہ کوئی خواب یا ظلم دیکھ رہے ہیں۔“

”یہ کوئی خواب یا ظلم نہیں عزیز! ہمارے خوابوں کی تعبیر ہے۔“ شہزادی نے بھی سرگوشی
میں جواب دیا۔ ”مگر تعبیر اتنی خوب صورت اور خلاف توقع اس قدر جلد پیش آگئی ہے کہ اس پر
بھی کسی خواب کا گمان ہوتا ہے۔“

”بے شک یہ تعبیر کسی خواب کی طرح حیران کر دینے والی ہے مگر کار باؤگ تو فیند میں خواب
دیکھتے ہیں اور مجھے یوں معلوم ہو رہا ہے جیسے میں بیداری میں خواب دیکھ رہی ہوں اور بیداری
کے خواب زیادہ دلکش ہوتے ہیں۔“

”ہم بھی کچھ ایسا ہی سوچ رہے ہیں عزیز! شہزادی اپنے حسین تصورات کے غرنے میں
بھانک کر بولی۔ ”ہمارے نزدیک ”مکہ صحر“ کا خطاب بے شمار سحر خیز خوابوں سے زیادہ
دل کش ہے۔“

عزیز خیال اور حقیقت کے درمیان بھی سوچ رہی تھی۔ ”آپ کو یہاں آتے ہی ”مکہ صحر“
کا خطاب مل گیا اور یہ بڑی مبارک بات ہوئی ہے۔ آپ کی طرح ابن حرب کو ”مکہ صحر“ کا
لقب دیا گیا ہے لیکن نہ وہ تنہا صحر کے حکمران ہوں گے نہ آپ اکیلی مکہ صحر ہوں گی مگر میں
چاہتی ہوں نام اور حکم صرف آپ کا چلے۔“ اس نے شہزادی نجم کو حیرت زدہ کر دیا اور کہنے
لگی۔ ”آج آپ اپنے پسندیدہ مرد کے ساتھ شب زفاف منانے والی ہیں۔ آپ کو اپنے
شوہر سے اس رات کا تحفہ وصول کرنا ہوگا۔“

”کون سا تحفہ؟“

”اپنے نام، حکم اور اختیار کا تحفہ۔“

ابھی یہ الفاظ عزیز کی زبان پر تھے کہ رہداری میں قدموں کی آہٹ کے ساتھ ابن حرب
کی آواز سنائی دی۔ وہ کیزوں کو رخصت کر کے جو اسے تجلہ عودی تک لے کے آئی تھیں
اُس کے بڑے ہاتھ موڈائی کیز عزیز فوراً اٹھی اور دروازے پر اس کے استقبال کیا۔ وہ

وہ تبارہی تھیں۔ یہ بڑا انجم اُسی کے لیے لگایا گیا ہے اور اب وہ یہیں مستقل قیام
کرے گی۔

عزیز کمرے کی خوبی، خوب صورتی اور اُس کے شانہ و انداز دیکھ کر دنگ رہ گئی۔
جیسے الفیل کے کسی روایتی اور طلسمی کوشک میں آگئی ہو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ صحر اؤں
میں رہنے والے بدوی قبیلے ایسی شانہ و زندگی بسر کرتے ہوں گے۔ اگرچہ سردار نعمان کا بیٹھ بھی
جہاں شہزادی کو بہ طور معائنہ شہر لایا گیا۔ بنی کلب کے عام خیوں سے مختلف، بڑا وسیع اور
قیمتی سامان سے آراستہ تھا جیسے سرداروں کے خیمے ہوتے ہیں لیکن شہزادی نجم اور ابن حرب
کے لیے جو خیمہ لگایا گیا وہ نوبتہ وادی کی شاہی محل سراؤں کا نقشہ پیش کرتا اور اس کی خواب گاہ
یا محلہ مودی پر کسی اوضہ اسحر کا گمان ہوتا تھا خاص طور سے اس کے قیمتی اور شاہی ساز و دلان
کو دیکھ کر عزیز نے اندازہ لگا لیا کہ بنی کلب نے یہ نادرا شہید ضرور کسی بڑی جنگ میں لوٹی ہوں
گی جن کی فائز شہزادی کی شادی پر ضروری بھی گئی۔ وہ یہ نہیں جانتی تھی بڑی جگ کب اور
کہاں ہوئی تھی۔ شاید ڈیڑھ صدی قبل کسی بدوی علاقے میں لڑی گئی اور بنی کلب نے
کسی رومی حکمران کے محل کو لوٹ لیا ہو کیوں کہ وہ قیمتی ساز و سامان کسی شاہی گھر نے ہی
کی ملکیت ہو سکتا تھا جسے شہزادی نجم اہل بیت کے محلہ عودی میں بڑے سینٹے سے ترتیب
دیا گیا تھا مگر اب وہ سب کچھ اس کی ماکن کے جہیز میں دیا جا چکا تھا۔

کلی عورتیں ٹھوڑی دیر شہزادی نجم کے پاس بیٹھی مسکرا مسکرا کر باتیں کرتی رہیں
پھر اُسے کیز کے حوالے کر کے رخصت ہو گئیں۔ دھن کو دھنکے سپرد کرنے کا حسین فرض
اُس کی کیز خالص کا تھا کہ انھیں شب غسل منانے کی خاطر ”تنہا“ چھوڑ دے اور خود اس
معلقہ کمرے میں جا کر آرام کرے جو سامنے کی بہداری کے ادھر واقع اور اسی کے یہ مخصوص
تھا۔ دھندلے دھن کی خدمت کے لیے بنی کلب کی کچھ کیزیں بھی مقرر تھیں لیکن انھیں
محلہ عودی میں داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی۔ ان کا کام صرف عزیز کے احکام کی تعمیل
کرنا تھا۔

کلی عورتیں چلی گئیں تو دونوں کو تنہا ہی نصیب ہوئی اور آپس میں سرگوشیاں
کرنے لگیں۔ مصر سے مشرق کی جانب جو کھوں کا طویل سفر صحرائیں بادیر نشینوں کا استقبال
ابن حرب کے ساتھ عقد کی تقریب، پرامر اور جماعت کے شیخ آغا حسین سے ملاقات اور اس

حجۂ ہودی کی آرائش و زیبائش کے ساتھ وہاں ایک شاندار ناموسیہ دیکھ کر حیران ہو ا اور اسی حیرت میں شہزادی نجم ایل کے فریب پہنچ گیا جو اُسے دیکھ کر پہلی مرتبہ شرمائی تھی۔ وہ اُس کے قریب ہی مسہری پر بیٹھ گیا اور حل پوچھنے لگا۔ "تمہیں یہاں کوئی تکلیف تو نہیں؟" "نہیں! اُس نے آہستہ سے جواب دید

پھر وہ کینز کی طرف متوجہ ہوا جو قریب ہی کھڑی تھی۔ "تیری ماکن خوش ہے۔ تو اپنے بارے میں بتا؟"

"آپ لوگ خوش ہیں تو یہ صحرا میرے لیے جنت ہے۔"

ابن حرب نے اُسے پسندیدگی کی نظروں سے دیکھا۔ رازدار اور وفادار کینز تھی پھر کہنے لگا۔ "نجم جو کچھ میں کہہ رہا ہوں، ذرا اس پر توجہ دو، اور غبرائو بھی غور سے سن، مجھے کچھ دیر کے لیے آقا حسین نے روک لیا تھا۔ میں بنا چکا ہوں کہ وہ امام یحییٰ کا نائب اور نائبین قبائل کا مذہبی شیخ ہے اُسے بہت سے اختیارات حاصل ہیں لیکن اس نے اپنے سیاسی اختیارات ہم دونوں کو منتقل کر دیے ہیں اور صرف مذہبی حکم اپنے پاس رکھا ہے۔ ایک بڑی تبدیلی کے لیے، ساری تحریک دراصل ایک خفیہ جماعت کے تحت چل رہی ہے۔ اصل طاقت جماعت ہے اور جماعت کی طاقت افراد سے ہوتی ہے جنہیں مقصد کی خاطر لڑنے، مرنے اور قربان ہونے کی تعلیم دی گئی ہے۔ کوئی تحریک عقیدے کی طاقت اور سکری طاقت کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتی مگر جماعت میں جوش و خروش پیدا کرنے کے لیے ایک تیسری طاقت بھی ہوتی ہے اور وہ خوب صورت صورت یا پھر اُس کے حسن و جمال کی طاقت ہے۔ جس کے لیے تمہارا انتخاب کیا گیا..... اور نجم اتم نے چونکہ ایک صحرائی ریاست کا خواب دیکھا اور اپنے لیے ایک طاقت ور اور جنگ جومر کی خواہش کی اس لیے جماعت نے تمہاری قسمت میرے ساتھ وابستہ کر دی۔ آج ہم دونوں رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئے ہیں مگر آج ایک حیرت انگیز بات پیش آئی جس نے آقا حسین کے ساتھ قبائلی سرداروں کو بھی مبہوت اور مسحور کر دیا اور وہی بات تمہاری میں میرے اور آقا حسین کے درمیان موضوع گفتگو بنی۔

نجم اتم یہ سن کر حیران رہ جاؤ گی کہ آج قبائلی سرداروں اور اُن کے نائبوں کے ساتھ تمہارے جس شائبہ لہجے میں بات کی اور جس طرح اُنہیں اپنی تلواریں دشمن کے خون سے ستھیں

رہنے کا اشارہ دیا، اُس نے آقا حسین کو نمداری حکمرانی کی اعلیٰ صلاحیت کا گرویدہ بنا دیا اور وہ اعتراف کرتا ہے کہ تمہارے حسن میں مسحور کر دینے والی طاقت اور مجھے میں وہ حکم ہے جو ہزاروں میں جنگ کا دلولہ پیدا کرتا ہے۔ وہ تمہاری آمد کو جماعت کے لیے معجز قرار دیتا اور چاہتا ہے کہ تم اپنے حسن کے جادو اور الفاظ کے شعلوں سے صحرائی قبیلوں کی بیخونوں میں جنگ کی آگ بھڑکا دو۔ جب شیخ نے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو میں نے اُس سے ایک مطالبہ کیا اور مطالبہ یہ کہ "مکہ صحرا" کی حیثیت سے تمہیں صحرائی قبیلوں پر مکمل حکم و اختیار حاصل ہونا چاہیے اور کوئی تمہارے اختیارات میں مداخلت نہ کرے۔ یہ بھی بتا دوں کہ اختیار اعلیٰ امام کو حاصل ہے لیکن علاقائی سطح پر اختیارات اُس کے نائب فوجی سپہ سالار اور قبائل کے حاکم میں تقسیم ہوتے ہیں جن کی منظوری جماعت کے داعیوں، سرداروں اور انھوں کی مجلس دہتی ہے۔ اختیارات کی اس تقسیم کے مطابق آقا حسین امام کا مذہبی نائب اور نائبین ہیں اس کا جنگی سردار یا سپہ سالار ہوں اب تم باور یہ نشیں قبائل کی مکہ بنادی گئی ہو۔ جب میں نے آقا حسین سے تمہارے حکم و اختیار کی بات کی تو یہ بھی بتا دیا کہ میں اپنا اختیار تمہارے سپر وکرتا ہوں اور تمہارا حکم تسلیم کروں گا جس پر وہ حیرت زدہ سا رہ گیا اور کہنے لگا کہ خود تمہاری حاکمانہ صلاحیت کا معترف ہے۔ اس نے میرا مطالبہ تسلیم کیا اور مجلس سے بھی منظوری لینے کا وعدہ کیا ہے تو نجم اتم شب ہودی پر نہیں تمہیں حکم و اختیار کا تحفہ پیش کرتا ہوں۔ تم صرف نام کی "مکہ صحرا" نہیں بلکہ جماعت سے وابستہ صحرائی قبیلوں پر تمہارا مکمل حکم جاری ہو گا؟

اس نے جماعت اور تحریک کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا اور کوئی بات اوچھل نہ رہی تھی حکم و اختیار کی وضاحت بھی کر دی تھی شہزادی نجم اور غبرائو تحریک کا مقصد بھی سمجھ گئی تھیں اور اب انھیں جماعت کی صحرائی طاقت کا بھی اندازہ ہو گیا تھا لیکن دونوں حیرت کی نظروں سے ایک دوسری کو دیکھنے لگیں۔ اس حرب کے آنے سے قبل غبرائو اپنی ماکن کو یہی تجاویز تھی کہ وہ شادی کی پہلی رات اپنے دکھائے حکم و اختیار کا تحفہ وصول کرے اور دھن کو ابھی بات کہنے کا موقع نہیں ملا تھا کہ ابن حرب نے وہ سکہ از خود پیش کر دیا تھا۔

دونوں اس بات پر حیران تھیں کہ اُسے محض اتفاق سمجھ لیں باور یہ تقدیر کی وہ طاقت ہے جو خوش نصیب آیتوں کے آگے آگے سفر کرتی اور ان کی کامیابی کی راہیں ہموار کرتی چلی جاتی

فرعون کے ہم میں جو قول نہیں دیا تھا۔ وہ پورا کر دیا ہے۔ ہم نے بھی جو وعدہ تم سے کیا تھا اسے ایفا کریں گے اور تمہاری راحتوں کے لیے کوئی کسر اٹھانا نہ رکھیں گے۔

جب ان دونوں کے درمیان عہد و پیمان ہوئے تھے۔ مگر اس وقت ہم کے زمین و نو مقبرے میں موجود تھی۔ آج جب ایفانے عہد کی ابتدا ہو گئی اور دونوں رشتہ ازدواج میں ملک ہو چکے تھے، وہ ان کے محلہ غروی میں حاضر تھی۔ شہزادی نجم نے ایک نظر غیر پر ڈالی۔ جو قریب ہی کھڑی تھی پھر ابن حرب سے کہنے لگی۔ ”تمہیں یاد ہوگا جب ہم فسطاط کے سال سے روئے ہوئے تھے ہم نے کشتی میں ایک بات کہی تھی۔“

اب ابن حرب نے بھی سوڈانی کینز کو دیکھا۔ ”یاد ہے تم نے کہا تھا کہ تم تینوں ایک ہیں۔“ شاید تمہارے ذہن میں خلیان ہوگا کہ ہم نے غنیمت کو اپنے معاملے میں سریک کیوں کر لیا ہے۔ یہ کہہ کر وہ ایک پل کے لیے ٹکی کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ ”ہمارے درمیان ایک ایسا واقعہ پیش آیا ہے جسے بیان کرنا مناسب نہیں مگر تم جاننا چاہو تو تم اُسے بیان کر سکتے ہو۔“ ابن حرب کے دل میں تجسس کی ایک لہر دوڑ گئی۔ شہزادی نے کسی ناقابل یقین واقعے کی شنید اس کی مرضی پر چھوڑ دی تھی۔ اس نے معاملے کی صورت پر غور کیا اور کہا۔ ”تم جس واقعے کو بیان کرنا مناسب نہیں سمجھیں، میں اس واقعے کو سننا مناسب نہیں سمجھتا۔ جو بات تم دونوں میں طے پا چکی ہے بے شک اُسے اخفائیں رہنے دو۔ بس میرے لیے یہی کافی ہے کہ غنیمت تمہاری عزیز ترین اور وفادار کینز ہے۔“

”یہ تمہاری اعلیٰ ظرفی ہے ابن حرب کہ تم نے کچھ جاننے کی ضرورت نہیں سمجھی مگر اتنا بتا دیں کہ اس واقعے کے بعد تم غنیمت کو خود سے علاحدہ نہیں سمجھتے اور آج اپنی شادی کی پہلی رات اُسے تحفے کے طور پر تمہیں ہاتھ کرتے ہو۔ مگر ابھی تک باکرہ ہے اور تمہیں دینے کے لیے ہمارے پاس اس سے اچھا تحفہ نہیں۔“

”مجھے تمہارا یہ تحفہ دل سے قبول ہے۔“

یہ کہہ کر اُس نے سوڈانی کینز کا سانوا سلونا ہاتھ پکڑا اور اُسے بھی مسہری پر اپنی بائیں جانب بٹھایا۔ غنیمت کی کپکپاتی آواز سنائی دی۔ ”میں تو آپ کے قدموں میں بیٹھنے کے لائق ہوں آقا۔“

”نہیں غنیمت! ابن حرب نے جواب دیا۔ ”عورت کا کردار یہی اُسے عزت بخشنا ہے

ہے لیکن اتنا اہم واقعہ صرف اتفاقی نہ ہو سکتا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے وہ دونوں قسمت کی یادی پر گشت کو چکی تھیں اور غنیمت نے اس سے ایک شگون بھی لیا تھا تو یہ بھی قسمت کا حیرت انگیز کھیل تھا جس نے دونوں پر ایک نئی حیرت طاری کر دی۔

ابن حرب ان کی حیرانی کا مفہوم سمجھنے سے خاص تھا۔ کہنے لگا۔ ”شاید تمہیں میری بات پر تعجب ہو رہا ہے نجم لیکن میں نے جو راستہ اختیار کیا، وہ جنگ و جدل کی طرف جاتا ہے اور اسی راستے پر چل کر میں تمہارے خواب کی تعبیر مہیا کر سکتا ہوں مگر جنگوں میں حیرت بھی ہوتی ہے، ہار بھی ہوتی ہے۔ سب پاسی روٹنے لگتے مرنے ہیں اور کبھی کبھی دشمن کی طاقت اپنے حریف کا پورا شیرازہ بکیر دیتی ہے اس لیے میں نے تمہارے حکم و اختیار کے لیے سچا ہے کیوں کہ شہد کی میکان اگر کھڑ جائیں تو کچھ نہیں ہوتا مکھیوں کی ملکہ زندہ رہے تو چھتا پھر بن سکتا ہے۔ تمہیں بھی ملکہ صحران کی حیثیت سے جماعت کے چھتے کی حفاظت کرنا ہوگی۔“

اس بات نے شہزادی کو ایک نئے اچنبھے سے دوچار کر دیا۔ ابن حرب اس کے خواب کو معرض عمل میں لا رہا اور اپنا اختیار بھی اُسے سونپ رہا تھا۔ اس نے غرور مسرت میں اپنے بگھر ڈلھا کو کولیا اور کپکپاتی آواز میں کہا۔ ”ابن حرب جو کچھ تم نے ہمارے لیے کیا، کوئی دوسرا نہیں کر سکتا تھا۔ تم ایک جنگی مرد اور ہم پر بالادست ہو لیکن تم نے بالادست ہو کر بھی ہماری برتری قائم رکھی ہے۔“

ابن حرب نے مسکراتی نظروں سے اُسے دیکھا۔ ”تم جیسی حسین عورتیں مردوں سے بالترتیب ہوتی ہیں نجم!“

”بے شک دانشور حسن و جمال کی برتری کو ماننے میں لیکن جنگ جو اور طاقت و مرد اپنے بازوؤں کی بے پناہ قوت سے جیسی عورتوں پر بالادستی حاصل کرتے اور انہیں اپنی طاقت و مرضی کا پابند بناتے ہیں جب کہ تم نے اپنا ہر اختیار ہمیں سونپ دیا ہے۔“

”میں اپنی ساری جنگی وحشت صرف اپنے دشمن کے لیے محفوظ رکھتا ہوں اور حسین عورتوں سے محبت کا بڑا ڈکرتا ہوں۔“

شہزادی نجم پر ایسا باروں میں کھو گئی اور اس کی نظروں میں فرعون خورق کے ہم میں اس کی ملکہ کے زہر میں مقبرے کا منظر گھوم گیا جہاں ان دونوں نے باہم پیمان محبت باندھا تھا۔ ایک دوسرے سے کچھ عہد کیے تھے۔ وہ پیار کے گہرے جذباتوں میں ڈوب کر بولی۔ ”تم نے

ہے تو نے اپنی وفاداری سے بخم کے دل میں گھر کر لیا ہے، تو میرے دل بھی رہے گی۔

”کنیز کو اپنے آقا کا پورا اعتماد چاہیے۔“

”میں کوئی بات ادھوری نہیں رہنے دیتا عنبر!“

ابن حرب نے یہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی تھی کہ کس واقعے نے کنیزہ کو کجیاں دو قاب کر دیا تھا مگر جہاں عنبر کو اپنے اعتماد میں لیا وہاں بخم کو یقین دلایا کہ جو سو ڈانی دوشیزہ، لونڈی کی صورت میں پیش کی گئی ہے وہ اُسے عزیز رکھے گا اور کسی شکایت کا موقع نہیں دے گا۔ اس باہمی اعتماد اور یقین وہابی کے بعد اس نے دونوں سے کچھ ٹھکی ٹھکی باتیں مناسب سمجھیں اور کہا: ”میں یہ حقیقت واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اگر جہالت کو میری ضرورت ہے کیوں کہ میں ایک جنگ جو فوجی مرد اور شاہی لشکروں سے مقابلے کے دائرہ میں جانتا ہوں تو بخم اہل جیسی حسین و جمیل عورت بھی اس کی ایک اہم ضرورت ہے جو صحرائی قبائل کو اپنے حسن و جمال کے جادو سے مسحور کرے۔ اپنی خوب صورتی سے انھیں جہالت کا وقفا دار رکھے اور اپنے انفلک آگ سے اُن کی نبضوں میں دوڑتا ہوا قبائلی ہمد گرماتی رہے۔ میرا انشیںوں میں یہ خصوصیت پائی جاتی ہے کہ وہ حسین عورت کے گرد بید ہو جاتے، اُس کے حکم کی تعمیل ضروری سمجھتے اور ایک اشارے پر کٹھ مرنے ہیں۔ صدیوں قبل ملکہ الزبا صحرائی قبیلوں میں ایک دلیری کی طرح پرجی جاتی تھی۔ بادشاہین اس کے صحرائی حسن کے دیوانے تھے۔ وہ بھی اپنے حسن و جمال کی آرائش اور نمائش کرتی اور بانوں سے لوگوں کے دل موہ لیتی تھی۔

بخم کو ملکہ صحرا بانے کا مقصد بھی یہی ہے کہ صحرائی قبیلوں پر اس کا صحر ہمال طاری ہو اور یہ انھیں جہالت کی خاطر جنگ کے لیے تیار کرے۔ آج آقا حسین نے سب لوگوں کے سامنے بخم کے چہرے سے نقاب الٹ دینے کی فرمائش اسی لیے کی تھی کہ قبائلی سردار اُن کے نائب اور دوسرے لوگ ملکہ صحرا کا جلوہ حسن دیکھ لیں اگر اُس نے مجھے اپنا منشی (دوسرا) بنایا ہے تو بخم اہل کو دوسری ملکہ الزبا بنانا چاہتا ہے اور بخم میری اپنی خواہش یہی ہے کہ تم ایک زبردست ملکہ صحرائی بنو۔ انھیں الزبا کا روپ پسند ہے اور اُس سے زیادہ خوب صورت بھی ہو۔ اس لیے آئندہ تم لوگوں کے سامنے سے نقاب اور بے حجاب آؤ گی۔ قبائلی سردار اُن اور اُن کے نائبوں سے اسی حکم سے بات کریں گی جس کا مظاہرہ آج کر چکی ہو۔ انھیں مسحور و مسحوب رکھنا ضروری ہے اور جہالت کے لیے ہمیں یہ سب کچھ کرنا ہو گا جس طرح جنگی قوت ایک بیجہ

بید کرتی ہے، اسی طرح حسن بھی ایک بیجہ رکھنا ہے اور پُر شرکت الفاظ اپنا اثر دکھاتے ہیں۔ پھر اُس نے عنبر کی طرف دیکھا اور عنبر اجماعت کے لیے مجھے تیرے تعاون کی بھی ضرورت ہے اگر کوئی خدمت تیرے سپرد کی گئی تو تجھے وہ خدمت بہر حال بجالانا ہو گی۔ اور اس کا صلہ تیری مرضی کے مطابق ہو گا۔ اب جہالت اور تحریک کی کامیابی ہماری کامیابی ہے غالباً تیری خواہش کے مطابق آج بخم نے تجھے میرے نام بہہ کر دیا اور میری ملکیت میں دے دیا ہے تو میں بھی کچھ جیسی وفادار لونڈی کو یا کوس نہیں کروں گا۔“

ابن حرب نے ہر بات کھول دی تھی۔ شہزادی بخم اور عنبر نے ذہنی طور پر سب کچھ قبول کر لیا اور اس کے ہاتھوں میں اپنے ہاتھ دے کر آفر کیا کہ وہ ہر حال میں جہالت کی وفادار رہیں گی۔ اس وعدہ و پیمان کے بعد وہ حسین ملے آئے جی کا بخم اہل کو بڑی بے چینی سے انتظار تھا۔ عنبر نے دھن کو اُس کے سپرد کیا اور دونوں کو تنہا چھوڑ کر خود سامنے والے کمرے میں چلی گئی جو اسی کے لیے مخصوص تھا۔

اُس کے جانے اور دروازہ بند ہونے کے بعد جگہ ۶۷۰ میں صرف دونوں کی دھڑکیں اور پُر کیف مہرگوشتیاں باقی رہ گئیں۔



ابن حرب ایک طاقت ور اور بے رحم جنگی مرد تھا۔ جیسا مرد شہزادی بخم چاہتی تھی۔ بخم اہل ملی ملی غنائی آنکھوں، شگفتہ ہونٹوں اور کتبی چہرے کی ایک حسین تریں ترک عورت تھی، جسے وہ دل و جان سے پیار کرتا تھا۔

انھوں نے ایک دوسرے سے جو توقعات، جو خواہشیں، جو اُمیدیں وابستہ کر لی تھیں وہ اس شب بڑی گرم جوشی سے پوری ہوئیں اور صبح جب بیدار ہوئے تو دونوں بچیدار اور خوش و خرم تھے۔ وہ ایک دوسرے کی زندگی میں اس طرح داخل ہوئے تھے کہ دونوں محسوس کرنے لگے۔ قدرت نے انھیں صرف ایک دوسرے کے لیے پیدا کیا تھا۔ قدرت ہی ایک کوا لفظ اُن سے، دوسرے کو بغداد سے اس صحرائی بھگالائی ہے۔

ابن حرب کو شاید بخم سے زیادہ خوبصورت عورت مل سکتی جو اُسے اپنی پہلی راتوں سے شاد کا کرتی اور بخم اہل کو غالباً ابن حرب جیسا دوسرا طاقت ور، شہ زور جنگی مرد میسر نہ آتا

پھر اندر وہ لہجے میں کہنے لگا۔ ”کل، تم تمہیں ایک ضروری خبر دینا چاہتے تھے لیکن اس لیے خاموش رہے کہ کل تمہاری شادی کی رات تھی اور تم وہ خبر سن کر پریشان ہو جانے؟“
ابو صبا کا دل دھڑکنے لگا اور ذہن فوراً اپنی والدہ کی طرف گیا جسے انہی تاریخوں میں بغداد سے نکال لانا طے ہو چکا تھا۔ لیکن کل کا دن اس طرح گزرا تھا کہ اسے کچھ پرچھنے کا موقع ہی نہ مل سکا اگر وہ بغداد سے آجاتی تو ضرور اپنے بیٹے کی شادی میں بھی شریک ہوتی۔ وہ اضطراب کے لہجے میں بولا۔ ”سیدنا میں اپنی ماں کے بارے میں پوچھنا چاہتا تھا۔“
”تم بھی اُسی کے بارے میں بات کر رہے ہیں۔“

”کیا اُس نے بغداد چھوڑنے سے پھر انکار کر دیا ہے؟“
”آقا حسین کا لہجہ کچھ اور اندر رہ گیا۔“ ”نہیں، بغداد چھوڑنے کی بجائے وہ دنیا چھوڑ کر چلی گئی۔“

ابن حرب کا کلبجہ دھک سے رہ گیا۔ دل پر گویا بجلی گری۔ ماں کے انتقال کی خبر نے ایک سکتے سا طاری کر دیا اور آقا حسین بتانے لگا۔ ”جب ہمارے فدا میں بغداد نیچے تمہاری والدہ کو فوت ہوئے پانچ دن ہو چکے تھے اور تمہاری حویلی پر تالا پڑا تھا۔ پڑوسیوں نے بتایا کہ وہ عبداللہ کو تمہاری طرف بھیج کر اُس کی واپسی کا بڑی بے قراری سے انتظار کرتی رہی۔ عبداللہ یہ کہہ کر گیا تھا کہ مصر جانے اور اُنے میں اگرچہ دو مہینے لگ جائیں گے مگر وہ تیز سفر کرے گا اور دو ماہ سے پہلے ہی بغداد لوٹ آئے گا۔ جب عبداللہ دو ماہ کے عرصے میں واپس نہ آ سکا تو اُس کی پریشانی بڑھ گئی کہ شاید وہ واپس نہیں پہنچ سکا یا تم اُسے نہیں مل سکے۔ پھر ایک ایک دن بڑی بے چینی سے کائنات اور عبداللہ کی واپسی کا انتظار کرنے لگی۔ نصف ماہ کے انتظار نے اسے بے حد غلگلی اور نڈھال کر دیا۔ جب عبداللہ کو گئے پورے تین مہینے گزر گئے تو مختلف وسوسوں اور خطروں نے تمہاری بوڑھی ماں کو گھیر لیا اور اچانک اس کے دل میں درد اٹھا وہی درد وہاں یوں اُٹا ہوا تھا۔ جب تک حکیم پہنچا وہ دنیا سے رخصت ہو چکی تھی۔“

پھر آقا حسین نے کچھ دیر توقف کیا۔ اپنے فتنے کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر کرب و غم نے سایہ ڈال دیا تھا اور کہا۔ ”تمہاری والدہ تمہارے لیے ایک نشانی چھوڑ گئی جو اس نے مرنے سے پہلے اپنی ایک بیمار دارہمائی کے سپرد کی اور کہا تھا کہ اگر عبداللہ کبھی آ جائے تو یہ نشانی اُسے دے کر کہنا کہ میرے بیٹے کو پہنچا دے اور خود بھی اُسی کے پاس۔“

جو اُسے بھر پور مسرتوں سے ہم کنار کرتا۔
عبر جبرائیل کی مسرتوں سے آگاہ تھی، صبح ہی شہزادی کی خدمت میں حاضر ہو گئی وہ اس بات پر بے حد خوش تھی کہ شہزادی نے جس جنگجو اور شہ زور مرد کو اپنی امیدوں کا مرکز بنالیا تھا وہ توقعات سے کہیں بڑھ کر نکلا ہے۔ یہ احساس بھی بڑا راحت بخش تھا کہ وہ اُسی مرد کے نام پر کر دی گئی اور اب براہ راست اُس کے حکم و اختیار میں ہے۔
عزیز نے شہزادی کو خود حجام کر لیا۔ اُسے نئے کپڑے پہنائے اور ناسنوار کمر بستہ کر دیا۔ کبھی کبھار ناسنہ لے کر آگئیں اور عزیز نے انہیں اندر آنے کی اجازت دی۔ جب وہ خون رکھ کر لوٹ گئیں تو پارچاتی دروازہ پھر بند ہو گیا اور ابن حرب نے یہ تجربہ پیش کی کہ آج وہ قینوں اکٹھے ناسنہ کریں گے۔ عزیز اپنے نئے ملک کی اس تجویز پر حیران رہ گئی مگر دل ہی دل میں خوش بھی ہوئی کہ وہ بہت جلد اس پر مہربان ہو گیا ہے۔ اس مہربانی کا مطلب یہ تھا۔ وہ صرف نوٹڈی نہیں کچھ اور بھی ہے۔

ابھی وہ ناسنہ کر رہے تھے کہ باہر دف بجنے لگا اور منہدر دھڑکیوں کی ملی جلی آوازیں سنائی دیں جو شب زفاف کا گیت گارہی تھیں۔ ابن حرب نڈھتے سے فارغ ہو کر باہر نکلا تو دیکھا سورج ڈیڑھ دو تیرے بلند ہو چکا اور سردار نعمان کے خیمے کے نزدیک عورتوں، لڑکیوں اور لڑکوں باؤں کا ایک ہجوم تھا گویا ایک میلہ سا لگ رہا تھا۔ اُسے دیکھتے ہی دف پر گانے والی لڑکیوں نے بیک آہنگ آواز بلند کی اور اس کا استقبال کیا گیا اس رنگارنگ ہجوم کے علاوہ اُس نے کچھ اور بھی دیکھا اور یہ دیکھا کہ پورا قبیلہ شادی کی خوشیاں منا رہا ہے اور ایک طرف سردار نعمان بہت سے لوگوں کو فیافٹ (دعوتِ ولیمہ) کے بارے میں ہدایت دے رہا تھا، جو اُسے دیکھتے ہی لوگوں کی جھڑ سے نکل کر سیدھا اس کی طرف آیا۔ شب زفاف کی مبارک وی اور بتایا کہ سیدنا اُس کا انتظار کر رہے ہیں۔

آقا حسین کو رات سردار نعمان کے خیمے میں ٹھہرایا گیا تھا جبکہ مہمان نامی سرداروں اور اُن کے ناموں کے لیے بڑے خیمے کے ایوان خاص ہی میں بستر بچھا دیے گئے تھے جہاں نکاح خواتین کی رسم ادا ہوتی تھی۔ وہ سردار نعمان کے ہمراہ اس کے خیمے کی طرف ہو لیا۔ آقا حسین خاص کمرے میں مقیم اور روایتی لباس میں تنہا بیٹھا تھا اُس نے اپنے فتنے کا خبر مقدم کیا اور قریب بیٹھنے کے لیے جگہ دی۔ سردار نعمان کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا

لوٹ جائے اگر عبداللہ نہ آئے اور اُس کی جگہ مصر سے کوئی اور آئے تو اُس کے ہاتھ یہ امانت بھی بھیج دے اور امانت لے جانے والا بیٹے کو میرا پیغام پہنچا دے کہ میں اُسے ملنے کی حسرت لیے دنیا سے جا رہی اور اس کا الزام خلیفہ معتضد کو دیتی ہوں جس نے میرے بیٹے پر بغداد کے دروازے بند کر دیے ہیں۔ یہ کہہ کر آقا حسین نے ایک انگوٹھی اُس کی طرف بڑھائی۔ یہ وہی انگوٹھی تھی جو ابن حرب نے عزیزش کی کارواں سرانے سے ابو نصر باقرت کے ہاتھ ماں کو بھیجی اور اُسے مصر بھلا یا تھا۔

ماں کے انتقال کی یہ روداد سن کر ابن حرب کے دل پر غم پہاڑوں کی طرح اُگرا اگر آقا حسین کی بجائے یہ روداد سلیمان بن عامر یا کسی اور نے سنائی ہوتی تو شاید وہ اپنے آنسو ضبط نہ کر سکتا لیکن سبزیج کے سامنے اور سردار نعمان کی موجودگی میں اُس نے آنسو پی جانا ہی مناسب سمجھا کہ اُس کی ہنسی کی طرح انسان کی شخصیت وجاہت کم کر دیتے ہیں جبکہ صحرا شنیں کی دنیا میں وہ ایک بے رحم اور جنگجو مرد کی حیثیت سے شہرت پاتا تھا۔ اُس نے ماں کی بھیجی ہوئی انگوٹھی کیڑا کر ہونٹوں سے لگائی اور اُسے بوسہ دیا۔ آقا حسین اُس کے دل پر گزرنے والی کیفیت کو محسوس کر رہا تھا کہ لگاؤ یہ انگوٹھی بھجوا کر دراصل تمھاری ماں نے خلیفہ معتضد کی شکایت کی ہے اور تم خوب جانتے ہو اب تمہیں کیا کرنا ہے۔ تمھاری ماں نے بغداد میں چھوڑا بلکہ بغداد کی مٹی میں دفن ہو گئی۔ تمہیں بھی اس شہر سے محبت ہے اور تم اُسے نہیں بھول سکتے مگر اب بغداد سے تمھارا ایک نانا ختم ہو گیا ہے۔

اُس نے خاموشی کے ساتھ یہ سب سنا اور کچھ نہیں کہا۔ یہ عجیب اتفاق تھا اس نے ماں کے مرنے کی خیر انی شادی کے دن سنی۔ اُسے فوت ہوئے اگرچہ ڈیڑھ ماہ ہو چکا تھا مگر یہ جگر خراش اطلاع ۱۶ شوال کو سن رہا تھا جب بنی کلب میں اُس کی دعوت ولیمہ کا ہنگامہ ہوا تھا۔ آقا حسین اگرچہ توجہ سے پہلے ہی اُسے بغداد کے حالات سے آگاہ کر دیتا لیکن اُس نے مصلحتاً خاموشی اختیار کر لی اور اب جبکہ وہ اپنی دھن کے ساتھ شہرے فاف منا چکا اور اُس کی راحتوں سے حصہ لے چکا تھا اُسے والدہ کے ساتھ مہرگ سے مطلع کر دیا اس طرح ماں کی موت کا حد مرہ شادی کی خوشی سے آگلا اور وہ ایک ہی دن شادی و مہرگ کی کیفیتوں سے دوچار ہوا۔

قدرت نے اگرچہ اُسے نجم البیل جیسی حسین و جمیل زوجہ عطا کی تو اس کی مہربان ماں کو چھین لیا تھا۔ ایک خوشی دے کر غم کے سامان پہلے ہی پیدا کر دیے تھے۔ وہ سوچا کہ نہ تھا جب ماں صحرائی غیموں میں اُسے گی یہ دیکھ کر کتنی خوش ہو گی کہ اگر خلیفہ معتضد نے طوئی شہزادی قطر الندی سے عقد کوئی طوون کے ساتھ دوستی کی شرط ٹھہرایا ہے تو ایک طوونی شہزادی اس کے بیٹے کے جالہ نکاح میں بھی آچکی ہے مگر ماں یہ خوشیاں دیکھنے کے لیے زندہ نہ رہی اور عبداللہ کے بغداد پہنچنے کے حد سے پہلے ہی، اگر وہ عبداللہ کو یہاں روک نہ لیتا اور اسے پردہ فروشوں سے رہا کرانے ہی بغداد کی طرف روانہ کر دیتا تو شاید یہ ناشدنی نہ ہوتی لیکن انسان عظیم اور بڑا مہر قدرت کے معاملات کو سمجھ نہیں سکتا اور جو کچھ ہوتا ہے اس پر اظہارِ افسوس کے سوا کچھ نہیں کر سکتا۔

سردار نعمان نے تعزیت کی اور آقا حسین نے تسلی دینے ہوئے کہا۔ "قدرت جانتی تھی تمہیں اپنی والدہ کی رحلت کا گہرا حد مرہ ہو گا لہذا اُس نے تمھارے لیے ایک خوب صورت دھن بیتا کی اس طرح غمی کے ساتھ خوشی دے کر ترازو کے دونوں پڑے برابر کر دیے۔ قدرت تم پر مہربان ہے۔"

ان الفاظ نے اس کے دل کا بوجھ کسی حد تک ہلکا کر دیا۔ قدرت واقعی اُس پر مہربان تھی اور زندگی کے کڑے حوادث میں بھی قسمت نے باوری کی تھی۔ ماں کی موت کا غم اگرچہ دل کو کچھ کے لگا رہا تھا مگر اُس نے غم کو "مصلحت الہی" سمجھ کر قبول کیا۔

بنی کلب میں وہ دن بڑا ہنگامہ مہر تھا۔ سردار نعمان نے آقا حسین، قبائلی سرداروں، اُن کے نائبوں نیز اُن شہر سواروں کے علاوہ جو شہر دیان کے ہمراہ مصر کی مہم میں گئے یا آقا حسین کے ساتھ آئے تھے اپنے قبیلے کے تمام مردوں کو دعوت ولیمہ میں شریک کیا اور بڑا کھانا پکایا جس کے لیے کم و بیش ساٹھ بھیڑ بکریاں اور پانچ اونٹ خرچ کیے گئے تھے۔ بنی کلب میں زور کسی کی شادی پر کبھی اتنا ہنگامہ ہوا یا میل لگا تھا۔ نہ اتنی بڑی ضیافت ہوئی تھی۔

دعوت میں مردوں، عورتوں کا الگ الگ انتظام تھا۔ کھلی عورتیں رنگ دار کپڑوں میں بلکےس دھن کے آس پاس جمع تھیں اور مرد دھن کے ساتھ دعوت میں شریک تھے صحرائی لڑکیاں دف پر گیت گاتا کہ اس طفل کو یادگار بنا رہی تھیں۔ ماں کی وفات کی خبر سن لینے کے بعد اگرچہ ابن حرب اور سردار نعمان غم و سوگنی کا انتظام مناسب نہیں سمجھتے تھے

چہرے پر کیا دیکھ رہے ہو؟
 ”اپنی قسمت کا نوشتہ پڑھ رہا ہوں کہ میرے ساتھ کیا سلوک کرو گے؟“
 ”حملہ میں نے نہیں تم نے کیا تھا۔ خود سوچ لو کہ کس سلوک کے مستحق ہو۔“
 اس کے لمحے میں اتنی بے رحمی تھی کہ حادثہ کی نظروں میں زندگی تاریک ہو گئی پھر
 بھی ذرا جرات دکھائی۔ ”میری موت کا وقت بتا سکتے ہو؟“
 ”تمہاری موت کا فیصلہ مجھے نہیں کسی اور کو کرنا ہے۔“
 حادثہ کا خیال تھا کہ اس کے بارے میں کوئی فیصلہ شہزادی نجم کرے گی۔ اُس نے
 ابنِ حرب کو اس کے قتل سے روک دیا تھا۔ ”پھر مجھے اُس کے پاس لے چلو۔“
 ابنِ حرب نے اُس کی خواہش مقرر کر دی۔ اور کمرے سے نکل گیا۔ وہ جانتا تھا اپنے
 دشمن کو قتل کرنے کی بجائے نظر بند رکھنا زیادہ فائدہ مند ہو گا۔



لیکن آقا حسین نے کہا تھا:
 ”ایسے موقع پر خوشی کا اظہار طبعی ہے۔ پھر قبیلہ اپنی ملکہ صحرا کی شادی کا جشن منا رہا
 ہے اُسے اپنی خوشیاں منانے دو۔“
 ان دونوں نے بھی یہی مناسب سمجھا تھا کہ جو کچھ ہو رہا ہے اُسے ہونے دیا جائے بلکہ اس
 جشن شادی نے ابنِ حرب کو یہ حوصلہ دیا تھا کہ وہ تنہا نہیں۔ اگر بعد ازاں اُسے چھوٹ گیا ہے
 تو سحرانے اس کے لیے اپنے دامن پھیلا دیے تھے۔ اُسے نئی خوشیاں ملتی تھیں۔ دعوت
 کے اس ہنگامے یا میلے میں اس نے کسی سے ماں کی وفات کا ذکر بھی نہیں کیا بلکہ لوگوں کے
 ساتھ گرم جوشی سے ملتا رہا مگر یہاں ایک ایسا شخص موجود تھا جسے بغداد کے سانحے سے آگاہ
 کرنا ضروری تھا اور وہ تھا اس کا غلام عبد اللہ۔

دعوت سے فارغ ہونے کے بعد وہ اُس خیمے میں بیٹھ گیا جہاں عبد اللہ نظر بند حادثہ
 کی نگرانی کر رہا تھا۔ شادی کی رات حادثہ نے فرار کی کوشش کی تھی مگر عبد اللہ نے یہ کوشش
 ناکام بنا دی اور اُسے بڑی پناہ دی تھی تاکہ بھاگ نہ سکے۔ عبد اللہ اپنے آقا کی شادی اور
 بہت بڑی دعوت و لمبہ پر خوش تھا لیکن ابنِ حرب نے ماں کے انتقال کی خبر دی تو دل تمام کے
 زہ گیا۔ گھر کے ساتھ اُس کی وابستگی نے کچھ ایسی صورت اختیار کر لی تھی کہ اُسے اپنے سب عزیز
 اُستنا بھول گئے تھے۔ اُسے اپنا گھر بھٹنا اور ہر دکھ و درد میں شریک تھا۔ ابھی گھر کے فراغی
 سردار حرب الکندی کے قتل کا صدمہ نہیں بھولا تھا کہ مامکن کی خبر نے دل پر چرکا لگا دیا۔ ابنِ حرب
 کی طرح اب اس کا بھی بغداد سے تعلق ٹوٹ گیا تھا۔ یہ الگ صدمہ تھا جس سے وہ دوچار ہوا
 مگر محسوس کرنے لگا کہ موت کا یہ سانحہ کسی خطرناک واقعے کا پیش خیمہ بننے والا ہے۔

وہ جان چکا تھا، حرب الکندی خفیہ جماعت کے ساتھ تعلق کی وجہ سے قتل ہوا تھا
 ابنِ حرب بھی اسی جماعت میں شریک اور اپنے باپ کے قتل کا انتقام لینے کی تیاریاں کر رہا
 تھا۔ اب بغداد میں ایک اور سانحہ ہو گیا اور وہ شہر ہی چھوٹ گیا تھا جہاں اس کے
 ماں باپ کی ہڈیاں دفن تھیں اور ایک اجازت سنسان حریفی مرنے والوں کا ماتم کر رہی تھی۔
 ابنِ حرب اس پار جاتی کمرے میں داخل ہوا جہاں حادثہ بند تھا۔ ”سنا ہے تم مجھ
 سے ملنا چاہتے تھے؟“

حادثہ بھونچکا سا اُسے دیکھنے لگا مگر کچھ بولا نہیں۔ ابنِ حرب نے جھنجھلا کر پوچھا ”میرے

دھونگ

طلونی شہزادی کی پراسرار گمشدگی اور حادثہ کی تلاش کا اکتھواں دن تھا کہ دہشتے سورج کے ساتھ ایک تیز رفتار سائنڈی سوار جو خانہ بدوش مصری معلوم ہوتا تھا۔ فسطاط کی شہر پناہ کے ”باب مقطم“ پر نمودار ہوا اور لوگوں کی بھیڑ سے گزرتا، جو شہزادی نجم ایلل کے اغوا کے بارے میں باتیں کر رہے تھے دروازے کی حفاظتی چوکی کے سامنے ٹکا اور محافظ کو دیکھ کر بلند آواز سے بولا۔

”میں شہزادی نجم ایلل کا قاصد اور سلطان معظم کے نام اُن کا ایک ضروری پیغام لے کر آیا ہوں مگر یہاں اجنبی ہوں اور شاہی محل کا راستہ نہیں جانتا۔ میری رہنمائی کرو۔“

سائنڈی پسینے میں شرابور اور سوار کے کپڑوں پر سفر کی گرد و غبار سے لگے تھے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ بہت دور سے آیا ہے۔ لوگوں نے اُس کی زبان سے شہزادی نجم ایلل کا نام سُنا تو چونک کر اُسے دیکھنے لگے۔ مصر کی پولیس اور فوج کے سوار تلاش بلبا کے ہاؤس شہزادی کا کوئی ٹھکانہ نہ لگا سکے تھے اور تلاش مصلحتاً ترک کر دی گئی تھی مگر سائنڈی سوار خانہ بدوش خود کو شہزادی کا قاصد کہہ رہا تھا چوکی کا محافظ افسر یکے کر اپنے حجرے سے باہر آیا اور سوار سے پوچھنے لگا۔

”کہاں سے آئے ہو، کیا پیغام لے کر آئے ہو۔ شہزادی صاحبہ خبریت سے تو ہیں؟“ سائنڈی سوار نے محافظ افسر کے کلمی سوال کا جواب نہیں دیا اور کہا۔ ”میرا سلطان معظم

سے فوری مناسوری ہے۔ پیغام بھی انھی کے گوش گزار کروں گا۔“

محافظ افسر یہ سوچ کر کہ معاملہ بڑا نازک اور اہم معلوم ہوتا ہے اور اگر اس نے خانہ بدوش مصری کو فوراً شاہی محل تک نہ پہنچایا تو کہیں معاملہ بگڑ جائے۔ بے چون و چرا اُس کے اگلے گئے القطار کے جانب ہو گیا اور جن لوگوں نے سُن لیا تھا کہ آئے والا بدو شہزادی نجم کا قاصد ہے وہ طرح طرح کی چہ بیگونیوں کرنے لگے کسی کا خیال تھا

”شہزادی حادثہ کی قید میں ہے اور اس نے رانی کے لیے خفیہ تدوین کی ہے۔“ کوئی کہہ رہا تھا۔ ”ہو سکتا ہے حادثہ نے اُسے یہ خیال میں رکھا ہو اور اب قاصد کوئی مطالبہ لے کر آیا ہے۔“

کسی نے کہا۔ ”کچھ بھی ہو مٹی طولوں کی عزت برباد ہو گئی۔“

کوئی بولا۔ ”نہ جانے قاصد کیا پیغام لے کر آیا ہے لیکن شہزادی کا کھوج تو مل گیا۔“ اسی طرح فسطاط کے بازاروں میں شہزادی نجم کے قاصد کی خبر گشت کرنے لگی اور لوگ قیاس آرائیوں کے گھوڑے دوڑانے لگے۔

شاہی محل کا داروغہ بھی یہ خبر سُن کر مارے حیرت کے دنگ رہ گیا کہ شہزادی نجم کا قاصد دور دراز سے آیا اور سلطان معظم سے ملاقات کا طلب گار ہے۔ وہ انھی قدموں قصر سلطانی کی جانب بھاگتا چلا گیا اور جب اُس نے سلطان کے خاص غلام کو بتایا کہ شہزادی نجم ایلل کا قاصد حاضری کا طلب گار ہے۔ وہ اس کی باریابی کے لیے اجازت طلب کرے تو اُس کی آواز سُن کر قصر کے بعض غلاموں اور کینزوں میں اہل چل سی پکڑ گئی اور کینزیں بیگیت کو اطلاع دینے بھاگیں۔

غلام نے سلطان کو شہزادی کے قاصد کی خبر دی اور اس کے لیے حاضری کی اجازت طلب کی تو خاویہ ابوحشیش نے اس کی باریابی سے قبل اپنے بھائیوں، خاندان کے مقبر افراد اور چیدہ چیدہ عائدین سلطنت کو بلانا ضروری سمجھا تاکہ ان سب کی موجودگی میں قاصد کا پیغام سُنا جاسکے۔ چنانچہ اُسی وقت بلا وایجھ ویاگیا اور قاصد سے کہا گیا۔ وہ کچھ دیر انتظار کرے۔

مصلیٰ کی نوعیت ایسی تھی کہ جن لوگوں کو بلایا گیا، انھوں نے حاضری میں دیر نہیں کی اور شہزادی نجم کے قاصد کی خبر سُن کر بھاگے آئے۔ جب طلونی شہزادہ سے خاندان کے معتبر

کہ مجھے کیا پیغام کے کر جانا ہے تو سلطان عالی امین ان کا پیغام انہی کے الفاظ میں حضور کے گوش گزار کرتا ہوں کہ غلام نے ان کے الفاظ اچھی طرح ذہن نشین کر لیے تھے۔ رہنمائی صاحبہ نے فرمائی تھی:

”یوم النہیس کی رات سیدہ نفیسہ ہمارے کشف میں آئیں اور ہمیں بلا توفیق
القدس جانے اور وہاں چالیس روز احتکاف میں بیٹھنے کا اشارہ دیا ہم پر اس کشف کا اتنا
شدید اثر تھا کہ ہم نے فوراً اپنی خاص کبیرہ عینہ اور غلام ڈونگا اور محافظ خاص حارثہ
ابو ظفر کو ساتھ لیا اور بلا توقف سفر اختیار کیا۔ ہم نے معروف شاہراہ کوچھوڑ کر میدان تیبہ کا
راستہ منتخب کیا تاکہ حلیہ القدس پہنچ جائیں لیکن افراتفری اور جلدی میں کسی کو بتانا بھی یاد نہ
رہا کہ کہاں اور کیوں جا رہے ہیں۔

اچانک دانتے میں خیال آیا کہ ہماری مائیں اور بھائی علیٰ الخصوص سلطان معظم بغیر اطلاع دیے جانے پر بے حد پریشان ہوں گے۔ اس لیے اب قاصد کے ذریعے اپنے سفر کی خبر دیتے اور توقع رکھتے ہیں کہ سلطان معظم ہمیں معاف فرمائیں گے ہم اپنے کشف کے مطابق القدس جا رہے ہیں۔ وہاں مسجد اقصیٰ کے محلے میں ایک مکان کرائے پر لیں گے اور وہیں احتکاف کی مدت گزاریں گے۔ ہم سلطان معظم سے گزارش کرتے ہیں کہ حاکم القدس یا کسی اور درجے سے کوئی پیغام نہ بھیجا جائے۔ وہاں ہمیں کسی سرکاری سہولت یا آرام حاصل کرنے کی خواہش نہیں۔ ہم چالیس روز احتکاف گنتی کی حالت میں بسر کرنا چاہتے ہیں اس عرصے میں کینز، منبر، غلام اور رنگا اور محافظ خاص حارث، ابو ظفر ہماری دیکھ بھال اور حفاظت کے لیے کافی ہیں جنہیں ہم اپنے ساتھ لے آئے ہیں۔ احتکاف کے ایام پورے ہو جانے کے بعد ہم خود بخود واپس آجائیں گے یا سلطان معظم کو اپنے بارے میں کوئی اطلاع دینگے۔ تو سلطان عالی یہ ہے شہزادی صاحبہ کا پیغام جو میں نے حضور تک پہنچا دیا ہے اٹھی صبح منہ اندھیرے جب میں القطائع کی جانب روانہ ہوا تو بستی کے سردار نے اسی وقت شہزادی صاحبہ کے خانقہ کو بے صدا احترام فلسطین کی طرف رخصت کیا تھا۔ اس لیے جب میں یہاں سے لوٹ کر اپنی بستی میں جاؤں گا شہزادی صاحبہ سے ملاقات کر سکوں گا نہ نہیں کوئی پیغام پہنچا سکوں گا۔ بستی میں مختصر سے قیام کے بعد وہ اپنے خانقہ کے ساتھ سفر پر روانہ ہو گئی تھیں۔

افراد اور خاص خاص اہمیان سلطنت ایران خاص میں جمع ہو چکے تھے سلطان ابو جیش شمار فیہ ایران میں داخل ہوا اور مسند سلطانی پر بیٹھتے ہی قاعدہ کو باریابی کی اجازت دی۔ داروغہ محلات خود مصری خانہ بدوش کو لے کر حاضر ہوا جسے اس عرصے میں سلطان کے حضور پیش ہونے اور آداب بجالانے کی مشق کرائی جا چکی تھی۔ پھر بھی ایران خاص میں داخل ہوتے ہی اس پر رعب سلطانی طاری ہو گیا اور رعب وہ زکوع کی حالت میں آداب بجالا رہا تھا اس کے جسم پر پہلی سی لرزش طاری تھی۔ خمار دہیہ نے مضطرب لیکن با رعب آواز میں پوچھا۔
”کہاں سکائے ہو؟“

”ریگنڈا رنیر سے سلطان عالی قاسم کی آواز فہر قہرا رہی تھی۔“

”کیا تمہیں شہزادی نجم العلیل نے بھیجا ہے؟“

”جی ہاں، میں انھی کا مقاصد ہوں۔“

”اور شہزادی ریگینڈا تیرہ میں مقیم ہے“

”سلطان عالی شہزادی عصاجہ کے قافلے نے تیرہ میں مختصر سا قیام کیا اور اُگے ٹرہ گیا۔“ قاصد بتانے لگا۔ ”یہ پانچ روز قبل کی بات ہے کہ چار افراد پر مشتمل ایک چھوٹا سا قافلہ دُوبئی نام کے وقت صحرائے تیرہ میں خانہ بدرشوں کی ہستی کے قریب آیا اور ایک آدمی نے جو اپنا نام حارث ابو ظفر اور تھوڑے کھولے قطع کا محافظ افسر بتاتا تھا بستی کے سردار کو طلب کیا۔ جب سردار آیا تو اُس نے بتایا کہ سلطان مصر و شام کی بہن شہزادی نجم ایلین اس کے ساتھ سفر کر رہی ہیں اور القطنع میں ایک ضروری پیغام بھیجنا چاہتی ہیں۔ لہذا انھیں ایک نیز رفتار قاصد کی ضرورت ہے جو ان کا پیغام سلطان معظم کے حضور لے جائے۔ اس خدمت کے عوض اُسے ایک سو دینار دیئے جائیں گے۔“

بستی کے سردار نے یہ سن کر کہ عالی جاہ کی معزز بہن قافلے میں شامل ہیں انھیں عزت و احترام کے ساتھ بستی میں ٹھہرنے کی دعوت دی اور خانہ بدوشوں نے ایک جانب ان کا سفری خیمہ نصب کر دیا۔ پھر بستی کے سردار نے مجھے بلایا اور شہزادی صاحبہ کے حضور پیش کیا۔ میری انٹنی بڑی تیز بھاگنے والی اور مسلسل سفر کر سکتی ہے، سردار نے بتایا کہ میں ہی پیغام لے کر جاؤں گا۔

شہزادی صاحبہ نے اپنے سوتیلے بھائی کی ایک پھیلی میسرے سامنے رکھی پھر بتانے لگیں

شہزادہ شہباز نے یہ پریشانی بھی دور کر دی۔ "سلطان معظم! آپ نے ان دونوں کا عقد تجویز فرمایا اور خاندان کے تمام افراد نے آپ کی تجویز سے اتفاق کیا۔ پھر نجم خود حارث کو ساتھ لے کر گئی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بھی اس کی طرف مائل ہے۔ ان حالات میں طور کیا جائے تو ان کا عقد ہو چکا۔ حارث اگرچہ محافظ خاص کے طور پر شہزادی کے ساتھ گیا ہے لیکن اس سفر میں اس کی حیثیت ایک محرم کی بھی ہے لہذا نجم کے ساتھ اس کا قیام معیوب نہیں۔" حاضرین نے شہباز کی تائید میں سر ہلاتے اور عورت کے سفر میں کسی محرم کے ساتھ ہونے کا مسئلہ بھی خوب صورتی سے حل ہو گیا۔ بنی طولون کے وہ افراد جو حارث "ملک حرام" کا سر شہر پناہ کے کسی دروازے پر شکستہ دیکھنا چاہتے تھے، شرم سار دکھائی دینے لگے۔ عائدین مدینت کے نزدیک شہزادی نجم اسلئے آئے اگرچہ القدس کی جانب روانگی میں بڑی غیر ذمہ داری سے کام لیا تھا جس کا خیمہ زہ بنی طولون اور حکومت کو اس کی تلاش اور پریشانی کی صورت میں بھگتنا پڑا۔ تاہم اُس کے متعلق تمام قیاس آرائیاں غلط ثابت ہو گئیں۔ طوفانی شہزادوں اور معتبر لوگوں کے نزدیک بھی اب پریشانی کی کوئی بات نہ تھی۔ سلطان حاکم القدس کے درجے شہزادی نجم سے رابطہ پیدا کر سنے یا خود وہاں جا کر اس کا نکاح حارث سے کر آئے۔ انہیں کوئی اعتراض نہ تھا لیکن ان میں سے کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ شہزادی نجم القدس کی بجائے بادشاہ شام کے حاشیے پر بنی کلب کے صحرائی قبیلے میں پہنچ چکی ہے۔ انہوں نے قاعد کی صورت میں جو کچھ دیکھا، جو کچھ سنا وہ ایک من گھڑت کہانی تھی شہزادی نجم کی بیگم اور رسوائی سے بچ سکے۔ اس کا علم نجوم کہتا تھا طوفانی بیوہ اپنے کسی عاشق کے ساتھ چلی گئی اور بنی طولون کو جہنم کے لیے چھوڑ گئی ہے۔ اب وہ کبھی واپس نہیں آئے گی لہذا اس کا کھوج لگانا عبث اور تلاش کی بھانگ دوڑ ہے سو وہ بے چارہ بھائی کی صلاح سے شہزادہ شہباز نے گناہ قاعد کیا جس نے ایک فرضی کہانی سنائی تھی، ایک فرضی بیان دیا تھا۔

ایوان خاص میں اس وقت جعفر نجوی خود موجود اور قاعد کی چرب زبانی پر دل ہی دل میں آتش آتش کر رہا تھا۔ فرضی بیگم پر خمار ویرانہ جویش کی تشویش و پریشانی اور شہباز کی نکتہ طرازی خود ساختہ تھی مگر اس گھڑت سے سلطان خمار ویرانہ شہزادہ شہباز جعفر نجوی

یہ کہہ کر قاعد ایک بار پھر رکوع میں جلا گیا اور آداب بجالایا۔ شہزادی کا پیغام من کر خمار ویرانہ جویش کے علاوہ طوفانی شہزادے، معتبر افراد اور چیدہ چیدہ عاملین جنہیں بلایا گیا تھا حیران و ششدر رہ گئے بغیر یہ تو معلوم ہو گیا کہ شہزادی نجم نہ کہیں گم ہوئی نہ اُسے کسی نے اغوا کیا، جیسے القطار، العسکر اور فسطاط کے گھر گھر میں چرچا ہو رہا تھا اس کے برعکس وہ اپنی مرضی سے گئی اور حارث کو بطور محافظ ساتھ لے گئی تھی لیکن سیدہ نصیرہ کا شہزادی کے کشف میں آنا اسے بلا توقف القدس کی جانب سفر کرنے کا اشارہ دینا اور اُس کا کسی کو بتائے بغیر چپ چاپ القطار سے روانہ ہو جانا ایک عجیب و غریب واقعہ تھا۔ قاعد سے مزید کچھ معلوم کرنا عبث تھا کیوں کہ جو کچھ وہ جانتا تھا، بیان کر چکا تھا۔ سلطان خمار ویرانہ نے پیغام سننے کے بعد چند لمحے خاموشی اختیار کیے کئی جیسے معاملے کی صورت پر غور کر رہا اور پھر کہہ

"ہم نے شہزادی کا عقد ثانی حارث ابوظفر کے ساتھ تجویز کیا تھا۔ شاید اسی سلسلے میں اُسے اطمینان میں بیٹھنے اور استخارہ کرنے کا اشارہ ہوا ہے۔"

وزیر سلطنت نے اُس مضمون میں تھوڑا سا اضافہ کر دیا۔ "سلطان معظم! شہزادی صاحبہ نے آپ کی خواہش بھی مدنظر رکھی ہے اور وہ حارث کو اپنے محافظ خاص کی حیثیت سے ساتھ لے گئی ہیں جس کے ساتھ وہ مناسب ہو چکی ہیں۔"

"ہمیں تعجب اس بات پر ہے کہ اگر نجم کو اپنے سفر کی اطلاع دینا یاد نہ رہا کیوں کہ وہ اس وقت کشف کے زیر اثر تھی تو حارث کے کیوں خبر نہ کی؟ اُس کا فرض تھا روانگی سے قبل وہ ہمیں یا شہزادہ شہباز کو مطلع کرتا۔"

اس معنی کو شہزادہ شہباز نے حل کیا اور بتایا۔ "ابو جیش! جب سے آپ نے شہزادی نجم سے حارث کا عقد تجویز کیا ہے۔ وہ شہزادی کی مرضی کو مقدم رکھتا اور اُس کی ہر بات کو تسلیم کرتا ہے۔ شاید حارث نے یہ سمجھا ہو کہ نجم نے آپ کو اپنے سفر کی اطلاع دے دی اور آپ سے اجازت لے لی ہوگی۔"

"ہاں! یہ بات خرمین قیاس ہے۔" اب خمار ویرانہ نے تھوڑی سی تشویش کا اظہار ضروری سمجھا۔ "پھر بھی ہم نہیں جانتے کہ حارث کے ساتھ شہزادی کا سفر اور القدس میں قیام مناسب بھی ہوگا یا نہیں کیوں کہ ابھی ان کا عقد نہیں ہوا۔"

چلی گئی ہے لیکن شیبان کے ذہن میں ایک نئی پریشانی سر اٹھادی تھی۔ اس نے پوچھا۔
”چالیس روز کے بعد جب اٹکاف کی مدت پوری ہو جائے گی۔ شہزادی نجم
کی بات پھر چھڑے گی اور لوگ پوچھیں گے وہ مصر واپس کیوں نہیں آئی۔ تب انھیں کیا
جواب دیا جائے گا۔“

”شہزادہ عالی لوگوں کے حافطے مکرور مومنہ ہیں۔“ جعفر بخوی کہنے لگا۔ ”آپ نے
جو سوال اٹھایا ہے اس کا جواب بڑا آسان ہے۔ آپ کہیں گے کہ اٹکاف اور استخارے
کے بعد شہزادی نے حارث سے شادی کر لی ہے۔“

”صرف لوگوں کی بات نہیں جعفر! ڈیڑھ دو ماہ کے بعد یہ سوال بنی طولون اٹھائیں
گے کہ نجم اسیل کہاں ہے؟“

”ہر سوال کا ایک جواب ہوتا ہے شہزادہ عالی! اس سوال کا جواب یہ ہے کہ شہزادی
نجم اسیل حارث کو لے کر کسی دور دراز علاقے میں چلی گئی۔ اور بنی طولون سے ناتا
توڑ چکی ہے۔“

”بڑا نفع جواب ہو گا۔“

”یہ بات سوال کرنے والوں کے سوچنے کی ہے کہ ان کے سوال کا جواب تلخ اور
کڑوا بھی ہو سکتا ہے۔“

اچانک خمار دیہ کہنے لگا۔ ”ہم اس جھنجٹ میں کیوں پڑیں جعفر؟ تم اپنے علم سے
یہ معلوم کرنے کی سعی کرو کہ وہ کس طرف اور کہاں گئی ہے؟ پھر ہم اپنی خوش کھئی کو واپس
لا لیں گے، خواہ ہمیں نجم کی خاطر جنگ ہی کیوں نہ لڑنی پڑے۔“

جعفر نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیے اور تیز سرگوشی میں بولا۔ ”سلطان
ذی شان! اگر کبھی قبول کر بھی ایسا جہاں آئے تو اسے فوراً ذہن سے خارج کر دیں اور اس
پر کبھی عمل نہ کریں۔ شہزادی نجم آپ کے لیے اور بنی طولون کے لیے فی الواقع خوش بختی
کی علامت تھی مگر آپ اس کی واپسی کے لیے جنگ لڑیں گے تو ناکام ہوں گے اور اس
ناکامی سے آپ کے زوال کا آغاز ہو گا۔ بعض ہنگامے ایسے ہوتے ہیں جو بادشاہوں کی
شان اور شوکت کے لیے خطرہ بن جاتے ہیں۔ یہ ہنگامہ بھی ایسا ہی ہو گا۔“

خمار دیہ اس کی باتوں سے مرعوب ہو گیا۔ ”تمھاری گفتگو میں الفاظ بہت قیمتی“

سلطان نے ایوان خاص میں اپنے ہمراز بھائی کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”شیبان!
اعلان کر دو کہ شہزادی نے ایک نیک مقصد کی خاطر اٹکاف کا سفر کیا ہے جہاں وہ چالیس روز
اٹکاف میں رہے گی اور حارث محافظ خاص اور حرم کی بنیاد سے اس کے ساتھ ہے۔“
اس کے ساتھ ہی قاصد کو انعام دے کر رخصت کرنے کے بعد دربار برخواست کر لیا
گیا۔ پیغام رسانی کا مقصد پورا ہو گیا تھا اور خمار دیہ نے بڑی حکمت کے ساتھ بنی طولون
کی رسوائی پر اٹکاف کا پردہ ڈال دیا تھا۔ لوگوں کی واپسی کے بعد ہر طرف یہ خبر پھیلی جاتی
گئی کہ شہزادی نجم اسیل کی اطلاع آگئی ہے۔ وہ اپنی مرضی سے ایک نیک سفر پر گئی ہے۔



جس وقت طولونی شہزادے، خاندان کے معزز افراد اور غائبین تک اپنے قصروں
کو لوگوں اور حویلیوں میں نجم اسیل کے قاصد کی گوداؤں سے تھے اس وقت بھی
شاہی محل کے ایوان خاص میں تین آدمی پراسرار گوشیوں میں مصروف تھے اور وہ تھے
سلطان خمار دیہ، جعفر بخوی، شہزادہ شیبان اور جعفر بخوی۔ ان کے نزدیک شہزادی
نجم کی تلاش اور حارث کی گرفتاری کا ہنگامہ جس نے ہر طرف تسکین پیدا کیا تھا بڑی حکمت
اور خوبی سے ختم ہو گیا تھا۔

جب کوئی لڑکی اور جوان عورت کسی مرد کے ساتھ فرار ہو جائے یا کوئی اسے اغوا کرے
تو لوگ عموماً اس گھانڈ کو چھپاتے ہیں لیکن حکومت اور طاقت کے جوش میں خمار دیہ سے غلطی
یہ سرزد ہوئی کہ اس نے بنی طولون کے زخم لوگوں کے سامنے برہنہ کر دیے اور حارث پر طولونی
بیوہ کے اغوا کا شبہ کر کے اس کی تلاش و گرفتاری کے لیے اتنا بڑا ہنگامہ برپا کر دیا کہ
گھر گھر بنی طولون کی ناموس لٹنے کا چرچا ہوا۔ اسی رسوائی کو بیٹھے کے لیے ”شہزادی کے
پیغام“ کا نالہ کھیلایا تھا۔ جعفر بخوی کے نزدیک شاہی خاندانوں کی ایسی رسوائی اور
بدنامی ان کے زوال کی ابتدا ہوتی ہے جسے دونوں بھائی مل کر روک دینا چاہتے تھے۔
ذہنی طور پر یہ معاملہ دب گیا تھا اور لوگوں کے ذہن کسی اور جانب پھیر دیے گئے کیوں کہ
انھوں نے یقین کر لیا تھا کہ طولونی شہزادی استخارہ کرنے اور اٹکاف بیٹھنے بیت المقدس

”معنی بھی کم نہیں اعلیٰ حضرت جو کچھ شہزادی نجم کے بارے میں میں جانتا ہوں، کاش وہ آپ بھی جانتے“

”ان باتوں کے علاوہ جو تم نے پہلے بیان کی تھیں، کچھ اور بھی جانتے ہو؟“ جعفر بخوی نے اپنے دونوں ہاتھ نیچے گرا لیے اور بتانے لگا۔ ”عالی جاہ شہزادی نجم میرے لیے بھی ایک انجمن اور گنجی بن گئی ہے، جسے میں نے ایک بار پھر چھاننے کی کوشش کی اور نیا لالچہ نیا کرنا تو پتا چلا کہ آج کے دن تک شہزادی نجم کی دوسری ازدواجی زندگی کا آغاز ہو جانا چاہیے شہزادی کا ستارہ برج اسد سے گزر رہا ہے اور اگر دل میں کسی مرد سے محبت یا حکمرانی کی خواہش ہو تو پوری ہوتی ہے۔ ظاہر ہے اس کا دوسرا عقد کسی طاقت ور جنگی مرد سے ہوا ہے جس کے پیچھے قبائل کی طاقت کھڑی ہے اور اگر شہزادی کو بہ زور قوت واپس لانے کی کوشش کی گئی تو وہ طاقت حرکت میں آجائے گی اور ایک فساد عظیم برپا ہوگا۔ جو آپ کی شخصیت اور حیثیت پر اثر ڈالے گا۔ اسی لیے میں نے مشورہ دیا ہے کہ شہزادی کو روائی سے حاصل کرنے کا خیال اپنے ذہن سے نکال دیجئے۔“

ان باتوں نے دونوں بھائیوں کو درطبعیت میں ڈال دیا اور وہ کچھ گئے کہ نجم ان کے ہاتھوں سے بچ گئی ہے یہ بات جعفر نے پہلے ہی روز واضح کر دی تھی مگر نئے لالچے کے مطابق شادی کی جو صورت یا شکل نکلی اس سے وہی سہی توقعات بھی ختم ہو گئیں اگر وہ کسی قبیلے کی طرف چلی گئی تھی جس کے جنگجو سردار کے ساتھ اس نے عقد کر لیا تو وہ اس کے بارے میں کچھ جانتے تھے۔ مگر اس کے قرب و حوار میں قبائل کی ایک وسیع دنیا آباد تھی جن کا سلسلہ مشرق و مغرب تک پھیلا تھا اور قبائل کی اس وسیع دنیا میں ثبوت کے بغیر کسی قبیلے کی طرف انگلی اٹھانا مشکل تھا جعفر اگرچہ شہزادی کی صحافی زندگی سے دل چسپی اور حکمرانی کا ذکر چکا لیکن کسی قبیلے کی نشان دہی نہ کر سکا تھا۔ دونوں بھائیوں کو حیران و ششدر دیکھ کر اس نے اپنی کتاب نجوم کا ایک اور ورق کھول دیا۔

”آپ چاہتے ہیں میں کسی قبیلے کا نام لوں مگر ایسا ممکن نہیں۔ البتہ میرا علم یہ اشارہ ضرور دیتا ہے کہ اس کی کامیابی کا ستارہ مشرق سے طلوع ہونے والا ہے اور اس نے مشرق کی طرف سفر کیا ہے جس کی مسافت چار پانچ روز سے زیادہ نہیں۔“ مشرق کی سمت چار پانچ روز کی مسافت کے ذکر نے خمارویہ ابوحش اور شیبان

دونوں کو چونکا دیا۔ فسطاط اور القطار کے مشرق میں اتنے یوم کا سفر طوطی حکومت کے اندر بھی ختم ہو جاتا تھا اور اس جانب صحرائے بی اور صحرائے سینائی یا ریگز اترتہ میں بعض قبائل بھی آباد تھے۔ کیا شہزادی نجم نے انہی قبائل میں سے کسی قبیلے کے سردار کو پسند کر لیا ہے۔ لیکن وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ اتنی مسافت پر کوئی جنگجو قبیلہ آباد نہیں۔ پھر جعفر کے الفاظ کا مطلب کیا تھا؟

جعفر نے اپنے خیال کی وضاحت کی۔ ”شہزادی نجم کو ریاں سے گئے آٹھ دن ہو چکے ہیں۔ آج نویں رات شروع ہوئی ہے۔ اس کے ستارے کے مطابق جو اس وقت برج اسد میں ہے۔ انہی راتوں میں اسے اپنی شب زفاف منانی چاہیے۔ عقد کے بعد اس لیے یہ رات ایسی جگہ منانی ہوگی جو اس کے سفر کی منزل اور جہاں قبیلہ نیمہ زن ہے میرے حساب کے مطابق اس کے پہلے پانچ یوم سفر میں گزرے ہیں۔ لہذا وہ قبیلہ جہاں شہزادی گئی ہے القطار ہے پانچ یوم کی مسافت پر ہے۔“

سلطان خمارویہ ایک نئی حیرت سے دوچار ہوا۔ ”تم کہتے ہو اس نے مشرق کی طرف سفر کیا ہے لیکن القطار کے مشرق کی جانب سفر کیا جائے تو پندرہ یوم میں بھی طوطی مملکت کی سرحد عبور نہیں کی جاسکتی۔“

”ممکن ہے وہ قبیلہ کہیں مصر کی سرحد پر مقیم ہو۔“

”مشرق کی سمت اتنی مسافت پر ایسا کوئی قبیلہ نہیں جس کے پیچھے دوسرے قبائل کی طاقت ہو اور وہ طوطی لشکر کا مقابلہ کر سکے۔“

جعفر بخوی بڑے عجیب اور برائے اعتماد لہجے میں بولا۔ ”سلطان ذی شان! میں نہیں جانتا وہ قبیلہ کہاں آباد ہے مگر شہزادی نجم کے ساتھ اس پر بھی برج اسد کا سایہ ہے میرے خیال میں یہی بہتر ہوگا۔ شہزادی کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے ورنہ نقصان کا اندیشہ ہے۔“

ابانک شیبان نے ایک نیا خیال ظاہر کیا۔ ”ہو سکتا ہے نجم نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ جنوب مشرق کی طرف تیز سفر کیا اور بحیرہ قنزم کو عبور کر کے مصر کے اکل گئی ہو قنزم کے اس پار بڑے طاقت ور قبائل ہیں۔“

خمارویہ ابوحش کے چہرے پر ایک نئی پریشانی نمودار ہوئی اور بے اختیار زبوں سے ہمدردی بکھل گئی۔ ”نجم نے ہمیں کانٹوں میں پھنسا دیا ہے۔“

”خون کی سبشش ہر کسی کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ ممکن ہے شہزادی نجم فی الواقع آپ کو کوئی پیغام بھیجے اور اپنے متعلق اطلاع دے۔“

پھر جعفر نجومی نے حکمت کی ایک بات بتائی۔ ”جن لوگوں کے ذریعے آپ خفیہ طور پر شہزادی کا کوچ لگانے کی کوشش کریں گے۔ وہ سمجھ جائیں گے کہ آج کا قاصد شہزادی کا بھیجا ہوا نہیں تھا اس طرح اس کے اتوکاف والی بات بگڑ جائے گی۔ دھونگ کھل جائے گا۔“

خاروید نے محسوس کیا کہ جعفر کی بات میں ذراں ہے۔ چنانچہ اپنا خیال بدل دیا اس کے بعد طوفانی حکومت کے متعلق کچھ گفتگو ہوئی۔ سلطان اور شیبان بعض داخلی خرائج سے جان گئے تھے کہ طوفانی ریاست کے بارے میں جعفر کے اندیشے غلط نہیں دونوں نے ان اندیشوں سے غلٹنے کا عزم کیا اور جعفر نے یقین دلایا کہ وہ ستاروں کی گردش و رفتار کا جائزہ لیتا اور ان کے بعد وخنس اثرات کی اطلاع دیتا رہے گا۔

رات کا پہلا پر ختم ہونے والا تھا جب ان کی خفیہ محفل ختم ہوئی۔



”کتاب کی شرح پر کلنٹے تو ہوتے ہیں عالی جاہ! جعفر نے کہا آپ کو ان کا نمٹوں

سے اپنا دامن بچانا اور مزید پریشانی سے بچنا ہے۔“

”مگر ہم لوگوں کو اپنا چہرہ کس طرح دکھائیں گے جس پر ہماری اپنی غلطیوں کے نشان ابھی باقی ہیں۔ اگر ہم حارث کے ساتھ اس کا عقد تجویز نہ کرنے تو شاید وہ ہمیں چھوڑ کر نہ جاتی۔“

”اپنے عزیزوں سے جلدائی دنیا کی سب سے بڑی مصیبت ہے مگر کچھ باتیں مفید ہوتی ہیں، جو ہو کے رہتی ہیں اور انہیں مفید بات سمجھ کر قبول کرنا چاہیے۔“

”تم صدمے سے مدد حال ہیں جعفر!“

”مگر اس صدمے سے بڑھ کر نئی طوبوں کو بعض ایسے صدمے اور خطرات درپیش ہیں جو انہیں صفحہ ہستی سے مٹا دیں گے اور صرف آپ کی ذات انہیں بچا سکتی ہے۔ عقل مند جوان بہمت اور جری انسان چھوٹے واقعات میں الجھ کر اپنی قوت ضائع نہیں کرنے اور اسے بڑے واقعات کا مقابلہ کرنے کے لیے محفوظ رکھتے ہیں۔ لہذا آپ کو اپنی ساری طاقت آنے والے بڑے خطرات کے لیے بچا کر رکھنا اور طوفانی اقتدار کو مستحکم کرنا ہے۔ لوگ شہزادی نجم امیل کا واقعہ عن قرب بھول جائیں گے۔ خاندان کے افراد کو آپ دانائی سے سمجھا سکتے ہیں کہ عزیز و اقارب زندگی کے راستوں پر ایک دوسرے سے بچھڑتے اور ملتے رہتے ہیں سلطان دشمنان آپ قدرت کا یہ فلسفہ یاد رکھیں، ہم ایک دوسرے سے بچھڑنے کے لیے ملتے ہیں مگر زندگی کا سفر اپنے راستوں پر جاری رہتا ہے۔“

خاروید نے اپنے سر سے صدمے کا بوجھ جھٹک دیا اور کہا۔ ”ہم تمہارے ممنون ہیں جعفر! تم بگڑے حالات میں بھی ہمیں حوصلہ دیتے اور دل میں خطرات سے لڑنے کی امانت پیدا کرتے ہو۔“

”بارشاہوں کی زندگی حوادث سے معمور ہوتی ہے عالی جاہ! اگر جدوجہد سے وہ حالات کا رخ بدل دیتے ہیں۔ جو حوادث بنی طوبوں کو پیش آنے والے ہیں انہیں صرف آپ ہی روک سکتے ہیں۔ اس لیے آپ کو پریشان ہونے کی بجائے مستعد رہنے کی ضرورت ہے۔“

”ہم تمہارے مشورے پر عمل کرتے ہوئے نجم کو اس کے حال پر چھوڑ دیں گے لیکن کیا یہ معلوم کرنے کی کوشش بھی نہ کریں کہ اس نے کس قبیلے اور کس سردار کے ساتھ تعلق قائم کر لیا ہے۔“

شیخ الجماعۃ

KHAN BOOKS
& LIBRARY
9-527, BHABRA BAZAR, RAWALPINDI
Cell: 0345-5048634 - 0345-5048659
Prop: Ali Khan

واقعات وحوادث کا جو سلسلہ ہم مابین میں بیان کر آئے ہیں، وہ ایک طے شدہ منصوبے کے مطابق عمل میں آیا تھا جسے عربی کے سرائے دار نے اس ہوشیاری اور خوبی سے نپا کیا تھا کہ کڑی سے کڑی باہم پیوست تھی اور اس سلسلے میں کہیں بھی کوئی ایسا جھول نہ تھا جو کسی سرائے کا ذریعہ بن سکتا۔

سلیمان بن عامر ایک خفیہ تحریک کا داعی اور ایسے منظر نامے تیار کرنے میں ماہر تھا جو موت کے حاشیوں سے گزرنے کے باوجود بڑے محفوظ ہوتے تھے۔ اس نے نجم العلیل جیسی خوبصورت طوطی بیوہ کو، جو کسی جنگ جوا اور وحشی قبائلی سردار سے دوسرا عقد کرنا چاہتی تھی، ابن حرب جیسے بے رحم جنگی مرد سے اس طرح ملایا کہ دونوں ایک دوسرے کی ضرورت بن گئے پھر شہزادی کو ابن حرب کے ذریعے الفطاح سے نکلوا کر صحرائ میں پہنچا دیا تھا جہاں جماعت کو اس کی ضرورت تھی۔

سلطان خمارویہ ابوجیش نے شہزادی کو اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ اول تو اس لیے کہ شاید وہ خود کسی ذریعے اپنے بارے میں اطلاع دے گی، دوسرے اچھی دلوں ایک حسین غلام کی خودکشی نے جس کا معاملہ قاضی القضاۃ تک پہنچ گیا تھا، اس کی پریشانیوں میں بے حد اضافہ کر دیا اور وہ اس مقصد کے دفع کرنے میں مصروف ہو گیا تھا غلام کی خودکشی کا معاملہ بالابھی بالاخون بہا ادا کر کے دبا دیا گیا۔ اگر اس آگ کو بجھانے سے پہلے ہی بجھا نہ

دیا جاتا تو شاید حال کے ساتھ اس میں مستقبل بھی بدل جاتا۔

ایسی جھیلے میں دن پردن گزرتے چلے گئے لیکن شہزادی نجم کا کوئی نامہ نہ آیا کسی دوسرے ذریعے سے اس کی کوئی خبر ملی۔ البتہ اس عرصے میں چند طوطی خواتین نے شہزادی عباسیہ کے ذریعے ایک بااختیار و خبر کو القدس بھیج دیا تاکہ وہ پوری چھپے پناہ لگائے۔ کیا شہزادی نجم وہاں پہنچی بھی ہے یا نہیں؟ خود رتوں کو رتوں کے معاملات سے بڑا تجسس ہوتا ہے۔ منجھرنے نہ صرف مسجد اقصیٰ کا محلہ بلکہ پورا بیت المقدس چھان مارا اور خفیہ خفیہ لگی تلاش کرتا رہا لیکن شہزادی نجم اہل اور حارث الوظفہ کا کوئی نشان مل سکا، دوسو ڈائی کنیز غنبر اور جیشی غلام ڈنگلا کی پرچھا میں نظر آئی۔ گزشتہ کئی ماہ سے ایسا کوئی فرد یا کنیز القدس میں نہیں آیا تھا جس نے مسجد اقصیٰ کے قرب و جوار میں کوئی مکان کرائے پر لیا ہو۔

تلاش بیاہ کے بعد جب کوئی آتا پتا نہ چل سکا تو غنبر نے اندازہ لگایا کہ عارث نے شہزادی نجم کی طرف سے قاصد بھیج کر سلطان عالی کو دھوکا دیا اور شہزادی کو لے کر کسی نامعلوم سمت نکل گیا اور شاید طوطی مملکت کی سرحد عبور کر گیا ہے۔ غنبر نے الفطاح میں زاپس آکر شہزادی عباسیہ کو اپنی تلاش کی روداد سنائی اور اس خیال سے بھی آگاہ کیا کہ نہ جانے عارث شہزادی نجم کو لے کر ایشیا یا افریقہ کے کسی ملک میں چلا گیا یا اس نے یورپ کی اسلامی سلطنت اندلس کا رخ کیا ہے لیکن شہزادی بیت المقدس میں نہیں، ماند وہاں گئی ہے۔ جب طوطی خواتین کو اس روداد کا علم ہوا، وہ بہکا بکا سی رہ گئیں اور اس نتیجے پر پہنچیں کہ کوئی طویل اور خفیہ سفر عورت کی مرضی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ نجم العلیل خود ہی کہیں بھاگ گئی ہے۔

اب طوطی خواتین میں اندر ہی اندر مرموز گوشیاں اور قیاس آرائیاں ہونے لگیں اور شہزادی عباسیہ سے درخواست کی گئی کہ وہ سلطان سے گفتگو کرے اور اسے خواتین کے بدترین اندیشوں کی اطلاع دے۔

خمارویہ ابوجیش کئی دنوں کی مسلسل اور درپردہ کوششوں کے بعد غلام کی خودکشی کے جھنجھٹ سے فارغ ہوا تھا اس لیے شہزادی عباسیہ کے ساتھ بڑی خوش دلی سے ملا لیکن جب القدس میں تلاش کی روداد سنئی اور غنبر کی قیاس آرائی کے ساتھ ساتھ طوطی خواتین کے اندیشے کانوں میں پڑے تو ایک بار پھر پریشان ہو گیا کہ اس کا فوالی کہاں کھل گئی

اور نور توں کے ہونٹوں پر چپ کی ہر گئی ساری۔ سب معاملے کی نوعیت جان گئے تھے کہ خیم
انہیں چھوڑ کر چلی گئی ہے، اس صورت میں پرچھنے کے لیے رہ بھی کیا گیا تھا؟

عام لوگوں کے متعلق جعفر نجوی کی یہ بات پتھر پر لکیر ثابت ہوئی کہ وہ بہت جلدی
واقعے کو بھول جائیں گے انہیں تو واقعے سے صرف اس حد تک دل چسپی تھی کہ اگر شہزادی
انوار کی گئی تو حکومت اسے برآمد کرتی ہے یا نہیں۔ اگر خود گئی اور جیسا کہ مشہور ہو گیا
تھا کہ القدس میں ہے اور عمارت بھی بہ طور محافظہ ساتھ ہے تو بی طوں اسے واپس لاتے
ہیں یا نہیں لیکن نہ حکومت کی طرف سے کوئی نئی سرگرمی دیکھنے میں آئی، نہ بی طوں کی
جانب سے کسی تشویش یا پریشانی کا اظہار کیا گیا تو لوگوں کی دلچسپی بھی جاتی رہی اور ان کے
یہ بات اُٹی گئی ہو گئی۔

خارویہ البوہیش نے شہزادی اسماء قطراندی کی رخصتی کی تیاریاں شروع کر دی تھیں
تاکہ خواتین جنہیں شادی بیاہ کے ہنگاموں سے دل چسپی ہوتی ہے۔ ان تیاریوں میں خیم بیل
کے واقعے کو بھول جائیں۔ وہ خود بھی سب کچھ بھول جانا چاہتا تھا لیکن حادثہ کا مٹا سمجھ میں نہ
اسکا کہ آخر اس کے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا اور وہ کیسے گرفتار ہوا؟

جعفر کے بقول ایک بڑی شکست اس کے زانچے میں لکھی تھی اور وہ اسی شکست
سے دوچار ہوا تھا مگر خارویہ بی بی طوں پر آنے والے گھر سے دونوں کو بہر حال روک دینا
چاہتا اور شہزادی خیم کا واقعہ بھول کر طوئی ریاست کے استحکام کی خاطر سرگرم عمل ہو گیا تھا
اس عرصے میں سرکاری طور پر بہت سی تبدیلیاں عمل میں آئیں۔ صوبوں اور شہروں میں وفادار
اور قابل اعلیٰ حاکموں کا تقرر ہوا اور طوئی فوج میں جاں نثاروں پر زیادہ توجہ دی گئی جن میں
نوک، عرب، اشامی، مصری، سروانی، حبشی ہر قسم کے لوگ تھے سلطان جیشوں پر زیادہ اعتماد کرتا
تھا۔ انہیں فوج میں اہم عہدے دیے گئے۔

لوگوں کے دل اپنی جانب موڑنے کی خاطر لگان، جزیرہ اور حصول میں کمی کر دی گئی۔
مصری فلاحین اور تاجروں پر اس رعایت کا خوش گوار اثر پڑا۔ وہ طوئی حکومت کو دعائیں
دیتے لگے۔ ان مراعات کا اعلان عید الاضحیٰ کے موقع پر کیا گیا اور ذی الحجہ کا مہینہ اسی مہینہ
میں گزر گیا۔



ہے لیکن ذرا بھول کر بولا۔

”اگر وہ القدس میں نہیں بلکہ کسی اور طرف چلی گئی ہے، تو ہم کیا کر سکتے ہیں؟“
عباسیہ نے بتایا۔ ”کچھ خواتین چاہتی ہیں، اب خیم کا کوئی نام بھی دے لے لیکن بعض کا
خیال ہے، اس کا کھوج لگانا چاہیے۔“

خارویہ کو کچھ تسلی ہوئی ”تھار کیا خیال ہے؟“
”سلطان معظم! میرے خیال میں وہ جہاں بھی گئی ہے اپنی مرضی سے گئی ہے۔ گھر کی بیڑ
عبور کرنا قلعوں کی فصیلیں پھاندنے سے مشکل ہوتا ہے۔ جو عورت اس مشکل مرحلے سے
گزر جاتی ہے اس کی واپسی مشکل ہوتی ہے لہذا خیم کی تلاش بے سود ہوگی اسے بھول
جانا چاہیے۔“

شہزادی عباسیہ نے خارویہ کی سب سے بڑی پریشانی دور کر دی۔ اس نے وہ
سب کچھ کہہ دیا تھا جس کی خارویہ خواہش رکھتا تھا۔ حالانکہ عباسیہ معاملے کی اس نوعیت
سے آگاہ نہ تھی جو جعفر نجوی کئی روز قبل پیش کر چکا تھا، پھر بھی تڑپ کر بولا۔

”عباسیہ! خیم ابیل کا ذکر اس بے وردی سے نہ کرو۔ اگر اس نے کسی مرد کے ساتھ
عقد کر لیا ہے تو کوئی عیب نہیں کیا۔ عقد ثانی بیوہ پر واجب ہے۔ لیکن ہے اُس نے انقطاع چھڑ
کر غلطی کی ہو لیکن ہم اس کی غلطی سے درگزر کرتے ہیں۔ اب خاندان کی عزت اسی میں ہے
کہ اسے بھلائی کے ساتھ یاد کیا جائے اور لوگوں سے کہا جائے کہ وہ اپنے گھر میں خوش ہے۔“
شہزادی عباسیہ نے اس کا مطلب اچھی طرح سمجھ لیا۔ عام دستور کے مطابق اگر کوئی فرد
گھر سے چلا جائے یا سفر پر ہو تو کوئی خبر نہ ملنے کے باوجود دیکھا ہی جاتا ہے کہ وہ غیریت سے
ہے، البتہ کسی حادثے وغیرہ کی صورت میں جلد یا بہ دیر بری خبر ضرور مل جاتی ہے اور
شہزادی خیم کے بارے میں ابھی تک کوئی بری خبر نہیں ملتی تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ جہاں
بھی ہے، یہ غیریت ہے۔

شہزادی عباسیہ، سلطان خارویہ کی ساری پریشانیوں کو اٹھا کر لے گئی اور اس
نے خاندان کے لوگوں سے وہ بات کہہ دی جو خارویہ خود کہہ سکتا تھا۔ اس طرح شہزادی خیم
کا معاملہ خود بخود حل ہو گیا۔ خیم ابیل کے مہینہ اہل کاف کی مدت گزر گئی اور کسی نے اس
کی واپسی کے بارے میں سوال نہ کیا۔ حتیٰ کہ ذی الحجہ کا مہینہ آگیا۔ تب بھی بی طوں کے مردوں

جس شام افق پر قرم کا چاند دیکھا گیا اس شام کی صبح سے پہلے پہر شاہی محلات کا داروغہ خرویدہ ابو جیش کے خاص کمرے میں حاضر ہوا اور ایک مہربانہ تحریر پیش کی۔ داروغہ محلات نے بتایا۔

”آج جب میں شاہی محل کے بڑے پھانک سے نکل رہا تھا، دس برس کے ایک لڑکے نے یہ تحریر مجھے لکھ دی اور کہا کہ یہ مکتوب یا پیغام صرف سلطان معظم کے ہاتھوں میں دیا جائے۔ اس پر میں چونکا اور لڑکے سے دریافت کیا۔ وہ یہ مکتوب کہاں سے لے کر آیا ہے۔ اس نے بتایا کہ تھوڑی دیر قبل ایک بدوی عرب نے دو دینار کے عوض یہ خدمت اس کے سپرد کی تھی اور کہا تھا جب داروغہ محلات باہر نکلے، یہ پیغام اسے دے کر تاکید کی جائے کہ سلطان عالی نگاہ پہنچا دے۔ لڑکے نے بتایا، ادھیڑ عمر کے اس بدو نے سر پر سیاہ ٹماٹر باندھ رکھا تھا اور پایہ پاتھا مطلب یہ کہ کوئی سواری پاس نہ تھی۔ غالباً وہ اپنی سواری کا جانور (اورنگ گھوڑا لگھا) کسی دوسری جگہ چھوڑ آیا تھا۔ یہ سوچ کر کہ شاید پیغام شہزادی نجم الملک نے بھیجا ہو۔ پیغام رسال بدو کو سر جانب تلاش کیا گیا لیکن اس کا سرخ کپڑا نہ ملا۔ یہ عجیب و غریب کہانی سن کر خرویدہ کا اشتیاق بڑھ گیا اور کہنے لگا۔ ”پیغام کے ساتھ پیغام رسال کو پیش کرنا ضروری تھا۔“

”سلطان معظم! یہ فرض شاہی محلات کے محافظ افسر کے سپرد کر چکا ہوں۔ وہ لڑکے کو ساتھ لے کر مضبوطی کے بازاروں، اندریوں اور سراؤں میں اسے ڈھونڈ رہا ہو گا۔“

خرویدہ نے مہربانہ نوشت پکڑ لی اور داروغہ محلات کو ہدایت کی کہ جس وقت وہ بدوی عرب مل جائے اسی وقت ہمارے حضور پیش کیا جائے۔ پھر اسے رخصت کر دیا اور اس خیال سے بدن میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی کہ یقیناً یہ تحریر خیر الخلیل کی ہوگی اور ضرور اس نے کوئی اہم پیغام بھیجا ہو گا اس خیال کے ساتھ ہمیں توڑیں اور مکلف کو کھولا۔ مگر یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ شہزادی نجم الملک کے بجائے کسی شیخ الجماعتہ کی طرف سے تھا۔ مضمون پڑھا تو دل و دماغ پر سکتہ سا طاری ہو گیا۔ بکھا تھا۔

السلام علی من تبع الہدی

سلطان خرویدہ ابو جیش کے نام

بنو عباس کے ساتھ آپ کی دوستی اور خلیفہ معتضد ابو عباس کے

ساتھ شہزادی اسماء قطر الندی کا عقد ایک غلطی ہے جس پر آپ کو اقباء کیا جاتا ہے۔ اگر قطر الندی بغداد کے شاہی محلوں میں داخل ہو گئی جیسا کہ سنا جا رہا ہے کہ اسی سال اس کی رخصتی عمل میں آجائے گی تو بھی وہ عباسیوں کی مکہ عرب کے گئے۔ یہ امر از صرف خلیفہ کی حرم اول جیکہ قانون کو حاصل ہے مگر ہم اسماء قطر الندی کو مکہ بلا دیناں گے اس لیے رخصتی روک دی جائے اور خلیفہ معتضد کے ساتھ اس کا عقد فسخ کیا جائے۔

ہم بہت جلد ظاہر ہوں گے اور عن قریب ایک انقلاب عظیم برپا ہو گا۔ اگر آپ نے ہماری بات مان لی تو بی طوں فائدے میں رہیں گے اور طوں ریاست بھی۔ بہ صورت دیگر کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ لوگ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ والسلام

آقا حسین شیخ الجماعتہ

(یہ اللہ علی الجماعتہ)

یہ ایک حیرت انگیز تحریر ہے۔ دیکھی تھی۔ طوں سلطان حیرت زدہ رہ گیا۔ جس مکتوب کو شہزادی نجم الملک کا پیغام سمجھ کر کھولا، وہ آقا حسین کی تحریر نکلی، لیکن کسی آقا حسین کو نہیں جانتا تھا، نہ پہلے کسی اس کا نام سنا تھا جس نے کسی جماعت کا شیخ ہونے اور عن قریب انقلاب عظیم برپا کرنے کا دعویٰ کیا تھا۔

خرویدہ کے نزدیک یہ تحریر گستاخانہ تھی جس میں بنو عباس کے خلاف جذبہ عناد پایا جاتا تھا۔ ساتھ ہی اسے مجاہد دھمکی دی گئی تھی۔ ماضی میں اس قسم کے کئی مذہبی شیخ اور امام کسی گروہ کو ساتھ لے کر خروج کرتے اور پسپا یا قتل ہوتے رہے تھے۔ اس کے نزدیک یہ تحریر بھی کسی ایسے ہی مجنون آدمی کی تھی جو اپنی جماعت کے ساتھ ظاہر ہونے اور جدال و قتال کا جذبہ رکھتا تھا ظاہر ہے اس نے عباسی طاقت کا غلط اندازہ لگایا تھا جو دنیا کی سب سے بڑی سلطنت تھی اور بڑے عظمیٰ طوں ریاست کے متعلق بھی غلط فہمی میں مبتلا تھا جو عباسی عباسی طاقت سے کامیاب جنگوں کا تجربہ رکھتی تھی بے شک حالات کی صورت پہلے سے بدل گئی اور خرویدہ نے عباسی سلطنت سے دوستی ضروری سمجھی تھی لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہ تھا

اس شخص نے طوفانی تلواریں نہیں دیکھیں؟

ابھی یہی سوچ رہا تھا کہ غلام نے شہزادہ شیبان کے لیے اجازت طلب کی، جب وہ کمرے میں آیا، بڑا مضطرب اور بے چین تھا۔ اس نے آتے ہی سوال کیا۔ "سلطان معظم! میں نے سنا ہے شہزادی نجم کا کوئی مکتوب آیا ہے؟"

خمارویہ کچھ گھبرا گیا یہ بات اُسے داروغہ محلات نے بتائی ہوگی اور سنتے ہی نجم کا پیغام لے آگیا ہے۔ اس نے وضاحت کی۔ "آج ہمیں ایک پیغام ضرور ملا ہے لیکن وہ نجم کا نہیں کسی اور کا ہے۔ تو تم بھی پڑھ لو۔"

یہ کہہ کر وہ تحریر جو ابھی تک ہاتھ میں تھی، اُس کی طرف بڑھا دی۔ شیبان نے نوشتہ پڑھی، نیچے شیخ الیاس نے آقا حسین کا نام دیکھا اور چشم حیرت سے بھائی کو دیکھنے لگا۔ "اس پیغام کا کیا مطلب ہے سلطان معظم؟"

"کسی گستاخ نے طوفانی عظمت کا مذاق اڑایا ہے۔ پھر خمارویہ نے پوچھا کیا تم آقا حسین اور اُس کی جماعت کے بارے میں کچھ جانتے ہو؟"

"میں یہ نام پہلی بار سُن رہا ہوں۔"

مگر یہ گم نام شخص خلیفہ معتقد ابو عباس کا دشمن اور اس کے خلاف ظاہر ہو کر انقلاب عظیم برپا کرنے کا دعویٰ کرتا ہے۔

"اگر آپ نے اس شخص کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا تو میری ایک تجویز ہے۔"

"بتاؤ، تم تمھاری تجویز پر غور کریں گے۔"

شیبان کہنے لگا۔ "میری رائے میں اس مکتوب اور اس کے مضمون سے خلیفہ مقتضہ کو آگاہ کر دینا چاہیے۔ یہ شخص بنو عباس کا دشمن اور خروج کی تباہیاں کر رہا ہے۔ شاید خلیفہ کو کوئی عباسی امیر اسے جانتا ہو اور اس کے ارادوں کی خبر ظاہر ہو جانے کے بعد حکومت نیک از وقت اس کا سر کچل دے۔ یہی ہماری طرف سے اس شخص کی دھمکی یا گستاخی کا اصل جواب ہے۔"

یہ تجویز سن کر خمارویہ اچھل گیا۔ "تمھارے آنے سے پہلے ہم بھی یہی سوچ رہے تھے کہ خلیفہ کو اس خط سے مطلع کر دیں۔ معتقد اور عباسی اعیان دولت پر ہماری اس غیر اندیشی کا اچھا اثر ہوگا۔ شاید یہ کوشش مستقبل کے حوادث کو روک دینے کا ذریعہ۔"

کہ کسی نامعلوم جماعت کا شیخ اس کے ساتھ تکلم اور دھمکی کی زبان میں گفتگو کرے۔ اس نے آقا حسین کی نوشتہ کو گستاخی پر محمول کیا لیکن نہ جانے کیا بات تھی، ذہن بار بار الفاظ کے گورکھ دھندے میں اُلجھنے لگا۔

بنی عباس سے دوستی اگرچہ طوفانی ریاست کی ضرورت تھی لیکن جعفر کی پیش گوئی کے مطابق عباسی لشکر ہی بنی طولون کی تاراجی اور بربادی کا ذریعہ بنتے والے تھے۔ خیال آیا، اگر آقا حسین ایسا ہی طاقت ور ہے جیسا دعویٰ کرتا ہے تو کیا اس کی حمایت سے مستقبل میں عباسی لشکروں کی یلغار اور بنی طولون پر آنے والی مصیبت کو روکا جاسکتا ہے؟

سوال اگر عجیب تھا تو جواب اس سے عجیب تر اور فیصلہ کن تھا۔ خمارویہ نے اپنے طور پر سوچا، جو جماعت ابھی تک ظاہر نہیں ہوئی اُس کے کسی دعوے پر کس طرح یقینی کیا جاسکتا ہے؟ مذہبی شیخ عموماً بے بنیاد دعوے کرتے ہیں اس لیے یہ تحریر لائق التفات نہیں اگر یہی پیغام ممدوی تحریک کی جانب سے ملا ہوتا تو خمارویہ اسے نظر انداز کر سکتا لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ جس جماعت کی طرف سے پیغام بھیجا گیا ہے وہ ممدوی تحریک ہی کا ایک حلقہ تھا۔

شروع شروع میں کوئی بھی غیر معمولی دعویٰ قابل قبول نہیں سمجھا جاتا کیوں کہ حالات کا رُخ اس کے خلاف ہوتا ہے۔ آقا حسین کا دعویٰ خمارویہ کی منطق کے بالکل برعکس تھا۔ کوئی انقلاب عظیم برپا کرنا کسی گم نام قبیلے یا جماعت کے بس میں نہیں تھا۔ تحریر میں مطالبہ کیا گیا تھا قطر الندی کی رخصتی روک دی جائے بلکہ خلیفہ معتقد سے اس کا نکاح فسخ کر دیا جائے اس کے عوض گم نام جماعت کے شیخ کے ظاہر ہونے کا انتظار کیا جائے جو اُسے ملکہ بلاد بنائے گا۔

یہ بات نہ صرف انتہائی مضحکہ خیز بلکہ توہین آمیز بھی تھی۔ خلیفہ معتقد باللہ دنیا کی سب سے بڑی سلطنت کا حکمران اور اس کے ساتھ بیٹی کا رشتہ مناکحت سلطان خمارویہ کے لیے باعث افتخار تھا۔ اسے کسی تیم دیوانے مذہبی شیخ کی دھمکی پر توڑنا مسلمہ حالت بلکہ تہذیب اور شرافت سے گرنے والی بات تھی۔ سیاسی اعتبار سے بھی یہ اقدام وعدہ خلافی اور بدعہدی کے مترادف ہوتا۔ ہر پہلو اور ہر زاویے سے آقا حسین کے مطالبے کا جواب نفی میں تھا۔ ایک گم نام جماعت کے شیخ کو یہ تحریر لکھنے کی جرأت کس طرح ہوئی؟ کیا

بن جائے لیکن ہم اس معاملے میں جعفر نجوی سے مشورہ ضروری سمجھتے ہیں۔

”آپ کا فیصلہ دانش مندانہ ہے۔ حالات کے مطابق وہ صحیح مشورہ دے سکے گا۔“
 قزوینی دیر کے بعد جعفر نجوی ایک بار پھر مکہ خاص میں دونوں بھائیوں کے سامنے
 کھڑا تھا۔ اس نے آقا حسین کی تحریر پڑھ لی اور اس کے مضمون پر اچھی طرح غور کر لیا۔
 جس پر اُسے علم فلیکات کی روشنی میں مشورہ دینا تھا۔ وہ سوچ بچار کے بعد کہنے لگا۔
 ”عالی جاہ! یہ تحریر ایک ایسے شخص کی ہے جو ابھی پردہ اسرار میں ہے مگر اس
 تحریر میں الفاظ کی طاقت استعمال کی گئی ہے اور جس شخص نے استعمال کی، وہ جانتا ہے کہ الفاظ
 کی تلوار دلوں میں شگاف کس طرح ڈالتی ہے اور ایک فقرے کے بعد دوسرا فقرہ کیا ہوگا
 جو پڑھنے یا سننے والے کے حوصلے کو ضعیف کر دے گا۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ ان
 الفاظ کے پیچھے ایک ایسی طاقت کھڑی ہے جس کا شاید آپ اندازہ نہیں کر سکتے لیکن میرے
 علم کے مطابق شہزادی اسماء قطر الندی اور خلیفہ معتضد ابوباس کا عقد آسمانوں پر ہو چکا
 اور کتاب تقدیر میں درج کر دیا گیا ہے۔ اب زمین پر کوئی طاقت اسے منسوخ نہیں کر سکتی۔
 نہ الفاظ کے بھالوں سے نہ لوہے کی تلواروں سے۔ اس لیے اگر آپ نے خیر خواہی کے
 طور پر یہ تحریر دربار بغداد میں بھیجنے کا فیصلہ کیا ہے تو آسمانوں کے ستارے اور ثوابت
 آپ کے فیصلے کی تائید کرتے ہیں اور یہ چھوٹا سا واقعہ بہت بڑے نتائج پیدا کرے گا۔“
 خاندیر نے جعفر کی باتوں سے نیک شگون لیا اور سمجھ گیا کہ اُس نے ابوباس کی
 خیر خواہی میں جس اقدام کا فیصلہ کیا، وہ درست ہے مگر جعفر نے آقا حسین کے الفاظ کے
 پیچھے کھڑی طاقت کے متعلق جس خیال کا اظہار کیا، وہ چونکا دینے والا تھا۔ چنانچہ وہ بھی
 ایک ناخپہرا اُبھرا اور کہنے لگا۔

”میں نے عباسی لشکر دس کے ہاتھوں بنی طولون کے مصائب کا ذکر کرتے ہوئے
 کسی خلیفہ جماعت کا ذکر کیا تھا جس کی سرکوبی کے لیے عباسی لشکر مصر میں داخل ہوں گے
 کہیں وہ پُر اسرار جماعت ہی تو نہیں، جو آقا حسین کے پیچھے کھڑی ہے؟“
 اس سوال پر جعفر نے کچھ دیر غور کیا پھر کہا۔ ”میں تو قوت سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ہو سکتا
 ہے وہ جماعت ہی ہو، ہو سکتا ہے کوئی اور ہو لیکن آقا حسین کی تحریر کے الفاظ کسی
 خطرے سے خالی نہیں۔“

”پھر تو اُس جماعت کے متعلق دربار بغداد کو اطلاع دینا اور اس کا قلع قمع کرنا اور
 بھی ضروری ہے تاکہ وہ آگے چل کر خطرہ نہ بن سکے۔“

”اگر یہ جماعت دسی ہے جس کے ساتھ بنی طولون کے مصائب وابستہ ہیں تو اس
 کا قلع قمع اتنا آسان نہیں، جتنا آپ سمجھتے ہیں جتنے سرکتیں گئے ان سے زیادہ اور
 پیدا ہو جائیں گے۔ اس جماعت کی بنیاد عقیدے پر ہوگی اور عقیدہ سرفروشنوں کے جتنے
 آگے بڑھائے گا جو بار بار جدل و قتال کا بازار گرم کریں گے۔ ان کے ہاتھ قصاب کی چھری
 کی طرح خون آلود ہوں گے اور خطرہ بار بار حکومت کے دروازے پر دستک دے گا۔
 کیوں کہ وہ حکومت کا دروازہ تبدیل کر دینا چاہیں گے۔“

جعفر نجوی کی گفتگو اور خوف ناک الفاظ نے خمارویہ اور شیبان دونوں کو پریشان
 کر دیا۔ وہ کچھ مضطرب سے نظر آنے لگے۔ ”تم نے کہا تھا ہم خلیفہ معتضد کو اس تحریر کی
 اطلاع دیں گے تو بڑے اہم نتائج برآمد ہوں گے۔“

”بے شک، آپ کی اطلاع خلیفہ کے لیے بڑی کارآمد اور آپ کے حق میں بھی مفید
 ثابت ہوگی، ممکن ہے اسی سے مستقبل میں پیش آنے والے حوادث کی شدت کم ہو جائے۔“
 خمارویہ کو کچھ حوصلہ ہوا۔ آقا حسین کی بھیجی ہوئی تحریر یاد دھکی سے ابوباس کے
 ساتھ خیر خواہی کرنے اور حالات کو بہتر بنانے کی ایک صورت خود بخود پیدا ہو گئی تھی۔ اس
 نے وہ تحریر شہزادہ شیبان کے حوالے کر دی۔ ”اسے فوراً بغداد بھیج دو اور ابوباس
 کو لکھو، ہم قطر الندی کو عن قریب رخصت کر دیں گے۔“

ناگہاں شیبان کے ایک سوال نے سنسنی پیدا کر دی۔ اس نے جعفر سے پوچھا۔
 ”کہیں ایسا تو نہیں کہ آقا حسین کی جماعت کے لوگ ہی شہزادی نجم کو لے گئے ہوں؟“
 اس عجیب سوال پر خمارویہ ابوجیش کا دماغ سنسناتا اٹھا اور بوضوں میں آگ
 کی دوڑنے لگی۔

جعفر چونک گیا اور ایک بار پھر سوچنے لگا۔ اُس کے بُغیہ نجوم میں فی الحال اس
 سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔ وہ نہ تو اس قبیلے کے بارے میں کچھ جانتا تھا جہاں شہزادی
 نجم تے پناہ لی تھی نہ آقا حسین اور اُس کی جماعت کے صلہ اثر سے واقف تھا۔ البتہ یہ
 بات ضرور قابل غور تھی کہ اگر نجم شیخ الجماعتہ کے پاس چلی گئی ہوتی تو پھر وہ شہزادی قطر الندی

حکمرانوں نے اپنے دفاعی انتظامات کو مضبوط کر دیے اور دائی مہدی ابو جعد اللہ شعبی کے بڑھتے ہوئے قدم روک دیے تھے مگر مہدی کے پرستار بربر قبائل کا جوش و خروش سرد نہ ہوا تھا۔ اب یہ اندازہ لگایا جا رہا تھا کہ ابو عبد اللہ کو غلبی حصار توڑنے میں مزید کچھ مدت درکار ہوگی۔ تاہم مہدی تحریک نے پورے مغرب میں افراتفری اور بے چینی کی لہر دوڑا دی تھی۔

عراق میں کوفہ دہسہ سے ملحق صحرائی علاقوں اور بادینہ شام کے حاشیوں پر آباد عقیدہ پرست قبائل میں عباسیوں کی خلافت دگرانی کے خلاف خروج کا جذبہ بڑھ گیا تھا بالخصوص بادینہ شام کے حلقے میں پھیلے ہوئے قبائل کو ایک عورت کے حسن اور بھر خطاب نے اس قدر دیوانہ کر دیا تھا کہ وہ خرمص کے ہرچم بلند کرنے کے لیے بے چین ہو رہے تھے۔ انھی ایام میں اقا حسین نے اپنے امام اور بھائی یحییٰ قمری کے مشورے سے سلطان خمارویہ البرصین کو وہ پیغام بھیجا تھا جس میں شہزادی اسماء قنطر اللہی پر حق دعویٰ کیا گیا تھا۔ اس پیغام کا مقصد طونوئی سلطان کو خلیفہ معتقد سے برگشتہ کرنا اور اپنی طاقت کو آزمائنا تھا جس پر ابھی تک اسرار و اخفا کے پردے پڑے ہوئے تھے۔ وہ پیغام یا مکتوب جو خمارویہ کو شیخ الجماعتہ کی طرف سے بھیجا گیا، جماعت کے متعلق پہلا اظہار تھا مگر اس میں بھی احتیاط کا دامن اندھ سے چھوڑا گیا نہ امام اور شیخ الجماعتہ کا مسکن ظاہر کیا گیا تھا۔

سلطان خمارویہ نے پراسرار شیخ الجماعتہ کی تحریر بغداد بھیج دی تھی۔ جو خلیفہ معتقد کو جماعت کے عزائم کا علم ہوا، بغداد کے دفتر خیفہ میں ایک نئی پٹیل پیدا ہو گئی۔ دفتر خیفہ دو دو چار دالے حم دار ہلالی خجروں کے حوالے سے صرف اتنا جان سکا تھا کہ وہ ایک ایسی خیفہ جماعت کی علامت ہیں جو حکومت کے خلاف درپردہ بغاوت کی تیاریاں کر رہی ہے لیکن ابھی تک جماعت کا کھوج لگانے میں کامیاب نہ ہو سکا تھا۔ اب خلیفہ معتقد نے حکم جاری کیا تھا، ہر قیمت پر خیفہ جماعت کا سراغ لگایا جائے کہ اس کا مرکز کہاں اور اقا حسین کون ہے؟

خلیفہ نے سلطان خمارویہ کو جو جوابی پیغام ارسال کیا وہ بڑا حیرت انگیز تھا، اس نے دریافت کیا تھا، ابن حرب جو بغداد سے فرار ہو کر عربیہ کی کارواں سرائے میں پناہ لگایا تھا آج کل کہاں ہے؟ خلیفہ نے یہ رطاحت بھی فروری بھیجی تھی کہ خیفہ جماعت ہی سے تعلق

کے حصول کی خاطر طونوئی سلطان کو دھکی آمیز پیغام کیوں بھیجا؟ علم نجوم کی بجائے اس نے قیاس پر بھروسہ کیا اور کہا۔

”شہزادہ عالی! اس عالم امکانات میں کوئی بات ناممکن نہیں کہی جاسکتی، پھر بھی شہزادی نجم کا سفر کسی دوسری جانب معلوم ہوتا ہے۔ دقتواریں ایک خراب (نیام) میں نہیں ساکتیں۔“

یہیں جعفر نجوی نے پہلی ٹھوک کھائی تھی۔ سلطان خمارویہ غصے میں بولا ”کاشس! ہمیں اقا حسین کے مسکن کا پتہ مل جائے۔“

”جب آپ کی اطلاع اور اس کی تحریر دربار بغداد میں پہنچ جائے گی، وہ پردہ اخفا میں نہیں رہے گا۔“

دوسرے روز ایک تیز رفتار قاصد اقا حسین کی تحریر لے کر بغداد کی طرف روانہ ہو گیا۔ نئے سال کا آغاز ایک نئے اور سنسنی خیز واقعے سے ہوا تھا۔



نیا سال شروع ہونے سے پہلے ہی صحرائی دنیا پر نجم ایل اور ابن حرب کا حکم و اختیار نافذ ہو گیا تھا۔

ان کی شادی کے بعد اقا حسین اپنے شتر سواروں سمیت صحرائی مسکن کی طرف اور سردار دیان جگر کے خرابے کی جانب لوٹ گئے تھے اور بنی کلب میں بڑا خیمہ نئی صحرائی مرکز میں کھم کر رہے تھے۔ ماہِ عمل منانے کے بعد نئے جوڑنے نے قبائل کا دورہ کیا اور ہر جگہ دونوں کا استقبال ہوا تھا۔ اس سفر میں عنبران کے ہمراہ تھی۔ عقیدہ پرست بادینہ نشیں جو شہنائے اور ملکہ صحرا کے حکم پر فوجی تربیت کے ساتھ ساتھ اپنی عواریں میں غل کر رہے تھے اب صرف دعوت جنگ کے منتظر تھے۔ مگر کے بے مثال حسن اور صحرائی لب و لہجے میں ٹوہلے ہوئے پرجوش الفاظ نے انہیں اپنا اسیر کر لیا تھا۔

کچھ عرصہ قبل قیردان سے خبر آئی تھی کہ نیا سال شروع ہوتے ہی بڑا حملہ کیا جائے گا۔ امام یحییٰ اور اقا حسین کا منصوبہ یہ تھا کہ مغرب میں کسی بڑے حملے کی خبر کے ساتھ ہی مشرقی صحراؤں میں حرکت کرنے والی لہر بھی آندھی بن کر اٹھے گی لیکن قیردان میں غلبی

ATTN ROOMS

کے بنے میں اپنی حرب کی گرفتاری کا حکم سنا رکھا گیا تھا۔ ہو سکتا ہے وہی شیخ الجماعتہ
آقا حسین کا آلہ کار ہو۔ اس کی کڑی نگرانی کی جائے اور حارث البوقف کو اس پر مسلط کر دیا
جائے جس کے ذریعے شیخ الجماعتہ کا سراغ لگایا جاسکتا ہے۔

ان اطلاعات نے سلطان خوارزمی کو خطرہ بحیرت میں ڈال دیا اور آیت بختیار راہنما کہ ابن حرب جیسے خطرناک آدمی کو مصر میں داخل ہوتے ہی گرفتار کیوں نہ کر لیا، کیکن اُسے ملنے والی اطلاعات کے مطابق وہ مصر سے بھگ گیا اور قیروان میں دیکھا گیا تھا جس کی شہادت یحییٰ سردار زبد نے دی تھی۔ تاہم اس معاملے میں عربیوں کے سرانے دار سلیمان بن عامر کو ایک بار پھر القطارے میں طلب کیا گیا۔ وہ اس طلبی پر حیران اور گھٹنہ تھکا تھا کہ شاید اسے شہزادی کلیمہ کی پراسرار کشدگی کے سلسلے میں بلایا گیا ہے مگر خوارزمیہ ابوجیش کے سوال نے اس پر بحیرت کا نیا سکتہ طاری کر دیا۔

”یہاں ایک نام جانتے ہو، اخبار دوست ابنِ حرب ایک خفیہ جماعت سے تعلق رکھتا اور اس جماعت کے شیخ افاضیہ کے لیے کام کرتا ہے؟“

میرے وار کو ایسے سوال کی توقع نہ تھی۔ یہ تو ایک بیخبر ہنسہ تھی جو غلامیہ نے اس پر چلا دی اور وہ دم بخود رہ گیا۔ اس خطرناک سوال کا مطلب بخوبی سمجھنا تھا۔ اس نے ابنِ حرب سے مکمل نا تعلق کا اظہار کیا۔

”سلطان عالی“ ایسے پہلے بھی ایک مرتبہ بنا چکا ہوں کہ ابن حرب سے میری دل چسپی صرف اس لیے فنی کہ شہزادہ شیبان بنی طولون کے لیے اُس کی دوستی حاصل کرنا چاہتے تھے شہزادہ عالی ہی نے اُسے مصر میں پناہ دی تھی مگر جب سلطان معظم نے بغداد کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کر لیا تو وہ مصر سے بھی نکل گیا کیوں کہ خود کو یہاں محفوظ نہیں سمجھتا تھا۔ ایک بار اُس نے میرے غلام سلاز سے جو فسطاط میں اُس کی خدمت پر مامور تھا، فیروان جلے کا ذکر کیا تھا۔ شاید وہیں جلا گیا ہو مگر نہ تو اُس نے مجھے جاننے کی اطلاع دی نہ بعد ازاں کوئی خبر بھی اور جب مصر سے نکل گیا تو میرے دل سے بھی نکل گیا۔ رہا اس کا کسی خفیہ جماعت سے تعلق، تو میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا، نہ اس نے کبھی ذکر کیا۔ وہ ایسا ماضی، حال اور مستقبل سب کچھ اپنے ساتھ ہی لے گیا ہے۔“

سليمان بن عامر نے قصۂ بنی شہم کہہ نے ولی بات کی تاکہ خوارمیہ اس ضمن میں مزید

سوال نہ کرے۔ وہ ابن حرب کے معاملے میں پہلے بھی صفائی پیش کر چکا تھا۔ نیا بیان اس سے مختلف نہ تھا۔ اس بیان کے بعد خازن دیر نے ابن حرب سے متعلق مزید تفتیش مناسب نہ تھی۔ سرائے دار اس کے نام ہی سے ہیز اردکھائی دیتا تھا۔ پھر بھی ایک نیا سوال کرویا جو پہلے سے زیادہ سنسنی خیز تھا۔

”سراٹے میں سوداگروں اور عام مسافروں کے علاوہ قبیلوں کے سردار اور مذہبی شیخ بھی قیام کرتے ہیں اور سراٹے دار کی حیثیت سے تھھاری ان سے ملاقات بھی ہوتی ہے کیا تم نے کسی شیخ الجماعۃ آقا حسین کا نام سنا ہے؟ ممکن ہے وہ کبھی تھھاری سراٹے میں آنا ہو۔“

اس سوال نے سبیلان بن عاکر کو اندر سے ہلا کر رکھ دیا کیس جواب پھر نفی میں تھا۔
 ”بے شک، سرے میں ہر قسم کے لوگ آتے جاتے ہیں لیکن میں نے کسی آقا حسین کا نام سنا
 ہی ہو گا تو یاد نہیں۔“

”حالاں کہ تمہارا حافظہ بہت تیز ہے اور تم کوئی بات بھولتے نہیں۔“
”بھراس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے آغا حسین کا نام سُنا ہی نہیں، سُنا ہوا تو
کبھی نہ بھولتا۔“

اب ظارویہ نے دوسرا رخ اختیار کیا اور کہنے لگا ”ہمیں واصل اُس کے مسکن کی تلاش ہے۔ ابن حرب کا ذکر بھی اسی سلسلے میں کیا تھا۔ ہمیں اطلاع ملی تھی، وہ آقا حسین کی خفیہ جماعت سے تعلق رکھتا ہے مگر مصر کے ساتھ ہمارے ہاتھوں سے کبھی ٹکھل چکا ہے اسیم تمھاری وفاداریوں اور سابقہ خدمات کی بنا پر فرمائش کرتے ہیں کہ آقا حسین کا سراغ لگانے میں ہماری مدد کرو۔ اگر تم اس کے مسکن کا کھوج لگا سکو اور یہ معلوم کر لو کہ اس کی جماعت میں کتنے لوگ شامل ہیں، تو ہم تمھیں ملا مال کر دیں گے۔“

خاروبہ جماعت کے داعی سے جماعت اور اُس کے شیخ کا کوچ گانہ کی فرمائش کو ہاتھ سانپ سے سانپ کے بل کا پتا معلوم کرنا چاہتا تھا۔ سلیمان بن عامر کے جسم میں منسلکی کی ایک لہر دوڑ گئی کہ وہ کیسی انہونی بات کہتا ہے۔ اُتھیں اگر اس کے قدموں کے نیچے جی چھپتا ہوتا تو وہ اپنے پاؤں ہرگز نہ اٹھاتا، خواہ کٹ جاتا، لیکن اُس نے اپنے چہرے سے کسی حیرت کا اظہار نہ ہونے دیا اور کہا۔

(۳۳)

دھاوا

○

کوئی مخبر صحرا میں داخل نہ ہو سکتا تھا مگر ایک ایسا آدمی بنی کلب میں موجود تھا جس پر
ہم دوسرا دیکھا جاسکتا تھا اور وہ حادثہ النظر تھا جو وہاں قید اور اسیری کے دن گزار رہا تھا
ابن حرب اُسے قتل کرنے کی بجائے اُسے اپنے ساتھ لے کر ہلاک کیا تھا کہ شہزادی نجم کے
انگوٹھا کا الزام اس پر لگے۔ یہ مقصد پورا بھی ہو گیا مگر حادثہ کا ابھی تک قید یا قید استی سے
رہائی نہ مل سکی تھی۔ آقا حسین اور اُس کے دشمنی دونوں نے حادثہ کا معاملہ نجم اہل پر چھوڑ
دیا تھا کہ اس کے بارے میں جو چاہے، فیصلہ کرے کیوں کہ وہ مکہ صحرا ہے لیکن اس نے
کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا۔ البتہ نئے حالات میں جب کہ احتیاط کی کڑی ہدایات موصول ہو چکی تھیں
اس کی نگرانی سخت کر دی گئی تھی۔

حادثہ ایک مرتبہ فرار کی کوشش کر چکا تھا جس کی پاداش میں بُری طرح جکڑ دیا گیا۔
اب لگے میں طوق اور پاؤں میں بیڑیاں تھیں کہ بھاگ نہ سکے۔ اسیری کا پانچواں مہینہ گزر رہا
تھا۔ وہ امام یحییٰ قرمطی اور آقا حسین قرمطی کے ارادوں سے آگاہ ہو چکا اور جان گیا تھا
کہ وہی تحریک سے سرخیز ہیں جس کے پیچھے عقیدہ پرست قبائل کی طاقت جمع ہو رہی ہے
اور اگر اس طاقت کو عسکری خطوط پر منظم کر دیا جائے تو بغداد اور القطارح کی حکومتوں کے
سے بڑی پریشانی پیدا کر سکتی ہے۔ مشرق میں قرمطی کی یہ تحریک اُسی عقیدے کی بنا پر
شروع کی گئی تھی، جس عقیدے نے مغرب میں ہمدانی تحریک کوئی کامیابیاں بخشی تھیں۔ یہ بھی

"سلطان عالی ہاں نے طوقی ریاست کے لیے کبھی کسی خدمت سے انکار نہیں کیا
اب بھی نہیں کریں گا۔ رہا مال و دولت کا سوال تو مجھے اس کی طلب نہیں، صرف آپ کی خوشنودی
عزیز ہے۔ میں اپنی طرف سے کوئی کوشش اٹھا نہیں رکھوں گا لیکن کسی خفیہ جماعت تک
پہنچا مشکل اور بے حد خطرناک ہوتا ہے۔"

خوار و یہ اسی بات پر مطمئن تھا کہ اُس نے حامی بھری ہے۔ "کوشش کرو گے تو اس کا کوئی
نہ کوئی نتیجہ ضرور نکلے گا۔" پھر مزید توجہ دلائی۔ "سلیمان! ہم تمہیں یہ بھی بتا دیں کہ ایک دو مصلحتی
مگر خم دار ہلالی خنجر اس خفیہ جماعت کی علامت ہے اس علامت سے تمہیں جماعت کا سراغ
لگانے میں مدد ملے گی۔"

"میں یہ علامت یاد رکھوں گا سلطان عالی! حالانکہ خم دار ہلالی خنجر اس وقت بھی سلیمان
کی حدی کے نیچے ایک چری غلاف میں موجود تھا۔ اس کے بعد ملاقات ختم ہو گئی اور خوار و
ابو حشیش نے اُسے رخصت کیا۔"

بعد ازاں القطارح میں بیک وقت خم دار ہلالی خنجر کے حوالے سے جماعت اور
شیخ الجماعت کی تلاش شروع ہو گئی تھی اور یہ ہنگامہ آقا حسین کی اس تجربہ سے شروع ہوا تھا
جس میں اسامہ قطر الندی اور خلیفہ معتقد ابو عباس کا عقد توڑنے اور شہزادی کی رخصتی روک
دینے کا مطالبہ کیا گیا تھا مگر خوار و نے بیٹی کی رخصتی ربیع الاول میں ہی کر دی تھی اور جماعت
کا کھوج لگانے میں مصروف ہو گیا۔

جماعت ان سرگرمیوں سے غافل نہ تھی۔ امام یحییٰ کا قاصد عراق سے نکل کر آقا حسین کے
صحرائی مسکن میں پہنچ گیا اور پیغام لایا تھا۔ "احتیاط سے کام لو کہ کوئی مخبر صحرا کا رخ نہ کرے
کسی کو اپنے اندر نہ جھانکے دو وقت آنے پر سلطان خوار و کو سرزنش کی جائے گی جس
نے شیخ الجماعت کے انتباہ کی پروا نہیں کی۔"



بجھتا تھا کہ ابن حرب اور شہزادی نجم العلیل کو صحرا پر اختیارات سونپ کر ان سے کیا کام لیا جا رہا ہے۔ اُس نے کئی بار شہزادی سے ملنے کی درخواست کی مگر یہ درخواست ہر مرتبہ مسترد کر دی گئی۔ وہ اس سے ملنا ہی نہ چاہتی یا اُسے جماعت کی سرگرمیوں سے فرصت نہ تھی۔

اگر حارث نے اپنے مگران عبداللہ سے التجا کی اگر شہزادی نہیں ملنا چاہتی تو اپنے آقا ہی سے کہہ کر وہ بے رحمانہ رویہ ترک کر کے میری بات سُننے میں کچھ کستا چاہتا ہوں مگر اُسے بھی فرصت نہ ہوتی اپنی کنیز خیرہ کی کو بیچ دے تاکہ وہ میری حالت دیکھ لے اور میری کمائی سُن لے۔

ابن حرب نے خیرہ کو اجازت دے دی کہ وہ حارث سے ملاقات کر لے اور جو کچھ کہتا ہے، اگر بتا دے۔

عبداللہ کے خیمے کا ایک حصہ قید خانے یا کال کوٹھری کا کام دے رہا تھا۔ شہزادی کنیز خیرہ جو ابن حرب کی ملکیت میں آگئی تھی۔ عبداللہ کے ہمراہ اُس کال کوٹھری میں داخل ہوئی تو حارث کی حالت زار دیکھ کر لرز گئی۔ وہ پہلے سے بہت کمزور اور ڈبلا ہو چکا تھا۔ قید یا موت کے اندیشے نے جو اُس کے سر پر منڈلا رہا تھا، چہرے کی رونق اور آنکھوں کی چمک چھین لی تھی غیظ کپڑوں نے اس کی بدہمتی میں کچھ اور اضافہ کر دیا تھا۔ شہزادیہ کہہ سکتی تھی کہ میں طوق اور پاؤں میں بیڑیاں دیکھ کر اس کی ابتر حالت پر وحشت کا گمان ہوتا تھا۔ یہی حارث کبھی شہزادی نجم کا طلب گار اور ہر وقت ہانٹتا رہتا تھا، خود خیرہ بھی اس کے ساتھ دل لگی کرتی رہتی تھی۔ اُسے اس حالت میں دیکھا تو دل کو ایک دھچکا سا لگا اور بے "حارث اتم نے مجھے بلایا تھا، اُسنا ہے کچھ کہنا چاہتے ہو۔"

"خیرہ اتم نے میری حالت دیکھ لی کہ میں زندہ درگور ہوں۔ اب میری بات بھی سُن لو۔"

پھر وہ کہنے لگا۔ "میں نے شہزادی نجم العلیل کو حاصل کرنے کی خواہش کی اور سلطان سے کہہ کر اُسے اپنا انعام ٹھہرایا لیکن یہاں آکر اور نجم العلیل کو ملکہ صحرائے روپ میں دیکھ کر تسلیم کرتا ہوں کہ میں اُس کے لائق نہیں تھا، نہ وہ میرے عقد میں آکر بہ بلند مرتبہ حاصل کر سکتی تھی۔ یہ اعزاز، یہ تہنیت اسے صرف تھا۔ آقا ابن حرب ہی دلا سکتا تھا جو ہر

دنگ میں مجھ سے بہتر اور بالاتر ہے۔ اس لیے مجھ سے جو غلطی سمجھو ہوئی، اس پر شرمسار ہوں اور سب سے پہلے تمہارے ذریعے نجم اور ابن حرب دونوں سے معافی کا طلب گار ہوں۔ انہیں کتنا اپنے گناہ گار کو معاف کر دیں میں خود بھی اپنی غلطی کی تلافی چاہتا اور ان کی خدمت کرنے کا خواہش مند ہوں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جماعت میں شامل ہو کر ان کے احکام، بجالاتوں، میری یہ زندگی جو اسیری میں گزر رہی ہے اگر جماعت کے کام آسکے تو مجھے روحانی خوشی ہوگی کسی عہدے کا لالچ نہیں صرف ایک ادنیٰ خادم کی حیثیت سے کام کرنا چاہتا ہوں، اور جماعت کا فوادار رہوں گا۔"

خیرہ اس کی زبان سے یہ باتیں سن کر دنگ رہ گئی اور اپنی روایتی خوش طبعی سے کہنے لگی۔ "تم نبی طولوں کے فوادار ہو اور وفاداری بدلنا آسان کام نہیں۔ نہ وفا داری کسی بازار میں بکتی ہے کہ خرید لاؤ اور پرانی وفاداری کا چھوٹا آٹا کر نئی وفاداری زیب تن کرو۔"

"وفاداری کا تعلق عقیدے اور خیالات سے ہوتا ہے خیرہ عقیدہ بدلتا ہے تو اس کے ساتھ وفاداری بھی بدل جاتی ہے۔"

"لیکن اس حالت میں کون یقین کرے گا تم واقعی عقیدہ بدل رہے ہو؟" حارث کا ہر چہرہ جوش ہو گیا۔ "خیرہ اتم کچھ بڑے مجھے جھوٹی تسلیاں دے کر بہلاتی رہی ہو مگر میں تمہاری اسی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرا ذہن بدل چکا ہے، میں خود بدل چکا ہوں اور یہ تبدیلی ایک روحانی اشارے سے عقل میں آئی ہے۔"

خیرہ کی حیرت میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔ "وہ روحانی اشارہ کس نے دیا؟" حارث بتانے لگا۔ "یقین کرو، میں اپنی زندگی سے بے حد مایوس ہو چکا تھا۔ کل رات بارگاہِ انبندی میں گرہ لڑتا رہا کہ وہ مجھے اس حالت سے نجات بخشے یا موت دے کیوں کہ میں اس حالت میں جینا نہیں چاہتا۔ یہی دُعا مانگتا ہوا سو گیا تو روپ میں ایک بزرگ کو دیکھا، جو سفید براق کپڑوں میں ملبوس اچانک میرے سامنے نمودار ہوئے اور بولے "موت مانگنا گناہ ہے از زندگی مانگ، ہدایت مانگ، حق طلب کر۔"

میں نے پوچھا "حق کیا ہے؟" بزرگ نے جواب دیا "بر بات تمہیں امام بھیجی اور آقا حسین بتائیں گے جو جا سے داعی ہیں۔"

یہ کہ کوہ بزرگ پک بھپکنے میں غائب ہو گئے اور میں رویا ہی میں سمجھنے لگا۔ وہ حضرت ہمدی علیہ السلام تھے جو مجھے ہدایت دینے آئے اور امام مکی اور آقا حسین انہی کے نام پر دعوت دے رہے ہیں۔ صبح بیدار ہوا تو میرا دل آئینے کی طرف صاف و شفاف ہو چکا اور میں اس میں کوئی اور ہی عکس دیکھ رہا ہوں۔ اس طرح رویا میں جو روحانی اشارہ ہوا اس نے مجھے یکسر بدل دیا ہے۔ اب میں آقا حسین کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے بے تاب ہوں۔ تم ابن حرب سے کہو مجھے اُن کی بارگاہ میں پہنچا دے۔ میں گلے میں طوق اور برائوں میں بیڑیاں پہنے ان کے حضور حاضری دوں گا اور وہ جو فیصلہ کریں گے، مجھے منظور ہو گا۔

عزیز نے رویا سنا تو کچھ پیسچ گئی مگر ساتھ ہی انکشاف کیا۔ ”تمہیں یہ معلوم نہیں کہ جماعت میں داخلہ کسی آزمائش کے بغیر ممکن نہیں پہلے کسی شخص کو ایک آزمائش سے گزرنے پڑتا ہے پھر آقا حسین اُس کی دعوت قبول کرتے ہیں۔“

حارث نے بے ساختہ سوال کیا۔ ”کیا وہ تمام قبائل جو تحریک میں شامل ہیں آزمائش سے گزر چکے ہیں؟“

”آزمائش قبائل کی نہیں اُن کے سرداروں کی ہوتی ہے، کیوں کہ ہر قبیلہ اپنے سردار کا وفادار ہے مگر ایک تنہا فرد کی آزمائش ضروری ہے۔“

اُس نے بتایا کہ ابن حرب کی آزمائش بغداد سے شروع ہوئی تھی۔ وہ کڑی مصیبتیں جھیلتا اور باویہ شام جیسے ہول ناک صحرا کو تنہا عبور کر کے عیش پینچا جہاں اُس نے اپنا تعاقب کرنے والے عراقی سواروں کو، جو اُس سے پہلے وہاں پہنچ گئے تھے، قتل کیا اور اُن کے سر کاٹ کر دربار بغداد میں بھیج دیے تھے۔ شہزادی نجم امیل نے جماعت کی خاطر اپنے بھائیوں اور دوسرے اقربا سے جدائی قبول کی اور کسی کو اپنے ارادے کی خبر نہ ہونے دی۔ وہ خود بھی اسی کشتی میں سوار اور اُن دونوں کی خاطر اپنی پچھلی زندگی انقطاع میں چھوڑ آئی ہے۔ یہ واقعات سننے کے بعد حارث کی دلچسپی گہرے اور اپنی بیڑی پر ہاتھ مار کے بولا۔ ”اگر جماعت میں داخلے کی شرط کوئی آزمائش ہے تو میں بھی ہر آزمائش اور امتحان کے لیے تیار ہوں۔“

”پھر میں تمہارے لیے جو کچھ بھی ہو سکا، کروں گی۔“

حارث نے آخری التجا کی۔ ”عزیز! میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر یاد رکھوں گا۔ شہزادی نجم اور ابن حرب سے کہنا۔ آخر مجھے نئی طوون کی وفاداری سے کیا ملا؟ یہ قید، یہ سیری، یہ طوق و سلاسل۔ اُدھی ٹھوکر کھانے کے بعد ہی سمجھنا ہے، جو غلطی میں کرتا، وہ کچھ سیکھتا نہیں میں نے اپنی غلطیوں سے سبق حاصل کیا ہے اور اپنے رویا کی بنا پر زندگی جماعت کی نذر کرتا ہوں۔ اس کے عوض مجھے کسی صلے کی تمنا نہیں۔“

اُس نے یہ التجا کچھ ایسے دل گداز لہجے میں کی کہ عزیز کے ساتھ عبد اللہ کو بھی اس پر ترس آگیا۔ حارث کی آنکھوں میں پانی کی لہر حرکت کر رہی تھی۔

عزیز لوٹ کر آئی تو نجم امیل اور ابن حرب کو ملاقات کی ضرورت دے گا۔ اس نے رویا کا حال ذرا تفصیل سے بیان کیا اور بتایا کہ اس رویا کے بعد وہ فی الواقع ہل چکا اور صدقہ دل سے جماعت میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ پھر اُس نے ملاقات کا حال اور حارث کی بدلتی ہوئی کیفیت کا نقشہ بڑے مؤثر الفاظ میں کھینچا اور اُن دونوں کو اُسی کے الفاظ میں پیغام دیا کہ وہ اپنی غلطی پر شرمندہ اور اُن سے معافی کا طلب گار ہے۔

عورت کا دل نرم ہوتا ہے نجم امیل بھی اس کی باتیں سن کر گھٹیل گئی اور آزمائش کے سلسلے میں عزیز سے پوچھنے لگی۔ ”کیا وہ ابن حرب کی طرح باویہ شام کو تنہا عبور کر سکتا اور خلیفہ معتقد کے آدمیوں کے سر کاٹ سکتا ہے؟“

”وہ ہر آزمائش میں پورا اترنے کا یقین دلاتا ہے۔“

ابن حرب ابھی تک خاموش تھا۔ اُس نے کپڑے کی ایک دھچی اٹھائی اور اُسے شمع کے قریب لے گیا پھر آگ دکھائی اور جب دھچی جل کر راکھ ہو گئی تو بولا۔ ”یہ تھی حارث کے یقین دہانی، اس کا رویا من گھڑت اور عقیدے کی تبدیلی کا بیان ڈھونگ ہے۔ وہ ان آدمیوں میں سے نہیں، جو اپنی فناداریاں تبدیل کرتے ہیں۔ جس طرح سائب دستا اور لوہا کا تپا ہے اسی طرح دشمن سے بدلہ لینا حارث کی فطرت ہے اور اُدھی اپنی فطرت کبھی نہیں بدل سکتا۔ وہ صرف قید سے رہائی اور صحرا سے فرار چاہتا ہے۔ اس وقت جماعت کو ایک اہم ہم درپیش ہے۔ اُسے سر کرنے کے بعد اس کے معاملے پر غور کیا جائے گا۔“

ان الفاظ نے حارث کی بد نصیبی پر مہر لگا دی۔

القطاع میں شہزادی اسماعیل کو رخصت کرنے کی تیاریاں زور و شور کے ساتھ شروع ہو گئی تھیں۔ سلطان خاویر بیٹی کو ماہِ صفر ہی کی آخری تاریخوں میں رخصت کر دینا چاہتا تھا تاکہ اپنے فرض سے جلد سبک دوش ہو جائے تاہم شہزادی کی ڈانگی پہلی ربیع الاول ہی کو طے پائی تھی۔

طوبی خواتین کے علاوہ امراء کی بیگمات سے بھی یہ بات ڈھکی چھپی نہ تھی کہ قطر اندی اور احمد ابوعباس کی شادی دراصل ان کے شاہی رومان کا نتیجہ ہے، دونوں درشت فزات میں مل چکے تھے اور اسی ملاقات سے محبت کا آئنا زہوا تھا جو رشتہ ازدواج میں بدل گئی لیکن اس کے علاوہ خلیفہ دنیا کا سب سے بڑا حکمران بھی تھا اور وہ ایک بڑے حکمران کی حرم میں رہی تھی جو تین بیگمات نے اس شادی کو بے نظیر اور مثالی بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور بنتِ سلطان کے لیے اعلیٰ سے اعلیٰ تحائف فراہم کیے تاکہ وہ اپنی سکنوں پر بالا و برتر رہے۔

سلطان خاویر ابوحشیش نے بھی بیٹی کے ہمیز پر دل کھول کے دولتِ عرف کی، جو اہرات سے بھرے ہوئے دس صندوق اور دس ہزار جڑاؤ اِنار بند جو بیروں سے مرصع تھے ہمیز میں دیے۔ ان دونوں جڑاؤ اِنار بند لڑکی کے ہمیز میں دینے کا رواج تھا لیکن مورخ بیان کرتے ہیں۔ دس لاکھ درہم، ایک ہزار سونے کی اوکھیل اور ایسی نادروں یا ب چیزیں بھی ہمیز میں دیں، جو پہلے کبھی کسی حکمران نے اپنی بیٹی کو نہیں دی تھیں۔ اگر خلیفہ معتقد بڑا حکمران تھا تو خاویر نے بھی اسراف کی انتہا کر دی۔ اس اسراف سے وہ عباسیوں کو اچھا تاثر دینا چاہتا تھا تاکہ وہ بنی طولون کے لیے نرم گوشہ رکھیں اور ان کی قدر کریں۔ مورخ لکھتے ہیں خاویر کی اسی قسم کی فضول خرچیوں سے خزانہ خالی ہو گیا، جس نے اس کے زوال میں اہم کردار ادا کیا۔

شہزادی کے سفر بغداد کے لیے جو محل تیار کیا گیا، اس پر بھی بڑی دولت صرف کی گئی قطر اندی کے ہمیز میں بھی دی گئیں جو اس کے ساتھ ہی بغداد جا رہی تھیں۔ کنیزوں

۱۔ تاریخ الخلفاء از علامہ جلال الدین سیوطی۔

۲۔ تاریخ مفری جلد اول نیز ابن تغری بری جلد ثانی

کی سواری کے لیے بھی خوب صورت محل بنائے گئے۔

جہیز کی اشیاء اور ان کی مالیت کا تخمینہ کسی شاہی خزانے سے کم نہ تھا اور دربار بغداد کو بعض قیمتی اشیاء کی اطلاع پہلے ہی دے دی گئی تھی۔ تاکہ خلیفہ معتقد اپنی عروس اور اس کے سامان جہیز کی حفاظت کے لیے کوئی خصوصی دستہ روانہ کرے، جس کی موجودگی میں عروس قافلے کو صحرائی لیڈروں اور خزانوں کا کوئی خطرہ لاحق نہ ہو۔ مشرق وسطیٰ میں ڈاکوؤں اور قزاقوں کے مسلح گروہ کبھی ایسے قافلوں کو بھی لوٹ لیتے تھے جن کی حفاظت کا معقول انتظام نہ ہوتا تھا پھر وہ اس قافلے کو کیسے چھوڑ دیتے جو جہیز کی شکل میں ایک خزانہ کے جوار ہوتا تھا۔ اسی لیے خلیفہ معتقد نے قافلے کی حفاظت کے لیے ایک خاص فوجی دستہ روانہ کیا جس کی کمان اس کے غلام شہیل جیسے فوجی سالار کے ہاتھ میں تھی، دستہ پانچ سو سواروں پر مشتمل تھا۔



طوبی لجن کو وصول کرنے کے لیے اس فوجی دستے کے ہمراہ خلافتِ ماب کے مشیر اور سفیر ابوالحسن قاسم بن عبداللہ کو بھیجا گیا جس نے نکاح کے وقت القطاع میں خلیفہ کی طرف سے ایکاب و قبول کا فرض ادا کیا اور دونوں کے معاہدے پر دستخط کیے تھے۔

طوبی خواتین نجم الدین کے عقد ثانی کی خوشیاں پوری نہ کر سکی تھیں، بلکہ خوشیاں، حسرتوں اور نوحوں میں بدل گئی تھیں۔ وہ سب کچھ اپنے ساتھ ہی لے گئی اور کسی طلسمی نقش کی طرح یوں غائب ہوئی تھی کہ ابھی تک کوئی کھوج نہ مل سکا تھا۔ اب انھوں نے قطر اندی کی شادی پر اپنی تمام حسرتیں پوری کیں اور کئی یوم قبل ہی شاہی محلات میں خوشی کی گھنٹیں برباد کر دیں۔ آخر شہزادی کی رخصتی کا دن آگیا۔ اس روز القطاع میں آرائش و زیبائش، شان و شوکت اور دھوم دھام کا وہ عالم تھا کہ کبھی پہلے وہاں دیکھا گیا نہ کبھی بعد ازاں نظر آسکا۔

قطر اندی ماں باپ، بہن بھائیوں، قریبی رشتے داروں اور دیگر بیگمات سے رخصت ہوئی تو شہزادی عباسیہ، جو ایک منزل تک اس کے ساتھ ہی جا رہی تھی، تاکہ اسے خلیفہ معتقد کے سفیر اور لہجی کے سپرد کر سکے، اسے کنیزوں کے جلو میں لے کر شاہی محل سے باہر آئی، جہاں اس کی سواری کا تزیین و سیمین محل آراستہ تھا۔ ساتھ جانے والی کنیزوں کے

پڑاؤ ڈالنا تھا لیکن مشعلوں کی روشنی میں بھڑکی دور آگے بڑھا تھا کہ اچانک بادیا نشینوں کے دو تین گروہ جو سیاہ کپڑوں میں ملبوس اور اونٹوں، سانڈیوں اور گھوڑوں پر سوار تھے کالی آندھی کی طرح اندھیرے سے نکل کر قافلے پر حملہ آور ہوئے۔ نجانے وہ صحرائی بھوتوں کی صورت ناگماں کہاں سے نکل آئے تھے کہ قافلے کے راہبر اور محافظ بھی انھیں اس وقت دیکھ سکے، جب وہ بالکل سر پڑ پڑ گئے۔

اس بلائے ناگمانی کے ٹٹتے ہی قافلہ ٹک گیا اور عراقی سوار اُن کا حملہ روکنے کے لیے آگے بڑھے۔ دھاوا دو تین جانب سے کیا گیا تھا اس لیے محافظ سواروں کو بھی دو تین حصوں میں تقسیم ہونا پڑا پھر نیزوں اور تلواروں کا کھیل شروع ہو گیا۔ شہل کا خیال تھا صحرائی ڈاکوؤں کے دو تین گروہوں نے سامانِ جہیز لوٹنے کے لیے مل جل کر حملہ کیا ہے کیوں کہ ان کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ تھی۔ وہ اپنے چیدہ چیدہ سواروں کو لے کر سامان سے لڑے ہوئے اونٹوں کی طرف بڑھا تاکہ ان کی حفاظت کر سکے۔

اچانک حملے سے اہل قافلہ بدحواس اور پرگندہ ہو گئے مگر محافظ سوار حملہ آوروں کو آگے بڑھنے سے روک رہے تھے رخصا بھگی آوازوں، زنجیروں کی آہوں، اکراہوں اور مرنے والوں کی ڈرتی سسکیوں سے بوجھل ہو رہی تھی کہ ایک سخت حملوں میں کینیزوں کا شہید بن ہوا اور وہ ایک ساتھ چٹانے لگیں۔ صحرائی کالی آندھی عراقی سواروں سے ٹکراتی لڑتی، بڑھتی قافلے کے اگلے حصے تک پہنچ گئی تھی، جہاں شہزادی قطر الندی اور کینیزوں کے محل کھڑے تھے کہ اچانک ایک گرانڈیل سوار نے جو سیاہ بادے میں تھا شاہی محل کے سادبان کو قتل کر کے ناقہ کی کیل اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑ لی اور اُسے جھگالے جانے کی کوشش کرنے لگا۔

اس واروگیر میں زمین پر گر کر مشعل کی روشنی میں ابو الحسن قاسم (امیر قافلہ) صوبہ کی اس بھگینی کو بچ گیا کہ بادیہ نشین جہیز کا خزانہ لوٹنے نہیں بلکہ شہزادی قطر الندی کو اغوا کرنے آئے ہیں۔ لڑتی روشنی کے غبار میں کیوں کہ وہاں ہر طرف دھول اڑ رہی تھی۔ ابو الحسن قاسم نے ایک اور خوف ناک منظر دیکھا اور یہ دیکھا کہ وہ گرانڈیل سیاہ پوش جو ایک ہاتھ سے اپنی طرف بڑھنے والے عراقی سواروں کو کاٹے جا رہا تھا اور دوسرے ہاتھ سے ناقہ کی کیل پھینچ رہا تھا، کوئی اور نہیں بلکہ ابنِ حرب ہے۔ ابو الحسن بلند آواز میں چلا یا۔

محل بھی تیار تھے، علاوہ انہیں پیرے جواہرات کے صندوق سونے کی ادھکیاں، جواہر اُڑاؤ، حریر و اطلس کے پارچات، طوفانی خواتین کے تحائف، سرداروں اور بیگمات کی سوغاتیں اور جہیز میں ملنے والی دوسری قیمتی اشیاء اونٹوں پر لاد دی جا چکی تھیں اور سادبان تیار کھڑے تھے۔ انھیں شہزادی اور اس کی کینیزوں کے محلوں کے پیچھے پیچھے روانہ ہونا تھا تاکہ لوگ اونٹوں پر لہرے ہوئے انتہائی قیمتی سامانِ جہیز کا نظارہ کر سکیں۔

شہزادی عباسیہ، قطر الندی کو لے کر شاہی محل میں سوار ہوئی پھر کینیزیں بھی محلوں میں بیٹھ چکیں تو "الوداع" الوداع، "کی آوازوں کے درمیان قافلہ روانہ ہوا۔ اس عروسی قافلے کی حفاظت کے لیے بکتر بند سلطانی سواروں کا دستہ پہلی منزل تک ساتھ جا رہا تھا۔ القطار میں عورتوں، مردوں، لڑکوں، بایوں کا ایک اژدہام تھا، جو بنتِ سلطان کی روانگی کا منظر دیکھنے لگا اور نیک دعاؤں کے ساتھ اُسے رخصت کیا گیا۔

شہر سے ایک دن کی مسافت پر پہلا پڑاؤ کیا گیا اور غلاموں نے جیسے نصب کر دیے پڑاؤ خیمہ بستی کا منظر پیش کر رہا تھا آخرا ابو الحسن قاسم، فوجی سالار شہل اور عراقی فوج کے کیتاز سواروں کے ہمراہ وہاں پہنچ گیا اور خیموں کی اور کئی قطاریں لگ گئیں۔

بعض کھٹنے والوں نے تصریح کی ہے کہ وہاں خیموں کا اشنا اژدہام ہو گیا تھا کہ بعد ازاں اس مقام کو بھی "فسطاط" (خیموں کا شہر) کے نام سے یاد کیا جاتا رہا۔ وہیں شہزادی عباسیہ نے طوفانی دُکھن، اس کی کینیزیں، غلام اور سامانِ جہیز سے لہے ہوئے آؤنٹ خلیفہ کے سفیر ابو الحسن قاسم کے سپرد کیے اور سلطانی سواروں کے ہمراہ القطار کی طرف لوٹ گئی۔ وہاں سے عراقی سوار قافلے کو اپنی تحویل اور حفاظت میں لے کر آگے بڑھے۔

شہزادی قطر الندی، اس کی کینیزوں، غلاموں، جہیز سے لہے ہوئے اونٹوں، مسالینوں اور عراقی دستے کے محافظ سواروں کی جمعیت سے عروسی قافلے نے ایک بہت بڑے گاؤں کی شکل اختیار کر لی تھی جو کہ ویش چار پانچ فرلانگ کی لمبائی میں سفر کر رہا تھا۔ طویل عروسی قافلہ القطار سے روانگی کے پانچویں دن مصر کی سرحد عبور کر کے شام کے علاقے میں داخل ہوا۔ اہل وقت رات کا پہلا پہر گزر چکا تھا اور ابتدائی راتوں کا چاند کائنات کو متور کر رہا تھا عراقی سوار پوری طرح مستعد اور چوکس تھے پانچویں شب کا چاند ڈوبنے کے بعد بھی جب کائنات اندھیرے میں ڈوب گئی تھی، قافلہ چلتا رہا کیوں کہ ابھی وہ مقام نہیں آیا تھا جہاں اُسے

”ابن حرب اتم امیر المومنین کی امانت ٹوٹنے آئے ہو“

اُس نے جواب دیا ”قطر اللدی انا حسین کی امانت ہے اور انہی کے پاس جائے گی۔“

یہ کہہ کر ناتقے کو بھاگے جانے کے لیے اُس کی تکمیل کو دین چھٹکے دیے لیکن نافذ غالباً اُس کے گھوڑے کی وجہ سے آگے نہ بڑھ رہا تھا۔ اچانک محافظ دستے کا سالار شبل، جس نے ابن حرب کا نام سُن لیا تھا۔ عقب سے چھپٹا اور اس ہاتھ پر جس میں اس نے تکمیل ختم کھی تھی، تلوار کا بھر پور ہاتھ مارا۔ دار اتنا کاری اور بجا نہ تھا کہ ابن حرب کا بازو کئی سے کٹ کاٹا اور ہنڈ منڈ بازو سے خون کا فوارہ پھوٹ نکلا۔

بازو کٹنے ہی ابن حرب کی آدھی طاقت جواب دے گئی۔ پھر بھی پلٹ کر شبل پر حملہ کیا جس کے ساتھ عراقی سواروں کا ہجوم تھا۔ وہ سب کے سب اس پر تلواریں بلند کر چکے تھے۔ ابن حرب نے اپنی گردن بچانے کے لیے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور عراقی سواروں کے حملے کو ناکام بناتا ہوا نکل گیا۔ پھر بھی ایک تلوار بھاگتے ہوئے گھوڑے کی پشت پر لگی رہی اور بے لگام گھوڑا سر پیٹ بھاگ نکلا۔ ابن حرب کا ایک ہی ہاتھ رہ گیا تھا جس میں تلوار تھی اور اسی سے حملے کو روکتا رہا تھا۔

سیاہ پوش صحرا نشینوں نے ابن حرب کا بازو کٹنے اور گرنے دیکھا تو اُن پر بدحواسی طاری ہو گئی، جب وہ گھوڑے پر بھاگا تو سب اُس کے پیچھے ہو دیے۔ کالی آدھی جدھر سے آئی تھی رات کے اندھیرے میں دھاوا کرنے والے بھوتوں کی طرح ادھر غائب ہو گئے۔ اُن کے بھاگتے گھوڑوں اور اونٹوں کی دھمک دیر تک سنائی دیتی رہی۔ وہ اپنے مڑے اور زخمی بھی ساتھ لے گئے تھے مگر ابن حرب کا بازو وہیں بڑا رہ گیا۔

فوجی سالار شبل نے محافظ سواروں کو ان کا تعاقب کرنے سے روک دیا تھا۔ میکائیل ابوالحسن قاسم کے نزدیک بھی عقل مندی یہی تھی کہ بھاگنے والوں کا پھیمان کیا جائے۔ وہ تعدادیں زیادہ تھے اور فرار میں کوئی چال بھی ہو سکتی تھی۔ کیا معلوم جب محافظ سوار ان کے تعاقب میں دور نکل جاتے تو بادیشہینوں کا کوئی گروہ اندھیرے میں دوسری طرف سے قافلے پر ٹوٹ پڑتا اور شہزادی کا ناقہ محل سمیت لے بھاگتا۔

سیاہ پوش صحرائی لشکر نے بڑا منظم دھاوا کیا اور شاہی قافلے میں زبردست ہل چل ڈال

رہی۔ اگر ابن حرب کا بازو کٹ جانے سے جنگ کا نقشہ بدل نہ جاتا تو حملہ آواروں سے غلٹا جان نہ موتا۔ غالباً یہ بات اُن کے دہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ ابن حرب جیسا جنگجو فرد، جس نے عروسی محل کے آٹھ دس محافظوں کو کاٹ کر پھینک دیا اور ناتقے پر قبضہ کر لیا، ان کا کیا موت کے زرخے میں آجائے گا۔ شبل نے اپنے سواروں کے ایک حصے کے ساتھ اس پر حملہ کیا اور آٹا ناٹا بیاں ہاتھ کھنی تک کاٹ ڈالا تھا جس میں وہ ناتقے کی تکمیل کے لیے اُسے بھاگے جانے کی کوشش کر رہا تھا۔

ابن حرب کے بازو کٹنے کا ہول تک منظر کئی حملہ آوروں کے علاوہ سردار انہماں نے بھی دیکھا اور لڑنا چھوڑا تھا کہ شبل کی تلوار کے ساتھ کئی دوسری تلواریں بھی بلند ہوئی تھیں۔ اگر ابن حرب کا بازو شکاری سے گھوڑے کو ایڑ لگاتا، جو اُسے موت کے زرخے سے لے کر نکل گیا تو اس کا ہاتھ بھی تھا۔ اس بھیاں منظر نے سردار انہماں کو خوفزدہ کر دیا اور اُس نے واپسی کا قزم بھونک کر اُس کی آواز سننے ہی صحرائی حملہ آور بھاگ اُٹھے تھے۔ شاید اُسے یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ جب اُس کے سر پر باد پر ایسا خوف تک ساخ گور جائے تو اُس کے نائب کو کیا کرنا چاہیے۔ وہ ابن حرب کو لہو لہان دیکھ کر یہ سمجھا تھا کہ اس کی زندگی خطرے میں ہے اور اگر واپسی اختیار نہ کی گئی تو معاملہ بگڑ جائے گا۔ حالانکہ ایسے مواقع پر سبوابی حملہ دشمن کے حق میں بڑا مہلک ثابت ہوتا ہے لیکن سردار انہماں کی نا تجربہ کاری نے اُسے فرار کی راہ دکھائی۔

بیاں ہاتھ کھنی تک کٹ جانے سے ابن حرب لڑائی کے قابل نہیں رہ گیا تھا فوری طور پر اُن کا خون روکنے اور زخمی بازو پر مرہم پٹی کی ضرورت تھی یہی ضرورت دھاوے کی ناکامی کا سبب بن گئی۔ بادیشہین جو سمجھتے تھے کہ شاہی قافلے سے بڑا مال غنیمت ہاتھ آئے گا۔ ابن حرب کے پیچھے سردار انہماں کو بھی میدان کا زار چھوڑتے ہوئے دیکھ کر تیزی سے پلٹے کیوں کہ اُن کا چرواہا بے کے بغیر بھیڑوں کا کوئی محافظ نہیں ہوتا، اسی طرح سپہ سالار کے بغیر باقی بھی دشمن کے لیے گوسفندوں کی حیثیت رکھتے ہیں، وہ شہزادی کی کھیر کی طرح گروہ و گروہ لالچ پکے جدھر سے آئے تھے۔

ابن حرب نے جنوب کی طرف چند فرلانگ کے فاصلے پر قبائلوں کا ایک گروہ اس لشکر کے لیے بٹھا رکھا تھا کہ جب وہ شاہی ناقہ کو لے کر بھاگے اور عراقی سوار اس کا پیچھا کریں تو گروہ ان کا راستہ روک لے اور انھیں آگے نہ بڑھنے دے لیکن بھاگنے والوں کا

”یہ دھاوا میری غلطی سے ناکام ہوا ہے اور میں آقا حسین کے سامنے اس کی ذمہ داری قبول کروں گا“

کامیابی یا ناکامی دونوں صورتوں میں ابن حرب کو سیدھا آقا حسین کے صحرائی مسکن میں بھی تھا۔ سردار نعمان نے مشورہ دیا کہ وہ لشکر کے ساتھ نبی کلب کا رخ کرے کیوں کہ سے قوری علاج کی ضرورت ہے اور وہ خود آقا حسین کی خدمت میں پیش ہو کر اپنی ناکامی و حال گوش گزار کرے گا لیکن ابن حرب نے یہ مشورہ مسترد کر دیا۔ وہ ہر حالت میں خود ہی آقا حسین سے ملنا چاہتا اور نبی کلب کا رخ کر کے غالباً اپنے کئے ہوئے بازو اور ناکامی کے ساتھ غم اٹھانے کا سامنا نہیں کر سکتا تھا۔ یہ احساس دل کر پکڑ کے دے رہا تھا کہ پہلے ہی دھاوے میں اسے شکست ہوئی بلکہ بدبختی نے ایک بازو سے محروم کر کے جسمانی طور پر بد ہیئت بنا دیا تھا اور اس ہیئت میں وہ نبی کلب جانا اور شہزادی نجمہ کو رو بہ رو نہا نہیں چاہتا تھا جو اس کی ناکامی واپسی کی خبر سن کر شکستہ خاطر ہوگی اور اس کا بازو دوبارہ دیکھ کر حیرت اور غم کے سکتے میں ڈوب جائے گی۔

آقا حسین کا صحرائی مسکن اگرچہ چار یوم کے فاصلے پر تھا مگر اس نے نبی کلب کی بجائے صحرائی مسکن کی طرف جانے کا فیصلہ کر لیا۔ منصوبہ بے شک ناکام ہو گیا لیکن وہ اپنے حیرت کا ایک منظر چھوڑ آیا تھا۔ مصر کی سرحد سے نکلنے کے بعد جب قافلہ شام کے علاقے میں سفر کر رہا تھا اس پر حملہ ناقابل یقین تھا۔ شام و فلسطین سے لے کر آرمینیا کی سرحد تک اور اعلان طوفانی مملکت میں شامل تھا اور طوفانی مملکت کے اندر طوفانی شہزادی کے قافلے کو ناکام دھاوا ایسا نہ ہونا واقعہ تھا جس نے میر کارواں ابوالحسن قاسم بن عبد اللہ کو سالک جبروت سے دوچار کر دیا تھا۔ گو خلیفہ معتضد کے مقتدر غلام شبل نے شہزادی شہزادی کے انگوٹھی کو شش ناکام بنادی پھر بھی طوفانی ریاست کے اندر یہ کوشش کسی کے لیے کم نہ تھی۔

قافلے کے مشعل بردار قتل ہو چکے تھے اور ابھی مشعلیں ان کی لاشوں کے قریب ہی پڑی تھیں۔ حملہ آوروں کی سواروں نے روند ڈالا تھا۔ اس اثنا میں مشعلیں دوبارہ روشن کر دی گئیں۔ زخمیوں کی مرہم پٹی لگی اور لاشوں کو خالی گھوڑوں پر لاد لیا گیا جس میں وہ اگلے پڑاؤ میں کرنا چاہتے تھے۔

تغائب ہی نہیں ہوا تھا تو مخصوص گروہ رد کیا گئے؟ وہ بھی اپنے جھجھکے پیچھے ہو گیا اور اس طرح شہزادی قطراندی کو محل سمیت اغوا کرنے کا پورا منصوبہ خراب ہو گیا۔

اندھیرے میں تین چار میل تک بھاگتے اور یہ اطمینان کر لینے کے بعد کہ ان کا تغائب نہیں کیا جا رہا۔ سردار نعمان نے لشکر کو رکنے کا اشارہ کیا۔ پھر وہ ساندنی سے اور ابن حرب گھوڑے سے اترا مشعل روشن کئی تو اس کا لباس اور رنگ ہو رہا تھا اور چہرے پر اذیت کے ساتھ جھنجھلاہٹ کے بھی آثار تھے۔ غالباً بازو کوٹ جانے سے زیادہ تکلیف ناکامی کی تھی۔ یہ وہ نعمان نے خون صاف کرنے کے بعد اس کے ٹنڈ ٹنڈ بازو پر ہم لگایا اور بچی بازو دی جسم سے خون اتار نکل چکا تھا کہ ابن حرب کمزوری محسوس کرنے لگا مگر وحشت بڑھ رہی تھی۔ اس نے خشکی نظروں سے سردار نعمان کو گھورا جس نے شرم سے گردن جھکادی اور کہا۔

”شہزادی قطراندی سے مجھے تمھاری زندگی زیادہ عزیز تھی“

”سردار نعمان! لڑائی میں اس قسم کے بھیاںک حادثے پیش آتے رہتے ہیں تمھیں داپھی کا ترم پھونکنے کی بجائے دشمن پر حملہ کرنا چاہیے تھا“ یہ کہہ کر اس نے اعلان کیا اب تم قافلے پر دوسرا دھاوا کرو گے۔

دوسرے دھاوے کا اعلان سن کر سب لوگ دنگ رہ گئے۔ وہ جانتے تھے عراق کے تربیت یافتہ فوجی سواروں سے شہزادی قطراندی کو چھین کر لانا کوئی آسان کام نہیں، یہ کام ابن حرب کر سکتا تھا اور وہ اب کسی دھاوے میں شریک ہونے کے قابل نہ رہ گیا تھا پھر پہلے دھاوے کی ناکامی اور سپر سالار کا ایک بازو سے محروم ہو جانا برا شگون تھا۔ ان کے نزدیک دوسرا دھاوا زیادہ خطرناک ہو سکتا تھا۔ ایک بار قدم اکھڑ جائیں تو دوسری بار انھیں جمانا مشکل ہوتا ہے۔ بجائے دوسرے دھاوے میں اور کیا بد شگونی پیش آئے۔

اس دھاوے میں صرف نبی کلب کے آدمی شریک ہوئے تھے ان کا خیال تھا کہ عراقی سوار پہلے سے زیادہ چوکس اور ہوشیار ہوں گے اور اب وہ انھیں شہزادی کے محل کے قریب بھی نہیں پہنچنے دیں گے پھر دو ڈھائی میل کے فاصلے پر ایک بستی ہے جہاں سے وہ امداد بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ ابن حرب خود بھی سمجھتا تھا کہ دوسرے دھاوے پر جانی نقصان زیادہ ہوگا اور کامیابی پھر بھی مشکل تھی۔ فوجی سالار شبل کے علاوہ ابوالحسن قاسم جیسا تجربہ کار آدمی شاہی قافلے کا امیر تھا۔ چاہے سردار نعمان کہنے لگا۔

لیکن ایک صحرائی قبیلے میں ابن حرب کی موجودگی کسی عجوبے سے کم نہ تھی۔ وہ بغداد سے
بھاگا تو مصر پہنچا اور اب ایک باد یہ نشین قبیلے کا سرغنہ بن گیا تھا جس کا نشان حجر کے علاقے کی جانب
جاتا تھا۔ یہ سب کچھ حیرت انگیز تھا لیکن اس سے زیادہ تحیر خیز نام اتما حسین کا تھا، جس
نے مارے معاملے کو انتہائی پراسرار اور سنسنی خیز بنا دیا تھا۔



KHAN BOOKS
& LIBRARY
5-627, BHABHA BAZAR, RAWALPINDA
Call: 0345-5048634 - 0345-5048659
Prop: Ali Khan

شہزادی قطر الندی کے محل کے آس پاس آٹھ دس لائیں پڑی تھیں، وہیں ایک
مشعل زمین پر گری ابھی تک جل رہی تھی جس کی روشنی میں وہ مقام مقتل کا منظر پیش کر رہا تھا
شاہی نانے کا ساربان ہلاک ہو چکا تھا۔ ابراہن قاسم نے نانے کی مہار خود کپڑی اور شہزادی
قطر الندی کی طبیعت کا حل پرچھا، جو اچانک محلے سے پریشان ہو گئی تھی پھر اس نے نانے کو
روانگی کا حکم دیا۔

سالار شہل بھی اپنے نابوں کو ضروری ہدایت دے کر شاہی نانے کے پاس پہنچ
گیا۔ روانگی سے قبل محافظ سوار نانے کے ارد گرد اس طرح پھیلا دیے گئے کہ اب حملہ آور ان کا
حلقہ توڑ کر سواروں کے قریب نہیں پہنچ سکتے تھے۔ جو بھی نانے نے کوہ کیا مشعل کی روشنی میں
ابن حرب کا کتہا ہم کٹا ہوا ہاتھ زمین پر پڑا نظر آیا۔ شہل گھوڑے سے اترا۔ بربدہ بازو اٹھا
اور گھوڑے کی خرچ میں ڈال لیا۔

وہ بستی جہاں نانے کو قیام کرنا تھا، صرف ٹھکانی نین میل کے فاصلے پر تھی۔ میر کی جانب
آتے ہوئے بھی فوجی نانے نے اسی بستی میں پڑاؤ ڈالا تھا۔ جب نانہ آدھی رات کے بعد زمین
اور لاشوں کے ساتھ وہاں پہنچا بستی کا سردار اور معزز لوگ دھمک رہ گئے۔ نیچے لگانے کے
بعد مرنے والوں کی تدفین کا بندوبست کیا گیا۔ تب کہیں جاکر اہل قافلہ کو آرام کا موقع ملا۔
بستی میں قیام مختصر تھا۔ دوسرے دن پڑاؤ اٹھا لیا گیا۔ ابراہن قاسم چاہتا تھا کہ جلد ہی
القدس پہنچ جائے۔ تیسرے دن قافلہ القدس پہنچ گیا، جہاں اس کا شاندار استقبال کیا گیا۔
نے حاکم شہر کو واقعے سے آگاہ کیا اور دو اپنی روانہ کیے۔ ایک بغداد کی طرف، دوسرا القضا
کی جانب۔ اس نے پیچوں کے ذریعے خلیفہ معتضد ابرعباس اور سلطان خوارزمیہ ابو
کوتافے پر حملے، صحرائی لشکر کے سرغنہ اور اس کی شکست و پستی کی اطلاع بھیجی۔

حاکم القدس کے لیے یہ خبر انتہائی تعجب خیز تھی کہ شاہی قافلے پر کسی صحرائی قبیلے نے حملہ
تھا جو بسا ہونے کے بعد جنوب کی طرف فرار ہو گیا وہ آیا بھی اسی سمت سے تھا۔ اس نے خیال
ظاہر کیا۔ اس قبیلے کا نام بدینہ نشین قبائل سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ یہاں تاہم
طوہنی حکومت کے وفادار ہیں۔ شاید حجر کے علاقے کا کوئی قبیلہ ہو۔ حجر کا زیادہ تر علاقہ غیر آباد
ہے اور وہاں جو لوگ ٹوٹا قبیلے رہتے ہیں، وہ مفلوک الحال بھی ہیں اور خود سر بھی طوہنی حکومت
وہاں مداخلت نہیں کر سکتی کیوں کہ شاہی حجاز اور حجر کے علاقے عباسی سلطنت میں شامل ہیں۔

کے گرا اور ہاتھ کے ساتھ ہی نکیل بھی اس کے قبضے سے نکل گئی۔ اگر وہ فوراً گھوڑے کو ایڑ
 دنگتا، تو عراقی سواروں کی اٹھی ہوئی تلواریں اس کا خاتمہ کر دیتیں۔ وہ بسرعت موت کے
 ترغے سے نکل آیا لیکن سردار نعمان نے اس کے بازو دنگتے اور دشمن کے گھیرے سے نکلنے
 کا منظر دیکھ کر گھبراہٹ میں واپسی کا نرم چھوٹ دیا۔ اشارہ ملتے ہی صحرائی بہادر پیچھے ہٹے۔
 اس طرح جنگ کا نقشہ تبدیل ہو گیا، جس کی توقع نہیں تھی۔ بڑبڑہ بازو پر نرم پٹی کے بعد
 اس نے سردار نعمان کو دوسرا دھاوا کرنے کے لیے کہا مگر اس کی غلطی یا گھبراہٹ کی وجہ سے
 صورت حال بالکل بدل گئی تھی دوسرا دھاوا زیادہ خطرناک اور نقصان دہ ثابت ہو سکتا تھا
 کیوں کہ مقابلہ عراق کے انتہائی تربیت یافتہ اور لڑاکے سواروں سے تھا، جن کی مزاحمت
 کا حلقہ توڑنا اور جوابی حملے سے بچنا آسان نہ تھا۔

اس نے یہ بھی بتایا کہ سردار نعمان اس ناکامی کی ذمہ داری قبول کرنے کے لیے خود میتھنا
 کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا تھا لیکن شکست کا داغ اور ایک بازو سے محرومی کا صدور اس
 کی قسمت میں لکھا تھا، لہذا وہ خود حاضر خدمت ہو گیا اور اپنی پہلی ناکامی پر شرمسار ہے۔
 آقا حسین نے دھاوے کی تفصیل سنی حالات کی صورت پر غور کیا اور کہا: ”ابن حرب!
 تم ہمارے غنی ہو اور تمہیں اس ناکامی پر شرمسار ہونے کی ضرورت نہیں۔ جنگ میں جیت بھی
 ہوتی ہے، ہار بھی ہوتی ہے اور بعض اوقات ہار کر بھی آدمی جیت جاتا ہے۔ تم جسے اپنی ناکامی
 سمجھتے ہو وہ ہمارے نزدیک تمہاری کامیابی ہے کیوں کہ تم عراقی لشکر پر اپنی ہیبت چھوڑ آئے
 ہو اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب تم موت کے ترغے سے نکل آئے اور سردار نعمان نے واپسی
 کا نرم چھوٹ دیا تو عراقی سوار تمہاری ہیبت سے خوفزدہ ہو کر آگے نہیں بڑھے، وہ میرے
 خوف اپنے ساتھ بغداد سے جا بیٹے گے۔“

ابن حرب قمر علی شیخ کا استدلال سن کر ایک نئی بصیرت سے دوچار ہوا، جس نے دھماکے
 کی ناکامی سے ”جی کامیابی“ کا پلور نکال لیا اور اس کی ہیبت کو دلیل کامیابی قرار دیا تھا حالانکہ
 جنگی اصطلاح میں وہ شکست سے دوچار ہوا اور خواہ اپنے نائب کی غلطی سے ہو یا بہر حال ایران
 جنگ سے بھاگ نکلا تھا۔ خیال گزرا کہ شاید آقا حسین کسی مصلحت کے تحت اس کی حوصلہ شکنی
 مناسب نہیں سمجھتا اور ناکامی کی ذلت یا شرم ساری سے بچانا چاہتا ہے۔ ”سبیدنا آپ کہنے
 لیں میں نے شکست نہیں کھائی اور عراقی سواروں پر اپنی ہیبت چھوڑ آیا ہوں لیکن تقدیر نے

۴۴
 نئے افق

KHAN BOOKS
 & LIBRARY
 5-627, BHARPU GAZAR, RAWALPINDA.
 Cell: 0345-5048634 • 0345-5048659
 Prop: Ali Khan

ابن حرب اور سردار نعمان نے دونوں اکٹھے سفر کیا۔ جر کے علاقے میں داخل ہوئے،
 تو ان کے راستے الگ ہو گئے۔ سردار نعمان صحرائی لشکر کے ہمراہ بادیہ شام کے حاشیے کی طرف گئے
 گیا جہاں بنی کلب کئی سال سے آباد تھے اور ابن حرب نے چند شتر سواروں کے ہمراہ آقا حسین
 کے صحرائی مسکن کا رخ کیا۔

چوتھے روز شام کے وقت وہ قمر علی آقا کے حضور اس طرح کھڑا ہوا کہ شرم سے جھکا
 ہوا اور کہا: ”ابو بازو! جس میں درود کی بیسیں اٹھ رہی تھیں، آقا حسین کی نظروں کے سامنے تھا۔
 زبان سے کچھ کہنے کی ضرورت نہ تھی۔ ابن حرب کی حالت تیار رہی تھی کہ مقصد میں ناکام لوٹا ہے۔
 آقا حسین اپنے مثنیٰ کی یک کیفیت دیکھ کر مدگ رہ گیا۔ ابن حرب ایک مانا ہوا جنگجو اور
 تجربہ کار ماہر حرب تھا جس نے جنگیں جیتی بھی تھیں، ادنیٰ بھی تھیں اور جنگی قیدی کی حیثیت سے
 دشمن کی اذیتیں بھی برداشت کی تھیں لیکن ایسا ان کی سائے تلے کبھی نہیں گزرا تھا جس سے اب
 دوچار ہو رہا تھا۔

اُس نے شاہی قافلے پر دھاوے کی، مرد واد بیان کی اور بتایا کہ وہ شاہی قافلے کی نکیل
 پر قبضہ کر چکا اور مزاحمت کرنے والے آٹھ دس عراقی سواروں کو موت کے گھاٹ اتار چکا تھا
 کہ عین اس وقت جب اُسے بھاگے جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ شہل کئی سواروں کے
 ساتھ مل کر گناہان حملہ کیا اور ہاتھ پیر تلوار ساری جس میں اُس نے نکیل قفل رکھی تھی ہاتھ کئی ٹکٹ

شکست کا داغ میری پیشانی پر لگا دیا ہے۔

”لشکر کا سپر سالار زندہ رہے تو اپنی شکست کا داغ دھو ڈالتا ہے۔ تم ایک مرتبہ ہارے ہو اور دوسری بار نہیں ہارو گے اور وہی تقدیر جس کی آج شکایت کر رہے ہو، کل دشمن کو نصیب رہے سامنے گھیر کر لے آئے گی۔“

آقا حسین کی گفتگو توقع کے خلاف اور اس کا حوصلہ بڑھا رہی تھی۔ ”لیکن دوسری بار میں وہ مقصد حاصل نہیں کر سکتوں گا، جسے آج ہار آیا ہوں۔“

اس نے شہزادی نظر اندھی کا نام لیے بغیر دھاوے کا مقصد بیان کیا۔ آقا حسین طرہ لونی غدا کو اپنے حرم میں داخل کرنا اور خلیفہ معتمد سے چھین لیا جانا تھا۔ ابن حرب شہزادی قطر اندھی کے متعلق اس کے خیالات ذاتی طور پر جاننا تھا لیکن قمر علی شیخ کے جواب نے اسے حیرت زدہ کر دیا۔

”ہم نے قطر اندھی کی خواہش ضرور کی تھی لیکن جماعت کی قوت بڑھانے کے لیے عورت کا حسن بھی ایک طاقت رکھتا ہے اور وہ طاقت انقلابی تحریک کو تقویت دیتی ہے۔ جب سلطان غاروبہ نے بیٹی کا عقد خلیفہ معتمد سے کر دیا تو ہم اسے اس لیے بھی حاصل کرنا چاہتے تھے کہ بنو عباس اور بنی طولون میں ہونے والے معاہدے کی شرط پوری نہ ہو سکے اور دونوں فریق اکٹھے نہ ہوں لیکن ہماری یہ کوشش کامیاب نہیں ہوئی۔ ہم نے قطر اندھی کا خواب جماعت کی کامیابی کے لیے دیکھا تھا۔ اس خواب کی تعبیر ضرور بدل گئی ہے لیکن بدلی ہوئی تعبیر کا ایک خوفناک نتیجہ عنقریب ظاہر ہوگا۔ تم نے شاہی ساندھی کی تکمیل پر ہاتھ ڈال کر اسی نتیجے کو دعوت دی ہے جو قطر اندھی کے اغوا سے برآمد ہوتا۔ اب معتمد ہماری تلاش میں سرگرداں ہو جائے گا اور ہماری جانب اپنے لشکر روانہ کرے گا۔ جھینجیم آندھی میں اڑنے والی ریت کی طرح بکھر دیں گے۔ ہو سکتا ہے اس دھاوے کی ناکامی کے بعد معتمد اور اس کے فوجی سالار یہ سمجھیں کہ ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے لیکن ہمارے نزدیک یہ ناکامی کوئی معنی نہیں رکھتی۔ ہم نے عراقی لشکر سے جنگ نہیں لڑی صرف ایک قافلے پر دھاوا کیا اور شب خون مارا تھا۔ اس قسم کے دھاوے اور شب خون تو لوگوں کو گرم رکھنے کا بہانہ ہوتے ہیں اب ہم ان کے قافلوں کا راستہ روکیں گے بکھرے شاہی لشکر وں کو صحرا میں آنے کا راستہ دیں گے اور وہ واپس نہیں جاسکیں گے۔ آسمان پر چپکنے والا سورج ان کی موت کا ہولناک منظر دیکھے گا۔“

آقا حسین کی تقریر نے شکست دہلائی کا وہ احساس زائل کر دیا جو صحرا کے مہیب خانے کی صورت اختیار کر کے ابن حرب کے دل و دماغ پر مسلط ہو گیا تھا جس طرح جماعت اٹھانے کے پردوں سے باہر آنے کی تیاری کر رہی تھی، اس طرح قمر علی شیخ بھی اپنے اندر سے نکل کر باہر آ گیا تھا۔ اب وہ اس کے الفاظ کا مفہوم سمجھنے لگا تھا۔ غور کیا تو یہ حقیقت صبح کی صبح کی طرح چمکی نظر آئی کہ شہزادی قطر اندھی کے اغوا کا نتیجہ لازماً اس بارہ پیش قبیلے کی تلاش کی صورت میں نکلتا جس نے شاہی قافلے پر دھاوا کیا تھا پھر شاہی لشکر اس کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوتے اور اب دھاوے میں ناکامی کا حاصل بھی اس سے مختلف نہیں ہو سکتا تھا۔ معتمد جیسا شخص اس واقعے کو برداشت نہیں کر سکے گا اور دھاوا کرنے والے صحرائی قبیلے کو تنہا نہیں کرنے کی کوشش ضرور کرے گا۔ گریبا دونوں صورتوں میں نتیجہ ایک ہی تھا اور خود جماعت اس نتیجے کی منتظر تھی۔

بڑا عجیب اور سنسنی خیز تھا یہ اکتشاف جس نے ابن حرب کے جسم میں خون کی گردش کو تیز کر دی اگر افسوس تھا تو صرف اس بات کا کہ جماعت کے خرد و جگر کی ساعت قریب آ گئی۔ تو وہ ایک ہاتھ سے خرم ہو چکا تھا کہنے لگا۔ ”اس دھاوے کا جو بھی نتیجہ نکلے والا ہے وہ کچھ عرصے بعد پیش آئے گا لیکن میں اس چہرے پر ناکامی کا داغ لے کر بنی کلب میں واپس نہیں جانا چاہتا۔“

آقا حسین نے اسے تعجب کی نظروں سے دیکھا۔ ابن حرب کہہ رہا تھا ”استیذانیں چاہتا ہوں مجھے بنی کلب سے بنو قلیص کی طرف بھیج دیا جائے۔ بنو قلیص کا صحرائی مسکن کوٹنے کے سوااد میں ہے اور بغداد سے دور نہیں وہاں پہنچ کر میں اپنے دشمن سے قریب تر ہو جاؤں گا۔ معتمد کے غلام شبل نے مجھے ایک بازو سے محروم کر دیا ہے اب میں اسے قتل کرنے کے بعد ہی چین کی بند سوسکتا اور بنی کلب میں واپس جاسکتا ہوں۔ میں شبل کا سر نیزے پر لٹاکر اپنے صحرائی مسکن میں جاؤں گا تو قبائل کی پست ہمتیں حیران ہو جائیں گی۔“

قمر علی شیخ نے اس کے الفاظ میں انتقام کے بھڑکتے شعلوں کی پیش محسوس کی اور کہا ”ہم ابو القاسم کو نصاریٰ اس خواہش سے آگاہ کر دیں گے اگر انھوں نے اجازت دے دی تو

کے ساتھ ہی ابن حرب کی آدمی قوت خالص ہو گئی تھی۔ آقا حسین نے دمنہ کے جذبات کا
ایک بدلنے کی کوشش کی۔

”جماعت کی خاطر جن بہادروں کے اعصاب کٹتے اور جسم پر زخموں کے نشان لگتے ہیں
ان کا اعزاز پہلے سے بڑھ جاتا ہے۔ معتقد کے غلام اشبل نے ہمارے مٹی کا بازو کاٹ کر
موت کو دعوت دی ہے۔ وہ بغداد کے ان تہ خانوں میں بھی کیوں نہ گھس جائے جو اس کے
قاتلے لوگوں کی زمین چھین کر تعمیر کرائے ہیں پھر ہی اپنے انجام سے نہیں بچ سکتا۔
دمنہ نے چونکہ آقا حسین کی طرف دیکھا ”سیڑی باگر شبل کے لیے کسی فدا کی کو
بند اور بھیجے کا فیصلہ ہو چکا ہے، تو یہ خدمت میں سر انجام دوں گی۔ معتقد کی طرح وہ بھی میرے
اتھ سے نہیں بچ سکے گا۔“

”وہیں دمنہ اشبل ہمارے مٹی اس کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچے گا۔“

اب ابن حرب نے بھی کچھ وضاحت ضروری سمجھی۔ ”میں اپنے دشمن سے انتقام میدان
جنگ میں لیتا اور اسے اپنی مداخلت کا پورا موقع دیتا ہوں، اشبل کے ساتھ یہی سلوک ہوگا۔
”اگر وہ میدان میں نہ نکلا؟“
”پھر میں اسے خود تلاش کروں گا۔“

آقا حسین نے بتایا جب تک وہ اچھی طرح صحت یاب نہیں ہو جاتا، یہیں رہے گا،
بے مے مکمل آرام کی ہدایت کی ہے اور دمنہ ہی اس کی خدمت کرے گی۔ وہ ابن حرب کو
بند کرتی اور اس کی خدمت کا جذبہ بھی رکھتی تھی۔ فوراً علقہ کمرے میں ایک علاحدہ بستر لگا دیا گیا
اور وہ اسے اپنے ساتھ لے گئی۔ فی الحال کسی اور کو اس سے ملنے کی ممانعت تھی لیکن دزدات
کی تمنائی میں بھی اس کے پاس غمی باب اسے ابن حرب کے ساتھ شہزادی عجم اسیل کا خیال بھی
پریشان کر رہا تھا اس نے سن یا تھا کہ ”وہاں سے میں ناکامی کے بعد وہ عجم اسیل سے نہیں
لا اور سیدھا یہاں آ گیا ہے۔“
”تم بھی کلب کیوں نہیں گئے؟ شہزادی عجم تمہارے لیے فکر مند ہوگی؟“

سلطہ خلیفہ معتقد نے برسرِ اقتدار اگر لوگوں کے باغات اور دکانیں مسمار کر کے وہاں
محل بنوائے اور تہ خانے تعمیر کرائے تھے (تاریخ الخلفاء)

تم عزاق جاسکو گے لیکن جب تک تمہارا زخم ٹھیک نہیں ہو جاتا تم ہمارے پاس رہو گے
تمہارا علاج یہیں ہوگا۔“

آقا حسین کا جواب اس کی مرضی کے مطابق تھا۔ وہ اپنا ہار ہوا چہرہ اور بربادہ بازو
لے کر بنی کلب میں واپس جانے اور شہزادی عجم کا سامنا کرنے سے بچکچکا رہا تھا۔ زخم کے علاج
میں کچھ عرصہ لگ سکتا تھا اور اس عرصے میں وہ عجم سے سامنا کرنے اور اپنی شکست کا دارغ
مٹانے کی کوئی ترکیب سوچ لینا چاہتا تھا۔

اس نے خرمطی شیح کے حکم پر سرخم کر دیا پھر اسی وقت طبیب کو طلب کیا گیا۔ ابن حرب
کے بازو پر عارضی مرہم پٹی کی گئی تھی لیکن بعد ازاں پٹی بدلنے کی نوبت نہیں آ سکی تھی۔ چارہ یوم مسلسل
مسفر میں گزرے تھے۔ طبیب نے پٹی کھولی تو پریشان ہو گیا۔ بروقت علاج نہ ہونے سے زخم بگڑ
چکا اور اس میں زہریلا مواد پیدا ہو گیا تھا۔ طبیب نے گرم پانی سے زخم دھو کر صاف کیا۔ زہریلا مواد
نکال دیا اور مرہم لگا کر ٹی باندھ دی اور بتایا۔ ”زخم کے اندھاں میں دس بارہ یوم لگ جائیں
گے۔ ہر روز مرہم پٹی ہوگی۔ تقریباً ایک ماہ تک بازو پر زخموں زمینوں کی ماسش ہوتی رہے گی
تاکہ بازو کی کئی ہونٹیں شریانیں ٹھوکر نہ جائیں اور رگ ٹھکے سے کام کرنے لگیں۔“

گویا ایک ماہ تک ابن حرب کو آقا حسین کے صحرائی مسکن ہی میں قیام کرنا تھا اس کے اتے
ہی یہاں چرچا ہو گیا تھا کہ جنگ میں اس کا بایاں بازو کٹ گیا ہے۔ لوگوں نے اسے بربادہ بازو
کے ساتھ گھوڑے سے اترنے دیکھا اور دم بخود رہ گئے تھے آقا حسین کے حیمے میں یہ خبر پہنچی کہ
گری تھی۔ دمنہ خیمے کی اندرونی رہداری سے جگہ خاص کے دروازے تک دوزخین چکر لگا لگی
تھی لیکن کسی کو اندر آنے کی اجازت نہ تھی۔ حملہ خاص کا دروازہ اس وقت تک نہیں کھلا،
جب تک طبیب مرہم پٹی کر کے چلا نہیں گیا پھر شیح نے دمنہ کو خود بلایا اور ابن حرب کی دیکھ بھال
اس کے سپرد کی۔ وہ بربادہ بازو اور اس پر پٹی دیکھ کر کہنے لگے ”اگلی ایک تھوڑا سا دن میں جگہ
بہادر کی اس حالت سے دل کو شدید دھچکا لگا لیکن جو المانک سانحہ ہو گزرا اس پر افسوس
یا صبر کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔“

آقا حسین نے دمنہ کے چہرے پر گورنے والی کیفیت سے اس کے دلی جذبات
کا اندازہ لگایا اور سمجھ گیا کہ اسے گہرا صدمہ پہنچا ہے۔ بہادر اور جنگ جو مردوں سے محبت
کرنے والی خوب صورت عورتیں ان کے دست و بازو کی قوت پر ناکر کرتی ہیں اور بازو کٹنے

نے سبز پرچم اٹھا رکھا تھا اور وہ پرچم ابن حرب کے غلام عبداللہ نے اٹھا رکھا تھا۔ صحرائی قبیلوں میں سبز پرچم مکہ صحرا کا نشان قرار دیا گیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ شہزادی نجم اللیل خود آقا حسین کے بیویوں کی طرف آ رہی تھی۔

صحرائی نگہبانوں نے فوراً ایک محافظ آقا حسین کو اطلاع دینے کے لیے بڑے ٹھیکے کی طرف دوڑایا خود آگے بڑھ کر آنے والوں کا استقبال کیا اور انہیں ساتھ لے کر پہاڑی کے دامن کی طرف بڑھے جہاں بڑا خمیر نصب تھا۔ اس اثنا میں آقا حسین اپنے خدم و حشم کے ہمراہ قنات کی چار دیواری سے باہر نکل آیا تھا مگر ابن حرب دکھائی نہ دیا۔ ساربان نے محل بردار ساندلی کو بڑے ٹھیکے کے سامنے بٹھایا۔ سردار نعمان، غلام عبداللہ اور محافظ شتر سوار اونٹوں سے اتر آئے تو شہزادی نجم اللیل اپنی سوڈانی کنیز کے سہارے محل سے نکلی۔ قمر علی شیخ نے جو اپنے مخصوص سبز لباس میں تھا آگے بڑھ کر اہلاد مسلمان کہار نجم نے سب سے پہلے ابن حرب سے متعلق پوچھا۔ آقا حسین اُس کی آمدی سے بھانپ گیا تھا کہ بے حد پریشان اور غمزدہ ہے اُس نے جواب دیا۔

”وہ یہیں ہے، اس کا علاج ہو رہا ہے۔“

نجم کے لہجے میں بے قراری تھی۔ ”حالت کیسی ہے؟“

یہ سوال غالباً اس لیے کیا گیا کہ ابن حرب اُس کی آمد پر ٹھیکے سے باہر نہیں آیا تھا۔ قمر علی شیخ نے بتایا۔ ”وہ چلنے پھرنے سے مغزور نہیں، لیکن طبیب نے آرام پر زور دیا ہے، تاکہ زخم جلد مندمل ہو سکیں۔“

اُسی لمحے دمنہ تین چار صحرائی کنیزوں کے ہمراہ بڑے ٹھیکے سے نمودار ہوئی اور شہزادی کے سامنے کمر تک جھک گئی۔ آقا حسین نے تعارف کرایا۔ ”یہ ہماری کنیز خاص اور ہمارے مٹھی کی تیمار دار دمنہ ہے۔“

اب وہ شہزادی سے مخاطب ہوئی۔ ”میرے ساتھ تشریف لایے۔ وہ آپ کے منتظر ہیں۔“

شہزادی نجم اور عزیز، دمنہ کے پیچھے پیچھے ہوئیں اور آقا حسین سردار نعمان کی طرف متوجہ ہوا جو مصافحہ کرنے کے بعد شرم سے گردن جھکائے کھڑا تھا۔ ”سردار نعمان! ہم جانتے ہیں فرار کا حادثہ کس طرح پیش آیا۔“

ابن حرب نے اپنے دل کی بات کہہ دی۔ ”میں اس حالت میں اُس کا سامنا نہیں کر سکتا۔ وہ میرے بازوؤں کی قوت پر بھروسہ کرتی ہے اور میں ایک بازو سے محروم ہو چکا ہوں۔ مجھے اس ہیئت میں دیکھ کر زخم کے دل کو کھٹس لگے گی۔ اس کے سہارے خواب چکنا چور ہو جائیں گے۔“

”لیکن کب تک سامنا نہیں کر دے گا؟“

”میں چاہتا ہوں انجم سے اس وقت ملوں جب اپنے دشمن کو موت کے حوالے کر دوں اور کوئی معرکہ جیت لوں تاکہ اس کی امیدوں کے بجھے ہوئے چراغ پھر سے روشن ہو جائیں۔“ اس نے شہزادی نجم کے سامنے اپنے آپ کو عاشق کی بجائے ہمیشہ ایک جنگی مرد کی حیثیت سے پیش کیا تھا۔ اسے بھی ایک جنگجو اور خوشی مرد کی ضرورت تھی جو اس کی خاطر جنگیں لڑتا اور فتوحات حاصل کرتا لیکن ابن حرب کی جنگی وحشت، سخت مزاجی اور بے رحمی کے ساتھ ساتھ وہ اس کے گرائڈیل مضبوط طاقت ور اور انتہائی متناسب جسم کو بھی پسند کرتی تھی، کیوں کہ ایسے مضبوط اور متناسب جسم ایسا ابن حرب کا تھا بہت کم مردوں کے ہوتے ہیں اسی لیے طاقتور مگر ویدہ شہزادی کا سامنا کرتے ہوئے ہچکچا رہا تھا کہ ایک بازو کٹ جانے سے وہ جسمانی طور پر بد ہیئت ہو گیا ہے۔

یہی وہ اندیشے تھے جو اُسے پریشان کیے دے رہے تھے، اُس نے دمنہ کو اپنے اندیشوں سے آگاہ کر دیا تھا۔ دمنہ کے نزدیک بھی اس کی موجودہ ہیئت نجم اللیل جیسی شہزادی کے لیے پریشانی اور صدمے کا باعث ہوگی۔ شاید وقت گزرنے کے ساتھ یہ صدمہ کچھ کم ہو جائے ابن حرب وقت ہی گزارنا چاہتا تھا یا پھر بتو قلیص میں امام کی بارگاہ میں منتقل ہو جانے کا خواہش مند تھا۔



ابھی اُسے آقا حسین کے صحرائی ممکن میں آئے تیسرا ایوم تھا کہ ڈوبتے سورج کے ساتھ اچانک شمال کی طرف صحرائیں ایک چھوٹا سا فائدہ نمودار ہوا۔ خفیہ ممکن کی دیکھ بھال کرنے والوں نے دوری سے پہچان لیا کہ اُسے دایہ بنی کلب کے شتر سوار تھے مگر اُن کے آگے آگے ایک محل تھا جس کی دائیں طرف سردار نعمان بہ نفس نفیس چلا آتا تھا اور بائیں جانب ایک شتر سوار

”یہ اپنی غلطی پر شرمندہ ہوں سیدنا“

”الافسان مرکب من السہو والفسیان“ (انسان سہو و خطا کا پتلا

ہے)

”مگر اس غلطی سے مجھے ایک بہت بڑا تجربہ حاصل ہوا“

”غلطی ہی انسان کو سبق سکھاتی اور تجربے کا رہنما ہے“

قرمطی شیخ کے الفاظ حوصلہ افزا تھے۔ روٹی بھی ہمدردانہ تھا۔ سردار نعمان کے دل سے ندامت کا بوجھ کم ہو گیا لیکن جب شہزادی نجم اللیل، دمنہ کے ہمراہ کے کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے ابن حرب کو تنگے بریدہ بازو کے ساتھ بستر پر دیکھا، کیوں کہ طبیب تھوڑی دیر قبل پٹی بدل کے گیا تھا، تو اپنی پیچ غصہ بظنہ کر سکی اور اس کے ساتھ غصہ بھی پھوٹ پڑی۔ ابن حرب تڑپ کر بستر سے اٹھا اور کمرخت لہجے میں بولا: ”میں اسی لیے تمہارا سامنا کرتے ہوئے ڈرتا تھا“

نجم کی آنکھوں میں آنسو تیر گئے۔ آواز ٹکڑی ہو گئی۔ ”ہم نے سن لیا تھا کہ دھواں ناکام رہا اور تمہارا بازو کٹ گیا۔ ہم تمہارا انتظار کرتے رہے کہ سیدنا سے مل کر جلد لوٹ آؤ گے لیکن جب تم نہیں آئے تو ہم خود یہاں پہنچ گئے۔“

ابن حرب نے علاج کا بہانہ تراشا۔ ”مجھے سیدنا نے بنی کلب میں نہیں جانے دیا۔ ان کا خیال تھا یہاں بہتر علاج ہو سکے گا۔ مجھے بھی اس بات کا خدشا تھا کہ شاید تم یہ صدمہ برداشت نہ کر سکو“

”ہم نے تمہارے لیے اپنیوں کی جدائی برداشت کی، تو یہ صدمہ بھی برداشت کریں گے۔“

”نعمیں افسوس ہو گا کہ میں جسمانی طور پر بدبخت ہو گیا ہوں۔“

اس نے اپنے دل میں کھٹکتی ہوئی بات کینزوں کے سامنے کہہ دی اور شہزادی نجم ٹھہرے اُٹے لہجے میں بتانے لگی۔ ”تم ہمیں جس دنیا میں لے آئے ہو۔ وہ جنگ و جدل کی دنیا ہے۔ جنگ میں بہادر وں کو زخم بھی لگتے اور ان کے اعضاء بھی کٹتے ہیں۔ جو ان کی بہادری اور جنگی عظمت کا نشان بنتے ہیں۔ تمہارا کٹا ہوا بازو دیکھ کر ہمیں صدمہ ضرور ہوا لیکن دل میں تمہاری عزت اور عظمت پہلے سے بڑھ گئی ہے۔ تم نے یہ قربانی سیدنا کے لیے

نحریک کے لیے اور ہمارے لیے دی ہے۔“

ابن حرب اُس کی زبان سے یہ باتیں سن کر دنگ رہ گیا، ذہن سے مایوسی کی دھند پھٹنے لگی۔ وہ تو سمجھتا تھا کہ شہزادی نجم بریدہ بازو دیکھ کر سچا سچ اس کی جسمانی بدبختی کے بارے میں کیا کچھ سوچنے لگے۔ لیکن اُس نے کئے ہوئے بازو کو جنگی عظمت کی علامت قرار دیا اور حادثے کو قربانی سے تعبیر کیا تھا۔ ”مگر یہ قربانی کوئی نتیجہ برآمد نہیں کر سکی۔ میں دھاوے سے ناکام لوٹا اور بنی کلب کے بہادر میری ناکامی سے شکستہ خاطر ہوں گے۔“

شہزادی نجم نے اسے مزید حوصلہ دیا۔ ”وہ لوگ تمہاری جنگ جیتی اور بہادری پر آتش اُٹ کر رہے ہیں۔ انہیں پریشانی صرف تمہارے بازو کٹنے سے ہوئی اور سردار نعمان کو بھی اسی حادثے نے سہا دیا تھا۔ اگر تمہارا بازو کٹتا تو دجاوا سو فیصد کامیاب ہوتا۔“

”پھر بھی عزائی سواروں سے مقابلہ بڑا سخت تھا۔“

”ہم اس بات کو نہیں مانتے ابن حرب، پھر میں کتنی بھی زیادہ ہوں۔ ذرا کرنے والا ان سے خوف زدہ نہیں ہوتا۔“

ناکامی کے صدمے سے ابن حرب کے اندر اندھیرا ہی اندھیرا پھیل رہا تھا۔ لیکن نجم اللیل کے الفاظ نے اس اندھیرے میں روشنی کی شعاعیں بکھیر دیں اور اس کے قلب و ذہن میں دوبار اُجالا کر دیا۔ اب وہ پہلے سے بہتر سوچ سکتا تھا، کیوں کہ جب مایوسی کی تاریکی چھٹ جائے تو ذہن کام کرنے لگتا ہے۔ ”میں تمہارا ممنون ہوں نجم، تم نے میرے دل کو حوصلہ دیا۔“

”ابن حرب! ہم تمہیں لینے آئے ہیں۔ کل بنی کلب کی طرف واپسی ہوگی۔“

اچانک عقب سے آواز آئی۔ ”ابھی۔ ابن حرب! پس نہیں جانے گا، نہ ہم اس حالت میں سفر کی اجازت دے سکتے ہیں۔ تمہارے ٹٹنی کا علاج یہیں ہو گا۔“

نجم نے ہلٹ کر دیکھا تو دروازے پر آقا حسین کھڑا تھا۔ اس کے چہرے سردار نعمان اور عبداللہ کی نظر آئے کینزوں نے فوراً راستہ چھوڑ دیا اور عبداللہ ایک کراپتے آقا کے قدموں سے لپٹ گیا۔ شہزادی قرمطی شیخ سے کہنے لگی۔

”آقا حسین! ہم آپ کے فیصلے سے اختلاف نہیں کرتے لیکن اپنے شوہر کی خدمت ہمارا فرض ہے۔“

”پھر تم مجھ پر زہر میں رہو اور ہمارے جنموں کو رونق بخناتو“

اس نے بنایا کہ بروقت علاج نہ ہونے کی وجہ سے ابن حرب کے زخم میں زہر پھیل گیا تھا اور زہر جسم میں سرایت کر سکتا تھا لیکن طبیب نے بڑی محنت سے بگڑے ہوئے زخم پر قابو پایا اور زخم مندمل ہونے لگا ہے۔ اس حالت میں سفر کرنا یا علاج بدلنا درست نہیں جب تک ابن حرب صحت یاب نہیں ہو جاتا، یہیں رہے گا۔ علاوہ ازیں عراق میں امام یحییٰ ابو قاسم کو معاملے سے آگاہ کرنے کے لیے فاضل بیج دیا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ اسے اپنے پاس بلالیں، ہو سکتا ہے یہیں رہنے کا مشورہ دیں۔ اس لیے بنی کلب کی طرف واپسی کا فیصلہ فائدہ کی واپسی پر ہوگا پھر قرطبی شیخ نے شہزادی کو توجہ دلائی کہ وہ صحرائی قبیلوں کی حکمران ہے ابن حرب کی مدد موجودگی میں اسے خود سارے انتظامی امور سے گزرنا اور بادیہ نشیں جوانوں کو جنگ کے لیے تیار کرنا ہے کیوں کہ بنی قریب شاہی قافلے پر دھاوا دے کا بیج ظاہر ہوگا اور جماعت کو اس نتیجے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

وہ سمجھ رہی تھی شاید دھاوے کی ناکامی کے بعد معاملے کی صورت بدل جائے گی لیکن قرطبی شیخ کی باتوں نے اسے چونکا دیا کہ کہنے لگی ”آقا حسین! ہم خود کسی نتیجے کے منتظر اور جنگ کے لیے تیار ہیں۔ دنیا کی بعض خوف ناک جنگیں صحرا میں لڑی گئی ہیں اور ان پر ششہ قسمت صحراؤں سے انقلاب ایک بار پھر خونی آدمی کی شکل میں نمودار ہوگا۔“

”مر جا! آقا حسین نے تجھیں کہی۔“ یہ الفاظ لوح تاریخ پر لکھنے کے قابل ہیں۔
”بعض لوگ اپنی تاریخ خود کھواتے ہیں لیکن ہماری تاریخ ایک زمانہ کھکے گا۔“
یوں لگتا تھا کہ نجم کے پیکر میں مکہ صحرا کی روح بول رہی ہو۔ قرطبی شیخ نے ایک بار پھر کلمہ تجسیم بلند کیا اور کہا ”پھر صحرائی قبائل کو ہمارا پیغام سنا دو کہ تاریخ کے اوراق ان کے کارناموں کے منتظر ہیں۔“

”وہ کارنامے صحرائی قبائل اپنے نیزے کی آبی اور تلوار کی نوک سے لکھیں گے۔ ہمارا ستارا صحرا کے آفتاب سے نمودار ہوا ہے اور وہی قبائل کو آزاوی کی روشنی دکھائے گا لیکن بنی کلب کی طرف واپس جانے سے قبل ہم آپ کی دعوت پر دو چار دن یہیں رہیں گے اور اپنے شوہر کی دیکھ بھال کریں گے۔“

شہزادی نجم کی گفتگو اور پرجوش الفاظ نے جنھیں اس نے بڑے طریقے سے استعمال

کیا تھا سننے والوں کے جنموں میں سستی دوڑادی تھی۔ ابن حرب کے دل میں ایک نئی روشنی بھونکی تھی۔ آقا حسین کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔ اس نے نجم ایل کے قیام کرنے پر مسرت کا اظہار کیا اور ابن حرب کی بیماری کے باوجود خیمے کی فضا خوش گوار رہ گئی۔ اب ابن حرب کو عبد اللہ کا خیال آیا۔ اسے اپنے قدموں بے اٹھایا اور پوچھا۔

”اپنے قیدی کو کس کے حوالے کر آیا ہے؟“

حارث جب سے گرفتار ہوا۔ مسلسل عبد اللہ کی تحویل اور اسی کی نگرانی میں تھا۔ اس نے بتایا۔ ”میرے بعد ونگا اس کی نگرانی کر رہا ہے آقا لیکن وہ اس قدر کمزور ہو چکا ہے کہ میں ڈرنا ہوں، کہیں سسک سسک کر مر نہ جائے۔“
”زندگی کے عذاب سے چھوٹ جائے گا۔“

عنبر جبران تھی کہ اس حالت میں بھی اس کا دل رحم سے خالی تھا۔ آقا حسین نے کہا۔ ”ہم نے حارث کا رویا سنا اور استخارہ کیا تھا اس کا رویا خود ساختہ ہے۔ وہ ان آدمیوں میں سے نہیں جو اپنے عقیدے اور وفاداریاں تبدیل کرتے ہیں۔“
عنبر پر ایک اور حیرت گذر گئی، یہی جواب وہ ابن حرب کی زبان سے سن چکی تھی۔



سلطان خمار بیہ البویش یہ خبر سن کر مارے حیرت کے گم صم ہو گیا کہ جب شاہی قافلہ مہر کی سرحد سے نکل کر شام و فلسطین کے علاقے میں داخل ہوا تو اس پر کسی سیاہ پوش قبیلے نے حملہ کر دیا۔ حملہ آور صحرائی لیڈرے نہیں بلکہ آقا حسین کے پیچھے ہوئے صحرائی لشکری قحطے جنھوں نے شہزادی قطر الندی کی سائڈنی کوئل سمیت اغوا کرنے کی کوشش کی۔

یہ جبر حاکم القدس نے اپنے خاص ایلچی کے ذریعے بھیجی تھی اس کا حیرت انگیز اور سنی خیر پہلو یہ تھا کہ سیاہ پوش صحرائی لشکر کا سرغنہ منذر ابن حرب الکندی تھا جسے میر قافلہ ابو الحسن قاسم اور سالار شیل نے پہچان لیا۔ ابن حرب نے شاہی سائڈنی کی تکمیل پکڑ لی اور اسے جگالے جانا چاہتا تھا کہ شیل نے اس کا بازو کاٹ کر پھینک دیا اور وہ اپنے لشکر سمیت فرار ہو گیا۔

خمار بیہ کو بڑے معتبر ذریعے سے شہادت ملی تھی کہ ابن حرب قیردان میں دیکھا گیا ہے مگر شہزادی قطر الندی کی رخصتی کے وقت اس کا شام کے علاقے میں موجود ہونا اور صحرائی لشکر کے

بنا کرنے والا وہی تھا)

خارویہ جو پیش نے بنایا کہ اُسے یہ خبر حاکم القدس کے ذریعے مل چکی ہے اور ابن حرب جو اپنے ایک بازو سے محروم ہو چکا۔ حمرانی منکر حمیت کہیں جنوب کی طرف فرار ہوا ہے۔ پھر اُس نے اپنا مکہ معاطے کا ایک نیا رخ پیش کر دیا۔

"سلیمان اقم نے آقا حسین کے بارے میں ہمیں معلومات فراہم کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ وہ ابن حرب سے زیادہ اہم آدمی ہے اور اب ہمیں ہر قیمت پر اس فتنہ پر دوزخ الجامعہ کا کھوج مطلب ہے۔"

آقا حسین کے متعلق ایسے ناروا اور توہین آمیز الفاظ سن کر فلسطینی سرانے دار کو اپنے بھائی جیو کا رگاس نے دل ہی دل میں خارویہ کو گالی دی لیکن اپنے چہرے سے کسی ناخوشگوار اثر کا اظہار نہیں ہونے دیا اور بظاہر مغدلت کے لمحے میں بولا۔

"سلطان عالی میں نے اپنی طرف سے بہت کوشش کی لیکن اس نام کے کسی شیخ کا پتا نہیں چل سکا۔ حضور نے فرمایا ہے کہ وہ کسی صحرائی قبیلے کا شیخ ہے اور صحرائی شہر دن اور کاروں سڑکوں کا رخ نہیں کرتے؟"

"سلیمان! کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ ماضی میں تم بغداد کے شاہی حلوں میں ہونے والی خفیہ باتیں ہمارے گوش گزار کرتے رہے ہو اور بعد ازاں وہ باتیں صدی صدی درست ثابت ہوتی رہی ہیں لیکن ایک باغی و راغی شیخ الجامعہ کے متعلق ابھی تک کچھ معلوم نہیں کر سکے جو ہمارے خلاف دشمنی کا اظہار کر چکا ہے۔ خدا کی اہل جڑوسی ہے۔ ابن حرب کا صرف بازو مل ہے لیکن ہم آقا حسین کا سر کاٹنا اور اسے شہر کی فیصل پر آویزاں کرنا چاہتے ہیں؟"

سلیمان بن عامر کے ذہن کو پھر جھجکا لگا اور دل ہی دل میں خارویہ پر پھر لعنت پڑھی مگر اپنے دلی جذبات کو مصلحت کے خلاف میں لپٹ کر کہنے لگا۔ "آقا حسین ابھی پردہ اخفا میں ہے لیکن میں ایک بار پھر اس کا کھوج لگانے کی کوشش کروں گا۔"

خارویہ نے توجہ دلائی۔ "تمہیں ایک سیاہ پوش صحرائی قبیلے کو دھیان میں رکھنا ہے وہ لوگ سیاہ لباس پہنتے اور مصر و شام کے درمیان جنوب کی طرف رہتے ہیں۔"

سرانے دار نے اُس کی بات توجہ سے سنی۔ وہ جانتا تھا شام کے صحراؤں میں کوئی سیاہ پوش قبیلہ نہیں رہتا۔ دھارے کے وقت بنی کلب کے آدمیوں کو معلوم کیا کہ پڑے

کر تافلے پر حملہ کرنا انتہائی غیر معمولی واقعہ تھا۔ اس سے قبل آقا حسین نے شیخ الجامعہ کی حیثیت سے شہزادی کی رخصتی روک دینے بلکہ خلیفہ محقق سے اس کا عقد فسخ کر دینے کی (مگکی دی تھی اور حملے کی صورت میں اس نے اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنا دیا تھا۔ گویا شیخ الجامعہ آقا حسین کوئی "خیالی وجود" نہ تھا، جس نے عن قرب غور میں آئے کا دعویٰ کیا بلکہ ابن حرب جیسا تجربہ کار جنگی مرد اس کے لشکر کا سرغنہ تھا۔

اس کے ساتھ سیاہ پوش صحرائی قبیلے کا معاملہ بھی بڑا اہم اور قابل غور تھا جو اطلاع کے مطابق جنوب کی طرف فرار ہوا اور اپنے مڑے نمک ساتھ لے گیا تھا۔ اس نے اپنے پیچھے کئی ایسا نشان نہیں چھوڑا تھا جس سے اُس کا تصور لگایا جاسکتا تھا۔ وہ مصر و شام کے درمیان کہیں جنوب میں رہتا ہو گا۔ اس بھیاںک اطلاع کے ملتے ہی خارویہ نے شہزادہ شیبان کو ہدایت کی کہ اس سیاہ پوش قبیلے کی تلاش میں خفیہ آدمی بھیجے جائیں جو آقا حسین کا قبیلہ ہے۔ محکمہ خفیہ براہ راست شہزادہ شیبان کے ماتحت تھا۔ خارویہ سوچ رہا تھا کہ سیاہ پوش قبیلہ کہیں فاطمیوں کا عقیدت مند اور مددوی تحریک سے تعلق نہ رکھتا ہو۔ مصر و شام کے علاقے میں کسی ایسے قبیلے کا وجود جزو خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ خفیہ کارندے بھیجے گا مقصد یہ تھا کہ قبیلے کا ممکن معلوم کر لیا جائے۔ پھر اچانک حملہ کر کے قبیلے کے ساتھ شیخ الجامعہ کو بھی ہنس کر دیا جائے۔ خارویہ کے نزدیک شاہی فافلے پر یلنا اور ابن حرب کی اس علاقے میں موجودگی کسی بہت بڑے خطرے کی تمہید تھی۔ اس نے ایک بار پھر عیش کے سرانے دار سلیمان بن عامر کو طلب کرنے کا ارادہ کیا لیکن عجیب اتفاق یہ ہوا کہ سلیمان ان خود الفطائع میں پہنچ گیا اور سلطان سے ملاقات کا طلب گار ہوا۔ وہ شہزادی قطر الندی کے فافلے پر حملے کی خبر لے کر آیا اور اس بات پر بڑا پریشان تھا کہ حملہ کرنے والے لشکر کا سرغنہ ابن حرب تھا، حالانکہ سنا گیا تھا وہ قیردان کی طرف چلا گیا ہے۔

سلیمان کے بقول فافلے پر حملے کی خبر ایک مسافر سے معلوم ہوئی تھی، جس نے ایک رات عیش کی کاواں سرانے میں قیام کیا اور اب سرانے دار سلطان خارویہ کو اس بات سے آگاہ کرنے خود بھاگا آیا تھا کہ ابن حرب مغرب کی جانب ہیں گیا بلکہ مشرق ہی میں کہیں موجود ہے چنانکہ سرانے دار نے یہ افسوس ناک واقعہ اس طرح بیان کیا جیسا اسے فافلے پر حملے اور شہزادی قطر الندی بنت سلطان کو اغوا کرنے کی خبر سن کر گہرا صدمہ ہوا (حالانکہ اس حملے کا منصوبہ

جعفر بخومی الفطاح کے شاہی محل میں داخل ہوا تو کمرہ خاص میں پہلے کی طرح صرف دو افراد اس کے منتظر تھے۔ سلطان خمارویہ ابو جیش اور مستقبل میں اس کا تیسرا جانشین شہزادہ ششیان، اپنی طوروں کے زوال کی پیش گوئی صرف دونوں بھائیوں تک محدود تھی اور وہی دونوں خاندان کو اُسے والی تباہی سے بچانے میں کوشاں تھے۔

جعفر بخومی کو اس افسوس ناک واقعے کا علم نہیں تھا جس پر شہزادے کے لیے اسے طلب کیا گیا۔ شہزادی قطر الندی کے قافلے پر حملے کی خبر عام نہیں کی گئی تھی۔ جب خمارویہ نے واقعے سے آگاہ کیا۔ جعفر حیران رہ گیا۔ جب سنا کہ صحرائی لشکر کا سرغنہ ابن حرب اکندی تھا تو مارے حیرت کے یوں اُچھلا، جیسے فرش نے اُسے اُچھال دیا ہو پھر اپنے آپ کو سنبھالا۔

”غلام ابن حرب کو اچھی طرح جانتا ہے۔ جب وہ بغداد میں تھا میں نے اُس کے متعلق پیش گوئی کی تھی کہ اُسے وہاں سے بھاگنا پڑے گا بلکہ فرار کی ترغیب بھی دینی تھی مگر وہ مجھے خطیلی اور بدحواس آدمی سمجھتا تھا، آخر.....“

شہزادہ ششیان نے اُس کی بات کاٹ دی۔ ”آخر ابن حرب کا جرم کیا تھا، جس پر اُس کی گرفتاری کا حکم صادر ہوا؟“

”شہزادہ عالیٰ ابھی کبھی جرم کوئی کرتا اور سزا کسی اور کو بھگتنا پڑتی ہے“ جعفر نے وضاحت کی۔ ”ابن حرب نے کوئی جرم نہیں کیا تھا مگر حالات نے اُسے شکوک و شبہات کی بربط میں باندھ دیا اور وہ بھی رسیوں میں بندھا بغداد سے بھاگ نکلا۔ میں تو کون کا تقدیر اُسے اتھ سے پکڑ کر کھینچ لائی۔ درہ بغداد کے زندان میں ایڑیاں رگڑتا مرنے لگا۔“

ششیان نے اُس کی معلومات میں کچھ اور اضافہ کر دیا۔ ”اگر تقدیر اُسے بائیں ہاتھ سے پکڑ کر کھینچ لائی تھی تو خلیفہ معتقد کے غلام شبل نے اس کا بایاں ہاتھ کھینچا، کاش کہ پھینک دیا ہے اور وہ ایک بازو سے محروم ہو چکا ہے۔“

جعفر نے ہوا میں اٹھکی گھائی اور کہا۔ ”مجھے شبل کا مستقبل تاریک نظر آتا ہے۔“

یہ بات دونوں بھائیوں کی توقع کے برعکس ہوئی تھی۔ حیرت سے جعفر کی طرف دیکھا اور خمارویہ کہنے لگا۔ ”شبل نے شہزادی قطر الندی کی حفاظت کا فرض ادا کیا ہے۔ اس کا مستقبل روشن ہونا چاہیے۔“

”سلطان ذی شان ایش نے پہلے ہی کہہ دیا تھا۔ شہزادی قطر الندی اور خلیفہ معتقد کا

پہنائے گئے تھے۔ درہ باد یہ نشین عورتیں اگر رنگ دار لباس پہنتی تھیں تو مرد عموماً نیسے یا سیاہی غما سے یاد دہاری درجے استعمال کرتے تھے۔ خمارویہ نے یہ بھی بتایا کہ سیاہ پوش صحرائی قبیلے کی تلاش میں کچھ خفیہ کارندے شام کے جنوبی قبائل کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ سلیمان اپنے ذرا لڑے ان کے ساتھ تعدادوں کرے اور خود بھی آقا حسین کے قبیلے کا سرانٹا لگانے کے لیے سرگرم عمل ہو جائے۔ سلیمان بن حاکم کو یہ اہم بات معلوم ہوئی تھی کہ مصری کار خاص کے کچھ آدمی مطلوبہ قبیلے کا کھوج لگانے کی خاطر شام کی طرف روانہ ہو چکے ہیں۔

اُس نے سلطان کو ایک بار پھر اپنے تعدادوں کا یقین دلایا اور اجازت کے کر شاہی محل سے نکلا۔ اب اسے ایش کی طرف واپسی کی جلدی تھی تاکہ نئی کلب کو خفیہ کارندوں کی اطلاع بھجوا سکے۔

بنت سلطان کے قافلے پر حملہ کر کے پراسرار شیخ الجماعہ نے ناقابل یقین جرأت یاد دہانہ دلیری کا مظاہرہ کیا تھا جس نے خمارویہ اور ششیان دونوں بھائیوں کو درمیان حیرت میں ڈال دیا۔ حملے کی خبر اپنی طوروں اور چند ایمان سلطنت تک بھی پہنچ چکی تھی۔ بعض لوگوں کے نزدیک یہ قزاقی کی واردات تھی۔ ابن حرب نے جو بغداد سے بھاگ آیا تھا، صحرائی لیٹروں کے ساتھ مل کر شہزادی قطر الندی کے جیز میں دی جانے والی دولت لٹیکے کی کوشش کی تھی جسے محافظ سواروں نے ناکام بنا دیا لیکن واردات کی اصل حقیقت سے خمارویہ اور ششیان بخومی آگاہ تھے اور درپردہ حملہ آور قبیلے کی تلاش شروع ہو گئی تھی تاکہ آقا حسین کو اس کے اقدام کی قزاقی سزا دی جاسکے۔

شاہی قافلے پر حملہ اگرچہ ناکام ہو گیا لیکن خمارویہ کے ذہن میں جعفر بخومی کے الفاظ کسی صحرائی بگڑے کی طرح گردش کرنے لگے جس نے آقا حسین کی تحریر سے اُس کے کھنسنے والے کی طاقت کو جانچ لیا تھا۔ فی الواقع مصر و عراق کے مشترکہ قافلے پر حملہ کوئی معمولی بات نہ تھی یقیناً وہ کوئی عقیدہ پرست مجنون یا کوئی طاقت ور آدمی تھا۔ اس خیال کے آنے ہی طولانی حکمران جعفر سے بات چیت کی ضرورت محسوس کرنے لگا جس نے کسی خوف و خطر کے بغیر اپنے علم کے مطابق ہمیشہ حقیقت کا اظہار کیا تھا اور درست مشورے دیے تھے۔ فسطاط میں پرانے قلعے کے قریب اس کے لیے ایک رصد گاہ تعمیر کرائی جا رہی تھی تاکہ وہ آسمانوں کی کتاب اسرار کا مطالعہ کر کے مستقبل کے متعلق معلومات فراہم کرتا رہے۔

سے تعلق رکھتا ہے، تو اس کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی شام کے دوسرے صحنائی قبائل کو آپ سے برگشتہ کر دے گی۔
 ”مگر تم کہتے ہو اس قبیلے کی تلاش بے سود ہے۔ ہمارے آدمی زندہ واپس نہیں آئیں گے۔“

”یہ میں نہیں کہتا عالی جاہ! خیرہ کہتا ہے۔“ اس نے پانسے کی طرف اشارہ کیا۔
 ”تجوم دو اکب کیا کہتے ہیں؟“

”میں حضور کو پہنچے بھی بتا چکا ہوں کہ طرلونی حکمت ستاروں کے نفس اشرار کی زد میں ہے اور ابھی ان کی گردش ختم نہیں ہوئی۔ آپ کو ہر معاملے میں احتیاط لازم ہے۔ شہزادی قطر الندی اور خلیفہ معتقد کی شادی طرلونی ریاست کے قانونی نیام کی بنیاد ضرور بنی ہے لیکن اس بنیاد کو دھانے والے بھی بنی عباس کے آدمی ہوں گے اور وہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے، جب تک مصر و شام کو عباسی سلطنت میں ضم نہیں کر لیتے۔“

”مگر تم نہیں بتا چکے ہو کہ خلیفہ معتقد سے طرلونی ریاست کو کوئی خطرہ نہیں۔“
 ”بے شک خلیفہ معتقد معاہدے کی پاسداری کرے گا لیکن اس کے باقی بنی طرلون کے لیے خطرہ بننے والے ہیں۔ اگر میرا تیس غلط نہیں تو معتقد کے ولی عہد کو بعض امور میں اپنے باپ سے اختلاف ہے۔ شاید وہ مسند حکومت پر بیٹھنے کے بعد مصر کے ساتھ معاہدہ دوستی کی پروا نہ کرے۔ حکمت اور سیاست بھی کہتی ہے کہ آپ شامی قبائل کو اپنا دوست بنائے رکھیں جو بنی طرلون کے کام آئیں گے۔“

خمارویہ نے اس کی باتیں بڑی توجہ سے سُنیں۔ یہ امور مستقبل میں پیش آنے والے تھے، کچھ سوچ کر کہنے لگا۔

”ہم ان معاملات کو سمجھتے ہیں، جن کی طرف تم نے اشارہ کیا ہے لیکن جس طرح زمین اپنے مدار پر گردش کرتی اور ستاروں کی چال زمین پر اثر انداز ہوتی ہے، اسی طرح حکمرانی کے بھی کچھ اصول اور قواعد ہیں اور ان اصولوں کے مطابق حملہ آور قبیلے کا سراغ لگانا اور اسے سزا دینا ہمارا فرض ہے لیکن تمہارے نزدیک یہ اقدام خطرناک ہو سکتا ہے۔“

جعفر بخوی نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔
 ”بے شک اصول حکمرانی یہی ہے کہ مکرش اور باغی کو سزا دی جائے مگر سیاسی حکمت

عقد اسمانوں پر ہو چکا ہے۔ اب زمین پر کوئی طاقت اسے مسخ نہیں کر سکتی۔ ابن حرب دس گنا لشکر لے کر آتا تو بھی ناکام لوٹتا لیکن بعض معاملے نقدیر کے الجھا دے بن جاتے ہیں اور مشعل کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔“

خمارویہ کو مشعل کے مستقبل کی بجائے بنی طرلون کے مستقبل کی فکر تھی۔ اس کا ذکر چھوڑ کر اصل معاملے کی طرف آیا۔ ”حملہ آور قبیلے کا تعلق آقا حسین سے تھا لیکن فرار کے وقت اس نے اپنا کوئی نشان نہیں چھوڑا۔ ہم نے اس قبیلے کا سراغ لگانے کے لیے کچھ آدمی روانہ کیے ہیں۔ اب صرف یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ اس مہم کا انجام کیا ہوگا؟“
 جعفر بخوی نے خمارویہ کے الفاظ پر غور کیا پانسان کال کر پھینکا اور جواب دیا۔ ”کوئی آدمی زندہ واپس نہیں آئے گا۔“

دونوں بھائی دم بخود رہ گئے۔ جعفر کے الفاظ نہ ہوں پر بجلی بن کر گرے تھے۔ ”سبب کے بغیر کوئی واقعہ ظہور میں نہیں آتا جس قبیلے نے تانے پر حملہ کیا، اس کا تعلق بے شک آقا حسین سے ہوگا لیکن وہ شام کا کوئی صحرائی قبیلہ ہے اور شامی قبائل جنہوں نے بنی عباس کے خلاف طرلونی ریاست قائم کرنے میں آپ کے والد گرامی احمد بن طرلون کا ساتھ دیا، مصر اور عراق کے نئے تعلق پر خوش نہیں ہوں گے۔ سیاسی طور پر یہ بغداد سے دوستی کے خلاف ناراضگی کا اظہار بھی ہو سکتا ہے اگر آپ شامی قبائل کو مطمئن نہیں کریں گے، تو شام ہاتھ سے نکل جائے گا۔ اب آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ شامی تانے پر ہونے والے حملے کا بنی طرلون کے آنے والے دنوں سے کوئی تعلق ہے یا نہیں۔“

جعفر بخوی نے حالات کی جو تصویر پیش کی۔ اس کا ہر نقش دوسرے نقش سے ملا ہوا تھا جیسے زنجیر کی ایک کڑی دوسری کڑی سے باہم ملی رہتی ہے۔ خمارویہ کے نزدیک بھی یہ اندیشہ بے جا نہ تھا کہ شامی قبائل جیسے بنی عباس سے خدا واسطے کا بغض رہا ہے بغداد سے دوستی کا معاہدہ بخوشی قبول نہیں کریں گے لیکن سیاست کے علاوہ یہ معاملہ انتظامی امور سے بھی تعلق رکھتا تھا۔ شامی قبائل پر حملہ طرلونی ریاست کے اندر مہلکا اگر حملہ آور قبیلے کو شمالی مذکر گئی تو حکومت کو کمزور سمجھ کر دوسرے قبیلے بھی سرکشی پر اتر آئیں گے۔ اس نے یہی خیال جعفر کے سامنے پیش کیا مگر جعفر نے کہا۔

”اس صورت میں آپ کو ہر قدم سوچ کر اٹھانا ہوگا۔ اگر حملہ آور قبیلہ شام سے

بہتر ہوگا۔



شہزادی نجم امیل نے چاریم آقا حسین کے صحرائی مسکن میں گزار دیے۔ اور ابن حرب کو نیا حوصلہ دیا۔ اس کا زخم مندمل ہو رہا تھا اور دل میں نئے دوسرے جاگ اٹھے تھے۔ اب نجم کو نئی کلب میں واپس جانا اور صحرائی قبائل کو جنگ کے لیے تیار کرنا تھا۔

نجم کی روانگی میں ایک رات باقی تھی کہ ابن حرب نے اُسے ایک نیا مشورہ دیا: ”یہں چاہتا ہوں تم دمنہ کو ساتھ لے جاؤ اور اپنی خاص کینز بناؤ۔ وہ بادیہ نشین قبائل کی عادات اور ان کے رسم و رواج کو خوب سمجھتی ہے۔ ان کی سرگرمیوں اور دل چسپیوں سے آگاہ رکھے گی اور تمہاری مدد کا ثبوت ہوگی۔“

شہزادی نجم تعجب کے لمحے میں بری: ”لیکن دمنہ تو آنا حسین کی خاص کینز ہے۔“

”تم سیدنا سے کہو گی، تو وہ دمنہ کو انھیں سونپ دیں گے۔ ان کا اپنا خیال بھی یہی ہے کہ صحرائی قبائل کے متعلق انھیں صحیح معلومات ملنا چاہئیں اور دمنہ یہ کام بہتر طور پر کر سکتی ہے۔“

اگرچہ دمنہ نے عربوں کی کاروائیوں میں ابن حرب سے یہی وعدہ لیا تھا کہ وہ اُسے شہزادی کی خاص کینز بنا دے گا، تاہم نجم خود بھی ایک ایسی کینز کی ضرورت محسوس کرتی تھی، جو اُسے صحرائی قبیلوں کی عادات اور رسومات سے آگاہ رکھے تاکہ وہ صحرائی دستور کے مطابق قبائلی سرداروں سے معاملات طے کر سکے۔ جب ابن حرب نے بتایا کہ صحرائی زندگی میں دمنہ اس کی ضرورت ہے تو اسی رات شہزادی نجم نے آنا حسین سے بات کی اور اُس نے دمنہ کو نہ صرف شہزادی کے سپرد کر دیا بلکہ اس کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی۔

دمنہ کو معلوم ہوا کہ وہ شہزادی نجم امیل کے نام پر سرکردی لگی ہے اور اُس کے ساتھ نئی کلب میں جائے گی، تو بے حد خوش ہوئی تاہم ابن حرب سے علاحدگی کا قبیل پریشان کن تھا۔ عبداللہ کا خیال تھا کہ وہ بھی اپنے آقا کی خدمت کے لیے وہیں رہ جائے لیکن ابن حرب نے توجہ دلائی کہ جارت ایک خطرناک قبیلہ ہے اور اس کی صحیح نگرانی دہی کر سکتا ہے عبداللہ کو اپنے آقا کا حکم تسلیم کرنا پڑا اور نئی کلب میں واپس جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ واپسی پر قافلے میں ایک نئے عمل کا اضافہ ہو گیا تھا، جس میں دمنہ سوار تھی۔ آنا حسین کے مسکن اور نئی کلب کے درمیان

کا تقاضا کچھ اور ہے جملہ ضرورتوں کی حکومت کے اندر ہونا ہے لیکن اس کا اصل نشانہ عذاتی فکر تھا، آنا حسین کا دعویٰ خلیفہ معتقد کے خلاف ہے، ابن حرب بھی اسی کی آگ میں جل رہا ہے۔ نجم کی آنکھ نے ان دونوں کو معتقد کے خلاف سرگرم علی دیکھا۔ اس لیے بہتر یہی ہوگا کہ آپ خلیفہ کو اُس قبیلے کا سراغ لگانے اور اس پر حملہ کرنے کا موقع دیں اور خود انکے تھلگ رہیں۔“

خمارویہ نے جعفر نجومی کی سیاسی حکمت پر غور کیا اور کہا: ”لیکن ہمارے نزدیک وہ قیدیہ شام کے بادیہ نشین قبائل میں سے ایک ہے اور خلیفہ معتقد کسی شاہی قبیلے پر حملہ نہیں کرے گا۔“

”ممکن ہے وہ قبیلہ جس کی حضور کو بھی تلاش ہے اور جو حملے کے بعد حزب کی طرف اٹکل گیا تھا۔ طونوی عملداری سے باہر کہیں حجر کے علاقے میں رہتا ہو اور حجر کا علاقہ عباسیہ کے زیر انتظام ہے۔“

پھر پیل درپیل خاموش رہنے کے بعد کہنے لگا: ”عالی جاہ آنا حسین کی طاقت صرف ایک قبیلے پر منحصر نہیں بلکہ علم جعفر اور علم نجوم دونوں کی رو سے اس کے پیچھے قبائل کی طاقت کھڑی ہے ورنہ کوئی ایک قبیلہ عذاتی لشکر پر حملے کی جرأت نہیں کر سکتا، آپ دو حرفیوں کو باہم ٹکرائیں اور اپنی سکری طاقت کو اُن کے والے دلوں کے لیے محفوظ رکھیں۔“

جعفر نجومی کا مشورہ سیاسی مصلحت اور دوراندیشی پر مبنی تھا، جسے دونوں بھائیوں نے پسند کیا۔ عقل مند آدمی اپنی طاقت برے دلوں کے لیے بچا کر رکھتا ہے اور اُسے جذبات میں آکر ضائع نہیں کرتا۔ خمارویہ نے خود بھی یہی سوچا تھا کہ جماعت کا شیخ آنا حسین یا تو کوئی مذہبی دیوانہ ہے یا پھر اس کی طاقت انداز سے سے کہیں زیادہ ہے جعفر نے اس کی طاقت کا نقشہ کھینچا اور واقعات کی ایک تصویر پیش کر کے یہ فیصلہ اس پر چھوڑ دیا تھا کہ شہزادی قافلے پر حملے یا آنا حسین کے معاملے کا بنی طولوں کے اُن کے والے دونوں سے کوئی تعلق ہے یا نہیں؟ جعفر نجومی کی گفتگو سے ظاہر ہوتا تھا، حملہ کوئی معمولی واقعہ نہیں بلکہ اس کے نتائج بڑے بھیانک ہو سکتے ہیں اور طونوی حکومت کو اس بھیانک نتائج میں شریک نہیں ہونا چاہیے۔

اب خمارویہ کا اپنا فیصلہ بھی یہی تھا کہ جعفر کی بات میں وزن ہے اور اس پر عمل کرنا

اس بات پر ہے کہ حارث ڈنگا کو قتل کر کے خیمے سے نکلا پھر قبیلے سے نکلا اور پہرہ داروں کو بھی نظر نہ آسکا۔ جو کچھ دونوں نے خصوصی نگرانی پر مقرر کیے گئے ہیں۔ پہرے دار ساری رات جاگتے اور دھڑکیوں میں منقسم ہو کر فرلانگ ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے سے بستی کے گرد گھومتے رہتے ہیں۔ حارث انہیں بھی چمکا دے کہ نکل گیا۔ ڈنگا کی لاشیں طلوع شمس کے کچھ عرصہ بعد دیکھی گئی تھیں اور میرے اندازے کے مطابق حارث کو فرار ہوئے زیادہ سے زیادہ دو پہر گزرے ہوں گے۔ وہ اس عرصے میں کسی محفوظ مقام تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ دن کے اُجالے میں اُس کے قدموں کے مدھم نشان بھی دیکھ لیے گئے۔ میں نے دو کھجوروں کے ہمراہ چند شتر سوار اُس کے تعاقب میں بھیج دیے کہ اُسے زندہ یا مرنے والی حالت میں واپس لے آئیں لیکن تمام کے وقت کھجوری اور شتر سوار ناکام واپس آ گئے۔

حارث بڑا کمزور ہو چکا تھا۔ وہ نہ بھاگ سکتا، نہ زیادہ چل سکتا تھا۔ دن کے پچھلے پہر تک اس نے مشکل سولہ سترہ میل کا سفر کیا، ہوگا۔ شتر سوار اسے پچیس پچیس، تیس تیس میل تک دھونڈ آئے لیکن کہیں اس کا نام و نشان تک نہ مل سکا۔ بستی سے وہ مغرب کی جانب فرار ہوا تھا اور صرف تین چار میل کے بعد اس کے قدموں کا کھوج مٹ گیا۔ بحری کے وقت چلنے والی تیرہ ہولانے نقوش پامنا دے تھے۔ شتر سوار اسے تلاش کرتے "حارث اثار و اھیف" تک چلے گئے۔ انھوں نے وہ تمام جگہیں کھوند ڈالیں جہاں کسی مفور کے چھپنے کا امکان ہو سکتا تھا مگر حارث تو جیسے طلسمی لڑی ہیں کہ غائب ہوا تھا کہیں دکھائی نہ دے سکا۔

ظاہر ہے بادِ شام کے حاشیے سے نکل کر وہ حجر کے علاقے میں داخل ہوا اور وہاں سے چھوٹے سینا کو ہولیا یا غزہ کی جانب گیا ہوگا۔ سینائی کے دشوار گزار پہاڑی اور صحرائی علاقے کو عبور کرنا اس کی طاقت سے بعید ہے۔ لازماً وہ غزہ کی طرف نکلا ہوگا۔ میں نے اسی شام ایک تیز رفتار سوارٹنی سوار عربیہ کی جانب دوڑایا کہ سلیمان بن عامر کو صورت حال سے آگاہ کر دے اور بتائے کہ حارث کا مصر پہنچنا خطرناک ہوگا۔ وہ اتنا طاعن سے شہزادی خیم لیل کے فرار ہوتی کلب میں نامد اور عقد کے بارے میں سب کچھ جانتا بلکہ بنی کلب کا محل وقوع بھی دیکھ چکا ہے۔ اگر القحطانیہ میں پہنچ گیا، تو طو لوئی لشکر بنی کلب کو کسی وقت بھی گھیر لیں گے لہذا اسے مصر نہیں پہنچنا چاہیے۔ حارث نہیں جانتا کہ سلیمان بن عامر یا عربیہ کی کارواں سرائے کا جات سے کوئی تعلق ہے۔ یہ گوشہ ابھی تک اس سے اوجھل ہے۔ اس لیے ممکن ہے یہاں سے بھاگ

صرف ایک یوم کی مسافت تھی۔ وہ عزوب آفتاب سے قبل صحرائی بستی میں پہنچ گئے۔ وہاں ایک اور حادثہ ان کا منتظر تھا۔ شہزادی خیم، دمزد اور خیم کے ہمراہ بڑے خیمے میں چلی گئی تو شہزاد خیم کے نائب نے بتایا کہ وہ قیدی کی حفاظت نہیں کر سکا۔

سردار خیم نے حیرت سے پوچھا۔ "کیا وہ چل بسا؟"

حارث بے حد کمزور ہو گیا تھا۔ سردار خیم کے ساتھ عبداللہ بھی ہی کچھا کہ قیدی مر گیا ہے لیکن نائب نے جو اطلاع دی اس نے دونوں پر حیرت کا مسکنہ طاری کر دیا۔ "وہ بھاگ گیا ہے۔"

یہ خیم پہلی اطلاع سے زیادہ لرزہ خیز تھی۔ سردار خیم چیخ اٹھا۔ "حارث بھاگ گیا اور ڈنگا سوتا رہا۔"

"اُس نے ڈنگا کو قتل کر دیا۔"

یہ ایک اور اچنبھا تھا۔ حارث جیسے خیف و لاغز آدمی کا جو موت کی گھڑیاں گن رہا تھا ڈنگا جیسے تو مند جیشی غلام کو ہلاک کر کے فرار ہونا ایک ناقابل یقین واقعہ تھا، جس سے سردار خیم اور عبداللہ دونوں کو دم بخود کر دیا۔ سردار کا نائب بنانے لگا۔

"یہ پرسوں کا واقعہ ہے۔ جب خادم صبح کا ناستہ کئے کہ عبداللہ کے خیمے میں گیا جہاں حارث قید تھا، تو ڈنگا اپنے کمرے میں نہیں تھا۔ اُس نے ڈنگا کو آواز دی لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ قیدی کے کمرے میں جھانکا تو وہاں ڈنگا کی لاش خون میں لت پت نظر آئی۔ بطور دسلاں، جن میں حارث جھکڑا رہا تھا ایک طرف پڑے تھے اور وہ خود غائب تھا۔ خادم بدحواسی کے عالم میں بھاگا بھاگا میرے پاس آیا اور ڈنگا کی ہلاکت کے ساتھ قیدی کے فرار کی اطلاع دی۔ میں نے جاکر دیکھا تو بڑا بے بسیاںک منظر تھا۔ ڈنگا کی شہرہ رگ کٹی ہوئی تھی اور خون سے اس کا جسم اور فرش اس طرح لٹخا ہوا تھا جیسے کوئی اونٹ ذبح کیا گیا ہو۔ ڈنگا کی شہرہ رگ کسی نیزہ و قاتل خنجر سے کاٹی گئی تھی۔ جیشی غلام کا کام تمام کر دینے کے بعد حارث نے اس کی جیب سے طوق اور بڑی کئی کئی نکال ہوگی اور قفل کھول کر زنجیروں سے آزار ہوا ہوگا پھر نجانے وہ کس وقت خیمے سے نکلا اور فرار ہو گیا۔

قبیلے کے حکیم نے لاشیں دیکھی اور اندازہ لگایا کہ یہ بھی ایک سانحہ نصف رات کے بعد پیش آیا، جب سب لوگ سو رہے تھے اسی لیے کسی نے کوئی اہمٹ وغیرہ نہیں سنی حیرت

انہیں نے بھی اس کی تصدیق کی اور حارث کے رویا کو خود ساختہ قرار دیا تھا۔ وہ سب باتیں جو شہزادی نجم اور شیر نے سنیں، انتہائی تکلیف دہ تھیں۔ اور حارث کا فرار واقعی شاہی تانے پر دھاوے کی ناکامی سے کہیں زیادہ سنگین تھا۔ حارث تحریک قرامطہ کے بڑے ائمہ اور جماعت کے صحرائی وسائل سے آگاہ ہو چکا تھا بلکہ بنی کلب کی اہمیت بھی جان گیا تھا۔ اس کا فرار یقیناً انتہائی خطرناک اور جھلے کی کھلی دعوت کے مترادف تھا۔ شہزادی نجم نے معاملے کی سنگینی پر غور کیا اور کہا۔

”سردار نعمان! تم نے ہمیں ایک بدترین واقعے کی اطلاع دی ہے اب یہ دوسرا واقعہ ہے جس کے ذریعے ہمیں بنی کلب سے تکلیف پہنچی۔ ہم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ حارث القطار تک پہنچ گیا تو طوطی ٹھکر، ہم پر پلٹ کر دیں گے، بلکہ ہماری پریشانی کا سبب یہ ہے کہ جماعت کے ایک صحرائی مرکز کا بھید آشکارا ہو جائے گا۔“

بنی کلب بادیہ شام کے صحرائی قبائل کا صدر مقام قرار پاتا تھا اور حارث کے فرار کے بعد یہ بات بروہ اخفایں نہ رہ سکتی تھی تاہم اُس نے اپنے نائب سے جو کچھ سنا تھا، اُس کے پیش نظر یقین دلاوا کہ حارث القطار تک نہیں پہنچ سکے گا۔ سلیمان بن عامر کے غلام مصر جانے والے راستوں کی نگرانی کریں گے اور کہیں نہ کہیں اسے پکڑ لیں گے۔

”تم یہ بات یقین سے نہیں کہہ سکتے سردار نعمان جو شخص بنی کلب کے کھوجیوں اور شہزادوں کے ہاتھ نہ آسکا اور جادو کے پتلے کی طرح غائب ہو گیا، وہ سلیمان بن عامر کے غلاموں سے بھی بچ سکتا ہے۔“

پھر اُس نے قیصر کن لبے میں کہا ”جماعتوں اور تحریکوں کے معاملات قیاسی باتوں سے طے نہیں کیے جاتے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ حارث کے فرار کے ساتھ بنی کلب خطرے کی زد میں آچکے ہیں اور مصر کا صحرائی دستہ کسی وقت بھی ہم پر حملہ کر سکتا ہے۔“

”ایل اس خطرے سے غافل نہیں۔ بنی کلب اس صحرائی دستے کا مقابلہ کریں گے۔“

”مگر ہم طوطی لشکر سے اُلجھنا نہیں چاہتے۔ ہمارا اصل ہدف بغداد ہے۔“

سردار نعمان جانتا تھا کہ جماعت جو عباس کے خلاف خروج کی تیاریاں کر رہی ہے اور بنی طوہون سے اُلجھنا نہیں چاہتی لیکن حالات نے جو صورت اختیار کر لی اُس کا رُخ القطار کی جانب ہو گیا تھا۔ ”پھر آپ جو حکم دیں، میں اُس پر عمل کروں گا۔“

کہ وہ سرسے میں پہنچ جائے۔ اگر وہاں نہ گیا تو سلیمان بن عامر اپنے غلاموں کو مصر کی طرف جانے والے راستوں پر پھیلادے گا۔ اور وہ حارث کو اپنی راستوں پر کہیں دیوچ لیں گے۔“

یہ روداد سنا کر نائب نے ایک بار پھر شرمندگی کا اظہار کیا کہ وہ کوشش کے باوجود حارث کو دوبارہ گرفتار کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ اگرچہ اُس نے سلیمان بن عامر کو بروقت اطلاع بھیج کر حارث کا راستہ روکنے کی کوشش کی تھی اور سردار نعمان کو یقین تھا، اب سرسے دار اُسے کسی قیمت پر مصر میں داخل نہیں ہونے دے گا پھر بھی واقعے کی تفصیل اور ڈنگا کے قتل نے اُسے بے حد پریشان کر دیا۔ وہ شہزادی نجم کا وفادار غلام اور اپنی زندگی واڈ پر لگا کر اس کے ساتھ فرار ہوا تھا۔ ابھی ابن حرب کے بریدہ بازوں کا عدد متنازعہ تھا کہ اب ڈنگا کی ہلاکت شہزادی کے لیے مزید روح فرسا ہوگی لیکن اُسے یہ اہم ناک خبر بہر حال شہزادی کے گوش گزار کرنا تھی۔

سردار نعمان نے اپنے نائب اور عبداللہ کو ساتھ لیا۔ بڑے خیمے کے دروازے پر آیا اور ایک کینز کے ذریعے ملاقات کا پیغام اندر بھجوا دیا۔ شہزادی نجم ایلیل نے ابھی سفری لباس بھی تبدیل نہیں کیا تھا۔ وہ اسی حالت میں اختر اور دمنہ کے ہمراہ کمرۂ ملاقات میں نمودار ہوئی۔ اور اس بات پر حیران بھی تھی کہ زبانے سردار نعمان نے فوری ملاقات کی درخواست کیوں کی ہے لیکن جب حارث کے فرار اور ڈنگا کے قتل کا واقعہ سنا تو حیران و ششدر رہ گئی۔ غیر کی حالت تو بالکل غیر ہو گئی۔ وہ ڈنگا کو اس لیے بھی پسند کرتی تھی کہ اس نے کبھی حکم عدولی نہیں کی تھی وہ ہر بات تسلیم کرتا اور ہمیشہ وفاداری پر تیار رہتا تھا۔ غیر کہ اس کی ہلاکت سے گہرا صدمہ ہوا اور حارث کو کو سنے لگی۔

یہ وہی حارث تھا جس نے غیر کو ایک رویا سنایا تھا کہ اُسے جماعت میں شامل ہونے کی بشارت ہوئی ہے اور وہ تحریک کے اعلیٰ مفاد کی خاطر اپنی جان بھی قربان کر دے گا۔ اس نے شہزادی نجم ایلیل اور ابن حرب سے بھی معافی طلب کی اور آئندہ ان کی خدمت کرنے کا قول دیا تھا لیکن وہی حارث موقع ملنے ہی ڈنگا جیسے وفادار غلام کو قتل کر کے بھاگ نکلا تھا۔ نہایت ہو گیا کہ وہ خود دھوٹا اور اس کا رو یا من گھڑت تھا۔ اس کے بارے میں ابن حرب کی رائے صدی صدی درست تھی کہ وہ اپنی وفاداریاں بدلنے والا آدمی نہیں۔ بعد ازاں

”ہمارے نزدیک قبیلے کی حفاظت سب سے ضروری ہے اور اب بنی کلب کو اپنا مقام بدلتا ہوگا۔“

سردار نعمان سوچ میں پڑ گیا۔ صحرائی قبائل اگرچہ اپنے مقام بدلتے رہتے تھے یہ سب بنی کلب کے لیے ایک ہی جگہ ٹھہرے ہوئے اور یہ صحرائی مسکن ان کی زندگی کا حصہ بن گیا تھا۔ وہاں پانی کا کنواں بھی تھا اور کچھ فاصلے پر ایک وسیع نخلستان بھی، جو قبیلے کی ضرورتیں پوری کرتا تھا، شگستہ خاطر کی بجائے میں بولا۔ ”آپ کے حکم کی تعمیل میرا فرض ہے۔ کل سے کسی نئے مقام کی تلاش شروع ہو جائے گی۔“

”اُم صرف طوونی مشکر سے بچنا چاہتے ہیں۔ اسے بنی کلب سے دُور رہنا چاہیے۔ اگر وہ ادھر کا رخ بھی کرے تو مایوس لوٹ جائے۔ بہتر یہ ہوگا کہ ہم بادیہ شام کے کچھ اہل قریب ہو جائیں۔ طوونی مشکر اس خوف ناک صحرائی جانب نہیں آئے گا۔“

پھر اُسے کوئی بات نہ سمجھ گئی۔ ”ہمارے نزدیک اس معاملے میں ابن حرب سے مشورہ کر لینا بہتر ہوگا۔ وہ بادیہ شام سے گزر چکا اور کسی مناسب مقام کی نشاندہی کر سکتا ہے۔ اُسے حارث کے فرار کی اطلاع دینا بھی ضروری ہے۔“

”کل سویرے ایک قاصد اُس کی طرف بھیج دیا جائے گا۔“

حارث کو فرار ہونے میں ہر ایوم تھا اور وہ سولہ ترہ روز سے پہلے صحرانہ پنج سکتا تھا بشرطیکہ راستے میں کہیں نہ ٹھہرے یا پکڑ نہ لیا جائے۔ اس اثنا میں بنی کلب بہ آسانی کسی جانب نقل مکانی کر سکتے تھے۔ تاہم شہزادی نجم نے پہرے چوکی اور حفاظتی اقدامات کی تاکید کر کے سردار نعمان کو رخصت کر دیا اور خود کنیزوں کے ہمراہ اپنی خواب گاہ میں لوٹ آئی۔ حالات کی صورت اگرچہ بگڑ رہی تھی اور اس کی صحرائی ریاست کو ابتدا ہی میں کئی خطرے لاحق ہو گئے تھے پھر بھی وہ اپنے علم پر قائم اور حالات سے فتنے کی تدبیر سوچنے لگی مصلحت کہتی تھی کہ بنی طوون سے جنگ مناسب نہیں۔ یہ بھی خدشہ تھا کہ اچانک حملے کی صورت میں کہیں بادیہ نشینیوں کی آہنیں بہت نہ ہو جائیں۔

نات اس نے دمنہ گئے گھنٹنگو کی اور وہ بنانے لگی۔ ”صحرائی گرمی اور تندگوں میں پرورش پانے والے صحرائی نشین طبعی طور پر ہلکا اور بہادر ہوتے ہیں۔ کوئی طاقت انھیں آسانی سے زیر نہیں کر سکتی۔ وہ کسی دشمن کو آپ کے قریب بھی نہیں پہنچنے دیں گے خواہ وہ کتنا ہی طاقتور

کیونکہ نہ ہر البتہ فتح کسی جنگ جو سپر سالار کی قیادت میں حاصل کی جاتی ہے اور سپر سالار زخمی ہے۔“

دوسرے دن علی الصباح ایک قاصد آنا حسین کے صحرائی مسکن کی جانب دوڑا دیا گیا تاکہ ابن حرب کو حارث کے فرار کی خبر دی جائے اور بنی کلب کے نقل مکانی کی خاطر بادیہ شام کے کسی مقام کی نشاندہی حاصل کی جائے لیکن تیسرے روز قاصد جو جواب لے کر آیا، وہ حیران کر دینے والا تھا۔ ابن حرب نے پیغام بھیجا تھا۔

”بنی کلب کو اپنا مقام تبدیل کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر مصر کا صحرائی لشکر حارث کی رہنمائی میں وہاں پہنچ بھی گیا تو اس کا مقابلہ کیا جائے اور مقابلہ اس طرح کیا جائے کہ کوئی شک واپس نہ جاسکے۔ بنی کلب کو اپنے پڑاؤ میں مستقل قیام کرنا ہے۔ وہ بادیہ نشین قبائل بلکہ صحرائی ریاست کا صدر مقام ہے اور صدر مقام تبدیل نہیں ہوا کرتا۔“

یہ جواب شہزادی نجم کی توقع کے بالکل برعکس تھا لیکن آنا حسین نے اس کی تائید کی اور خود بھی ایک پیغام بھیجا تھا جس کے الفاظ ابن حرب کے پیغام سے زیادہ سستی خیز تھے۔ ”مطلیٰ شیخ نے کہا تھا۔“

”آسمان پر چاند اکیلا نہیں، صحرائی تم تنہا نہیں۔ صحرائی قبائل تمہارے ساتھ تاروں کی طرح حرکت کریں گے۔ انہیں مصرت پر آزادی کا پرچم لہراؤ مگر غار دیر اجلیش میں غھوڑی سی عقل ابھی باقی ہے، تو تم پر شکریہ نہیں کرے گا۔ اگر وہ عقل کو خیر باد کہہ چکا تو صحرائی اس کے لشکر کا بھالوں اور تلواروں سے استقبال کرو اور ہمیں دُور مت سمجھو۔“

نجم ایلین کے جسم میں سر سے پاؤں تک ایک تیز لہر دوڑتی چلی گئی۔ صحرائی ریاست کی ایک نئی تعبیر سامنے آ رہی تھی۔



KHAN BOOKS
& LIBRARY
6-527, BHABRA BAZAR, KANWAL PIND
Cell: 0345-5048634, 0345-5048559
Prop: Ali Qan

(۲۵)

مروسی بغداد

انقطاع سے بغداد تک کم و بیش ایک مہینے کا سفر تھا۔ ابراہن قاسم کی قیادت میں شاہی قافلہ شہروں اور بستیوں سے گزرتا اور بڑا بڑا ڈاکا بالآخر بغداد کے قریب پہنچ گیا۔ عراقی سوار پہلے سے زیادہ ہوشیار اور چوکس تھے مگر دوبارہ کسی نے شاہی قافلے کا راستہ نہیں روکا کیشل نے سفر کی رفتار نیز رکھی تھی۔ بغداد میں اس قافلے کا بڑی شدت سے انتظار کیا جا رہا تھا اور شہزادی قطر الندی خود بھی معتضد ابوعباس سے ملنے کے لیے بے چین تھی۔

خلیفہ کو قافلے پر حملے کی خبر مل چکی تھی، احمد القدس سے روانہ کی گئی، اس لیے بڑی بے تابی کے ساتھ اپنی نئی عروس کا منتظر تھا۔ ایک ایک کمر کے انتظار کے دن بیت گئے۔ آخر ابراہن قاسم کا قافلہ خبر لے کر آیا کہ قافلہ کل تیسرے پہر بغداد میں داخل ہو گا۔ شہر میں شہزادی قطر الندی کے استقبال کی تیاریاں ہو رہی تھیں اور بغداد کو گولہوں کی طرح آراستہ کر دیا گیا تھا۔ قافلے کو باب است اس شہر میں داخل ہونا اور طویل راستہ طے کر کے دروازے پہنچنا تھا۔ جہاں طولونی شہزادی کے لیے ایک نیا محل تعمیر کیا گیا تھا۔ اسی روز شہر میں اعلان کر دیا گیا کہ طولونی شہزادی کل بغداد پہنچ رہی ہے۔ ماضی میں چونکہ نئی لڑکیوں کے ساتھ جنگیں لڑی گئی تھیں اور اب شہزادی قطر الندی صلح، دوستی اور بھائی چارے کی علامت بن کر آرہی تھی۔ اس لیے لوگ دیروار اس کے استقبال کے لیے

گھروں سے نکل آئے اور اُن راستوں پر دو روئے جمع ہونے لگے، جہاں اس کی سواری گزرنے والی تھی۔ اہل بغداد کے نزدیک اس شادی سے عالم اسلام میں کشمکش کا ایک باب ختم ہو گیا اور دشمنی و تعلق کا ایک نیا دور شروع ہوا تھا۔ قطر الندی ایک مبارک و مس قبی، جو پچھلے لوگوں میں ملاپ کا ذریعہ بنی تھی، لوگ اسی جذبے کے ساتھ اس کے محل کی زیارت کرنے نکلے تھے۔

حکومت کی طرف سے شاہی سواروں کا ایک دستہ شہزادی کے استقبال کے لیے روانہ کر دیا گیا تھا، جسے بغداد سے دس بارہ میل دور شاہی قافلے کو خوش آمدید کہنا اور پیشوائی کر کے اُسے شہر میں لانا تھا۔

دھلتے سورج کے ساتھ باب الشام پر لوگوں کے ٹھٹ جمع ہو گئے اور ایوان دولت منصفیہ اپنی رزق برق پر شاہوں کے ساتھ دو روئے کھڑے تھے کیوں کہ دولت عباسیہ کا جلال و مآب خلیفہ معتضد باللہ احمد ابوعباس اپنی طولونی عروس کے خیر مقدم کے لیے بنفس نفیس وہاں موجود تھا اور دروازے پر عباسیہ کے بڑے بڑے سیاہ پرچم کالے بادلوں کی طرح لہرا رہے تھے۔

اچانک حد نظر تک پھیلے راستے پر بہت دور بجلیاں سی کو ندقی نظر آئیں۔ ریشما کی لڑکی کی نگلی تلواریں تھیں، جو سورج کی روشنی میں کوندوں کی طرح چمک دک رہی تھیں شاہی سواروں کا دستہ شہزادی کے محل سے دو ڈھائی فرلانگ آگے آگے چلا آتا تھا مگر اس کے پیچھے پیچھے عروسی محل کی زریں وسیں سلاخیں اور اُن پر تنا ہوا زربفت کا بڑا محافظ بھی سورج کی شعاعوں میں جھلک رہا تھا اور آنکھوں میں چمکا چوندا پیدا ہوتی تھی۔ پیچھے کچھ اور محل تھے جن میں شہزادی کی کنیزیں سوار تھیں۔ اور اُن کے عقب میں وہ بار بردار آؤٹ تھے۔ جن پر زربفت ہماروئے کوٹنے والا قیمتی سامان جہیز لدا تھا۔ محافظ سوار اپنے خیرے تھے اور دیکھتے تھے کہ دروازے پہنچے تھے، جس سے اس نے ایک بڑے کارواں کی صورت اختیار کر لی تھی۔

شاہی سوار کو روک سکتے ہی باب الشام سے ایک ساتھ کئی قریب پہنچے گئے۔ ساتھ ہی انہوں اور نفیریوں کی صدائیں بلند ہوئیں۔ گویا شادیانے بجنے لگے، جو ہم کی نظریں شاہی دستے کے عقب میں عروسی محل پر مرکوز تھیں، جو قدم بہ قدم قریب آ رہا تھا۔ جب شاہی سوار نگلی تلواروں سمیت دروازے سے گزر گئے اور شہزادی قطر الندی کا محل میر کارواں ابراہن قاسم

ساحلوں پر شاہی محلات اور عباسی امراء کے قصروں میں ہو رہا تھا تو دوسرا چراغ دریا کے اندر دکھائی دے رہا تھا اور یہ ایسا ہوش ربا نظارہ تھا جسے طولونی شہزادی اور مصری کینزوں نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔

خواتین کے شاہی محل کی طرف بڑھتے ہی خلیفہ معتضد نے عاملین سلطنت کو رخصت کیا اور چند خاص لوگوں کے ہمراہ جن میں البرہس تاقم اور شبل کے علامہ وزیر سلطنت عبد اللہ بن سلیمان، معتضد کا خاص اور منہ چڑھا غلام بدر جس کے اختیارات وسیع تھے بلا دشرقیہ کے دیوان کا سربراہ محمد بن داؤد بن جرح، بلا دشرقیہ کے دیوان کا ناظم علی بن علی بن داؤد بن جرح، حسن بن علی کورہ، محمد بن طاہر، توصیف بن صواکین اور چند دوسرے مغزین شامل تھے، محل کی طرف ہویا۔

خواتین و بیگمات اور کینزوں نے ہجوم میں طولونی شہزادی محل کی بالائی منزل پر پہنچا دی گئی جسے کسی خوابی قصر کی طرح آراستہ کیا گیا تھا۔ خلیفہ معتضد اپنے مقربین کے ہمراہ محل کے ایک زیریں ایوان میں داخل ہوا شادی کی رات خاص لوگوں کی ہجرائی بے وجہ نہ تھی۔ بالائی منزل پر جب معتضد کی حرمیں اور عباسی خواتین طولونی شہزادی کی خاطر تراضیع میں مصروف تھیں۔ ایران زیریں میں شبل حاضرین کو شاہی تانے پر چلنے کی روادار سنا رہا تھا۔

اس نے بتایا کہ سپاہ پوش صحرائی قبیلے کا دھاداد ازبردست تھا جس کی کسان نذر ابن حرب کو رہا تھا۔ اس نے دھاداد کے شاہی محل کے ساربان کو قتل کر دیا اور ساندنی کی نیکل خود تھا ملی تاکر اسے بھگا لے جائے جو بھی اسے روکنے کے لیے آگے بڑھا، مارا گیا۔ اس صورت حال کو دیکھ کر وہ خود سات آٹھ سواروں کو لے کر عقب سے حملہ آور ہوا اور ایک ہی دایر میں اس کا ہاتھ کسی تک کاٹ دیا۔ بازو کوٹ جانے سے وہ آنا ٹانا فرار ہو گیا اور اس کے بھگتے ہی صحرائی حملہ آور بھی بھاگ گئے۔

امیر قافلہ البرہس تاقم نے اس کے بیان کی تصدیق کی اور یہ بھی بتایا کہ شبل کے بلائی حملے اور کاری دار نے ابن حرب کے ارادوں کو خاک میں ملا دیا ورنہ معاہدہ بگڑ جانے کا اندیشہ تھا۔ پھر شبل نے جرتی قبیلے سے کئی تک کاٹا ہوا ہاتھ نکال کر سامنے رکھ دیا۔ جس کا گوشت کھو کھ چکا تھا۔ کھان خشک ہو کر سکڑ گئی تھی اور زندہ بازو کے مقابلے میں مردہ بازو کچھ ہلکا اور کچھ چھوٹا نظر آ رہا تھا۔ خلیفہ معتضد نے اس بریدہ ہاتھ کو غور سے دیکھا

اور فوجی سالار شبل کی نگرانی میں باب الشام پر پہنچا، تو خلیفہ معتضد نے اپنے وزیروں، شہزادوں اور قاضیوں کے جلو میں آگے بڑھ کر شہزادی کو "أهلاً وسهلاً" کہا۔

محل رک گیا۔ البرہس اور شبل نے گھوڑوں سے اتر کر خلافت مآب سے مصافحہ کیا۔ اس اثنا میں رکاب دار نے سواری کے لیے خاص مرکب پیش کیا۔ اب خلیفہ خود دوسری محل کے آگے آگے چلا اور شہزادے، عاملین سلطنت اور عباسی امراء تانے کے ساتھ ہوئے۔

باب الشام سے دجلہ تک چھ سات میل کا فاصلہ لوگوں کے نعروں، اُھلا وسهلا کی آوازوں اور مبارک، سلامت کی صداؤں کے درمیان طے ہوا، اہل بیتا دے طولونی شہزادی کا عظیم النظیر استقبال کیا۔ وہ محل کے جالی دار جھروکے سے لوگوں کے ہجوم درہجوم ٹھکے دیتی اور ان کی پرسترت آوازیں سنتی رہی جس وقت قافلہ دجلہ کے مغربی ساحل پر پہنچا، سورج غروب ہو چکا اور چراغ روشن ہو گئے تھے۔ شاہی محلات کے قریب قافلہ رکا تو یہاں ایک اور دل کش منظر سامنے تھا۔ محلات کی دیواروں پر چراغاں ہو رہا تھا۔ اندر قندیں اور فالوس روشن تھے۔ بھلمائی روشنیوں میں خلیفہ معتضد کی حرمیں، عباسی خواتین اور امراء و روسا کی بیگمات شہزادی کے استقبال کے لیے موجود تھیں۔

ساربانوں نے ساندنیاں بٹھائیں تو مصر سے آنے والی کینزین فدا محلوں سے اتریں اور انھوں نے عروسی محل کو اپنے گھر سے میں لے لیا اور دھن کو سہارا دے کر محافے سے آگے۔ اس اثنا میں ملکہ جھک خاتون، دوسری حرموں اور خواتین و بیگمات کو لے کر آگے بڑھی اور شہزادی قطر السندی کو کینزوں کے گھیرے سے نکال کر عباسی خواتین کے حلقے میں لے آئی۔ وہ شاہی محل جو طولونی شہزادی کے لیے تعمیر کیا گیا اور جہاں اسے شب غسل منالقی دجلہ کے مغربی کنارے پر تھا جب کہ اتر صاف مشرقی ساحل پر تھا۔ عرب اور ترک خواتین کے ہجوم میں ملکہ جھک نئی دوس کو لے کر اسی محل کی طرف بڑھی۔

شام کے گھرے اندھیرے میں جب دجلہ کے دونوں ساحلوں کی بلند دبالا کارتن کی روشنیاں سینے پانی پر منعکس ہو رہی تھیں، دریا بالکل الف بیلوی منظر پیش کر رہا تھا۔ شادی کے موقع پر نوشاہی محلات کے علاوہ امراء کے قصروں میں بھی چراغاں ہو رہا تھا۔ اور ہزاروں روشنیوں کے عکس سطح آب پر تھر تھرا رہے تھے۔ ایک چراغاں اگر دجلہ کے دونوں

اور اس کی کلائی کے ایک ترچھے نشان پر چھڑی ماری۔

”بے شک یہ ابن حرب ہی کا بازو ہے اس کی کلائی پر یہ زخم طہ حسین کی جنگ میں آیا تھا۔ ہم اس ہتھ اور اس کلائی کو پہچانتے ہیں۔ پھر اس نے تعریفی نظروں سے شہل کی طرف دیکھا اور کہا: ”اٹھ کی بجائے اگر تم اس کا سر کاٹ کر لاتے تو ہمیں زیادہ خوشی ہوتی۔“

”امیر المومنین! اگر وہ جھاک نہ جاتا تو غلام نے اس کا سر بھی کاٹ لیا ہوتا۔“

اچانک مقصد ابو عباس کے تصور میں ایک بوڑھی عورت آکر کھڑی ہو گئی اور خود ہی لوگوں کو بتانے لگا: ”ہم نے حرب الہندی کی بیوہ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر اس کا بیٹا ہمارے تافلوں پر دھادے نہیں کرے گا ہماری املاک کو نہیں لٹے گا تو ہم بھی اس پر تلواریں اٹھائیں گے۔ حرب کی بیوہ بغداد کی خاک میں دفن ہو چکی اور اس کے بیٹے نے شاہی قافلے پر حملہ کر کے اس شرط کی خلاف ورزی کی ہے، جس پر اس کی جان بخشی کا انحصار تھا جب ایک خزین معاہدے کی خلاف ورزی کرتا ہے تو معاہدہ ختم ہو جاتا ہے۔“

”امیر المومنین! ابن حرب کے بارے میں آپ جو چاہیں فیصلہ کریں کسی کو اس سے انکار نہیں ہوگا لیکن شاہی حملے کے پیچھے اصل آدمی کوئی اور ہے اور حضور کو سب سے پہلے اس فتنے کا سرچکن ہوگا۔“

وزیر مہکت عبد اللہ کہنے لگا: ”امیر المومنین! شاہی قافلے پر حملے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آقا حسین کی جماعت کا مسکن کہیں مصر و شام کے نواح میں ہے۔ طرطونی حکومت اس کا بہتر سراغ لگا سکتی ہے۔ آپ سلطان خمارویر سے مطالبہ کریں کہ وہ شیخ الجماعت آقا حسین کو گرفتار کر کے باہر بصرہ بغداد روانہ کر دے۔“

”ہم ابو حنیفہ خمارویر کو ایسا حکم نہیں دے سکتے۔ آقا حسین کا گروہ شام کے علاقے میں نمودار ہوا ہے۔ خمارویر اس کے خلاف خود کوئی کارروائی کرے گا لیکن اس جماعت کے بارے میں دفتر بغداد کو بھی مکمل معلومات حاصل کرنا ہوں گی۔“

پھر خلیفہ نے بلا مدغمینہ کے ناظم علی بن داؤد کو توجہ دلائی: ”یہ کلام تھا راجے علی اکبر اس جماعت کے متعلق پوری معلومات حاصل کرو۔ ہمدوی تحریک کا آغاز مغرب سے ہوا ہے اور آقا حسین نے بھی مغربی علاقے سے سر اٹھایا ہے جس پر ترقی الحال ہمیں کوئی اختیار نہیں۔“

علی بن عیسیٰ نے کہا کہ وہ بہت جلد اس سلسلے میں کارروائی کرے گا اور خلافت مآب

کو سارے معاملے سے آگاہ کر دے گا۔ حسن بن علی کورہ کا خیال تھا: ”شاہی قافلے پر طرطونی حکومت میں حملہ ہوا ہے اور طرطونی حکومت پر نوے داری عائد ہوتی ہے کہ حملہ آوروں کے خلاف کارروائی کرے اگر وہ ایسا نہیں کرتی تو پھر امیر المومنین کو خود بخود یہ اختیار حاصل ہو جاتا ہے کہ حملہ آوروں کے خلاف لشکر کشی کریں۔“

خلیفہ مقصد نے حسن بن علی کورہ کا خیال مسترد کر دیا اور کہا: ”ہم اس معاملے میں حمایتی پوزیشن سے مشورہ ضرور کریں گے لیکن کوئی ایسا قدم نہیں اٹھا سکتے جو دشمنی کے منافی ہو۔ آج کی مجلس کا مقصد یہ تھا کہ ایک خطہ، جس کے متعلق آقا حسین نے خمارویر کو غریب ظہور میں آنے کی اطلاع دی تھی اپنے بدترین جرائم کے ساتھ شام کے علاقے میں ظاہر ہوا ہے اور ہمیں اس سے نمٹنا ہے۔ اس کا اصل ہدف طرطونی حکومت نہیں، خلافت عباسیہ ہے۔ خروج کر سنے والے عقیدہ پرست گروہ خلافت ہی کا دعویٰ کرنے میں اور شیخ الجماعت آقا حسین نے بھی ہماری طرف انگلی اٹھائی ہے۔ وہ شام سے عراق کا رخ کرے گا لیکن ابھی اس نے اعلان خروج نہیں کیا، صرف شاہی قافلے پر دھادہ کر کے ہمیں اپنے ارادوں کی خبر دی ہے۔ کوئی بھی خفیہ تحریک اعلانیہ دعوت سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔ اس لیے کوئی قدم اٹھانے سے پہلے ہم اس کی جماعت کے بارے میں پوری معلومات حاصل کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ سانپ کے پل کا پتہ چل جائے تو اسے ہلاک کرنا آسان ہوتا ہے۔“

مقصد نہیں جانتا تھا۔ کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ جماعت ایک خاص مصلحت کے تحت ”شیخ الجماعت“ کی حیثیت سے صرف آقا حسین کا نام سامنے لائی تھی بلکہ ابن حرب کی سرکردگی میں شاہی قافلے پر طرطونی حکومت کے اندر ایک دھوا ہوا تھا۔ جب کہ اصل آدمی امام بھی ”قرمطی“ (الو القاسم) عراقی ہی میں چھپ کر بیٹھا اور وہ اپنے والد کو یہ قرمطی (قائم با حق) سے روایات حاصل کر رہا تھا جو خود ایک باؤلی میں رویش تھا۔ جماعت کا اصل مرکز سواد کوہ میں بنو فہس کا صحرائی مسکن تھا اور اس کی خفیہ تنظیم اتنی مضبوط تھی کہ بغداد کے عباسیوں انتہائی گوشش کے باوجود اس کا کھوج نہ لگا سکے تھے۔ طرطونی حکومت کے اندر شاہی قافلے پر حملے کا مقصد یہ تھا کہ لشکر اوی قطر السندی کو اغوا کر کے فریقین میں معاہدہ دوستی کی بنیاد ڈھاری جائے۔ مقصد کو اگرچہ خطرے کا احساس آقا حسین کی تحریر ہی سے ہو گیا تھا جو طرطونی سلطان کے نام لکھی گئی اور بغداد پہنچ چکی تھی مگر اس تحریر کی دھکی کوئی جامعہ پہنانے کی کوشش اور اس کوشش

شہروں کی دل کشی کو مات کرتی تھیں۔

دریا کے دونوں کناروں پر کھڑی بلند و بالا عمارتیں وجہ کے حسن میں اضافہ کرتی تھیں جن کے عظیم بلند و عظیم و خواب کا شہر معلوم ہوتا تھا۔ دن میں دریا کی سطح پر تیرتے ہوئے بجز سے ایک کنارے سے دوسرے کنارے کی طرف آتے جاتے دل کش منظر پیش کرتے تھے مگر رات کو جب وہ بنوں ساحلوں کی دو منزلہ، سہ منزلہ عمارتوں اور عالی شان قصر وں میں قندیل بجلائی اور فانوسوں میں شمعیں روشن ہو جاتی تھیں اور ان کی روشنیاں بتے پانی پر منعکس ہوتی تھیں تو دریا کے اندر ایک دوسرا "شہر عظیم" آ بار نظر آتا تھا۔

شہزادی قطر الندی جس شاہی محل میں اناری گئی، وہ وجہ کے ساحل پر حال ہی میں تعمیر ہوا تھا جہاں پہلے ایک باغ تھا۔ باغ کا مالک اپنی زمین بیچے پر بنانا نہ تھا مگر شاہی حکم کے سامنے مجبور ہو گیا، اس نے ولی عہد ابو محمد علی سے شکایت بھی کی تھی کہ اسے زبردستی اور کم مساو ضہ دیا گیا ہے لیکن ولی عہد اس معاملے میں بے اختیار تھا۔ یہ شاہی محل اپنی خوبی اور خوبصورتی کے اعتبار سے پرانے قصبوں سے زیادہ شان دار اور کچھ مختلف تھا۔ تاہم بنیادی طور پر سامرہ کے فن تعمیر کا ایک اعلیٰ نمونہ تھا۔ عراقی غلام گم دشوں کے لمبے لمبے ستون بلند قامتی میں لگائے تھے جن پر پہلی محرابوں کی توبیں دل کھینچتی تھیں۔ سر محراب کے وسط میں ایک نفرتی قندیل آویزاں تھیں اور ہر قندیل کی روشنی، دوسری قندیلوں کی روشنیوں سے مل کر بے غور کا منظر پیش کرتی تھی۔

غلام گم دشوں کے طویل ستونوں اور قوس نما محرابوں کے پیچھے مختلف کمروں کے دروازوں، درجوں، غرفوں اور چھروں کا سلسلہ خوابی محلوں کی یاد آ رہا تھا کیوں کہ جب ان کمروں کی زنگنا چھتوں سے آویزاں کئی کئی شاخے زریں فانوس روشن ہونے لگے، تو ان کی روشنیاں درختوں، غرفوں، چھروں سے لٹک کر وجہ کے پانی میں جھانکتی تھیں جس سے ایک دلکش منظر پیدا ہوتا تھا۔

بنی طولون کے سربراہ مرحوم سلطان احمد بن طولون نے مصر پر قبضہ و اختیار مکمل کر کے جب قسطنطنیہ اور العسکر کی جگہ تیسرے دار الحکومت القسطنطنیہ کی بنیاد رکھی تو اس کی عمارتوں میں بغداد اور سامرہ کے فن تعمیر کو ترجیح دی تھی "ناکہ القسطنطنیہ" "دوسرا بغداد" بن جائے۔ القسطنطنیہ کی عمارات میں بخارا کا فن تعمیر بھی شامل تھا مگر جو خوبی و خوب صورتی اور انفرادیت

میں ابن عرب کی شمولیت خطرے کی گھنٹی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ ابن عرب کسی معمولی گروہ کا اہلکار نہیں بن سکتا، یہی وجہ تھی اس نے شادی کی رات قافلے پر ہونے والے حملے کی پوری زبردستی سنی اور اپنے خاص عمارتیں کو اس خطرے سے آگاہ کرنا ضروری سمجھا۔ جو ایک دن شام سے عراق کی جانب کوچ کرنے والا تھا دشمن نے اپنی سرگرمی کا آغاز کیا اپنے ارادوں کا اظہار عروسی قافلے پر حملے سے کیا تھا۔ وہ اس کی بلوئی عروس کو چھیننے میں ناکام رہا لیکن اپنے پیچھے خطرے کی ایک دھجک چھوڑ گیا تھا۔



وہ رات الفیلہ کی ایک ہزار راتوں سے زیادہ حسین و رنگین اور خیال آفرین تھی جب بنی طولون کی حسین ترین شہزادی جس کے نام سے پھولوں کی لطافت اور شبنم کی پاکیزگی کا احسوس ہوتا تھا اور جو خود گل و شبنم کا دل کش امتزاج تھی۔ خواہوں کے شہر بغداد میں عباسیہ کی ۷۷۷ سال بنی تھی۔

بغداد، درجنوں قطعات، محلوں اور طبقوں میں بٹا ہوا وجہ کے دونوں کناروں پر مینوں میں پھیلا اور اپنے مسقف بازاروں اور کوچوں پر مشتمل دنیا کا حسین ترین شہر تھا جس کی مختلف نسلوں اور مختلف رنگوں کی مخلوط آبادی اُسے دوسرے شہروں سے ممتاز کرتی تھی۔ دریا نے وجہ بغداد کا زلیور اور اس کی خوبی و دل کشی میں اضافہ کرنا تھا۔ دریا کے دونوں ساحلوں پر بڑے مضبوط بند تعمیر کیے گئے تھے تاکہ طغیانی کے سایم میں پانی شہر کو نقصان نہ پہنچا سکے۔

وجہ کے دونوں کناروں پر عالی شان عمارتیں تعمیر کی گئی تھیں، جو فن تعمیر میں اپنی مثال آپ تھیں۔ زیادہ آبادی مغربی ساحل پر تھی اور عالی شان عمارت کا سلسلہ بھی مغربی ساحل پر پھیلا تھا لیکن مشرقی ساحل پر بھی قصر و عمارت کے علاوہ افراد کی دو منزلہ اور سہ منزلہ عمارتیں مندرجہ ذیل کھڑی تھیں اور مشرقی حصے کی رونقیں اور شادابیاں، جس کی آبادی نسبتاً کم تھی، بڑے بڑے

کبھی کبھار وجہ میں شدید طغیانی آتی تو بہاؤ کے زور سے بند کا کوئی کنارہ لوٹ جاتا اور سیلاب کا پانی شہر میں داخل ہو جاتا جس سے بڑی افزائش مچتی تھی جب تک بند کھلتا نہ ہو جاتی یا طغیانی کا زور گھٹ نہ جاتا، بغداد کے قسبی علاقوں میں پانی بھرا رہتا تھا۔ (مترجم جہاوی)

قطر اندی سے منس منس کر باتیں کرتی رہی۔

حقیقت یہ ہے کہ طوبی شہزادی بغداد میں اپنی عظیم النظیر پندہ بانی، شہر کے نظاروں، وجہ کے منظر اور عیسیٰ خواتین کی باتوں سے اس قدر شاد کام ہوئی تھی کہ طویل سفر کی کلفت کا احساس جاتا رہا تھا، اس نے معتقد کی تینوں حرموں یا پھر اپنی سو کنوں کی بیٹی بائیں سی بھیس۔ عباسی خواتین اور امراء کی بچکات کے چہروں پر سکھائیں دیکھی تھیں اور محسوس کیا تھا کہ طوبی دھن کے لیے ان کے دل کشا وہ ہیں اور وہ اسے عالم اسلام میں اتحاد کا ذریعہ سمجھ کر اپنے دلوں میں احترام کا جذبہ رکھتی ہیں۔ یہی بات قطر اندی کے دل کو تقویت دے رہی تھی۔ رات پہلے پہر سے گزر کر دوسرے پہر میں داخل ہو رہی تھی جب ملکیت عباسیہ کے تاج دار خلیفہ معتقد ابو عباس کے آنے کا عمل ہوا اور اس کے ساتھ خواتین دیکھات اور کینزوں میں ایک بل چل سی دوڑ گئی۔ جو جلد عروسی سے ملتی ایک بڑے کمرے میں باہم بائیں کہ رہی تھیں معتقد کی آمد کا ذکر سن کر جیک خاتون بھی دوسری حرموں اور خواتین کے ساتھ جلد عروسی سے نکل گئی تاکہ اپنے شوہر کا استقبال کر سکے اور طوبی شہزادی اپنی کینزوں کے درمیان "تہنا" رہ گئی۔

اچانک غمگینہ میں، جہاں خواتین کی جھیر تھی، "مبارک سلامت" کی آوازیں بلند ہوئیں اور ان آوازوں کے درمیان کسی نے کہا۔ "امیر المومنین! شاخ گلاب پر قطرہ شبنم مبارک ہو۔" قطر اندی نے غور کیا۔ یہ آواز معتقد کی حرم فتنہ بالو کی تھی اس نے معتقد کو شاخ گلاب اور طوبی دھن کو قطرہ شبنم "قرار دے کر ایک 'لطیف' مذاق کیا تھا۔

معتقد ابو عباس بے حد شکیں، وجہ اور پر جلال خلیفہ تھا اور کسی خاتون کو شادی کے موقع پر اس کے ساتھ شونج بانی کی جرأت نہ تھی۔ حالانکہ ایسے مواقع پر خواتین دھلا کے ساتھ مذاق کرنا ضروری سمجھتی ہیں، خواہ وہ کتنا ہی بلند مرتبت کیوں نہ ہو مگر معتقد کی بارعب شخصیت اس بے تکلفی میں حامل تھی البتہ فتنہ بالو کی لطیف اور معنی مبارک بارے ماحول میں ٹھوڑی سی بے تکلفی پیدا کر دی اور خواتین میں مسکرائیں پھریں۔ اسی اثناء میں ملکہ جیک کی آواز سنائی دی۔

"بارک اللہ! شریفی لے چلیے"

ساتھ جلد عروسی کا دروازہ کھلا اور ملکہ جیک اپنے پر وفار شوہر کے ہمراہ اندر داخل

بغداد کی عمارتوں میں تھی، وہ القطار کے قہروں میں پیدا ہو سکی۔

القطار اور بغداد میں دریاؤں کی گزرگاہ بھی مختلف تھی۔ دریا سنے نیل فسطاط اسکر اور القطار (یکے بعد دیگرے تینوں دارالحکومتوں) کے جنوب مغرب سے گزرتا تھا اور طینی کے ایام میں جب اس کا پانی کن روں سے اچھل کر اس پاس کے علاقوں میں بھر جاتا تو شہر پناہ سے بھی اٹھتا تھا۔ بعد ازاں وہ پانی جھیلوں اور دلدلوں کی صورت اختیار کر لیتا۔ جہاں پھر با افراط پیدا ہونے لگے اور مصری فلاحین اٹھی دلدلوں کی کچھڑ میں کاشت کاری کرتے تھے مگر جلد بغداد کے بچوں بیچ گزرتا تھا۔ دونوں ساحلوں پر مضبوط بند باندھے گئے تھے اور ان ساحلوں پر دور دورہ عمارتیں شہر کی دل کشی میں اضافہ کرتی تھیں۔

شہزادی قطر اندی نے پہلے بھی بغداد نہیں دیکھا تھا، بغداد کے بارے میں روایتیں اور حکایتیں سنی تھیں۔ وہ بھی جانتی تھی کہ قطرہ گو بغداد کے بازاروں میں مجمع لگانے اور الفیلہ کی خیالی اور طلسمی داستانیں سنایا کرتے تھے جن پر خلیفہ معتقد ابو عباس نے برہنہ آتے ہی پابندی لگا دی تھی لیکن اس پابندی سے بغداد کی دل کشی میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا وہ اپنی خوبوں کے اعتبار سے "عروس البلاد" کہلاتا اور طلسم و خیال کا شہر سمجھا جاتا تھا اب وہ خود اس شہر میں عباسی خلیفہ کی دھن بن کر آئی تھی۔

جب تک معتقد ابو عباس ابوان زیریں میں اپنے خاص مقرربین کے درمیان شادی قائلے پر ہونے والے دھاوے اور شیخ الجماعتہ آقا حسین کے معاملے پر بحث کرتا رہا، اس وقت تک بالائی منزل میں اس کی تینوں حرمیں ملکہ جیک خاتون، فتنہ بالو اور شعب خاتون دیکھائی خواتین اور امراء کی بیگمات کے ساتھ طوبی شہزادی کی خاطر داری میں مصروف رہیں۔ ملکہ جیک جانتی تھی ابو عباس میر قافلہ ابوالحسن قاسم اور شہل سے سفر کی روداد سن رہا اور دشمن کے متعلق جس نے شہزادی قطر اندی کو (خدا کرنے کی جرأت کی تھی، احکام صادر کر رہا تھا اور ان معاملات سے فارغ ہو کر ہی اوپر آئے گانا ہم اس نے اپنی خاص کینز کے ذریعے پیغام بھیج دیا تھا کہ بالائی منزل پر اس کا انتظار کیا جا رہا ہے۔

وہ جانتی تھی، نسبت خاموش یہ تقریباً ایک ماہ کے طویل سفر کے بعد بغداد پہنچی ہے اور یقیناً سفر تے آتے تھکا دیا ہوگا لہذا ابو عباس اور اس کے ماہین انتظار کے لمحے کم کیے جائیں مگر اس نے اپنی خوش گفتاری سے بھی اس انتظار کو فرصت بخش بنانے کی کوشش کی اور

پر حملہ ہوا اور ہمیں ہم سے چھیننے کی کوشش کی گئی۔ ہم نے سنا ہے، وہ صحرا کی "کالی آندھی" تھی جو ابن حرب اپنے ساتھ لے کر آیا تھا۔

"بے شک وہ آندھی کی طرح ہمارے محل پر چھوٹا اور ساندنی بھاگے جانا چاہتا تھا مگر شبل نے پانسہ پٹ دیا اسے اپنے کیے کی سزا مل گئی۔ وہ زندگی بھر کے لیے اپنا لٹچ اور بے کار ہو چکا ہے۔"

"شبل نے غلطی کی۔ سر کی بجائے اُس کا بازو کاٹا مگر وہ چین سے نہیں بیٹھے گا۔"

قطر اندی نے تعجب سے پوچھا: "کیا اتنا ضدی اور کمرش ہے؟"

"ہں، وہ ایسا ہی ہے لیکن ہمارے خواب سے نہیں بچ سکے گا۔"

پھر معتقد بتانے لگا: "وہ دشت فرات میں ہمارے ساتھ تھا اور اُس نے تمہیں پہچان لیا تھا پھر ہمیں مشورہ دیا کہ تم دشمن کی بیٹی ہو، ہم تمہیں بھول جائیں اور اپنے دشمن کو یاد رکھیں لیکن اسماہ! ہم نے تمہیں یاد رکھا۔"

قطر اندی نے اس کی بات سنی اور کھلے درپچے سے دجلہ کے حین منظر کو دیکھنے لگی پھر گفتگو کا موضوع بدل دیا: "ابو عباس! عباسیہ کا بغداد کتنا پر رونق اور پر ہجوم شہر ہے دجلہ کے اس نظارے پر تو ہمیں سحر و خواب کا گمان ہوتا ہے۔"

معتقد نے دوسرا رخ پیش کیا: "رات کو بغداد بے شک خوابوں کا شہر نظر آتا ہے لیکن دن کو انسانوں کی منڈی میں تبدیل ہو جاتا ہے اور جہد البقا کے ہنگامے ایک نئی تصویر پیش کرتے ہیں۔"

"ہمیں تو بغداد کا یہی خواب آخر میں نظارہ پسند ہے۔"

خليفة معتقد جانتا تھا جو حکمران ان خواب آفریں نظاروں میں کھو جاتے ہیں ان کی زندگی خطروں میں گھر جاتی ہے اور وہ دوسرے دن کا سورج نہیں دیکھتے۔ ابو عباس کے کتنے ہی حکمرانوں پر زندگی کی نئی صیغیں طلوع نہ ہو سکی تھیں جو خوابوں میں کھو گئے تھے لیکن اُس نے اسماہ و قطر اندی کی دل کشی مناسب نہ سمجھی اور کہا: "آدی جاگ رہے تو خوابوں کے سے منظر بدلے لگتے ہیں۔"

پھر اس نے اپنی تباہی جیب سے ایک جھل جھل کرتا ہالہ نکالا اور بڑی آہستگی سے قطر اندی کی گردن میں ڈال دیا جو دجلہ کے بہتے پانی میں روشنیوں کو غسل کرتے دیکھ

اپنا مکھڑ کو کچھ یاد آیا: "ہم نے غلط نہیں کہا کہ تم ہمیں جیک خانوں کی کوشش کے نتیجے میں ملی ہو ورنہ صاروید البولیش نے تمہارا رشتہ ہمارے بڑے بیٹے ابو محمد علی سے طے کر دیا اور ہمارے امرا نے سلطنت نے اس رشتے کو منظور بھی کر لیا تھا مگر ہمارے دل پر ایک قیامت بیت گئی۔ جانتی ہو پھر کیا ہوا؟"

اور خود اسی تباہی لگا: "جیک خانوں کو علم تھا کہ تم سے محبت کرتے ہیں فوراً اُس کے دماغ میں ذہانت کی تیز لہر گزری اور اُس نے تمہارے ساتھ اپنے بیٹے کا رشتہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ جیک کے انکار نے دلی عہد کو پریشان اور ہمارے امرا کو حیران کر دیا مگر اس نے بتایا تمہاری نگاہوں کا مرکز کوئی اور ہے۔ اسی دوران قاصد خط لے کر ایران میں داخل ہوا اور تمہارا نام مجتبیٰ ہمیں پہنچا، اس خط میں تم نے لکھا تھا کہ تم تمہارے ساتھ اپنے عقد دوستی کی شرط قرار دیں۔ اس طرح جیک خانوں کے انکار اور تمہارے خط نے نقشہ بدل دیا۔"

قطر اندی مسکرائی: "خدا کا شکر ہے۔ قاصد نے ہمارا خط آپ کو بروقت پہنچا دیا۔" "اسماہ! جس طرح تمہارے ایک نام میں بہت سے نام جمع ہیں، اسی طرح تمہاری ذات بھی بہت سی خوبیوں کا منبع ہے اور سب سے بڑی خوبی تو یہ ہے کہ غم بھڑے ہوؤں کو مٹانے کا ذریعہ بنی ہو۔"

عباسی خواتین اور بیگمات بھی اُس کی اسی خوبی کے گن گار رہی تھیں اور ایک خوبی معتقد میں بھی تھی مگر وہ عظمت و شوکت اور دبہ و جلال کی باتوں سے سننے والوں کے دل لرزادیا کرتا تھا تو مجتبیٰ گفتگو کرنے کے لیے بھی اس کے پاس الفاظ کا بڑا ذخیرہ تھا، اسے خاموش دیکھ کر کہنے لگا:

"قطر اندی! تم قدرت کا ایک حسین تحفہ ہو، جو ہمیں دیا گیا اور ہم تمہاری تھلیدی اور لطیف روشنی اپنے دل میں محسوس کرتے ہیں لیکن ہمیں افسوس ہے کہ سفر میں تمہارے تانے

۱۔ اسماہ... اسم (نام) کی جمع ہے اسماہ کے معنی ہیں بہت سے نام (المجد) اسماہ اب کے مشہور عاشق سعد کی محبوبہ کا نام تھا جس نے بڑی شہرت پائی، تاریخ اسلام میں بھی اس نام کی کئی مشہور خواتین گزری ہیں (فراہادی)

سی اور مسکرا کر کہا۔ ”اُسے ہم تمھاری صحبت میں کبھی نہیں سوئیں گے۔ نہ تمہیں سونے دیں گے۔“
 اس نے معتقد ہی کا فقرہ دہرا دیا۔ ”ابو عباس! آوری جاگتا رہے تو خوابوں کے سے منظر بھلے لگتے ہیں۔“
 اپنے ہی فقرے نے اس پر جادو سا کر دیا اور وہ قطر الندی کی برجستہ گوئی پر اس اش کراٹھا۔



راہی تھی۔ اس نے چونک کر اپنی گردن میں جھلکاتے ہاتھ کو دیکھا جس کے سامنے نالوکس اور قندیلوں کی روشنی ماند پڑ رہی تھی۔ یہ ٹپنی موتیوں کا وہی ہار تھا، جو اس نے دشتِ ذرات میں اپنی نشانی کے طور پر ابو عباس کو دیا تھا اور شادی کی رات یہ نشانی اسے لوٹا دی گئی تھی۔
 شمعوں کی روشنیوں میں شبنمی موتی جگمگ کرنے لگے اور ان سے ہفت رنگ شمعیں چھوٹنے لگیں، قطر الندی نے ارب پر نظر ڈالی پھر سوالیہ لگا ہوں سے شوہر کو دیکھا وہ کہنے لگا۔ ”ہم نے بہت جستجو کی لیکن اس قسم کے موتی ہمیں سے دستیاب نہ ہو سکے، درہنہ تمھارے لیے موتیوں کا لباس تیار کر اتنے۔“
 ”ابو عباس! بعض چیزیں محبت کی یادگار بن جاتی ہیں۔ یہ ہمارا ماری محبت کی یادگار بن چکا ہے۔“

”اور تمھارے ہی گلے میں زیب دینا ہے کیوں کہ اس قسم کے موتیوں کو تمھارے نام سے نسبت ہے۔“ یہ کہہ کر اس نے قطر الندی کو اپنی بانہوں میں بھر لیا، جو چاند ایک عرصے سے اُس کے دل میں طلوع ہو چکا تھا، اس کے پائی کی روشنی سے اپنے وجود کو منور کرنے لگا۔ راتِ خواروہ نے بھی اس کے بازوؤں میں پناہ لے لی اور محسوس کیا وہ قلعے کی طرح مضبوط ہیں، جس کے حصار میں زندگی کی راحتیں اس کا انتظار کر رہی ہیں۔

رات تیسرے پہر سے گزر رہی تھی۔ جب وہ اُس کے زانو پر سر رکھ کے سو گیا۔ دن کو بیدار ہوا تو اس کا سر تکیے پر رکھا تھا اور قطر الندی مہری چھوڑ کر بھر د کے میں بیٹھی تھی۔ وہ اس صورتِ حال پر حیران ہوا۔ قطر الندی اٹھ کر قریب آئی تو معتقد نے پوچھا ”اُم تمھارے زانو پر سر رکھ کر سوئے تھے اور تم ہمارا سر تکیے پر رکھ کر چلی گئیں۔“
 ”گستاخی معاف ابو عباس! ہم نے اپنے والد کی نصیحت پر عمل کیا ہے۔“

معتقد حیران ہوا۔ ”کیسی نصیحت؟“
 ”انھوں نے کہا تھا، نہ کبھی جاگنے والوں کی محفل میں سوتا، نہ سونے والوں کے پاس بیٹھ کر جاگنا، رات آپ سو گئے تھے، اُم جاگ رہے تھے۔ اس لیے آپ سے علاحدہ ہو گئے۔“

خیلیفہ معتقد یہ بات سن کر دنگ رہ گیا۔ فی الواقع یہ ایک اعلیٰ نصیحت تھی جس پر قطر الندی نے شادی کی پہلی رات ہی عمل ضروری سمجھا تھا۔ معتقد نے نصیحت کے الفاظ پر غور

ان کی صحرائی آزادی میں مزاحم نہ ہوتی تھی۔ البتہ طولونی مملکت قائم ہو جانے کے بعد قبائلی علاقے کی آزادی حیثیت کچھ اور نمایاں ہو گئی تھی۔

خاروبہ کا خیال تھا حملہ آور قبیلہ یقیناً اسی آزاد صحرائی علاقے میں کہیں آباد ہوگا جس سے شعلی معلومات حاصل کرنا اس لیے ضروری تھا کہ وہ معلومات دربار بغداد کو فراہم کر سکے اور ذاتی فکر کو کارروائی کا موقع دے۔ جو مصری جاسوس اور کارندے آزاد قبائلی علاقے کی طرف بھاگے تھے، انھیں صحرائی بددوں کے بھیس میں دو درہن تین تین کی ٹولیوں میں منقسم ہو کر اس علاقے میں جانا، حملہ آور قبیلے کا ٹھکانا معلوم کرنا اور اس سے متعلق بعض ضروری معلومات حاصل کر کے لوٹ آنا تھا لیکن ان جاسوسوں میں سے ابھی تک کوئی واپس نہ آیا تھا نہ ان کے سربراہی نے کسی قسم کی اطلاع بھیجی تھی کہ آیا مطلوبہ قبیلے کا کوئی سراغ ملا ہے یا نہیں۔ وہ ہر دوسرے دوسرے دوز شیبان سے دریافت کرتا اور جواب نفی میں سن کر مایوس ہو جاتا لیکن شیبان کو یقین تھا کہ خفیہ کارندے آقا حسین کا پورا اگلا تا کا کے کر آئیں گے۔ تاہم گزشتہ دن کے ساتھ ساتھ یہ تشویش بڑھتی جا رہی تھی کہ نجانے حالات کی صورت کیا ہے۔

جس طرح علاج کبھی کبھی آسمان کو تنک کی نظروں سے دیکھتا ہے بالکل اسی طرح خازنہ کو بھی شبہ گزرتا کہ جب ایک ماہ کا عرصہ بیت جانے کے باوجود کوئی اطلاع آئی، نہ کوئی پتلا ہو تو اسے تو ضرور سلطانی کارندہ ملے گا کسی دشواری اور مصیبت کا سامنا ہے۔

ڈیڑھ مہینہ گزر گیا تھا۔ جب خلیج عقبہ کی مصری بندرگاہ ایلہ کا نگران ایک روز چاکلک اطلاع پہنچا اور اس نے دفتر خفیہ کے ناظم الامور کو یہ سنسنی خیز اطلاع دی کہ ایک مصری بددو کو ملٹی پر سوار تھا۔ انتہائی خراب دستہ اور زنجی حالت میں بندرگاہ تک نہ پہنچ گیا لیکن ملٹی سے اتارنے ہی گرا اور جاں بحق ہو گیا۔ اس کے جسم پر نیزوں کے کئی زخم تھے اور ان کی زخموں میں اٹا ہوا بالاس خون سے تر ہو رہا تھا۔ دم توڑنے سے پہلے وہ صرف اتنا بتا سکا کہ اس کا نام اسحاق شامی اور مصر کے حکمران خفیہ سے تعلق رکھتا ہے اس نے یہ بھی بتایا کہ وہ انکی آدمی ہے۔ نجانے اس کا مطلب کیا تھا۔ دفتر خفیہ کے حوالے سے بندرگاہ کے نگران کو خیال گزرا تھا وہ ایلہ کی بندرگاہ میں شاید اس لیے آیا تھا کہ قلعہ اس کی مرہم پٹی لگائے اور اسے کسی ہماز پر بٹھا لیتے مصر پہنچا دیں گے لیکن مصر پہنچنے سے پہلے موت اسے موت کر گئی۔ اس نے دفتر خفیہ سے تعلق ظاہر کیا تھا، لہذا بندرگاہ کے نگران کو اس کی

(۶۶)

روداد عجیب

سیاست کتنی ہے۔ دوسروں پر اپنی ولایت اور دہشت طاری کرنے کے لیے انھیں حیرت انگیز اور قابل یقین واقعات سے دوچار کر دے۔ قمر علی جماعت نے شاہی تانے پر حملہ کر کے یہی مقصد حاصل کیا اور ایک ذلت دو حریفوں یا دو سلطنتوں کو وسط حیرت میں ڈال دیا تھا۔

اس واقعے نے صرف قبیلہ معتقد کو حیران و ششدر نہیں کیا بلکہ طولونی سلطان پر بھی ایک عجیب سی حیرت طاری کر دی تھی۔ وہ فیصد کرچکا تھا کہ اس صحرائی قبیلے پر جس کے پیچھے جعفر نجوی کے بہ نول دوسرے صحرائی قبائل بھی کھڑے ہیں خود حملہ نہیں کرے گا بلکہ اپنی طاقت آنے والے محدوش ایام کے لیے ہتھال کے رکھے گا۔ تاہم عباسی حکمران کو موفع دے گا کہ حملہ آور قبیلے کی سرکوبی کرے اور ان دشمنوں کو تس تس کرے، جتھوں نے طولونی شہزادی کو اغوا کرنے کی اشتعال انگیز کوشش کی تھی۔

عباسی سلطنت اور طولونی ریاست کے درمیان قبائلی علاقہ پوری سرحد کے ساتھ پھیلا اور آزاد علاقہ سمجھا جاتا تھا۔ جہاں باد یہ نشیں اپنی مخصوص صحرائی روایات کے ساتھ زندگی گزارتے تھے۔ مصر و شام اور عراق کے درمیان دو مملکتوں کی سرحد چند سال قبل معرض وجود میں آئی تھی ورنہ پہلے یہ سب ایک ہی سلطنت میں شامل تھے لیکن اس دور میں بھی باد یہ شام کی طویل پٹی پر آباد باد یہ نشیں قبائل اپنے آپ کو آزاد خیال کرتے تھے اور عباسی انتظامیہ

موت کی اطلاع دینے خود اسقطاع میں آنا پڑا۔
میر کے نگران کا بیان سن کر دفتر خفیہ کا ناظم الامور لرز اٹھا۔ اسحاق شاری کوئی عام
کارندہ نہیں بلکہ ان جاسوسوں کا افسر اعلیٰ تھا جو قبائلی علاقے کی طرف بھیجے گئے تھے "آخری آدمی"
کے الفاظ کا مطلب یہ تھا کہ اس کے تمام ساتھی ہلاک ہو چکے اور وہ آخری آدمی تھا، جو دشمن
کے زرعے سے نکل بھاگا لیکن انتہائی خطرناک حالت میں ایلیک بندرگاہ تک پہنچا اور وہاں دم
توڑ گیا۔

شہزادہ شیبان کے ذریعے جب یہ خبر خاراویب ابو جیش تک پہنچی تو اس پر حیرت کا لکھ
سکتے طاری ہو گیا اور سزاؤں کے دیرانے میں جعفر نجومی کے الفاظ بے گور و کفن لاشوں کی
طرح نمودار ہوئے۔ مصری جاسوسوں اور کارندوں کے بارے میں اس نے کہا تھا۔۔۔ "کوئی
آدمی زندہ واپس نہیں آئے گا۔"

ڈیڑھ ماہ کے بعد بھی ان میں سے کوئی واپس نہ آسکا تھا۔ صرف اسحاق شاری کے انتقال
کی خبر آئی تھی جو "آخری آدمی" تھا۔ شاری کی طرح دوسرے لوگ بھی یا تو حادثات کا شکار ہوئے
یا قتل کر کے پھینک دیے گئے تھے۔ ان کی لاشیں مزار خور جانوروں نے کھائی یا گدھوں چلی
کوؤں کے پوٹوں میں اتاری ہوئی اور خالی ڈھانچوں پر ریت اڑ رہی ہوگی۔

غالباً وہ صحرائی بڑوں کے بھیس میں پہچان لیے گئے تھے جو اس جہاں لوگ ایک دوسرے
کا حسب نسب جانتے اور قبیلوں کے شجرے تک یاد رکھتے تھے، کوئی اجنبی آدمی چھپ نہیں
سکتا تھا مگر وہ خود کو کسی قبیلے سے منسوب کرتا تو اس سے شجرہ نسب پوچھا جاتا۔ قبیلے سے
علاحدگی کے اسباب دریافت کیے جاتے اور یہ معلوم کیا جاتا کہ خود کو جس قبیلے سے منسوب کرتا
ہے اس سے کوئی تعلق بھی رکھتا ہے یا نہیں؟ اس طرح غیر متعلقہ لوگ شناخت کر لیے جاتے کہ
وہ سرکاری کارندے اور قبیلے کی ٹوہ لینے آئے ہیں۔ پھر ان کی موت یقینی ہو جاتی تھی۔

مصری جاسوسوں اور کارندوں کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا تھا۔ یہ بات اب کوئی نہیں بتا
سکتا تھا کہ آیا وہ مطلوبہ قبیلے تک پہنچ بھی پائے تھے یا نہیں؟ ان کے ساتھ کیا حادثہ پیش
آیا مگر جو کچھ بھی پیش آیا، اس کا نتیجہ ہلاکت کے ہوا اور کچھ نہ تھا۔ جیسا کہ جعفر نجومی نے پہلے
ہی پیش گوئی کر دی تھی۔ اس کی بات پھر پر تکبر ثابت ہوئی، حالانکہ اس نے مصری خبر دلائے
انجام کی خبر از روئے نجوم نہیں دی بلکہ قرعہ پھینک کر فال نکالی تھی۔ اس کے ساتھ ہی جعفر نجومی کی



اسحاق شاری کی موت اور اس کے ساتھ دوسرے مجبوروں کی ہلاکت کے حادثے
نے تمام یہ ابو جیش کو بے حواس و حواس خستہ خاطر کر دیا مگر ابھی اس اطلاع پر صرف ایک عثرہ

مصری مجبوروں کی ہلاکت کا اکتشاف بڑا اذیت ناک اور اس میں افسوس کا یہ پہلو بھی تھا کہ
اب خاراویب حملہ آور قبیلے کے متعلق خلیفہ معتضد کو معمولی معلومات بھی فراہم نہ کر سکتا تھا۔ اس
واقعے سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آنا حسین کا باویہ نشین قبائل پر کتنا اختیار ہے کہ اس کی کوئی خبر صحرائی
دنیا سے باہر نہیں نکلتی۔

اب جعفر نجومی کے مشورے کی قدر و قیمت معلوم ہوئی کہ باویہ نشین قبائل سے اُلجھنا اپنی
حاکمیت زائل کرنے کے مترادف ہوگا۔ جب کہ نئی طولوں کو اپنی طاقت، اپنے بڑے دنوں کے
یہ سب بھال کر رکھنے کی ضرورت ہے۔ اس نے کسی صحرائی قبیلے سے اُلجھنے کی کوشش تو نہیں کی
مگر دشمن کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہی تھیں۔ تاکہ دربار بغداد کو اس سے آگاہ کر سکا اور
تو وہاں سے ایک تھک رہے مگر یہ کوشش نامام ہو گئی تھی۔ اب جو کچھ بھی کرنا تھا خلیفہ معتضد
کو کرنا اور خاراویب کو صرف دشمن کا انجام دیکھنا تھا۔ مگر افسوس تھا تو یہ کہ دشمن کے انجام میں
اس کا اپنا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

اس نے ایک کام کی ابتدا تو کی لیکن اس کی تکمیل ناممکن کی بعض لوگ کہتے ہیں کامیابی مقدر
ہو نہیں، تدبیر پر منحصر ہے۔ بڑے آدمی اس لیے کامیابیاں حاصل کرتے ہیں کہ انھیں اپنی قسمت
پر بڑی توجہ حاصل ہوتی اور تدبیر ان کی کامیابی کی راہیں ہموار کرتی ہے لیکن معلوم ہوتا تھا کہ تقدیر
اب ایسی بلا درست قوت ہے جو طولوں کی حکمران کی تدبیر کو لگا کر گرائے کھل گئی اور اپنا فیصلہ نافذ
کرنا چاہتی ہے۔

وہ جو کسی نے کہے کہ اِذَا نَزَلَ الْقُدْرُ بَطَلَ الْخُدْرُ رجب تقدیر پیش آتی
ہے تو تدبیر کی کوئی پیش نہیں جاتی (یا اِذَا خَلَّتْ اَهْوَادُیْ حَصَلَّتِ السَّادُیْیُ
القدرات کے سامنے تدبیریں ناکام ہو جاتی ہیں) تو شاید یہاں بھی وہی معاملہ پیش تھا۔

گزارا تھا کہ ایک بے حد مستحال، نحیف و کمزور، در ماندہ بلکہ قریب المرگ آدمی جس کے بدن پر چھینٹھڑے بھول رہے تھے اور ان پتھر ہوں پر راستوں کی گرجی تھی۔ القطار میں ایک سلطانی محلات کے سامنے نمودار ہوا۔ محافظ غلاموں نے اسے محفوظ طور اس دیوانہ کو کہ ایک طرف دھکیل دیا لیکن وہ محلات کی تفصیل کے اندر جانا چاہتا تھا۔ اسی اثنا میں دافتر محلات اپنا چری کوڑا اٹھاتا ہوا چھانک پر پہنچ گیا اور بد جان و در ماندہ آدمی پر (جس نے محافظ غلاموں کو بھی پریشان کر دیا تھا) اپنا کوڑا ہر سارے ہی دالا تھا کہ زمین پر گرے ہوئے مفلوک الحال آدمی نے ہاتھ سے اُسے روک دیا اور بڑی نحیف آواز میں بولا: "کیا کرتے ہو دوست! مجھے پہچانو۔ میں القطار کے محافظ سالار حارث ابو ظفر ہوں اور میرا اسی وقت سلطان معظم سے ملا ضروری ہے۔"

یہ بات سن کر داروغہ نے اپنا ہاتھ روک لیا اور غور سے اس کی طرف دیکھا۔ صورت اگرچہ بگڑی ہوئی تھی لیکن خدو خال سے آشنائی کی جھلک نظر آگئی اور وہ حارث کو اس حالت میں دیکھ کر حیرت کے گرداب میں ڈوب گیا۔ غلام بھی یہ جان کر دم بخود رہ گئے کہ وہ حارث ہے جس کی مصروفیت اس لیے تلاش ہوتی رہی تھی کہ وہ شہزادی نجم العلیل کو انکار کے لیے گیا ہے۔ بہر حال کچھ بھی نہ سمجھا، اس حالت اور اس دیدہ لباس میں اسے سلطان معظم سے ملنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی تھی۔ یہ بات شاہی دستدار اور آداب کے خلاف ہوتی لیکن حارث نے اصرار کیا کہ وہ اسی حالت میں اور اسی لباس میں ملاقات چاہتا ہے تاکہ سلطان معظم بہتر طور پر دیکھ لیں کہ اس پر کیا گزری، کیا بقی ہے۔

اس کے اصرار پر داروغہ محلات خود بھاگتا ہوا فطر سلطانی میں گیا۔ اتفاق سے شہزادہ شعیبان بھی ایک ضروری مشورے کے لیے وہیں موجود تھا کہ داروغہ نے خور حافر ہو کر ان کے ناکھانے آنے کی اطلاع دی، شراب و خستہ حالت اور دیدہ لباس کے بارے میں بتایا اور اس کی حاضری کے لیے اجازت مانگی۔

خمار ویدہ جو پیش اور شعیبان داروغہ کی اطلاع اور حارث کی غیر متوقع آمد پر حیران رہ گئے۔ سلطان نے اُسے فوراً طلب کر لیا۔ داروغہ محلات حارث کو خود دے کر حاضر ہوا لیکن اندیشہ تھا۔ اتفاق کے باعث کہیں وہ راستے میں گر نہ پڑے۔ طوبی حکمران اور شہزادہ شعیبان نے اسے دیکھا تو پہلی نظر میں یقین ہی نہ آیا کہ وہ حارث ابو ظفر ہے۔

سلطان کے حکم پر داروغہ نے اُسے ایک چوٹی مسند پر بٹھا دیا، کیوں کہ وہ زیادہ دیر تک اپنے پاؤں پر کھڑا نہ رہ سکتا تھا اور خود کمرے سے نکل گیا۔ حارث نے نجف آواز میں بتایا وہ باویہ شام کے حاشیے پر آباد بنی کلب کی قید میں تھا جہاں سے ہاگار سواری نہیں تھی اتنا ہی اور گرفتاری کا خوف بھی تھا، اس لیے اکثر راتیں بزم کا فاصلہ پورے ایک پہننے میں طے ہوا۔ اس بزم میں وہ بعض اوقات دو تین تین دیکھیں کہ چھپا اور بھوکا پیاسا پرانہ کمزوری کی وجہ سے تیز چلنے کی سکت بھی نہیں تھی ابہر حال، اس نے جو کھوں کا سفر اپنی جان کی بانی پر طے کیا اور سلطان معظم کے حضور پہنچ گیا۔

خمار ویدہ نے حیرت سے پوچھا: "مگر تم باویہ شام کے سواد میں کیسے پہنچ گئے اور کھلی نے تمہیں کیوں گرفتار کیا؟"

"سلطان معظم! مجھے بنی کلب نے نہیں بلکہ یہیں نیل کے ساحل پر ابن حرب الکندی نے گرفتار کیا تھا۔"

ابن حرب کا نام سن کر دونوں بھائیوں پر ایک نئی حیرت گزر گئی اور خمار ویدہ نے پھر سوال کیا: "کیا ابن حرب سے تمہاری کوئی ذاتی دشمنی تھی؟"

حارث نے سنسنی خیز انکشاف کیا: "وہ شہزادی نجم العلیل کے بارے میں میلز قیب اور حریف تھا۔"

"نجم کا ابن حرب سے کیا تعلق تھا؟"

"گستاخی معاف عالی جاہ شہزادی کا اصل تعلق اسی سے تھا اور وہ ابن حرب کی خاطر ملے اور حضور کو فریب دیتی رہی۔"

پھر حارث اصل کمائی بیان کرنے لگا۔

"یہ چھ شوال کا واقعہ ہے، میں تیسرے پہر ایک آدمی سے ملنے فسطاط کے جنوبی علاقے میں گیا تھا کہ انکھاں قصر نجم کے جتنی غلام ڈونگا پر نظر پڑی جو ایک کچھ اٹھائے شہرینہ کے جنوب مغربی دروازے سے بھلے رہا تھا مجھے خیال گزرا شاید اپنی ناکھن کی چوری کر کے ہانکا ہے۔ اسی خیال سے پیچھے لگا گیا۔ ڈونگا شہر پناہ کے دروازے سے نکل کر نیل کے ساحل کی طرف ہولیا اور میں اس کا تعاقب کر رہا تھا لیکن یہ سوچ کر کہ کوئی اور قزاس کے ساتھ مل کر ہٹ کر دیکھا تو ایک نئی حیرت سے دوچار ہوا۔ میں نے دیکھا کہ شہزادی نجم العلیل اور اس

سودانی کنبہ، عنبر عام مصری عورتوں کے لباس میں شہر پنہا مکے اسی دروازے سے نکل رہی تھیں۔ میں ایک مرتبہ پہلے ہی دونوں کو عام مصری عورتوں کے لباس میں نیل کی بندرگاہ پر دیکھ چکا تھا اور اس لباس میں شہزادی نجم اپنی کنیز کے ہمراہ اس حرب سے ملنے لگی تھی۔ مجھے شک گزرا کہ شاید وہ پھر میرے رقب سے ملنے جا رہی ہے۔ میں وہیں نرسوں میں دیکھ گیا۔ جب وہ دونوں کچھ فاصلے پر میرے قریب سے گزر گئیں تو ڈونگا کو چھوڑ کر جو بہت آگے نکل گیا تھا ان کا پیچھا کرنے لگا۔

تھیمتوں کی دلدلوں اور کچھڑے سے بھرتی، ایک دوسری کا سہارا یعنی، کیوں کہ کھیتوں کی منڈیر پر چلنا دشوار ہوتا ہے، وہ دونوں نیل کے ساحل پہنچیں، جہاں اس حرب ان کا منتظر تھا۔ سلطان معظم، انہیں نے تو یہ سوچ کر تعجب کیا تھا کہ نیل کے ساحل پر دونوں کی ملاقات ہو گی اور میں انہیں رنگے ہاتھوں پکڑ لوں گا لیکن معاملہ اس سے زیادہ خطرناک تھا۔ شہزادی نجم اپنی کنیز، عنبر اور سبھی غلام ڈونگا کو لے کر اس حرب کے ساتھ فرار ہو رہی تھی مگر میری موجودگی میں کوئی شخص شہزادی نجم کو جسے حضور مجھ سے منسوب کر چکے تھے، اس طرح نہیں لے جاسکتا تھا۔ بیخودانہ حقیقت مجھ پر اس وقت ظاہر ہوئی کہ شہزادی نجم نے سلطان عال کے اعتقاد کو دھوکا دیا اور مجھ سے بے وفائی کی ہے۔ میں چاہتا تھا اس عیب کو ڈونگا اور عنبر سمیت قتل کر کے شہزادی کو غلامی کے حضور پیش کروں۔ اسی لمحے اور جوش میں تلوار کھینچ کر آگے بڑھا اور ابن حرب کا راستہ کاٹا وہ بھونچکا سا رہ گیا مگر مجھے رائے سے ہٹانے بغیر آگے نہ بڑھ سکتا تھا۔

سلطان معظم، آپ میری اس وقت کی کیفیت کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں جو مجھ پر طاعنی بین ملک حرم نہیں۔ وفادار تھا اور بنی طوروں کی ناموس کو انخوا یا فراموش نہیں دیکھ سکتا تھا۔ پھر میری تلوار ابن حرب کی تلوار سے ٹکرائی اور ایک ٹوٹ کے لیے دوسروں میں لڑائی شروع ہو گئی۔ مگر اس لڑائی کا انجام میری شکست پر ہوا۔ میں ابن حرب کی تلوار کا دم کھا کر گر پڑا اور اس کے پاؤں کی ٹھوک کھا کر بے ہوش ہو گیا۔ جب ہوش آیا تو پتا چلا کہ میں ایک ناؤ میں بندھا ہوا ہوں جو دریائے نیل کے آس پاس جاری تھا۔ میرا زخم شدید تھا جس پر میری عمری کر دی گئی تھی۔ درو کی شدت سے مجھ پر پھر ٹپٹی ہماری ہو گئی اور یہ نہ جان سکا کہ ناؤ کس گھاٹ کی لیکن دوسری بار ہوش آیا تو بھائی دنی رات میں، میں ایک اونٹ کے کباوے پر بندھا سفر کر رہا تھا اور میرے پیچھے ایک آدمی میری نگرانی پر مامور تھا۔ بعد میں پتا چلا کہ ابن حرب کا غلام عبداللہ

شاید عالی جاہ یہی کہ حیران ہوں گے کہ میرے ساتھ شہزادوں کا ایک پورا دستہ سفر کر رہا تھا جس نے شہزادی نجم کو جو اپنی کنیز کے ساتھ ایک محل میں ہوا اور ابن حرب کے ہمراہ کہیں جا رہی تھی، اپنے حفاظتی حلقے میں لے رکھا تھا۔ میں نے چاند اور دم ستاروں کو دیکھ کر اندازہ لگایا کہ ہم مصر کے جنوب مشرق کی جانب سفر کر رہے تھے۔ اس دشوار گزار علاقے میں سفر رات بھر جاری رہتا اور طلوع شمس کے ساتھ پڑاؤ ڈال دیا جاتا تھا۔ میرے روزنامہ مجرم قلم کے کنارے مجمع الجہین کے مقام پر پہنچے، جہاں دو چار تیار رکھڑے تھے اور دونوں مصری جہاز تھے۔ ان جہازوں پر آدمیوں سمیت ہم نے بحیرہ قزم کی کھڑی خلیج عقبہ کا سفر کیا اور اس کے مشرقی ساحل پر دس محمد پراترے جہاں سے فائدہ کھڑا آدمیوں پر سوار ہو کر اور ساحل کی دشوار گزار پہاڑیوں سے نکل کر حجر کے علاقے میں سفر کرنے لگا۔

چھٹے دن ہم بادیر شام کے حاشیے پر بنی کلب کے خمیوں میں پہنچے۔ جہاں شہزادی نجم ابیل کا شاہد استقبال کیا گیا۔ اس کا مصر سے فرار اور بادیر شام کی جانب سفر پہلے سے طے شدہ تھا اور بنی کلب اس کی آمد کے منتظر تھے۔ وہاں کچھ اور بھی ہوا ہوگا لیکن میں اس کی تفصیل بیان نہیں کر سکتا کیوں کہ عبداللہ کی نگرانی میں مجھے ایک شخص میں پہنچا دیا گیا اور وہی خیمہ میرا قید خانہ تھا مگر دوسرے روز شام کے وقت میری رسیاں کھول دی گئیں اور میں عبداللہ کی نگرانی میں ایک بہت بڑے پارچاتی ایوان میں لایا گیا، جہاں بنی کلب کے علاوہ اور بھی کئی قبیلوں کے سردار اور معزین جمع تھے۔ میں حیران تھا کہ مجھے آزاد کر کے یہاں لانے کا کیا مقصد ہے، سوچا شاید میری موت کا فیصلہ ہونے والا ہے مگر بات کچھ اور تھی اور بڑی جبرت انگیز تھی۔

اس اجلاس کے درمیان، میں نے شہزادی نجم اور ابن حرب کو پہلو پہلو مسند پر بیٹھے دیکھ کر وہ ان کے غم کی تقریب تھی۔ مجھے وہاں اس لیے لایا گیا تھا کہ میں انہیں رشتہ ازدواج میں منسلک ہوتے دیکھوں۔ ایک سبز پوش شیخ جس نے اپنا نصف چہرہ ڈھانپ رکھا تھا، ان کا رخ خوانی کا فریضہ ادا کرنے لگا۔ جب وہ نکاح کا خطبہ پڑھ چکا تو اس نے ابن حرب کو "ملک الصحرا" اور شہزادی نجم کو "ملکہ صحرا" کے خطابات دیے اور شہزادی کو بے حجاب ہو کر اپنا جلوہ حسن دکھانے کے لیے کہا۔ نجم ایل نے اپنے چہرے سے نقاب الٹ دیا اور سب لوگوں کے سامنے بے حجاب ہو گئی۔ قبائلی سرداروں اور ان کے ناٹیوں نے اپنی تلواریں اس کے قدموں میں ڈال دیں لیکن،

شہزادی ہم نے جواب "مکہ صحرا" مٹی یہ کہہ کر وہ عواریں مسرور ہوئیں کہ ان کی دھار پر کسی کے خون کی سرخی نہیں۔ پھر وہ سبز رخ سے پوچھنے لگی "..... آقا حسین! کیا ہم نے درست کہا ہے؟"

آقا حسین کا نام سن کر سلطان خمار ویدہ مارے حیرت کے اپنی مسند سے اچھل گیا۔ یہی کیفیت شہزادہ شیبان کی ہوئی۔ انھیں شہزادی نجم کے فرار اور ابن حرب کے ساتھ اس کے نکاح پر اتنا تعجب نہیں ہوا تھا، جتنی حیرت یہ سن کر ہوئی کہ وہ نکاح آقا حسین نے پڑھا اور اُمی نے شہزادی نجم کو "مکہ صحرا" کا خطاب دیا جس شیخ الجماعتہ کی تلماش اور عجزی کی کوشش میں مصری کارندے ہلاک ہوئے تھے۔ حادثہ اسی کے متعلق ایک سنسنی خیز اطلاع دے رہا تھا۔ شہزادی نجم نے اگر ابن حرب سے عشق کیا اور اس کے ساتھ مبالغہ گئی تو یقیناً دونوں کا نکاح بھی ہوتا۔ یہ معاملہ ایک جوان بیوہ کے عقد ثانی اور اب معاشرے میں صرف ضابطے کی کاڑھ کا تھا۔ البتہ اس انکشاف نے جسم میں تحیر اور سنسنی کی لہر دوڑادی کہ اس نے بنی طوون اور بنو عباس کے مشترکہ دشمن آقا حسین کو اپنا سرپرست بنالیا تھا اور اس کی مہربانی سے "مکہ صحرا" بن گئی تھی۔

"کیا انھیں یقین ہے وہ سبز پوش شیخ آقا حسین ہی تھا؟"

ان واقعات کے پس منظر میں جو حادثے نے بیان کیے، اس سوال کی ضرورت نہ تھی۔ یہ اطلاع پہلے ہی مل چکی تھی کہ ابن حرب آقا حسین کے صحرائی لشکر کا سرغنہ بن چکا ہے۔ لہذا نجم اہل حبشی طوونی شہزادی کے ساتھ اپنے عسکری سرغنہ کا نکاح اُمی نے پڑھایا ہوگا، پھر بھی حادثہ عجیب دیا۔ "ہاں، وہی آقا حسین تھا، جو بادیدہ شام کے علاقے میں اپنے بھائی امام یحییٰ قرمطی کا نائب اور قبائل کو خروج کی دعوت دے رہا ہے۔"

یہ ایک اور انکشاف تھا کہ آقا حسین اصل آدمی نہیں بلکہ اس کے پیچھے امام یحییٰ قرمطی کھڑا ہے۔ وہ صرف اپنے بھائی کا نائب اور "شیخ الجماعتہ" کہلاتا ہے مگر کھلی کے بعد وہی امام ہوگا۔ طوونی سلطان کا جیسے بڑھا۔ "یحییٰ قرمطی کے بارے میں اور کیا جانتے ہو؟"

"وہ ذکر ویدہ قرمط کا جس کا اصل نام فرج بن یحییٰ بن عثمان قاشانی ہے، بڑا بیٹا یا

لے مؤرخین کے بقول اطراف کوہ میں ایک شخص بڑا زاہد اور متقی تھا جو بیل پر سوار ہوتا اور (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

جماعت کا اصل سرغنہ امام اور کہیں عراقی میں مقیم ہے۔ ذکر ویدہ قرمط کا ایک چھوٹا بیٹا علی ہے۔ یتیموں بھائی اپنے باپ کی نسبت سے "قرمطی" کہلاتے ہیں۔ ان کی خفیہ تحریک بھی اسی نام سے منسوب ہے۔"

حادثہ نے مزید تباہی کر یحییٰ قرمطی کے نائب آقا حسین قرمطی کا اصل مسکن نہیں جانتا جو شاید بادیدہ شام کے سوا میں ہے۔ البتہ وہ اپنے شہزادہ سوار محافظوں کے ہمراہ بنی کلب میں شہزادی نجم اور ابن حرب کا نکاح پڑھنے آیا تھا اور اپنا نصف چہرہ ہمیشہ ڈھانپے رکھتا ہے۔ اس نے ایک اور انکشاف کیا کہ سلطان معظم، قرمطی جماعت بڑی خفیہ اور منظم ہے۔ کوئی شخص کسی امتحان کے بغیر اس میں داخل نہیں ہو سکتا۔

خمار ویدہ ابوجیش نے تعجب سے پوچھا: "کیا نجم بھی کسی امتحان سے گزری تھی؟"

"الغافل سے فرار ہی اس کا ایک امتحان تھا۔ وہ بنی طوون کی ناموس یک کپڑے کی طرح تار کر پھینک گئی اور اپنے خواب ایک بچے میں باندھ کر لے گئی۔ ابن حرب بھی بغداد سے بھاگا اور خلیفہ معتضد کے ہاتھوں سے بیکل آیا یہ اس کا امتحان تھا اب وہ دونوں جماعت کی ضرورت بن چکے ہیں۔ ابن حرب بادیدہ نشیں قبائل کا سپہ سالار یا عسکری سرغنہ ہے۔ نجم اہل، "مکہ صحرا" اور صحرائیوں کے دلوں پر حکومت کرتی ہے۔"

پھر حادثہ نے بتایا کہ خداوند اس کی کڑی نگرانی کرتا اور سوتے وقت بھی اپنی ایک آنکھ کھلی رکھتا تھا۔ ایک رات یہ سمجھ کر کہ وہ سو رہا ہے اس نے فرار کی کوشش کی لیکن عبد اللہ نے پیشکش ناکام بنادی اور دوسرے دن اس کے گلے میں طوق اور پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیں۔ اس نے شہزادی نجم سے ملاقات کی التجائیں کہیں لیکن کوئی القاب قبول نہ ہوئی۔ شہزادی نے اپنا دل سخت کر لیا تھا۔ رہائی کی کوئی صورت نہ تھی اور اسے قید میں ایڑیاں رگڑا کر مر جانا تھا۔ آخر اس نے (بقیہ حاشیہ)

اسی وجہ سے "قرمط" کہلاتا تھا جو دراصل قرمط کا مغرب ہے۔ اس کا نام حمدان لور لقب قرمط مشہور ہو گیا، وہ اہل اہل بیت تھا۔ لوگ اس کے گرد جمع ہونے لگے تو کوہ کے گورنر، مصیم نے حکم کر کے انھیں پرگندہ کر دیا اور قرمط کو جیل میں ڈال دیا۔ جو وہاں سے بھاگ نکلا۔ ابن خلدون کے نزدیک جیل سے بھاگنے والا ذکر ویدہ قرمط فرج بن یحییٰ قاشانی تھا۔ (بحوالہ ابن اثیر، ابن خلدون)

ان بڑھاپا میں نے اسی کی آواز سنی۔ ”یہاں تو ایک گڑھا بھی ہے۔“

میرا کھانا منہ کو آئے گا۔ میں مکمل طور پر خطرے میں تھا، دو دھاری خنجر نکال لیا کہ اگر بنے والے نے مجھے پکڑنے کی کوشش کی تو اسے ہلاک کروں گا اور جیتے جی کسی کے ہاتھ نہ آؤں گا۔ میں نے محسوس کیا کہ آنے والا قریب اگر رک گیا ہے۔ گڑھے میں اندھیرا تھا۔ بائیں ہاتھ روشنی تھی۔ اس نے اندر جھانک کر دیکھا۔ میں اسے نظر نہ آسکا کیوں کہ میں بنی خا میں تھا۔ جب مجھے بھی باہر سے نظر نہ آسکا تھا اپنے اطمینان کی خاطر اس نے گڑھے میں نیزہ ڈال کر دکھایا جس کی آبی میرا کندھا چھوئی ہوئی گزرتی جیسے اس نے کی تیرہ دھاری پھر گئی ہو مگر میرے منہ سے آف ایک نہ نکلی۔ چھوٹے گڑھے میں بے حس و حرکت دیکھا رہا۔ بڑے گڑھے میں دو مین بائیں ہاتھ لگانے کے بعد وہ لوٹ گیا اور اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا۔ ”گڑھا خالی ہے۔ شاید وہ آگے بھٹک گیا۔“

”یہی تجھے بھٹک رہا ہوگا۔“

”یہی تو ہم دیکھ آئے ہیں وہ کہیں نظر نہیں آیا۔“

”ہو سکتا ہے مغرب کی بجائے شمال کی طرف بھٹک گیا ہو۔“

ان تینوں کی گفتگو پر اب مجھے ایک دلکش نئے کام کا گمان ہو رہا تھا۔ پھر میرا آدی اپنے اونٹ پر سوار ہوا اور تینوں ایک طرف بھٹک گئے۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ بال بال بچا ہوں۔ اس واقعے سے اگر میرے حواس اڑ گئے تھے تو یہ تسلی بھی ہوئی کہ قدرت کو میری حفاظت منظور ہے مجھے اپنا کندھا زخمی ہونے کی پروا نہیں تھی نہ زخم معمولی تھا اسے اتار سے دبا لے رکھا تو خون بند ہو گیا۔

شام کا چھٹپٹا پھیلنے تک میں وہیں دیکھا رہا پھر بائیں ہاتھ لکھا اور تین بہ تقدیر چل دیا۔ میں نے سفر کی سمت تبدیل نہیں کی۔ بہ ستر مغرب کی جانب بڑھنا رہا۔ چاندنی رات میں سفر کچھ آسان ہو گیا۔ کسی انسان سے آشنا سامنا ہوا نہ کسی جانور سے ٹکراؤ ہوئی۔ بائیں ہاتھ لکھا ساتھ لے کر بھاگتا تھا، صرف ایک دن کے لیے کافی ہو سکتی تھی لیکن میں نے اسے تین یوم استعمال کیا تو پندرہ روز کے علاقے میں داخل ہوا۔ اب پانی کی چھانگل بھی ختم ہو چکی تھی۔

میں نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ جب ابن حرب شہزادی نجم کو اپنے ساتھ بھاگتا ہے جانے کے لیے مصر آیا تو اس کے ہمراہ ابو جندام کے شتر سوار تھے اور سردار دیان خود ان کی رہنمائی کرتا تھا۔ عبداللہ سے سنا تھا ابو جندام حج کے علاقے میں رہتے اور پورے علاقے کی نگرانی کرتے ہیں۔

دن کے پہلے پر قید خانے میں کھانا لے کر آجاتا تھا۔ ڈنگا کا قتل اور میرا فرار صرف اسی وقت تک چھپا رہ سکتا تھا پھر بنی کلب کے شتر سوار میری تلاش میں بھاگ نکلتے، صرف میری بھاگ دوڑ مجھے ان کی گرفت سے بچا سکتی تھی۔ شتر سواروں کے مقابلے میں جو ایک دوپہر کے اندر میرے سر پہنچ جاتے، میں بھاگ بھی کیا سکتا تھا مگر جان بچانے کی خاطر بھاگنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا سو بھاگنے لگا۔ میں نہیں جانتا میرے نیچے اور لہجہ جسم میں اتنی طاقت کہاں سے آگئی تھی کہ مسلسل بھاگتا رہا، نہ کھانے کا بخوش تھا نہ پینے کی سوجھ۔ سانس اکھڑنے لگتا تو دو گھڑی دم لیتا اور پھر بھاگ اٹھتا۔ حتیٰ کہ دوپہر تک میں بنی کلب کے غیموں سے کم و بیش پچیس میل دور نکل آیا۔ آخر ایک جگہ تک ہار کر گر پڑا۔ سورج کی تازت اور ریت کی گرمی نے بے حال کر دیا تھا۔ میں نے چھانگل سے دو گھونٹ بھر سے ارد گرد کے ماحول کا جائزہ لیا۔ ”رحمتہ اللہ“ والے صیغہ ”کی گزرگا“ میرے اندازے کے مطابق ابھی چند میل دور تھی۔ کچھ فاصلے پر پہاڑی پہلے نظر آئے اور اس خیال سے ان کی طرف چل دیا کہ شاید وہاں چھپنے کی کوئی جگہ مل جائے۔

دو میلے صحرا میں اونٹ کے کمران کی طرح الجھ رہے ہوئے اور دو رنگ چلے گئے تھے۔ ایک کٹے پھٹے ٹیلے میں گڑھا دکھائی دیا۔ جو ایک گز اندر چلا گیا تھا۔ ضرور کوئی حوائی بھڑپا یا وہاں آرام کرتا ہوگا۔ ایک آدی بمشکل سما سکتا تھا۔ میں اسی گڑھے میں گھس گیا۔ دیکھا تو بائیں دیوار میں ایک چھوٹا سا ایک اور گڑھا تھا جو باہر سے نظر نہ آتا تھا۔ میں نے بڑے گڑھے میں بیٹھ کر دم لیا۔ دو گھنٹے کھانے اور دو گھنٹے پانی پیا۔ میں پانی اور باقی کھانے کو بچا کے رکھنا چاہتا، جس پر میری زندگی کا انحصار تھا۔

اب میں گڑھے میں بیٹھا شام کا چھٹپٹا اترنے کا انتظار کرنے لگا کہ اپنا سفر پھر شروع کر سکوں کہ تیسرے پہر اچانک ”دھب، دھب“ کی کچھ آوازیں سن کر چونک اٹھا وہ اونٹوں کے چلنے کی آواز تھی۔ میری بھیجی جس نے بتایا کہ خطرہ قریب آگیا ہے۔ پھر میں نے گڑھے کے خلا سے تین اونٹوں کو اس ٹیلے سے پاس لے کر دیکھا جہاں میں چھپا ہوا تھا اور جلدی سے گڑھے میں گھس کر دیک گیا۔ ایک آواز خطرے کی گھنٹی بن کر میری سماعت سے ٹکرائی۔ ”وہ ان ٹیلوں کو دیکھو۔ وہ یہیں کہیں نہ چھپ گیا ہو۔“

میرا بدن خوف سے لرز اٹھا۔ پھر ایک شتر سوار نے اونٹ بٹھایا اور اتر کر گڑھے کی

موجودہ ذلیلہ اسی علاقے کے قدیم خانہ بدوشوں کا آخری حلقہ ہے مگر یہ معلوم نہ ہو سکا تھا کہ وہ کسی ایک جگہ مستقل سکونت اختیار کر چکا یا اپنے پڑاؤ بدلتا رہتا ہے۔ جو کہ علاقے میں سفر کرتے ہوئے یہ دھڑکا بھی تھا کہ بنی کلب کے شترسواروں نے کہیں جو حجام کو میرے فرار کی اطلاع دے دی ہو اور وہ بے خبری میں مجھے دبوچ نہ لیں۔ میں اس علاقے میں بڑا چوکس اور چھپ چھپ کر سفر کرتا رہا۔ "رحلۃ الشتاء والصیف" کی شاہراہ عبور کرتے وقت میرے اندر کے آدمی نے کہا کہ مجھے کسی معرکہ گزرگاہ پر سفر نہیں کرنا اور خود کو قافلوں اور لاکھ لاکھ مسافروں کی نظروں سے بھی چھپانا ہے، ورنہ جو دشمن شترسواروں کے پورے دستے سمیت صحر میں داخل ہوا اور خزاوی کھم کو نکال کر لے گیا، وہ مجھے بھی کسی راستے سے اچک لے گا کیونکہ اس کے ہاتھ بڑے لمبے ہیں۔

یہی سوچ کر میں نے "امام مہین" کی شاہراہ کو بھی چھوڑا اور جزیرہ ناسینائی کے دشوار گزار علاقے میں داخل ہو گیا لیکن چٹیل پہاڑیوں کے پیچ و خم عبور کرنا اور غلو کریں کھانا بھی ضروری دور گیا تھا کہ نیش کھا کر گر پڑا، خوراک اور پانی کو ختم ہونے دو روز ہو چکے تھے۔ میں دو دن سے بھوکا پیاسا سفر کر رہا تھا اور بھوک پیاس ہی میری غشی کی وجہ بنی تھی۔ ہوش آیا تو سورج سر پر اگیا تھا۔ دوپہر ہو چکی تھی اور میں ایک چٹیل پہاڑی کے دامن میں پڑا تھا۔

سوچا خوراک اور پانی کے بغیر نہ سفر کر سکوں گا، زندہ رہوں گا۔ جب کہ زندگی مجھے پہلے سے عزیز ہو گئی تھی اور میں ہر قیمت پر القطارح میں پہنچنا چاہتا تھا، ابھی اٹھ کر بیٹھا ہی تھا کہ ایک خرگوش بنجانے کہاں سے نکل کر میری طرف آیا اور مجھے دیکھ کر چھپکنا ہوا واپس بھاگا۔ میں نے خجریکا لاجو اس سفر میں میرا واحد ہتھیار تھا اور تاک کر خرگوش پر چھپکا خجریک نشانہ پر بیٹھا خرگوش وہیں ڈھیر ہو گیا۔ دراصل یہ نشانہ نہیں تھا، میری قسمت تھی، جو ٹھیک نشانے پر پہنچی وہ خجریک چھپکنے وقت صدف سے میرا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ میں نے جلدی سے اٹھ کر خرگوش کو نوک کیا کھال اتاری گوشت کے پارچے بنائے۔ اب انھیں بھوننے کا سوال تھا۔ کڑوری اور نظامت کی وجہ سے میرا معدہ کچا گوشت ہضم نہ کیا، قبل بھی نہیں کر سکتا تھا۔ آخر ایک سو بھیجی تھیں تپتے چھڑ صاف کیے اور گوشت کے پارچے ان پر رکھ دیے۔ اس طرح انھیں نرم سوختہ کیا اور پیٹ کی آگ بجھائی۔

اب پیاس بھر کر اٹھی مگر اس پاس پانی کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ میں رات بھر کا جاگا اور

سفر کا تھکا ماندہ تھا پھر بھی پانی کی تلاش دن کے اجالے ہی میں مکمل تھی۔ (ادھر ادھر بھٹکتے لگا اور دھوکے دیتے ہیں کہ صبح و شب جس نے ڈھونڈا اسے مل گیا) تو پھر نے پھرتے مجھے ایک چشمہ مل گیا۔ میں نے پیٹ بھر کے پانی پیا۔ چھاگل بھری اور سوچا۔ اس چشمے کے آس پاس کوئی قبیضہ بھی آباد ہوگا۔ اگرچہ میں صحر میں داخل ہو چکا تھا پھر بھی دل پر ایک نامعلوم سا خوف غاری تھا کہ کسی قبیلے پر بھروسہ نہ کروں۔ بقیہ دن گزارنے کے لیے وہیں ایک کھڈ میں پڑ کے سو رہا کہ رات کو سفر کروں گا لیکن رات کے پہلے پہر آنکھ کھلی تو جسم بخار میں بھٹک رہا تھا اور اس حالت میں سفر ممکن نہ تھا سوچا فوراً آرام کروں گا، تو بخار اتر جائے گا لیکن رات کو بخار کچھ اوتیر نہ ہو گیا۔ دوسرے دن بھی غشی کی کیفیت طاری رہی میں تین دن اور تین راتیں اسی کھڈ میں پڑا رہا۔ پینے کو چھاگل میں پانی اور کھانے کو خرگوش کا وہی نیم سوختہ گوشت تھا جسے میں نے آئندہ وقت کے لیے بچا لیا تھا چونکہ روز بخار اتر، طبیعت کچھ سنبھلی تو پھر چل پڑا اور دشت تیر کی جانب ہوا۔

یہ کہہ کر حادث خاموش ہو گیا مگر سلطان خا روید اور شہزادہ شیبان دونوں گڑاب حیرت میں ڈوب گئے۔ حادث کی روداد سے جہاں قرامطی کی انتہائی خفیہ تحریک، ذکر وہ قرامطی کے بیٹوں امام یحییٰ قرامطی اور اس کے نائب شیخ الجماعت آقا حسین قرامطی کے متعلق حیرت انگیز معلومات حاصل ہوئیں، وہاں ابن حرب سے شہزادی نجم کے عشق، صحر سے فرار، بنی کلب میں ان کے عقد وصل کی داستان بھی کسی اچھے سے کم نہ تھی، جب کہ انھوں نے نجم لیل کو حادث کا "انعام" قرار دیا اور اس سے ملنے جلنے کی اجازت دے کر یہ جن بھی کیا تھا کہ شہزادی اسے بطور شہر قبول کرے لیکن وہ ابن حرب پر عاشق تھی اور کچھ بیٹنے کی دلت حاصل کرنے کا مطلب یہ تھا کہ اس عرصے میں ابن حرب شترسواروں کا دستہ لے کر آئے اور اسے القطارح سے، قرامطی سے، صحر سے نکال کر لے جائے اور وہ اسے لے گیا تھا۔ بنی کلب میں دونوں کا عقد ہوا اور وہیں ان کے لیے جگہ عروسی تیار کیا گیا تھا لیکن ان کے عشق اور وصل سے بڑھ کر حیرت انگیز بات یہ تھی کہ دونوں کو باہم لانے اور انھیں جگہ عروسی میں داخل کرنے والا آقا حسین تھا جس نے بنت سلطان اسامہ قطارندی کا مطالبہ کیا تھا اور جب وہ خلیفہ معتضد کی عروس بن کر بغداد آباد ہوئی تھی۔ راستے میں اسے اغوا کرنے کی سعی کی تھی۔

اس معاملے کا ایک اور عجیب پلیر یہ تھا کہ نجم جو "مکہ صحر" کی حیثیت رکھتی اور قبائل پر

سامنے بیان کر دو گئے۔

حادث پر نئی حیرت گز گئی۔ شہزادی نجم کی بجائے اسے قرمطی جماعت کی فکر تھی طرہوں
مکران نے اس کی حیرت بھانپ لی اور کہا۔ ”قرمطی تحریک عباسیہ کے خلاف خروج کی تیاریاں
کر رہی ہے لہذا مصلحت یہی ہے کہ اس پر عباسی لشکر حملہ کرے۔“

وہ آقا حسین کے ساتھ جو شام کے قبائلی علاقے میں اپنے بڑے بھائی بھی قرمطی کا
دب تھا خود الجھنا نہ چاہتا تھا لیکن اسے وہ معلومات مل گئی تھیں جو مصری کارندے اور غیر
مائل نہ کر سکے اور حوادث کا تقدیر بن گئے تھے۔ اب ضروری تھا کہ وہ خلیفہ معتضد کو ان معلومات
سے آگاہ کرے اور دشمن کے انجام میں اپنا حصہ ڈالے۔



KHAN BOOKS
& LIBRARY
S-527, BHABRA BAZAR, RAWALPINDI.
Cell: 0345-5048634 - 0345-5048959
Prop: Ali Khan

حکمران تھی اور دھارے سے بے خبر نہ ہوگی، گویا وہ بھی قطر اندی کر آقا حسین کی حرم بنانا چاہتی
اور اس کی کوشش میں شریک تھی۔ قرمطی جماعت عباسیہ کے خلاف خروج کا ارادہ رکھتی اور
جنگ کی خفیہ تیاریاں کر رہی تھی۔ شہزادی نجم کا اس خفیہ جماعت میں شریک ہونا اور قبائلی کو
جنگ کی دعوت دینا بھی بڑا خطرناک مسئلہ تھا۔

حالات کا ایک عجیب و غریب گورکھ دھند اٹھا جو حادث کی روداد کے ساتھ سلنے آیا۔
اور دونوں بھائی اس گورکھ دھندے میں الجھ کر رہ گئے جس طرح صحراؤں سے گزر کر آئے والی
ہوا اپنے ہمراہ گرمی یا گیولوں کی ایک لہر لے کر آتی ہے۔ اسی طرح حادث بادئ شام کے حاشیے
سے اپنے ساتھ معلومات کے کچھ ایسے گرد باد لے کر آیا تھا، جو طولانی حکمران کے ذہن میں حیرت
کے چکر کاٹنے لگے۔

حادث کا خیال تھا کہ جو کچھ بیان کر چکا ہے وہ خمارویہ ابو جلیش کو نبی کلب پر حملے کی
ترغیب دینے کے لیے کافی ہے یا پھر اس نے طولانی حکمران کے سامنے ایک ایسا سوال رکھ دیا
ہے جس کا جواب اسے بہر طور اثبات میں دینا ہوگا۔ خود ہی کہنے لگا۔ ”سلطان معظم! میں
نبی کلب کا محل وقوع دیکھ آیا اور طولانی لشکر کی رہنمائی کر سکتا ہوں۔“

خمارویہ پریشان ہے میں بولا۔ ”تم چاہتے ہو ہم نبی کلب پر حملہ کریں؟“
”شہزادی نجم کی بازیابی کے لیے حملہ ضروری ہے حال جاہ!“

خمارویہ نے شیبان کی طرف دیکھا اور حادث کے سوال کا جواب اس نے دیا۔ ”نجم اب
واپس نہیں آئے گی بلکہ اندیشہ یہ ہے کہ خود طولانی حملے کی مزاحمت کرے گی اور یہ بات نبی طولانی
کے حق میں نہیں جاتی۔“

حادث جواب سن کر دنگ رہ گیا۔ وہ چاہتا تھا نبی کلب کی سرکوبی کے بعد شہزادی نجم کو
انقطاع میں واپس لایا جائے۔ اس حرب جنگ میں مارا جائے گا۔ نجم اسیں دوبارہ بیوہ ہوگی اور
اپنی مدت پوری کر کے اس کے جائز نکاح میں آجائے گی لیکن شیبان کا جواب مایوس کن تھا پھر
خمارویہ نے توقفہ بالکل ہی ختم کر دیا۔

”نجم اکیلے کو بھول جاؤ حادث! اس کی فکر کرنے کی بجائے اپنی صحت پر توجہ دو جب سفر
کے قابل ہو جاؤ گے، تم تمہیں ایک بادشاہ خلیفہ معتضد کے پاس بھیجیں گے اور قرمطی جماعت یا
آقا حسین کے بارے میں جو معلومات ملے کر آئے ہو وہ تم ہماری طرف سے معتضد ابو عباس کے

(۷۷)

تلاش اور ناکامی

کر دیا گیا مگر خلیفہ معتمد کے زمانے میں بغداد کو یہ عزت دوبارہ حاصل ہوئی تو قصر سفید کی شاہی حیثیت بھی بحال ہو گئی۔

جبکہ خاتون کے قصر سفید میں منتقل ہو جانے کے بعد معتمد کی چھوٹی مرضم قطر الندی ارماف میں چلی گئی، یوں اب خلیفہ کو ہر شام مشرقی ساحل پر جانے کے لیے دریا عبور کرنا پڑتا تھا اس کی دوسری حرمیں جانتی تھیں کہ قطر الندی کے ترک حسن کی کشش اسے کشاں ارماف میں لے جاتی ہے بلکہ وہ جبکہ خاتون کے حصے کی بعض باتیں بھی جو خاتون اول کی حیثیت سے زیادہ معروف رہتی تھیں، ارماف ہی میں گزارتا ہے لیکن کسی نے اعتراض نہیں کیا۔ وہ معتمد کے عاشقہ مزاج کے علاوہ اس بات سے بھی واقف تھیں کہ چند مہینے نئی دھن کی ناز برداری ہوتی ہے۔ پر وہ بھی اپنی مقررہ راتوں میں شوہر کا انتظار کرتی ہے لیکن قطر الندی کی محبت اور کشش کا سلسلہ کئی طویل ہو گیا تھا۔

خلیفہ معتمد قطر الندی کا اس لیے راز فتنہ و دیوانہ تھا کہ وہ حسن و خوب صورتی میں سب سے بڑھ کر اور عمر میں سب سے چھوٹی تھی لیکن جن تذکرہ نویسوں نے اس کے مزاج کا تجزیہ کیا وہ کہتے ہیں کہ معتمد اگر حبس عورتوں کا شوق رکھتا اور ان پر عنایت کرتا تھا تو اپنے دشمنوں کو مار دیتا بلکہ ان کے حتیٰ میں بڑا قبیل اترم تھا۔ ابن حرب کا شاہی قافلے پر حملہ اور اس کی طوہری اس کو بگلا لے جانے کا واقعہ ایسا تھا، جسے وہ بھول جاتا یا نظر انداز کر دیتا۔ وہ اس دشمن کو براہ راست بغیر چھوڑ نہ سکتا تھا، جس نے اس کے ذاتی معاملے میں مداخلت کی تھی۔ خیال تھا آکاہین اور اہل عرب کے نام سامنے آ جانے کے بعد حملہ آور قبیلے کا سرور چنداں مشکل نہ ہو گا عراقی اندھے اور مخبر اس کی تلاش میں سرگرداں ہو گئے تھے مگر ان تمام سرگرمیوں کا نتیجہ ڈھاک کے ایک نئی بات تھی جس سے بغداد کا دفتر خفیہ پہلے ہی آگاہ تھا کہ

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ)

شاعروں نے بعد ازاں اس تباہی پر مرثیے لکھے تھے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

بلیت و صاعلی بغداد لہما

میں نے بغداد پر خون کے آنسو بہائے جب

فقدت عضادۃ العیش اللایق

رحلت کی زندگی یہاں سے رخصت ہو گئی (منذکرة الخلفاء)

نوجوان بلکہ توجیز اور ترک حسن کے سانچے میں وصلی ہوئی طوہری شہزادی اسما قطر الندی کے ساتھ خلیفہ کی ہر شب، شب عیش تھی جس کے حسن و شباب نے دربار کی یاد بھی بھلا دی اور اسے اپنی خوب صورتی کا اسیر کر لیا تھا۔ معتمد کی راتیں اپنی چاروں حرموں میں تقسیم شدہ تھیں لیکن نئی شادی کے بعد اس کا زیادہ وقت قطر الندی کے پاس گزارتا تھا اور دوسری حرموں کے حصے کی راتوں میں بھی کچھ دیر کے لیے اس کے قصر میں ضرور آتا جو دریا کے دجلہ کے مغربی کنارے تھا جبکہ مرکزی دفاتر عسکری امور کے شعبے، قصر خلافت اور اس کی دوسری حرموں کے محلات بھی دجلہ کے مغربی ساحل پر تھے۔ البتہ ارماف مشرقی ساحل پر تھا۔

طوہری دھن کے ساتھ ماہ نوشیں (شادی کا پہلا مہینہ) گزارنے کے بعد ایک مہینہ تبدیلی عمل میں آئی۔ جبکہ خاتون اپنے غلاموں اور کتیزوں کے ساتھ مغربی ساحل پر قصر سفید منتقل ہو گئی جو عباسیہ کی خاتون اول کا محل سمجھا جاتا تھا۔ معتمد علی اللہ کے دور میں جب بغداد کو دوبارہ دار الخلافت قرار دیا گیا تو کہ خلیفہ امین اور مامون کی کشمکش کے دنوں میں ہوا کے سپہ سالار عمار بن یسین نے پندرہ ماہ تک بغداد کا محاصرہ کیے رکھا اور منجلیقوں سے پتھر اور روغن لٹھکی انڈیاں برسائی تھیں، تو بہت ساری عمارتیں گر گئی اور بہت سی جل گئی تھیں۔ شہر کی خوبصورتی برباد ہو گئی تھی۔ بعد ازاں بغداد کی جگہ دار الخلافت سامرہ میں منتقل (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نام کے گرد و نواح میں سر ابھارا ہے اور یہ محکمہ بے خبری کا شکار ہے۔

خلیفہ معتمد کا حکم تھا اگر آقا حسین بطی صحر میں بھی رہتا ہے تو اسے وہاں سے نکال کرے اور۔ محکمہ خفیہ کے علاوہ پولیس کے افسر علی بدر کو بھی تاکید کی کہ خفیہ جماعت کا کھوج لگائے، جہاں تاروں کے خاص دستہ فوج کے سالار محمد بن شاری بن ملک کو حکم ہوا کہ وہ ابن حرب کا ٹھکانہ معلوم کرے۔

۲۸۱ھ میں خلیفہ معتمد نے اپنے ولی عہد ابو محمد علی کو اصفہان کا گورنر مقرر کر کے دے، قزوین، زنجان، ابرقہ، اصفہان اور دیور کی حکومت سونپ دی تھی۔ اس طرح اُسے بغداد سے باہر بھیج دیا اور اصفہان کے سابق حکمران حسن بن علی کو رہ کر بغداد میں ٹھہرایا تھا۔ بعض لوگوں کے خیال میں اگر جبکہ خاتون نے شہزادی قطراندی کی شادی اپنے بیٹے کی بجائے شہزادے سے کرنے میں دل چسپی لی تھی تو ابو محمد علی کے دل میں بھی یہی بات کھٹکتی تھی کہ طوئنی شہزادی کا رشتہ اس کے ساتھ نہیں ہو سکا۔ شاید اصفہان کی گورنری کا ایک مقصد اس کی دل جوئی کرنا یا پھر اُسے بغداد سے باہر بھیجنا تھا۔

ابھی ایام میں معتمد کو اطلاع ملی کہ سلطان خوارزمیہ جیش کا خاص ایلی حارث ابو ظفر دوی مرز کو کوئی اہم پیغام لے کر آیا اور ملاقات کا طلب گار ہے۔ اتفاق سے وہاں دونوں قصر اتر صاف میں تھا۔ اُسے وہیں طلب کر لیا۔ حارث اشرہ ادی قطراندی کے لیے مصر سے کچھ سوغاتیں بھی لے کر آیا تھا، جنہیں خلیفہ کے آزاد کردہ غلام اور پولیس کے افسر اعلیٰ بدر نے اس کے تیار مند نہ سلام کے ساتھ اتر صاف میں پہنچا دیا پھر ملاقات کے کرنے تک اس کی رہنمائی کی جہاں وہ ایک بار پہلے بھی عباسی حکمران سے تنہائی میں ملاقات کر چکا تھا اور اسے وہاں چھوڑ کر چلا گیا۔ ابھی معتمد ابو عباسی کے لیے میں نہیں آیا تھا کہ ایک محراب کے پس پردہ کچھ سرسراہٹ ہوئی اور ساتھ ہی ایک بانی چھانی آواز سنائی دی۔ حارث اشرہ اچھے تو ہوئے

وہ فوراً اپنی نشست سے اٹھا۔ محراب کی جانب منہ کر کے مڑ بکھڑا ہو گیا اور گردن جھکا کر بولا۔ میں بالکل اچھا ہوں شہزادی صاحبہ باور اس کرم فرمائی کا بے حد ممنون ہوں کہ حضور نے غلام کو شرف ملاقات بخشا۔

”انہیں تمہارے آنے کی بہت خوشی ہوئی ہے حارث“

یہ قطراندی کی شادی سے پہلے کا واقعہ تھا جب اس کی بیوہ چھوٹی نجم العلیل اور حارث ابو ظفر

۱۔ ایک مذہبی جماعت پر پردہ خرمین کی تیار ہاں کر رہی ہے۔

۲۔ حکومت کے خلاف یہ تحریک بے مدخفہ ہے اور اس کے دائمی انتہائی رانداری کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔

۳۔ دودھار وائے خمدار ہلال فخر اس کے خدایوں کے نشان ہیں۔

عراق کا محکمہ ابھی تک یہ بھی معلوم نہ کر سکا کہ حملہ آور قبیلے کا تعلق اسی خفیہ جماعت سے ہے یا نہ پھر وہاں کا کوئی نیا گروہ ظاہر ہوا ہے۔ صرف ابن حرب کی وجہ سے جس کے پاس دودھار وائے ہلال فخر دیکھا گیا تھا، حملہ آور قبیلے کے اسی خفیہ جماعت کا حلقہ سمجھ لیا گیا تھا، جو عراقی و شام کے آزاد علاقے میں سکھیں آباد ہو گا لیکن کوشش کے باوجود اس کا کوئی سراغ نہ مل سکا تھا، نیا سال طلوع ہو گیا۔

خلیفہ معتمد کے دور میں باریہ نشین قبائل نے کئی بغاوتیں کی تھیں۔ وہ جزیرہ میں بنی شیبان کے ایک گروہ کو زیر کر چکا تھا جو مسافروں کو لوٹ لیتا تھا۔ بنی تغلب بھی باریہ نشین بھی جو خازمی تھے، اس کے مقابلے میں منہ کی کھا کر بھاگ گئے تھے۔ ان کا ایک کثیر گروہ ہلاک ہوا تھا۔ بہت سے دریائے زاب میں ڈوب مرے تھے۔ اب باریہ نشینوں کا نیا حلقہ سامنے آیا تھا جس نے شام کے علاقے میں اشتعال انگیز کارروائی کی تھی لیکن دفتر خفیہ کے علاوہ ہلال غریبہ کے ناظم اعلیٰ بن علی بن داؤد کی اطلاع بھی یہی تھی کہ آزاد قبائل علاقے میں سرحد شام کے قریب رہنے والے قبیلے طوئنی حکومت کا دم بھرنے میں اور جو قبائل سرحد عراق کے آس پاس خیمہ زن ہیں وہ عباسی سلطنت سے دل چسپی رکھتے ہیں کہیں بھی خروج یا سرکشی کے آثار نظر نہیں آتے۔

معتمد نے دفتر خفیہ کے کارندوں اور افسروں کی معلومات کو ناقص قرار دیا۔ بنی شیبان کے بیان کو نا معتبر سمجھا اور اسے سرزنش کی کہ بلا غریبہ کے سابق ناظم الامور کی خلعت و بیخود کے باعث شمالی افریقہ عباسی حکم و اختیار سے نکل گیا۔ بنی اغلب خود مختار بن بیٹھے۔ مصر کا گورنر احمد بن حوون ایک علاحدہ ریاست قائم کرنے کی کوشش کرتا رہا اور بلاد غریبہ کا سو یا راجتی کہ ایک طوئنی ریاست معرض وجود میں آگئی۔ اب آقا حسین نے مترب بھی کی جانب

”معلوم ہوتا ہے، کسی خاص دشمن کی خبر لے کر آئے ہو۔“

”خليفة المسلمين کے خلاف بغاوت اور خروج کی تباہیاں کرنے والا دشمن عام نہیں ہو سکتا اور سلطان خارویہ ابوجیش نے مجھے خاص طور پر اسی لیے بھیجا ہے کہ حضور کو آقا حسین سے متعلق معلومات فراہم کر سکوں۔“

معتقد اپنی مسند پر مضطرب نظر آنے لگا چہرے پر فوراً غصے کا رنگ ابھر آیا۔ آقا حسین کا نام ہی ایسا تھا پھر وحشت کے لمحے میں بولا: ”تم اس کی تلاش میں ہیں؟“

”آقا حسین کے ساتھ میں نے ابن حرب کا کھوج بھی لگا لیا ہے اور اعلیٰ حضرت کو اس قبیلے سے آگاہ کرنے آیا ہوں جس نے شای قافلے پر حملہ کیا تھا۔“

معتقد کا رنگ بالکل بدل گیا بعض لوگ ایسے ہونے ہیں کہ جو کچھ دل میں ہو غصے کی حالت میں چہرے پر آجاتا یا آنکھوں کی سرخی میں ڈھل جاتا ہے۔ آقا حسین کے ساتھ ابن حرب کا نام سن کر خلیفہ معتقد کی حالت بھی بہ سخت غیر ہو گئی اور بڑے جوش میں بولا: ”تم جانتے ہو ابن حرب کہاں رہتا اور وہ قبیلہ کس جگہ جمید زن ہے؟“

”جانتا ہوں اعلیٰ حضرت کو کئی ماہ اس قبیلے کی قید میں رہا ہوں۔“

خلیفہ کے لیے یہ اطلاع کسی اچھے سے کم نہ تھی۔ ”تم اس قبیلے کے ہاتھ کیسے لگے؟“

”یہ بڑی خوف ناک داستان ہے امیر المؤمنین! جسے دہرانا آپ کا وقت ضائع کرنے کے مترادف ہوگا صرف یہ بتا سکتا ہوں جب ابن حرب نے شای قافلے پر حملہ کیا اس وقت میں وہیں قید تھا مگر اس کا نام دھاوا اور جریدہ باز و میری رہائی کا سبب بن گیا اور میں اس بھیاں کفید سے بھاگ نکلا۔“

پھر غارت نے تہذیب اس کی حالت اتنی خراب و خستہ ہو چکی تھی کہ جب قید سے فراہم ہو کر بڑی مصیبتوں اور جو کھوں سے انقطاع پہنچا تو کوئی اسے پہچان نہ سکا۔ سلطان معظم کے حکم پر پورے سات ماہ اس کے علاج اور صحت کی کالی پر صرف ہو گئے۔ تب کہیں جا کر وہ سفر بغداد کے قابل ہو سکا پھر بھی نہ اس کے جسم میں پہلی سی طاقت ہے نہ چہرے پر وہ نازگی جو پہلے ہوتی تھی۔ معتقد ابو عباس نے اس کے جسم اور چہرے کا بغور جائزہ لیا اور کہا: ”تمہیں دیکھ کر دم بہ تجھے نئے۔ شاید تم نے کوئی بیماری کاٹی ہے کیوں کہ پہلے سے کمزور نظر آتے ہو۔“

انقطاع سے برسرِ اطرور پر غائب ہو گئے تھے اور ان کی تلاش ہوتی رہی تھی۔ بعد ازاں کچھ اور باتیں سنی گئیں لیکن بنت خارویہ نے نہ تو اس واقعے کے بارے میں پوچھا، نہ اس ضمن میں کسی بات کا ذکر مناسب سمجھا۔ اب وہ سلطان کا سفیر بن کر آیا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ اس کی ذات پر جو شک و شبہ کیا گیا، وہ درست نہ تھا۔

اسلام فطر اللہی اس سے اپنے والدین، بھائیوں، چچاؤں، بھجیوں اور بھوپوں کے بارے میں بات چیت کرتی رہی اور آخر میں کہنے لگی: ”حارث! جب تم مصر کی طرف کوچ کر دو گے تو ہم سے مل کر جانا۔“

اس نے اپنا سر تسلیم خم کر دیا پھر پردے کے پیچھے اس کے واپس جاتے قدموں کی چاب سنی۔ اسی لمحے خلیفہ معتقد فکر کے میں داخل ہوا۔ حادثہ نے بڑی عقیدت سے سلام کہا۔ بڑے تپاک سے مصافحہ کیا اور جب تک وہ بیٹھ نہیں گیا، سر جھکائے کھڑا رہا۔ معتقد ابو عباس نے بھی خوش گوار الفاظ میں اس کی پذیرائی کی: ”تمہارا دوسری مرتبہ آنا مبارک ہو حارث! ہم تمہیں اپنا دوست سمجھتے اور اکثر یاد کرنے رہے ہیں۔“

”شکریہ! امیر المؤمنین! اَحْسَنُ الْاَلَمِ الْاَحْسَنُ الْاَحْسَنُ الْاَحْسَنُ“ (کسی کو یاد کرنے سے عمر بڑھتی ہے)

اس طرح اس نے معتقد کو درازی عمر کی دعا دی اور وہ مسکرا کر کہنے لگا: ”خَيْرُ الْاَنْبِيَاءِ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ اَعْلَى الْاَحْسَنُ“ سب سے اچھا دوست وہ ہوتا ہے جو تیرے ساتھ بھلائی کرے۔ تم نے پہلے ہی ہمارے ساتھ بھلائی کی اور نبی طولوں کے ساتھ دوستی کا وسیلہ بنے۔ امید ہے اب کے بھی کوئی اچھی خبر لے کر آئے ہو۔“

”امیر المؤمنین! اگر میں پہلے دوستی کا وسیلہ بن کر آیا تھا تو اس مرتبہ آپ کے دشمن کا کھوج لے کر آیا ہوں۔“ پھر حارث عظمت کا فلسفہ بیان کرنے لگا: ”جس طرح ہر آدمی اپنے دوستوں اور دشمنوں سے پہچانا جاتا ہے، اسی طرح ہر عظیم حکمران کے دوست بھی اور دشمن بھی ہوتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کی ذات چونکہ مرکزِ قوت ہے اس لیے بداندیش دشمن جاہلوں اور بادہ نشینوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کی کوشش کرنے ہیں تاکہ مرکزِ قوت تقسیم ہو اور لوگ انہیں بھی عظیم القاب سے یاد کریں۔“

معتقد نے حیرت اور توجہ سے اس کی بات سنی۔ ”بادہ نشینوں“ کے ذکر پر چونکا۔

”بہن بنی کلب کی قید میں موت کے قریب پہنچ گیا تھا۔ اگر اعلیٰ حضرت مجھے اس وقت دیکھتے، حبیب میں قید سے فرار ہوا تھا تو پہچان نہ سکتے۔“

حارث نے پہلی بار بنی کلب کا نام لیا تھا۔ خلیفہ معتقد یہ نام سن کر چونک گیا اور وہ بتائے لگا۔ ”در اصل وہ قبیلہ بنی کلب کی ایک شاخ ہے، جو بہت عرصہ قبل بحیرہ مردار کے جنوبی صحرائیں آکر رہنے لگی تھی۔ ابن حرب مجھے گرفتار کر کے وہیں لے گیا تھا۔“

معتقد کی دل چسپی بڑھی۔ اگرچہ ابن حرب نے گرفتار کیا تھا تو ہم قمار کی داستان تفصیل سے سننا چاہتے ہیں۔“

حارث خود چاہتا تھا خلیفہ کو اپنے عشق کی داستان سنائے جس کے غلیل وہ بنی کلب تک پہنچا اور کئی ماہ وہاں قید رہا۔ شہزادی نجم ایل اس کے حلقہ اختیار سے نکل گئی تھی اور سلطان خمارویر نے بھی کمر دیا تھا۔ اب وہ نجم ایل کو قبول جائے غالباً اس نے بنی کلب پر حملہ بھی اسی لیے مناسب نہ سمجھا تھا کہ وہاں طولی شہزادی موجود تھی جب کہ حارث اسے بھول نہ سکتا تھا اور اس کی بے وفائی کا بدلہ لینے کی خاطر ایک بار اسے اپنی زوجہ ورنہ بنا چاہتا تھا۔ خمارویر نے بنی کلب پر حملے کا معاملہ خلیفہ معتقد پر چھوڑ دیا اور اب حارث کے لیے یہی ایک موقع تھا کہ خلیفہ کو اپنا ہم خوابانے اور ایک بار اس عورت کو حاصل کرنے کی سعی کرے جو اسے دغا دے کر نکل گئی تھی۔ اب وہ اپنی گرفتاری کی تفصیل بیان کرنے لگا۔ اُس نے شہزادی نجم ایل سے اپنے عشق، ابن حرب کے ساتھ اس کے فرار، اپنی گرفتاری اور بنی کلب میں ان دونوں کے عقد وصل کی کہانی تفصیل سے دہرائی۔

معتقد ابوباس ایک عورت اور دو مردوں کے عشق اور محاربے کی یہ روداد سنی کہ حیران رہ گیا۔ اس کہانی میں حیرت کا پہلو یہ تھا کہ عورت سلطان خمارویر اور حبش کی بھی اور اس کا عاشق خود معتقد کا باغی و راغی اور بعد اسے بھاگا ہوا فوجی ابن حرب تھا۔ تعجب سے کہنے لگا۔

”قتل اندیٰ نے ہم سے اپنی بیوہ پہو پی نجم ایل کے عشق اور فرار کا کبھی ذکر نہیں کیا۔“

”شہزادی صاحبہ کچھ جانتی نہیں تو آپ کو کیا بتا سکتی ہیں۔“

معتقد پر خیال بھے میں کہنے لگا۔ ”ابن حرب خوش شکل، بہادر اور جنگ جو مرد ضرور ہے لیکن بے رحم اور دشمنی بھی ہے اور ایسے مرد سے صرف وہی عورت عشق کر سکتی ہے، جو خود دشمنی

پھر اس نے عشق و عاشقی کے ضمن میں عرب و انشور وں کا ایک مشہور قول دہرایا۔

”وَلَيْسَ فِي مَا لَيْشَقُونَ مَذَاهِبًا“ (اور انسانوں کے لیے عاشق ہونے کے کئی طریقے ہیں) شہزادی نجم کی اپنی ایک پسند تھی اور تم اس مزاج کے مرد نہیں جیسا وہ چاہتی تھی۔“

”آپ کا خیال درست سے اعلیٰ حضرت اب میں جان گیا ہوں کہ وہ وحشت پسند عورت ہے۔ اسے حکومت کرنے کا شوق اور جنگ و جدل سے ہی دل چسپی ہے۔“

حارث نے نجم ایل کے فرار اور اپنی شکست و اسیری کے ساتھ وہ نام واقعات تفصیل کے ساتھ بیان کیے جو بنی کلب میں پیش آئے۔ جب اس نے انا حسین کے متعلق بتایا کہ وہ ذکر دیہ قمرط کا مخلص بیٹا اور کئی قرط کا نائب اور چھوٹا بھائی ہے جو امامت کا مدعی خود کو مدعی کا اپنی فرار دیتا اور کہیں عراق ہی میں رہتا ہے، تو خلیفہ معتقد مارے حیرت کے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ ساتھ ہی حارث کو بھی اپنی نشست چھوڑنا پڑی۔

”کیا یہ درست ہے کہ امام یحییٰ اور انا حسین ذکر دیہ قمرط کے بیٹے ہیں؟“

”میں حضور کو یہی خبر دینے آیا ہوں کہ وہ خفیہ جماعت جو خروج و بدعات کی درپہ تیار کیا کر رہی ہے قمرط کا حلقہ ہے اور ذکر دیہ قمرط (فرج بن یحییٰ قاشانی) جس کے متعلق یہ سمجھا جاتا ہے کہ زندان کوفہ سے فرار کے بعد کہیں مگر کھپ گیا ہوگا، نہ صرف زندہ و سلامت بلکہ اپنے بیٹوں کے پیچھے چھپ کر کھڑا ہے۔“

یہ انکشاف مزید حیرت و تعجب کا باعث ہوا کہ ذکر دیہ قمرط ابی زندہ ہے اور اپنی جماعت کو جو چند سال پہلے پرانگندہ کر دی گئی تھی، اپنے بیٹوں کے ذریعہ امتائی خفیہ طور پر منظم کر رہا ہے خفیہ تحریک کے بارے میں اگر کوئی شبہ رہ گیا تھا تو حارث نے اسے بھی دور کر دیا اور بتایا۔

”اس جماعت کے جاں بازوں کے پاس دو دھار والی ایک خیمہ دار خنجر ہوتا ہے جس سے وہ اپنی دشمنوں کو آپ مرگ پلانے اور خود بھی مرنے سے نہیں ڈرتے۔“

پھر اس نے اپنی قبا کے پیچھے سے دو دھار والا ایک ہال ناخنبر کمال کر سامنے کر دیا۔

”امیر المؤمنین ایخبر قمرطی جماعت کی علامت ہے۔“

عباسی حکمران نے خبر اس کے اٹھ سے لے لیا۔ اُس پلٹ کر بخور سے دیکھا اور کہا۔

”بے شک یہی خنجر خفیہ جماعت کا نشان ہے۔ جو ہمارے خلاف خروج کا ارادہ رکھتی ہے۔ اسی نام کا ایک خنجر ہم نے ابن حرب کے پاس دیکھا اور ایسے ہی ایک خنجر سے اس کا باپ حرب الکندی

”کی تمہیں سرائے دار پر اعتماد ہے؟“

حادث نے دوسری مرتبہ اپنی ”بے خبری“ کا اظہار کیا۔ ”سلطان معظم سمیت پوری طوٹنی حکومت اس پر اعتماد کرتی ہے پھر میں بے اعتمادی کا اظہار کیسے کر سکتا ہوں؟“

یہ بات سن کر عباسی حکمران کے دل سے وہ مشبہ جانا رہا جو سرائے دار کے متعلق پیدا ہو گیا تھا اور کہنے لگا۔ ”حادث! ہم تمہارے ممنون ہیں کہ تم نے ہمیں ایک ایسی جماعت کے بارے میں معلومات فراہم کیں، جو اسرار و اخفا کے پردوں میں چھپ کر بیٹھی اور خطرناک سرگرمیوں میں مصروف ہے۔ ہم سلطان خسارویہ ابو جیش کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں جس نے تمہیں اپنا اپنی بنا کر بھیجا کہ ہمیں ان معلومات سے آگاہ کر سکو۔ ہم نبت سلطان قطر الندی کو پہلے ہی بہت عزیز رکھتے ہیں لیکن اب وہ ہمیں اور بھی عزیز ہو گئی ہے کیوں کہ ہمارے اور غنی طوٹوں کے مابین فتنے اور نئے تعلقات کا واسطہ ہے۔“

”میں شکر گزار ہوں اعلیٰ حضرت! میری یہ خدمت جو عباس اور غنی طوٹوں میں مزید اتحاد کا ذریعہ ہوگی۔“

”اب ہم تم سے کچھ پوچھنا چاہتے ہیں۔ اس کی نظریں حادث کے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔

”تمہیں اپنے عشق کی ناکامی کا صدمہ تو ضرور ہو گا لیکن اب بھی تمہارے دل میں کیم ایل کی لگن ہے یا اسے ابن حرب کو سونپ چکے ہو؟“

حادث پریشان ہو گیا کہ کیا جواب دے۔ سرخو و بخود جھک گیا اور معتقد مسکا کر کہنے لگا۔

”طَلَّاقَةُ الْوَجْهِ عُنْوَانُ الضَّمِيمِ (چہرے کی زبان دل کا حال بیان کرتی ہے تمہاری صورت بتا رہی ہے کہ ابھی تک کیم ایل کو نہیں بھول سکے اور اسے حاصل کرنا چاہتے ہو۔“

آخر اسے اعتراف کرنا پڑا۔ ”حضور در سرفہ فرمانے ہیں۔ وہ القطار سے، فسطاط سے مصر سے چلی گئی لیکن میرے دل سے نہیں گئی۔ میں جان گیا ہوں کہ دغا و رت کی فطرت میں ہے کیم ایل کی بے وفائی سے مجھے بڑی مشکلوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا ہے مگر میں اس کے عاشق کو اس کی نظروں کے سامنے ہلاک کرنا چاہتا اور اسے حاصل کرنے کی خواہش اس لیے رکھتا ہوں کہ اب یہی اس کی سزا ہے مجھ سے دغا کر کے اس نے میرا دل پتھر بنا دیا ہے۔ ہو سکتا ہے بعض لوگ میرے خیال سے متفق نہ ہوں اور کہیں کہ وہ بھروسہ سزا کی نہیں جزا کی مستحق ہوتی ہے لیکن میری رائے ان سے مختلف ہے جو حسین عورت کسی مرد سے دغا کرتی ہے۔“

مار گیا تھا مگر تم نے یہ کہاں سے لیا؟

حادث نے ابھی تک بنی کلب سے اپنے فرار کی روداد بیان نہیں کی تھی۔ ”اعلیٰ حضرت! آپ تشریف رکھیں تو عرض کرتا ہوں۔“

خلیفہ معتضد پھر اپنی مسند پر بیٹھ گیا تو حادث نے بنی کلب سے اپنے فرار اور حبشی غلام ڈونگا کے قتل کا دائرہ سنایا۔ اب اسے پتا چلا کہ خبر ڈونگا کے پاس تھا جو اس کی ہلاکت اور حادث کی رانی کا ذریعہ بنا۔ ساتھ ہی اس نے واقعات کا، ان کی منطقی کے مطابق تجزیہ کیا۔

ذکر دیہ قمرط کے دونوں بیٹوں میں سے ایک امام دوسرا نائب امام یا شیخ الجماعت تھا۔ جو پردہ خروج کی نیاریاں کر رہے تھے۔ عسکری اغیار سے انہیں ابن حرب جیسے تجربے کار لڑاکے اور جنگی مرد کی ضرورت تھی۔ جو بادیہ نشینوں کو فوجی تربیت دے سکتا اور جماعت کے لیے فتوحات حاصل کرنا شاید وہ شروع ہی سے تحریک کا آلہ کار تھا لیکن اس کے دل میں دلولہ و جوش پیدا کرنے کی خاطر اسے کیم ایل جیسی حسین طوٹنی بیوہ کے عشق و تعلق میں ملوث کر دیا گیا جو خود بھی وحشت پسند، جھگ و دھل کی دلدادہ اور تباہی پر حکمرانی کی صلاحیت رکھتی تھی۔ ان کا عشق اور عقد قمرطی جماعت کی ضرورت سمجھا گیا کہ وہاں رہنے والے لوگ، جو فطرت پرست ہوتے ہیں۔ حسین عورت سے بدمعروب ہو جاتے اور اس کے کسی حکم سے انکار نہیں کرتے۔ یہ سب کچھ سوچنے کے بعد اسے خیال آیا، کیا ابن حرب شروع سے تحریک قمرط کے ساتھ تعلق رکھتا تھا۔ جیسا وہ گمان کرتا رہا یا حالات اسے نئے راستے پر لے گئے؟ آخر وہ بغداد سے بھاگ کر سیدھا عیش کی کارواں سرائے میں کیوں پہنچا تھا۔ کہیں سرائے دار ہی جماعت سے اس کے تعلق کا ذریعہ نہ بنا ہو؟

اچانک اس نے حادث سے ایک نیا سوال کر دیا۔ ”عیش کے سرائے دار سلیمان بن ماک کے بارے میں کیا جانتے ہو؟“

وہ اس غیر متوقع سوال پر حیران رہ گیا لیکن بتانے لگا۔ ”سلیمان بن ماک، ابن حرب کا دوست ضرور تھا اور وہی اسے لے کر سلطان معظم کے پاس آیا تھا لیکن ان معاملات سے جو میں نے بیان کیے، اس کا کوئی تعلق نہیں، سلیمان طوٹنی حکومت کا پرانا دغا دار اور ہر معاملے کو مہری مفادات کی آنکھ سے دیکھتا ہے۔ میری معلومات کے مطابق وہ ابن حرب سے قطع تعلق کر چکا ہے کیوں کہ خفیہ جماعت کی سرگرمیوں کو مہر کے بھی خلاف سمجھتا ہے۔“

مطلب یہ ذکر دیر فرمط ہے، جسے سب لوگ مردہ سمجھ رہے ہیں۔ یہ بات مزید حیرت کی جتنی کہ اس کی خفیہ جماعت کا اصل مرکز عراق میں ہے۔

جماعت کی سیاسی ہوشیاری اور حکمت عملی کا اس سے بھی اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ کچھ حصہ قبل اس کے شیخ الجماعت آقا حسین نے اپنے آپ کو مصر اور شام میں ظاہر کیا تھا پھر شاہی قافلے پر حملہ کر کے ابن حرب کے ذریعے اپنی عسکری شناخت کرائی تھی، تاکہ حملہ آور جماعت کو مغرب میں تلاش کیا جائے اور کسی کا دھیان عراق کی طرف نہ جائے جہاں اس کا اصل مرکز ہے۔

اب خلیفہ معتقد نے حکم دیا کہ کوفے کے سواد میں بسنے والے غلام باد یہ نشیں قبائل کو کھڑا دیا جائے اور باپ بیٹا جہاں بھی چھپ کر بیٹھے ہوں، وہاں سے انھیں باہر لایا جائے جو باہر نہیں زمینی جماعت سے تعلق رکھتے ہوں، ان کی فہرست تیار کی جائے۔



ذکر دیر فرمط اور اس کے بیٹوں کے نام چونکہ واضح ہو کر سامنے آگئے تھے اور یہی پتا چل گیا تھا کہ جماعت کا صدر مقام عراقی میں ہے، اس لیے اب ان کی تلاش نسبتاً آسان تھی۔ بغداد کا دفتر خفیہ اور دوسرے ذرائع جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ ذکر دیر فرمط اور تخی قمرط کی فاشی میں سرگرم عمل ہو گئے۔

اس صحرائی علاقے میں ابھرنے والے سواد سے شروع ہوتا تھا۔ بہت سے قبیلے آباد تھے جن میں بنی اسد اور بنی طے کے بطون نیز قبیلہ کلب اور بنو قلیص خاص طور سے قابل ذکر تھے۔ قبیلہ کلب کا سردار کلب بن دہرہ اور بنو قلیص کا سردار قلیص بن مخضرم بن علی بن جناب تھا۔ ان قبائل کی ہمدردیاں غالیوں اور علویوں سے دھکی چھپی نہ تھیں، جن کا سلسلہ کوہ، بصرہ، یامامہ، بنی یمن، خراسان، فارس اور شام تک پھیلا تھا۔ یہ قبیلے ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف لگت لگت گزرتے رہتے اور عباسیوں کو غاصب قرار دیتے تھے۔ یہی حلقے عباسیہ کے خلاف خروج و مناوت کے لیے عموماً تیار رہتے تھے اور بعض اوقات ایک معمولی تحریک بھی انھیں مشتعل کر دیا کرتی تھی۔

جب کوفے کے گرد و نواح اور صحرائی علاقے میں ذکر دیر فرمط اور تخی قمرط کی تلاش

سزا سے نہیں بچ سکتی۔ میں بخم دلیل کو، جو ”سنارہ شب“ کہلاتی ہے۔ اس کے آسمان سے توڑ کر ایسے خلا میں پھینک دوں گا، جہاں اندھیرے اور خاموشی کے سوا اور کچھ نہیں۔“
”تمہیں اسے سزا دینے کا حق ہے اور اس کے عاشق کو قتل کرنا اس لیے ضروری ہے کہ اپنی شکست اور اسیری کا بدلہ لے لو گے اور ہم یہ موقع فراہم کریں گے۔“
خلیفہ معتقد نے اس کے مطلب کی بات کی تھی اور اس کے سر پر انتقام کا سہرا باندھنے کے لیے آمادہ تھا۔ کہنے لگا۔

”امیر المؤمنین! بنی کلب کے شیعوں تک عباسی لشکر کی رہنمائی کروں گا۔ صحرا میں بھول بھلیاں ہوتی ہیں۔ سراب ہوتے ہیں، جو آدمی کو دھوکا دیتے ہیں لیکن بنی کلب کا محل وقوع دیکھ چکا اور داپسی کا راستہ جانتا ہوں۔“

”شام کی طرف کوچ کرنے سے پہلے ہم عراق میں باپ بیٹے کی سرکوبی ضروری سمجھتے ہیں تم نے ذکر دیر فرمط کا نام لے کر ہماری مشکل آسان کر دی ہے اور اب ہم یہ بھی سمجھ گئے ہیں کہ قمرطی جماعت نے اپنے اوپر اخفا کا خیمہ کیوں نان رکھا ہے مگر ہم اس خیمے کی طنابیں کاٹ دیں گے۔ ہمارے نزدیک ذکر دیر فرمط اور اس کے بیٹے کی پناہ گاہ میں چار پانچ بیٹے صرف ہو جائیں گے تم چاہو تو اتنا عرصہ بند ادیں قیام کرو، چاہو تو مصر چلے جاؤ لیکن جب شام کی طرف کوچ ہوگا تو ہماری موجودگی ضروری ہوگی اور ہم ناصہ بھیج کر تمہیں بلا لیں گے۔“

حادثہ کو ذکر دیر فرمط یا اس کے بیٹوں سے زیادہ شہزادی نجم اور ابن حرب سے دلچسپی تھی لیکن بنی کلب کی طرف فوری روانگی ممکن نہ تھی۔ خلیفہ معتقد نے دونوں صورتیں پیش کر دی تھیں کہ بغداد میں ٹھہرے یا مصر چلا جائے۔ وہ فوری طور پر کوئی فیصلہ نہ کر سکا۔

خلیفہ معتقد نے دوسرے دن دفتر خفیہ کے سربراہ، پولیس کے افسر اعلیٰ جہاں شام کے دستہ فوج کے سالار، بلاذریہ کے ناظم الامور اور وزیر سلطنت کے علاوہ ابوالحسن قاسم بن عبداللہ اور سردار شمل کو بھی الرضا میں طلب کر لیا۔ اس محفل میں سلطان خوارزمیہ ابو جیش کا لٹری حارث ابو ظفر بھی موجود تھا جس نے تمام واقعات جو اسے پیش آئے تھے، ایک بابچہ دہانے اور عباسی افسروں کو بتایا کہ شیخ الجماعت کون کون ہے اور ابن حرب کا اس سے کیا تعلق ہے۔

وہ اس انکشاف پر حیران و ششدر رہ گئے کہ سارے فتنے کی جو فرج بن بھی تاشا

مدعا، جس سے پتہ چلتا تھا کہ عمر کی فضا پر امن ہے اور کم از کم اس علاقے کے بادشاہینوں میں حکومت کے خلاف نہ کوئی تحریک پائی جاتی ہے، نہ کوئی سرگرمی دکھائی دیتی ہے۔ اس طرح چار مہینوں کی سعی و کوشش اور تلاشیں بسیار کا نتیجہ پھر وہی ڈھاک کے تین بات تھے۔ نہ ذکر وہ قریط کا کوئی کھوج ملا، نہ بچی کا کوئی سراغ ہاتھ آیا۔ نہ قریطی جماعت کی نشاندہی ہو سکی یوں لگتا تھا، خارویہ کے ایچی حادثہ ابو ظفر نے جو رد و ادبیان کی، وہ من گھڑت کہانی اور الف لیلہ کی داستان تھی، جیسی بغداد یا فسطاط کے قصہ گو بیان کرتے تھے اور حادثہ کی کہانی میں بھی ذکر وہ قریط، بچی قریطی، حسین قریطی اور جماعت کا ذکر اجتناب کے کسی قبیلہ کی طرح ہوا ہے جس کا حقیقت میں کوئی وجود نہیں، مگر اُس نے صرف کہانی نہیں سنائی تھی، دو دھار والا ہلال کا خبر بھی بطور ثبوت پیش کیا تھا جس سے اُس نے ڈنگا کی شہر لگائی اور بنی کلب کی قید سے رائی پائی تھی۔ وہی خدا بنو خنیفہ جماعت کا نشان تھا۔

حادثہ نے بتایا تھا۔ قریطی جماعت کا مرکز عراق میں ہے جہاں ذکر وہ قریط ظاہر ہوا اور وہ علاقہ کوفہ کے سوا میں تھا۔ وہیں اس کی تلاش و جستجو پوری سرگرمی سے کی گئی۔ پوری جس زمین میں پیدا ہوتا، یا کسی خاص واقعے سے گزرتا ہے، اُس زمین کی کشش اسے اپنی طرف کھینچتی رہتی ہے جس کی آب و ہوا اُس کے مزاج اور خون میں رچ بس جاتی ہے۔ اس کیلئے کے مطابق ذکر وہ قریط اور بچی کو بھی سوا کوفہ کے صحرائی حلقے میں ہونا چاہیے تھا لیکن شہادیں وہاں ان کی موجودگی کی نفی کر رہی تھیں۔ پھر وہ کدھر چلے گئے۔ کہاں رو پکوش ہو گئے؟

تمام جہاں خبر صحرائے ناکام واپس آئے تھے اور حادثہ ابو ظفر بھی جو کچھ عرصے کے لیے بغداد ہی میں ٹھہر گیا تھا حیران تھا کہ قیدی اسے قرامطہ کے متعلق جو حیرت انگیز معلومات حاصل ہوئیں، کیا وہ سب غلط تھیں۔

قرامطہ کے عقائد میں حلول کا عقیدہ بڑا اہم تھا، جس کے مطابق اگر کسی شخص کے اندر امام کی روح حلول کر جاتی ہے تو وہ ہر قسم کی لغزش اور خطا سے بری الزمہ ہو جاتا، حتیٰ کہ کسی غیر عورت کی لوندی، کسی کبیر کے ساتھ تمام اہل گھر کے رہنے کے باوجود پاک رہتا ہے۔ حسین عورتیں اور خوب صورت کبیریں خود اس سے فیض یاب ہو کر دنیا اور عقیقی میں بلند مرتبہ حاصل کرنے کی تمناں رکھتی تھیں۔

دوسرا ضروری عقیدہ اخفا کا تھا۔ قرامطہ یقین رکھتے تھے کہ ضرورت کے وقت روپوش

شروع ہوئی تر بڑے عجیب و غریب حالات سامنے آئے بعض لوگوں نے بتایا کہ ذکر وہ قریط کے متعلق یہ ضرور سنا گیا کہ کوفہ کے قید خانے سے رسل کہا تھا لیکن کسی شخص نے اُسے دیکھا نہیں۔ نہ جانے وہ کہاں روپوش ہو گیا۔ البتہ اس کے تین بیٹے ریجی، حسین اور علی قبائل عرب کی طرف اس کی دعوت لے کر آئے۔ وہ اپنے آپ کو اہل بیت میں شمار کرتے اور امام اسماعیل کی اولاد قرار دیتے تھے لیکن ان کے عقائد اہل بیت سے مختلف تھے۔ وہ لوگ ذکر وہ قریط کی لکھی ہوئی ہوئی ایک کتاب لے کر آئے جس میں آدم رسول اللہ، نوح رسول اللہ، ابراہیم رسول اللہ، موسیٰ رسول اللہ، عیسیٰ رسول اللہ اور محمد رسول اللہ کی طرح احمد بن محمد بن حنیفہ رسول اللہ کا ذکر تھا۔ مگر معتزلہ کی بجائے بیت المقدس کو کعبہ قرار دیا گیا تھا۔ صرف چار رکعت نماز کی ہدایت تھی۔ دو رکعت طلوع شمس سے قبل، دو رکعت غروب شمس کے بعد۔ سال میں صرف دو روزے مقرر کیے گئے تھے۔ ایک یوم ہرجان اور دوسرا یوم نوروز پر بنید حرام اور شراب حلال تھی۔ جہالت میں غسول واجب نہ تھا۔ لونڈیوں سے حصول راحت نہ صرف جائز بلکہ ضروری تھا۔ کسی بھی عورت سے بزدلی معاند ہو سکتا تھا۔

فاطمی اور علوی عقیدت مندوں نے ان عقائد کو قبول نہ کیا۔ ان کے نزدیک یہ اسلام سے انحراف تھا۔ قریط کے بیٹے قبائل عرب سے مایوس ہو کر قبیلہ کلب کی طرف گئے تھے۔ قبیلہ کلب تک رسائی حاصل کی گئی تو پتا چلا کہ سردار قبیلہ کلب بن ہرہ نے بھی ان عقائد کو مسترد کر دیا تھا۔ قبیلہ کلب کے کسی بطن نے اس مذہب کو قبول نہ کیا۔ فرزندان قریط نے مایوس ہو کر سوادہ کا رخ کیا جہاں بنو قلیص آباد ہیں۔

اب سرکاری مجبر بنو قلیص میں پہنچے کیوں کہ قریطی بھائیوں کا نشان سوادہ کی جانب چلا گیا تھا۔ سردار قبیلہ قلیص بن خضم بن علی سے ملاقات ہوئی، تو اس نے بالکل لاعلمی کا اظہار کیا اور صاف صاف کہہ دیا کہ وہ فرج بن یحییٰ المعروف ذکر وہ قریط اور اس کے کسی بیٹے کو نہیں جانتا۔ بنو قلیص نہ کسی امام کو مانتے ہیں، نہ خروج و بغاوت سے دل چسپی رکھتے ہیں۔ آئندہ اس معاملے میں ان سے کوئی سوال نہ کیا جائے۔

بنو قلیص کے بعد سرکاری کارندے جہاں بھی گئے، مایوس ہوئے۔ ہر قبیلے نے ذکر وہ قریط، اس کے بیٹوں اور قریطی جماعت کے متعلق نفی میں جواب دیا۔ لاعلمی کا اظہار کیا، بے تعلقی ظاہر کی، حکومت کے کسی آدمی پر حملہ بھی نہیں ہوا۔ نہ کسی نے سرکاری مجبروں کو تحقیق و تفتیش سے

حکمت عملی

(۳۸)

ابن حرب کا زخم نہ صرف اچھا ہو گیا بلکہ اپنے بریدہ بازوں کے ساتھ بنی کلب میں لوٹ آیا تھا۔ یہاں شہزادی نجم امیل نے قبائلی سرداروں کے ہمراہ اس کا شاندار استقبال کیا۔ اسے بتو قلیص (سماوا) کی بارگاہ میں حاضر ہونے کی اجازت نہیں لی تھی کیوں کہ سلطان خاندان کے اعلیٰ حاشے نے (جو بنی کلب کی قید سے بھاگ گیا تھا) خلیفہ معتضد کو بنی کلب آقا حسین امام بھی یاد کر دیا۔ قمرط اور جماعت کے بارے میں ایسی معلومات فراہم کر دی تھیں کہ کوئٹہ کے حکام میں ایک قیامت مچا ہو گئی تھی۔ بغداد کے سرکاری کارندے اور مخبر بادیه نشین قبیلوں کی تحقیق و تفتیش میں مصروف ہو گئے۔ وہ امام کجی کے ساتھ ذکر و قمرط قائم باطنی کو بھی ڈھونڈنے پھر رہے تھے۔ دریں حالات ابن حرب کا عراق میں داخلہ کسی نئے خطرے کی تمہید بن سکتا تھا۔ وہ ایک جانا بچانا آدمی، معتضد ابو عباس کے محافظ دہشتے کا سابق سالار، عراقی لشکر کا بہادر سردار اور ایک مشہور جنگجو افسر رہ چکا تھا۔ بغداد کے دفتر خفیہ یا حکمران صلیبیہ کے اہلکار انہیں وہ پہلے ہی مطلوب تھا۔ نہ صرف اسے شناخت کر لینے بلکہ اس کے ذریعے امام بارگاہ کو بھیج سکتے تھے۔ جب کہ عراق میں جماعت نے اپنے اوپر ہوا خفا کے پردے تان لیے تھے اور شام کے قبائلی علاقے میں اپنا اظہار ضروری سمجھتی تھی تاکہ حکومت کی توجہ سوار کو ف سے شام کو جانب منڈول ہو جائے۔

اسی حکمت عملی کے تحت ابن حرب کو بنی کلب میں واپس جانے اور شہزادی نجم امیل کو

سنے بتایا ہے کہ ابو غانم مذکورہ قمرط کا خاص آدمی اور اس کے ٹھکانے سے واقف ہے۔ اگرچہ وہ ذکر و قمرط کو جاننے سے انکار کرتا ہے لیکن بدر کا خیال ہے۔ دو تین روز کے اندر اس سے حقیقت اگلوالے گا۔ بہتر ہو گا کہ تم بھی کچھ دن ٹھہر جاؤ۔ قمرط کا سراغ ملتے ہی ہم اسے جانیں گے۔ پھر شام کی جانب کوچ ہو گا۔

ابو غانم کی گرفتاری سے امید کی ایک جھلک نظر آئی تھی۔ منباط کا افسر اعلیٰ بدر بڑا سخت مزاج اور تشدد پسند آدمی تھا۔ اس نے دو روز قیدی پر بڑی سختی کی لیکن اس سے کچھ معلوم نہ کر سکا۔ وہ یہی کہتا رہا..... بدر اتم بچپتا ہو گئے۔

تیسرے دن کرنی نگرانی کے باوجود وہ قید خانے سے فرار ہو گیا اور بدر کو فی الواقع کف افسوس منا پڑا۔ صرف ابو غانم فرار نہیں ہوا بلکہ قید خانے کے تمام جندی (سپاہی) جو اس کی نگرانی پر مامور تھے، ہلاک کر دیے گئے۔ رات کو چند پراسرار بادیه نشینوں نے قید خانے پر دھاوا کیا اور ابو غانم کو چھڑا کر لے گئے تھے۔ انھوں نے اپنے پیچھے کوئی نشان بھی نہیں چھوڑا تھا، جیسے پرستے تھے کہ ہوا میں اڑ گئے یا آبی جانور تھے کہ دریا میں تیرنے ہوئے نکل گئے۔

واقعے کے دوسرے روز حلب کے ماتحتوں نے اطلاع دی کہ بغداد سے کوئی دس بارہ میل دور ایک نامعلوم کشتی جنوب کی طرف جانی دیکھی گئی جس میں کہیں بائیس آدمی تھے۔ کشتی کی رفتار بہت تیز اور وہ بہاؤ کے رخ اڑی جا رہی تھی۔ ممکن ہے ابو غانم اسی کشتی پر فرار ہوا ہو مگر کوئی نہیں جانتا، وہ کہاں کی اور کس گھاٹ لگی۔ ممکن ہے شط العرب کی جانب ریکل گئی ہو اور اس کے سوا ابصرے یا بحرین کے علاقے میں غائب ہو گئے ہوں۔ جہاں لوگوں کی اکثریت عباسیوں کے خلاف تھی۔

اس سنگین حادثے کے تیسرے دن حارث ابو ظفر نے الرضاہ میں شہزادی اسماعیل قمرطی سے ملاقات کی اور عازم مصر ہو گیا۔

”مکہ سحر“ کی حیثیت سے اس کا استقبال کرنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ وہ کئی مہینوں کے بعد فوہا تھا۔ نجم نے قبائلی سرداروں اور ان کے نائبوں کو بلایا۔ نئی کلب کو اس کی آمد پر جشن منانے کا حکم دیا اور استقبال کا ایسا اہتمام کیا تھا کہ صبح کی دہائی میں دھوم مچ جائے۔

عراق میں نام کیجی قرمطی زبردست چٹا گیا تھا۔ ذکر دیر ایک نئی مدنی میدان کی بارانی میں رہ پوش تھا جو اس نے خود تیار کر لیا مگر بادیر شام کے حاشیے پر جماعت ابن حرب اور شہزادی نجم کے ذریعے اپنی موجودگی کا اعلان کر رہی تھی۔

ابن حرب کی دایسی پر نجم ابیل خود بھی اس قدر خوش تھی، جیسے اس کی زندگی کی روٹی ساروں آئی ہو۔ قبیلے میں جشن منانے کے علاوہ ایک بڑی ضیافت کا بھی بندوبست کیا گیا تھا۔ ابن حرب اپنی پذیرائی کا یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گیا۔ ضیافت سے فارغ ہونے کے بعد نجم ابیل نے اسے سردار نعمان اور دوسرے قبائلی سرداروں اور ان کے نائبوں کے درمیان ایوان میں چھوڑا اور خود اپنے حجرہ خواب میں آئی پھر سوڈانی کینز عزیز اور فلسطینی لونڈی دمنہ کو طلب کیا اور فرمائش کی کہ آج وہ اسے اچھی طرح بنا سنوار دیں اور سب سے خوب صورت لباس پہنائیں۔

عزیز اور دمنہ نے جو ابن حرب کی آمد پر خود بھی دیدہ زیب لباس میں تھیں۔ اپنی ماکن کی مکمل آرائش کی اور صرف محاورے کی زبان میں نہیں بلکہ حقیقی معنی میں بارہ ابن اسولہ منگامکر کے اسے شعلہ جوالہ بنا دیا۔ نجم ابیل بہت ہی خوب صورت اور نرنگ حسن و شباب کا ایک ساٹھا تھی مگر مکمل آرائش اور ارغوانی لباس نے، جسے ایک کبوتر کے سر میں باندھ دیا گیا تھا اور جس میں پورے انیس اور کندھے پر مایاں تھیں اسے سر سے پاؤں تک ایک سحر حسن میں تبدیل کر دیا۔ مگر کے نیچے ارغوانی لباس نے ایک ارغوانی قبا کی شکل اختیار کر لی تھی، جو دو حصوں میں چاک تھی۔

شہزادی نجم نے وہ ارغوانی لباس جو معاشرے میں رائج نہیں تھا، خود تیار کر لیا اور منہ حال کے رکھا تھا۔ اسے کبھی پتا تو نہیں لیکن پہننے کی تیار ضرور رکھتی تھی کیوں کہ وہ اس کی پسندیدہ عورت مکہ الزبا کا لباس تھا جسے زیب تن کر کے وہ اپنے حسن اور جسم کی کھیلوں کے ساتھ دربارہ میں جلوہ آراہوتی اور قبائلی سرداروں کو مسحور کر دیتی تھی۔

نجم ابیل نے مکہ صحر الزبا کا خواب دیکھا تھا۔ الزبا کا ارغوانی لباس بھی جس میں وہ نیم عریاں ہو جاتی تھی، نجم کا ایک حسین خواب تھا، جسے اس نے پہلی بار تعبیر بخشی اور اس سے اپنے جسم کی آرائش کی تھی۔ دونوں کینز یہ سمجھتی تھیں، ابن حرب ایک طویل عرصے کے بعد واپس آیا ہے

نجم اس کے لیے بے چین ہو رہی اور پوری وارفتگی کے ساتھ اس سے ملاقات چاہتی ہے مگر نجم ابیل کے دل میں کچھ اور بھی تھا اور کیا تھا اس کے دل میں؟

اسی اثنا میں سرداروں سے ملاقات ختم ہو گئی اور ابن حرب خیمے کی اندر رنی رہداری میں داخل ہوا۔ اس کے قدموں کی آہٹ سن کر دونوں کینزیں نجم ابیل کو تنہا چھوڑ کر کمرے سے نکل گئیں وہ خود بھی نجم سے ملاقات کا بڑا متحقی تھا لیکن جب حجرہ خواب میں داخل ہوا، اسے بارہ ابن اسولہ منگامکر کے ساتھ اپنا منظر پایا اور نیم عریاں ارغوانی لباس دیکھ کر بھونچکا سا رہ گیا جس میں اس کا سڈول اور سانچے میں ڈھلا ہوا خوب صورت جسم پہلے سے زیادہ دل کش اور دل فریب نظر آ رہا تھا۔

اس کی حیرانگی کا سبب غالباً یہ تھا کہ عرب اور نرنگ عورتیں ایسا لباس نہ پہنتی تھیں، نجم نے پہنایا کہ اسے نیم عریاں ارغوانی لباس میں دیکھ کر متحیر ہو گیا اور وہ خود اس لباس میں اس کی پوری توجہ کامرکز بن گئی ہے مگر اسے بولی۔

”لجھائے ہو ارغوانی لباس کون پہنتی تھی؟“

ابن حرب جانتا تھا لیکن خاموش رہا اور وہ خود ہی اپنے سوال کا جواب دینے لگی۔ یہ مکہ صحر الزبا کا لباس ہے جس کا ہم نے خواب دیکھا تھا۔ تم نے ہمیں مکہ سحر بنایا اور آج ہم الزبا کا لباس پہن کر تمہارے سامنے کھڑے ہیں۔

ابن حرب کی حیرت کا سکتہ ٹوٹا تو کہنے لگا۔ ”یہ نہیں جانتا۔ الزبا جو سائلنی تھی، اس ارغوانی لباس میں کبھی لگتی ہوگی مگر تمہارا رنگ گورا لگاتی ہے اور تمہارے جسم پر یہ لباس زیادہ خوب صورت لگتا ہے۔“

”ہمارے جسم پر یہ ارغوانی لباس اس لیے زیادہ خوب صورت لگتا ہے کہ ہم الزبا سے زیادہ خوب صورت ہیں اور یہ بات تم نے سوتی اٹھل کی ہو لی میں کبھی تھی۔“

اس لباس کے ساتھ جس نے نجم کے جسم کو زیادہ حسین اور پرکشش بنا دیا تھا اس کی کبھی بھی غنائی اشکوں میں بھی حسن کا جادو چل رہا تھا جس میں بے پناہ ترغیب اور دل کشی تھی، احلاں کو بازو کٹ جانے کے بعد وہ احساس کمتری کا شکار ہو گیا اور سوچتا رہا تھا کہ اس کی جہانی بیٹی کی دھبے سے شاید اب وہ پہلی ہی دل چسپی نہ لے گی اور اسے دیکھ کر افسردہ ہو جائے گی لیکن وہ آقا حسین کے مسکن میں بھی کہ بجلی تھی کہ جنگ میں جن بہادروں کے زخم لگتے یا اعضا کٹتے ہیں

اور جس طرح زخمی شیر جنگل میں زیادہ خطرناک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اب تم بھی اپنے دشمن سے
حتیٰ میں زیادہ بے رحم اور زیادہ خطرناک ہو جاؤ گے۔
ابن حرب نے اُسے خود سے دیکھا اور زہر خند سے بولا: "لوگ یہی کہتے ہیں زخمی شیر اور
زخم کھایا ہوا جنگی مرد زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔"

"ابن حرب ایہ بات غلط نہیں، ہم نے بھی تمہارے مزاج میں نئی وحشت اور کرسختگی
محسوس کی ہے، اسی لیے تم ہمیں پہلے سے زیادہ مزہز ہو گئے ہو کیوں کہ ہم وحشت اور کرسختگی پسند
کرتے ہیں اور دوسری عورتوں سے مختلف ہیں۔"

اُس نے حیرت کی نظروں سے طوائف حسینہ کو دیکھا۔ یہ پہلا موقع تھا، جب نجم نے خود
کو "زبابائی لباس" سے سجایا اور کھلے لفظوں میں اپنی فطری خاصیت کا اظہار کیا تھا۔ ابن حرب
کا اس کی یہ خاصیت پسند آئی جو اُسے دوسری عورتوں سے الگ کرتی تھی پھر معانی جہاں آیا ایک
بات تمام عورتوں میں مشترک ہوتی ہے کہ اپنی تعریف پسند کرتی ہیں اور نجم البیل نے توجہ غیر معمولی
بناؤ سنگار کیا اور الزباد کا ارغوانی لباس پہنا تھا۔ آج وہ غیر معمولی تعریف کی مستحق تھی کہ رحمت
اکاذبکن دار فنگی کے لہجے میں کہنے لگا۔

عالمین اھوی شبیہ فیم الدنیا شتیہ
میری معشوق کا کوئی ہم شکل نہیں دنیا اُسے دیکھ کر حیران ہے۔

نجم نے اپنی لمبی لمبی غلامی آنکھوں سے اس پر مہربانی کی نظر ڈالی۔ "ہم تم پر ہمیشہ مہربان
رہیں گے۔"

وہ اس پر پہلے سے زیادہ فریفتہ تھی، زیادہ مہربان ہو رہی تھی اور اس کی مہربانی اب بڑھ
کر باگن کیے دیتی تھی۔ وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ نجم البیل جیسی عورتیں دنیا میں شاذ و نادر ہی ہوتی
ہیں۔ اس میں حسن کی قوت تھی، حکمرانی کی صلاحیت تھی۔ وہ حکم نافذ کرنا اور اس کی تعمیل کرانا
جانتی تھی۔ تمام بادشاہین اور قبائلی سردار اس کے گردیدہ اور فرماں بردار تھے لیکن وہ اپنے
نومہر کو بھلانے کا بھی جذبہ رکھتی اور چاہتی تھی کہ شوہر اس کے ساتھ غیر معمولی سلوک کرے کیونکہ
خود غیر معمولی عورت تھی۔

غالباً ابن حرب سے غیر معمولی دار فنگی کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ وہ اسی کے طفیل صحر میں
پہنچی اور "ملکہ صحر" کے لقب سے سرفراز ہوئی تھی تاہم وہ کچھ رہا تھا کہ اس سے کچھ اور توقع

وہ ان کی بہادری اور جنگی عظمت کا نشان بنے ہیں، بنی کلب میں دایہی پلاس کا پرچوش استقبال
کر کے اور جشن منانے کے لئے اُس کی بہادری اور جنگی عظمت کا اعتراف کیا تھا اور اب اپنے
حسن کو بارہ ابرن، سولہ سنگار سے آراستہ کر کے اور اپنے آپ کو مکہ الزباد کے ارغوانی لباس
میں سجاکر اس کے سامنے پیش کر رہی تھی۔

وہ اس سنگار میں، اس لباس میں خود سپردگی کے اس دلکش انداز میں اُس بت زبابائی
سے زیادہ حسی اور زیادہ پرکشش دکھائی دے رہی تھی، جس کا ذکر تذکر کے کتبات میں کیا
گیا ہے، کیوں کہ اپنے ترک حسن اور سڈ دل جسم کے ساتھ فی الواقع الزباد سے زیادہ خوبصورت
تھی۔

جب سے دنیا بنی اور زہر مادہ کا جوڑا قائم ہوا ہے، ہر عورت کی خواہش رکھت اور
اُس کی خاطر حریفوں سے جنگ لڑتا رہا ہے عورت طاقت و مرد کی طلب گار رہی اور اس کے مضبوط
بازوؤں میں پناہ ڈھونڈتی ہے۔ اگر مرد اس کی حفاظت کرتا ہے تو عورت اپنی محبت سے اسے
اپنا گرویدہ بنا لیتی اور اسے بچانے کے لیے آرائش و زیبائش کرتی ہے۔ عورت کی یہ فطرت قدرت
کا انمول عطیہ ہے جو ازل سے جاری ہے۔ ہر محبوب اپنے عاشق کی خاطر اور ہر زہر اپنے شوہر
کے لیے خود کو آراستہ کرتی، مٹی، سنو رتی اور خوش نما لباس پہن کر اپنا جسم سجاتی ہے تاکہ عاشق
یا شوہر کو زیادہ سے زیادہ خوب صورت لگے اور وہ پوری لگن سے پورے شوق سے
اُسے شاد کام کرے۔

نجم البیل (ستارہ شب) نے بھی ابن حرب کے لیے جو اس کا عاشق بنی تھا شوہر بھی تھا۔
اپنے حسن کو نکھارا، جسم کو سنوارا اور محبوبہ و زہر کی حیثیت سے ایک فطری تقاضا پورا کیا تھا مگر
غیر معمولی سنگار کرنے اور اپنے خوب صورت سڈ دل جسم کو الزباد کے ارغوانی لباس سے بچانے
کا ایک مقصد اور بھی تھا۔ اُس نے اُسے بڑھ کر ابن حرب کی بائیں آستین اُلٹ دی اور بڑھ کر
ننگا کر کے کہنے لگی۔

"تمہارا خیال ہے بازو کٹ جانے سے تم بد ہیئت ہو گئے ہو اور شاید ہمیں تمہارے
ساتھ پہلا عاشق اور پہلا سالگاؤ نہ رہے لیکن اہم اسے دل میں جھانک کر دیکھو۔ یہ بریدہ بازو
جسے تم اپنے جسم کا عیب سمجھتے ہو، ہمیں تمہاری بہادری کا نشان اور تمہاری خوبی کا حصہ نظر آتا ہے
کیوں کہ اگر تم جگمگ ہو، تو ہم بھی الزباد کی طرح جنگ پسند ہیں۔ تمہارا یہ بازو دشمن نے کاٹا ہے

بھی رکھتی ہے۔ ابن حرب نے اسے مایوس نہیں کیا۔ نجم اہل کا عشق تند تیز بگولے کی طرح خون میں گردش کرنے لگا۔

نبی کلب میں ابن حرب کی واپسی کا جشن تین روز منایا گیا۔ رات کو بھی صحرا میں مشعلیں روشن ہوئیں اور ان کی روشنی کے دائروں میں بادیر نشین لوہیاں رقص کرتی رہیں۔ ان راتوں میں نجم اہل بھی عشق کی نئی وحشتوں سے گزری۔

اس جشن کا ایک مقصد تھا کہ آقا حسین کے نٹخی ابن حرب کی واپسی کا چرچا جو نبی کلب کی صحرائی بستی کسی گزرگاہ پر واقع نہیں تھی جہاں سے آنے جانے والے مسافر اور قافلے اس جشن کا منظر دیکھتے اور اس کی خبریں اپنے ساتھ لے جاتے بلکہ وہاں تک پہنچنے کے لیے دشت صحرا سے گزرنا پڑتا تھا۔ البتہ دوسرے قبائل کے سردار اور ان کے نائب جو استقبالی کی خاطر آئے تھے جشن کی خبریں بھی اپنے ساتھ لے گئے تھے اس طرح صحرا کی دنیا میں اس کی واپسی کا چرچا بھرا تھا اور اب اس کے نتیجے کا انتظار تھا۔



جشن کے ایک ہفتے بعد جب شام کا ملگیا اندھیرا صحرا کو اپنی پہاڑوں میں لپیٹ رہا تھا۔ دو سائڈنی سوار بستی کی جانب آتے دکھائی دیے۔ جھنڈیں دیکھ کر نبی کلب میں خوشی کی ایک نئی لہر دوڑ گئی۔ آنے والوں میں ایک طیش کی کارواں سرائے کا۔ تک سلیمان بن عامر اور دوسرا اس کا غلام منصور تھا۔ سلیمان طویل طرز کے بعد نبی کلب میں آیا تھا اور اس کی آمد یقیناً خالی اند علت نہ تھی۔ سردار نعمان نے ٹھہرتا کہ خیر مقدم کیا اور ابن حرب کو اس کے آنے کی اطلاع دی۔ سلیمان بن عامر کا نام سن کر وہ ہلکا ہوا بڑے جیسے سے نکلا۔ دیکھتے ہی پوٹ گیا اور اسے ساتھ لے کر اندر داخل ہوا۔ جب کہ منصور کے بیٹے دمنہ نے دھان خانے کا دروازہ کھول دیا اور اس سے سلام اور سرائے کی دوسری کنیزوں کا حال پوچھتی رہی۔

شہزادی نجم بھی اس کی آمد پر بے حد خوش ہوئی اور غنیمت کے ساتھ ایوانِ ملاقات میں پہنچ گئی، جہاں وہ شربت پنی چکا اور ابن حرب اور سردار نعمان کے ساتھ باتوں میں مصروف تھا نجم کو دیکھتے ہی وہ ادب سے کھڑا ہو گیا اور جب وہ اپنی مسند پر بیٹھ چکی، جہاں میٹر کے قبائلی سردار اور ان کے نائبوں سے ملاقات کیا کرتی تھی، تب سلیمان بن عامر بھی بیٹھ گیا۔

نجم کی آمد سے قبل وہ ابن حرب کے ساتھ دھادے کی ناکامی اور اس کے ایک بازو کی محرومی پر اظہارِ افسوس کر رہا تھا گنماب گفتگو کا موضوع بدل گیا اور وہ القطار کے حالات بیان کرنے لگا، جو شہزادی نجم اہل کے بعد وہاں گزرے تھے، اس نے حادثہ البظفر کا ذکر خصوصیت سے کیا۔ سلیمان کو بھی اس بات پر حیرت تھی کہ وہ القطار نے کس طرح پہنچ گیا۔ جب کہ اسے حادثہ کے فراہم اطلاع مل گئی تھی اور اس کے غلام مصر کی طرف جانے والے تمام راستوں کی نگرانی کرتے رہے تھے۔ سرائے دار کھنے لگا۔

”مجھے اس بات کا اندیشہ تھا کہ ابو جیش شمارویہ اس کی روداد سننے اور یہ جان لینے کے بعد کہ شہزادی نجم ابن حرب سے ساتھ نبی کلب میں موجود ہے اور اس قبیلے نے قطر اندھی کے دوسری قافلے پر دھادہ کیا تھا، شہزادی کی بازربانی کے لیے فوراً حکم صادر کر دے گا اور طوئی فوج کا صحرائی دستہ حرکت میں آجائے گا مگر یہ سن کر حیران رہ گیا کہ سلطان نے حملے کا حکم صادر کرنے کی بجائے حادثہ کو علاج کا مشورہ دیا اور سات ماہ کے بعد جب وہ سفر کے قابل ہو گیا، اُسے اپنا لہجہ بنا کر پھر بغداد بھیج دیا۔ اس نے خلیفہ معتمد کو ابن حرب اور نبی کلب کے علاوہ ذکر و قیام بالمقام امام یحییٰ البوقاسم، سیدی آقا حسین صاحب الشامہ اور جماعت کے متعلق بعض ایسی معلومات دیا کہیں کہ بغداد کا دفتر خفیہ اور دوسرے ٹکٹے کوٹنے کے بادیر نشین قبائل کی طرف متوجہ ہو گئے۔

اس اچانک افتاد سے جماعت کو پھر اخفا کے پردوں میں ردپوش ہونا پڑا۔ سماوا کی نام بارگاہ سے جو اطلاع آئی ہے اس کے مطابق عباسی مخبر اپنی گوششوں میں ناکام ہو گئے ہیں بلکہ ابلاغ نام کی گرفتاری اور رہائی کے بعد جسے فدائیت نے اچانک دھاوا کر کے رہا کر لیا اور قید خانے کے تمام محافظ ہلاک کر دیے تھے، بغداد پر ایک دہشت طاری ہو گئی ہے اور صحرا میں جماعت کی تلاش کا کام مصلحتاً روک دیا گیا ہے۔ حادثہ بھی بغداد سے واپس آگیا اور کافی مایوس ہے کہ یوں کہ خلیفہ معتمد نبی کلب پر حملے کو ثنائی حیثیت دیتا اور پہلے عراق میں جماعت کے رہنماؤں کی گرفتاری یا ہلاکت ضروری سمجھتا ہے۔

سلیمان بن عامر نے ایک لمحہ توقف کیا پھر انھیں جماعت کی حکمت عملی سے آگاہ کرنے لگا۔ ”امام کا منصوبہ یہ تھا کہ خروج سے قبل شام کے علاقے سے جماعت کا اظہار کیا جائے شامی قافلے پر دھادے کا مقصد یہی تھا کہ عباسی لشکر کو حملہ آور قبیلے کی تلاش میں شام کے

قی اسی لیے بازیابی کی کوشش نہیں کی گئی۔

”یہ کسی عام گھرانے کی بات نہیں ابن حرب! انجی طولوں کی عزت و ناموس کا معاملہ تھا اور خمار یہ پیش جیسا حکمران اسے نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔“

پھر سلیمان بن عامر نے ان سب کی معلومات میں حیرت انگیز اضافہ کیا کہ مصر میں نجم اللیل اور حارث کی کس طرح تلاش ہوئی رہی۔ شہزادی کی بازیابی کے لیے انجی طولوں نے کیا ہنگامہ کیا اور خود سلطان کس قدر پریشان و مضطرب تھا۔ یہ سب کچھ بیان کرنے کے بعد وہ کہنے لگا۔

”کیا یہ اچھے کی بات نہیں کہ جب حارث قید سے فراد ہو کر مصروع گیا، شہزادی نجم کا کوچ مل گیا، ابن حرب کے ساتھ آقا حسین کا پتا بھی چل گیا اور بنی کلب کی طرف رہنمائی کے لیے حارث جیسا آدمی موجود تھا مگر خمار وہ ابو جیش نے بنی کلب پر چڑھائی کرنے کی بجائے حارث کو اپنا بیٹا بنا کر خلیفہ معتقد کے پاس کیوں بھیج دیا؟ میں نے اس معاملے پر بڑا غور کیا کہ آخر سلطان نے شہزادی کی بازیابی کا ارادہ ترک کیوں کر دیا؟ اچانک جعفر نجومی کا خیال آیا، جو ابجکل فسطاط میں ہے کہ شاید وہ یہ معاملہ کر سکے۔“

جعفر نجومی کا نام سن کر ابن حرب پر ایک حیرت گزر گئی۔ سلیمان کی بات کاٹ کر بولا۔ ”کیا جعفر فسطاط پہنچ گیا؟“

میرا نے داسے بتایا کہ جعفر نجومی کے بارے میں اسی نے سلطان خمار وہ کہہ آگاہ کیا تھا لیکن اتفاق سے وہ خود اسی فسطاط پہنچ گیا۔ اب اسے دربار میں جگہ مل گئی ہے اور خمار وہ ابو جیش اس پر بہت اعتماد کرتا ہے۔ ابن حرب کو یہ سن کر خوشی ہوئی کہ مصر میں جعفر نجومی کی قسمت کا ستارہ بھی چمک اٹھا ہے۔ سلیمان نے کہا۔

”جب میں جعفر کی حویلی میں پہنچا جو پڑانے قلعے کی جانب واقع ہے اور اپنا تعارف کر لیا تو میرا نام سن کر اور مجھے اپنے دروازے پر دیکھ کر حیران ہوا۔ وہ سلطان کی زبانی میرا نام سن چکا اور جانتا تھا کہ میں نے اس کی سفارش کی تھی۔ تعجب سے پوچھنے لگا۔ جب اس سے پہلے ہماری کبھی ملاقات نہیں ہوئی، نہ ہم ایک دوسرے کو جانتے ہیں تو بغیر جان پہچان کے آپ نے سلطان معظم سے میری سفارش کیسے کی؟“

”میں نے تمہارا ذکر کیا اور بتایا کہ تم نے میرے دوست کے بارے میں جو پیش گوئی کی تھی وہ حرف بہ حرف پوری ہوئی اور یہ جان کر کہ تمہیں فلکیات پر پورا عبور حاصل ہے، سلطان سے تمہاری

قبائلی علاقے کی جانب آنے دیا جائے اور پہلا معرکہ اسی صحرائیں ہو جہاں وہ چاروں طرف سے گھر جائے گا اور شکست و تباہی سے دوچار ہو گا۔ اس علاقے کو عباسی لشکر کے ساتھ مقابلے کے لیے اس لیے بھی منتخب کیا گیا کہ شامی قبائل نہ صرف عباسیوں سے ملاں ہیں بلکہ انھوں نے بنت خمار وہ قطر اندی کی قیمت پر بنو عباس سے دوستی کو بھی پسند نہیں کیا۔ ان کے نزدیک سلطان خمار وہ ابو جیش نے بغداد کو سالانہ خرچ ادا کرنے کا معاہدہ کر کے اپنی گردن عباسیوں کے ہاتھوں میں دے دی ہے۔

توقع یہ تھی حملہ آور قبیلے کا سراغ مل جانے اور اس کا محل وقوع جان لینے کے بعد (کیوں کہ حارث یہ محل وقوع دیکھ چکا ہے) خلیفہ چین سے نہیں بیٹھے گا اور عباسی لشکر بنی کلب پر چڑھائی کر دے گا۔ حارث نے حملے کی ترغیب دی اور رہنمائی کا یقین دلایا تھا۔ جماعت بھی یہی چاہتی تھی۔ لیکن خلیفہ معتقد بنی کلب کی طرف کوچ سے پہلے عراق میں امام اور جماعت کی تباہی و بربادی چاہتا ہے اسی لیے حارث بغداد سے مایوس لوٹ آیا۔“

اچانک ابن حرب نے سوال کیا۔ ”عراق میں جماعت اور امام کو کوئی خطرہ تو نہیں؟“

”فی الحال کوئی خطرہ نہیں۔“ سلیمان بن عامر نے جواب دیا۔ ”ابو غنم دلسے واقعے کے بعد تحقیق و تلاش کا ہنگامہ سر در پیر گیا ہے لیکن ابھی خفیہ نقشبند جاری ہے اور ان لوگوں میں جن سے کچھ معلومات حاصل ہو سکیں، مخرج و بناہ تقسیم کیے جا رہے ہیں۔ انھیں بنی اسد کا ایک ایسا آدمی مل گیا تھا جو بنو قلدیس کے قائد اور سماوہ میں امام یحییٰ ابو القاسم کی رہائش گاہ کے بارے میں کچھ معلومات رکھتا تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ سرکاری خبروں تک پہنچا ایک فدائی کا خنجر اس کی گردن تک پہنچ گیا۔ بنی اسد کے اس آدمی کی ہلاکت کے بعد اب عباسی مخبر صحرا کا رُخ نہیں کرتے۔ مبادا کوئی خنجر ان پر بھی چل جائے۔“

اب سردار نعمان نے اچانک اسی عجیب سوال کر دیا۔ ”میں تو سوچتا تھا عباسی لشکر سے بھی پہلے ہمیں طولوی لشکر کا سامنا کرنا پڑے گا مگر سلطان خمار وہ نے یہ معلوم کر لینے کے بعد کہ شہزادی صاحبہ بنی کلب میں ہے ہم پر حملہ کیوں نہیں کیا؟“

”اس میں تعجب کی کون سی بات ہے؟ ابن حرب کہنے لگا۔ ”جب گھروالوں کو معلوم ہو جائے کہ لڑکی انجی مرنی سے کسی مرد کے ساتھ چلی گئی ہے تو سمجھ جاتے ہیں کہ اب وہ واپس نہیں آئے گی اس لیے بازیابی کی کنگ و دو بے کار ہوگی۔ نجم تو سلطان خمار وہ کی پسند کو ٹھکرا کر آئی

”جعفر بخومی کہتا ہے کہ بنی طولون پر بُرے دن آنے والے ہیں اور بنو عباس ہی طوئی ریاست کا شیرازہ منتشر کر دیں گے۔ لیکن قطر الندی کی خلیفہ معتقد سے شادی اور فریقین میں دوستی کے معاہدے کے بعد جعفر کی پیش گوئی مہل معلوم ہوتی ہے۔“

ابن حرب نے خیال ظاہر کیا۔ ”اگر جعفر بخومی بنی طولون کے بُرے دنوں کی خبر دیتا اور کہتا ہے کہ طوئی ریاست کو بنو عباس ہی تباہ کریں گے، تو اسے تقدیر کا فیصلہ سمجھنا چاہیے۔“

سلمان بن عامر کہنے لگا۔ ”خمارویہ ابو جیش نے خلیفہ معتقد کو جہالت کے بارے میں معلومات دیا کہ بنو عباس کا اعتماد حاصل کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ طوئی ریاست ان کے ہاتھوں آنے والی تباہی سے بچ سکے۔“

”پھر بھی وہ بنی طولون کو اپنا دوست سمجھیں گے۔ معتقد آج ہماری تحریک کوٹانے کی فکر میں ہے۔ کل وہ طوئی مملکت کے لیے ”برادقت“ بن جائے گا۔“

شہزادی نجم مضطرب ہو کر کھڑی ہو گئی۔ وہ بنی طولون کو چھوڑ آئی لیکن اب بنی طولون کے لیے پریشان تھی۔ جعفر بخومی کے الفاظ دل میں خوف کی سیندھ لگا رہے تھے۔ یہ خیال پریشان کر رہا تھا کہ بنی طولون کا ستارہ گردش میں ہے اور بنو عباس ہی طوئی ریاست کا شیرازہ منتشر کر دیں گے۔ سب کے سامنے سرائے دار سے مخاطب ہو کر کہنے لگی۔ ”سلمان! مستقبل نے بنی طولون کے لیے اپنے پردوں میں کیا چھپا رکھا ہے؟ اس کا حال آنے والے دنوں میں کھلے گا مگر سیاست کتنی ہے ہمیں بڑے فریق کے خلاف چھوٹے فریق کی حمایت کرنی چاہیے۔“

سلمان بن عامر نے شاید شہزادی کے دل میں جھانک لیا تھا کہ بنی عباس کے خلاف ضرور جانتی ہے تاکہ وہ کمزور ہوں اور بنی طولون کو اپنی ریاست منظم کرنے کا موقع مل جائے لیکن اُس نے معاملے کی ایک نئی صورت پیش کی۔ ”شہزادی نجم! میں آپ کا مقصد سمجھتا ہوں مگر سلطان خمارویہ نے عباسیوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور انھیں ہر سال خراج دینا منظور کر کے بنی طولون کی قبر اپنے ہاتھ سے کھودی ہے۔ پھر بھی آپ کی خاطر ہم باطل ان کی حمایت کریں گے۔“

سرانے دار کے الفاظ تلخ بھی تھے اور اُمید افزا بھی۔ نجم اُمید پھر مسند پر بیٹھ گئی اور سلمان چمنصور بہادری سے کہہ آیا تھا، بیان کرنے لگا۔ ”خلیفہ معتقد جب تک عراق میں ہماری

سفارش ضروری سمجھی۔ یہ سن کر وہ بہت خوش ہوا کہ میں تمہارا دوست ہوں پھر میں نے خلیفہ معتقد کی خدمت کی، جس نے علم نجوم پر پابندی لگا دی اور مجھوں کو مستقبل کے حالات بتانے یا پیش گوئی کرنے سے روک دیا ہے۔ خمارویہ ابو جیش کی تعریف کی، جس نے اس علم کو معتبر جانا اور اسے اپنے دربار میں جگہ دی۔ میری باتیں سن کر جعفر بڑا خوش ہوا اور بار بار میرا شکریہ ادا کرتا رہا کہ میں نے سلطان سے اس کی سفارش کی تھی۔ اس طرح میری اس کی دوستی ہو گئی اور اب اس سے کچھ پوچھنا مشکل نہ تھا۔ جعفر نے مجھ پر اعتماد کیا اور بڑے سزاوارانہ انداز میں کہنے لگا۔ ”بنی طولون کا ستارہ گردش میں ہے، میں نے سلطان کی فرمائش پر آسمانوں کی کتاب کا مطالعہ کیا اور اس پر لکھے حروف و الفاظ پڑھ کر سنا دیا ہے کہ بہت جلد بنی طولون پر بُرے دن آنے والے ہیں اور بنو عباس ہی طوئی ریاست کا شیرازہ درہم برہم کر دیں گے لیکن اگر انسان ہمت سے کام لے کر سعی و کوشش کرے تو حالات بدل سکتے ہیں۔ آنے والے بُرے دنوں کا نقشہ تبدیل ہو سکتا ہے۔ سلطان حالی نے مجھ سے شہزادی نجم اللیل کی گندگی کے بارے میں بھی پوچھا تھا اور میں انھیں بتا چکا ہوں کہ شہزادی نجم خوش بختی کی روشنی تھی جس کے جاتے ہی بنی طولون پر بد بختی کے اندھیرے منڈلانے لگے ہیں مگر وہ جہاں بھی گئی ہے، اپنی مرضی سے گئی ہے۔ اُس کی قسمت کو محسوس اسے نسبت ہے اس لیے صحرایہ طرف نکل گئی اور اس نے عقد بھی کر لیا ہے۔ پھر سلطان معظم نے شہزادی قطر الندی کے قافلے پر حملہ کرنے والے قبیلے کے متعلق پوچھا تو میں نے بتایا کہ اس قبیلے کے پیچھے اور بھی کئی قبیلے کھڑے ہیں اور اگر سلطان نے اس پر چڑھا لگی کا ارادہ کیا، تو بنی طولون کے بُرے دن کچھ اور قریب آجائیں گے۔ بنی طولون کو قبائل کی مخالفت سے بچنا اور اپنی طانت کو اپنے بُرے دنوں کے لیے منجھال کے رکھنا چاہیے۔“

سلطان خمارویہ ابو جیش نے جعفر بخومی کی باتیں سن کر اور بنی طولون پر منڈلاتے خطوں کے پیش نظر بنی کلب پر حملہ نہیں کیا اور شہزادی نجم کی باز بانی کا ارادہ ترک کر دیا ہے۔ ویسے بھی شہزادی نجم کو جو زنبہ صحرائیں حاصل ہو رہی ہیں وہ مصر میں حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہی سوچ کر سلطان نے طوئی ریاست کو اس معاملے سے الگ تھلک رکھنے کی کوشش کی ہے۔“

وہ تمام واقعات جو سلمان بن عامر نے بیان کیے بڑے حیرت انگیز تھے۔ وہ ساری باتیں جو بنی طولون کے بُرے دنوں کے بارے میں بتائی گئیں، بڑی تشویش ناک تھیں جنہیں سن کر نجم اللیل حیرت سے کہنے لگی۔

تھوڑے کا کھوج نہیں لگایا، اس وقت تک شام کے قبائلی علاقے کا رنج نہیں کرے گا۔ وہ شاہیں کاٹنے کی بجائے درخت کو جڑ سے اکھاڑ پھینک چاہتا ہے لیکن جانتا نہیں کہ درخت کی جڑیں زمین کے پیٹ میں کہاں تک پھیل چکی ہیں اور اب انہیں اکھاڑ پھینکنا مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ کوئٹہ دہرہ کے صحرائی علاقے میں جماعت ”زیر زمین“ چلی گئی ہے۔ قمر مظاہم باجی اور امام یحییٰ ابوالقاسم کی خفیہ تلاش جاری ہے لیکن عراقی مخبران کی گرد کو بھی نہیں چھو سکتے۔ خلیفہ خود بھی بہت سے معاملات میں الجھا ہوا اور پریشان ہے۔ کئی فوجی سردار اور اہل ہوبوں پر قابض و متصرف ہو گئے اور دربار خلافت سے اپنا تعلق قوت دیکھے ہیں وہ ان کی سرکوبی میں مصروف ہے۔ خلیفہ نے رافع بن ہرثمہ کی جگہ عمرو بن لیث کو خراسان کا والی مقرر کر کے جو غلطی کی تھی، ابھی تک اس کا خمیازہ جھگٹ رہا ہے۔ بہت سی جنگوں کے بعد عمرو بن لیث نے رافع کو مار بھیجا۔ اور خوارزم کے علاقے میں اسے قتل کر دیا گیا لیکن رافع کے حامی سردار معتقد سے سخت ناراض ہیں۔ اسی طرح موصل میں اردون بن سلیمان خارجی کا معاملہ بھی خاصا پریشان کر دینے والا تھا جن بن علی کوہ سے شکست کھا کر خارجی، آذر بائیجان کی طرف نکل گیا۔ پچھلے دنوں خلیفہ معتقد اس کی تلاش میں خود نگریت پہنچا اور حسین بن ہمدان کو اس کے پیچھے بھیجا۔ سلیمان خارجی ایک عرب قبیلے میں پناہ گزیں تھا۔ حسین نے وہیں زنجیروں پہنا دیں اور معتقد اسے ساتھ لے کر بغداد لایا گیا۔ ہمدان کو پہلے ہاتھی پر بٹھا کر شہر میں پھرایا گیا۔ پھر پھانسی دے دی گئی۔ شہنشاہ خارجی کو وہ بھی انتقام لینے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔

آج کل بکر بن عبدالعزیز نے اُسے پریشان کر رکھا ہے۔ بلاد جبل کے والی عمرو بن عبدالعزیز بن ابی دلف پر بھی خلیفہ نے خود چڑھائی کی تھی۔ اس کے پاس ایک بڑا نایاب ہیرا تھا اور اس ہیرے پر معتقد کا ڈانٹ تھا۔ چڑھائی کی خبر سنتے ہی عمرو بن عبدالعزیز بھاگ نکلا۔ خلیفہ نے اس کا مال و اسباب ضبط کر لیا۔ ادھر وزیر سلطنت عبید اللہ بن سلیمان اور معتقد کے آزاد کوہ غلام بدست صوبے کی سند حکومت اس کے بھائی بکر بن عبدالعزیز کو وادی عمرو بن عبدالعزیز کو تپا چلا کر اس پر چڑھائی کا اصل مقصد نایاب ہیرا حاصل کرنا ہے تو اس نے ہیرا خلیفہ کی خدمت میں بھیج دیا اور ساتھ ہی امان کی عرضی دی جو منظور ہوئی اور اس کی حکومت بحال کر

دی گئی۔ بکر بن عبدالعزیز جیسے عارضی طور پر صوبے کا والی بنا کر بھائی کے خلاف استعمال کیا گیا تھا، خلیفہ اور اس کے وزیر و مشیر سے ناراض ہو کر اپنے لشکر سمیت ہوازی کی طرف چلا گیا۔ خلیفہ نے وصیف کو فوج دے کر اس کے تعاقب میں بھیجا کہ گرفتار کر لائے لیکن بکر بن عبدالعزیز بڑی ہوشیاری سے اصفہان چاہنچا اور اپنے بھائی کے عامل عیسیٰ نوشری کو نکال دیا۔ اس واقعے کے بعد خلیفہ نے بدر کو اس کی سرکوبی پر مقرر کیا جس نے عیسیٰ نوشری کو بکر بن عبدالعزیز سے لڑنے کے لیے بھیجا۔ اصفہان کے قراح میں دونوں کے درمیان زبردست جنگ ہوئی۔ اور میدان بکر کے ہاتھ رہا۔ عیسیٰ نے اگرچہ شکست کھائی ہے لیکن بدر اسے گلہ بھیج رہا ہے اور ان کے درمیان کچھ معرکے اور ہوں گے۔۔۔۔۔

رافع بن ہرثمہ، اردون خارجی اور بکر بن عبدالعزیز کی بغاوتوں کے حالات بیان کرنے کے بعد رجن سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ عباسی سلطنت میں ہونے والی بغاوتوں اور جنگوں کے متعلق کتنی دل چسپی اور اہم معلومات رکھتا ہے (سلیمان بن عامر کہنے لگا: ”ذکر وید قمر مظاہم باجی نے مشورہ دیا ہے کہ جماعت کو ان حالات سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ اس وقت عباسی لشکر مختلف علاقوں میں بکھرے ہوئے اصرار کرش صوبے داروں سے برسر پیکار ہیں۔ خلیفہ معتقد داخلی حالات سے پریشان ہے۔ بدر جیسا سفک اعلیٰ افسر اصفہان کے معاملے میں الجھا ہوا ہے۔ یہی موقع ہے کہ کوئٹہ سے لے کر بحرین تک کا علاقہ عباسی سلطنت سے الگ کر لیا جائے۔ معتقد ابو عباس بے شک سفاح ثانی (دوسرا غوث مدین) کہلاتا ہے لیکن جب اس کا واسطہ قمر مظاہم باجیوں سے پڑے گا تو ہمارے قبائلی جوان اُسے بتائیں گے کہ ”غوث ریزہ“ کسے کہتے ہیں۔“

یہ گویا عباسیوں کے خلاف بغاوت کا منصوبہ تھا یا دوسرے لفظوں میں ایک نیا محاذ کھول کر عباسی لشکر کو ضعیف کرنا تھا جیسا کہ شہزادی نجم نے سوچا تھا۔ سرائے دارسنے یہ بھی واضح کر دیا: ”کوئٹہ سے بحرین تک پورے علاقے میں بسنے والے قبائل کی اکثریت عباسیوں کے خلاف اور انہیں غاصب سمجھتی ہے۔ وہ غلطی اور غلطی جی جو ہماری تحریک میں شامل نہیں عباسیوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اس علاقے میں ہمارے حامیوں کی تعداد کم نہیں۔ ہمیں طرح سلطان احمد بن طولون نے معزول خلیفہ معتقد کی اسیری اور نظر بندی سے فائدہ اٹھا کر مصر و شام کو عباسی سلطنت سے الگ کر لیا اور طولونی مملکت قائم کر لی تھی، اسی طرح ہم بھی قبائل تک ایک علاحدہ ریاست قائم کریں گے۔ سلطان احمد بن طولون کے پاس جاں نثاروں

کے حبش تھے۔ ہمارے پاس صحرائی لشکر ہیں، جن کے پیچھے عقیدے کی زبردست طاقت کھڑی ہے۔ ہماری اصل طاقت ہمارا عقیدہ ہے، جسے کوئی قوت شکست نہیں دے سکتی۔ جماعت کے فلسطینی داعی کے الفاظ نے سب کے جموں میں خون کی گردش تیز کر دی اور ابن حرب نے سوال کیا: ”خروج کا فیصلہ عراق میں کیا گیا ہے جہاں جماعت کا مرکز ہے مگر ہم اس علاقے میں کیا کریں گے؟“

اب بوڑھے فلسطینی نے ایک سیاسی مذہبی طرح گفتگو اگے بڑھائی: ”ابن حرب! عباسی اقتدار کے خلاف پہلے بھی کئی لوگوں نے خروج کیا اور کئی بغاوتیں ہو چکی ہیں مگر کوئی تحریک کامیاب نہیں ہو سکی۔ عباسی حکمرانوں نے اپنی فوجی طاقت سے انھیں منتشر کر دیا اور خروج کا جھنڈا بلند کرنے والوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے۔ ان لوگوں کی غلطی یہ تھی کہ انھوں نے عباسی طاقت کا غلط اندازہ لگایا اور فوری طور پر غالب آ جانے کی کوشش میں اپنی پوری جمعیت مقابلے میں جھونک دی۔ ہماری تحریک ایسی غلطی نہیں کرے گی۔ ہم عباسی لشکروں سے چھوٹے چھوٹے مقابلے چاہتے ہیں۔ اگر ایک جگہ جنگ لڑیں گے تو دوسری جگہ اپنی طاقت کو مضبوط رکھیں گے۔ اس طرح کئی علاقوں میں انھیں پریشان کریں گے۔ ان کے قافلے ٹوٹیں گے، ان کی سواریاں ٹوٹیں گے، ان کے راستوں میں رکاوٹیں ڈالیں گے۔ عباسیوں کو منتشر اور ان کی سلطنت کو کمزور کر دیں گے۔“

یہ گفتگو شہزادی نجم کے نقطہ نظر سے ہم آہنگ تھی۔ اس کا مقصد بھی یہ تھا کہ عباسیوں کو کسی نئی جنگ میں الجھا کر کمزور کر دیا جائے، تاکہ وہ نئی طولوں کو تباہ و برباد نہ کر سکیں۔ اُس نے سیماں کی باتوں سے اتفاق کیا مگر طوطے کی سی ناک والا فلسطینی داعی جو منصوبہ کے کہ آیا، وہ ابھی باقی فضا جسے وہ بڑی ہوشیاری سے مرحلہ وار بیان کر رہا تھا۔ آخری مرحلے میں اُس نے بتایا۔

”عباسی سلطنت جن داخلی پریشانیوں سے دوچار ہے خلیفہ معتضد کو اپنے صوبے داروں کی جانب سے جن مشکلات کا سامنا ہے، انھی کے باعث وہ ہماری تحریک کی طرف پوری توجہ نہیں دے سکا اب امام نے حکم جاری کیا ہے کہ کوئی سرکاری آدمی صحرائیں داخل نہ ہونے پائے اگر صحرائیں آجائے تو زندہ واپس نہ جائے، انھیں یہ بھی اندیشہ ہے کہ جب حکومت کے خلاف خروج کا علم بلند کیا گیا تو خلیفہ معتضد خروج کو ناکام بنانے کے لیے

بڑا لشکر بھیجے گا اور کمزور کار عباسی سالار میدان میں اتریں گے اس لیے امام چاہتے ہیں کہ تمام کے قبائلی علاقے سے چیدہ چیدہ تربیت پانے والے لوگوں کو ابن حرب کی سرکردگی میں کوفہ کے صحرائیں اس طرح منتقل ہونا چاہیے جیسے بادیہ نشین قبیلے یا ان کے بطون ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے رہتے ہیں۔ ایک گروہ اگر دشمن فرائ کے ساتھ ساتھ سفر کرتا ہو صحرائے سمادہ میں داخل ہو تو دوسرا گروہ دومتہ الجندل کے رستے عراق کا رخ کرے صحرائی ہماروں کے نقل مکانی کا یہ عمل بڑا خفیہ اور وقفے وقفے سے ہوگا۔ یہ وقفہ ایک ایک دو دو مہینے کا ہونا چاہیے تاکہ کسی کو شبہ نہ ہو کہ کوئی عسکری طاقت صحرائے سمادہ میں منتقل ہو رہی ہے، اس وقت خلیفہ معتضد کی ساری توجہ اصفہان، خراسان اور ماوراء النہر کی طرف مبذول ہے، جہاں شورشیں ہو رہی ہیں۔ ہم اس طرح سے میں اپنی طاقت عراق میں منتقل کر سکتے ہیں عباسیوں کے ساتھ پہلا معرکہ وہیں ہوگا۔“

سمرائے دار کے ذریعہ دماغ نے خروج سے قبل جنگ کا ایک نقشہ تیار کیا اور گروہ درگروہ لشکر کی منتقلی کی ایسی تدبیر سوچی تھی، جس پر کسی کو شبہ بھی نہ ہوتا۔ دیکھنے والے یہ سمجھتے، کوئی بادیہ نشین قبیلہ ایک صحرائے دوسرے صحرائیں منتقل ہو رہا ہے لیکن صحرائی قبیلے اور توں اور بچوں کے ساتھ سفر کرتے تھے اور یہاں بھی یہ احتیاط ملحوظ رکھی گئی تھی کہ کچھ گھرانے بھی کوفہ کی جانب سفر کریں گے۔ سلیمان بن عامر کی ترکیب ہر پہلو سے مکمل تھی۔ شہزادی خوشی کے لیے میں بولی: ”بہت سی عورتیں اور کنبز ہیں امام بارگاہ کی حاضری دینا چاہتی ہیں، ہم بھی حاضری کا شوق رکھتے ہیں۔“

سمرائے دار نے اُسے حیران کر دیا: ”شہزادی نجم! آپ عراق نہیں جائیں گی یا حاکم کے نزدیک آپ کا قیام یہیں ضروری ہے۔ پھر سلیمان بن عامر وضاحت کرنے لگا: ”قبائل کے سردار اور چیدہ چیدہ بہادر ابن حرب کے ساتھ جائیں گے۔ محفوظ لشکر کے طور پر صحرائی جوانوں کی اکثریت یہیں رہے گی اور یہاں رہ کر آپ ہی ان کے دلوں میں جہاد کی روح پھونکیں گی۔ آپ کا نوجوان و شریک جنگ ہونا مناسب نہیں۔ یہ بھی ممکن ہے، خلیفہ شام کی طرف لشکر بھیج دے۔ ان عورت میں صحرائی بہادر آپ کے حکم پر دشمن کا مقابلہ کریں گے اور اسے بادیہ شام کے جہنم میں ڈھکیں دیں گے عراق سے عبداللہ بن سعد ابو خانم کو یہاں لایا جا رہا ہے۔ وہ صحرائی جنگ میں آ رہے ہیں اور آپ کا مددگار و معاون ہوگا۔“

سبائح

○

یہ ایک اور حیرت انگیز بات تھی کہ ابو غافم کو عراق سے شام کے قبائلی علاقے میں منتقل کیا جا رہا تھا۔ سلیمان نے بتایا: ”وہ عراق سے روانہ ہو چکا اور چند روز میں یہاں پہنچ جائے گا۔“ شہزادی نجم الملک کے لیے میں بولی: ”سلیمان! اس مرتبہ ہم ابن حرب کو تنہا نہیں جاسنے دیں گے اور اس معاملے میں آقا حسین سے خود بات کریں گے۔ جو عباس کے خلاف ہمارا اثر یک جنگ ہونا ضروری ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ہم ابو غافم کو یہاں اپنا نائب مقرر کر جائیں۔“ اس کے ساتھ ہی وہ کھڑی ہو گئی، گویا ملاقات ختم ہوئی اور جو کچھ اس نے کہہ دیا تھا اس میں کسی تبدیلی کی گنجائش نہ تھی۔ سلیمان بن عامر اٹھا اور شہزادی نجم کے حضور کمر تک جھکت گیا۔



KHAN BOOKS
& LIBRARY
5-527, BHABHA BAZAR, HAWALPINDI.
Cell: 0345-5048634, 0345-5048569
Prop: Ali Khar.

سلیمان بن عامر کی رہائش کا انتظام بڑے خیمے کے اسی ایوان خاص میں کیا گیا تھا، جہاں قبل ازیں آقا حسین نے بھی ایک رات بسر کی تھی۔ رات اپنے پہلے پہر سے گزری تھی اور ابن حرب ایسا اس کے پاس موجود تھا یہ سن کر کہ جعفر بخاری ضبطاً پہنچ چکا اور اس نے بنی طویون کے زوال کی پیش گوئی کی ہے، ابن حرب کی دل چسپی بڑھ گئی تھی اور وہ اسی کے بارے میں گفتگو کر رہا تھا۔

فلسطینی سرانے دار بڑا ہوشیار، جہاں دیدہ اور مرموز شناس آدمی تھا، جو دوسروں کے پیچھے پڑھنے، ان کے دلوں میں جھانکنے، مگر اپنے آپ کو ادوروں سے چھپانے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ اس کا ذہن ننھی ننھی باتیں سوچنے اور کسی کام کو خفیہ طور پر سرانجام دینے کے حیرت انگیز اسلکے تیار کرنے میں بڑا ماہر تھا۔ اجتماعیت کے ماہرین کہتے ہیں کہ بیڑ میں سب لوگوں کے بارے میں ایک جیسے گفتے ہیں کیوں کہ وہ ایک ہی جذبے کے زیر اثر ہوتے ہیں لیکن بوڑھا فلسطینی یہ نہیں سمجھتا کہ وہ دوسروں سے الگ تھلک نظر آتا اور خود کو دوسروں سے چھالینا تھا۔ اس کی شکل ایسی تھی کہ ایک بار دیکھ کر بھلائی نہ جاسکتی اور ہزاروں لاکھوں کے مجمع میں بھی پہچانی جاسکتی تھی۔

وہ لوگوں کو جانچنے پر کھنے اور ان کی طبیعت کے مطابق کام لینے کی مہارت رکھتا تھا۔ وہ لوگوں سے اس طرح وابستہ اور قریب کر لیتا تھا کہ وہ اس پر اندھا اعتماد کرتے تھے جس طرح

کا دلی عہد ہی بنی طولون کی بنیاد کا باعث بنے گا۔ قطر اندی جو اس کے عقد میں نہیں آسکی۔
سلیمان بن عامر کے ہونٹوں پر ایک سفاک سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ ”ابن حرب! ایسی باتیں سمجھی جاتی ہیں انہیں دہرائے کی ضرورت نہیں۔ معتضد ابو عباس بھی بعض معاملات میں اپنے باپ موفق ظہیر سے ناراض تھا اور باپ نے اسے قید خانے میں ڈال دیا تھا ابو محمد علی بھی قطر اندی جیسی حسین عروس چھن جانے پر باپ سے ناراض ہوگا اور جب خود مسند خلافت پر بیٹھے گا تو یقیناً اپنی ناراضی کا انتقام بنی طولون سے لے گا۔“

”مگر معتضد امی جوان ہے، جلد مرنے والا نہیں۔ ابو محمد علی کو برسر اقتدار آنے کے لیے کئی سال انتظار کرنا ہوگا۔“

فلسطینی سرائے دار کے ہونٹوں پر سفاک سی مسکراہٹ کچھ گہری ہو گئی۔ ”اُسے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔“

پھر سلیمان نے ایک سنسنی خیز انکشاف کیا۔ ”تمہیں علم ہی ہوگا کہ جب سے معتضد نے اہل نجوم پر پابندی لگائی گئی ہے، جعفر بخوی اس سے کدورت رکھتا اور آسمان پر اس کی موت کا وقت کاٹن کر ناپتا رہا ہے۔ اُس نے معتضد کے کئی زاپٹے نکالے اور مجھے بتا چکا ہے کہ ۲۹ مئی تک وہ طبع موت مر جائے گا۔“

اسنے دشمن کے مرنے کی پیشین گوئی سن کر ابن حرب پر ایک حیرت سی گزر گئی۔ سرائے دار کہنے لگا۔ ”ابن حرب! جعفر بخوی یہ بھی کہتا ہے کہ معتضد کی موت کے بعد عباسی سلطنت پر مزید زوال آئے گا اور یہ ہمارے لیے ایک خوش کن خبر ہے۔“

پھر وہ مگر کوشی کے بچے میں بولا۔ ”جعفر نے مجھے کچھ اور بھی بتایا ہے اور یہ بتایا ہے کہ سلطان خمار دیہ ابوالشیر کے بیٹے میں خلیفہ معتضد کے پھانے سے بھی تقویر ٹوٹے گھونٹ باقی رہ گئے ہیں۔“

ابن حرب یہ سن کر بڑے اضطراب سے کھڑا ہو گیا۔ ”خمار دیہ کی عمر تو ابھی کتیں برس کی ہے۔“

”موت کسی کی عمر نہیں دیکھتی ابن حرب!“ سرائے دار نے بتایا۔ ”معتضد سے پہلے خمار دیہ کی ہلاکت کا ذکر سن کر میں بھی حیران رہ گیا تھا جعفر بخوی نے یہ بات صرف مجھے بتائی اور رازداری کی ناکید کی تھی مگر جب دیکھا کہ میں کچھ متذہب سا ہو گیا ہوں تو مجھے نجوم کے کمرے

کو بھی اس نے اسی طرح اعتماد میں لیا اور روشناسی یا کسی جان پہچان سے قبل ہی سلطان خمار دیہ سے اس کی سفارش کر کے اپنا ممنون اور گرویدہ بنالیا تھا۔ سلیمان بتانے لگا۔

”جعفر بخوی دیکھنے میں ایک معمولی اور عام آدمی بلکہ خطی نظر آتا ہے، جیسا تم بھی پہلے اسے ایک بھگی اور اس کی باتوں کو بیوقوف سمجھتے رہے لیکن وہ ملکیت کا ماہر اور نجوم و کواکب کے پراسرار علم کا خواص ہے۔ بہت کم نجومیوں کو دیکھا ہے جو اس کی طرح آسمانوں کا گہرا مطالعہ کرتے اور اپنے علم سے دیوانگی کی حد تک لگاؤ رکھتے ہیں۔ یہی علی دیوانگی اُسے دوسروں سے الگ کرتی ہے۔ میں نے جعفر بخوی سے دوستی اس لیے ضروری سمجھی کہ اس کا علم بڑے بڑے نجومیوں سے زیادہ وسیع اور وسیع ہے۔ اس کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ اپنے علم کی بنا پر جو کچھ کہتا ہے، اسے نامکمل سمجھ کر مسترد کرنے کی بجائے اس کے وقوع میں آنے کا انتظار کیا جائے۔“

جب اُس نے بتایا کہ طولونی ریاست نرغال کی زد میں ہے اور وہ سلطان خمار دیہ کو بھی بنی طولون پر آنے والے بڑے دنوں سے آگاہ کر چکا ہے تو میں بڑا حیران ہوا۔ حکمران عموماً ابھی خبریں سننا چاہتے ہیں اور جو اہل علم انھیں بڑی خبروں سے آگاہ کرتے ہیں، ان کا مستقبل تاریک ہو جاتا ہے مگر جعفر نے بتایا کہ اس نے بنی طولون کے بارے میں پیش گوئی کرنے سے قبل اپنی زندگی کی ضمانت حاصل کر لی تھی اور سلطان کو یہ بھی بتا دیا تھا کہ کوشش و محنت سے پیش آنے والے حالات کا رخ بدلا جاسکتا ہے۔ چنانچہ سلطان خمار دیہ اور خمار دیہ شہیدان آج کل بنی طولون کے بڑے دنوں کو بدلتے ہیں کوشاں ہیں لیکن جعفر کے بقول ان کے دن بدلتے نہیں جابائیں گے اور وہ بنی عباس کے ہاتھوں ہلاک ہوں گے۔

شہزادی نجم کی طرح میرا بھی یہی خیال تھا کہ خلیفہ معتضد سے بہت خمار دیہ قطر اندی کی شادی کے بعد حالات کی صورت تبدیل ہو جائے گی لیکن جعفر کے بقول اگر قطر اندی کا عقد معتضد کی بجائے اس کے بیٹے ابو محمد علی سے ہو جاتا جیسے خمار دیہ نے تجویز پیش کی تھی تو بنی طولون کے حالات یقیناً بدل جاتے اور طولونی ریاست قائم رہتی لیکن آسمانوں پر قطر اندی کا عقد معتضد ابو عباس ہی سے لکھا تھا اور وہ ہو گیا مگر یہ عقد بنی طولون پر آنے والی تباہی کو نہیں روک سکتا۔“

ابن حرب اپنے فلسطینی دوست کی باتیں سن کر دنگ رہ گیا اور کہنے لگا۔ ”پھر تو معتضد

ابن حرب نے سرائے دار کی بات تو سب سے سنی، سن کر پتے باندھی اور پھر نجوم کے موضوع پر آگیا۔ ”تم نے جعفر نجومی سے اپنی جماعت کے بارے میں کچھ پوچھا ہوتا؟“
 سلیمان بن عامر کا لہجہ یک نخت بدل گیا۔ ”ابھی ہوش میں ہوں؟“
 ابن حرب اپنا ماتھا پھینپھانے لگا۔ ”میرا خیال تھا شاید جعفر نجومی بھی.....“
 سرائے دار نے اُس کی بات کاٹ دی۔ ”جعفر کا ہماری جماعت سے کوئی تعلق نہیں اگرچہ تا تو مجھے جماعت کے بارے میں پوچھنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ خود اسی سب کچھ بیان کر دیتا۔“
 ”مجھے افسوس ہے میں غلط سمجھا تھا۔“

”آئندہ سوچے بغیر کوئی بات نہ کرو۔“ العاقل تکلفیہ الاشارة ”(عقل مند آدمی کے لیے اشارہ کافی ہے) پھر وہ بتانے لگا۔ ”میں سلطان خمار دیہ سے کہہ چکا ہوں کہ اب تمہارے ساتھ میرا کوئی تعلق نہیں، نہ میں شیخ الجماعت آنا حسین کے بارے میں کچھ جانتا ہوں جعفر نجومی کو بھی میں نے یہی بتایا کہ تم میرے دوست ضرور تھے مگر تم سے قطع تعلق کر چکا ہوں اگر میں اُس سے جماعت کے بارے میں کچھ پوچھنے کی غلطی کر بیٹھتا تو وہ مجھ جانتا کہ میرا جماعت سے ضرور کوئی واسطہ ہے۔ عقل مند آدمی وہ ہے جو دوسروں سے اپنے مطلب کی باتیں اخذ کر لیتا ہے جعفر نجومی نے غی طوون کے بڑے دنوں کے ساتھ ساتھ عباسیوں کے زوال کی بھی خبر دی ہے۔ ہو سکتا ہے اس کی کچھ باتیں غلط ہوں لیکن حالات بتاتے ہیں کہ مستقبل میں بڑے خطرناک واقعات پیش آنے والے ہیں عباسی سلطنت میں شور فیس پناہیں کئی صوبیدار علامہ کی کی سوچ رہے ہیں۔ میرے نزدیک خلیفہ معتقد قلیل الزم ضرور ہے لیکن اتنا مضبوط حکمران نہیں جتنا تصور کیا جاتا ہے۔ کئی فوجی امرا اس سے برگشتہ ہو چکے ہیں اور اگر وہ ۲۵۰ھ تک دنیا سے رخصت ہو گیا، جیسا جعفر نجومی کہتا ہے تو عباسی سلطنت ہمارا شکار ہوگی اور ہمیں پیش آنے والے حالات کے مطابق اپنی جماعت کی کامیابی کے نقشے تیار کرنا ہوں گے۔“
 ابن حرب بکھ گیا کہ وہ بڑا محتاط اور انتہائی ہوشیار آدمی ہے، جو اپنی حفاظت کی کسی دلیار میں رخصت پناہیں ہونے دیتا۔ اس نے طوونوں اور عباسیوں سے متعلق جعفر نجومی کی پیشین گوئیوں سے مستقبل کے حالات کا اچھی طرح اندازہ کر لیا اور اسی حالات کے مطابق چپنا پنا تھا۔ جماعت کے لیے یا اس نے حکومت سے چھوٹی بھڑیوں کا منصوبہ بھی شاید اسی لیے بنایا

میں لے گیا۔ وہاں اس نے فلک البروج (اٹھویں آسمان جہاں غیر متحرک ستارے (ثوابت) گزرتے ہوئے ہیں) کے نقشے مجھے دکھائے۔ نظام شمسی کے ستاروں کی گردش و رفتار کا حال سنایا اور بتایا کہ کون سا ستارہ کس برج سے، کتنے فاصلے اور دقیقے پر ہے اور کب کس برج سے گزرے گا۔ پھر اس نے ابو جیش خمار دیہ بن احمد کا زائچہ میرے سامنے کھول دیا اور اپنے حساب سے کہنے لگا کہ طوونی حکمران کی زندگی کے دن بہت تھوڑے رہ گئے۔ اس کی موت کے ساتھ ہی طوونی ریاست کا زوال شروع ہو جائے گا۔ اس نے برج و کوکب کے جو نقشے دکھائے، خمار دیہ کے زائچے پر ستاروں کے اثرات اور مختلف فاصلوں کی عمیق پیمائش کے جو نتائج بیان کیے وہ حیرت انگیز تھے۔ میں جعفر کی باتوں اور اس کے علم کو جھٹلانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔“

یہ کچھ سلیمان بن عامر خاموش ہو گیا۔ ابن حرب گم گم سا اس کے پاس بیٹھ گیا۔ پھر پوچھنے لگا۔ ”کیا خمار دیہ کسی جنگ میں ہلاک ہوگا؟“
 ”نہیں، جعفر کہتا ہے، اپنے بستر پر ہلاک ہوگا۔“
 ”اس کا مطلب ہے۔ کوئی دشمن اسے قتل کرے گا؟“
 ”مگر اس کا تعلق عباسیوں سے نہیں ہوگا۔“
 ”پھر وہ کون ہو سکتا ہے؟“

”میں نے جعفر سے پوچھا تھا۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میرا خیال ہے وہ کچھ جانتا ہے مگر بتانا نہیں۔“

سرائے دار کچھ سوچ کر کہنے لگا۔ ”میں نے شہزادی نجم سے غی طوون کے زوال کی پیش گوئی کا ذکر کر دیا تھا لیکن خمار دیہ ابو جیش کے متعلق کچھ بتانا مناسب نہیں سمجھا جعفر نے راز داری کی شرط رکھی تھی۔ میں تمہیں بھی تاکید کرتا ہوں کہ نجم سے اس کا ذکر نہ کرنا۔ وہ خمار دیہ کی بہن ہے۔ بھائی کی موت کا ذکر اسے پریشان اور تکہ حال کر دے گا۔“
 ”میں سمجھتا ہوں دوست! عورت اپنے قریبی رشتے داروں کے متعلق کوئی تکلیف دہ بات سننا گوارا نہیں کرتی۔ وہ مصر کو ضرور چھوڑ آئی ہے لیکن مصر کو عبوری نہیں۔“
 ”تمہیں ایک کام کی بات بتاؤں ابن حرب! محبت عورت کی سب سے بڑی کمزوری ہے جب اس کے ساتھ ٹوٹ کر محبت کی جائے، وہ دنیا کی ہر شے کو بھول جاتی ہے۔“

تھا کہ وقت کو گزرنے اور عباسیہ کے زوال کو قریب آنے دیا جائے۔ اب وہ شام کے تباہی علاقے سے عسکری طاقت کو عراق میں منتقل کرنے کی تدبیر لے کر آیا اور اس تدبیر کے مطابق شہزادی نجم کو یمن رہنا تھا لیکن نجم نے یہ ہدایت مسترد کر دی اور آقا حسین سے خود بات کرنا چاہتی تھی۔

رات دوسرے پہر میں داخل ہونے والی تھی۔ جب ابن حرب جانے کے لیے اٹھا اور پار چاتی رہداری کی طرف ہولیا۔



دوسرے روز سرائے دار کو وہیں سے ایش کی طرف لوٹ جانا تھا لیکن ابن حرب اور سردار نعمان نے اسے روک لیا۔ شہزادی نجم، غنیر اور دمنہ بھی چاہتی تھیں کہ وہ ایک روز مزید قیام کرے۔ ان کے اصرار پر سلیمان بن عامر نے اپنی رواجی ملتوی کر دی اور نئی کلب میں اس کی خوب خاطر داریت ہونے لگی۔

فقوہ اور جنتی کے مطابق سب مہینے اور سارے دن ایک جیسے ہوتے ہیں کیوں کہ صبح و شام کی گردش کے درمیان اپنے مقررہ اوقات میں گزر جاتے ہیں مگر تاریخ میں بعض مہینے بڑے اہم اور انسانی زندگی میں بعض ایام بڑے مبارک یا محسوس ہوتے ہیں، جو اپنے ساتھ خوشیاں یا صدمے لے کر آتے ہیں۔ عربی میں ضرب افعل مشہور ہے۔ ”شہر لاخیر فیہ لانتہایامہ“ (جس مہینے میں خیر نہیں، اُس کے دن ہی مت لگن)

نئی کلب میں وہ دن بھی ایسا ہی تھا۔ بڑے فیحہ میں فلسطینی سرائے دار کی میناف کاٹھن اہتمام کیا گیا تھا جس میں سردار نعمان اور اس کے نائب کے علاوہ قبیلے کے معززین بھی شریک تھے۔ ایوان خاص میں دعوت جاری تھی اور باہر نئی کلب کی کینیزیں نغمہ سرا تھیں کہ عین دوپہر کے وقت ایک شہر سوار قبیلے میں نمودار ہوا اور وہ ابونصر با قوت تھا، جو دمشق سے ایک اہم المذاع لے کر آیا تھا۔

دربار بغداد میں خط ناک پیغام رسانی کے بعد ہوشیار سرائے دار نے اسے ایش کی کارواں سرائے سے غائب کر دیا اور نام کے قبائلی علاقے کی طرف بھیج دیا تھا۔ وہ کچھ عرصہ نئی کلب میں رہا مگر بعد ازاں اسے دمشق سے قریب تر صحرائی حاشیے پر متعین کر دیا گیا تاکہ دمشق میں طوون

سب لوگ یہ جواب سن کر دلنگ رہ گئے۔ سرائے دار نے پوچھا: ”کیا محافظ سورہے تھے؟“ اس رات غلام ہی اس کی حفاظت پر مامور تھے۔

”ذرا تفصیل سے بتاؤ، یہ حیرت انگیز واقعہ کیسے رونما ہوا؟“

ابونصر با قوت بتانے لگا: ”سلطان خارویہ ابو جیش دمشق سے باہر ایک قصبہ میں فزوش تھا۔ غلاموں کو غصہ تھا کہ ان کے ساتھ زیادتی کرتا ہے اور وہ بدنام ہو رہے ہیں۔ انھوں نے باہم مشورہ کر کے دھاوا کیا اور اسے سبزی پر ہلاک کر دیا۔ جس دن میں دمشق سے چلا، اسی دن سلطان کی لاش مصر کی جانب روانہ کی جا رہی تھی۔“

”کیا غلام گرفتار کر لیے گئے؟“

”کچھ پکڑے گئے، کچھ بھاگ گئے۔“ ابونصر نے مزید بتایا: ”اس کے ہلاک ہونے کی خبر سننے ہی طوونی خواتین میں کھلم کھچ گیا۔ دمشق کے لوگ بھی اُس کی جواں مرگی پر بڑے افسردہ و غمگین ہو گئے مگر جب وجہ قتل معلوم ہوئی، کانوں کو ماتھ لگانے لگے۔ شام کے طوونی گورنر طنج بن جف نے حادثے کے فوراً بعد ایک قاصد مصر کی طرف دوڑا دیا تھا، تاکہ نئی طوون کو قتل خارویہ کی اطلاع ہو جائے۔ انقطاع میں نئی طوون اور اہوان سلطنت اس کی لاش کے منتظر ہوں گے۔“ قتل کی تفصیل سن کر لوگوں پر ایک سناٹا سا طاری ہو گیا۔ ابن حرب تریوں دم بخود سا رہ گیا تھا، جیسے ابونصر با قوت نے کوئی ناقابل یقین واقعہ بیان کر دیا ہو۔ رات ہی اس نے سلطان خارویہ کے بارے میں جعفر بنجوی کی پیش گوئی سنی تھی اور سلیمان بن عامر نے اسے بنایا تھا کہ جعفر کے بقول خارویہ کی زندگی کے دن خورٹے میں اور وہ اپنے سبزی پر ہلاک ہو گا۔ اب ابونصر با قوت کی زبانی طوونی حکمران کی ہلاکت کا واقعہ سن کر ابن حرب پر حیرت کا سکتہ اس لیے طاری ہو گیا تھا کہ جعفر بنجوی کی یہ پیش گوئی بھی لفظ بلفظ اور حرب بوحرف پوری ہوئی تھی۔

سلیمان بن عامر نے اُس کے چہرے کی کیفیت سے جانب لیا تھا کہ کیا سوچ رہا ہے اس سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: ”ابن حرب! موت ایک خلا ہے، جو آسمانوں اور زمین کے درمیان پھیلا ہے۔ تاریکی روشنی کو اور موت زندگی کو کھل جاتی ہے۔ ہر شخص کا انجام موت ہے کوئی پہچلے صفحے کا حاشیہ

خارویہ بن احمد دمشق میں اپنے غلاموں کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ جو اس سے ناراض ہو گئے تھے (ہسٹری آف سیریا حصہ چہارم)

گورنر کی سرگرمیوں پر نظر رکھ سکے۔

ابن نصر یا قوت ایک ہوشیار اور تجربہ کار نندائی تھا اس نے مرج راہط کے میدان میں پہلا ایک جھونپڑا بنایا اور وہیں ”دویشہاہ زندگی“ گزارنے لگا۔ مرج راہط دمشق سے صرف پندرہ سولہ میل کے فاصلے پر تھا۔ دمشق آنے جانے والے ہزاروں سے گزرتے تھے۔ ابن نصر وہاں شکار (فقیہ، گداگر) کے نام سے مشہور تھا۔ وہ بدوؤں سے اپنے مطلب کی باتیں پوچھ لیتا کبھی کبھار خود بھی درویشانہ لباس میں شہر چلتا جاتا تھا اس علاقے میں بھی جماعت کے اعلیٰ لوگوں کو خفیہ دعوت دے رہے تھے مگر ابن نصر یا قوت کا کام دعوت دینا نہیں، صرف حالات سے آگاہ رہنا اور ان کی اطلاع و تلاش کی کارروائی سرائے یا بنی کلب تک پہنچانا تھا لیکن وہ اطلاع رسانی کے لیے پہلی مرتبہ خود بھاگا آیا تھا، جس سے ظاہر تھا کہ دمشق میں کوئی اہم واقعہ رونما ہوا ہے۔

سردار نعمان کے غلاموں نے یہی مناسب سمجھا کہ اسے بڑے خیمے کے ایران خاص میں پہنچا دیا جائے جہاں سب لوگ موجود تھے۔ جب غلام اُسے لے کر اندر آئے کھانا ختم ہو چکا تھا کینیزیں برتن اٹھا رہی تھیں۔ ابن حرب اور سردار نعمان کے درمیان وہ فلسطینی سرائے دار نعمان بن عامر کو دیکھ کر حیران رہ گیا اور سیدھا اسی کی طرف آیا۔

غلام نے شہر دب پیش کیا، جسے ابن نصر یا قوت نے ایک ہی سانس میں ختم کر دیا اور بتانے لگا ”میں نے تمہیں دم کا سفر دیکھا دن میں طے کیا اور کہیں رُکے بغیر یہاں پہنچا ہوں“

”دمشق کی کیا خبر ہے؟“

”سلطان خمارویہ قتل ہو گیا“

ابن نصر یا قوت کے الفاظ رعد کے کڑاکے کی طرح ان کی سماعت سے ٹکرائے اور وہ تینوں ایک ساتھ کھڑے ہو گئے۔ قبیلے کے معززین بھی حیرت زدہ سے اُٹھے۔ سلیمان کہنے لگا ”میں پیش میں تھا جب اُس کی سواری وہاں پہنچی تھی۔ اُس نے رات سرائے میں گزاری اور علی الصبح شام کی طرف کوچ کیا تھا محافظ دستے کے علاوہ اس کے ہمراہ کچھ مستورات اور کینیزیں بھی تھیں اس نے مجھے بتایا تھا کہ کچھ حصہ دمشق میں قیام کرے گا، مگر تم کہتے ہو وہ قتل ہو گیا۔ اسے قتل کس نے کیا؟“

”اُس نے خوب صورت غلاموں نے“

(حاشہ: اگلے صفحہ)

بڑا ہلچل مچا ہوا۔ سلطان ہو گیا گدا، سپہ سالار ہو گیا سپاہی، موت کا حادثہ سب پر گزرا۔ اب تم شہزادی نجم العلیل کو اس حادثے سے آگاہ کر سکتے ہو جو دمشق میں ہو گا رہا ہے۔ میری طرف سے بھی اظہارِ افسوس کرنا کیوں کہ جب آدمی زندہ ہو تو اس سے اختلاف بھی ہوتا ہے لیکن موت سارے اختلافات اپنے ساتھ لپیٹ کرے جاتی ہے۔ خمارویہ میرے دوست سلطان احمد بن طولون کا بیٹا اور مصر دشمن کا حکمران تھا مجھے اس کی ہلاکت پر افسوس ہے۔ ابن حرب ایوان خاص سے نکلا اور چپ چاپ مضرب کی اندرونی رہبری میں چلنے لگا۔



شہزادی نجم، عنبر اور دمنہ کے درمیان بیٹھی نہیں نہس کر باتیں کر رہی تھی کہ ابن حرب کو افسردہ دنگ لیں آنے لگیں کہ چونکی۔ وہ مسند سے اُٹھ کر اس کے سامنے کھڑی ہو گئی اور پوچھنے لگی ”نجم نے سنا ہے دمشق سے ابن نصر یا قوت آیا ہے؟“

”مگر کوئی اچھی خبر لے کر نہیں آیا“

”کیا طولونی لشکر ہم پر چڑھائی کرے آ رہا ہے؟“

”نہیں نجم! دمشق میں ایک حادثہ پیش آیا اور سلطان خمارویہ ابولجیش دنیا سے رخصت ہو گیا ہے۔“

”کیا ہے؟“

”بھائی کی رحلت کا سن کر شہزادی نجم گم صم ہو گئی۔ عنبر اور دمنہ بھی حیرت زدہ ہی رہ گئیں۔

ایک موت کا صدمہ زیادہ تکلیف دہ ہوتا اور دل و دماغ پر شدید کیفیت گزرتی ہے یک لخت

نجم کا جسم کانپنے لگا۔ دونوں کینیزوں نے جلدی سے اُسے قہام کر مسند پر بٹھا دیا۔ مسند پر

بیٹھتے ہی اس کی آنکھیں بھیک گئیں اور بھڑائی ہوئی آواز میں بولی ”حادثہ کس طرح پیش آیا؟“

ابن حرب نے کھڑے کھڑے وہ بات دہرا دی، جو ابن نصر یا قوت سے سنی تھی اور یہ بھی

بتا دیا کہ سلطان مرحوم کی لاش مصر لے جانی جا رہی ہے۔ اُسے القطار میں دفن کیا جائے گا پھر

مسند پر اس کے ساتھ ہی بیٹھ گیا اور تسلی دینے لگا ”کل نفس ذائقہ الموت“ (ہر ذی روح

موت کا مزہ کھینچنے والا ہے) اور مرنے کے بعد آدمی کی صرف اچھی باتیں یاد رہ جاتی ہیں نجم سلطان

خمارویہ نے یہ جان لینے کے باوجود کہ نجم میرے ساتھ بنی کلب میں ہو، ہم پر حملہ نہیں کیا۔ اُسے

بھر پر غصہ اور قم پر افسوس ہو گا، پھر بھی ہمارے خلاف اپنے لشکر لے کر نہیں آیا، آخر تمہارا بھائی تھا۔“

گویا اُس نے خمارویہ کی تعریف کی۔ ساتھ ہی سلیمان بن عامر کی طرف سے افسار پر
افسوس کیا۔ اُسے بھی سلطان کی ناگماں موت پر بڑا دکھ ہوا ہے۔ شہزادی نجم کے انسو بہرے
تھے۔ دل میں اور دل کے ساتھ ساتھ پیسے بدن میں صدر سے کی روپل رہی تھی۔ اسی حالت میں
فلسطینی کنبز دمنہ کی طرف دیکھا اور گلوگیر بھی میں گما۔ دمنہ سلیمان بن عامر کو ہمارا پیغام دے دو
کہ ہم اُس سے ملنا چاہتے ہیں۔

ابن حرب نے پیار سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ”نجم! اس حالت میں تمہارا وہاں جانا
مناسب نہیں۔“

”ہم وہاں نہیں جا رہے، اُسے یہاں بٹار ہے ہیں۔“
تھوڑی دیر میں دمنہ سرائے دار کو لے کر آگئی اور اُسے دیکھتے ہی شہزادی نجم کچھ اور
پھل گئی۔ حلق میں ایک چیخ اٹھی ہوئی تھی، جسے باہر لکان چاہتی تھی لیکن وہ گروہ کی طرح اندر ہی
اندہ چکر کاٹ رہی اور حلق میں آکر اکھ جاتی تھی۔ آخر وہ المناک چیخ اناطاز میں فاصل کر تہنوں پر
آگئی۔

”سلیمان! ابوجیش تم سے ناراض تھے، ہم نے اُن کی بات نہیں مانی اور انھیں غم زدہ چھوڑ
کر صحرا میں آگئے۔ کبوں کہ صحرا سے ہمارا نانا ہے مگر وہ ہمارے بڑے بھائی اور باپ کی جگہ تھے۔
فلسطینی سرائے دار نے اُس کا کرب بکھا، اُسے بڑھ کر اپنا ہاتھ اُس کے سر پر رکھ دیا اور
شفقت کے لیے میں کہنے لگا۔ ”بنت علم! موت کا پیالہ ہر فرد کو پینا پڑتا ہے لیکن موت کا صدمہ
بڑا کٹھن ہوتا ہے۔ خمارویہ ابوجیش نے اپنے حصے کا پیالہ پی لیا اور دنیا سے رخصت ہو گیا۔
وہ نئی طولوں کے سر پر حفاظت کا سایہ تھا، جو جانا رہا اور اب حوادث کی گرد آٹھ سے گی۔
طولونیوں کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی لیکن میں آپ کو حوادث کی گرد سے بچاؤں گا اور پامال
نہیں ہونے دوں گا کیوں کہ مرحوم سلطان احمد بن طولون کی دوستی کے تعلق سے آپ کو اپنی
بیٹی کی طرح عزیز سمجھتا ہوں۔“

سلیمان بن عامر کی باتیں سن کر شہزادی نجم کے دل کو کچھ ڈھارس ہوئی۔ اُسے اپنا صدمہ
علم گسارتی تھی۔ بڑے فلسطینی کے الفاظ بھی اندر سے کھوکھلے اور کھوکھلے کی طرح خالی نہیں
تھے، بلکہ اپنے معانی رکھتے اور اس کے دل جذبات کی عکاسی کرتے تھے۔ اپنی خرمیں تحریک کی
خاطر اگرچہ اُس نے نجم لیل کو نئی طولوں سے کاٹ ڈالا اور انقطاع کے پُر تکلف محلات سے

رہاں کر صحرا میں لاپھنیکا تھا لیکن یہ صحرا، یہ صحرائی زندگی، یہ عیشے اور خیموں کو چھو کر گزرتے ہوئے
باد صحر کے جھونکے شہزادی نجم لیل کے اپنے خواب تھے۔ جنھیں اُس نے تعبیر بخشی تھی مگر صحرا میں
یہ اُس کے مرتبہ و مقام کا خیال رکھا اور اُسے ”مکہ صحر“ کا اعزاز دلا دیا تھا۔

اپنی بیوگی کے ایام میں شہزادی نجم نے فلسطینی سرائے دار ہی کو جس پر اس کا باپ
احمد بن طولون اعتماد کرتا تھا، اپنا راز دار بنایا اور سلیمان بن عامر نے اُس کے لیے دبسا ہی جنگ جو
اور چشمی روڑھ ٹھونڈ لیا تھا، جیسا وہ چاہتی تھی اور صحرائی ریاست کا خواب بھی پورا کر دیا تھا۔ سرائے دار
ابن حرب اور شہزادی نجم میں عباسیہ سے دشمنی کی قدر مشترک تھی۔ جعفر بن یحییٰ کی پیشین گوئی سن کر
شہزادی نجم کے دل میں عباسیوں سے نفرت کچھ اور بڑھ گئی اور نئی طولوں کی حمایت ابھرائی تھی
وہ چاہتی تھی بغداد کے خلاف خروج کر کے عباسیوں کو پریشان کیا جائے تاکہ طولونی ریاست کو
مستحکم ہونے کا وقت مل سکے۔ لیکن سلطان خمارویہ ابوجیش کی اچانک موت نے سارا نقشہ ہی
بدل دیا۔ اب وہ محسوس کر رہی تھی کہ طولونی ریاست کا سب سے بڑا حصار ڈھکے گیا ہے۔ فلسطینی
سرائے دار کی باتوں سے اُس کے مجرد دل کو کچھ حوصلہ ہوا تھا۔ پوچھنے لگی۔ ”سلیمان! تم جہاں بڑے
آؤ گی ہو۔ سلطان کی وفات کے بعد نئی طولوں کو کوئی فوری خطرہ تو درپیش نہیں۔“

”شہزادی نجم! میں نے آپ کو بتایا تھا کہ سلطان خمارویہ نے عباسیوں کو ہر سال خراج
دینا منظور کر کے طولونی ریاست کی قبر اپنے ہاتھ سے کھودی تھی اب میں آپ کی معلومات میں ٹھوڑا
سا اور اضافہ کرتا ہوں کہ آپ کے بھائی نے قطر الندی کی شادی میں بغیر معمولی املاف سے کام لیا
اور اپنا خزانہ خالی کر دیا تھا، بلکہ میں یہ کہوں گا قطر الندی کے جہیز کی صورت میں مہر کا ادا
خزانہ بغداد پہنچ چکا ہے اور جس ریاست کا خزانہ خالی ہو جانا ہے وہ ہر وقت خطرے میں ہوتی
ہے۔ خلیفہ معتضد اتنا بے وقوف نہیں کہ داخلی خوروشوں کی موجودگی میں طولونی ریاست پر حملے
کی غلطی کرے۔ وہ نئی طولوں کے مزید کمزور ہونے کا انتظار کرے گا۔“

یہ بیان کرنے کے بعد سلیمان بن عامر نے ایسی بات کی جس نے شہزادی نجم کے جذبات
میں جلی جلی ڈال دی۔ کہنے لگا۔ ”سلطان خمارویہ کی میت مصر جا رہی ہے۔ جب وہ انقطاع
میں دفن ہو جائے گا تو اس کا بیٹا جیش تخت پر جوسس کرے گا۔ میں آج بلکہ اسی وقت یہاں
سے روانہ ہونے والا ہوں تاکہ جب سلطان کا تابوت عربین کی کارواں سرائے میں پہنچے، میں
اُن کا استقبال کر سکوں۔ پھر مجھے اس کی تدفین اور جیش کی تخت نشینی کی رسومات میں بھی

پہنچے سے پہلے خود وہاں پہنچ جاؤ اور سوگوار قافلے کا استقبال کرو تم بھی تابوت کے ساتھ القطار جادو گے۔ جب سلطان کی میت قبر میں اتاری جائے۔ ہماری طرف سے کچھ پھول اس پر رکھ دینا۔“

اس کے ساتھ ہی ملاقات ختم ہو گئی۔ سلیمان بن عامر کو سفر کی محبت تھی۔ اس نے شہزادی کو سلام کیا اور ابن حرب کے ساتھ کمرے سے نکلا۔ باہر سرائے دار کا غلام منصور سفر کے لیے تیار کھڑا تھا۔ سردار نعمان اور بنی کلب کے معززین موجود تھے۔ اس نے سب سے مصافحہ کیا اپنی ساندی پر سوار ہوا اور تیسرے پہر ویش کی طرف روانہ ہو گیا۔



سلطان خمارویہ جویش کی ہلاکت ایک بہت بڑا سانحہ تھا، جو بنی طولون پر گزر گیا جو بنی شام کے گورنر طغ بن جف کا قاصد حادثے کی خبر کے کرا القطار پہنچا۔ شاہی محلات میں صدمہ مچ گیا۔ خمارویہ کی حرموں اور کنیزوں نے اپنے بال کھول دیے اور اس کی جواں مری پر زور دیشیوں کیا مرنے والے کے ساتھ ان کی اپنی زندگی کی بہاریں بھی رخصت ہو گئی تھیں۔ خمارویہ کو انیس برس کی عمر میں ہلاک کیا گیا تھا۔ اس کی حرم میں ابھی جوان اور نوجوان تھیں اس وقت سندھ کی اہل بیت کے ساتھ ہی خلیفہ معتقد کی عروس بنادی گئی تھی، بڑا لڑکا جیش ابھی سن بلوغت کو نہیں پہنچا تھا، چھوٹا لڑکا اردن صرف سارے بارہ برس کا تھا۔ خمارویہ کے بعد اس کے سولہ بھائیوں میں اب شہزادہ شیبان ہی سب سے بڑا تھا جس کی عمر اٹھائیس برس کے لگ بھگ ہوگی۔ وہ بھی بھائی کے قتل سے دل گیا اور غم سے مدھال تھا کیوں کہ بنی طولون کے بڑے دونوں کی ابتدا ہو گئی تھی۔

خمارویہ کے نوجوان بیٹے جیش نے جو اس کا ولی عہد اور جانشین تھا، اپنے باپ کی میت کا شاندار استقبال کیا اور باب مقطم سے القطار تک تابوت کے ساتھ ساتھ پیادہ پا حلقہ دار غلام کا طولونی گورنر اپنے امرا اور مصاحبین کے ہمراہ دمشق سے میت کے ساتھ آیا تھا۔ عربیہ کی کاروان سرگئے کا فلسطینی مالک سلیمان بن عامر بھی سوگوار قافلے کے ہمراہ القطار پہنچا تھا جہاں بنی طولون کے چھوٹے بڑوں، طولونی امرا، فوجی سالاروں اور غلامین سلطنت نے مرحوم سلطان کا استقبال کیا اور اس کا تابوت القطار کے شاہی محل میں لے گئے۔ اس کی لاش محل میں رکھ دی

شریک ہوا ہے۔ شاید آپ کے دل میں اپنے روٹھے ہوئے بھائی کا آخری دیدار کرنے اور اپنے دیوانہ جیش کو تخت نشین ہونے دیکھنے کی خواہش ہو۔ اگر آپ چاہیں، تو میں آپ کو القطار میں پہنچانے اور واپس لانے کا بندوبست کر سکتا ہوں۔“

سلیمان بن عامر کے الفاظ نے ایک سنسنی پیدا کر دی۔ اسے القطار میں پہنچانے اور واپس لانے کی پیش کش ایسی تھی کہ شہزادی نجم ہمارے حیرت کے مسند چھوڑ کر کھڑی ہو گئی۔ ”کیا ہم القطار میں جا سکتے اور بھائی کا آخری دیدار کر سکتے ہیں؟“

”ہر انسان کے اندر ایک دروازہ کھلا رہتا ہے، جسے عبور کر کے وہ کہیں بھی جا سکتا اور اسی دروازے سے واپس آ سکتا ہے۔“

پہلے تو شہزادی نجم اس کا مطلب ہی نہ سمجھ سکی کہ آخر وہ دروازہ کن سا ہے، جو ایک طرف القطار میں، دوسری جانب بنی کلب میں کھلتا ہے اور وہ اس دروازے سے دونوں طرف آ جا سکے گی لیکن جب سرائے دار نے بتایا کہ وہ دروازہ اس کے اپنے عزم و یقین کا ہے تو نجم اسیل کہنے لگی۔ ”سلیمان! ہمارے عزم و یقین میں کوئی فرق نہیں آیا لیکن اندیشہ ہے کہ ہمیں دیکھ کر بنی طولون کا اعتماد نہ ٹوٹے جائے۔“

ابن حرب حیرت کی خاموشی کے ساتھ ان کی گفتگو سن رہا تھا۔ اچانک وہ سرائے دار سے کہنے لگا۔ ”سلیمان! اگر نجم کو مصر میں روکنے کی کوشش کی گئی تو خون کی ندیاں بہہ جائیں گی۔ سلطان خمارویہ جویش کی رحلت کے بعد بنی طولون کا نیا سفر شروع ہونے والا ہے۔ ہم دیکھیں گے کہ کون سا راستہ اختیار کرنے ہیں اور خمارویہ کا جانشین ہمارے مصلحت کیا فیصلہ کرے گا۔“ نجم اسیل نے اس کی تائید کی۔ ”موجودہ حالات میں ہمارا مصر جانا خطرے سے خالی نہیں ابن حرب ٹھیک کہتا ہے کہ بنی طولون کو اپنا نیا راستہ اختیار کرنے دو ہمیں بھائی کی موت کا عدم ہے اور ہمیں بیٹھ کر ان کی یاد میں کچھ آنسو بہائیں گے۔“

یہ کہتے کہتے آواز گونگہ ہو گئی اور آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ ابن حرب نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ”بھائی کے غم میں آنسو بہانے کی بجائے تمہیں اس دشمن کے مقابلے کی تیاری کرنا ہوگی جو بنی طولون پر مصیبت بن کے نازل ہونے والا ہے۔“

ابن حرب کے الفاظ سن کر شہزادی نجم کی حالت یک نخت تبدیل ہو گئی اپنے آنسو پونچھے اور سرائے دار کی طرف ہاتھ لہرایا۔ ”سلیمان! تم آج ہی مصر جا رہے ہو تاکہ سلطان کی میت جویش

آخری مرحلے میں بوڑھے فلسطینی سلیمان بن عامر نے اپنا فرض ادا کیا اور جب میت قبر میں اتاری جا رہی تھی اُس پر کچھ پھول رکھ دیے۔ یہ پھول اُس نے شہزادی نجم العلیل کی طرف سے رکھے تھے جو مرنے والے بھائی کا آخری دیدار بھی کر چکی تھی۔ تدفین کے تیسرے دن جنش بن خمار ویک رسم تخت نشینی ادا کی گئی۔ سردار ابن فوج اور علمائین سلطنت نے نئے حکمران کی اطاعت کے حلف اٹھائے۔

٥٠

حالات کی رفتار

سراسر طمان نے اُسے حویلی کے اندر چلنے کی دعوت دی اور وہ کسی عذر کے بغیر
ساتھ چلا۔ جاتا تھا سلطان احمد بن طولوں کے بعد اس کے فرزند خمارویہ اور حبشہ اور شہزادہ قلیان



KHAN BOOKS
 & LIBRARY
 s-527, GHABRA BAZAR, RAWALPIND
 Cell: 0345-5048634 - 0345-5048559
 Prop: Ali Khan

۱۷ جب خمار وید کی لاش قبر میں اتاری جا رہی تھی۔ قاری سوڈو دُحَن کی اس آیت کی تلاوت کر رہے تھے: ”خَذُوهُ فاعْتَلُوهُ اِلٰی سِوَا الْجَنَّةِ“ لاسے پکڑ لو پھر دھکے دیتے ہوئے جہنم کے بچوں پہنچے جاؤ)..... ہسٹری آف سیریا از غلب کے تحت۔

ہو سکتا ہے سلطان جیش کسی معاملے میں تھاری ضرورت محسوس کرے۔

”آپ کس عہدے کی بات کرتے ہیں جناب؟“

”تم القطار کے محافظ سردار تہیں؟“

وہ حسرت کے لہجے میں بیان کر نکلا۔ ”میری بد نصیبی کا آغاز گزشتہ شوال میں ہوا تھا جب ابن حرب مجھے گرفتار کر کے قی قلاب میں لے گیا۔ میرے بعد القطار کے محافظت کا انتظام سپر سالار محمد بن سلیمان کے ایک معتقد افسر کو سونپ دیا گیا۔ جب میں بنی کلب کی قید سے بھاگ کر واپس آیا اور سلطان خادویہ مرحوم نے میری رُوداد سنی تو دل جوئی کی خاطر مجھے ایچی نا کر بغداد بھیج دیا لیکن بغداد سے واپسی کے بعد تو میرے لیے کچھ باقی نہیں رہا۔“

پھر حارث نے ایک سنسنی خیز انکشاف کیا۔ ”یہ ڈیڑھ مہینے قیل کی بات ہے۔ طولونی فوجوں کا نائب سپر سالار ابراہیم بن علی سلطان مرحوم سے تنہائی میں ملا اور انھیں یہ اطلاع دی کہ طولونی سپر سالار محمد بن سلیمان بنو عباس کی طرف میلان رکھتا اور خلیفہ معتقد کی بیعت کرنا پامنا ہے۔ یہ اطلاع طولونی مفادات کے خلاف تھی۔ سلطان مرحوم نے اسی وقت شہزادہ ششیان کو مژدے کے لیے طلب کر لیا۔ ابراہیم بن علی کی وفاداری شک و شبہ سے بالاتر تھی۔ سلطان کا خیال تھا کہ محمد بن سلیمان کی جگہ اُسے طولونی فوجوں کا سپر سالار مقرر کر دیا جائے لیکن امیر ششیان نے مشورہ دیا کہ محمد بن سلیمان کی علاقہ دگی اور بڑائی سے فوجی انتشار کا خطرہ ہے۔ وہ بدستور سپر سالار کے عہدے پر فائز رہے۔ البتہ ابراہیم بن علی کے اختیارات میں اضافہ کر دیا جائے۔ وہ سپر سالار کی خفیہ نگرانی کرتا رہے۔ جب وہ طولونی مفادات کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کی کوشش کرے گا اُسے گرفتار کر لیا جائے گا۔“

خلیفہ سراسر دار کو طولونی سپر سالار کے متعلق بڑی اہم بات معلوم ہوئی۔ کھنڈا۔ شہزادہ ششیان نے بالکل صحیح مشورہ دیا مگر سپر سالار کو ابراہیم بن علی پر کسی قسم کا شبہ تو نہیں ہوگا۔

ابراہیم بن علی، بنی طولون کا انتہائی وفادار جرنیل اور طولونی سپر سالار محمد بن سلیمان کا نائب تھا۔ وہ طولونی مفادات کا بڑا خیال رکھتا تھا، جب کہ محمد بن سلیمان مصر کو عباسی سلطنت کا صوبہ ہنادینہ کا حامی تھا۔ (ابن اشبر، ابن خلدون)

بھی اس کی عزت کرنے اور اس سے مشورے لیتے رہے ہیں۔ اسی بنیاد پر خود بھی اس کا احترام کرنا اور کھتا تھا کہ وہ مصر کے ساتھ ساتھ بنی طولون سے بھی گہرا لگاؤ رکھتا ہے۔ اس کے قریب اور حریف ابن حرب کو سلیمان بن عامر کی سفارش پر مصر میں پناہ ملی تھی لیکن سن چکا تھا کہ مارنے اور اس سے قطع تعلقی کر چکا اور اب اس کا نام تک سننا پسند نہیں کرتا کیوں کہ ابن حرب ”مار آسین“ ثابت ہوا اور مصر کو چھوڑ کر مصر کے دشمنوں سے مل گیا تھا۔ ادھر حارث کی کوئی بات نہ لے دار سے ڈھکی چھپی نہ تھی۔

مصر وہی تھا، القطار اور فسطاط کے شہر وہی تھے۔ ان شہروں کے کوچا اور بازار وہی تھے ان کوچوں اور بازاروں میں چلنے والے لوگ بھی وہی تھے البتہ وہ خود بدل چکا اور بغداد سے واپسی کے بعد بڑا شکستہ خاطر ہو رہا تھا۔ خادویہ ابو جیش کی اس پر سہلی سی توجہ نہیں رہی تھی کہوں کہ خود طولونی ریاست کے معاملات میں اُلجھا ہوا تھا۔ حارث کو اس سے ملاقات کا موقع بھی نہیں ملا تھا اور اب خادویہ کی رحلت کے بعد تو معاملے کی صورت ہی کچھ اور ہو گئی تھی۔ نیا حکمران جیش بن خادویہ نوجوان تھا۔ اس کے مصاحب اور صلاح کار بھی نئے تھے اور حارث خود کہ اجنبی محسوس کرنے لگا تھا۔

اُسے مصر، القطار، عروس البلاط و فسطاط کے کوچہ و بازار اور بازاروں میں چلتے پھرتے لوگ بھی پرانے لگ رہے تھے۔ وہ ان بازاروں میں خود بھی گم ہو گیا اور اپنے آپ کو ڈھونڈنا پھر رہا تھا مگر خود کو نہیں مل رہا تھا۔ اسی تلاش میں اس کی مدد میر سلیمان بن عامر سے ہو گئی اور وہ اسے حویلی میں لے آیا۔

حویلی کے مردانہ حصے میں نشست کا کمرہ راستہ تھا۔ دونوں وہیں بیٹھے۔ حارث جاننا تھا، اس کا رقیب ابن حرب کبھی اسی حویلی اور حویلی کے اسی حصے میں قیام پذیر تھا لیکن یہ بات اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ شہزادی نجم اسی کمرے میں ابن حرب سے ملنے آتی اور اس سے بغل گیر ہوتی رہی ہے۔ اگر اُسے علم ہوتا تو ان کی ملاقات کا تصور دل پر بجلی بن کر ٹوٹ پڑتا غیر اختیاری طور پر۔ دونوں حارث بھی اور سلیمان بن عامر بھی ابن حرب کے بارے میں سوچ رہے تھے لیکن چالاک سراسرے دار نے فوری طور پر رقیب کا ذکر مناسب نہ سمجھا اور حارث کے مطلب کی بات چھپڑی۔ ”تم مصر کے وفادار اور بنی طولون کے پرائے خیر خواہ ہو۔ تمہیں دل برداشتہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ ابھی اپنے پہلے عہدے پر دل لگا کر کام کرتے رہو۔“

”صلحی، بنی طولون کا وفادار ہے جناب! اس نے سپہ سالار کو اعتماد میں لے رکھا ہے مگر ایک بات محمد بن سلیمان کی مرضی کے خلاف ہوئی ہے۔“
”وہ کیا؟“ سرائے دار کی دل چسپی بڑھ گئی۔

حارث بتانے لگا: ”سلطان مرحوم نے سپہ سالار کے فوجی افسر کو القطار کے محافظ دہنے کی سرداری سے ہٹا دیا اور اس کی جگہ بدر حمای کو سردار مقرر کر دیا تھا۔ آپ تو جانتے ہوں گے بدر حمای شہزادہ ہارون کا غلام اور بڑا معتد آدمی ہے۔ اس تبدیلی پر محمد بن سلیمان ذرا بد دل ہوا تھا لیکن ابراہیم غلجی نے اُسے مطمئن کر دیا کہ بدر حمای کی سفارش شہزادہ ہارون نے کی تھی۔“

اب سلیمان نے حارث کی دکھنی رگ پر ہاتھ دیا: ”القطار کے محافظ دہنے کی سرداری پر تھرا رہی تھا۔ میں نے تو سنا تھا سلطان خمدویہ نہیں فسطاط کا حاکم بننا چاہتے تھے۔“
حارث کے چہرے پر ایک سایہ سا گزر گیا: ”سلطان مرحوم مجھے فسطاط کی حکومت شہزادی نجم کی وجہ سے دے رہے تھے مگر وہ شاخ ہی نہ رہی جس پر آشیاد تھا۔ قسمت کے ٹکے کو کون مٹا سکتا ہے۔ جَفَّ الْقَلَمُ بَہَا ھُوَ کَا لَئِنْ“ (اس کے ساتھ ہی قلم خشک ہو گیا جو مقرر تھا) میری بربادوں کا ذمہ دار صرف ایک شخص ہے اور اُسے آپ جانتے ہیں۔“
سرائے دار نے زہر خند کے ساتھ اس شخص کا نام لیا۔ ”ابن حرب؟“

”بے شک، میری ساری مصیبتوں کا باعث وہی ہے۔“
”اُس نے میرے اعتماد کو کبھی ٹھیس لگائی اور دشمنوں سے جابلہ۔“ پھر سلیمان بن عامر نے گفتگو کی بساط پر حیرت کا مہرہ آگے بڑھایا: ”میں تو سمجھتا تھا، سلطان خمدویہ تھاری رُودہ سننے ہی بنی کلب پر حملہ کر دے گا۔ ابن حرب کو مزادے گا اور شہزادی نجم کو القطار میں لے آئے گا لیکن اس نے غصے میں اپنا اپنی بنا کر خلیفہ کے پاس کیوں بھیج دیا تھا؟“
”جناب! سلطان مرحوم چاہتے تھے کہ خلیفہ معتضد خود بادیشینوں سے لڑنا چاہتا ہے اور وہ تماشہ دیکھیں۔“

”یہ تو سلطان کی سیاسی عقل مندی تھی مگر اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟“
وہ مایوسی کے لہجے میں بولا: ”کبھی آدمی چوراہے پر کھڑا ہوتا ہے اور نہیں جانتا کہ کون سا راستہ اس کی منزل کو جاتا ہے۔ میری بھی اس وقت یہی حالت ہے۔“

”اگر اپنی منزل کا پتا بتا سکو تو شاید راستے کا تعین میں کر دوں۔“
اب حارث کو کھل کر بات کرنے کا موقع مل گیا۔ ”میں ابن حرب سے انتقام لینا چاہتا ہوں اور بنی کلب کے علاوہ میری کوئی منزل نہیں۔“

فلسطیعی سرائے دار حیران رہ گیا: ”یہ بھی جانتے ہو وہاں کیا ہو گا؟“
”ہم دونوں میں سے صرف ایک زندہ رہے گا۔ میں یا وہ، اور نجم لیل اس آدمی کا صلہ ہوگی جو جنگ جینے لے گا۔“

سلیمان بن عامر نے جھپٹتی نظروں سے اُسے دیکھا۔ ”جب تم نے سلطان خمدویہ کو اپنی رُوداد سنائی اور شہزادی نجم کی بازیابی کے لیے کہا، تو اُس نے کیا کہا تھا؟“
”سلطان نے مجھے مشورہ دیا، میں نجم کو بھول جاؤں۔“

”اور میں تمہیں مشورہ دیتا ہوں نجم کے ساتھ ابن حرب کو بھی بھول جاؤ۔“
”مگر آپ نے کہا تھا میں منزل کا پتا بتاؤں تو آپ میرے راستے کا تعین کریں گے۔“
ہوشیار سرائے دار نے جواب دیا۔ ”منزل تمہاری دیکھی ہوئی ہے، راستہ بھی جانتے

ہو مگر اپنے مقصد میں کامیابی کے لیے تمہارے پاس لشکر ہونا چاہیے جو نہیں ہے۔ بنی طولون کو اس معاملے سے دل چسپی نہیں۔ خلیفہ معتضد داخلی کمات میں اُلجھا ہوا ہے، جھبی میں نے ابن حرب کو بھی بھول جانے کا مشورہ دیا ہے۔ میں بھی اُسے اپنے ذہن سے اُتار چکا ہوں۔“

حارث پوچھ کر لہجے میں کہنے لگا: ”اُس نے آپ کے اعتماد کو صرف دھوکا دیا مگر میری زندگی برباد کی ہے۔ میں اسے بھول سکتا ہوں، نہ شہزادی نجم کو اور اس وقت کا انتظار کروں گا، جب خلیفہ معتضد مشرقی کمات سے فارغ ہو جائے گا اس نے وعدہ کیا ہے کہ مجھے ابن حرب سے حساب چکانے کا موقع دے گا۔ یہ فرض چکانے بغیر میں جینا چاہتا ہوں، نہ مرنے چاہتا ہوں۔“

سرائے دار جانتا تھا کہ انتقام کی آگ میں جل رہا ہے چرخ رہا ہے شاید اپنی آگ میں آپ ہی جل کر راکھ ہو جائے۔ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کندھا دیا: ”حارث ابو ظفر! میں تمہاری بھلائی چاہتا ہوں۔ دشمن پر حملہ کرنے سے پہلے آدمی کو اپنے تحفظ کا انتظام کر لینا چاہیے۔ کامیابی اسی کے قدم چومتی ہے، جو حالات کی صورت دیکھ کر کانگے بڑھتا ہے۔“

”میں اپنی ہشتیاں جلا چکا ہوں۔ اب صرف نتیجے کا انتظار ہے۔“
”تم نے میرا پہلا مشورہ نہیں مانا اب دوسرا مشورہ دیتا ہوں۔ بنی کلب کی طرف کوچ

حادث حیرت کی نظروں سے فلسطینی سرانے دار کو دیکھتا رہا جیسے اس کے سر پر
سنگ نکل آئے تھے لیکن اس نے بات اگے نہیں چلائی، خود وہاں سے چلا گیا۔



جب خمارویہ ابو جیش کے اچانک انتقال کی خبر بغداد پہنچی۔ شہزادی قطراندی غش
کھا کر گری اور الرضاہ میں کھرا مچ بیاہو گیا۔

موت کی خبر دمشق سے روانہ کی گئی اور بغداد اس وقت نہی جب القطائع میں سلطان
خارویہ کو سپرد خاک کیا جا چکا تھا۔ عباسی امرا اور اہل بیت دولت خلیفہ معتضد سے تعزیت کرنے
الرضاہ میں پہنچے۔ وہ سلطان مصر کا داماد تھا جو عین جوانی میں دنیا سے رخصت ہوا خلیفہ معتضد
کی حرموں کے علاوہ عباسی بیگمات اور دیگر معزز خواتین بھی ناظم برسی کے لیے آئیں اور سلطان
کے ہم میں شریک ہوئیں جسے باپ کی ناگہانی موت پر گہرا صدمہ پہنچا تھا۔

اس موقع پر بعض لوگوں نے خلیفہ کو مشورہ دیا کہ مصر و شام پر قبضہ کر کے علاحدگی کی لکیر
ختم کر دی جائے۔

دیوان بلاذری کے ناظم الامور علی بن عیسیٰ بن داؤد کا خیال تھا کہ سلطان خمارویہ کا
جانشین ولی عہد شہزادہ جیش ابی نوح جو ان ہے اور اموریہ مملکت کو سرانجام دینے کی صلاحیت نہیں
رکھتا۔ دوسرا لوکا ہارون اس سے جی چھوٹا ہے اندیشہ ہے ان کی ناجبرہ کاری سے فائدہ
اٹھا کر جاہ پسند فوجی جرنیل اور سردار بعض علاقے دبا کر نہ بیٹھ جائیں۔ امیر المومنین کو مصر و شام
پر اپنا اختیار نافذ کر دینا چاہیے۔

معتضد ابو عباس نے جواب دیا: ”ہم نے مرنے والے کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کیا اور
تیس برس کے لیے طوینی ریاست کی آزادی اور خود مختاری کو تسلیم کر لیا تھا۔ اگر مصر و شام پر
فوج کشی کی تو ہم پر معاہدے کی خلاف ورزی کا الزام آئے گا۔“

وزیر سلطنت عبداللہ بن سلیمان نے کہا: ”جب طوینی ریاست کی خود مختاری تسلیم کی
گئی، اس وقت حاکم خیال بھی تھا کہ سلطان خمارویہ بن احمد ابی جوش ہے اور تیس سال کی مدت
کی عہد حکومت میں پوری ہو جائے گی۔ لیکن خمارویہ کی اچانک رحلت اور اس کے دونوں
بھائیوں کی کم عمری کے باعث خطرہ ہے کہ مصر و شام کے حصے بخرے ہو جائیں گے چوں کہ طوینی حکومت

کرنے سے پہلے جعفر نجوی سے ضرور مل لینا۔“

”میں جانتا ہوں، سلطان مرحوم کی طرح امیر شیبان بھی جعفر نجوی پر بڑا اعتماد کرتے
ہیں مگر میں نجوم کو نہیں مانتا۔ اگر شکست میرے ہاتھ میں لگتی ہے تو جعفر نجوی اسے فتح میں
نہیں بدل سکتا اور اگر موت میرے دشمن کی تقدیر میں چکی ہے تو کوئی طاقت اسے میرے
ہاتھ سے بچا نہیں سکتی۔“

”پھر میرا تیسرا مشورہ یہ ہے کہ شہزادہ شیبان کی ملازمت چھوڑ دو۔ اس لیے کہ تم
ابن حرب سے نہیں دراصل شہزادی نجم سے انتقام لینا چاہتے ہو جو شیبان کی بہن ہے۔
حادث ہو چنے لگا۔ سنانے سرانے دار کا مطلب کیا ہے؟ جناب! سلطان مرحوم اور
امیر شیبان نے شہزادی کو میرا انعام ٹھہرایا تھا مگر وہ اپنے بھائیوں کو دھوکا دینی راہی اور اپنے
کے ساتھ فرار ہو گئی۔ شیبان کو اس بات کا گہرا صدمہ ہے۔“

”پھر شیبان نے اپنے بھائی کو بنی کلب پر حملہ کرنے اور شہزادی نجم کو واپس لانے کا
مشورہ دیکھ کر نہ دیا؟“

”وہ بنی طولون کی مدد سے ڈرنے لگے تھے ان کا خیال تھا کہ شہزادی نجم حملہ کی مزاحمت
کرے گی۔“

سلیمان بن عمار نے بڑے غور سے حادث کے چہرے کا جائزہ لیا اور کہنے لگا: ”حادث
تم نہیں جانتے کہ بنی طولون پر کیا مصیبت آنے والی ہے مگر شہزادہ شیبان جانتا ہے کہ سلطان
خمارویہ کی ہلاکت سے بنی طولون کے بڑے دنوں کا آغاز ہو گیا ہے۔ ہو سکتا ہے، اس نے
بنی کلب پر حملہ اس لیے مناسب نہ سمجھا ہو کہ شاید بادیہ نشین قبائل ہی کبھی طوینیوں کو عباسیوں کے
ظلم و تشدد سے بچا سکیں جو مستقبل میں ان پر ہونے والا ہے۔“

حادث اس کے خوف ناک الفاظ سن کر ماسے صیرت کے کھڑا ہو گیا۔ اس نے بنی طولون
اور بنو عباس کے درمیان تیس برس کے لیے دوستی کا معاہدہ کر لیا تھا اور سوچ بھی نہیں سکتا
تھا کہ طاقت ور فرنی معاہدے کی خلاف ورزی کرے گا کہنے لگا: ”جناب! جو کچھ آپ نے
کہا ہے وہ ناممکن ہے۔ عباسی ذہن بنی طولون پر حملہ کریں گے، نہ ظلم و تشدد۔“

”یہ بات شیبان سے پوچھنا، وہ تمہیں بتائے گا کہ عباسی لشکر صرف چند سالوں کے اندر
بنی طولون کے ساتھ کیا سلوک کرنے والے ہیں؟“

دولت عباسیہ کی باج گزار ہے لہذا اس کے تحفظ کی ذمہ داری بھی امیر المومنین پر عائد ہوتی ہے۔

معتقد کے آزاد کردہ غلام اور محکمہ ضبطیہ کے افسر اعلیٰ بدر نے صلاح دی۔ "حضرت! گو اس سلسلے میں طولونی فوجوں کے سپہ سالار محمد بن سلیمان سے رابطہ قائم کرنا چاہیے۔ وہ امیر المومنین کی بیعت کا طلب گار ہے اور مصر و شام میں حکم خلافت نافذ کر دے گا۔"

"بنی طولون اسے بنی طولونی ریاست کی خود مختاری میں مداخلت اور مداخلے کی خلاف ورزی قرار دیں گے۔"

ایک تجویز یہ تھی کہ مصر و شام پر قبضہ کر کے اس کا حکم اختیار خلیفہ معتقد کی چھوٹی محرم شہزادی قطر الندی کو سونپ دیا جائے۔ اس طرح مصر و شام پر طولونی اقتدار بھی قائم رہے گا اور عباسی حکم بھی نافذ ہو جائے گا لیکن اس صورت میں بھی لوگ اعتراض کرنے کہ امیر المومنین نے طولونی شہزادی کی زوجیت سے ناجائز فائدہ اٹھایا ہے۔ شاید اسامہ قطر الندی بھی اپنے بھائیوں کی حق تلفی اور بنی طولون کی ناراضی مول لینا پسند نہ کرے۔

ولی عبدالرحمن علی کے آقا بنی ابوالحسن قاسم بن عبداللہ کی رائے یہ تھی کہ مصر پر چڑھائی کرنے کی ضرورت نہیں۔ امیر المومنین شہزادہ جیش کی حکومت قائم رکھیں البتہ اسے اپنی تولیت میں لے لیں۔ اور خود اس کے نگران و ولی بن جائیں۔

معتقد نے جواب دیا۔ "طولونی سرداروں کو بیانات گوارا نہ ہوگی کہ ہم شہزادہ جیش کی اپنی تولیت میں لے لیں اور پس پر وہ خود حکومت کریں۔"

عباسی امرا نے خلیفہ کو جتنے بھی مشورے دیے، اس نے مسترد کر دیے اور کہا: "میں معلوم ہے مصر کے بعض لوگ مصر و شام کی وہ حیثیت بحال کرنا چاہتے ہیں جو خلیفہ معتقد کے عہد خلافت میں تھی۔ ہم بھی چاہتے ہیں کہ ہمارے اور مصر کے درمیان علاقہ کی یکجہریٹ جائے اور مسلم امہ ایک ہو جائے مگر ہم بنی طولون کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھا چکے ہیں اسے دشمنی میں نہیں بدلیں گے۔ ابھی تو خمار و یہ کو قیر میں اتارے ایک مہینہ ہوا ہے۔ ہم دیکھیں گے، اس کا بیٹا جیش حکومت کو کس طرح چلانا اور ہمارے متعلق کیا رویہ اختیار کرتا ہے؟"

اسامہ قطر الندی بھی جانتی تھی کہ طولونی مملکت کے بارے میں معتقد ابوعباس کو کیا کیا مشورے دیے جا رہے ہیں۔ اس کی باری کے ایام میں جب وہ ایک رات الرضاہ میں

داخل ہوا، بیت خمار و یہ بڑی پریشان تھی۔ معتقد نے اس کی پریشانی کا سبب پوچھا تو کہنے لگی۔ "ابوعباس! ہم آپ کے لیے اور ابو عباس کے لیے اپنے دل میں محبت رکھتے ہیں لیکن ہمیں یہ سن کر تکلیف ہوئی ہے کہ آپ کے اعیان دولت میں بہت سے لوگ بنی طولون کو اپنا دوست نہیں سمجھتے اور آپ کو مصر و شام پر قبضہ کر لینے کے مشورہ دے رہے ہیں۔"

"اسما! اگر تم نے ان لوگوں کے مشورے سن لیے ہیں، تو ہمارا جواب بھی سن لیا ہوگا۔"

"بے شک ہم نے آپ کا جواب سن لیا اور سجدہ شکر ادا کیا ہے۔"

"پھر تمہیں پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے؟"

"ہم عباسی امرا کی باتیں سن کر پریشان ہو گئے ہیں۔"

"مگر فیصلہ توہ رف ہیں کرنا ہے اور ہم فیصلہ کر چکے ہیں۔"

اسامہ قطر الندی، جس کا دل اجوان باپ کی رحلت پر پہلے ہی گداز ہو رہا تھا، انگلیوں میں آنسو پکڑ کر کہنے لگی۔ "ابوعباس! بچائے کیوں ہم بغداد میں خود کو تنہا محسوس کر رہے ہیں۔"

"ہماری موجودگی میں خود کو تنہا محسوس کر دو گی، تو تم پر ظلم ہوگا۔"

"ہم نے آپ کو خود سے علاحدہ کبھی نہیں سمجھا۔ قطر الندی کی آواز گلو گلو ہو گئی۔ "مگر"

آج ہمیں اپنی کمزوری اور ابو عباس کی طاقت کا شدت سے احساس ہوا ہے۔"

معتقد ابوعباس اس کے قریب پہنچ کر ذرا خم ہو گیا اور بولا۔ "پھر آج طاقت کمزوری کے سامنے جھکتی ہے۔ یہ کہہ کر اس نے سراو نکایا اور ہاتھ کو تلوار کی طرح لہرا کر کہنے لگا۔ "اسما! "

ہم تم سے وعدہ کرتے ہیں اگر کسی نے مصر پر حملہ کیا یا طولونی ممالک کے حصے بخرے کرنے کی کوشش کی تو ہمارا تلواریں جیش بن خمار و یہ کی حمایت میں اٹھیں گی۔"

قطر الندی نے یک کر اپنی بانیں معتقد ابوعباس کے گلے میں جامل کر دیں۔



جس طرح آسمانوں پر ستارے اپنے معینہ فاصلوں کے ساتھ بڑی سرعت اور فیضی سے خلا میں گردش کرتے ہیں لیکن زمین سے بڑے ستارے رفتار نظر آتے ہیں اسی طرح مشرق وسطیٰ کے اس خطے میں جو ہماری کہانی کا جہز راہیہ پیش کرتا ہے، حالات کی رفتار بھی بڑی تیز ہو

گیا تھا۔

شہزادہ شیبان مملکت کا اہم آدمی تھا جسے بنی طولون کے بڑے دنوں کی فکر بے چین رکھتی تھی۔ حارث البرظفر پر بھی بخوف ناک حقیقت آشکار ہو چکی تھی کہ شہزادہ شیبان، بنو عباسی خاندان کے خلیفہ معتضد کے جانشینوں سے مطمئن نہیں۔ اسے اندیشہ تھا کہ موقع ملے ہی عباسی فکرمصر پر چڑھائی کر دیں گے۔ شاید خلیفہ معتضد کی زندگی میں ایسا نہ ہو، کیوں کہ وہ ایک خوب صورت طوفانی شہزادی کا شوہر تھا اور قطر الندی کے حسن کی طاقت اُسے مصر کی طرف بڑھنے سے روکتی رہے گی لیکن اس کا ولی عہد البرحمہ علی بنی طولون کے حق میں یقیناً خطرناک ہو گا۔ جعفر بخوی کی پیش گوئی کے علاوہ شیبان کو بعض ایسے شواہد بھی مل چکے تھے، جن سے بنو عباس کے بارے میں اندیشہ بڑھ گئے تھے اور حارث البرظفر یہ سب کچھ جان کر دم بخود رہ گیا تھا۔

(۲) سلطنت عباسیہ کے مشرقی صوبوں میں بہت سی شورشلوں اور خود مختاری کی کوششوں کو ناکام بنایا گیا تھا۔ بکر بن عبد العزیز جس کی سرکوبی کی ہم خلیفہ نے اپنے آؤ کردہ غلام بدر کے سپرد کی تھی۔ اس کے سپہ سالار عیسیٰ نوشری کو شکست فاش دے کر اصفہان پر تباہی ہو گیا تھا۔ عیسیٰ نے میدان ہار لیکن ہمت نہیں ہاری اور بڑی جنگ کی تیاریاں کرنے لگا بدر کی طرف سے ملک بھی بیچ گئی۔ دوسری جنگ میں بکر بن عبد العزیز کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا اور اپنے ہمراہیوں سمیت طبرستان کی طرف محمد بن زید علوی کے پاس بھاگ گیا، جو عباسیوں کے خلاف خروج کا ارادہ رکھتا تھا۔

بکر بن عبد العزیز کی شکست کے بعد بظاہر صوبائی شورشلوں کا خاتمہ ہو گیا لیکن بعض مقامات پر اندری اندر بغاوت و سرکشی کے گرداب ابھی چکر کاٹ رہے تھے۔ ان میں سب سے بڑا خطرہ قرمطی جماعت کا تھا جس کی جڑیں "ملاش کے باوجود نہ مل سکی تھیں پھر بھی اب خلیفہ معتضد صوبائی بناؤتوں سے کسی قدر نادم ہو گیا اور تحریک قرامطی کی جانب توجہ دے رہا تھا۔ عباسی مہم ایک مرتبہ پھر سرگرم عمل نظر آنے لگے تھے جن کی نگاہیں سواد کوہ کے صحرائی حلقے میں سوارہ کی سمت اٹھ رہی تھیں۔ کئی جاسوس سوارہ کے آس پاس غائب یا ہلاک کر دیے گئے۔ جن کی لاشیں تک نہ مل سکیں اب بنو قلیص پر شک و شبہ بڑھ گیا لیکن معتضد دراصل ذکر و بر قرامطی کی تلاش میں تھا، جو ایک بار جیل سے بھاگ نکلا اور زبردست خفیہ تحریک کا بانی بن گیا تھا۔ عباسی خلیفہ چاہتا تھا، وہ دوسری بار نہ بھاگ سکے اور اپنے بیٹوں سمیت گرفتار ہو۔

کئی مہینے مگر بظاہر یوں معلوم ہوتا تھا جیسے ان کی چال کچھوے کی طرح دھیمی اور مدہم ہو۔ دریا کی سطح سے تھوڑے بائیں پر لٹنے والے بھنور اور لہروں کے چکر دکھائی نہیں دیتے بلکہ ہوتا یوں ہے کہ اگر کوئی انجان اور نا تجربے کا شخص دریا کی پرسکون سطح سے دھوکا کھا کر پانی میں اتر جائے تو لہروں کے نظر نہ آنے والے گرداب اسے گھسیٹ کر لے جاتے ہیں۔ مشرق وسطیٰ میں بھی اندری اندر حالات کے خطرناک بھنور جاری تھے اور ان کی رفتار لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جا رہی تھی جب کہ ظاہری طور پر کسی غیر معمولی تبدیلی کے آثار نظر نہ آتے تھے۔

اس ماحول کی صحیح منظر کشی کے لیے جس میں کہانی داخل ہو رہی ہے، ضروری معلوم ہونا ہے کہ ہم مشرق وسطیٰ کے مختلف فریقوں اور حلقوں کے کچھ اجمالی خاکے پیش کرتے ہیں تاکہ ہم اسے بڑھنے والے معاملے کی صورت کو اچھی طرح سمجھ سکیں۔

(۱) خمارویہ کی وفات کے بعد مصر میں اُس کے نوجوان بیٹے حبیش کا حکم و اختیار نافذ ہو گیا تھا۔ صوبوں کے گورنروں، شہروں کے حاکموں، فوجی سالاروں، پولیس اور محکمہ بیکار خاص کے ناظموں، تمام قابل ذکر سرداروں، قاضیوں اور علماء نے نئے سلطان کو تسلیم کر لیا اور وفاداری کے حلف اٹھا لیے تھے۔ تمام شیعہوں کے سربراہ اور ناظم اپنے اپنے خالص سر انجام دینے میں مستعد تھے۔ البتہ حبیش بن خمارویہ کو اگر کسی مشکل سے دوچار ہونا پڑا تو وہ مالیت کا مسئلہ تھا۔ اس کے والد خمارویہ کے بے جا اصراف سے خزانہ تقریباً خالی ہو چکا تھا اور نئے حکمران کو سرکاری ملازموں، افسروں اور فوجوں کی تنخواہوں کی ادائیگی میں مشکلات درپیش تھیں۔ باقی سب کچھ اپنی جنگ درست تھا۔

سلطان خمارویہ نے اپنے سولہ بھائیوں میں سے جو سب اس سے چھوٹے تھے، صرف شہزادہ شیبان کو دو نوں بیٹوں کے بعد اپنا جانشین بنایا اور نہ صرف اس پر بے خدا اعتماد کرتا تھا بلکہ مملکت کے بعض امور صرف دونوں بھائیوں تک محدود تھے مگر حبیش بن خمارویہ کے مصاحبوں اور صلاح کاروں کا اپنا حلقہ تھا اور وہ انہی سے مشورہ لیتا۔ البتہ تیسرے جانشین کی حیثیت سے اپنے چچا شیبان کا بے حد احترام کرتا تھا۔ وہ بدستور اپنے شیعہ کا سربراہ بھی تھا۔ علاوہ انہی بعض اہم معاملات میں، جن کا علم خمارویہ کے بعد صرف شیبان کو تھا اس سے مشورہ لیا جاتا تھا۔ ان میں طولوی فوجوں کے سپہ سالار محمد بن سلیمان کا معاملہ بھی تھا جس کا رجحان عباسیہ کی جانب تھا لیکن سپہ سالار کے نائب ابراہیم بن علی کو اس کا "خفیہ نگران" مقرر کیا

عابیوں کو سب سے زیادہ خطرہ فاطمیوں اور علویوں کی طرف سے لاحق رہا تھا۔ جو خلافت و امامت کے دعوے دار اور بار بار خروج کرتے رہے تھے لیکن اب اسماعیلی خطرے کا نشان بن گئے تھے اور مختلف علاقوں میں ظہور ہمدی کے نام پر جو تحریکیں اٹھ رہی تھیں ان کے پیچھے اسماعیلیوں کے نسب نامے کھڑے تھے۔ قیروان میں ابو عبد اللہ شیبی، ہمدی کا داعی تھا جس کا سلسلہ نسب اسماعیل بن جعفر صادق سے جانتا ہے۔ عراق میں قمری تحریک کا بانی ذکر ویر قمریؒ بھی اپنا نسب امام اسماعیل کی طرف لے جاتا تھا۔ یہ دونوں حلقے عباسی اقتدار کے لیے خطرے کا باعث سمجھے جانے لگے۔ قیروان میں ہمدی تحریک اگرچہ خلیفہ معتقد کے حلقہ اختیار سے باہر تھی لیکن وہ عراق میں قمری تحریک پر کاری ضرب لگانا چاہتا تھا۔ (۳) ذکر ویر قمریؒ (قائم باطنی) کی تحریک کے علاوہ جو اس کے بیٹوں یحییٰ قمریؒ، حسین قمریؒ، علی قمریؒ اور ابن عم عیسیٰ بن مرویہ کے ذریعے آگے بڑھی، تحریک قرامطہ کا ایک اور حلقہ بھی تھا، جو حسن بن بہرام ابو سعید جنبانی کی قیادت میں بحرین کے مضافات میں پھیل رہا تھا۔ ۲۸۳ھ کے بعد ابو سعید جنبانی کی دعوت ہوئے مولے آگے بڑھ رہے تھے۔ بعد ازاں بحرین جو خلیج فارس کے ساحل پر بحرہ و عمان کے درمیان واقع ہے، تحریک قرامطہ کا بہت بڑا مرکز اور دار الحکومت بن گیا مگر جس زمانے کا ذکر ہم کر رہے ہیں۔ ان دنوں ابو سعید جنبانی کی دعوت خفیہ تھی بالخصوص قطیف کے لوگ اس میں دل چسپی لے رہے تھے۔ اس کے ذکر کا مقصد اس رجحان کا اظہار ہے، جو خلافت عباسیہ کے خلاف کوفے سے لے کر بحرین تک پھیل رہا تھا۔

(۴) ذکر ویر قمریؒ تحریک قرامطہ کا اصل بانی تھا۔ عراقی میں اس تحریک کا ابتدائی مرکز کوفہ کے

اشاعریوں اور اسماعیلیوں میں امامت کا فرق ہے۔ اشاعری امام جعفر صادقؑ کے بیٹے موسیٰ کاظمؑ کی امامت کے قائل ہیں جب کہ اسماعیلی امام جعفر صادقؑ کے دوسرے بیٹے اسماعیلؑ کو امام مانتے تھے۔ (۵) ابو عبد اللہ ابن خلدون نے عبد اللہ ہمدی کا نسب بالکل صحیح قرار دیا اور لکھا ہے کہ لوگ اس کے نسب میں اختلاف کرتے ہیں، وہ لائق التفات نہیں۔ علامہ ابن خلیفہ معتقد کے ایک خط سے جو اس نے والی قیروان کو لکھا نیز محض بغداد پر مشامیر علماء کی شہادتوں سے بھی اس نسب کی تصدیق ہوتی ہے (مذرا جلد اول)

نواح میں سادہ کا صحرائی حلقہ تھا، جہاں بنو قلیص آباد تھے۔ قمری جماعت عقیدہ پرستوں پر مشتمل انتہائی خفیہ اور منظم تھی۔ اس کی دوسری شاخ شام کے قبائلی علاقے میں پھیل رہی تھی۔ بنیادی مقصد خلافت عباسیہ کو کمزور اور منتشر کر کے نئی خلافت قائم کرنا اور عباسیوں کے ہر مخالف کا درپردہ ساتھ دینا تھا خواہ وہ ہمدی تحریک ہو یا بنی طولون ہوں۔ عراق میں جماعت اپنی تنظیمی صلاحیت کے ساتھ ”دیر زمین“ چلی گئی تھی، جب کہ شام کی جانب اس کا اظہار ضروری سمجھا گیا تھا۔ عراق میں عباسی خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے جو جماعت کو لاحق ہو گیا تھا، شام کے عقیدہ پرست بہادروں کو خفیہ طور پر گروہ درگروہ عراق میں منتقل کرنے کا منصوبہ بھی تیار کر لیا تھا، جس کی تفصیل ہمارے قارئین میمان بن ہامر کے مقالے سے ماسبق میں پڑھ چکے ہیں۔

مشرق وسطیٰ کے ان اہم خلیفوں کا براجمالی سائنسہ پیش کرنے کے بعد اب ہم اپنی اہل کمالی کی طرف واپس آتے ہیں۔



شہزادی نجم امیل نے فلسطینی سرائے دار کی یہ ترکیب پسند کی تھی کہ صحرائی بہادر چھوٹے چھوٹے قبائلی حلقوں کی صورت سفر کریں گے لیکن اس نے یہ تجویز مسترد کر دی تھی کہ وہ خود ہی کلب کے مرکز میں موجود رہے گی۔ اس معاملے پر آقا حسین سے گفتگو کرنے کے لیے اس کے صحرائی جموں میں جانا جانتی تھی کہ دوسرے دن طولونی سلطان خمارویہ ابو جیش کے ہلاک ہونے کی خبر آگئی اور وہ آقا حسین کے صحرائی مسکن میں نہ جا سکی بلکہ اپنے مضرب میں ماقبی لباس اس پہن کر بیٹھ گئی۔

نئی کلب کے سردار عثمان نے ایک قاصد کے ذریعے آقا حسین کو سلطان خمارویہ کے انتقال کی خبر بھیج دی تھی۔ نجم امیل نے ایک ماہ بھائی کا سوگ منایا تھا۔ انھی ایام میں آقا حسین خود ہی کلب میں پہنچ گیا۔ اس کے چند مشر سوار محافظوں کے علاوہ، جو ہر سفر میں اس کے ساتھ رہتے تھے۔ عبد اللہ بن سعد ابو غانم بھی ہمراہ تھا، جسے عراق سے شام کے قبائلی علاقے میں پہنچ دیا گیا تھا۔

آقا حسین کو اگرچہ سلطان خمارویہ کے جینے یا مرنے سے کوئی دل چسپی نہ تھی مگر وہ بنو طولون

آقا حسین نے چشم حیرت سے دیکھا۔ ”کیوں؟“

”اگر عراق میں عباسیوں کے خلاف خروج کا علم بلند ہوگا تو ہمیں اس علم کے نیچے موجود ہونا چاہیے۔“

”ہماری تجویز ہے کہ تم میدان جنگ میں نہیں جاؤ گی۔ پھر اس نے وضاحت کی۔ ”جنگ میں کوئی بھی انہونی ہو سکتی ہے اور ہم نے یہ تجویز تمہاری حفاظت کے خیال سے پیش کی تھی۔“

”آقا حسین! جو صحرائی ہمارے خاطر جنگ لڑیں گے، وہ میدان جنگ میں ہماری حفاظت بھی کر سکتے ہیں۔ ہم خود شریک جنگ ہوں گے، تو ہمارے ہمدردوں میں دلولہ اور جوش پیدا ہوگا۔ قتل و غارتگری اطراف الحُدود (ہماری آنکھیں دشمن کی آنکھوں کو دکھیں گی یعنی ہم جنگ میں ثابت قدم رہیں گے) اور فتح یقینی ہوگی۔“

آقا حسین اگر سہلی بات پر حیران ہوا تھا تو جنگ کے بارے میں اس کی گفتگو سن کر گرداب حیرت میں ڈوب گیا جانتا تھا کہ شہزادی نجم مکرانی کی صلاحیت کتنی اور حکم دینا جانتی ہے لیکن خیال تھا کہ شاہد عالم شہزادیوں اور شاہی خواتین کی طرح وہ بھی جنگ کی دیکھتی، پھر کتنی بھی کھٹا گزرا نہ کہے گا اسے اپنا خیال بدلنا پڑا۔ گرداب حیرت سے نکل کر کہنے لگا۔ ”اصحی اللہ اخلاصاً کرے! ہم نے غلط سوچا تھا۔ تجھیں اپنے صحرائی ہمدردوں کے ساتھ عراق کا سفر کرنا چاہیے۔“ نجم المیل کی طرف سے جنگ میں شمولیت اور ثابت قدمی کا جذبہ اس کی دھشت پسندی کے عین مطابق تھا جس پر قمر علی شیخ نے توجہ نہیں دی تھی۔ اب اس بات پر خوش تھا کہ وہ علم خراج کے نیچے اپنی موجودگی ضروری سمجھتی ہے اور سوچنے لگا۔ شہزادی نجم جیسی خوب صورت اور مضبوط انداز (دکھتے رخساروں والی) عورت جنگ میں کامیابی کی علامت ہوگی۔ جس طرح اس نے خود بھی کہا تھا کہ اسے دیکھ کر صحرائی ہمدردوں میں جوش پیدا ہوگا اور فتح یقینی ہوگی حسین عورت جنگ میں اہم کردار ادا کرتی ہے اور دنیا کی بعض جنگیں حسین عورتوں کی وجہ سے جیتی گئی ہیں۔

یہ ایک اہم تبدیلی تھی جو آقا حسین کے خیالات میں ہوئی۔ شہزادی نجم قمر علی تحریک کے لیے کلید کامیابی تھی۔ وہ اگرچہ کسی شرط کے بغیر جماعت میں شامل ہوئی اور ابن حرب کے ساتھ نمازیں اٹھائی مگر اب کچھ اور سوچ رہی تھی، کچھ اور بھی چاہتی تھی۔

کا سربراہ اور شہزادی نجم المیل کا بھائی تھا۔ اس لیے ماتم پُرسی کرنے خود چلا آیا تھا تاکہ طوطی خاتون کی دل جوئی کر سکے، جو اپنے بھائی کے صدمے سے مدحال ہو گئی تھی۔ شہزادی نجم نے بڑے نیچے کسا ابوان خاص میں آقا حسین اور ابو غافم سے ملاقات کی۔ وہ سیوا دہی لباس میں تھی، جس میں اس کا ترکہ جس کچھ اور بکھر گیا تھا۔

آقا حسین نے خمار ویر بن احمد بن طولون کی بے وقت رحلت کا ذکر کیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور کہنے لگا۔

”نجم! ہمیں خمار ویر کی جوانی پر دلی افسوس ہے۔ وہ اس زبردست باپ کا بیٹا تھا، جس نے مصر و شام کو عباسیوں سے چھین لیا اور طوطی مملکت کی بنیاد رکھی۔ اس نے خود بھی عباسی لشکروں کا بڑی بہادری سے مقابلہ کیا تھا مگر انسان سوو نسیان کا پتلا ہے۔ خمار ویر نے بھی نبو عباس کے ساتھ دوستی کر کے ایک غلطی کی۔ ہم نے سوچا تھا زندگی میں کبھی ہماری ملاقات ہوئی تو اسے بتائیں گے کہ اپنی بیٹی کو خلیفہ معتضد کے پتے باندھ کر اس نے کچھ حاصل نہیں کیا۔ بلکہ بعد ازاں ہر سال خراج دینا منظور کر کے بہت بڑی بھول کی ہے۔ مگر افسوس ہمارا ملاقات نہ ہو سکی۔ دنیا میں ہر شخص کے ایام مقرر ہیں۔ کل مخلوق سموت (جمع پیدا ہوا، وہ مرے گا) خمار ویر کے دن تھوڑے تھے۔ اس کی بے وقت رحلت سے بنی طولون مشکلات کا شکار ہو جاؤں گے۔ ہمیں ان کے مصائب کا احساس ہے مگر ہم قدرت کو نہیں ٹال سکتے۔“

آقا حسین کے الفاظ حوصلہ افزا تھے۔ شہزادی نجم کی ڈسار س بندھی۔ ”ہم شکر گزار ہیں کہ آپ کرنی طولون کے مصائب اور ہمارے جذبات کا احساس ہے۔“

”ہمیں تمہارے جذبات کا احساس کیوں نہیں ہوگا نجم! ہم تمہاری تحریک کا قیمتی سرمایہ ہو۔“

ابو غافم نے بھی شہزادی سے اس کے بھائی کی وفات پر تعزیت کی اور آقا حسین نے بتایا۔ ”ابو غافم کچھ عرصے کے لیے بنی کلب میں رہے گا۔“

”سیدان بن عامر نے ہمیں بتایا تھا۔“

شہزادی نجم نے ایک لحظہ گفتگو کا موضوع بدل دیا اور کہنے لگی۔ ”اس نے تجھ پریش کی تھی کہ ہم ابن حرب کے ساتھ عراق میں نہیں جا سکیں گے لیکن ہم نے اس کی تجویز مسترد کر دی ہے۔“

”آقا حسین! اگر ہم جماعت کے لیے کوئی کامیابی حاصل کریں تو کیا اس کامیابی کا صلہ طلب کر سکتے ہیں؟“

”شہزادی نجم! ہر کامیابی کا صلہ ہوتا ہے اور جماعت مرد یا عورت کو اس کی حیثیت اور خواہش کے مطابق کامیابی کا صلہ دیتی ہے۔“

نجم ایل کی لمبی لمبی غلانی آنکھوں میں ایک نئی امید کی کرن سی جھلکانے لگی۔ ”اس صورت میں ہماری خواہش ہوگی کہ اگر آنے والے دنوں میں عباسی لشکر کسی طرونی علاقے پر چڑھائی کریگا تو ہم انھیں آگے بڑھنے سے روکیں۔ ان کا راستہ کاٹیں، ان پر چھاپے ماریں اور انھیں منتشر کر دیں۔“

قرمطی شیخ نے اس کی بات بڑی توجہ سے سنی اور بڑے تحمل سے جواب دیا۔ ”غلبا تم نے یہ نہیں سوچا، یہ فریق کی حمایت میں دوسرے فریق کے خلاف جنگ کسی معاہدے کے بغیر نہیں لڑی جاتی۔“

نجم ایل نے یہ بات واقعی نہیں سوچی تھی۔ اس کی غلانی آنکھوں میں امید کی کرن بچنے لگی اور دیکھتے دیکھتے خساروں پر فکر مندی کے آثار ظاہر ہو گئے، اسے پریشان دیکھ کر آقا حسین نے تسلی کے لیے میں کہا۔ ”ہم جانتے ہیں نجم! تم بنی طولون کے لیے پریشان ہو، تمھاری خاطر ہم ان کی بالواسطہ مدد کریں گے۔“

نجم کی آنکھوں میں امید کی کرن پھر جھلکانے لگی۔ ”بالواسطہ مدد کی صورت کیا ہوگی؟“

”اس کی صورت یہ ہوگی کہ ہم عباسیوں کو پریشان کرنے رہیں اور انھیں اپنی مملکت میں دیکھ کر وہ مضرت کا رخ کر سکیں۔“

پھر ایک پل ٹھہر کے اور سوچ کر کہنے لگا۔ ”نجم! یہ حقیقت تم بھی جانتی ہو کہ عباسی دنیا کی سب سے بڑی سلطنت ہے اور ہماری تحریک ابھی ابتدائی دور میں ہے۔ ہم کسی بڑی جنگ میں عباسی لشکروں کو شکست نہیں دے سکتے مگر ہمارے پاس عقیقہ سے کی طاقت ہے اور ہم اسی طاقت سے ان کا مقابلہ کریں گے۔ ان کے ساتھ چھوٹی جنگیں لڑیں گے، ان کے راتے رکھیں گے۔ تھکے توڑیں گے اور ایک دن بنی طولون کی طرح اپنی ریاست قائم کر لیں گے۔ مغرب میں اس کا آغاز ہو چکا ہے۔ اب مشرق میں اس کی ابتداء ہوگی۔ کچھ لوگ خون میں رنگے ہوئے جسموں کے ساتھ جنت میں داخل ہوں گے اور کچھ جہنم کا ٹکڑا بنیں گے۔ ایک بار تم نے کہا تھا کہ

انقلاب برگشتہ قسمت صحراؤں سے خونی اندھی کی شکل میں نمودار ہوگا اور ہم بھی کہتے ہیں کہ نوین انقلاب صحرائی کوکھ سے جنم لے گا۔ عراق اور شام میں ہماری طاقت صحرا تک محدود ہے۔ صحرائی ہمارا مسکن اور ہمارا نام ہے مگر وقت آئے گا جب ہم صحرائے سبکی کو ٹھہرنے کا رخ کریں گے۔ اس رخسے میں بنی طولون پر کیا کیا حوادث گزریں گے، یہ ہم نہیں جانتے۔ اگر وہ حوادث سچے نہ ہوں تو یہ ان کی جواں مری ہوگی اور اگر حوادث کا شکار ہو گئے تو یہ تقدیر کا فیصلہ ہوگا۔ لیکن اس صورت میں بھی انھیں ضائع نہیں ہونے دیں گے اور اپنا رخ مصر و شام کی طرف پھیر لیں گے تاکہ تم بنی طولون کے دشمنوں سے اپنا انتقام لے سکو۔“

آقا حسین کے الفاظ میں بہت سے معنی پوشیدہ تھے۔ وہ معانی اپنی خوف ناک حقیقت کے ساتھ شہزادی نجم کے ذہن سے گزر رہے تھے۔ یہ امر اطمینان بخش تھا کہ اس نے بنی طولون کے دشمنوں کے خلاف انتقام کا دروازہ کھلا رکھا تھا۔

”آقا حسین! تقدیر کے فیصلے کوئی نہیں بدل سکتا۔“ **يَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُحْكُمُ مَا**
يُرِيدُ (اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور حکم دیتا ہے، جس کا ارادہ کر لیتا ہے) مگر آپ کے لفاظ ہمارے لیے حوصلہ افزا ہیں اور ہم ان کا مطلب سمجھتے ہیں۔

اس گفتگو کے بعد صحرائی ہاروں کو عراق میں منتقل کرنے کی بات چیت ہوئی۔ قرمطی شیخ نے بتایا۔ ”اس کا اختیار صرف شہزادی نجم اور ابن حرب کو ہے کہ وہ سلیمان بن عامر کی ترکیب پر کس طرح عمل کرتے ہیں، البتہ انتقال کا عمل چھ سات ماہ کے اندر مکمل ہو جانا چاہیے اور ”اختیار بدست مختار“ کے تحت انھیں یہ بھی حق حاصل ہے کہ جس شخص کو چاہیں اپنا نائب مقرر کر جائیں۔“

شہزادی نجم نے ابوغانم کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”ہم ابوغانم کو اپنا نائب مقرر کر دیں گے۔ کیوں کہ سردار نعمان ہمارے ساتھ جائے گا مگر اس کے نائب میں رہیں گے اور ابوغانم کو بادیہ نشین قبائل کے بارے میں ضروری معلومات فراہم کریں گے۔“

ابوغانم عبداللہ بن سعد اپنی نشست چھوڑ کر کھڑا ہو گیا اور بیٹھ کر بات کر رہا تھا کہ بولا۔

”یہ اس اعزاز اور اعتماد کے لیے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔“

”ابوغانم! عراق کی جانب روانگی سے قبل ہم قبائل سے تمھارا تعارف کرا دیں گے

جس سے تمہارا کام آسان ہو جائے گا۔
ابو غانم کے انتخاب کو آقا حسین نے بھی پسند کیا اور شہزادی نجم کی حکماء فرامست کی
تعریف کی جس کے ساتھ ہی یہ محفل ختم ہو گئی۔



(۵۱)

دوسرا سانس

○

شہزادی نجم کے ساتھ تعزیت اور کچھ ضروری باتیں کرنے کے بعد آقا حسین دوسرے روز
شہزادہ سوار محافظوں کے ہمراہ اپنے صحرائی مسکن کو لوٹ گیا اور ابو غانم عبداللہ بن سعد کو وہیں چھوڑ
کیا تھا۔ تاہم پرسی کے علاوہ اس کی آمد کا ایک مقصد یہ تھا کہ وہ اپنی کلب میں پہنچا نا اور اس
کے بارے میں کچھ ضروری ہدایات دینا تھا لیکن شہزادی نجم کی فرامست نے قریبی سبب کی توقع سے
کہیں بڑھ کر ابو غانم کی پذیرائی کی تھی اور اسے اپنی قائم مقامی کا اعزاز دیا تھا جس کے بعد اس
کے کسی ہدایت کی ضرورت نہ تھی۔

آقا حسین کے لوٹنے ہی شہزادی نجم نے ابن حرب، سردار نعمان اور ابو غانم کے ساتھ
خود قبیلوں کی طرف جانے کا فیصلہ کیا۔ ابو غانم کو وفد میں اس لیے شامل کیا کہ اسے مارے
سواروں، اُن کے ناہموں اور بادیہ نشینوں سے متعارف کرانا نیز یہ بتانا مطلوب تھا کہ ابن حرب
اور اس کی عدم موجودگی میں وہی ان کا نائب اور قائم مقام ہو گا۔ بادیہ نشین قبائل جو قریبی تحریک
سے دلچسپی رکھتے تھے، بادیہ شام کے صحرائی مائیں پر بنی کلب سے تدریک پھیلے ہوئے اور
اپنے ٹوکا نے بدلتے رہتے تھے۔ شہزادی نے ابن حرب کے غلام عبداللہ کو اپنا قاصد بنا کر قبیلوں
کی طرف دوڑایا اور اس کے پیچھے پیچھے اپنے وفدا اور محافظ شہزادہ سواروں کو لے کر خود روانہ
ہوئے۔

وہ جہاں بھی گئی، اس کا شاندار استقبال کیا گیا۔ اس نے چیدہ چیدہ ہبادروں کو حراق

کر رہے تھے۔ قرمطی امام ابوالقاسم یحییٰ بن زکریا "صاحب الناقہ" اس اطلاع پر بے حد خوش
ہوا کہ طوائف شہزادی نجم الملک اور عباسیوں کے خلاف جنگ میں شریک ہونے سے سادہ میں آ
راہی ہے۔

یہ خبر ملنے پر جدوجہد افزا ہو گئی۔ اس عرصے میں سلیمان بن چہم نے شہزادی نجم کے نام
پر پیغام بھیجا تھا کہ مصر و شام میں نوجوان سلطان جیش بن خمارویہ کا اقتدار پوری طرح قائم ہو گیا
ہے۔ سوائے مالی مشکلات کے کیوں کہ خزانہ تقریباً خالی ہے اور کوئی اہم مسئلہ نہیں۔ فلسطینی ملے جاکر
نے یہ اطلاع بھی دی تھی کہ شہزادہ شیبان کے حکم نے ان شیوخ اور فوجی افسروں کی خفیہ
فہرستیں تیار کر لی ہیں جو بنو عباس کی طرف مائل معلوم ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے سلطان جیش ہی
وقتاً ایسے فوجی افسروں کے خلاف سخت کاروائی کرے اور مصری شیوخ پر بھی پھرہ بٹھائے
اس نے شہزادی نجم کو سفر عراق پر مبارک باد دی۔ لیکن خود وہاں نہیں جاسکتا۔ سیاسی مصلحت
اور جماعت کے مفاد کا تقاضا ہے کہ اپنے آپ کو آشکار نہ ہونے دے۔

منصوب کے مطابق چھٹے مہینے میں (اس مہینے کے بعد چھٹا مہینہ جب سرائے دار عراقی
بہادروں کو عراق میں منتقل کرنے کی تجویز لے کر آیا اور خمارویہ کے قتل کی خبر سننے ہی عیش کی
جانب رواںہ ہو گیا تھا) بنی کلب کا قافلہ روانہ ہو گیا۔ شہزادی نجم اور ابن حرب
کے بعد ابوالقاسم عبداللہ بن سعد کے نائب اور قائم مقام ہونے کا اعلان کر دیا گیا تھا۔ روانگی
سے قبل رات کو بنی کلب میں روانگی کا جشن منایا گیا جس میں کئی کینیزوں نے اس امر پر خوشی کا
اظہار کیا کہ بنی کلب کے بہادر دشمن کے خلاف لڑنے جا رہے ہیں۔ فلسطینی کینیز دمنہ نے اپنے
لغے سے حاضرین کا لوگوں کو ریا اور ابن حرب کی طرف ہاتھ ہٹا کر یہ شعر گائے۔

قَرَّبَ الْخَلَامَ وَأَعْجَلَ فَيَا غُلَامَ
وَأَطْلَحَ السَّرْحَ عَلَيْهِ وَاللَّجَامَ

اس سیجی قرمطی نے دعویٰ کیا تھا کہ اس کی اذنی اللہ کی طرف سے مامور ہے اور جو شخص اس
کے پیچھے چلے گا۔ وہ فتح یاب ہوگا۔ اس نے اپنا نام بھی محمد بن عبداللہ مشہور کیا تھا اس
کا بھائی آقا حسین قرمطی "صاحب الشامہ" کہلاتا اور خوش بوئیں و نگہنے کی غیر معمولی
قوت کا دعویٰ کرتا تھا (طبری، ابن اثیر، ابن خلدون، ابن عساکر، ابوالفدا)

میں قتل کرنے کے منصوبے سے آگاہ کیا۔ ابوالقاسم کا تعارف کر لیا جس کے بارے میں
بارہ نشین بعض سنسٹی خیر نہیں پہلے ہی سن چکے تھے۔

شام کے قبائلی علاقے سے شہزادی نجم کو ڈیڑھ دو ہزار کے لگ بھگ صحرائی
بہادروں کو سادہ (عراق) میں بھیجا تھا۔ کونے کے صحرائی علاقے سے لے کر بصرہ و بہرین
تک قرمطی عقیدہ پرستوں کی کئی نہ تھی جو ہزاروں کی تعداد میں سبز علم امامت کے پرچے جمع ہو گئے
تھے۔ سرداروں کے شور سے سے قبائلی بہادروں کا انتخاب ملل میں آ گیا اور انھیں سفر کے
راستوں سے آگاہ کر دیا گیا۔ پہلے دو گروہوں کو ندم کے صحرائی علاقے سے گزر کر دریائے فرات
کی سائیٹی پر سفر کرنا اور کربلائے معلیٰ کی زیارت کے جانے عرف دو ماہ کے وقفے سے مغربی
صحرا میں پہنچنا تھا۔ دوسرے دو قافلوں کو ایک اور راستے سے صحرا کے ساتھ ساتھ اپنی منزل کاٹنے
کرنا تھا۔ ان کی روانگی کے درمیان بھی دو مہینوں کا وقفہ رکھا گیا۔

ایک مہینے کے اندر شہزادی نجم نے اپنا دورہ ختم کر لیا اور جب بنی کلب کی طرف لڑی پہلے
دو قافلے مختلف راستوں سے عراق کی جانب روانہ ہو گئے تھے۔ ہر قافلے میں کچھ گورتوں (بچوں)
اور کینیزوں کو بھی شامل کر لیا گیا تھا تاکہ کسی قافلے پر فوجی گروہ کا شبہ نہ ہو سکے۔ دو ماہ کے بعد
دوسرے دو قافلوں کو بھی اسی راستوں سے سفر کرنا تھا۔ بنی کلب کے قافلے کو سب کے آفرین
شہزادی نجم اور ابن حرب کے ساتھ دو مہینہ الجندل کے رستے سادہ کی طرف روانہ ہونا تھا۔ یہ
دشوار گزار لیکن سادہ کے صحرا کا نزدیکی رستہ تھا۔

بنی کلب سے تین سو بہادروں کا انتخاب ابن حرب نے خود کیا تھا۔ اس قافلے میں بعض کئی
عورتوں کے ساتھ سوڈانی کینیز، فلسطینی کینیز دمنہ اور سردار نعمان کی ام ولد کینیز۔ شامہ بھی شامل
تھی جس نے ابن حرب کی اس وقت تیمارداری کی تھی جب وہ ویران معبد یا قصر العروہ سے
بھاگنے کے بعد شام کی شدت سے غش کھا کر گھوڑے کی گردن پر ڈھلے گیا اور گھوڑا اسے بنی کلب
میں لے آیا تھا۔ اس قافلے کو اس وقت روانہ ہونا تھا جب چوتھا قافلہ سادہ میں پہنچ جاتا
اور اطلاع بھیج دیتا کہ وہ اپنی منزل پر پہنچ گیا ہے۔

تا صدمہ سادہ سے جو اطلاع لے کر آیا، اس کے مطابق چاروں قافلے وقفے وقفے سے
بنو قلیص میں پہنچ گئے تھے جس سے عراق کے قرمطی عقیدہ پرستوں میں ایک دہشت و دلیریا
ہو گیا تھا۔ وہ لوگ ملکہ صحرا نجم اور آقا حسین کے دشمنی ابن حرب کی آمد کا بڑی بے چینی سے انتظار

اعْلَمُ الْاَتْرَاكَ اِنِّي خَاصُّ
لِحُجَّةِ الْمَوْتِ فَمَنْ شَاءَ اَقَامْ

(ترجمہ)

۱۔ اے لوگو! گھوڑے کو قریب لا اور جلدی سے اس پر زین کس اور اسے لگام ڈال

دے۔

۲۔ ترکوں کو خبر کر دے کہ میں کھرا آدمی ہوں اور موت کی منہ ہار میں گھس رہا ہوں۔ اب جو چاہے میرے پیچھے کھڑا ہو۔

عباسی فوج میں ترکوں کا غلبہ تھا، جسے عرب ناپسند کرتے تھے۔ دمنہ نے ان اشعار کو اسی جذبہ سے گایا۔ گھوڑے کا اشارہ ابن حرب کے گھوڑے کی طرف تھا جو اپنے سوار کو بائیں شان سے نکال لایا اور ہر میدان میں مالک کے اشارے کو سمجھتا تھا۔ ابن حرب کے علاوہ بنی کلب کے بعض بہادر بھی گھوڑوں پر سفر کرنے والے تھے۔ اس اعتبار سے دمنہ کے نغے نے لوگوں کے دلوں میں لڑائی کا جوش پیدا کر دیا۔ دوسرے دن علی الصبح قافلہ دومۃ الجندل کی طرف روانہ ہوا اور اہل قبیلہ نے اسے بڑی ٹمناؤں کے ساتھ رخصت کیا۔ کبھی بہادر گھوڑوں اور اونٹنوں پر سوار تھے۔ قافلے میں کئی محل تھے جن میں نساء الحی (قبیلے کی خواتین) سوار تھیں اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ کوئی بادیہ نشین قبیلہ اپنا ٹھکانہ بدل رہا اور ایک صحرا سے دوسرے صحرا میں منتقل ہو رہا ہے بنی کلب سے دومۃ الجندل کا راستہ جنوب کی طرف بالکل سیدھا تھا جہاں سے قافلہ کو بہ جانب مشرق سادہ کا رخ کرنا تھا جو صحرائے عراق کا خطرناک حلقہ سمجھا جاتا تھا۔ راستہ دشوار گزار ضرور تھا لیکن مصر اور بغداد کے بعض قاصد جنھیں بعلبث پیغام رسانی کی خدمت ادا کرنا ہوتی، اسی راستے پر سفر کرتے تھے جس کی مسافت دوسرے راستوں کے مقابلے میں کم تھی۔ ابھی قافلے کو سفر کرتے دوسرا یم تھا اور وہ صحرائی دستور کے مطابق چلتے سورج کے نیچے ایک جگہ خیمہ زن تھا کہ ایک ساندلی سوار قافلے کے پڑاؤ سے تقریباً نصف میل سے نکلتا چلا گیا۔ حالانکہ وہ پہلے وقت سفر کا نہیں بلکہ قیام کا ہوتا تھا ماسفر خود آرام کرنے اور جانور کو بھی آرام کرنے کا موقع دیتے تھے لیکن معلوم ہوتا تھا ساندلی سوار کو بڑا اہم سفر درپیش ہے یا وہ کوئی انتہائی ضروری پیغام لے کر جبار رہے اور پیغام لے کر کہاں جبار رہے؟

ابن حرب نے سوچا اور اچانک مذہن میں خطرے کی گھنٹی بجی کہ کہیں ساندلی سوار ابھی کے

قافلے کی اطلاع دینے بعد اتونیں جبار رہے؟

اس خیال کے آتے ہی اس نے فوراً پانچ تیز رفتار ساندلیاں تعاقب میں دوڑائیں اور ساندلوں کو حکم دیا کہ کوئی بھی ہو اسے گرفتار کر کے پڑاؤ میں لے آؤ۔ صحرائی بہادر کوڑوں کی طرح لپکے اور ساندلی سوار کو جالیاں رنھوڑی دبر سے بعد وہ رسیوں میں جکڑا ابن حرب کے قدموں میں پڑا تھا۔ اس نے مقابلے کی کوشش کی اور زخمی بھی ہو گیا تھا مگر ابن حرب کو دیکھ کر بڑی طرح چونکا۔ اس کے عقب میں کھڑی شہزادی نجم العلیل پر نظر پڑی، تو حیرت کا سکتہ طاری ہو گیا۔

شہزادی نجم نے بھی اسے پہچان لیا۔ وہ انقطاع کے محافظ دستے کا سوار مونس اور حارث ابو ظفر کا خاص آدمی تھا۔ چند برس قبل جب طولونی شہزادیاں دمشق اور القدس کی زبارتوں کے لیے نکلیں، وہ محافظ دستے میں شامل تھا۔ شہزادی نجم العلیل نے خود ہی پوچھ گچھ مناسب سمجھی مونس کی حیل و حجت کے بغیر جواب دینے پر تیار ہو گیا۔ جیسے ہانے کی کوئی گنجائش نہ تھی مگر جو کچھ اس نے کہا وہ انتہائی کرزہ خیز تھا اور یہ کہا اس نے۔

”شہزادی صاحبہ! آپ کو یہ سن کر افسوس ہو گا کہ مصر کے حالات بگڑ گئے ہیں اور فوج نے آپ کے نوجوان بھتیجے سلطان جمشید بن خوارزمیہ کو قتل کر دیا ہے۔“

بغیر سنتے ہی سب لوگوں پر ایک سناٹا چھا گیا۔ شہزادی نجم العلیل کے دل پر غم کی بھلی ٹوٹ پڑی اور زبان سے بے اختیار ”واللہ اسفأء“ (اے افسوس) کے الفاظ نکل گئے۔ عزیز اور دمنہ نے فوراً اسے قہا کیا، مونس اس المناک واقعے کی تفصیل بیان کرنے لگا کہ خزانہ خالی رہنے کی وجہ سے فوج کو تنخواہیں نہیں مل رہی تھیں۔ فوجیوں نے نوجوان سلطان کو انقطاع میں گھیر لیا اور ایک ہی وار میں ختم کر دیا۔ کوئی بھی حکمران جس کا خزانہ خالی ہو، حکومت نہیں کر سکتا۔ جمشید کی حکمرانی اس کے چھوٹے بھائی ہارون کو تخت پر بٹھایا گیا ہے، جس کی عمر صرف تیرہ برس ہے اور وہ ہی اطلاع لے کر بغداد جبار رہے۔

اب سوال ابن حرب نے کیا؟ تم سرکاری قاصد نہیں ہو اس کے حکم پر بغداد جبار رہے ہو؟ مونس نے کچھ توقف کے بعد جواب دیا: ”میں حادثہ ابو ظفر کی طرف سے خلیفہ معتضد ابو بکر کے بیٹے ایک ضروری پیغام لے کر جبار ہوں۔“

”پیغام کیا ہے؟“

”حارث نے خلیفہ کو کہلا بھیجا ہے کہ بنی طولون کا معاملہ خراب ہو گیا ہے اب امیر المومنین کو معاہدے کے بعد تیس برس تک انتظار کرنے کی ضرورت نہیں۔“

ابن حرب پر ایک اچھا سا گزریگا۔ حارث کا پیغام دراصل مصر پر حملے کی دعوت تھی اور یہ انتہائی حیران کر دینے والا معاملہ تھا کہ عباسی خلیفہ کو مصر پر حملے کی دعوت دے دے۔ رافقا، جس نے طولونی ریاست کو سلطنت عباسیہ سے تسلیم کر لیا اور بنی طولون اور بنو عباس کے درمیان تیس سال کے لیے دوستی کا ایک معاہدہ طے کیا تھا۔ ابن حرب نے تعجب سے پوچھا ”تو حارث نے اپنی وفا رازیاں خلیفہ معتز کے ہاتھ فروخت کر دی ہیں مگر وہ کس قیمت پر رکھتا ہے۔“ لیکن اس ضمن میں کچھ نہیں جانتا مگر یہ بتا سکتا ہوں کہ حارث نے شہزادہ شیبان کا مات چھوڑ دی اور حفاظت ترک کر دی ہے۔“

یہ ایک اور حیران کن اطلاع تھی کہ حارث جو شہزادہ شیبان کی بدولت کسی مرتبے پر پہنچا اور بنی طولون کا انتہائی وفادار سمجھا جاتا تھا۔ اپنے آقا و حسن کی ملازمت و حفاظت سے دستبردار ہو گیا تھا لیکن تقدیر کا کچھ میں نہ کہنے والا کھیل یہ تھا کہ خمارویہ ابو جیش کی ہلاکت کے صرف چھ ماہ کے اندر طولونی فوج نے اس کے بیٹے جیش کو قتل کر دیا اور چوٹے لڑکے ہارون کو حکومت دے دی گئی، جس کی عمر ابھی مکتب میں تعلیم حاصل کرنے کی تھی۔

اس حرب اور سردار نعمان جو سلیمان بن عمار کی زبانی بنی طولون کے زوال اور بُرے دنوں کی پیش گوئی سن چکے تھے۔ خمارویہ کے بعد جیش کی ہلاکت پر دم بخود رہ گئے۔ یوں لگتا تھا تقدیر بنی طولون کے خلاف سرگرم عمل ہو گئی ہے اور جس طرح جعفر بخمی نے ستاروں اور ثوابت کا گہرا مطالعہ کر کے بنی طولون کے بُرے ایام اور ہولناک تباہی کی خبر دی تھی، اسی طرح قسمت ان کی بربادی کے نقشے خود تیار کر رہی ہے۔

شہزادی نجم العلیل جو اپنے نوجوان بھتیجے کے قتل کی اندوہناک خبر سن کر گرداب الم میں ڈوب گئی تھی۔ ایک نکتہ کھڑی ہوئی اور حکم کے لئے گر کا منہ آوازیں بولی۔ ”ابن حرب! مومن اب بغداد نہیں جائے گا جس طرح ایک دن تم حارث کو باندھ کر بنی کلب میں لے گئے تھے اسی طرح اس کے قاصد کو باندھ کر اپنے ساتھ سادہ میں لے چلو۔“

یہ حکم دے کر وہ سفری چیمے کے اندر چلی گئی اور جاتے ہی بستر پر ڈھلے گئی۔



حارث کے ایچی نے اگرچہ سب کچھ ٹھیک ٹھیک بتا دیا تھا کہ وہ بغداد کیوں جا رہا ہے مگر شہزادی نجم کے حکم پر اُسے رعبوں میں بکھڑا دیا گیا۔ اب وہ اپنی منزل پر پہنچ سکتا ہے خلیفہ معتز کو حارث کا پیغام پہنچا سکتا تھا جیش بن خمارویہ کے قتل کی خبر تو بہر طور بغداد پہنچا تھی مگر ایچی کو یہ کہہ لینے کا مقصد صرف حارث کے پیغام کو روکنا تھا، جس میں مصر پر حملے کی ترغیب دی گئی تھی۔ نجم العلیل گھر سے سندے سے دوپٹا تھی۔ صرف چھ ماہ کے اندر بنی طولون پر دو بھانکے سانچے گزر گئے تھے۔ خمارویہ بن احمد کو اگر اس کے غلاموں نے ہلاک کیا تو جیش بن خمارویہ طولونی لشکروں کے عتاب کا شکار رہتا۔ دونوں حادثوں میں کسی بیرونی طاقت کا دخل نہ تھا، بلکہ یہ ہے رحم تقدیر تھی پہلے باپ پر پھر بیٹے پر بھی۔ اور باری باری دونوں کو گھسیٹ کر لے گا۔ بعض لوگ اس انداک سانچے کو ایام کی گردش، بعض تقدیر کا لکھا، اور بعض رستہ داروں کے نفس اثرات کا نتیجہ قرار دیتے تھے۔ تمام اس بات پر حیران تھی کہ جعفر بخمی نے جو کچھ کہا تھا، وہی ہوا اور ابی ہمت کچھ ہونا باقی تھا جعفر کے بقول عباسی لشکر طولونی مملکت کو پامالی اور بنی طولون کو تباہ و برباد کرنے والے تھے لیکن یہ نہیں جانتی تھی کہ اُس نے خمارویہ اور اُس کے ہاشمینوں کے بُرے انجام کے علاوہ عباسی خلیفہ معتز کا بھی نرا پکا کال کر پیش گوئی کی تھی کہ چند سال کے اندر طبعی موت مر جائے گا۔ وہ تو صرف یہ جانتی تھی کہ جعفر نے صرف بنی طولون کے بُرے دنوں کی خبر دی ہے بن کا آغاز ہو چکا ہے۔

بھائی کے بعد بھتیجے کی ہلاکت نے اُسے لڑا دیا تھا اور سندے نے اس قدر نڈھال تھی کہ عزیز اور درمزد کو چیمے سے بھل جانے اور اُسے تنہا چھوڑ دینے کے لیے کہا۔ دونوں کینزریں بادلِ خواستہ باہر چلی گئیں۔ انہیں گئے ابھی چند لمحے گزرے تھے کہ ابن حرب بُرے نرم فطرتوں سے اندہ آیا۔ نجم اندھے منہ بہتر پر بڑی سسک رہی تھی۔ وہ غریب اگر سمجھ گیا۔ اس نے نجم کے اُٹھو پوٹھے اور کہتے لگا ”نجم! انسان! انسان سے لڑ سکتا ہے، تقدیر سے نہیں۔“ طولونی شہزادی کی آواز بھی گلوگیر تھی۔ ”مجم جانتے ہیں ابن حرب! تقدیر کا لکھا ہے مگر بنی طولون کو پیش آنے والے حوادث ہمارے لیے تکلیف دہ ہیں۔“

”آدمی کے کندھوں پر اس کی اپنی خطاؤں کا جوا ہوتا ہے نجم! اگرچہ ایک ایسے آدمی کی غلطیوں کا ذکر مناسب نہیں جو اپنی خبر میں اتر گیا کیوں کہ بستوبہ زمانہ یہی ہے کہ لوگ مجھے دانے کی نیکیاں یاد رکھتے اور خطائیں بھول جاتے ہیں لیکن تم بھی اس بات سے انکار نہ کر سکو گے۔“

ایک نئی سوچ یوں ابھری جیسے سمندری جوار کی موج ابھرتی اور ساحل کی چٹان کو شراہور کر کے ٹوٹ جاتی ہے کہنے لگا "نعم! اگر تم پسند کرو تو میں چاہتا ہوں یہاں سے ایک قاصد مصر بھیجوں، جو تمہارے پیچھے ہارون کو حارث کی سازش سے آگاہ کرے اور بتائے کہ اُس نے خلیفہ معتمد کو کیا پیغام بھیجا تھا، جو خلیفہ تک نہیں پہنچ سکا۔"

شہزادی نجم جو بڑی افسردہ اور پریشان ہو رہی تھی، ایک لحنت بہنٹل کر بیٹھ گئی اور بڑی بے چینی سے بولی "یہ تو تم نے بہت اچھی بات سوچی ہے، ہارون کی طرف قاصد بھیجنے سے دو فائدے ہوں گے، ایک تو سازش کے بروقت انکشاف سے ہارون کو سنبھلنے کا موقع مل جائے گا، دوسرے قاصد اعمون ہوگا کہ تم نے اسے قبل از وقت ایک بھیاک خطرے سے آگاہ کر دیا۔ اور یہ بات ہمارے حق میں جاتی ہے۔"

"کیا وہ قاصد کی بات پر یقین کر لے گا؟"

"اگر سازش کی اطلاع کسی ثبوت کے ساتھ بھیجے گئے تو نہ صرف یقین کر لے گا بلکہ تمہیں اپنا خیر خواہ سمجھے گا۔" پھر کچھ سوچ کر اس نے کہا "ابن حرب اُس نے سن لیا ہوگا کہ ہم تمہاری حکومت زور میں اور سمجھ جائے گا کہ قاصد ہم نے بھیجا ہے۔ ہمیں اچھے لفظوں سے یاد کرے گا۔" نجم ایل کی بات نے اُسے چونکا دیا۔ قاصد کے ساتھ حارث کی غداری کا کوئی ثبوت بھیجنے بے حذر وری تھا، فوراً کھڑا ہو گیا، اس کے ساتھ نجم ایل بھی اٹھی۔ حیران تھی کہ بچانے میں ابن حرب بے اضطراب سا کیوں ہو گیا ہے۔

ابھی تک حارث کے اچھے موٹے پر کوئی سختی نہ کی گئی، نہ اس کی تلاشی لی گئی تھی۔ اس نے کسی تشدد کے بغیر ہی سب کچھ بتا دیا تھا۔ اب ابن حرب کے حکم پر تلاشی لی گئی تو مونس کی صدی سے جو اس نے باد سے پلکے گرتے کے بھی نیچے پہن رکھی تھی، ایک خط برآمد ہوا جو "خلیفہ سلیمان معتمد باللہ ابو عباس احمد بن موفی کے نام تھا۔ چاندی کی ایک انگوٹھی بھی برآمد ہوئی، جو حارث ابو ظفر کی تھی اور جسے مونس بطور شہنشاہت ساتھ لے جا رہا تھا کہ وہ اُسی کا اچھی ہے۔ شہزادی نجم نے انگوٹھی پہچان لی۔ ابن حرب بھی وہ انگوٹھی حارث کے ہاتھ میں دیکھ چکا تھا۔ اس پر حارث کے نام کا پہلا حرف "رح" کندہ تھا۔ خط بھی اُس کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ اس میں وہی عبارت درج تھی، جسے وہ مونس کی زبانی سن چکے تھے۔

یہ دونوں ثبوت ایسے تھے جن سے حارث انکار نہ کر سکتا تھا۔ نہ اپنی انگوٹھی سے نہ

خارویہ کی طرف ایک غلطی پورے خاندان کی بربادی کا باعث بن رہی ہے۔ اس نے قطرانی کی مناکحت اور سالانہ خراج کی بجائے اگر طوہنی مملکت کو تلوار کی قوت سے تسلیم کر لیا ہوتا جیسے تم نے تجویز پیش کی تھی، تو طوہنیوں کا دبدبہ قائم رہتا مگر تمہارے بھائی نے طوہنی ریاست کو ایک محدود حصے تک منوانے کے لیے جس کمزوری کا اظہار کیا، اس نے طوہنی غلاموں میں سرکشی اور طوہنی لشکروں میں بدول پیدا کر دی۔ انھیں معلوم نہیں کہ طوہنی سپہ سالار محمد بن سلیمان کی وفاداری متزلزل ہو چکی ہے۔ شاید جیش کے قتل کا ہنگامہ بھی اسی کے ایماء پر اٹھا ہوگا؟ ابن حرب کی گفتگو نے شہزادی نجم کو در طہ حیرت میں ڈال دیا۔ طوہنی غلاموں کی سرکشی نے خارویہ کی اور طوہنی لشکروں کی بغاوت نے جیش کی جان لی تھی۔ طوہنی سپہ سالار کی وفاداری متزلزل ہونے کا ذکر سنا تو دنگ رہ گئی۔ ابن حرب نے اس کی حیرت بھانپ لی اور بتائے لگا کہ محمد بن سلیمان کا معاملہ خارویہ کی زندگی ہی میں پیدا ہو رہا تھا مگر اس پر ابراہیم خلیجی کو خفیہ مگر ان مقبرہ کر دیا گیا۔ طوہنی سپہ سالار کی بد اعتمادی خارویہ کی سیاسی غلطی کا نتیجہ تھی جس سے اُس کا رجحان بنو عباس کی طرف ہو گیا کیوں کہ فوجی آمر حکمران کی کمزوری پسند نہیں کرتے۔ شاید وہ ہارون بن خارویہ کے لیے جو ابھی بچہ ہے، کوئی کی مصیبت کھڑی کر دے۔"

"لا تم کہتے ہو، ابراہیم خلیجی کو اس پر مسلط کر دیا گیا ہے کیا وہ اُسے روک نہیں سکے گا؟" "یہ آنے والے دنوں کی بات ہے نجم۔"

اس فقرے نے طوہنی شہزادی کے دل میں ہول پیدا کر دیا۔ سن چکی تھی کہ آنے والے دن بنی طوہن کے حق میں اچھے نہیں ہوں گے۔ یکے بعد دیگرے دو قتل برسے دنوں کی شہادت دے رہے تھے۔ ابن حرب نے بات اُنکے بڑھائی "حارث جیسے وفادار آدمی کا خلیفہ معتمد کو مصر پر حملے کی ترغیب دینا ظاہر کرتا ہے کہ اس کی ترغیب کتنے پیچھے کوئی اور بھی ہے۔"

"اور کون ہوگا؟"

"شاید محمد بن سلیمان؟ وہ پُر خیال انداز میں بتانے لگا۔ حارث ایک طرف خلیفہ کو حملے کا اشارہ دے رہا ہے تو دوسری جانب اُس نے طوہنی سپہ سالار کو بھی نیشے میں اتار لیا ہوگا جو پہلے ہی بنو عباس کی طرف مائل ہے۔ اُس نے عباسی لشکر کے مصر پر قبضے اور بنی طوہن کی گرفتار کا منصوبہ بنایا ہوگا۔"

نجم ایل اس کے خیال کی تردید نہ کر سکی۔ اسے فکر مند دیکھ کر ابن حرب کے ذہن میں چاک

۵۲

مہمان

عراق، تین اطراف سے صحراؤں میں گھرا ہوا ہے۔ شمال میں بادیہ جزیرہ، مغرب اور جنوب مغرب میں بادیہ شام اور جنوب مشرق کی طرف بادیہ عراق، جو صحارے کے علاوہ ہے مادہ کا صحرائی حلقہ کوہ و دریا کے نواح تک چلا گیا ہے۔

بنی کلب کے قافلے کی منزل سوادہ کے صحرا میں بنو قلیص کی قیام گاہ تھی، جہاں پیٹنے کے لیے دومنہ الجندل کا دشوار گزار راستہ اختیار کیا گیا، قبل ازیں ایک قافلہ اسی راستے اپنی منزل پہنچ چکا اور یہ آخری قافلہ تھا جس کا بنو قلیص کے خیموں اور خفیہ امام بارگاہ میں انتظار کیا جا رہا تھا۔

شہزادی نجم العیل حسب سابق اپنے محل میں سوار تھی، قافلے میں جتنے عمل تھے ان سب میں ایک ایک خاتون سوار تھی، تاکہ خواہمیں کی تعداد زیادہ معلوم ہو سکیں اس مرتبہ شہزادی کے محل میں فلسطینی کینز دمنہ بھی موجود تھی تاکہ وہ طوفانی حسیت کو اداس نہ ہونے دے، جو جیش بن خادویہ کے قتل کی خبر سن کر غم زدہ ہو گئی اور بنی طولون کو پیش آنے والے حواریت پر بڑی پریشان تھی۔ دمنہ کا فرض تھا کہ سفر میں اس کی دل جوئی کرتی رہے۔

جو فی قافلہ روانہ ہوا، وہ شہزادی کو بتانے لگی کہ سلطان خادویہ عن احمد کی حالت پر حسب اتفاقین شہزادی کو گریسا دیتے بنی کلب میں آئے تھے، تب انھوں نے لوٹدی کو تاکید کی تھی کہ وہ دل لگا کر اپنی مالکن کی خبر گیری کرے کیوں کہ وہ جماعت کی ایک قیمتی متاع ہے جس

کے لیے وہ اور دو بھوتوں کے ساتھ ابن حرب کے قاصد کا مہر کے تھے حکمران ہارون بن خادویہ کے پاس جانا یقیناً مفید ثابت ہو سکتا تھا۔ وہ نجم العیل کے ساتھ خیمے میں واپس آگیا اور وہیں سردار نعمان کو طلب کیا۔ یہ سن کر وہ اپنا قاصد الفطاح عینا اور دونوں چیزیں بطور ثبوت اس کے ہاتھ روانہ کرنا چاہتا ہے، سردار نعمان بڑا خوش ہوا۔ "ابن حرب! تمہارا پیغام بنی طولون کو لے کر واپس مصلحت سے پچائے گا۔ لیکن عہدِ حبشہ (ہر کام کا صلہ ہوتا ہے) اور اس پیغام کا ایک صلہ یہ بھی ہو گا کہ حارث اپنے کیے کی مزا کو پہنچ جائے گا۔ پہلے وہ بنی کلب پر حملے کے لیے خود بغداد گیا، اب غیظہ کو مہر پر حملے کی دعوت دے رہا ہے۔"

ابن حرب نے پوچھا کہ وہ قاصد کے لیے کس آدمی کو مناسب سمجھتا ہے؟ سردار نعمان نے بلا جھجک ایک بلی جبران قاسم کا نام لیا، جو بہادر، انداز اور تنہا سفر کرنے میں بڑا ہوشیار تھا اور جس کے نام میں دو نام جمع ہو گئے تھے، کہوں کہ اس کے باپ کا نام بھی قاسم تھا پھر اسے بلایا اور بتایا کہ اسے آج ہی ایک ضروری پیغام لے کر مہر کی جانب روانہ ہونا ہے۔

قاسم بن قاسم کے لیے یہ ایک اعزاز تھا کہ وہ الفطاح میں ابن حرب اور شہزادی نجم العیل کا پیغام لے کر جائے اسے پیغام مع ثبوت طوفانی حکمران تک پہنچا کر سوادہ کی طرف تنہا سفر کرنا اور بنو قلیص کے خیموں میں پہنچنا تھا۔

اسی روز تیسرے پہر جب طحلتے سورج کے ساتھ بڑاؤ اٹھایا گیا، قافلہ دومنہ الجندل کی سمت اور قاسم بن قاسم مہر کی جانب روانہ ہوا، حارث کا لپٹی ٹونس، ابن حرب کے غلام عبداللہ کے سپرد کر دیا گیا تھا، جس نے اسے اونٹ پر باندھ دیا اور سخانی کی خاطر خود اس کے عقب میں سوار ہو گیا۔ جیسے وہ حارث کی گرفتاری کے بعد سفر میں اس کی نگرانی کرتا رہا تھا



۱۔ "دومنہ الجندل" جزیرہ نما عرب کے شمال علاقے کا مشہور مقام، جو مسافت کے اعتبار سے شام، عراق کے درمیان واقع ہے۔ آج کل اس مقام کو الحوف کہتے ہیں (تقریباً)

ہیں پھر بھی یہ باتیں بے مقصد نہ تھیں، ان کا کوئی مفہوم تو ضرور تھا، جس نے خیم اسیل کے دل پر
میں مدوجزہ کی سی کیفیت پیدا کر دی۔ دمنہ اس کے سینے کے آثار چڑھاؤ سے دل پر گزرنے
والی حالت کا اندازہ لگا رہی تھی اور یہ آثار چڑھاؤ بتا رہا تھا کہ اس کے اندر جذبات کا مدوجزہ
چل رہا ہے۔

خیم کے سینے میں اگر کوئی چیز اٹھل پھل پھل رہی تھی تو زہن بھی ایک نئے خیال سے دوچار
تھا وہ سوچ رہی تھی جس میں صرف چھ ماہ کے اندر جانشینی کی مسند اپنے بھائی کے لیے خالی کر گیا
جوابی پتہ اور ناگھڑ ہے۔ تیرہ برس کا دارون طوونی اجماع مملکت یا پھر اپنے چچا شیبان کے
اشاروں پر چلے گا۔ مگر فرج نے جس نگرانی کا مظاہرہ کیا ہے، اس پرنا تو پانے کے لیے کسی نگرانی
تبدیلی یا انقلابی تحریک کی ضرورت تھی، جو لشکریوں کو مصروف رکھے مگر طوونی مملکت میں کوئی ایسا شخص
اور امیر نہیں، جو نگرانی تبدیل چاہتا ہو۔ اب وہ پہلے سے زیادہ مصلحت اندیش ہو گئے ہوں گے
البتہ صرف وہ شہریوں اور لشکریوں میں نگرانی تبدیل پیدا کر سکتی ہے کیوں کہ خود عباسی اقتدار
کے خلاف ہے اور تبدیلی عباسیوں کی غالب طاقت کے خلاف پرچم بغاوت بلند کر کے پیدا کی جا
سکتی ہے۔

جب سحرہ تحریک قرامطہ میں شامل ہو گئی تھی، اس کے خیالات میں بڑی تبدیلی آگئی اور
عباسیوں کو غاصب سمجھنے لگی تھی۔ غالباً دمنہ کی گھسٹو کا مقصد بھی یہی تھا کہ طوونی مملکت کے
ذکر سے، جو عباسی خطرے کی زد میں تھی، اس کے دل میں غالب طاقت کے خلاف نفرت بھڑکانے
جائے اور دمنہ اپنے مقصد میں کامیاب رہی تھی۔ طوونی شہزادی کے رگ دریشہ میں نفرت
خون کے ساتھ دوڑنے لگی تھی۔ کچھ سوچ کر کہنے لگی۔

”دمنہ! ہم ممنون ہیں تو ہمیں آقا حسین کے ارادوں سے آگاہ رکھتی ہے جو مصر کو غاصبوں
سے بچانا چاہتے ہیں۔ ہم نے دارون کی طرف قاصد روانہ کر دیا ہے اگر اُس سے ہماری اطلاع
پر عمارت کو گرفتار کر لیا تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ کسی سے ڈرتا نہیں۔ ہو سکتا ہے قاسم بن
قاسم کے ہاتھ ہمیں کوئی پیغام بھیجے۔ اس کے پیغام سے اندازہ ہو جائے گا کہ بنی طوون کے
قائم کیا ہیں اور ان کا مستقبل کیا ہو گا۔“

”بنی طوون کا مستقبل آپ ہیں۔“

”ہم مصر سے خالی ہاتھ آئے اور بنی طوون کا مستقبل وہیں چھوڑ آئے تھے مگر اب ہم

کی حفاظت اور مدد کی بھالی ضروری ہے۔ آج اگرچہ بنی طوون سے سالانہ خراج وصول کیا جاتا ہے
اور انہیں پامال کرنے کی تدبیر یہ ہو رہی ہیں لیکن ایک وقت آئے گا جب شہزادی بنی طوون
کے دشمنوں سے انتقام لے سکے گی۔

شہزادی خیم یہ بات سن کر چونک گئی۔ ”کیا آقا حسین نے کہا تھا کہ ہم بنی طوون کے
دشمنوں سے انتقام لے سکیں گے؟“

”سیدنا نے اور بھی کچھ کہا تھا۔“

”اور کیا کہا تھا؟“ خیم نے ان جیسی پوچھ گئی۔

دمنہ بتانے لگی۔ ”انہوں نے کہا تھا، خمارویہ کے جانشینوں میں وہ صلاحیت نہیں،
جو آپ کے بھائی میں تھی۔ وہ حکومت کا تجربہ رکھتے اور میدان جنگ کے بھی آزمودہ کار تھے
مگر ان کے جانشین، سیاست اور حکومت سے نا آشنا ہیں۔ سیدنا کا خیال ہے سلطان
خمارویہ کے بعد بنی طوون میں صرف آپ حکمرانی کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ اگر حالات سازگار ہوئے
اور وقت نے ساتھ دیا تو وہ آپ کو ملکہ مصر بنانے کی کوشش کریں گے۔“

شہزادی خیم کے پورے جسم میں حیرت کی سنسنی دوڑ گئی اور دمنہ کے الفاظ، جو شاید
آقا حسین کے الفاظ تھے، خون کے ساتھ ساتھ شریانوں میں گردش کرنے لگے۔ ”مگر وجہ میں نے
اپنے بعد جیش کو، جیش کے بعد دارون اور دارون کے بعد بھائی شیبان کو جانشین مقرر کیا تھا
عباسی سلطنت کے نزدیک وہی ان کے جانشین ہیں۔ دارون اور شیبان کی موجودگی میں ہمیں
تسلیم نہیں کیا جائے گا۔“

فلسطینی کنیز کا جواب حیرت انگیز اور سنسنی خیز تھا۔ ”آپ خمارویہ الوجیش کی نہیں بلکہ اپنے
والد سلطان احمد بن طوون کی جانشین ہوں گی اور جس طرح انہوں نے تلوار کی طاقت سے ایک
معاہدہ مملکت قائم کی تھی، اسی طرح آپ تلوار کی طاقت سے اس پر قبضہ کریں گی جب آپ
دوستی کا معاہدہ منسوخ کریں گی اور عباسیوں کو دیا جانے والا سالانہ خراج روک لیں گی تو مصر
شام کے لوگ آپ کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوں گے کیوں کہ وہ عباسیہ کی غلامی نہیں چاہتے۔
شہزادی خیم نے اس طرح سوچا ہی نہیں تھا۔ دمنہ کی گفتگو نے جو جماعت کے کسی خفیہ
منصوبے کا حصہ تھی یا شاید اُس کے اپنے ذہن کی ایجاد اور ترغیب تھی، بنت طوون کو نئی
جہتوں اور نئے جذبوں سے دوچار کر دیا۔ فلسطینی کنیز سے آقا حسین نے یہ سب کچھ کہا تھا یا

ہاتھ میں حکم و اختیار کی تلوار ہے۔ اگر آقا حسین چاہتے ہیں تو ہم اسی تلوار کے ساتھ مصر میں داخل ہوں گے اور نئی طولوں کے دشمنوں سے انتقام لیں گے۔

شہزادی نجم کے سینے میں جذبات کا اتار چڑھاؤ بڑھ گیا تھا۔ فلسطینی کینز دمنے اس کا ہاتھ پکڑ کے چوم لیا۔

سفر جاری تھا اور طوبی حبیذ نے خیالوں اور نئے جذبوں سے دوچار تھی۔ دمنے محل کے شہسباز (جھروکے) کھول دیے تھے جن سے باہر کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ راستہ پر گزرنے والا تھا، چاندنی ہر طرف کھیت کر رہی تھی اور جگہ جگہ چاندنی میں قافلہ بان اپنے نیچے پہاڑی ٹیلوں کے درمیان سے گزر رہا تھا جو کچھ فاصلے پر دائیں بائیں دور تک چلے گئے تھے۔

چاندنی رات میں دشت و صحرا کا سفر خوشگوار ہوتا ہے مگر اچانک باہر کا موسم بدل گیا اور اس کے ساتھ ہی قافلہ ٹک گیا۔ شہزادی کا محل سب سے آگے تھا اور اس سے بیس پچیس قدم آگے چند محافظ سوار تھے، جو خود ہی رک گئے تھے کہ بہت دور راستے کے ابھار پیچہ سیاہ دھبے لگا ہوا نمودار ہوئے تھے اور وہ دھبے ایسے تھے کہ کوئی قافلہ انھیں دیکھ لینے کے بعد آگے نہ بڑھ سکتا تھا۔ سیاہ علمے اور سیاہ لبادے عموماً ان صحرائی لیڈروں کی علامت سمجھے جاتے تھے جو قافلوں کو گھیر کر روٹ لیتے اور قتل و خون ریزی سے بھی باز نہ آتے تھے۔ سیاہ دھبوں کی تعداد بیس سے کم نہ تھی جو اوٹوں پر سوار تھے۔ غالباً صحرائی لیڈروں نے قافلے کو روٹنے کی خاطر اس مقام کو موزوں سمجھا تھا۔ کیوں کہ دونوں جانب اونچے نیچے ٹیلے حامل تھے اور قافلے کو آگے بڑھنا یا پیچھے ہٹنا تھا۔

سیاہ پوش لیڈر نے نہیں جانتے تھے کہ وہ ایک صحرائی لشکر کا رستہ کاٹ رہے ہیں۔ انھوں نے محلوں سے اندازہ لگایا ہو گا کہ جیلے کی خواہشیں ساتھ ہیں تو کافی دولت ہاتھ لگے گی۔ وہ بدستور قافلے کی طرف بڑھتے رہے اور ایک حکم رک گئے۔ یہ صورت حال شوشنگ تھی۔ ابن حرب اور سردار نعمان بھی اپنے شتر سواروں کو لے کر آگے بڑھے۔ قافلے میں پچاس سواروں پر مشتمل ایک چھوٹا سا رستہ بھی تھا مگر ان محافظ سواروں کے علاوہ جو قافلے کے آگے آگے چلتے اور لیڈروں کو دیکھ کر رک گئے تھے، کوئی سوار نظر نہ آتا تھا۔ شاید ابن حرب نے کسی مصلحت کے تحت انھیں قافلے کے عقب میں بیچ رہا ہو، جب کہ صحرائی ڈاکوؤں کا خطرہ

ساتھ کھڑا تھا اور کوئی نہ جانتا تھا کہ ٹیلوں کی اور طے سے ان کے اور کتنے ساتھی یا محکمات مل آئیں گے۔ شہزادی نجم نے بھی اپنا محل آگے بڑھا لیا اور ابن حرب کے قریب پہنچ گئی۔ صحرائی لیڈروں کا سیاہ پوش سرخن اچانک آگے بڑھا اور ایک جگہ رک کر بدما واد میں پوچھنے لگا کہ یہ کون سا قبیلہ اور کہاں جا رہا ہے؟

سوال بالکل غیر متوقع تھا۔ جواب سردار نعمان نے دیا۔ میں نے ابھی ہی کتبہ سردار نعمان تم سے مخاطب ہوں مگر اس قافلے کا امیر مشہور جنگجو ابن حرب الکندی ہے۔

اس نے ابن حرب کا نام بیٹنا غائب اس لیے ضروری تھا کہ اس کا نام ایک رشتہ تھی اور اس کا خیال تھا ابن حرب کا نام اس کے چھوٹے بھائی کا ہے۔ اس نے یہ بھی طرف زور نہیں دیا اور قافلہ رحمت سے بچنے کے لیے کوئی تدبیروں سے الجھ کر اپنی طاقت کے مطابق نہ کرنا چاہتا تھا۔ سیاہ پوش سرخن پر ابن حرب کا نام واقعی حیرت کی بجائی بن کر گرنا۔ وہ تیزی سے ٹھہرا اور اپنے ساتھیوں سے مشورہ کر کے پھر لوٹ آیا۔ اس مرتبہ اس کی آواز پہلے سے زیادہ بلند تھی۔ ”ہم نے سنا ہے۔ ابن حرب کا بایاں بازوؤں پر چمکتا ہے۔ مگر قافلے کا امیر ابن حرب ہے تو یہیں اپنا کتا ہو بازو دکھائے۔“

پہلے سوال کی طرح یہ مطالبہ بھی عجیب اور غیر متوقع تھا۔ ابن حرب نے جوابت گھوڑے پر سوار تھا۔ بربدہ بازوؤں کا کر کے اوپر اٹھایا اور دائیں ہاتھ سے تلوار بند کی پھر سرخن سے خود کا مطلب ہوا۔ میں ابن حرب الکندی ہوں۔ مگر تم کون ہو؟

سرخن جواب دے بغیر اپنا اونٹ موڑنے لگا تو ابن حرب گرجا ”ٹھہرو“ وہ رک گیا، تو اپنا سوال دہرایا ”تم نے ابھی تک نہیں بتایا کہ خود کون ہو؟“ انھیں اس سے کوئی جواب نہ ہوا۔ چاہیے کہ سن کون ہوں۔ پس یہی غنیمت ہے کہ میں نے تمھیں پہچان لیا اور نہ اس باہر ہوں۔“

یہ کہہ کر اس نے اونٹ موڑا اور چل دیا۔ یک نکت محل سے شہزادی نجم کی آواز بلند ہوئی۔ ”ابن حرب! اس آدمی کو روکیے نہیں جانا چاہیے۔“

ابن حرب نے شتر سواروں کو اشارہ کیا۔ وہ پیچھے ہٹے۔ سیاہ پوش سرخن نے اپنے اونٹوں کی ”دھب“ ”دھب“ ”سنی“ تو فغانیز کر دی اور اپنے ہاتھوں کو کھینچ کر اشارہ کیا جن پر ابن حرب کی جگہ دھبہ ماری تھی۔ وہ کسی شتر سے بچ کر دھبہ بھاگنے

کرنا چاہتی ہے۔

اس انکشاف سے ظاہر تھا کہ بغداد کے دفتر خفیہ کو سہارہ کی طرف قبیلوں کے انتقال کا علم ہو چکا ہے اور جب دومنہ الجندل کی چھاؤنی میں بنی کلب اور ابی حرب کی آمد کا پتا چلے گا، وہاں ایک لشکر جمع جائے گا اور اسے گرفتار کرنے کے لیے عباسی لشکر قافلے پر دھاوا کرے گا۔ اس نے نائب سے سوال کیا: ”اس وقت معسکر میں صحرائی لشکر کی تعداد کیا ہے؟“
نائب نے کسی جھجک کے بغیر جواب دیا: ”پانچ سو شتر سوار“

یہ تعداد قافلے کی نفری سے دوگنی تھی۔ ان پہاڑی ٹیلوں سے جہاں فریقین میں تصادم ہوا، دومنہ الجندل کا فاصلہ صرف نو سو میل تھا اور شتر سوار دستے کا مفروضہ روزانہ نصف پیر کے انداز پر پورا لشکر لے کر وہاں پہنچ سکتا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ قافلہ خطرے سے دوچار ہو چکا اور اب اس کا دوسرے رشتے آگے بڑھنا اپنے آپ کو موت کے منہ میں دھکیلتا تھا۔
شہزادی نجم العلیل نے بھی صورت حال کی اس سنگینی پر ٹوکا اور حکم دیا کہ قافلہ دومنہ کا راستہ چھوڑ کر جنوب مشرق کی جانب رتھا کا رُوح کرے اور وہاں سے صحرائے سہارہ میں داخل ہو۔ سردار نعمان نے بتایا کہ میں رتھا کا راستہ جانتا ہوں کیوں کہ ماضی بعید میں بنی کلب اسی علاقے میں آباد رہے ہیں۔

دومنہ الجندل اور رتھا کے مغرب میں شمالاً جنوباً ریت کا بحرِ ذخار پھیلا تھا مگر قافلہ صحرائے حاشیہ پر بخوبی سفر کر سکتا تھا۔ شہزادی نجم کے حکم پر قافلے کو اپنا راستہ بدل کر صحرائی علاقے پر چلنا تھا۔ سیاح پوش شتر سواروں کو انھی کے اونٹوں پر باندھ کر قافلہ آگے بڑھا اور اپنے ٹیلوں کے حصار سے نکلتے ہی انھیں اُسے لے کر جنوب مشرق کی طرف ہویا۔

سفر کی رفتار اس قدر تیز تھی کہ اونٹ، گھوڑے، آدمی سب بھاگے جا رہے تھے جیسے کوئی خوف ناک بلا ان کا پیچھا کر رہی ہو کیوں کہ عباسی شتر سواروں کے حقِ خطرے سے وہ بالکل بے خبر تھے۔ اس کا خوف کسی ارضی بلا سے کم نہ تھا۔ اس بھاگ دوڑ کا مقصد تھا کہ وہ دومنہ الجندل کے معسکر اور اس میں مقیم شتر سوار لشکر سے دور اور دور ہو جائیں اور کوئی ان کا راستہ نہ روک سکے۔ صحرائے حاشیہ پر یہ بھاگ دوڑ صبح تک جاری رہی جب سورج طلوع ہوا وہ دومنہ سے بہت دور نکل آئے تھے اور عجیب بات یہ ہوئی کہ کسی نے ان کا تعاقب نہیں کیا تھا۔ مگر طرح بھس کے بعد بھی سفر جاری رہا اور صحرائے حاشیہ پر پڑائی سس وقت ڈال دیا، جب

نئے مگر تصادمِ قلاب ضروری تھا۔

پلٹتے ہوئے سیاح پوش شتر سواروں نے دیکھا کہ ان کے عقب میں ٹیلوں کی اوڑھے بہرہ بردار سواروں کا ایک دستہ بلائے ناکافی کی طرح نمودار ہوا جس نے ان کے فرار کا راستہ بند کر دیا تھا۔ جب کہ دوسری طرف قافلے کے شتر سوار ان پر جھپٹ رہے تھے سیاح پوش دونوں اطراف سے گھر گئے تھے اور وہ لڑائی شروع ہو گئی تھی، جس سے سردار نعمان اور غالب ابی حرب دونوں پتھا چاہتے تھے۔

سیاح پوش لیٹروں نے اپنے اونٹوں کو انفرادہ ہنگامہ لگایا کہ گھڑ سواروں کا حلقہ توڑ کر تنگی جائیں لیکن اس کوشش میں وہ نرخی یا ہلاک ہوئے۔ کبھی بہادروں نے انھیں گھیر لیا اور کندیں پھینک کر اونٹوں سے گھسیٹ لیا۔ اس حربے کے سامنے سیاح پوش لیٹرے بے بسی ہو گئے پھر بھی ان کا سرغنہ اپنے چار ساتھیوں کے ہمراہ بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ ان کا تعاقب بیکار تھا۔ وہ قافلے کی دہشت اپنے ساتھ لے گئے تھے۔

چھ لیٹرے ہلاک اور نوزخی ہوئے تھے۔ زخمیوں کو ابی حرب کے سامنے پیش کیا گیا جن میں سرغنہ کا نائب مقلی بھی تھا۔ وہ ان کے سیاح لبادوں پر چرمی پٹیلیاں دیکھ کر شک میں پڑ گیا اور نائب سے بولا: ”کون لوگ ہو تم؟“

مقلی نے بتایا کہ وہ دومنہ الجندل کی چھاؤنی میں شتر سواروں کے دستے سے قتل ہوئے ہیں اور اپنے معمول کے گشت پر تھے جن پر حملہ کر کے قافلے نے غلطی کی ہے کیوں کہ دستے کا سالار چار شتر سواروں کے ہمراہ پنج کر نکل گیا ہے اور جب وہ چھاؤنی میں اس واقعے کی اطلاع دے گا پورا لشکر نکل آئے گا اور قافلے کو گھیر لے گا۔

یہ ایک حیرت انگیز انکشاف ہوا تھا کہ وہ جن لوگوں کو صحرائی لیٹرے سمجھتے رہے وہ اصل دومنہ الجندل کی چھاؤنی کے شتر سوار تھے۔ جب کہ دوسری چھاؤنی ڈیڑھ دو سال سے تقریباً خالی پڑی تھی اور اس معسکر کے شتر سوار دستے باویہ جزیرہ کے قبائل کی سرکوبی کے لیے شمال کی طرف بھیج دیے گئے تھے لیکن نائب نے اُس کی حیرتوں میں اضافہ کر دیا اور بتایا:

”صرف دس یوم سے دومنہ الجندل کا معسکر بھر آباد ہو گیا اور وہاں شتر سواروں کا پورا دستہ بھیج دیا گیا ہے کیوں کہ حکومت کو شبہ گزرا تھا کہ شاہ کی جانب سے کچھ باویہ نشین قبیلے سہارہ میں پہنچ رہے ہیں۔ حکومت ان قبیلوں کے نقل مکانی کا اصل سبب اور مقصد معلوم

دوسرا پہر شروع کرنے والا تھا۔

رفاہ عرب کا سرحدی مقام اور دونوں جہلوں کے کم و بیش دو سو میل کی مسافت پر تھا ، جہاں سے قافلے کو مشرق کی جانب عراق میں داخل ہونا اور تقریباً ڈیڑھ سو میل کا راستہ طے کر کے سہارہ میں بنو قلیص کے مسکن تک پہنچنا تھا۔ عراقی شہزاد سوار اگرچہ قافلے کے تعاقب میں نہیں آئے تھے لیکن یہ بات بے حد خطرناک تھی کہ وہ نہ صرف قافلے کی منزل سے آگاہ بلکہ یہ بھی جانتے تھے کہ شاہ کی طرف سے کچھ بارہہ نشین قبیلے صحرائے سہارہ میں پہنچ رہے ہیں اور کیوں پہنچ رہے ہیں ؟

اس سوال کا جواب مشکل اور پیچیدہ ہے نہ تھا۔

سمادہ کے صحرا میں عراقی جاسوس اور مخبر قرمطی جماعت کے بارے میں پوچھ گچھ کرتے اور ذکر و یہ قرمطی کے علاوہ امام مکی ابو الفاسم صاحب النافہ کا ہمارے کانٹے رہنے نئے اب شام کے باد یہ نشیں تباہ کا اس طرف انتقال اس شبے کو تقویت سے رہا تھا کہ لازمی طور پر ہرگز بغاوت یہی علاقہ ہے۔

پنچترہویں درمیش تھا کہ قافلے کو کہیں بادِ عراق میں گھیر لیا جاستے۔ دوسرے اہل
کے شہر سواروں کا افسر حواچے پارسا فقیہوں کے ہمراہ بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا جب
چھائی کے سالار کو خبر دے گا کہ ابنِ حرب اہلِ مدینہ کی کلب کا قافلہ بے عراق کی طرف بڑھ
رہا ہے تو عراقی سالار ہر قیمت پر اسے گرتا کر کرنے کی کوشش کرے گا تاکہ خلیفہ معتقد کے
حضورِ نمرج روہو سکے۔ یہ بات ابنِ حرب بھی جانتا تھا کہ وہ عراق کے شاہی قافلے پر دھاوا
کر کے عباسی حکمران کے خلاف جنگ کا آغاز کر چکا ہے اور جب جنگ شروع ہو جائے تو اپنے
بیٹے تک ضرور پہنچتی ہے۔..... فتح یا شکست۔ وہ پہلے دھاوے میں ناکام ہوا تب کہیں
دوسرے مقابلے میں ناکام ہونا نہیں چاہتا تھا۔

اس سفر میں جو عباسی خلیفہ کے خلاف خروج و بغاوت کے لیے اختیار کیا گیا تھا، شہزادی نجم العلیل اس کے ساتھ تھی اور اس کی موجودگی میں اسے خود کو ایک جنگجو، جیسی اور بے رحم آدمی ثابت کرنا تھا، جو دشمن سے ہراساں نہیں ہوتا بلکہ اپنی دہشت اور ہیبت اس پر طاری کر دیتا ہے۔ اس کی جلالت کا تقاضا تھا کہ عراقی شہر سواروں سے تصادم کے بعد وہ عہد دومتر الجدل کی چھاؤنی پر حملہ کرتا اور عراقی لشکر پر بلائے ناگہانی بن کر ٹوٹ پڑتا لیکن شہزادی

نے اچانک راستہ تبدیل کرنے کا حکم دے کر معاملے کی صورت بدل دی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ میں راستے میں جنگ و جدل سے بچنا اور اپنی منزل پر پہنچنا ہے۔ تاہم اب وہ بھی محسوس رہی تھی کہ اگر عراقی شہر مواروں نے قافلے کا تعاقب نہیں کیا تو ممکن ہے وہ با حریہ عراق میں انھیں گھیرنے کی کوشش کریں۔ ابن حرب کا نام سن لینے کے بعد کوئی عراقی سالار اس سے دست بردار نہ ہو سکتا تھا۔

تیسرے روز جب قافلہ رفاہ کی سرحد عبور کر کے عراق میں داخل ہوا سب لوگ
پوری طرح چوکس تھے مگر سفر کی رفتار معمول کے مطابق تھی۔ دو لیم کا سفر کسی پریشانی کے بغیر
طے ہو گیا۔ کوئی بھی غیر معمولی واقعہ پیش آیا، نہ کسی لشکر نے ان کا راستہ کاٹا۔ آخری پڑاؤ سارہ
کی عراقی پٹی پر ڈالا گیا، جہاں سے انھیں ایک دن کی مسافت طے کر کے بنو قلیص کے غیموں
تک پہنچا تھا یہ ایک حیران کن بات تھی کہ ان عراقی شتر سواروں کو چھڑانے کی کوشش بھی نہ کی
گئی، جنہیں وہ اپنے ساتھ ہی باندھ لائے تھے۔



آخری پڑا، پرتقاقد سادان آرام کرنا اور غروبِ شمس کے بعد بنوقلیص کی جانب دروازہ
کھولا جاتا تھا۔ دوستہ الجندل سے رفہ اور رفہا سے سماوہ کی صحرائی پٹی ہمہ پانچ بزمِ بھاگ و ڈر
میں گزرے تھے۔ اب منزلِ قریب تھی اور منزلِ پر پہنچنے کا احساس بڑا خوش آئند تھا۔ اب چچو
نعم کے بعد اپنے بستر پر سوتے کی ہماری کردہ اتفاق کہ شہزادی خیم اس کے قریب آگئی۔ وہ رستے
میں اسے کسی بھی پیش آنے والے مقابلے کے لیے تیار کرتی رہی تھی جو پیش نہیں آیا تھا، اب
کھینے لگی۔

”اہم عراق میں نہیں بلکہ شہر کی کچھار میں داخل ہو چکے ہیں اور شہر کی کچھار میں داخل ہونے والا اس سے زیادہ بہادر ہوتا ہے۔“

ابن عرب نے خواب دیا: ”صحرای کھار ہے بگم! معتقد ابو عباس کی نہیں۔ وہ تو شکیلاں وقت بھی قطر الندی کے قرب سے دل بہلا رہا ہوگا۔“

نغم ایل کو دل کی شادی "ہم بھی تو تمہارے قریب ہیں۔"

تنہائی کا موقع نہ مل سکا تھا۔ ابن حرب اس کی بات سن کر مسکراتے ہوئے بولا: ”نجم! یہ بات کتنی عجیب ہے کہ میں اور خلیفہ معتقد ایک دوسرے کے دشمن ہیں مگر ہم دونوں کے انوش میں ایک ہی خاندان کی شہزادیاں ہیں۔“

شہزادی نجم بہ بات سن کر چرخ اور ابن حرب نے دونوں شہزادیوں میں ایک الٹیازمی ضروری سمجھا۔ ”اسمار قطر الندی اگر بنی طولوں کے جنگل کی قطبیہ؟ (ہرنی) ہے تو تم اس جنگل کی لبوئے (شیرنی) ہو۔“

طولوی خاتون کو اپنی تعریف پسند آئی اور شیرنی کی طرح اس کے چوڑے اور مضبوط سینے پر بوجہ مارا۔ ساقوی وحشت کے لمحے میں بولی: ”ابن حرب! خلیفہ معتقد نے قطر الندی کو حاصل کر لیا ہے لیکن شہنشاہ کے قطرے بھرنے کی ہوائی آگ کو ٹھنڈا نہیں کر سکتے۔ عباسیوں کے کے سینے کی آگ اُس وقت بجھے گی، جب وہ مصر پر قبضہ کر لیں گے۔“

”معتقد اپنی زندگی میں مصر پر حملہ نہیں کر سکے گا۔“

”تمہارا خیال ہے اظہر الندی اُسے روک دے گی؟“

”شاید قطر الندی کی خاطر وہ معاہدہ دوستی کی پابندی کرے اور مصر کے معاملات میں دخل نہ دے۔“

طولوی شہزادی کے لیے یہ ایک حوصلہ افزا خبر تھی کہ کم از کم معتقد کی زندگی میں طولوی مملکت کو کوئی خطرہ لاحق نہیں رہے گی۔ وہ معتقد کے بارے میں کچھ اور گفتگو کرنا چاہتی تھی کہ سوڈانی کینز غیر نے جیسے کے بند دروازے سے اطلاع دی کہ سردار نعمان ملنا چاہتا ہے اس کے ہمراہ ایک بوڑھا اجنبی ہے اور اسی کے متعلق بات چیت کرنے آیا ہے۔

شہزادی نجم اور ابن حرب کا سفری ٹیم بھی دوسرے خیموں سے بڑا اور تین پارچاتی کردن پر مشتمل تھا۔ اس کے دروازے پر ایک چوڑا سا شامیانہ کھڑا کیا جاتا تھا، جہاں ملاقاتی بیٹھتے تھے۔ جب وہ دونوں خیمے سے نکل کر شامیانے کے نیچے پہنچے۔ سردار نعمان بوڑھے اعلیٰ کے ساتھ موجود تھا مگر اجنبی اکبر تھا۔ ایک جوان لڑکا فضل اور تیرہ چودہ برس کی ایک لڑکی اکلند ساتھ تھی۔ بوڑھے کا نام ابوطاہر تھا۔ قریب اسی دو گدھے کھڑے تھے، جن پر ان کا مختصر سامان لدا تھا۔ سردار نعمان نے بتایا کہ بوڑھا ابوطاہر اپنے بیٹے اور بیٹی کے ہمراہ پڑاؤ میں پانی لینے آیا کیوں کہ اس کے مشکیزے میں پانی ختم ہو گیا تھا اور پوچھ گچھ کرنے لگا کہ قافلہ کہاں سے آیا

اور کدھر جا رہا ہے مگر اپنے بارے میں کچھ نہیں بتاتا اس لیے اسے روک لیا گیا ہے۔

ابن حرب نے بوڑھے ابوطاہر، اس کے چولن بیٹے فضل اور رفیع حسین لڑکی آصفہ کا بغور جائزہ لیا۔ تینوں روک لیے جانے پر پریشان ہو رہے تھے۔ ابن حرب کے اصرار پر بوڑھے نے صرف اتنا بتایا کہ وہ بصرے سے آیا اور سادہ میں جانا چاہتا ہے۔ قافلے کا رخ ملے چونکہ اسی صحرائی جانب ہے، اس لیے پوچھ لیا تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے اگر قافلہ بھی سادہ کی طرف جا رہا ہے تو صحرائیں اکیسے سفر کرنے کی بجائے ہم اس کے ساتھ ہو لیں گے۔

”سماں تو بڑا وسیع صحرا ہے، تمہیں کہاں جانا ہے؟“

بوڑھے ابوطاہر نے ذرا پس و پیش کے بعد جواب دیا: ”بنو قلیص میں۔“

یہ نام سن کر ابن حرب کے ساتھ شہزادی نجم اور سردار نعمان بھی چونکے۔ ابن حرب نے

دوسرا سوال کیا: ”کیا تمہارا تعلق بنو قلیص سے ہے؟“

”نہیں۔“ بوڑھا کچھ پریشان سا نظر آنے لگا مگر ذرا حوصلہ کر کے کہنے لگا: ”اگر آپ

سادہ کی طرف جا رہے ہیں، تو ہم بھی ساتھ ساتھ چلتے رہیں گے۔“

آصفہ نے فوراً باپ کو ٹوک دیا: ”ابا! قافلے والے یہیں نہیں جاتے، ہم انہیں نہیں جانتے

پھر غمناک خواہ ساتھ چلتے پرامر کیوں کرتے ہو۔ ہم کسی نہ کسی طرح بنو قلیص تک پہنچ جائیں گے۔“

ابن حرب سمجھ گیا تھا کہ بوڑھا ابوطاہر بنو قلیص سے اپنا تعلق چھپا رہا ہے۔ مسکرا کر بولا:

”تمہارا باپ تم سے زیادہ سمجھدار ہے آصفہ! ابوطاہر جانتا ہے کہ آج کل سادہ کا سفر خطرے

سے خالی نہیں رہا ہے۔“

”لیکن انسانی قدموں سے نا آشنا نہیں۔“ چھوٹی لڑکی آصفہ نے ایک بڑی بات کہی

جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اسے فصیح گفتگو کرنے کی تربیت دی گئی ہے۔ قبائل عرب کے بعض

خانہ سالاروں میں رواج تھا کہ وہ لڑکیوں کو شہرہ و رفعت بات چیت کی تربیت دیتے تھے۔

ابن حرب نے باپ، بیٹے اور بیٹی تینوں کو حیران کر دیا: ”اب تم لوگ یہاں سے

نہیں جا سکتے۔“

تینوں نے خوف زدہ نظروں سے اُسے دیکھا اور ابن حرب نے خود ہی وضاحت کر

دی: ”تم لوگ ہمارے ساتھ سفر کر دے کیوں کہ ہم بھی سادہ میں بنو قلیص کے خیموں تک

جا رہے ہیں۔ وہاں امام ہمارے منتظر ہیں۔“

”جب سے مناسب کہ امام کی غاصبوں سے جنگ لڑنے والے ہیں میں سے اپنی کمانی سے بچا لیا کہ پاسطوطانی دینا جمع کیے ہیں جو امام کی خدمت میں پیش کروں گا لیکن میری زندگی کی اصل کمانی میری بیٹی آصفہ ہے، جسے میں امام کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے ساتھ لے کر آیا ہوں۔ اگر انھوں نے یہ نذرانہ قبول کر لیا اور آصفہ کو اپنی کنیزوں میں شامل کر کے اسے خدمت کا موقع دیا تو بیٹی کے ساتھ میں بھی سرخ رو ہو جاؤں گا۔“

یہ کہہ کر ابوطاہر نے نیزہ چودہ برس کی آصفہ کی طرف دیکھا اور کہا: ”میری بیٹی حوران فردوس کی طرح خوب صورت اور خدمت امام کی بڑی خواہش رکھتی ہے۔“

ابن حرب کے ساتھ اب شہزادی نجم اور سردار نعمان نے بھی جہیں آصفہ پر توجہ کی نظر ڈالی تھی اواقع اُس کے چہرے پر حوران فردوس کا سا تقدس اپنا سایا ڈال رہا تھا۔ ایسی لڑکی کسی خندس ہستی ہی کے لائق تھی۔ غالباً اسی لیے اسے خوش کلامی کی تربیت دی گئی تھی تاکہ فصیح و بلیغ گفتگو کر سکے۔

اب یہ معاملہ بالکل صاف ہو گیا تھا کہ ترامطہ کے مسلک میں نقد و جنس کے نذرانے ناموں سے جہاں دیز امام، اُس کے انخوان خاص اور برحق لوگوں کی راحت و خوشنودی کے لیے کنیزوں کی خدمت کے جو غنائد رائج کیے گئے تھے، باب، بلاٹا اور بیٹی ان پر عمل کرنے کے لیے تھے۔

ابوطاہر کے پاس امام کو نذرانہ دینے کے لیے پانچ صد طاقی دینار تھے جو ان فضل کے پاس خروج میں حصہ لینے والی تیج جہاد تھی اور نیزہ چودہ برس کی آصفہ کے پاس حسن، دوشیزگی، اور خوش کلامی کا سرمایہ تھا اور اس عمر میں امام کی خدمت کا جذبہ رکھتی تھی۔ ابوطاہر نے اپنا حال کھول کر بیان کر دیا تھا۔ اب سردار نعمان نے بھی اپنے بارے میں کچھ بتانا مناسب سمجھا اور کہا:

”ابوطاہر! میں بنی کلب کا سردار نعمان ہوں اور قناطے کے جس امیر سے تم باتیں کر رہے ہو، وہ یہ عرب کے مشہور جنگ جو ابن حرب الکندی اور نائب اقا حسین کے مثنیٰ ہیں، جن کے اندر اقا حسین نے حلول کیا اور انھیں ”اپنا دوسرا“ قرار دیا ہے۔ پھر اس نے شہزادی نجم کی طرف اشارہ کیا: ”یہ بنی طویں کی شہزادی نجم الیل ہیں۔ مصر و شام کے سلطان ہر حرم امین طویوں کی بیٹی، سلطان خادویہ بن احمد کی بہن اور ابن حرب کی زوجہ، جنھیں انا حسین نے ”ملکہ صحرا“ کا خطاب دیا ہے۔“

یہ تعارف باکثافت، باپ، بیٹے اور لڑکی کے لیے اس قدر حیرت انگیز اور سنسنی خیز

ابوطاہر، فضل اور آصفہ پر حیرت کا ایک سکتہ سا گزر گیا۔ ابن حرب نے اپنے عقیدے کے بارے میں جسے بوڑھا ابوطاہر چھپاتا رہا۔ واضح اشارہ دیا تھا۔ ”امام“ کا لفظ سن کر اس کے ہونٹ کپکپائے۔ ”امام کی بیٹی ابوالقاسم“

اس نام کے ساتھ بوڑھے ابوطاہر کا عقیدہ کبھی دل کے تنہا خانے سے نکل کر زبان پر آگیا اور ابن حرب نے دوسرے اشارے سے اس کی مکمل تائید کر دی: ”ہاں۔۔۔۔۔ صاحب الناقہ۔“

”صاحب الناقہ“ کی اصطلاح صرف قرطبی شیخ امام کی بیٹی ابوالقاسم کے لیے استعمال کی جاتی تھی۔ بوڑھا ابوطاہر بکا رہا تھا۔ ”بلکہ دُک من قال (جس نے یہ کہا، خدا اُس کا بھلا کرے) اب یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ ان سب کی منزل ایک ہی تھی۔ ابوطاہر بھی امام کی بیٹی ابوالقاسم کا پیر و کار اور قرطبی عقیدے کی رسیوں میں بندھا ہوا تھا۔ اس نے بڑی محبت کے ساتھ ابن حرب سے مصافحہ کیا اور جذباتی لہجے میں کہا: ”اگر آدمی کی آنکھیں اُسے دھوکا دے سکتی ہیں تو یقیناً میں نے آپ کو پہچانتے ہیں غلطی کی اور اپنا عقیدہ آپ سے چھپایا۔“

ابن حرب نے اس کی حوصلہ افزائی کی: ”اخفا بھی جماعت کے عقیدوں میں سے ایک عقیدہ ہے۔“

ابوطاہر کے ساتھ فضل اور آصفہ کے چہروں پر مسرت کی لہر دوڑ گئی کہ ہم عقیدہ اور ہم خیال لوگوں سے ملاقات ہو گئی ہے۔ اب ابن حرب نے بھی اخفا کی کوئی ضرورت نہ سمجھی اور بتایا: ”ابوطاہر! بنی کلب کا فائدہ ہے جو شام کے قبائلی علاقے سے امام کی دعوت پر عراق میں آیا ہے کہوں کہ امام غاصبوں کے خلاف خروج کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔“

ابوطاہر کی آواز میں بھی جوش پیدا ہو گیا: ”جناب! میں اور میرا بیٹا فضل بھرے سے اسی لیے آئے ہیں کہ جہاد میں شریک ہو سکیں۔ میں نے فضل کو لڑائی کی خاص تربیت دی ہے اکیلا کئی دشمنوں پر بھاری رہے گا۔“

”مگر آصفہ جیسی خوب صورت لڑکی کو ساتھ لانا مناسب نہیں تھا۔“

اس نے آصفہ کو بھرپور نظروں سے دیکھا تو لڑکی نے شرما کر گردن جھک لی۔ بوڑھے ابوطاہر نے بتایا: ”جناب! یہ امام کی امانت ہے۔“

”کیا مطلب؟“

۵۳

دانہ و دام

تھا کہ یمنوں جبریت اور شوق کی نظر اور سے انھیں دیکھنے لگے۔ ابوطاہر نے فرط عقیدت سے ابن حرب کے سامنے سر جھکا دیا۔ اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ فضل نے بھی باپ کی پیردی کی پھر باپ کے اشارے پر جبین آصفہ نے پہلے ابن حرب کے ہاتھ چومے پھر شہزادی نجم کے ہاتھوں پر عقیدت کے بوسے دیے اور کہا۔

”سمبارک ہیں وہ ہسٹیاں جن کی تکمیل موت سے پہلے ہو گئی۔“
 شہزادی نجم نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیا اور آصفہ سے بوجھا۔ ”تم بھی اپنی ذات کی تکمیل چاہتی ہو؟“

اس کا جواب حیران کر دینے والا تھا۔ ”دنیا میں ہر انسان کی خواہ وہ مرد ہو یا عورت، اپنی رائے اور اپنی مرضی ہوتی ہے مگر میری رائے اور میری خوشنودی صرف امام کی خوشنودی ہے اور ان کی خوشنودی ہی میری ذات کی تکمیل ہے۔“

شہزادی نجم نے اُس کے اعتقاد اور جذبے کی تعریف کی۔ ”آصفہ! تم ایک خوب صورت اور عقیدت مند لڑکی ہو۔ تم تمہیں خود امام کی خدمت میں پیش کریں گے، وہ تمہیں اپنی کنیز بنا لیں گے۔“

آصفہ کی آنکھوں میں احسان مندی کی چمک ابھری اور بوڑھا ابوطاہر شکر گزاری کے جذبے سے بولا۔ ”یہ آپ کا احسان ہوگا۔ مَن لَہُ الْمُؤْمِنُ فَکُلُّہُ الْکُلِّ (جس کا کوئی دوست ہو، اس کے لیے سب کچھ ہے)“

”اب آصفہ ہماری مہمان ہے۔ ہمارے پاس رہے گی اور ہمارے ساتھ سفر کرے گی۔“ پھر شہزادی نے نئی کلب کے سردار کی طرف ہاتھ اٹھایا۔ ”سردار! نعمان! ابوطاہر اور فضل کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ یہ دونوں تمہارے مہمان ہیں۔“

اس عنایت کا شکریہ ادا کرنے کے لیے بوڑھے ابوطاہر کے پاس الفاظ نہیں تھے اور آصفہ جس کے پاس الفاظ تھے، کچھ بول نہ سکی۔ اسے ہر لفظ شہزادی نجم کی مہربانی کے مقابلے میں ہلکا جھکس ہو رہا تھا۔ یوں لگتا تھا، باپ بیٹی کو شہزادی نجم اٹھیل اور ابن حرب نہیں ملنے جنت کی بکری لگائی ہے۔ عزیز اور دیندار کسی وقت طلب کر کے آصفہ کو ان کے سپرد کر دیا کہ شہزادی کی مہمان ہے۔

شاہ کو جب قافلہ صحرائے سادہ کی طرف روانہ ہوا، آصفہ شہزادی نجم اٹھیل کے ساتھ محل میں نظر کر رہی تھی۔

بغداد میں حبش بن خارویہ کے قتل کی خبر پہنچی تو اتر صافہ میں ایک بار پھر کھرام بپا ہو گیا۔ یہ خبر بھی شاہ کے طرلونی گورنر طنج بن جف کا سرکاری قاصد نے کر آیا تھا۔ اس نے اطلاع دی تھی کہ حبش کی تجہیز و تکفین کے بعد سلطان خارویہ بن احمد کے دوسرے بیٹے اور دوسرے جانشین ہارون بن خارویہ نے حکومت کے اختیارات سنبھال لیے ہیں۔ وزیروں، مشیروں، فوجی سپہ سالاروں، قاضیوں اور اعیان مملکت نے نئے حکمران کی وفاداری کے حلف اٹھالیے ہیں اور خلافت ماب کوئی طویل کے ایک عزیز اور مہربان دوست ہونے کے ناتے ان واقعات کی اطلاع دی جا رہی ہے۔

طنج بن جف نے قاصد کے ہاتھ شہزادی اسماعیل قطر الدینی کے لیے ایک تعزیت نامہ بھی بھیجا تھا، جس میں اس المناک اور تکلیف دہ سانحے پر اسے صبر و تحمل کی تلقین کی گئی اور نئے حکمران اور بن خارویہ کی طرف سے نوید دی تھی کہ وہ زمینی فاصلوں کے اعتبار سے اگرچہ دوسرے لیکن قریبی طور پر اپنی بس سے قریب تر ہے اور اس کا پورا خیال رکھے گا۔

شہزادی اسماعیل قطر الدینی چھ ماہ قبل اتر صافہ میں اپنے باپ کا سوگ منا چکی اور ابھی اس کی موت کا صدمہ بھول نہ پائی تھی کہ بھائی کے قتل کی خبر دل پر پیا چرکا لگا گئی اور سننے ہی خوش کھا کر گری گئیں۔ دل نے جلدی سے اتفاق کر سہری پر لٹا ہوا خلیفہ مقصد کو اس کی بے ہوشی کی اطلاع پہنچی۔ شاہی حکم کی طرف غلام دوڑے۔ مقصد کے حادثے کی خبر اور طرلونی گورنر کی تحریر قمر خلافت ہی میں

یہ بیان مسند میں آیا ہے کہ شامیہ کے حکمران زیادۃ اللہ کو ذرا معزول کر کے بنی
اعلیٰ کی حکومت کا خاتمہ کر دیا جائے اور وہاں کسی ایسے شخص کو مسند اقتدار پر بٹھایا جائے
جو مدنی فحریک کا مقابلہ کر سکے۔

بعض امرا کے نزدیک ہارون بن خمار ویکوہ سلطان کی بجائے امیر کے لقب
سے یاد کرنا چاہیے۔ اور آئندہ طوونی مملکت میں امیر المؤمنین معتضد باللہ ابو عباس احمد بن
طوونی علیہ کے نام کا خطبہ پڑھا جائے۔ خلیفہ معتضد ابو عباس نے یہ سب باتیں سنیں اور
خاموش رہا۔

طوونی شہزادی اسماء قطر المسندی کو دھڑکا سا لگ رہا تھا کہ شاید اس مرتبہ خلیفہ اسے وزیروں
میں سے ہارون اور امراء سلطنت کا مشورہ مسترد کر سکے گا اور اس دھڑکے کی وجہ یہ تھی کہ جس چپٹ
کی کڑیاں ٹوٹ جائیں، اُسے کوئی شہتیرہارا نہیں دے سکتا۔ سلطان خمار ویکوہ اور حبش کے ٹوٹ
جانے کے بعد طوونی ریاست کی تسخیر آسان ہو گئی تھی۔ فوج کی وفاداریاں بھی مشکوک سمجھی جا رہی
تھیں۔ قطر المسندی کا دل اگرچہ کسی نامعلوم خطرے سے لرز رہا تھا تھا اور وہ شوہر سے بہت
کچھ پوچھنا چاہتی تھی مگر اس نے فوراً اس معاملے پر بات چیت مناسب نہ سمجھی اور صرف یہ سوچتی
رہی کہ اپنی گفتگو کا آغاز کہاں سے اور کس طرح کرے؟

معتضد قطر المسندی کی دل جوئی کے لیے کئی روز سے الرصافہ ہی میں مقیم تھا۔ خلیفہ کی حرموں
نے اپنے حصے کی کچھ راہیں طوونی شہزادی کو دے دی تھیں، جو بھائی کی رحلت کے عدے سے
دو چار تھیں، تاکہ شوہر کی صحبت میں اس کا غم غلط ہو۔

بندہ کی حرم سراؤں میں جہاں بڑے بڑے سردار، امرا اور شیوخ زمین تین چار چار
حرموں کے علاوہ متعدد لڑکیاں اور کیزریں بھی رکھتے تھے، یہ دستور تھا کہ اگر کسی بیوی کو کوئی حادثہ

زیادۃ اللہ ابو عباس عبد اللہ بن ابراہیم بن احمد بن اعلیٰ کا بیٹا تھا، قبیلہ بنی مدی
کے داعی ابو عبد اللہ شیبی سے محو کے جاری تھے کہ والی افریقہ ابراہیم بن احمد نے وفات
پائی اور اس کا بیٹا ابو عباس عبد اللہ مسند پر بیٹھا مگر ٹھوڑے دنوں میں وہ بھی فوت ہو گیا۔
اور زیادۃ اللہ اس کا جانشین مقرر ہوا۔ اس کا چچا احوال ابن ابراہیم ایک کامیاب جرنیل تھا
جس نے ابو عبد اللہ کو شکست دے کر کوہ انجوان کی طرف بھاگا دیا تھا مگر زیادۃ اللہ نے
دقیقہ جاننا اگلے صفحہ پر

مل گئی تھی اور وہ قطر المسندی کی دل جوئی کے لیے الرصافہ کی طرف چلا آیا تھا، البتہ اس نے نقل
کو بدر کے ہمراہ اپنے آگے آگے بھیج دیا تھا کہ طوونی شہزادی کو بھائی کے ہلاک ہونے کی خبر
دی سنائے۔

جب تک معتضد الرصافہ میں پہنچا۔ قطر المسندی کو ہوش آگیا تھا مگر اس فذلیم زندہ اور
پریشان نظر آتی تھی کہ اپنے آپ کو کینزوں اور خادماؤں کے جھرمٹ میں بھی تنہا محسوس کر رہی تھی۔
معتضد ابو عباس نے اپنی چھوٹی اور سب سے پیاری حرم کی دل جوئی اور ہمدردی میں کوئی
کسر اٹھا نہ رکھی۔ اس اثنا میں اس کی دوسری حرمیں، عباسی خواتین اور امراء اور دوسا کی بیگمات بھی
تقریب کے لیے بیٹھ گئیں۔ قطر المسندی کے دل کو اگرچہ گہرے صدمہ پہنچا تھا کیوں کہ وہ حبش کو بہت
عزیز رکھتی تھی لیکن دستور زمانہ یہی ہے کہ آدمی مرنے والے کے ساتھ مرنے نہیں جاتا البتہ یاد کر کے
ٹھنڈی آہیں بھرتا اور اس کا صدمہ محو کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

جیمک خاتون، شہب خاتون اور فتنہ بانو نے قطر المسندی کو کنسی وی عباسی خواتین اور امراء
کی بیگمات نے اس کا غم بانٹنے کی کوشش کی اور اسے صدقہ و خیرات کا مشورہ دیا کہ چھ ماہ کے
اندر باپ اور بیٹے کی غیر طبعی اموات، آفات کی علامت ہیں اور صدقہ و خیرات سے آفتیں اور
بلائیں ٹل جاتی ہیں۔ ان باتوں سے عباسی خواتین نے اسے اپنی رفاقت کا احساس دلایا اور
اس کے دل کا بوجھ کچھ ہلکا ہو گیا۔ قطر الرصافہ میں قرآن خوانی کا اہتمام بھی کیا گیا۔ صدقہ و خیرات
کے علاوہ مرنے والے کے لیے دعائیں بھی مانگی گئیں اور زمین چار دن کے اندر قطر المسندی کی
طبیعت سنبھل گئی مگر انھی ایام میں اُس نے جو دوسری خبریں سنیں، وہ بے حد تشویشناک اور
حوصلہ شکن تھیں۔

عباسی امراء نے خلیفہ معتضد کو مشورہ دیا تھا کہ اب مصر پر بنی العرقبہ کے لینا چاہیے۔
ان کا خیال تھا، طوونی لشکر اپنے حکمرانوں سے برگشتہ ہو چکے ہیں۔ چچہ حمیوں کے اندر غلاموں
نے خمار ویکوہ اور لشکریوں نے اس کے پیلے جانشین کو ٹھکانے لگا دیا ہے اور اگر ہمارے
لشکروں نے مصر کا رخ کیا تو وہاں عباسیوں کے سپاہ پرچموں کا استقبال کیا جائے گا۔
وہ لوگ جو خمار ویکوہ کی ہلاکت پر خلیفہ کو مشورہ دے رہے تھے۔ اب اصرار کرنے
لگے کہ مصر و شام پر عباسیہ کا حکم نافذ کیا جائے۔ بلاذری کے ناظم الامور کی رائے میں مصر
پر قبضہ کرنے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہو گا کہ عباسی لشکر قبروان میں بھی مداخلت کر سکیں گے۔

من اخیر شباب اور سداول جسم نے معتقد کو اپنا دیوانہ کر رکھا تھا تو جیک خاتون، شعیب
ناتون اور فتنہ بانو کو بھی یہ اعزاز حاصل تھا کہ وہ تینوں معتقد کے بیٹوں کی ماہیں بن چکی تھیں
اور عمران خاندان میں وہی عورتیں زیادہ اہم سمجھی جاتی ہیں جو سخت و ناسمجھ کے وارث پیدا کریں
بیکہ قطر الندی شادی کے بعد اس افتخار سے محروم رہی اور ابھی تک سلطنت کا کوئی وارث
پیدا نہ کر سکی تھی۔

معتقد کی حرموں کا خیال تھا، ان کا عاشق مزاج شوہر خود بھی نہیں چاہتا کہ اس کی
جھوٹی اور پیاری حرم بھی یہ بوجھ اٹھائے کیوں کہ پہلی تین حرموں سے اس کی اولاد موجود تھی بیٹے
موجود تھے۔ اس لیے وہ خواہش رکھتا تھا کہ قطر الندی ایک خوش ادا اور حسین محبوبہ کی طرح اسے
اپنی راحتوں سے شاد کا کتنی رہے۔



طلونی شہزادی کے صدمے پر تیسرا ایام بیت گیا تھا اور اس عرصے میں اُس نے وہ بات
سوجھ بوجھ جو شوہر سے کرنا چاہتی تھی مگر اسی شہزادہ کا دل روشن ہو چکے تھے اور وہ معتقد
ابو عباس کے ساتھ خلوت میں تھی خود معتقد نے وہی بات چھیڑ دی جس کا وہ بخشت رکھتی تھی اور
کھلے لگا۔

”اسما! عباسی امرا مشورہ دے رہے ہیں کہ ہم مصر دشمن پر قبضہ کر لیں اور ان کا اصرار
ہے کہ فوجی یلغار میں دیر نہ کی جائے ان کے نزدیک طولونی لشکر اپنے حکمرانوں سے برگشتہ ہو چکے
ہیں اور ہمارے سیاہ پرچموں کا استقبال کریں گے۔ مصر پر قبضہ کر کے ہم شمالی افریقہ پر بھی اپنا
حکم و اختیار نافذ کر سکتے ہیں۔ ان کا دوسرا مطالبہ یہ ہے کہ طولونی مملکت کو امارت میں تبدیل کر دیا
جائے اور ہارون سے کہا جائے کہ وہ ان خطبوں میں ہمارا نام شامل کیا جائے۔ اس کا مطلب
یہ ہوگا کہ مصر دشمن کی وہ خود مختاری جسے ہم نے تین برس کے لیے تسلیم کر لیا تھا، ختم ہو جائے گی۔
مگر آج ہم اپنے امرا کے مشوروں کو مسترد کر کے کہہ رہے ہیں اور انہیں جو جواب ہم نے تمھارے
والد خاندان کی وفات پر دیا تھا، وہی جواب تمھارے بھائی جیش کی رحلت پر دیا ہے کہ مصر کے
حالات جیسے بھی ہیں، ہم وہاں مداخلت نہیں کریں گے اور جس معاہدے پر دستخط کر چکے ہیں اس
پر قائم رہیں گے۔ ہمارے مشیروں نے کہا ہے کہ ہارون بن خضار ویرانہ بھی کچھ ہے اور امیر حکمرانی

یا صدر پیش آجاتا تو دوسری حرمیں یا سونکیں نہ صرف اُس کے غم میں شریک ہوتیں بلکہ اپنی باری
کی راتیں بھی اُسے دے دیتی تھیں۔ ان کے نزدیک ان راتوں میں غم زدہ حرم کو اپنے شوہر کی
ہمدردی، دل جوئی اور قربت کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ جو اس کے جذباتوں کا رخ کسی اور
جانب موڑ دیتی ہے۔

”عرب معاشرے میں ”سونن کے جلاپے“ کا وہ تصور نہیں تھا جسے جنوبی ایشیا کے
ملکوں میں بڑی اہمیت دی جاتی ہے، بلکہ جیسا ہم مابستی میں بتا چکے ہیں عرب معاشرے میں
چار چار حرمیں، زیادہ سے زیادہ خوب صورت کنیزیں اور زیادہ سے زیادہ غلام رکھنا، امیری،
خوش حالی اور مردانگی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ عورتوں میں بھی یہ بات معیوب نہ تھی۔ وہ اپنے شوہر
کی حرموں، کنیزوں اور غلاموں کی کثرت پر فخر کرتی تھیں جس مرد کے گھر میں ایک بیوی اور ایک
کنیز ہوتی، اُسے کمزور اور غریب آدمی کہا جاتا تھا۔ اگرچہ خود ستانی اور دوسروں کی عیب جوئی کی
عادت یا خصلت جو اکثر عورتوں میں پائی جاتی ہے عرب معاشرے میں بھی موجود تھی لیکن اونچے
گھرانوں، بالخصوص شاہی عیالات میں جہاں عالی نسب حرموں کی کثرت اور خوش انداز کنیزوں اور
نژادوں کی بھیر ہوتی تھی، سیاست اور مصلحت کے تحت بھی بیگمات ایک دوسری سے خوش گو
تعلقات رکھتی تھیں۔

شہزادی قطر الندی کے ساتھ خلیفہ معتقد کی حرموں کا سلوک اس لیے بھی امتیازی تھا کہ مصر
بعد اسے ایک ماہ کی مسافت پر تھا اور قطر الندی اپنے عزیزوں سے کوسوں دور تھی پھر وہ معتقد
ابو عباس جیسے پُر جلال خوش حال اور طاقت ور مرد کی (جو اپنی حرموں اور کنیزوں میں بڑا مقبول
اور محبوب تھا) سب سے خوب صورت، چھوٹی اور پیاری حرم تھی۔ لہذا ساری حرمیں اس کی
خوشنودی کا خیال رکھتی تھیں۔

انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ طولونی شہزادی کے حسن و جمال نے معتقد کو اپنا اسیر کر لیا تھا
اور وہ اس کی صحبت زیادہ پسند کرتا تھا مگر اس بات پر حسد نہ کرتی تھیں۔ اگر قطر الندی کے نزدیک
(بقیہ کچھ صفحہ کا حاشیہ)

اس خیال سے کہ کہیں وہ اس کے معاملات میں مداخلت نہ ہو، اسے دھوکے سے بلکہ قتل
کر دیا تھا۔ زیادۃ اللہ بیک عباسی کی اصلاحیت نہ رکھتا تھا۔

(تاریخ ابن اثیر جلد ۸، تاریخ ابن خلدون حصہ ۸)

نئے معنی پہنانے لگی۔ ”ابو عباس! کبھی کبھی ہم سوچتے ہیں، آپ کی قبیلوں حرموں نے آپ کے بیٹے جنے ہیں لیکن اب ایک بیٹا آپ کے صلب اور ہمارے بطن سے ہو جس کے جسم میں ابو عباس اور بنی طولون کا مشترکہ خون گردش کرے۔“

اس وضاحت نے معتقد کی حیرت میں کچھ اور اضافہ کر دیا۔ وہ کچھ گیا کہ قطر الندی ایک ایسے بیٹے کی ماں بننا چاہتی ہے جس میں عباسی اور طولونی خون کی آمیزش ہو اور مقصد یہ تھا کہ عباسی اور طولونی خون کے اشتراک سے بنی طولون کے وجود کو تقویت دینا چاہتی ہے۔ اس کی نیت پر قبیلگی دے کر بولا۔ ”اسماء! ہمیں تمہاری خواہش عزیز ہے لیکن ابھی.....؟“

قطر الندی نے اُس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ بات کاٹ دی اور غالباً یہ بھی کچھ گئی کہ وہ کیا کہنے والا ہے پھر شوہر کے ان کے الفاظ کا جواب دینے لگی۔ ”ابو عباس! ہماری تمام رنجشیں آپ کے لیے ہیں۔ ہم اس بات پر خوشش ہیں کہ آپ ہمیں بہت چاہتے ہیں اور اپنی دوسری حرموں سے زیادہ وقت دیتے ہیں۔ آپ نے ہماری ہر خواہش پوری کی ہے مگر اب ہمارے دل میں ایک ہی غم ہے کہ جب ہم اپنے اقربا سے ملنے مصر جاؤں تو آپ کی ایک نسل ہمارے بطن میں ہو، جسے ہم القطائع کے شاہی محل میں جنم دیں؟“

”معتقد نے مسکرا کر جواب دیا۔ ”خدا نے چاہا تو تم ہماری ایک نسل کی ماں بنو گی۔“ اسی لمحے دروازے پر مدغم سی دستک ہوئی اور کیز نے اطلاع دی۔ ”امیر المومنین! منیبہ کا ناظر اعلیٰ بدر حاضری کا طلب گار اور کمرہ ملاقات میں حضور کا منتظر ہے۔“

بدر کی بے وقت آمد خالی از علت نہ ہو سکتی تھی۔ خلیفہ معتقد نے اپنی خوب صورت طولونی قوم کو الگ کیا اور اس کے خیالوں کے ساتھ چہرے پر ایک خوش گوشت اور تندہلی چھوڑ کر کمرہ ملاقات کی طرف ہولیا۔



بدر کے ساتھ دو ممتاز الجندل کے شتر سواروں کا سرخینہ مالک بھی تھا۔ خلیفہ کو دیکھ کر دونوں کو نشہ بجالائے اور جب وہ اچی مسند پر بیٹھ گیا تو بدر ہنسنے لگا۔ ”امیر المومنین! مالک، دو ممتاز الجندل کے معمر میں شتر سواروں کے ایک دستے کا افسر ہے۔ یہ آج ہی بغداد پہنچا اور کہتا ہے کہ شام کی طرف سے بنی کلب کا ایک قافلہ عراق کی طرف آ رہا تھا کہ گشتی دستے سے اس کا

کو نہیں بچھتا۔ لیکن ہے کوئی طالع آدما فوجی سرڈار مصر پر اپنا اقتدار نافذ کرے مگر پہلے کی طرح ہمارا جواب پھر یہی تھا کہ جو لوگ مصر کو ہانے کی کوشش کریں گے، ہماری تلوار ان کے خلاف اور ہارون کی حمایت میں بلند ہوگی۔ ہم تمہارے چھوٹے بھائی کو اپنا حکم و اختیار نافذ کرنے کا پورا موقع دیں گے اور معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کریں گے۔ اب یہ بات بات بڑن اور اس کے مشیروں پر منحصر ہے کہ وہ ہمارے ساتھ کیا بڑناؤ کرتے ہیں۔“

قطر الندی یہ باتیں سن کر بیک وقت حیرت اور مسرت کے گرداب میں چکر کھانے لگی۔ جو کچھ رہی تھی شاید وہ اس مرتبہ اپنے امرا کے مشورے مسترد کر سکے گا لیکن اُس نے ایک بار پھر اپنے مشیروں کی صلاح ماننے سے انکار کر دیا اور بنی طولون کے ساتھ دوستی کا معاہدہ قائم کیا تھا۔ طولونی شہزادی نے اسے سپاس کی نظروں سے دیکھا اور کہا۔

”ابو عباس! آپ بڑے صادق الودعہ اور عالی ظرف عباسی ہیں۔ آپ کی ذات ہمیں ڈھارس دیتی ہے۔“

”اسماء! ہم لوگوں کے مشورے سنتے مگر پیروی صرف اپنے ضمیر کی کرتے ہیں۔“ یہ کہہ کر وہ ایک دو قدم آگے بڑھا اور کہنے لگا۔ ”تم خادوہ کی وفات پر مصر نہیں جاسکی تھیں۔ اب تمہارا بھائی دنیا سے رخصت ہو گیا ہے۔ اگرچہ ہولو کچھ دنوں کے لیے انقطاع علی جاؤ، ہم تمہارے سفر کا انتظام کر دیں گے۔“

قطر الندی نے ایک پل سوچا، پھر کہنے لگی۔ ”ہم چاہتے ہیں، مصر جائیں اور اپنے عزیز اقارب سے ملیں۔“ یہ کہہ کر اُس کے بڑھی اور اپنی دونوں ہاتھیں شوہر کے گلے میں حاصل کر دیں۔ ”مگر میری جانب سفر کرنے سے پہلے ہم کچھ اور چاہتے ہیں؟“

معتقد نے بڑے پیار سے پوچھا۔ ”اور کیا چاہتی ہو؟“ قطر الندی نے اُس بات کے اظہار کا موقع پیدا کر لیا جو سوچ رکھی تھی اور وہ مقدس خواہش بیان کرنے لگی جو ہر عورت کے دل میں دھڑکتی ہے بڑے سیدھے سادے اور صاف لفظوں میں بولی۔ ”ابو عباس! ہم آپ کے بچے کی ماں بننا چاہتے ہیں۔“

معتقد نے اُسے حیرت کی نظروں سے دیکھا، حالانکہ اس میں حیرت کی کوئی بات تھی شادی کے بعد ہر عورت بچے کو جنم دینا اور اسے دو دھڑپنا ناچاہتی ہے۔ اسی جذبہ تخلیق پر انسانی زندگی کا دار و مدار ہے، قطر الندی نے شوہر کی حیرت بھانپ لی اور اپنی خواہش کو

نصدام ہو گیا۔ قبیلے کا سردار نعمان مگر قافلے کا امیر ابن حرب الکندی تھا۔

ابن حرب کا نام سن کر معتقد ابو عباس نے مسند پر بے چینی سے پہلو بدلا اور حکم دیا۔
”ملک جو اطلاع لے کر آیا ہے خود بیان کرے۔“

ملک کی پکارتی آواز میں بتانے لگا کہ کس طرح رات کے گشت میں اس کے دستے کی مدد میں
بنی کلب کے قافلے سے ہو گئی اور جب سردار نعمان نے بتایا کہ قافلے کا امیر ابن حرب کا مشہور گھوڑا
ابن حرب الکندی ہے تو اس کے سانچے حیران رہ گئے۔

معتقد نے اُس کے بیان پر جرح کی۔ ”سردار نعمان کو ابن حرب کا نام بتانے کی ضرورت
کیوں پیش آئی؟“

”عالی جاہ باغلام کا خیال ہے، سردار نعمان کو ہم پر صحرائی قزاقوں کا شہ ہوا تھا کہ
ہمارے سردوں پر سیاہ حملے اور جہموں پر سیاہ لبادے تھے۔ اس نے جنگ جو ابن حرب کا نام
لے کر غالباً ہمیں خوف زدہ کرنے کی کوشش کی تھی کہ ہم قافلے کا راستہ نہ چھوڑ کر چلے جائیں مگر
جانتا تھا ابن حرب حضور کا باغی ہے۔ میں نے اطمینان کی خاطر اس کا کٹا ہوا بازو دیکھنے کی خواہش
کی اس نے اپنا بریدہ بازو ہمیں دکھایا۔ اب میں اپنے شترسواروں کو لے کر معسر کی طرف
بڑھ جانا چاہتا تھا تاکہ سالار کو ایک باغی کے آنے کی اطلاع دوں، جو امیر المومنین کو زندہ یا مرنے
مطلوب ہے اور پورے لشکر کے ساتھ قافلے پر دھاوا کروں مگر قافلے کے رسالے نے ہمیں عقب
سے گھیر لیا۔“

پھر ملک نے تصادم کی تفصیل اور خود چار شترسواروں کے ہمراہ گھیرا توڑ کر فرار ہونے
کی روداد بیان کی اس نے بتایا کہ جب وہ چھاؤنی سے سالار لشکر کی ملک لے کر اس جگہ پہنچا
جہاں تصادم ہوا تھا، تو قافلہ راستہ بدل کر رفاہ کی طرف جا چکا اور ہمارے چند شترسواروں
کو بھی گرفتار کر کے لے گیا تھا۔ سالار لشکر نے قافلے کا تعاقب مناسب نہ سمجھا کیوں کہ وہ سمارہ
کی طرف جا رہا تھا اور جب قافلے کی منزل معلوم ہو اس کے پیچھے بھاگنا مناسب نہیں ہوتا۔ دوسرے
دن سالار نے اسے حضور کی طرف روانہ کر دیا تاکہ امیر المومنین کو باغی کے آنے کی خبر دی جائے۔
یہ روداد سن کر معتقد کی آنکھوں میں ایسی چمک پیدا ہوئی جو شکاری کی آنکھوں میں اُس
وقت پیدا ہوتی ہے جب شکار جو چل کر اس کے نشانے کی زد پر آجائے۔ اس نے درشت لہجے
میں پوچھا کہ کیا تمہیں یقین ہے کہ قافلہ رفاہ کی طرف گیا اور وہاں سے السمارہ میں داخل ہو گا؟

”اعلیٰ حضرت جس طرح میں اس کمرے میں بیٹھ کر یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ باہر
دہلہ بہر رہا ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی یقینی ہے کہ وہ رفاہ سے عراق میں داخل ہو گا اور اس
کی منزل السمارہ ہے۔“

اب خلیفہ نے غبطہ کے ناظم اعلیٰ کی طرف دیکھا۔ ”بدر! ہم نے بنی کلب کی طرف
کوچ نہیں کیا لیکن تقدیر ابن حرب کو عراق میں پہنچ لائی ہے اب وہ عراق سے زندہ واپس
نہیں جائے گا۔“

”اگر امیر المومنین کا حکم ہو تو کوہ اور بصرہ کے حاکموں کو پیغام بھیج دیا جائے کہ وہ السمارہ
کی جانب پیش قدمی کریں اور بنی کلب کو گھیر لیں۔“

معتقد پر جوش لہجے میں بولا۔ ”ہم پہلے ہی کہتے تھے اور اب بھی کہتے ہیں کہ ذکریہ فرط
اور اس کا بیٹا یحییٰ قرطبی، بنی کلب اور ابن حرب سے زیادہ اہم ہیں۔ شاہی قبیلے انھی کے
مٹانے پر جمع ہو رہے ہیں۔“

”وہ عباسی لشکروں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ میرے خیال میں اب بنو قلیص پر حملہ کرنے
میں دیر مناسب نہیں۔ وہی ان کا سرغنہ قبیلہ ہے۔“

خلیفہ پر انداز خیال میں کہنے لگا۔ ”بنو قلیص پر حملہ کرنے سے پہلے ہم یہ اطمینان کر لینا
چاہتے ہیں کہ ذکریہ فرط اور اس کا بیٹا یحییٰ جس نے امامت کا دعویٰ کیا ہے، وہاں موجود ہیں
ہم نے خفیہ جماعت کا کھوج لگانے میں کئی سال ضائع کر دیے اور اس کی اصلیت جاننے کا
انتظار کرنے رہے۔ لیکن اس درخت کی بڑی کٹائی کاٹنے اور ذکریہ فرط کے ساتھ اس کے
بیٹے کا سراغ لگانے کے لیے ہم مزید انتظار کر سکتے ہیں۔“

”اگر اس سے میں باغیوں نے خروج کا حکم بلند کر دیا؟“
”السمارہ میں وہ خروج ہی کے لیے اکٹھے ہو رہے ہیں لیکن فکر نہ کرو کوہ و بصرہ کی
جگہاں مضبوط ہیں۔“

پھر اس نے حکم دیا۔ ”دو دنہ الجندل کے سالار کو جمعیت کرو کہ اس رات شام کا کوئی
وقت قبیلہ عراق میں داخل نہ ہونے پائے اور جو قبیلے لچکے ہیں، وہ واپس نہ جا سکیں، مصر میں
ملک ابو نظر کو پیغام بھیج دو کہ بغداد پہنچنے کی کوشش کرے۔ اب بنی کلب کی طرف کوچ کرنے کی
ضرورت نہیں، اس کا رقیب اور حریف عراق میں داخل ہو چکا ہے اور اس کی قسمت کا فیصلہ

سماورہ کے صحرائیں ہو گئیں۔

یہ کہہ کر وہ مسند سے اٹھا اور کمرہ ملاقات سے چلا گیا۔

★

معتقد ابو عباس کو قراقرم کے بارے میں جس اہم اطلاع کی ضرورت تھی، وہ اس واقعے کے بعد ٹھیک پانچویں یوم مل گئی۔

ان دنوں وہ قصر الرضوانہ ہی میں اپنی حرم اسماء قطر السندی کی دل جوئی میں مصروف تھا جو اپنے خواب کی تعبیر چاہتی تھی۔

بندار پریشام کی کالی زلفیں بکھر گئی تھیں۔ اندھیرا گہرا ہو رہا تھا۔ قمری مینے کے دوسرے پندرہواڑے میں چاند دیر سے طلوع ہونا تھا۔ شام کے اس گہرے اندھیرے میں ایک اعرابی جس نے عورتوں کی طرح اپنا چہرہ قصا بلے میں پیٹ رکھا تھا۔ دریائے دجلہ کی جانب سے قصر الرضوانہ کے پھاٹک پر آیا اور سیاہ فام جلی غلام کے سامنے جو پہرے پر مامور تھا۔ صرف ایک لفظ "ہو" کہہ کر اپنا تعارف کرایا۔ غلام نے نہ صرف پھاٹک کھول دیا بلکہ اسے الرضوانہ کی ڈیڑھی میں داروغہ محل تک پہنچایا جو اسے ساتھ لے کر الرضوانہ کے کمرہ ملاقات کی طرف ہولیا۔

داروغہ نے اسے بتایا کہ امیر المومنین کو اس کے آنے کی اطلاع مل چکی ہے اور وہ کمرہ ملاقات میں اس کے منتظر ہیں۔ ساتھ ہی دروازے پر ایک مخصوص دستک دی جس پر لکھ "آواز سنائی دی" "آہاؤ"۔

داروغہ نے اعرابی کے بے دروازہ کھولا اور خود باہر کھڑا رہا۔ اعرابی تنہا کمرے میں داخل ہوا۔ جہاں خلیفہ معتقد ابو عباس بہ نفس نفیس موجود تھا۔ اعرابی نے قصا بہ سر سے نازا "اسلام علیکم" کہا اور خلیفہ کے سامنے رکھ میں چلا گیا۔ معتقد نے سلام کا جواب دیا۔ اعرابی نے جو کچھ بکائے کھڑا تھا، دعا دی۔

"خدا آپ کی شام اچھی کرے"

پھر گردن اٹھائی۔ وہ بوڑھا ابو طاہر تھا جو اسماء سے ایک منزل دور اپنے بیٹے

فضل اور زکی آصف کے ساتھ بنی کلب کے قافلے سے آگیا اور بنو قلیص کی امام بارگاہ میں جانا چاہتا تھا۔

"ابو طاہر! ہمیں تمھاری اطلاع کا انتظار تھا"

بوڑھے کی آواز فرط جوش سے پکپکا رہی تھی۔ "امیر المومنین! میں کامیاب لوٹا ہوں۔ ان الفاظ نے معتقد پر نشہ ساطاری کر دیا۔ "کامیابی" کا لفظ شراب کی طرح کیف اور توانا ہے۔ اس نے ابو طاہر کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ "بیٹھ کر اطمینان سے بتاؤ کہ کیا ہوا؟"

بوڑھے نے اس کے قریب نشست سمجھائی اور اپنی روداد بیان کرنے لگا۔ "امیر المومنین! جب میں فضل اور آصف کے ہمراہ اسماء کی جانب بڑھ رہا تھا۔ ایک عجیب واقعہ ہوا بلکہ میں تو اسے تاہید بھی کہوں گا ہوا یہ کہ ہمارے مشکیزوں کا پانی ختم ہو گیا اور پیاس کے مارے بڑا مال تھا۔ گدھے بھی تھک گئے تھے ابھی ہم اسماء سے ایک منزل دور تھے کہ ناگہان بہت دور سے صحرا کے حاشیے پر آبادی کے آثار نظر آئے۔ ہم اسی جانب بڑھنے رہے اور طویل فاصلہ طے کر کے قریب پہنچے تو صحرائی حاشیے پر ایک قبیلہ خیمہ زن تھا۔ وہ دراصل ایک قافلہ تھا جس نے قمری دیر پہلے وہاں پڑاؤ کیا تھا مگر ابھی ہم پڑاؤ سے دور ہی تھے کہ قافلے کے محافظوں نے ہمیں گھیر لیا اور پکڑ کر اپنے سردار کے پاس لے گئے جس کا نام نعمان تھا۔

میں نے بتایا کہ ہمارے مشکیزے خالی ہو چکے ہیں اور پانی کی تلاش میں ادھر اگتے ہیں سردار نعمان نے مسافر سمجھ کر ہمارے ساتھ اچھا برتاؤ کیا۔ ہمیں پینے کے لیے پانی دیا اور بارہ گئے لگا کہ ہم کون ہیں اور کہاں جا رہے ہیں؟ میں نے بتایا کہ اسماء ہماری منزل ہے مگر اور کسی سوال کا جواب دینا مناسب نہ سمجھا جس پر اس نے ہمیں روک لیا اور اپنے امیر کے پاس لے گیا۔

امیر المومنین! آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ اس قافلے کا امیر ابن حرب الکندی تھا اور اس کے ساتھ ایک خوب صورت عورت تھی۔ جس کے متعلق بعد میں معلوم ہوا کہ طبری شہزادی بنو ہاشم ہے۔ وہ قافلہ بنی کلب کا تھا، جو رفاہ کے راستے عراق میں داخل ہوا اور بنو قلیص کی طرف جا رہا تھا۔ وہی ہماری منزل تھی۔"

خلیفہ معتقد ابن حرب کے ساتھ شہزادی بنو ہاشم کا ذکر سن کر حیران رہ گیا۔ دومنہ الجندل سے اس کے واسطے شہزادہ افسر مالک کی زبانی بنی کلب، سردار نعمان اور ابن حرب کی آمد کا حال سن

۱۔ قصا بہ۔ وہ دو مال جو عرب عورتیں سر پر ڈالتی ہیں (قمر جانی)

چکا تھا مگر یہ بات ابوطاہر سے معلوم ہوئی کہ شہزادی نجم بھی ساتھ آئی ہے۔ اب اس کی دل چسپی کچھ اور بڑھ گئی۔

بوڑھے ابوطاہر نے وہ تمام باتیں دہرائیں جو ابن حرب اور شہزادی نجم سے ہوئی تھیں ملاقات میں اس نے یہ بات ظاہر کر دی تھی کہ وہ پانچ سو طلائی دیناروں کی قبیلے کے ساتھ اپنی بیٹی آصفہ کو بھی امام کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا اور اسی مقصد کے لیے اسے ساتھ لے کر آیا ہے جس پر شہزادی نے کہا تھا کہ وہ آصفہ کو خود امام کی خدمت میں پیش کرے گی، چنانچہ آصفہ نے شہزادی ہی کے محل میں اسادہ کی طرف سفر کیا اور شہزادی نجم اس بات سے بڑی متاثر ہوئی کہ آصفہ چھوٹی عمر ہی میں امام کی خدمت کرنے کا جذبہ رکھتی ہے۔

معتقد نے یہ باتیں بڑی توجہ سے سنیں اور جیسا ابوطاہر نے کہا تھا واقعی یہ ایک تائید بخیر تھی کہ اس کی ملاقات ابن حرب اور شہزادی نجم سے ہو گئی۔ جو غنی کلب کے ساتھ امام بھی قرمطی کی طرف جارہے تھے وہ فضل اور آصفہ سمیت اسی قافلے کے ہمراہ بنو قلیص میں پہنچا۔ ابوطاہر اب وہاں پہنچنے کا منظر بیان کرتے لگا۔

”اعلیٰ حضرت! بنو قلیص میں قافلے کا بڑا شاندار استقبال کیا گیا اور شاندار استقبال اس لیے کیا گیا کہ ابن حرب کے ساتھ اس قافلے میں ایک طو لونی شہزادی بھی جتنی جو شام کے قبائلی علاقے میں ”مکہ صحرا“ کے لقب سے یاد کی جاتی ہے۔ استقبال کرتے والوں میں تحریک کا امام کی فراموشی اپنے سبز لباس کے ساتھ سب سے نمایاں تھا۔“

”امام کی“ کا نام سن کر خلیفہ معتقد نے اپنی مسند پر بڑی بے چینی سے پہلو بدلا دیا۔

”یہ شک غلام نے اسے دیکھا اس کے ساتھ اور بھی کئی لوگوں کو دیکھا جن میں اس کے بھائی آقا حسین اور علی، چچا بھائی عیسیٰ بن ہرویر، جس کا لقب مدثر ہے اور جو کہتے ہیں کہ سورہ مدثر میں میرا ہی نام لیا گیا ہے۔ پھر حسین غلام مطوق بالنور بنو قلیص کا سردار ابن ضمضم بن علی، فوجی سالار ابو الفوارس، امام کے چچا عیدہ اخوان اور شام سے آئے والے سردار شامی ہیں جہاں یہ لوگ کھڑے تھے وہاں صحرا میں ایک بہت بڑا سبز علم نصب تھا جس کا سایہ ان کے سروں پر اُڑ رہا تھا۔“

خلیفہ معتقد نے سارے نام توجہ سے سنے، جن میں شہزادی نجم اللیل ابن حرب اور

سردار غلام کے ناموں کا اضافہ ہو گیا تھا اور دریافت کیا ”کیا ان میں ذکر و بیہ قرمطی نہیں تھا؟“ ”نہیں میں نے سنا ہے، وہ کسی جگہ اٹکاف میں بیٹھا ہے جہاں چند خاص لوگوں کے سوا کوئی نہیں جاسکتا۔“

پھر ابوطاہر نے بتایا کہ کبھی قرمطی اور دونوں بھائیوں حسین اور علی نے آگے بڑھ کر شہزادی نجم اور ابن حرب کا استقبال کیا۔ قرمطی نے ابن حرب کے ساتھ معاف کیا۔ طو لونی خاتون کی تعریف کی اور بتایا کہ قدرت نے اسے صرف حکمرانی کے لیے پیدا کیا ہے۔ شہزادی نجم اپنے نام سے بے حد متاثر ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں کوئی ایسی مقناطیسی طاقت ہے جو دیکھنے والوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔

شہزادی نے قرمطی امام کی اوٹنی دیکھنے کی خواہش کی جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جناب اللہ مامور ہے اور اسی اوٹنی کی وجہ سے وہ ”صاحب الناقہ“ کہلاتا ہے۔ اوٹنی بنو قلیص کے سردار ابن ضمضم کے خیمے کے سامنے موجود تھی وہ شہزادی کو وہیں لے گیا اس نے اوٹنی سے کچھ کہا، کوئی اشارہ کیا اور وہ طو لونی خاتون کو دیکھنے لگی۔ پھر شہزادی سے بھی کچھ کہا اور وہ آگے بڑھ کر اس کے تھنوں پر ہاتھ پھرے گی جس پر اوٹنی نے اپنی پھیلی مانگیں کھول دیں جیسے دھنیاں اپنے بچے کو دودھ پلانے وقت عموماً پھیلی مانگیں کھول دیتی ہیں تاکہ بچہ آسانی سے دودھ پی سکے اور امیر المومنین! ایک حیرت انگیز بات یہ ہوئی کہ شہزادی نے نہ صرف اوٹنی کے تھن کھڑے بلکہ تھنی باری باری منہ میں ڈال کر ان کا دودھ پیا اور جب تک وہ دودھ پیتی رہی اوٹنی نے اپنی مانگیں کھولے رکھیں اور گردن کھما کر اسے دیکھتے بھی رہی، جیسے شہزادی کو اسی نے جہاں ہو۔

سب لوگ حیرت اور شوق سے یہ منظر دیکھتے رہے۔ یہی قرمطی نے شہزادی کو بتایا کہ ”مامور من اللہ“ اوٹنی کا دودھ پی کر وہ معصوم عن الخطا ہو گئی ہے۔ اس کی پہلی خطائیں اور آئندہ ہونے والی لغزشیں بھی سب کی سب معاف کر دی گئی ہیں اور اب اس پر کسی خطا کسی لغزش کسی گناہ کا جو انہیں ہوگا۔“

معتقد نے اس بات پر کسی خاص توجہ کا اظہار نہ کیا اس کا ذہن کسی اور طرف اٹکا ہوا تھا کہنے لگا۔ ”تم نے یہیں بتایا ہے کہ شہزادی نجم آصفہ کو قرمطی شیخ کی خدمت میں خود پیش کرنا چاہتی تھی۔“

”جی ہاں“ ابوطاہر نے بتایا۔ ”استقبال کے بعد امام بھی شہزادی نجم اور ابن حرب کو

ابن حرب کے لیے اعزاز کا باعث تھا کہ امام نے اس پر عنایت کی۔ اس کے بعد قرمطی اپنی امام بارگاہ کو لوٹ گیا جو بنو قلیص ہی میں کسی جگہ واقع ہے۔ آصف شہزادی نجم اور ابن حرب کے ساتھ اس مضرب (بڑے خیمے) میں چلی گئی، جو ان کے لیے لگایا گیا تھا۔ مجھے اور فضل کو آقا حسین نے سردار نعمان کے سپرد کر دیا اور بتایا کہ ابھی وہ چند روز مصروف ہے لیکن غنمرب میں کوئی اہم خدمت سوچ دے گا، اس کی بجائے اوری کے بعد ہم جماعت میں شریک ہو سکیں گے۔

خليفة معتمد نے ابو طاهر کی روداد سن کر اطمینان کا اظہار کیا۔ یہ پہلا واقعہ پہلا موقع تھا کہ میں افراد قرمطہ کے خفیہ مرکز تک پہنچ گئے تھے، جنہیں ایک اہم کام سمرانجام دینا تھا۔ اچانک اس نے ابو طاهر سے پوچھا: ”کسی کو یہ شہر تو نہیں ہوا کہ آصف فحاشی بیٹی ہیں؟“ ”وہ مجھدار لڑکی اور گفتگو کرنے میں بے حد محتاط ہے۔ صرف لوگوں کے سامنے نہیں بلکہ علاحدگی میں بھی مجھے ”ابا کہتی ہے۔ باپ بیٹی کے رشتے کا خیال رکھنی اور شہزادی نجم اور ابن حرب کے ساتھ پورا تعاون کر رہی ہے۔“

پھر ابو طاهر نے بتایا: ”تیسرے روز جب میں شاہی مضرب میں اس سے ملنے گیا وہ خیمے میں تنہا تھی۔ شہزادی نجم اور ابن حرب دونوں کینڑوں (روندہ اور خنجر) سمیت ابن خضرم کی دعوت میں گئے تھے۔ آصف کی طبیعت ”ناسار“ تھی اس لیے ساتھ نہ جاسکی۔ اس نے رازداری کے لیے میں کہا کہ رات جب وہ ابن حرب کی خدمت میں تھی، اسے ایک اہم بات معلوم ہوئی کہ ذکر ویر قرمطہ نے ابن حرب اور شہزادی نجم کو اپنے خفیہ سکھ میں بلایا ہے، جہاں وہ کئی سال سے انوکھ میں بیٹھا یا چھپا ہوا ہے۔ دونوں یوم الخفیس (جمعرات) کو اماما کی کی بارگاہ میں جائیں گے وہاں سے ذکر ویر قائم باغی کی مین گاہ کی طرف سفر شروع ہوگا۔ ان تینوں کے علاوہ چوتھا کوئی آدمی ساتھ نہیں جائے گا کیونکہ چند خاص لوگ ہی اس خفیہ مین گاہ تک جاسکتے ہیں۔“

خليفة معتمد اپنی مسند پر اٹھل گیا۔ ”ابو طاهر یہ بات فی الواقع بڑی اہم ہے۔ آصف کو چاہیے جب ابن حرب قرمطہ سے ملاقات کر کے واپس آئے کسی نہ کسی طرح اس سے مین گاہ کا پتا معلوم کرے تاکہ اس مرتبہ جب ہمارے لشکر السماوہ میں داخل ہوں تو ذکر ویر قرمطہ کسی طرف بھاگ نہ سکے۔“

”اگلی حضرت! آصف جانتی سہ اسے کیا کرنا ہے۔ میں اپنی تاکید کر آیا ہوں کہ ذکر ویر قرمطہ

سردار ابن خضرم کے خیمے میں لے گیا تھا جہاں صرف آقا حسین ان کے ساتھ تھا۔ چاروں کچھ دیر باتیں کرنے رہے پھر شہزادی نے مجھے اور آصف کو خیمے میں طلب کیا۔ میں نے جانتے ہی طلاق دیناروں کی قبیلی قرمطی کے قدموں میں رکھ دی اور کہا کہ وہ میری نذر قبول کریں۔ ساتھ ہی شہزادی نجم نے بتایا کہ آصف ابو طاهر کی بیٹی ہے، جسے وہ میری طرف سے امام کی خدمت میں پیش کرتی ہوں۔ چاہتی ہے کہ امام اسے اپنی خدمت کا موقع دیں۔“

معتمد نے خیال ظاہر کیا۔ ”آصف بڑی خوب صورت لڑکی ہے قرمطی نے اسے فوراً قبول کر لیا ہوگا۔“

ابو طاهر نے کہا: ”معاملے کی صورت بالکل برعکس ہو گئی۔ قرمطی نے دیناروں کی قبیلی تو قبول کر لی لیکن آصف کو قبول نہیں کیا اور کہا کہ ابو طاهر کا جذبہ بے شک صادق ہے پھر بھی دستور کے مطابق کسی امتحان سے گزرے بغیر کوئی شخص جماعت کا رکن نہیں بن سکتا۔ پھر بتایا کہ چند روز میں ابو طاهر اور فضل کو امتحان کا موقع دیا جائے گا۔ جب دونوں جماعت میں شامل کر لیے جائیں گے تب آصف امام بارگاہ میں حاضری دے سکتی ہے۔ اس کے بعد اس نے مجھے اور فضل کو اپنے بھائی آقا حسین کے سپرد کر دیا کہ وہ ہم سے اپنی مرضی کا امتحان لے اور آصف کو شہزادی نجم کی تحویل میں دے دیا اور مجھ سے پوچھنے لگا۔“

”ابو طاهر! تم آصف کے ذریعے ہماری خوشنودی حاصل کرنا چاہتے ہو نا؟“ جب میں نے بتایا کہ ہم باپ بیٹی دونوں امام کی خوشنودی چاہتے ہیں تو اس نے کہا پھر ہماری خوشی اس بات میں ہے کہ آصف پہلے ہمارے ساتھ ابن حرب کی خدمت کرے اور ابن حرب کا درجہ ہمارے عام اخوان میں سب سے بڑا ہے۔ یہ نہ صرف ہمارے شاہی قبیلوں کے پہلا درجہ بلکہ ہمارے بھائی اور نائب امام حسین کے بیٹے (دوسرے) ہیں ہمارے نائب حسین، ابن حرب کے اندر اور ہم حسین کے اندر حلال کر چکے ہیں اس لیے آصف ابن حرب کی خدمت کرے گی تو بالواسطہ ہماری خدمت کرے گی۔“

اس فیصلے کا ایک پہلو میرے نزدیک بڑا اہم تھا کہ آصف ابن حرب سے ایسی باتیں بھی معلوم کر سکتی تھی جو شاید قرمطی سے براہ راست معلوم نہ کر سکتی اور خدمت کا یہ پہلو زیادہ مفید تھا۔ میں نے امام کی خوشنودی کی خاطر فوراً حاضری بھری اور محسوس کیا کہ یہ بات آصف کو بھی پسند آئی شہزادی نجم کو اس پر کوئی اعتراض نہ تھا یہ معاملہ جماعت کے عقیدے سے تعلق رکھتا اور

معتقد معاملے کی نزاکت کو سمجھتا اور جانتا تھا کہ ابوطاہر کو جلد واپس جانا ہے۔ اس نے وقت ضائع کرنا مناسب نہ سمجھا اور مسند سے اٹھا۔ اب ہم فضل کا انتظار کریں گے۔ ان الفاظ کے ساتھ اس نے ابوطاہر کو رخصت کیا۔ اس نے ایک بار پھر قصاب سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا اور اتر صادق سے نکل کر دھک طرف چل دیا لیکن ایک اور سایہ بھی کچھ فاصلے پر حرکت کر رہا تھا۔



واقعات کی رفتار تیز ہو گئی تھی اور قعر دریا میں سرکش لہروں کے بھنور غصیب ناک صورت اختیار کر گئے تھے۔

دوسرے روز بغداد میں ایک اور اہم عہدہ دار دو ہوا جس کی آمد ایک نئی حیرت اور ایک نئی حسرتی کا باعث ہوئی۔ وہ حارث ابوظفر تھا جو قبل ازیں دو مرتبہ بغداد آچکا تھا۔ ایک مرتبہ طوائف محاکات کا سفیر اور دوسری بار سلطان خوارزمیہ ابوجیش کا ایلچی بن کر۔ دونوں مرتبہ خلیفہ معتقد ابوجاش سے اتر صادق میں مل چکا تھا لیکن اب کے اتر صادق کی بجائے اس نے خلیفہ سے قصر خلافت میں ملاقات کی اور یہ ملاقات خفیہ تھی۔

ابوطاہر کی اچانک آمد کی طرح حارث ابوظفر کی غیر متوقع آمد بھی حیران کن تھی۔ دوسری عجیب بات یہ تھی کہ وہ خلیفہ کے معتد ترین افسر بدر کی معرفت معتقد ابوجاش سے خفیہ طور پر مل گیا تھا۔ حارث ابوظفر نے اسے ایک نئی حیرت سے دوچار کر دیا۔ "امیر المؤمنین! میں فسطاط سے جان بچا کر بھاگا اور بڑی مشکلوں سے بغداد پہنچا ہوں۔"

شہزادہ شیبان کی ملازمت ترک کر کے وہ الفطاح سے فسطاط کے ایک مکان میں مقفل ہو گیا تھا۔ اس لیے فسطاط ہی سے بھاگنے کا حوالہ دیا۔ خلیفہ نے تعجب سے پوچھا "مگر تم بھاگے کیوں؟"

"جب موت آدمی کو ڈھونڈ رہی ہو، وہ جان بچانے کی خاطر بھاگتا ہے۔" اس کے ساتھ حارث نے تیسری حیرت کا دروازہ کھول دیا۔ "مارون بن خوارزمیہ نے میری گرفتاری کا حکم صادر کر دیا تھا اور سپاہی طرق وزنجیر لے کر میری گرفتاری کے لیے روانہ ہو چکے تھے کہ مجھے ایک فوجی سے خبر مل گئی اور میں نے فسطاط سے نکلنے میں ایک پل کی تاخیر نہ کی اور میرا صبر

کی کہیں گاہ کے ساتھ پہنچی قمر علی کی امام بارگاہ کا پناہ کرنا بھی ضروری ہے تاکہ اس خفیہ تحریک کی جڑیں اکھاڑ دی جائیں۔"

"ان کے ٹھکانے معلوم ہونے ہی السادہ کو گھیر لیا جائے گا۔"

"مجھے یقین ہے آصف معتقد میں کامیاب ہوگی۔ ابن حرب اسے بہت پسند کرتا اور اس کی بات مانتا ہے۔ آصف کو بھی غلط میں اپنی بات منوانے کا ڈھنگ آتا ہے۔"

خلیفہ معتقد اپنے منصوبے کی کامیابی پر خوش تھا۔ ابوطاہر کو السادہ کی طرف روانہ کر کے وہ اس کی طرف سے کسی اطلاع کا منتظر تھا کہ ناگہاں خود ابوطاہر کے آنے کی خبر ملی تو حیران رہ گیا۔ "تھکانا پیغام سن کر ہمیں حیرت ہوئی کہ تم بغداد کیسے پہنچ گئے؟"

یہ بات واقعی اچھے کی تھی۔ ابوطاہر نے معاملے کی گرہ کھول دی۔ "امیر المؤمنین! السادہ میں ان دنوں بادیہ نشین قبائل کی بھیڑ ہے اور بنو قلیص کے سردار کو مزید پسند اور آذوقہ فراہم کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ رسد کی خریداری کے لیے ایک قافلہ کو نئے آرہا تھا۔ میں نے سردار نعمان سے درخواست کی کہ آقا حبیب کے انتہا کی شرط پوری کرنے سے پہلے ایک بار کربلا کی زیارت کرنا چاہتا ہوں۔ پھر سردار نعمان کی سفارش پر مجھے قافلے کے ساتھ سفر کرنے کی اجازت مل گئی اور میں کوٹھے پہنچ گیا۔ وہاں امیر قافلہ صندل سے کربلا جانے کی اجازت لی اور کہا کہ قافلے کی واپسی سے پہلے لوٹ آؤں گا۔ میں بظاہر کربلا کی جانب اور داخل بغداد کی طرف روانہ ہوا۔ اس طرح مجھے عالی جاہ سے ملاقات کرنے کا موقع مل گیا۔ قافلے کو کوٹھے میں چار یوم ٹھہرنا اور سامان رسد کی خریداری کرنا ہے۔ میں آج ہی رات یہاں سے چڑھاؤں گا تاکہ قافلے کی روانگی سے قبل کوٹھے پہنچ جاؤں۔ مجھے امید ہے جب میں قافلے کے ہمراہ واپس جاؤں گا آصف، ابن حرب سے ذکر ویہ قمر علی قمر علی کے خفیہ ٹھکانوں کا آتا ہوا معلوم کر چکی ہوگی۔ لیکن ان کی اطلاع دینے کے لیے بغداد آؤں گا۔ البتہ کسی نہ کسی طرح فضل کو بھیج دوں گا۔ وہ تمام معلومات حضور تک پہنچا دے گا۔"

"ابوطاہر! ان معلومات کے عوض ہم تمہیں آصف اور فضل کو طوائف و بناروں میں طول دین گے۔"

"امیر المؤمنین! میں صرف آپ کی نظر عنایت چاہیے۔"

"پھر بھی تم جان لو گے کہ ہماری عنایت کتنی گراں بہا ہوتی ہے۔"

کاٹ کر شہر کے کسی دروازے پر آویزاں کر دیا جاتا۔
یہ ایک حیرت انگیز اطلاع تھی کہ نئے طولونی حکمران نے بنی طولون کے وفادار اور سلطان
خمار رب کے معتد اعلیٰ حارث ابو ظفر کی گرفتاری کا حکم صادر کیا۔ عباسی خلیفہ حیرت زدہ رہ گیا
اور دوسرا سوال کیا۔ ”ہارون کو تم سے کیا شکایت تھی؟“

حارث ایک الجھن سے دوچار تھا۔ ”اعلیٰ حضرت! آپ کے سوال کا جواب دینے سے
پہلے صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ میرا کوئی پیغام حضور تک پہنچا یا نہیں؟“
معتضد پر ایک اور حیرت گزری۔ تعجب سے بولا۔ ”نکوئی غبار ایسا مبرہنہ، نہ
کوئی پیغام؟“

اب حارث بتانے لگا۔ ”جس روز لشکریوں نے القطار میں حبش بن خمار کو قتل
کیا اسی دن میں نے اپنا ایک الجھی مونس، عالی جاہ کی طرف دوڑا دیا تھا۔ خط کے ساتھ اپنی الجھی
اسے دی تاکہ آپ اسے میرے حوالے سے شناسخت کر سکیں مگر مونس بغداد میں پہنچ سکا تو اس کا
مطلب یہ ہے کہ اسے کسی نے راستے میں پکڑ لیا اور ہلاک کر دیا۔ مونس کو قتل کیے بغیر میرا خط اس
سے حاصل نہیں کیا جاسکتا تھا اور جس نے میری اسے قتل کیا اسی نے الجھی کے ہاتھ میرا خط ہارون
تک پہنچایا ہوگا۔ وہی خط میری گرفتاری کے حکم کا ذریعہ بنا۔“

عباسی حکمران معاملے کی نوعیت سمجھنے لگا۔ ”اس خط میں تم نے ہمیں کیا کچھ دیا تھا؟“
”میں نے اعلیٰ حضرت کو القطار کے غیر یقینی حالات کی اطلاع دی تھی اور اشارہ کیا تھا
کہ بنی طولون کا معاملہ خراب ہو گیا ہے اب امیر المومنین کو معاہدے کے مطابق تیس برس انتظار
کرنے کی ضرورت نہیں۔“

حارث نے مزید افکاش کیا۔ ”مجھے پتا چلا ہے کہ جس روز میری گرفتاری کا حکم جاری
ہوا اسی روز ایک سانڈنی سوار القطار میں آیا تھا اور اس نے شاہی محل میں ہارون سے
ملاقات کی تھی، غالباً وہی میرا خط اور میری انگوٹھی لے کر آیا ہو، جس کے بعد شہزادہ شیبان کو
فوراً محل میں طلب کر لیا گیا اس سے مشورے کے بعد ہارون نے میری گرفتاری کا حکم دیا ہوگا۔
جس شخص نے مجھے ”اسٹیکلین“ معاملے کی اطلاع دی، اس نے تفصیل تو نہیں بتائی البتہ مشورہ
ضرور دیا تھا کہ اگر زندگی چاہتے ہو، تو فی الفور مصر سے نکل جاؤ، مبرا جیل ہے میرا وہی خط جس
میں حضور کو مصر پر لشکر کشی کی دعوت دی گئی تھی میرے خلاف ایک ثبوت بن گیا اور مجھے مصر سے

یہ کہانی سن کر معتضد ابو عباس کو وہ صورت حال معلوم ہوئی، جس سے حارث دوچار تھا
وہ مصر سے اس لیے بھاگ آیا کہ اس کی کہانی سننے اور مصر کے حالات جاننے کے بعد شاہی حکمران
مصر پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہو جائے گا مگر خلیفہ معتضد کا جواب ان توقعات کے بالکل
خلاف تھا جو مصر سے بھاگتے وقت اپنے ذہن میں باندھ لیا تھا۔

”حارث! جو کچھ تم نے بیان کیا اور ہم نے سنا، وہ افسوس ناک ہے اگر غبار الجھی مصر پہنچ جاتا
تو ہم تمہاری دعوت قبول نہ کرتے اور اس معاہدے کے خلاف ورزی پر تیار نہ ہوتے، جو بھلے
ذریعے طے پایا تھا کیوں کہ عندئشی حکمرانوں کو زب نہیں دیتی، جو حکمران سمجھے ہوئے معاہدوں
کی پروا نہیں کرتے اور عقیدہ پرستوں کے مشورے پر کبھی آگے بڑھتے اور کبھی حالات کو دیکھ کر
پچھے ہٹتے ہیں، وہ منزل پر نہیں پہنچ سکتے، اگرچہ کچھ جانی تو منزل انہیں پیچھے چھوڑ کر خود آگے
بڑھ جاتی ہے۔ بنی طولون کے معاملات کیسے بھی سمجھیں ان میں مداخلت نہیں کریں گے۔“

یہ الفاظ ایسے تھے، جنہیں سُن کر حارث ابو ظفر کی توقعات کے چراغ بجھ گئے، چہرہ تارک
ہو گیا اور وہی آواز میں بولا۔ ”پھر اعلیٰ حضرت میری ایک درخواست قبول فرمائیں۔“
معتضد ہر تن گوش ہو گیا۔ گویا اس کی بات پوری توجہ سے سننا چاہتا تھا۔ حارث کہنے
لگا۔ ”درخواست یہ ہے کہ مجھے عراق میں پناہ دی جائے اور اگر ہارون بن خمار میری واپسی
کا مطالبہ کرے، تو مجھے واپس نہ بھیجا جائے۔“

خلیفہ نے الجھی اس کی بات کا جواب نہیں دیا تھا کہ حارث اپنی درخواست کا جواز
پیش کر لے گا۔ ”اعلیٰ حضرت! مصر سے بھاگنے اور بغداد پہنچنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ میں
اپنی آخری خواہش پوری کیے بغیر نہ چاہتا اور حضور جانتے ہیں کہ مرنے سے پہلے ابن حرب کا
حساب چکانہ میری آخری خواہش ہے۔ آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا جب آئی لشکر بنی کلبہ کی
طرف کوچ کریں گے میں ان کی رہبری کر دوں گا اور مجھے اپنے دشمن سے حساب چکانے کا موقع
دیا جائے گا۔ میں عراق میں صرف اس یوم تک پناہ چاہتا ہوں جب تک اپنا انتقام پورا نہیں
کر لیتا۔“

معتضد کا جواب نہ صرف حوصلہ افزا بلکہ اس کی درخواست کے عین مطابق تھا۔ ”کسی
کو روک پناہ دینا عربوں کی ایک شریفانہ روایت ہے اور ہم اس روایت کو قائم رکھیں گے۔“

یہ وعدہ بھی کرتے ہیں کہ تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔

حارث کا سر فرط عقیدت سے جھک گیا۔ غلام کو حضور جیسے عالی ظرف عباسی سے یہی امید تھی۔

اب معتضد ابو عباس کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ پکھر گئی اور وہ بدلے ہوئے لہجے میں کہنے لگا۔ "حارث! ابھی چند روز قبل ہم نے بدر کو ہدایت کی تھی کہ تمہیں بغداد پہنچنے کا پیغام بھیجے مگر یہ عجیب اتفاق ہے کہ بدر کا ایلچی ابھی روانہ بھی نہیں ہوا تھا کہ تم خود بغداد پہنچ گئے ہو۔"

ان الفاظ میں ایک نئی امید کی روشنی تھی جس نے حارث کے بچھے ہوئے چہرے کو دوبارہ روشن کر دیا اور بے تابی سے بولا۔ "کیا اعلیٰ حضرت نے نئی کلب پر لشکر کشی کا ارادہ کر لیا ہے؟" معتضد کی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہو گئی۔ "کبھی کبھی ہم دشمن کو اس کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں اور وہ ہماری طرف بڑھتا ہے، ابن حرب نے بھی خود پیش قدمی کی ہے۔"

حارث نے الفاظ سنے مگر ان کا مطلب نہ سمجھ سکا۔ خلیفہ تلنے لگا۔ "تمہارے لیے بھی برا اطلاع دل چسپی سے خالی نہ ہوگی کہ ابن حرب شہزادی نجم اور بنی کلب سمیت عراق میں داخل ہو چکا اور اس وقت السامہ میں بنو قلیص کا محاصرہ ہے۔ ہم بنو قلیص پر لشکر کشی کرنے والے اور تمہیں بھی اس مہم میں شریک کرنا چاہتے ہیں تاکہ اپنے حریف سے ٹکڑا سکو جس نے تمہیں مصیبت کا دن دکھایا تھا۔ پرانی کہاوت ہے کہ جو کسی کو مصیبت کا دن دکھاتا ہے اُسے بھی مصیبت کا دن دکھایا جاتا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ وہ دن قریب آگیا ہے۔"

چہرے کے ساتھ حارث ابو ظفر کی آنکھیں بھی روشن ہو گئیں۔ عباسی حکمران اس سے کیا ہوا وعدہ پورا کر رہا تھا۔ لشکر کے لہجے میں بولا۔ "امیر المؤمنین! میں بے حد شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے یاد رکھا اور حریف سے ٹکڑے کا موقع دے رہے ہیں، جس کے خلاف میرے دل میں بھڑکنے والا اناؤ کبھی سر نہیں ہوسکا کیوں کہ وہ صرف اس کے خون سے ٹھنڈا ہو گا۔ ہم ایک دوسرے کے خلاف کبھی نہ بھولنے والی جنگ لڑیں گے کیوں کہ اب ہماری قوت مساوی ہو گئی ہے۔ وہ اپنی پچھلی زندگی بغداد میں چھوڑ گیا اور اس اپنے بیٹے دن فسطاط میں بھول آیا ہوں۔ ہم دونوں اپنے اپنے شہر سے بھاگے ہوئے ہیں اور تقدیر السامہ کے صحرا میں ہیں ایک دوسرے کے سامنے لاری ہے۔ وہاں کیا ہو گا اور کون کس کو زندگی سے محروم کر دے گا؟"

یہ کوئی نہیں جانتا لیکن میں نے اس کے ہاتھوں جو دکھ اٹھائے ہیں ان کا حساب مجھے بہر طور مہیا کرنا ہے اور میں ابن حرب سے آخری ملاقات اس طرح کروں گا کہ ڈرتے سورج کی طرح اس کی زندگی بھی غروب اور رہی ہوگی اور میری تلوار کی دھار سے اس کا لہڑپک رہا ہوگا۔"

یہ رجم معتقد نے اس کے جذبے کی حدت ٹھوس کی اور حوصلہ دیا۔ "ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ تم اپنے انتقام کا چہرہ اس کے خون سے روشن کر سکو، مگر ابن حرب سے ٹکڑے کے لیے تمہاری تلوار کا لہڑپکنا ضروری ہے۔"

"میری تلوار اس کے خون سے آب دار ہوگی۔"

"حارث! اگر تم نے ابن حرب کے خلاف اپنے انتقام کی جنگ جیت لی تو اس کے صلے میں ہم شہزادی نجم تمہیں سو بی دیں گے لیکن وہ تلوار داری میں ہے اور ہمیں اس کے متعلق فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل ہو گیا ہے۔"

حارث کی آنکھوں میں چمکنے والی روشنی تیز ہو گئی۔ "السامہ کی طرف کوچ کب ہو گا؟"

"ابھی اپنے سفر کی گردانا رو اور بغداد میں کچھ دن آرام کرو۔"

"جب دشمن السامہ میں پہنچ گیا اور بنو قلیص کی مکاری کھل گئی ہے پھر آرام کیسا؟"

"یہ جنگ بنو قلیص ہی ہمارے اصل دشمن ہیں جنہوں نے قرامطہ کو پناہ دے رکھی ہے ان کے متعلق بہت سی باتیں واضح ہو گئی ہیں پھر بھی ہمیں السامہ سے آخری اطلاع کا انتظار ہے اور انتظار میںوں کا نہیں دنوں کا ہے۔"

"اعلیٰ حضرت! انتظار ایک دن کا بھی کیوں نہ ہو، بڑا کٹھن ہوتا ہے۔ اَلْاِنْتِظَارُ اَشَدُّ مِنْ الْمَوْتِ"

"اُدبی سختی سے گزر کر کسی کامیابی حاصل کرنا ہے مگر بغداد جیسے شہر میں یہ انتظار زیادہ سخت نہیں ہو گا۔"

پھر معتقد کو فورا خیال آیا اور کہنے لگا۔ "حارث! اس مرتبہ تم مصر سے بھاگ کر آئے ہو تمہیں سرکاری ہمان نہیں بنا سکتے۔ تمہیں اپنی رہائش کا انتظام خود کرنا ہو گا۔"

"آپ فکر نہ کریں، بغداد میں سراؤں اور ہمان خانوں کی کمی نہیں۔"

"مگر جہاں بھی ٹھہرو اس کی اطلاع بدر کو ضرور دے دینا تاکہ تم سے رابطہ رکھ سکے۔ اس کے ساتھ ملاقات ختم ہو گئی۔ حارث اپنی نشست سے اٹھ رہا تھا کہ خلیفہ نے ایک

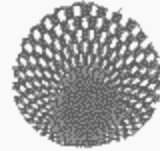
۵۴

موٹ کا کھیل

○

غیر متوقع سوال کر دیا۔ ”یہیں مصر کے بارے میں تشویش ہے۔ حالات پر قابو پا سکے گا؟“
تبدیل ہو رہے ہیں۔ تمھارا کیا خیال ہے؟ دونوں حالات پر قابو پا سکے گا؟“
حادثہ مؤکد ہو گیا اور شکستہ لہجے میں بولا۔ ”آپ مجھ سے وہ سوال کیوں کرتے ہیں جس کے جواب کا کوئی فائدہ نہیں۔“

اس نے کچھ بتانے سے گریز کیا پھر بھی اس کے الفاظ میں ایک جواب موجود تھا۔ مقتصد نے حادثہ کے لہجے کی بے یقینی سے وہ بات سمجھ لی جسے وہ اپنی زبان سے ادا نہ کر سکا تھا اور کہا۔ ”میں نے کچھ نہ کہہ کر بھی بہت کچھ کہہ دیا ہے۔ اس کے باوجود ہم مصر میں مداخلت نہیں کریں گے۔“
حادثہ ابو ظفر نے مصافحہ کیا۔ اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور کمرے سے نکل گیا باہر ضبطیہ کا انسپر اعلیٰ بدر اس کا منتظر تھا۔



ابوطاہر جو دراصل ”اندھیرے کا تیر“ تھا نیز مسافر کے دفتر مقررہ پر کوفے پہنچ گیا۔
یوٹھیس کا قافلہ سامانِ رسد کی خریداری کر چکا اور واپسی کے لیے تیار تھا۔ ابوطاہر سرشام ہی اس کا روانہ سرانے میں پہنچ گیا، جہاں سے قافلے کو علی الصبح روانہ ہونا تھا۔
معلوم ہوا کہ امیر قافلہ صندل اس کے لیے بڑا پریشان تھا کہ کہیں اسے واپسی میں دیر نہ ہو جائے مگر ابوطاہر کو دیکھ کر اس کی ساری پریشانی باقی رہی۔ ”اچھا ہوا تم وقت پر آ گئے۔“
کمرے میں ایک دن تو کیا ایک پہر بھی زیادہ کتنا مناسب نہیں۔
ابوطاہر نے بتایا۔ ”کہ بلا میں زائیرین کی بھیڑ تھی مگر میں نے بھی وہاں زیادہ دیر رکھنا مناسب نہیں سمجھا اور زیارت کر کے فوراً واپس ہو گیا۔“

امیر صندل نے اسے پسندیدہ نظروں سے دیکھا جیسے کہ رہا ہو۔ تمہیں بہر حال واپس آنا تھا دو مہرے دن قافلہ منہ اندھیرے کونے سے نکل آیا اور اسامادہ کی طرف واپسی کا سفر شروع ہو گیا۔ صبح کو کونے کے نواح تک چلا گیا ہے۔ مشرق کی جانب دریائے فرات اس شہر کی زرخیز کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ جب کہ مغرب میں اس کا سوا دو ایک زار سے ہم ٹھوٹھ ہے۔

جب سورج قافلے کے عقب میں طلوع ہوا۔ وہ کونے سے کئی میل دور نکل آیا تھا۔ امیر قافلہ صندل اور ابوطاہر کی سواریاں جھماکے (اونٹوں کی قطار) کے آگے آگے رواں تھیں اور دونوں کربلا کی زیارت کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔

ابوطاہر نے پانچ چھ برس پہلے کربلا کی زیارت کی تھی مگر امیر قافلہ کی عقیدت اور دل چسپی کو دیکھتے ہوئے اس نے نہ صرف زیارت گاہ کا مکمل وقوع بڑی خوبی سے بیان کیا بلکہ اس کا پورا نقشہ اس طرح کھینچ دیا کہ صندل کی آنکھوں کے سامنے زیارت گاہ کی پوری تصویر ابھرا آئی وہ ابوطاہر کے لفظوں میں کربلا کی تصویر دیکھنے لگا اور بولا۔

”کئی سال پہلے کی بات ہے جب میں سلیبیہ میں امام محمد العجیب کی قدم پوسی کے لیے گیا تو کربلا سے گزرا اور وہاں کی زیارت کی تھی۔ پھر کبھی جانے کا اتفاق نہیں ہو سکا کہ میں نے اگر رسد کی خریداری کا معاملہ نہ ہوتا، کیوں کہ سردار ابن مضمضہ نے تاکبیک کی تھی کہ میں تمام اشیاء اپنی نگرانی میں خریدوں، تو تمہارے ساتھ ہی چلتا مگر میرے دل کی حسرت دل میں رہ گئی۔ لہذا تم نے اپنی قوت مشاہدہ اور اظہار بیان کی خوبی سے کربلا کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے کہ گویا میں نے اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ لیا اور میری حسرت پوری ہو گئی۔“

ابوطاہر اگر انگریز واقع کر بلا کی زیارت کر کے آیا ہوتا تو شاید ایسی خوش بیانی اور منظر کشی کا مظاہرہ نہ کرتا اس نے تو پانچ چھ سال پہلے کی زیارت کو اتفاقاً کا جامہ پہنایا اور اظہار بیان کی خوبی سے کربلا کا نقشہ کھینچنے پر اس لیے زور دیا تھا تاکہ امیر قافلہ کو یقین ہو جائے۔ وہ کربلا ہی کی زیارت کر کے آیا ہے۔ صندل اس کی سانی سحر بیانی سے بڑا متاثر ہوا اور کہنے لگا ”آج کل وہاں کے ایک ذاکر ظہیر بن فرات کی فصاحت اور خوش بیانی کا بڑا چرچا ہے جو دریں رہتا اور زائرین کی خدمت کرتا ہے۔ سنا ہے، جب وہ واقعہ کربلا بیان کرتا ہے، تو کوئی شخص اپنے آنسو ضبط نہیں کر سکتا۔“

ابوطاہر نے سوچا اگر اس نے ابن فرات کی مجلس اور تقریر کی جاوہر بیانی کی تصدیق نہ کی تو کہیں صندل کو اس کی زیارت پر شہ نہ ہو جائے۔ اس کی بات پکڑ دی۔ ”جناب امیر ابن فرات کو خطابت اور فصاحت کا مکمل قدرت کی طرف سے عطا ہوا ہے۔ میں نے اس کی

سلیبیہ۔ شام کے علاقے حصص کے قریب ایک قصبہ، جو اسماعیلی امام محمد العجیب اور اس کے فرزند عبید اللہ الطہدی کا مسکن تھا، کئی فاطمی، علوی اور اسماعیلی عقیدہ پرست کربلا کی زیارت کے بعد سلیبیہ کی زیارت بھی کرتے اور اسماعیلی اماموں کی حاضری دیتے تھے۔ (بحوالہ تاریخ ابن خلدون جہانم)

جلس بھی سنی اور اس سے گفتگو بھی کی۔ وہ الفاظ کا جادوگر ہے۔“

امیر قافلہ نے چونکہ کربلا کی طرف دیکھا ”اگر تم نے ابن فرات سے ملاقات کی ہے تو بڑے خوش قسمت ہو۔ کربلا سے آنے والے اس کا ذکر کسی امام کی طرح کرتے ہیں۔“

ابوطاہر سے امیر قافلہ کی دل چسپی اس قدر بڑھ گئی تھی کہ پورے سفر میں اسے اپنے ساتھ رکھا اور جماعت کے بارے میں اس کی عقیدت کا حال سن کر خوش ہوتا رہا۔ سفر میں دونوں کھانا بھی اکٹھے کھاتے رہے۔ ابوطاہر اس بات پر بے حد مطمئن تھا کہ وہ نہ صرف امیر قافلہ کو کربلا کی زیارت کا یقین دلانے میں کامیاب رہا ہے، بلکہ جماعت سے اس کی لگن اور عقیدت پر بھی اعتماد بڑھ گیا ہے۔ اس نے امیر صندل پر واضح کر دیا تھا کہ کربلا کی زیارت کا مقصد یہ تھا کہ آقا جین باپ بیٹے کے لیے جو امتحان بخیر کرنے والے ہیں، اس میں انھیں کامیابی حاصل ہو اور وہ جماعت کی زیادہ سے زیادہ خدمت کر سکیں۔

ابوطاہر تحریک قرامطہ کی جو ”خدمت“ کرنے لگا تھا، اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ تحریک کے سرکردہ اور با اثر لوگوں پر اپنے اعتماد کا سکھ جاوے اور وہ تمام باتیں جو صیغہ راز میں رکھی جاتی اور انتہائی پراسرار بن چکی تھیں، معلوم کر لی جائیں، تاکہ خلافت عباسیہ کے خلاف عقیدت پرست جس قرامطی درخت کے ارد گرد اکٹھے ہونے لگے، اسے جڑوں سمیت اکھاڑ کر ہٹک دیا جائے۔ اگرچہ کسی درخت کو جس کی جڑیں زیر زمین دوڑتے چلی گئی ہوں، اکھاڑ پھینکا بڑا مشکل کام ہوتا ہے مگر ابوطاہر اپنی جڑوں کا کھوج لگانے لگا تھا اور اس کا ہر قدم کامیابی کی طرف اٹھ رہا تھا۔

یہ سفر جو اشیائے رسد کی خریداری کے لیے پیش آیا، اس کے حق میں بڑا اہم تھا۔ کربلا کی زیارت اور جماعت سے عقیدت کے اظہار نے قافلہ کے امیر صندل کو اپنا گرویدہ بنایا اور اس نے وعدہ کیا تھا کہ بنو تلبیس میں جاتے ہی سردار قبیلہ سے اس کی جماعتی دل چسپی اور عقیدت کا ذکر کرے گا۔ ابوطاہر کے نقطہ نظر سے یہ سفر وسیلہ قفر ثابت ہوا تھا جس میں اس نے سردار ابن مضمضہ کے نائب امیر صندل کا مکمل اعتماد حاصل کر لیا تھا۔

قافلہ دوسرے روز بنو تلبیس میں پہنچا تو ابوطاہر بدستور امیر قافلہ صندل کے دو شاہنشاہان کے آگے آگے تھا۔ لوگوں نے خوشی سے قافلے کا استقبال کیا جو رسد کے علاوہ اور بھی بہت سی ضروری اشیاء لے کر آیا تھا۔ اسلحہ میں بادیہ نشینوں کی بھیڑ بٹا رہی تھی کہ جنگ کا موسم قریب

نے کہا ہے، ایک برس قبل فوت ہو چکا ہے۔

ان الفاظ نے ابوطاہر کے قدموں تلے سے وہ زمین ہی کھینچ لی، جس پر کھڑے ہو کر اس نے زیارت کی کہانی سنائی تھی۔ سردار ابن مضمض نے تصدیق کی کہ ظہیر ابن فرات جو ایک خوش بیان و اکثفا، فوت ہو چکا ہے اور کہ بلا میں اس کی قبر موجود ہے جس پر اس کے نام کا قبر بھی ہے۔

ابوطاہر کا چہرہ تاریک ہو گیا، فضل کی حالت غیر نظر آنے لگی۔ دونوں میں سے کوئی نیچے سے جاگ نکلا، ہدایتی ہادی دکھا سکتا تھا کیوں کہ دونوں نئے اور خوف ناک آدمیوں میں گھرے ہوئے تھے۔ اب صندل نے تیسرا انکشاف کیا اور بتایا۔ "ابوطاہر نکرنے سے نکل کر بغداد کا راستہ اختیار کیا جب یہ بغداد پہنچا، ایک سیاہ قصاب اس کے سر پر تھا۔ یہ قطعہ زبید یہی رواجِ عراق کی دکان پر گیا اور وہاں سے رواج کے ذریعے کسی کو اپنے آٹے اور شے کا پیغام بھیجا۔ شام کے گھر سے گھیرے میں یہ جگہ کے کراہے قہر الرصافہ کے پھاٹک پر پہنچا۔ جتنی غلام نے اس کے پیچھاٹک کھول دیا اور داروغہ محل اسے الرصافہ کے کمرہ ملاقات میں لے گیا جہاں اس نے خلیفہ معتقد سے ملاقات کی۔

کچھ دیر کے بعد یہ الرصافہ سے نکلا اور ایک بار پھر قطعہ زبید یہی رواجِ عراق سے ملا پھر اس نے بغداد کو چھوڑ دیا اور کچھنے کی طرف واپسی کا سفر کیا تھا کہ دوسرے دن شام کے وقت نجد سے کارواں مراٹھے میں آگیا۔

ابوطاہر کی واپسی کے ایک پہر بعد جماعت کا ایک داعی اور فدائی رضا خیل اچانک بغداد سے کوفہ پہنچا اس نے مراٹھے میں مجھے ابوطاہر کی بغداد میں آمد اور واپسی کے حالات سے آگاہ کیا اور بتایا کہ یہ شخص خلیفہ کا مخبر ہے۔ صندل نے یہ انکشاف بھی کیا کہ رواجِ عراق پر رضا خیل کی پہلے سے نظر تھی اور وہ خفیہ طور پر اس کی نگرانی کر رہا تھا، جس کے نتیجے میں ابوطاہر کے معاملے سے آگاہ ہوا۔ صندل نے سب سے اہم بات یہ بتائی کہ رضا خیل کو کوفہ سے قافلے کے ساتھ ہی جو شخص پہنچ چکا اور اس وقت نیچے کے باہر موجود ہے، جس پر یہ امر داعی کو خود نیچے میں بلایا گیا اور اس نے آتے ہی ابوطاہر پر اٹلی اٹھائی کہ یہی شخص رواجِ عراق کی دکان پر آیا اسی نے نام کے اندھیرے میں خلیفہ معتقد سے الرصافہ میں ملاقات کی اور میں اس کا تعاقب کرتا ہوا رواج سے کوفہ پہنچا تھا۔

ابیر صندل نے کہا۔ "ابوطاہر کی اصلیت کچھ برسوں پہلے ہی، ابوطاہر ہو گیا تھا، اور اب اسے

آگیا ہے اور ابیر صندل خفیہ طور پر کوفہ سے بعض ایسی چیزیں بھی لے آیا تھا، جو جنگ میں کام آتی ہیں۔ ابیر غلام ارٹھوں سے سامان اتارنے لگے۔ ابیر صندل ابوطاہر کو لے کر ابن مضمض کے نیچے کی طرف ہو لیا۔ جیسے کپڑوں سے سفر کی گروہ اتارنے سے بھی پہلے سردار قید کے سامنے اس کی عقیدت و وفاداری کا اظہار ضروری سمجھتا تھا۔ ان کے نیچے نیچے دو قوی، الجیزہ تیز بردار بھی سردار کے بڑے نیچے تک پہنچے۔

امیر قافلہ کا استقبال خود سردار ابن مضمض نے کیا۔ صندل نے بتایا کہ وہ کہ بلا کے زائر ابوطاہر کے متعلق چند ضروری باتیں کرنا چاہتا اور آقا حسین کے شہنشاہ ابن حرب الکندی، ابی ملک کے سردار نعمان اور ابوطاہر کے بیٹے فضل کی موجودگی ضروری سمجھتا ہے۔ چنانچہ اسی وقت ایک غلام پیغام لے کر روانہ ہو گیا۔ اس اثناء میں ابوطاہر کو بڑی عزت سے بٹھا کر وہ سردار کو نیچے کے ایک گوشے میں لے گیا اور سردار کے پیشروں میں کچھ بتاتا رہا۔ جنھیں سن سن کر سردار کی بیڑی میں اضافہ ہوتا گیا۔

قتواری دیر میں ابن حرب، سردار نعمان اور فضل بھی پہنچ گئے، جن کی موجودگی ضروری سمجھی گئی تھی۔ ابوطاہر کے نزدیک یہ اس کی ایک اور کامیابی تھی کہ امیر قافلہ صندل جماعت کے اہم لوگوں کے سامنے جماعت سے اس کی عقیدت اور گہری وابستگی کا اظہار کرنے والا تھا، جس سے اس کا کام کچھ اور آسان ہو جائے گا۔

جب سب لوگ بیٹھ گئے تو ابیر صندل نے اس بھید کی کوکھوں شروع کی، جس کے لیے یہ اہم مجلس طلب کی گئی تھی۔ اس نے ابوطاہر کے کہ بلا جانے، زیارت کرنے، ظہیر ابن فرات کی مجلس سننے اور اس کے ساتھ ملاقات کرنے کی تہ واد سنائی۔ ابوطاہر نے اس کے بیان کی تصدیق کی اور یہ بھی بتایا کہ اس نے کہ بلا کا سفر محض اپنے امتحان کی کامیابی کے لیے کیا تھا جو آقا حسین باب بیٹے سے لینے والے ہیں۔

یہ اعتراف کراہے کے بعد امیر قافلہ صندل کا لب و لہجہ یک لخت تبدیل ہو گیا، اور وہ ایک بدلا ہوا خوف ناک آدمی نظر آنے لگا۔ اس نے بتایا۔ "ابوطاہر نے کہ بلا کا سفر نہیں کیا اور زیارت کی کہانی سراسر جھوٹی ہے۔"

یہ الفاظ ابوطاہر پر بجلی بن کر گرے اور ابی ان کا کڑا کا دل میں سن رہا تھا کہ فردا صندل نے دوسرا روزہ خیز انکشاف کیا۔ "ظہیر ابن فرات، جس کی مجلس اور ملاقات کا ذکر ابوطاہر

وہیں گرفتار کر سکتا تھا لیکن اندیشہ تھا کہ اسے بحالت اسیری بنو قلیص میں آئے دیکھ کر کہیں فضل کو فرار ہونے کا موقع نہ مل جائے، اس لیے میں نے ابوطاہر کو کربلا کی باتوں میں الجھائے رکھا اور اسے سعادہ میں لے آیا۔

یہ تمام اگشتا فات حیران کر دینے والے تھے۔ ابوطاہر اور فضل پوری طرح بے نقاب ہو گئے اور قمر علی جماعت کے خوفناک آدمیوں کے درمیان اس طرح دم سادھے بیٹھ گئے، جیسے ان کے محبوب سے جان نکل گئی ہو۔

سردار ابن مضمم کے حکم پر ابوطاہر کی تلاشی لگی تو اس کے بارے کے نیچے سے وہ سیاہ قضا بہ برآمد ہوا، جس کی نشاندہی کی گئی تھی۔ بلکہ صدری کی جیب سے رواجہ جراح کا ایک خط بھی نکلا جو فضل کے نام لکھا گیا تھا اور اسے استقامت کے ساتھ کام کرنے کی تاکید کی گئی تھی۔ خط سے یہ حقیقت بھی آشکار ہوئی کہ فضل دراصل رواجہ جراح کا بیٹا ہے، جو ابوطاہر کی مدد کے لیے ساتھ بھیجا گیا تھا۔

تمام معاملات واضح ہو گئے تھے۔ بنو قلیص کے سردار نے "خاموش فیصلہ" صادر کر دیا اور صرف اپنے ہاتھ کو بائیں سے دائیں جانب ایک تیز حرکت دی گویا ان کی زندگی ختم کر دی پھر امیر مندل کے اشارے پر دونوں قوی الجتہ غلام تھے میں داخل ہوئے جو ابوطاہر اور فضل کو نیزوں کی زد پر خیمے سے باہر لے گئے۔ ان کے ہاتھ ابن حرب، سردار نعمان، ابن مضمم اور امیر مندل بھی باہر نکلے۔ سردار اور نائب سردار نے انہی تلواریں میاؤں سے کھینچ لی جن کی میاؤں سے نکلنے کی خوفناک آواز نے ابوطاہر اور فضل پر موت کا لرزہ طاری کر دیا پھر تلواروں کے بلند ہوتے ہی ان کی گردنیں ایک ساتھ کٹ کر گریں اور بے جان لاشیں السادہ کی ریت پر پھیر ہو گئے۔

یہ تھا ایک خطرناک آغاز کا ایک خوفناک انجام۔ سردار ابن مضمم اور نائب سردار مندل نے اپنے ہاتھ سے ان کی گردنیں کاٹی تھیں باب خلیفہ معتقد ابو یاسر کو السادہ سے "وہ آخری اطلاع" نہ مل سکتی تھی، جس کا وہ بعد ازاں میں بیٹھا انتظار کر رہا تھا۔ قرامطہ کی خفیہ تنظیم نے اس کے خبروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور اپنا سراغ ایک باہر چھپایا تھا۔

ابوطاہر اور فضل کے اس انجام کے بعد ابن حرب بڑی غلبت سے اپنے خیمے کی طرف پلٹا۔ سردار نعمان اس کے ساتھ قہار دستے میں انھوں نے کوئی گفتگو نہیں کی۔

آصف شاہی مضرب کے ایک کمرے میں دمنہ اور مغرب کے درمیان موجود تھی۔ رات اس کی طبیعت پھر ناساز ہو گئی تھی اور دونوں کینزس دیکھ بھال کر رہے تھے۔ اس نے سہ لیا تھا کہ قافہ کو نئے سے لوٹ آیا ہے اور سوچا۔ اس کا "باپ" ابوطاہر بھی قافلے کے ساتھ لوٹ آیا ہو گا اور اس سے ملنے آئے گا۔ شاید ابن حرب اسے اپنے ساتھ لے کر آئے مگر ابن حرب کے ساتھ خیمے میں داخل ہونے والا ابوطاہر کی بجائے سردار نعمان تھا۔

ابن حرب، شہزادی نجم کے کمرے میں نہیں گیا، بلکہ سیدھا اس کمرے میں آیا جہاں دمنہ اور مغرب آصف کے ساتھ پاس بیٹھی تھیں۔ اس کے بگڑے تیور دیکھ کر تینوں گھبرا گئیں کہ بھانے کیا واقعہ ہو گیا ہے۔ ابن حرب کمرے کے دروازے میں کھڑا ہو گیا اور آصف کی طرف ہاتھ لہرا کر کہنے لگا۔ "تو اس چھوٹی عمر میں امام یحییٰ ابو قاسم کی خدمت کرنے آئی تھی تاکہ حوران فردوس میں داخل ہو سکے مگر جب امام نے مجھے میرے سپرد کر دیا تو نے نجات کا ایک نیا راستہ ڈھونڈا اور مجھے ذکر و یہ قرامطہ قائم باطنی کے اس مسکن کا پتا پوچھنے لگی، جہاں وہ کئی سال سے انکشاف میں بیٹھے ہیں۔ تو جانتی تھی، بوڑھے شیخ کو کسی خدمت کی ضرورت نہیں، پھر بھی تو ان کی قیام گاہ دیکھنے کے لیے بے چین تھی کہ وہ مقدس مقام ہی دیکھ لینے سے تیرے لیے فردوس کا دروازہ کھل جائے گا امام یحییٰ کی بارگاہ کے ساتھ تو ذکر و یہ قرامطہ کی قیام گاہ سے زیادہ گہری عقیدت رکھتی اور اس کا پتا معلوم کرنے پر اصرار کرتی تھی کہ وہ کس سمت، کتنے فاصلے پر اور کہاں واقع ہے؟ مجھے آج معلوم ہوا ہے تو ان کی قیام گاہ کا کھوج لگانے آئی ہے اور تجھے یہ کام کس نے سونپا ہے تو ابھر سے نہیں آئی، بغداد سے بھیجی گئی ہے۔ تجھے ہماری جماعت سے نہیں کسی اور سے دل چسپی ہے؟ تو دوست بن کر آئی لیکن ہماری دشمن ہے۔ ابوطاہر جیسے تو "ابا" کہتی رہی تیرا باپ نہیں، تیرا افسر تھا، فضل تیرا بھائی نہیں، رواجہ جراح کا بیٹا تھا اور ابوطاہر کے ساتھ ہی جہنم کسبید ہو چکا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ مرد اور اپنے قریب کھڑے سردار نعمان کے ہاتھ سے وہ تھیلا پکڑ لیا، جس میں ابوطاہر اور فضل کے کپڑے ہوئے مرنے والے تھے۔ اس نے تھیلا الٹ دیا اور دونوں سر فرشتے پر ڈھیر کر دیے۔

کتنے۔ جس طرح سانپ کے سامنے چراغ نہیں جلتا، اسی طرح قمر علی اطلاع دہندوں کے سامنے صفائی کا بیان بے معنی سمجھا جاتا تھا کیوں کہ ان کی ہر بات اور ہر اطلاع موت کی مانند زبردست اور اٹل ہوتی تھی۔

ابوطاہر کے ساتھ یہی المیہ پیش آیا۔ اس کا گمان یہ تھا کہ ہلاکی زیارت کے پس پردہ اس نے بغداد کا جو سفر کیا ہے، وہ غلطی رہے گا لیکن مجلس میں اس کے سفر بعد کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی تھی کہ اسے بھٹلانے کی جرأت نہ کر سکا۔ ہر واقعہ جو ظاہر کیا گیا، اسی طرح پیش آیا تھا ہر بات جو بتائی گئی، ناقابل تردید تھی۔ امیر نافذہ عندل کے بیان اور رضا خیاط کی تصدیق نے اس کے حلقے میں یقین کا ڈی تھیں اور وہ کچھ بول نہ سکا تھا۔

یہی قیامت آصف پر ٹوٹی تھی۔ وہ ابن حرب کی کڑی کیسی باتیں سنتی رہی تھی لیکن کچھ کہہ نہ سکی۔ کتنی بھی کیا ابوطاہر اور فضل کے بریدہ سر دیکھ کر موت کے خوف نے زبان گنگ کر دی گویا پھیلنے لگی اور بولنے کی طاقت سلب کر لی تھی یہی کیفیت موت پر ختم ہوئی۔ اس واقعے نے یہ بات بھی ثابت کر دی تھی کہ قمر علی خبر رساں عباسیوں کے مقابلے میں زیادہ ہوشیار، زیادہ سریع الحکمت اور زیادہ مستعد بلکہ زیادہ خطرناک بھی تھے جیسے نقد یکسی کا راستہ کاٹ کر رکھ جاتی ہے، اسی طرح قمر علی خبر رساں بھی دشمن کی بے خبری میں اس کے راستے کاٹتے تھے اور تقدیر کے خلاف جدوجہد کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟..... ناکامی یا موت۔

شاہی مضرب (بڑے جیسے) میں موت کا سنا ملا تھا تھا۔ شہزادی نجم آصف کا سر وہ جسم چھو کر اٹھی تو کہنے لگی..... "ابن حرب! اگر چہ ہمارا لہجہ سخت تھا، الفاظ درشت تھے اور ان کی دھار کچھ کاٹنے والی تھی پھر بھی تم اس کی موت کے ذمہ دار نہیں۔ یہ لڑکی اپنی موت ساتھ لے کر آئی تھی اور اپنے ہی حربہ کا شکار ہوئی ہے۔ ابوطاہر نے اس کے ذریعے ہمارے لیے موت کا گناہ کھڑا نہ شروع کیا تھا لیکن کتنی حُفّ مبینہ! اَلَا خَیْبَہ فَقَدْ وَفَّیَہ (ہر وہ شخص جو اپنے بھائی کے لیے گناہ کھڑا ہے، اس میں خود گرتا ہے) آصف بھی اپنے کھودے ہوئے گولہ میں آپ گری ہے۔ ممکن ہے ماس نادان اور ناچھ لڑکی کو بہکایا گیا ہو کہ اگر یہ لڑکی کوئی ہوتی ہلاک بھی ہو گئی تو شہادت کا رتبہ پاس لگی اور مرنے کے بعد اسے شہید کہا جائے گا لیکن یہ شہید نہیں کیوں کہ ابوطاہر کی طرح جھوٹی اور کاغذی ہے۔"

"تم کہتی ہو، یہ نادان اور ناچھ تھی لیکن میرا تجربہ کچھ اور کہتا ہے۔" ابن حرب نے

آصف نے کئے ہوئے سر دیکھ، جسم پر لڑا طاری ہو گیا اور غش کھا کر فرش پر گری۔ دمنہ اور غنہ بھی تازہ کئے ہوئے سر دیکھ کر سم گئیں۔ اچانک عقب سے شہزادی نجم کی آواز سنائی دی "ابن حرب! آصف بے شک دشمن کی بھیجی ہوئی ہے مگر تمہیں اس کے ساتھ اتنا بے رحمانہ سلوک نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

اُس نے اگے بڑھ کر آصف کو خود پکڑا کہ اسے فرش سے اٹھائے لیکن اب اس کے ہاتھوں میں آصف کا بے جان جسم تھا۔ چراغ گل ہو گیا تھا۔ شمع بجھ گئی تھی۔

ابوطاہر اور فضل کے کئے ہوئے سر دیکھ لینے کے بعد آصف پر موت کی دہشت طاری ہو گئی تھی کہ جماعت سے ان کی جھوٹی عقیدت و وابستگی کا بھید کھل گیا ہے اور وہ پہچان لیے گئے ہیں۔ اب اس کی اپنی زندگی بھی ختم تھی ابن حرب کے الفاظ تلوار کی طرح تیز اور آب دار تھے جو خون میں اترتے اور کچھ کاٹتے چلے گئے خود بھی اخفا کے پردے سے نکل آئی تھی جس سے جسم پر موت کا مسکتہ طاری ہو گیا تھا اسی حد سے سے شش کھا کر گری اور ساتھ ہی حرکت طلب بند ہو گئی۔

قراμπہ، اپنے دشمن پر رحم کرتے، نہ اُسے زندہ چھوڑتے تھے۔ یہ بات ان کے عقیدے کا جزو تھی کہ جو شخص ان سے عداوت رکھتا، ان کی ٹوہ میں رہتا اور خفیہ تنظیم کے امرا جاننے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کا رشتہ جیات کاٹ دیا جائے۔

ابوطاہر پہلا آدمی تھا جو آصف اور فضل کے ساتھ قراμπہ کے مرکز بنو قلیص تک پہنچ گیا تھا۔ اور جب کوئی مخبر اور جاسوس دشمن کے گھر میں داخل ہو جاتا ہے، اس کی زندگی کا سفر تلوار کی دھار یا موت کے رستے پر شروع ہوتا ہے، جہاں اسے زندگی اور موت کے درمیان اپنا توازن قائم رکھنا پڑتا ہے۔ ابوطاہر یہ توازن برقرار نہ رکھ سکا اور اس کی ذرا سی غلطی نے سارا کام بگاڑ دیا۔ وہ اس خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ اپنے وقت کی سب سے منظم اور خفیہ جماعت کو دھوکا دینے میں کامیاب ہو گیا ہے مگر اس حقیقت سے بے خبر تھا کہ قراμπہ کے پُر امرا داعی موت کے اُن دیکھے سائے بن کر خبروں کا بیجھا کرتے اور انہیں غفلت میں رکھ کر اچانک اس طرح دبوچ لیتے ہیں جیسے برق ناگماں گرتی ہے، تھا کہ وہ اپنی صفائی کا بیان تک نہیں دے

”یہ بغداد سے ہماری تباہی کے لیے بھیجی گئی تھی۔ شہزادی نجم نے آصف کے مردہ اور بے روح کے جسم پر نظر ڈالی۔ ”مگر کچھ بھی سہی، لڑکی خوب صورت تھی اور کچھ دن تھاری خدمت میں رہی ہے۔ اس خدمت کا صلہ یہ ہے کہ اسے کفن دے کر دفن کر دیا جائے۔“

سردار نعمان نے جوابی تک خاموش رہا تھا۔ یاد دلایا۔ ”شہزادی صاحبہ، عباسی اس قسم کے شمنوں کو نہ کفن دیتے ہیں، نہ دفن کرتے ہیں، بلکہ ان کی لاشیں نائش کی خاطر شہر کے دروازوں پر لٹکا دی جاتی ہیں۔ آصف ایک خطرناک جاسوس تھی، کیوں نہ اس کی لاش بھی اس گڑھے میں پھینک دی جائے، جہاں ابوطاہر اور فضل کے لاشے پھینکے گئے ہیں۔“

”نہیں۔“ شہزادی نجم نے اس کی رائے مسترد کر دی۔ ”عباسی بھی عورتوں کی لاشیں نہ فہیل پر لٹکاتے ہیں۔ نہ گڑھوں میں پھینکتے ہیں بلکہ انھیں دفن کر دیتے ہیں۔ ہم آصف کی تجیز و تکفین کریں گے۔ ان نے آقا حسین کے منتی کی خدمت کی ہے۔ شاید یہی خدمت اس کی سبقت کا ذریعہ بن جائے البتہ تو ہمیں کے سردار ابن فضلم کو اس واقعے کی اطلاع دینا ضروری ہے۔“

پھر دمزنہ کو ابن فضلم کی طرف روانہ کیا گیا کہ وہ اگر آصف کی لاش دیکھ لے تو اس کی تجیز و تکفین کا انتظام کیا جائے۔ سردار کی آمد تک لاش اُسی طرح پڑی رہی، البتہ سوڑانی کینز خبر نے اُسے ایک کپڑے سے ڈھانپ دیا۔ ابن فضلم تنہا نہیں آیا۔ اس کا نائب صندل بھی ساتھ تھا۔ دونوں دمزنہ کی زبانی موت کے سانچے کی تفصیل سن چکے تھے۔ پھر بھی شہزادی نجم نے انھیں بتایا۔ ”آصف، ابوطاہر اور فضل کے ایسے ہونے سر دیکھ کر اپنے انجام سے خوف زدہ ہو گئی تھی، بدحواس ہو کر گری اور مر گئی۔“

سردار اور نائب سردار کو اس کا مردہ چہرہ دکھایا گیا۔ ابن فضلم نے کہا۔ ”اس لڑکی کے لیے یہی سزا کافی تھی کہ اسے باپ اور بھائی کے سر دکھا دیے جائیں جو اس کے باپ اور بھائی نہیں تھے۔ کل تک ابوطاہر اور فضل کی لاشیں کوڑوں، چیلوں اور گدھوں کے پولوں میں اتر جائیں گی لیکن شہزادی لاش کی بے حرمتی ہمارے مسلک میں جائز نہیں۔ آصف کی لاش کو دفن کر دیا جائے۔“ پھر اس نے شہزادی نجم کے سامنے اپنی گردن خم کر دی۔ ”شہزادی صاحبہ، موت کا وارث کسی پر بھی گزرنے خوش گوار نہیں ہوتا لیکن آپ کے لیے اس میں خوشی کا پہلو موجود ہے۔“

شہزادی نجم کے ساتھ ابن حرب اور سردار نعمان نے بھی اُسے حیرت سے دیکھا اور وہ کہنے لگا۔ ”بغداد کی بھیجی ہوئی کچی بنی کلب کے ہمراہ بلکہ آپ کے محل میں سوار ہو کر بہل آئی تھی لیکن

صاف صاف غفلتوں میں تھا یا۔“ میں اسے امام کا ہدیہ سمجھ کر اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آ تھا لیکن یہ تیرہ چودہ برس کی عمر میں نہ صرف اپنے حسن اور جسم کی خوبیوں سے پوری طرح آراستہ بلکہ مکر و فریب (تربیا چلتر) میں بھی ماہر تھی۔ یہ غفلت میں مجھے اپنے حسن کی دل کشی سے مسحور کر دیتی اور جب کبھی کہیں اس کی کسی فرمائش سے انکار نہیں کر سکتوں گا۔ تب مجھ سے ذکر و قیصر طائف باغی کے خفیہ ٹھکانے کا پتا پوچھتی تھی۔ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ ذکر و قیصر نے صرف مجھے اور تجھیں اپنی خفیہ بارگاہ میں حاضری کی اجازت دی ہے لیکن کچھلی جمعرات کو ہونے والی ملاقات کسی آئندہ جمعرات پر ملتوی کر دی گئی تھی، جس کا اُسے علم نہ ہو سکا اور پوچھنے لگی۔ ”کیا میں آپ کی کینز کی حیثیت سے ساتھ نہیں جا سکتی؟“

میں نے کہا۔ ”ذکر و قیصر مصلحتاً رد پرش اور کئی سال سے اسکا ف میں ہیں۔ کسی غیر متعلقہ فرد کو ان کی قیام گاہ دیکھنے کی اجازت نہیں۔“ اُس نے اپنی عقیدت کا اظہار کیا اور کہنے لگی۔ ”ہندی کے اصل ایچی وہی ہیں، میں انھیں دیکھنے کی تئنا رکھتی اور اس زمین کو بوسہ دینا چاہتی ہوں، جہاں وہ قدم رکھتے ہیں۔“

میں آصف کے الفاظ سے بڑا متاثر ہوا لیکن ابھی خود ان کے ممکن سے بے خبر تھا اس لیے خاموش رہا۔ ایک رات اُس نے ایک نئی چال کھیلی اور اس بات پر اصرار کرنے لگی کہ اگر میں ان کی بارگاہ تک نہیں جا سکتی تو نہ سہی لیکن وعدہ کریں کہ جب آپ ان سے ملاقات کر کے آپس آئیں گے، تو مجھے ان کا مقام اتنا کاف و دور ہی سے دکھا دیں گے۔“

میں نے پوچھا۔ ”اس سے کیا ہوگا؟“ آصف نے جواب دیا۔ ”اگر میں ان کے پاؤں نیلے کی زمین کو بوسہ نہیں دے سکتی تو اس مقدس مقام کو اپنی نظروں ہی سے چوم لوں گی، جس سے مجھے ایک روحانی تسکین مل جائے گی۔“

اس کے اصرار نے میرے دل میں ایک خلیجان اور اندیشہ پیدا کر دیا کہ کبیں اس میں عقیدت کی بجائے کوئی اور معاملہ پوشاں نہیں، آخر یہ ذکر و قیصر باغی کا خفیہ مسکن کیوں دیکھنا چاہتی ہے جو مصلحتاً حکومت کی نظروں سے رہوش ہے۔ مجھے معلوم تھا کہ خلیفہ معتضد ذکر و قیصر قیصر کی تلاش میں ہے مگر میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آصف عباسیوں کی جاسوس ہوگی پھر بھی وہی بات کچھلی جس کا مجھے اندیشہ تھا۔“

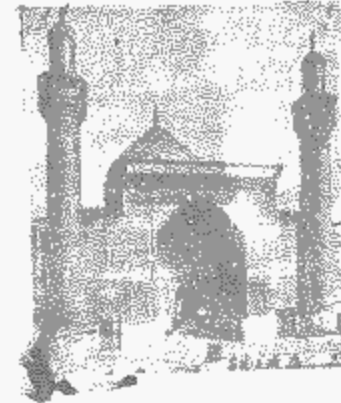
ہم پر گرنے سے پہلے اپنی آگ میں آپ ہی جل کر بھسم ہو گئی اور حضور جانتی ہیں، یہ بجلی کہاں گرنے والی تھی؟

شہزادی نے اس کا مطلب سمجھ لیا اور بے چین ہو گئی۔ ”ابن حرب نے ہمیں بتایا ہے اصفہ، ذکرِ دیہ قائم بالحق اور امامِ اکیبی ابوالقاسم کے خفیہ ٹھکانے ڈھونڈ رہی تھی۔ خدا کا شکر ہے یہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکی ورنہ الزام کی انگلی ہم پر اٹھتی کہ یہ قیامت ہمارے ساتھ آئی تھی؟“

ابن حرب اور سردار نعمان بھی معاملے کی اس سنگین صورت کو سمجھ گئے کہ موت کا حادثہ جو ابوطاہر، فضل اور اصفہ پر گزرا، اپنی کلب کے لیے بڑا خوش آئند ہے کیوں کہ کبھی دشمن کی موت دوستوں کی زندگی کا ذریعہ بنتی ہے۔

اصفہ کی تجویز و تکفین میں بڑی محنت سے کام لیا گیا اور غروبِ شمس کے ساتھ ہی قبرِ قلیص کے قبرستان میں ایک ڈھیری کا اضافہ ہو گیا، جو دوسری قبروں سے الگ تھلک تھی اور جس کے سر ہانے ایک بھاری سیاہ پتھر رکھ دیا گیا تھا۔ کیوں کہ وہ سیاہ پتھروں والے بنو عباس کی جاسوسہ تھی۔

جب زندگی موت کی ڈگر پر چلتی ہے۔ اپنے پیچھے کچھ نشان چھوڑ جاتی ہے۔ اصفہ صرف مٹی کی ایک ڈھیری چھوڑ گئی تھی لیکن ابوطاہر اور فضل کو مٹی کی ڈھیریاں بھی نصیب نہ ہو سکیں۔



ایم روپوش

اسی رات ابن حرب، سردار نعمان اور سردار ابن فضلم کے ہمراہ بجلی قمر مٹی کی بارگاہ میں ابوطاہر کے معاملے کی اطلاع دینے گیا، حالاں کہ رضا خیاط پہلے ہی پورا واقعہ اس کے گوش گزار کر چکا تھا، قمر مٹی نے التوفیق لکھم پڑھا یعنی ان پرافسوس، سختی یا عذاب ہے۔ پھر کہنے لگا۔

”اس بات پر افسوس بریکار ہے کہ ان کی رسائی ہم تک ہو گئی تھی۔ شکر کا مقام یہ ہے کہ ان کا راز جلد آشکار ہو گیا اور تینوں اپنے انجام کو پہنچ گئے۔ کچھ لوگ اپنی وفاداری کی تجارت کرنے نکلے ہیں لیکن تقدیر الہی ان کے جسم گر گھسوں میں پھینک کر آگے بڑھ جاتی ہے۔“ معلوم ہوتا تھا وہ کسی اور سے نہیں بلکہ خود سے مخاطب اور اپنے آپ سے باتیں کر رہا ہے، حالانکہ روئے سخن ابن حرب اور سردار نعمان ہی کی طرف تھا۔ عباسی غیر اسی کے ہمراہ بنو قلیص میں پہنچے تھے۔ ان باتوں سے جو بجلی ابوالقاسم نے گواہ اپنے آپ سے کی تھیں۔ ان کی دل جوئی مقصود تھی اور وہ اپنے جنگی سرداروں کو یہ بتانا چاہتا تھا کہ جب دوجہزینوں کے درمیان کشمکش شروع ہو جائے تو اس قسم کے واقعات پیش آجاتے ہیں۔ جنہیں بھول جانا چاہیے۔

قمر مٹی نے ابوطاہر کے معاملے کو طول نہیں دیا۔ اس کے متعلق مختصر سی گفتگو کر کے اپنے والدِ ذکرِ دیہ قمر مٹی کی بات چھیڑ دی اور ابن حرب کو مژدہ سنا یا کہ قائم بالحق نے آنے والے

سے اور حارث بن زوفکر کے اہلی کو گرفتار کر لیا تھا، جو اس کا خط لے کر خلیفہ متصفیٰ کی طرف جا رہا تھا۔ امیر ابن حرب نے وہ خط قاسم بن قاسم کے ہاتھ مہر پہنچا دیا اور اسے ہدایت کی تھی کہ طونجی حکمران تک پیغام پہنچا کر وہ بادشاہ عراق اسماءہ کا رخ کرے اور بنو قلیص میں پہنچ جائے۔ یہ بنی کلب ہی کا اہلی ہے۔

اس اثنا میں پہرے دارچمنوں نے چاندنی میں اپنے سردار ابن حرب اور سردار نعمان کو پہچان لیا تھا۔ ساندنی سوار کو لے کر قریب آگئے۔ وہ قاسم ابن قاسم ہی تھا۔ صحرا کی چاندنی رات میں نعمان کے ہمراہ ابن حرب کو دیکھا تو مارے خوشی کے آواز بلند ہوئی۔ ”اے قاسم ابن قاسم یا امیر!“

سردار نعمان نے سوال کیا۔ ”قاسم! کیا تم نے محافظوں کو یہ نہیں بتایا تھا کہ ابن حرب کے قاصد، مواد مہر میں ایک ضروری خدمت سرانجام دینے گئے تھے؟“

”میں نے بتایا لیکن ان لوگوں نے میری بات پر اعتبار نہیں کیا اور مجھے گھیر کر لے آئے۔ جب یہ بات واضح ہو گئی کہ آئے والا مخبر یا جاسوس نہیں بلکہ ایک قاصد ہے تو سردار اسے چھوڑ کر معذرت خواہانہ انداز میں جھک گئے اور سردار ابن قاسم نے ابن حرب کو بتایا کہ محافظوں کو لے کر تائید کی تھی کہ اگر کوئی اہلی قبیلے میں آئے اور اپنی پہچان کرائے تو بھی پہلے اُسے میرے پاس لے کر آؤ۔“

پھر اس نے پہرے داروں کو ٹوٹا دیا اور ابن حرب اور سردار نعمان کو بھی رخصت کیا۔ بنی کلب کے چمچے وہاں سے تقریباً ایک میل پرے نصب تھے۔ راستے میں ابن حرب نے قاسم سے دریافت کیا۔ ”کیا میرا پیغام اور حارث کا خط بنی طولون تک پہنچ گیا؟“

”پہنچ گیا جناب!“

”مازوں بن خارویس سے بھی ملاقات ہوئی؟“

”جب طونجی حکمران کو معلوم ہوا کہ میں آپ کا اور شہزادی نجم اللیل کا قاصد ہوں اور میرے پاس ایک ضروری خط ہے تو نہ صرف مجھے حاضری کی اجازت دی بلکہ میری عزت افزائی کی۔ یہ ایک مسرت انگیز اطلاع تھی۔“ اب میں تمہاری ملاقات کی رز واد شہزادی نجم کے سامنے منول گا۔“

جب وہ بنی کلب کے حلقے میں شاہی مہر کے سامنے پہنچے۔ نصف رات بیت گئی تھی

یوم، انہیں کو شہزادی نجم اللیل اور اس کے ساتھ ملاقات طے کر دی ہے۔ ابن حرب کو خود ”امام ردپوش“ سے ملنے کا شوق تھا۔ یوم انہیں (جمعرات) میں صرف دو روز باقی تھے اور عجیب اتفاق یہ ہوا تھا کہ ذکر و قمرط نے ملاقات ابوطاسر، فضل اور آصف کی ہلاکت کے بعد طے کی تھی جو دراصل اسی کا کھوج لگانے آئے تھے لیکن ذکر و قمرط خود ان کے بارے میں کچھ نہ جانتا تھا۔

تینوں امام بارگاہ سے نکلے اور ان کی سواریاں بنو قلیص کی طرف روانہ ہوئیں تو چاندنی رات میں وہ اسی حیران کردینے والے اتفاق پر انہماک خیال کر رہے تھے۔ سردار ابن قاسم کے نزدیک قدرت کی مصلحت یہی تھی کہ عباسی جاسوس ہلاک ہو جائیں تو ابن حرب، شہزادی نجم اللیل کے ہمراہ ”امام ردپوش“ کی بارگاہ کا سفر کرے۔ بہر حال معاملہ محض اتفاقی یا اس کا اسرار غیب سے کوئی تعلق تھا مگر ابن حرب اور سردار نعمان اسے الگ الگ ذکر کے اور سفر میں اسی تفتی کر سلجھانے کی کوشش کرتے رہے۔

جب وہ بنو قلیص کے خیموں کے قریب پہنچ گئے تو شور کی آواز کانوں میں پہنچی۔ مغربی جانب چاندنی میں چند میوے نظر آئے، جنہوں نے ایک ساندنی سوار کو گھیرے میں لے رکھا تھا اور اسے بنو قلیص کے سردار کے پاس لے جا رہے تھے۔ جلد معلوم ہو گیا کہ وہ لوگ پہرے دار تھے اور انہوں نے ایک اور جاسوس کو پکڑ لیا تھا۔

شامی قبیلوں کی آمد سے بنو قلیص کا حلقہ آبادی کٹی میل تک وسیع ہو گیا تھا، جس کے باعث پہرے داروں کا گشت بڑھا دیا گیا تھا تاکہ کوئی مشتبہ آدمی اس حلقے میں نہ آ سکے۔ ابوطاسر کے واقعے سے پہرے دار چوکس ہو گئے تھے۔ عباسی خطرے کے پیش نظر محافظ دستہ بھی ہر وقت تیار رہتا تھا۔ یہ جان کر کہ پہرے داروں نے کسی جاسوس کو گھیر لیا اور ان کا منہ سردار ابن قاسم کے خیمے کی جانب ہے۔ ان نینوں نے اپنی سواریاں روک لیں اور پہرے داروں کا انتظار کرنے لگے۔ اچانک ساندنی سوار کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

”بنی کلب کا آدمی ہوں۔ مجھے سردار نعمان کے پاس لے چلو۔“

سردار نعمان اپنا نام سنتے ہی گھوڑے کی پیٹھ پر اچھل سگیا۔ ”یہ تو قاسم ابن قاسم کی آواز ہے۔“

پھر وہ ابن قاسم کو بتانے لگا۔ اسماءہ کی جانب آئے وقت انہوں نے دومنہ الجبل

آج شام مجھے پھر ایوان خاص میں طلب کیا ہے۔ جب میں شام کے وقت شاہی محل میں حاضر ہوا، وہاں نوجوان سلطان ہارون بن خمارویہ اور شہزادہ شیبان کے علاوہ ایک طرلونی خاتون بھی موجود تھی۔ پتا چلا وہ شہزادی عباسیہ تھی اور مجھے اسی کی فرمائش پر طلب کیا گیا تھا۔ شہزادی نے آپ لوگوں کے بارے میں چند سوالات کیے۔ وہ اس بات پر حیران تھی کہ آپ نے مصر جیسے ملک پر جہاں تمام آسائشیں موجود ہیں، صحرائیں کو ترجیح کیوں دی؟

میں نے بتایا: ”شہزادی نجم اللیل کا مزاج صحرائی ہے اور وہ صحرا کے تندگلوں کے ساتھ سربلند کرتی ہیں جو مقام انھیں صحرائیں حاصل ہے، وہ مصر میں حاصل نہیں تھا۔ وہ وہاں ملکہ صحرا میں اور تمام بادیاہ نشیں قبائل ان کے اشارے پر حرکت کرتے ہیں۔ اگر کبھی عباسی لشکروں نے شام یا مصر کا رخ کیا تو وہی بادیاہ نشیں قبائل ان کا راستہ کاٹیں گے اور جنگ جو ابن حرب کا قہر ان پر برقی اجل بن کر گرے گا۔“

یہ بات سن کر شہزادی عباسیہ حیرت زدہ رہ گئی۔ شہزادہ شیبان بے حد خوش ہوا اور جہاں سلطان مسند چھوڑ کر کھڑا ہو گیا اور میری طرف ہاتھ لہرا کر کہنے لگا: ”قاسم ابن قاسم جو کچھ تم نے کہا ہے اس کے کہنے کا اختیار تمھیں دیا گیا ہے یا نہیں لیکن تمھارے الفاظ اس جذبے کی ترغیب کرتے ہیں جو مصر کے متعلق، بنی طولوں کے متعلق یا پھر ہمارے متعلق شہزادی نجم اور ابن حرب کے دلوں میں پایا جاتا ہے اور ہم بھی آباد و اجداد کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ان کے لیے ہمارا دل کشا ہے۔ ماضی کی باتیں ماضی کے ساتھ رخصت ہوئیں لیکن مستقبل میں وہ دلوں میں اپنا خیزر و دوکار پائیں گے۔ صاحب الخیر داخل الخیر (بھلائی کرنے والا بھلائی میں شامل ہو کر ہے) اور ہم بھی ان کے ساتھ بھلائی سے پیش آئیں گے۔“

ایک پل ٹھہر کر نوجوان سلطان پھر مجھ سے مخاطب ہوا: ”حادث مصر سے فرار ہو گیا اور اپنے ساتھ صرف غدری کا داغ لے گیا ہے مگر سازشی کو بھگاتے والے فبطیہ کے افسر اعلیٰ کا ایہام تم نے سن لیا ہو گا اور جو کچھ تم نے سنا ہے وہ جاگہ اپنے آقا اور اپنی ملکہ کو بتا دینا۔ وہ کچھ باتیں گئے ہیں ان کے پیغام پر عمل کیا۔ حادثہ نے فراموش کو کچھ دھوکہ دیا ہے لیکن تقدیر سے نہیں بچ سکتا جس کی گرفت ہم سے زیادہ سخت ہے۔“

شہزادہ شیبان نے مجھ سے دریافت کیا کہ میں مصر میں کتنے دن مزید قیام کر سکتا ہوں؟ مجھے واپسی کے لیے عجلت تھی۔ اس لیے عرض کیا کہ سویرے یہاں سے رخصت ہو جاؤں گا میرے آقا

”وہ میری ملازمت چھوڑ چکا ہے لیکن میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایسی غدری کا منکب ہو گا۔“ شہزادی نجم اور ابن حرب نے اس سازش کی اطلاع دے کر بنی طولوں پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ اس اطلاع کے ساتھ میری کم شدہ بھی مجھے مل گئی ہے۔“

سلطان ہارون بن خمارویہ نے فبطیہ کے افسر اعلیٰ کو حکم دیا کہ حارث ابوظفر کو فوراً گرفتار کر لیا جائے تاکہ پتا چلے کہ اس سازش میں اس کے ساتھ اور کون لوگ شریک ہیں اور وزیر سلطنت کو تاکید کی کہ مجھے القضاۃ میں شاہی مہمان کی حیثیت سے رکھا جائے پھر وہ مجھ سے مخاطب ہوا: ”حارث کی گرفتاری کے بعد ہم تم سے دوبارہ ملاقات کریں گے۔“

سلطان کے حکم پر مجھے شاہی مہمان خانے میں ٹھہرایا گیا مگر دوسری صبح میں یمن کو حیران رہ گیا کہ حارث فسطاط سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا اور فبطیہ کے افسر اعلیٰ کو رات ہی طوق و سلاسل پہنا دیے گئے تھے۔ اسی نے حارث کو اطلاع دی تھی کہ اس کی گرفتاری کا حکم صادر ہو چکا ہے اگر زندگی چاہتا ہے تو اس کے سینچنے سے قبل فرار ہو جائے۔ فبطیہ کے افسر اعلیٰ نے حارث کو صرف خطرے کی اطلاع نہیں دی بلکہ فرار کا موقع بھی دیا۔ اسی جرم میں اس کی گردن اڑا دی گئی۔ شہزادہ شیبان کے مشورے پر نوجوان سلطان نے نائب سپر سالار ابراہیم خلیجی کو خفیہ طور سے بلایا اور اس کی زبانی پتا چلا کہ حارث پچھلے دنوں دو تین بار طرلونی سپر سالار محمد بن سلیمان سے مل چکا ہے، جس سے اندازہ لگا یا گیا کہ حارث نے فبطیہ معتمد کو جو خط لکھا ہے اس میں ضرور محمد بن سلیمان کی مرضی شامل ہوگی لیکن اس کی بے طرفی یا گرفتاری اس لیے مناسب نہ سمجھی گئی کہ اسے حبش بن خمارویہ کے قتل کا انتقام قرار دیا جائے گا اور ناراض لشکری سپر سالار کی حمایت میں کوئی اور ہنگامہ برپا کر دیں گے۔ علاوہ ازیں محمد بن سلیمان کے خلاف کوئی قطعی ثبوت جرم بھی نہیں مل سکا تھا تاہم ابراہیم خلیجی اور اس کے وفادار لشکر پوری طرح چوکس اور مصر پر چڑھنے والے ہر عباسی حملے کا جواب دینے کے لیے پوری طرح مستعد ہیں۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ حارث کے فرار اور فبطیہ کے افسر اعلیٰ کے قتل سے ان لوگوں کے حوصلے پست ہو گئے ہیں جو حبش بن خمارویہ کے مختصر دور حکومت میں سرکش ہو گئے تھے۔ ہارون بن خمارویہ کا رویہ بڑا سخت اور یہ اعلان بڑا حوصلہ شکن تھا کہ وہ باغیوں اور سرکشوں کو قتل کر رکھ دے گا۔

مجھے یہ ساری باتیں وزیر سلطنت سے معلوم ہوئیں، جو یہ اطلاع دینے آیا تھا کہ سلطان اعلیٰ

ہم پر آپ کے احسان کا قرض بڑھ گیا ہے اور اس کا سود بھی۔ اگر زندگی نے دنیا کی ہم پر قرض مع سود ادا کریں گے۔

(ہارون بن خارویہ)

خط کی عبارت اگرچہ مختصر تھی لیکن الفاظ بڑے پر معنی اور دلوں پر اثر کرنے والے تھے۔ شہزادی نجم کو خط پڑھ کر خوش ہوئی، وہ بیان سے باہر ہے۔ یوں لگتا تھا اس کو اپنی گم شدہ جنت مل گئی ہو۔ ابن حرب بھی محسوس کر رہا تھا جیسے ایک بہت بڑا بوجھ سر سے اتر گیا ہو۔ ایک چھوٹی سی مگر نیچے کے اعتبار سے بہت بڑی خدمت ادا کر کے اس نے طوطی ملک کو ہائمنون احسان کر لیا تھا۔ ہارون بن خارویہ نے اس کا پیغام ملتے ہی حادث کے خلاف فوراً کارروائی کی تھی۔ اگرچہ وہ جھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا لیکن یہ کارروائی ظاہر کرتی تھی کہ ابن حرب کو بڑے اس کے خلاف ایک حلیف مل گیا ہے۔

اس اثنا میں قاسم ابن قاسم اپنی سانڈی کے کنارے سے وہ قبیلے اتار کر لے آیا، جن میں سلطان ہارون بن خارویہ، شہزادہ شیبان اور شہزادی عباسیہ کے بھیجے ہوئے تحائف تھے۔ ان تحائف میں جو بڑے نادر اور قیمتی تھے، شہزادی نجم انیل اور ابن حرب کے علاوہ بنی کلب کے سردار نمان کے لیے بھی کچھ سوغاتیں تھیں اور یہ سوغاتیں ہارون بن خاندیہ کی طرف سے بھیجی گئی تھیں۔ شہزادی نجم اور ابن حرب کو طوطی تحائف کی خوشخبری ہوئی سو ہوئی لیکن سردار نمان طوطی ملک کی سوغاتیں دیکھ کر اس قدر مسرور تھا، جیسے ہفت آئین کی دولت ہاتھ آگئی ہو۔ دراصل یہ تحفے اور سوغاتیں بنی طویون کے ساتھ ایک نئے تعلق کی نشانیاں تھیں اور ان تین خوشی اس نئے تعلق کی تھی، جو بنی طویون کے ساتھ بڑے عجیب حالات میں قائم ہوا تھا۔



یہم انھیں شہزادی نجم اور ابن حرب کی ذکر و یہ قمر سے ملاقات کا دن تھا، جس کی تاریخ انھیں مل چکی تھی۔ دونوں سپیدہ صبح نمودار ہونے سے پہلے ہی الوداع کی قسمی قسمی کی گئی تھی۔ وہ ہمارے حوصلے کی دیوار کو مضبوط کرتے اور ہماری ذات کو تقویت دیتے ہیں۔ ہم جس مسند پر بیٹھے ہیں اس کے پایوں کے نیچے ہمارے بھائی اور باپ دادا کی ہڈیاں دفن ہیں اور ہم حتی المقدور اس مسند کی حفاظت کریں گے خواہ کسی کو اس کی حفاظت ناگوار کر دے۔

میری راہ دیکھ رہے ہوں گے جس پر شہزادی عباسیہ نے شہزادہ شیبان نے اور سلطان ہارون بن خارویہ نے کچھ تحائف پیش کیے کو میں انھیں آپ تک پہنچا دوں۔ مجھے بھی انعام سے سرفراز کیا۔

میرا خیال تھا وہ مجھ سے پوچھیں گے آپ نے انا کی کیا اہمیت اور آقا حسین شیخ اہمیت کی خدمت کیوں قبول کر لی اور جماعت میں کس طرح شریک ہو گئے؟ یا شہزادی قتلہ الندی کے قاتل پر حملے کے متعلق ضرور سوال کیا جائے گا لیکن کسی نے اس موضوع پر بات نہیں کی غالباً انھوں نے سمجھ لیا ہے کہ انسان کے اندر بھی کچھ راستے ہوتے ہیں، جن پر وہ سفر کرتا ہے اور آپ انھی راستوں پر گامزن ہیں۔ جب میں رخصت ہونے لگا تو جو ان سلطان نے ایک مختوم اور خوش خط میری طرف بڑھایا اور کہا۔

”یہ تمھارے آقا اور ملکہ کے لیے ہمارا پیغام ہے“

میں نے اس خط کو بوسہ دیا اور بعد احترام سنبھال لیا۔ دوسرے روز علی الصباح جب میں القطار سے روانہ ہوا تھا سلطان مصر کے خاص غلام نے مجھے ”خدا حافظ“ کہا اور میں دن رات سفر کرتا یہاں پہنچ گیا۔

یہ گروہ بیان کر کے قاسم ابن قاسم نے ہارون بن خارویہ کا مختوم خط اپنی قبا سے نکالا اور شہزادی نجم انیل کی طرف بڑھایا۔ نجم نے جو قاسم کی روداد سن کر مسرت کی ایک عجیب سی کیفیت سے دوچار تھی خط پڑھ کر۔ اس کی مہر توڑی اور کھول کر پڑھنے لگی۔ خط میں شہزادی نجم انیل اور ابن حرب الکنزی دونوں کو مخاطب کیا گیا اور لکھا تھا۔

”آپ نے حادث کے ایچی کو گرفتار کر کے اور سازشی مکتوب مع خاتم

بیج کر مصر کے ساتھ جس دوستی اور تعاون کا اظہار کیا ہے۔ اس کا شکریہ ادا

کرنے کے لیے ہمارے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ آپ کے قاصد قاسم ابن قاسم

نے مصر اور طوطی ملک کے بارے میں آپ کے جو جذبات ہم تک پہنچائے

وہ ہمارے حوصلے کی دیوار کو مضبوط کرتے اور ہماری ذات کو تقویت دیتے

ہیں۔ ہم جس مسند پر بیٹھے ہیں اس کے پایوں کے نیچے ہمارے بھائی اور باپ

دادا کی ہڈیاں دفن ہیں اور ہم حتی المقدور اس مسند کی حفاظت کریں گے

خواہ کسی کو اس کی حفاظت ناگوار کر دے۔

امام یحییٰ کے محافظ صدام کی رہنمائی میں وہ چھوٹا سا قافلہ اسی خفیہ مقام کی طرف سفر کر رہا تھا جہاں ذکر وہ قائم بالحدی کئی سال سے روپوش اور گوشہ نشینی یا اعتکاف تنہائی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔

سورج سر پر اگیا اور سادہ کا مہرا بھٹی کی طرح پیٹنے لگا تھا لیکن جلتے سورج کے نیچے ان کا سفر جاری تھا۔ صدام انھیں جس طرف لیے جا رہا تھا، ادھر کوئی راستہ تھا ہی نہیں۔ دوسرے کے بعد بھی جب صحرائی دستور کے مطابق مسافر آگے بڑھتے ہیں۔ صدام ان کے آگے دشوار گزار ٹیلوں کے حاشیوں سے گزرنے لگا جہاں سے کسی پیادہ یا آدمی کا گزر ناجائز محسوس تھا۔ کیوں کہ ٹیلوں کی ترچھی ڈھلان پر پھسلنے اور لڑھکنے کا خطرہ درپیش رہتا ہے لیکن ان دشوار گزار ٹیلوں کو عبور کر کے ہی وہ اس دشت پر ہول میں داخل ہو سکتے تھے۔ جو ”امام روپوش“ کا مسکن تھا جانور قدم قدم چلتے اور ترچھی ڈھلان پر پھسل سنبھل کے پاؤں رکھتے بالآخر ایک ہی دوق میدان میں داخل ہوئے جسے دیکھ کر دل پر عجیب سی دہشت طاری ہوئی تھی۔

صومالی سفر اور ٹیلوں کا پرتیج کشن راستہ قلعہ کا دینے والا تھا، لیکن آگے کا منظر انتہائی وحشت ناک تھا۔ ایک ہی دوق پٹیل میدان یا اجاڑ ویرانہ میلوں تک پھیلا تھا اور ہر جانب ایسی دہشت و ویرانی برس رہی تھی جیسے وہ بدادواح کا مسکن ہو۔ اہل تو ایسے پر ہول ویرانے میں ول گئے ہی نہیں اور اگر حوادث کا مارا کوئی بھولا بھٹکا قافلہ آجی جائے تو ایسے مقام پر بیٹھنا ہرگز پسند نہیں کرے گا جہاں ہر طرف نخوست اور ایک عجیب سی دہشت نے اپنے سائے ڈال رکھے تھے۔

اس دشت دریلن میں کہیں کہیں سورج کی تہاڑت سے جھلے ہوئے خاردار پودوں اور ہول کی آگے دکھائی دینے والوں کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ جن سے اس ویرانے کی نخوست بالاحسن میں کچھ اور اضافہ ہو گیا تھا۔ بعض گڑھے زمین کے اندر اس طرح دھنس گئے تھے جیسے وہ مٹی کی مدفن قبریں تھیں، جنھیں مہاجر جاہلوزوں نے اپنے بچوں سے کھود ڈالا تھا۔ ان گڑھوں کی ہیئت کھدائی ہوئی قبروں سے ملتی جلتی تھی لیکن وہ قبریں نہ تھیں، نہ وہاں کسی انسانی شجر یا ہڈیوں کا کوئی نشان تھا۔ قبریں ایک دوسری سے ملتی ہوئی ہیں وہ گڑھے باہم ملتی نہ تھے بلکہ ایک دوسرے کہیں ایک ڈیڑھ فرلانگ اور کہیں ایک ڈیڑھ میل کے فاصلے میں واقع تھے جن سے اس دشت پر ہول کا منظر زیادہ دہشت ناک صورت اختیار کر گیا تھا۔

اپنی ساندھیوں پر سوار ان کے منظر تھے۔

ذکر وہ قمر مط سے ملاقات کے علاوہ سفر کے اوقات بھی طے شدہ تھے اور قمر مط کی قیام گاہ تک پہنچنے کے لیے انھیں دشوار گزار اور طویل سفر کرنا تھا۔ انھوں نے روانگی میں دیر نہیں لگائی۔ سادہ کا صحرا اپنی وسعت کے باوجود قمر مط کا حلقہ بگوش تھا۔ بنو قلیص کے علاوہ بعض دوسرے قبیلے بھی جو اس ریگزار میں آباد تھے ان کی تحریک سے دلچسپی رکھتے اور کوفہ و بصرہ سے عربیہ تک پورا علاقہ عباسی سلطنت سے الگ کر لینا چاہتے تھے۔ اس علاقے میں ان قبائل کی اکثریت تھی جو بنو عباس کو غاصب اور ظالم سمجھتے اور ان کے خلاف کسی بھی تحریک میں حصہ لینے کے لیے تیار رہتے تھے۔

ذکر وہ قمر مط نے جس کا دعویٰ تھا کہ وہ ہمدی کا ایلچی ہے جو عشق ریب ظاہر ہونے والے ہیں، کوفہ کے قید خانے سے فرار ہو کر سادہ میں ایسی جگہ قیام کیا تھا جو صحرائی گزرگاہ سے دور ایک ہی دوق میدان یا ایک دشت پر ہول میں واقع تھی۔ اسی کمین گاہ میں اس نے اپنے آپ کو حکومت سے زمانے سے لوگوں سے چھپا لیا لیکن اپنے بیٹوں بچی قمر مط، حسین قمر مط اور علی قمر مط کے ذریعے نہ صرف اپنے بھرے ہوئے عقیدت مندوں کو بھر اکٹھا کر لیا بلکہ ان میں بنو قلیص، بنی کلب اور بعض دوسرے قبیلوں کا اضافہ ہو گیا تھا۔ اعتکاف تنہائی میں بیٹھ کر اس نے جماعت کی خفیہ طور پر ایسی تنظیم کی اور اس پر اخفا کے ایسے پردے ڈال دیے کہ کوئی آنکھ ان پردوں میں جھانک نہیں سکتی تھی۔ اس کی تحریک اپنے دور کی انتہائی پوشیدہ اور خفیہ تنظیم تھی جو بالکل عقیقہ کے کیڑا سرار کیستوں میں بندھی ہوئی اور بارہ نشینوں کے لیے بڑی کشش رکھتی تھی۔

اس کے بیٹوں کے علاوہ جماعت کے خاص اخوان اور داعی ہی جانتے تھے کہ وہ کس سال روپوش ہے۔ اسے ”امام روپوش“ کے نام سے یاد کیا جاتا اور مشہور تھا کہ کئی سال کے اعتکاف تنہائی اور زہد و عبادت سے نہ صرف مقدس اماموں کی روحیں اس کے اندر حلول کر چکی ہیں بلکہ مسلسل چلے کشی نے اس کی قوت مدرکہ (روحانی فہم و ادراک) سے کوئی بات دریافت کر لینے کی اعلیٰ استعداد اور قوت تخیل (خیال و عرفان پیدا کرنے کی طاقت) اسے علاوہ قوت ارادی بھی کمال کو پہنچ گئی ہے۔ اس نے عباسی حکومت کے سامنے شکست قبول نہ کی تھی بلکہ تنہائی میں بیٹھ کر اس کے خلاف درپردہ ایک تحریک کو منظم کیا تھا، جس کی جڑیں عراق سے نکل کر شام، فلسطین اور مصر تک پھیل گئی تھیں۔

بعض ضعیف الاعتقاد صحرائیوں میں یہ بات مشہور تھی یا مصلحتاً مشہور کر دی گئی تھی کہ وہ حق و دوق میدان یا دیرانہ کسی زمانے میں اجنا کا مسکن تھا۔ بعد ازاں اجنا تو وہاں سے کسی دوری طرف ہجرت کر گئے لیکن اپنی دہشت اور ہیبت وہیں چھوڑ گئے تھے۔ اگر کسی دیکھنے والا سفر یا چھوٹے جھلکے قافلے اس دہشت پر ہول میں قیام کریں گے تو اجنا کی پراسرار دہشت جرابھی تک وہاں سانس لے رہی ہے، انہیں اپنے آن دیکھے داموں میں پھنسا لے گی یہی وجہ تھی کہ کوئی بھی شخص اس وحشت انگیز میدان کا رخ نہ کرتا تھا اور کوئی اور کارِ خیر نہ کرنا بھی کہوں، اول تو اُدھر جانے کا کوئی راستہ ہی نہیں تھا۔ دوسرے وہاں بجز وحشت و دیرانی کوئی ایسی عجیب چیز بھی نہ تھی، جس کی خاطر آدمی جو کھوں کا سفر کرتا۔ کونے کے قید خانے سے فرار کے بعد ذکر و غیر مطلقاً دیرانے کو اپنی روپوشی کے لیے منتخب کیا تھا، جہاں کوئی خبر و جارحوں بھی داخل ہونے کی جرات نہ کر سکتا تھا اور وہیں ایک باؤلی خود تعمیر کرائی تھی جس پر آثارِ قدیمہ کا شبہ ہوتا تھا۔

باؤلی کا تصور اس کنٹینر یا نالاب سے عبارت ہے جو پرانے زمانے میں بارش کا پانی جمع کرنے کے لیے تعمیر کیا جاتا تھا اور جس کی تزئینک پنچنے کی خاطر چاروں جانب میڑھیاں بنائی جاتی تھیں۔ اس حق و دوق میدان میں جس کا نقشہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے، خفیہ مسکن کے لیے باؤلی کی تعمیر کا خیال بڑا حیرت انگیز تھا۔ ذکر و غیر مطلقاً وہاں سے جو خیال گزرتا وہ اسے علی شکل دینے میں منہمک ہو جاتا تھا۔ اس نے باؤلی کی تعمیر کے خیال کو بھی علی شکل دے دی اور اس کی ایک دیوار میں لوہے کا دروازہ یا جنگلا لگوایا جس کے اندر ایک تنور اس طرح بنایا گیا جیسے لوہے کا دروازہ یا جنگلا اس تنور کی حفاظت کے لیے لگا یا گیا ہو۔ اس باؤلی کو دیکھ کر لگان ہوتا تھا کہ کبھی کوئی قبیلہ اس دیرانے میں ٹھہرا ہو گا اور اسی نے باؤلی تعمیر کرائی ہوگی۔ لیکن اس مقام کی قدرتی وحشت اور دہشت کے باعث وہ قبیلہ زیادہ عرصہ وہاں قیام نہ کر سکا، کسی جانب چلا گیا اور اُجاڑا باؤلی اپنے پیچھے چھوڑ گیا۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہاں کسی کا قیام ہو سکتا ہے۔ لوہے کے دروازے یا جنگلے کے اندر باؤلی کی دیوار میں کسی انسان کے ٹھہرنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا مگر باؤلی کے اسرار کا اصل قفل وہ تنور تھا جس سے اندر سے ایک خفیہ رستہ زیر زمین کہیں گاہ میں جاتا تھا اور ذکر و غیر مطلقاً اسی کہیں گاہ میں مقیم تھا۔ وہ چھوٹا سا قلعہ دہشت پر ہول میں سفر کرتا اسی باؤلی کی جانب بڑھتا رہا، جو کئی میل

تک پھیلے دیرانے کے وسط میں واقع تھی۔ ابنِ عرب نے اپنی زندگی میں بہت خوف ناک منظر دیکھے اور ایسے بھیاںک، اجاڑ اور دہشت انگیز مقامات سے گزرنا تھا، جہاں زندگی کی کوئی ضمانت نہیں ہوتی کیوں کہ موت آدمی کے ساتھ ساتھ سفر کرتی ہے لیکن شہزادی نجم ہول ناک دیرانے میں پہلی مرتبہ داخل ہوئی تھی جس کی قبرستانوں یا سفریوں جیسی عجیب خاموشی اپنے ہی دہشت زدہ ڈرائے ماحول میں ڈوبی ہوئی اور اُس مقام کی وحشت و دیرانی میں کچھ اور اضافہ کر رہی تھی ایسا غما و حق و دوق میدان یا دہشت پر ہول کہ مدارِ و ارج یا جنت کی جتنی بھی حکایتیں اور کہانیاں بیان کی جائیں، وہ سب اس کے حسبِ حال تھیں کیوں کہ ایسے ہی دیرانوں کی ہیبت اور دہشت سے لوگ خوف کھانے اور انہیں غیر امنی مخلوق کے مسکن قرار دیتے ہیں جہاں جانا اپنی زندگی سے جدا کھینا کھجا جاتا ہے



بیابان کا بھیاںک سناٹا اور وحشت ناک منظر اگرچہ دل پر ایک انجانا سا خوف طاری کر رہا تھا لیکن شہزادی نجم اس دیرانے کی غرض و غایت سے آگاہ تھی پھر ابنِ عرب کی موجودگی میں وہ اس سے بھی بھیاںک مقام سے گزر سکتی تھی البتہ اس بات پر حیرت زدہ تھی کہ ذکر و غیر مطلقاً قائم باؤلی نے اپنی روپوشی یا اعتکاف نہائی کے لیے ایسا بھیاںک دیرانہ کیوں منتخب کیا ہے جہاں تنہائی کی اذیت اور خاموشی کی وحشت آدمی کو دہلا دے سکتی ہے لیکن اسی اذیت ناک تنہائی اور اسی وحشت خیز خاموشی میں بیٹھ کر اس نے ایک کتاب عقائد لکھی اور اپنی جماعت کا ایسا خفیہ انتظام چلایا تھا کہ ماضی میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

باؤلی سے کچھ فاصلے پر ایک طویل گڑھ زمین میں دور تک دھنسا ہوا کسی کھائی کا منظر پیش کر رہا تھا۔ سائنڈیاں اور گھوڑے اسی گڑھے میں اتار دیے گئے۔ صام سواروں کی دیکھ بھال یا باؤلی کی نگرانی کی غرض سے وہیں رک گیا اور کبھی قریبی اپنے مہمانوں کو لے کر باؤلی کی طرف بڑھا۔

اس اجاڑ اور دیران کنٹینر کی ایک دیوار میں لوہے کا دروازہ یا جنگلا سم سم کے طلسم کی طرح کھلتا اور بند ہوتا تھا۔ تنوں باؤلی کی میڑھیاں اُنکر دروازے کے سامنے آگئے قریبی نے اُتھار لگا یا تو دروازہ کھلا تھا۔ وہ اندر داخل ہوا اور تنور کے دہانے میں گھس گیا۔

کودوں میں شربت بھر پھر ان کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

شریت بڑا شیریں اور راحت بخش تھا۔ اس پر ہول اور سورج کی تازت سے جلتے تھے
دیرانے میں یہ میزبان کسی نعمت غیر منتر قہر سے کم نہ تھی۔ اتنے عرصے میں وہ نیم تاریک چہ پہلے
سے کچھ روشن نظر آنے لگا تھا اس روشنی میں شہزادی نجم اور ابن حرب نے اپنے میزبان کو غور سے
دیکھا تو ذکر دیر قہر کے روپ میں انھیں ایک ایسی پُر حال روحانی شخصیت نظر آئی جس کے چہرے
پر تنائی کے مسلسل انگارے، زہد و عبادت اور جد کشی نے تقدس کا نورانی ہلال ڈال دیا تھا اور
آنکھوں میں ایک سحر آفریں کشش پیدا کر دی تھی، جو دیکھنے والوں کو اپنی طرف کھینچتی تھی۔

لوگوں کا خیال تھا، یحییٰ قرمطی اور حسین قرمطی کی آنکھوں میں بھی ایک عجیب سی چمک اور
کشش پائی جاتی تھی جس کے سامنے بعض عقیدت مند اپنے آپ کو بے بس محسوس کرنے لگتے
اس کشش میں اپنے مخاطب کو مسحور کر دینے یا اس سے اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق عمل
کرائے کی قوت ہوتی تھی یہ کشش انھیں باپ کی طرف سے ورثے کی تھی لیکن ذکر دیر قہر
کی آنکھوں میں غیر معمولی کشش، زہد پارسانی، طویل انگارے، جلالت جد کشی اور ربانیت کا نتیجہ
تھی۔ وہ چند خاص اخراں و مخلصین کے بغیر سال میں ایک بار بشرط ضرورت طاہری کی اجازت
نہی سمجھتے تھے، اس کی آنکھوں میں قوت قدسیہ کا انعکاس ہوتا ہے۔ حالانکہ ایسی کشش
بعض لوگوں کی آنکھوں میں قدرتی طور پر پائی جاتی ہے جس میں وہ اپنی ریاضت یا علم و تجربے
غیر معمولی اضافہ کر لیتے ہیں۔ ہندوستان کے کئی جگہ تپسوا اور ربانیت کے آنکھوں سے
جادو جگانے اور نظر بندی پر قادر ہو جاتے ہیں۔ تاہم ذکر دیر قہر کی آنکھوں میں زہد و رعب
کا کس تھا، جسے عقیدت مند "روحانی قوت" کے نام سے منسوب کرتے تھے۔

شریت بیٹھے وقت چاروں خاموش رہے۔ البتہ شہزادی نجم کبھی کبھی چور نظروں سے
قرمطی کی طرف دیکھ لیتی اور اس کی پُر حال روحانی شخصیت سے بڑی متاثر تھی، جس نے بارشیں
قبیلوں میں عقیدے کی قوت پیدا کی اور انھیں عباسیوں کے مقابل لاکھڑا کیا تھا۔ ان کے
درمیان کسی تعارف کی ضرورت نہ تھی۔ حجرے کی ٹھنڈی فضا میں چند لمحے آرام لینے اور شربت
پینے سے وہاں کچھ آسودہ خاطر ہو گئے تو ذکر دیر قہر خود ہی شہزادی سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

"نجم امیل اتم اس بہادر باپ کی بیٹی ہو، جس نے مصر و شام عباسیوں سے جھجھیں لیے اور
ان کے قیروان کی جانب جانے والے راستے روک دیے تھے۔ میں احمد بن طولون کی وجہ سے انھیں

شہزادی نجم اور ابن حرب جانتے تھے۔ سنور کے اندر انھیں ایک اور رنگ و ہانے سے گزرنے
جو "امام روپوش" کے مقام احکاف کی جانب کھلتا ہے۔ انھوں نے بھی قرمطی کی پیروی کی اور
باری باری تنور میں گھس گئے۔ آگے آگے شہزادی نجم، پیچھے پیچھے ابن حرب۔ دونوں گھٹنوں
اور ہاتھوں کے بل چلتے رہا۔ ہانے سے نکل کر اس سرنگ میں داخل ہوئے جو زیر زمین مکیں گاہیں
جاتی تھی۔ سرنگ تنگ اور کسی طویل موکھے کی طرح لمبی تھی جس کا دباؤ ایک فارتا حجرے میں ٹکنا
تھا اور وہ حجرہ طویل و عرض میں اگرچہ چوڑا لیکن اتنا بلند تھا کہ آدمی اس میں بخوبی کھڑا ہو سکتا تھا۔

ان کے آگے آگے یحییٰ قرمطی اسی حجرے میں داخل ہوا۔ نیم تاریک حجرے میں انھوں
نے ایک طویل القامت گر اندیل سایہ دیکھا، جو غریب میں بلبوس کسی تنوں یا رکن کی طرح ایستادہ
تھا جو غریب وہ دونوں آگے پیچھے حجرے میں پہنچ گئے وہ سایہ خستہ لکھن (تھمارے لیے بھلائی
ہے) کہہ کر ذرا پر سے ہٹ گیا۔

دای "امام روپوش" ذکر دیر قہر قائم باقی تھا جو سادہ کے اس دشت پر ہول سے
اپنا بیست ناک سایہ بغداد کے ایوانوں پر ڈال رہا تھا۔ وہ بوڑھا ہو چکا اور عمر کے اعتبار سے
ضعیف بھی تھا لیکن زمانے کی گردش اس سخت جان بوڑھے کی قامت میں کوئی ظم نہ ڈال سکا
تھی اور بڑھاپے کے باوجود وہیں سیدھا کھڑا تھا جیسے تراشیدہ پتھر کا کوئی ستون۔ اور۔

باہر جلتے آسمان پر سورج دوک رہا تھا اور اس کی تازت سے پورے دیرانے کو بھی کی
طرح گرم کر رکھا تھا لیکن وہ حجرہ باہر کی بنیت بڑا ٹھنڈا، پرسکون، اور آرام دہ تھا۔ وہاں
داخل ہونے کا طریقہ اگرچہ دشوار تھا لیکن شہزادی نجم اور ابن حرب کو یوں لگا جس طرح وہ جہنم
سے نکل کر کسی گوشہ فردوس میں آگئے ہوں۔ انھوں نے حجرے میں راحت اور آسائش محسوس
کی۔ ذکر دیر قہر نے انھوں سے انھیں ایک جانب بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اب جو انھوں نے دیکھا
تو بخوبی چٹائی پر ایک قالین بچھا تھا۔ یحییٰ قرمطی کی تقلید میں اپنی نعلین (ناکر) رکھ کر "امام
روپوش" اس قالین پر نماز پڑھتا عبادت کرتا اور احکاف میں بیٹھا تھا (وہ بھی آرام سے
بیٹھ گئے۔

اس اثنا میں بوڑھا قہر کچھ دیر کے لیے حجرے سے نکل کر ایک کافی ناچوبی چوپالے
میں چلا گیا، جو حجرے سے ملتی تھا اور جب واپس آیا، ہاتھوں میں ایک چوبی طشتری تھی جس میں مٹی
کی صراحی اور چار کوزے تھے۔ اس نے طشتری ہاتھوں کے سامنے فرش پر رکھ دی اور صراحی سے

اور صرف اپنے لشکروں کی قوت پر بھروسہ کرتے ہیں۔

ذکر یہ قرطبی کا اور پھر عرب اور پھر جلال غنی اور اس روانی کے ساتھ بولتا تھا جیسے اس پر الفاظ کی بارش ہو رہی ہو۔ جب وہ ذرا کا تو شہزادی نجم کو وہ سوال پر چھنے کا موقع مل گیا۔ جس کا ذکر ایک بار آقا حسین سے بھی کر چکی تھی۔

”آپ کہتے ہیں، مصر کے حالات تندوش ہو گئے ہیں اور وہ فی الواقع مخدوش ہیں۔ ہم نے سنا ہے کہ عباسی امرا طوہنی مملکت کو ختم کرنے کے درپے ہیں۔ اگر جماعت عباسیوں کے خلاف بنی طولون کی حمایت کرے تو ایک مخدہ طاقت اپنے دشمن کو پامال کر سکتی ہے کیا ایسا اتحاد ممکن ہے؟“

”اس کے لیے بنی طولون کو عباسیوں کے ساتھ دوستی کا معاہدہ فوج کے جماعت کے ساتھ ایک معاہدہ کرنا ہوگا لیکن بنی طولونی حکمران ہارون جو ابھی کمسن ہے، اس پر تیار نہیں ہوگا۔“ ابن حرب، جو ابھی تک خاموش تھا کہنے لگا ”سیدنا باعلاہ کی ایک نئی صورت پیدا ہوئی ہے۔ ممکن ہے ہارون کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا جائے تو بنو عباس کے متعلق اس کا رویہ تیسرے بدل جائے۔“

پھر اس نے بتایا کہ حادثہ ابو ظفر، جس نے بنی طولون اور بنو عباس میں دوستی کا معاہدہ کرنا تھا بنی طولون سے مخوف ہو چکا ہے۔ اس نے جیش بن خارویہ کی رحلت کے بعد، جسے طوہنی لشکریوں نے قتل کیا تھا، خلیفہ معتضد کو مصر پر حملہ کرنے اور معاہدہ توڑنے کی ترغیب دی ہے۔ پھر ابن حرب نے حادثہ کے ایچی مونس کی گرفتاری، قاسم ابن قاسم کی پیغام رسانی اور ہارون بن خارویہ کی اس تحریک کا ذکر کیا، جو اس نے مخالف کے ساتھ انقطاع سے بھیجی تھی اور کہا ”سیدنا! صرف ہارون اور شہزادہ شیبان ہی نہیں، تمام بنی طولون جانتے ہیں کہ بنی اور شہزادی نجم اہلیل جماعت میں شریک ہو چکے ہیں اور اب ہماری زندگی کا مقصد صرف غاصبوں کے خلاف جنگ لڑنا ہے۔ یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی اس نے ہمارے ساتھ تعلق بحال کیا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ وہ عباسی حملے کے خلاف طوہنی مملکت کے تحفظ کا عزم رکھتا ہے۔ میری رائے میں اگر ہارون سے رابطہ قائم کیا جائے تو نتیجہ ہمارے حق میں نکلتے گا۔“

ذکر یہ قرطبان دونوں کے ساتھ بنی طولون کے تعلقات کی بحالی اور ہارون بن خارویہ کی دوستانہ تحریک کا ذکر سن کر نئی صورت حال پر سوچنے لگا اور چند لمحوں کے لیے مراقبے میں چلا گیا پھر سر

عزیز رکھتا ہوں۔ جب تم ابن حرب الکندی کے ہمراہ سادہ میں آگئیں تو خود تم سے اور تمہارے جنگ مجر شہر سے ملنے کا مشاق تھا لیکن ملاقات کے لیے صرف یوم النہیس مقرر ہے اور گزشتہ یوم النہیس کو میری طبیعت اچانک خراب ہو گئی تھی لہذا ملاقات ملتوی کرنا پڑی۔“

یہ گفتگو کا آغاز تھا جس میں اس نے اگر شہزادی نجم اہلیل کے ساتھ اس کے والد احمد بن طولون کے ذریعے اپنی دل چسپی کا اظہار کیا تو گزشتہ یوم النہیس کی ملاقات ملتوی ہونے کی وجہ بھی بیان کر دی۔ معلوم نہیں اس طرح میں اسے ابظاہر کے دلقے کی خبر مل چکی تھی یا نہیں، تاہم نجم نے اس کا ذکر مناسب نہ سمجھا اور مختصر الفاظ میں لکھ دیا ”یہ میری خوش نصیبی ہے کہ آپ مجھے عزیز رکھتے ہیں صَلِّ الْأَصَامَ صَلِّ اللَّهُ (امام کا سایہ، خدا کا سایہ ہے)“

ذکر یہ قرطبان نے اپنی گفتگو جاری رکھی۔ ”میرے نزدیک جماعت کو تہادی اور ابن حرب کی ضرورت تھی اس سلسلے میں کچھ گوشنیں بھی کی گئیں اور ضرورت کی چیز حاصل کرنے کے لیے کوشش کرنا نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے لیکن اس معاملے میں تقدیر کی مدد بھی شامل ہے۔ جب سلیمان بن عامر کی یہ تجویز چھوٹ گئی تھی کہ بنو عباس سے بہتر شہر نہیں مل سکتا تو بنی نے اس تجویز کی حمایت کی اور یہ اجازت بھی دے دی کہ ابن حرب قبیلہ الفطاح سے نکال کر حرا میں لے آئے تم اپنے والد احمد بن طولون کی طرح ہم پسند اور قبائل پر حکمرانی کی صلاحیت رکھتے ہو۔ ابن حرب جگہیں لڑے اور دشمن پر دھاوا کرنے میں یکتا ہے، جمعی جماعت نے تمہارا انتخاب کیا اور مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ رشتہ اندراج میں شک نہ ہونے کے بعد تم دونوں جماعت کی توہنات پر پورے اثر سے ہمارے جس طرح احمد بن طولون نے اپنی علاحدہ مملکت قائم کر لی تھی اسی طرح ہم بھی غاصبوں سے اپنے علاقے چھین لینا اور اپنی الگ ریاست قائم کرنا چاہتے ہیں جہاں اپنے عقیدے کے ساتھ زندہ رہیں احمد بن طولون نے جو مملکت قائم کی وہ صرف اس کی ذاتی شجاعت اور سیاسی حکمت کا کارنامہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے فرزند خارویہ کی رحلت کے بعد مصر دشام کے حالات ایک بار پھر مخدوش ہو گئے ہیں۔ ہمارا ایک مسلک، ایک عقیدہ اور ایک نظریہ ہے اور عقیدہ عقیدے سے بار بار ٹکراتا ہے۔ ہم بھی دشمن سے بار بار ٹکرائیں گے۔ اگر اس جنگ میں جماعت کو شکست ہوئی تو ہمارا عسکری شکست ہوگی، ہمارے عقیدے کی نہیں۔ عقیدہ قائم رہے گا تو ظالم سے ہمارا ٹکراؤ پھر ہوگا۔ عباسیوں سے ہماری جو جنگ ہونے والی ہے، اس میں فتح و شکست کا انحصار لشکروں پر نہیں، عقیدے کی طاقت پر ہے اور عقیدے کی طاقت ہمارے ساتھ ہے۔ غاصب اس سے محروم

اٹھایا اور کہنے لگا۔

”ابن حرب! تم نے حادث کا خط ہارن کو بھیج کر مصر سے دوستی نبھائی اور اس نے بھی دوستی کا رویہ اختیار کیا ہے۔ اگر حادث کے اپنی مونس کو اس کے حوالے کر دو گے تو تھا رامزید معنون ہوگا اور تم پر اس کا اعتماد بڑھے گا۔ یہ مصر میں داخلے کا ایک نیا راستہ کھلا ہے اور یہیں دیکھنا ہوگا یہ راستہ کہاں جا کر بند ہوتا ہے؟“

پھر اس کا لہجہ یک لخت بدل گیا۔ ”سنئے حالات پر اتنے معاہدوں کو منسوخ کر دیتے ہیں شریک منسوخ کرنے والے کے پاس استدلال کی قوت کے ساتھ لشکر و سپاہ کی طاقت بھی ہو۔ اگر ہارون بن خارویہ کے پاس یہ دونوں طاقتیں ہیں تو اس سے معاہدے کی بات چیت ہو سکتی ہے۔“
ذکر دیتے قریب کی بات بالکل درست تھی۔ صرف وہی حکمران اپنی مرضی کے فیصلے صادر کر سکتا ہے، جس کے پاس قوت بیان اور قوت سپاہ ہو جو حکمران ان قوتوں سے محروم ہونے میں وہ دوسروں کی چال کے شر سے بن جاتے ہیں۔ شہزادی نجم اور ابن حرب جانتے تھے، طوہنی لشکروں کی پوری قوت ہارون کے پیچھے نہیں اور محمد بن سلیمان جیسا سپہ سالار بنو عباس کے ساتھ دوستی کا معاہدہ فتح نہیں ہونے دے گا پھر بھی حالات نے ایک نیا کر دیا اور امید پیدا ہوئی تھی۔
کہ شاید ہارون لشکر و سپاہ پر قابو پالے۔ شہزادی نجم نے اچانک ایک خلاف توقع سوال کر دیا۔
”ہمارے اور عباسیوں کے درمیان جو جنگ ہونے والی ہے، اس کا انجام کیا ہوگا؟“

اس سوال پر کئی قرمطی اور ابن حرب چونک گئے کیوں کہ کسی لڑائی کا نتیجہ قبل از وقت نہیں بتایا جاسکتا بے شک جماعت نے اپنے حامی قبیلوں کو جمع کر لیا تھا لیکن قرمط اور عباسیہ کی قوتیں مساوی نہ تھیں۔ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ جماعت کے پاس صرف عقیدے کی طاقت تھی، عباسیوں کے پاس تربیت یافتہ لشکروں اور سامان حرب کی فراوانی تھی۔ اس غیر یقینی صورت حال کے پیش نظر یقین کے ساتھ کچھ کہنا مشکل بلکہ ناممکن تھا لیکن ذکر دیتے قرمط قائم باہمی نے اپنا ہاتھ بند کیا اور یقین کے لمحے میں جس میں شک اور ظن کا کوئی شائبہ نہ تھا کہنے لگا۔

”سپاہ پرچم سادہ کی ریت پر پامال ہو جائیں گے۔ صحراؤں کی لاشوں سے بھر جائیگا ان کے بچے قیم ہوں گے۔ عورتیں راند ہوگی اور بغداد میں صفحہ مازم پھج جائے گا۔“
یہ خوف ناک باتیں اس متحدی اور اعتماد کے ساتھ کہی گئیں، جیسے ذکر دیتے قرمط اپنی آنکھوں

سے ہر منظر دیکھتا اور بیان کرتا جابر ہاتھا۔ یوں تو ہر فریق جنگ جیتنے کے لیے لڑتا ہے مگر دونوں فریقوں میں سے ایک کی جیت دوسرے کی ہار ہوتی ہے۔ ذکر دیتے قرمط نے اپنی کامیابی کی خبر دی تھی اور خبر اس طرح دی تھی جیسے سب کچھ جبراً بھی ہونے والا تھا، ہو گزرا تھا۔ کئی اہم اہم پر ابھی جز پر شہزادی نجم پر ایک حیرت سی گزرتی اور قرمط قائم باہمی نے اپنا اٹھا ہوا ہاتھ نیچے گرا لیا۔
نجم اللیل نے جوابی تک اس معاملے کو حقیقت اور خیال سے الگ نہیں کر سکتی تھی دوسرا سوال کیا یہ ہمیں بتایا گیا ہے کہ ہم ظالموں سے بنی ظلوں کا انتقام لیں گے کیا ایسا ہوگا؟

”انتقام ظلم کے بدل دیا جاتا ہے جب ظلم ہو، تب انتقام کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ ابھی تو بنی ظلوں پر کسی نے ظلم نہیں کیا اور وہ اپنے ہی مسائل کا تذکرہ کریں مگر خمار دہ کی رحلت کے ساتھ طوہنی ملک کی ایک مضبوط دیوار گر گئی ہے۔“

پھر پورے ذکر دیتے طوہنی شہزادی کی طرف انگلی اٹھائی ”نجم اللیل! عقیدے اور نظریے کا بیکہ کوئی ملکیت دہشت کی دیوار ہوتی ہے، جو کسی بھی وقت ٹوٹ سکتی ہے۔ تمہارے اندر حکمرانی کی صلاحیت ہے اگر تم اپنی صلاحیت کو عقیدے کی طاقت کے ساتھ استعمال کر دو گے، تو صحرا سے مصر اور شام کی طرف بہت سے راستے جانے ہیں۔“

شہزادی نے محسوس کیا کہ ”اہم رویوش“ نے اس کے سوال کا جواب دے دیا مگر اسے عقیدے کی طاقت سے مشروط کیا ہے۔ خیال کیا اس وقت تک اس نے جو کچھ کیا ہے، اس کی غایت صرف یہ رہی ہے کہ وہ الزباد کی طرح ”مکڑ صحرا“ کھلائے بے شک وہ قرمطی عقیدے پر عمل پیرا رہی پھر بھی عقیدہ کچھ اور ہوتا ہے اور ”عقیدے کی طاقت“ کچھ اور ہوتی ہے۔ یہی طاقت اسے نئی کامیابیوں سے ہمکنار کر سکتی تھی جن کے متعلق اشارہ دیا گیا تھا کہ... ”صحرا سے مصر اور شام کی طرف بہت سے راستے جانے ہیں۔“

یہ احساس یا درک اس طرح اچانک ہوا تھا جیسے کسی شخص کو اشارہ ملتی ہو تاکہ ہے۔ ساقداری دل میں ”عقیدے کی طاقت“ یا جماعت سے عقیدے کا دھارا دوجہز کی طرح لہریں اپنے لگا اسی حالت میں آگے بڑھ کر ذکر دیتے قرمط قائم باہمی کے پاؤں پکڑیے اور بولی ”میدان! ہم اپنی صلاحیت کو عقیدے کی طاقت کے ساتھ استعمال کریں گے اور ہمارا جہان نامہ عرف جماعت کے لیے ہوگا۔“
ذکر دیتے نے اپنا ہاتھ اٹھ کر اس کے سر پر رکھ دیا جیسے اُسے برکت دے رہا یا اپنے ہاتھ کے لمس سے عقیدے کی طاقت اس کے وجود میں منتقل کر رہا ہو۔ اس طاقت کا مقصد یہ تھا

کہ تصادم سے پہلے جرحِ جماعت اور عباسی لشکروں کے درمیان ضروری ہو گیا تھا، شہزادی نجم اور ابنِ حرب کو عقیدے کی طاقت سے بھر دیا جائے کیوں کہ یہی طاقت ایک فیصلہ کن کردار ادا کرنے والی تھی۔

ذکرِ دیہِ قرمط کی شخصیت پر اسرا اور حیرت انگیز تھی۔ اُس کے پیکر کے اندر ایک ایسا آدمی چھپا ہوا تھا، جسے دیرِ یافتہ کرنا مشکل ہوتا ہے۔ چہرے کی جھریاں ان تجربات یا حوادث کی نشان دہی کر رہی تھیں، جن سے وہ دوچار ہوا اور گزرا یا تھا۔ کبھی ابو القاسم اسی کے وجود کا سایہ یا اس کا نقشِ ثانی تھا، جسے ایسے تجربوں اور نئے حوادث سے گزرنا تھا۔

رخصت ہونے سے پہلے اس نے ابوطاہر کا واقعہ بیان کیا جس نے بنو قلیص کو زیادہ ہوشیار اور مستعد کر دیا تھا۔ بوڑھے ذکرِ دیہ نے سب کچھ سنا لیکن کسی غیر معمولی تحیر کا اظہار نہیں کیا اور صرف ایک فقرے میں بات ختم کر دی۔

”بعض لوگ اپنے قتل کا از نکاب خود کرتے ہیں۔“

اس کے ساتھ ہی ملاقات ختم ہو گئی۔ جب وہ باؤلی سے نکلے، اجناد سورج مغربی صحرائں پر چمک رہا تھا اور پُر ہول ویرانہ ابھی تک اس کی گرمی سے تپ رہا تھا۔ باہر کے منظر کی طرح شہزادی نجم نے بھی اپنے اندر ایک تبدیلی محسوس کی۔ اب ”عقیدے کی طاقت“ خون کے ساتھ ساتھ اس کے پورے جسم میں گردش کر رہی تھی جیسے قرمط کے چھو لینے سے وہ طاقت اس کے جسم میں اتر گئی ہو۔

ابو طاہر بغداد سے لڑتے وقت رواجہ جراح کو خوش خبری دے گیا تھا کہ وہ فضل کو
 بہت جلد ایک اہم اطلاع کے ساتھ بغداد بھیج دے گا اور امیر المومنین نے وعدہ کیا ہے کہ اس
 اطلاع کے آنے پر انہیں (ابو طاہر فضل اور آصف کو) زر و جواہر میں تول دیا جائے گا۔
 قارئین ماسبق میں پڑھ چکے ہیں کہ فضل دراصل رواجہ جراح ہی کا بیٹا تھا جو ایک منصوبے
 کے تحت ابو طاہر کا بیٹا بن کر صحرائے سمرقند میں داخل ہوا اور اپنے انجام کو پہنچ گیا۔ رواجہ کوئی اچھا
 بزرگ اور اچھا طبیب نہ تھا۔ آمدنی بھی کم تھی مگر جب اس کے بیٹے کو ایک اہم خدمت سونپی گئی تھی
 وہ اپنی خوشحالی کے خواب دیکھنے لگا تھا۔ ابو طاہر کی واپسی کے بعد ہر روز فضل کا انتظار کرتا کہ
 آج کل میں آجائے گا اسی طرح ایک ایک کر کے دس یوم گزر گئے لیکن نہ فضل آیا نہ کوئی اطلاع
 آئی اور آپ کسی کو آنا بھی نہیں تھا۔

رواجہ جانتا تھا مخبروں اور جاسوسوں کا کام بڑا کٹھن اور صبر آزما ہوتا ہے۔ بعض
 اوقات انہیں کوئی اہم اطلاع حاصل کرنے اور اسے دوسری جگہ پہنچانے کے لیے کئی دن
 انتظار کرنا پڑتا ہے کہ کب موقع ملے اور وہ حرکت کریں۔ یقیناً فضل بھی موقع کی تلاش میں ہو
 گا۔ ابو طاہر نے بنو قلیص میں پہنچنے اور قرطبی سے ملنے کی جو روداد سنائی تھی۔ اس کے مطابق
 ان تینوں کو کوئی خطرہ لاحق نہیں تھا۔ بس جماعت میں باقاعدہ داخلے کے لیے انہیں کسی امتحان
 سے گزرنا تھا اور ہو سکتا ہے فضل کو وہی امتحان درپیش ہو جس کے باعث بغداد آنے میں دیر ہو گئی

تھی پھر بھی اسے بیسے کاشت سے انتظار تھا، جسے وہ دیکھ کر غصے سے بھر جاتا تھا۔

اور چپ چاپ ایک طرف ہویا۔ اسٹار دکان دار نے آگے بڑھ کے روکا اور پوچھا: "کیا جا رہے ہو؟"

رواح نے پھر بھی کوئی جواب نہ دیا، جیسے دل پر جو جرح جو زخم جو گھاؤ لگا تھا اس نے زبان لنگ کر دی تھی۔ اسی طرح گھڑی اٹھائے چپ چاپ آگے بڑھ گیا اور لوگ حیران و ششدر سے کھڑے دیکھتے ہی رہ گئے کہ بنانے اصل معاملہ کیا ہے؟

تھوڑی دیر کے بعد رواح جراح غبطہ کے حاکم اعلیٰ بدر کے دفتر میں کھڑا تھا اور سیاہ گھڑی وہاں کھلی پڑی تھی۔ بدر کھڑی پٹی آنکھوں سے دونوں بریدہ سر دیکھ رہا تھا گویا اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ ابوطاہر اور فضل پر موت کا انتہائی کڑا اور خوف ناک سانحہ گزر چکا ہے اس نے رواح سے پوچھا: "یہ سر کون سے کر آیا تھا؟"

رواح کا جواب نفی میں تھا کہ کچھ نہیں جانتا مگر اب وہ بول رہا تھا اس نے لفظوں میں بتایا کہ صبح جب وہ مطب کا دروازہ کھولنے لگا۔ سیاہ گھڑی مطب کے چبوترے پر پڑی تھی جسے کوئی رات کے وقت وہاں چھوڑ گیا ہوگا۔

بدر نے اس واقعے کی اطلاع فوراً خاندان تک پہنچائی اور جو کچھ رواح سے سنا تھا لفظاً لفظاً بیان کیا خلیفہ معتمد ہکا بکا سارہ گیارہ سوارہ سے آنے والی آخری اطلاع کی بجائے ابوطاہر اور فضل کے سر آئے تھے اور یہ حادثہ بڑا جگر خراش تھا۔ اسے کر لان ترک اور عراقی سواروں کے سر بھی یاد آ گئے جنہیں ابونصر یا قوت عرش سے لے کر آیا تھا عرش میں جو کچھ ہوا اس کا ذمے دار ابن حرب تھا ابوطاہر اور فضل کے سر جو قلیص سے آئے تھے اور ان کے پیچھے بھی ابن حرب کھڑا تھا۔

بنو قلیص اور شام سے آنے والے قبائل خلیفہ معتمد کے سامنے تھے مگر ذکر دیگر قریط پھر غائب تھا۔ اس کے ساتھ کچی قریط بھی تھیں جن سے دوبارہ اوجھل ہو گیا اس نے قریط پر چڑھائی میں دیر اس لیے کی تھی کہ پیٹے ان کے خفیہ ٹھکانے معلوم کرے پھر ان کی تحریک کو جڑوں سمیت کاٹ کر پھینک دے لیکن جڑیں بدستور زیر زمین تھیں اور صحرائے سمارہ میں شاخوں کا ہجوم تھا اب اسے شاخوں کے بارے میں فیصلہ کرنا تھا اور اس نے فیصلہ کر لیا۔ "بدر! ابوطاہر اور فضل کے سر طاہریہ کے قبرستان میں دفن کر دیے جائیں اور شبل کو اسی وقت ہماری حاضری کا حکم بھیج دو۔"

اس کا مطب جہاں وہ زخمی مریضوں کا علاج کرتا قطعاً زہید یہ کے پُر رونق بازار میں تھا اور جوں کہ فضل کے آنے کی امید تھی، اس لیے سویرے ہی مطب میں آ جانا اور رات کو دیر سے نوٹنا تھا تاکہ وہ کسی وقت بھی آئے تو اس سے ملاقات ہو سکے۔ ابوطاہر کی واپسی کے گیارہویں روز وہ صبح ہی صبح مطب کا دروازہ کھولنے کے لیے آگے بڑھا، تو چبوترے پر ایک سیاہ گھڑی دیکھ کر ٹھٹکا جو دروازے کے ساتھ لگا رکھی گئی تھی۔ پہلے تو یہی سمجھا کہ کوئی راہ گیر رات کو مطب کے چبوترے پر بیٹھا ہوگا اور جلتے دھند گھڑی بھول گیا۔ شاید اسے لینے واپس آئے پھر خیال آیا کھول کر دیکھتے تو آخر اس میں ہے کیا؟

مطب کا قفل کھولنے سے پہلے اس نے سیاہ گھڑی کھولی تو حلق سے دھشت کی چیخ نیکی گئی جو بازار میں چلنے پھرنے والوں اور اس پاس کے دکانداروں نے سنی تو وہ فوراً مطب کی طرف بھاگے کہ بنانے رواح جراح کو کیا حادثہ پیش آ گیا ہے۔ لوگوں نے دیکھا مطب کا دروازہ بند اور قفل ابھی نہیں کھلا تھا لیکن چبوترے پر ایک سیاہ گھڑی کھلی تھی جس میں دو مکٹے ہوئے سر پڑے تھے وہی بریدہ سر دیکھ کر رواح کی صرخہ بلند ہوئی تھی۔ ساتھ ہی جسم پر سکتہ طاری ہو گیا تھا کیوں کہ پھر اس کے حلق سے کوئی آواز نہ نکل سکی۔

جس نے بھی بیخوف ناک منظر دیکھا کانپ اٹھا۔ اچانک ایک دوکاندار نے رواح جراح کے جوان بیٹے فضل کا بریدہ سر شناخت کر لیا اور اس کی طرف اشارہ کر کے بولا: "رواح! یہ تو تمہارے بیٹے فضل کا سر ہے مگر دوسرا سر کس کا ہے؟"

رواح نہ کچھ بول رہا تھا، نہ کچھ سن رہا تھا، جیسے بیٹے کا بریدہ سر دیکھ کر ہوش و حواس کھو بیٹھا اور تھمکا ہو گیا تھا۔ وہی دکان دار جس نے فضل کا چہرہ شناخت کیا تھا اسے جھجھوڑے لگا: "رواح! ہوش کرو، کسی نے تمہارے بیٹے کو قتل کر دیا۔"

جھجھوڑنے کے ساتھ مزہ پر پانی کے چھینٹے دیے گئے تو رواح جراح ہوش میں آ گیا۔ لوگوں نے ہمدردی کا اظہار کیا کسی نے کچھ کہا، کسی نے کچھ پوچھا لیکن رواح کی زبان سے ایک لفظ نہ نکلا۔ اگرچہ ہوش میں تھا مگر حواس باختہ سا۔ آنکھیں پتھرائی ہوئی بہہ رہے کا رنگ اڑا ہوا۔ اسی حالت میں دونوں سر سیاہ کپڑے میں دوبارہ باندھ دیے پھر گھڑی اٹھائی

خلیفہ معتقد شہل کے جنگی عزم و حوصلہ سے مطمئن تھا مگر اس نے ایک وضاحت ضروری سمجھی
 "ہمیں یقین ہے تم قمر ملی سرداروں کے سر نیزوں پر چڑھنا کہ لوٹو گے اور ان میں ابی حرب کا سر بھی
 ہوگا جو ہماری طرف کئے ہوئے سروں کے تختے بھجوا رہا ہے۔ ہم چاہتے ہیں وہ گناہ قہاری
 ہی سرگردی میں اپنے کفر کو دار کو پہنچے لیکن ایک اور شخص بھی اس سے انتقام لینے اور اپنا صاحب چکانے
 کا طلب گار ہے اور ہم وعدہ کر چکے ہیں کہ پہلے اسے ابن حرب کا حساب بے باقی کرنے کا موقع دیا
 جائے گا۔"

"شہل ہنس کے بغیر ہی سمجھ گیا کہ وہ مرحوم سلطان خمار دیہ کا سفیر اور شہزادہ شہباز کا اڈا کر کے
 غلام حارث ابو ظفر ہے جس کے ساتھ طولونی بیوہ نجم الملیل کا عقد نکاح کیا گیا تھا لیکن نہ صرف شہزادی
 ابی حرب کے ساتھ فرار ہو گئی اور قمر ملی کی بیوہ کا رہ گئی تھی بلکہ ابن حرب حارث کو بھی باندھ کر نئی
 کلب میں لے گیا تھا جہاں وہ چار بیٹھے قید رہا محبت اور رقابت کی اس کمائی میں شہزادی نجم الملیل
 ابن حرب اور حارث ایک دوسرے سے بندھے ہوئے تھے۔ شہل یہ بھی جاننا تھا کہ حارث ابو
 ظفر نئی کلب کی قید سے جھاگ کر ادھر خمار دیہ ابو جیش سے ملاؤں ہو کر بغداد آیا اور خلیفہ المسلمین
 سے امداد کا طلب گار موعظا تاکہ ابن حرب سے انتقام لے سکے۔ ان معلومات کی بنا پر وہ کہنے لگا
 "امیر المومنین اگر وہ شخص حارث ہے جو ابن حرب سے اپنی رقابت اور دشمنی کا حساب
 چکانا چاہتا ہے تو میری طرف سے وہی اپنا انتقام پورا کرے لیکن وہ مصر میں ہے اور اُسے یہاں
 آنے میں ایک عرصہ درکار ہوگا۔"

"وہ مصر سے بغداد بھاگ آیا اور کئی دن سے یہیں ہے۔ ہم اسے حالات سے آگاہ کر چکے
 ہیں اور یہ سن کر کہ اس کا رقیب بنو قلیص میں پہنچ چکا ہے اس کا حساب چکانے کے لئے بڑے جی
 ہے۔"

یہ ایک اگشاف تھا کیوں کہ بغداد میں حارث کی آمد کو مصلحتاً پوشیدہ رکھا گیا تھا۔ اگر
 وہ یہیں ہے تو میں اُسے اپنے ساتھ لے چوں گا۔

"حارث غمار سے ساتھ ہی جائے گا اور تم ابن حرب کا معاملہ اُس کے سپرد کر دو گے
 درحقیقوں کا مقابلہ اور دو عقیدوں کا ٹکراؤ رہیں ہوگا۔ وہ ابن حرب کے خون کا پیاسا ہے اور
 تمہاری مشکل آسان کر دے گا۔"

پھر معتقد نے خود ہی سوال کیا: "نہاں را کیا خیال ہے وہ ابن حرب کو زیر کر لے گا یا ایک

بدرجہ گیا کہ اس نے قرامطہ پر حملے کا فیصلہ کر لیا اور سپہ سالاری کے لیے شہل کا انتخاب
 کیا ہے۔ شہل خلیفہ معتقد کا قابل اعتماد غلام اور ایک تجربہ کار فوجی سالار تھا جس کی تلوار ابی حرب
 کا ایک بازو کاٹ چکی تھی اور سادہ میں بھی اصل مقابلہ اسی سے تھا۔ بدر نے خلیفہ کے انتخاب
 کی داد دی اور کمرے سے نکل گیا۔



معتقد ابو عباس شہل کی حاضری تک قصر خلافت میں بڑا بے چینی رہا کسی دوسرے
 آدمی کو باریاب ہونے کی اجازت نہ مل سکی۔ وہ مغضوب الغضب اور بھیا دکھانے والے شیر
 کی طرح مشتعل نظر آتا تھا۔ جب غلام نے شہل کے لیے حاضری کی اجازت طلب کی تو اپنے
 بیٹے پر دوڑوں بازو لپیٹ کر کھڑا ہو گیا۔ غالباً بدر نے شہل کو معاملے کی صورت سے آگاہ کر
 دیا تھا کہ بنو قلیص پر چڑھائی کا قزم اس کے نام نکلا ہے۔ اس نے کمرے میں داخل ہوتے
 ہی خلیفہ کے تیور دیکھ لیے اور کمزیک جھک گیا۔ معتقد ابو عباس کسی تمہید کے بغیر مطلب
 پر آگیا اور کہنے لگا۔

"شہل! تم ابن حرب کا ایک بازو کاٹنا بھول گئے تھے۔ وہ اسی بازو کے ساتھ عراق میں داخل
 ہو چکا اور سماح کے صحرائیں تمہارا منتظر ہے۔ ہم نحر یک قرامطہ کے خلاف جنگ کا جھنڈا اٹھائے
 ہاتھ میں دیتے اور امید کرنے ہیں کہ تم ان تمام باغی قبیلوں کو جو خروج کے لیے سادہ میں جمع ہوئے
 ہیں اس طرح گھیر لو گے کہ کوئی بھی بھاگنے نہ پائے گا۔ ان عقیدہ پرست باغیوں پر جو باطل اور
 گمراہی پرمائل ہیں، اپنی تلوار کا حکم نافذ کرو، کیوں کہ تلوار کا حکم سب سے بہتر ہوتا ہے جس کے
 سامنے زبانیں ساکت اور آنکھیں بے نور ہو جاتی ہیں۔"

شہل نے سر تسلیم کر دیا۔ امیر المومنین اچھا آپ نے فرمایا ہے غلام دیا ہی
 کرے گا، جب میں اس سادہ سے لوٹ کر آؤں گا حضور دیکھیں گے، میرے آگے آگے باغی
 سرداروں کے سر نیزوں پر چڑھے ہوں گے اور پیچھے پیچھے نو نڈی غلاموں کی بھیڑ ہوگی۔ یہ بات
 میرے لیے باعث فخر ہے کہ امیر المومنین نے قرامطہ کی نمکوبی کے لیے غلام کو منتخب کیا۔ میں
 ان کے جنگی سر ملنے ابن حرب کا ایک بازو حضور کی نذر کر چکا ہوں۔ اب دوسرے بازو کے ساتھ
 اس کا سر بھی پیش کروں گا۔"

غلط نہیں تو محض (شام) کے نواح میں کہیں پھپھ کر بیٹھا ہے۔ دونوں تحریکیں دراصل ان لوگوں نے چلائی ہیں جو یو یو اس کے خلاف شروع سے شورشیں اور بغاوتیں کرتے رہے لیکن ہمیشہ ناکام ہوئے ہیں۔ وہ ہمیں غاصب قرار دیتے اور اپنے آپ کو خلافت کے وارث سمجھتے ہیں تم جانتے ہو وہ کون لوگ ہیں اور ان کا اصل مقصد کیا ہے؟ جنوب مشرقی عراق میں ان لوگوں کی اکثریت ہے اور جو ان کے سہارے قریبی قبیلوں کا اجتماع کا مقصد یہ ہے کہ کوئی نئے عربین ملک ایک نئی ریاست قائم کر کے اسے سلطنت یواسیہ سے علاحدہ کر لیا جائے۔ اگر یہ سازش کامیاب ہوگی تو جس طرح شمالی افریقہ کے علاقے بنی اغلب کے ہاتھ سے نکلنے جارہے ہیں، اسی طرح ایشیاد میں بھی پہلے کوہ، بصرہ، بحرین اور پھر یمن کے علاقے ہمارے ہاتھ سے نکل جائیں گے۔ ملت میں ایک عظیم تفرقہ رہنا ہوگا اور اسلامی مملکت کی حصوں اور کئی محضوں میں منقسم ہو جائے گی یہی بات وہ لوگ جانتے ہیں کہ سلطنت تقسیم ہو۔ تمہارا انتخاب اس لیے کیا گیا ہے کہ تم قرامطہ کے ایک قبیلے بنی کلب کو شکست دے چکے ہو اور اس پر تمہاری دھاک بیٹھ چکی ہے۔ سہارہ میں تمہارا سامنا جن قبیلوں سے ہوگا ان میں بنی کلب کو اہمیت حاصل ہے۔ ابوطاہر نے یہیں بتایا تھا، شام سے آنے والے قبائل کا سرگزین ابن حرب ہوگا اور عراقی قبیلے ابوالنوار اس کے ماتحت ہوں گے مگر تمہاری اصل توجہ ابن حرب کی طرف ہوگی اگر وہ اس مرتبہ بھی بچ کر نکل گیا تو پھر کبھی ہاتھ نہیں آئے گا۔ سہارا خیال ہے اس کے ہلاک ہوتے ہی قرامطہ کے شکاریں بھگدڑ مچ جائیں گی اور تم بھاگتے ہوئے باد یہ نشیبوں کا بہتر شکار کر سکو گے۔

اہم ذکر وہ قرامطہ اور بنی قریظہ کے خفیہ ٹھکانے معلوم نہیں کر سکے۔ شاید باب بیضا جنگ میں شریک نہ ہوں اور پروہ اخفا میں رہیں لیکن ان کے لشکر کے کو شکست دے کر اور داعیوں کو گرفتار کر کے تم ان کے خفیہ ٹھکانوں پر پہنچ سکتے ہو، جہاں سے انہیں گھسیٹ کر باہر لے آنا مشکل نہ ہوگا۔ یہ فرض تمہیں ہر طور سے انجام دینا ہے۔ ہماری یہ بات غور سے سنو اور پہلے باندھ دو کہ تم جن لوگوں کے خلاف لڑنے جا رہے ہو، وہ اپنے عقیدے اور خیال کو دوسروں سے پوشیدہ رکھتے اور پردہ اسرار میں رہ کر کام کرنے کے گر جاتے ہیں جنگ میں بھی وہ چھپ کر دھاوا کر نے اور تمہیں قریب دینے کی کوشش کریں گے لہذا تمہیں پوری طرح ہوشیار اور مستعد ہونا ہے۔

مقابلے میں ابن حرب سے شکست کھا چکا ہے۔ جب کوئی اور بات تھی۔ اب اس کا حریف ایک بازو سے محروم ہو چکا ہے۔ جب ابن حرب دیکھے گا کہ حارث کے پیچھے جو ایسا لشکر کھڑے ہیں تو اس کی طاقت کچھ اور کم ہو جائے گی۔ یہ دونوں باتیں حارث کے فتنے میں جاتی ہیں۔

”ہم بھی یہی سوچتے ہیں۔ اگر مقابلے میں جیت گیا تو اس جیت کا صلہ شہزادی نجم ہوگی جس پر ہم حارث کا اختیار تسلیم کرنے میں کہیں کہ نجم اہلیل پر حارث کو یہ اختیار اس کے بھائی خادریہ نے دیا تھا۔“

”مگر شہزادی نے اس کا یہ اختیار کبھی تسلیم نہیں کیا۔“

”ابن حرب کی ہلاکت کے بعد وہ باری ہوئی عورت ہوگی۔“

”اگر حارث اپنے حریف کو قتل نہ کر سکا۔“

”پھر تم سے تم قتل کر دو گے۔ ہم چاہتے ہیں، جب بغداد میں واپس آؤ ابن حرب کا سر تمہارے یا حارث کے ہیزے پر چڑھا دیا۔“

اب شہیل نے بڑا نازک اور بڑا اہم سوال کیا۔ ”امیر المؤمنین اگر حارث خود قتل ہو گیا اور ابن حرب کا سر غلام کے ہیزے پر چڑھا تو اس صورت میں شہزادی نجم پر کس کا اختیار ہوگا؟“

خلیفہ معتضد سمجھ گیا وہ کیا چاہتا ہے۔ شہیل کے سوال کی طرح اس کا جواب بھی بالکل واضح تھا۔ ”نجم اہلیل بہر حال ابن حرب کو ہلاک کرنے والے کا صلہ ہوگی کیوں کہ اس کی زوجہ ہے لیکن وہ کینز یا لونڈی نہیں ہوگی۔“

اس وقت کے بعد جس میں گویا ابن حرب کی ہلاکت کا فیصلہ کر دیا گیا اور شہزادی نجم پر اختیار کا معاملہ بھی طے ہو گیا تھا، معتضد اب یواس نے گفتگو کا رخ بدل دیا اور اب وہ شہیل کو تحریک قرامطہ کی خطرناک اور سنگین صورت سے آگاہ کرنے لگا۔

”ہماری معلومات کے مطابق یہ تحریک، ہمدانی تحریک کا ایک حلقہ ہے جو خیروان میں ابو جعفر ثعلبی کے قریبی زور پکڑتی جا رہی ہے۔ زیادۃ اللہ والی افریقہ اس پر قابو نہیں پاسکا۔ ذکر وہ قرامطہ اور اس کا بیٹا بھی قریظہ بنی ابوعبداللہ ثعلبی کی طرح اپنے آپ کو ہمدانی کے داعی اور داعی کہتے ہیں لیکن ہمدانی ابھی تک نہ افریقہ میں ظاہر ہوا ہے نہ ایشیا میں اور اگر ہمارا قیاس

یہی نظر انداز نہ کی جاسکتی تھی کہ وہ دھوا کر نے میں نیز، لوٹ مار کے حامی اور بھاگنے کا راستہ ہمیشہ کھلا رکھتے تھے۔ شیل اُن کی کمر وریوں سے فائدہ اٹھا سکتا اور اپنے تربیت یافتہ اور اسلحہ سے لیس لشکروں کی قہرمانہ یلغار سے ان کے حقوق کو منتشر اور پامال کر سکتا تھا۔ عاقبتی فوج میں چرائی دستے بجلی کی طرح حرکت کرتے تھے اور اس کا رسالہ جس کے گھوڑے دشت و صحرائیں یکساں تیزی اور پھرتی سے اُگے بڑھتے تھے دشمن پر موت کے خدا کہتے ہوئے گزرتا تھا۔ انہی خصوصیات کے باعث عباسی سپاہ کو دوسروں پر برتری حاصل تھی۔ شیل کو یقین تھا وہ اپنے مقصد میں کامیاب لوٹے گا، اسی یقین کے ساتھ بولا۔

”امیر المومنین! آپ نے غلام پر جو اعتقاد کیا ہے میں اس پر یور اتروں گا اور آپ کا حکم اس طرح بجالاؤں گا کہ زمانہ اسے یاد رکھے گا۔ میں دشمن قبیلوں کو ریت کی طرح منتشر کر دوں گا اور انھیں خون میں رنگے ہوئے جسموں کے ساتھ سداہ کے جہنم میں دھکیل دوں گا۔ میں وہ بنیاد ہی کھو ڈالوں گا جس پر باطل عقیدوں کی دیواریں کھڑی کی گئی ہیں جسٹور نے ذکر فرمایا خط کا مڑ طلب کیا ہے لیکن میں کوشش کروں گا اسے ڈھونڈ کر زندہ اور طوق و سلاسل میں جکڑ کر لے آؤں تاکہ مالی جاہ اپنے دست مبارک سے اس کا تر قلم کر سکیں اور دنیا کو اس کے نقص سے نجات حاصل ہو۔ آج فرامطہ کی جماعت اعلیٰ حضرت کے خلاف خروج و بغاوت کی تیاریاں کر رہی ہے کل اس کا نام تک صفحہ ہستی سے نابود ہو جائے گا“

معتقد کی تقریری کی طرح شیل کا جواب بھی اس کے عزم و حوصلہ اور جوش و خروش کا
منظر تھا جواب میں کرباسی حکمران کے تصویریں قراطط کی تباہی و بربادی کے منظر بکھر گئے اور
اس نے اپنے غلام کو تجلیں کھیں۔

ملاقات ختم ہو گئی تھی۔ شبیل نے دلوے کے کمرے سے نکلا اور تقدیر بھی اس کے ساتھ ہی باہر نکلی۔



جماعت کے خلاف لشکر کشی کا فیصلہ ہو گیا اور اس محکم کا جھنڈا اعلیٰ فیلڈ مستفد کے غلام شہیل کے نام باندھا گیا تھا جس نے اسمارہ کی طرف کوچ کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔

اس ہم کے لیے جس کا جھنڈا تھا اسے نام سے باندھا جائے گا، دس ہزار لاکھ لاکھ کانی ہو گا۔ لاکھ میں کئی تحریک کا روجی سالار بھی شریک ہوں گے، جو صحرائی جنگیں لڑنے کا تجربہ رکھتے ہیں اور تمھارے ساتھ پورا تعاون کریں گے۔ کو فو دبھرہ کی چھادنیوں کو اس ہم سے آگاہ کر دیا جائے گا اور برہنہ انتظامات اس لیے کیے جا رہے ہیں کہ تم قرامطہ کے فتنے کا مرکز نہ بنو اور اق میں وہ صورت پیدا نہ ہو، جو سودی تحریک نے قبروان میں پیدا کر دی ہے۔ اگر دنیا میں کامیابی کے خواہش مند جو تو تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ کسی عقیدہ اور خطرناک تحریک کے خلاف ایک سب سالار اپنے آپ کو کس طرح خطرے میں ڈالتا، اپنا دفاع کرنا پھر دشمن پر کیسے ناگاہانہ چھینٹا ہے۔ تمھیں یہ بھی سمجھ لینا چاہیے ہمارے اور ان کے درمیان اختلافات کی جو آگ بھڑک رہی ہے، اُسے صرف خون کا دھارا بجھا سکتا ہے۔ ہم نے یہ بات تم پر واضح کر دی ہے۔ اگر کچھ پوچھنا چاہتے ہو تو پوچھ لو کہوں کہ تمھیں ایک ہفتے کے اندر کوچ کرنا اور دشمن کو خروج کا علم بلند کرنے سے پہلے نیست و نابود کر دینا ہے۔“

معتمد کی تقریر اگرچہ طویل تھی مگر اس نے ہر بات کھول کر بیان کر دی۔ شبلی کے ذہن میں کوئی تضاد اور الجھاؤ نہیں تھا، اس لیے ان کو کچھ پوچھنے کی ضرورت تھی، ان کو کچھ کتنی حاجت اسے ایک ایسی جماعت اور ایسی تحریک کو متوجہ کرنے سے آگاہ و پھیلنے کا فرض سمونایا گیا تھا جو کئی سال تک ہمارا خفاء کے غلافوں میں بند رہی تھی اور جس نے ابھی تک کسی سے اپنا صحیح تعارف نہیں کرایا تھا، حتیٰ کہ عرفانی جاسوس اس کے خفیہ ٹھکانوں تک نہ پہنچ سکے اور ان کے سر پر پردہ لاشعے موت کے گڑھوں میں پھینک دیے گئے۔ ایسی جماعت کو تباہ و برباد کر دینا مشکل کام تھا۔

وہ ایک ایسی جنگ لڑنے جا رہا تھا جس میں اُسے عقیدہ پرست صحرائیوں کو چھوڑ کر
نظریات کا شنکار ہو گئے اور عیسائیوں کو ظالم، جابر اور غاصب سمجھتے تھے، موت کے گھاٹ
اتارنا، ان کے سرداروں کے عزیزوں پر چڑھا کر لانا، ان کی عورتوں کو لڑکیاں اور مردوں کو
غلام بنالیا تھا جب کہ لڑنے والے جنہوں نے عسکر کی ہواؤں کی طرح آزاد رہنا اور بگڑیوں کے
ساتھ سفر کرنا سیکھا تھا، غلامی پر موت کو ترجیح دیتے اور دشمن کا اس وقت تک پیچھا چھوڑتے
تھے جب تک اُسے ہلاک نہ کر دیں یا خود ہلاک نہ ہو جائیں۔ تاہم وہ جانتا تھا کہ عسکری حکمرانوں
کے نقابے میں صحرائیوں کی تربیت سے عسکری اور جنگی قواعد سے بے بہرہ ہیں ان کی خصوصیت

کمال گئے۔

اب ابوہریرہ اور فضل کے ہمراہ سڑوں سے (جن میں انہیں پھیلانے والوں نے از خود اٹھانہ کر لیا تھا) لوگوں میں خوف کی ایک نئی لہر سرسرا نے گی۔ بغداد کے کوچہ و بازار میں جہاں کئے ہوئے سڑوں کا چرچا ہو رہا تھا۔ وہاں یہ بات بھی سنی جا رہی تھی کہ قرامطہ کے کسی شیخ یا سردار کو قید نہیں کیا جاسکتا، کیوں کہ وہ پُر اسرار طور پر قید خانوں سے فرار ہو جاتے ہیں۔ اس کی ایک مثال تو بغداد کے قید خانے سے ابو غلام کی دہشت انگیز رہائی تھی۔ درمیان افقہ کرنے کے زندان سے ذکر وہ قرامطہ کے پراسرار فرار کا تھا، جس کے بارے میں جماعت نے یہ بات مشہور کر رکھی تھی کہ ذکر وہ قرامطہ باقی کی زنجیریں فرشتوں نے توڑ دی تھیں اور قید خانے کے دروازے کھول دیے تھے۔

قرمطلی جماعت کے حوالے سے جو خوف انگیز باتیں ہو رہی تھیں، ان سے گلی محلوں اور بازاروں میں اضطراب کی لہر اس لیے چل رہی تھی کہ حکومت ابھی تک کچھ نہیں کر سکی تھی مگر ابی بغداد قیاس کے گھوڑے بھی دوڑا رہے تھے کہ غنیمت کچھ نہ بچے ہوئے مال ہے، اچانک انھوں نے خبر سنی کہ شیل کے لیے جنگ کا جھنڈا باندھا گیا اور وہ بہت جلد کوچ کرنے طالع ہے۔ خیر کے ساتھ ہی باتوں اور قیاس آرائیوں کا رخ بھی بدل گیا۔ اب لوگوں کو ایک نیا موضوع اٹھا گیا کہ صحرائے سادہ میں کیا ہوگا؟

عباسی لشکروں نے شکستیں بھی کھائی تھیں، فتوحات بھی حاصل کی تھیں اور وہ جنگ کے میدانوں سے زیادہ تر فتح و نصرت کے شادیاں بجاتے ہوئے واپس آئے تھے لیکن اب ان کا واسطہ ایک ایسی جماعت سے ہونے والا تھا جس کے فدائی "دعوت سے فرستادہ" سمجھے جاتے تھے جس کے زیر زمین خفیہ ٹھکانوں کا سرانجام مل سکتا تھا، جس کے دائی اور خبر رساں اہل کی طرح بے آواز چلتے تھے۔ لوگوں نے یہ بھی سن لیا تھا کہ ابن حرب الکندی عراق میں لوٹ آیا اور سادہ کے صحرائے بیخ گیا ہے۔ سردار شیل کو قرامطہ کی ہم کام سپہ سالار اس لیے مقرر کیا گیا ہے کہ وہ ابن حرب جیسے جنگ جو کا ایک بازو کاٹ چکا ہے کچھ لوگوں کا خیال تھا اس مرتبہ وہ ابن حرب کا سر اپنے نیزے پر چڑھا کر لائے گا مگر کچھ لوگ عراق میں اس کی آمد کو خطے کی علامت سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک وہ منظم مزاح اور بے رحم آدمی تھا جو اپنا انتقام کبھی نہیں چھوڑتا۔

بغداد کے مستف کوچوں اور بازاروں میں قرامطہ سے متعلق قسم قسم کی چوڑیاں بچنے لگیں۔ ابوہریرہ اور فضل کے سرخاموشی کے ساتھ ظاہر کے قبرستان میں دفن کر دیے گئے تھے۔ کزمان ترک اور عراقی سوادن کے سڑوں کی طرح ان کی نمائش نہیں کی گئی تھی تاکہ اہل بغداد کو جوہر واقعہ پر کھٹ کرنے، ہوا ہواں اٹانے اور بال کی کمال اتارنے کے عادی نہ بنیں۔ قیاس آرائیوں کا موقع نہ مل سکے مگر جن لوگوں نے قطعاً زہد بیہ کے بازار میں روادہ جراح کے بیٹے اور ابوہریرہ کے ہمراہ سڑ دیکھے تھے، ان کے ذریعے بیخونک کمانی ایک سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے تک پہنچی۔ پھر بات بازاروں سے نکل کر گلی کوچوں اور محلوں میں پھیل گئی۔

اس طرح شہر میں نہ صرف کئے ہوئے سڑوں کا چرچا ہوا اور خوف دہرا اس پھیل گیا بلکہ انہوں کے ساتھ ساتھ سڑوں کی تعداد بھی بڑھتی چلی گئی اور روکی بجائے اٹھارہ بیس سڑوں کا ذکر کرنے لگا جنھیں انوار ہانوں کے بقول چپ چاپ مختلف قبرستانوں میں دفن کر دیا گیا تھا۔ سب سے اہم مسئلہ یہ تھا کہ اب کے "سڑوں کا تحفہ" کس نے بھیجا ہے؟ بچانے بات کہاں سے نکلی لیکن قرامطہ کی خفیہ اور پراسرار جماعت کا ذکر جگہ جگہ ہونے لگا جس کے فدائین زہر میں بجھے ہوئے تجڑوں سے کمر بستہ رہتے تھے۔ خفیہ جماعت اور اس کے خمدار ہلائی تجڑوں کے ذکر نے خوف دہرا اس میں کچھ اور اضافہ کر دیا۔

بغداد کے حکماء کا رخاص میں ایک خفیہ جماعت کا ذکر عرصے سے ہو رہا تھا لیکن لوگوں میں اس جماعت کی دہشت انگیز سرگرمیوں کا چرچا اس وقت ہوا، جب ابن حرب الکندی نے شیخ الجماعت اٹا حنین کے حکم پر شہر آبادی اسامہ قطر الندی کے تانے پر حملہ کیا تھا۔ دوسری مرتبہ قرامطلی جماعت کی دہشت اس وقت پھیلی، جب سادہ کی گمراہی ہونے لگی اور ذکر وہ قرامطہ اور اس کے بیٹے سبھی قرامطلی کے خفیہ ٹھکانوں کا پتا معلوم کرنے کے لیے جماعت کے ایک اہم رکن عبد اللہ بن سعد ابو غلام کو گرفتار کیا گیا تھا۔ ضبطیہ کے افسر اعلیٰ بد رہنے اسے تشدد کا نشانہ بنایا اور بغداد کے قید خانے میں بند کر دیا لیکن جماعت کے فدائی قید خانے کے محافظ جتہ یوں کو قتل کر کے ابو غلام کو چھڑانے لگے تھے۔ قید خانے کے محافظوں کو جس بے رحمی کے ساتھ قتل بلکہ ذبح کیا گیا تھا اس نے اہل بغداد پر قرامطلی جماعت کی دہشت طاری کر دی تھی، کیوں کہ ضبطیہ (پریس) کو شش کے باوجود یہ سرانجام لگا سکی تھی کہ صحرائی بادو آئے کہ ہر سے اور چلے

کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنہیں اس جنگ سے کوئی دل چسپی نہ تھی۔ جو سبوں کے خلاف پہلے ہی حتیٰ خلاف پر لڑنا نہیں ہوئی تھیں۔ خرمج کے علم ہارنے گئے تھے لیکن یہی ہمیشہ طاقتور کے حق میں نکلتا تھا اور کمزور غارت ہو گئے تھے۔ وہ لوگ کہتے تھے۔ اس مادہ میں موت کی بنا پر بچائی جا رہی ہے، جس پر کوئے، چلیں اور گدھ انسانوں کی حیثیت اڑائیں گے پھر یہی وہ جنگ جو اچھی لڑی جانے والی تھی۔ دوسری جنگوں سے مختلف تھی۔ یہ دو حربوں کا نہیں بلکہ دو عقیدوں کا ٹکراؤ تھا۔



سردار شیل کے لیے قرامط کی ہم بڑی اہم تھی جس میں پرانے حریف ابن حرب کے خلاف نبرد آزما ہونے والا تھا اس کی خواہش تھی کہ اپنے حریف کو عربین ناک شکست دے اور فرخو ہو کر لوٹے مگر ابن حرب کا ایک دشمن اویچی تھا۔۔۔ حارث اویظفر، جن کی زندگی کا مقصد ہی اب بیکارہ لگا تھا کہ اپنے رقیب کا سارا حساب چکا دے۔ اسے بدد کا پیغام ملا کہ قرامط پر لشکر کشی کا فیصلہ ہو گیا اور سردار شیل کی قیادت میں چھ سات یوم کے اندر کوچ ہو گا تو ہم کی تفصیلات معلوم کرنے بھاگایا۔ بدد نے اسے شیل کی طرف بھیج دیا تاکہ دونوں آپس میں صلاح مشورہ کر سکیں۔ اس جنگ میں ابن حرب ان کا مشترکہ دشمن تھا مگر حارث کے لیے یہ اطلاع اطمینان بخش تھی کہ خلاف تاب نے ابن حرب کا معاملہ اسی کے سپرد کیا اور ہم کے سپہ سالار کو ہدایت کردی تھی کہ اسے اپنے دشمن سے حساب چکانے کا پورا موقع دیا جائے۔

شیل نے حارث کا خندہ پیشانی سے خیر مقدم کیا اور بتایا کہ وہ خود اس سے ملنا چاہتا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کو پیٹنے سے جانتے تھے اگر حارث دیکھ چکا تھا کہ خلیفہ مقتصد شیل پر کس قدر اعتماد کرتا ہے تو شیل بھی حارث کے معاملات سے پوری طرح آگاہ تھا اور حارث کے معاملات بھی سمجھ چکا تھا۔

عشق میں ناکامی، رقیب کے ہاتھوں شکست و گرفتاری بنی کلب میں چار بیٹے کی قید۔ دسوائی بے حد کی مقصد میں ناکامی، مایوسی اور مہر سے فرار، یہ سب کچھ ہو گیا تھا، اگر اس کی زندگی میں کوئی دل چسپی باقی رہ گئی تو صرف ایک لفظ میں سمیٹ گئی تھی اور وہ ایک لفظ تھا "انتقام" اب اسی ایک لفظ کو معنی و مضمون پہنا نا چاہتا تھا چنانچہ اس نے اپنی گفتگو کا آغاز اسی

ایک لفظ سے کیا اور کہا۔

"سردار شیل! میں صرف ایک شخص سے انتقام لینے کے لیے زندہ ہوں اور تم جانتے ہو وہ کون ہے؟"

"بے شک میں اس شخص کو جانتا ہوں!"

"وہی میری تمام ناکامیوں اور ہر بادبیل کا ذمہ دار ہے۔ جب تک میں اس کا خاتمہ نہ کروں، مرنا نہیں چاہتا۔ اسے تباہ و برباد کر دینے کے بعد مجھے مزید حلیے کی طلب نہیں ہوگی" ساتھ ہی اس نے اپنی بات کا جواز بھی پیش کیا۔ "جب آدمی وہ اہم اور آخری کام کر لے، جسے کرنا چاہتا ہے تو زندگی سے اس کی دل چسپی ختم ہو جاتی ہے۔ ابن حرب کو ختم کرنے کے بعد زندگی سے میری دل چسپی بھی ختم ہو جائے گی!"

شیل نے اس کی بات مسترد کر دی۔ "زندگی سے آدمی کی دل چسپی کبھی ختم نہیں ہوتی کیوں کہ زندگی ایک سیپائی ہے۔"

"جیسے تم سیپائی کہتے ہو، وہ صرف کتابوں میں ملے گی۔"

حارث کے اس جواب نے شیل کو لاجواب کر دیا پھر بھی جو کچھ اس کے ذہن میں تھا، وہ حارث کے ذہن میں منتقل کرنے لگا۔ "تم ابن حرب سے انتقام لینے کا اہم اور آخری کام کہتے ہو یا اہم کام تو جو سکنہ ہے لیکن آخری نہیں۔"

حارث نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ "پھر آخری کام کیا ہوگا؟"

"اپنے اصل دشمن کو ہلاک کرنا۔"

شیل کے جواب نے اسے حیرت میں ڈال دیا اور تعجب سے بولا۔ "کیا ابن حرب میرا اصل دشمن نہیں؟"

"وہ صرف تمہارا رواجی دشمن ہے ایک رقیب اور ایک حریف جس نے کبھی خوب صورت عورت کو تم سے جیت لیا مگر تمہارا اصل دشمن کوئی اور ہے۔"

حارث پر ایک اور حیرت گزری۔ "کون ہے وہ؟"

"جس نے ابن حرب کو نفرت فراہم کی اور قوت فراہم کرنے والی قرامط کی وہ خفیہ طاقت ہے جس کے پیچھے مذکور یہ قرامط کھڑا ہے۔ تمہارا اصل دشمن وہی ہے۔"

یہ جواب سن کر حارث مارے حیرت کے خود بھی کھڑا ہو گیا۔ شیل نے اس کے ہرے کی

بدلتی ہوئی کیفیت سے اندازہ لگایا کہ نذیب اور مردوں میں بڑا کیا ہے۔ پھر اسے بیٹھے کا اشارہ کیا۔ "حیران کیوں ہونے ہو بیٹھ کر اطمینان سے میری بات سنو اگر تمہیں یقین نہ آئے تو اسے مسترد کر سکتے ہو۔"

حادثہ دوبارہ اپنی نشست پر بیٹھ گیا تو شبیل کہنے لگا۔ "آدھی کتنا ہی جری اور بہادر کیوں نہ ہو، حوادث کے سامنے بے بس ہو جاتا ہے اور جب تک اسے قوت فراہم نہ کی جائے۔ وہ تنہا کچھ نہیں کر سکتا۔ ابن حرب جب بغداد سے بھاگا موت اس کے تعاقب میں تھی اور زمانے کے حالات اس کا پیچھا کر رہے تھے۔ اگر مصر میں داخل ہوتے ہی اسے قرامطی خفیہ حمایت حاصل نہ ہوتی اور جماعت اسے قوت فراہم نہ کرتی تو وہ طوفانی شہزادی پر عاشق ہونے، تم سے اُلجھنے اور نجم المیل کو مصر سے بھاگ لے جانے کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ شہزادی نجم اور ابن حرب کا معاشرہ دراصل ایک کتاب اسرار ہے اور وہ کتاب قرامطہ کے دفتر میں قرامطہ کے علم سے لکھی گئی ہیں یہ تو نہیں جانتا کہ ان دونوں میں باہمی دلچسپی نے معاشرے کی صورت کیسے اختیار کر لی لیکن یہ ضرور کیوں لگا کہ اس کا ہر منظر پہلے سے ترتیب دیا گیا تھا اور القطار نے شہزادی نجم کا فرار بھی ایک منصوبے کے تحت عمل میں آیا تھا۔ بنو عباس اور بنی طولون کے درمیان معاہدہ دوستی کے بعد وہ تمہارا انعام اور صلہ طہرائی تھی مگر تمہارے عقد میں اچانک تبدیلی سے لکھا ہوا منظر نامہ تبدیل ہو جاتا لیکن وہ تمہیں ہلاقی اور فریب دیتی رہی اور ایک روز طے شدہ منصوبے کے مطابق ابن حرب قرامطی شہزادوں کے ہمراہ اسے اپنے نیل کے ساحل پر پہنچ گیا۔ شوشی قسمت سے تم نے ان کا راستہ کاٹا اور ابن حرب کی تلوار کا زخم کھا کر گرے۔ وہ شہزادی نجم کو مصر سے نکال کر صحرا میں لے گیا اور تم بھی ان کے ساتھ ہی بندھے چلے گئے۔

یہی کلب میں قرامطی شیخ الجماعت آقا حسین نے شہزادی نجم اور ابن حرب کو رشتہ ازدواج میں پڑ دیا اور ان دونوں کو صحرائی قبائل پر حکم و اختیار دیا۔ مزید سب کچھ کیوں ہوا؟ اس سے کہ شہزادی نجم کا بے مثال حسن و باورہ شبلیوں کے بے کیشش و دلچسپی کا باعث تھا اور جماعت اس کے ذریعے صحرا پر چکر لانی نافذ کر سکتی تھی۔ ابن حرب کی شجاعت اور جنگی مہارت قرامطی کا یہی کا ذریعہ بن گئی تھی۔ وہ دونوں جماعت کی ضرورت تھے۔ ابن حرب امیر اطمینان کی وفاداری کا حلقہ توڑ کر بغداد سے نکل گیا تھا۔ شہزادی نجم بنی طولون کے سارے تعلق القطار میں چھوڑ گئی تھی مگر تم بنی طولون کی وفاداری کا دم بھرتے تھے۔ تم نے مصر و عراق کے درمیان معاہدہ دوستی

کر لیا تھا۔ اس لیے جماعت کو تمہاری ضرورت نہیں تھی۔ تمہاری محبت پر جو بھیلیاں لوٹیں، وہ قرامطی بادلوں میں چھپ کر بیٹھی تھیں۔ تم جن حادثوں سے دوچار ہوئے، وہ اسی پُر اسرار جماعت کے پیدا کردہ تھے جو تمہارے رانے روکتی اور تمہارے رقیب و حریف کی زبان کھلتی رہی اسی نے تمہارے آسمان سے محبت کا ستارہ نزع کر لیا۔ زندگی کی تاریکیوں اور مایوسیوں کے حوالے کر دیا۔ آج تم القطار کے محافظ سردار بھی نہیں رہے اور طوفانوں کی وفاداری کا حلقہ توڑ کر بلکہ مصر سے جان بچا کر بغداد بھاگ آئے ہو اب یہ فیصلہ تمہیں کرنا ہے کہ تمہاری زندگی کی باتیں کس نے چھپیں ہیں اور تمہارا اصل دشمن کون ہے؟

شبیل کی باتیں سن کر حادثہ المظفران حقائق سے آگاہ ہوا جن پر اس نے کبھی غور ہی نہیں کیا تھا۔ معلوم ہوا ماضی میں جو کچھ ہو چکا اور جسے وہ ابن حرب کی طرف منسوب کرتا رہا دراصل قرامطی جماعت کا ترتیب دیا ہوا ایک خطرناک منصوبہ تھا جس کا ہر واقعہ اور ہر منظر اسی طرح پیش کیا جس طرح پہلے سے سوچا گیا تھا۔ ابن حرب نے اس منصوبے میں بے شک سب سے اہم کردار ادا کیا اور اس کی شکست و ناکامی کا ذریعہ بنا تھا لیکن تمام واقعات اور ان کے نتائج کی اصل ذمہ دار قرامطی کی پر اسرار جماعت تھی جو اپنے مقصد اور مفاہ کی خاطر اس کے رانے مسدود کرتی اور ابن حرب کے کھلے کھلتے ہوئے تھے ماضی میں اس کی شکستوں، مصیبتوں، ناکامیوں اور مایوسیوں کے پیچھے اس خفیہ تحریک کا ہاتھ تھا جس کا بانی خود بھی کسی خفیہ مقام پر بیٹھا یہ سب کچھ کرتا رہا۔

اس اور ان اور احساس نے حادثہ کو سرے پاؤں تک چھوڑ کے رکھ دیا اور کہنے لگا۔ "امیر شبیل! اب آج تک ابن حرب ہی کو اچھی تمام مصیبتوں کا ذمہ دار سمجھا رہا اور اس کے خون سے اپنے انتقام کی پیاس بجھانا چاہتا تھا لیکن اب میں نے حالات کی چٹیں سمجھیں کہ مجھے وہ اصل چہرہ دیکھ لیا ہے جو میری بربادیوں کے نقشے تیار کرتا رہا اور وہ ذکر دیہ قرامطہ ہے جو اپنے بیٹوں اخوان، داعیوں اور فدائیوں کے ہرے آگے بڑھتا اور خود کہیں چھپ کر بیٹھا ہے ابن حرب میرے انتقام سے نہیں بچ سکتا کیوں کہ اس نے میری مناجات محبت کو ٹوٹی ہے لیکن میرا انتقام اس وقت تک پورا نہیں ہوگا جب تک میں اپنے اصل دشمن کو موت کے گھاٹے نہیں آرا لیتا۔ اب ابن حرب سے پہلے ذکر دیہ قرامطہ سے نمٹنا چاہتا ہوں لیکن مجھے معلوم ہوا ہے اس کا کھوج نہیں مل سکتا۔ بلکہ کھوج لگانے والے قتل ہوئے اور ان کے سر بغداد بھیج دیے جاتے ہیں۔"

"بے شک بدافسوس تک واقعہ اسی طرح پیش آیا جس طرح تم نے سننا ہے؟ شبیل اب

پوچھ گچھ کر کے جو اسماوہ سے گزرتے اور اس کا جغرافیہ جانتے ہیں، ہم کسی ایسے میدان یا دیہانے کا آنا بتا معلوم کر سکتے ہیں جہاں باؤلی تعمیر ہو سکتی ہے لیکن یہ کام اس رازداری سے کرنے والا ہے کہ کسی کو ہمارے مقصد کی کانوں کان خبر نہ ہو سکے۔ بغداد میں جماعت کے فرستادگان اصل موجود ہیں اگر ان کے کان میں اس بات کی بھٹک بھی پڑ گئی تو معاملے کی صورت بدل جائے گی اور زہر میں بجھے ہوئے خم دار ہلالی خنجر حرکت میں آجائیں گے۔ یہیں جماعت کے مخبروں سے ہوشیار رہنا ہوگا۔

”بھریہ کام مجھ پر چھوڑ دو، اگرچہ میں بغداد میں اجنبی ہوں لیکن کسی نہ کسی طرح کسی نہ کسی ذریعے اپنے مطلب کی معلومات حاصل کروں گا اور جب تم بغداد سے کوچ کر دو گے اس صحرا کا نقشہ میری جیب میں ہوگا۔“

”حارث! اگر تم نے اس باؤلی کا کھوج لگایا تو ہم بیچک لڑے بغیر ہی جیت جائیں گے جماعت کے بانی کی ہلاکت جماعت کے حوصلے پست کر دے گی اور ہم اس کے بھاگتے دیوڑکا دکھا کریں گے۔“

”مجھے امید ہے میں باؤلی کا کھوج لگانوں گا لیکن ایک بات کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں کہ جس طرح ابن عرب میرا رقیب اور میرا لشکار ہے، اسی طرح ذکر دیہ قمرط کا سر بھی میرے نیزے پر چڑھے گا۔“

اس ہم کام مقصد ہی جو شہل کو سو نہی گئی تھی۔ قرامطی جماعت کو بیخ کنی سے اکھاڑ پھیلنا تھا اور ذکر دیہ قمرط اس بنیاد کا نام تھا جسے اکھاڑ پھیلنے کے بعد جماعت کی دیواریں قائم نہ رہ سکتی تھیں اس نے حارث کا ہاتھ بڑی گرم جوشی سے اپنے ہاتھ میں لیا اور زبان سے بھی گزشتی کا اظہار کیا۔ ”اگر تم نے ذکر دیہ قمرط کا سر اپنے نیزے پر چڑھایا تو مصر میں جو کچھ آئے ہو اس سے کہیں زیادہ بغداد میں حاصل کر لو گے۔ عباسی لشکر میں غدارانہ تمام سب سے بلند ہوگا۔ ابن عرب کے خاتمے پر امیر المومنین نے شہزادی نجم پر قمار راجی و اختیار تسلیم کیا ہے۔ ذکر دیہ قمرط کا سر اپنے نیزے پر چڑھالینے کے بعد اگر کوئی یا بصرے کی حکومت بھی طلب کرے تو مل جائے گی۔“

حارث نے حیرت کی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ شہل کی پیش کش دلوں کی بکیر تھی اگرچہ وہ بہیم ناکامیوں اور مصیبتوں سے شکستہ خاطر ہو رہا تھا لیکن شہل نے شہزادی نجم پر جتنی دقتیں اور کوئی یا بصرے کی حکومت کا ذکر جس پر رائے میں کیا، اسے سن کر ایک بار پھر مایوسیوں کے

اسے نئے حالات سے آگاہ کرنے لگا۔ ”میں رواجہ جراح سے مل چکا ہوں اگرچہ وہ اپنے بیٹے فضل کے صدمے سے مدھال ہے لیکن اس سے ایک عجیب بات معلوم ہوئی ہے۔“

حارث احمد بن گوش تھا شہل نے ایک مستی خیز گفتاف کیا۔ ”رواحہ جراح نے بتایا ہے کہ مشہور دہلی جب ابوطاہر امیر المومنین کو کوئی اطلاع دیتے بغداد آیا تو اسے بھی ملا اور کہتا تھا کہ اس کے کانوں میں کسی باؤلی کی بھٹک پڑی ہے جہاں ذکر دیہ قمرط نے شہزادی نجم اور ابن عرب کو ملاقات کے لیے طلب کیا تھا مگر وہ نہیں جانتا کہ باؤلی سماوہ میں کہاں اور کس جانب واقع ہے۔ ابوطاہر کا خیال تھا جب ابن عرب ملاقات کر کے لوٹے گا۔ آصف خلوت میں اس سے باؤلی کے بارے میں معلومات حاصل کرے گی لیکن ذکر دیہ قمرط کے خفیہ ٹھکانے کا راز معلوم کرنے کے لئے ان کا اپنا راز افشاں ہو گیا۔ ابوطاہر اور فضل کے ساتھ یقیناً آصف بھی قتل کر دی گئی ہوگی اور اب ذکر دیہ قمرط کے ساتھ وہ باؤلی بھی پردہ اخفا میں ہے۔“

حارث جس کا ذہن تبدیل ہو چکا اور جو قمرطی جماعت اور اس کے بانی کو اپنی برادریں کا ذمے دار سمجھنے لگا تھا۔ باؤلی کا ذکر سن کر چونک اٹھا، جہاں ذکر دیہ قمرط زمانے کی نظروں سے چھپ کر تنہا تھا اور فرود آمد کی تلوار کا نقشہ بن سکتا تھا۔ اس کے دل میں انتقام کا جوتیا منظر روشن ہوا تھا اس کی روشنی کا عکس ذہن پر کانپنے لگا اور بولا۔

”سماوہ کا صحرا اپنی وسعت کے باوجود بہر حال محدود ہے اور وہاں کسی باؤلی کا کھوج ناممکن نہیں۔“

”فی الحال یہ ایک ناممکن امر ہے۔ سماوہ قمرطی جماعت کے حامیوں کا صحرا ہے اور وہیں باؤلی کی تلاش موت سے کھیلنے والی بات ہوگی۔“

حارث کے ذہن میں ایک تیار راستہ کھلا۔ ”باؤلی صحرا میں نہیں کسی میدان میں ہوگی اور ہمیں سماوہ میں کسی میدان یا دیہانے کا پتا معلوم کرنا ہے۔ نہ صرف کوثر و بصرہ بلکہ بغداد کے کئی لوگ بھی سماوہ کے صحرا سے گزرتے ہیں، وہ اس کا جغرافیہ جانتے ہوں گے کہ اس صحرا میں میدان اور دیہانے کہاں کہاں واقع ہیں اور ان کا محل وقوع کیسا ہے؟ ذکر دیہ قمرط نے کسی ایسے دیہانے کو اپنا مسکن بنایا ہوگا، جہاں آمد و رفت مشکل ہو، ایسے میدان یا دیہانے کی نشان دہی ہو جائے تو ہم اس باؤلی کو تلاش کر سکتے ہیں جہاں وہ رہو پوش ہے۔“

شہل کی آنکھیں بھی چمکنے لگیں۔ ”تمہارا خیال درست ہے دوست! ان لوگوں سے

معلومات

بندہ کے مستف بازاریوں میں گلی گلیوں میں نئی مہم کا چرچا تھا، جو قرامط کی سرکوبی بکے
بیخ کنی کے لیے بھیجی جا رہی تھی۔ یہ عقیدہ جماعت اُٹاٹاٹا اس طرح سامنے آئی تھی جیسے بادلوں کے
حاشیے پر لگی چمکتی اور کوکتی ہے۔ ذکر و برقمط ناگاہان اپنی قبر میں کھڑا ہو گیا اور لوگوں کو پھر اپنے
مسک اور عقیدے کی دعوت دے رہا تھا مگر اس مزہب اس کی جگہ اس کے بیٹے بھی قرامطی مصلحت
نے ظہور کیا اور ذکر و برقمط بکے ستر پر وہ اخفائیں تھا اس غرض میں جماعت کی خفیہ تنظیم ہوتی
رہی تھی اور اب بادیہ نشین قبائل ایک بار پھر اسی مقام پر جمع ہو رہے تھے، جہاں ماضی میں ذکر و بر
قرمط کے برہنوں کو منتشر کر دیا گیا تھا۔

اسلامی دنیا میں خلافت و نہایت اور عقیدہ و مسک کا اختلاف، جس کا آغاز پہلی صدی میں
ہو گیا تھا۔ قتل و خور و زنی کے سنگین ماحول سے گزرتا ہوا ایک مستقل دیوار کی شکل اختیار کر
گیا تھا اور اس کے ساتھ کش مکش کا سلسلہ بھی جاری تھا۔

تیسری صدی ہجری میں ایک طرف ممدوی تحریک اور دوسری طرف تحریک قرامط
در اصل اسی کش مکش کی نئی شکلیں تھیں، جس نے تاریخ کے اوراق پر جون کی تحریریں چھوڑی
ہیں۔ دونوں تحریکوں میں ممدی کا ظہور مشترک تھا۔ جسے عقیدے کے ساتھ ساتھ سیاسی
صورت دے دی گئی تھی۔ ممدی ابھی کہیں بھی ظاہر نہ ہوا تھا نہ مغرب میں، نہ مشرق میں لیکن اس
کے داعیوں اور پیروں نے بغاوت کے علم اٹھایے تھے۔

گولڈ سے نکل آیا۔ دل کے طاقوں میں مجھے چراغ پھر جل اٹھے اور ذہن کی کھڑکیوں سے ایک
آواز ہوا کی طرح گزرنے اور اس کے اندر گونجنے لگی کہ زندگی سے آدمی کی دل چسپی کبھی ختم نہیں
ہوتی کیوں کہ زندگی ایک سچائی ہے۔

تھوڑی دیر پہلے اس نے شہل کی یہ بات مسترد کر دی اور کہا تھا کہ سچائی صرف کتابوں میں
ملتی ہے اعلیٰ دنیا میں اس کی تلاش بے سود ہے۔ دنیا میں ہر شخص اپنے تجربے کی بات کرتا ہے
اور زندگی تجربوں سے عبارت ہے۔ زندگی کے بارے میں اس کے تجربے بڑے تلخ تھے مگر
سوچ رہا تھا شاید نئی قسم سے زندگی کی صفات سے ہم کنار کر دے اور وہ اپنی سابقہ شکستوں
اور ناکامیوں کو فتح و کامرانی میں بدل سکے۔

شہل نے پیش آنے والے حوادث کا تجربہ کر کے اور حالات و واقعات کی گرد کے پیچھے ایک
اوجھل چہرہ دکھا کر حادث کے ذہن میں خیالات میں، عہد اور اڑا دے میں ایک حیرت انگیز تبدیلی
پیدا کر دی تھی۔ اب وہ مرنے سے پہلے کامیابی سے جینا چاہتا تھا کیوں کہ دنیا میں ہر آدمی کو زندگی ایک
ہی بار ملتی ہے دوسری بار نہیں ملتی۔ شہل کے ساتھ اودامی مصافحہ کرتے وقت اس کے ہاتھ
میں ایک نئی حرارت اور خون میں ایک نئی گرمی تھی۔ کہنے لگا: ”تم نے مجھے کامیابی کا ایک تیار دستہ
دکھایا ہے، جس کا انحصار اس کام پر ہے جو میں نے اپنے ذمے لے لیا ہے میں اسے پورا کروں گا
کیوں کہ اس کے بغیر میرا انتقام ادا ہوا رہے گا۔ میں کوچ سے ایک یوم قبل تم سے آلوں گا۔
یہ کہہ کر رخصت ہو گیا۔ شہل نے اسے جلتے دیکھا اور محسوس کیا کہ اب وہ ایک بدلا
ہوا آدمی ہے۔



سے کر لیا، جو اس سے کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ عطلاتی دنیا رانگی معلومات کا صلہ تھے۔
اعرابی سردار نے دینار کیسے میں ڈال لیے۔ حارث کو دل چسپی کی نظروں سے دیکھا اور پچھا
کر وہ کس کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا ہے؟ حارث نے اپنے چہرے پر حزن و ملال کی
کیفیت طاری کرنی اور غم زدہ لہجے میں بتانے لگا۔ "میں ایک بوڑھی ماں کی آخری خواہش پوری
کرنے میں کوشاں ہوں جو اس وقت بستر مرگ پر اپنے بیٹے سے ملنے اور مرنے سے پہلے
اُسے آخری بار دیکھنے کے لیے تڑپ رہی ہے مگر اس کا بیٹا چار سال سے کہیں غائب یا درپوش
ہے۔"

اعرابی سردار کے چہرے پر بالوسی کا سایہ گر گیا اور عطلاتی دنیا زنجیں کیسے میں ڈال چکا تھا
باقی سے جانتے نظر آئے۔ "مگر میں کسی ایسے آدمی کے بارے میں کچھ نہیں جانتا جو چار سال سے
غائب اور درپوش ہے۔"

اب حارث اپنے اصل مقصد پر آگیا۔ "معاملہ یوں ہے سردار کہ بڑھیا کا بیٹا اپنے دو
ساتھیوں سمیت کونے کے زندان سے فرار ہو گیا تھا کیوں کہ ایسے سنگین جرم میں جو ان تینوں نے
نہیں کیا تھا ان کی گردنیں ماری جانے والی تھیں اور وہ اپنی جانیں بچانے کی خاطر کونے سے بھاگ
کر سادہ کے صحرائے میں کہیں چھپ گئے تھے۔ غبطیہ کے انصر اور کارندے ان کے گھروں پر چھاپے
مارتے اور انھیں تلاش کرتے رہے مگر بڑھیا کو صرف اتنا معلوم ہو سکا تھا کہ اس کا بیٹا سادہ
کے کسی لائق و دوق میدان میں درپوش ہو گیا ہے جہاں کسی کو اس کا کھوج نہیں مل سکتا۔ بوڑھی
ماں بیٹے کا انتظار کرتی رہی کہ ایک نہ ایک دن اس سے ملنے آئے گا لیکن چار سال کا طویل عرصہ
گرز گیا اور وہ گرفتاری کے ڈر سے شہر نہیں آ سکا کیوں کہ غبطیہ کو حکم مل چکا ہے۔ وہ ان تینوں
مفرد قیدیوں کو جہاں دیکھے، جہاں سے مار دے۔ اب بڑھیا کا آخری وقت آ گیا اور وہ موت
کے بستر پر اپنے بیٹے سے آخری ملاقات چاہتی ہے۔"

مجھے بتا چلی ہے کہ سادہ کے چپے چپے سے واقف ہو اور میں تم سے یہ معلوم کر گیا
ہوں کہ اس صحرائے کوئی ایسا لائق و دوق میدان یا ویرانہ کہاں اور کس سمت ہے، جہاں مفرد قیدی
حکومت کی نظروں سے، دنیا کی نظروں سے، زمانے کی نظروں سے پوشیدہ رہ سکتے ہیں اگر
تم کسی ایسے مقام کو جانتے ہو تو اس کی نشان دہی کر دو اس کا محل وقوع بتا دو تاکہ وہاں مفرد
کو تلاش کے بوڑھی ماں کا پیغام پہنچا دیا جائے۔ اس ضمن میں تمھارا نام کسی پر ظاہر نہیں کیا جائے

خلیفہ مقصد پہلے عباسی خلیفہ عبداللہ سفاح کی طرح، جس نے امویوں کو خون میں غسل
دیا اور خلافت اُن سے بزدل سرخ چھین لی تھی۔ سفاح ثانی (دوسرا خون ریز) مشہور تھا لوگوں
کی اکثریت اس رائے پر متفق تھی کہ عباسی لشکر قرمطی جماعت کو نیست و نابود کر کے ٹوٹیں گے
مگر ان کے خون سے لالہ زار ہو جائے گا اور قرمطی اپنے متبعین کو بھر جمع نہ کر سکے گا کیوں کہ
صرف زندہ آؤں لوگوں کو اپنے گرد جمع کر سکتا ہے مردہ نہیں اور شہل کو حکم دے دیا گیا تھا
کہ قرمطی کا منہ بزرے پر چڑھا کر داہیں آئے۔

اگر بغداد میں سادہ کی طرف جانے والی اہم کافر چھاپا تھا، تو قرمطی کے پڑا سردار داعی اور شیریں
بھی سرگرم عمل ہو گئے اور اس مہم سے متعلق تمام معلومات فراہم کر کے اپنے خاص ذرائع سے جو بھی
یکم پتہ چلا رہے تھے۔ رضا خیاط نام بادشاہ میں یہ اطلاع بھیج چکا تھا کہ امیر شہل کو ان لوگوں کی
ایک فہرست دے دی گئی ہے جن کے سر خلیفہ مقصد کو مطلوب ہیں اور ان میں ذکر وہ قرمطی قائم
بالقی کا نام سر فہرست ہے۔

اس مہم کی کامیابی کا دار و مدار سادہ میں جمع ہونے والے قبائل کی شکست و غلبہ پر
کے علاوہ ذکر وہ قرمطی کو زندہ یا مردہ گرفتار کرنے پر تھا اور حارث ابوظفر جس نے اپنے اصل بیٹوں
کو پہچان لیا تھا بڑی رازداری کے ساتھ صحرائے سادہ کے متعلق معلومات حاصل کرنے میں مصروف
تھا کہ اس مقام کا سراغ لگا جا سکے، جہاں ذکر وہ قرمطی کئی سال سے درپوش ہے۔ وہ قرمطی
خبر رسائوں کے خطرے کو سمجھتا نیز ابلاغ اور فضل کے انجام سے واقف تھا، جنہیں روپوش قرمطی
کا کھوج لگانے کی یادداشت میں ہلاک کر دیا گیا تھا۔ اس نے خود کو قرمطی جاسوسوں سے چھپایا
اور تحقیق و جستجو کا ایک نیا راستہ نکالا تھا۔

تین یوم کی مسلسل اور خفیہ جدوجہد کے بعد چوتھے روز وہ ایک بدھ حسن اعرابی
کے ہمراہ بغداد کے جنوب میں دیہاتے دجلہ کے مغربی ساحل پر نمودار ہوا، جہاں اعرابی خانہ بدوی
کا ایک قبیلہ خیمہ زن تھا، بغداد کے دوبارہ دار الخلافہ قرار پانے کے بعد کچھ خانہ بدوش قبیلے
اس کی فسیلوں کے باہر دریا کے ساتھ ساتھ ڈیرے ڈال کر بیٹھ گئے اور کھجور کی چٹائیاں لٹیریں
پکھلے اور اسی قسم کی دوسری اشیاء دتیار کر کے روزی کھاتے تھے۔

حسن اعرابی حارث کو لے کر خانہ بدوشوں کے سردار کے پاس آیا، جو اس وقت اپنے
خیمے میں تھا۔ چند عطلاتی دنیا رانگی کے سامنے رکھے اور حارث کا تعارف ایک حاجت مند کی حیثیت

دھنس گئی اور گڑھے پڑ گئے ہوں۔

ایک اور عجیب بات جو ہم سب سے محسوس کی، یہ تھی کہ اس نئی دوق میدان کو دیکھ کر خوف آتا تھا۔ ایک عجیب سی وحشت اور دیرانی وہاں برس رہی تھی اس اُبلا میدان کو دشت پُر ہوں، کتنا بہتر ہوگا اس دیرانے میں پہنچ کر ہمارا دہر خوف سے کانپنے لگا۔ اس نے بتایا کہ کوئی صحرائی قبیلہ اس دشت پُر ہوں میں قیام کرتا ہے، اندھیرے گزرتا ہے کیوں کہ کسی زمانے میں یہ مقام جنات کا مسکن تھا اور بادِ نیشیں ایسے مقامات کا رُخ نہیں کرتے جہاں غیر ارضی مخلوق کا قیام رہا ہو۔ ہم بھی اس دہشت ناک دیرانے سے بہت جلد نکل آئے اور کچھ ایسی تیزی سے آگے بڑھے جیسے کوئی ہمارا تعاقب کر رہا ہو۔ یہ بھی یاد نہیں اس وقت ہمارا رُخ کس جانب تھا البتہ ہم کچھ دشوار گزار ڈھلوان ٹیلے عبور کر کے صحرائیں داخل ہوئے تھے اور وہاں سے ہمارا رُخ شمال کی جانب تھا۔

سہارہ میں وہی نئی دوق میدان یا دشت پُر ہوں ایک ایسا مقام ہے جہاں حکومت کے مقرر قیدی چھپ سکتے اور کئی سال روپوش رہ سکتے ہیں۔ اگر وہ لوگ جن کی تحقیق تلاش ہے دل گردہ رکھتے یا جنات کو بھگانے کا کوئی وظیفہ جانتے ہیں تو اسی دیرانے میں ہوں گے جہاں بعض گڑھے کھدی ہوئی قبروں کی طرح زمین میں دھنسے ہوئے ہیں اور ایک دو گڑھے تو ایسے تھے جنہیں دیکھ کر گمان ہوتا تھا جیسے باؤلی تعمیر کرنے کے لیے کھودے گئے ہوں لیکن میں بتا چکا ہوں کہ وہ گڑھے کھدے ہوئے نہیں بلکہ قدرتی ہیں۔

اعرابی سردار کی زبان سے ”باؤلی“ کا لفظ سن کر حارث مارے خوشی کے یوں اچھل گیا جیسے اس نے ذکرِ یہ قمرط کا خفیہ ٹھکانا ڈھونڈ لیا بلکہ اسے پکڑ لیا ہو لیکن فوراً سنبھلا اور اپنی مسرت خیز بے چینی پر قابو پالیا۔ خانہ بدوش سردار کا بیان کردہ نقشہ خود تیار ہوا تھا کہ اس کا اصل دشمن اس دشت پُر ہوں میں کسی جگہ تنہائی یا اٹھکانے کی زندگی بسر کر رہا ہے وہی کسی کسر ”باؤلی“ کے لفظ نے پوری کردی جسے وہ قدرت کا اشارہ سمجھا۔ اس بات میں کوئی شبہ نہ رہ گیا تھا کہ جو بات آج تک عجیبی مخبر اور جاسوس حتیٰ کہ ابوطاہر افضل اور اصفہ معلوم نہ کر سکے تھے، وہ اس نے معلوم کر لی تھی۔ اب وہ اس مقام کا مزید اتنا پتا پرجھنے لگا۔

”وہ نئی دوق میدان یا دیرانہ صحرائے سہارہ میں کہاں اور کس جانب واقع ہے؟“

بوڑھے نے جواب دیا: ”میں دوبارہ ادھر نہیں گیا۔ اسی سبب سے جگہ کا صحیح تعین

کا۔ نہ تم پر کوئی سرکاری الزام آئے گا کہ مقرر قیدیوں کی پناہ گاہ جانتے ہوئے بھی خاموش رہے، نہ مقرر روں کو اس بات پر اعتراض ہوگا کہ تم نے ان کے خفیہ مقام کی نشان دہی کیوں کی بشرطیکہ وہ مل جائیں۔ یہ معاملہ انسانی ہمدردی سے تعلق رکھتا ہے اور میں یہ امید لے کر آیا ہوں کہ تم میری مدد کر دو گے۔“

حارث نے صحرائے سہارہ میں ایسا پوشیدہ مقام دریافت کرنے کے لیے جہاں اس کا اصل دشمن کئی سال سے روپوشی کی زندگی بسر کر رہا تھا بڑی ہوشیاری سے ایک جذباتی کہنی گھڑتی تھی اور عراقی خانہ بدوشوں کے سردار تک پہنچ گیا تھا، جو سہارہ کے متعلق سب سے زیادہ معلومات رکھتا تھا۔

اعرابی سردار نے پوری کہانی بڑی توجہ سے سنی پھر ایک خشک کھوکھلا قلعہ لگا با اور کھنڈگا ”میں حکومت سے ڈرتا ہوں، نہ کوئی مقرر قیدی میرا کچھ لگاؤ سکتا ہے۔ ویسے بھی کسی مقرر قیدی کا کھوج لگانے میں حکومت کی یا کسی دوسرے شخص کی مدد نہیں کرنا مگر تم ایک بوڑھی ماں کی فریادیں کر آئے ہو اور یہ معاملہ دوسری قسم کا ہے۔ ایک دن سب کچھ نام ہے اور مرنے والے کی خواہش کا احترام ضروری ہے۔“

یہ کہہ کر بوڑھا سردار جس کے بازوؤں کی رگیں ہاتھ سے بٹی ہوئی ریون جیسی تھیں، اپنے ماتھے کو قویپ چھپانے اور کچھ یاد کرنے لگا۔ ایک دوپل مانھے کو چھپاتا اور سچپتا رہا پھر بولا۔

”سہارہ بڑا وسیع صحرا ہے اس میں کچھ جیشیل میدان اور صحرائی دیرانے بھی ہیں مگر وہ مقرر آدمیوں کی پناہ گاہ نہیں بن سکتے البتہ اس میں ایک نئی دوق اور سنان میدان ایسا ہے، جہاں آدمی سالوں چھپا رہے تو اس کا کھوج نہیں مل سکتا کیوں کہ وہ مقام حبیب ناک ہے، جہاں آدمی بھول کر بھی نہیں جاتا۔ یہ پندرہ برس قبل کا واقعہ ہے میں چند لوگوں کے ہمراہ عرب سے عراق آ رہا تھا ہم لوگ صحرائے نجد سے بادِ عراق میں داخل ہوئے اور السہارہ میں بنی اسد کے خیمے ہماری منزل تھے مگر ہمارا رہبر راستہ بھول گیا اور ہم ایک ایسے نئی دوق میدان میں جا نکلے جہاں کہیں کہیں خاردار لہجے اور اکاؤکا بھول کی جھڑپاں تھیں مگر ایک ایک ڈیڑھ ڈیڑھ میل کے فاصلے پر زمین میں کچھ گڑھے ایسے دھنسے ہوئے اور کھلے ہوئے تھے گویا انہیں جانوروں نے کھود ڈالا ہو جس طرح گیدڑ قبریں کھود ڈالتے اور دم سے باہر گھسیٹ لیتے ہیں لیکن وہ گڑھے کھودے ہوئے نہیں بلکہ قدرتی تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے زمین اس جگہ سے خود بخود دائر

اس نے حسن اعرابی کا شکریہ ادا کیا، جو اسے خانہ بدوشوں کے ڈیرے پر لے گیا اور ان کے سردار سے ملاقات کا ذریعہ بنا تھا۔ حسن اعرابی کو بھی بتایا گیا تھا کہ وہ ایک بیمار اور قریبی ملک ماں کی خاطر ساری بھاگ دوڑ کر رہا ہے جو مرنے سے پہلے اپنے مفروضہ بیٹے سے آخری ملاقات کے لیے تڑپ رہی ہے۔ وہ بھی انسانی ہمدردی کے تحت حادثہ کی تلاش و تحقیق میں شامل ہو گیا اور چاہتا تھا کہ کسی طرح پر ڈھکی عورت کا بیٹا مل جائے۔

حادثہ کی خواہش تھی وہ اس خوف ناک ویرانے کے متعلق، جس کا خانہ بدوشوں کے سردار نے ذکر کیا تھا، کچھ مزید معلومات حاصل کرے تاکہ اس کی صحیح سمت اور محل وقوع کا پتا مل سکے۔ بغداد کی سرائے میں جہاں وہ مقیم تھا اسے یہ اہم بات معلوم ہوئی کہ منڈی کے بعض تاجروں اور اوصیتوں کے دلال جنوب کی طرف جاتے رہتے اور باوہر نشین سرداروں کے پاس ان کی ضرورت کا بعض سامان فروخت کرتے ہیں۔ بغداد، اسلامی دنیا کا بہت بڑا شہر اور ایک بڑا تجارتی مرکز بھی تھا جہاں دس دس کے تجارتی قافلے آنے اور رقم قسم کی اشیائے تجارت کے دھیر گنتے تھے۔ مشرقی اور مغربی ملکوں سے آنے والے سامان میں کچھ چیزیں تباہی کی ضرورتوں کے صحرائی مزاج کے مطابق ہوتی تھیں جنہیں تاجر اور آٹھنی سوغات کے طور پر خود ان تک بچاتے اور منہ مانگے دام وصول کرتے۔ سفری دلال وہ سوغاتیں لے کر اسامہ اور بادیر عراق کے قبیلوں تک جاتے اور چھوٹے محظوظ راستوں سے خوب واقف تھے۔

جنوب کے صحراؤں میں آیا و قبائل کی اکثریت خالی، علوی اور اسماعیلی عقیدہ پر متوکل پر مشتمل اور عباسی حکمرانوں سے نالاں و برگشتہ تھی لیکن تاجروں کے ان سے میل جول کے اپنے قاعدے اور دستوں تھے کسی قبیلے کی مخبری کرنا اور اپنی حیثیت کو مشتبہ بنا کر تجارتی اصولوں کے خلاف سمجھا جاتا تھا۔ تاجر، اڑھتی اور ان کے دلال سیاست اور عقیدے کے کھڑوں سے الگ تھلک رہتے اور صرف اپنے کاروبار سے مطلب رکھتے تھے۔ حادثہ کا خیال تھا ان سے جنوب کے صحرائی راستوں، میدانوں اور ویران بیابانوں خاص طور سے اس کے مطلوبہ دشت پر ہول کے بارے میں ضرور کچھ مفید باتیں معلوم ہو سکتی ہیں۔

اگلے روز وہ پھر منڈی میں حسن اعرابی سے ملا اور اپنی خواہش بیان کی کہ خانہ بدوش سردار سے جس خوف ناک ویرانے کا ذکر کیا ہے اس کا مطلوب اور مفروضہ آدمی یقیناً اسی جگہ کہیں روپوش ہے، لہذا وہ دشت پر ہول کی صحیح سمت اور محل وقوع جاننا چاہتا ہے لیکن

نہیں کر سکتا لیکن ہم نے جنوب سے شمال کی جانب سفر کیا تھا اس لیے دشت پر ہول جنوب میں اور میرے انداز سے کے مطابق بنی اسد کے خیموں سے ایک یوم کی مسافت پر رہے کیوں کہ ہم وہاں سے پورے ایک دن کا سفر کر کے بنی اسد میں پہنچے تھے۔

خانہ بدوش اعرابی نے جو کچھ بیان کیا اس کا ایک ایک لفظ حادثہ نے ذہن میں محفوظ کر لیا بلکہ اپنے حافظے کی لوح پر لکھ لیا تھا پھر اس کا شکریہ ادا کر کے رخصت چاہی لیکن احتیاطاً یہ تاکید بھی کر دی کہ وہ کسی آدمی سے اس گفتگو کا جو ان کے درمیان ہوئی یا مفروضہ قیدیوں کا مطلبی ذکر نہ کرے جس کے لیے اُس نے مزید بین طلبی دینا سردار کو پیش کیے۔ اس پیش بندی کے بعد وہ بغداد کی جانب ہویا۔



اس نے خانہ بدوش سردار سے بڑی اہم معلومات حاصل کر لی تھیں اور ان معلومات کے مطابق وہ ذکر کردہ قریب مسکن کے قریب بلکہ اس کے دروازے پر پہنچ گیا تھا جہاں سے اُسے زندہ یا مڑا گھسیٹ کر باہر لاسکتا تھا۔ یہ اتنی بڑی کامیابی تھی جس نے اس کے جسم میں خون کی حرارت تیز کر دی اور ہوا کے جھونکے کی طرح اڑتا ہوا بغداد پہنچ گیا کسی قریبی خبر رساں نے اس کا پیچھا نہیں کیا اور وہ جماعت کے فرستادگان اہل کومات دے آیا تھا۔ اب صرف اسامہ کی جانب کوچ کرنا، دشت پر ہول میں داخل ہو کر ایک باؤلی کو ڈھونڈنا اور ذکر کردہ قریب مسکن کا متابقی رہ گیا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ یہ سب کچھ ہو جائے گا اور تحریک قریب مسکن کے روپوش بانی کا سر اسی کے تیرے پر چڑھے گا۔

اس نے صحرائی ایک میدان بق دوق یا دشت پر ہول کا سراغ پایا تھا، طویل روپوشی کے لیے ایسے ہی راہزنے اور اجازت مقامات زیادہ مناسب ہونے ہیں، جن کے بارے میں وہ ہلکا کمائیاں مشہور ہوتی ہیں اور جہاں کوئی مسافر بھول کر بھی جانا پسند نہیں کرتا۔

خانہ بدوشوں کا سردار اگرچہ اس بیابان دشت کا صحیح محل وقوع نہ بتا سکا تھا، جنہاں مفروضہ قیدی (بشرطیکہ وہ غیر اضنی غوثی سے محفوظ رہتے) کا وظیفہ جانتے ہوں) حکومت کی نظروں سے چھپ سکتے تھے پھر بھی اس کے بیان سے اتنا پتا ضرور چل گیا تھا کہ وہ دشت ناک ویرانہ اسامہ کے جنوب میں کہیں واقع ہے جہاں ایک باؤلی میں قریب مسکن ہوگا۔

ہے منڈی کے تاجر، اوصیٰ اور وہ سفری دلال جو جنوب کی طرف سفر کرتے رہتے ہیں اس دشت ویران کے متعلق کچھ جانتے ہوں اور اس کی صحیح نشاندہی کر سکیں۔

حسن اعرابی ایک بار پھر اس کے ساتھ ہوا مگر کوئی دلال اس بیابان وحشت سے نہ گذر تھا البتہ ایک اوصیٰ کے کارندے نے بتایا وہ چار سال قبل کچھ نادر سونا تمیں لے کر بنو قلیص کے سردار ابن خضعم کے پاس گیا تھا۔ وہاں سے دوسرے دن بنی اسد اور بنی طے کی طرف روانہ ہوا لیکن راستہ بھول گیا اور صحرا میں بھٹکا ہوا تڑپنے کیوں کی ایک دیوار کے پاس جا نکلا۔ بنی اسد اور بنی طے کو جانے والے رستے میں چونکہ ایسے ٹیلے نہیں تھے اس لیے وہیں سے واپس مڑا اور صحرا میں اپنے ہی اونٹ کے قدموں کا سراغ لگاتا اور اندازہ کے مطابق سفر کرتا کوئی صحیح صادق کے قریب پھر بنو قلیص میں لوٹ آیا جب سردار کو اپنے بھٹکنے کا ماجرا سنایا اس نے کہا تھا۔

”اُدھر ایک دشت پر ہول واقع ہے جو کسی زمانے میں اجتا کا مسکن تھا۔ آج کل وہاں ایک عجیب سی دہشت اور وحشت پائی جاتی ہے۔ اس دیرانے پر موت نے اپنے سانے ڈال رکھے ہیں اور ادھر جانا خطرے سے خالی نہیں۔“

کارندے نے بتایا، یہ سن کر اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ کہیں اس دیرانے میں نہیں جا نکلا ورنہ کیا معلوم وہاں سے لوٹنا بھی نصیب ہوتا یا نہیں۔ اس کے نزدیک وہ ٹیلے جن کے ادھر موت کا ویرانہ واقع ہے، بنو قلیص سے جنوب کی سمت ایک یوم کی مسافت پر تھے اور اس طرف جانے کا کوئی راستہ نہیں۔

یہ بڑی اہم بات معلوم ہوئی تھی کہ وہ خوف ناک دیرانہ بنو قلیص سے بھی صرف ایک یوم کی مسافت پر جنوب کی سمت واقع ہے۔ بنو قلیص کے سردار ابن خضعم کے نام پر حسن اعرابی نے اسے چونکے ویچھا اور خود بھی حیران ہوا تھا۔ اب حارث کا یہ قیاس یقین کی صورت اختیار کر گیا تھا کہ ذکر وہ قریط یقیناً اسی دشت پر ہوں گی کسی باؤلی میں رہدوش ہے، جو بنو قلیص سے صرف ایک یوم کی دوری پر ہے اور وہی اسے خود اک اور پانی دیتا کرتے ہوں گے۔

جب وہ منڈی سے رخصت ہوا، اس نے حسن اعرابی کا ایک بار پھر شکریہ ادا کیا اور دس گھنٹہ دینار اس کی تنجیل پر رکھ دیے۔ حسن اعرابی نے اسے حیرت کی نظروں سے دیکھا تو بولا۔ ”تم نے ایک نیک کام میں میری مدد کی ہے یہ تمہاری خدمت کا معاوضہ ہے۔“

”میں خدمت کا معاوضہ لے کر اپنی نیکی برابر نہیں کرنا چاہتا۔“

یہ کہہ کر اس نے دینار لوٹا دیے۔ حارث نے اصرار کیا مگر وہ اپنے انکار پر قائم رہا اور اُسے دیکھ کر سکڑنے لگا۔ ”اگر اس معاملے میں کسی اور خدمت کی ضرورت ہو تو اس کے لیے بھی تیار ہوں۔“

حارث نے اُسے اپنے اعتماد میں لینے ہوئے کہا: ”تم ایک خدمت ادا کر سکتے ہو جس کے لیے میں تمہارا احسان مندر ہوں گا۔“

”خدمت کیا ہے؟“

حارث کا لہجہ رازدارانہ ہو گیا۔ ”تم کسی سے میری اس تحقیق و تلاش کا ذکر نہیں کرو گے۔ اگر کسی سرکاری مخبر کے کان میں اس بات کی ہینک بھی پڑے گی تو میں ایک مفروضہ کی تلاش میں ہوں تو سرکاری کارندے میرا پیچھا کریں گے۔ ممکن ہے جب میں مطلوبہ آدمی کو ڈھونڈ لوں، اُسے گرفتار کر لیا جائے اور میں بھی کسی مصیبت میں پھنس جاؤں اور اس طرح نیکی برابر گناہ لازم کی کماوت پوری ہو۔“

”میں جانتا ہوں سرکاری کارندوں کو اس بات کا علم نہیں ہونا چاہیے اور نہیں ہوگا۔“

”شکریہ حسن! تم نے میری ایک اور پریشانی دور کر دی ہے۔“

پھر دونوں نے بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کیا اور حارث کہنے لگا: ”میں ایک دودن میں یہاں سے چلا جاؤں گا لیکن تم سے ایک بار پھر ملوں گا۔“

ان الفاظ کے ساتھ وہ حسن اعرابی سے رخصت ہوا اور اس بات پر بے حد خوش تھا کہ اس نے ایک بڑا مقصد حاصل کر لیا اب ذکر وہ قریط اس کی مٹھی میں ہے۔

اسما وہ کی جانب روانہ ہوئے۔ ایک یوم قبل وہ معم کے سپر سالار شبل سے ملا، اس کی جیب میں جنوبی عراق کا ایک ایسا نقشہ تھا جس میں شہروں، صحراؤں، میدانوں، دریاؤں اور ان کی طرف جانے والے راستوں کی نشاندہی کی گئی تھی کئی روز کی محنت اور کوششوں کے بعد اس نے یہ نقشہ خود تیار کر لیا تھا اس دیرانہ وار کوشش کا اصل مقصد اسما وہ میں ایک ایسے حق ووق میدان یا بیابان وحشت کا آنا پنا لگانا تھا جہاں قریطی جماعت کا بانی اور اس کی قائم ترنا کامیوں، مصیبتوں، نامرادیوں کا نئے دار ذکر وہ قریط کہیں چھپ کر بیٹھا تھا اس ساری محنت کا حاصل اس کی جیب میں تھا۔

شبیل نے حارث کے مصلحت کی گرم جوشی سے اندازہ لگا کر اس کی شر باتوں میں دوڑنے والا خون پہلے سے تیز اور انتقام کا جذبہ کچھ اور فزوں اور چمکے ہے۔ حارث نے خود ہی گفتگو کا آغاز کیا۔ ”سردار شبیل! میں نے جو مشکل کام اپنے ذمے لیا تھا اسے پورا کر کے لوٹا ہوں۔“

شبیل پر ایک خوش گوار حیرت گزر گئی۔ ”کیا ذکر دیر قمرط کی کہیں گاہ کا کھوج مل گیا؟“ ”میرا خیال ہے میں سانپ کی بائی کے آس پاس پہنچ گیا ہوں، اب صرف باقی کوڈھونڈنا اور سانپ کا سر کھینا باقی رہ گیا ہے۔“

پھر اس نے حسن اڑابی کے ذریعے بغداد سے باہر و جلد کے کنارے خانہ بدوشوں کے سردار سے اپنی ملاقات کی روداد سنائی۔ اس دشت پر ہول کا ذکر کیا جہاں تباہی و بربادیت کے مطابق کبھی اجتا کا ڈیرا تھا اور اب بھی دشت و دیروانی برستی ہے۔ خانہ بدوش سردار کے بقول جس نے ہول ناک ویرانہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، وہ ایک ایسا مقام ہے جہاں حکومت کا کوئی مفرد کوئی سال چھپا رہ سکتا ہے، کیوں کہ اس مقام کی دہشت اور وحشت کے باعث نہ کوئی مسافر اُدھر جاتا ہے، نہ اُدھر جانے کا کوئی راستہ ہے۔ پھر اس نے بغداد کے بعض تاجروں اور اُدھتوں کے سفری دلاؤں سے جو جنوب کی طرف آنے جاتے رہتے ہیں، اپنی ملاقاتوں کا حال سنایا، جو اس دشت پر ہول سے نہیں گزر سکتے تھے لیکن ایک اُدھت کا کارندہ صحرائیں راستہ بھٹک کر اُدھر جا نکلتا تھا اور اس کے نزدیک وہ یا بقی دشت بنو قلیص سے جنموں سے ایک یوم کی مسافت پر جنوب کی سمت واقع ہے۔

بنو قلیص کے ذکر پر سردار شبیل اپنی نشست پر اچھل گیا جیسے مدعا اُٹھ اُٹھ گیا اور بے چینی سے بولا۔ ”دوست! تم بالکل ٹھیک مقام پر پہنچے ہو۔ بنو قلیص ہی بوڑھے قمرط کی دیکھ بھال کرتے ہوں گے۔“

اب حارث نے اپنی جیب سے وہ نقشہ نکالا اور اسے پھیلا کر ایک ایسے مقام پر انگلی رکھ دی جہاں دیڑھے کا نشان لگایا گیا تھا۔ ”اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو یہی وہ حق میدان یا دشت پر ہول ہے جہاں ایک باؤلی میں ذکر دیر قمرط چھپ کر بیٹھا ہے۔ یہ ویرانہ بنو قلیص سے ایک یوم کی مسافت پر ہے۔ اب مجھے اس دیرانے میں جانا، وہاں ایک باؤلی تلاش کرنا اور اس باؤلی سے ذکر دیر قمرط یا سانپ کو اس کو بائی سے باہر گھسیٹ

لانا ہے۔“

سردار شبیل نے نقشہ دیکھا اس نقشے کے مطابق سادہ کے صحرائیں بنی اسد، بنی طے اور بنو قلیص کے خیموں کی نشان دہی کے ساتھ ساتھ اس دیرانے کی علامت و پیکر جہاں تحریک قمرط کے بانی کو موجود ہونا چاہیے تھا، حارث کی سعی و محنت پر تحسین و آفریں تھی۔ اس دشت پر ہول کا آنا پتا معلوم کر کے جس کا سراغ عراقی خبر رساں بھی نہ لگا سکے تھے، اس نے ایک اہم کا نامہ انجام دیا تھا مگر چانک ایک خیال نے شبیل کو پریشان کر دیا۔ ”حارث! یہ بتاؤ جب تم حسن اڑابی کے ہمراہ خانہ بدوش بدوش کے قریب پرگئے یا سردار سے معلومات حاصل کر کے واپس آئے کسی آدمی نے تمہارا تعاقب تو نہیں کیا تھا؟“

حارث اس سوال کا مطلب سمجھ گیا۔ ”میں جانا ہوں جماعت کے خفیہ داعی، فدائی، اور خبر ان لوگوں کا جن پر انھیں کوئی شبہ ہو، موت کی طرح بے آواز نیچا کرتے ہیں لیکن میں نے کسی فرستادہ اجل کو تعاقب کا موقع ہی نہیں دیا اور اسے سائے سے بھی چوکتا رہا ہوں۔ پھر میں نے اس تحقیق و تفتیش کی روشنی میں ذکر دیر قمرط یا اس کی جماعت کا نام تک نہیں آنے دیا بلکہ ایک بوڑھی قریب المرگ عورت کی کہانی گھڑ لی تھی، جو اپنے مفرد ربیع سے جو حکومت کے در سے بچانے کہاں رو پکشنس ہے۔ آخری بار ملنا چاہتی ہے اور کسی پر اسرار خفیہ مقام کی تلاش جہاں حکومت کا مفرد قیدی پناہ لے سکتا ہے۔ اسی حوالے سے کرتا رہا ہوں۔“

شبیل نے اطمینان کا سانس لیا۔ ”یہی تم نے عقل مندی کی ہے ورنہ ذکر دیر قمرط کا نام بھی تمہاری زبان پر آجاتا۔“ موت کے سائے ”تمہارے“ مجھے لگ جاتے۔“

”میں نے قمرطی خبروں کو شکست دی ہے اب ذکر دیر قمرط کا انجام میری مرضی کے مطابق ہوگا۔“ حارث پر جوش بھڑک اُٹھا۔ ”میں قمرط کا سر اپنے نیزے پر چڑھاؤں گا اور اسادہ کے میدان جنگ میں جب باؤلی نہیں خفیہ پرست اس کا سر نیزے پر چڑھا کر کھیں گے تو ان کیے باؤں سے خفیہ کے زمین بھل جائے گی۔ وہ میدان سے بھاگ نکلیں گے۔“

سردار شبیل ان باتوں سے بھگتے ہوئے محل نشینوں کے سر قلم کرنا ہوں گے جو بنو قلیص کے خلاف خروج کا ارادہ کر کے اکٹھے ہوتے ہیں۔

سردار شبیل بھی اسے اسادہ کی ہم اور قمرطی تباہی پر چلنے کے بارے میں بتانے لگا۔ ”ہم یہاں سے کونے کی طرف کوچ کریں گے اور اسی جانب سے صحرائیں داخل ہوں گے مگر بنو قلیص

کی طرف پیش قدمی سے قبل لشکر کو آرام کا موقع دیا جائے گا اس اثنا میں تم شتر سواروں کا ایک دستہ لے کر جنوب کی طرف سفر کر دے گا اور اس ویرانے میں داخل ہو کر جس کی تم نے اپنے نقشے میں نشان دہی کی ہے؟ دشمن کو ڈھونڈ لو گے۔ پھر تمہیں اس کا سر کاٹنا اور لوٹ آنا ہے اس کام کے لیے پانچ یوم درکار ہوں گے۔ تمہارے لوہے سے قبل لشکر نوقلیس کی جانب روانہ ہو چکا ہوگا اور تم رستے ہی میں کسی جگہ ٹھہرے آلو گے۔

حارث نے یہ تجویز مسترد کر دی۔ ”سردار شبل! اس دشت پر ہول میں جہاں سے کوئی صحرائی قبیلہ یا قافلہ نہیں گزرتا، شتر سواروں کا دستہ لے کر داخل ہونے کا مطالبہ یہ ہوگا کہ ہم دشمن کو قبل از وقت خبردار کر دیں گے کہ وہاں کچھ ہونے والا ہے۔ دشمن کی ”پوشیدہ آنکھیں“ شتر سواروں کو دیرانے میں داخل ہوتے دیکھ لیں گی اور اس سے پہلے کہ ہم کوئی کارروائی کریں وہ فرار ہو جائے گا۔“

شبل نے اس کی بات تو جیسے سنی اور کچھ گیا شتر سواروں کے ہمراہ وہاں جانا مناسب نہیں، دشمن کی فاری کا خطرہ محسوس کر کے ہر جگہ وہاں سے بھاگنے کی کوشش کرے گا اور اگر ایک بار نکل گیا تو دوبارہ ہاتھ نہیں آسکے گا۔ ”پھر تم کیا چاہتے ہو؟“

حارث بتانے لگا۔ ”اس بیابان وحشت میں جہاں کوئی بھولا بھلا مسافر بھی نہیں جاتا، اکیلے آدمی کا داخلہ بھی دشمن کو حیران کر دے گا اور ”پوشیدہ آنکھوں“ سے اس کی نگرانی کرے گا کہ وہ کیوں آیا اور کیا کرنا چاہتا ہے مگر میں اپنی ساندڑی ٹیٹوں سے ادھر چھوڑ کر اس کی گواہی باندھ دوں گا تاکہ میری دلیلی تک وہیں رہے پھر اس دیرانے میں اس طرح داخل ہونے کی کوشش کروں گا کہ ”پوشیدہ آنکھیں“ بھی مجھے نہ دیکھ سکیں۔ وہاں ایک ایک ڈیڑھ ڈیڑھ میل کے فاصلے پر کچھ گڑھے زمین میں اس طرح دھنسے ہوئے ہیں، جیسے کھدی ہوئی قبریں ہوں میں کسی گڑھے میں چھپ جاؤں گا اور رات کا پہلا پرگزرنے کا انتظار کروں گا جب دشمن اطمینان کی قیند سو جائے گا اور چاند طلوع ہو رہا ہوگا کیوں کہ چاند کا نصف مینا یا اجالے کا حصہ گزر چکا اور دوسرا نصف یعنی اندھیرے کا حصہ شروع ہو چکا ہوگا اور چاند کم از کم رات کا ایک پرگزرنے جانے کے بعد طلوع ہوگا اس وقت میں اپنی کمین گاہ سے نکلوں گا اور اس پر ہول ویرانے میں دشمن کی کمین گاہ تلاش کروں گا۔ میرا خیال ہے آخری راتوں کے چاند کی روشنی میں جب وہاں ہر ذی جہات شے سوری ہوگی، میں باؤلی باسانی ڈھونڈ لوں گا جہاں ذکر و بیہ قرطہ رہے

اور اسے یوں باہر گھسیٹ لوں گا جیسے شیر اپنے شکار کی گردن دبوچ لیتا اور اُسے گھسیٹ کر لے جاتا ہے۔“

شبل اس کی بات بڑے غمزہ اور بڑی دل چسپی سے سنتا رہا جب وہ خاموش ہو گیا تو بڑا ”میرا خیال ہے تمہارا اتنا جانا مناسب نہیں۔“

حارث حیران رہ گیا۔ ”کیوں؟“

”ذکر و بیہ قرطہ وہاں تنہا ہوگا۔“

”کیا محافظ اس کی دیکھ بھال کر رہے ہوں گے؟“

”بہت سے محافظ نہ سہی لیکن ایک دو خادم یا پھر سے داخلہ ہوں گے جو اس کی خدمت

اور حفاظت کے علاوہ ضرورت کے وقت پیغام رسانی کا فرض بھی ادا کرتے اور نوقلیس تک آتے جاتے ہوں گے۔“

پھر اس نے ایک نفسیاتی توجیہ پیش کی۔ ”آدمی کتنے ہی مضبوط رگ پٹھوں کا مالک کیوں نہ ہو مسلسل خاموشی اور تنہائی اس کے اعصاب پر اثر انداز ہوتی ہے اسے ذہنی طور پر ماؤف کر دیتی ہے، لہذا اس دشت پر ہول میں جس کی وحشت اور دہشت آدمی کو ہراساں کر دیتی ہے کسی خادم اور ساتھی کی رفاقت نظر انداز نہیں کی جاسکتی۔“

”جو کچھ میں نے سنا ہے اس کے مطابق قرطہ اپنی باؤلی میں تنہا رہتا ہے ممکن ہے اس کے پاس کوئی محافظ یا خادم ہو، ممکن ہے نہ ہو مگر محافظ یا خادم میرا راستہ نہیں روک سکتے ذکر و بیہ قرطہ کو ہر صورت میرے ہاتھ سے قتل ہونا ہے۔ محافظ اور خادم بھی اس کے انجام میں شریک ہوں گے۔“

شبل نے اپنی رائے پر اصرار کیا۔ ”میں نہ صرف اس ہولناک ویرانے میں تمہارا تنہا جانا پسند نہیں کرتا بلکہ اس مادہ جیسے حوا میں تمہارا تنہا سفر کرنا بھی مناسب نہیں سمجھتا۔ دانشور کہتے ہیں آکٹوفینکس قسم اسطرلیق (پہلے ساتھی کو پھر راہ پکڑو) اکیلا آدمی ہر جانب نگاہ نہیں رکھ سکتا ایک سے دو جگہ ہوتے ہیں اور کبھی کبھی ایک اور ایک جگہ جگھے جاتے ہیں اس لیے کم از کم ایک رفیق تمہارے ساتھ ضرور ہونا چاہیے۔“

حارث نے ایک بار پھر انکار کر دیا اور اس کی وجہ بھی بیان کی۔ ”سردار شبل! موت کے اس ویرانے میں کامیابی کا انحصار صرف اس بات پر ہے کہ دشمن کو میری آمد کا پتا نہ چلے اور جی پٹری

میں جاکر اسے دیوچ لوں گا کہ کوئی رفیق میرے ساتھ ہوا تو میں خود کو پرشیدہ نہ رکھ سکوں گا۔
جہاں ایک ایک قدم ایک ایک منزل کے برابر ہو، وہاں دوسرا آدمی ساتھ نہیں چل سکتا۔ میں اپنے
سارے دوست رفیق اور تمام رشتے ناتے پیچھے چھوڑ چلاؤں گا اور دشت پر ہوں میں اکیلا داخل
ہوں گا۔ صرف میرا انتقام میرے ساتھ جائے گا۔

اس کے بعد کچھ کھنے سننے کی گنجائش نہ رہ گئی تھی۔ شبیل نے یہ کہہ کر بات ختم کر دی۔ تقدیر
تنہا آدمی کی راہنما ہوتی ہے۔ دوست، ادا ہی تھا۔ اسے ساتھ ہوگی۔

حادثہ محض اس بے تنہا جانے پر مصر نہ تھا کہ ذکر و بیقراری کو اس کے انجام تک پہنچانے کا
فریضہ بھی تنہا انجام دے بلکہ وہ اکیلا اور چھپ کر وہاں داخل ہونا چاہتا تھا کہ دشمن کو خبردار ہونے
یا کوئی کارروائی کرنے کا موقع نہ مل سکے۔

سردار شبیل نے اس کی رائے سے اتفاق کر لیا۔ وہ جانتا تھا حادثہ ایک طاقتور دروچی اور
تبع زنی میں جڑا ہوا ہے۔ ویرانے میں ایک دو کی بجائے پانچ چھ آدمی بھی قریط کے ساتھ ہوتے
تو وہ اکیلا ہی سب سے نمٹ لے گا اور اپنے دشمن کو ہلاک کیے بغیر نہیں ملے گا پھر ان کے درمیان
یہ بات طے پائی کہ لشکر سبت (مہضے) کے دوڑ کو فتنے پیچھے گا اور دین یوم وہاں آرام کرے گا۔
وہ یوم الاربعہ (بدھ) کو اسامہ کی طرف کوچ کرے گا اور جمعے کے دن بنو قلیص سے گیارہ
میل اُدھر چھاؤنی ڈال دے گا مگر حادثہ کو فتنے میں صرف ایک رات قیام کر کے یوم الاحد (اتوار)
کو علی الصباح اکیلا اپنے سفر پر روانہ ہوگا اور یوم الخمیس (جمعرات) تک اپنا کام نمٹا کر جمعے کو
بنو قلیص کے قریب لشکر سے آئے گا۔

خلیفہ معتقد نے شبیل کو ہدایت کی تھی، وہ جمعے کو اسامہ پہنچ جائے اور نماز جمعہ
ادا کرنے کے بعد دشمن پر حملہ کرنے ناکہ جمعے کی برکت شامل حال رہے اور دعاؤں کے تیر بھی
اس کے ساتھ حرکت کریں۔ اس حکم میں کوئی تبدیلی نہ ہو سکتی تھی۔ شبیل کو ہر حالت میں نماز جمعہ
کے بعد بائیں قبائل پر حملہ کرنا اور حادثہ کو ہر قیمت پر اپنا مقصد حاصل کر کے اسی روز لوٹ آنا تھا
تاکہ جب قریطی عقیدہ پرستوں پر دھاوا کیا جائے تو تیرے پر چڑھا ہوا ذکر و بیقراری کا سر
لشکر کے آگے اٹکے ہو۔

حادثہ کی مالوسی کا وقت نماز جمعہ تک طے ہوا یہ بھی ممکن تھا کہ دشت پر ہوں میں دشمن
کا ہتھیہ اٹھانا ہی نہ مل سکے لیکن اس صورت میں بھی اُسے مقررہ وقت پر لشکر میں پہنچ جانا اور چلے

میں شریک ہونا تھا تاکہ اپنے رقیب اور حریف ابن حرب کا حساب بے باقی کر سکے اور عقیدہ پرست
قبائل کی سرکوبی کے بعد تنہا شتر سواروں کے ہمراہ دوبارہ ذکر و بیقراری کی تلاش میں نکلے اور
پورے ویرانے کو گھیرے میں لے کر اُسے ڈھونڈ نکالے۔

اُس نے یقین دلایا "جمعے کے روز جب میں دشت پر ہوں سے واپس آؤں گا، ذکر و بیقراری
کا سر میرے نیزے پر چڑھا ہوگا کیوں کہ جب آدمی پورے عزم اور ارادے کے ساتھ نکلتا ہے
تو تقدیر اس کے ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ قریط کے بعد میں ابن حرب سے بھی انتقام لینے بغیر مرنا نہیں
چاہتا لہذا جمعے کو میری مالوسی یقینی ہے۔ صرف موت میرا راستہ رکھ سکتی ہے مگر اب ناکافی اور
موت میرے دشمنوں کا مقدر بن چکی ہے۔"

اس کے پرہیزگار الفاظ کی قوت نے سردار شبیل کے دل میں بھی کامیابی کے چراغ روشن کر دیے۔
وہ سوچ رہا تھا قریط اور قریطی جماعت کا خاتمہ تقدیر کا فیصلہ ہے جس پر غلی کرانے کے لیے
اس کا انتخاب کیا گیا ہے۔



کے یکہ تازہ سوار دھاوا کرنے میں بڑے مشہور اور تجربہ کار تھے، وہ بیدل فوج لقی جس کے سپاہی حریف پر حملہ کرنے اور اسے یکہ تازہ سواروں کے منہ میں دھکیل دیتے تھے جو ان کا شکا کھیلنے اور ان کے جسم نیزوں کی ضربوں سے چھلنی کر دیتے تھے۔

جب یہ لشکر سپاہ پرچموں کے ساتھ بغداد سے روانہ ہوا، قرامطہ کے ساتھ ان کی جہالت کا مستقبل بھی تاریک نظر آنے لگا۔

خلافت عباسیہ اور قرامطی عقیدت پرستوں کے درمیان حالات نے جو صورت اختیار کر لی تھی اس کا لانی نتیجہ تصادم تھا اور فریقین نے یہ تصادم قبول کر لیا تھا۔ جماعت کے خفیہ داعی فدائی اور خیر اہم اور خیر اہم واقعے کی خیر اسامہ میں پہنچا رہے تھے۔

اس اطلاع نے باور فقیہین قبائل میں سنسنی کی لہر دوڑادی تھی کہ خلیفہ معتقد نے تحریک قرامطہ کے خلاف اپنے معتقد علم شہل کو لشکر کا سپہ سالار بنایا ہے، جس نے کچھ عرصہ قبل ہی کلب کا دھاوا کرنا کام بنادیا اور ابن حرب کا بایاں بازو کاٹ ڈالا تھا۔ شہل کا نام سن کر سردار نعمان کے جسم میں لہو کی گردش تیز ہو گئی۔ وہ دھاوا جس میں ابن حرب کا بازو کاٹا، اسی کی غلطی سے ناکام ہوا اور اب وہ محسوس کر رہا تھا کہ غلطی کی نمانی کا وقت آ گیا ہے۔

عباسی لشکر کی روانگی کی خبر ملتے ہی بنو قلیص میں مقیم عراقی اور شامی قبائل میں جوش و خروش بڑھ گیا، قرامطی اما بھی ابوقاسم کا فیصلہ تھا کہ جنگ میں عراقی قبیلوں کی کان ابوالفوارس کرے گا اور شامی قبیلے ابن حرب کی قیادت میں لڑیں گے۔ ادھر عباسی لشکر بغداد سے روانہ ہوا، ادھر اسامہ میں لشکر کی سرداروں کا اجلاس طلب کر لیا گیا۔ یہ اجلاس بنو قلیص کے سردار ابن قنضم کے مضرب (بڑے خیمے) میں ہوا اور نائب امام اکام حنین شیخ الجماعت نے امام بھی ابوقاسم کو نیا حکم پڑھ کر سنایا۔

اس حکم کے مطابق عباسی سپہ سالار شہل کے مقابلے میں تمام عراقی قبائل کی قیادت (سپہ سالاری) منذ بن حرب الکندی کے سپرد کر دی گئی، ملکہ صحرانہ شہزادی نجم العلیل اس کی جنگی مشیر اور قبائلی لشکر کی علمبردار مقرر ہوئی۔ سردار ابوالفوارس، سردار ابن قنضم اور سردار نعمان کی حیثیت ابن حرب کے نائبوں کی تھی جو عراقی اور شامی قبائل کی سرداری کریں گے۔ جنگی احکام نافذ کرنے کا اختیار صرف ابن حرب الکندی اور شہزادی نجم العلیل کو ہوگا اور ان کے حکم کی پوری تعمیل کی جائے۔

۵۸

دشمن پر ہول

سامہ کا صحرا انسانوں کے ہوسے لالہ زار ہونے والا تھا۔
کوئے، چیلین، گدھ، لکڑ دھنگے اور صحرائی کتے انسانی گوشت کی ضیافت اڑاتے
والے تھے۔

موت کے آئ دیکھے ٹھنڈے اتھ آدمیوں کو اپنی طرف کھینچ رہے تھے اور اجل صحرا میں
ان کے قتل کا انتخاب کر چکی تھی۔

اس دور میں عباسیہ کی غالب قوت کا مقابلہ دوسروں کی شکست و پستی، تباہی
بربادی اور موت کے مترادف تھا۔ فضا کی آندھیاں عباسی لشکروں کے آگے آگے چلتی تھیں اجل
نے وہ راستے کھول دیے تھے، جن سے گزر کر بہت سے باغی ہمیشہ کے لیے دنیا سے نجات
ہو گئے اور بہت سے سرکشوں کو قبرس بھی نصیب نہ ہو سکی تھیں۔ ان کے جسموں کا گوشت
مردار خور پرندوں کے پوتوں اور جانوروں کی اوجھڑیوں میں اتر گیا تھا۔

اب ایک اور ضیافت کی تیاری ہو رہی تھی۔
موت کی ایک اور رباط پچھائی جا رہی تھی جس پر دو حریف آسمان سے صف آرا ہونے
والے تھے۔

شہل کے لشکر میں شہزادوں کے وہ صحرائی دستے تھے جو میدان اور دیک زار میں
یکساں تیزی کے ساتھ حرکت کرتے اور دشمن پر موت کی آندھی بن کر چھپتے تھے، وہ رسالت تھیں

MAHAN BOOKS
& LIBRARY
8-52, BHABRA BAZAR, RAVALPINDI
Cell: 0345-5048824 - 0345-5048559
Prop: Ali Khan

تواریس کھینچنے سے پیدا ہوتی ہے۔ انھوں نے شہزادی نجم کے الفاظ کو معنی پتا دیے تھے۔ وہ سبز پوش نائب امام کی طرف دیکھ کر بولی۔

”آقا حسین! ہم نے غلط نہیں کہا تھا، یہ تواریس خون کی پیاسی ہیں اور میدان جنگ میں انھیں دشمن کے لہو سے ”آب دار“ کیا جائے گا“

حسین قرمطی نے اس پر تحسین کی نظر ڈالی اور آفریں کہی کہ قبائلی سردار اُس کے الفاظ کا مفہوم اچھی طرح سمجھتے ہیں مگر ساتھ ہی توجہ دلائی۔ ”دانشوار کہتے ہیں دشمن کو اپنے گھر کا رستہ نہ دکھاؤ اور اس کے ساتھ گھر سے باہر جا کر غمٹو“

یہاں گھر سے مراد بنو قلیص کی صحرائی لیتی اور اس کی حدود تھیں۔ گویا آقا حسین نے اس حرب کے حکم کو اہمیت دی لیکن ابن حرب نے شہزادی کی بات بھی رکھ لی اور اپنا حکم بھی قائم رکھا۔ ”ہم دشمن کو بنو قلیص کے اندر داخل نہیں ہونے دیں گے اور اگر وہ یہاں آگیا تو اُسے واپس سیس جانے دیں گے“

سب نے اس بات کو پسند کیا وہ لوگ ابن حرب کی سپہ سالاری اور شہزادی نجم کی علمبرداری پر بے حد خوش بلکہ بڑے پرجوش دکھائی دیتے تھے۔ پھر آقا حسین نے آخری اعلان کیا، جس کے ساتھ ہی اجلاس ختم ہو گیا اور آخری اعلان یہ تھا۔ ”ذکر یہ قرمط قائم باقی نے فتویٰ جاری کیا ہے کہ غاصبوں کے خلاف خروج جائز بلکہ ضروری ہے اور امام کی الہی الوافق سم خطبہ جمعہ سے قبل خروج کا سبز علم بلند کریں گے“ اگر خلیفہ معتضد ابوالعباس نے جو سفاح ثانی (دومراخون رین) کہلاتا تھا، شہل کو شکم دیا تھا کہ وہ کا زجمعہ ادا کرنے کے بعد دشمن پر حملہ کرے اور باغیوں کو تیس تیس کر کے قراطہ کے ساتھ اُن کے جنگی سرداروں کے سر بھی اپنے نیزوں پر چڑھا لے تو یحییٰ قرمطی نے بھی خروج کے لیے اُسی دن اور اُسی وقت کا انتخاب کیا تھا۔

تحریر قراطہ اخفا کا بارہ ادا کر چکی لباس زیب تن کر رہی اور حق خلافت پر عباسیوں سے جنگ آزما ہونے والی تھی۔

دونوں نے اپنے اپنے لشکر کی سپہ سالاری دہانے حریفوں کو سونپ دی تھی۔ ایک طرف شہل تھا اور عباسیہ کے تربیت یافتہ فوجی تھے جن کی مگرہ آرائیوں نے لوگوں کے دلوں پر اپنی دھماک بٹھا رکھی تھی۔ دوسری جانب ابن حرب الکندی تھا اور وہ باؤنیہ نشین قبائل تھے جن کے پیچھے عقیدے کی طاقت تھی۔ یہی طاقت انھیں عباسیہ کے تربیت یافتہ اور اسلحہ جنگ سے لیس

خفیہ معتضد نے اپنے غلام شہل کو سپہ سالار بنا کر اگر ایک کامیاب مہمہ اُگے بڑھایا اور آزمائی ہوئی چال چلی تھی تو قرمطی امام نے بھی بساط حرب پر اپنے مہرے تبدیل کر دیے۔ اور وہ شہل کے مقابلے میں اس کے پرانے حریف ابن حرب ہی کو سامنے لایا تھا بلکہ اس نے نجم البلیل جیسی حسین طولونی شہزادی کو صحرائی قبائلی کی علمبردار بنا کر ایک نئی چال کھلی تھی اور ایک ایک دن اُسے یہ چال بہر حال کھیلنا تھی جس کے لیے شہزادی نجم کو مصر سے نکال کر صحرائیں پہنچایا گیا تھا۔

شہل کے مقابلے میں ابن حرب کی سپہ سالاری کا اعلان یحییٰ قرمطی کی حلی فرست کا اظہار تھا کہ وہ اپنی پہلی ناکامی کا داغ دھو ڈالے لیکن خوب صورت طولونی شہزادی کو لشکر کی علمبردار بنانا بالکل ایک نئی اور عجیب بات تھی۔ یہ اہم فرض صرف جنگ جو بہادر کو سونپا جاتا تھا، جو علم کی حفاظت کر سکتا ہو۔ قبائلی سردار سمجھ گئے کہ شہزادی کا حسن نیزے اور تلوار سے زیادہ طاقت رکھتا اور دلیل کامیابی ہے۔ انھوں نے صدائے احسن بلند کی اور اس کی نئی حیثیت کو بخوشی تسلیم کر لیا۔

اس حکم یا اعلان کے بعد جو آقا حسین نے چڑھ کر سنایا، ابن حرب اور شہزادی کو جنگی اختیارات حاصل ہو گئے۔ دونوں نے امام اور اُس کے نائب کا حکم یہ ادا کیا اور اپنی دستہ داری پوری کرنے کا فیصلہ دلایا۔ ابن حرب اگر آقا حسین کا منتہی تھا جس کے اندر اس نے حلول کیا، تو ذکر یہ قرمط نے بائلی میں طائفات کے وقت شہزادی نجم کے سر پر ہاتھ رکھ کر اپنی روحانی طاقت اس میں منتقل یا منکس کی تھی اور عقیدہ پرست سردار اس سے آگاہ تھے۔

سپہ سالار کی حیثیت سے ابن حرب نے اسی مجلس میں اپنے یمنوں ناموں یعنی ابوالنوار، سردار ابن صمغ اور سردار نعمان کو پہلا حکم دیا۔ ”حفاظتی گشت کا دائرہ اٹھائو تو دلیل ہمک بڑھاؤ اور دشمن کو بنو قلیص کی حدود میں داخل نہ ہونے دو“

شہزادی نجم نے بھی جو اس کی جنگی مشیر تھی، پہلا مشورہ دیا۔ ”ابن حرب! شہل کو اسماہ میں اور اس کے لشکر کو بنو قلیص کے قریب گانے دو، ہمارے سرداروں کی تلواریں عباسیوں کے خون کی پیاسی ہیں“

یہ سنتے ہی قبائلی سرداروں کی تلواریں بے سرعت میالوں سے باہر آگئیں اور بڑے فیحہ کی فضا اس خوف ناک آواز یا بھیاں کہ سرسراہٹ اور سنسناہٹ سے کانپ گئی جو میالوں سے

پھر آقا حسین سے مخاطب ہوئی۔ ”آقا حسین! ہم نے کچھ غلط تو نہیں کیا؟“

سبز شیخ نے اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔ ”حادث کا سرکل تو اُسے مصر ہی بھیجا جائے گا لیکن یہ بات یقین کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی کہ سردار نعمان کا حادث سے مقابلہ ہو گا یا نہیں اور کون اسے جام مرگ پلائے گا۔ وہ اپنی موت اپنے ساتھ لے کر آ رہا ہے اور کبھی کبھی موت آدمی کو ناگہاں بھی چھپٹ کر لے جاتی ہے۔“

شہزادی نجم اور بنی کلب کے ساتھ، ابن حرب، سردار نعمان، سردار ابن خضرم اور اُس کے نائب صندل نے حیرت کی نظروں سے آقا حسین کی طرف دیکھا جس نے حادث کی موت پر اسرار کا ایک پردہ ڈال دیا تھا۔



عباسی لشکر کی روانگی کا بڑا چرچا ہوا تھا۔ شبیل عباسیہ کے سیاہ پرچم لہراتا جیسے ہی گزرا، لوگوں نے اُسے حیرت و شوق سے دیکھا۔ وہ جان گئے تھے کہ کچھ عقیدہ پرست صحرائی قبیلہ بغاوت پر آمادہ ہیں اور امیر المومنین نے ان کی سرکوبی کے لیے لشکر بھیجا ہے۔

حادث ابو ظفر اپنے دو دشمنوں کو کینفر کر دار تک پہنچانے کی خاطر لشکر خلافت کے ساتھ تھا۔ اس کا رقیب اور حریف بنو قلیص میں پہنچ چکا اور اصل دشمن اسمادہ کے ایک قوی و ذوق میدانِ یادشت پر ہول میں روپوش تھا۔ حادث کو پہلے اسی سانپ کی بانی تلاش کرنا پڑی۔ اس نے لشکر کو سوا دو کوہ میں چھوڑا اور ایک تیز رفتار ساندہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

صحرائے سمادہ بادِ شام یا عجب کے ربع اٹالی کی طرح ہول ناک اور خطر ناک رہا۔ جہاں زندگی کی کوئی ضمانت نہیں اور آدمی کا پرچ لکھنا محض خرابی تقدیر پر منحصر ہوتا ہے۔ پھر بھی اپنی وسعت نیز صحرائی خطروں اور مشکلوں کے اعتبار سے یہ صحرا بڑا دشوار گزار تھا اور اکیلے دیکھے مسافر اس میں سفر کرنے گھبراتے تھے۔

حادث نے حیرت انگیز بلکہ ناقابلِ یقین جرأت کا مظاہرہ کیا۔ وہ کسی کو رفتی سفر بنائے اور خطروں کی پروا کیے بغیر اکیلا ہی نکل کھڑا اور اس نے پانی کے مشکیزے بھر لیے تھے اپنی خوراک کے علاوہ ساندہ کی کاچارہ دانہ بھی لے لیا تھا، کیوں کہ اُسے اسمادہ کے کسی قبیلے میں ٹھہرنے کی بجائے ہر قبیلے سے دور رہنا اور موت کے اٹلی کی طرح لوگوں کی نظروں سے بچنا کہ

لشکر کے مقابلے پر لے آئی تھی جس کی خاطر اسمادہ کا صحرا منتخب ہوا تھا اور صحرا اپنی وسعتوں کے باوجود عباسیوں اور قرابطہ کے لیے ناکافی تھا۔

مجلس کے خاتمے پر جب قبائلی سردار رخصت ہو رہے تھے، آقا حسین نے ابن حرب، شہزادی نجم اور بنی کلب کے سردار نعمان کو روک لیا اور قلیص ابن خضرم کی موجودگی میں انھیں ایک سنسنی خیز خبر سنائی۔ ”ابن حرب! عباسی لشکر کے ساتھ تمھارا ایک مفروضہ قیدی بھی آ رہا ہے، جو تمھاری بیہوشی کے باوجود میں شہزادی کے غلام ڈونگا کو قتل کر کے بنی کلب سے فرار ہو گیا تھا اُسے تمھارا کچھ حساب ہے باقی کرنا اور تم سے اپنی پھیلی شکست کا بدلہ لینا ہے۔ خلیفہ نے اپنے سپہ سالار کو ہدایت کی ہے کہ اُسے تمھارا حساب چکانے کا موقع دیا جائے۔“

آقا حسین نے حادث ابو ظفر کا نام نہیں لیا تھا، شاید نام لینے کی ضرورت نہ سمجھی تھی ڈونگا کو قتل کر کے بنی کلب سے فرار ہونے والا وہی تھا۔ وہ جانتے تھے حادث مصر سے بھی بھاگ نکلا اور یقیناً بغداد ہی آیا ہو گا لیکن ان کے لیے پتہ کسی اچھے سے کم نہ تھی کہ وہ ابن حرب سے اپنا حساب بے باقی کرنے اور بدلہ لینے عباسی لشکر کے ہمراہ اسمادہ میں آ رہا ہے۔

شہزادی نجم کہنے لگی۔ ”وہ ہمارا اور ابن حرب کا دشمن ہے۔ ڈونگا کا قاتل ہے جماعت کا مجرم ہے اس نے بنی طولون سے بھی غداری کی اور خلیفہ کو مصر پر چڑھائی کرنے کی ترغیب دی اس کے جرائم کی تعداد بہت زیادہ ہے۔“

”پھر اُسے آنے دو اس کے استقبال کے لیے میرے پاس دی تلوار ہے جو اُسے پہلے ہی کھال کر چکی ہے۔“

”تمھیں دوسری ترتیب اُس پر تلوار اٹھانے کی ضرورت نہیں۔“

”مگر وہ مجھ سے حساب چکانے آ رہا ہے۔“

پہلے اُسے سردار نعمان سے ٹھٹھا ہو گا وہ ڈونگا کا قاتل اور بنی کلب کا مجرم ہے تمھیں صرف شبیل کا حساب بے باقی کرنا ہے۔“

سردار نے فوراً بات پھرنی۔ ”شہزادی صاحبہ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ ڈونگا کو قتل کرنے کی مزا اُسے ملی ہی دوں گا کیوں کہ ڈونگا بنی کلب کا مہمان تھا۔“

شہزادی نے ہاتھ کے اشارے سے گویا حادث کی موت پر مہر لگا دی اور کہہ ”ابو ظفر اور فضل کے سر بغداد بھیجے گئے تھے لیکن حادث کا سر انقطاع کے دربار میں بھیجا جائے گا۔“

نکل جانا تھا۔ اس سفر میں انتقام اس کا رفیق اور صحرانما نقشہ اس کا راہبر و راہنما تھا۔ نقشہ کے مطابق اُسے بنو قلیص کا رخ کرنا اور بنو قلیص کو گیارہ بارہ میل مغرب میں چھوڑ کر جنوب کی طرف مرجعہانا تھا۔

صحرائے سادہ کا سفر بڑا دشوار گزار ثابت ہوا۔ بنو قلیص تک آنے جانے کا ایک صحرائی راستہ ضرور تھا لیکن حارث کو معروف راستوں سے ہٹ کر سفر کرنا تھا۔ دو یوم کے بعد جب اس نے جنوب کا رخ کیا تو وحدہ نظر تک پہنچے صحرائیں کوئی راستہ، کوئی میدان، کوئی دیوار نہ دکھائی نہ دیا چاروں جانب ریت کے بھر و خا کے سوا کچھ نہ تھا کبھی کبھی خیال آتا کہیں وہ غلط راستے پر نہ جا رہا ہو مگر ادھر راستہ تو کوئی تھا ہی نہیں اسے راستے کے بغیر ہی تقریباً ایک یوم تک سفر کرنا اور پھر دیکھنا تھا کہ کہاں پہنچ گیا ہے۔ کوئی تیسرے پہر بہت دور ٹیلوں کی ٹکیر نظر آئی تو مارے خوشی کے سانڈی کے کجاوے پر اچھل گیا اور رفتار تیز کر دی۔

خاندان دشمنوں کے سردار سے جو معلومات حاصل ہوئی تھیں، ان کے مطابق وہ خوفناک دیوانہ بھی ٹیلوں کی پہلی طرف ہونا چاہیے تھا۔ اب بے یقینی کی فضا جاتی رہی اور وہ پہلے سے زیادہ ہوشیار اور مستعد ہو کر ادھر ادھر دیکھتا آگے بڑھنے لگا کہ کہیں اس کا نقاب تو نہیں کھلا جا رہا یا کوئی آنکھ اُسے دیکھ کر نہیں رہی مگر دور و نزدیک کوئی سایہ بھی نہیں تھا اور یہ تقدیر کی خوبی یا حالات کی نیرنگی تھی کہ وہ قرامطہ کی خفیہ جماعت کو دھوکا دے کر ذکر دیہ قرامطہ کے حلقہ تنہائی تک آپہنچا تھا۔

وہ ٹیلوں کے کچھ اور قریب چلا گیا جو شرفاً غریبا کسی فصیل کی طرح کھڑے تھے لیکن کسی بھی ٹیلے کی بلندی میں پچیس فٹ سے زیادہ نہ تھی۔ ان میں بعض عودی، بعض ترچھے تھے انھیں عبور کرنا گو مشکل مگر ناممکن نہ تھا۔ اُس نے ساندنی کچھ فاصلے پر روک لی اور تحسّس نظروں سے ٹیلوں کا جائزہ لینے لگا کہ کوئی اُس پاس نگرانی نہ کر رہا ہو، جب یہ الطینان کر لیا کہ وہاں کوسوں تک کسی ذی روح کا وجود نہیں، تب ساندنی آگے بڑھائی اور بالکل ٹیلوں کے پاس بٹھا کہ نیچے اترا پھر اُس کے آگے ٹھوڑا سا چار اڈال، پانی پلایا اور وہیں اُس کی کمرہیں باندھ دیں اس کا اسے فارغ ہو کر اپنے لیے پانی کا چھوٹا مشکیزہ، تھوڑے سے سترو، کچھ خرمے بٹھالے اور ایک ترچھے ٹیلے پر ہولیا۔

شروع ہی سے یہ خیال یا دم یا اندیشہ ذہن میں بیٹھ گیا تھا کہ ٹیلوں کی اس جانب پوشیدہ

آنکھیں کسی مقام سے دشت پر ہول کی نگرانی کرتی ہوں گی۔ اب ان پوشیدہ آنکھوں سے بچنا اور اس بیابان وحشت میں اس طرح داخل ہونا تھا کہ وہ زمین بھی جس پر اُسے چلتا تھا اس کے قدموں کی چاپ نہ سن سکے۔ وہاں کامیابی اور جیت کا دار و مدار صرف اس بات پر تھا کہ پوشیدہ آنکھیں اسے دیرانے میں داخل ہونے اور اُسکے بڑھتے دیکھ نہ سکیں۔

ترچھے ٹیلے پر گرگٹ کی طرح قدم جھاتا، ہولے ہولے اور پرچڑھتا جونی اس کی بلندی پر پہنچا تو پل بھر کے لیے وہیں دیک گیا، پھر آہستہ آہستہ سر اٹھا کر ٹیلوں کی اس جانب حد نظر تک پھیلے ایک اجڑا اور قوقوق میدان کو دیکھنے لگا جہاں گھاس کا نام و نشان نہ تھا۔ البتہ فرلانگ ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر کوئی سو کھاسٹرا اونٹ کٹاڑا تھا یا کوئی بول کی جھاڑی جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی کسی باؤل کا نام و نشان تک نہ تھا، ختی کہ قریب وجو امیں کوئی گڑھا بھی دکھائی نہ دیا جس میں فوری طور پر چھپ سکتا۔ البتہ کوئی ایک ڈیڑھ میل کے فاصلے پر زمین کے اندر چھپے ہوئے کسی کھڈیا گڑھے کے عجیب سے آنا نظر آ رہے تھے لیکن دن کی فرار ہوتی روشنی میں ٹیلے سے اتر کر اس فن ووق، انکے میدان میں، جہاں چھپنے اور مخفی رہنے کے لیے کوئی اونٹ اور کوئی گھات نہ تھی، اُس گڑھے تک جانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ اگرچہ وہاں کوئی درخت، کوئی ٹیلا، کوئی بچان یا کوئی ایسی جگہ نہ تھی جہاں سے کوئی اُسے دیکھ سکتا لیکن کیسے معلوم ”پوشیدہ آنکھیں“ زمین کے کسی بل سے تاک جھانک کر اسی ہوں۔

اس نے دیرانے کے بارے میں معلومات حاصل کرنے وقت بھی بڑی احتیاط سے کام لیا اور کسی ”سایہ اجل“ کو اپنا پھیلا نہ کر سکا دیا تھا۔ وہ قرامطہ کے خفیہ گشتوں کی سانپ جیسی نظروں سے بچتا اور اچھی کے پُر اسرار حربوں سے کالینا یہاں تک آپہنچا تھا اور اب کامیابی اسی امر میں مضمّن تھی کہ اس میدان قوقوق میں بھی اپنے آپ کو چھپا کر رکھے۔

سورج مغربی افق میں غروب ہو چکا تھا دیرانے پر ہولے ہولے اپنا سایہ ڈال رہی تھی فوراً خیال آ یا شام کا اندھیرا پھیلنے سے پہلے ٹیلے کی دوسری جانب اتر جانا چاہیے ورنہ اندھیرے میں ترچھی ڈھلان پر پھسل جانے اور چوٹ لگ جانے کا اندیشہ ہے۔

یہی سورج کمرسانب کی طرح ریگنا ہوئے ہولے دوسری طرف اترنے لگا۔ ٹیلے کی ڈھلان خطرناک تھی لیکن بڑی ہوشیاری کے ساتھ قدم جھاتا، فکیلے پتھروں کو پھوٹا، تندرک ریگنا یا پھسلنا نیچے اترا یا ادبیلے کی بنیاد کے پاس ہی چٹیل زمین پر یوں دیک گیا جیسے اسی بنیاد کا پتھر تھا۔

اگرچہ نوک دار پتھروں سے بچنے کی بڑی کوشش کی تھی پھر بھی بدن پر ایک دو معمولی ذراتیں آئیں
اندھیرے میں اتنا ترشید زخمی ہو جاتا، جبکہ یہاں اُسے اپنے آپ کو ہر طرح محفوظ رکھنا تھا۔
ابھی ٹیلے سے لگ کر بیٹھا اپنا سانس ہی درست کر رہا تھا کہ بالکل ناگہان اچانے خوف
کی ایک لہر اسے بدن میں سرسراتی چلی گئی اور ذہن میں یہ خیال کسی سنبولیہ کی طرح حرکت
کرنے لگا کہ وہ پھر اسے نکل کر ایک ایسے بہانہ وحشت یا دشت پر ہول میں داخل ہو چکا ہے
جس کے متعلق باریہ نشیں قبائل میں روایت مشہور تھی کہ وہ کبھی اجنا کا منکر رہا اور اب بھی کسی
غیر انسانی مخلوق کی دہشت وہاں سایہ افکن ہے۔ پہلے ہی سوچا رہا تھا کہ ایسی خوف انگیز باتیں
اور کہانیاں قریبی عقیدہ پرستوں نے پھیلائی ہوں گی تاکہ کوئی شخص ادھر کا رخ نہ کرے لیکن
اب محسوس کر رہا تھا اس دیرانے میں ایک غیر معمولی وحشت ضرور تھی جو دل پر ہول طاری کر رہی تھی
شام کے دم بہ دم گہرے ہونے اندھیرے، چاروں طرف چھائے خوف ناک سسٹلے
اور بقیہ دوق مقام میں اپنے اکیلے ہونے کے احساس نے اس وحشت اور دہشت میں مزید اضافہ
کر دیا، جو دیرانے کی مہیب چُپ اور ہراس انگیز تنہائی میں چمکا دڑوں کی طرح کاوے کا لٹی
پھر رہی تھی۔ وہ اس بات پر حیران تھا، آیا یہ وحشت اور خوف اس جگہ کی دیرانی، اجاڑ پن اور
بیت ناک خاموشی کا نتیجہ ہے یا اس کی وجہ کوئی اور ہے؟ یہی ”کوئی اور وجہ“ دل میں خوف کی
بندھ لگا رہی تھی۔

اُس نے سن رکھا تھا اجنا غیر انسانی مخلوق اور اراج خیدہ اسی قسم کے اجاڑ، دیران،
اور سنسنا مقامات کو ہمیشہ کے لیے اپنا مرضی مسکن بنا لیتی ہیں اور اگر کوئی آدمی ان کے مرضی
مسکن میں چلا جائے، تو نظر نہ آنے والی پراسرار طاقت اسے وہیں پٹ پٹ کر مار ڈالتی ہے۔
شام کے وحشت ناک اندھیرے اور ہراساں کر دینے والے سسٹلے میں اس کی پریشانی
بڑھنے لگی۔ ایسا تھا وہ سسٹلہ کہ دُور دُور تک کوئی آواز، کوئی آہٹ، کوئی سرسراہٹ نہ تھی
اس دیرانے میں ہوا بھی بے آواز، دے پاؤں چل رہی تھی، جیسے کسی سے خوف زدہ ہوا ہے
آہستہ آہستہ ذہن پر نامعلوم دہشت کا غلبہ بڑھ گیا اور اعصاب جواب دینے لگے۔ معاً اس کے
اند کے آدمی نے سوال کیا، وہ اس وحشت ناک اور پرہیزوار دیرانے میں کیوں آیا ہے جہاں
کوئی نہیں آتا؟

جواب یہ تھا: ”میں ایک ایسے شخص کی تلاش میں نکلا ہوں، جو میری شکستوں، ناکامیوں

اور بربادیوں کا دھمے دار ہے اور جس سے انتقام لینے بغیر میں مرنا نہیں چاہتا۔“
وہ اپنے سارے رشتے، ناتے، رفیق اور ساتھی بچھے چھوڑ آیا اور صرف انتقام کو ساتھ
لے کر آیا تھا۔ اندر کے آدمی نے کہا: ”پھر اس دیرانے کی غیر انسانی وحشت اور دہشت کو کھول
جا اور اپنا انتقام پورا کر۔“

اس نے ذہن سے خوف کی دھند یا گر دھبازوری۔ تلوار میدان سے کھینچ لی اور شام کے
اندھیرے میں جو اورد گہرا ہو گیا تھا، آگے بڑھا۔ اُسے دشت پر ہول کے اندکھٹ اور کسی گڑھے
میں بیٹھ کر چاند کے طلوع ہونے کا انتظار کرنا تھا۔ شاید وہ باؤں جس میں ذکر و بقرط روپوش
تھا، چند میل آگے ہوا۔ اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر کچھ آگے بڑھ جانا چاہتا تھا تاکہ اپنے
مقصد کے کچھ اور قریب ہو جائے لیکن ابھی دو چار قدم چلا تھا کہ اچانک ایک عجیب اور مہیب
آواز سن کر جو کسی مانی تین کی طرح دیرانے کے خوف ناک سسٹلے کا سینہ چمک کر چلی گئی، حیرت
زدہ اور بدحواس ہو کر فوراً زمین پر لیٹ گیا۔

عجیب و مہیب تین کی آواز جس طرح اچانک اُبھری تھی، اسی طرح اچانک دیرانے کی
مرگ آسا خاموشی میں ڈوب گئی۔ نہ تو اس سمت کا تعین کر سکا، چہرے سے آواز اُبھری تھی، نہ
یہ فیصلہ کر سکا کہ آواز انسانی تھی یا حیوانی، انسانی تھی یا غیر انسانی، لیکن بڑی غیر متوقع اور بدحواس
کر دینے والی تھی۔ اس ہی وقت میں ان کی کسی درندے کا بھی امکان نہیں تھا نہ آواز کسی درندے
کی تھی۔ وہ تو ایک اتنی چمک تھی جو خاموش فضا میں دل خراش گونج پیدا کر کے کہیں لگ ہو گئی تھی
جیسے کوئی جہمی روح عذاب میں مبتلا ہو۔

مار سے خوف اور حیرت کے اس کا جسم کپکپا رہا تھا۔ اتنی آواز نے دل و دماغ پر ایک
نئی سراسیمگی طاری کر دی تھی اور دم بخود سارہ گیا تھا کتنی دیر تک اسی حالت میں زمیں پر لیٹا
سوچتا رہا آگے بڑھے یا وہیں چاند کے طلوع ہونے کا انتظار کرے؟
ذرا حواس بجا ہوئے تو تمام خطرات کے باوجود وہاں پیش آسکتے تھے آگے بڑھنے کا
فیصلہ کیا۔ شام کا گہرا اندھیرا اب رات کے کالے اندھیرے سے گلے مل رہا تھا اور اس تاریکی
میں اُس کے دیکھ جانے کا امکان نہیں تھا۔ ایک بار پھر اٹھا اور گریہ پاکوئی آواز یا آہٹ پیدا
کیے بغیر اس گڑھے کی جانب چلنے لگا جسے دن کے آجائے میں دیکھ چکا اور جو ایک ڈیڑھ میل
کے فاصلے پر تھا۔ اتنی آواز دوبارہ نہ اُبھری لیکن رات کی تاریکی اور خاموشی میں یوں لگا جیسے

ہو اور کوئی شخص اس کی نگرانی کر رہا یا اسے خوف زدہ کرنا چاہتا ہے کہ وہ آگے نہ بڑھے اور ہر اس اہم ہو کر یہیں سے واپس بھاگ جائے۔ یہ بڑا انوکھا، حیرت انگیز اور شورش ناک خیال تھا، جس نے اس کے اندر حفاظت خود اختیاری کے ساتھ انتقام کا جذبہ دو چند کر دیا۔ وہ کسی ایسے شخص کو زندہ نہ چھوڑنا چاہتا تھا، جو اس کے انتقام کی راہ میں مزاحم ہونے کی کوشش کرے۔ اب وہ تلوار سونت کر آگے بڑھا اور تیز تیز چلنے لگا تاکہ جو کوئی بھی ہے، اسے جا کر گڑھے ہی میں دبوچ لے اور وہاں سے بھاگنے کی ہمت نہ رہے۔

وہ نصف میل آگے بڑھا یا اور اب زیادہ سے زیادہ ایک میل اور چلتا تھا اندھیرے کے باوجود اس نے یہ فاصلہ بڑی بھلت سے طے کر لیا اور کوئی خلاف معمول بات نہیں نہ آئی۔ کسی کو گڑھے سے نکلتے اور بھاگتے ہوئے بھی نہیں دیکھا تھا جس کسی نے بھی چھاتی رگڑ کر دوسرے شعلہ پیدا کیا یقیناً ابھی تک گڑھے ہی میں تھا۔

کل پھٹا اور زمین میں دھنسا ہوا اگڑا، پرانی کھدی ہوئی قبر یا کسی لمبوتری کھائی کی صورت پیش کر رہا تھا جس کے کنارے کٹے ہوئے اور نیچے گرے ہوئے تھے۔ اندھیرے میں بھی اس نے گڑھے کے اندر ایک انسانی ہڈی کو لیٹے دیکھ لیا اور اسے وہیں دبوچ لینے کے لیے گڑھے میں چھلانگ لگائی ساتھ ہی ہڈیاں لڑنے کا تڑا تھا ہوا اور خوف میں ڈوبی ہوئی ایک لڑتی، کانپتی چیخ بلند ہوئی مگر وہ کسی اور کی نہیں بلکہ حارث کی اپنی ہی چیخ تھی اور وہ آدھی جو گڑھے میں ڈوبکا یا لیٹا ہوا نظر آیا تھا، کوئی آدمی نہیں بلکہ آدھی کا ایک بوسیدہ بچہ یا ڈھانچا تھا جس پر اوپر سے گرے ہی اس کی کچھ ہڈیاں ترقی سے ٹوٹ گئیں۔ کھوپڑی گردن کی ہنسی سے الگ ہو کر حارث کے سر میں لگی اور ٹوکھانے پر اچانک دباؤ پڑنے سے دونوں استخوانی ہانہیں اس کے جسم سے لپٹ گئیں جس پر بدحواسی میں اس کی چیخ ٹپک گئی کہ شاید انسانی بچہ نے اسے جکڑ لیا ہے مگر جب دیکھ لیا کہ وہ ایک بے جان بوسیدہ اور سال خردہ استخوانی ڈھانچہ ہے تو باتوں کی ہڈیوں کو پڑے ہٹا کر اٹھا اور حیرت و خوف کی نظروں سے لڑے ہوئے بچہ کو دیکھنے لگا۔

اس کی معلومات کے مطابق اس حق و حق دیرانے میں کچھ گڑھے زمین کے اندر دھنس گئے تھے، جن پر کھدی ہوئی قبروں کا گمان ہوتا تھا لیکن وہ قبریں نہ تھیں، نہ ان کے اندر کسی مردے کی ہڈیاں تھیں۔ پھر بھی حیران کر دینے والی بات یہ ہوئی تھی کہ وہ جس گڑھے میں گودا وہاں ایک سال خردہ انسانی بچہ موجود تھا جس کی دہشت نے اسے حاسس باختہ کر دیا۔ سوال

کوئی جیسے جیسے سانس لے رہا ہو۔ گھبرا کر ایک بار پھر رگ گیا۔ خیال گزرا سانس لینے کی آواز بھی اسی ارضی یا غیر ارضی مخلوق کی ہوگی جس کے نہیں کی جتنی چیخ سن چکا ہے۔ جیسے جیسے سانسوں پر کچھ ایسا گمان ہوتا تھا، جیسے قدیم دور کا کوئی عظیم الجثہ اور دیوتا مانت جانور ہو کر رہا ہو۔ یا جس طرح کسی موکھے سے ہو کر رتی اور آواز پیدا کرتی ہے۔ سانسوں کی آمد و شد بھی اسی سے ملتی جلتی تھی۔ اب یہ سانس تھا کداز کدھر سے آرہی ہے لیکن ایک بار سمت کا تعین کرنے میں ناکام رہا، کیوں کہ سانسوں کی آواز کسی ایک جانب سے نہیں بلکہ چاروں اطراف سے آتی محسوس ہوئی گویا پورا دہرا سانس لے رہا تھا یا پھر ہوائی گردشیں اچانک تیز ہو گئی تھیں جس نے دہشت پر ہول کا جیسا کہ سکوت توڑ دیا تھا مگر وہ مانتی یا بین کی آواز کیسی تھی؟

سوچنے لگا، اس ویرانے میں کوئی انوکھی بات ضرور ہے لیکن کچھ بھی ہو، اسے اپنے مقصد کی طرف آگے بڑھنا تھا اور کوئی ان دیکھی مخلوق اس کا راستہ نہیں روک سکتی تھی۔ یہی کچھ کر تلوار کے دنتے پر گرفت مضبوط کر لی اور انجانے خوف پر اپنے عزم و حوصلے کا پردہ ڈالتا ہوا ہونے ہو لے آگے بڑھا۔

اس نے یہ عجیب بات محسوس کی کہ ہوائی گردش ناگہان تیز ہو جاتی پھر کئی سمتیں بدلتی اور اچانک رگ جاتی۔ ایک بار پھر ہوائی حرکت رگ گئی اور بیابان وحشت کا سناٹا کچھ اور گہرا اور جیسا کہ ہو گیا۔ ہانٹے میں چلتے چلتے بری طرح ٹھٹھک کے رہ گیا۔ نظروں کے سامنے بہت دور اندھیرے میں ایک شعلہ سا چمکا اور چمکا کر آنا فنا غائب ہو گیا۔ حیرت زدہ سا اسی جانب دیکھتا رہا۔ شعلہ پھر چمکا اور پھر غائب ہو گیا یا بجھ گیا جیسے کوئی چھاتی رگڑ کر آگ جلانے کی کوشش کرے۔ اب وہ یقین کے ساتھ کہہ سکتا تھا کہ اس کے علاوہ دیرانے میں کوئی اور بھی ہے مگر کون؟

خبر کیا تو بہت دور دوسرے شعلہ اس گڑھے میں چمکا اور غائب ہوا تھا جس کی طرف وہ خود جا رہا تھا، دوسری بار شعلہ نہیں چمکا حیران تھا کہ ماجرا کیا ہے۔ وہاں جو کوئی بھی تھا شاید گڑھے میں اتر گیا یا چھپ گیا ہو۔ اب معلوم کرنا چاہتا تھا کہ کون ہے اور رات کو اس بیابان وحشت میں کیوں بھٹکتا پھر رہا ہے؟ آیا وہ کوئی انسان ہے یا پھر.....؟

کس جن بھوت پریت یا بدروح کے خیال نے اگرچہ جسم میں ایک بار پھر خوف کی سنسنی پیدا کر دی تھی لیکن یہ سوچ کر پریشان ہو گیا کہ شاید وہ دیرانے میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ گیا

یہ تھا جب گڑھے میں صرف ایک پراٹا ڈھانچا تھا، تو وہاں دوبار چٹائی کس نے رکھا تھا۔ دو مرتبہ شکر کس نے پیدا کیا تھا؟

اس کے پاس اپنے سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔ دشت پُر ہول کی ہزار سال کرینے والی وحشت پھر جو اس پراٹا نڈا نہ ہونے اور اس کے حوصلے پر خوف کی ضرب لگانے لگی لیکن اس سے پہلے کہ استخوانی پنجر کی طرح وہیں ڈٹ بھوٹ جاتا وہ گڑھے سے باہر آ گیا۔

ادھر اس لیے آیا تھا کہ اگر کوئی دشمن اس کی نگہانی کر رہا ہے تو اسے دہریے یا پھر کسی گڑھے میں پھنک کر جانے کے طور پر ہونے کا انتظار کرنا تھا لیکن اس گڑھے میں نہ کوئی گھڑائی کرتے والا تھا، نہ وہ ایک خوف ناک ڈٹے بھولے انسانی ڈھانچے کے پاس بیٹھ کر جانے کے طور پر ہونے کا انتظار کر سکتا تھا۔ اجڑا اور پُر ہول ویرانہ رات کے کالے اندھیرے میں لپٹا ہوا، اب بھی لمبے لمبے سانس لے رہا تھا کیوں کہ ہوا کی گردشیں پھر تیز ہو گئی تھیں۔ چاروں طرف ایک وحشتناک تنہائی اور ہزار سال کر دینے والی ویرانی تھی مہارث نے سوچا جب وہ وہاں تک آ ہی گیا ہے تو کچھ اور آگے بڑھے اور وہ خوف و ہراس کو پھر اپنے حوصلے کی چادر میں باندھ کر اندھیرے میں ایک جانب ہولیا۔



کالی رات پہلے پہر میں داخل ہو چکی تھی۔ "بدشیدہ آنکھیں" جو اس کے نزدیک دیرانے کی نگہانی کرتی تھیں، ایندھ سے بند ہو چکی یا پھر رات کے کالے اندھیرے میں کسی کو آتے جاتے دیکھ نہ سکتی تھیں۔ اب اس بات سے بے فکر تھا کہ دشمن اسے دیکھ رہا ہو گا۔

دشت پُر ہول کی وحشت و ویرانی کے متعلق اگرچہ بڑے پراگندہ اور دہشت زدہ کر دینے والے خیالات ذہن سے گزر رہے تھے لیکن ابھی تک نہ تو کوئی دیرانہ مت جن دکھائی دیا تھا، نہ کسی بد روح کی صورت نظر آئی تھی۔ البتہ اس کی بڑھیر ایک سال خوردہ انسانی پنجر سے ہو گئی یا پھر اس نے ویرانے کے ہول ناک سسٹے میں ایک نامی نہیں کی آواز سنئی تھی جس کی کوئی توجیہ نہ کر سکا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ مٹی چٹخ کسی صحرائی جانور کی ہو، جو بھٹکتا ہوا اس طرف آ گیا۔ حالانکہ وہ آواز کسی صحرائی جانور کی نہیں تھی پھر اندھیرے میں دوبارہ شکر بھی چمکتے دیکھا تھا، جس کی روشنی میں ابھی تک کسی جگہ کوئی طرح چلن سمجھ رہی تھی۔

بس یہی دو تین عجیب اور ناقابل فہم باتیں تھیں، جو اس کی پریشانی اور سرایتگی کا سبب بنی تھیں ورنہ اگر دیرانے میں کوئی غیر ارٹھی مخلوق رہتی بھی تھی تو نہ کسی نے اس کا راستہ روکا تھا، نہ اس پر کسی نے حملہ کیا تھا۔ معاملے کی یہی صورت اس کے عزم و حوصلہ کو تقویت دے رہی تھی اور ذکر و بصر قریط کے بارے میں سوچتا ہوا چلا جا رہا تھا کہ اس کی خفیہ کمپیں گاہ کہاں ہوگی؟ اندھیرے میں اس کی تلاشیں مشکل بلکہ بے سود تھیں مگر وہ ہر حال میں اسے دھونڈنے اور اپنے انتقام کا نشانہ بنانے آیا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ خراہ کچھ بچہ جس مقصد کی خاطر دشت پُر ہول میں داخل ہوا ہے، اُسے پیدا کیے بغیر واپس نہیں جائے گا اور صبح کا سورج ان دونوں میں سے کسی ایک کو زندہ دیکھے گا۔ اُسے یاد کرو یہ قریط کہ۔

یہی ٹھان کر آگے بڑھتا رہا اور پہلے گڑھے سے جہاں انسانی پنجر سے ملاقات ہوئی تھی تقریباً ڈیڑھ میل اور آگے نکل گیا اُسے کسی محفوظ مقام کی تلاش تھی، جہاں بیٹھ کر جانے کے طور پر ہونے کا انتظار کر سکے۔ اچانک اندھیرے میں کچھ فاصلے پر زمین اونٹ کے کوبان کی طرح اُبھری دکھائی دی، اُس کی طرف بڑھا، ابھی چند قدم چلا تھا کہ بے دھیانی میں پاؤں زمین کی بجائے کسی خلائ میں پڑا اور لڑھک کر ایک گڑھے میں گر گیا لیکن فوراً سنبھل کر کھڑا ہو گیا۔ چلتے وقت دھیان زمین کے کوبان کا اُبھار کی جانب تھا اس لیے اندھیرے میں اس گڑھے کو نہ دیکھ سکا جو اسی کو ان کے پہلو میں کھدی ہوئی قبر کی صورت واقع تھا۔ بے دھیانی میں پاؤں گڑھے کے خلائ میں پڑا تو توازن برقرار نہ رکھ سکا اور اندر لڑھک گیا۔

یہ بھی خیریت نہ گزری کہ تلوار گر گئی تھی ورنہ جس طرح لڑھک کر گرنا تھا، اگر تلوار ہاتھ میں ہوتی تو شاید پیٹ میں آ کر جاتی یا کہیں اور زخم لگاتی۔ سنبھلتے ہی اس نے سبب سے پہلے تلوار اٹھائی، جو ایک گونٹے میں گری تھی۔ پھر گڑھے کا جائزہ لیا تو پہلے گڑھے سے کچھ کھلا اور گہرا تھا اس میں آوی کھڑا بھی ہر قدر باہر سے نظر نہیں آ سکتا تھا۔ گڑھا اندر سے خالی اور میٹھے بلکہ آرام کرنے کے لیے بھی موزوں تھا۔

ابھی جانہ نکلنے میں نصف پہر باقی تھا۔ اُسے یہ وقت کسی نہ کسی طرح گزارنا تھا کیونکہ اندھیرے میں بھٹکتے بے سود تھا گڑھے میں پیچوں کے بل کھڑے ہو کر باہر کا جائزہ لیا اندھیرے میں جہاں تک نظر کام کر سکتی تھی تو تنفس، کوئی ذی حیات، کوئی اونٹ کٹارا، کوئی بھول حتیٰ کہ کوئی سایہ یا دھبہ بھی اُس پاس نظر نہ آتا تھا۔ ہوا کی گردشیں تھم گئی یا کم ہو گئی تھی اور

کیا دیکھنا ہے کہ پھلتی، بکھرتی چاندنی کے بخار میں فرلا لگ سوا فرلا لگ کے فاصلے پر ایک سفید براق ہیولا اپنا کفن ناما من لہرنا کسی صحرائی بگھرے کی مثال اڑا جا رہا تھا۔ بگولا نوریت اور مٹی کے بخار کا اڑنا کھم یا ستون ہوتا ہے لیکن ہیولے پر سفید دھوپ کے مغزلے کا لگان ہوتا تھا۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ وہ ہیولا گویا فضا میں تیرتا یا اڑتا جا رہا تھا مگر بگولے کی طرح اس کی پرواز کا مرکز یا مدار زمین ہی تھی۔ گویا زمین سے اوپر کو اٹھتا اور یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کوئی انسانی ہیولا ہے جو اپنے سفید براق کفن میں ملبوس دونوں بازو پھیلائے اور عقب میں اپنا دامن لہرنا زمین کے ساتھ ساتھ اڑا جا رہا ہے حالانکہ انسان اڑ سکتا، نہ اتنا تیز بھاگ سکتا ہے جس پر اڑنے کا شبہ ہو سکے۔ پھر وہ سفید براق چادر یا بابرہ جس میں جسم کا کوئی حصہ نظر نہ آتا تھا اس کا لباس تھا یا کفن؟

وہ حیرت زدہ دم بخود سا کھڑا اس ہیولے کو بھاگتے یا اڑتے دیکھتا رہا جو اپنی غیر معمولی رفتار کے ساتھ اس کی نظروں کے سامنے کم و بیش دو ٹوہائی میل دور جا کر یک لخت زمین پر ڈھیر ہو گیا اور چاندنی کے بخار میں چھپ گیا۔ شاید وہاں کوئی نشیب تھا۔ اس عجیب و غریب منظر کو دیکھ کر جو غریب نظر نہ تھا ایک نامعلوم سی دہشت اور سراپا کی پھر اس کے گرد چکر کاٹنے لگی کیونکہ جو منظر اس نے دیکھا وہ بالکل خلاف معمول بلکہ غیر طبعی لگا۔ بالکل کسی خواب یا طلسم کا سا منظر تھا جس نے اس کے حواس کو حیرت اور خوف کی رسیوں میں جکڑ لیا۔

اس عجوبے پر طرح طرح کے خیال گزرے پھر تلوار کے قبضے پر اپنی گرفت مضبوط کرنا ہوا زمین کے اس کوہان کی طرف بولیا۔ جہاں سے وہ ہیولا نکل کر بھاگا تھا اور یہ دیکھ کر حیرت کا ایک اور سکتہ گزریا کہ اس کوہان کی دوسری جانب ایک لمبا وادے کی طرح کھلا تھا۔ اندر سے وہ ایک بڑی کھوہ یا قبری نظر آتی تھی اور وہاں کا فوری عجیب سی بجلی بجلی ملک ابھی تک موجود تھی جیسی ملک کسی تازہ مردے کے کفن سے آتی ہے۔ اس نے دور سے جو ہیولا اڑتا ہوا دیکھا اس کے سفید براق لباس پر کفن ہی کا لگان گزرا تھا مگر اچھپا یہ تھا کہ اس دہشت پر ہول میں، جہاں کوئی تانہ قیام کرتا، نہ کوئی بھولا بھٹکا مسافر ہی ٹھہرتا تھا کسی "تازہ مردے" کا کیا کام؟

وہ ابھارہ جسے زمین کا کوہان کھنسا رہا شاید کوئی قبری تھی لیکن قبر اڑ نہ فٹ اپنی نہیں ہوتی پھر اس دیرانے میں قبریں نہیں سی نہیں رگڑھے کے ساتھ وہ زمین کا ایک قدرتی کوہان تھا

میلوں تک پھیلا دیرانہ تاریکی کی کالی چادر میں ملفوف بڑے مدھم سانس لے رہا تھا جیسے مقبروں اور قبرستانوں میں اداس خاموشی بے آواز سانس لیتی ہے۔

اس اطمینان کے ساتھ کہ فی الحال اُسے کوئی خطرہ درپیش نہیں، اس نے گڑھے کی دیوار سے ٹیک لگائی، اجداد زمین کا کوہان تھا اور ناگہیں پھیلا کر بیٹھ گیا۔ نگلی تلوار ہانگوں پر رکھی۔ تین دن کے مسلسل سفر کا تھکا مائدہ تھا۔ ذرا آرام سے بیٹھا تو بھوک پیاس محسوس ہوئی۔ اسی حالت میں بیٹھے بیٹھے سفری تھیلے سے کچھ ستور اور چند خرنے نکال کر کھائے، مشکیزے سے پانی پیا تو دیرانے میں نرم روی سے چلتی صحرائی ہوا جس کی ہلکی سی لہر گڑھے کے اندر بھی حرکت کر رہی تھی جیسے لوریاں دینے لگی کہ پاؤں پسار کر سو جائے لیکن وہاں سر جاتا تو آنکھ کسی دوسری دنیا میں کھلتی۔ بیٹھے بیٹھے سر کو جھٹک دیا اور سوچنے لگا یہ بیابان وحشت یا دشت پر ہول اُجاڑ دیران اور سنان ہونے یا پھر اپنی طبعی ہیئت کی وجہ سے خوف انگیز اور وحشت ناک معلوم ہوتا ہے اور اسی طبعی ہیئت کے باعث باریشیں قبائل میں عجیب و غریب کہانیاں مشہور ہو گئی یا کہ دی گئی تھیں۔

یہ خیال بھی غلط ثابت ہوا تھا کہ شاید دیرانے میں داخل ہونے دیکھ لیا گیا ہے اگر دیکھ لیا جاتا تو کوئی "فرشتہ اجل" اس کے سر پر پہنچ چکا ہوتا۔ "پوشیدہ آنکھیں" جو اس وقت یقیناً محجوب ہوں گی ابھی تک اُسے نہ دیکھ سکی تھیں۔ ساتھ ہی دل میں خوشی کی لہر دوڑنے لگی کہ وہ اپنے آپ کو چھپانے میں کامیاب رہا ہے اور وہاں جیت کا انحصار پوشیدہ رہنے پر تھا یا پھر خیالوں میں وقت بے قدموں گزرتا رہتی کہ مشرقی افق سے چاند کی سیاہی کے زرد چہرے کی طرح نمودار ہوا اور اس کی مدھم سی روشنی نے دشت پر ہول میں آہستہ سے قدم رکھا۔

چاند کے طلوع ہوتے ہی وہ اُجھل کر کھڑا ہو گیا کیوں کہ اس کے عمل کا وقت آ گیا تھا۔ اور اب ایک ایک ساعت، ایک ایک گھنٹی قیمتی تھی۔ مشرق کی جانب گڑھے کی گہرائی ذرا کم تھی وہ اسی جانب سے باہر نکلا اور آہستہ آہستہ، ہولے ہولے ابھرتے چاند کی روشنی میں دیرانے کو دیکھنے اور سوچنے لگا کہ وہ باوقل کس طرف ہو سکتی ہے، جس میں ذکر و تہ فرط کی سال سے روپوش ہے تاکہ اسی جانب تلاش کرے۔ ابھی کھڑا سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک یوں لگا کوئی عجیب سی شے زمین کے کوہان سے نکل کر جنوب کی طرف بھاگ گئی ہو۔ جیسے کندہ الپکتا ہے۔ اس نے اپنا رخ جنوب کی طرف موڑ لیا اور مارے حیرت کے وہیں گم ہو گیا۔

سایہ بغداد کی محل سراؤں اور ایران خلافت پر ظلال رہا تھا۔ وہی ذکر وہی قمر مطہ تھا، جس کی تلاش میں حارث جو کھوں کا سفر طے کر کے اس دشت پر ہموں میں آیا اور اُسے جام مرگ پلا کر اپنی ناکاہیوں کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔ اس کا خیال تھا دشمن کو ڈھونڈنے میں بڑی کڑی ہنگ و دوڑ کرنا پڑے گی لیکن وہ خود اس کے سامنے ایک رازِ سر بسنہ کی طرح آشکار ہو گیا تھا۔ معاملے کی یہ عجیب غریب صورت دیکھ کر وہ کچھ بوکھلا سا گیا۔

اچانک خاموش رات کے سناٹے میں ایک پُر جلال اور پُر ہیبت آواز بلند ہوئی۔
 "حارث ابو ظفر! وہاں کیوں ٹوک گئے آگے آؤ، میں ہی شیخ ذکر وہی قمر مطہ یا فرج بندگی ہیں عثمان قاتلانی ہوں، جس کی تلاش میں تم یہاں آئے ہو۔ اگر موت اور ارادت کے ساتھ آئے ہو تو تمہارے لیے فلاح دآسودگی ہے لیکن میں تمہارے ہاتھ میں تیغ عریاں دیکھ رہا ہوں اور محبت کے ساتھ آئے ہمارے ہاتھ میں تلنگی تلوار سے کر نہیں آتے۔ ظاہر ہے تم کسی اور نیت سے آئے ہو۔ تاہم حق اس دیرانے میں بھی تمہیں آواز دینا ہے اور جو لوگ حق قبول کرتے ہیں وہی خدا کے جلال کے وارث ہوتے ہیں۔ والسلام من التبع الہدیٰ (اور اس پر سلا متی ہے جس نے ہدایت قبول کی)

حارث نے قمر مطہ کے شیخ اول کو دیکھا، جو گر اندیل اور طویل قامت تھا اس کی آواز سنی جو پُر جلال تھی۔ اس کے الفاظ پر غور کیا جو پُر شوکت اور بڑے یقین و اعتماد کے ساتھ کہے گئے تھے اور اس دعوت پر دنگ رہ گیا جو تلنگی تلوار دیکھ کر بھی بڑے اعتماد کے ساتھ دی گئی تھی یہی وہ شخص تھا جس کی شخصیت کے طاسم اور الفاظ کے جادو نے باورِ نصیب قبائل میں ایک نیا عقیدہ رائج کیا اور انھیں خلافت عباسیہ کے خلاف خروج کے لیے اکٹھا کر دیا تھا۔ اس کی ہدایت کا اس نے حق و دین ویرانے سے محلِ کربغاؤ کی فصیلوں پر منڈلا رہا تھا اور یہی وہ ردِ پوشش آدمی تھا جسے عباسی خبر رسا اور جاسوس کوشتش کے باوجود تلاش نہ کر سکے تھے لیکن تنہا حارث نے اس کا کھوج لگایا اور جماعت کے فرستادگان اجل سے چھپ کر اس کے کھانے تک پہنچا تھا اس نے قمر مطہ کی دعوت کو مسترد کر دیا اور تیز لہجے میں کہا۔

"بوڑھے بیل! میں تیرے عقیدے کے سیگ کاٹنے آیا ہوں، جن سے تُو لوگوں کو ہلاک کرتا ہے لیکن آج کے بعد تو کسی کو تباہ و برباد نہ کر سکے گا۔"
 ذکر وہی قمر مطہ کا لہجہ بھی تبدیل ہو گیا۔ "تو نے حق کی دعوت قبول نہیں کی اور باطل پر قائم ہے

لیکن اس میں کھدی ہوئی غار نما طویل اور گہری حد ایک اور ہی مضمون پیش کر رہی تھی۔ جیسے کسی نے اس حد کو اپنا مسکن بنا رکھا ہو۔ آخر وہ ہیولا جو چاند کے طور سے ہوتے ہی وہاں سے نکل جاتا اور اپنے فن کی عجیب سی ہنگ وہاں چھوڑ گیا کس کا تھا؟

اس سوال کا جواب لرزادینے والا تھا۔ اور لوحِ خیشہ اندھیرے میں رہتی اور اجالے سے بھاگتی ہیں اور وہ ہیولا بھی چاند کی روشنی میں زمین پر اترتے ہی اپنی قبر یا کمین گاہ سے بھاگ گیا تھا گو یا کوئی بدروح حق جو دوڑ دھائی میں دوڑ جا کر کمین ڈھیر ہو گئی تھی خوفِ زندگی کے ساتھ دل میں تجسس کی رو بھی گزرنے لگی کہ وہ جگہ کیسی ہوگی جہاں اس نے ہیولے کو گرہ تے دیکھا تھا اور وہ اسی طرف کیوں بھاگا تھا؟

زرد چاند اب سفید قرص میں تبدیل ہو گیا اور اس کی چاندنی سے پورا ویرانہ روشن ہو رہا تھا۔ اسے ذکر وہی قمر مطہ کی خند کمین گاہ تلاش کر لے کے لیے آگے بڑھنا تھا اب ہیولے کا تجسس بھی دامن کھینچ رہا تھا اور اسی طرف چلنے لگا، جدھر وہ پراسرار ہیولا غائب ہو تھا حیرت اور وحشت اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی مگر خوف کے باوجود پوری طرح چاقی و چوبند اور ہر قسمی خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھا۔ رفتار بھی تیز تھی۔ چاند کی روشنی میں تقریباً ڈھائی میل کا تیز سفر کر کے ایک ایسے حق ووق میدان میں جا پہنچا جہاں دور دور تک کوئی ہیول یا اونٹ کھارا بھی نہیں تھا۔ وحشت ہی وحشت اور ویرانی ہی ویرانی تھی۔ ہر طرف عالمِ لاہوت کا منظر تھا مگر اس ویران اور سسٹان میدان میں ایک باؤلی کے آثار دیکھ چوک اٹھا۔ پورے جسم میں خون کی گردش تیز ہو گئی جوش میں ذرا آگے بڑھا تو باؤلی کا پورا نقشہ سامنے تھا۔

زمین کے چند فٹ نشیب میں ایک پرانی باؤلی قدیم زمانے کے کسی کوٹھن کی شکل میں موجود تھی اس کی ایک دیوار میں لوہے کا دروازہ یا جنگلہ بھی نظر آیا، جو کھلا تھا۔ اس کھلے دروازے میں ایک قد آور پُر حاسن فرطل پہنچے جو اس کے ٹھونک تک لمبی تھی اور دونوں ہاتھ سینے پر باندھے کسی ستون یا رکن کی طرح کھڑا تھا۔ اس کا طویل اور وحشت ناک سایہ باؤلی کے اندر کسی عفریت کے بے ہنگم ساکے کی صورت اسی طرح ساکت تھا جس طرح وہ خود بے حس و حرکت تھا۔

حارث اس دراز قد بوڑھے کو دیکھ کر چند قدم ادھری رک گیا جو چاندنی رات اور اجاڑ ویرانے کی ایک باؤلی کے دروازے میں تقدیر کی طرح بے خوف کھڑا اور اس باؤلی سے اپنا ہییب

مگر میرا فرض تھا تجھ پر حجت پوری کرتا۔ نَصْرُہُ اَنْحَقُّ شَرْفٌ وَنُصْرُہُ اَلْبَاطِلُ
سُورۃ (حق) کتاب میں ہزنگی اور برتری ہوتی ہیں لیکن باطل کی حمایت بے وقوفی اور
سرف بے جا ہے)

”وہ غور کو اپنے ہاتھ میں تو لئے لگا۔“ تو اپنے آپ کو حق پر سمجھتا اور مجھے باطل کا حمایتی قرار
دیتا ہے لیکن یہ غور میرے اور تیرے درمیان حق و باطل کا فیصلہ کر دے گی۔
لوڑھے قرط کا سکون میں کوئی فرق نہیں آیا۔“ میں قائم باقی ہوں اور ایسی دس لاکھ تلواریں
بھی حق کو ختم نہیں کر سکتیں۔“

”تیرے یہ قریبی ایک تلوار کافی ہے۔“

یہ کہہ کر حارث بڑے جوش سے آگے بڑھا۔ بوڑھے نے بیٹے پر ہندھ ہوئے بازو
کھول دیے اور اس کی طرف ہاتھ لہرا کر چلایا۔ ”میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ آگے نہ بڑھ اور تلوار
پھینک دے۔“

نجانے اس کے الفاظ میں کتنے ہی طاقت پنہاں تھی کہ حارث وہیں کا
وہیں رک گیا جیسے پاؤں میں کسی نے زنجیر ڈال دی ہو۔ تلوار ڈالا ہاتھ بھی کاٹ گیا ممکن تھا تلوار
ہاتھ سے چھوٹ جاتی مگر اس نے فوراً اپنی گرفت مضبوط کی۔ شاید وہ اس کی بوڑھی ذات اور بزرگ
شخصیت تھی جس نے اسے آگے بڑھنے سے روک دیا تھا اور حارث اس شخصیت کی نفی کر کے
سوچنے لگا کہ بوڑھا قرط اس بیابان وحشت میں بالکل تنہا ہے اور بے ہتھیار بھی، اسے ختم کرنے
کا اس سے بہتر موقع نہیں مل سکتا پھر اس کے الفاظ و معانی کا اثر ذہن سے جھٹک دیا اور دل میں
یہ ٹھان کر آگے بڑھا کہ اب تلوار کو اس کے لہو میں غسل دے کر ہی رکے گا۔“

بوڑھے قرط نے پھر اپنا ہاتھ لہرایا۔ ”رک جا حارث! تیرا ہر دم موت کی طرف بڑھ رہا ہے۔“
بھئی کی سنگینی نے اگرچہ حارث کو پریشان کر دیا مگر وہ رک نہیں۔ اب قرط نے اپنے اور
اس کے درمیان ہاتھ کے اشارے سے باڈی کے جانب پر ایک فرضی کلپر کھینچ دی اور کہنے لگا۔
”بس یہ خط میرے تیرے درمیان ایک حدفاصل ہے اگر تو نے اس حد کو پار کیا تو اپنی زندگی
کی سرحد بھی پار کر جائے گا۔“

یہ الفاظ معنی سے خالی نہ تھے۔ حارث نے محسوس کیا کوئی پراسرار ان دیکھی طاقت
اسے قرط کا کھینچا ہوا فرضی خط جو کرنے سے روک رہی ہے لیکن رک جانے کا مطلب یہ تھا کہ وہ اپنے

انتقام اور قرط کے قتل سے دست بردار ہو گیا ہے اور یہی بات اس کے اختیار میں نہیں تھی۔
آخری راتوں کے چاند کی مدد سے میں ان دونوں کے سوا وہاں تیسرا کوئی نہ تھا۔ وہ اپنے اور
اس کے درمیان جھگڑوں کو چاہیے کہ زندگی اور موت کے درمیان ماحصل ختم کر دینا چاہتا تھا۔
اُسے بڑھنا دیکھ کر قرط ایک بار بھر چلایا۔ ”بس! اگلا قدم تجھے موت سے ہم کنار کر دے گا۔“
حارث نے بھی اسی لیے میں جواب دیا۔ ”میں تیرے خالی الفاظ کو تیرے جھوٹے علم کو تیرے
باطل عقیدے کو منسرد کرتا ہوں اور آسمان پر چلنا ہوا چاند دیکھ رہا ہے کہ میری شکل میں موت
تیری طرف بڑھ رہی ہے۔“

ذکر وہ یہ جیسے کھڑا تھا ویسے ہی کھڑا رہا۔ اسی لمحے حارث نے وہ فرضی خط جو رکریا، جو
لوڑھے قرط نے اپنے اور اس کے درمیان ہاتھ کے اشارے سے کھینچ دیا تھا اور باڈی کے
ماتھے پر پھینک دیا مگر جو بھی اُس نے وہ خط جو رکریا، عقب سے چوڑے اور تیز پھل کا بھاری تیر دکھانا
ٹھیک دائیں گھٹنے پر پڑا۔ دار اتنا چھٹا ہوا تھا کہ ضرب اتنی کاری تھی کہ گھٹنے تک بندلی کٹ گئی ساتھ ہی
حارث کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی اور کچھ ہڑے شہتیر کی طرح گرنے لگا لیکن اسی وقت تیر
کا دوسرا دار دوسرے گھٹنے پر پڑا اور اس کی دوسری پٹلی بھی کٹ کر گر گئی۔

حادثہ اس قدر ناگہان اور شدید تھا کہ حواس ساتھ چھوڑ گئے اور حارث کا ذہن گم
اندھیرے میں ڈوب گیا کچھ گھٹنوں سے خون کی دھاری پھوٹ پھوٹ کر کپڑوں
کو آلودہ کرنے لگیں، سر پر طوق کر گئے اور نقھنوں سے کافر کی بوکھڑانے سے غشی کا مسکندہ لہا پکھ
اٹھائیں آیا اور چند سیانی ہوئی آنکھیں کھلیں تو اپنے سامنے حسن اعرابی کو دیکھ کر حیرت کا ایک
اور مسکندہ گزر گیا جو سفید براق بادے میں فرشتہ اجل کی طرح سیدھا کھڑا تھا۔ کافر کی ہنک
اسی کے کھنکنا سفید براق لباس سے اُڑ رہی تھی۔

اپنے ہی لہو میں لت پت اور شدت کرب سے بے حال حارث نے یہ ناقابل یقین منظر
اس طرح دیکھا جیسے کوئی بھی ایک خواب دیکھ رہا ہو بلکہ یہ حقیقت ڈراؤنے خوابوں سے زیادہ خوفناک
تھی کہ حسن اعرابی جو دشت پر ہول سے متعلق اس کی معلومات کا ذریعہ بنا تھا یہاں موجود ہے
اور اسی نے تیرے اس پر حملہ کیا ہے۔

جریان خون سے جسم کی طاقت بند رہ گئی تھی اور درد کی اذیت اعصاب کو مضطرب
کیے دیتی تھی مگر وہ جس اچھے سے دوچار ہوا تھا اس کے اظہار کے لیے ہونٹ پھرنے لگے اور

دوبی اہلی خیف آواز میں بولا "تم میرے جسم پر زخم تو لگا سکتے ہو لیکن اس تکلیف اور اذیت کو محسوس نہیں کر سکتے جو تجھیں یہاں اور اس حالت میں دیکھ کر مجھے ہو رہی ہے۔"

حسن اعرابی نے کوئی جواب نہ دیا اور چپ چاپ کھڑا گھورتا رہا اسے کوئی جواب دینا بھی نہیں تھا کیوں کہ یہاں اس کی موجودگی ہی حادث کے ہر سوال کا جواب تھی۔ اچانک اس نے ایک حبیب سامنے ٹھکرائی تو دیکھا جو اس کے کٹے ہوئے گھٹنوں کے قریب آکر رک گیا۔

"حادث! تو خود زندگی کی حد پار کر کے موت کی سرحد میں داخل ہوا اور حسن اعرابی کے تبر نے ہمارے درمیان حق و باطل کا فیصلہ کر دیا۔" یہ ذکر وہ قمر طاقی آواز تھی، جس کا سایہ بغداد کی فیصلوں پر منڈلا رہا تھا وہ اسے بتانے لگا "بغداد میں جب تو میرے اعتکاف تنہائی کے مقام کا کھوج لگانے لگا تو مجھ رہا تھا کہ جماعت کے داعی اور فدائی مجھ سے غافل ہو گئے ہیں یا تو انہیں دھوکے میں رکھ کر میرے مقام اعتکاف کے متعلق معلومات حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ لیکن تو نے اپنی آنکھوں سے حسن اعرابی کو یہاں دیکھ لیا اور مجھ گیا ہو گا کہ بغداد میں تو جماعت کی نظروں سے اوجھل نہیں تھا۔ حسن ایک فدائی ہے جب تو ایک بوڑھی اور قریب المرگ عورت کے مفرد ربیڑی کی کافی لے کر اس سے ملا جو تیرے بہ قول اسماوہ کے کسی دیرانے میں چھپ گیا اور تو اسے ڈھونڈنا چاہتا تھا حسن اسی وقت مجھ گیا کہ تیرا اصل مدعا کیا ہے۔ رضا خیاط کے ایوان پر یہ تجھے خانہ بدوشوں کے ڈبرے پر لے گیا تاکہ تو اس گھر ہول ویرانے کے بارے میں معلومات حاصل کر سکے جہاں مجھے ہونا چاہیے جس سے اس مقام کی تلاش و تحقیق میں تیرا پورا ساتھ دیا جس کی تجھے جو توقع تھی لیکن تیرا استقبال کرنے کے لیے مجھ سے پہلے خود اس دیرانے میں پہنچ گیا۔ اور تیری رمداد مجھے سنائی تو میرے دل لے لے کہہ تجھے حق قبول کرنے کا ایک موقع دیا جانے ورنہ حسن تجھے اسی وقت قتل کر دیتا جب تو دیرانے میں داخل ہوا تھا۔ یہی تو تجھے حیرت کے ایک اچھلے میں ڈال کر میرے پاس لے آیا۔ یہ اس قدر تیز بھاگتا ہے کہ اس کے بھاگنے پر اڑنے اور فضا میں تیرنے کا لگان ہوتا ہے۔ بہر حال جب تو اس باؤلی لک آگیا، میں نے تیرے سامنے حق پیش کیا مگر تو کچھ بھی باطل اور فاسد ارادے پر قائم رہا اور حد فاصل عبور کر کے میری جانب بڑھا، جس کا انجام تیرے سامنے ہے۔"

یہ حیرت انگیز انکشاف سن کر حادث کے دل دریاغ پر تشنج کی ایک نئی کیفیت طاری ہو گئی اور اس بات پر کفر افسوس سنے لگا کہ کس طرح حسن اعرابی کے زرخے میں چھس گیا، جو دراصل

جماعت کا ایک فدائی تھا اور دشت پر ہول کے متعلق معلومات کے حصول میں اس لیے مدد و تیا دہا کہ حادث اس دیرانے میں پہنچ جائے اور یہیں اسے ہلاک کر دیا جائے۔ کاش! اس نے حسن اعرابی کو بغدادی میں ٹھکانے لگا دیا ہوتا۔ مگر خیال آیا اَلَا اِنَّ قَدْ خَدِمْتَ وَمَا يَتَفَعُّ الْكَلْبُ (اب پچھتاوے سے کیا فائدہ، جب پچھتاوے سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا)

تقدیر اسے دشت پر ہول میں گھیر لائی تھی اور اب وہ کچھ نہ کر سکتا تھا۔ ذکر وہ قمر طاقم باغی نے ایک بار پھر اس پر حقارت کی نظر ڈالی اور کہا "اب تیرا وجود نہ صرف دنیا بلکہ تیرے اچھے بے محنت بیکار ہے لہذا تجھے زندگی کے غدا ب سے رہا کر دیا جائے گا اور تیری لاش کسی گڑھے میں چھینک دی جائے گی۔ یہ ہے تیرا انجام، البتہ تو حسن اعرابی کے تیر کو اوپر اٹھتے اور نیچے آنے ضرور دیکھے گا جس کے ایک اسی دار سے تیرا سترن سے جدا ہو جائے گا اور وہ سترن بڑے پڑھے لکھنے والے اپنے انجام تک پہنچنے سے پہلے اگر تو غاصب معتقد تک کوئی پیغام بھیجنا چاہتا ہے تو بھیجا دیا جائے گا کیوں کہ حسن کل بغداد کی طرف روانہ ہو جائے گا اور کسی نہ کسی طرح تیرا پیغام اس تک پہنچا دیا جائے گا۔ بس جو کچھ مجھے کتنا تھا کہ دیا اور جو کچھ تجھے کتنا تھا تو نے سن لیا۔ میرا بیان تیرے لیے اس دنیا کا آخری کلام ہے جو تو سن رہا ہے۔ اس کے بعد تیرا اپنا پیغام تیرا آخری کلام ہو گا، جو میں اور حسن اعرابی سنیں گے۔ پھر قصہ ختم ہو جائے گا۔ بول کیا ہے تیرا آخری پیغام؟" حادث کچھ گیا اس کی موت اس دیرانے میں لکھی تھی اور وہ اسی دیرانے میں ہلاک کر دیا جائے گا بلکہ ذکر وہ قمر طاقی باتوں نے اسے مرنے سے پہلے ہی مار ڈالا تھا۔ اب تو صرف ایک رسمی کارروائی باقی رہ گئی تھی۔ جبریاں خون کے ساتھ ساتھ زندگی اس کے وجود سے خارج ہو رہی تھی۔ درد و اذیت کا عذاب روح میں ننگاف ڈال رہا تھا۔ ناگین کٹ چکیں، اب سر کٹنا تھا۔ صرف افسوس اس بات پر تھا کہ وہ اپنا انتقام پورا نہ کر سکا اور شہروں سے دور اس دیرانے میں ناکامی کی موت مر رہا تھا۔ وہ جانتا تھا جب جیسے کے روز عباسی لشکر میں نہ پہنچ سکے گا تو سہرا شبل مجھ جائے گا کہ موت کا حادثہ پیش آگیا ہے۔ وہ اس کی موت کا انتقام لے گا اور یاد یہ نشیں قبائل کا شکار کھینچنے کے بعد شتر سواروں کا دستہ لے کر دشت پر ہول پر چھپے گا کیوں کہ اس کے بعد صرف شبل ہی جانتا ہے کہ ذکر وہ شتر سواروں کا دوش ہے۔ وہی سانپ کو بانہی سے باہر گھسیٹ لائے گا اور اس کا سر کپ دے گا البتہ یہ صدمہ روح کو کچھ کے دے رہا تھا جو وہی سانپ کے زیر کا شکار ہو گیا ہے۔

KHAN BOOKS & LIBRARY
S-527, BHABRA BAZAR, RAWALPINDI.
Cell: 0345-5048634 - 0345-5048559
Prop: Ali Khan

(۵۹)

جنگِ سجادہ

تقدیر کی گردش جاری تھی اور اس کے ساتھ ساتھ شہل کا سفر بھی جاری تھا اسی زمانہ سے السادہ تک مسافت زیادہ طویل نہیں تھی لیکن صحرائیں داخل ہونے سے پہلے وہ لشکر کو مکمل آرام دینا چاہتا تھا۔ آرام کے بعد السادہ میں داخل ہوا تو صحرائیں پڑاؤ ڈالتا جسے کی صبح کو بنقلیں کی آبادی سے جہاں صحرائی قبائل کا جھگڑا ہو رہا تھا، بارہ تیرہ میل ادھر چھاؤنی ڈال دی۔ لشکر کو کئی حصوں میں تقسیم کر کے چیمے ایک قوس کی صورت دور دراز تک پھیلا دیے گئے جیسے مشرق کی طرف سے بنقلیں کو گھیر لیا ہو۔ لشکر گاہ کی قوس کے وسط میں عباسیہ کا سب سے بڑا سیاہ پرچم نصب کیا گیا اور یہ پرچم لشکر کے سپہ سالار شہل کے سراپے (بڑے خیمے) پر اڑ رہا تھا۔ طے شدہ منصوبے کے مطابق عمارت کو اسی جگہ لشکر سے آکر ملنا اور قرامطہ کے خلاف جنگ میں شریک ہونا تھا۔ شہل کو پوری امید تھی کہ وہ دشت پر ہول سے کامیاب ہوئے گا مگر تقدیر کے بعض فیصلے انسان کی کجی سے بالا ہوتے ہیں اور انسانی ذہن ان کا ادراک نہیں کر سکتا۔ شہل بھی یہ سمجھنے سے عاری تھا کہ عمارت کے سفر کا انجام کیا ہو گا۔

چشمہ دُخرا گاہ قائم ہوتے ہی اس نے ایک گشتی دستہ بنقلیں کی طرف روانہ کر دیا تاکہ دشمن کی نقل و حرکت کا جائزہ لے لے اور عمارت کے اظہار کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔ اس کا منصوبہ یہ تھا کہ صحرائے سجادہ میں جمع ہونے والے باغی قبیلوں میں سے کسی کو واپس نہ جانے دے اس لیے گشتی دستے کو ان کے متعلق بعض ضروری معلومات حاصل کرنا تھیں۔

اُسے خلیفہ معتضد کی طرف کوئی پیغام نہیں بھیجنا تھا مگر ذکر و بیقرمط سے کچھ ضرور کہنا تھا۔ بولنے کی طاقت اگرچہ زائل ہوتی جا رہی تھی تاہم اس نے اپنی کجی کجی طاقت جمع کی اور ڈوجی کواڑ میں کہا۔

”کل نفس ذائقۃ الموت“ (ہر ذی نفس موت کا مزہ چکھے گا) میں اپنا انتقام پورا کیے بغیر دنیا سے رخصت ہو رہا ہوں مگر تجھ سے میری موت کا انتقام ضرور لیا جائے گا یہی میرا پیغام ہے۔“

یہ اس کے آخری الفاظ تھے کیوں کہ ذکر و بیقرمط نے ہاتھ اوپر اٹھا دیا تھا پھر چاندنی رات میں حسن اعرابی کا تبر بند ہوا اُس کی ایک ہی ضرب سے عمارت کی گردن کٹ گئی اور مردھ طے سے الگ ہو گیا۔ وہ ذکر و بیقرمط اور اپنے رقیب ابن حرب سے انتقام لینے السادہ میں آیا تھا لیکن خود موت کا شکار ہو گیا۔

برادر زہ خیز تھا اس کا انجام۔ دونوں ٹانگیں کٹی ہوئی، ایک پنڈلی یہاں دوسری وہاں، پریدہ سر ایک طرف اور خون میں تھمرے سر کا دھڑ دوسری جانب جسم کے چار حصے ہو گئے تھے۔ ہر حصہ الگ الگ پڑا تھا۔ باؤلی کا حاشیہ اس کے لمبے سے بھینگ گیا اور جسم کے الگ الگ پڑنے کیڑوں سمیت بڑا۔ دشت ناک منظر پیش کر رہا تھا۔ آخری راتوں کے چاند کی اداس روشنی میں عمارت کے بکھرے ہوئے اعضا دشت پر ہل کی دشت اور دہشت میں کچھ اور اضافہ کر رہے تھے۔ حسن اعرابی نے اس کا لٹا ہوا سرا اٹھا کر ایک چری تھیلے میں ڈال لیا۔

KHAN BOOKS & LIBRARY
S-527, BHABRA BAZAR, RAWALPINDI.
Cell: 0345-5048634 - 0345-5048559
Prop: Ali Khan

گشتی دستے دشمن کی جاسوسی کا فرض بھی ادا کرنے ہیں لیکن ایک پہرے کے بعد گشتی دستے واپس آیا تو اس کی نفری کم ہو چکی بلکہ کئی سوار بڑی طرح زخمی اور لمبوں غلطان تھے جس سے لشکر میں تشویش کی لہر دوڑ گئی۔

لشکر گاہ سے چار پانچ میل کے فاصلے پر مٹی کے تودوں اور ریت کے ٹیلوں کا ایک سلسلہ ورنمک چلا گیا تھا اور شیل نے اُن سے ہٹ کر چھاؤنی اس لیے ڈالی تھی کہ لشکر گاہ اور نوکدیں کے درمیان ایک آفتابم رہے اور قیسم لشکر کی سرگرمیوں سے آگاہ نہ ہو سکے جب گشتی سواران تودوں اور ٹیلوں سے گزر کر آگے بڑھے تو قبائلی محافظوں سے بھڑپ ہو گئی۔ دشمن عراقی لشکر کی آمد سے غافل نہ تھا بلکہ اس کے فوجی سوار محافظ ٹیلوں کے آس پاس گھات میں تھے۔ جو بھی گشتی دستہ آگے بڑھا اس پر بلائے ناکامی پر لوٹ پڑے۔ بیس پچیس سوار پہلے ہی ملے ہیں ہلاک ہو گئے باقی ان کے گھیرے سے نکلنے کی کوشش میں زخمی ہوئے اور افراتفری میں بھاگ نکلے مگر صحرائی محافظوں نے ان کا تعاقب نہیں کیا وہ اپنے سواروں سے محروم ہو جانے والے عراقی گھوڑوں کو گھیرنے اور پکڑنے میں مصروف ہو گئے تھے۔

گشتی دستے کے افسر نے جو اطلاع دی وہ جبران کر دینے والی تھی اس نے بتایا کہ ٹیلوں سے کوئی سات اٹھ میل پر سے اس نے صحرائی جنموں کا ایک شہر دیکھا ہے اور اندازے کے مطابق بادینہ نشین قبائل کی تعداد پندرہ بیس ہزار کے لگ بھگ ہوگی۔ افسر نے یہ بھی بتایا صحرائی محافظ جن سے مدد بھیڑ ہوئی، اونٹوں پر سوار تھے جن پر سبز رنگ کی لمبی لمبی جھولیں لٹک رہی تھیں انھیں دیکھ کر گھوڑے پدک گئے وہ ٹیلوں کی اوٹ سے صحرائی جھوٹوں کی طرح نکل کر اس طرح اچانک چھپ پڑے جیسے بکلی ٹوٹ پڑتی ہے اور سواروں کو سنبھلنے کا موقع ہی نہ مل سکا پھر گھوڑے بھی اونٹوں کی لمبی لمبی سبز جھولوں کو دیکھ کر بے قابو ہو گئے تھے۔

یہ بات سہر کوئی جانتا تھا کہ صحرائی گھوڑوں کی بہ نسبت اونٹ زیادہ تیزی سے حرکت کرتے ہیں لیکن عراقی رسالے کے گھوڑوں اور سواروں کو صحرائی جنگ کی تربیت دی جاتی تھی شیل کا خیال تھا اونٹوں پر لمبی لمبی سبز جھولیں دیکھ کر گھوڑوں کا بدگ جانا اور گشتی دستے کا شکست سے درچار ہونا محض اتفاقی امر ہے جبکہ قبائلی محافظ پہلے ہی ہوشیار اور گھات میں تھے لیکن جب عراقی رسالے کے کیرتار سوار دھاوا کریں گے تو صحرائی شتر سوار ان کے سامنے ٹھہر نہ سکیں گے اور بادینہ نشین قبائل کی تعداد پندرہ بیس ہزار سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو، عراق کے تربیت یافتہ اور فوجی حرب کے ماہر لشکر

کے سامنے ان کی نفری بھڑوں کے ریلوے سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں رکھتی مگر گشتی دستے کا تجربہ یہ کچھ اور کہہ رہا تھا اور بعض لوگوں نے پہلی ناکامی سے یہ لشکریاں کہ ابتدا اچھی نہیں ہوئی۔

سالار لشکر شیل کو اصل پریشانی عمارت کی تھی جو ابھی تک نہیں لوٹا تھا ادھر دن کا دوسرا پہر شرمع ہو گیا اور لشکر گاہ میں ناز جمعہ کی تیاریاں ہو رہی تھیں حادثہ کون کے پہلے پہر ہی آ جانا چاہیے تھا مگر فوجی ناز جمعہ کے لیے جمع ہونے لگے تھے اور وہ ابھی تک غائب تھا شیل کی تشویش طویل تر ہو چکی تھی کہ خطیہ بڑھا گیا، ناز ہو گئی اور طے شدہ لائحہ عمل کے مطابق دشمن پر حملے کی تیاری ہونے لگی۔ ہر دستہ فوج کو ہدایت کر دی گئی تھی کہ ناز جمعہ ہوتے ہی اسے بلندہ کے لیے تیار ہو جانا چاہیے مگر حادثہ ابھی تک نہ آیا تھا اور شیل نے سوچا اب شاید وہ کبھی نہ آ سکے ان کے درمیان یہ بات طے ہو گئی تھی کہ اگر وہ ناز جمعہ تک واپس نہ آ سکا تو کچھ لیا جائے کہ اسے کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے۔ شیل کے نزدیک اس کا نہ آنا گشتی دستے کو پیش آنے والی شکست سے زیادہ بھیانک تھا۔

یہ دوسری بدشگون ہوئی تھی۔ دشمن پر حملے کے وقت ذکر ویر قمرط کا نیزے پر چڑھا ہوا سر لشکر کے آگے آگے ہونا چاہیے تھا تا کہ اسے دیکھ کر بادینہ نشین قبائل کے تدموں تلے سے عقیدے کی زمین ہٹ جائے لیکن دشمن کو ہراساں اور دہشت زدہ کر دینے کا یہ منصوبہ ناکام ہو گیا اور اب شیل کو صرف عراقی لشکر کی عسکری قوت اور عربی تربیت پر بھروسہ کرنا تھا۔

بتولیس کی آبادی جہاں دوسرے عراقی اور شامی قبیلے بھی جمع تھے وہاں چھاؤنی سے بارہ تیرہ میل کے فاصلے پر تھی۔ شیل کا منصوبہ یہ تھا کہ تودوں اور ٹیلوں تک لشکر چار پانچ میل کا فاصلہ عام رفتار سے طے کرے گا لیکن ٹیلوں کو عبور کرنے ہی وہ برق رفتاری سے آگے بڑھے گا اور دشمن کو سنبھلنے یا جنگ کے لیے تیار ہونے کا موقع ہی نہیں دے گا۔ وہ بتولیس کی بستی کو میدان جنگ بنانا چاہتا تھا تا کہ اسے مکمل طور پر تباہ و برباد کر سکے۔ اگرچہ حادثہ کے نہ آنے سے بڑا لشکر غافل ہو رہا تھا لیکن اُس نے طے شدہ نظام عمل میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ رسالے، شتر سوار دستے اور پیادہ فوج کے سالاروں کو ضروری ہدایات دینے کے بعد خود گھوڑے کی رکاب میں پاؤں رکھا جھاسیدہ کے پیادہ پر چم حرکت میں آئے اور دو ہزار سپاہی لشکر گاہ کی حفاظت کے لیے چھوڑ کر شیل دشمن کی جانب روانہ ہوا۔

وہ ایک تجربہ کار جنگ آزمادہ دھاوا کرنے والا سالار اور جانتا تھا قیسم پر کامیاب دھاوا

سوار طلب لشکر سے نکلا اور اپنے نیزے پر ایک آدمی کا سر چڑھا گئے عباسی حکمران کی طرف بڑھا یہ دل ہلا دینے والا منظر تھا۔ شہل نے دوری سے نیزے پر چڑھا ہوا حارث ابو ظفر کا سر پہچان لیا۔ عبداللہ کے اعلان نے یہی سہی کسر پوری کر دی۔

”یہ حارث ابو ظفر کا سر ہے جو امام قائم باقی کے خلاف لڑنے آیا اور ایک میدان فی دوق میں مارا گیا۔“

یہ ایک اور بد شگون تھی ہوئی تھی کہ شہل نے ذکر پیر مڑ کی جگہ حارث ابو ظفر کا سر نیزے پر چڑھا دیکھا لیکن ابھی اسی حیرت سے دوچار تھا کہ عبداللہ نے دستور جنگ کے مطابق مبارزت طلب کی اور عباسی لشکر کے سپہ سالار ابی کما نے مقابلے کی دعوت دی۔ شہل نے اس دعوت کو حقارت سے مسترد کر دیا اور جواب دیا ”تو میرا کیا مقابلہ کرے گا۔ اگر مقابلہ چاہتا ہے تو اپنے آقا ابن حرب کو میدان میں نکال تاکہ میں اس کا دوسرا بازو بھی کاٹ ڈالوں۔“

غالب عبداللہ کو بھیجنے اور مبارزت طلب کرنے کا مقصد یہی تھا کہ شہل عبداللہ کے ساتھ مقابلہ کو اپنی توہین سمجھے اور خود ابن حرب سے مقابلہ کرنے کی خواہش کرے۔ یہ حربہ کامیاب ثابت ہوا اور شہل نے ابن حرب کو طلب کیا اب وہ مقابلے سے انکار نہ کر سکتا تھا۔

ادھر ابن حرب نے اپنے عاقی مرکب کو ایڑ لگائی جس کی لگام زین سے بندھی تھی، کیوں کہ ایک لمحہ سے محروم ہونے کے باعث خود لگام نہ پکڑ سکتا تھا۔ ادھر شہل گھوڑا کھڑا تاقب لشکر سے نکلا کسی عباسی سردار نے اُسے نہیں روکا کہ سپہ سالار خود مقابلے پر کیوں حار ہا ہے۔ صحرائی قبائل کی طرف سے بھی ان کا سپہ سالار ابی نکلا تھا اور حیثیت کے اعتبار سے برابر کی چوڑ تھی لیکن عباسی سردار اور سپاہی جانتے تھے کہ مقابلہ برابر کا نہیں ابن حرب کا ایک بازو کاٹ چکا اور حربی طاقت یا صلاحیت اُدھی رہ گئی تھی ان کا خیال تھا سردار شہل جیسا جنگ آٹا اُسے آسانی زیر کر لے گا اور اس کا دوسرا بازو کاٹ کر باویہ نشین قبائل پر اپنی ہیبت اور وحشت طاری کر دے گا جو وہ اسے سے ان پر طاری کرنا چاہتا تھا۔

کئی سال کے بعد در حریف پھر آئے سامنے ہوئے اور ان دونوں میں سے کسی ایک کو مرنا تھا۔ ابن حرب کے عقب میں عبداللہ کے نیزے پر چڑھا ہوا حارث کا سر اگرچہ شہل کو پریشان کر رہا تھا لیکن دل میں اس کی موت کا بدلہ لینے کا جذبہ بھی دو چند ہو گیا تھا۔ جو بھی دونوں ایک دوسرے کے قریب آئے شہل نے اپنے حریف پر گھوڑا چڑھا دینے کی کوشش کی ابن حرب نے یہ کوشش ناکام

اس کے حملے کی طاقت کو کمزور کرنا اور اسے دفاعی جنگ لڑنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ کھلے میدان میں دفاعی جنگ عام طور پر شکست دہانی پر ختم ہوتی ہے۔ گھوڑے پر سوار ہونے ہی اس کی روح معنوی یکسر تبدیل ہو گئی۔ حارث کی ناکامی یا بد نصیبی کا خیال جھٹک دیا اور ایک جنگ آزمودہ لشکر کی طرح اپنی فوج سپاہ اور فوجی تجربے کے بل بوتے ذہن میں دشمن کی تباہی ویربادی کے تلے بانے بننے لگا۔ اسنادہ میں اس کا مقابلہ کسی تربیت یافتہ فوج کی بجائے بادیہ نشین قبیلوں اور بدوؤں کے جنگجوؤں سے ہونے والا تھا۔ جو بڑے جوشیہ لیکن فن حرب سے نا آشنا تھے حتیٰ کہ کسی ترتیب سے لڑنے بھی نہیں اور زار کا لاستہ ہیستہ کھلا رکھتے تھے ان جنگجوؤں کو منتشر کر دینا کچھ مشکل تھا لیکن شہل کی خواہش تھی کہ جب ان میں بیکرد پچھے تو عراقی شتر سوار اور پیادہ دستے تو قلعہ کے خیموں پر ٹوٹ پڑیں اور تباہی پھیلا دیں جنہیں پہلے سے ہدایات دے دی گئی تھیں اسی لیے وہ دھاوا کر کے قبو قلعہ کی صحرائی بستی کے قریب پہنچ جانے اور اسی کو میدان جنگ بنانے کی سوچ رہا تھا۔ فوج کے ہر حصے کو حکم دے دیا تھا کہ تو دونوں اور ٹیلوں سے گزر کر اور ہر مزاحمت دور کر کے دھاوا شروع کیا جائے لیکن چار پانچ میل کا فاصلہ طے کر کے تو دونوں ٹیلوں کے حصار سے گزرا تو اپنے سامنے صرف ڈیڑھ دو میل کے فاصلے پر قمری قبائل کو صف آرا لشکر دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا جن کی عسکری ترتیب حیران کر دینے والی تھی۔ تباہی جتنے کسی تربیت یافتہ فوج کی طرح پہلے تھے مگر سردار ابو الفوارس اور مسرہ سردار نعمان کی قیادت میں پوری طرح مستعد تھا۔ قلب میں ابن حرب ایک بڑے سبز علم کے نیچے کھڑا نظر آیا، جو قلب لشکر پر اپنا سایہ ڈال رہا تھا اور وہ سبز علم طوننی شہزادی نجم العلیل ”مکہ صحرا“ نے سنبھال رکھا تھا۔

سبز علم کے نیچے قمری امام یعنی ابوالقاسم ناقہ پر سوار اپنے دونوں سپر پوش بھائیوں یا نائوں آقا حسین اور علی قمری کے علاوہ اخوان، الصفا اور خاص فرائیوں کے ہمراہ موجود تھا۔ یہ ایک ایسا نظارہ تھا جس نے عباسی سپہ سالار کو درط حیرت میں ڈال دیا۔ ابن حرب نے قبو قلعہ سے چھ سات میل آگے نکل کر اپنی مرضی کا میدان جنگ منتخب کیا تھا اس بارے میں ہوئے نقشے نے شہل کے دھاوے کا منصوبہ بھی پورا نہ ہونے دیا کیوں کہ اس حالت میں دھاوے کا نتیجہ بالکل الٹ ہوتا اور اندھا دھند بغیر عراقی لشکر کی تباہی کا سبب بن جاتی۔

شہل نے مناسب فاصلے پر لشکر کو رکھا اور فوراً اسی ترتیب سے آراستہ کیا، جس ترتیب سے بادیہ نشین قبائل کھڑے تھے۔ اس آٹا میں ابن حرب کا غلام عبداللہ گھوڑے پر

بنادی جو صرف ایڑی کے اشارے سے اپنے گھوڑے کو ادھر ادھر حرکت دیتا اور گھوڑا اس کی ایڑی کا ہر اشارہ سمجھتا تھا۔ جب کہ شہیل کے گھوڑے کی نگاہ اس کے اپنے ہاتھ میں تھی وہ اسے اگلے پیچھے دائیں بائیں جس طرف چاہتا موڑ لیتا اور وار بھی کر رہا تھا۔ شہیل کے حملوں کی تیزی اور گھوڑے کی مناسب نقل و حرکت سے عباسی سردار اور سالار بکھر رہے تھے کہ وہ بہت جلد ابن حرب کو موت کے گھاٹ اتار دے گا کیونکہ ابھی تک اسی کا پلہ بھاری تھا اور ابن حرب صرف اس کے وار بچا رہا تھا۔

تیسرے پہر کی دھوپ اور آسمان پر چلتے سورج کے میچے یہ مقابلہ جاری تھا دونوں لشکر آگے سامنے کھڑے نتیجے کے منتظر تھے ابھی تک کوئی حریف کسی کو ضرب نہ لگا سکا تھا صرف تلواروں کے ٹکرانے کی آواز سنانی دے رہی تھی۔ دل دھڑک رہا تھا اور نگاہیں تلواروں کی حرکت کے ساتھ جھپٹ کر رہی تھیں۔ اچانک منظر میں تبدیلی ہوئی ابن حرب کی تلوار بھی کی طرح کودی اور شہیل کے بائیں کندھے پر چکی اور نیچے اتر گئی۔ بایاں بازو دک کر گرا اور شہیل کا پرانا حساب برابر ہو گیا۔

ابن حرب کی اس کامیابی پر عباسی لشکر پر مایوسی اور شہیل کے چہرے پر مرنی چھا گئی لہذا ہوا کر گھوڑے کی پیٹھ پر لڑکھڑا گیا اب اس کوشش میں تھا کہ گھوڑے کو ایڑی لگائے اور ایک بازو سے کر نکل جائے جس طرح چند سال قبل ابن حرب اس کے مقابلے سے بھاگ نکلا تھا۔ ابن حرب نہ صرف اس کا ارادہ جھانپ گیا بلکہ اسے یہ جواس اور خون ہیں لت پت دیکھ کر دل میں انتقام کی دھشت بھڑکی اٹھی گھوڑا بڑھاکر اس کے فرار کا راستہ کاٹا اور بڑی بے رحمی کے ساتھ دوسرا وار دوسرے کندھے پر کیا۔ تلوار کا آبدار لوہا شہیل کا دوسرا بازو بھی کاٹنا ہوا نکل گیا۔ وہ گھوڑے پر اپنا لہازن قائم نہ رکھ سکا اور خون میں غلطاں سر کے بل نیچے گرا۔ ساتھ ہی ابن حرب نے گھوڑے سے چھلانگ لگا دی۔ ریت پر پڑنے سے شہیل کی گردن تلوار کے ایک ہی چمچے ٹکے وار سے کاٹ دی اور منہ زبے پر چڑھایا۔

بادیہ نشین عقیدہ پرستوں نے تخمین و آفریں کے نعرے بلند کیے۔ عبداللہ اپنے گھوڑے پر اچھیل گیا ابن حرب بھی کہ ہوا منہ زبے پر چڑھا کر گھوڑے پر سوار ہو رہا تھا کہ عراقی قلب سے چار ہانچ سوار نیزے سیدھے کیے اس کی جانب پکے۔ ابن حرب اور عبداللہ دونوں ان سے ٹھٹھنے کے لیے مڑے۔

شہزادی نجم اللیل نے یہ منظر دیکھ کر سبز علم کو تین بار حرکت دی گویا عام حملے کا اشارہ کیا قرطبی لشکر کے تینوں حصے برق رفتار دی سے اگلے بڑھے جس کی عباسی لشکر کو توقع تھی کیوں کہ اکثر لوگ اس روانی کی طرف متوجہ ہو گئے تھے، جو ابن حرب، عبداللہ اور باقی ہانچ سواروں میں متوجع ہو گئی تھی۔ قرطبی قلب سے بھی چند بادیہ نشین ابن حرب کی مدد کے لیے نکلے تھے لیکن ان کے پیچھے سے پہلے ہی وہ تین عراقی سواروں کا صفایا کر چکا تھا باقی دو بھاگ نکلے تھے۔

ابن حرب نے دیکھ لیا تھا کہ عام حملے کا اشارہ دے دیا گیا ہے اور لشکر کے تینوں حصے بڑی تیزی سے حرکت کر رہے ہیں اس نے بھی اپنا گھوڑا مفرد سواروں کے تعاقب میں ڈال دیا عبداللہ نیزوں پر چڑھے ہوئے دروڑوں سے اٹھائے اس کے ساتھ تھا۔

شہیل کی ہلاکت کے ساتھ ہی عباسی لشکر اپنے سپہ سالار سے محروم ہو گیا تھا۔ اس کے نائب کو فیصد کرنے میں کچھ دیر ہو گئی۔ حواری جنھوں کو عسکری تربیت کے ساتھ تیز حرکت کرتے دیکھ کر اگرچہ عباسیہ کا ہیمنڈ اور میسرہ بھی حرکت میں آ گیا تھا لیکن قلب لشکر جہاں ثواب جنگ کا فیصد ہوتا ہے اپنی جگہ کھڑا رہا۔

دونوں جانب سبز اور سیاہ پرچم بے حد و حد تھے جو سپاہیوں اور ان کے خیموں کے ساتھ حرکت کر رہے تھے دونوں لشکروں کے دائیں اور بائیں بازو کے دنے آپس میں الجھ گئے اور دونوں قلب بھی ایک دوسرے کے قریب آ رہے تھے مگر ہر محاذ پر قرطبی عقیدہ پرستوں کی نقل و حرکت تیز اور روانی شدید تھی۔ شہزادی بھی علم داری میں قرطبی قلب حیرت سے بٹھا آ رہا تھا ابن حرب عباسی قلب میں گھس گیا شہیل جیسے جنگ آزمائے سپہ سالار کو بڑی بے رحمی کے ساتھ قتل کر دینے کے بعد عباسی لشکر پر اس کی بہت اور دھشت طاری ہو گئی تھی وہ لوگ اس کی جنگی دھشت سے پہلے ہی آگاہ تھے۔ عراقی بہادر اس کے سامنے آتے ہوئے گھبرانے لگے اور لشکر میں سرسبکی پھیل گئی۔ اس اشارہ میں قرطبی قلب کے منتخب حواری بہادر بھی عباسی قلب پر حملہ آور ہوئے اور ہر محاذ پر جنگ کی بھی گرم ہو گئی تلواریں تلواروں سے، نیزے نیزوں سے تہر تہروں سے اجاڑ رہا اور وہاں ہے اور انسان انسانوں سے ٹکرا رہے تھے۔ قبائلی حملہ صرف سامنے سے نہیں ہوا بلکہ سردار ابن صمضم کی قیادت میں قرطبی رسالے اور شہر سواروں نے تین اطراف سے بیک وقت چڑھائی کی اور عراقی لشکر کے لیے فرار کا صرف ایک راستہ بھلا رہا۔ وہ تربیت یافتہ فوجیوں کی طرح بڑے ہلکے چلے کر رہے تھے۔ یہی بات عراقی لشکر کی حیرت اور

مصیبت کا باعث بن گئی اور وہ دفاعی جنگ لڑنے پر مجبور ہو گیا لیکن کھلے میدان میں دفاعی جنگ کا جو نتیجہ ہو کرتا ہے، وہی ہوا۔

عباسی لشکر کو دفاعی جنگ لڑنے پر مجبور کر دینے کے علاوہ ابن حرب نے ایک اور چال کھیلی اور عباسیہ کے علم بردار پر حملہ کر کے اس کا وہ ہاتھ کاٹ ڈالا جس میں سیاہ پرچم اٹھائے کھڑا تھا۔ عباسی سپہ سالار کی طرح عباسیہ کا پرچم بھی خاک پر آکر اور لشکر میں سر اسکی پھیلنے ہی جگہ پر پڑ گئی۔ یمن اور میسرہ کے سرداروں نے یہ سچہ کر قلب میں لشکر کو شکست ہو گئی ہے کیسی اختیار کی تاکہ موت کے گھیرے سے نکل جائیں۔ قلب بھی انھیں سپاہ ہونے دیکھ کر پیچھے ہٹا مگر شہزادی نجم جو ابن حرب کے پاس پہنچ گئی تھی سبز علم کے درپے صحرائی بہادروں کو اشارہ دے رہی تھی کہ وہ سپاہ ہونے اور بھاگنے دشمن کا یہ تھا کہیں۔

قبائلی قبیلوں نے بڑے منظم طریقے سے دشمن کا پیچھا کیا اور اسے مارتے مارتے لشکر گاہ تک جانچے۔ محافظ سپاہ نے یہ ناقابل یقین صورت دیکھی تو صحرائی لشکر آدروں کو روکنے کے لیے آگے بڑھی لیکن بادیہ نشین سوار اور شتر سوار قبائلی چاتے سبب کی طرح اٹھتے چلے آ رہے تھے، جنھیں روکنا ممکن نہ تھا۔ ان کا ریلہ تازہ دم محافظ سپاہ کو بھی باکرے لگایا اور اس نے لشکر گاہ میں قبائلی چادری۔

عراقی فوج نے لشکر گاہ کو بھی چھوڑا اور مشرق کی جانب بھاگ گئی۔ صحرائی عقیدہ پرست بدستور بغاوت میں تھے لیکن شام کے اترتے گئے اندھیرے میں ترم کی مخصوص آواز نے ان کے قدم روک لیے اور وہ بھاگتے عراقی لشکریوں کا پیچھا چھوڑ کر واپس مڑے۔ اس اثنا میں عباسی لشکر گاہ مکمل طور پر لوٹ لیا گیا تھا اور ایسی ہر شے جسے بغداد سے کوئی نسبت ہو سکتی تھی، بادیہ نشین اپنے ساتھ لے گئے۔

یہ ایک حیرت انگیز اور ناقابل یقین واقعہ ہوا تھا کہ نہ بیت یافہ عباسی لشکر شکست و ہزیمت سے دوچار ہوا اور صحرائی قبیلوں کے مقابلے میں جنگ ہار کر مشرق کی طرف فرار ہو گیا۔ عراقی سپاہیوں کی لاشیں سادہ کے صحرائی کھیری تھیں اور ان کا لوہا بیت میں جذب ہو گیا تھا۔ قرمطی رسالے، شتر سوار دستے اور پیادہ جتھے اپنے سالاروں، سرداروں اور سبز جھنڈوں اور نشانوں کے ساتھ بنو قلیص کے سامنے پہلے صحرائی لوٹ آئے، جہاں شہزادی نجم، ابن حرب کے شاد بشارت سبز علم اٹھائے کھڑی تھی۔ بنو قلیص میں فتح کے شادیانے بچ رہے تھے

اور بھی قرمطی اپنے بھائیوں، نامیوں، خواہوں، دامیوں اور قریلوں کے حلو میں ابن حرب اور شہزادی نجم کے استقبال کی تیاری کر رہا تھا، جن کی قیادت میں قرمط نے پہلی جنگ جیت لی تھی اور ایک معجزہ ظہور میں آگیا تھا جیسے ذکر دیہ قرمط نے کہا تھا کہ فتح جماعت کی ہوگی۔



آسمانوں پر بچھائے بیضا اندھیروں میں قرمط کی قسمت کا ستارہ روشن ہوا تھا عباسی لشکر کے خلاف عقیدہ پرست صحرائی قبیلوں نے پہلی کامیابی حاصل کی تھی اور سادہ کے صحرائی اپنی فتح کا جھنڈا گاڑا تھا جنگ میں انھیں بہت سالانہ غنیمت بھی ہاتھ آیا، جن میں اونٹ، گھوڑے، بار برداری کے خچر، گدھے، خیر استعمال شدہ اسلحہ کے علاوہ تین سالانہ چمکی کر سدا کا وہ ذخیرہ بھی تھا، جو شیل اپنے ساتھ لے کر آیا تھا۔

جنگی قیدی جن میں اکثر زخمی تھے، گھیر کر بنو قلیص میں لائے گئے۔ قرمطی امام نے سپہ سالار، علم بردار اور فوجی سرداروں کا پڑ پناک خیر مقدم کرنے کے بعد قبائل کو فتح کا جشن منانے کی اجازت دے دی تھی۔ ہر قبیلہ اپنی صحرائی روایات کے مطابق جشن منانے لگا۔ اندھیری رات میں دُور دور تک، جہاں قبائل غمیز زن تھے، مشعلیں روشن ہو گئیں۔ بادیہ نشین کنیزیں اور لوہاں اپنے مخصوص قصے کرنے لگیں۔ قص و غنم اور شراب نے قبائلی بہادروں کا لوہا مادیار۔

غار نشین ذکر دیہ قرمط نے چند روز قبل باہلی میں بیٹھ کر اپنی روحانی استعداد کا علم تو جہ اور قیاس سے جنگ کے متعلق جو کچھ کہا تھا وہ لفظ بلفظ بک حرف بہ حرف جوں کا توں پورا ہوا۔ سادہ کا صحرائیوں سے لاہ زار بن گیا اور عباسیہ کے سیاہ پرچم ریت پر پامال ہوئے۔ ابن حرب اور شہزادی نجم اسیل فتح کا سبز علم لہراتے ہوئے، جسے اب سردار نعمان نے فغاار رکھا تھا، بنی کلب کے خیوں میں آئے تو نفیریوں اور رنوتوں کی کھوسیتی سے ان کا استقبال کیا گیا۔ بنی کلب کی عورتوں نے دالہا نہ رقص کیا۔

وہ بنی کلب میں اس طرح داخل ہوئے کہ ابن حرب اپنے گھوڑے پر سوار تھا اور اس کے نیزے پر عباسی لشکر کے سپہ سالار شیل کا سر چڑھا ہوا تھا۔ شہزادی نجم دوسرے گھوڑے پر اس کے دوش بہ دوش تھی۔ ان کے پیچھے پیچھے سردار نعمان سبز علم اٹھائے اور ابن حرب کا غلام عبداللہ اپنے نیزے پر عمارت البرقع کا سر چڑھائے آ رہے تھے عقب میں رسالے کے سپاہی اور شتر سوار

نئے۔ نبی کلب اور دوسرے شاہی قبائل کی عورتوں نے جو ساتھ آئی تھیں شہزادی نجم کی میدان جنگ سے کامیاب واپسی اور ابن حرب کی تلوار کی تیزی پر (جو اس کی کمر میں لٹک رہی تھی) مل کر ایک تار لگایا۔

الشَّيْثُ أَصْدَقُ أَنْبَاءٍ مِنْ الْكَلْبِ
تلوار کتا بول سے زیادہ سچی خبر دینے والی ہے
فِي حَدِّهِ الْخَدَّيْنِ الْجَدُّ وَاللَّعِبُ
اُس کی بُرائی کھیل اور حقیقت میں فرق کر دیتی ہے

عورتیں اُن دونوں کو اپنے گھیرے میں لیے بڑے والہانہ انداز میں لگاتی، تاہم جی رہیں پھر وہ اپنے شاہی مہرب (سراپردہ) کی طرف ہو لیے۔ صرف سردار نعمان اور عبداللہ ان کے ساتھ تھے غلیف تے شبل اور عارث سے توقع کی تھی کہ جب وہ سادہ سے لوہے کے نو فرامطہ اُن کے سرداروں اور خاص طور سے ابن حرب اور سردار نعمان کے سراپے نیزوں پر چڑھا لے بعد ازاں داخل ہوں گے مگر اس کے برعکس شبل اور عارث کے سر نیزوں پر چڑھ گئے تھے۔

وہ اپنے بڑے نیچے کے سامنے گھوڑوں سے اتارے تو دم نہ اڑے اور پھر نے اُن کے غلاموں کے ساتھ جو سراپردہ کی حفاظت پر مقرر تھے، اُن کا استقبال کیا، سو ڈانی کیز تے عبداللہ کے نیزے پر عارث کا کتا ہوا سر دیکھا تو حیرت زدہ رہ گئی پھر اچانک وہ فوراً سرست سے ناپتے اور افریقہ کا وہ مخصوص رقص کرنے لگی، جو سو ڈانی، حبشہ، اکانگو اور ماناگانیکا کے وحشی قبائل میں دشمن کی موت پر کیا جاتا تھا۔

حارث بنی غلام ڈنگا کا قاتل تھا اور عین اسی وقت سے بڑی اداس اور غمگین تھی، جب عارث اُسے دُوح کر کے نبی کلب سے بھاگ نکلا تھا۔

سو ڈانی کیز ڈنگا کو اپنا محافظ اور دغا دار سمجھتی تھی۔ جب وہ نئی نئی القطار سے آئی اور شہزادی نجم کی خدمت پر مامور ہوئی تو قصر نجم کا ایک مصری خادم ایک مرتبہ عین کا ہاتھ پکڑ کر اُسے پائیں بدلتی پھینچ کر لے گیا اور اس کے ساتھ زیادتی کرنا چاہتا تھا کہ عین کی چیخ سن کر ڈنگا کالے ناگ کی طرح پودوں اور جھاڑیوں کے درمیان سے گزرتا ہوا دباؤ پہنچ گیا اور اُس نے مصری کو اپنے بازوؤں میں اٹھا کر اس ندر سے زمین پر پٹخ دیا تھا کہ اس کی پسلی کی دو ہڈیاں تڑخ گئیں اور وہ انھیں ہاتھوں سے دبا لے چلتا تھا جہاں جہاں گیا تھا پھر قصر نجم میں لڑکیاں بھی القطار سے مل گئیں۔

نہ دیکھا گیا۔

اس واقعے کے بعد وہ ڈنگا سے کبھی کبھی ہنس بول لیتی اور اس کی بہادری کی تعریف کرتی تھی۔ حاشی غلام ڈنگا کی الواقع دغا دار تھا جب خبر تے اُسے اپنے اعتماد میں لے کر القطار سے فرار اور شہزادی نجم کے ہمراہ حوا میں چلنے کی ترغیب دی تو نہ صرف فوراً تیار ہو گیا بلکہ اُس نے سفر میں بھی اُن دونوں کے آرام کا پورا خیال رکھا اور محافظ خاص کی حیثیت سے ہمیشہ اُن کے ساتھ رہا تھا۔

ممکن ہے ڈنگا کو خبر سے کوئی رکاوٹ ہو لیکن اُس نے زبان سے اپنے لگاؤ کا کبھی انکار نہیں کیا تھا۔ ہوشیار کیز خود ہی سمجھنے لگی تھی کہ ڈنگا اُس کا ہر حکم ماننا اور کبھی کبھی اسے پیار کی نظروں سے دیکھتا ہے۔ وہ شہزادی نجم کی رازداروں کی تھی، جسے اُس کی اپنی خواہش پر ابن حرب کے نام ہر کر دیا گیا تھا۔ اس کے باوجود وہ ڈنگا سے ایک نامعلوم سا اُنس رکھتی تھی اور شاید اس کی دغا داری کے باعث اُس پر پورا اعتماد کرتی تھی جب ڈنگا قتل ہو گیا تو سو ڈانی کیز اس کی لاش دیکھ کر تڑپ اٹھی تھی۔ اُس نے لوگ لگی لاش پر افریقی قبائل کا مخصوص عین بھی کیا تھا اور کئی یوم تک گم غم رہی تھی۔ عین کو اس بات کا بڑا دکھ تھا کہ ڈنگا کا قاتل فرار ہو گیا اور وہ اس سے انتقام نہیں لے سکے گی مگر کئی سال بعد سادہ کے صحرائیں عارث کا بریدہ سر دیکھ کر اس کی روح کا بوجھ ہلکا ہو گیا اور خوشی سے ناچنے لگی کہ دغا دار ڈنگا کا قاتل ایسے اسلام کو پہنچ گیا۔

وہ ابن حرب، شہزادی نجم، سردار نعمان اور عبداللہ کے آگے آگے ناچتی شاہی سراپردہ کے کمرہ ملاقات میں داخل ہوئی وہاں اتنے ہی اپنے مالک ابن حرب کے قدموں میں ڈھیر ہو گئی اور پکپکاتی آواز میں بولی۔

”میرے آتے ڈنگا کی روح کو اندھیرے سے نکال دیا۔“
بعض افریقی قبائل کا عقیدہ تھا کہ جب تک قاتل کی قبر کو دار کو نہ پہنچ جائے مقتول کی روح اندھیرے میں پھنکتی رہتی ہے۔ عین کا خیال تھا کہ ڈنگا کا قاتل حارث میدان جنگ میں اُس کے آقا کے ہاتھوں ہلاک ہوا ہے۔ ابن حرب نے بتایا۔ ”حارث میرے ہاتھ سے قتل نہیں ہوا، نہ اس پر عبداللہ کا وار تھا۔“

”پھر؟“ عین جاننا چاہتی تھی کہ حارث کا سر کس نے کاٹا۔
”حارث کا کتا ہوا سر مجھے کسی نے بھیجا تھا کہ اسے تیرے پر چڑھا کر میدان جنگ میں نکلوں۔“

محرانے سادہ میں جتنی کے ہنگامے سرد پڑ گئے تھے۔ رات کے آخری پہر صحرائی ہوا کے جھونکوں نے ہر طرف نیند کا جادو چھڑک دیا تھا اور بادیہ نشین خیموں کے اندر یا باہر بے سندھ پڑے تھے، صرف محافظ جاگ رہے تھے۔ جب سردار نعمان دس کلبی شتر سواروں کے ہمراہ جن کا سردار قاسم ابن قاسم ہی تھا سراپردہ کے سامنے غور ہوا، عبداللہ نے قیدی (مونس) کو قاسم کے حوالے کر دیا اور خود ساندنی پر سوار ہوا جس کے کادے میں حادث کا سر حری قبیلے میں موجود تھا۔ سوڈانی کنیر عین بھی ابن حرب اور شہزادی نجم سے رخصت ہو کر عمل میں آئی تھی۔ پھر اس وقت جب صبح کا دب صبح صاف میں تبدیل ہو رہی تھی عبداللہ کی سرکردگی میں ایک چھوٹا سا قافلہ سلطان مصر کے باقی حارث کا بریدہ سردار اس کے ایچی مونس کو زندہ سلامت لے کر مغرب کی طرف روانہ ہو گیا۔



دوسرے دن اور دوسری رات بھی جشن فح کے ہنگامے جاری رہے لیکن تیسرے روز جب سورج السادہ کے افق پر طلوع ہوا تو چشم فلک نے ایک عجیب منظر دیکھا۔

بادیہ نشین قبائل صحرائیں اپنے مخصوص چھندوں کے ساتھ حلقہ درحلقہ اس طرح صف بستہ تھے کہ جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی، آری ہی آدی دکھائی دیتے تھے۔ اگرچہ ان کی تعداد اتنی زیادہ نہ تھی لیکن وہ جس ترتیب سے کھڑے تھے، اس پر ایک عظیم صحرائی لشکر کا گمان ہوتا تھا۔ قبل ازیں صحرائی قبیلے گروہوں اور جنھوں کی صورت میں اکٹھے ہوتے اور دشمن کے خلاف دھاوے کرتے تھے لیکن پہلی مرتبہ اسادہ میں ان کی عسکری تربیت نظر آئی تھی۔

قوامط کی خفیہ تنظیم میں شروع ہی سے ایک خاص نظم دستی کو ملحوظ رکھا گیا تھا مگر اب، جب کہ جماعت اخفا کے پردوں سے کھلی آئی تھی اور اس نے خود کے علم اٹھالیے تھے، وہ حیرت انگیز تنظیم اور حری تربیت کا مظاہرہ کر رہی تھی مگر عجاسی لشکر کے خلاف جنگ جیت لینے کے بعد صحرائیں یہ حلقہ درحلقہ صف بندی کس لیے تھی؟

اچانک دھماکوں پر چوڑی پڑی اور ابوتاسم کی قمری سر پر سبز عمامہ باندھے، جسم پر سبز لبادہ اوڑھے، ہاتھ میں ایک طویل عصا تھا جس کی بھاری موٹھ چاندی کے پزے سے آراستہ تھی اپنے سبز پوشش دایوں اور فدائیوں کے جلو میں بڑے مذہبی کردار کے ساتھ آتا دکھائی دیا

ایک جگہ کیج دہریض چوٹی چوڑی تیار کیا تھا جہاں ایک بہت بڑا سبز علم امدت اپنا سایہ ڈال رہا تھا۔ شہزادی نجم، ابن حرب، ابو انوار کس، فلیص ابن منضم، اس کا نائب صندل، سردار نعمان اور چند دیگر قبائلی سردار اسی علم کے سائے میں مرتبہ دار کھڑے تھے۔ دھماکوں اور جنگی دھوئوں کی گونج گونج میں قمری اپنے خاص داعیوں اور فدائیوں کے ساتھ اسی چوڑے پر نمودار ہوا مگر اس کے بھائی آقا حسین، علی قمری اور دوسرے افغان الصفا میں سے کوئی ساتھ نہ تھا۔

جب وہ بلند چوڑے پر چلے گئے تو جہاں سے حد نظر تک صحرائیوں کے حلقے نظر آ رہے تھے، دھماکوں کی گونج میں زبردست نعرے بلند ہوئے۔ قمری نے عصا بلند کیا تو شور مچ گیا دھماکے اور دھوئیں بھی خاموش ہو گئے اور وہ عقیدہ پرست بادیہ نشینوں سے خطاب کرنے لگا۔ صحرائی قبائل حلقہ درحلقہ درجہ پڑے تھے۔ امام کی آواز ان تک پہنچانے کے لیے جگہ جگہ

درجنوں نقیب ایٹا دے تھے۔ جب قمری ایک فقرہ کہنا نقیب اُسے دہراتے اور حلقہ درحلقہ آگے پہنچاتے تھے۔ اس طرح کئی البرقا سم کی تقریر اپنے الفاظ مد معانی کے ساتھ دور دور تک سنی گئی۔ بڑے خوف ناک تھے اُس کے الفاظ کیوں کہ اس نے دشمن کے خلاف کبھی ختم نہ ہونے والی جنگ کا اعلان کیا اور کہا۔

”بہادران عرب بنوں ریز چاہتا تھا کہ سادہ کے صحرا کو خون سے رنگیں کر دے ہم نے اُس کی خواہش پوری کر دی ہے لیکن صحرا اس کے اپنے لشکر پر ہے رنگیں ہوا ہے۔ وہ بغداد میں بیٹھا اپنے دل میں خرمیں راہیں تیار کرتا اور تمام مومنین کو نکار کے گھاٹ آتا کہ اس مقام پر پہنچ جانا چاہتا ہے جہاں اُس کے اور اُس کے خاندان کے سوا دوسرا کوئی دعوے دار نہ ہو۔ اس خاندان کے پیلے خوں ریز نے جی قتل عام کیا اور خرمیں راستے کھولے تھے۔ وہ تلواروں اور نیزوں سے دوسروں کا راستہ روکتے اور انھیں خون میں غسل دے کر اپنی برتری کا اعلان کرتے ہیں لیکن حق پرستوں نے ان کے خلاف ہتھیار اٹھا لیے ہیں اور اب انھیں خون میں غسل دیا جائے گا۔“

شجاعان بادیہ یا یہ جنگ جو ہمارے اور ان کے درمیان شروع ہوئی ہے صرف اسادہ تک محدود نہیں رہے گی۔ یہ جنگ صحراؤں، میدانوں اور شہروں میں ہر جگہ اور ہر مقام پر لڑی جائے گی اور یہ ختم ہونے والی جنگ ان کی جھوٹی جاہ

حشمت انگلے گی، جس طرح دنیا میں موسم بدلنے اور تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں اسی طرح زندگی اور طاقت کے قوانین بھی تبدیل ہوتے رہتے ہیں، اسلحاہ نے اس تبدیلی کا پس منظر دیکھا اور صحرائیں ہماری آزادی کا ستارہ طلوع ہوتے دیکھا ہے۔ اُس پر ظلم کی تاریکیاں بیلغاریں گی تاکہ اس کی روشنی چھین لیں اور اُسے ماند کر دیں لیکن قرامطہ کا ستارہ اپنے قطب اور مدار پر گردش کرتا رہے گا اور اُس کی گزریں دنیا کے کناروں تک پھیل جائیں گی۔

یہ جنگ جو اسلحاہ سے شروع ہوئی اور ہم نے جیت لی ہے اگلے بڑھے گی ریزوں ریز اپنی شکست کا بدلہ لینے کی کوشش کرے گا اور ہمیں ہے قوت پیا، سے دوسری جنگ حیرت لے۔ جنگ ہرجیت کا کھیل ہے، کبھی فتح، کبھی شکست لیکن اب یہ غریب کھیل جاری رہے گا اور اس کے لیے زمین کی وسعتیں ناکافی ہیں۔ اگر ہم کسی جنگ میں شہید ہو گئے تو ہمارے بھائی اور نائب، جن کے اندر ہماری روح حلول کر چکی ہے۔ جنگ و جدل کا سلسلہ جاری رکھیں گے اور ان کی شہادت کے بعد بھی یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک سلطنت اور حکومت کے نقشے تبدیل نہیں ہو جائے اور ہم غاصبوں سے اپنا حق چھین نہیں لیتے۔

خون ریز ہمیں الزام دیتا ہے کہ ہم ملت میں تفرق پیدا کر رہے ہیں۔ ماضی میں اس کے باپ نے احمد بن طولون کو بھی مصر و شام کی علاقہ دہی پر مطعون کیا تھا لیکن مرنق ظلم خرد مطعون خلافت بنا اور ناکامی کا دل پر سیلہ اپنی قبر میں اتر گیا اب اس کا خون ریز بیٹا مغرب میں ممدونی تحریک اور مشرق میں ہماری تحریک کو مورد الزام ٹھہراتا ہے کہ ہم ملت کو دو نیم اور سلطنت کو تقسیم کر دینا چاہتے ہیں اور خود ملت کا پاس بان بن کر کبھی اتحاد کا وعظ کرتا، کبھی ہمارے سر نیزہوں پر چڑھاتے کا حکم دیتا ہے مگر ہم آل عباس کو ملت کا پاس بان تسلیم نہیں کرتے اس کے دور میں سلطنت تقسیم اور ملت کمزور ہوئی ہے۔ اب مومنین اس سے چھٹکارا چاہتے اور غاصبوں سے اپنا حق ملگتے ہیں، جیسے وہ لوگ قانون کی خلاف ورزی قرار دیتے ہیں لیکن قانون ہے کیا؟ تعزیر و سزا، گرفتاری، اسیری اور گردن مار دینے کے وہ اصول جنہیں کچھ لوگ اپنے تحفظ کے لیے ایجاد کر لیتے ہیں۔ ہم اُن کے یا اصول

انہی پر لٹ دیں گے اور سلطنت سے اپنا حصہ وصول کر لیں گے۔ اگر ہم نہیں تو غلامی بعد آنے والے ایک نئی مملکت تعمیر کریں گے جس پر قرامطہ کا سبز علم لہرائے گا۔ اور جن کی بنیاد ہم نے رکھ دی ہے کیونکہ اسلحاہ سے محرمین اور بحرین سے یمن تک غاصبوں کے خلاف تلوار تلوار سے کھرائے گی اور نیزہ، نیزہ سے اچھے گا۔

جو قبائل ہماری دعوت پر بہاں آئے تھے۔ اب انہیں اپنے صحرائی ممکن کی طرف واپس جانا اور دوسرے یادی نہیں قبائل کو آزادی کے لیے ایک مرکز پر جمع کرنا ہے۔ ہو سکتا ہے ہمارا مسک اور عقیدہ دوسروں سے مختلف ہو لیکن مقصد ایک ہے اور وہ مفصل غاصبوں سے نجات حاصل کرنا ہے جو شخص اس مقصد سے اتفاق کرتا ہے، وہ ہماری جنگ میں شریک ہو۔ ہم ان صحرائی قبائل کو تجسین و آفرین کتنے ہیں جنہوں نے طاقت و دشمن پر نفع پائی لیکن جنگ ابی ختم نہیں ہوئی اور اس وقت تک ختم نہیں ہوگی، جب تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچ جاتی۔

سیحی قمر ملی نے اپنا عصا لہر کر تقریر ختم کی جو نقیبوں کے ذریعے دور دراز تک سنی گئی تقریر کے بعد صحرائی فضا میں جوشش نغروں سے گونج اٹھی۔ جب وہ اپنے داعیوں اور فدائیوں کے ہمراہ چوتھے سے اترے۔ دماغ اور دھون سے پھر بجنے لگے لیکن رخصت ہونے سے قبل اُن نے شہزادی نجم اور ابن حرب سے گفتگو کی اور کہا کہ وہ آج شام اس سے ملاقات کریں۔



بعض عراقی قبائل جو اسلحاہ ہی میں کہیں رہائش پذیر تھے اسی روز رخصت ہو گئے سرور نقیب بن مضمہ اور ابوالفوارس کے علاوہ شہزادی نجم اور ابن حرب نے بھی انہیں رخصت کیا۔ اُن کی روانگی کے بعد بنو نقیب میں بھیڑ کچھ کم ہو گئی۔ شامی قبائل کو ابن حرب کے ہمراہ دس دن کیپ کرنا تھا مگر روانگی سے قبل وہ ایک بار ذکر و بیہ قرامطہ سے ملاقات کا خواہش مند تھا چنانچہ شام کے وقت جب شہزادی نجم کے ہمراہ قمر ملی کی امام باگہ میں پہنچا جہاں چند داعیوں اور فدائیوں کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ اُس نے امام سے اپنی خواہش کا اظہار کیا مگر جواب توقع کے بالکل عکس۔

”بیشک قائم باقی فتح کی خبر سننے کے بعد پھر اتفاق میں چلے گئے اور چالیس روز کا جہد کاٹ رہے ہیں اب ان سے ملاقات نہیں ہو سکتی۔“

پھر فرمائی ”ایک عجیب انگل فیکڈ“ حسین اور علی بھی والد بزرگ سے ملنا چاہتے تھے لیکن انھوں نے ملاقات سے انکار کر دیا اور بیٹوں کو ہدایت کی کہ اپنے صحرائی مسکنوں کو لوٹ جائیں۔ اُن کی ہدایت پر وہ کل رات ہی یہاں سے جا چکے ہیں۔

شہزادی نجم اور ابن حرب کو اب معلوم ہوا کہ صبح جب وہ قبائل سے خطاب کرنے آیا تو اُنہیں ابن ادر اور دوسرے اخوان الصفا اس کے ہمراہ کہیں نہیں تھے۔ وہ سب بڑی خاموشی بلکہ رازداری کے ساتھ وہاں سے چلی گئے تھے اس انگل ف کے بعد فرمائی نے ابن حرب کو خطاب کیا اور کہا۔

”ابن حرب! اس سے قبل کہ شکست کی خبر بغداد پہنچے اور خلیفہ کے حواس پر کبھی گرے تم بھی شہزادی نجم کو لے کر السواد سے نکل جاؤ۔ ممکن ہے شکست کا عدم اسے بدحواس کر دے اور بدحواسی میں وہ تمھیں عراق ہی میں گھیرنے کی کوشش کرے۔ وہ خون ریز، منتقم مزاج اور بے رحم ہے۔ شکست کا بدلہ لینے کی خاطر وہ تمھارا راستہ روک لے گا۔ اگر تم بچ کر نکل گئے اور راستہ روکنے والوں کے ہاتھ نہ آئے تو یہ اُس کی دوسری شکست ہوگی۔“

ابن حرب نے یہ سب کچھ تعجب اور حیرت سے سنا۔ السواد میں ایک عراقی لشکر کو شکست دینے کا یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ اُس نے عباسیہ کی طاقت کو مغلوب کر دیا ہے۔ بہر حال وہ اس دور کی ایک بڑی طاقت تھی جس کے فوجی حلفے دُور دُور تک پھیلے تھے۔ جب وہ خود عراق میں گھس آیا اور السواد میں موجود تھا تو یہ بات نظر انداز نہیں کی جا سکتی تھی کہ شاید اُسے یہیں گھیر لیا جائے۔ اب تو فریقین میں کھلی جنگ تھی اور جنگ میں ہر حرب، ہر فریب جائز ہوتا ہے مگر ابن حرب خود بھی جنگ جو اُسے رحم آدمی تھا جرأت سے بولا۔

”سیدنا! میں دشمن سے ہمہ سر پیکار ہوں اور جب تک تلوار میرے ہاتھ میں ہے وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔“

”مگر دشمن سے بے مقصد الجھنے کی ضرورت نہیں۔ ہم نے تمھیں اسی لیے بلایا ہے کہ خطہ سے آگاہ کریں۔ ہم چاہتے ہیں اگر کل نہیں تو پیرسوں تم یہاں سے روانہ ہو جاؤ۔ اپنی حفاظت سب سے بڑی دانتی ہے۔“

ابن حرب کی طرف سے جواب شہزادی نجم سے دیا۔ ”اُپ کا اندشاد بجا ہے۔ ہم پرسوں اند ہو جائیں گے مگر ہمیں اندیشہ ہے ہمارے جانے کے بعد کہیں دشمن بنو قلیص پر حملہ نہ کرے۔“

”اترصاد السواد سے اور خطہ بنو قلیص سے دور نہیں مگر ہم چاہتے ہیں کہ شام کے قرب جو ارمین ہماری طاقت کچھ اور مضبوط ہو اور یہ کام اُپ سرانجام دے سکتی ہیں کیوں کہ اُپ حکمرانی کی صلاحیت رکھتی اور صحرا نشینوں کو اپنا گرویدہ بنانے کا گرجا جانتی ہیں۔“

”ہم انھیں اپنا اور گرویدہ بنائیں گے اور شام کے تمام قبائل کو مقابلے کی دعوت دیں گے۔ اس کے ساتھ ہی ملاقات ختم ہو گئی اور فرمائی نے انھیں رخصت کیا۔“



جینے کی حسرت دل میں ایسے دنیا سے رحلت ہو گئی بلکہ یہ کہنا درست ہو گا کہ اس کی وفات کے ساتھ ہی بنی طولون اور بنو عباس کا خلاہری رشتہ ٹوٹ گیا اب ان کے درمیان صرف دوستی کا معاہدہ ٹوٹا باقی تھا۔

الرصافہ میں قطر الندی کی رحلت ایک بہت بڑا سانحہ تھا۔ وہ طولونی شہزادی جو اپنے دل میں ہزاروں تمنائیں دل میں لے کر بغداد آئی تھی جس کے ترک حسن نے خلیفہ معتضد کو اپنا دیوانہ بنا لیا اور اُس کے دل سے دیرسہ کی یاد بھلا دی تھی اور وہ اپنی دوسری حرموں کے جیسے کی راتیں بھی اُسی کی صحبت میں گزار دیتا تھا جس کی خوبی اور خوب صورتی کے سامنے دنیا کی ہر چیز بے وقعت تھی۔ نامراد بے لولاد مر گئی اور اپنی نامحترمیں اپنے ساتھ لے گئی۔

قطر الندی کی بے وقت رحلت (کہوں کہ ابھی وہ فوجوان ہی تھی) خلیفہ معتضد ابو عباس کے دل پر بجلی بن کر گری۔ موت نے رشتہ جہالت کے ساتھ اور بھی بہت کچھ منقطع کر دیا۔ دل امیدوں اور آرزوؤں کے کفن میں پٹی ہوئی لاش کی طرح سرور ہو گیا۔ محبت یادوں کے کھنڈر میں بدل گئی جہاں اب راحت و عیش کا کوئی چراغ روشن نہ ہو سکتا تھا۔ قطر الندی کی موت کے ساتھ معتضد خود بھی کچھ کر رہ گیا۔ حالانکہ اس کی تینوں حرمیں ابھی جوان اور خوب صورت تھیں۔ محل مراؤں میں حسین و طالع کثیر وں کی بھی کمی نہ تھی مگر وہ قطر الندی کی محبت میں اُنھیں بھول گیا تھا اب خود کو تنہا محسوس کرنے لگا اور ایک ایسی آواز پر کان لگا نے بیٹھا تھا جو سنائی نہ دے سکتی تھی۔

طولونی شہزادی کو الرصافہ ہی میں دفن کر دیا گیا۔ وہ اپنے باپ اور بھائی کی تحیر و تکفین کا منظر نہ دیکھ سکی تھی۔ اُس کے جنازے میں بھی کوئی رشتہ دار شریک نہ ہو سکا۔ بغداد اور اطالیہ کے درمیان کم سے کم مسافت بھی اکبیس بائیس یوم کی تھی۔ اطلاع بھینے اور دہاں سے کسی کے آنے میں کم و بیش ڈیڑھ ماہ لگ جاتا اور اتنے عرصے تک لاش نہ رکھی جاسکتی تھی البتہ ایک تیز رفتار ناقصہ موت کی خبر سے کرمصر کی جانب روانہ ہو گیا تھا۔

قطر الندی سب سے چھوٹی اور سچائی حرم بلکہ محبوبہ تھی جس کی جوان مرگی نے معتضد کو اداس اور ملول کر دیا لیکن اُسے مرے اور دفن ہونے صرف تیسرا دن تھا اور ابھی اس کے صدرے سے منھل نہ سکا تھا کہ عباسی لشکر کی شکست و بربادی اور سالار لشکر شبل کے علاوہ مصری ہمان عارث ابو ظفر کی لرزہ خیز ہلاکت کی خبر تے دل پر نیا چوک لگا گیا۔ یہ ایک ناقابل یقین اور حیران دہ شہسدر کر دینے والا سانحہ تھا جسے سنتے ہی قلب و ذہن پر کسے ساگر گر گیا۔ قطر الندی کے علم سے

دل شکن خبریں

السامہ میں پیش آنے والی ہولناک شکست کی خبر بغداد میں پہنچی تھی کہ اس سے پہلے الرصافہ پر ایک اور برفی ناگہان ٹوٹ پڑی اسامہ قطر الندی جو یکے بعد دیگرے باپ اور بھائی کے صدروں سے درچار ہوئی اور سامہ کی مم سے قبل ہی لبستر سے جاگلی تھی۔ اچانک انتقال کر گئی شاہی حکیم اور طبیب اس کے دکھ کا علاج نہ کر سکے۔

سلطان خمارورہ اور عیش کے حادثات مرگ اور طولونی مملکت کو درپیش خطرات اس کی روح پر بوجھ بن گئے تھے۔ وہ بنی طولون اور بنو عباس کے مابین "دوستی کی شرط" بن کر آئی تھی، لیکن طولونی حکومت کے متعلق عباسی اُمراء کی باتیں سن کر اُس کا دل لرزتا اور غموں کے بھنور میں ڈوب ڈوب جاتا رہا۔ اگرچہ معتضد ابو عباس نے اُسے کئی بار یقین دلایا تھا کہ وہ معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کرے گا اور مصر و شام پر اس کے دوسرے بھائی ہارون بن خوارزمی کی حکومت قائم رکھے گا لیکن قطر الندی جان گئی تھی کہ عباسی اُمراء ہی نہیں ولی محمد ابو محمد بھی طولونی حکومت کا تختہ الٹ دینے کے حق میں ہے اور خلیفہ معتضد زیادہ دیر تک اپنے عزم پر قائم نہ رہ سکے گا اگر وہ معاہدے کا پابند رہا تو بھی یہ بات واضح تھی کہ اُس کا جانشین برسرِ اقتدار آنے کے بعد بنی طولون کو معاہدے کے مطابق بیس برس کی مدت پوری نہیں کر دے گا۔

اسامہ قطر الندی نے بنی طولون اور بنو عباس کے تعلق کو برقرار رکھنے کی خاطر جس انوکھی خواہش کا اظہار کیا تھا وہ بھی پوری نہ ہو سکی اور خلیفہ معتضد کے صلب اور اپنے بطن سے ایک لڑکا

پیلے ہی بڑا شکستہ خاطر اور نڈھال ہو رہا تھا۔ السامہ میں پیش آنے والی شکست دہربادی اور ہلاکت نے اسے بالکل نیم جان کر دیا۔

عقیدہ پرست ایرانی قبائل کے مقابلے میں تربیت یافتہ لشکر کی ناکامی اور تباہی ایک ایسا ہوش ربا واقعہ تھا، جس کے گرداب بلا میں اس کی ایک آرزو خرق ہو گئی تھی کہ اس نے جو جاقاوتی لشکر جاتے ہی باوہ نہیں قبائل کو منتشر کر دے گا اور شہل قرمط سمیت ان کے سرداروں کے سر نیزوں پر چڑھائے واپس آئے گا لیکن خواب کی تعبیر اٹ ہو گئی اور سب کچھ اس کی توقعات کے برعکس پیش آیا۔ قرمط کی بجائے شہل اور حارث کے سر نیزوں پر چڑھ گئے تھے۔ جدیدہ جدیدہ فوجی سردار مارے گئے تھے اور ابن حرب کی قیادت میں صحرائی بدوؤں نے جھاگتے ہوئے عباسی لشکر کا قتل عام کیا تھا۔

جس نے بھی اس شکست دہربادی کی خبر سنی دہگ رہ گیا۔ اہل بغداد پر قرمطی فدا ہو کر دہشت اُسی وقت سے طاری تھی۔ جب وہ فید خانے کے محافظ جندیوں کو قتل کر کے ابو غانم کو چھڑا کر لے گئے تھے۔ السامہ میں پیش آنے والی شکست و ہلاکت نے بغداد میں صفِ ماتم بچھا دی اور لوگوں کو پہلی بار قرمط کی طاقت کا صحیح اندازہ ہوا۔

سامہ کے صحرائیں جو کچھ بھی گزری، کسی کو اس کی توقع نہیں تھی۔ ذکر دیر قرمط ایک بار پھر بغداد کی فصیلوں اور محل سرلوں پر اپنی دہشت کا سایہ ڈال رہا تھا۔

یہ واقعہ بھی خلیفہ کے گوش گزرا کیا گیا کہ مصری مہمان حارث جنگ سے چار یوم پہلے ہی لشکر سے الگ ہو گیا اور کسی نامعلوم سفر پر نکل گیا تھا۔ اس کے اور شہل کے درمیان کوئی بات طے ہو گئی تھی جو پوری نہ ہو سکی کیونکہ وہ محلے سے قبل لشکر میں واپس نہ آسکا اور جب حملہ ہوا حارث کا سر دشمن کے نیزے پر چڑھا ہوا تھا جس کی ناقعدہ نمائش کی گئی۔ یہ بات کسی چینستان سے کم نہ تھی کہ حارث لشکر سے نکل کر کہاں گیا تھا اور اسے کس نے قتل کیا؟ صرف سالار لشکر کو علم تھا کہ وہ کہاں گیا اور کیا کرنا چاہتا تھا۔ بعد ازاں شہل بھی جنگ میں مارا گیا اس لیے حارث کی خفیہ مہم اور ہلاکت کا راز وہ اپنے ساتھ ہی لے گیا۔

اس داستان اسرار کو پڑھنے والے جانتے ہوں گے کہ حارث اور شہل دونوں نے ذکر دیر قرمط سے متعلق تلاش و تحقیق کو سب سے خفیہ رکھا تھا کہ کہیں قرمطی خیر رسائل اور فتاویٰ کے کانوں میں اس کی جھجک بھی نہ پڑ جائے۔ قرمط کے کسی راز سے آگاہ ہونے والا شخص زندہ نہ

رہ سکتا تھا۔ وہ اپنے بھید موت کی چادر میں لپیٹ کر رکھتے اور بھید جان لینے والے کو بھی اسی چادر میں لپیٹ دیتے تھے۔ حارث ابو ظفر اُسی چادر میں لپیٹ دیا گیا تھا اس کے بعد شہل ابن حرب کے انتقام کا نشانہ بنا۔ اسی طرح ذکر دیر قرمط کی کہیں گاہ پر اسرار کا جو پردہ پڑا ہوا تھا کچھ اور گر ا ہو گیا۔

عباسی لشکر کی شکست معتقد ابو عباس جیسے حکمران کے لیے جو دولت عباسیہ کی عظمت رفتہ کو بحال کرنے کا عزم رکھتا تھا ایک بڑے دھچکے سے کم نہ تھی۔ نظر انداز کی وفات نے اس کے دل میں زلزلہ ڈال دیا تھا۔ السامہ کی ناکامی نے اس کی شخصیت کو ہلکا کر رکھ دیا کیونکہ دو دنوں دھچکے بڑے روح فرسا تھے۔ قرمطی معاملے کا خطرناک پہلو یہ تھا کہ جماعت ایک طویل شہزادی کو تھا بلے پر لے آئی تھی جس نے سامہ کے میدان جنگ میں علم بردار لشکر کا فرض ادا کیا تھا اور جس کے اشارے پر قبائلی موت کی بجلیاں بن کر سپاہِ خلافت پر ٹوٹے رہے تھے۔

معتقد سن چکا تھا۔ نجم العلیل نے بنی طولون سے بغاوت کی تھی۔ وہ حارث کا انعام بننے پر آمادہ نہ ہوئی کیونکہ ابن حرب کو پسند کر چکی تھی، جو اسے مصر سے محل میں بھگائے آیا اور اس سے عقد کر کے وہ قرامط کی آواز کا رہ گئی۔ اب وہ صبح رہا تھا بغداد سے ابن حرب کا فرار اور القطار سے شہزادی نجم کا اتوار قرمطی تحریک کا ایک سوچا سمجھا خفیہ منصوبہ تھا، جس کے تحت دونوں کا عقد کر لیا گیا۔ ان کے ذریعہ صحرائے گنزار، اہل اور نیم حشی قبائل کو عسکری تربیت دے کر عباسی فوجوں کے مقابلے پر لانا مقصود تھا اور جماعت اپنے مقصد میں کامیاب رہی تھی۔

قرمط جانتے تھے کہ ابو عباس اور بنی طولون کے مابین تیس برس کے لیے دوستی کا معاہدہ ہو چکا ہے اور معاہدے کے مطابق کوئی فریق ایک دوسرے پر حملہ نہیں کر سکتا مگر جماعت نے بڑی ہوشیاری اور چالاکی سے شہزادی نجم کو مصر سے نکالا اور لا کر عباسیہ کے خلاف کھڑا کر دیا۔ خلیفہ اگرچہ اس معاملے میں بنی طولون کو مورد الزام نہیں ٹھہرا سکتا تھا لیکن قرمطی نے جنگ اور سیاست کی لباط پر شہزادی نجم کا ٹھہرا ایک ایسے خانے میں رکھ دیا تھا جہاں سے بنو عباس اور بنی طولون کے تعلقات پر پڑ پڑ رہی تھی۔

صورت حال بڑی پیچیدہ اور خطرناک تھی اگر جماعت نے نئے اور کمن طولونی حکمران کے ساتھ کوئی معاملہ طے کر لیا تو مصر و شام عباسیہ کی دسترس سے ایک بار پھر دور ہو جائیں گے۔ یہ سب کچھ سوچ کر اس نے اپنے خاص غلام بدر کو طلب کیا اور حکم دیا کہ اس کے تمام وزیر، مشیر، فوجی

سالار اور غریب و شرفی ممالک کے ناظم الامور بلائے جائیں۔

اُسی رات یہ اجلاس ایوانِ خلافت میں منعقد ہوا۔ معتقد البرعباس دل و دماغ سے غموں اور صدموں کی گرد جھانک کر مسندِ صدارت پر بیٹھا اس نے اسماوہ میں پیش آنے والے حادثے کی اطلاع دی جسے وہ پہلے ہی سن چکے تھے۔ نیز قمر علی جماعت اور بنی طولون کے متعلق اپنے خدشات کا اظہار کیا۔ وہ چاہتا تھا قرامطہ کی مذہبی طاقت کو جلد از جلد کچل دیا جائے۔ ورنہ وہ قبردان کی مدد سے تحریک کی طرح عراق و شام میں بھی ایک بہت بڑا مذہبی فتنہ بپا کر دے گی۔ جرے امسروہ لہجے میں کہنے لگا۔

”ہم نے ہی ہاشم کو بہت سی مراعات دیں لیکن ان کے دلوں میں چھپی ہوئی کدورت دور نہیں کر سکے۔ بجا ہی سلطنت میں جس کے طولی دم میں کی انتہا نہیں۔ ہر خرنے کو مذہبی آزادی حاصل ہے جس طرح ہوا اور سورج کی روشنی سب کے لیے مساوی ہے اسی طرح ہمارا قانون اور انصاف سب کے لیے یکساں ہے لیکن اس آزادی کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اکثریت کے خلاف سارکشی کی جائیں اور عباسیہ کے خلاف خردیہ کے پرچم اٹھایے جائیں۔ ہم بڑے کھلے دل کے ساتھ اتحادین، ملیکین کا اعلان کرتے اور سب کو یک جہتی کی دعوت دیتے رہے ہیں مگر قمر علی نے جو اپنا نسب امام اسماعیل سے ملاتا اور ہاشمی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے خود ساختہ امامت کا علم اٹھایا ہمارے خلاف خردیہ کیا اور اُمت میں تفرقے کا ایک نیا دروازہ کھولا ہے مگر جب تک ہم اس کے لیے موت کے راستے نہیں کھول دیں گے چین سے نہیں بیٹھیں گے۔“

امیروں، وزیروں، مشیروں اور فوجی ہمسروں نے عکسوں کیا کہ وہ اسماوہ کی شکست کے صدمے سے دوچار رہے اس کے الفاظ سخت اور کڑخت ہی نہیں بلکہ دلی کرب کا اظہار کر رہے تھے۔ بے شک ناکامی کا سانچہ جواں گدا تھا لیکن عباسیہ کی عظیم طاقت کے سامنے قرامطہ کی معمولی کامیابی کوئی حیثیت نہ رکھتی تھی۔ وزیرِ سلطنت عبید اللہ بن سلیمان اس کے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کی خاطر بولا۔

”امیر المومنین اب ایک معمولی واقعہ ہے جس پر آپ اس قدر پریشان ہو رہے ہیں ضرور جہل نے کوئی ایسی غلطی کی ہوگی جو شکست کا باعث بن گئی کیوں کہ وہی سالار جنگ ہارتا ہے جو غلطی کرتا ہے ورنہ بجا ہی فوج ناقابل شکست ہے۔“

معتقد نے حتم حیرت سے اپنے وزیر کی طرف دیکھا اور کہا۔ ”ہم نہیں جانتے تشبیل سے

کوئی غلطی سرزد ہوئی تھی یا نہیں لیکن جس واقعے کو تم معمولی کہہ رہے ہو، وہ اپنے نتائج کے اعتبار سے غیر معمولی ہے۔ عراق و شام کے بادیہ نشین قبائل نے قمر علی کی امامت کو تسلیم کر لیا اور ہمارے خلاف منظم بغاوت کی ہے جو عباس کے خلاف ایسی بغاوت پہلے کبھی نہیں ہوئی قمر علی بناوٹ مدد سے تحریک کا حصہ ہے۔ پھر اسماوہ کی جنگ میں ایک طولونی شہزادی موجود تھی۔ تم اس سے کیا نتیجہ اخذ کرتے ہو؟

”شاید اعلیٰ حضرت کا جہاں درست ہو کہ قمر علی بنی طولون کو ہم سے لڑنا چاہتا ہے۔“

دیوانِ بلاذغریہ کے ناظم الامور علی بن عیسیٰ نے فوراً وضاحت کی۔ ”امیر المومنین! شہزادی نجم العیسیٰ قمر علی کی آلہ کار ضرور ہے لیکن بنی طولون کا گمراہ نہیں۔ بنی طولون اس سے تعلق توڑ چکے ہیں۔ پھر طولونی فوجوں کے سپہ سالار محمد بن سلیمان کی موجودگی میں ہمارے لیے مصر میں کوئی اندیشہ نہیں۔“

”ہم سمجھتے ہیں طولونی حکومت کو بھی مغرب کی طرف سے مدد کے بربر قبائل کا خطر ہے اور مدہ قمر علی کے ساتھ کوئی ساز باز نہیں کرے گی۔ مگر اس نے شہزادی نجم کو بلا دیا اپنی تحریک میں شامل نہیں کیا۔“

بدر نے مشورہ دیا۔ ”امیر المومنین! قمر علی کی صحرائی طاقت کا مرکز بنو قلیص ہے۔ اگر انہیں ختم کر دیا جائے تو جماعت کی کمرٹ جلے گی اور بنو قلیص پر اس وقت اپنا تک حملہ کیا جائے جب وہ تنہا رہ جائیں۔“

وزیر عبید اللہ نے بدر کا تاہید کی۔ ”بنو قلیص کی سرکوبی کے لیے بغداد سے کوئی لشکر بھیجنے کی ضرورت نہیں بصرہ اور کوفہ کے رالیوں کو حکم دیا جائے کہ وہ ان پر اپنا تک ٹوٹ پڑیں۔ بدر نے تیاراً ضبطیہ کو جو اطلاعات ملی ہیں۔ ان کے مطابق قمر علی کا قیام بنو قلیص ہی میں ہے اور اسے وہیں گھیر کر قتل یا گرفتار کیا جاسکتا ہے۔ اس مقصد کے لیے بصرہ کے والی احمد بن محمد طائی کو حکم دیا جائے۔ وہ چند مہینوں کے اندر اسماوہ کا معاملہ درست کر دے گا۔ احمد بن محمد طائی کا نام سن کر خلیفہ معتقد نے پسندیدگی کا اظہار کیا اور بدر سے کہا کہ دایبے بصرہ کو معاملے کی صورت سے آگاہ کرے لیکن اس کی طرف سے حملے میں ذریعہ نہیں ہونی چاہیے معتقد کو اصل صدمہ یہ تھا کہ قرامطہ کے خلاف شکست کا واقعہ عراق میں پیش آیا جو دولت عباسیہ کا مرکز قوت تھا۔ وہ اسی بدلان میں انہیں شکست ربربادی سے درچار کر دینا چاہتا تھا

سب لوگوں نے بد رکی تجویز سے اتفاق کیا اور ایک بار پھر اسلحہ ہی کو جنگ کے لیے منتخب کیا گیا جہاں شہیل اور اس کے لشکر یوں کا خون گرا تھا۔



آنحضرت صلی علیہ وسلم اور ان کے انجوان وفدائیں بنو قلیص سے رخصت ہو چکے تھے بادیہ عراق سے آنے والے قبائل بھی اپنے اپنے مسکنوں کی طرف لوٹ گئے تھے اور اب شامی قبائل واپسی کی تیاری کر رہے تھے تمہیں ابن حرب کی قیادت میں اکٹھے سفر کرنا تھا کہ اچانک قرطبی جاسوسوں نے شہزادی قطر الندی کے انتقال کی خبر اس وقت بنو قلیص تک پہنچائی جب روانگی میں صرف ایک پہر باقی تھا۔ قافلے کو شام کے وقت روانہ ہونا اور صبح میں رات کو سفر کرنا تھا۔

شہزادی نجم فلسطینی کنیز دمنہ کو ملاقات کے کمرے میں روانگی کے متعلق ضروری ہدایات دے رہی تھی کہ امام بارگاہ کا فاضل شاہی مضرب کے دروازے پر نمودار ہوا اس نے باوجود حرب کی موجودگی میں اسلحہ قطر الندی کے ساتھ ارتحال کی خبر شہزادی کے گوش گزار کی اور بتایا کہ بنت خادریہ نے اسلحہ کی جنگ سے تین روز قبل وفات پائی اور اسے الرضا ہی میں دفن کر دیا گیا۔ خبر سنتے ہی شہزادی نجم غش لگا کر گری۔ دمنہ نے پیک کو سنبھالنے کی کوشش کی لیکن اُسے گرنے سے نہ بچا سکی۔ سلطان خادریہ اور حبش بن خادریہ کے بعد شہزادی قطر الندی کی اچانک رحلت بنی طولون کو چیش آنے والا تیسرا جگر گداز سانحہ تھا جس نے نجم العلیل کے ہوش و حواس چھین لیے اور وہ اپنے آپ کو تابو میں نہ رکھ سکی۔

دمنہ نے فوراً اپنی بے ہوش مالکین کو بکڑ اور زانو پر لٹا لیا۔ ابن حرب بدحواسی کے عالم میں اس کی طرف لپکا۔ سر پر دھکے غلام جو سامان سفر باندھ رہے تھے کام چھوڑ کر کمرے سے بھاگ گئے۔ شہزادی نجم کا چہرہ بے ہوشی میں پیاس کے بھول کی طرح زرد ہو گیا اور ہانے بھانے سے اُسے ہوش نہ آ سکا تھا۔ ابن حرب نے منہ پر پانی کے جھینٹے مارے تو سکتہ لڑا اور اس نے آنکھیں کھولیں لیکن لمبی لمبی غلامی آنکھوں کے گوشوں سے جیسے صدیوں کی دیرانی جھانک رہی تھی۔ حاضرین پر زردی چھائی تھی اور صورت سے کئی ہفتوں کی بیمار دکھائی دینی لگی۔

ابن حرب نے اُسے تسلی دی اور دمنہ کی مدد سے اٹھا کر ایک مسند پر لٹا دیا۔ فلسطینی کنیز

سربانہ کھڑی نکلتا چلتی گئی اور ابن حرب مسند پر اُس کے پیلو میں بیٹھ گیا۔ اس اثنا میں ایک غلام اُنٹنی کے دودھ کا پیالہ لے کر حاضر ہو گیا جسے پی کر شہزادی نجم العلیل کی طبیعت کچھ سنبھلی لیکن اپنے عزیزوں کی بیکہ بعد دیگرے رحلت کا علم دل کو کاٹ رہا تھا۔ موت تھوڑے ہی عرصے میں اس کے تین عزیزوں کو گھسیٹ کر لے گئی تھی۔ بھائی خادریہ اور حبش جس کی رکاب کے ساتھ جنگاے سفر کرتے تھے، اب کسی ہجوم میں نہیں تھا۔ اُس کا جینٹا حبش بن خادریہ جس سے بنی طولون کی امیرین وابستہ تھیں۔ رہتا ہے سفر کر چکا تھا۔ اس کی بھینچی اسلحہ قطر الندی جو خادریہ کی قراۃ العین (آنکھ کی بتلی) کہلاتی تھی اب کسی محل سرکاری زینت نہ تھی۔ تینوں قبروں میں اُنز گئے اور مٹی میں دفن ہو گئے تھے اس گھر کا صرف ایک کمرہ لوہا کا دیون بن خادریہ بچا تھا اور اس کے خلاف بھی سازشیں ہورہی تھیں۔

خادریہ کے گھر کی تباہی کا یہی غم شہزادی نجم کی آنکھوں سے جھانک رہا تھا۔ وہ بنی طولون کو چھوڑ آئی تھی لیکن خاندان کے صدمے اُس کا چھپا کر رہے تھے کیوں کہ عورت دنیا کے آخری کنارے تک کیوں نہ چلی جائے، اپنے عزیزوں اور رشتے داروں سے کنارہ کش نہیں ہو سکتی ان کی یاد اسے دستی رہتی ہے۔ مسند پر بیٹے بیٹے نجم العلیل کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو اُٹ گئے اور بھرائی ہوئی آوازیں کہنے لگی۔ "ابن حرب! جعفر بخاری نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ بنی طولون تلہاری کی زردی میں ہیں اور موت ان کے گرد بھیرے کی طرح چکر لگا رہی ہے۔ اب تو ہمیں اپنے آپ پر بھی بھروسہ نہیں رہا۔"

ابن حرب نے ناشنی امیر دلچسپی میں جواب دیا۔ "نجم! خادریہ کے بعد حبش اور حبش کے بعد قطر الندی کی رحلت فی الواقع ایک بہت بڑا المیہ ہے۔ خادریہ ابھی جوان تھا مگر حبش اور قطر الندی کو تو جوان ہونا بھی نصیب نہیں ہوا۔ بے شک یہ سب کچھ بنی طولون کے ادبا و زردال کی غلامت ہے۔ لیکن تم نجم العلیل ہو، ستارہ شب ہو، اور آقا حسین نے کہا تھا کہ بنی طولون کے دشمنوں سے انتقام لوگ۔"

نجم العلیل سسکیاں بھر کے رونے لگی۔ آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی اور آنسو نہ تھائی۔ غم کے اظہار کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ "میں اپنے خاندان کی تباہی دیکھنے کے لیے زندہ نہیں رہنا چاہتا۔"

"حصولہ رکھو نجم! مصیبت میں حصولہ چھوڑ دینا بھاری نہیں اور تم ایک بار عورت ہو۔"

میں آیا تھا اور نہ شہزادی کی وفات پر قمر علی امام تعزیت کے لیے سراپردہ میں پہنچ گیا حد سے
سے نہ حال شہزادی خیمہ نے اُس کی آمد کو اپنی عزت افزائی قرار دیا اور بتایا "قمر السندی
کی رحلت کا حادثہ سنتے ہی ہماری طبیعت نا ساز ہو گئی اور ابن حرب نے شام کی طرف روانگی
نی الحال ملتوی کر دی ہے۔"

"ہم خود اسی لیے آئے ہیں کہ آپ کو سفر سے روک دیں کیوں کہ اس حالت میں سفر مناسب
نہیں۔ مظلوم کو انتقال کیے اگرچہ کئی یوم ہو چکے ہیں لیکن ہمیں یہ خبر آج ہی موصول ہوئی اور فوراً
آپ تک پہنچا دی۔" قمر علی کہنے لگا۔ "ہم نے ابن حرب کو خود تاکید کی تھی کہ وہ آپ کو لے کر
جلد اجلہ السادہ سے نکل جائے۔ ہمیں اندیشہ تھا شکست کی خبر سن کر کہیں معتضد آپ لوگوں
کو عراق ہی میں گھیر لینے کی کوشش نہ کرے لیکن قمر السندی کی موت کے بعد شاید وہ ایسا نہ
کرے۔ موت اگرچہ سب رشتے توڑ دیتی ہے مگر رشتوں کی یاد نازہ کرتی ہے۔"

یہ بات قمر بنی قیس قمر عباسی لشکر شہزادی خیمہ کا راستہ نہیں رکھیں گے حالانکہ
خلیفہ معتضد ابن حرب کو جو عراق میں گھس آیا اور اس کے خلاف نبرد آزما ہوا عراقی میں گھیر
سکتا تھا لیکن خلیفہ نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا تھا۔ قمر علی نے کہا۔ "بوڑھے مرتے ہیں تو نوجوان
آگے آتے ہیں مگر نوجوان مجاہدین تو معاشرے میں خلیفہ پیدا ہو جاتا ہے اور بہت کچھ بگڑ جاتا ہے۔"
اس کے ساتھ ہی گفتگو کا موضوع بدل گیا اور ابن حرب نے پوچھا "قمر السندی کی
موت کے ساتھ بنی طولون سے خلیفہ معتضد کا رشتہ ختم ہو گیا ہے اب مصر پر حملے کی راہ میں
کیا رکاوٹ ہوگی؟"

"عباسی امرا یہی کہتے ہیں کہ مصر کے حالات بدل گئے ہیں اور خلیفہ کو بھی بدل جانا چاہیے
لیکن ہمارا خیال ہے وہ معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کرے گا اگر مصر کے حالات بدل گئے
ہیں تو بادیہ عراق اور بادیہ شام کی ہوا بھی تبدیل ہو گئی ہے اور معتضد نے اس بدلی ہوئی
ہوا کا رخ دیکھ لیا ہے۔"

یہ الفاظ شہزادی خیمہ لبیل کے لیے تسکین دہ اور اُن کے معافی حوصلہ افزا تھے۔ دل میں
امید کی روشنی جھلکائی۔ "سیدنا ہم اپنے بھائی اور بھتیجے کی موت کا غم بانٹنے کے لیے
بنی طولون سے نہیں مل سکے مگر قمر السندی کی وفات نے ہمیں بہت بے چین کر دیا ہے ہم مصر جانا
اور اپنے عزیزوں کے غم میں شریک ہونا چاہتے ہیں۔"

خیمہ نے بھگتی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا "ہمارے عزیز دنیا سے رخصت ہوئے
بارہ ہیں اور ہم ان کی موت پر آنسو بہانے کے لیے زندہ ہیں۔ خمارویہ کے ساتھ بنی طولون کی
طاقت جاتی رہی۔ حبش اور قطر السندی کے ساتھ بنی طولون کی رونقیں رخصت ہو گئیں۔ ہم اپنے
بھائی اور بھتیجے کی قبروں پر ناناخو خانی کے لیے مصر نہیں جا سکے۔ بعد ازیں ہمارے دور نہیں لیکن
یہ قسمت کی بے رحمی ہے کہ ہم قطر السندی کو دیکھ سکے، نہ اس کی پشتانی بہ آخری بوسہ دے
سکے اور ہماری چھوڑیں جیسی ناک اندام بھتیجی الزمادہ کی لحد میں اتار دی گئی۔ اس حد سے
سب اب ہم شام کا سفر کرنے کے لائق نہیں رہے۔"

"اب سفر ایک دو یوم کے بعد ہوگا، جب تھاری طبیعت سہل ہو جائے گی۔ میں نقلیں
کے سردار اور نعمان کو سفر کے التوا کی اطلاع بھجوانا ہوں۔"

پھر اس نے غلام کو اشارہ کیا جس نے شہزادی خیمہ کی حالت پر شہم خود دیکھ لی اور کسی مزید
ہدایت کی ضرورت نہ تھی۔ اشارہ پاتے ہی خیمہ سے نکل گیا لیکن فوراً پلٹ آیا اور بتانے لگا "امام
بھتیجی الزمادہ سردار نقلیں اور اس کا نائب صندل آئے ہیں۔"

اس اطلاع نے شاہی مضرب (سراپردہ) میں سرگرمی کی لہر دوڑا دی۔ ومنہ نے غم سے
نہ حال ماکن کو اٹھا کر بڑے کنبے کے سہارے بٹھا دیا۔ ابن حرب خود باہر گیا اور قمر علی امام
کو لے کر آیا۔ اس کے ہمراہ قلیس بن ضمضم اور صندل بھی تھے۔ ننوں شہزادی خیمہ سے تعزیت
کرنے آئے تھے۔ قمر علی نے سند پر بیٹھتے ہی اِنَّ اللّٰہَ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابُہٗٓ الرَّحْمٰنِ پڑھا پھر کھل کر
عَلِیْہِ السَّلَام (ہر ذی حیات موت کا مزہ چکھنے والا ہے) کی آیت دہرائی اور کہنے لگا۔

"ہمیں اسامہ قطر السندی کے انتقال پر بہت افسوس ہے اگرچہ وہ ہمارے دشمن کی
حرم لیکن آپ کی بھتیجی اور ایک مظلوم لڑکی تھی جسے فضا و فذر سے بدلوں دھکیں دیا وہ اپنے
باپ اور بھائی کی ناگہانی موت کے صدمے برداشت نہ کر سکی۔ الزمادہ میں کبھی خوش نہ تھی
کیوں کہ مصر کے بارے میں عباسی امرا کی باتیں اس کے لیے تکلیف دہ تھیں۔ اگر خمارویہ اس کا
رشتہ ہمارے بھائی خیمہ کے لیے منظور کر لیتا تو اس کی زندگی بغداد سے زیادہ خوش گوار گزرتی
اور عمر طویل ہوتی لیکن آپ کے بھائی نے لڑکی کو سیاسی مصلحت پر قربان کر دیا ہم مظلوم کے حق میں
بخشش کی دعا کرتے ہیں۔"

یہ عجیب بات ہوئی تھی کہ خمارویہ الزمادہ کی بلاکت پر آقا حسین پر سادہ بنے بنی کلب

اور پیادگی منتی سے مخمور راتی اور ابن حرب پر جا دو کر دیا کرتی تھیں۔ یہ لڑکی آگ سے علی جا رہی تھیں
 غیور اور دیر قبل جب شہزادی اسماء قطر الندی کے انتقال کی خبر سنی تو مارے حد سے جسم ٹھنڈا ہو
 گیا تھا لیکن اب حالت تبدیل ہو گئی اور بدن آگے کی طرح دکھ رہا تھا۔ ابن حرب نے پرتوشی نظر
 سے اس کی طرف دیکھی اور حیرت کے لمحے میں بولا۔

”ہم انھیں قریب آتیز بند ہے۔ یہ ایک ایسا اتنی حرارت کیسے ہو گئی؟“

مارے تپ کے اس پر ہم بیوشی سی طاری ہو رہی تھی۔ آہستہ سے بڑبڑاتی۔ ہم اپنے
 جاندان کے دکھوں کی آگ میں جل رہے ہیں۔۔۔۔۔“

ساتھ ہی زبان بند ہو گئی۔ کچھ اور بھی کتنا چاہتی تھی لیکن بخار کی غشی غالب آگئی اور اپنی
 بات پوری نہ کر سکی۔ اس کی حالت دیکھتے ہی ابن حرب نے فوراً غلام کو مردار قلیص بن ختمم کی طرف
 دوڑایا کہ قبیلے کے حکیم کو لے آئے فسطی بن کثیر دمنہ سے کہ کپڑا پانی میں بھگو کر اس کے ماتھے
 پر رکھے اور خود اسے ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگا۔

حکیم کے آنے تک خیم کی حالت مزید خراب ہو گئی۔ اس نے آتے ہی نبض دیکھی اور کہا ”صفر
 ہے زرد رنگ کا لڑکا پانی جو جگر دپتے ہیں رہتا ہے گرم ہو گیا ہے جس سے بدن میں حرارت بڑھ گئی
 ہے اس کے علاوہ دل پر اچانک صدمے کی ضرب لگنے سے طبیعت یک سخت خراب ہو گئی ہے۔“

ابن حرب نے تباہ شہزادی خیم نے اپنی بھیجی قطر الندی کی موت کا غم کیا ہے جس کی خبر بھانپ
 علی حکیم اس خبر کے متعلق کچھ نہیں جانتا تھا۔ تعجب سے بولا ”شہزادی قطر الندی تو خلیفہ معتضد کی
 حرم اور ابھی نوجوان ہی تھیں۔“

”موت پوڑھوں، لوجہ الزن اور بچوں میں نمیر نہیں کرتی قطر الندی کو جوان باپ اور نوجوان
 بیٹی کا غم کھایا اور شہزادی خیم اپنی بھتیجی کی اچانک موت کا صدمہ برداشت نہیں کر سکی۔“
 ”اسی لیے صفر آئے ساتھ ضعف قلب بڑھ گیا ہے۔“ پھر حکیم نے اونٹ کی کھال کا تھیلہ کھول
 کر کچھ دوائیں نکالیں اور کہنے لگا ”صفر کا حمل بھی شدید ہے اور دل کا ضعف بھی میں دونوں
 امراض کی دوا سے رہا ہوں لیکن دل کا صدمہ دور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہوش میں آنے
 کے بعد شہزادی صاحبہ کے ساتھ ایسی باتیں کہیں جن سے یہ خوش ہوں اور دل کا صدمہ دور ہو
 سکے۔“

”پھر اس نے شہزادی کو لطف سسٹا کیا جس سے یہ ہوشی ٹوٹی اور وہ ہوش میں آگئی ساتھ

قرمٹی کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ ”ہمارا خیال ہے جب آپ
 واپس جائیں گی شاید ہمارا دادا سلیمان بن عامر آپ کو مصر کے حالات سے آگاہ کرے اور ملاقات
 کی کوئی تدبیر بھی نکالے۔ سلیمان جانتا ہے آپ کو اپنے عزیزوں سے کب اور کہاں ملنا چاہیے۔“
 اس کے ساتھ ہی پھٹی قرمٹی جانے کے لیے کھڑا ہو گیا۔ اس کے ساتھ سردار قلیص بن
 ختمم اور اس کا نائب صندل بھی اٹھے ماضوں نے شہزادی خیم سے تعزیت کی اور کہا کہ جب تک
 طبیعت ٹھیک نہ ہو وہ سفر نہ کرے۔ درندہ صحرائے سفر میں طبیعت کے مزید ناساز ہو جانے کا اندیشہ
 ہے۔ پھر سردار قلیص ابن حرب سے کہنے لگا۔ ”سارہ کا صحران بڑا کسبج ہے اور اپنے بھائیوں
 کے لیے ہمارے دل اس صحرائے بھی زیادہ فراخ ہیں۔ آپ جب تک چاہیں یہاں
 قیام کریں۔“

ابن حرب جانتا تھا کہ جنگ میں عباسی لشکر کی ایک ماہ کی رسد تک ٹوٹ لی گئی ہے بنو قلیص
 پر شاہی قبائل کی دو چار یوم مزید اقامت بار نہیں ہو سکتی۔ اس نے سردار کی ہمان نوازی کا شکریہ
 ادا کیا اور کردار شہزادی کی طبیعت سنبھلتے ہی ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔
 پھر ان کے ساتھ صیغے سے باہر آیا جہاں قرمٹی کا محافظ صادم اس کی مخصوص سائڈنی کے
 ساتھ موجود تھا لیکن ناتنے پر سوار ہونے سے پہلے صاحب القاتر نے ابن حرب سے علاحدگی
 میں چند باتیں کہیں پھر اُن غشی پر سوار ہوا اور شہزادوں کے آگے آگے صحرائی بچوں کی طرح اپنی
 اہل بارگاہ کی جانب روانہ ہو گیا۔



ابن حرب خیمے کے بڑے کمرے میں لوٹ کر آیا تو شہزادی خیم کی طبیعت کچھ دیر سنبھلنے کے
 بعد پھر خراب ہو چکی تھی اور دمنہ ٹپکے سے ہو کر رہی تھی۔ صحرانے سارہ کے آسمان پر چھینے والا
 سورج اگرچہ مغربی صحرائوں کا رخ کر چکا مگر اپنی تپش سارہ میں چھوڑے جا رہا تھا جس سے
 سہرا پردہ کے پار جاتی کمرے آگ کی طرح تپ رہے تھے اور اس آگ سے شہزادی خیم کا جسم بھی
 تپ رہا تھا۔ ایک تپ جسم پر تھی اور ایک تپ جسم کے اندر تھی جو بنی طولون کا غم بن کر رگ و پے
 میں دوڑتی پھرتی تھی۔

ابن حرب نے اس کے جسم پر ہاتھ رکھا تو بخار سے لپکتا ہوا تھا اور غلانی آنکھیں جو محبت

(۶۱)

پچھڑے عزیز

○

واپسی کے سفر میں کوئی خلاف معمول واقعہ پیش نہ آیا۔ سردار نعمان نے جو اس سفر میں فوجی قافلہ کا رہنما تھا۔ واپسی کے لیے بھی دو منزلہ انجنل کر چھوڑ کر رفاہ کار استہد اختیار کیا اور عرب کے سرحدی صحرانوردوں کے حجر کے علاقے میں داخل ہوا۔ یہ سفر تھا کہ دینے والا تھا مگر ضروری تھا کہ سفر فوجی چھاؤنیوں سے ہٹ کر کیا جائے۔ بیس یوم کے بعد وہ بادیہ شام کے حاشیے بنی کلب کی صحرائی بستی میں پہنچ گئے۔ جہاں ان کا شاندار استقبال ہوا۔ بفریوں اور دھاموں سے صحرائی فضا گورج افنی سردار نعمان نے اپنی کامیاب واپسی کی اطلاع پہلے ہی بنی کلب میں بھیج دی تھی اور قبیلے کے مرد و زن ابوغلام کے اشارے پر استقبال کے لیے جمیوں سے نکل آئے تھے۔

شہزادی نجم اور ابن حرب کے ایما پر دوسرے قبائل کو دروزی کلب ہی میں گھرنا پڑا۔ انھیں بیانات دی گئیں ان کی لشکر کی تربیت کو خارج تھیں اور کیا گیا جس کے باعث اسامہ کی جنگ جیتی گئی تھی۔ شہزادی نجم اور ابن حرب کو یہ سن کر بڑی خوشی ہوئی کہ ان کی عدم موجودگی میں ابوغلام نے شامی قبائل کو صحرائی جنگ لڑنے کی مزید تربیت دی ہے اور انھیں وہ حربی گر بھی سکھائے ہیں جو دشمن کو ہراساں کر دینے اور جنگ میں کامیابی کا ذریعہ بنتے ہیں۔

یہ سب باتیں انھیں سردار نعمان کے نائب سے معلوم ہوئیں جس نے یہ بھی بتایا کہ ابوغلام نے شامی قبائل میں ایک نیا دلولہ اور جویش پیدا کر دیا ہے اور بارہ ٹیلیس کے گرد رہ رہے ہوئے ہیں۔ شہزادی نجم نے ابوغلام کو تحسین کی نظروں سے دیکھا اور مہمان قبائل سے کہا کہ وہ اپنے صحرائی مسکنوں میں جا کر

مفوح قلب کو ایک خوراک پلائی اور کینز کو مہبت کی کہ شام کی دوام ایک پہر کے بعد دی جائے اگر نیل کم نہ ہو تو ماٹھے پر گینا کھڑا رکھا جائے۔ پھر شہزادی سے مخاطب ہوا: ”ذکواتہ المبرکات العلیل“ لیکن بیکل ذکواتہ (بیماریاں بدن کی رکواتہ ہوتی ہیں لیکن ہر بیماری کے لیے دوا ہے) مفوح قلب کی پہلی خوراک پینے ہی نجم کے ڈوبنے والی کو کچھ سہارا ملا اس نے حکیم کی بات خود سے سنی جو کہ رہا تھا: ”آپ تو صحرائی جان ہیں مکہ صحرا ہیں اور یہ صحرائی تپ آپ کے بدن کی رکواتہ ہے انشاء اللہ آپ کل ٹھیک ہو جائیں گے۔“

اس نے صفر کے مہینے کی ایک خوراک بھی کھائی اور کہا: ”میں غشاء سے قبل ایک بار پھر دیکھنے آؤں گا۔“ اور اجازت لے کر چلا گیا۔ حکیم کی دوا کے ساتھ اس کی گفتگو میں بھی بڑی تاثیر تھی جس سے شہزادی نجم کی طبیعت سنبھل گئی۔ پھر ابن حرب نے خوش خبری سنائی کہ امام نے سلیمان بن عامر کی طرف ناصد بھیجا ہے کہ وہ طوفانی عریزوں سے اس کی ملاقات کا بندوبست کرے۔ یہ شہزادہ تمام دواؤں سے زیادہ نفوذ اثر ثابت ہوا اور غشاء سے قبل جب حکیم دوسری بار دیکھنے آیا تو شہزادی کا آدھا بخار اتر چکا تھا۔

اس اثنا میں سردار نعمان اور شام کے دوسرے قبائلی سردار بھی تعزیت کے ساتھ ساتھ بیات کے لیے آئے کیوں کہ سفر مہم جو چکا تھا اور شہزادی اسامہ قطر اندی بنت خمار ویر کے انتقال کی خبر سب نے سن لی تھی۔

دوسرے روز شہزادی نجم کی تپ جانی رہی لیکن کمزوری دور نہ ہو سکی رشی قبائل کو مزید چار یوم بنو ظہیر میں رکھنا پڑا۔ قریبی امام نے شہزادی کی صحت و سندرستی نیز ہر آفت و بلا سے محفوظ رہنے کے لیے امام بارگاہ کی ایک حسین کثیر السی کے ہاتھ دو قدیدہ قیس سے تعلق رکھتی تھی ایک تعویذ بھی بھیجا جسے اس نے بازو پر باندھ لیا تھا پانچویں روز جب شامی قبائل نے کوچ کیا اور نجم ایل اپنے محل میں سوار ہوئی۔ یلی پھر آئی اندر یہ شہزادہ سنا کہ اس کی واپسی کا سفر ہلکا اور وہ عن قریب ایک خوش خبری سنے گی۔ لیکن ضروری ہے کہ امام کے بخشے ہوئے تعویذ کی حفاظت کرے۔

یہ پیغام سن کر شہزادی نجم نے اپنے بازو پر بندھا ہوا تعویذ دیکھا اسے عقیدت کا بوسہ دیا اور ساربان نے محل آگے بڑھایا۔



ایسا بڑی جنگ کی تیاری کریں۔ مدہ بہت جلد ابن حرب، البرغام اور سردار نعمان کے ہمراہ صحرا کا دورہ کر سکیں۔ اس ہدایت کے ساتھ نعمان قبائل کو دھت کر لیا گیا، جو اپنے عزیز و اقارب سے ملنے کے لیے بسے چین تھے۔

ابن حرب کا غلام عبداللہ سوڈانی کنیز عنبر، قاسم بن قاسم اور ان کے شتر سوار ساتھی انھیں ایک اہم مقصد کی خاطر مصر بھیجا گیا تھا۔ ابھی تک لوٹ کے نہیں آئے تھے۔ حالانکہ عراق سے شامی قبائل کی واپسی سے قبل انھیں بنی کلب میں لوٹ آنا چاہیے تھا جس سے ابن حرب اور شہزادی نجم کے ذہن میں طرح طرح کے دوسرے رینگنے لگے اور یہ نشوونما بھی لاحق ہو گئی کہ کہیں انھیں سفر میں کوئی حادثہ پیش آگیا ہو۔ کہیں حادثہ کے غدار ساتھیوں نے قافلے پر حملہ کر کے مونس اپنی گورہ کر لیا ہو اور حادثہ کا بریدہ مگر بھی زندہ آئے ہوں جسے طونئی حکمران کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا لیکن یہ سارے اندیشے اور دوسرے بے کثارت ہوئے۔ انھیں بنی کلب میں آئے ابھی ساتواں دن تھا کہ شام کے چھپنے میں عبداللہ کا مختصر سا قافلہ لوٹ آیا لیکن اس مختصر قافلے میں دس اونٹوں کا اٹھانہ ہو گیا تھا، جو مصری سوغاتوں سے لدے ہوئے تھے اور سوغاتوں سمیت وہ اونٹ بھی تحفے میں آئے تھے۔

ابن حرب نے خود آگے بڑھ کر اپنے غلام عبداللہ کا استقبال کیا، دمنے سوڈانی کنیز عنبر کو محل سے اتارا، جو اپنی کباب واپسی پر بے حد خوش تھی۔ سردار نعمان، قاسم بن قاسم کے ساتھ اونٹوں سے نکلتے اتروانے میں مصروف ہو گیا اور ابن حرب عبداللہ، عنبر اور دمنے کے ہمراہ شہزادی نجم کے پاس پہنچ گیا جو اپنے مصرب (سراپردہ) کے کمرو ملاقات میں ان کی منتظر تھی۔ عنبر انے ہی شہزادی کے قدموں سے پٹ لگائی اور عبداللہ بتانے لگا کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو رہا ہے اور بنی طولون اس کی سفارت اور "کائف" نیز شہزادی صاحبہ اور میرے آٹکے بہت شکر گزار ہیں۔ "کائف" سے اس کی مراد حادثہ کا بریدہ سراور اس کا اپنی مونس تھے۔

شہزادی سراپردہ سے بنی قنطیل اور فافوس میں متعلق روشن ہو چکی تھیں، ان کی روشنی میں عبداللہ، شہزادی نجم اور ابن حرب کو بتانے لگا کہ جب وہ سوڈانی کنیز عنبر، جس نے غدار حادثہ کا سراپا بنے انھوں میں اٹھارہ کھاتا تھا اور قاسم ابن قاسم کے ساتھ جس نے حادثہ کے اپنی مونس کی ذخیرہ تھا ان کی بنی طونئی سلطان بادل بن خلویہ کے حضور پیش ہوا تو دیکھنے والے دنگ رہ گئے اور ان کے جھموں میں حیرت کی سستی دوڑ گئی۔ جب دونوں تحفے "طونئی حکمران کی خدمت میں

پیش کر دیے گئے تو مونس سلطان نے بہ آواز بلند شہزادی نجم العلیل اور امیر ابن حرب کا شکریہ ادا کیا جنھوں نے مونس اپنی کے ساتھ حادثہ کا بریدہ سر بیچ کر طونئی حکومت پر ایک ہر بانی کی تھی کہوں کہ دونوں حکومت مصر کے غدار تھے جن کی زندہ یا مردہ گرفتاری کا حکم صادر کیا جانا چاہتا تھا۔

بعد ازاں وہ ذاتی تحائف جو سلطان مصر و شام، ان کے جانشین شہزادہ شیبان، شہزادی عالیہ اور بنی طولون کے دیگر افراد کے لیے بھیجے گئے تھے پیش کیے گئے تو عدائے آفرین بلند ہوئی اور سارے تحائف نہ صرف بڑی خوش دلی کے ساتھ قبول کر لیے گئے بلکہ شہزادہ سلطان بادل بن خلویہ نے سراپا سپاس بن کر اعلان کیا کہ شہزادی نجم العلیل ہماری چھوٹی اور ان کے توسط سے امیر ابن حرب بھی ہمارے عزیز ہیں۔ انھوں نے طونئی حکومت کے ساتھ جس دوستی کا اظہار کیا ہے، ہم بھی اس کا جواب دوستی سے دیں گے۔ پھر تمام ارکان سفارت کو شاہی مہمان خانے میں ٹھہرایا گیا۔ جبکہ عنبر کو شہزادی عباسیہ کی محل میں رہائش دیا گیا۔

اس نے بتایا کہ سب لوگوں کو کئی روز شاہی مہمان کے طور پر رکھا گیا اور مصر کے آثار قدیمہ، اہرام اور فرعونوں کے یادگار مقامات کی سیر کروائی گئی۔ عنبر کے ساتھ انھوں نے وادی نیل کی بعض اہم جگہیں دیکھیں اسی لیے واپسی میں چند روز کی تاخیر ہو گئی اور جب القطار سے روانہ ہوئی تو سلطان مصر اور شہزادہ شیبان کی طرف سے تحائف سے لدے ہوئے دس اونٹ قافلے کے ساتھ روانہ کر دیے گئے۔

پہ ساری مدد واد بڑی خوش کن اور حوصلہ افزا تھی، جسے سن کر شہزادی نجم کا چہرہ قندیلوں اور شمعوں کی روشنی میں جگمگا تا رہا لیکن وہ جس پیغام جواب کی منتظر تھی، عبداللہ نے اس کے متعلق خاموشی اختیار کر لی۔ آخر شہزادی نے خود ہی دریافت کیا۔ "کیا سلطان یا شہزادہ شیبان نے ہمیں مصر میں آنے کی دعوت نہیں دی؟"

اس کے جواب میں عبداللہ نے ایک ہر بند خط شہزادی کی طرف بڑھادیا۔ "سلطان عالی نے بیخط آپ کے لیے دیا تھا شاید اس میں حضور کو مصر آنے کی دعوت دی گئی ہو۔"

شہزادی نے خط کھولا تو شہزادی نجم اور ابن حرب دونوں کے نام تھے۔ جس میں حادثہ کے سراور اس کے اپنی مونس کو انقطاع بھیجنے کا شکریہ ادا کیا گیا تھا کہ اس تعاون اور دوستی کا ملکی جواب عن قریب دیا جائے گا۔ خط بہت مختصر تھا۔ شہزادی نجم کو بنی طولون کی طرف سے خصوصی سلام بھیجا گیا اور ابن حرب کو کلمہ عنبر سے یاد کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ اور کوئی بات قابل ذکر نہ تھی۔

اس خط سے کہیں زیادہ ہارون بن خازویہ کے وہ الفاظ مسرت بخش تھے، جن کا ذکر عبداللہ نے زبانی کیا تھا اور وہی الفاظ شہزادی نجم کی امید بن کر بن میں چکر کاٹ رہے تھے۔

عبداللہ نے اسامہ میں ہونے والی جنگ اور فتح کا ذکر مصلحتاً نہیں کیا مگر غنیمت کے کہ اس نے شہزادی عباسیہ کو بتا دیا تھا کہ وہ جنگ اُس کے آقا بن حرب اور شہزادی نجم کی قیادت میں لڑی گئی اور عباسی لشکر کو نہ صرف شکست ہوئی بلکہ وہ بہت بڑی تباہی سے دوچار ہوا جس پر شہزادی عباسیہ پر حیرت کا ایک سکہ گزر گیا اور وہ اُس سے بادیہ نشین قبائل کے بارے میں سوال کرتی رہی۔

شہزادی جس بات کی توقع عبداللہ سے کرتی تھی، اس کی گرہ غنیمت نے کھولی اور بتایا کہ وہ قطیف میں تھی جب شہزادی اسامہ قطر اندلی کے انتقال کی خبر پہنچی اور سلطانی محلات میں کہرام مچا ہو گیا۔ تب اس نے شہزادی عباسیہ کو بتایا کہ ماکن اپنے بھائی اور بھتیجے کی رحلت پر بہت ملول اور غم زدہ ہیں اب شہزادی قطر اندلی کی وفات پر نو حکماء مل گئے۔ وہ انھیں مصر میں بلا کر اپنے سینے سے کیوں نہیں لگا لیتیں تاکہ اُن کے دکھوں کا بوجھ دوسرے جس پر شہزادی عباسیہ نے جواب دیا تھا۔ ”غنیمت تمھاری ماکن ایک طوطی خاتون کی حیثیت سے جب چاہے یہاں آسکتی اور بنی طولون سے مل سکتی ہے لیکن اب وہ بادیہ نشین قبائل کی حکمران ہے، جو خلافت عباسیہ کے خلاف برسرِ پیکار ہو چکے ہیں۔ اس کا ”مکہ صحرا“ کی حیثیت سے مصر میں آنا مناسب نہیں ہوگا کیوں کہ بنی طولون عباسیوں کے ساتھ معاہدے میں بندھے ہوئے ہیں۔“

اس گرہ کے کھٹنے ہی شہزادی نجم اہلیل بڑے اضطراب میں مسند سے اٹھ کر فرش پر گر گئی۔ اور ابن حرب سے مخاطب ہوئی ”ہم طوطی خاتون بھی ہیں اور ”مکہ صحرا“ بھی کیا ہماری ان حیثیتوں کو الگ الگ کیا جاسکتا ہے؟“

”نہیں، ناخوش گوشت سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔“

”مگر تم نے ہمیں خوش خبری سنائی تھی کہ سلیمان بن عامر کو بنی طولون سے ہماری ملاقات کرانے کی ہدایت کی گئی ہے۔“

”مقالا اس کا اسی وقت نہیں آیا۔“

شہزادی نجم کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی پھر اچانک بولی ”ابن حرب! ہم اپنے عزیزوں سے جب بھی ملیں گے طوطی خاتون شہزادی اور مکہ صحرا کی حیثیت سے ملیں گے۔“

وہ بائیں طرف بنی طولون اور بنو عباسیہ میں ہونے والا معاہدہ اس ملاقات کی راہ میں حائل ہو

رہا ہے۔ اب وہ صرف ایک طوطی خاتون ہی نہیں بلکہ کچھ اور بھی تھی، جس طرح چند صدیاں قبل مکہ صحرا الزبائون نے اپنے عہد کی سب سے بڑی سلطنت روما کے خلاف اپنی آزادی کی جنگ لڑی تھی اسی طرح وہ بادیہ نشین قبائل کی حکمران اور ”مکہ صحرا“ بن کر اپنے عہد کی عظیم دولت عباسیہ سے برسرِ پیکار ہو چکی تھی اور اپنی یہ حیثیت کسی صورت ترک کرنے پر آمادہ نہ تھی۔ یہ اس کا خواب تھا جس نے حقیقت کی شکل اختیار کر لی اور وہ خواب کو حقیقت سے الگ نہ کر سکتی تھی۔

ہارون بن خازویہ کا جواب بے شک حوصلہ افزا تھا کہ وہ شہزادی نجم اور ابن حرب کو اپنا عزیز سمجھتا ہے اور اس دوستی اور تعاون کا عملی جواب دے گا جس کا اظہار ان دونوں نے کیا تھا لیکن بحالت موجودہ وہ انھیں مصر آنے کی دعوت نہیں دے سکتا تھا۔

شہزادی نجم کو اپنے عزیزوں کی رحلت کا دکھ تھا۔ بنی طولون کی مصیبت اور ان کے گرد چکر لگانے والے حوادث کی پریشانی تھی۔ وہ ان کے دکھ بانٹنا اور اپنے دکھ کا اظہار کرنا چاہتی تھی لیکن مصر کے راستے پر عباسیہ کا معاہدہ یا نحو خلیفہ معتضد کا اٹھا، جو اُسے اپنے عزیزوں کی ملاقات سے روک رہا تھا۔ اب اُسے وہ کہہ کر محرم بھائی خازویہ بن جیش پر غصہ آتا، جس نے معرول خلیفہ معتضد کے خون کا قصاص لینے اور عراق پر حملہ کرنے کی تجویز مسترد کر کے بغداد سے دستِ کام معاہدہ کر لیا تھا۔ اگر ابن حرب کے لیے جنگ کا جھنڈا باندھا جاتا تو حالات کی صورت یقیناً کچھ اور ہوتی، جب وہ خازویہ اور جیش اور قطر اندلی کی پے درپے اموات پر غور کرتی تو حد سے دل بھر آتا اور اپنے عزیزوں سے ملنے کے لیے تڑپ اٹھتی۔

اس نے بنو عباس سے دشمنی مول لے کر اپنے چہرے پر فرخ کا سہرا ضرور بچالیا تھا، لیکن اس سہرے کی چلیں سے اُس کے خاندان کے غموں اور دکھوں کی سختی بھی جھانک رہی تھی اور خود حالات کی ایسی گردش سے دوچار تھی، جو اُسے مصر کی طرف قدم اٹھانے کی اجازت نہ دیتی تھی پس دل مسکس کر رہ گئی اور بولی۔

”ابن حرب! معتضد ہمارے راستے کی دیوار ہے ہم اس دیوار کو گرا دیں گے یا خود گر جائیں گے۔“

وہ نسلی کے لیے میں کہنے لگا ”کسی دیوار کو گرانے کے لیے پیسے اس میں رخنہ پیدا کیا جاتا ہے اور اس رخنے کی ابتدا ہو چکی ہے۔“

نجم اہلیل نے کوئی جواب نہ دیا وہ بیک وقت دو کیفیتوں سے دوچار تھی۔ ہارون بن خازویہ

سے معروف اور وابستہ کے علاوہ زیادہ تر بحریں کے علاقے میں آباد تھا۔ شہزادی نجم نے قرطبی امام کے تعین کے ساتھ اس کی حسین صحرانی کینز بیٹی کا نام بھی اپنے لیے مبارک سمجھا اور اسی روز ہی کلب کی ایک کینز کا نام بیٹا رکھ دیا، جو اس کی خدمت پر مامور تھی۔

چاندی کی رو میں تاریخ میں ابھی پندرہ سو لکھ دن باقی تھے ماس عرصے میں اس نے قریبی قبائل کی طرف بیز رفتار قاصد بھیج کر چیدہ چیدہ سوا بلایے جو اسماہ کی جنگ میں شریک ہوئے تھے۔ نئی کلب کے رسالے سے بھی پچاس کے لگ بھگ ایک تاز سوا منتخب کیے گئے۔ یہ سب کچھ اس نے ابن حرب کی ہدایت پر کیا، جو سلیمان بن عامر کا اشارہ سمجھتا اور جانتا تھا کہ عربیوں کا کارواں ہر آٹے میں اسے طوفانی حکمران کے ساتھ کس طرح ملنا ہوگا۔

عربوں کے سفر میں رسالے اور چیدہ چیدہ شتر سواروں کے علاوہ تین کینز، بنو عتیر، دمنہ اور بیلی بھی اس کے ساتھ جاری تھیں۔ سردار نعمان خود بھی کلب کے رسالے کی کمان کر رہا تھا۔ شتر سواروں کی سرکاری ابن حرب کے غلام عبداللہ کے سپرد ہوئی اور قاسم ابن قاسم کو اس کا نائب مقرر کیا گیا۔ کیونکہ شتر سوار دو دستوں پر مشتمل تھے۔

چاندی کی چھٹی تاریخ کو (نئی کلب سے عربوں کی مسافت چھ سات یوم کی تھی) شہزادی نجم اور ابن حرب پورے صحرانی ترک (واقعہ) کے ساتھ نئی کلب سے روانہ ہوئے (پہلے کی طرح ابو قاسم ایک بار پھر ان کا قائم مقام تھا) یہ روانگی فی الواقع ایک ملکہ صحرانی رو آگئی تھی جس کے عقب میں رسالے اور شتر سواروں کے حبش حرکت کر رہے تھے، ان کی تعداد پانچ سو کے لگ بھگ تھی۔



کئی سال کے بعد شہزادی نجم اور ابن حرب عربوں کے ساحلی شہر میں داخل ہوئے جو بحر کا دروازہ کہلاتا تھا اور جہاں سے فسطاط، بقرہ (طرابلس)، قیروان، فلسطین اور شام کی طرف راستے نکلتے تھے۔ یہ محض اتفاق تھا یا سیدنا بن عامر کی حکمت عملی تھی کہ طوفانی حکمران ہارون بن قاسم اپنے قدم و حشم کے ساتھ پہلے ہی دربان پہنچ چکا تھا۔ ویسے بھی اس کی حیثیت میزبان کی تھی اور (پچھلے صفحہ کا حاشیہ)

بعد ازاں قبیلہ قیس قرطبی کی درمیانی تحریک میں شامل ہو گیا تھا جس کا سربراہ ابو سعید بن ابی تھا۔ جس نے بحریں میں قرطبی کی الگ ریاست اور حکومت قائم کی تھی (قرطبیوں)

کے پیغام اور تحالف کی خوشی بھی تھی اور اپنے عزیزوں سے مل سکے کا غم بھی تھا۔ خود بھی رجسٹریوں کی مالک تھی، جن سے اس کا وجود قائم تھا۔

مصر سے آنے والے تحالف میں بنی کلب کے سردار نعمان کے علاوہ ان ارکان و فدکا بھی حصہ تھا، جو عبداللہ کی سرکردگی میں مصر گئے تھے مگر شہزادی نجم اور ابن حرب نے چند خاص سوختیں اپنے پاس رکھنے کے بعد تمام تحالف بنی کلب میں تقسیم کر دیے اور انھیں بنی طورون کی دوستی کا احساس دلایا۔ وہ مصر کے ٹائف حاصل کر کے بڑے خوش ہوئے لیکن یہ بات ان کے لیے بھی پریشانی کا باعث تھی کہ ان کی محبوب ملکہ اپنے عزیزوں کی تعزیت کے لیے مصر نہیں جاسکتی کیوں کہ وہاں ہی اس کا راستہ روکے کھڑے ہیں۔



عبداللہ کی مصر سے واپسی پر ایک مینا بھی نہیں گزرا تھا کہ عربوں کی کارواں سرانے سے سلیمان بن عامر کا قاصد پیغام لے کر آیا کہ طوفانی حکمران ہارون بن قاسم سے شہزادی نجم اور ابن حرب کی ملاقات کا انتظام کر لیا گیا ہے۔ چاندی کی گیارہویں تاریخ کو یہ ملاقات عربوں کی کارواں ہارون میں ہو گئی طوفانی سلطان کے ہمراہ شہزادی عباسیہ اور شہزادہ شہباز بھی آئیں گے۔ سرانے دار نے اپنے قاصد کے ذریعے تاکید کی تھی کہ شہزادی نجم "ملکہ صحرانی" کی حیثیت سے عربوں کا سفر کرے۔

شہزادی نجم کے لیے یہ پیغام دوسری خوشی کا باعث ہوا اپنے عزیزوں سے ملاقات بھی ہو رہی تھی اور اس کی وہ حیثیت یا شخصیت بھی قائم رکھی گئی تھی، جس کے اس نے خواب دیکھے اور جو خواب حقیقت میں ڈھل گئے تھے۔ قرطبی امام کی بشارت پوری ہونے والی تھی جو اسماہ سے روانگی کے وقت قبیلہ قیس کی حسین کینز بیٹی نے اسے پہنچائی تھی کہ وہ ابن قریب ایک خوش خبری سنے گی اور ساتھ ہی تاکید کی تھی کہ امام کے بچنے ہوئے تعویذ کی خاص حفاظت کرے گویا وہ تعویذ ہی اس کے لیے کامیابی کی کلید تھی۔

سلیمان بن عامر کا پیغام سننے کے بعد جہاں سے بنو قلیص کی بیٹی باورائی واپس نے اپنے بازو پر بندھے ہوئے تعویذ کو بھی دو تین بار چوما جس کی برکت سے وہی مراد پوری ہو رہی تھی۔ اسے بیٹی نام بہت پسند تھا۔ یہ ام بھی قابل فکر ہے کہ قبیلہ قیس کی اکثر لوگوں اور عورتوں کا نام بیٹی تھا جبکہ اس قبیلہ کا قیس عامری کے قبیلہ بنو عامر سے کوئی تعلق نہ تھا بلکہ قبیلہ قیس اپنے جدِ اعلیٰ کے نام (عامر) کے تھے۔

مہانوں کے استقبال کے لیے اُسے عزتیں دیں موجود ہونا چاہیے تھا۔

ابھی مشرق وسطیٰ کے آسمان پر چلنے والا سورج غروب نہیں ہوا تھا اور اس کا سنہرا قرص
عربستان کے مغربی نخلستان اور ان سے پرے بحیرہ روم (البحر المتوسط) کے پانیوں پر اپنی قمیضی شعاعیں
بکھیرنا ہوا مغربی افریقہ کی سرخ دہلیز پر قدم رکھ چکا تھا کہ نجم اور ابن حرب، کبلی رسالے اور صحرائی
شتر سواروں کے ہمراہ عربستان کی کاروں سرائے کے باہر گئے، جہاں یزید بن مہرہ محافظوں، اپنے
خاص غلاموں اور سرائے کے خادموں کے ساتھ موجود تھا۔ اُس نے، اُس کے ہمراہیوں نے صحرائی
مہانوں کی آمد کا یہ منظر دیکھا تو حیرت زدہ سے رہ گئے۔ شہزادی نجم اور ابن حرب کی آمد کسی صحرائی قبیلے
کے سردار کی سی نہیں بلکہ صحرائی حکمرانی کا اعلان کر رہی تھی۔

ابن حرب اپنے گھوڑے سے اُترا۔ شہزادی نجم اہل محل سے نکلی جیسے عنبر، دمن اور پلانی نے
اپنے حلقے میں لے لیا تھا تو سلیمان بن عامر اپنے خادموں، کینیزوں کو لے کر جن میں مصری کینیز مسلمانہ پیش
پیش تھی، پیشوائی کے لیے آگے بڑھا۔ دوسری طرف سے نوجوان سلطان ہارون بن خالد یہ جس کے
دائیں بائیں شہزادی عباسیہ اور شہزادہ شیبان تھے، اس محل کی جانب ہو گیا، جس سے نجم اہل
انزلی تھی۔

نجم نے اپنے جینے کو عباسیہ اور شیبان کے ہمراہ آتے دیکھا تو دل میں جذبات کا دھارا سیلاب
کی پھری ہوئی موجوں کی صورت ٹھٹھا مارتا بہہ نکلا۔ کینیزوں کا حلقہ توڑ کر سورج منظر کی طرح لپکی۔
نما شنائی آداب کو بالائے طاق رکھ کر ہارون سے بیٹ گئی اور اپنے محرم بھائی کے بیٹے پر بوسوں کی
بارش کر دی۔ کئی سال کے بعد، یزیدوں سے ملی تھی، پورے جسم میں جذبات کا دھارا چل رہا تھا۔ قہمی
کنشش اور ان حادثات کی لہر سے جو خمار وہ پیش اور قطر الذی کو بہا کرے گی فقی آنکھوں میں آنسو
اُمڈائے جنھیں وہ روکنے پر قادر نہیں تھی اور ہارون کو اپنی بانہوں میں لیے زار و قطار رونے لگی۔
وہ بھی ایک بچے کی طرح اُس سے پٹنا آنسو بہا رہا تھا۔ شہزادی عباسیہ اور شہزادہ شیبان نجم کی
سسکیوں اور ہچکچوں کو آواز سن رہے تھے۔ اُن کی آنکھیں بھی بھگینے اور جینے لگیں۔

ملاقات کا یہ منظر ایسا دل گداز تھا کہ جس نے بھی دیکھا اپنے آنسو ضبط نہ کر سکا۔ دردِ غم کی
چادر نے سب کو ایک ساتھ لپیٹ لیا تھا۔ نجم نے ہارون کو چھوٹا تو شہزادی عباسیہ سے لپٹ گئی، جس
کا دل پہلے ہی ٹھنڈا تھا پھر جس طرح وہ بھڑکی ہوئی عورتیں ملتی ہیں وہ بھی ملیں اور دونوں روتی،
سسکتی رہیں۔ شیبان سے طالب کا منظر زیادہ ہی المناک تھا۔ نجم اہل آنسو بھائی کے

ہاندلوں میں لپکتی۔ وہ اس بات پر نادم تھا کہ بہن کا عقد حادثات بوقطر جیسے نمک حرام سے کرنے پر
آمادہ ہو گیا، جس نے آخری طوں سے غداری کی اور اپنے انجام پر بچا۔ اس سے بگڑتی ہوئی بہن کو
سنجھالا۔ آنسو پر پچھے اور گلوگیر آوازیں بولا۔ ”نجم! تم انھارے مصر سے چلے جانے کے بعد بہت
کچھ جانتا رہا۔“

نجم اہل کی حالت کچھ سنبھل گئی تھی۔ اپنے عزیزوں سے مل کر اور مرنے والوں کی باڑی
رود و درو کر دل کا بوجھ کچھ کم ہو گیا تھا۔ کہنے لگی ”بھائی شیبان! ہم اسی آدمی کے ساتھ گئے تھے
جس کا انتخاب ہم نے خود کیا اور وہ نئی طوں کا خیر خواہ ہے۔“

اس اثنا میں سرائے دار اپنے پرستے دوست ابن حرب کو لے کر سلطان ہارون بن خالد
کے پاس آگیا۔ تعارف کی ضرورت نہ تھی۔ ابن حرب کا نام نئی طوں کے دلوں پر لکھا ہوا تھا۔ ہارون
اور شیبان باری باری اس سے بغل گیر ہوئے۔ شہزادی عباسیہ نے بھی بڑی خوش اخلاقی سے
سلام کیا اور خوش آمدید کہا۔ نجم اہل اب ابن حرب کے ساتھ آکر کھڑی ہو گئی تھی اس وقت جب
وہ دونوں نئی طوں کے نوجوان سربراہ مملکت سے مل رہے تھے، کبلی رسالہ اور قبائلی شتر سواروں
کے محافظ دہشتہ کچھ خادموں پر استنادہ تھے۔ گویا بادبہ نشین قبائل کی صحرائی قوت ان کے پیچھے
کھڑی تھی اور یہ ایک ایسا نظارہ تھا جس نے دیکھنے والوں پر صحرائی سبب طاری کر دی۔

نجم اہل کی شان ملک صحرا الزیاد سے کم نہ تھی۔ ابن حرب کی وجہ بہتوں بھی پہلے سے کچھ
اختلاف ہو گیا تھا۔ اگرچہ وہ ایک بازو سے محروم ہو چکا تھا لیکن اس نے اپنے دشمن شیبان کے درون
بازوں کاٹ کر اور اس کا سر نیز سے پرچہ ہا کر اپنا بدلہ لے لیا اور اسادہ کی جنگ جیت کر آیا تھا
اس مرتبہ شہزادہ شیبان نے طوونی سلطان کے ہمراہ بغداد سے بھاگے ہوئے ابن حرب کا نہیں
بلکہ فاتح ابن حرب کا استقبال کیا تھا، جسے ایک طوونی شہزادی اپنا رفیق حیات بنا چکی تھی۔

شہزادہ شیبان نے اس کی جرأت، ہمت، بہادری، جنگ جونی اور فکری صلاحیت پر
اکثر ہنس کھی اور نئی طوں سے ہمدردی اور خیر خواہی کا شکریہ ادا کیا۔ طوونی سلطان نے بھی اس
سات پر غیر معمولی خوشنودی کا اظہار کیا کہ اس نے نامساعد حالات میں مصر سے دوستی بنائی اور
طوونی گھرانے کو اپنا گرویدہ کر لیا ہے۔ ابن حرب کے پاس ان سب باتوں کا ایک ہی جواب تھا۔
”میں اپنی درستی کے اصول تبدیل نہیں کرتا، طاقت پر یقین رکھتا اور اسے اپنی اور
دوسروں کی حق رسی کے لیے استعمال کرتا ہوں۔“

تھے، کھاناچن دیا گیا تھا اور خادم اپنے کام سے فارغ ہو کر نیچے چلے گئے تھے۔ جب شاہی خزانہ
تیار پذیر ہوں ان کی موجودگی میں پہلی منزل پر کسی غلام یا خادم کو آنے کی اجازت نہیں تھی۔ اوپر
کی تمام خدمت گزاری کینزوں کے سپرد تھی۔ چنانچہ وہاں کے دسترخوانوں پر بیٹھے ہی سلاہ
کی گلیانی میں سرائے کی کینز اور خادما میں مہانوں کی خدمت کرنے لگیں۔

کھانا لذیذ اور شاہی مہانوں کے معیار کے مطابق تیار کیا گیا تھا جو بہت عرصے کے بعد
دسترخوان پر اکٹھے ہوئے تھے۔ اس ملاپ کی خوشی میں جس میں رنگ دالم کے بھی کئی پہرے تھے۔ سب
نے کھانا بڑی رغبت سے کھایا اور آپس میں باتیں بھی کرتے رہے۔ دسترخوان پر ایک طرف ہارون
بن خاردیہ، شہزادی عباسیہ اور شہزادہ شیبان تھے۔ دوسری طرف شہزادی نجم قلی، ابن حرب
تھا۔ سلیمان بن عامر تھا اور سلاہ غنی جو خاص طور پر پنجم اہلیل کی خدمت پر مامور کی گئی تھی تاکہ اس
کی حیثیت نمایاں ہو سکے۔

کھانا ختم ہوتے ہی خادموں نے برتن اٹھالیے۔ دسترخوان سمیٹ لیے اور سب کی سب سلاہ
کے ساتھ ہی کمرے سے نکل گئیں کیوں کہ اسی ہال ٹاکرے میں اب رہ گھسٹگو ہونے والی تھی، جس
کے لیے غریبوں کی ملاقات کا اہتمام کیا گیا تھا اور ملاقات خفیہ تھی۔ خفیہ اس اعتبار سے کہ اس
ملاقات کو بنو عباس اور ان کے ہوا خواہوں سے پوشیدہ رکھا گیا تھا۔ ہارون بن خاردیہ اپنے
محافظ دستے میں بھی کسی ایسے آدمی کو ساتھ لے کر آیا تھا جس کے متعلق یہ اندیشہ ہو سکتا کہ وہ اس
ملاقات کا ذکر کسی سے کر دے گا۔ کارواں سرائے کے غلاموں، خادموں، کینزوں اور دیگر تمام افراد
کی نومداری سلیمان بن عامر پر تھی۔ ہارون اور شیبان کو سرائے دار پر مکمل اعتماد تھا کہ وہ اس
ملاقات کو صیغہ راز میں رکھے گا۔ البتہ طوطی سر ملکہ کو شہزادی نجم اور ابن حرب کے رسالے اور شہزادہ
دستوں پر تشویش لاحق ہو گئی تھی کہ عربیوں کے لوگوں نے انھیں صحرائی جیش کے ساتھ آتے دیکھا ہے
تاکہ سلیمان بن عامر نے یہ کہہ کر اس کی تشویش دور کر دی تھی کہ کارواں سرائے میں تجارتی اور فوجی
قافلے آتے جاتے رہتے ہیں اور لوگ ان پر توجہ نہیں دیتے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ خود ہارون بن خاردیہ بھی سفر دمشق کے زمانے عربیوں میں ٹھہرا اور
وہاں سے اسے شام ہی کی جانب سفر کرنا تھا۔ دمشق کے حامل طبع بن جف کو اس کے آنے کی اطلاع
ہو گئی تھی۔ طوطی مصلحت کا تقاضا تھا کہ ملاقات اخفا میں رہے لیکن سلیمان بن عامر نے شہزادی
نجم کو "مکہ صحر" کی حیثیت سے صحرائی شان و شکوہ کے ساتھ آنے کا اشارہ دیا تو اس میں قرامطہ

بھروسہ شیبان سے مخاطب ہوا۔ "آپ نے چند سال قبل اسی کارواں سرائے میں مجھ سے
دوستی کا تعلق قائم کیا تھا۔ اس وقت میں پناہ اور مدد کا محتاج تھا مگر آج میں اپنی کھوئی ہوئی طاقت
دوبارہ حاصل کر چکا اور آپ سے دوستی نبھاسکتا ہوں۔"

سورج مغرب میں غروب ہو چکا تھا۔ آسمان پر شفق کی سرخیاں پھیل گئی تھیں اور شام
نعم بشما پر اپنے چمکے ہوئے ڈال دیے تھے۔ سلیمان بن عامر نے نوجوان سلطان اور اس کے ساتھ
شہزادہ شیبان کو توجہ دلائی کہ اب سرائے کے اندر چلنا چاہیے تاکہ اونٹ، گھوڑے اپنے تھانوں
پر اور ان کے سوار اپنے بستر پر آرام کر سکیں۔ پھر سرائے دار معزز مہانوں کو لے کر فصیل کے
بڑے چابک سے گزرا اور سرائے کے دروازے کی طرف بڑھا۔ طوطی سلطان کے حافظ سواروں
کے علاوہ جرہارون بن خاردیہ کے معتمد غلام بدر حامی کی سرکردگی میں آئے تھے۔ کبھی رسالے اور
قبائلی شہزادوں کی آمد سے گھوڑوں، اونٹوں اور ان کے سواروں کی ایک بھیڑ جمع ہو گئی تھی مگر
ہمارے قارئین جانتے ہوں گے کہ سلطان احمد بن طولون کے عہد میں عربیوں کی کارواں سرائے ایک خاص
مقصد کے تحت تعمیر کرائی گئی تھی۔ وہاں دھرم شرق و مغرب کی طرف گزرنے والے بڑے بڑے
تجارتی کارواں ٹھہرتے بلکہ فوجی قافلے بھی پڑاؤ ڈالتے تھے۔ اس لیے سرائے کی سرمنزل عمارت میں
اگر سینکڑوں مسافروں کے قیام کی گنجائش تھی تو اصطبل بھی ایک وسیع رقبہ پر تعمیر کیا گیا تھا جہاں
جالوروں کے لیے بیسیوں چرنیاں اور پانی کی متعدد دھنیاں تھیں، اس لیے یہ بھیڑ سرائے کے
مستظہین، غلاموں، خادموں اور ہاسبالوں کے لیے کسی پریشانی کا باعث نہ تھی۔ وہ سب بڑے
بڑے تجارتی کارواں اور فوجی قافلوں کی یزبانی کا فرض ادا کرنے کے عادی تھے۔

جب معزز مہان سلیمان بن عامر کے ہمراہ سرائے میں داخل ہو گئے، جن کی خدمت گزاری
کے لیے کارواں سرائے کی حسین کینزیں بھی ان کے پیچھے تھیں۔ تب اصطبل کے کام کرنے
والے سائیسوں اور ساربانوں نے گھوڑوں اور اونٹوں کو اصطبل کی حوضیوں اور چرنیوں کی
طرف الٹ دیا اور سرائے کے غلام اور خادم ان کے سواروں کو کمروں میں لے گئے، جہاں
ایک ایک کمرے میں بیس بیس، تیس تیس آدمی قیام کر سکتے تھے۔

شہزادی مہانوں کی رہائش کا انتظام سرائے کی پہلی منزل پر کیا گیا تھا، جہاں ایک ہال ٹاکرہ
ضیانت، اجتماع یا رقص و موسیقی کے لیے مخصوص تھا۔ وہاں ہی ایک دار یا ہال نیچے بھی تھا۔ شہزادہ
کی رہنمائی میں مہان پہلی منزل کے اسی ہال ٹاکرے میں داخل ہوئے۔ وہاں دسترخوان بچھا دیے گئے

”حیرت ہے محمد بن سلیمان طوٹونی فوجوں کا سپہ سالار ہو کر طوٹونی حکومت کے خلاف سازش کرتا ہے اور ابھی تک اسے گرفتار یا ہر طرف نہیں کیا گیا“

شہزادہ شیبان نے معاملے کی وضاحت کی۔ ”نجم! وہ سپہ سالار نہیں بلکہ سلطان محمود کے زمانے سے طوٹونی افواج کا بخشی (فوج) تو تھا ہیں باتیں سننے والا) بھی چلا آتا ہے اور سارا فوجی دفتر اس کی تحویل میں ہے۔ سلطان معظم کے حکم سے فی الحال اس سے بخشی خاں (متنوع) ہیں تقسیم کرنے والے دفتر کا انتظام واپس لے لیا اور اب اہم پہلی کے سپرد کر دیا گیا ہے۔ بخشی خاں کا انتظام ہاتھ سے سنبھالنے پر وہ چونک گیا اور گھبرا گیا کہ شاید سپہ سالاری کے عہد سے سے بھی الگ کیا جا رہا ہے۔ لیکن محمد بن سلیمان کو یقین دلا گیا ہے کہ مصر کو اس کی فوجی خدمات کی ضرورت ہے اور بخشی خاں کا انتظام واپس لینے کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ عسکری معاملات پر زیادہ توجہ دے سکے۔ سلطان معظم کا خیال ہے کہ بخشی خاں کی واپسی کے بعد فوج پر اس کی گرفت کم ہو جائے گی پھر اسے ہر طرف یا گرفتار کرنا مشکل نہیں ہوگا اگر اس وقت کوئی کارروائی کی گئی تو خطرہ ہے کہ اس کے حامی انسر بغاوت نہ کریں“

ابھی شیبان فوجی معاملے کی وضاحت کر رہا تھا کہ نوجوان سلطان ہارون اپنی بیوی سے مخاطب ہوا۔ ”ہمارا خیال ہے خلیفہ معظم تباہ مصر پر حملہ نہ کرے۔ یہ بات محمد بن سلیمان نے بھی محسوس کر لی اور اسی لیے بخشی خاں کا انتظام ہاتھ سے رکھ جانے پر خاموش ہو گیا ہے لیکن ہمارے ساتھ خلیفہ کارور مصر پر حملہ کرنے سے زیادہ خطرناک ہے۔ عجبیہ اور سلطان کی بجائے ہمیں ”امیر“ کے لقب سے یاد کرتے اور خلیفہ پر بھی زور دیتے ہیں کہ باہمی خط و کتابت میں ہمیں ”امیر“ ہی لکھا جائے۔“

”کیا خلیفہ نے اپنے امرا کی بات مان لی ہے؟“

”معاذ سے کے مطابق وہ ہمیں ”سلطان“ کے لقب سے یاد کرنے پر مجبور ہے کیوں کہ معاہدے میں والدہ رحمہ کو ”مصر و شام کا سلطان“ تسلیم کیا گیا تھا اور یہی لقب ان کے جانشینوں کے لیے بھی ضروری ہے اس لیے وہ ہمیں ”سلطان مصر و شام“ ہی لکھتا ہے لیکن معلوم ہوا ہے کہ شام کے صوبے قنسرين اور عوام پر دانت رکھتا اور ان علاقوں کو ہم سے چھین لینا چاہتا ہے۔“

(بقیہ پچھلے صفحے کا حاشیہ)

بڑا اہم تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ فوج کا پولہا دفتری نظام بخشی کی تحویل میں ہوتا تھا جس سے فوجیوں کے علاوہ وہ فوجی افسروں پر بھی اثر انداز ہو سکتا تھا۔ (قرآن مجید)

کی کوئی حکمت پوشیدہ تھی۔ بنی طور ان ہی کی مصر و شام میں کوئی بھی اس راز سے روبرو نہ ہوا۔ رقصا کہ نہ صرف عربوں کی کارروائیوں میں اسے قرامطہ کا ایک خفیہ اڈا ہے، بلکہ اس کا فلسطینی ملک اقصیٰ جماعت کا اہم راعی اور اتحادیوں سے لے کر ذریعہ قرامطہ تک رسائی رکھتا ہے۔ نیز وہ قبرستان میں سرگرم عمل مددی تحریک کے متعلق معلومات حاصل کرتا اور وہ معلومات رشتہ پر بولی کی باؤلی تک پہنچاتا ہے۔

عربوں کی کارروائیوں میں شہزادی نجم اور ابن حرب کی طوٹونی عزیزوں سے وہ ملاقات دراصل قرامطہ کے پراسرار مفاد کا ایک حصہ تھی، جس کے لیے سلیمان بن علی مرتے درپردہ پیش کی تھی اور اب وہ خود بھی اس گفتگو میں شریک تھا جس کا آغاز نوجوان طوٹونی حکمران کی طرف سے شہزادہ شیبان نے کیا اور اپنی پس منظر سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

”نجم! تمہاری مصر سے جدائی ایک بہت بڑا حادثہ تھا اور عربوں میں فابسی ایک بہت بڑی خوشی ہے۔ تم نے بنی طوروں کو چھوڑ کر بنی طوٹونی سے اپنا تعلق قائم رکھا۔ اگر حادثہ کا خط خلیفہ معظم تک پہنچ جاتا تو ممکن ہے وہ مصر پر چڑھائی کر دیتا اور ہم عباسی بیلیار کو زور دے سکتے کیوں کہ طوٹونی فوج کے بعض حلقے بگڑ چکے اور حبش کی زبردستی بدانت کے بعد ہمارے حالات بہت ابتر ہو گئے تھے۔ تمہارا مونس کو بغاوت جانے سے روک لینا اور حادثہ کا خط انقطاع پرچہ دینا بڑا برکت اقدام تھا جس کے لیے سلطان معظم تمہارے اور ابن حرب کے ممنون ہیں۔“

شہزادی نجم نے تباہی مونس کی گرفتاری آنفا تیرہ تھی مگر بڑی اہم ثابت ہوئی جب اس کے قبضے سے حادثہ کا خط برآمد ہوا جسے وہ خلیفہ معظم کی طرف لیے جا رہا تھا تو ابن حرب نے وہ خط سلطان کی خدمت میں بھیجا اور طوٹونی حکومت کو اس سازش سے آگاہ کرنا مناسب سمجھا۔

اس نے اپنے جنگجو اور بہادر شوہر کو بنی طوروں کا خیر خواہ اور دوست ثابت کیا اور کہا کہ بھائی شیبان! ابن حرب نے مجھ پر بہت احسان کیے ہیں۔ اسلحا وہ کی جنگ میں غلجہاٹ کا سرگرم اور وہ میر بھی اس کے اچھے مونس کے ساتھ مصر بھیج دیا گیا۔“

”مونس سے پوچھ گچھ کے بعد معلوم ہوا کہ سازش کا مرکز حادثہ ہی تھا لیکن اسے محمد بن سلیمان اور کچھ فوجی سرداروں کی حمایت حاصل تھی۔

ابن خلدون اور ابن اثیر نے لکھا ہے کہ محمد بن سلیمان طوٹونی افواج کا بخشی بھی تھا اور یہ عہدہ (باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

وہ قسمرین اور عوام کے شاہی علاقوں کو جویرہ سے ملا کر ایک بڑی ریاست بنانے کا ارادہ رکھتا اور اس کی حکومت اپنے بیٹے عبدالرحمن علی کے سپرد کر دینا چاہتا ہے تاکہ قسمرین میں بیٹھ کر وہ ہمارے شاہی علاقے کی نگرانی کر سکے۔

نجم ایل ابن حرب اور سلیمان بن عامر کے لیے یہ اطلاع حیرت انگیز تھی۔ شہزادی نجم کیسے لگی "اس کا مطلب یہ ہے جھگڑے کی بجائے وہ سیاسی مداخلت کے ذریعے شام کو غصب کرنا چاہتا ہے پھر وہ مصر پر بھی قبضہ کر سکے گا۔"

"اُس نے جنگ کی بجائے ہمارے ساتھ سیاسی بساط بچھائی ہے مگر ہم قسمرین اور عوام کے علاقوں سے دستبردار نہیں ہونا چاہتے۔"

"پھر خلیفہ کیا کر سکتا ہے؟"

"یہ معاملہ خطرناک صورت اختیار کرنا ہمارے لیے ہے۔" ہارون مایوسی کے لہجے میں بولا۔

"قسمرین شام کا سرحدی صوبہ ہے جس کے خطہ برقیطنی علاقے سے ملتے ہیں۔ معتضد ابوعباس نے عذر نکالا ہے کہ سرحدی علاقوں میں عیسائیوں کی تاخت کو روکنے اور رومیوں سے جہاد جاری رکھنے کے لیے اس علاقے پر سپاہ خلافت کا قبضہ ضروری ہے۔"

شہزادہ شیبان نے ہارون کے بیان میں اضافہ کرتے ہوئے بتایا "خلیفہ بڑی گہری چال چل رہا ہے۔ اگر شاہی علاقوں کو عباسی سلطنت کے ساتھ الحاق سے روکا گیا تو بنو عباس ہم پر جہاد میں مزاحمت کرنے کا الزام دھریں گے۔"

اس اعتبار سے معاملے کی صورت فی الواقع بڑی خطرناک تھی۔ شہزادی نجم نے کچھ سمجھ کر کہا۔ "آپ کو بھائی محمد بن عمرو سے مشورہ لینا چاہیے۔ وہ سرحدی علاقوں کے حالات بخوبی سمجھتے اور رومیوں کے معاملات سے بھی آگاہ ہیں۔"

"نجم! معاملہ بڑا بے محسب ہے۔ خلیفہ جہاد کی خاطر قسمرین اور عوام کا الحاق چاہتا ہے۔ محمد بن موسیٰ اسے کیسے باز رکھ سکتا ہے؟"

محمد بن موسیٰ بن طلحہ، سلطان خوارزمیہ کا چا زاد بھائی اور اس کے بعد حکومت میں سرحدی علاقے طرطوس کا والی تھا جو سیشیا کا شہر تھا لیکن ۹۰ھ میں طرطوس پر ابن عیسیٰ کی حکومت بحال کر دی گئی تو محمد بن موسیٰ القدس میں آگیا تھا (مصنف)

"مگر یہ معاہدے کی خلاف ورزی ہے۔ خلیفہ آپ کی مرضی کے بغیر سدان علاقوں پر قبضہ نہیں کر سکتا۔"

اب ہارون نے ایک اور سنسنی خیز انکشاف کیا۔ "ہمارا عندیہ سمجھ لینے کے بعد وہ ہم سے بالائی بالا قسمرین اور عوام کے حلیوں سے ساز باز کرنے لگا اور ان پر دباؤ ڈال رہا ہے کہ وہ علاقوں سے دستبردار ہو جائیں۔ مائیں در پر وہ یہ توطیہ بھی دی جا رہی ہے کہ اگر وہ اپنے علاقے خلیفہ کے سپرد کر دیں گے تو معاوضے میں انہیں مصر و شام میں نئی جاگیریں دی جائیں گی جن پر ان کی اپنی حکومت ہوگی۔"

یہ ایک ایسا انکشاف تھا جس سے عباسی عہد کھل کر سامنے آگئے گویا خلیفہ معتضد مصر و شام کی جاگیریں باغی کافتی اختیار رکھتا اور اسی لیے قسمرین اور عوام کے دباؤ کو قبضہ چھوڑ دیتے پر اگسا رہا تھا۔

یاد رہے احمد بن طلحہ نے طرطوس سے حران تک کا سرحدی علاقہ فتح کر کے طرطوسی سلطنت میں شامل کر لیا تھا۔ خازم بن احمد اپنے دور حکومت میں آرمینیا کی سرحدوں تک خراج وصول کرتا تھا لیکن اب نہ احمد بن طلحہ خازم روید۔ طرطوسی مملکت کی حالت کی ابتری سے دوچار تھی طرطوسی جانشین اپنا اقتدار بچانے کی فکر میں تھے۔ فوجوں میں بھی ان کے خلاف بے اعتدائی پیدا کی جا رہی تھی قسمرین اور عوام پر قبضہ کرنے کے لیے جہاد کا جواز پیدا کر لیا گیا تھا اور نئی طرطوس کے پاس اس کا کوئی جواب اور کوئی عذر نہ تھا۔

یہ ایک ایسی صورت تھی جس سے ٹھکنے کی کوئی تدبیر نظر نہ آتی تھی۔ ہارون جہاد کی اہمیت سے انکار کر سکتا تھا، طرطوسی علاقوں سے دستبردار ہونے کے لیے تیار تھا۔ ابن حرب ان کے درمیان چھڑنے والی گفتگو خاموشی سے سنتا رہا۔ شہزادی نجم نے معاملہ اس کے سامنے پیش کر دیا۔ "ابن حرب! کیا قسمرین اور عوام کو بچانے کی کوئی تجویز ہو سکتی ہے؟"

وہ معاملے کی صورت پر پہلے ہی غور کر چکا تھا۔ کہنے لگا "معتضد نے سیاست کی بساط پر ایسا ٹکڑہ لٹکوا دیا ہے جسے بڑا یا جیتنا نہیں جا سکتا۔ اگر مطلوبہ علاقے سے نہ دیے گئے تو یہ زبردستی حاصل کرنے کا ہے۔" پھر ہارون سے مخاطب ہوا "سلطان عالی! کیا طرطوسی فوج عباسی لشکروں کو قسمرین اور عوام کی جانب بڑھنے سے روک دے گی؟"

ہارون کے جواب سے اس کی بے بسی جھانک رہی تھی۔ ہم خلیفہ کے لشکروں سے جنگ

کرنے والے عباسی لشکروں کی مداخلت کریں گے۔ ہارون بن خمارویہ مارے خوشی کے بولا "ابن عباس ہمیں یقین ہے، آپ نے جو خط میں لکھا تھا علماء و نبی کچھ ہوگا اور آپ عباسی لشکروں کو مصر کی جانب نہیں بڑھنے دیں گے۔"

"بے شک میں اور شہزادی نجم نہیں چاہتے کہ طولونی مملکت پر کوئی آٹھ آئے اس لیے بادیر نشیں قبائل عباسی لشکروں کا راستہ روکیں گے لیکن آپ کے کسی صوبے دار یا والی نے انہیں راستہ دے دیا تو پھر میں اور شہزادی نجم بھی کچھ نہ کر سکیں گے۔"

ابن حرب کے الفاظ بھی کھلے تھے، ان کا مقصد بھی واضح تھا۔ طولونی حکمران نے بھی صاف صاف بات کی "ہمارے صوبے دار یا والی شہر دشمن کو راستہ دے گا وہ طولونی مملکت کا انداز بگھا جائے گا اور اس کی سزا موت ہوگی۔"

غالباً ابن حرب اس سے یہی بات کہنا چاہتا تھا جو اس نے کہہ دی تھی اب وہ بڑے پرجوش اور پرمعانی الفاظ میں بولا "پھر ہمارے بادیر نشیں قبائل اس سے خود فرمت لیں گے کیوں کہ شہزادی نجم کو نبی طولون کے غداروں اور دشمنوں سے انتقام لینے کا اختیار دیا گیا ہے۔"

سب اس بات پر بے حد خوش ہو گئے مگر یہ پوچھنے کی ضرورت کسی نے محسوس نہ کی کہ شہزادی نجم کو یہ اختیار کس نے دیا ہے؟ وہ طولونی خاندان تھی شاید اسی تعلق سے اس کے اختیار کو تسلیم کر لیا گیا۔ شہزادہ شیبان کہنے لگا "اگر مصرانی قبائل نے غی طولون کے دشمن سے ہمارا انتقام لیا تو ہم بھی انہیں حملے سے محروم نہیں رکھیں گے۔"

ابن حرب اپنے مطلب پر اگیا "سلطان عالی، آپ جان چکے ہوں گے کہ شام کے بادیر نشیں قبائل ایک جماعت سے تعلق رکھتے ہیں اور اسی جماعت کے حوالے سے مجھے اور نجم کو ان پر اختیار حاصل ہے۔ اس مقصد کی خاطر جن کامیں نے خط میں ذکر کیا تھا اور اب آپ کے رو برو بھی دہرایا ہے وہ در بقول کے مابین تعادل کا معاہدہ ہوتا ہے اگر ہمارے درمیان بھی ایک معاہدہ ہو جائے تو جماعت ہر محاذ پر ہر میدان میں آپ کا ساتھ دے گی۔"

سوال بڑا اہم تھا لیکن ہارون نے کسی ہچکچاہٹ اور گھبراہٹ کے بغیر دو ٹوک جواب دیا۔ "ابن حرب! ہم قریباً جماعت سے کوئی معاہدہ نہیں کر سکتے۔ اتوں تو اس لیے کہ عباسی حکومت کے ساتھ تین سال کے معاہدے میں بندھے ہوئے ہیں، جس کی رو سے طولونی مملکت کو عداوت کا حق حاصل ہے۔ ہم اس مملکت کے وارث اور رئیس ہر پورے ہونے تک مصر دشنام پرفراز دانی کا حق

نہیں چاہتے۔"

"پھر تفسیریں اور عوام کو اپنی مملکت سے خارج بھیجیں اور دوسرے صوبوں اور شہروں کی فکر کریں۔"

ہارون بن خمارویہ کے چہرے پر مڑکٹی سی چٹائی ادا بن حرب اپنے الفاظ کی وضاحت کرنے لگا "سلطان عالی! اگر آپ خلیفہ کے لشکروں کو روکن چاہتے ہیں تو محمد بن سلیمان کی سپہ سالاری میں نہیں روک سکتے۔ سپہ سالار مقابلے پر نہیں کھلے گا۔ نکل بھی آیا تو تفسیریں اور عوام تک پہنچنے میں اتنی دیر کر دے گا کہ خلیفہ کے لشکر وہاں قبضہ کر چکے ہوں گے۔ میرا مطلب ہے مقابلے کی فوجیت ہی نہیں آئے گی۔ معتقدان علاقوں کے والیوں کو نئی جاگیر دی کی ترغیب دے کر نکال دیں گے گا اور خود وہاں قابض ہو جائے گا۔ ہاں اگر طولونی فوجوں کا سپہ سالار محمد بن سلیمان کی بجائے کوئی اور رہتا تو آپ کا جواب بھی کچھ اور ہوتا۔"

ابن حرب کا استدلال غلط نہ تھا۔ ہارون سوچ میں پڑ گیا کہ وہ ٹھیک کہتا ہے اور اس نے کچھ اور بھی کہا "اگر محمد بن سلیمان کو جیش محرم کے قتل کا مجرم قرار دے کر اسی وقت گرفتار کر لیا اور سپہ سالاری سے ہٹا دیا جاتا تو اس کی حمایت کرنے والے شورش پسند لشکر کی سیدھے ہو جاتے اور کسی فوجی افسر کو بھی دم مارنے کا یار نہ ہوتا۔ آپ نے سپہ سالار کو ڈھیل دے کر غلطی کی۔"

ہارون کی بجائے جواب شیبان نے دیا اور اپنی مجبوری ظاہر کی "ابن حرب! بعض معاملے ایسے ہوتے ہیں کہ آدمی کچھ کرنا بھی چاہے تو نہیں کر سکتا اس وقت لشکر ہی بہت مشتعل تھے اگر سپہ سالار کو گرفتار کر لیا جاتا تو ضرور بغاوت ہو جاتی اور مصر خانہ جنگی کی لپیٹ میں آجاتا۔ سلطان معظم نے حکومت سنبھالنے کے بعد محمد بن سلیمان کو بخشی کے عہدے سے الگ کر دیا ہے۔ مناسب وقت پر سپہ سالاری سے بھی ہٹا دیں گے ابھی تو خطرہ ہے کہ اگر اسے سپہ سالاری سے الگ کر دیا گیا تو کہیں عباسی لشکر مصر پر حملہ نہ کر دیں۔"

شہزادہ شیبان شاید کچھ اور بھی کہتا لیکن ابن حرب نے اس کی بات دہری کاٹ دی اور پوچھ لیں میں کہا "صحرا انہیں راستہ نہیں دے گا۔"

شیبان کے علاوہ شہزادی عباسیہ اور زوجہ سلطان ہارون نے بھی وہ مفہوم سمجھ لیا جو اس کے الفاظ میں چھپا ہوا تھا۔ صحرا کے راستہ نہ دینے کا مطلب یہ تھا کہ صحرائیں مصر پر حملہ

نوجوان سلطان نے اپنی بیوی کی تقریر توجہ سے سنی اور کہنے لگا: "ہم عقیدہ و مسلک کی بحث میں الجھنا نہیں چاہتے۔ مصر اور شام میں بھی علوی اور اسماعیلی عقیدے کے لوگ موجود ہیں ہم نے ان کے معاملات میں کبھی مداخلت نہیں کی مگر ہماری سیاسی مجبوریاں تقاضا کرتی ہیں کہ ہم قرامطہ سے دور رہیں اور نوبع باس کے ساتھ کیا جانے والا معاہدہ قائم رکھیں، جس پر ہمارے والد مرحوم نے دستخط کیے تھے۔ آپ کو کبھی تعلق کے باعث اور ابن حرب کو آپ کا مشورہ ہونے کے ناطے طوہنی حکومت سے جو دل چسپی اور ہمدردی ہے اس کی ہمارے دل میں بڑی قدر ہے اگر آپ اور ابن حرب کسی معاہدے کے بغیر ذاتی حیثیت سے ہمارے ساتھ تعاون کرتے ہیں گے تو ہم بھی اس کا صلہ چکانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھیں گے۔"

یہ گویا آخری اور قطعی بات تھی جس سے عباسیہ اور شیبان نے بھی اتفاق کیا۔ اس ساری گفتگو میں جوان کے درمیان موتی ربی، سلیمان بن عامر نے حصہ نہیں لیا، آخر ابن حرب نے اسے بات چیت میں شریک کرتے ہوئے کہا: "سلیمان! سلطان کو گھجھاؤ کہ عباسیوں کی سیاست اور بلا دستی سے بچنے کے لیے جماعت کا تعاون ضروری ہے۔"

میرا نے دار نے جواب دیا: "لیکن کسی جماعت کو نہیں جانتا ابن حرب! مصر سے محبت اور نئی طوں سے وقار میرے خون میں شامل ہے اور میں اسی بات سے اتفاق کروں گا جس پر سلطان معظم پر راضی ہوں گے۔" پھر اس نے ایک بار ایک ساکتہ نکال دیا: "سلطان عالی جماعتی تعاون کی بجائے تمہارا اور شہزادی صاحبہ کا ذاتی تعاون چاہتے ہیں تمہیں اس سے کیا انکار ہوگا؟"

وہ اس کے غظوں میں چھپے ہوئے مفہوم کو گھجھ کر بولا: "ہم دونوں نئی طوں کا حصہ ہیں۔ ہمیں ذاتی تعاون سے کوئی انکار نہیں۔"

ذاتی تعاون کی بات مزید آگے بڑھی اور یہ فیصلہ ہو گیا کہ اس تعاون کے عوض سلطان شہزادی نجم اور ابن حرب کو شام کی سرحد پر کوئی قلعہ سونپ دینے پر غور کرے گا، جہاں سے نئی طوں کے دشمنوں کے خلاف موثر کارروائی ہو سکے مگر اس کی صورت یہ ہوگی کہ ابن حرب کو حملہ کر کے وہ قلعہ چھین لینا ہوگا۔ قلعے میں مقیم فوج مزاحمت نہیں کرے گی یا معمولی مزاحمت کے بعد پسپا ہو جائے گی۔ اس کارروائی کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہوگا کہ وہ قلعے پر زبردستی قابض ہو گیا ہے۔

ہمدون اور شیبان بجای خلیفہ اور اس کے ولی عہد کو جو قسطنطنیہ اور عجم پر قبضہ کرنے کا

رکھتے ہیں۔ دوسرے جماعت عباسی اقتدار کے خلاف خروج کا علم بلند کر چکی ہے۔ اس کے ساتھ تعاون کے معاہدے کا مطلب یہ ہوگا ہم نوبع باس کے ساتھ کیے گئے معاہدے پر خط متنبخ پھیر دیں اور طوہنی ریاست کی علاحدہ حیثیت کے ساتھ اپنے حق حکومت سے بھی محروم ہو جائیں۔ تیسرے ہمیں جماعت کے طریق کار اور عقائد سے اختلاف ہے۔ مصر میں شافعی مسلک رکھنے والے مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ ہم اپنے لوگوں سے الگ نہیں ہو سکتے، مگر پچھلی جان اور آپ کو جماعت سے الگ ہو جانے یا اس میں شامل رہنے سے نہیں روکتے۔ ہر شخص کو اپنے مسلک اور عقیدے کی آزادی ہے ہم نے اپنا مسلک واضح کر دیا ہے اور اس میں کوئی واضح تبدیلی نہیں چاہتے۔"

ہمدون بے شک نوجوان تھا اور اس عمر میں ایسی دانائی کی توقع نہیں کی جاتی جس کے سامنے بوڑھوں کی فکر و دانش کے چراغ مانند پڑ جائیں مگر اس نے ایسی مدلل گفتگو کی تھی کہ ابن حرب خاموش بلکہ مایوس ہو گیا۔ سلیمان بن عامر جس کا دماغ گتھیاں سلجھانے اور نئی نئی تدبیریں سوچنے میں ماہر تھا، کم عمر سلطان کی باتیں سن کر حیرت زدہ سا رہ گیا۔ اس کے نقطہ نظر سے وہ مقصد ہی ہاتھ سے جاتا رہا تھا جسے حاصل کرنے کی خاطر پھوڑے ہوئے عزیزوں کی ملاقات کا اہتمام کیا گیا تھا، مگر شہزادی نجم نے ہمدون کی بات پکڑ لی اور کہنے لگی:

"سلطان عزیز! ابے شک ہم نے اپنا عقیدہ بدل دیا اور جماعت میں شامل ہو چکے ہیں کیوں کہ دنیا میں عقیدے کی تبدیلی ناگزیر ہوتی ہے کبھی سیاسی اور کبھی قومی اعتبار سے نیا مسلک اختیار کرنا پڑتا ہے اسی شام پر جو آج طوہنی مملکت کا ایک حصہ ہے جب بنو لطفی حکمرانوں کی حکومت تھی شامی عیسائیوں نے اپنی الگ قومی حیثیت قائم رکھنے کے لیے ایسے عقائد قبول کر لیے تھے جنہیں قسطنطنیہ کا رومی یا بنو لطفی کلیسا کفر و الحاد و کفر نام سے یاد کرتا ہے۔ نسطوری اور یعقوبی فرقوں کے عقیدے رومی کلیسا سے مختلف تھے لیکن عیسائی قیصر سیاسی مصلحت کے باعث شامی عیسائیوں کے عقائد میں مزاحم نہیں ہوتے تھے، انہوں نے مصالحتی ذریعہ اختیار کر لیا تھا اس دور میں بھی جس سے ہم گزر رہے ہیں۔ بعض عباسی خلفائے علوی اور عالمی عقیدہ پرستوں سے تعلقات رکھے بلکہ ان سے رشتے ناطے کیے۔ پھر آپ کو قرامطہ سے تعصب کیوں ہے جو اسماعیلیوں اور علویوں سے کسی تعلق رکھتے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ آپ جماعت کا عقیدہ قبول کریں مگر ان حالات کے پیش نظر طوہنی حکومت کو درپیش ہیں اور جن کا دھما آپ کی جانب بڑھا آتا ہے، جماعت کے ساتھ سیاسی تعاون وقت کا تقاضا ہے۔"

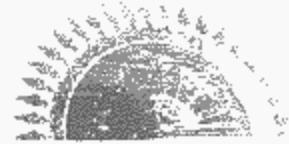
بدرحمائی

بادون بن خارویہ کے لیے کارواں سرائے میں دوسری منزل پر وہ مکر اٹھوں دیا گیا تھا، جس میں مصر اور شام کے درمیان سفر کرتے ہوئے خارویہ بن احمد قیام کرتا تھا۔ شہزادی نجم العلیل اپنے بھائی شعیبان اور شہزادی عباسیہ کے ساتھ پہلی منزل پر ٹھہری تاکہ ان سے جی بھر کے باتیں کر سکے اور خاندان کے دوسرے مردوں اور عورتوں کا حال معلوم کر سکے۔ عنبرادمنہ اور بھائی تینوں کنیزیں بھی اسی منزل کے غلام پیشہ میں مقیم تھیں اور ضرورت کے وقت خدمت کے لیے فوراً حاضر ہو سکتی تھیں۔ البتہ ابن حرب کی رہائش کا انتظام سلیمان بن ماریکی ذاتی رہائش گاہ سے منسلک مخصوص کمروں میں سے اسی کمرے میں کیا گیا تھا جہاں وہ پہلے بھی کئی راتیں گزار چکا تھا۔

اس رات جب کارواں سرائے میں بہت بھڑکتی اور ٹھکے ہوئے سارے مصری اور مصرائی عمار آرام کی نیند سو رہے تھے، ابن حرب مخصوص کمرے میں کشیدہ فلسطین سے اپنی تلکھن اتار رہا تھا اور حسین سلامہ حاضری میں تھی، جسے کئی سال کے بعد اس کی خدمت کا موقع ملا تھا۔

سلامہ نے اس کا بازو کٹ جاتے کے حادثے پر کسی حد سے کا اظہار نہیں کیا۔ قمریہ کی دنیا میں وہ کسے جسم پر تیروں، نیزوں، تلواروں کے زخم ان کی بہادری کی علامت سمجھے جاتے تھے اور ابن حرب تو ایک بے مثل جنگجو، بہادر اور شہ زور مرد تھا، جس کا بریدہ بازو اس کی جنگی عظمت

مضبوط تیار کر چکے تھے، یہ باور کرنا چاہتے تھے کہ ان کا خطرناک دشمن ابن حرب بھی شام میں داخل ہو چکا ہے جس سے وہ مزید علاقے ہتھیانے کی کوشش نہ کریں لیکن قمری سرائے دار کے نزدیک یہ بات جماعت کے مطلب کی تھی اور اس طرح شام میں اس کے فوجی داخلے کا دروازہ کھل سکتا تھا۔ طولونی سلطان نے اگرچہ جماعت کے ساتھ معاہدے اور تعاون کی تجویز تسلیم نہ کی مگر شہزادی نجم اور ابن حرب کا ذاتی تعاون حاصل کر کے گویا نقشہ میں اثبات کی صورت پیدا کر دی تھی اور اس اعتبار سے کارواں سرائے میں پھڑپھڑے ہوئے طولونی عزیزوں کی خفیہ ملاقات بالکل ہی اگارت نہیں لگتی تھی جو اگرچہ خفیہ نہ تھی تاہم اس کا مضمون ضرور خفیہ تھا۔



کائنات ہی گیا تھا۔

رات نصف سے زیادہ بیت چکی تھی۔ ابن حرب نشے کی لہر سے دوچار تھا اور سلامہ کی آنکھوں میں بھی مے خانے کھل گئے تھے کدبانک اس کا بازو فٹام کر اپنی ٹریڈ آواز میں گویا ہوتی۔
”ابن حرب! کیا میں آپ سے ایک فرمائش کر سکتی ہوں؟“
بات کرنے کا انداز بڑا دلکش اور انوکھا تھا۔ مسکرا کر کہنے لگا۔ ”کیوں نہیں تمہاری فرمائش سے انکار نہیں کروں گا۔“

”پھر مجھے بتائیں کہ آج سلطان ہارون اور شہزادہ شیبان کے ساتھ آپ کی کیا بات چیت ہوئی؟ سلامہ کے لبوں پر فرمائش کے ساتھ معنی خیر مسکراہٹ بھی تھی۔
ابن حرب نے تعجب کی نظروں سے دیکھا۔ ”تجسس علم ہو گا کہ ہمارے درمیان ہونے والی بات چیت خفیہ نوعیت کی تھی۔“

”آپ بھی جانتے ہوں گے کہ میرے لیے کوئی بات خفیہ نہیں ہوتی۔ اس گفتگو کا حال مالک سے بھی پوچھ سکتی ہوں۔“
وہ سلیمان بن عامر کو مالک “کتنی تھی اور ابن حرب جانتا تھا کہ سلیمان اس سے کوئی بات پوشیدہ نہیں رکھتا۔“ پھر اسی سے پوچھ لیتا۔

”لیکن یہ خفیہ بات آپ سے پوچھنا چاہتی ہوں۔“
”مجھ سے کیوں؟“

سلامہ کے چہرے پر شرمیلی مگر معنی خیر مسکراہٹ نظر گئی۔ ”آپ سے پوچھ کر کسی اور کو بتاؤں گی۔“

وہ چونک گیا۔ ”کس کو بتاؤں گی؟“

”میں ایک آدمی، جو اس خفیہ بات چیت سے دل چسپی رکھتا ہے۔“
سلامہ کی عجیب فرمائش کے ساتھ ساتھ ابن حرب کی حیرت بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ سلامہ کچھ پر اسرار معلوم ہوتا تھا۔ اب مالک اس کا لہجہ بدل گیا۔ ”کون ہے وہ؟“

مصری کینو بے ایتنا ہنس دی۔ اور اسرار کی گرہ کھول دی۔ ”سلطان ہارون کا معتقد غلام اور اس کے حفاظتی دستے کا سالار بدرحمائی۔“

”یہ انکشاف کسی خطرے کی نشان دہی کر رہا تھا۔ ابن حرب کانٹہ جاتا رہا اور اس کا تازہ

باقہ فٹام کر پوچھنے لگا۔ ”پوری بات بتاؤ بدرحمائی کو اس خفیہ بات چیت سے کیوں دل چسپی ہے؟ سلامہ بتانے لگی۔ ”اس نے آج ہی رات جب اوپر گفتگو ہو رہی تھی، سرائے کے ایک آدمی کی معرفت پناہ بھیجا تھا کہ ایک اہم کام کے ضمن میں مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔ میں نے اُسے مالک کے کمرے میں بلایا۔ وہ آتے ہی خوشامد کے لہجے میں بولا۔ ”کیا میں تم پر اعتماد کر سکتا ہوں؟“ میں سمجھ گئی کہ فی الواقع اسے کوئی اہم کام درپیش ہے اور فساد چاہتا ہے۔ میرا تجسس بڑھا کہ وہ کیا کام ہے اس لیے تھانوں پر تیار ہو گئی اور بولی۔ ”تم سلطان عالی کے محافظ سالار ہو اور مجھ پر اعتماد کر سکتے ہو۔“

اس نے سودینا روں کی ایک تفصیلی میر سے سامنے رکھ دی اور کہا۔ ”یہ تو معلوم ہو گیا ہے کہ سلطان معظم یہاں اپنی پھر ملی ہوئی پھوپھی اور اس کے شوہر سے ملنے آئے تھے۔ اب یہ معلوم کرنا بھی میری ذمہ داری ہے کہ ان کے درمیان کیا بات چیت ہوئی؟“

اس نے بتایا یہ سب کچھ وہ طوطی حکومت کے مفاد کی خاطر کر رہا ہے اور کسی دوسرے کیہ علم نہیں ہونا چاہیے کہ وہ مجھ سے کیوں ملا تھا۔ کہنے لگا۔ ”اگر تم مجھے اس بات چیت سے آگاہ کر دو گی تو سولطانی دینار تمہیں اور مل جائیں گے۔“ میں نے یقین دلایا کہ جو کچھ وہ چاہتا ہے، ہو جائے گا۔

یہ سب کچھ بتا کر سلامہ مسکرائے گی۔ ”اب مجھے بتائیں۔ آپ نے سلطان سے کیا بات چیت کی ہے تاکہ میں بدرحمائی کو اس گفتگو سے آگاہ کر کے مزید سودینا حاصل کر سکوں۔“

سلامہ نے بڑی ہوشیاری سے ایک اہم خطرے کی نشان دہی کر دی تھی۔ ابن حرب مارے حیرت کے مسند سے اٹھا اور فریض پر آگیا۔ بدرحمائی سلطان سے ہونے والی گفتگو کا راز دوسو طلائی دینار میں حاصل کرنا چاہتا تھا جب کہ ہارون کا خیال تھا وہ اپنے ہمراہ کسی ایسے آدمی کو ملے کر نہیں آیا، جو قابل اعتماد ہو لیکن سلامہ کی معرفت معلوم ہوا کہ طوطی سلطان کا معتقد غلام اور حفاظتی دستے کا سالار کسی دوسرے آدمی کا ہمراہ ہے۔ ساتھ ہی اس امر کا ثبوت بھی مل گیا کہ نبی طولوں حوادث کی زد پر ہیں کیوں کہ جب کشتی کے مسافر ہی کشتی میں سودا کر گئے تھے تو اُسے ڈوبنے سے نہیں بچا یا جاسکتا۔ بدرحمائی مستعد آدمی تھا مگر وہ گفتگو کا راز کس پہنچانے والا تھا؟

وہ ان کی والدہ کو بڑا ناگوار کر دے گا۔

بدر حمای نے استغیاب کے لمحے میں پوچھا۔ ”کیا سلوک کیا ہے انھوں نے؟“

اب چالاک سلامہ ایک کہانی بیان کرنے لگی۔ ”شہزادی نجم العلیل الفطائع سے خود فرار ہو گئی اور بنی طولون کی بدنامی کا سبب بنی تھی لیکن سلطان خمار دیہ مرحوم اور ان کے بیٹے جیش کی ہاکٹ نے اسے نڈھال اندوختہ کی یاد سے دل گھائل کر دیا اس نے سلطان معظم کی طرف قاصد بھیج کر درخواست کی تھی کہ اسے الفطائع میں آنے، بنی طولون سے ملنے اور اپنے بھائی اور بھتیجی قبروں پر فاتحہ پڑھنے کی اجازت دی جائے لیکن انھوں نے یہ درخواست نامنظور کر دی اور صاف جواب دے دیا کہ وہ اور اس کا شوہر ابن حرب الفطائع میں داخل نہیں ہو سکتے کیوں کہ وہ دونوں ایک ایسی جہالت سے وابستہ ہیں جو دولت عباسیہ کے خلاف خروج کا علم بلند کر چکی ہے، جب کہ بنی طولون، بنو عباس سے دوستی کا بیوند رکھتے اور فریقین کے درمیان ہونے والے معاہدے پر قائم ہیں تاہم شہزادی نجم چون کہ سلطان کی بیوی ہیں لہذا فراغت داری کے لحاظ سے یہ رعایت دے دی کہ وہ اپنے شوہر کے ہمراہ مصر کے سرحدی شہر عریش تک آجائے جہاں کاروان سرائے میں وہ اپنے بعض عزیزوں سے مل سکتی اور ان سے تعزیت کا اظہار کر سکتی ہیں۔ چنانچہ سلطان معظم شہزادی عباسیہ اور شہزادہ شہباز کے ہمراہ خود عریش آگئے اور کسی مصلحت کے تحت اس ملاقات کو خفیہ رکھا ہے۔“

بدر حمای بڑی توجہ سے اس کی کہانی سنا اور اس بات پر حیران ہوا کہ سلطان ہارون بن خمار دیہ نے شہزادی نجم اور ابن حرب کو الفطائع میں داخلے کی اجازت نہیں دی مگر ان سے ملنے خود مصر کی سرحد پر آگیا۔ پھر تجسس کے لمحے میں بولا۔ ”شہزادی نجم اور ابن حرب اپنے صحرائی رسلے اور شتر سوار دستے کے ساتھ آنے میں آخر اس کی کیا وجہ تھی؟“

”ممکن ہے انھیں یہ اندیشہ ہو کہ عریش میں گرفتار نہ کر لے جائیں اس لیے اپنی حفاظت کا پر سامان کر کے آئے ہیں۔“

یہ بات قرین قیاس تھی پھر بھی بدر حمای نے حیرت کا اظہار کیا اور پوچھنے لگا۔ ”اکلی ملاقات میں کیا گفتگو ہوئی؟“

سلامہ نے کہانی کا دوسرا حصہ بیان کیا اور کہا: ”شہزادی نجم العلیل، سلطان خمار دیہ مرحوم اور عریش کو یاد کر کے روتی اور اپنے بھتیجے ہارون خمار دیہ سے شکایت کرتی رہی کہ اسے الفطائع

دوسرے روز سلامہ نے اسی لڑکے کے ذریعے جو بدر حمای کا پیغام لے کر آیا تھا، اسے خود بلایا اور سرائے داری کے خصوص کرے میں ملاقات کی۔ تکیہ کینز کے ہونٹوں پر ہلکا سا نسیم دیکھ کر بدر کا حوصلہ بڑھا اور خود بھی سکما کر بولا۔ ”میرا خیال ہے جو کام میں نے تمھارے سپرد کیا تھا تم اسے سرانجام دے چکی ہو؟“

سلامہ تبسم زیر لب کے ساتھ بولی۔ ”جو کام میں آسان سمجھتی تھی، وہ بہت مشکل ثابت ہوا۔“

”تو کیا ان لوگوں کے درمیان ہونے والی گفتگو کا پتا نہیں چل سکا؟“

”تجربے بلانے کا اصل مطلب یہی ہے کہ میں نے سب کچھ معلوم کر لیا ہے مگر اصل بات جاننے کے لیے مجھے کافی پاپڑ میلنا پڑے۔“

بدر حمای کا چہرہ جس پر ایک طوفانی مایوسی نے سایہ ڈال دیا تھا، یہ سن کر کہ کام ہو گیا ہے ایک لذت روشن ہو گیا اور بادل سے اندر کر کی بیٹی سے اڑی ہوئی سودباز کی چرمی تھیلی نکال کر سامنے رکھ دی۔ ”میں بھی وعدے کے مطابق دوسری تھیلی لے آیا ہوں اور یہ تمھاری خدمت کا معقول صلہ ہے۔“

مصری کینز نے چرمی تھیلی کو بولی دیکھا، جیسے نہیں دیکھا اور اسے نظر انداز کرتی ہوئی کہنے لگی۔ ”بدر! مجھے انعام یا صلے کا لالچ نہیں تم سلطان معظم کے مستند غلام اور ان کے محافظ دستے کے سالار ہو اس لیے میں نے تم پر اعتماد کر لیا ہے ورنہ بادشاہوں کی بات چیت کا جو دوسروں سے پوشیدہ رنگ جلے، مجھ کو معلوم کرنا ایک خطرناک کھیل ہے۔ میں نہیں جانتی تجھے اس گفتگو سے کیوں دل چسپی ہے جو سلطان معظم نے اپنے عزیزوں سے نہائی میں کی۔ تاہم میرا قیاس غلط نہیں تو تم یہ کام ان کی والدہ کے اہلکار پر کر رہے ہو، جنھیں یہ پریشانی ہوگی کہ ان کا حکمران بیٹا جو ابھی کم عمر ہے اپنے عزیزوں کے کس طرح پیش آتا اور ان کے ساتھ کیسا سلوک کرتا ہے؟“

راگفتگو معلوم کرنے کی یہ نادر توجہ بدر حمای کے فرشتوں کو بھی نہیں سوجھی تھی جو سلامہ نے پیش کی۔ اسے ایک معقول غمزہ ہاتھ آگیا اور خوش ہو کر بولا۔ ”سلامہ تم بہت سمجھ دار اور ہوشیار عورت ہو جو بات میں نے چھپائی تھی تم نے از خود معلوم کر لیا اصل سلطان معظم کی والدہ کو اس معاملے پر خاص توجہ دینا پڑتی ہے کہ رشتے داروں کے ساتھ ان کے بیٹے کا سلوک ناروا نہ ہو۔“

گویا ہوشیار سلامہ نے جو کتنا چھینکا تھا، بدر حمای نے اسے فوراً ہنگل لیا اور کینز نے مصنوعی پریشانی کا اظہار کیا۔ ”پھر سلطان معظم نے اپنی بیوی نجم العلیل اور ابن حرب سے جو سلوک کیا ہے

ہمارے قارئین کچھ گئے ہوں گے، سلام نے جو کہانی سنائی وہ گھڑی ہوئی اور بھوٹ
پتھ کا مرکب تھی تاکہ بدرحمائی اپنے کپڑے اسرار آقا کے لیے خفیہ گفتگو کا بھید لے رہا تھا وہ
جان لے کہ بنی طولون اور قمر علی جماعت کے درمیان کھڑتا نہیں ہو سکتا اور یہ بات بھی درست
بارون بن خماروہ نے جماعت کے ساتھ تعاون سے انکار کر دیا تھا صرف ابن حرب اور شہزادی
نجم سے ”ذاتی تعاون“ کی گنجائش رکھتی تھیں اس پر بھی پردہ ڈال دیا گیا۔

ایسی طرفہ کہانیاں گھڑنے اور جماعت کے مفاد کی خاطر اپنے اوپر اسرار کے پردے ڈالنے
میں فلسطینی سرانے دار بڑا مہر تھا جس طرح گھوٹکھا اپنے خول کے اندر چھپا رہتا ہے اسی طرح وہ
بھی اپنی کھال میں چھپ جاتا بلکہ دوسروں کو بھی چھپا لیتا تھا۔

ابن حرب نے سلام سے بدرحمائی کا قصہ سننا تو رات ہی سلیمان بن عامر کو اپنے کمرے
میں بلوایا اور اسے معاملے کی صورت سے آگاہ کر دیا تھا سرانے دار کی اپنی معلومات کے مطابق
بدرحمائی سلطان خماروہ مرحوم کی زندگی ہی میں بارون کا غلام اور بنی طولون کا زنادار سمجھا جاتا تھا
جب خماروہ نے سپہ سالار محمد بن سلیمان کے آدمی کو ہٹا کر اسے انقلاب کے محافظ دستے کا
سالار مقرر کیا تو محمد بن سلیمان اس کی تقرری پر خوش نہیں تھا۔ اب بدرحمائی کا ایک نیا روپ
ساخسے آیا تو فلسطینی سرانے دار دنگ رہ گیا اور اپنے خول سے نکل کر بولا۔

”بدرحمائی کی تقرری پر محمد بن سلیمان کی ناگواری محض دکھاوے کی تھی یہ بھی سپہ سالار
کی کا آدمی ہے اور یہاں ”خفیہ گفتگو“ کا بھید اس لیے لیتا ہے تاکہ اسے معاملے سے
آگاہ کر سکے“

سرانے دار نے بدرحمائی کے ”پڑاسرار آقا“ کی نشان دہی کرنے کے بعد وہ
کہانی گھڑی جو سلام کے ذریعے اسے پہنچائی گئی۔ قمر علی داہی نے بڑی ہوشیاری سے سب کو
اپنے خول میں چھپایا لیکن وہ ایسا آدمی نہیں تھا جو معاملے کو یہیں ختم کر دیتا۔ دوپہر کے کھانے
کے بعد جب ابن حرب سردار نعان کا بارون بن خماروہ سے تعارف کر رہا تھا کیوں کہ فوجوں
سلطان خود بھی اس سے ملنا چاہتا تھا تو دھر فلسطینی سرانے دار نے شہزادہ شیبان سے
اپنے کمرے میں الگ ملاقات کی اور باتوں ہی باتوں میں یہ ذکر چھپ کر دیا کہ سلطان معظم ابھی نوجوان
ہیں اور بنی طولون کے خلاف بغداد میں سازشیں ہو رہی ہیں اس کے محافظ دستے کا سالار کوئی
ہمت ہی قابل اعتماد ہونا چاہیے۔ شیبان نے بتایا۔

میں جانے سے روک دیا گیا ہے خلاصہ کہ وہ بنی طولون کے پورے کنبے سے ملنا چاہتی ہے مگر
سلطان معظم نے بھی موقف اختیار کیا کہ وہ بنی طولون سے جنگ آزما ہو چکی ہے اب اس کا
بنی طولون سے ملنا جلنا طوفانی مفاہکے خلاف ہے، جس پر ابن حرب نے سرانے کے مالک سلیمان
بن عامر کو اپنی پرانی دوستی کا واسطہ دے کر کہا کہ وہ سلطان معظم سے سفارش کرے اور شہزادی
نجم کے ساتھ اسے ملنا ملنا طبع جانے کی اجازت دلائے جس پر مالک نے جواب دیا کہ وہ صرف
مصر کے درست ہیں اور جو بات مصر یا بنی طولون کے مفاد میں نہیں اس کی سفارش نہیں کر سکتے
شہزادی نجم اور ابن حرب اسی ملاقات کو غنیمت سمجھیں اگر انھیں مصر اور بنی طولون کا مفاد عزیز ہے
تو آئندہ کبھی مصر کا رخ نہ کریں۔ سلطان معظم، شہزادی عباسیہ اور شہزادہ شیبان نے بھی اسی بات
پر زور دیا جس کے بعد بات چیت ختم ہو گئی کیوں کہ جس بات چیت کا کوئی نتیجہ نہ نکل سکے،
اسے طول دینا بے کار ہوتا ہے۔

یہ کہانی سن کر سلام نے مزید بتایا کہ سلطان معظم دراصل ایک اہم کام کے لیے دمشق جا
رہے ہیں جہاں وہ قسریں اور عوام کے صوبوں کے معاملات پر توجہ دیں گے اور آج ہی تیسرے
پہر یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ شہزادی نجم اور ابن حرب کو مزید دوایم عیش میں قیام کی اجازت
دی گئی ہے لیکن وہ صرف آج کی رات یہاں ٹھہریں گے اور کل سویرے صوفی مسکن کی طرف کوچ
کر دیں گے۔

یہ تحقیق وہ معلومات جو سلام نے دو عطلاتی دیناروں کے عوض بدرحمائی کو فراہم کیں۔
وہ شام کے سرحدی صوبوں کی صورت حال سے آگاہ اور جانتا تھا کہ سلطان اسی سلسلے میں دمشق جا
رہا ہے لہذا اس نے سلام کی کہانی پر یقین کر لیا لیکن اس کے چہرے پر کوئی خاص تاثر یا رد عمل
نظاہر نہ ہو سکا۔ یہ کہانی غالباً اس کی توقع کے برعکس تھی وہ کچھ رہا تھا کہ طوفانی حکمران اور ابن حرب
کے درمیان کوئی فوجی گٹھ جوڑ ہو رہا ہے مگر سلام نے بتایا سلطان بارون اپنی بیوی سے اس
لیے ناراض ہے کہ وہ قمر علی تحریک میں شامل ہو کر دولت عباسیہ کے خلاف برسرِ پیکار
ہو چکی ہے۔ یہ معلومات بدرحمائی کے مطلب کی غنیمت تھیں اور نہیں بھی اس نے سلام کا شکریہ ادا کیا
اور یہ تاکید کر کے چلا گیا کہ وہ اس کے بارے میں کسی کو کچھ نہ بتائے۔

برہمائی، اردن کا دیرینہ غلام اور جاں نثار ہے۔

”شہزادہ عالی اچھوت شخص ہمیشہ خدمت میں رہے اور جاں نثاری کا دعویٰ کرے، ضروری نہیں کہ وفادار بھی ہو۔ آپ کا آزاد کردہ غلام حارث بھی بنی طولون کا جاں نثار اور وفادار سمجھا جاتا تھا۔“

اب شیبان نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ ”کیا تمہارے خیال میں برہمائی بھی...“ اس نے فخرہ اور دھڑا چھوڑ دیا، جسے سرائے دار نے مکمل کیا۔ ”محمد بن سلیمان کا آدمی ہے اور یہ صرف خیال ہی نہیں بلکہ میرا یقین ہے۔“

”تمہارے یقین کی کوئی وجہ بھی ہوگی؟“

”بعض باتیں کسی وجہ کے بغیر بھی درست ہوتی ہیں۔“

اس نے بیوقوفانہ تباہی کر کے ”خفیہ گفتگو“ سے تجسس کی خاطر برہمائی و سوسطائی دنیا سلام کی مذکورہ کچھ کہیں کہ اسے شہزادی نجم اور ابن حرب کے ساتھ اپنے تعلقات کو بھی چھپانا تھا تاہم اس نے شیبان کے دل میں دوسرا ڈال دیا اور اس دوسرے کو مزید مستحکم کرنے ہوئے کہنے لگا۔ ”آپ جانتے ہیں میں آدمیوں کو جانچنے پر کتنے کا عادی ہوں۔ برہمائی میری جانچ کی میزان میں پور نہیں اترا۔ میزان کا ایک ہلکا جھکا ہوا، دوسرا اٹھا ہوا ہے اگر میرا خیال غلط نہیں تو جھکے ہوئے ہلکے میں محمد بن سلیمان نے اپنا وزن ڈال رکھا ہے۔“

شیبان ایک سخت فکر مند نظر آنے لگا۔ ”سلیمان اتم نے کوئی وجہ نہیں بتائی پھر بھی میں اس بات کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ تمہارے اندیشے اکثر درست ہوتے ہیں۔ میں بہت جلد اس کی ڈور کاٹ دوں گا۔“

ڈور کاٹ دینے کا مطلب یہ تھا کہ اسے محافظ دستے کی سرکاری سے الگ کر دیا جائے گا۔ سرائے دار بھی چاہتا تھا کہ ”مگر ڈور اس طرح کاٹی جائے کہ نہ برہمائی کو شکایت ہو نہ کسی اور کو شبہ گذرے کہ اس کی ذات مشکوک ہو گئی ہے۔ شہزادہ عالی ہر سال آپ ہی سے غلاموں کو غصروں کے طور پر استعمال کر رہا ہے۔ سیاست کی اس بساط پر آپ کو بھی کوئی چال ہی کھیلنا اور بڑی حکمت سے اس کی بازی مات کرنا ہوگی۔“

”فکر نہ کرو سلیمان! میں نے چال سوچ لی ہے جب ہم دمشق سے لوٹ کر آئیں گے، برہمائی دستے کا سالار نہیں ہوگا۔“

سلیمان بن عامر جیسا چاہتا تھا اسی طرح ہونے والا تھا مگر تعجب سے بولا۔ ”ایک بدر کو آپ دمشق میں چھوڑ آئیں گے۔“

”نہیں۔ اسے سلطان معظم کا لالچی بنا کر واپس فلسطین کے پاس بھیج دیا جائے گا اس کی نئی ذمہ داری پر سبب سالار کو اعتراض نہیں ہو گا مگر بدر کے ساتھ ایک خاص آدمی بھی جائے گا جو اس امر کی نگرانی کرے گا کہ وہ فلسطین میں طوہنی حکومت کی نایندگی کس طرح کرتا ہے۔“

سلیمان بن عامر نے اس کی تجویز پسند کی۔ ساتھ ہی گفتگو کا موضوع بدل دیا اور تشریف ناک لہجے میں کہا۔ ”خلیفہ معتقد نے شام کی جانب پیش قدمی کے لیے فلسطین اور عوام کے علاقے منتخب کیے ہیں اور ان پر قبضہ کرنے کی خاطر جہاں کی چال رکھی ہے۔ میرا خیال ہے آپ اسے روک نہیں سکیں گے۔“

”سلیمان! اگر میں صاحب اختیار ہوتا تو ضرور اسے روک دیتا۔“ پھر شیبان بے چارگی کے عالم میں کہنے لگا۔ ”اردن بے شک میرا اختیار ہے اور میں اس کا دلی وعدہ ہوں لیکن وہ خلیفہ سے لڑنا نہیں چاہتا۔ حالات کی صورت بھی کچھ ایسی ہے کہ جنگ کا نتیجہ ہمارے لیے اچھا نہیں ہو سکتا تاہم بُرے حالات میں بھی اپنا بھرم اور اعتبار رکھنے کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا پڑتا ہے ورنہ حکمران پایہ اختیار سے گرنے کے بعد پایہ اختیار سے بھی گر جاتے ہیں۔“

”میں آپ کی بات سمجھتا ہوں شہزادہ عالی! لیکن دولت عباسیہ ایک ایسا ہمارے جس سے حکمرانے کا انجام نقصان دہ ہوگا اس لیے ہمارے کتر اگر نکل جاتا ہے۔“

”ہاگر وہ راستہ نہ دے۔“

”تو اس کی ایک آدھ چٹان گرا دینے میں کوئی حرج نہیں۔“ اب فلسطینی سرائے دار اسے اگے لگا۔ ”اس وقت بغداد اور القلائے کے درمیان سیاسی بساط بھی ہوتی ہے جس پر خلیفہ دوسری چال چل رہا ہے وہ شام کے علاقے ہتھیانا اور طوہنی حکومت کو درپائے رکھنا چاہتا ہے۔ آپ کو بھی اس نقشے پر جنگ نہیں کرنا اور نہ اپنے پیادوں کو آگے بڑھانا ہے مگر گھوڑے کو ایک درگزر آگے چلنے میں کوئی حرج نہیں۔ آپ جانتے ہوں گے شطرنج کی بازی میں پیادے آگے بڑھ جائیں تو راس نہیں آسکتے اور جنگ ناگزیر ہو جاتی ہے لیکن گھوڑا کسی بھی گھر سے واپس آسکتا ہے۔“

”گھوڑے کی چال سے تمہارا کیا مطلب ہے؟“

طوفانی رسالے کو شام کی سرحد پر ایسی جگہ متعین کرنا جہاں اُسے بادیہ نشین قبائل کی مدد مل سکے تاکہ دشمن شام کی جانب پیش قدمی نہ کر سکے۔

شیشیان کچھ سوچ کر برلاڑ اس کا مطلب ہے قرامطہ سے تعاون۔

سلیمان بن عامر نے منطق کا سہارا لیا۔ مصیبت کے وقت دو فریق ایک دوسرے کے کام آسکتے ہیں خواہ ان میں عقائد کا اختلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اگر کسی جماعت کی طاقت سے آگاہ ہوتا تو فیصلہ کرنے میں دیر نہ لگاتا لیکن میں بھی قرامطہ کے بارے میں اتنا ہی جانتا ہوں، جتنا آپ جانتے ہیں۔ باوجودیکہ آپ کی بہن شہزادی نجم العلیل نے بتایا ہے۔ نجم کی باتوں سے پتا چلتا ہے کہ جماعت کو بادیہ نشین قبائل کی طاقت حاصل ہے اور اس کا ثبوت اسامہ کی جنگ میں عباسی لشکر کی شکست ہے۔

سراسر انداز جماعت سے لاتعلقی کا اظہار بھی ضروری سمجھتا تھا اور شیشیان کو جو آگے چل کر مصر کا سلطان بننے والا تھا، قرامطہ کے ساتھ تعاون پر اس کا بھی رہا تھا مگر شیشیان نے وہی غدر کیا جو ہارون بن خاریج پہلے پیش کر چکا تھا۔ سلیمان اہم علوی یا اسماعیلی مسلک کے قائل نہیں اور قرامطہ کی جماعت اسی مسلک کی ایک گمراہی ہوئی شکل ہے۔ مصر کے شافعی مسلک کے لوگ اس سے تعاون پسند نہیں کریں گے۔ اس تعاون کا یہ مطلب ہوگا کہ ہم ان لوگوں کو تقویت دیں جو کسی وقت مصر کے لیے بھی خطرہ بن سکتے ہیں۔

سلیمان بن عامر نے فوراً ایم فلزا بدلا۔ دھیر میں آپ کو کسی سے تعاون کا مشورہ نہیں دوں گا۔ مصر کو ان حالات کا تنہا مقابلہ کرنا ہوگا جس سے درپیش ہیں اور آپ اکیلے ہی اسی تقدیر کو مصر کی جانب بڑھنے سے روکیں گے جو نئی طوفان کو تباہ و برباد کر دینے کے لیے ان کے ارگرد چکر لگا رہی ہے۔

یہ الفاظ رد کی کرکٹ بن کر شیشیان کی سماعت سے ٹکرائے اور وہ مارے حیرت کے اپنی نشست چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ ”کیا کہنا تم نے؟“ تقدیر بنو طوفان کے گرد چکر لگنا رہی ہے؟

سراٹھے دار بھی کھڑا ہو گیا۔ ”شہزادہ عالی ایہ بات میں نہیں جعفر بخوی کتنا ہے اور آپ کو قبل از وقت تباہی کی خبر دے چکا ہے۔“

طوفانی شہزادے پر ایک اور حیرت گزر گئی۔ وہ پوچھی پھٹی آنکھوں سے سلیمان بن عامر کو

دیکھتے لگا۔ جبر ہٹا پڑا اسرار نظر آ رہا تھا اور مردہ سی آواز میں برلاڑ تو تم نے بڑھے بخوی سے نئی طوفان کی تباہی کا راز معلوم کر لیا؟

اس خیال کے پیش نظر کہ ان انتہائی اہم معلومات کے انکشاف پر جو جعفر بخوی نے اپنے علم سے حاصل کر لی تھیں اور جن کے بارے میں رازداری کا وعدہ کر چکا تھا، انہیں اس پچاسے پر کوئی مصیبت نہ لڑے۔ پوچھے فلسطینی سرائے دار نے اپنی بات پر اہم اور اسرار کی ایک چلن گزادی یا دوسرے لفظوں میں کچھ نہ کی طرح اپنا منہ کھڑی کے اندر کھینچ لیا اور بتانے لگا۔

”شہزادہ عالی! نہ میں نے جعفر سے کچھ پوچھا نہ اس نے کچھ بتایا۔ بلکہ سلطان خاریج ابو جیش مرحوم کی رحلت سے پہلے میں نے ایک عجیب اور بڑا خوف ناک رویا دیکھا تھا جس کی تعبیر کے ضمن میں مجھے نئی طوفان کے گرد چکر لگاتی ہوئی تقدیر کا پتا چلا۔“

شہزادہ شیشیان کی بے چینی کچھ اور بڑھ گئی۔ ”دیکھا رویا دیکھا تھا تم نے؟“

سلیمان اپنا رر بیان کرنے لگا۔ ”میں اس رات فسطاط میں تھا اور سونی اٹھنے کی چوٹی میں سو رہا تھا جب وہ مول ناک رویا دیکھا اور یہ دیکھا کہ سلطان مرحوم نیل کی مغربی ماہیا ہرام کی وادی میں سب سے بڑے ہرم کی چوٹی پر کھڑے ہیں جو فرعون خروف کا ہرم کہلاتا ہے ان کا پھرہ برتر (لیڈیا) کی جانب تھا اور میں سوچا ہوں اس بلند ترین چوٹی پر جس پر کوئی نہیں چڑھ سکتا۔ وہ غالباً قبر دان میں ہونے والی جنگ کا منظر دیکھ رہے ہیں۔ اچانک یہ دیکھ کر حیران رہ جاتا ہوں کہ ایک بہت بڑا صحرائی بگولا ان کے ارد گرد چکر لگا رہا ہے۔ آسمان پر سنا سے روشن ہیں اور ان کی روشنی میں گرد بار پگھلتے دروں کا ایک گھونسا اندر رکھائی دیتا ہے۔ میں رویا ہی میں خیال کرتا ہوں کہ وہ درے نہیں بلکہ ستارے ہیں جو سلطان کے گرد گھومنے کی صورت چکر لگا رہے ہیں لیکن قاصد کی گوری کے باعث مجھے چھوٹے چھوٹے ریت کے لڑتے دکھائی دیتے ہیں۔“

اعضاؤں (گردباد) سلطان کے گرد چکر ہی نہیں لگتا بلکہ ان پر چھپتا ہے۔ وہ اس کی چھٹ سے بچنے کی کوشش کرتے اور اسی کوشش میں ہرم کی بلند ترین چوٹی سے نیچے لڑھک جاتے ہیں۔ پھر ان کا بے جان جسم اہرام کی سنگلاخ واری میں آگرتا ہے۔ یہ بھیانک منظر دیکھنے ہی خوف سے میری آنکھ کھل گئی اور بے حد پریشان ہو گیا۔ رویا میں آسمان پر

یہ حادثہ کی گردش تیز ہو چکی ہے۔

اگرچہ وہاں باتیں سننے والا کوئی نہ تھا، نہ آواز اس کمرے سے باہر جاسکتی تھی پھر بھی شہسازان کا ہوسرگوشیاں نہ ہو گیا۔ "سلیمان! میں توقع رکھتا ہوں جو کچھ تمہیں معلوم ہو چکا ہے وہ اپنی ذات تک محدود رکھو گے۔ اب میرے، تمہارے اور جعفر بنحوی کے علاوہ کوئی شخص اس تقریر سے آگاہ نہیں، جو بنی طولوں کو درپیش ہے میں نے سلطان ہارون سے بھی یہ بات چھپا کے رکھی ہے وہ زور میں شاید خاندان کی تباہی کا نشانہ پڑے مگر حوصلہ ہار دیں لیکن میں تقدیر کے نوشتے کو بدلنے کی کوشش کرتا اور مرتے دم تک حالات سے یا پھر اپنی قسمت سے لڑتا رہوں گا مجھے اس معاملے میں تمہارے تعاون کی ضرورت ہے۔"

سلیمان بن عامر جو ابھی تک کھڑا تھا اس کے سامنے جھک گیا۔ "میں ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں، جو کچھ کر سکتا ہوں، کرگزروں گا۔"

"پھر آرام سے بیٹھ کر میری بات سنو۔"

وہ بیٹھ گیا تو شہسازان کہنے لگا۔ "سلیمان! ابن حرب تمہارا دوست ہے۔ شہزادی نجم بھی تم پر اعتماد کرتی ہیں انہیں کہو وہ قسطنطنیہ جماعت کا ساتھ چھوڑ دیں اور بادشاہی لشکر قبائل کے کرنی طولوں سے مل جائیں انہیں صحرانوردی کا حکم تسلیم کر لیا جائے گا۔"

قرامطہ کے سب سے مغربزدہ نے خشکی نظر سے شہسازان کی طرف دیکھا اور کہا۔ "آپ جانتے ہیں جب سے وہ قسطنطنیہ تحریک میں شامل ہو اور شہزادی نجم کو صحرانوردی سے لگا دے گا اس کی دوستی نہیں رہی۔ میں اسے ذہن سے اتار چکا ہوں وہ لڑائی کا راستہ بھول گیا۔ سلطان معظم نے بتایا ہے تو کیا ہے؟"

"سلطان معظم کو اس ملاقات کا مشورہ میں نے دیا تھا سلیمان! انہیں بھی بنی طولوں کی خاطر صحرانوردی ابن حرب کو ایک بار پھر اپنا درست ہتھیار بنانا ہو گا۔"

"آپ کہتے ہیں تو میں اسے دوبارہ درست بناؤں گا لیکن میرا خیال ہے، نہ وہ قرامطہ کو چھوڑ سکتا ہے نہ شہزادی نجم جماعت سے الگ ہو سکتی ہے۔ ان دونوں کو صحرانوردی قبائل پر حکمرانی جماعت کے فیصلے میں ہے۔"

شہزادہ شہسازان کچھ سوچ کر بولا۔ "میں تمہاری بات تسلیم کرتا ہوں کہ ابن حرب جماعت کو نہیں چھوڑ سکتا اور نجم تو اس سے بھی زیادہ جماعت کی پرستار معلوم ہوتی ہے لیکن میرا اصل مقصد

سناروں کو چمکنے دیکھا اور انصار کے ذمہ پر بھی سناروں کا لگان ہوا تھا جس سے خیال آیا، اس عجیب و غریب رویہ کی تعبیر جعفر بنحوی سے دریافت کرنا چاہیے جو حکامات کا ماہر ہے۔ میں سویرے ہی اس کی حویلی پر پہنچ گیا۔ اس نے میرا رویہ سنا تو رنگ نہ گیا اور کہنے لگا۔

"اس رویہ میں سلطان خا رزہ جو جیش کرنی طولوں کی علامت کے طور پر دکھایا گیا ہے خود کفر کے ہر کم کی چوٹی سے مراد مصر کی سلطنت ہے اور ذمہ داروں یا سناروں کا جو انصار ان کے گرد چکر لگاتے نظر آتا ہے وہ دراصل بنی طولوں کے سناروں کی گردش یا بجتی ہے، جو انہیں اپنی پسینے میں لینے کے لیے چکر لگاتی ہے۔"

میں رویہ کی تعبیر سن کر اور پریشان ہو گیا۔ تب جعفر نے بتایا کہ میرا رویہ اور اس کا علم نجوم ایک امر پر تعلق ہیں اس نے سلطان معظم کے حکم سے اتر کر مجھ کو بنی طولوں کے زائچے دکھائے تو معلوم ہوا کہ بنی طولوں کا ستارہ گردش میں آچکا ہے اور تقدیر بن قریب انہیں جھپٹ لے گی اس نے یہ بھی بتایا کہ سلطان معظم کے علاوہ آپ کو بھی ایسا ہی گردش سے آگاہ کر دیا گیا ہے اور اُسے والی بدگئی کو روکنے کی کچھ تجاویز بھی بتائی گئی ہیں پھر اُس نے مجھے تاکید کی کہ اگر بنی طولوں کا درست انداز کا پتہ خیر خواہ ہوں تو اپنے سربراہ اور تقدیر کی گردش کا کسی سے ذکر نہ کروں۔"

یہ کہہ کر مراٹے دار نے ایک لمحہ توقف کیا پھر اپنی بات اتنا لٹا کر ختم کی کہ شہزادہ عالی! میں نے آج تک بنی طولوں کے گرد چکر لگانے والی تقدیر کا ذکر کسی سے نہیں کیا تھا کہ سلطان کی بے وقت رحلت اور جیش کی اچانک ہلاکت سے حالات کی صورت بدل گئی اور تقدیر کی گردش تیز ہو چکی ہے لیکن کبھی کبھی سوچنا ہوں شاید کوئی کوشش اس صورت حال کو بدل دے کہ "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" انسان کے لیے وہی کچھ ہے جس کے لیے وہ کوشش کرتا ہے۔

اس کی تقریر سن کر ولی عہد نے اپنا سر خم کیا اور بارے ہوئے جواری کی طرح چپ چاپ نشست پر بیٹھ گیا۔ معلوم نہیں سلیمان نے جو بات سنائی، وہ گھڑی گھٹی تھی یا فی الواقع اس نے کوئی راز یا دیکھا تھا تاہم انداز بیان میں گھڑت کا لگان نہ دیا تھا۔ شہزادہ شہسازان بچہ اور اس دیر پریشان ہو گیا اور افسردہ لہجے میں بولا۔ "جعفر بنحوی کی پیش گوئی کے لیے تمہارے دیا نے بھی مجھے راز دیا ہے کہ بنی طولوں اس کی تعبیر سے دوچار ہیں اور جیسا تم نے کہا تقدیر

ابن حرب کی دوستی اور اعتماد حاصل کرنا ہے۔ شاید اس کی دوستی سے مصر کو فائدہ پہنچے۔

”پھر میں اس سے دوستی کروں گا اسے اپنے ہمتا میں لے لوں گا۔“

طوئونی دلی غم خوش ہو گیا۔ ”یہ سب کچھ تم میرے لیے کرو گے۔“

”ہاں، آپ کے لیے، مصر کے لیے۔“

”اس تعاون کے عوض تمہارے ساتھ ہی پورا تعاون کیا جائے گا۔“

پھر شیبان نے اس کا ہاتھ تھام کر دیا دیا۔ ”سلیمان انھیں ہند اور پرکشی نظر رکھنا ہوگی اگر انہوں

کے اندرونی حالات اور خلیفہ کے ارادوں کی اطلاع بروقت ملتی ہے تو شاید پیش آنے والے حادثات کو روکنے کی کوئی تدبیر ہو سکے۔“

سلیمان نے بھی جواب میں اس کا ہاتھ دیا دیا۔ یہ گویا بغداد کے خلاف ان کے درمیان ایک

”خفیہ معاہدہ“ تھا پھر اسی روز میسرے پہر شہزادی نجم، ابن حرب، سردار نعمان اور سر اسے دار

نے سلطانی قافلے کو رخصت کیا اور شاہی سواریاں دمشق کی طرف روانہ ہو گئیں۔ بدرجہا می غمناک دھڑکنے

کے سالار کی حیثیت سے ان سواریوں کے پیچھے اور بڑا چمکس نظر آ رہا تھا۔



موٹ کا کھیل

○

شاہی مہانوں اور سلطانی دستے کی روانگی کے بعد کارواں سرائے میں جگمگا کچھ کم ہو گیا۔

پھر بھی ابن حرب، شہزادی نجم اہلیں، اس کی کنیزوں، صحرائی رسالے اور شہر سماروں کی وجہ سے

کافی چل پل تھی۔ اتفاق سے کوئی دوسرا مسافر بھی نہیں تھا۔ اب عربیوں کی کارواں سرائے کے

مکان اور میزبان سب اکٹھے تھے، ایک ہی سمت میں چلنے اور ایک ہی نشانے پر بیٹھنے والے تھے

اس لیے ان کے درمیان کھلی بات چیت ہو سکتی تھی۔

عریش میں طوئونی عزیزوں کو ملانے کا مقصد یہ تھا کہ طوئونی حکومت اور جماعت کے

درمیان تعاون کا معاہدہ کیا جائے لیکن فوجوان سلطان نے سیاسی اور مذہبی وجوہ کی بنا پر کسی

معاہدے سے انکار کر دیا تھا۔ تاہم وہ ابن حرب اور شہزادی نجم کے ذاتی اور درپردہ تعاون پر

تیار تھا اس طرح ناکامی میں کامیابی اور انکار میں اقرار کی ایک صورت پیدا ہو گئی تھی۔ فلسطینی سرگودار

اس صورت حال سے مطمئن تھا۔ اب اسے صحرائی مہانوں کو یہ بتانا تھا کہ آئندہ کیا کرنا ہے۔ سلطانی

قافلے کی روانگی کے فوراً بعد پہلی منزل کے اسی ہال ٹاکر سے میں یہاں طوئونی عزیزوں کی بات چیت

ہوتی تھی۔ سرائے دار، شہزادی نجم، ابن حرب اور سردار نعمان باہمی گفتگو کے لیے اکٹھے ہوئے

اور فلسطینی داعی انھیں جماعت کے مقصد سے آگاہ کرنے لگا۔

”ابن حرب اگر باردن بن خمار دیہ نے تمہیں کوئی سرحدی علاقہ دے دیا جیسا کہ وہ کہتا

ہے اور اگر نہ دیا تو بھی جماعت کو شام کے چند قلعے درکار ہیں جنہیں حاصل کرنے کے لیے ہمارے

قبائلی لشکر شام کے سرحدی علاقوں میں تاخت کریں گے۔ لیکن یہ کارروائی تم نہیں کرو گے بلکہ شہزادی نجم کے حکم پر ابو غانم کرے گا اور وہی قبائلی لشکر لے کر شام کی سرحد میں گھس جائے گا۔

انجی اس کی بات بھی پوری نہیں ہوتی تھی کہ شہزادی نجم نے اسے ٹوک دیا اور بھیڑ سے بولی: ”سیلمان! اگر ہارون نے جماعت کے ساتھ تعاون کا معاہدہ نہیں کیا کیوں کہ اس کی کچھ مجبوریوں ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں، ہم طوونی علاقے تاخت و تاراج کرنے لگ جائیں۔ ہم تو معاہدہ اس لیے کرنا چاہتے تھے کہ مصر و شام کو عباسیوں کی یلغار اور تاخت سے بچائیں۔“

ہو شیار سر لے وار نے اپنا سر فوراً اٹھ کر دیا: ”شہزادی صاحبہ! پہلے آپ وہ بات سن لیں جو میں بیان کرنے والا ہوں کیوں کہ نتیجہ تو پوری بات سننے کے بعد اخذ کیا جاتا ہے پھر بھی آپ کو کوئی اعتراض ہو تو یہ تجویز ترک کر دی جائے گی اور میں امام کو اطلاع بھیج دوں گا کہ آپ کے حکم سے شام پر حملہ منسوخ کر دیا گیا ہے۔“

شہزادی نجم نے یہ بات تعجب سے سنی کہ شام کے سرحدی علاقوں کو تاخت و تاراج کرنے کی تجویز امام بارگاہ سے آئی ہے۔ اس نے سلیمان بن عامر کو بولنے کا موقع دیا تاکہ پوری بات سن کر کوئی نتیجہ اخذ کرے اور وہ کہنے لگا:

”یہ بات تو طوونی حکمران بھی تسلیم کرتا ہے کہ خلیفہ معتضد قنسرین اور عوام کے صوبے جو رومی سرحد سے ملتی ہیں اس سے ہتھیار لینا چاہتا ہے لیکن ہمارے خبر رساں جو اطلاعات امام بارگاہ تک پہنچاتے رہے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ عباسی امرا خلیفہ کو مصر پر قبضہ کرنے کے لیے مسلسل اُلک رہے ہیں۔ شہزادی اسماء قطر الندی بیچاری اسی حد سے سے گل گل کر رہی ہیں۔ یہ بھی ظاہر ہے طوونی فرج عباسی حملے کا دفاع نہیں کر سکتی۔ سپہ سالار محمد بن سلیمان در پردہ خلیفہ سے بلا ہوا ہے۔ شہزادی نجم بھی اس صورت حال سے بے حد پریشان اور امام کے روبرو اپنی پریشانی کا اظہار کر چکی ہیں۔ اب ان کا فیصلہ یہ ہے اگر ہارون بن خمار ویر جماعت کے ساتھ تعاون کا معاہدہ نہیں کرتا تو پھر شام کے سرحدی علاقوں کو تاخت و تاراج کر کے اپنے قبضے میں لے لیجائے اور یہ ہم ہمدرد ابو غانم کے سپرد کی جائے اس تاخت اور قبضے کا مقصد طوونی ریاست اور عباسی سلطنت کے درمیان مدافعت کا ایک خط کھینچنا ہے تاکہ عباسی لشکروں کو مصر و شام کی طرف بڑھنے سے روکا جاسکے۔ اس طرح طوونی حکومت کا جماعت سے کوئی تنازعہ نہیں ہوگا اور بغداد کے ساتھ اس کا معاہدہ دوستی بھی نہیں ٹوٹے گا لیکن وہ عباسیوں کی یلغار اور تاخت سے محفوظ رہے گی۔“

البتہ وہ علاقے جن پر ابو غانم قبضہ کر لے گا طوونی شہزادی نجم امیل کی تحویل میں دے دیے جائیں گے کیوں کہ وہ احمد بن طولون کی بیٹی اور طوونی علاقوں پر حکمرانی کا حق رکھتی ہیں، غالباً سلطان ہارون اور شہزادہ شیبان کو اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ شمالی علاقوں پر حملے اور قبضے سے جماعت کو بھی فائدہ پہنچے گا اور بنی طولون کو بھی۔“

یہ سب کچھ بیان کرنے کے بعد سلیمان بن عامر شہزادی سے براہ راست مخاطب ہوا۔ ”اب بتائیے! آپ کو اس منصوبے پر کیا اعتراض ہے؟ یہ کارروائی دراصل طوونی ریاست کے دفاع کے لیے کی جائے گی۔ اگر کوئی تجھے کہ جماعت اس ہمارے شام کے سرحدی علاقوں پر قبضہ کرنا چاہتی ہے تو کبھی کوئی حرج نہیں۔ میری رائے میں عباسی لشکروں کے شام کی طرف حرکت کرنے سے پہلے ہی ہم سرحدی علاقے پر تباہی ہو جائیں تو عباسی لشکر شاید شام کا رخ نہ کریں۔ کیا عباسیوں کی بجائے ان علاقوں پر آپ کا قبضہ بہتر نہیں ہوگا؟“

شہزادی نجم کے پاس اس سوال کا کوئی منفی جواب نہ تھا۔ وہ تو یہ سن کر حیرت زدہ سی رہ گئی تھی کہ شام کے سرحدی علاقے پر تاخت اور قبضے کا مقصد عباسیوں کی یلغار کو روکنا اور طوونی مملکت کا دفاع کرنا ہے۔ اس کے بھتیجے ہارون بن خمار ویر نے ”ذاتی تعاون“ کی بنا پر حیب ابن حرب کو شام کی سرحد پر ایک قلعہ دینے پر آمادگی ظاہر کی تھی تو یہی کہا تھا کہ قلعے پر اسے حملہ و قبضہ کرنا ہوگا تاکہ عباسی کہیں یہ دیکھ لیں کہ قلعہ اُسے تحفے میں دیا گیا ہے۔ حملے کا مقصد انھیں اس غلط فہمی میں مبتلا کرنا تھا کہ ابن حرب نے قلعہ زبردستی چھین لیا ہے۔ سلیمان بن عامر نے جو منصوبہ پیش کیا اس میں بھی وہی نقشہ تھا، وہی چال تھی، وہی دھوکا تھا، وہی جھانسا تھا، البتہ نقشہ بڑا تھا تو جھانسا بھی بڑا تھا اس نے غور کیا تو یہ قرعہ بنی طولون کے حق میں پڑتا تھا کہنے لگی:

”اب ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ البتہ ابو غانم کی کارروائی سے پہلے ہارون یا جہاں شیبان کو اعتماد میں لینا اور اصل مقصد سے آگاہ کرنا ہوگا۔“

”اس کے برعکس میرے نزدیک انھیں اس معاملے کی خبر دینا مناسب نہیں۔“

نجم اللیل نے جبر سے ہارونے دار کی طرف دیکھا تو اس نے وضاحت کی:

”شہزادی صاحبہ! شاید آپ نہیں جانتیں، مصر میں بنی عباس کے حمایتی پیدا ہو گئے اور ان کے حامیوں نے جبر میں جبر میں سونگھتے پھرتے ہیں اگر اس بات کی ہلک بھی ان کے کانوں میں پڑ گئی کہ ہم جو کچھ کرنے والے ہیں، ہارون بن خمار ویر اس سے آگاہ ہے تو نہ صرف اسے ”سلطان“ کے

انقباض گئے محمد کو دیا جائے گا بلکہ محمد بن سیدان کو اشارہ دے کہ طوئی فتح سے بغاوت کرانی جائے گی جس سے بنی طوئی کے حالات مزید بگڑ جائیں گے۔ آپ جانتی ہیں حبش بن خازم یہ کہ عہد میں لشکریوں کی بغاوت کا کتنا ہیامک انجام ہوا تھا۔

شہزادی نجم اس بغاوت کے قصہ ہی سے لڑ گئی۔ جس سے مشغول لشکریوں نے حبش کو قتل کر دیا تھا۔ پھر ہارون کو منصوبے سے آگاہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

اب سرائے دار نے بڑی رازداری سے بتایا کہ سلطانی قافلے کی روانگی سے قبل میں نے شہزادہ شیبان سے علاحدگی میں ملاقات کی تھی۔ وہ ابن حرب سے دوستی چاہتا اور مجھ سے توقع رکھتا ہے کہ میں بغداد پر کڑی نظر رکھوں اور خلیفہ کے ارادوں کی اطلاع اسے دیتا رہوں۔ اس کے بعد کچھ کہنے اور سننے کی ضرورت نہیں تھی۔ ابن حرب نے سیدان بن عامر کی تجویز پر اپنی رضامندی کی ہر گز دی۔ ابن طوئی فی الحال ادبار کی زد میں ہیں۔ طوئی فوجوں پر اس وقت تک اعتماد نہیں کیا جاسکتا جب تک محمد بن سیدان کو سپہ سالاری سے الگ نہیں کر دیا جاتا۔ ان حالات میں ہم طوئی حکومت کی درپردہ مدد اسی طرح کر سکتے ہیں کہ شام کے سرحدی علاقے پر قبضہ کریں اور عباسی لشکروں کو آگے نہ بڑھنے دیں۔

ابن حرب! بے شک ہم اس طرح صرف بنی طوئی کی درپردہ مدد کر سکتے ہیں بلکہ اپنے صحرائی علاقے کی بھی حفاظت کریں گے۔ سرائے دار نے ایک نیا نکتہ پیش کیا۔ ”ذرا غور کرو اگر عراقی لشکروں نے کسی وقت شام پر قبضہ کر لیا تو بادیہ شام کے حلیہ پر بسنے والے صحرائی قبائل ان کے گھیرے میں آجائیں گے۔“

یہ سنتے ہی شہزادی نجم دنگ رہ گئی۔ ابن حرب اپنی نشست پر مارے حیرت کے اچھل گیا اور سرور نہان جوالی تک خاموش بیٹھا تھا۔ ”یہ تو انتہائی خطرناک بات ہوگی۔ عراقی لشکر دو طرف سے گھیر کر ہمیں تباہ و برباد کر دیں گے یا بادیہ شام میں دھکیل دیں گے۔ اب شہزادی نجم کہنے لگی۔ ”اس خطرے کی طرف تو ہم نے دھیان ہی نہیں دیا تھا۔ ہمیں اپنے صحرائی حفاظت کے لیے بھی شام کے سرحدی علاقے پر قبضہ کرنا چاہیگا۔“

”شہزادی صاحبزادہ! صرف آپ ہی نہیں بلکہ میں بھی معاملے کی اس سنگین نوعیت سے غافل ہو گیا تھا کہ ایک مہتی ہے جو غافل نہیں ہوتی۔“

پھر اس سہی کا نام یہ بغیر بتانے لگا، جب ہم سو رہے ہوتے ہیں وہ جاگتا ہے۔

ہماری آنکھیں بند ہو جاتی ہیں مگر اس کی آنکھیں کھلی رہتی ہیں اور وہ ان معاملات پر نگاہ رکھتا ہے جو ہماری نظروں سے اوجھل ہوتے ہیں۔“

وہ تینوں سمجھ گئے کہ اس کا اشارہ زیر زمین باڈی کے حجرے میں مقیم ذکریہ قرطبی کی جانب ہے جو السوادہ کے دشت پر ہول میں تہمار تھا لیکن وہاں سے شام اور بادیہ شام پر بھی اپنا سایہ ڈال رہا ہے۔

فلسطینی سرائے دار نے اس کے تیار کردہ منصوبے کا جو خاکہ کھینچا، جو نقشہ بیان کیا، اس میں ایک طرف اگر بنی طوئی کی ”درپردہ حمایت“ کا پہلو دکھایا تھا تو دوسری جانب صحرائے شام کے حلیہ پر ادبار قبائل کی حفاظت بھی مقصود تھی لیکن یہ کوئی نہ جان سکا کہ اس منصوبے کے نتائج کیا ہوں گے۔ شاید فلسطینی سرائے دار جانتا ہو کہ وہ بہت دور کی سوچنا اور اپنی ہر تجویز حربوں اور غفلتوں سے بچا دیتا تھا۔ کم از کم یہ تو جانتا تھا کہ قرطبی کی بساط پر شہزادی نجم اسلحہ کو کیا کردار ادا کرنا ہے۔ وہ اسی سے مخالف ہوا۔

”شام پر حملے سے قبل مکمل تیاری کرنا ہوگی۔ اس میں کچھ وقت لگے گا۔ اب غلام اور ابن حرب کے ساتھ آپ کو خود قبائل کی طرف جانا اور انھیں اس منصوبے کا مقصد بتانا ہوگا۔ آپ صحرائی قبائل کو بتائیں گی کہ خلیفہ آپ کے والد مرحوم احمد بن طوئی کی قائم کردہ مملکت کو توڑ دینا چاہتا ہے اور آپ کی طرف سے اب غلام سرحدی علاقے پر قبضہ کرے گا تاکہ عباسی لشکروں کو اس علاقے پر قبضہ نہ کرنے دیا جائے۔“

”سیدان! ہماری آنکھوں پر پڑا ہوا پردہ ہٹ گیا اور ہم معاملے کی سنگینی کو سمجھ گئے ہیں یہ بھی جانتے ہیں کہ فی الحال ہمارا اور ابن حرب کا پس منظر میں رہتا ضروری ہے ہم انھیں تقسیم دلائے ہیں کہ ہر بات اسی طرح پیش آئے گی، جس طرح سوچی گئی ہے کیونکہ جب ہم کوئی ارادہ یا فیصلہ کریں تو اسے ادھر انہیں چھوڑنے۔“

سیدان بن عامر نے اس کی آنکھوں پر، ذہن پر بھی ایک نیا پردہ گرادیا تھا حالانکہ وہ کہہ رہی تھی کہ پردہ اٹھ گیا ہے۔ یہ حال اب اس کے سامنے ایک نیا محاذ تھا، ایک نیا میدان تھا اور اس محاذ کی طرف جانے والا راستہ بنی طوئی کے درمیان سے گزرتا تھا۔ ابھی یہ گفتگو جاری تھی کہ مشرقی جانب سے گھنٹیوں کی آواز سنائی دی جو کسی کارروائی کی آمد کا اعلان کر رہی تھی۔ سورج غروب ہونے میں کچھ دیر باقی تھی، دن دھندلنے لگا تھا اور دھوپ بوسلے ہوئے پھٹوں اور

دیواروں سے اتر رہی تھی کہ آنے والی صدائے جرس نے انھیں چونکا دیا۔ سرائے دارجلوی صفاٹھا اور اجازت لے کر کمرے سے نکل گیا۔



قائد حجاز سے آیا تھا جس میں یمن اور عدن کے کچھ تاجرس بھی تھے۔ وہ خود ہندی (اگر) مندل اور لبان کے علاقہ موتی، مرنگے (مرجان) اور دالیں لے کر نسطاط جا رہے تھے۔ جہاں ان اشیاء کی بڑی ملک تھی، قافلے میں جازی تاجروں کے اونٹ زیادہ تھے، جن پر جانوروں کی کھالیں اور پانی کی پکھالیں لدی تھیں۔ رچ اور قربانی کے ایام میں مکہ کے تاجسر کھالیں جمع کر بیٹھے اور انھیں سکھا کر دسا کر بھیجتے تھے۔

قافلے میں کل پچاس اونٹ تھے۔ تاجروں، ساربانوں اور محافظ شہسواروں کی تعداد چالیس کے لگ بھگ تھی۔ فلسطینی سرائے دار نے اپنے غلام منصور اور نئے حصول کنندہ کے ساتھ کارواں سرائے کی فیصل کے بڑے بیابان پر قافلے کے قریشی سردار ابو خطاب، اور اس کے ساتھی تاجروں کا استقبال کیا۔ پھر انھیں لے کر سرائے کی طرف بڑھا، جب کہ ساربان اور محافظ شہر سوار لہرے ہوئے اونٹوں کے ساتھ اصطبل کی جانب ہو لیے، جہاں خادم، نوکر سامان اتار دئے اور اسے مال خانے میں پہنچانے کے لیے تیار رکھ دئے تھے۔ اگرچہ عام طور پر قافلے کے ساربان محافظ شہر سوار اور تاجروں کے کارندے ہی اونٹوں سے سامان اتارتے اور اپنی نگرانی میں اسے مال خانے تک پہنچاتے تھے لیکن سلیمان بن عامر نے کاروانوں کے ٹھکے ماندے مسافروں کی سہولت کے لیے سامان اتارنے اور ڈھونڈنے والے خادم بھی رکھے ہوئے تھے، جو ساربانوں، محافظوں، اور تاجروں کے کارندوں کا ہاتھ بٹاتے تھے۔

جب سرائے کے خادم ساربانوں کے ساتھ مل کر سامان اتوارہے تھے، کارواں کے محافظ شہر سواروں کا سردار جس نے اپنا نصف چہرہ نطاق (پکے) سے ڈھانپ رکھا تھا (معا) میں سفر کرنے والے مسافر اپنے چہرے عموماً نطاق سے ڈھانپ لیا کرتے تھے تاکہ صحرائی لوگوں سے بچے رہیں۔) اصطبل میں پہلے سے موجود اونٹوں اور سانپوں کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اصطبل کے دوسرے حصے میں رسالے کے گھوڑے بھی نظر آئے۔ ساندنیاں اور اونٹ بھی کسی صحرائی حبش کا حلقہ معلوم ہوتے تھے اور یہی بات اس کی حیرت کا باعث بنی تھی کہ سرائے میں کوئی فوجی دستہ

قیام پذیر ہے۔

اصطبل میں گرجوں کی چرنیاں اور گھوڑوں کے ٹھکان ایک طرف اور اونٹوں کے باڑے دوسری جانب تھے۔ درمیان میں ایک قدیم دیوار حامل تھی۔ وہ اس دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا آگے بڑھتا تو نظر غیر معمولی قد و قامت کے ایک گھوڑے پر پڑی جس کی پشت پر عراق کے شاہی رسالے کا داغا ہوا مخصوص نشان دیکھ کر چونک گیا۔ ایسے غیر معمولی گھوڑے عباسی رسالے کے یکتا ز انصروں کو دیے جاتے تھے۔ اصطبل میں دوسرے گھوڑے عام قد و قامت اور صحرائی نسل کے تھے اب محافظ سردار دوسری حیرت سے دوچار ہوا اور سوچنے لگا کہ کیا عباسی لشکر کا کوئی دستہ مصر میں آگیا ہے؟ اس نے اصطبل کے ایک سائیس سے اس فوجی گھوڑے کے بارے میں پوچھا کہ کس کا ہے؟ سائیس نے مبہم سا جواب دیا۔ ”ایک صحرائی امیر کا“

محافظ سردار کے چلے کچھ نہ پڑا۔ بھلا کسی صحرائی امیر کا عباسیہ کے شاہی رسالے سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ باہر آیا تو اصطبل کے ایک پاسبان (پہرے دار) سے دریافت کیا۔ سرائے میں کسی لوگوں کا قیام ہے؟

پاسبان کا جواب بھی مبہم تھا۔ ”ایک صحرائی امیر اپنے رسالے اور شہر سواروں کے ساتھ مقیم ہیں۔“

اب کاروان کے محافظ سردار کو خیال آیا، شاید امیر کا نام چھپانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ جوابات اس سے چھپائی جائے، اس کے بارے میں تجسس بھی بڑھ جاتا اور وہ اسی کا کوچ لگانے پر تزل جاتا ہے۔ محافظ سردار کا تجسس بھی بڑھ گیا۔ وہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ عباسی رسالے کے داغے ہوئے غیر معمولی گھوڑے پر سوار ہونے والا امیر کون ہے اور وہ کونسی کی کارواں سرائے میں کیا لیتے آیا ہے؟

معاہدہ دوستی کے باوجود مصر اور عراق کے درمیان فوجی قانون کی آمد و رفت نہیں تھی۔ اور تجارتی قافلے آتے جاتے رہتے تھے۔ اتنے عرصے میں شام ہو گئی۔ سارا سامان مال خانے میں پہنچا دیا گیا تھا۔ ساربان اور شہر سوار سرائے کے رہائشی حصے کی طرف چل دیے تھے۔ محافظ سردار بھی ان کے پیچھے پیچھے ہوا لیکن غیر معمولی عراقی گھوڑے اور اس کے سوار سے دل چسپی بڑھ گئی تھی۔ یہ محض اتفاق ہی تھا کہ جب وہ سرائے کے دروازے میں داخل ہوا تو دروازے سے گزرتے وقت جہاں سے وہیں بائیں دو زینے اتر جاتے تھے اس نے دائیں جانب کے زینے میں

ایک قبائلی سردار کو سلیمان بن عامر سے غلام منصور سے باتیں کرتے دیکھ لیا جو کہ رہا تھا۔ سردار نے انہیں آپ بے فکر رہیں، سویرے جب کوچ ہوگا، آپ کو ہر شے تیار ملے گی۔

محافظ سردار نے ”سردار نعمان“ کا نام سنا تو چونک گیا۔ فوراً ذہن کی کھرکی کھلی اور آندھی کا ایک تیز جھونکا اندر داخل ہوا۔ ساتھ ہی اڑتی نظروں سے زینے میں اس کی صورت دیکھی اور حیرت کے عالم میں آگے بڑھ گیا لیکن ڈیوڑھی سے گزر کر وہیں ہال ٹاکرے کی طرف جانے والی رہاری کی دیوار سے ٹک کر کھڑا ہو گیا کہ سردار نعمان اور منصور کے درمیان کچھ اور گفتگو سن سکے مگر گفتگو سننے کی بجائے غلام کے واپس آنے قدموں کی چاپ سنی تو جلدی سے اس کی طرف بڑھ گیا۔ منصور اُسے اس طرح مڑتے دیکھ کر ٹھٹھا۔ محافظ افسوس کا نصف چہرہ ابھی تک نطاف میں چھپا ہوا تھا، اس کے قریب آگیا اور سرگوشی کے لیے میں پوچھنے لگا۔

”کیوں بھائی! وہ نبی کلب کے سردار نعمان ہی تھے نا، جن سے تم زینے پر باتیں کر رہے

تھے؟“

منصور نے اس پر حیرت کی نظر ڈالی۔ ”کیا آپ انہیں جانتے ہیں؟“

”بس ایک باکسر براہ ملاقات ہوئی تھی۔ میرا خیال ہے، وہی تھے۔“

منصور کوئی جواب دیے بغیر آگے بڑھ گیا جیسے نوادہ کی کوئی حیثیت نہ تھی یا پھر خاموشی

ہی اس کے سوال کا بہترین جواب تھا۔ محافظ سردار کے ذہن سے ایک آندھی سی گزر رہی تھی اس

نے کھڑے کھڑے سوچا معاملہ پتلا سر اس پر اور معاملے کو پورا سر اس پر ہونا چاہیے۔ پھر اُس نے

چکی بکائی اور اپنے ذہن کی کھلی کھڑکی سے نکل کر ایک بار پھر اصطبل میں جا پہنچا جہاں سردار نعمان کے

حوالے سے داغے ہوئے خاص عزائی گھوڑے کے سوار کو شناخت کر لیا۔ وہ ابن حرب الکندی کے سوا

کوئی نہیں ہو سکتا تھا، جو کبھی عراق کے شاہی رسالے کا یکہ تاز افسر اور محافظ دسٹے کا سالار رہ چکا

تھا۔

اس شناخت کے ساتھ ہی پورے بدن میں سنسنی دوڑ گئی کہ خلیفہ المسلمین معتضد باللہ کا

باقی نبی کلب کے سردار نعمان کے ساتھ جس نے السہادہ میں عباسی لشکر سے جنگ لڑی تھی

عزیز کی سرانگے میں موجود ہے اور سویرے دونوں اپنے رہائے اور شتر سوار دسٹے کے ہمراہ وہاں

سے کوچ کر جائیں گے۔ اسی حیرت اور سنسنی کی حالت میں آگے بڑھا اور ہال کمرے سے گزر

کر منتظم کے پاس آیا جہاں اس کا نائب پہلے سے موجود تھا۔ منصور ایک بار پھر وہیں دکھائی دیا۔

سردار نے اس پر چٹکی سی نظر ڈالی مگر نائب اُسے لے کر مغربی جانب ہولیا اور طویل رہاری پورے کمرے شمالاً جنوباً پھیلی غلام گردش میں پہنچا پھر بائیں جانب مڑا اور ایک کمرے میں داخل ہوا، جہاں ایک شتر سوار ساتھی ان کا منتظر تھا۔

سردار نے کمرے کے کمرے میں کئی کئی آدمی ٹھہرائے جاتے تھے۔ کاروانوں کے

ساربان، محافظ تھی کہ تاجر بھی عموماً مل جل کر رہنا پسند کرتے تھے۔ البتہ امرامہ جیسا اور یوح

کے لیے الگ الگ کمرے تھے، محافظ سردار اس کے نائب اور ایک ساتھی کو جو کمرہ ملا، وہ مغربی

جانب واقع اور مغربی غلام گردش میں کھتا تھا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی دروازہ بند کیا اور

دو درپے دونوں ساتھیوں کو قریب بٹھا کر سرگوشی سے کہنے لگا۔

”دوستو! ہم تینوں بے شک ایک اہم مقصد کی خاطر فسطاط جا رہے ہیں لیکن یہاں تو

اس سے بھی زیادہ اہم معاملہ لٹل آیا ہے۔“

”اہم معاملہ؟“ دونوں ساتھیوں نے بے یک زبان پوچھا۔

سردار نے اپنی آواز کچھ اور دہائی اور کہا ”سراٹے میں ابن حرب الکندی اور نبی کلب کا سردار

نعمان اپنے لاؤ لشکر سمیت ٹھہرے ہوئے ہیں۔ ہم تے اصطبل میں جو گھوڑے، ساندلیاں اور

اونٹ دیکھتے تھے وہ اُنہی کے ہیں۔“

اس انکشاف پر دونوں ساتھی بھی اسی حیرت ناک سنسنی سے دوچار ہوئے جو ان کے

سردار پر گزر چکی تھی۔ وہ ابن حرب اور سردار نعمان کا نام سننے ہی حواس باختہ ہو گئے۔ نائب نے

پوچھا ”کیا تم نے انہیں دیکھا ہے؟“

”ہم نے سردار نعمان کو دیکھا ہے۔ ابن حرب کو نہیں دیکھا لیکن اصطبل میں کس کا داغا

ہو افوجی گھوڑا موجود ہے۔“

دونوں ساتھیوں کی حیرت پاشش نظریں سردار کی نظروں سے ٹکرائیں اور ایک بار پھر ان

کے منہ سے بے یک وقت ایک ہی لفظ نکلا ”پھر؟“

”پھر کیا اگر تم کمرے سے نکلو تو اپنے چہرے نطاف سے ڈھانپ لو۔ ان کے آدمی یقیناً

نہیں پہچانتے ہوں گے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر تم دونوں میرا ساتھ دو تو ہم فسطاط کے مقصد

سے بھی ایک بڑا معرکہ سر کر سکتے ہیں۔“

ساتھیوں نے کوئی جواب نہ دیا اور سردار ان کی خاموشی کو نیم رضا مندی سمجھ کر کہنے لگا ”دوستو

مہم جانتے اور ابی حرب امیر المومنین کا باقی اور انھیں زندہ یا مکرہ ہر حالت میں مطلوب ہے اگر ہم یہ خدمت سرانجام دے سکیں تو اس کا صلہ امیر المومنین کی وہ خوشنودی ہوگی جو نہ صرف ہمیں مال مال کر دے گی بلکہ ہم اعلیٰ منصب اور بڑے کتبے حاصل کر سکتے ہیں۔

دونوں ساتھیوں نے اس کا مطلب سمجھ لیا اور دم بخود رہ گئے۔ نائب بولا: "وہ یہاں ایکل نہیں، شتر سواروں کا دستہ اور رسالہ اس کے ساتھ ہے جب کہ ہمارے ہزارہ گنتی کے کل بیس محافظ ہیں۔ وہ بھی ہم تینوں کے علاوہ سب میر کا رویا بھر یعنی تاجروں کے آدمی ہیں البتہ انہیں کسی سے بے وجہ لڑنے بھڑانے نہیں دے گا۔ کیوں کہ ہم ایک تجارتی کارواں کے محافظوں کی حیثیت سے سفر کر رہے ہیں اور تاجر لوگ جھگڑا پسند نہیں کرتے۔"

دوسرے ساتھی کا جواب بھی مایوس کن تھا۔ "سردار! دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ پھر ہمارے ساتھ دوسرے محافظ کسی فوجی رسالے یا شتر سوار دستے سے لڑنے پر ہرگز تیار نہ ہوں گے مقابلے میں ہم تین ہی رہ جائیں گے اور یہ مقابلہ نہیں جو دکشتی ہوگا۔"

سردار نے دونوں کے جواب سُنیں لیے پھر بڑے تحمل سے کہا: "تم یہ سمجھتے ہو کہ میں ابی حرب سے جنگ لڑنے یا اس سے مقابلہ کرنے کی طاقت کروں گا، ہرگز نہیں دوستو، ہم یہ مقابلہ جیت ہی نہیں سکتے مگر جنگ اور محبت میں ہر فریب یا ہر حرب جائز ہوتا ہے ہم ابی حرب کے خلاف کوئی حرب ہی استعمال کریں گے۔ یہ بھی سن لو بہت اور دیر سے کام لے کر کسی خطرناک منصوبے کا آغاز تو ہو سکتا ہے لیکن اُسے پورا کرنے کے لیے آدمی کو خود خطروں سے گزرنا پڑتا ہے۔ میرے ذہن میں ایک منصوبہ ہے جس کے لیے ہمیں بھی خطرہ مول لینا پڑے گا۔"

اب دونوں ساتھیوں کی دل چسپی بڑھی اور اس کی بات توجہ سے سننے لگے۔ سردار نے بتایا: "ہمیں جو کچھ بھی کرنا ہے آج ہی رات کرنا ہے۔ علی الصبح وہ لوگ اپنے صحرائی مسکن کی جانب روانہ ہو جائیں گے۔ اس لیے سب سے پہلے ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ ابی حرب سرائے کی کس منزلی اور کس کمرے میں مقیم ہے۔ میرا خیال ہے سردار نعمان کی طرح وہ بھی اوپر کی کسی منزل پر ٹھہرا ہوگا۔"

ساتھی یہ جانتے کے لیے بے چین ہو رہے تھے کہ اس کا منصوبہ کیا ہے، نائب بولا: "یہ کام مجھ پر چھوڑ دو۔ میں معلوم کروں گا کہ وہ کس منزل اور کس کمرے میں مقیم ہے۔ تم اپنا منصوبہ بتاؤ۔"

اب سردار نے اپنا منصوبہ پیش کیا: "یہ معلوم کر لینے کے بعد کہ وہ پہلی یا دوسری منزل کے کس کمرے میں مقیم ہے، آدھی رات کے بعد صبح سرائے میں سب لوگ سو رہے ہوں گے اور وہ بھی خواب خرگوش کے مزے رہا ہوگا، ہم اپنے کھیل کا آغاز کریں گے جس کا پہلا منظر یہ ہو گا کہ میں اوپر کا رخ کروں گا زینے کا دروازہ بند ہو گا لیکن میں بند دروازے سے کھولنا چاہتا ہوں اور بے آواز زینہ چھو کر کے اس کمرے تک پہنچ جاؤں گا، اس کمرے کا دروازہ بھی بند ہو گا۔ میں اُسے یوں کھول دوں گا کہ اس کی دلیلی بھی کوئی کھٹکا یا آہٹ نہیں سن پائے گی۔ پھر جلدی سے کمرے میں گھس کر تھوار کے ایک ہی دوار سے ابی حرب کا سر قلم کر دوں گا اور اُس کا بیدار سر چری پھینک دوں گا جو میں ساتھ لے جاؤں گا، نیچے اتروں گا قلعے میں یہ کرنا ہے کہ میرے نیچے اترنے تک سرائے کی مغربی فصیل پر کھنڈ ڈالنا ہوگی، کیوں کہ ہم تینوں کو یہاں سے نکلنا اور فرار ہونا ہے یہ ہمارے کھیل کا دوسرا اور آخری منظر ہوگا۔"

دونوں نے یہ سب کچھ بڑی حیرت سے سنا اور رنگ رہ گئے۔ پھر نائب کے ہونٹوں پر زہر خنڈی مسکراہٹ تیر گئی۔ "سردار! تمہارا بے آواز اور پر جانا بے کھٹکے دروازہ کھولنا اور سوائے ہوئے ابی حرب کا سر کاٹ کر نیچے اتارنا، یہ سارا منصوبہ ظلم ہو شتر باسے کم نہیں یا پھر جیل پلاؤ پکانے کے مترادف ہے۔ اول تو یہ یقینی نہیں کہ اس وقت سرائے کے سارے ملازم بھی سو رہے ہوں گے۔ دوسرے ابی حرب جیسے جنگی مرد کو بے خبری میں ہلاک کرنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہوگا۔ ممکن ہے وہ جاگ جائے یا فہار امار اوچھا پڑے اور تم اسے زخمی کرنے کے سوا اور کچھ نہ کر سکو بلکہ خود اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھو۔ یہ تو انتہائی خطرناک کھیل ہے۔"

"میں تجھیں بتا چکا ہوں کہ کسی خطرناک کھیل کو انجام تک پہنچانے کے لیے آدمی کو خود بھی خطروں سے گزرنا پڑتا ہے اس کھیل میں خطو ضرور ہے تاہم اگر میں کامیاب لوٹا اور ہم تینوں ابی حرب کا سر لے کر سرائے سے فرار ہو گئے تو پھر اس کام کا صلہ بھی بہت بڑا ہوگا۔"

"لیکن ہم فرار کیسے ہوں گے۔ ہمارے اونٹ اصطبل میں ہیں اور وہاں سرائے کے باربان پہرہ دیتے ہیں۔ ہم اصطبل سے اپنی سواریاں حاصل نہیں کر سکتے۔"

"یہ بات میں نے سوچ لی ہے مصلیٰ! سردار نے پہلی بار اپنے نائب کا نام لیا اور کہا: "بے شک ہم اصطبل سے اپنے اونٹ حاصل نہیں کر سکتے، نہ سواریوں کے لیے طویل سفر ممکن ہے لیکن سرائے سے نکل کر پانچ چھ میل تو بھاگ سکتے ہیں۔ تجھیں یاد ہوگا۔ آج صبح ہم عیش کی جانب آ



عشا کے بعد وہ دنوں اپنے کمرے میں موجود تھے اور اس اثنا میں انہوں نے کئی اہم معلومات حاصل کر لی تھیں۔ یہ محض اتفاق تھا یا تقدیر کی چال تھی کہ سردار کا نائب مقلیٰ سرائے کے ایک لڑکے کو لایچ دینے میں کامیاب ہو گیا اور صرف ایک دینار کے عوض یہ بات معلوم کر لی کہ سرائے میں سردار نغان کے علاوہ ابن حرب الکندی اور شہزادی نجم امیل بھی موجود ہیں اور سوریے وہی ملک کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ لڑکے نے بتایا کہ ابن حرب اور شہزادی نجم دوسری منزل پر اس کمرے میں مقیم ہیں، جو سلطان مصر کے لیے مخصوص اور مغربی جانب واقع ہے لیکن شہزادی نجم کی طبیعت کچھ ناساز ہے اس لیے سرائے دار نے اسے اپنی بیوی رفاقت گاہ کے ایک خاص کمرے میں منتقل کر دیا ہے تاکہ وہ مکمل آرام کر سکے تاہم شہزادی کی سو ڈانی کنیز عزیز کج رات ابن حرب کی خدمت میں ہو گئی۔

انہی مکمل اور اہم معلومات فراہم کرنے پر نائب مقلیٰ نے خوش ہو کر لڑکے کو ایک دینار اور بخش دیا تھا۔ یہ سب باتیں اتنی آسانی سے معلوم ہو گئی تھیں کہ نائب اسے قسمت کا کرم سمجھا رہا ہوگا حالات موافق تھے وقت ساتھ دے رہا تھا اور ہر بات منصوبے کے عین مطابق عمل میں آ رہی تھی۔ ایک اور اتفاق یہ ہوا کہ وہ کمرہ جہاں ایک بھیا نک واردات ہونے والی تھی اس کمرے کے عین اوپر تھا جس وہ تیوں مقیم تھے۔ دوسری منزل کے کمرے کی ایک کھڑکی مغربی جانب کھلتی تھی۔ واردات کے بعد سورا اس کھڑکی سے کندھے کے ذریعے چھپا کر سکتا اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ سرائے سے یہ محفلت فرار ہو سکتا تھا، جب کہ انہیں یہ پناہی چل گیا تھا کہ مغربی فصیل کی جانب کوئی پاسبان اور پھرے دار نہیں ہوتا کیوں کہ رات کو جاگنے اور پرہ دینے والے چوکیدار اصطبل کی نگہبانی اور پاسبانی کرتے ہیں۔

حالات کی یہ صورت اس قدر مناسب اور صواب حال تھی کہ کامیابی کے تصور سے ان کے صیحوں میں سنسنی دوڑنے لگی، البتہ رات کو سو ڈانی کنیز عزیز کی ابن حرب کے کمرے میں موجودگی پر دشمنانی کا باعث بن سکتی تھی۔ نہ جانے کنیز کی خدمت کا سلسلہ کب ختم ہو۔ صرف ایک بات حوصلہ افزائی کر صبح انہیں سرائے سے کوچ کرنا تھا۔ اس لیے ممکن تھا کہ عزیز کی خدمت کے لمحات زیادہ طویل نہ ہوں اور وہ جلد ہو جائیں ایک خطرہ اور بھی تھا کہ یہ کہیں شور نہ مچا دے لیکن سردار نے اسے

سب سے پہلے نعلستان کے پاسی اجڑیاں سے پانچ چھ میل دور ہو کر خانہ بدوش بدوؤں کا ایک ڈیرہ نظر آیا تھا۔ بس نے وہاں اعلیٰ نسل کی سانڈنیاں دیکھی تھیں۔ ہم خانہ بدوشوں کے ڈیرے تک پہنچ گئے تو ان سے تین سانڈنیاں خرید کر ہجر اور دوزخہ الجذل کے رستے عراق کا سفر کریں گے نیز رفا سانڈنیاں ہمیں چند روز میں بغداد پہنچا دیں گی۔

”اگر خانہ بدوشوں نے سانڈنیاں بیچنے سے انکار کر دیا“

”ہر چیز اپنی قیمت پر بیک جاتی ہے تم اچھے دام لگاؤ تو آدمی بھی خرید سکتے ہو۔“

”چلو اگر ہم سرائے سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے تو خانہ بدوشوں کے ڈیرے تک پہنچ جائیں گے اور سانڈنیاں بھی حاصل کر لیں گے لیکن ہمارے پیچھے کارواں کا کیا ہوگا قتل کی پاداش میں سب لوگ گرفتار کر لیے جائیں گے، دونوں سمیت سامان لوٹ لیا جائے گا۔“

”کارواں پر مصیبت ضرور آئے گی لیکن ابو خطاب کہہ سکتا ہے کہ وہ نہ ہمارے ارادے سے واقف نہ ہمارے کھیل میں شریک تھا۔“

پھر ایک ٹوٹ پھڑک مروار نے دونوں ساتھیوں کو گھجایا۔ ”دوستو! ہمیں تو اپنے کام سے مطلب ہے، اگر ہمارے کھیل کا قرضہ ٹھیک بڑا تو سب کچھ اسی طرح ہوگا، جیسے میں نے کہا ہے ابھی شام کا وقت ہے لوگ سرائے میں چل پھر رہے ہیں، ہمیں اسی وقت مغربی فصیل کا جائزہ لینا اور کچھ ضروری معلومات حاصل کرنا ہیں۔ پھر وقت باقی نہیں آئے گا اور مقلیٰ باس کے کمرے کا تیسرا کمرہ ناظم عمل بعد میں ملے ہوگا۔ میرا خیال ہے اگر سرائے کے کسی لڑکے سے پوچھو گے تو ایک دینار کے عوض تمہیں سب کچھ بتا دے گا۔“

سردار نے ایک خطرناک فصیل کا جو نقشہ پیش کیا۔ وہ بظاہر بڑا آسان اور عملاً بے حد مشکل تھا مگر اس کے ساتھ خلیفہ معتقد باللہ کی خوشنودی کا تصور اس قدر خوش کن اور طلسم آفرین تھا کہ دونوں ساتھی انکار نہ کر سکے اور منصوبے میں متحرک ہو گئے۔ شرکت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ جو کچھ کرنا تھا، سرداری کو کرنا تھا انہیں تو صرف اس کے ساتھ فرار ہونا تھا۔

تیسرے ساتھی کو کمرے میں چھوڑ کر سردار امیر نائب دونوں ضروری معلومات حاصل کرنے اور سرائے کا جائزہ لینے کے لیے باہر نکلے۔ اب نائب نے بھی اپنا نصف چہرہ نطق سے ڈھانپ رکھا تھا۔ سرائے میں خوب چل پھرتی تھی۔ دونوں چل پھرتی میں غائب ہو گئے۔ ایک خطرناک کھیل کا آغاز ہو گیا تھا۔

خاموش رکھنے کا علاج سوچ لیا تھا اس صورت میں اُسے دوسرا نقل کرنا ہوگا جس کے بعد کبیز نہ شور مچا سکتی تھی نہ بول سکتی تھی بلکہ اس کی زبان ہمیشہ کے لیے تاح سے لگ جائے گی۔

اس خیال کے پیش نظر کہ سرائے سے قرار ہونے کے بعد انہیں تعاقب سے بچنے کی خاطر غیر معروف بغیر آباد اور چارڑا سٹون پر سفر کرنا پڑے گا۔ رات کے کھانے کا نصف حصہ بچالیا اور پانی کی تین چیمیا گلیں بھی بھر کے رکھ لیں، جو انہیں ساتھ لے جانا تھیں۔ تینوں تلوار چلانے اور نیزہ مارنے میں ماہر تھے انہوں نے یہ فیصلہ بھی کر لیا تھا کہ جاگنے وقت کسی پاس بان یا پھر سے وارنے ان کا راستہ رکھنے یا شور مچانے کی کوشش کی تو اسے بھی جان سے مار دیں گے اور جب تک سرائے میں ان حرب کے نقل کا علم ہوگا، وہ جلیں سے دور چائے ہوں گے۔

کبھی کبھی تقدیر آری کو ان راستوں پر لاکھ لاکھ رہتے ہیں۔ وہ بہت تھکے چھوڑ آتے ہیں۔ یاد آتے اتنے دشوار گزار ہوتے ہیں کہ ان پر سفر کرنے کی ہمت نہیں رکھنا لیکن تقدیر کسی روز ناگہاں اس کا ہاتھ پکڑتی ہے پھر اُسے پھرنی ہوئی منزل یا کٹھن راستے پر لے آتی اور سفر کی تفریب دیتی ہے گویا کامیابی کی راہ پر ڈال دیتی ہے۔ وہ دن کا سردار تھکا ہوا تھا اس کے ساتھ ہی معاملہ پیش آیا ہے ساتھی بھی محسوس کر رہے تھے کہ آج رات ایک ایسا واقعہ ظہور میں آئے گا کہ وہ سب سردار کے ساتھ ان کی اپنی قسمت بھی بدل دے گا۔ اگر وہ پہلے اس کھیل کو خطرناک سمجھ رہے تھے تو اب اس کا رخ دیکھ کر جو ان کے منصوبے کے مطابق چل رہی تھی اب مطمئن ہو گئے تھے۔

انہیں نصف رات کے بعد اپنے کھیل کو اختتام تک پہنچانا تھا اور یہ ایک عجیب بات ہوئی تھی کہ ابھی رات کا پہلا پھر ختم نہ ہوا تھا کہ سرائے پر سنسناٹا ماری ہو گیا۔ کابو اس کے مسافر ٹھک کے مارے اور وہ بادیہ نشیں سویرے کوچ کرنا تھا علی الصبح بیدار ہونے کے لیے جلد سو گئے تھے لیکن وہ تینوں اپنے کمرے میں جاگ رہے اور وقت کا انتظار کر رہے تھے، جو کچھ سے کی رفتار سے آہستہ آہستہ گزر رہا تھا۔



باہر آدھن راتوں کا چاند غروب ہونے والا تھا۔ رات اپنا نصف سفر طے کر چکی اور اب اندھیرے میں داخل ہو رہی تھی۔ سرائے کے مسافر، غلام، رکاب دار، نوکر اور برتن دھونے والے لڑکے سب اپنے اپنے کمروں اور حجرہوں میں گہری نیند سو رہے تھے۔ ہر سمت خاموشی تھی،

حتیٰ کہ اطمین سے کسی جانور کی آواز بھی سنائی نہ دیتی تھی۔ کارواں کے محافظ سردار نے اپنے چہرے کو نفاق سے پوری طرح لٹھاپ لٹھاپ کر لیا اور صرف آنکھیں لگی رہے۔ دن اس کے دونوں ساتھیوں نے بھی چہرے چھپا لیے تھے۔

سردار نے آدھی رات گزرنے کے بعد بھی غور سے دیر نہ سہی، وہ جانتا تھا جس کمرے میں اُسے جانا ہے، وہاں ایک عورت بھی موجود ہے اور جب کوئی عورت مرد کی رفیق تنہائی ہو اس کی دل کشی مرد کو الجھا دیتی ہے۔ دوسری منزل کے اس کمرے میں بھی نصف پھر سے کوئی آواز کوئی آہٹ، کوئی سر سرٹ نہ ملتی نہیں رہے۔ وہی تھی پھر بھی وہ اس وقت کمرے سے نکلا جب باہر چاند غروب ہو گیا تھا، لیکن سرائے کی رہبروں میں صرف ایک ایک قندیل فروزاں تھی۔

سردار نے باہر نکل کر ادھر ادھر دیکھا چاروں طرف مکمل سنسناٹا تھا۔ سرائے کے کٹے اور بلیاں بھی سو گئے تھے۔ کندکندھے پر ڈالے اور تیغ برہنہ ہاتھ میں لیے، وہ دبے پاؤں نیم روشن، نیم تاریک رہداری میں رنگ گیا، جو بال ٹاکر سے کی طرف جاتی تھی اور اس کے دونوں ساتھی بیوقوف کی طرح غلام گردش سے گزر کر مغربی فصیل کی جانب ہو رہے۔

سردار گریہ پا چلنا بل کمرے سے نکلا اور رہداری میں چپا کر پھوڑی تک آگیا۔ اس اتنا نہیں ڈرے کسی نے دیکھا نہ کوئی اسے نظر آیا۔ وہاں کوئی تھا ہی نہیں۔ سب لوگ اپنے اپنے کمروں اور حجرہوں میں محو خواب تھے۔ اوپر جانے والے دونوں زیتوں کے دروازے اندر سے بند تھے اس نے کمر بند سے الٹی ہوئی ایک ٹوک دار فولادی سلاح نکالی اور دائیں جانب کے دروازے پر اس جگہ رکھ دی جہاں اندر کی جانب لڑے کا کٹا چڑھا ہوا اور اس کے دو کٹے باہر نکل کر دروازے میں پیوست ہو گئے تھے۔ اس نے دونوں کانٹوں کو باری باری بڑی سہارت سے اوپر اٹھایا اور فولادی سلاح سے پرن پیچھے دھکیلا کہ اپنے سوراخوں سے نکل گئے۔ اندر ایک ہلکا سا کھٹکا ہوا، جسے اس کے سوا کسی نے نہ سنا ہوگا۔ پھر دروازے پر ہاتھ کا ہلکا سا دباؤ ڈالا تو کھٹکا چلا گیا۔

دروازے سے گزر کر اُس نے آہستہ سے دونوں پہلے پھر دیر سے اور دیر سے پاؤں پیچھا کر اپنے پہلی منزل پر پہنچا تو ایک دہلے لڑک کر سن گئی لیتا رہا لیکن پہلی منزل کے باسی بھی غفلت کی نیند سو رہے تھے۔ ایک گہری خاموشی اور چپ کے سوا وہاں کچھ نہ تھا جیسے آج رات سرائے کے سارے محافظ اور سب میزبانوں کو کسی نے دار و پاداری تھی اور وہ اس کے نقشے میں غرق ہو گئے تھے کوئی نہ

جاننا تھا کہ تاریکی اور خاموشی میں پراسرار تقدیر کون سا خطرناک ناکم کھیل رہی ہے اور
عنقریب کیسا لرزہ خیز سانحہ رونما ہونے والا ہے۔

یہ اطمینان کہہ کے پہلی منزل پر ہی نیند نے اپنا جا دو چھوٹک رکھا ہے اور قسمت اس
کے ساتھ دوسری راہ ہے، وہ بڑی ہوشیاری اور احتیاط سے دوسری منزل پر پہنچ گیا، وہاں بھی
ایک عجیب چپ نے اس کا استقبال کیا۔ رہبری میں قندیل روشن تھی وہ اس کی روشنی میں
سانپ کی طرح بے آواز چلتا مغربی سرے پر واقع شاہی کمرے کی جانب بڑھا۔

کس قدر عجیب اور حیرت انگیز بات تھی نہ کسی آنکھ نے اُسے دیکھا، نہ کسی تلوار نے
اس کا راستہ روکا اور نہ کسی مزاحمت کے بغیر دوسری منزل کے اُس کمرے تک پہنچ گیا جہاں اُس
کا عیادہ لٹکا رہا تھا۔ یہ دیکھ کر تو سردار کی حیرت اور خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی کہ دروازہ صاف
بھیڑ دیا گیا اور اندر سے بند نہیں تھا۔ کمرے میں فالوئرس کی ٹیمیں لگی کر رہی گئی تھیں۔ صرف
ایک قندیل روشن تھی، جس کی روشنی دروازے کی بھری سے کسی زر دکن کی صورت باہر آرہی تھی۔
سردار دوسرا دروازہ کھولنے کی زحمت سے بچ گیا اور بھری سے آنکھ لگا کر اندر کا منظر
دیکھنے لگا۔ دروازے کا بھاری اٹلیسی پردہ ایک طرف ہٹا ہوا تھا۔ اندر شاہی نامیدہ (مہر)
پر ایک عورت اور ایک مرد اُن سے سامنے بیٹھے سو رہے تھے۔ اُن کا تنفس نیند میں بے مددہ افراد کی
طرح تیز چل رہا تھا۔ عورت کا خوب صورت سا نواں چہرہ، اس کے سوڈانی ہونے کی علامت اور
دروازے کی جانب تھا۔ وہ سوڈانی کبیرہ عنبہ ہی تھی۔ جب کہ پہلو کے بل بیٹھے مرد کا سنہ پیری طرف
اور دکھائی نہ دیتا تھا تاہم وہ ابن حرب کے سوا کوئی اور ہو بھی نہیں سکتا تھا۔ سوڈانی کبیرہ صرف اسی
کی خدمت کرتی تھی۔

یہ منظر دیکھ کر سردار کا خون اس کی شریانوں میں تیزی سے سرسرا نے لگا۔ خوش نصیبی
یہاں بھی اس کے ساتھ تھی ہر مرحلہ اُس کی توقع سے کہیں بڑھ کر سازگار ثابت ہوا تھا۔ اب
اُسے صرف دروازہ کھولنا اور اندر داخل ہو کر تلوار کے ایک ہی وار سے محو خواب ابن حرب کا سر
قلم کرنا تھا۔ اُس نے کسی اُسٹ کے بغیر دروازہ کھولا۔ لنگی تلوار ہاتھ میں تولی ہوا کمرے میں داخل
ہوا اور ایک لمحے کے اندر دشمن کے سر پر پہنچ گیا۔ وہ تقدیر ہی جو اسے یہاں تک لے آئی تھی
اس کے ساتھ ہی کمرے میں داخل ہوئی تاکہ دیکھ لے کہ موت کا سانحہ کس طرح پیش آتا ہے۔
مزار نے چمکانا اور پھر پورا کر کے لیے بیخ بمرہ نہ ملنے کی اور ابھی وہ نیچے نہیں لی

تھی کہ جتنی پر دوسرے سے نکل کر ایک سایہ کند کے کی طرح پیکا۔ فولاد کی ایک دھار چمکی، لہرائی اور
ساتھ ہی دو تلواروں کے ٹکرانے کی ہولناک جھنکار پیدا ہوئی اور ایسی تھی وہ جھنکار کہ اس کے ساتھ
ہی سردار کی نیچے آتی تلوار ایک ہی جھٹکا کھا کر ہاتھ سے نکلی اور کونے میں جاگری۔ تلوار کے فرش
پر گرنے سے دوسری جھنکار ابھری جس میں حملہ آور کی ہمت لڑنے کا تڑا قافی شامل تھا کیوں کہ
دوسری تلوار کی آب دار لوگ بھی جیسی تیزی سے سردار کی شہرگ سے آگے تھی اور اب وہ پھر کے بت
کی طرح جس و حرکت کھڑا تھا۔

اُس نے گردن ہلانے بغیر آنکھ چڑا کر اُس فرشتہ اجل پر نظر ڈالی جس نے اُسے بیدار کیا
کر دیا تھا تو مارے حیرت اور خوف کے گم سم ہو کر رہ گیا، کیوں کہ وہ خود ابن حرب تھا جس کی
تلوار کی نوک اس کی شہرگ کو چھو رہی تھی۔ پھر مسہری پر کون تھا؟

جلدی سے مسہری کی طرف دیکھا تو اس اثنا میں عنبہ اور ابن حرب کا علامہ عبد اللہ دونوں اٹھ
کر فرش پر آگئے اور اُسے استہزائی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ یہ لڑا دیتے والی صورت حال
ظاہر کرتی تھی کہ وہ لوگ اس خطرناک کھیل کے لیے پہلے سے تیار تھے جسے وہ کھیلنے آیا تھا۔ اچانک
شہرگ پر تلوار کا دباؤ بڑھ گیا اور ساتھ ہی ابن حرب کی حرکت کو خست آواز سنائی دی۔

”آدمی دنیا میں ایک ہی بار پیدا ہوتا ہے لیکن تم سات مرتبہ بھی پیدا ہو جاؤ تو میرا سر
خلیفہ مقتصد کے دربار میں پیش نہیں کر سکتے۔“

یہ الفاظ اس شخص کی تصدیق کر رہے تھے کہ سردار کا راز قبیل از وقت فاش ہو چکا تھا۔
لہذا کمرے کے منظر میں تھوڑی سی تہدیلی کر دی گئی تھی۔ پلنگ پر سوڈانی کبیرہ کے ساتھ عبد اللہ کو
اس طرح لٹا دیا گیا کہ اس پر ابن حرب ہی کا شبہ ہوا اور کمرے کا دروازہ بھی جان بوجھ کر کھلا
رکھا گیا تاکہ حملہ آور کو اندر آنے میں آسانی رہے لیکن کمرہ اس کے لیے پیچھے بن گیا تھا۔ ابن حرب
نے ایک اور اکتشاف کیا۔

”تمہارے دونوں ساتھی بغیر تم بچے چھوڑ آئے تھے، اس وقت تک گرفتار ہو چکے
ہوں گے۔ اب تم تینوں میرے قبضے میں ہو لہذا جو کچھ میں پوچھوں، اس کا ٹھیک ٹھیک جواب
دینا ہوگا۔ بتاؤ کون ہو تم؟“

سردار کو سانپ سرنگھ گیا۔ اُس کا کھیل ختم ہو گیا تھا۔ بازی الٹ گئی تھی، اب یوں چپ
تھا جیسے منہ میں زبان ہی نہیں۔ اس اثنا میں باہر قدموں کی چاپ ابھری پھر شہزادی نجم العیل کمرے

میں داخل ہوئی۔ پیچھے پیچھے سرائے دار کا غلام منصور اور کبھی جوان قاسم ابن قاسم سردار کے دونوں ساتھیوں کو پکڑے باندھے آ رہے تھے۔ ان کے عقب میں سلیمان بن عامر، سردار نعمان اور قاضی قریشی سردار ابو خطاب بھی یکے بعد دیگرے اندر آئے۔ قیدیوں کی تلواریں چھین لی گئی تھیں لیکن ان کے چہرے بہت شور و نشاط میں پیچھے ہوئے تھے۔ جب وہ کمرے میں آ گئے تو شہزادی نجم کے حکم پر عبداللہ نے ان کے چہروں سے لٹاق اتار دیے اور لٹاق اتارنے ہی معلوم ہو گیا کہ ان میں سے ایک دومنتہ الجندل کے شہر سوار دھننے کا نائب معنی اور دوسرا اس کا ساتھی تھا۔ دونوں اس وقت پکڑے گئے تھے جب السوادہ کی طرف جاتے ہوئے دومنتہ الجندل سے چند میل ادھر نبی کلب کی چھاؤنی کے شہر سواروں سے جھڑپ ہو گئی تھی اور ان کا سردار چار پانچ ساتھیوں کے ساتھ بھاگ نکلتے ہیں۔ کامیاب ہو گیا تھا دوسرے نے سردار کے چہرے سے بھی لٹاق پوچ لیا گیا اور نائب سردار معنی نے بتایا کہ وہی دومنتہ الجندل کے شہر سوار دھننے کا سردار مالک ہے۔

یہ ایک طرف انکشاف ہوا تھا کہ دومنتہ الجندل کی چھاؤنی کے شہر سوار دھننے کا سردار اپنے نائب اور ایک ساتھی سمیت یعنی اور حجازی کارواں میں شامل ہو کر نشاط چار ہاتھا بیکس کارواں کے محافظ دھننے کا سردار بھی تھا۔ ابن حرب نے تلوار کی ٹوک اس کی شہرہ رگ سے ہٹالی اور کارواں کے قریشی امیر پر شک و شبہ کی نظر ڈالی۔ ابو خطاب اس نظر کا مطلب سمجھ گیا اور بولا۔

”یہ اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ سردار مالک کی اصل حیثیت سے آگاہ نہ تھا۔“

”قسم کو اپنی ڈھال کیوں بناتے ہو ابو خطاب؟“

”اس لیے کہ میں صادق ہوں۔“

”لیکن جس شخص کی اصل حیثیت سے تم واقف نہیں یا جسے تم جانتے نہ تھے اُسے کارواں کے محافظ دھننے کا سردار کیسے بنا دیا؟“

ابو خطاب نے بتایا ”والی مکتہ نے مالک اور اس کے دو ساتھیوں کو میرے پاس بھیجا اور اپنے رقبے میں اس کی بہادری کی تعریف کے ساتھ سفارشیں کی کہ مالک شہر سوار محافظوں کا بہترین سردار ثابت ہوگا۔ میں نے بمبئی تاجروں سے مشورہ کیا اور اسے اپنے محافظ دھننے کا سردار مقرر کر دیا اس کے علاوہ میں اور کچھ نہیں جانتا۔“

اب سلیمان بن عامر نے جس کی سرائے میں ایک خطرناک کھیل کھیلا اور سردار مالک

بھی ایک جرم کا ارتکاب کرتے ہوئے ساتھیوں سمیت پکڑا گیا تھا (ابن حرب کو توجہ دلائی کہ یہ معاملہ بڑا اہم اور سنگین ہے۔ جرم طوونی مملکت کے اندر عیش کی کارواں سرائے میں ہوا ہے لہذا اس مقدمے کا فیصلہ طوونی شہزادی نجم بائیل کرے گی۔)

سب لوگوں نے فلسطینی سرائے دار کی اس بات کو پسند کیا۔ شہزادی نجم مسند پر بیٹھ گئی اور شاہی کمرہ اسی وقت ایک عدالت میں تبدیل ہو گیا۔

شہزادی نے سب سے پہلے منصور کو حکم دیا کہ وہ لازم کے بارے میں بیان دے جس پر منصور نے بتایا کہ کس طرح کارواں کے محافظ سردار مالک نے اُسے سردار نعمان سے گفتگو کرتے دیکھ لیا اور بعد ازاں اس کے بارے میں پوچھ کچھ کرنے لگا۔ اُسے مالک کی نیت پر شک ہو گیا۔ پٹان پر جب یہ اپنے نائب کے ساتھ کمرے میں چلا گیا تو وہ بھی دبے پاؤں پیچھے ہویا پھر کمرے کی کھڑکی سے لگ کر وہ ساری بات چیت سن لی جو اس نے اپنے دونوں ساتھیوں سے کی۔ منصور نے وہ تمام گفتگو دہرائی، جس میں ابن حرب کو قتل کرنے اور اس کا سر خلیفہ معتضد تک پہنچانے کا منصوبہ تیار کیا گیا تھا۔ آخر میں اُس نے کہا۔

”میں نے اپنے آقا سلیمان بن عامر اور امیر ابن حرب کو منصوبے سے آگاہ کر دیا۔ پھر اس کھیل کا ہر منظر جو سردار مالک کھیلتے والا تھا، منصوبے کے عین مطابق ترتیب دیا، جس کے نتیجے میں میرے دونوں ساتھیوں سمیت پکڑا گیا۔“

منصور کا بیان سنا کر یافر جرم کی حیثیت رکھتا تھا۔ مالک اس سے انکار نہ کر سکا اس نے پہلی مرتبہ زبان کھلی۔ اپنے جرم کا اقبال کیا اور شہزادی سے جرم کی درخواست کی۔ ”شہزادی صاحبہ! مجھ سے بھول ہو گئی تھی۔ میں اپنے گناہ کا اقرار کرتا ہوں۔ آپ جانتی ہوں گی۔ ”شَفِيعُ الْمَذْنِبِ اَشْكُرُ“ (گناہگار کا اقبال جرم اس کی سفارشیں ہوتا ہے)

شہزادی نے جو انصاف کی مسند پر بیٹھی تھی جواب دیا ”ہم یہ بھی جانتے ہیں قتل الذی قُتِلَ اَلْاِیْدِءُ (موزی کو اس کے ایذا دینے سے پہلے مار دو) اور تم اپنے جرم کا اعتراف کر چکے ہو۔“

مالک کا چہرہ تاریک ہو گیا گڑگڑا کر بولا ”خدا کے نام پر مجھے معاف کر دیجیے۔“ شہزادی نجم کا دوسرا جواب بھی لڑخٹا رہا ”خدا تمہیں معاف کر سکتا ہے اس کے اختیارِ راتِ نندہ در میں لیکن ہم معاف نہیں کر سکتے کیونکہ تمہارے اختیارِ راتِ نندہ در میں۔“

”اس کے باوجود تم اس کے جرم میں شریک ہو گئے اور یہاں سے بھاگ نکلنے پر تیار ہو گئے۔ یہ بات تمہارے مجرم ضمیر کی گواہ ہے۔“

”جرم کے چہرے کا رنگ اٹا گیا۔ شہزادی نے اپنا ہاتھ اس کی طرف لہرایا۔ ”تم نے ہمارے سوال کا جواب ابھی تک نہیں دیا۔“

وہ خوف زدہ اور بدحواس یا پھر جانتا تھا کہ اگر فسطاط جانے کا مقصد بتا دیا تو اس کے جرم میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔ نائب سردار کی طرف دیکھا پھر آنکھیں میچی کر کے خاموش ہو گیا اور چڑچڑ سا دھڑکیا۔ شہزادی اس کی خاموشی کا مطلب سمجھتی تھی اس نے حکم دے دیا کہ مجرم کو ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا جائے۔ ابیہ حرب کے غلام عبداللہ نے اسے اپنی طرف یوں کھینچ لیا جیسے رسا کھینچ جاتا ہے اور دوسرے لمحے سر تن سے جدا کر دیا۔

دو مجرم اپنی سزا کو پیش گئے تھے اب صرف نائب سردار متقی باقی تھا، جیسے شہزادی نے جان بوجھ کر اس لیے نظر انداز کر دیا تھا کہ اپنے ساتھیوں کا انجام دیکھ لے۔ اب وہ صحیح جواب دے سکتا تھا کہ کتنی متقی واجب آدمی مر جائے تو زندگی اور زندگی کی نعمتوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ ہمارا خیال ہے تم ابی مرنا نہ چاہو گے۔“

”آپ کا خیال درست ہے شہزادی صاحبہ!“ نائب سردار نے جواب دیا۔ ”میری آنکھوں کے سامنے میرے دو ساتھی ہلاک کر دیئے گئے ہیں۔ اس لیے اب زندگی مجھے پہلے سے دیا رہ عزیز ہو گئی ہے۔“

شہزادی جانتی تھی اس کا جواب یہی ہوگا۔ ”پھر تم فسطاط کی ہم کا مقصد جانتا چلتے ہیں۔“

”اگر میں وہ مقصد بتا دوں تو.....“

شہزادی نے بڑی بے رحمی سے اس کی بات کاٹ دی۔ ”جو کچھ پوچھا جا رہا ہے صرف اس کا جواب دو تمہارے سامنے دو راستے ہیں۔ ایک راستہ زندگی کی طرف اور دوسرا موت کی طرف جاتا ہے۔ ان میں سے ایک راستے کا انتخاب تمہیں خود کرنا ہے۔“

”میں جانتا ہوں یہ معاملہ بہر حال آپ کے حق میں ختم ہوگا۔“ وہ بتانے لگا۔ ”ہم تینوں لبرائیوں کے آزاد کردہ غلام اور مضبوطی کے افسر اعلیٰ بدر کے حکم پر سفر کر رہے تھے۔ ہمیں طوبی فوجوں کے سردار محمد بن سلیمان تک اس کا ایک خاص بیخنام پہنانا تھا لیکن اب تو اس کا کوئی امکان نہیں رہا۔“

”بیخنام کیا ہے؟“

مکر سے میں موجود سب لوگوں نے یہ جواب سنا اور کچھ گئے کہ مالک کی زندگی پر خطر متبع پھر گیا ہے۔ وہ خود بھی اپنی زندگی سے یوں ہولناک مگر شہزادی نے کہا۔ ”اگر یہ بتا دو کہ فسطاط کس جرم پر جا رہے تھے تو تمہاری سزائیں کچھ تخفیف کر دی جائیں گی۔“

اسے کچھ حوصلہ ہوا۔ ”اگر میں فسطاط جانے کا مقصد بتا دوں تو آپ مجھے بری کر دیں گی۔ اپنے انعام سے نوازیں گی؟“

شہزادی کا لہجہ بھی تبدیل ہو گیا۔ ”سردار مالک اب بات خود سے سن لو۔ عدالت بیان سن رہی ہے۔ مجرموں کو سزا دیتی ہے اور اگر کوئی بے گناہ ثابت ہو تو اسے انعام دکر ام سے نہیں نوازی صرف بری کر دیتی ہے لیکن تم بے گناہ نہیں، اقدام قتل کے مجرم ہو، جس کی سزا موت ہے اور اس میں تخفیف صرف ظہر قید کی ہو سکتی ہے۔“

مالک کے چہرے پر مایوسی چھا گئی۔ ”پھر مجھے سزائیں تخفیف نہیں چاہیے۔“

”گویا تم فسطاط کی ہم کا مقصد بتانے سے انکاری ہو؟“

”اب میں آپ کے کسی سوال کا جواب نہیں دوں گا۔“

”پھر ہم بھی کوئی مزید سوال نہیں کریں گے۔“

شہزادی نے اپنے ہاتھ کو دائیں سے بائیں جانب حرکت دی۔ ساتھ ہی ابن حرب کی تلوار بھی حرکت میں آگئی، کیوں کہ یہ اس کے قتل کا اشارہ تھا۔ ایک ہی وار میں مالک کی گردن کاٹ گئی۔ سر ایک طرف اور بے سر کا دھڑ دو سری جانب گرا، جو خون میں لت پت فرش پر پڑنے لگا۔ اس کے دونوں ساتھیوں نے موت کا یہ منظر دیکھا تو کانپ گئے۔

اب منصوبہ نے نائب سردار اور اس کے ساتھی کو پیش کیا۔ شہزادی نے نائب کو نظر انداز کر دیا اور اس کے ساتھی سے مخاطب ہوئی۔ ”کیا تم فسطاط کی ہم کا مقصد بتا سکتے ہو؟“

وہ سردار کے قتل کا منظر دیکھ کر اس قدر ہلکا ہوا تھا جیسے ہلش و حواس اڑ گئے۔ ہوں گم حسم ہو کر رہ گیا اور کوئی جواب نہ دے سکا یا پھر جواب دینا ہی نہ چاہتا تھا۔ شہزادی نے اپنا سوال دہرایا کہ وہ فسطاط جانے کا مقصد بتائے۔ یہ وضاحت بھی کر دی۔ ”ہم تمہیں مجبور نہیں کرتے۔ یہ بات تمہاری مرضی پر منحصر ہے کہ جو کچھ ہم نے پوچھا ہے، اس کا جواب دو یا نہ دو۔ وہ لکچاپانی آوازیں بول رہی ہیں۔ شہزادی صاحبہ! میں نے سردار مالک کو متعجب کیا تھا کہ وہ ابن حرب کے قتل کا ارادہ ترک کر دے۔“

امیر المومنین اور اس کے دل عہد کے نام کا خطبہ کب جاری کرنا چاہتا ہے؟
معلق اس کے الفاظ میں چھپی ہوئی طنز کو سمجھ گیا کہ مصر پر حملہ ہو گا یا اس نے جواب دیا
”ہاں تو نہیں جانتا کہ مصر کے بارے میں امیر المومنین یا مدینہ کا ارادہ کیا ہے لیکن یہ ضرور بتا سکتا
ہوں کہ اسماعہ کی شکست کا بدلہ بہت جلد لیا جائے گا اور قرمطی جماعت کا نام و نشان مٹا دیا
جائے گا“

یہ بات اگرچہ مشتعل کر دینے والی تھی مگر غم اہل کو علم تھا کہ غصہ کمزور اور ناتجربہ کو آتا ہے۔
جب کہ عقل مند غصے پر قابو پا لیتے ہیں۔ اس نے بھی اپنے غصے کو دبا لیا اور زہر خند کے ساتھ بولی۔
”غلیفہ معتقد کا جو اب کبھی پورا نہیں ہو گا۔ اس کی آنے والی سبب قرمطی جماعت کو خراج پیش
کر رہی گی۔“

اب معلق نے ایک اور سنسنی خیز انکشاف کیا۔ ”شہزادی صاحبہ! آپ سے اسماعہ کی جنگ
بے شک جیت لی لیکن وہی جیت جماعت کی تباہی کا باعث بننے والی ہے۔ بد رکے شہر سے پر
امیر المومنین نے تحریک قرامطہ کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکے کا فرض احمد بن محمد طائی والے بصرہ کو
سونپ دیا ہے جب ہم مکہ معظمہ سے مصر کی جانب روانہ ہوئے اس وقت بصرہ کا سالار اپنی فوج
لے کر اسماعہ کی طرف روانہ ہونے والا تھا وہاں پہنچ چکا یا پہنچنے والا ہو گا۔ قرامطہ کی تقدیر کا
فیصلہ اسی میدان میں ہونے والا ہے جہاں شہل نے جنگ اہری معلق یہ بھی بتا دوں کہ احمد بن محمد طائی
کے ایک جنگ جو غلام کا نام ابی شہن ہے اور جماعت کی سرکردگی کے لیے اسی کو سالار لشکر بنایا گیا
ہے تاکہ اگر ایک شہل جنگ ہار گیا تھا تو دوسرا شہل فوج کے ڈنکے بجاتا رہا اس آئے اور نئے عقیدہ
پرستوں کو جو قرامطہ کا غم لے کر نکلتے ہیں نیست و نابود کر دیا جائے۔ لیکن یہ سب کچھ اس لیے
بتا رہا ہوں کہ مجھے آپ کی جماعت اور اس کے مقصد سے نہیں، صرف آپ سے ہمدردی ہے آپ
ایک خوب صورت طرلوئی خاتون ہیں اور میں نہیں چاہتا آپ کسی مصیبت میں مبتلا ہوں لیکن بہت
اسماعہ میں قرمطی قبیلوں کو تباہ و برباد کرنے کے بعد عباسی لشکر شام کے قبائلی علاقے کا رخ کریں۔
نائب سردار کے سنسنی خیز انکشافات نے شہزادی نجم العلیل، ابن حرب، بوڑھے فلسطینی
سلیمان بن عامر، سردار نعمان اور دوسرے لوگوں پر بھی حیرت کا ایک سکہ طاری کر دیا اگر معلق
کی اطلاعات درست تھیں تو اسماعہ میں یقیناً قرمطی قبیلوں پر ایک بہت بڑی
مصلحت آنے والی تھی۔ مگر یہ برنامہ مٹنی چھا گئی کیوں کہ سب چپ ہو گئے اور کچھ سوچ رہے

”سید سالار ہارون بن خمار دیہ پر زور ڈالے کہ وہ قنسرین اور عوام کے صوبوں سے متفرق
ہو جائے اور ان کے عوض چار لاکھ بیچا کس ہزار دینار سالانہ خراج ادا کرے۔ ورنہ.....“
نائب سردار خاموش ہو گیا۔ شہزادی کی آواز کمرے میں بول گئی جیسے کسی گنبد میں صدا گونجی
ہے۔ ”اگے بیان کرو، درحقیقت ہو گا؟“
”جیش کی طرح ہارون بن خمار دیہ بھی قتل کر دیا جائے گا، معلق نے اپنا فقرہ پورا کر دیا اور
جسم اہل کے ہونٹوں پر ایک ہیچ ٹرپ لگی۔“ نہیں۔“

”بدر کے لغت میں نہیں کا لفظ کاٹ دیا گیا ہے“ نائب سردار نے مزید بتایا۔ ”لاہم نہیں
اس لیے فسطاط جا رہے تھے کہ ہارون انکار کرے تو ہم سے کوئی اس کا نام زندہ انسانوں کی فہرست
سے کاٹ دے اور یہ کام ہمارے سر پر کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اس مرتبہ طرلوئی لشکر پر کوئی الزام نہ لگے
بدر کا مطالبہ صرف یہ ہے کہ قنسرین اور عوام عباسیوں کو سونپ دیے جائیں۔ وہاں امیر المومنین
اور ان کے ولی محمد البرحمٹ کا نام خطبوں میں شامل کیا جائے۔ شہزادی صاحبہ! یہ بھی غیبت ہے کہ
اس نے اپنے نام کا خطبہ پڑھنے کا مطالبہ نہیں کیا ورنہ طرلوں میں تو ایک طرح سے تک بدر بھی کے
نام کا خطبہ پڑھا جاتا رہا۔ ہارون بن خمار دیہ کی سلامتی اسی میں ہے کہ وہ قنسرین اور عوام سے
دستبردار ہو جائے ورنہ ہم فسطاط یا القطار میں نہیں جا سکتے تو بدر کی اور کوئی بھروسے کا میں بتا چکا
ہوں کہ وہ جس کام کا ارادہ کرے اسے پورا کیے بغیر نہیں چھوڑتا۔“
”تو تم لوگ ہارون کو قتل کرنے کے لیے بھیجے گئے تھے؟“

”جو کام ہمارے سپرد کیا گیا تھا، میں نے صحیح صحیح بتا دیا ہے جس کے عوض آپ مجھے زندگی
دینے کا وعدہ کر چکی ہیں لیکن اب سوچتا ہوں آپ نے مجھے چھوڑ بھی دیا تو بدر نہیں چھوڑے گا اور اگر
میں کہیں روپوش ہو گیا، تو اس کی قبضہ کے کا رہے مجھے بطن زمین سے بھی ڈھونڈ نکالیں گے۔“
”اگر ہم انہیں زندگی دیں گے تو قمار کی حفاظت بھی کریں گے لیکن یہ بتاؤ بدر مصر میں تھا ہے

طرلوں پر زور دی سرحد سے مٹی تھا ۲۸۳ ہجری سے معزول و متوفی خلیفہ معتز کے آزاد غلام
ماحب کی حکومت قائم ہو گئی تھی اس نے طرلوئی حکمران ہارون بن خمار دیہ کا نام خطبے سے نکال
دیا اور خلیفہ معتز کے مندرجہ غلام بدر کا نام خطبے میں شامل کر دیا تھا۔

نفس

اچانک خاموشی میں نائب سردار کی آواز سنائی دی: ”شہزادی صاحبہ! اب میرے لیے کیا حکم ہے؟“

بحکم اللیل خاموشی اور حیرت کے بھنور سے باہر نکلی: ”معلیٰ! ہم تمہاری جان بخشی کا مقصد کمر چکے ہیں۔ تم نے فسطاط کے سفر کا مقصد بتا دیا بلکہ اسامہ کے متعلق بھی ایک نئی اطلاع دی ہے۔ اب تم فسطاط جا سکتے ہو۔ محمد بن سلیمان سے مل سکتے ہو۔ بعد ازاں دردمندہ الجندل کی طرف تمہاری واپسی خطرے سے خالی نہیں۔ تم نے خود بتایا ہے کہ خطیب کے کارندے تمہیں ٹوہنڈ لیں گے اس لیے اب تم ہمارے ساتھ نبی کلب میں چلو گے۔“

نائب سردار اس فیصلے پر شہنشاہ گیا: ”اور نبی کلب میں مجھے حادثہ ابو ظفر کی طرح تید کر دیا جائے گا؟“

”نہیں۔ وہاں تمہاری حیثیت ہمارے ہمان کی ہوگی۔ اگر تمہیں ہم سے اس لیے ہمدردی ہے کہ ہم ایک خوب صورت طوفانی خاتون ہیں تو اب ہمیں بھی تمہاری زندگی سے دل چسپی ہے اس لیے کہ تم ایک راست گو آدمی ہو۔“

معلیٰ اسے حیرت کی نظروں سے دیکھنے لگا: ”آپ مجھے کب تک ہمان رکھیں گی؟“
 ”ہمان تم ہماری مرضی سے ہو گئے لیکن وہاں سے واپسی تمہاری اپنی مرضی پر منحصر ہوگی۔“
 شہزادی نے بتایا: ”ہم تمہیں دکھائیں گے کہ خلیفہ معتضد جس جماعت کو جڑ سے کاٹ دینا چاہتا ہے، وہ کہاں تک پھیل چکی ہے۔ اگر عباسی لشکر نے قبائلی علاقے کا رخ کیا تو بادئہ شام کے حاشیے پر بسنے والے صحرائی بہادر اسے کاٹ کر پھینک دیں گے۔“

”پھر بھی عباسی لشکروں کے مقابلے میں جماعت کی تعداد کم ہے۔“
 ”جیسے شک و کثرت میں اور تم قتل میں ہیں لیکن وقت و کثرت کی جنگ کا فیصلہ صحرا میں ہو گا اور صحرا کے دامن ہمارے لیے کشادہ ہیں۔“

”آپ نے کہا ہے کہ صحرا سے میری واپسی میری مرضی پر منحصر ہوگی؟“

”یہ ہمارا وعدہ ہے اور ہم وعدہ خلاف نہیں۔“

”پھر میں آپ کے ساتھ نبی کلب میں جانے کے لیے تیار ہوں مگر وہاں زیادہ عرصہ قیام نہیں کروں گا۔“
 ”اگر تم چاہیں کہ تم وہیں قیام کرو؟“

نائب سردار معلیٰ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ صرف خاموشی اختیار کر لی۔

باہر پوچھٹ رہی تھی اور کارواں مراٹے سے روانگی کا وقت آگیا تھا۔ شہزادی نجم نے اپنی عدالت پر غاصت کر دی پھر منصور کو حکم دیا کہ یہ کمرے سے لاشیں اٹھوانے کا بندوبست کرے اور صرف سردار مالک کا سر ایک چرتی قہیلے میں ڈال دے۔ اس کے بعد وہ کلبی سردار سے مخاطب ہوئی: ”سردار نعمان! روانگی میں دیر مناسب نہیں۔ ہم معلیٰ کو تمہارا رفیق سفر بنانے ہیں یہ ہمارا ہمان ہے۔ سردار نعمان کا خیال تھا مالک کے خطرناک کھیل کو انجام تک پہنچانے کے لیے شہزادی نجم کے علاوہ ابن حرب، عنبر، عبد اللہ، قائم ابن قائم اور کچھ دوسرے لوگ رات بھر جاگتے رہے ہیں۔ اس لیے آج وہ سفر ملتوی کر دے گی لیکن معلیٰ نے اسامہ کے بارے میں جو اطلاعات دی تھیں ان کے پیش نظر سفر اور بھی ضروری ہو گیا تھا۔“

KHAN BOOKS
& LIBRARY
S-527, BHABRA BAZAR, RAHWAL PUNJ.
Cell: 9345-5048634, 0345-5042563
Prop: Ali Khan



۶۳

دہشت

۰

MAHMOOD LIBRARY
S-527 BHABHA BAZAR, RAIPAL PINDI
Cell: 0345-5048634, 0345-5048639
Prop: Ali Khan

اسی صبح جب صحرا کے فوجی قافلے نے رخت سفر اٹھایا اور بادیر شاہ کی طرف روانہ ہوا تو عبداللہ اور قاسم ابن قاسم تیز رفتار ساندنیوں پر ایک ضروری پیغام لے کر بادیر عراق کی جانب عازم سفر ہو چکے تھے۔ ان کے لیے کھانے کا سامان اور پانی کی کھالیں اور جانوروں کا چارہ دانہ دو انگ اونٹوں پر لاد دیا گیا تھا۔ شہزادی نجم، ابن حرب اور فلسطینی سرسائے دار سلیمان بن عامر نے انہیں تاکید کی تھی کہ وہ کہیں رکے بغیر دن رات سفر کریں اور جلد از جلد اسماوہ میں بنو قلیص تک پہنچ جائیں تاکہ انہیں والیہ بصرہ کے غلام شہل کی یلغار سے آگاہ کر سکیں۔

دونوں قاصد ایسی جرح کا علاقہ بھی عبور نہیں کر پاتے تھے کہ سمارہ کے صحرائیں جو کچھ ہونے والی تھیں ہو گیا۔

احمد بن محمد طائی کا غلام شہل حملے کی درپردہ تیاریاں کرتا رہا تھا ایک روز وہ ناگہان

بعض تاجکوں میں والی بصرہ کا نام احمد بن احمد طائی لکھا ہے مگر ابن اثیر نے اس کا نام احمد بن محمد یحییٰ دانقی خنجریکہ ہے جو قبیلہ طے سے تعلق رکھتا تھا اور یہی نام صحیح ہے (دیکھیے تاریخ الکامل جلد ۱) احمد بن محمد طائی، موفقی بن طلحہ کے ہند حکومت میں حجاز، کوفہ، خراسان اور سامرا کا دلی بھی رہ چکا اور بڑا منظم اور ہوشیار آدمی سمجھا جاتا تھا اس کا غلام شہل ایک جنگی سردار تھا۔ موفقی طلحہ نے زنگیوں سے کئی جنگیں لڑی تھیں۔ شہر محارہ کی جنگ میں اس کا دل عہد احمد ابوبکر (باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

بصرہ سے نکلا اور بڑی تیزی سے سفر کرتا سمارہ کے صحرائیں داخل ہوا۔ بنو قلیص کو خبر اس وقت ملی جب وہ ریگ رواں کے طوفان کی طرح بالکل سر پر آگیا۔ قمر علی خیر رساؤں نے پہلی ارمات کھائی اور امام کو آنے والے طوفان کی خبر نہ دے سکے۔

اس کی وجہ غالباً یہ ہو سکتی ہے کہ قمر علی خیر رساؤں کی فوج ہندوا، الزمانہ اور کوفہ کی طرف میزورل رہی تھی اور بصرہ میں جماعت کے خلاف ہونے والی جنگی تیاریاں ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئی تھیں۔ یہ قرامطہ جیسی تحریک کے لیے جو مورخوں کے نزدیک بڑی منظم، بڑی پر اسرار، بڑی خفیہ اور سراغ رسانی کی اعلیٰ صلاحیت رکھتی تھی ایک بڑا دھچکا تھا کہ وہ حملے سے غافل رہی اور جب شہل اپنے لشکر سمیت السمارہ میں آگے بڑھا آیا تب اس کی آمد کا اعلان ہوا اور عراقی قبائل کی طرف قاصد دوڑائے گئے کہ وہ دشمن کو روکنے کے لیے بنو قلیص میں جمع ہوں لیکن یہ کاروائی بعد از وقت ثابت ہوئی۔ شہل کو نچے گرنے کے بجائے طوفان کی طرح بنو قلیص تک آپہنچا تھا۔

امام کے حکم پر سردار ابو القوارس نے صحرائی ہماروں کو جمع کیا اور حملہ آور لشکر کے خلاف بنو قلیص کی حدود سے نکل کر صف آرائی کی۔ بادیر لشینیوں کو مہینہ، میسرہ اور قلب میں تقسیم کیا۔ سرداران فوج کے سامنے دلائل انگیز تقریر کی، انہیں بتایا کہ دشمن غاصب اور ظالم ہے۔ وہ اپنی پہلی شکست کا بدلہ لینے آیا ہے لیکن تم اسے دوسری شکست سے دوچار کرو۔ ہمارے اور ان کے درمیان عدوت، جنگ اور خون کے دریا حائل ہیں، ان کے گلوں میں تیر مارو اور ان کی گردنیں تنواریں سے کاٹو تاکہ پھر کوئی عباسی لشکر صحرا کا رخ نہ کرے۔

بادیر شہس سرداروں اور ان کے بہادروں نے تیر اندازی کے ساتھ تیغ و سنان کے جوہر بھی دکھائے۔ بڑی جرات اور بہمت سے دشمن کا پہلا حملہ روکا لیکن عباسی لشکر کے قلب تے جنگ کا نقشہ بدل دیا۔ شہل صحرائی ہماروں کو دبانے اور سیاہ پرچم لہراتا آگے بڑھا دوسری جانب بصرہ کے شہر سوار دستوں نے تباہی مچادی جو صحرائی تیر اندازوں کی زد سے نکل آئے تھے۔ قبائلی شہر سواروں نے انہیں روکنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ ابو القوارس (بقیہ پچھلے صفحے کا حاشیہ)

بھی (جو معتقد باللہ کے لقب سے تختہ فداقت پر بیٹھا) شامل تھا۔ اسی جنگ میں ایک زنگی فوجی سردار موفقی سے آغا جس کا نام شہل بن سالم تھا اس نے احمد ابوبکر بن موفقی کے ساتھ مل کر شہر کے ایک حصے کو آزاد کر لیا۔ یہ شہل بن سالم خلیفہ ابو جاس کا غلام تھا (قرآن مجید)

قلب میں گھوٹا دوڑائے پھر تار اور اپنے سواروں کو دشمن کا حملہ پسپا کرنے پر زور دیتا تھا۔ وہ خود بھی دشمن سے لڑتا اور ابراہام سواروں کی کاہلے شہر جو اس نے حضرت علیؑ کے مرثیہ میں لکھا تھا پڑھتا جاتا تھا۔

لَقَدْ عَلِمْتُ قَوْلَيْهِ حَيْثُ سَكَتَ

قریش جہاں کہیں بھی ہوں، انھیں معلوم رہے

مِائَتَكَ خَيْرٌ لَهُمْ حَسْبًا وَجَيْتًا

مکہ وہ (حضرت علیؑ) احسب اور میں میں سے بہتر تھے

ابوالغوار اس کے چہرے کو دیکھ کر بادیر نہیں سواروں نے دشمن کے بہت سے قریشی بھائیوں کو کاٹ پھینکا لیکن خود بھی کٹ گئے اور عباسی رسالے نے انھیں روند ڈالا۔ لڑائی ایک پہر تک جاری رہی لیکن میسرہ کے پاؤں اٹھتے ہی عقیدہ پرست قلب میں بھی جیسے نہ رہ سکے اور نہ صرف شکست، بلکہ تباہی و بربادی سے دوچار ہوئے کیوں کہ عباسی لشکر نے ہر طرف سے ان پر ہڈیوں دیا تھا۔ دشمن کے دھماکے کے سامنے عقیدہ پرست بادیر نہیں بری طرح پسپا ہوئے عباسی لشکریوں نے بھاگتے ہوئے بادیر نشینوں کو زخمی کر کے گرا دیا اور گرفتار کر لیا۔ بہت سے سردار بھی گرفتار ہوئے جن میں قریشی لشکر کا سالار ابراہام غوارس۔ بنو قلیص کا سردار قلیص بن خضیم اور نائب سردار عدیل بھی شامل تھے۔

بنو قلیص کے خیموں کو لوٹ لیا گیا۔ بہت سے مرد، عورتیں اور بچے بھاگ گئے جو بھاگ نہ سکے انھیں لوٹدی غلام بنایا گیا۔ سبز علموں کے ساتھ ہر وہ شے تباہ و برباد کر دی گئی جسے قریش سے کوئی نسبت تھی۔ بنو قلیص کے خیموں سے کچھ در زہر زمین امام بارگاہ بھی تہ و تاب کر دی گئی۔ لیکن بھی ابراہام ناقہ سمیت نہ جانے کہاں چلا گیا تھا اس کے محافظ خاص صادم کی بھی کوئی خبر نہ تھی۔ امام کی خدمت کرنے والی خوب صورت صحرائی کنیزیں جن میں اس کی خاص کنیز بنو قلیص قبیلے کی بیٹی بھی تھی۔ نیز امام بارگاہ کے دفنا دار غلام اور پھر سے دارغائب تھے۔ غالباً افراتفری میں جدھر کسی کا منہ اٹھا بھاگ گیا تھا۔

عباسی سالار شہیل کو ایک بڑھیا کی جان بخشی کے عوض امام بارگاہ کا پتا اس وقت چلا جب بنو قلیص کے خیمے لوٹے جا رہے تھے اور کئی قریشی کو تلاش کیا جا رہا تھا قریشی سمیت امام بارگاہ کے محافظوں، غلاموں اور کنیزوں کو اتنا وقت مل گیا تھا کہ وہ فرار ہو سکیں لیکن یہ کوئی نہ جانتا تھا

کہ کون کس طرف چلا گیا۔ البتہ وہ تیز رفتار ساندیاں جنوب کی طرف بگڑٹ بھاگتی دیکھی گئی تھیں لیکن تھا کئی قریشی اور اس کا محافظ صادم انھی ساندیوں پر بھاگے ہوں اور جب ان کا رخ جنوب کی سمت تھا تو ان کی منزل دشت پریموں کی وہی باؤلی ہوگی جہاں ذکر و پر روپشس اور جماعت کے بقول اتفاق میں بیٹھا تھا مگر کنیزیں، غلام اور پھر سے دارکدر چلے گئے تھے ہاں کے بارے میں کوئی کچھ نہ جانتا تھا۔

جب بنو قلیص میں قریشی کی تلاش ہو رہی تھی اور بعض لوگوں کو مار پیٹ کر اس کا پتا پوچھا جا رہا تھا تو ایک باریہ افواہ بھی مشہور ہو گئی تھی کہ امام کو قتل کر دیا گیا ہے جس پر زہر دست مہر ایسی پھیل گئی اور عقیدہ پرست عورتوں، مردوں میں ایک کہرام مچا ہو گیا تھا لیکن بعد ازاں اس خبر کی تردید کرنا پڑی کیوں کہ امام کے قتل کا کوئی ثبوت نہ مل سکا تھا اس خوشی میں کہ امام نہ قتل ہوا نہ دشمنوں کے ہاتھ لگ سکا، بہت سے مردوں، عورتوں نے گرفتاریاں دے دی تھیں۔ بنو قلیص کے گرد عباسی لشکر نے گھیر ڈال رکھا تھا اور جوم دونوں وہاں رہ گئے تھے، اب کسی طرف بھاگ بھی نہ سکتے تھے۔ انھیں بھیر دیکریں کی طرح ایک جگہ جمع کر دیا گیا تھا۔

بقیہ انجام اس دوسری جنگ کا جو اسامہ بنی کے میدان میں لڑی گئی جس طرح پہلی جنگ میں عباسی لشکریوں کی لاشوں پر گدھوں چلیوں نے حیا فت اڑائی تھی۔ اسی طرح دوسری جنگ میں بادیر نشینوں کی لاشیں ان کی حیا فت کا سامان بنی تھیں۔ دوسرے شہیل نے پیلے شہیل کی شکست و بربادی کا بدلہ لے لیا تھا مگر اس کی یہ فتح اس لحاظ سے احمق تھی کہ قریشی ہاتھ سے نکل گیا تھا اس کی تلاش میں ادھر ادھر شہر سوار دروازے گئے لیکن کوئی کھوج نہ مل سکا۔ آخر تیسرے دن اسیر سرداروں اور دوسرے قیدیوں کو لے کر جن میں عورتیں اور مرد شامل تھے۔ اس نے پڑاؤ اٹھایا اور بعد ازاں رخ کیا۔

عبداللہ اور قاسم ابن قاسم جو بصرہ سے نکلنے والے عباسی لشکر ہی کی خبر لے کر اسامہ کی جانب بھاگے جا رہے تھے، اس قیامت سے بے خبر تھے جو بنو قلیص پر ناگہاں لوٹ پڑی تھی اور جن کے سب کچھ غارت کر دیا تھا انھیں شکست و بربادی کی خبر بنو قلیص کے ایک مفور قافلے سے علی حوشام کی طرف جاتے ہوئے بادیر عراق کے چاشیے پر مل گیا تھا۔ عبداللہ نے اس خانہ آبادی قافلے کے امیر طہیر ابن ولید کو پہچان لیا جس سے بنو قلیص میں قیام کے دوران مل چکا تھا۔ ابن ولید نے دونوں کو اسامہ میں داخل ہونے سے روک دیا اور بتایا کہ وہ جس قیامت کی خبر لے کر جا رہے

کے قریبی مرکز پر حملہ ہوا تھا۔ ظہیر ابن زبید کو حیرت اس بات پر تھی کہ جس حملے کی خبر ابن حرب اور شہزادی نجم العلیل کو کئی روز قبل مصر میں مل گئی تھی۔ اس سے باریہ عراق میں بسنے والے عقیدہ پرست قبائل بے خبر رہے لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ انھیں یہ خبر کس قیمت پر ملی تھی۔ عبداللہ بن قاسم ابن قاسم نے اُس کا اظہار ضروری نہ سمجھا اور خاموشی اختیار کر لی۔ البتہ اہل قافلہ کو یہ تسلی ضروری کہ عن قریب اس شکست کا بدلہ لیا جائے گا اور بصرہ بھڑکی اسی طرح تباہ و برباد کر دیا جائے گا جس طرح قرامطہ کے مرکز کو تھس تھس کیا گیا ہے۔

ان لوگوں نے باریہ عراق کے کنارے اجتماع کی صورت میں اپنے ہم عقیدہ بھائیوں کی ہلاکت، خون ریزی، گرفتاری، شکست، تباہی اور خانہ بدوادی پر نادم و شینون کیا اور ہلاکت اسیر ہونے والوں کے حق میں دعا کی۔ عبداللہ کی خواہش اگرچہ یہ تھی کہ واپسی کا سفر اختیار کرنے سے پہلے وہ کسی نہ کسی طرح امام اور صارم کے بارے میں یہ معلوم کرے کہ انھوں نے کس قبیلے اور کس مقام کی طرف سفر کیا ہے تاکہ اپنے اقا ابن حرب اور شہزادی نجم کو تباہی کے لیکن اسامہ کے حالات بگڑ گئے تھے۔ موسم بدل گیا تھا ہوا کسی اور جانب چلنے لگی تھی اس لیے آگے جانا اور امام کے بارے میں معلومات حاصل کرنا خطرے سے خالی نہ تھا۔ ظہیر ابن زبید کے تباہ حال تانفہ کے ہمراہ وہیں سے پٹا کھول کر اب اپنے آقا کو اسامہ میں گزرنے والی قیامت کی جلد از جلد خبر پہنچانا بھی ضروری تھا۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ قرامطہ کے دوسرے حلقے کا داعی ابو سعید جنابی تھا جس نے اپنی دعوت کا آغاز ۲۸۸ھ میں بحرین سے کیا اور گرد کے علاقوں کو ہمال کر تا ہوا ۲۸۷ھ میں بصرہ کی جانب بڑھا۔ والی بصرہ احمد بن محمد سجستانی نے خلیفہ معتضد کو اطلاع دی جس نے بصرہ کی حفاظت کے لیے شہر تباہ تعمیر کرنے کا حکم دیا اور قرامطہ کی روک تھام کی خاطر عباس بن غنوی حاکم فارس کو یامہ اور بحرین کا عامل مقرر کیا۔ عباس غنوی کے رسالے میں دو ہزار سوار اور زیادہ فوج میں رضا کاروں اور غلاموں کا حجم غیر تھا۔ بصرہ کے باہر قرامطہ عقیدہ پرستوں سے آمتا سامتا ہوا دور دراز کی شدید لڑائی میں ابو سعید جنابی کو فوج حاصل ہوئی۔ خلیفہ کا عامل عباس بن عمر غنوی گرفتار ہوا قرامطہ عقیدہ پرستوں نے عباسی لشکریوں کو بے دریغ قتل کیا ان کی لشکر گاہ کو لوٹ لیا۔ ابو سعید اس جنگ کے بعد ہجر کی طرف بھاگ گیا اور اس پر قبضہ کر کے بصرہ کی جانب آنا اور بصرہ بھڑکی نہ خلی کر نہ رہا۔

یہ وہ تیرنا زن ہو چکی اور اب انھیں وہاں کوئی نہیں ملے گا۔ ابو الفوارس، قلیص ابن نصمقم اس کا نائب مندل اور دوسرے چیدہ چیدہ لوگ سب گرفتار کر لیے گئے۔

عبداللہ اور قاسم ابن قاسم نے یہ الم ناک واقعہ سننا خود بہ خود رہ گئے انھوں نے فرزند قرامطہ کی بجائی ابو القاسم کے بارے میں پوچھا کہ وہ کس حال میں ہیں؟ ابن زبید نے جواب دیا۔

”جب عباسی لشکر نے جنگ جیت لینے کے بعد قلیص کے حصوں پر دھاوا کیا اس وقت امام اپنے محافظ صارم کے ہمراہ کسی نامعلوم سمت روانہ ہو چکے تھے لیکن کوئی نہیں جانتا انھوں نے کدھر کا رخ کیا۔ اُس وقت بڑی افزائشی مچی تھی اور لوگوں بھانگ رہے تھے کائنات اعلیٰ

وُسیسماً لظہیر (جیسے اُن کے سروں پر پرندے ہوں گویا اُن کے طوطے اڑ گئے تھے) ابن زبید نے بتایا ”لوگوں پر ایک دہشت طاری ہو گئی تھی۔ وہ چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم ہو کر مختلف اطراف کو بھاگے بعض اسامہ ہی کے قبائل کی جانب فرار ہوئے ہیں خود بڑی مشکل سے نکل سکا اور اپنے اہل خانہ کے علاوہ دوسرے لوگوں کو لے کر شام کے قبائلی علاقے کی طرف جا رہا ہوں۔ عباسیوں نے اسامہ میں بڑی تباہی پھیلانی ہے، وہ جماعت کا نام و نشان تک مٹ دینا چاہتے ہیں۔“

عبداللہ اگرچہ شکست و بربادی کی خبر سن کر بڑا افسردہ ہو گیا تھا لیکن جماعت کا نام و نشان مٹا دینے کی بات سنی تو حقارت سے بولا ”سناؤ کچھ ایسا کہ میں دُعاؤں اور خفاشوں اور سورج کی روشنی چمکا کر ڈکڑ کی دعا سے دُوب نہیں جاتی“ خلیفہ کا یہ جواب کبھی مترنم نہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

ظہیر ابن زبید کے قافلے میں تین سو کے لگ بھگ عورتیں، مردار رنجے شامل تھے پچاس کے قریب اونٹ تھے جن پر عورتیں اور بچے سوار تھے یا ضروری سامان لدا تھا۔ مرد کچھ گھوڑوں پر اور زیادہ تر پیادہ پاتھے ان کا رہ بسو بادیہ شام کے حاشیے پر آیا بعض قبائل کا راستہ جانتا تھا۔ قافلے کی اصل منزل بنی کلب کی صحرائی آبادی تھی جو شام کے عقیدت پرست قبائل کا مرکز بن چکی تھی۔ کیوں کہ امیر ابن حرب الکندی اور ملکہ صحرا بنجہ امیل کا بڑا خیمہ یا شاہی سراپردہ بنی کلب میں تھا جس پر قرامطہ کا سبز علم امامت لہراتا تھا۔

عبداللہ اور قاسم ابن قاسم کے مل جانے سے اہل قافلہ کو جن کے گھر بار برباد ہو چکے تھے بڑا حوصلہ ہو گیا کہ اب وہ کسی دشواری کے بغیر بنی کلب تک پہنچ جائیں گے۔ ان دونوں کو عربی شہر سے روانہ ہونے اور تیز سفر کرنے کا بارہ یوم ہو گئے تھے ان کی روانگی کے بعد ہی اسامہ

عبداللہ اور قاسم ابن قاسم کے مل جانے سے اہل قافلہ کو جن کے گھر بار برباد ہو چکے تھے بڑا حوصلہ ہو گیا کہ اب وہ کسی دشواری کے بغیر بنی کلب تک پہنچ جائیں گے۔ ان دونوں کو عربی شہر سے روانہ ہونے اور تیز سفر کرنے کا بارہ یوم ہو گئے تھے ان کی روانگی کے بعد ہی اسامہ

عبداللہ اور قاسم ابن قاسم کے مل جانے سے اہل قافلہ کو جن کے گھر بار برباد ہو چکے تھے بڑا حوصلہ ہو گیا کہ اب وہ کسی دشواری کے بغیر بنی کلب تک پہنچ جائیں گے۔ ان دونوں کو عربی شہر سے روانہ ہونے اور تیز سفر کرنے کا بارہ یوم ہو گئے تھے ان کی روانگی کے بعد ہی اسامہ

عبداللہ اور قاسم ابن قاسم کے مل جانے سے اہل قافلہ کو جن کے گھر بار برباد ہو چکے تھے بڑا حوصلہ ہو گیا کہ اب وہ کسی دشواری کے بغیر بنی کلب تک پہنچ جائیں گے۔ ان دونوں کو عربی شہر سے روانہ ہونے اور تیز سفر کرنے کا بارہ یوم ہو گئے تھے ان کی روانگی کے بعد ہی اسامہ

سرداروں اور مردوں کی ایک بڑی تعداد اسیر ہو کر آئی تھی۔ شہر میں سیاہ پرچم اس کثرت سے لہرائے گئے تھے کہ جس طرف نظر اٹھتی تھی، سیاہ بادل سے اڑتے دکھائی دیتے تھے۔ بدر اس پرچم کٹائی کے ذریعے قریبی علاقوں پر عیسائی کی عظمت و شوکت کا رعب طاری کر دینا چاہتا تھا۔ لیکن راسخ الاعتقاد صحابہ نے ان پرچموں کو مختارت کی نظروں سے دیکھا اور ان کی کثرت سے اکتاہٹ نہیں ہوئے۔

اسیروں کے اس تحقیر آمیز جلوس کی ہر فرد کی عورت، بیکار مرد کو جنھیں لوگوں کے سامنے نمائش بنا دیا گیا۔ یہ علم تھا کہ وہ لڑائی اور غلاموں کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کی زندگی دوسروں کے اختیار میں چلی گئی ہے پھر بھی ان کے قدم ڈر گئے، نہ عقیدے سے میں کوئی نفرتیں آئی بلکہ سیاہ پرچموں کا نظارہ کر کے دلوں میں عباسیہ سے روایتی نفرت کچھ اور بڑھ گئی۔

اسیروں کو دیکھنے کے لیے لوگوں کے ہجوم اڑ پڑے تھے۔ ان دامنوں اور بازاروں میں جن سے یہ جلوس گزرا، ناٹاشیوں کی تعداد حد و حساب سے باہر تھی۔ مرداگر راستوں اور بازاروں میں دور دراز کھڑے تھے، تو عورتیں چہروں پر نقاب ڈالے یا سروں پر قصاب (رومال) باندھے دو منزلہ، سہ منزلہ عمارتوں کے کونوں، گلیوں، درجوں اور چھتوں سے صحرائی عقیدہ پرستوں کی ذلت کا نظارہ کر رہی تھیں۔

یہ اس دور کی ایک سنگدلانہ رسم تھی کہ نہ صرف قیدیوں کی تشہیر کی جاتی بلکہ دشمنوں کے سر کاٹ کر نیزوں پر چڑھا دئے اور بازاروں، کوچوں اور محلوں میں پھر کے لوگوں کو دکھائے جاتے تھے۔ ان کی لاشیں شہر کے دروازوں پر پھیلائی جاتی تھیں تاکہ آنے جانے والے انھیں دیکھ کر عبرت پکڑیں اور حکمرانوں کے خلاف زبان نہ بولیں۔ ظلم و تشدد کرنے اور اذیت دینے کی انتہا یہ تھی کہ زندہ آدمیوں کے جسم سے ان کی کھال اتارنے والے پھر دل قصاب موجود رہتے تھے وحشت میں جلاد، سر ہنگ (پیلوان) اور کھال اتارنے والے پھر دل قصاب موجود رہتے تھے وحشت پر بیت کا فیض عموماً جشی غلاموں کو سونپا جاتا تھا اور انھیں اس انسانیت سوز فعل کی تربیت دی جاتی تھی۔

بغداد کے لوگوں نے قریبی علاقوں پرستوں کی اسیری اور ذلت و رسوائی کا تماشا کیا اور انھیں حیرت و تعجب کی نظروں سے دیکھا۔ عباسی حکمرانوں کے خلاف اگرچہ ماضی میں بھی خروج ہونے رہے اور متعدد لوگوں نے اپنی لامت و خلافت کے دعوے کیے تھے جنھیں برزخوت

عبداللہ اور قاسم ابن قاسم نے واپسی کے لیے دوسرا جہت بدل کی بجائے رفاہ کا راستہ اختیار کیا۔ فوجی چھاؤنیوں سے کتر کر نکل جانا چاہتے تھے۔ شہر کے شکر تے بنو قلیص کے فرار ہونے والے بھٹوں کا اگرچہ تعاقب نہیں کیا کیوں کہ اس کی ساری توجہ کسی دوسری جانب مبذول رہی تھی تاہم اندیشہ تھا کہ کہیں ان کے قافلے کو راستے میں روکنے کی کوشش نہ کی جائے۔ نئی کلب میں جلد پہنچ جانے کے لیے وہ دن رات سفر کرتے رہے اور ہجر کے علاقے میں پہنچے تو کچھ اطمینان محسوس کیا۔



احمد بن محمد طائی کا غلام شہل فتح کے پرچم لہراتا اور قریبی اسیروں کی لمبی قطار رہا کرتا ہوا، جس میں سیاہ قرامط کا سپہ سالار ابو الفوارس آگے آگے تھا۔ جب بغداد میں داخل ہوا تو اس کا عظیم الشان استقبال کیا گیا۔

شہل نے السادہ کی جنگ جیتنے کے بعد تیز رفتاری سے بغداد کے مختلف بکریات سمیتوں میں دوڑا دیے تھے۔ ایک شمال لہجی بغداد کی طرف، دوسرا جنوب لہجی بصرہ کی جانب اس نے بیک وقت خلیفہ معتقد اور اپنے آقا احمد بن محمد کو فتح کی بشارت بھیج دی تھی۔ خلیفہ کو یہ اطلاع بھی پہنچائی کہ وہ قریبی اسیروں کو لے کر سب سے پہلے دربار خلافت میں حاضری دے گا۔ اس اطلاع نے بغدادیوں خوشی کی لہر دوڑا دی جس طرح کچھ عرصہ قبل السادہ میں عباسی لشکر کی شکست و تباہی کی خبر نے بغداد میں صاف ماتم مچا دی تھی، اسی طرح دوسری جنگ میں فتح و کامیابی کی اطلاع پر وہاں نقاسے اور شادیانے بجنے لگے۔

قاسم بن جلتے ہوں گے خلیفہ معتقد کا آزاد کردہ غلام بدر جو ضبطیہ پولیس کا افسر علی تھا، خلیفہ کے مزاج میں بڑا دخل رکھتا بلکہ سیاہ و سفید کا مانگ کھجاتا تھا۔ اسی کے مشورے پر قرامط کی سرکوبی کا ابصرہ کے والی کو سونپا گیا تھا جس میں عظیم کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ اس لیے بدر نے شہل کی کامیاب واپسی پر اس کے استقبال کا خصوصی انتظام کیا اور شہر میں اس کی واپسی کا اچھا و برا پوچھا پوچھا۔

یہ کامیابی ایک ایسی جماعت کے خلاف حاصل کی گئی تھی جو مہدی کے سبز علم کے رنگ کی اور عباسیہ کے سیاہ پرچموں کو پامال کر دینے کا دعوٰی کرتی تھی اس لیے شہل کی آمد پر جس کے ہمراہ قریبی

میں سے کہ سواد کو قریب ان کے مرکزی جیسے موزوں کو نیست و نابود کر دیا گیا ہے۔ تاہم اس میں
موجودہ وقت کے لیے بنی بنی طور پر اس کے ان پرکھنے والے کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس سے ابو غلام کی طرح فرار
نہ ہو سکتا تھا۔ ویسے ہی السامہ میں ان کی قوت توڑ دی گئی تھی اور انہیں چھڑانے والے قدامتین
امیر یا بتر بتر ہو گئے تھے۔



دوسرے روز بغداد میں دربار عام منعقد ہوا اور خلیفہ معتضد ابو عباس نے اپنے غلام
یہود اور سالار لشکر شبل کو اجازت دی کہ وہ اہم اور چیدہ چیدہ اسیروں کو دربار میں پیش کریں۔
دولت عباسیہ کے تمام وزیر، مشیر، کاندین، سلطنت، امرا، شیوخ، علما، فوجی سالار، خطیب
کے افسر، بلا و شرفی اور بلا و غری کے ناظم الامور و دربار خلافت میں موجود تھے جب شبل
قرمطی قبائل کے سالار ابو الفوارس، سردار طہیص بن خضیم اس کے نائب صندل اور دوسرے
چیدہ چیدہ سرداروں کو لے کر حاضر ہوا۔ اسیروں میں ابو الفوارس ہی سب سے اہم سردار اور قریط
کا فوجی سرخند تھا۔ اسیروں کی طرف سے اُسی نے خلیفہ معتضد کو سلام کیا لیکن اس کے لیے "امیر المؤمنین"
یا خلیفہ المسلمین کے معروف اور مروج القاب استعمال نہ کیے۔ اُسے صرف "اعلیٰ حضرت" کے لقب
سے مخاطب کیا جس پر وزیر سلطنت عبید اللہ بن سلیمان نے اعتراض کیا اور کہا۔
"اسیر کو چاہیے کہ وہ حضرت خلافت تک کہ "امیر المؤمنین" یا خلیفہ المسلمین کے لقب
سے یاد کرے۔"

ابو الفوارس نے جواب دیا۔ "اگر میں ابو عباس کو "امیر المؤمنین" یا خلیفہ المسلمین کہہ
دوں تو پھر اختلاف کلمات کا اور ہمارے درمیان جگہ کس لیے ہے؟ جنگ اسی لیے ہوئی کہ میں

تاریخ الکامل از ابن اثیر جلد ۱، اور تاریخ ابن خلدون حصہ چہام جلد ثانی میں خلیفہ معتضد کا
سوال ابو الفوارس کا جواب لفظاً لفظاً اسی طرح درج ہے جس طرح ہم نے یہاں نقل کیا ہے۔
اس گفتگو کے لیے جو خلیفہ اور قریطی سردار میں ہوئی، طبری، ابن اثیر، ابن خلدون اور ابو الفوارس
سے مدد لی گئی اور قریط کا فلسفہ حلول پیش نظر رکھا گیا ہے (ابو الفوارس کی تقریر جو طبری
ابن اثیر، ابن خلدون، ابو الفوارس وغیرہم (قرآن جلد اولیٰ)

شمالی افریقہ میں ابو عبد اللہ شیبی ہمدی کا داعی تھا اور مغربی ایشیا کے اس خطے میں
ذکر و بقرمط کے بعد اب اس کا بیٹا قریطی ہمدی کا اپنی بی بی کا مگر ہمدی خود کہاں تھا؟
یہ بات اہل بغداد کے استعجاب کا باعث تھی کہ بادیہ نشین صرف ہمدی کے بی بی کی خاطر
عباسیہ سے بغاوت کے مرتکب ہوئے تھے، جب کہ ان کے اپنے عقیدے کی رو سے غور ہمدی
اور نزول مسیح کی خیر آخری زمانے کے لیے تھے لیکن اسماعیلی شافع سے تعلق رکھنے والے دونوں
حلقے ہمدی کے داعی اور بی بی بن بیٹھے تھے اور السامہ میں ایک حلقہ مغلوب ہو گیا تھا جس کے قریطی
امیر بغداد کے راستوں اور بازاروں سے گزر رہے تھے۔ اہل بغداد جو بت نئی بجلیں کرتے اور
اور نت نئے ہنگامے یا ناشے دیکھنے کے عادی ہو چکے تھے۔ عقیدہ پرست امیروں کی رسوائی
کا تاثر دیکھتے اور ابن پرتقرے بھی جیت کر سن رہے تھے مگر جیسا ہم بیان کر چکے ہیں تاریخ العقیدہ
اسیروں پر ان باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا اور جیسا قاری بھی ابھی پڑھیں گے وہ اپنے اس عقیدے پر
مختی سے قائم رہے کہ ابو عباس خلافت پر کوئی حق نہیں رکھتے اور انہوں نے دوسروں کا حتی
غضب کر رکھا ہے۔

اس ناشے کا ایک منظر یہ بھی تھا کہ کچھ حصہ قبل انھی عقیدہ پرستوں نے عباسی لشکریوں کو چرچ
کر قتل کیا اور کئی نامی گرامی سردار ہلاک کر دیے تھے لیکن اب وہ خود تباہ و برباد ہو گئے اور
لوندی غلام بنا کر بغداد میں لائے گئے۔ پھر بھی صحرا نشینوں کی آنکھوں میں نہانت کا کوئی آنسو نہ تھا۔
چہروں پر پچھتاوے کی کوئی گرد نہ تھی، البتہ سفر کی دھول ضرور تھی۔ جب کہ اہل بغداد اس بات پر

ابن خلدون کو علم حدیث پر اتھارٹی نہیں سمجھا جاتا لیکن انہوں نے اپنے مقدمہ تاریخ کے
باب الفاطمی میں ہمدی سے متعلق روایات جمع کر کے ان پر جرح کی ہے اس ضمن میں امام فخر
حدیث ابو یوسف بن مسلم بن جلال نیشاپوری نے اپنی "صحیح مسلم" میں ایک طویل اور مفصل حدیث
درج کی ہے جس میں آخری زمانے کے
حوادث کا ذکر کرنے کے ساتھ نزول
مسیح اور ہمدی کی خبر دی گئی ہے امام مسلم نے معزول خلیفہ معتضد کے عہد خلافت ۲۶۱ھ
میں وفات پائی تھی۔ تاریخ الکامل جلد ۱، تاریخ الخلفاء حصہ دوم)

ابو عباس کو خلیفہ تسلیم نہیں کرتا۔

اہل بغداد اس کی صاف گوئی اور بے باکی پر حیران رہ گئے۔ مگر بات بڑی معقول اور درست تھی۔ لہذا وزیر سلطنت سمیت کسی نے بھی "امیر المومنین" کے خطاب پر اصرار نہ کیا۔ قرامطہ بنو عباس کی موروثی خلافت کو تسلیم نہیں کرتے تھے اور دربار بغداد میں ابو الفوارس کی حیثیت قرامطہ کے سفیر کی تھی اس نے اسی لمحے میں گفتگو کا آغاز کیا تھا۔ لیکن خلیفہ نے اسے سرزنش کی کہ وہ خود کو ایک امیر سمجھے۔ ابو الفوارس نے زہر خند کے ساتھ کہا۔

"اہل دربار دیکھ رہے ہیں کہ میں طون و سلاسل میں جکڑا ہوا ایک قیدی ہوں اور آپ کیا چاہتے ہیں؟"

خلیفہ معتضد کو اور تو کچھ نہ سوچھا، غصے میں بولا۔ "تمہارے عقیدے غلط ہیں۔"

خلیفہ کا ہجو تند و تیز تھا۔ آواز کزخند اور اونچی تھی لیکن ابو الفوارس کا جواب اور لہجہ دھما فٹا۔ "اعلیٰ حضرت! عقیدہ غلط ہے یا صحیح اس کا تعلق میری ذات اور میرے ایمان سے ہے۔"

"لیکن تم لوگوں کو گمراہ کرنے اور کہتے ہو کہ خدا تمہارے اندر حلول کرتا ہے۔" خلیفہ معتضد پھر گرجا۔ "ہماری کچھ میں یہ بات نہیں آتی کہ اللہ اور اللہ کے انبیاء کی روحیں تمہارے اہاموں کے اندر کس طرح داخل ہو جاتی ہیں اور تمہارے اہاموں کی روحیں اپنے وجود سے بٹل کر تھامے اندر کیسے حلول کرتی ہیں جس کی وجہ سے تم لوگ ہر قسم کے گناہ (صغیرہ اور کبیرہ) سے بری اللہ ہو جاتے اور گناہ کرنے کے باوجود معصوم عن الخطا رہتے ہو بلکہ تمہیں اعمال صالحہ بجالانے کی توفیق ملتی ہے۔ تم گناہ کرتے اور پاک سمجھے جاتے ہو۔ آخر یہ کیا عقیدہ ہے؟ ہمیں بتاؤ خدا تمہارے اہاموں کے اندر اور اہام تمہارے اندر کیسے حلول کرتے ہیں؟"

ابو الفوارس نے خلیفہ کو چشم حیرت سے دیکھا اور قرآن مجید کی آیات پڑھیں۔

"إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ، يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ (جو لوگ تیری بیعت کرتے ہیں وہ اللہ کی بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے) آپ کو اس بات پر اعتراض ہے کہ اللہ کی روح کیسے حلول کرتی ہے اور میرا جواب یہ ہے جس طرح "اللہ کا ہاتھ" ان لوگوں کے ہاتھ پر تھا جنہوں نے اللہ کے رسول کی بیعت کی، جس طرح رسول اللہ کا دست بیعت اللہ کا ہاتھ قرار دیا گیا۔ پھر جب بدر کے حوالے سے آپ اس آیت کو بھی یاد رکھیں وَمَا وَهَيْتُ إِذْ وَهَيْتُ وَلَكِنَّ اللَّهَ ذَمِّي (اے رسول) جب تو نے لکھریاں پھینکیں

تو تو نے نہیں پھینکیں بلکہ اللہ نے پھینکیں) تو جناب والا جب رسول اللہ کا فعل اللہ کا فعل قرار دیا گیا اور اللہ لکھریاں پھینک سکتا ہے تو کسی رسول یا امام کے اندر حلول کیوں نہیں کر سکتا؟ اللہ کا جلوہ کائنات کی ہر شے میں ہے کسی رسول یا امام کے اندر تو بدرجہ اتم موجود ہوگا۔"

خلیفہ نے یہ گفتگو استعجاب سے سنی اور دربار میں موجود علماء کی طرف دیکھا کہ شاید کوئی قرطبی مردوار کا جواب دے لیکن کسی نے کوئی وضاحت کی نہ کوئی جواب دیا۔ اب وہ پوچھنے لگا "حجرتم لوگ کوئی گناہ کرتے ہو مثلاً شراب نوشی یا زنا تو کیا وہ اس لیے کا شراب ہو جاتا ہے کہ تم لوگوں کے اندر امام کی روح اور امام کے اندر اللہ کی روح حلول کر چکی ہوتی ہے؟"

گویا وہ قرطبی مردوار کے منہ سے یہ بات کھلانا چاہتا تھا کہ جس شخص کے اندر مذکورہ قرطبی یا اس کے بیٹوں کی اہمیت اور آقا حسین کی روح حلول کر جائے وہ تمام گناہوں سے بری اللہ ہو جاتا ہے یعنی جو چاہے کرے اس کے کسی گناہ کی جواب دہی نہیں ہوگی بلکہ اس کے ساتھ گناہ کرنے والیاں جنت میں جائیں گی۔ یہ عقیدہ گناہ کی ترغیب دیتا اور گناہ کو کارِ ثواب کی صورت میں پیش کرتا تھا جس کے عوض جنت مل سکتی تھی۔

ابو الفوارس کچھ گھبرا گیا کہ عباسی حکمران اس معاملے کو طول کیوں دے رہا ہے اور گناہ و ثواب یا اس کے اجتناب کی بحث میں کیوں الجھ رہا ہے اس نے جواب کا ایک نیا پہلو اختیار کیا۔ "اعلیٰ حضرت! میں اس بات پر حیران ہوں کہ آپ کو گناہ و ثواب کے فلسفے اور اس کی حکمت سے کیا لینا ہے۔ اگر ہمارے اندر اللہ کی روح حلول کر چکی ہے تو اس سے آپ کا کیا نقصان یا کیا حرج ہے اور اگر ہمارے اندر ایس کی روح نے حلول کیا ہے تو اس سے آپ کی ذات کو کیا فائدہ ہوگا لہذا جس بات سے کوئی فائدہ نہ ہو اس کا ذکر لا حاصل ہے۔ ان لا حاصل باتوں کو چھوڑ کر آپ اس بات کی طرف توجہ کیوں نہیں دیتے جس سے کچھ حاصل ہو سکے؟"

خلیفہ نے اس کی بات توجہ سے سنی اور کچھ نہ سکا کہ ان کے درمیان کون سی بات فائدہ بخش ہو سکتی ہے۔ اس نے سوچا قرطبی مردوار کی بات کرتے کا موقع دیا جائے اور کہا۔ "ابو الفوارس! تم نے مطلب اور فائدے کی طرف توجہ دلائی ہے تو بے شک ہمیں مطلب کی طرف آنا چاہیے۔ لیکن مطلب اور فائدے کی بات بھی شروع کر دو۔"

بعض اہل دربار کا خیال تھا، قرطبی مردوار مسئلہ خلافت پر بات چیت کرے گا اور جس معاملے سے اس نے گفتگو کا آغاز کیا اور خلیفہ معتضد کو "امیر المومنین" اور "خلیفۃ المسلمین"

مسئلہ باعث نزاع تھا اور اسی سے تلخی پیدا ہوئی۔ اس مسئلہ کا حل تھا، امام رضاؑ کا عرض رہا کہ:

”ابوالفوارس کیا کہتا اور کس معاملے پر بات چیت کرتا ہے۔“

ان کا خیال درست ثابت ہوا۔ قرمطی سردار نے خلافت ہی پر بات کی اور پوچھا:

”اعلیٰ حضرت! یہ بتائیے آپ اس مسئلہ خلافت پر کس اختیار سے بیٹھے ہیں؟“

سوال ہی ایسا تھا کہ معتمد ابوباس نے بری طرح چونک گیا۔ ”یہ اختیار ہمیں لوگوں نے دیا ہے۔“

”نہیں، یہ اختیار آپ کے خاندان کو ابوباس عبد اللہ اسفہاح (خون ریزہ) نے دیا ہے جس نے آل مروان سے خلافت برادر بنیج پھین لی تھی۔“

”مگر ہم بالاجماع خلیفہ ہیں۔“

”اجماع کیسا؟ ہمارے اور آپ کے درمیان امر خلافت متنازع ہے۔“

”ہمارے نزدیک یہ امر متنازع نہیں، اگر تم خلافت پر بنی ہاشم کا حق سمجھتے ہو تو ہی ہم برادر خلافت ہیں کیوں کہ ہمارے جد بزرگ ار حضرت عباسؓ ہاشمی تھے اور خلافت پر بنو عباسؓ حق فائق اور ثابت ہے۔“

ابوالفوارس نے تیز نظروں سے خلیفہ کو دیکھا۔ ”کیا میں پوچھ سکتا ہوں۔ بنو عباسؓ کو یہ حق ثابت رسول میں سے کس نے دیا؟“

معتمد ابوباس نے اس سوال کا جواب نہیں دیا۔ اُسے خاموش دیکھ کر قرمطی سردار خود کہنے لگا۔

”اعلیٰ حضرت! جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی، اُس وقت آپؐ نے بزرگوار حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب زندہ تھے مگر نہ تو انھوں نے خلافت و حکومت کی خواہش نہ کسی نے انھیں اس قابل سمجھا، بلکہ لوگوں نے حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور انھیں خلیفہ یا حضرت ابو بکرؓ کو بیعت ہوئے تو آپ کے مورث اعلیٰ حضرت عباسؓ اس وقت بھی موجود تھے حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ بن الخطابؓ کو اپنا جانشین مقرر کیا اور جب حضرت عمرؓ نے وفات پائی، انتخاب خلیفہ کے لیے مجلس شوریٰ بنائی، آپ کے جد اعلیٰ اُس وقت بھی بقید حیات تھے حضرت عمرؓ نے شہادت سے قبل حجر مجلس شوریٰ یا خلافت کی کمی تمام کی، اس میں چھ اصحاب

www.urdubooks.org

کے حضرت عمرؓ نے نہ حضرت عباسؓ کو ولی عہد و جانشین بنایا نہ انھیں مجلس شوریٰ میں شامل کیا بلکہ یہیں قریب و جید کے مرتبہ پہ بزرگ شریک تھے اور ان چھ میں سے کسی ایک نے بھی اس کے جبر و زور کا نام نہ لیا۔ لہذا اجماع اور اتفاق اس بات پر نہ کہ حضرت عباسؓ خلافت کے مستحق نہ تھے۔ نہ آل عباس کے بارے میں کوئی ایسی خبر سنی گئی کہ اس کا اس امر پر استحقاق ہے پھر آپ کس بنیاد پر خلافت کا دعویٰ کرتے اور خلیفہ بنے پھرنے میں؟

ابوالفوارس کی تقریر نے دربار خلافت پر حیرت کا ایک سناٹا طاری کر دیا کسی کے پاس اس کے دلائل کا جواب نہ تھا کیوں کہ جو کچھ اس نے بیان کیا وہ تاریخی اعتبار سے ناقابل تردید تھا اس نے اپنی تقریر میں یہ امر بھی واضح کر دیا تھا کہ اگر بنی عباس کے لیے کوئی روایت یا بشارت ہو تو شیخینؓ اور مجلس شوریٰ کے ارکان سے اوچھل نہ رہ سکتی تھی۔ نہ عباسؓ کو مجلس شوریٰ سے نظر انداز کیا جاتا۔ وہ لوگ جو بنو عباس کے حق خلافت میں روایات بیان کیا کرتے تھے، گم صم ہو کر رہ گئے۔ قرطبی سرور کا بیان بڑا مسطقی اور حقائق پر مشتمل تھا۔ ان لوگوں نے بھی خاموشی ہی بن کر رکھی۔

خلیفہ مقصد پر خود بھی حیرت کا سکہ طاری تھا۔ اُس نے انتظار کیا کہ شاید اہل دربار میں سے کوئی شخص قریبی سر دار کا جواب دیتے کے لیے کھڑا ہو لیکن جب یہ توقع پوری نہ ہوئی تو غصے کے جوش میں خود مسند سے اٹھا اور دربار میں موجود حلقہ دوں اور سر ہنگوں کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔

— (بقیہ پچھلے صفحہ کا حاشیہ)

کو شمال کیا، جنیس خلیفہ کا انتخاب کرنا تھا اور جو خود بھی اس منصب کے اہل تھے۔ اُن کے نام یہ ہیں حضرت عثمان بن عفان، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ بن العوام، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص۔ اُن کے نزدیک مذکورہ چھ اصحاب کے علاوہ کوئی اور شخص خلافت کا اہل نہیں تھا۔ مستدرک حاکم تاریخ الخلفاء وغیرہ تمام مورخوں نے ان چھ اصحابؓ کا ذکر کیا ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی نے نبوغا س کی خلافت سے متعلق بہت سی حدیثیں اپنی کتاب "تاریخ الخلفاء" میں اکٹھی کر دی ہیں لیکن ان کے بعض راوی ضعیف مدلس اور مضاع (بھٹی) روایات گھڑنے والے) ہیں فن اسما الرجال اور جرح و تعدیل کے اعتبار سے جملہ روایات ساقط الاغیار ہیں (نہر اجاوی)۔

”اس گندھ اور کاذب آدمی کے جسم سے کھال کھینچ لو“

اہل دہبار نے فیصلہ سنا اور خاموش رہے لیکن جلاؤ اور فرہنگ حکم سنتے ہی ابو الفوارس پر ٹوٹ پڑے اور اسے اٹھا کر فرش پر پٹ دیا وہ طوق و سلاسل میں جکڑا ہوا تھا۔ سر جگ اس کی چھاتی پر چڑھ گئے اور اس کی بانہوں اور ٹانگوں کو پوری طرح اپنی گرفت میں لے لیا تاکہ وہ ہلنے اور تڑپنے نہ پائے پھر جلاؤں نے چھریاں سمجھالیں اور ایک زندہ آدمی کے جسم سے اس کی کھال اتارنے میں مصروف ہو گئے۔

ابو الفوارس جانتا تھا اس کی زندگی ختم ہو گئی ہے اور اب اسے کوئی نہیں بچا سکتا۔ جلاؤں کی چھریاں اپنا کام کر رہی تھیں۔ کھال اتارنے لگی۔ اس نے اپنی جینیں گلے میں دبائیں لیکن جب قوت ضبط جواب دے گئی تو بلند آواز سے پڑھنے لگا۔

وَاللّٰهُ الَّذِيْ هُوَ عِبَادِيْ وَاَمْتَحَنُ خَلْقِيْ فَمَنْ صَبَرَ عَلَىٰ بِلَدِيْ وَعَفْنِيْ وَ
اِخْتِيَاوِي الْفَيْتَنَةَ فِيْ جَنَّتِيْ وَاسْلَدَتْهُ فِيْ لَعْنَتِيْ ۗ

(اور میں وہ ذات ہوں، جو اپنے بندوں کو ابتلا میں ڈالتی اور اپنی خلق کا امتحان لیتی ہے، پس جو میری طرف سے آنے والی بلا کو جھیلتا، میرے دیے ہوئے رنج اٹھاتا اور میری آنکھوں میں پورا اترتا ہے، وہ میری جنت میں آئے گا اور میری ہر نعمت میں داخل ہوگا)

یہ ذکر یہ قرمط کے لکھے ہوئے کلمات تھے، جو اس نے اپنی کتاب عقائد میں تحریر کیے تھے اور وہ کتاب دہشت پر مول کی باوقی میں بیٹھ کر تصنیف کی گئی تھی جسے جماعت میں منہاس سمجھا جاتا تھا۔ دراصل یہ کلمات قرمط کی نماز کا حصہ تھے۔ وہ دن میں صرف دو مرتبہ صبح اور شام کی نماز پڑھتے اور اس میں مذکورہ کلمات دہراتے تھے۔

ابو الفوارس نے ذکر و یہ قرمط کی تصنیف کردہ عبارت انتہائی اذیت کی حالت میں پڑھی تھی۔ جب اس کے ضبط اور زبرد آتش کی حدوث رہی تھی۔ انسان ایک حد تک تشدد اور اذیت برداشت کر سکتا ہے پھر اس کی قوت برداشت جواب دے جاتی ہے اس نے جیج جمع کر دوبارہ وہی کلمات دہرائے یا اپنی جیجوں کو الفاظ میں منتقل کر دیا تھا مگر تیسری یا چارٹی کی زبان سے الفاظ نہیں نکلے۔ صرف جینیں، آہیں اور کراہیں نکلیں۔ جلاؤں کی چھریاں اپنا کام کر

لے ابن اثیر اور ابن خلدون نے ذکر و یہ قرمط کی کتاب سے کچھ عبارت نقل کی ہے۔ یہ کلمات وہیں سے لیے گئے ہیں (مصنف)

رہی تھیں۔ اہل دہبار کے علاوہ قرمطی اسیر بھی دم بہ خود سے کھڑے ابو الفوارس کے جسم سے کھال اتارتے دیکھ رہے تھے۔ بے رحم ابو عباس نے جو سفاح ثانی (دوسرے خوب ریزہ پا کے نام سے مشہور تھا، اسے زندگی کے بدترین عذاب میں مبتلا کر دیا تھا۔

جسم کے جس حصے سے کھال اتارتی گئی اس کا ٹکڑا گوشت ایک بھیا تک اور ہولناکی نظر پیش کرنا چاہا گیا۔ خون میں لت پت ابو الفوارس کے چنچنے چلانے کے ساتھ ہر طاقت جاتی رہی، وہ بیحد اندھیروں میں ڈوب گیا اور اس پر گہری بے ہوشی طاری ہو گئی تھی۔

جلاؤں نے کھال اتار کر ایک طرف ڈال دی اور مردہ جسم ایک طرف رکھ دیا ابو الفوارس کی روح پہلے ہی اس کے ادرھڑے اور چھیلے ہوئے جسم سے پرواز کر چکی تھی۔

یہ تھا قرمطی سردار کے سوال کا جواب، جو خلیفہ معتضد نے دیا اور جس نے پورے دہبار پر دہشت طاری کر دی۔

قرمطی سالار ابو الفوارس کی سرور دہبار کھال کھینچنے اسے وحشت ناک اذیت دینے اور موت کے سپرد کرنے کا منظر اتنا ہولناک اور لرزہ خیز تھا کہ لوگ دم بہ خود رہ گئے اور قرمطی اسیریں پر بھی ایک سکتہ طاری ہو گیا۔

اسلام میں منکر کرنا یعنی ناک، کان اور ہونٹ وغیرہ کاٹ کر لاش کی شکل بنانا، اسے گھوڑے کے سموں سے روندنا یا دیگر ذرائع سے ناقابل شناخت بنا دینا ممنوع ہے لیکن خلافت راشدہ کے بعد جب اقتدار کی کشمکش شروع ہوئی تو اس عرب جاہلیت کا مظاہرہ بھی دیکھنے میں آیا جس کی ممانعت کی گئی تھی۔ مرے ہوئے لوگوں کی لاشیں یا ہڈیوں کے پنجہ قبروں سے نکال کر کھانسی پر لٹائے گئے۔ عباسی دور میں دشمنوں کے کٹے ہوئے سروں کی نمائش کرنا اور سر بریدہ لاشوں کو گھر کے دروازوں پر لٹکانا ایک روایت کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ معتضد کے دور میں زندہ

امام حضرت علی اللہ علیہ وآلہ وسلم جاہلیت کی رسوم کو ناپسند فرماتے تھے۔ ابن مسعود کی روایت کے مطابق فرمایا: ”وہ شخص میری جماعت سے خارج ہے جو اپنے منہ پر تھوڑا سا گہریاں چاک کرے اور جاہلیت کی رسم جاری کرے (بخاری و مسلم، ترمذی، نسائی) بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ حضور نے حضرت حمزہؓ کے قاتل وحشی کو معاف کر دیا تھا۔ جنگ احد میں حضرت حمزہؓ کی لاش کا منکر کیا گیا تھا (بخاری کتاب المغازی)

سوچو سٹھ سال کے عرصے میں جب سے ابو عباس عبداللہ اسفند نے امویوں کو خون میں غسل دے کر حکومت حاصل کی تھی، لوگوں کے دلوں پر عباسی خلافت کا سکہ بیٹھ گیا تھا اب کوئی اُن کے خلاف زبان ہلانے کی جرأت نہیں رکھتا تھا۔ بنی ہاشم کے مختلف حلقے اگرچہ بدستور مخالفت پر کمر بستہ اور اپنی امامت و خلافت کے دعوے دار تھے لیکن ان کی دعوت و پردہ ہفتی۔ بعض علاقوں میں ان کے عقیدت مند بہ جبر واکراہ عباسیہ کے حلقہ گیرش تھے تاہم تحریک قرامطہ نے صحرائی عقیدہ پرستوں میں ایک نئی نعر پیدا کر دی تھی اور قرامطی سردار ابو الفوارس نے بحالت امیری پہلی مرتبہ عباسیوں کے خلاف زبان کھولی تھی، جس کا انجام لوگوں نے دیکھ لیا تھا۔

عباسی نقیب اس کی لاش کے آگے آگے یہ اعلان کرتے جا رہے تھے کہ خلافت کے ہر باقی کا یہی انجام ہوگا۔ جب ذکر ویر قرامطہ اور اس کا بیٹا یحییٰ قرامطی پکڑے گئے تو ان کے جسموں سے بھی کھال کھینچ لی جائے گی۔

اس جوس نے جو بڑا مصیب اور ڈراؤنا تھا، بغداد میں ایک نئی وحشت اور ایک نئی دہشت پیدا کر دی تھی۔ قبل ازیں لوگ باغیوں کے سرنیزوں پر چڑھے ہوئے دیکھتے رہے تھے، جن کی سربراہی لاطین شہر کے دروازوں پر لڑکا دی جاتی تھیں لیکن کھال اتاری ہوئی لاش کا جلوس انھوں نے پہلی بار دیکھا تھا اور یہ اتنا بھیانک اور سفاکانہ منظر تھا کہ بہت سے لوگوں نے گھروں کے دروازے بند کر لیے۔

انھیں قرامطی عقیدہ پرستوں سے کوئی ہمدردی نہ تھی تاہم وہ باغیوں کے سروں کا تماشا کرنے کو تے تنگ آگئے تھے اور اب ایک انسانی لاش کی یہ جرمی یا وحشت و بدمریت کی یہ سنسنی انھیں پسند نہ تھی۔ لاش بے شک دشمن کی سی لیکن اُس کے ساتھ یہ غیر انسانی سلوک اسلام کے قطعی خلاف تھا۔ جب کہ معتقد کا دستور یہی تھا کہ وہ اپنے دشمنوں کی وہ ڈوری کاٹ دیتا جو ان کے رشتوں کے ساتھ منک ہوئی تھیں اور انھیں ایسے بھیانک عذاب سے دوچار کر دیتا تھا، جنھیں دیکھ کر لوگ کانپ اٹھتے تھے۔



اپنے قارئین کی معلومات کے لیے ہم یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ ماغی میں بنو امیہ

دشمن کی کھال اُتروانے اور اُسے اذیت کے ساتھ ہلاک کرنے کا رواج انتہائی ہیمنہانہ بلکہ سراسر غیر انسانی اور غیر اسلامی تھا مگر کسی کو احتجاج کی جرأت نہیں تھی۔

ابو الفوارس کے جسم سے کھال ہوں کھینچ لی گئی تھی، جیسے قصاب ذبح کیے جانے والے جانور کی کھال کھینچ لیتے ہیں لیکن نہ اُس کی گردن کاٹی گئی، نہ چہرے کی کھال اتاری گئی، جس سے لاش بڑی بھیانک اور خوف ناک لگ رہی تھی۔ خلیفہ نے حکم دیا۔ "قرامطی سالار کی لاش اسی طرح شہر میں پھرائی اور لوگوں کو دکھائی جائے تاکہ لوگ اس گستاخ کا انجام اچھی طرح دیکھ لیں۔ اس نے حضرت عباسؑ اور آل عباسؑ کے بارے میں ایک ایسا سوال اٹھانے کی جرأت کی تھی جو آج تک کسی نے نہیں اٹھایا تھا۔ قرامطی امیر اس کی لاش کے پیچھے پیچھے ہوں گے کسی کے لیے رحم نہیں۔"

یہ حکم دے کر اس نے دربار برفراست کیا اور خود چلا گیا لیکن اجماع سلطنت اور اہل دربار بدستور وہاں موجود رہے۔ درباری قصابوں اور سرنگوں نے پہلے ابو الفوارس کی چھلی ہوئی لاش جس کی گردن پر سر موجود تھا اور سر کی کھال بھی جوڑی ہوئی تھی، دربار سے باہر نکالی۔ لاش کو ہانسی کے ساتھ باندھ کر اٹھایا گیا تاکہ لوگ اُسے دیکھ لیں۔ اس کے پیچھے پیچھے طوق و سلاسل میں جکڑے امیر باہر دھکیل دیے گئے۔ اس طرح ایک خوف ناک جلوس بغداد کے بازاروں کی طرف روانہ ہوا۔ اس جلوس کی روانگی کے بعد کہیں اہل دربار دو دو تین تین کی ٹولیوں میں باہر نکلے۔



جب ابو الفوارس کی کھال اتاری ہوئی لاش کا جلوس بازاروں سے گزرنے لگا تو لوگوں میں ایک نیا خوف و ہراس پھیل گیا۔ جو انہوں نے یہ بھیانک منظر بڑی کراہت سے دیکھا، بوڑھوں نے دانتوں میں انگلیاں داب لیں۔ اس دہشت کے ساتھ ساتھ قرامطی سردار کی وہ باتیں بھی اہل بغداد تک پہنچیں، جو دربار میں خلافت کے مسئلے پر ہوئی تھیں جس نے وہ باتیں سنیں، حیرت زدہ رہ گیا۔ بغداد کے بازاروں اور گلی کوچوں میں داستان سراؤں کی طرح احادیث بیان کرنے والے راوی بھی گھومتے پھرتے اور لوگوں کو عباسیوں کی شان میں بڑی پیچھے دار روایات سنایا کرتے تھے مگر جو باتیں ابو الفوارس نے دربار میں کی تھیں، اُن سے عباسیوں کے خفیہ خلافت کی نفی ہوتی تھی۔

پیش پیش رہے علوی اور فاطمی اپنی حکومت خلافت کے لیے کوشاں تھے، جنہوں نے اس مقصد کے لیے خانقاہوں اور امام بارگاہوں کا راستہ اختیار کیا تھا جب کہ عباسی جو علوی اماموں کا بھی احترام کرتے تھے، مسلح گروہوں کی شکل اختیار کر رہے تھے۔ علویوں کا جہاد تھا کہ وہ انہی کی خلافت و حکومت کے لیے سرگرم عمل ہیں لیکن معاملہ کچھ اور تھا۔

۳۴ھ میں جب مسلح عباسی گروہوں نے آخری اموی حکمران مروان بن محمد کے خلاف جنگ جیت لی تو نہ صرف حکومت پر قبضہ کر لیا بلکہ ابو عباس عبد اللہ اسفہار نے کوفہ میں لوگوں سے بیعت لے کر اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ جس سے علوی تائفہ سالار پیچھے رہ گئے۔ عباسی خلافت کا آغاز ان کے لیے تکلیف دہ تھا۔ اسی پر وہ عباسیوں کو غاصب قرار دینے لگے جب کہ ابو عباس کا موقف یہ تھا کہ اگر خلافت پر زنی ہائیم کا حق ہے، جس کی درپردہ تشہیر کی جانی رہی تو پھر وہ بھی عباسی بن عبد المطلب کی اولاد سے اور ہاشمی الاصل ہیں حکومت و خلافت پر ان کا بھی حق ہے مگر فاطمیوں اور علویوں کے نزدیک ہاشمیوں کا اولاد علی سے ہونا ضرور تھا۔ اسی اختلاف کے باعث مسلم امہ میں جو تفرقہ و فساد برپا ہوا، اُس سے خروج اور بغاوت کی ایک نئی تاریخ مرتب ہوئی۔ اسیے ذرا عباسی عہد کی اس تاریخ پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

امام حسینؑ کے فرزند علی زین العابدینؑ کے چار بیٹے تھے داد محمد جن کا لقب باقر تھا۔ (۲) عبد اللہ ارقط (۳) عیسیٰ (۴) حسین اعرج۔ آخر الذکر حسین اعرج کی اولاد سے بھی بن زید نے ۱۲۵ھ بہ عہد ابراہیم بن ولید اموی خراسان میں علم بغاوت بلند کیا تھا۔ انہی کے بھائی حسین بن زید نے عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور سے محرکہ آرائی کی تھی۔

۱۴۵ھ میں محمد بن عبد اللہ بن حسن بن علیؑ لقب بہمدی نفس ذکیہ نے بہ عہد خلافت ابو جعفر منصور عباسی مدینہ منورہ میں خروج کیا اور عباسی لشکر کے مقابلے میں مارے گئے مگر اسی عہد میں ان کے بھائی ابراہیم بن عبد اللہ بن حسن بن حسنؑ نے بصرہ اور امواس میں کچھ عرصہ کے لیے اپنے اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔

۱۶۹ھ میں بہمدی خلیفہ ہادی بن ہمدی بن منصور حسین بن علی بن حسن ثلث بن حسن ثلث بن حسن سبط نے خروج کیا اور قتل ہوئے۔

۱۷۲ھ میں زید عباسی کا دور خروج تھا یعنی بن عبد اللہ بن حسن بن حسین سبط نے ولیم میں خروج کیا کیا لیکن خلیفہ ہارون الرشید کے زیر پروری کے ذریعے مصالحت ہو گئی۔

امام جعفر صادق بن باقر بن زین العابدینؑ کے تین بیٹے تھے (۱) اسماعیل (۲) موسیٰ کاظم (۳) محمد دیلمہ۔ آخر الذکر نے بہ عہد خلافت مامون عباسی مکہ معظمہ میں خروج کیا۔ اہل حجاز نے اس کی امامت و خلافت کی بیعت کر لی۔ مامون کے بھائی ابواسحاق محمد نے (جو بعد ازاں معتصم باللہ کے لقب سے تخت خلافت پر بیٹھا) دیلمہ کو گرفتار کر کے خلافت ماب کے سامنے پیش کیا۔ مامون نے اُس کی خطا معاف کر دی۔

محمد دیلمہ نے بڑی طویل عمر پائی۔ وہ ۳۰۳ھ میں یعنی ہماری اس داستان کے زمانے سے بھی کچھ عرصہ بعد فوت ہوا۔

۱۹۹ھ بہ عہد خلافت مامون، محمد بن ابراہیم بن اسماعیل بن ابراہیم بن حسن بن حسین علوی المعروف طباطبائی نے کوفہ میں خروج کیا۔ اس کی وفات کے بعد قائم مقام ابوالسریا نے عباسی لشکروں سے کئی جنگیں لڑیں۔ اسی عہد میں قاسم الرسی بن ابراہیم طباطبائی سندھ بھاگ گیا۔ ۲۴۵ھ میں وہیں مر گیا اس کا بیٹا حسن بن حسین واپس آیا۔ (صعدہ (بن) میں حکومت قائم کی زید پر کی یہ حکومت عرصہ دراز تک قائم رہی۔

۲۰۰ھ میں بہ عہد خلافت مامون، محمد بن جعفر صادق بن باقر نے مکہ میں خروج کیا۔ امام موسیٰ کاظم علی اولاد سے ابراہیم مرتضیٰ جزار نے بھی مامون ہی کے عہد میں حکومت و سلطنت کا دعویٰ کیا اسے محمد بن ابراہیم طباطبائی نے مین کی سند حکومت دی تھی۔ جزیرہ کا لقب اسے خون ریزی کی وجہ سے دیا گیا۔ خلیفہ مامون کی طرف سے محمد بن زید نے فاطمیوں پر حملے کیے اور اور انہیں تتر بتر کر دیا، امام موسیٰ کاظم کی اولاد سے زید بصرہ پر حکومت کرنا رہا اس نے عباسیوں کے مکانات جا کر اٹھ کر رہے اور "زید انار" کے لقب سے موسم ہوا۔

حضرت علیؑ کے صاحبزادے محمد بن حنفیہ کی اولاد سے عبد اللہ بن عباس اُس کے بھائی علی بن محمد اور اُس کے بیٹے حسن علی بن محمد کی بھی امامت مانی گئی۔ خلیفہ مامون کے عہد میں علی بن محمد کی اولاد کے علاوہ عبد الرحمن بن احمد بن عبد اللہ بن محمد حنفیہ نے بھی خروج کیا تھا۔

۲۱۹ھ کے لگ بھگ خلیفہ معتصم باللہ کے عہد میں محمد بن قاسم بن علی بن عمر بن زین العابدینؑ نے طائفان میں خروج کیا اور گرفتار کر کے بغداد بھیجے گئے مگر قید خانے سے بھاگ نکلے۔

۲۵۰ھ میں یحییٰ بن عمر بن یحییٰ بن حسین زید شہید علوی نے بہ عہد خلیفہ مستنبن ابو عباس کو فہم میں خروج کیا اور بڑا ک ہوا۔

موسیٰ بن جعفر بن عبد اللہ بن حسن سبط کی اولاد سے اسماعیل بن یوسف بن ابراہیم بن موسیٰ بن
میں سال تک ارض حجاز میں اپنی حکومت کے لیے کوٹاں رہا۔ ۲۵۱ھ میں اس نے خلیفہ مستعین
ابو عباس کے خلاف خروج کیا۔ مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، جدہ اور حجاز کے کئی شہروں پر قابض ہو گیا۔
اسے "اسماعیل شاہ" بھی کہتے ہیں۔ صرف ایک سال حکومت کے ۲۵۲ھ میں بہ عارضہ چھپک
فوت ہوا۔ سب سے اولاد مراد اس کے بھائی اخضر بنی نے اقتدار سنبھالا۔ اُس نے ارض عامہ پر
بھی قبضہ کر لیا۔ اس کی وفات کے بعد یوسف بن محمد اخضر حکومت کرنے لگا۔ یہ امر کی حکومت
اُسی کے خاندان میں رہی تاں کہ قرامطہ وہاں غالب آ گئے۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ علویوں (بنی اشم) کا زیادہ زور سر زمین حجاز میں رہا جس کی وجہ
سے قریش کو شہر گنہگار میں چلے گئے۔ باقی خلفائے مستعین اور معتز کے عہد میں مکہ پر سلیمان بن داؤد
بن حسن بن موسیٰ بن حسن سبط کی اولاد نے قبضہ کر لیا۔ دوسری صدی ہجری کے آخر میں اس خاندان
کے محمد بن سلیمان نے خروج کیا۔ وہ اپنے خلیفے میں یہ شعر پڑھا کرتا تھا۔

لَوْ ظَلَمْتُوْا سَبَقْتُ مَا كَانَ لِدَحْقٍ دُنْيَا

وَاسْطَرْتُ بَقُوْمٍ بَعُوْا وَجَارُوْا عَلَيْنَا

اُم دنیا میں بزدلی بیخ اپنا حق طلب کریں گے اور جس قوم نے ہم سے جنگ کی، اُسے
اپنی سطوت دکھائیں گے۔

۲۵۹ھ میں ابراہیم محمد بن یحییٰ بن حسین بن زید شہید علوی نے جو ابن صرفی کے نام سے مشہور
تھا۔ مصر میں خروج کیا اور بلا صغید کے چند قصبات پر قبضہ بھی کر لیا۔ یہ واقعہ معزول خلیفہ معتز
کے ابتدائی عہد میں پیش آیا جو ہمارے ناول کا ایک کردار ہے۔

یاد رہے قرامطہ محمد بن حنفیہ کی امامت کے نائل تھے۔ معتز ہی کے زمانے میں علی بن
زید علوی کو فہ پر قابض ہو گیا اور معتز ہی کے عہد میں حسین بن زید علوی تھے۔ سب پر قبضہ کر لیا
تھا۔ عباسی سالار موسیٰ بن برفا (نرک) سے جنگ ہوئی اور مارا گیا۔

۲۷۰ھ میں امام موسیٰ کاظم کی اولاد ابراہیم کی نسل سے محمد علی فرزند ابن حسین بن جعفر نے
شہر یمن ریزی کے بعد مدینہ منورہ میں اپنی حکومت قائم کر لی۔ دونوں بھائیوں نے جعفر بن
ابن طالب کی اولاد کو بھی معاف نہیں کیا۔ ابن خلدون کے بقول مینوں مدینہ میں نہ جمع ہوا۔ نہ نماز
باجامعت ادا کی گئی۔

امام جعفر صادقؑ کے بیٹے امام اسمعیل کی نسل سے محمد الجلیب کے بیٹے عبید اللہ المہدی کے
دامی ابو عبد اللہ شیعہ تھے۔ قردان میں اعلیٰ حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ علوی اور فاطمی
قبیلوں نے شمالی افریقہ کے بربر قبائل کے ساتھ مل کر جس طرح مہدی تحریک کے لیے کام کیا یہاں
حاصل کریں، اُن کا حال ہمارے قارئین اس ناول میں جگہ جگہ پڑھتے رہے ہیں۔

ادھر قرامطہ نے مہدی کے اعلیٰ کاظم بلندہ کے عراق اور شام کے بادشاہ شمس قبائل میں علیوں
سے خلاف بغاوت کی روح بھونک دی اور السامہ میں پہلی کامیابی حاصل کی لیکن السامہ کی دوجی
جنگ میں کامیابی نے خلیفہ معتز کا ساتھ دیا۔ قرامطہ بھی یحییٰ بن عبید اللہ بن کنز بن امام اسماعیل
کے حوالے سے اپنے آپ کو اسماعیلی، علوی اور ہاشمی کہلاتے تھے مگر مؤرخین بالخصوص ابن خلدون
نے تصریح کی ہے کہ محمد کنز کا کوئی رشتہ عبید اللہ نام کا نہیں تھا، جس کی طرف قرامطہ اپنا نسب
منسوب کرتے ہیں۔ اس لیے ان کا اسماعیلی یا علوی یا ہاشمی ہونے کا دعویٰ مشکوک ہے۔

عجیب بات یہ ہے قرامطی تحریک نے سب سے زیادہ بادشاہ شمس قبائل میں زور پکڑا اور
بادشاہ شمس عرب نسب نامے یاد رکھنے میں بڑے ماہر تھے۔ پھر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ سمرانی
قبیلوں نے اُن کے نسب میں دھوکا کھایا ہو، جو اس معاملے میں بال کی کھال اتارنے تھے؟ قرامطی
عقیدہ شیعہ دینی دونوں حلقوں سے مختلف تھا اس لیے ممکن ہے اُن کے "مشکور نسب نامے"
کے پیچھے پروپیگنڈے کی طاقت کا فرما ہو۔ واللہ اعلم لیکن وہ فرزند علیؑ محمد بن صفیر اور اس
کے بیٹے احمد کی امامت کے بڑے سختی سے قائل تھے جیسا کہ ہم مابقی میں بیان کر آئے ہیں اُن
کے نزدیک مہدی خلافت کا صرف علیؑ ہونا ضروری تھا۔ فاطمی ہونا ضروری نہیں تھا۔ یہ حال نسب
کی بحث چھوڑ کر ہم قرامطہ کے عقیدے اور اُس کی سرلیح تاثیر طاقت کی طرف آتے ہیں جس نے
سمرانی قبائل کو اپنا حلقہ بگوش بنایا اور اُن میں شہادت کا جوش و خروش پیدا کر دیا تھا۔

اہم نے بنی ہاشم (علویوں) اور ابو عباس کے مابین اقتدار کی کش مکش اور خروج و بغاوت
کے ہنگاموں کا ذکر اگرچہ بڑے اختصار سے کیا ہے جبکہ تاریخیں اُن کی تفصیلات سے بھر پوری
ہیں تاہم ہمارے قاری اندازہ لگا سکتے ہیں کہ صرف دو بڑے صدی کے عرصے میں جب سے عباسی
مستند خلافت پر بیٹھے تھے قرطبہ کے درمیان حالات کس قدر کشیدہ رہے بیشتر واقعات ماضی

(45)

حیرت انگیز باتیں

ابوالغوار کس کی کھال اتری ہوئی لاش کے جلوس اور طوق و سلاسل میں جکڑے قمر مٹی
اسیروں کی بغداد کے بازاروں میں نمائش کا مقصد دیکھنے والوں اور قرامطہ پر جو عباسی کی
دہشت مسلط کرنا تھا لیکن کیا انھوں نے خروج کے علم زمین پر پھینک دیے، بغاوت چھوڑ دی
اور عباسیوں کی اطاعت قبول کر لی؟

اس کا جواب نفی میں ہے کیوں کہ انسانیت سوز دہشت مخالفین کو اطاعت کی بجائے
مزید سرکشی پر ابھارتی اور ان میں قصاص لینے کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ ابوالغوار اس کی خوف ناک
لاش کی نمائش کے چند ہی روز بعد ایک سر جس کے ناک، کان کٹے ہوئے تھے، الرضاؑ کے
مہم میں عین اُس وقت پھینکا گیا، جب خلیفہ معتقد اپنے ترک محافظوں کے ہمراہ بیرونی پھاٹک
کی طرف آ رہا تھا اور باہر نکلنے والا تھا۔

نمائش بپار کے باوجود بریدہ سر پھینکنے والے کا کوئی کھوج نہ مل سکا لیکن ظاہر
ہے کہ وہ قمر مٹی جماعت کا کوئی داعی یا ندائی تھا کیوں کہ کئے ہوئے سر کو شناخت کر لیا گیا اور
وہ دومنہ الجندل کے شہر سوار دستے کے سردار مالک کا تھا جسے اُس کے نائب مٹی اور ایک خنجر
پھینکنے والے ماہر ساتھی کے ہمراہ کسی خاص مقصد کے تحت قسطنطنیہ (مصر) بھیجا۔ تھا اور صرف
ظہیر کا آزاد کردہ غلام بدری جانتا تھا کہ وہ خاص مقصد کیا تھا؟

سردار مالک کا سر پھینکنے کا یہ خیز واقعہ خلافت ماب کے خاص محافظوں کی موجودگی میں

میں ہو کر نہ رہے تھے مگر اُن کی کک دلوں میں باقی تھی۔

ہماری کہانی کے زمانے میں مغرب ہمدی تحریک سے دوچار تھا۔ مشرق بالخصوص عراق
اور شام کے قبائل تحریک قرامطہ سے سحر ہو رہے تھے عباسی حکمران جس کے مغرب کی جانب
اختیار ملت سرحد شام تک محدود ہو کر رہ گئے تھے، اگر ایک طرف مصر و شام کی طولانی ریاست
کو تسخیر یا رام کرنے میں کوشاں تھا تو دوسری جانب اُسے ہمدی کے داعی کی کامیابیوں نے
ہراساں کر دیا تھا کیوں کہ عراق و شام میں ہمدی کے ایلچیوں نے سبز علم اٹھایے تھے اور وہ جانتا
تھا، اگر قبروان میں ہمدی تحریک اور عراق و شام میں قمر مٹی تحریک کا بیاب ہو گئی تو عباسیوں کے
ساتھ عجیبی سی سلوک کیا جائے گا جو عبداللہ السفاح نے امویوں کے ساتھ کیا تھا اس لیے اسما رہ
کی دوسری جنگ میں کامیابی کے بعد اُس نے قمر مٹی اسیروں کے خلاف سخت رویہ اختیار کیا اور
سردار ابوالغوار کس کی کھال انڈر کر لوگوں کے دلوں پر عباسیہ کی دہشت اور ہیبت طاری کر
دی تاکہ آئندہ کسی کو عباسی حکومت اور خلافت کے خلاف دم مارنے کا یار نہ رہے بلکہ شہر
یہ غیر انسانی اور غیر اسلامی حرکت تھی لیکن ہم بیان کر چکے ہیں کہ خلافت نے موروثی ملکیت اور
مطلق العنانیت کا روپ دھاریا تھا خلیفہ اپنے ہی خاندان کے کسی فرد کو عموماً بیٹے یا بھائی کو اپنا
ولی عہد نامزد کرنا تھا جس کی سمیت پر لوگ مجبور ہونے لگتے تھے خلافت خاندانی اور شخصی ملکیت
کا نام تھا۔



میں ابو الغوارس کی کھال اتروانے کے لرزہ خیز دانتھے، طوق و سلاسل میں جکڑے قرمطی ایڑوں کے جلوس اور بغداد کے بازاروں میں اُس جلوس سے اُگے اُگے ابو الغوارس کی بھانک لاش کی نمائش نے خوف اور دہشت کی جو فضا پیدا کر دی، اُس کا اثر دُور دُور تک محسوس کیا گیا۔ اگر سواد کوفہ سے لے کر بادیہ شام کے حاشیے پر آباد صحرائی قبائل کو یہ انتباہ کیا گیا تھا کہ ۱۶ سال کے عرصے میں عباسیوں کے خلاف خروج و بغاوت کے جو ہنگامے ہو چکے، سو ہو چکے لیکن آئندہ خلافت و امامت کے کسی مدعی کو برداشت نہیں کیا جائے گا تو دوسری طرف دہشت و ہیبت کی یہ لہر السامہ کے جنوب میں بصرہ و بحرین سے لے کر مین تک حرکت کر رہی تھی، علوی اور فاطمی قرمط سے اختلاف رکھتے تھے لیکن عباسیوں کے خلاف بغاوت ان کے درمیان ایک قدر مشترک تھی۔

خاص طور سے بحرین میں، جو ابو سعید جانی کی قیادت میں قرمط کے دوسرے حلقے کا گروہ بننے والا تھا۔ بنو قلیص کی شکست، قرمطی سرداروں کی گرفتاری اور ابو الغوارس کے حادثے کا بڑا چرچا تھا۔ عباسی خبر رساں اور جاسوس دربار خلافت میں مسلسل یہی اطلاعات بھیج رہے تھے کہ عقیدہ پرستوں پر دہشت اور ہیبت طاری ہو گئی ہے اور آئندہ کوئی قبیحہ خروج نہیں کریگا ایسی ہیبت سے فائدہ اٹھا کر خلیفہ کے معتد غلام ابدرنے طرطونی حکمران ہارن بن خمار کو ایک تہدید آمیز مراسلہ بھیجا کہ وہ غمخیز اور عوام کے علاقوں سے دست برداری میں مزید تاخیر نہ کرے۔

جس طرح عباسی جاسوس مختلف علاقوں سے خلیفہ معتضد کی دہشت اور ہیبت کے بارے میں خبریں ارسال کر رہے تھے، جس نے خود کو سفاح ثانی (دوسرا خون ریز) ثابت کر دیا تھا، اسی طرح قرمطی خبر رساں بھی السامہ کی جنگ کے بعد بغداد میں پیش آنے والے لرزہ خیز واقعات سے آفا حسین کو آگاہ کرنے میں مصروف تھے۔ بغداد اور آفا حسین کے صحرائی مسکن کے درمیان اگرچہ بڑے طویل فاصلے حامل تھے لیکن خبر رساؤں اور فدائیوں کا پراسرار سفر جاری تھا اور وہ تمام ضروری اطلاعات دیں پہنچا رہے تھے کیوں کہ السامہ میں گچی قرمط کی امام بارگاہ اُجڑ گئی اور وہ اپنے محافظ صادم سمیت ابھی تک لاپتہ تھا۔

آفا حسین کو بھی اپنے بھائی کے بارے میں کچھ علم نہ تھا کہ وہ کہاں چلا گیا ہے نہ اُس نے کوئی خبر بھیجی تھی۔ خیال یہ تھا شاید اُس نے دشت پر ہول کا رخ کیا اور ذکر و فرط کے ساتھ باؤلی میں روپوش ہو گیا ہے۔ اُس کا اپنے منغلئی کوئی اطلاع نہ بھیجنا یقیناً کسی مصلحت پر مبنی تھا اسی پراسرار مصلحت کے پیش نظر آفا حسین نے بھی کسی کو دشت پر ہول کی طرف بھیجنا مناسب نہیں

نہیں آیا تھا، جو خلیفہ معتضد کی حفاظت پر متعین تھے انہیں جب یہ خبر پہنچ گیا اور وہ خلیفہ کے قدموں کے اُس پاس گرا تو محافظ چند لمحوں کے لیے سکتے میں آ گئے اور اُس سر کو گھورنے لگے، جو بڑی دہشت تک حالت میں معتضد کے پیروں میں آ گیا تھا۔ اچانک محافظوں کو اپنی ذمہ داری کا خیال آیا تو اُس بلند دیوار کی طرف بھاگے جس کے اوپر سے بریدہ سرخن میں پھینکا گیا لیکن اس آئنا میں طرہم ہوا ہو چکا تھا۔

حیرت اس بات پر تھی کہ پھاٹک کے پھرے داروں نے بھی کسی کو دیوار کے قریب آتے جاتے نہیں دیکھا تھا۔ قرمطی داعی اور فاطمی تو چھلکا دے تھے جو پٹک جھٹکنے کے وقفے میں غائب ہو جاتے تھے۔ شتر سواروں کے سردار مالک کا سر خلیفہ کے لیے ایک انتباہ تھا، اگرچہ اس نسا السامہ کی دوسری جنگ جیت لی اور اسیروں کو دہشت زدہ کر دیا ہے لیکن قرمط اس کی طرف سے غافل نہیں۔

غبطیہ کے ناظم الامور بدر کو فوراً طلب کیا گیا، جو بگڑے ہوئے طرح اُڑتا ہوا آیا اور سردار مالک کا منہ کیا ہوا سر دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔ خلیفہ الرضا سے جا چکا تھا۔ بدر سوچنے لگا۔ کہ دشمن نے سردار مالک کا سر تو بغداد بھیج دیا ہے لیکن اس کے نائب مقلی اور دوسرے ساتھی کا حشر کیا ہوا؟ یہ بات بھی یقین کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی تھی کہ سردار مالک کو جسے ایک خاص ہم پر بصر بھیجا گیا تھا، کس نے اور کیوں قتل کیا؟ مگر اس کا سرا بوالغوارس کو دی جانے والی سزا کے بعد الرضا میں پھینکا گیا تھا، لہذا اُس کے قتل کو قرمط ہی سے منسوب کیا گیا حالانکہ سردار مالک کا سرا اس دانتے سے کئی یوم قبل کاٹا گیا تھا اور اُس کے چہرے کی کھال خشک ہو چکی تھی۔ بدر نے سوچا ہو سکتا ہے کہ سردار مالک کے سفر کا راز فاش ہو گیا ہو اور اس کی گردن مصر میں ماری گئی ہو مگر بغداد میں اس کا سر بھیجے کا مقصد کیا ہو سکتا ہے؟ اچانک وہ اُس خیال سے چونک اٹھا کہ امیر المومنین کے وفاداروں کے سر کاٹنے اور انہیں بغداد کی طرف روانہ کرنے والا ایک ہی شخص ہے اور اُس شخص کے تصور نے بدر کو پریشان کر دیا اگر وہ شخص زندہ رہا تو بغداد میں مسروں کا ڈھیر لگ جائے گا۔



السامہ کی دوسری جنگ میں قرمطی عقیدہ پرستوں کی شکست ویرباوی دربار خلافت

رضاخیا طے یہ کام حسن اعرابی کو سونپ دیا جو کہ ہلاکی زیارت کے بہانے بغداد سے نکلا لیکن ابھی دجلہ کی اس شاخ میں جو جنوب مغرب کی طرف دہاتے فرات سے جا ملتی ہے کشتی پر سوار ہوا تھا کہ اُس کی چھٹی جس خطرے کا اعلان کرنے لگی۔ اُسی کشتی میں ایک نیم سودائی سا آدمی بھی کر بنا کے لیے سوار ہوا تھا۔ حسن اعرابی سمجھ گیا کہ وہ بنا ہوا سودائی اور دراصل عباسی جاسوس ہے، جو اُس کے پیچھے لگ گیا ہے۔ یہ بات بجانے خود بڑی حیرت انگیز بلکہ گھسنی خیز تھی کہ اُسے مستتر سمجھ کر اُس کا بھی کیا جارہا ہے۔ حالاں کہ آج تک بغداد کی منڈی میں جہاں وہ قبائلی سوداگروں سے ملتا تھا کشتی نے اُس کی ذات پر شبہ نہیں کیا تھا۔

کہ بلا میں بھی نیم سودائی شخص اُس کے اُس پاس ہی منڈلاتا رہا جس سے اُس کی اصلیت بالکل واضح ہو گئی۔ قمرطی خبر رساں کی حیثیت سے حسن اعرابی کا فرض یہ تھا اُسے انتہائی خاموشی سے لکھانے لگا دے یا پھر ایسا رویہ اختیار کرے کہ اُس کا شک و شبہ زائل ہو جائے۔ موجودہ حالات میں اُس نے دوسرا راستہ مناسب سمجھا اور کوئی خطرہ مول لینے کی بجائے زیارت سے فارغ ہو کر بغداد کی طرف واپسی کا سفر اختیار کیا۔ واپسی پر نیم سودائی آدمی اُس کے ساتھ نہیں تھا مگر حسن اعرابی کو یقین تھا اب وہ بھی جلد لوٹ آئے گا۔ چنانچہ دجلہ کے گھاٹ پر جہاں سے کشتیاں اور ٹوٹے ہوئے جنوب کی طرف روانہ ہوتے تھے، وہ ایک مقام کے پھونڈے میں بیٹھا رہا۔ اُسے زیادہ سے زیادہ ایک پیرا انتظار کرنا پڑا حتیٰ کہ ایک کشتی گھاٹ سے آگئی اور مسافروں کے درمیان وہ نیم سودائی آدمی بھی ساحل پر اترتا نظر آیا۔

کشتی سے اتر کر وہ بغداد کے مغربی حصے کی طرف ہویا۔ اب حسن اعرابی کافی نا صبر سے اُس کا تعاقب کر رہا تھا۔ یہ تعاقب کافی طویل تھا حتیٰ کہ نیم سودائی آدمی قطع زبیر میں رواج چراغ کی دکان میں داخل ہوا اور حسن اعرابی وہیں سے ہٹا۔ یہ ایک نیا انکشاف ہوا تھا کہ رواج چراغ کا مطب عباسی جاسوسوں کا اڈا بن چکا ہے۔

اُس نے رضاخیا ط کو اپنی ناکام واپسی کی اطلاع دی اور تمام صورت حال سے آگاہ کیا۔ رضاداعی کے نزدیک اُس نے واپسی کا سفر اختیار کر کے انتہائی عقل مندی کا ثبوت دیا تھا اور اُسے یہی کرنا چاہیے تھا۔ ساتھ ہی تاکید کی کہ اب وہ اپنے آپ کو منڈی میں زیادہ سے زیادہ مصروف کرے اور کسی تجارتی سفر کے بغیر محراٹے سادہ کا رُخ بھی نہ کرے۔ خود رضاخیا ط نے بھی اُس سے مکمل کنارہ کشی اختیار کر لی۔

سمجھا تھا۔ جنگ کے بعد عباسی جاسوس السادہ میں پھیل گئے تھے اور ذکر و سیر قمرط کے ساتھ یہی قمرطی کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ وہ جانتا تھا جب تک اُن کے قتل یا گرفتاری کی خبر نہیں آتی وہ اپنے خفیہ مسکن میں محفوظ رہیں اور ابھی تک ایسی کوئی خبر نہیں آئی تھی۔

السادہ سے تباہ حال عقیدہ پرستوں کے کچھ مزید نائنے شام کے قبائلی علاقے میں پہنچے تھے۔ بادینشین قبیلے پیش آنے والے تمام واقعات کی خبریں سن چکے اور بے حد پریشان تھے۔ صحرائی راہیں اداس اور دن ویران ہو گئے تھے۔

تیسرے مہینے کچلی قمرطی کی حریف، کنیزیں اور کچھ غلام آقا حسین کے صحرائی مسکن میں پہنچ گئے۔ اُن میں کنیز خاص سیلی بھی تھی۔ اُس نے تصدیق کی کہ امام نے اپنے محافظ صادم کے ساتھ دشت پُر ہول کی کارخ کیا تھا لیکن یہ نہیں جانتی تھی کہ وہ وہاں پہنچ بھی سکے ہیں یا نہیں؟ بغداد سے آنے والی خبریں تشویشناک بلکہ انتہائی دل شکن تھیں۔ خلیفہ معتقد نے اعلان کیا تھا کہ وہ ذکر و سیر قمرط اور اُس کے نینوں میٹوں کی تلاش میں ہے، جب وہ مل گئے، تیران کی کھالیں بھی اتر والے گا اور قمرطی تحریک کو غارت کر دے گا لیکن عقیدہ پرست جانتے تھے عباسیوں کے ساتھ ایک طویل اور ختم نہ ہونے والی جنگ کا آغاز ہو چکا ہے اس جنگ میں کمی کامیابی ہوگی، کبھی شکست لیکن وہ شکست قبول نہیں کریں گے۔ اور اس وقت تک جنگ جاری رکھیں گے، جب تک اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔

السادہ کی شکست و تباہی کے بعد قمرطی امام نے ایک بار پھر اپنے اوپر اخفا کا پردہ ڈال لیا اور دشت پُر ہول کی باؤلی باکسی دوسرے خفیہ مسکن میں روپوش ہو گیا تھا۔ وہ ایک جنگ بار گیا تھا اور جنگ ہارنے والے خلیفہ کو سنبھلنے کے لیے کچھ عرصہ، کچھ وقفہ درکار ہوتا ہے جس میں وہ نئی جنگ کی تیاری کرتا، نئے منصوبے بناتا، نئی ترکیبیں سوچتا اور نئے نقشے تیار کرتا ہے۔ غالباً قمرطی کی روپوشی کا مقصد بھی یہی تھا کہ وہ نئی جنگ کے لیے وقف حاصل کرے۔

عقیدہ پرست یہ تو جانتے تھے کہ وہ جہاں بھی ہے محفوظ ہے۔ لیکن کہاں ہے؟ اس کا کسی کو علم نہ تھا۔ چند ماہ کی پُر اسرار خاموشی کے بعد آقا حسین نے بغداد میں اپنے داعی اور خبر رساں رضاخیا ط کو پیغام بھیجا کہ وہ دشت پُر ہول کے بارے میں کوئی اطلاع دے مطلب یہ تھا کہ ذکر و سیر قمرط کی غیریت معلوم کرے اور کچنی ابوالقاسم کے بارے میں خبر دے۔

ابن بروئیل کی عین کی اور بتایا کہ ہر بات اپنے وقت پر ہوتی ہے اور وقت آنے پر انھیں قصاص کا موقع دیا جائے گا، جس پر صحرا نشینوں نے اپنی گردنیں بطور اطاعت خم کر دیں اور انھوں کی طرف لوٹ گئے۔

بنی کلب قرمطی عقیدہ پرستوں کا ایک بڑا قبیلہ ہی نہیں بلکہ صحرائی قبائل کا مرکز تھا۔ ان امام مصیبت میں بنی قبائلی علاقے کے سرداروں میں حاضری دیتے اور شہزادی نجم سے ہدایات حاصل کرنے آتے تھے۔ مصلی نے جو بنی کلب میں فی الواقع مہمان کی حیثیت سے مقیم تھا، ٹھوڑے ہی عرصے میں محسوس کر لیا کہ باریہ نشین عوام اور قبائلی سردار شہزادی نجم کا یوں احترام کرتے تھے، جیسے ماضی میں تہذیب کے صحرائیں ملکہ الزبام کی عزت و تکریم کرتے تھے، جس نے اپنے حسن و جمال کے طفیل ایک ”صحرائی دیوی“ کا روپ اختیار کر لیا تھا۔

شہزادی نجم العلیل بھی اپنے بے پناہ ترک حسن اور طبیعتی غلامی انگلیوں کی وجہ سے اعلیٰ اہلیں (سب سے بلند بہشت عرش کے نیچے ہے) کی آسمانی حور معلوم ہوتی جو باریہ نشینوں کی دل نشینی کے لیے صحرائیں اتاری گئی تھی۔ عربی محاورے علیہ اللہم و التوفیق کے مطابق اس کی صورت سے الالعرزی، بردباری اور استقامت کا اظہار ہوتا تھا۔ صحرائیں اس کے حسن و جمال اور عظمت و وقار کے دیوانے تھے۔ علاوہ ازیں یہ یقین بھی رکھتے تھے کہ جس طرح آقا حسین نے ابن حوہ کے اندر حلول کیا اور اسے اپنا منی (اپنا دوسرا) قرار دیا تھا، اسی طرح ذکر و قرط کی روح شہزادی نجم کے اندر اس وقت حلول کر گئی تھی، جب وہ خفیہ مسکن میں گئی اور قرمط نے اس کے سر پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

یہ حلول اگرچہ اذصور تھا کیوں کہ ذکر و قرمط اس سے ہم کنار نہیں ہوا، جب کہ حلول کے لیے روحانی طور پر ایک طویل اور شدید معافہ ضروری تھا لیکن اس نے شہزادی نجم کے سر پر بوڑھا ہاتھ رکھ کر انہی روح کا سایہ اس پر ڈال دیا تھا اس طرح عقیدہ پرستوں کے نزدیک اس کے اندر شیخ کا ضمنا حلول ہو گیا تھا یا قرمط نے اپنی روح اس میں منعکس کر دی تھی۔

مصلی کو یہ سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی کہ صحرائیں دراصل شہزادی نجم کے قبائل حسن سے متاثر تھے ذکر و قرمط کے روحانی انعکاس کے حوالے سے اسے تقدیس کا درجہ دے دیا یا اس کی اطاعت کا ایک مذہبی جواز پیدا کر لیا گیا حالانکہ وہ یقین کے ساتھ کہہ سکتا تھا اگر ذکر و قرمط نے شہزادی نجم کے اندر ضمنی حلول نہ کیا ہوتا کیوں کہ ان کے درمیان معافہ نہیں

وہ بے حد ہوشیار اور محتاط آدمی تھا۔ قرمطی سرسازوں سے اس طرح کام لینا کہ بغداد کی ہوا کو بھی خبر نہ ہوتی مگر جماعت سے وفاداری کا یہ عالم تھا کہ کبھی اپنے بیٹے داؤد لگانا اور کبھی اپنے آپ کو داؤد پر لگانا دیتا تھا۔ ذکر و قرمط اور کبھی قرمطی کے بارے میں فردوسی مسموعات حاصل کرنے کے لیے اب اسے اپنے آپ کو داؤد پر لگانا تھا اس مقصد کی خاطر وہ بغداد سے کوفہ میں منتقل ہو گیا مگر یہ سن کر چونک گیا کہ عباسی جاسوس اور سرکاری کارندے السامہ کے جناب میں آباد صحرائی قبائل بہت بیخ کن گئے اور ذکر و قرمط کی تلاش جنوب میں ہو رہی ہے۔ رضا خیاط نے بھی جنوب کا سفر ملوثی کر دیا اور وہیں سے ایک قاصد آقا حسین کے صحرائی مسکن کی طرف روانہ کیا۔ حالات نے کچھ ایسی صورت اختیار کر لی تھی کہ صحرائے سادہ کا سفر دشوار ہو گیا تھا اور وہ وقت یا حالات کے ساتھ ساتھ بدل جانے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ عراق میں آقا حسین کی آخری امید رضا خیاط تھا جو بغداد سے نکل کر کوفہ میں آ بیٹھا مگر صحرائے آگے بڑھنے کا راستہ نہیں دے رہا تھا۔



شہزادی نجم اور ابن حوہ کے لیے یہ سارے واقعات بڑے تکلیف دہ تھے۔ ان کی حیثیت ہوئی بازی ازیت ناک شکست میں بدل گئی تھی اور فی الحال وہ کچھ ذکر سکتے تھے کیوں کہ امام یحییٰ ابو القاسم روپوش تھا اور آقا حسین کو ابھی تک اس کی جلنے پناہ کا پتہ نہ چل سکا تھا البتہ اس اثنا میں دوسرا الحذل کے نائب سردار مصلیٰ پر ان کا اعتماد بڑھ گیا، جسے وہ عربیوں کی کاروان سرائے سے بنی کلب میں لے آئے تھے۔

اسی نے شہزادی نجم سے ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے یا اس کی ہمدردی حاصل کرنے کے لیے بغیر یقین پر ٹوٹنے والی قیامت کی قبل از وقت اطلاع دی تھی جو بالکل درست ثابت ہوئی قرمطی عقیدہ پرستوں نے اگرچہ السامہ کی دوسری جنگ ہار دی اور ان پر خلیفہ معتضد کے قہر کی صدمت میں ایک ہلاکے عظیم نازل ہوئی تھی لیکن خود مصلیٰ بنی کلب میں ان کی عسکری تنظیم دیکھ کر انگشت بدندان رہ گیا۔

بادیہ نشین: ابو القاسم اس کا بھیانک اور انسانی سمجھناوارہ سن کر مشتعل ہو گئے اور ”القصاص“ انھیں ”بیکار“ نے لکھیں شہزادی نجم نے بڑے نیچے کے دروازے پر نمودار ہو کر

ہے۔ ان علاقوں کے دلی بھلا عباسی لشکروں کا مقابلہ کہاں کر سکتے تھے۔ انھوں نے نئی جاگیروں کے متعلق سلسلہ جذباتی شروعی کر

ناگہاں آفاحین کا قاصد بنی کلب میں نمودار ہوا اور شہزادی نجم کے لیے پیغام لے کر آیا کہ قنسرین دعواہم کے علاقے شام کا حصہ اور طولونی مملکت کا جزو ہیں۔ جنھیں خلیفہ ہنضیہ ابن سنان چاہتا ہے تاکہ شام میں پیش قدمی کے لیے اسے ایک راستہ اور بہانہ مل جائے۔ شہزادی نجم دلائل شام کے حاکم اعلیٰ طغج بن جف کی طرف، جو اس کے والد مرحوم احمد بن طولون کا وفادار غلام ہے۔ اپنی بھیجے اور توجہ دلائے کہ قنسرین دعواہم کی حفاظت اس پر فرض ہے۔ وہ ان کے وائیوں کو حوصلہ دے اور ان کی مدد کرے۔

یہ ایک ایسی تجویز تھی جسے شہزادی نجم نے بھی پسند کیا مگر اعلیٰ کے فراموش کون ادا کرے گا شہزادی نے مشاورت طلب کی۔ لوگوں نے کئی نام پیش کیے، جن میں ابن حرب کے غلام عبداللہ اور قاسم ابن قاسم کے عذارہ بنی کلب کے سردار نعمان کا نام بھی شامل تھا، جسے سب نے پسند کیا لیکن شہزادی نجم نے بتایا کہ سردار نعمان کو دمشق بھیجا، سیاسی مصلحت کے خلاف ہے۔ اچانک اس نے دوستہ البدل کے نائب سردار معلیٰ کو طلب کیا اور اس سے مخاطب ہوئی۔

”معلیٰ! تم فسطاط اس لیے حارہے تھے کہ اگر طولونی سلطان قنسرین دعواہم کے علاقوں سے دست بردار ہونے پر رضامند نہ ہو تو اسے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر موت کے گھاٹ اتار دو تاکہ خلیفہ معتقد اور اس کے لشکروں کو شام کے ساتھ مصر میں بھی مداخلت کا موقع مل جائے۔“

معلیٰ یہ سب کچھ پہلے ہی بنا چکا اور اب تیار تھا کہ آخر اس قصے کو دہرانے کا مقصد کیا ہے۔ شہزادی نجم اعلیٰ نے اس کی حیرت میں مزید اضافہ کر دیا اور کہا: ”ہم چاہتے ہیں تم ہمارے اعلیٰ بن کر دمشق جاؤ اور طغج بن جف کو ہمارا پیغام پہنچاؤ کہ وہ قنسرین اور دعواہم کے وائیوں کو اپنے علاقوں سے دست بردار نہ ہونے دے اور ان کی مدد کے لیے شامی دستے روانہ کرے۔“

معلیٰ یہ فرمائش سن کر دنگ رہ گیا۔ وہ خلیفہ کے صاحب اختیار حاکم بدر کے حکم سے جس کا نام عباسی پرچموں اور لٹھالوں پر لکھا جاتا تھا قنسرین دعواہم کی حوالگی کے لیے مصر بھیجا تھا۔

ابوخلدون نے بدر کی اہمیت بیان کرنے سے گریز کیا کہ اس کا نام پھر یوں پر لکھا (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہوا تھا تو بھی قبائلی سردار اور ہادیہ نیش اپنی مرثیت کے مطابق اس کے ہر حکم کی تعمیل کرتے۔ صحرائی عقیدہ پر سنوں میں عباسی اقتدار کے خلاف جو نفرت پائی جاتی تھی اس کی وجہ ان کا عقیدہ تھا، لیکن اس نفرت میں شدت شہزادی نجم کے حسن نے پیدا کی جو بہن حرب کی وجہ سے یا پھر بنی طولون کے خلاف عباسیوں کی رد ایجنسی دشمنی کے باعث ان سے شدید نفرت کرتی تھی قرامطہ نے سیاست کی بساط پر شہزادی نجم کو حسین ٹہرے کے طور پر اگے رکھا تھا اور چھرا نشیلوں کے درمیان ”حسن کی طاقت“ موجود دکھائی، جس کے حکم و اشارے پر انھیں بہر حال رونا اور مرنہ تھا۔

معلیٰ عباسیوں کی طاقت سے بے حد متاثر اور جانتا تھا کہ کوئی ریاست اور کوئی مملکت ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی مگر بنی کلب میں اگر اس نے جو کچھ دیکھا، وہ حیران کر دینے والا تھا اسے اقرار کرنا پڑا کہ عقیدہ پرست قبائل میں جذبہ جوش کی فراوانی ہے۔ وہ بار بار شکست کھانے کے باوجود عباسیوں سے اُلجھتا، ان پر دھاوے کرتے اور ان کے علاقے لوٹتے رہیں گے۔ صحرائی طاقت کسی نتیجے کی منتظر تھی اور نتیجہ ایک نیاک دن نکلنے والا تھا۔ بنی کلب میں وہ خود بھی اپنے اندر ایک عجیب سی تبدیلی محسوس کرنے لگا۔

شہزادی نے اس سے وعدہ کیا تھا جب وہ واپس مانا چاہے گا بے شک چلا جائے لیکن اب دو منہ البدل یا بعد اذی طرف واپسی کا خیال ذہن سے محو ہوتا جا رہا تھا کئی ماہ کے بعد یہ واپسی اس کی مصیبتوں کا باعث بن جاتی تھی اگر اسے موت کے گڑھے میں دھکیل سکتی تھی جب کہ اسے مصر کی جانب بھیجے والا بدر نہیں جانتا تھا کہ سردار ملک کے ساتھ وہ بھی مرکب کیا جائیں رہ کر پیش ہے۔ یہ روپوشی اس کی زندگی تھی اور معلیٰ کو اپنی زندگی عزیز تھی۔

انھی ایام میں جب قرامطی عقیدہ پرستوں پر ایک پراسرار خاموشی طاری تھی اور جسے عباسی مخبر خلیفہ معتقد ابو عباس کی ہدایت اور دشمنی کے نام سے تعبیر کر رہے تھے۔ وزیر سلطنت عبید اللہ بن سلیمان کا انتقال ہو گیا خلیفہ نے اس کے بیٹے ابو القاسم کو باپ کی جگہ وزیر سلطنت مقرر کیا اور ساتھ ہی قنسرین اور دعواہم پر قبضے کے لیے طولونی حکمران پر دباؤ بڑھا دیا۔

اس کہانی کو پڑھتے والے جانتے ہوں گے کہ ان علاقوں کے حصول کی خاطر ان کے ایروں کو ترغیب دی جا رہی تھی کہ اگر وہ علاقے از خود خالی کر دیں گے تو مصر و شام میں انھیں جاگیر دی جائے گی جس سے یہ ناثر ملتا تھا کہ مصر و شام پر عباسی اختیار نافذ ہو چکا یا جسے قریب ہونے والا

لیکن شہزادی انھی علاقوں کی حفاظت کے سلسلے میں اسے اپنا اپنی بنا کر دمشق بھیجا چاہتی تھی۔ مگر یہاں مقصد اس کے سچے مقصد سے بالکل بگڑا اور متفاد تھا۔ اس نے جواب دیا۔

”شہزادی صاحبہ! میں نبی کلب میں آپ کا مہمان ہوں لیکن درحقیقت یہاں رہ کر کوشش میں اندیشہ ہے اگر میں دو مرتبہ الجندل یا بغداد کی طرف واپس چلا گیا تو مجھے قتل کر دیا جائے گا کیوں کہ میں نے فسطاط کے سفر کا مقصد آپ پر غما کر دیا ہے۔ اگر میں آپ کا لڑکی بن کر دمشق گیا تو میری بدپوشی کا دانا طشت اڑا ہوا جائے گا۔“

شہزادی نجم خفگی کے عالم میں تھنے لگی! اگر بدر کو پناہ مل گیا تو ہم نبی کلب میں مقیم ہو تو زمین پھٹے گی کہ ہم اس میں سما جائیں، نہ تمہارے سر پر آسمان ٹوٹ پڑے گا کہ درجہ درجہ ہو جائے تمہیں اپنا بیٹی بنانے کے بعد تمہاری حفاظت ہم پر فرض ہو جائے گی اور یہ بات تم جانتے ہو بدر کے سپاہی اور مخبر نبی کلب کا رخ نہیں کر سکتے۔“

معتی نے اپنی گردن خم کر دی! اس کے بعد تو ایک ہی داسہ باقی رہ جاتا ہے کہ میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں۔“

شہزادی نجم نے اُس کے جواب پر خوشی کا اظہار کیا۔ ”ہم جانتے تھے، تم ہمارے بیٹی بننا پسند کرو گے، عبداللہ بغرض حفاظت تمہارے ساتھ جائے گا دمشق میں ہمارے کچھ مددگار بھی ہیں اور عبداللہ ان سے رابطے کا ذریعہ جانتا ہے۔“

معتی نے عبداللہ کی زلفت منظور کر لی۔ سب لوگ اگرچہ اُسے بیٹی بنانے پر حیران تھے لیکن کسی نے اعتراض نہیں کیا۔ وہ قنسرین اور عوام میں سے متعلق ایک خطرناک مقصد کے کر مصر جا رہا تھا اب اس کا انھی علاقوں کے بارے میں بہا مقصد کے کر دمشق جانا دل چاہا چپ معاملہ تھا جس میں خلیفہ مقصد اور بدر کے لیے ایک سیاسی تہدید بھی تھی۔



دوسرے روز معتی، عبداللہ کے ہمراہ دمشق کی طرف روانہ ہو گیا۔ شہزادی نجم کا خیال تھا طنج بن جف کا شمار اس کے والد مرحوم، احمد بن طون کے وفادار غلاموں میں ہوتا ہے، جنہوں نے (بقیہ صفحہ کا حاشیہ)

اور دھانوں پر کندہ کیا جاتا تھا بلکہ بعض علاقوں میں اس کا نام خطوں میں شامل کیا گیا تھا۔ (نمر اجا لوی)

طون بیست کے قیام کی خاطر بڑی ترابیاں دی تھیں۔ وہ اس کے پیغام پر توجہ دے گا مگر اس کا خیال غلط ثابت ہوا۔ معلی دربار دمشق میں بار بار ہوا قلعے نے سب سے پہلے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا کہ وہ دو مرتبہ الجندل کی چھاؤنی کا ایک نائب سردار ہے اسے تو دربار بغداد کا اپنی ہونا چاہیے تھا گویا اس نے معتی کی تبدیلی یا اندازی کی طرف اشارہ کیا۔ معتی نے کوئی جواب نہ دیا اور شہزادی نجم العلیل بنت احمد بن طون کا پیغام سنا جسے سنے ہی طنج بن جف اپنی مسند سے اچھلا اور لہلا۔

”شہزادی نجم کو قنسرین اور عوام سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے یہ طون کی حکومت کا داخلی معاملہ ہے جو بغداد سے دوستی کے رشتے میں بندھی ہوئی ہے۔ جب کہ شہزادی نجم بنی طون سے اپنا تعلقی توڑ کر قرامطہ کی جماعت میں شامل ہو چکی ہے یہ جماعت بنی طون اور عوام سے اس کی مشترکہ دشمن ہے۔ ہم شاید عوامی لشکروں کو قنسرین اور عوام میں داخل ہونے سے نہ روک سکیں، جو ہمارے درست بن کر آئیں گے لیکن قرامطی قبیلوں نے اگر شام کا رخ کیا تو انہیں ضرور روک دیں گے۔“

اپنی نے سمجھا یا۔ ”جناب عالی! اگر شہزادی نجم نے بنی طورہ سے اپنا تعلق توڑ لیا ہوتا، تو طون علاقوں کی حفاظت کے لیے آپ کو پیغام بھیجتیں، رعایا حکمران طون کی مملکت کا خاتمہ کر دینا چاہتے ہیں۔ کیا آپ بنی طون کی طرف سے شام کے حاکم اعلیٰ ہو کر شامی علاقوں کی حفاظت اپنا فرض نہیں سمجھتے؟“

”تمہیں ہمارا فرض یاد دلانے کی ضرورت نہیں، ہم جانتے ہیں، ہمیں کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا ہے مگر شہزادی نجم کو طون کی حکومت کا اتنا ہی خیال ہے تو قرامطہ کو چھوڑ کر مصر میں واپس کیوں نہیں کھاتی؟“

اب معتی نے طنج بن جف کے اس سوال کا جواب دیا جسے اس نے شروع میں نظر انداز کر دیا تھا اور کہا ”آپ نے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا تھا کہ دربار بغداد کی بجائے میں شہزادی نجم کا اپنی بن کر کیوں آیا بعض سوال ایسے ہوتے ہیں جن کا جواب نہ دینا ہی بہتر ہوتا ہے لیکن میں آپ کے سوال کا جواب دے رہا ہوں کہ انسان ایک حد تک ظلم برداشت کر سکتا ہے۔ ظلم حد سے بڑھ جائے تو وہ بغاوت پر آمادہ ہو جاتا ہے اور اپنا راستہ تبدیل کر لیتا ہے۔ خلیفہ کے مستند بدر نے مجھے دو سپاہیوں کے ہمراہ فسطاط اس لیے بھیجا تھا کہ اگر طون سلطان قنسرین و عوام

(۶۶)

تاخت

○

زمین گردش میں تھی، آسمان گردش میں تھا۔ ستارے گردش میں تھے۔ زمین و آسمان کے درمیان ہر شے گردش میں تھی اور اس کے ساتھ ساتھ ہی طوفان کی قدر بھی گردش میں تھی۔ خواروہ ابو جیش کی ہلاکت کے بعد طوفانی مہلت کو جو مسائل پیش آئے، وہ گھٹنے کی بجائے برہنہ چلے گئے۔ ہارون بن خواروہ کے خمد میں قنسرین و عوام کا نیا مسئلہ پیدا ہوا۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک معاملہ طوفانی فوجوں کے سپہ سالار محمد بن سلیمان کا بھی تھا جس کی ہمدردیاں اقطاع و فسطاط کی بجائے بغداد سے وابستہ تھیں۔

خلیفہ معتقد اور اس کے سب سے بڑے صلاح کار بدر کا طرف سے طوفانی حکمران پر یہ دباؤ بڑھ چلا گیا کہ وہ قنسرین و عوام سے دست بردار ہو اور ان علاقوں کے عوج حکومت بغداد کو پانچ لاکھ دینار سالانہ خرچ ادا کرے جیسا ہم باکسیتی میں بیان کر آئے ہیں۔ خلیفہ معتقد اپنے دل خمد ابو محمد علی کے لیے ایک بڑی وسیع ولایت تشکیل دینے کا منصوبہ تیار کر چکا تھا، جو شامی علاقوں قنسرین و عوام سے البحریرہ و موصل تک اپنے بازو پھیلائے کھڑی ہوتی تھی۔ سامی منصوبے میں رنگد مل بھرنے کے لیے شامی علاقوں کے راہبوں کو بھی مصر و شام میں نئی جاگیروں کا لایچ دیا جا رہا تھا۔ بنایہ رنگی تھی کہ بیزنطینی عیسائیوں سے مقابلہ و جہاد کے لیے شام کے سرحدی علاقے غلات و عباسیہ کے قبضہ و اقتدار میں ہونا ضروری ہیں۔

معلوم نہیں شام کے طوفانی حاکم طغ بن جف نے شہزادی نجم کے پیغام اور بدر کی اس سازش

سے دست بردار ہونے پر تیار نہ ہوں تو انھیں ہلاک کر دیا جائے مگر میں نے اپنا راستہ تبدیل کر لیا اور فسطاط کی بجائے دمشق پہنچ گیا۔ اگر آپ طوفانی علاقوں کی حفاظت نہیں کر سکتے تو نہ کیجیے ہو سکتا ہے آپ نے بھی اپنا راستہ تبدیل کر لیا ہو۔ آپ کہتے ہیں شہزادی نجم مصر میں واپس کیوں نہیں جاتیں۔ میں بتانا ہوں وہ مصر کا رخ کریں گی لیکن اس طرح نہیں اچھی طرح آپ چاہتے ہیں بلکہ جس طرح آپنا وقت چاہے گا۔

یہ جواب دے کر مصلی دربار سے نکلا اور دمشق سے بھی نکل چلا گیا۔ بعد اللہ اس کی جزا و بہت پر حیران اور گواہ حیرت میں ابھرتا، ٹوہتا اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ رات انھوں نے دمشق سے پندرہ سو میل دور مرج راہط میں ابونصر باقوت کے پاس گزری اور علی الصباح بنی کلہ کی طرف دروازہ ہو گئے۔

شہزادی نجم نے شام کے طوفانی حاکم کا جواب سنا تو مشتعل ہو گئی۔ طغ بن جف کا بلکہ ابو توین امیر تھا مگر وہ مصلی کی بیگانہ سانی پر خوش تھی جس نے طغ کے ہر سوال کا انتہائی موزوں جواب دیا تھا۔ اس نے دربار دمشق میں بدر کی سازش کا انکشاف کر کے ایسا اہم کام کیا تھا جسے وہ خود بھی نہ کر سکتی تھی۔ یقیناً اس سازش کا حال اب ہارون بن خواروہ تک پہنچ جائے گا اور وہ عوامی چالوں کو سمجھے گا۔

نجم الملیل نے آغا حسین کو طغ بن جف کے معاملے سے آگاہ کر دیا اور مشورہ طلب کیا کہ دمشق کے گرد و نواح کو تاخت و تاراج کرنے میں کیا مہم ہے؟

طغ کا جواب اور لب و لہجہ آغا حسین کی مرضی کے عین مطابق تھا اور شہزادی نجم کا اشتغال بھی حسب توقع تھا جو کتنی تھی کہ طوفانی حکومت کے محافظ ہی دشمنوں سے مل گئے ہیں اور ان کی تھوڑی سی گوثالی ضروری ہے لیکن آغا حسین کا مشورہ یہ تھا کہ ابھی دمشق کے گرد و نواح کو تاراج کرنے کا وقت نہیں آیا کیوں کہ ہر کام اپنے وقت پر موقوف ہوتا ہے۔

”کل امرئ مذہون بمآوقاتہ“



سے جس کا اکتشاف معنی نے دربار دمشق میں کر دیا ہارون بن خوارزمیہ کو آگاہ کیا تھا یا نہیں لیکن خلیفہ کے بڑھتے ہوئے اصرار پر ہارون نے تفسیرین و عوام کا معاملہ اپنے اعیان حکومت کے روبرو پیش کیا۔ طوینی سیاست دانوں نے مملکت کے داخلی حالات کا جائزہ لیا اور اس معاملے پر بھی توجہ دی کہ انکار کی صورت میں عباسی لشکر زبردستی ان علاقوں میں گھس جائیں گے۔ شاید مصر میں خانہ جنگی کے شعلے بھی بھڑک اٹھیں۔ ان سارے معاملات پر غور کرنے کے بعد شام کے طلبہ علاقوں سے دست برداری کا اعلان کر دیا گیا۔

تفسیرین و عوام سے دست برداری بنی طور کی شکست و پستی کے مترادف تھی۔ مصر و شام کے عاصیوں نے اس پر وہ حقائق سے آگاہ نہ تھے کہ عوام سے حکومت کے بہت سے معاملے پوشیدہ رکھے جاتے ہیں۔ انھوں نے دست برداری کے اعلان سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ طوینی حکومت اپنے علاقوں کی حفاظت کرنے کے قابل نہیں رہی اور بالکل صحیح نتیجہ اخذ کیا۔ محمد بن سلیمان کی موجودگی میں یہ سوچنا ہی عبث تھا کہ طوینی فوجیں عباسی لشکروں کو روکنے کے لیے آگے بڑھیں گے۔

تفسیرین و عوام کے علاقوں پر کسی مزاحمت کے بغیر بنو عباس کا قبضہ ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی جزیرہ سے عوام تک ایک نئی عباسی ولایت معرض وجود میں آگئی جس پر جیٹ قانون کے فرزند ابو محمد علی کو حاکم مقرر کیا گیا۔

صحرائے سادہ میں قرامطی عقیدہ پرستوں کو شکست و بربادی سے دوچار کرنے کے بعد خلیفہ معتقد نے طوینی حکومت کے خلاف بھی ایک اہم کامیابی حاصل کی تھی جس نے مصر و شام سے کرمان اور سندھ تک عباسیہ کی سلطنت و ہیبت طاری کر دی۔

قرامطہ کا معاملہ ایک عقدہ لائیل بنا ہوا تھا کیوں کہ صحرائے عداوت کی کوئی حرکت اندھی کی کوئی لہر یا مصر کی کوئی شدت نظر نہ آتی تھی۔ عباسی جاسوسوں کی خبروں سے معلوم ہوا تھا کہ قرامطی بیچ روپوش ہو گئے۔ باصراٹی قبائل کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے اس لیے اب بادیشہ بھی اپنے صحرائی معمولات کی طرف لوٹ گئے ہیں۔

حالات کی صورت بہ ظاہر وہی تھی جو عباسی مخبر بیان کر رہے تھے لیکن جس طرح دریا کے بھونر و دریا میں گڑبگڑ کرتے ہیں اور اوپر کی سطح پر سکون دکھائی دیتی ہے، اسی طرح عقیدہ پرست قبائل میں قصاص اور انتقام کے جذبے کی آندھی اندر ہی اندر چل رہی تھی۔ ابھی اس

کی گردش کا مدار تبدیل کرنے اور اس کا رخ دشمن کی طرف موڑنے کا وقت نہیں آیا تھا۔ خلیفہ معتقد اپنی کامیابیوں پر مطمئن اور کھٹنا تھا کہ اس نے قرامطی عقیدہ پرستوں کی مرکزی قوت نوژدی اور طوینی دیار میں بھی ایک رخنہ پیدا کر دیا ہے، البتہ اسے صرف ذکر و قرامطہ اور قرامطی کی فکر تھی، جن کی تناکسٹ کا حلقہ وسیع کر دیا گیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ ایک دن ایک دن دونوں زنجیروں میں جکڑے اس کے حضور کھڑے ہوں گے۔ اسی احساس نے عباسی حکمران کو ایک بار پھر حسن و جمال سے طبعی دل چسپی پر مائل کر دیا اور اس کی رائیں حسین و پرشباب لوندیوں اور کم عمر کنیزوں کے درمیان بسر ہونے لگیں جنھوں نے اس کے دل سے دیرہ اور قطر اندلی کی حسین یادیں بھی محو کر دیں۔



تقریباً ایک سال تک السادہ سے ذکر و قرامطہ اور قرامطی قرامطی کی کوئی خبر نہ آئی لیکن ثمانی الذکر اپنے غلام حارم کے ہمراہ ایک روز اچانک آقا حسین کے صحرائی مسکن میں پہنچ گیا جس سے صحرائی قبائل میں مسرت کی لہر دوڑ گئی لیکن فی الحال امام سے ملاقات کی اجازت نہیں تھی۔ قبائلی سرداروں کو پیغام بھیج دیا گیا کہ وہ عن قریب ان سے خود ملاقات کریں گے۔

یہی قرامطی اپنے والد ذکر و قرامطہ کے ساتھ دشت پر ہول کی اسی باؤلی میں روپوش رہا تھا جہاں تک دربار بغداد کا کوئی جاسوس اور کارندہ نہ پہنچ سکا۔ شاید اس لیے کہ پوری عباسی سلطنت میں صرف دو آدمی ذکر و قرامطہ کے خفیہ مسکن سے آگاہ تھے اور دونوں دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ کوئی تیسرا آدمی (جماعت کے خاص اخوان کے علاوہ) اس پوشیدہ مقام سے واقف نہ تھا، جہاں تحریک قرامطہ کا بانی اعتکاف میں بیٹھا رہتا یا عباسیہ کی تباہی کے نقشے تیار کرتا تھا۔

بدینا تو بالآخر شام کی طرف آگیا، لیکن باپ نے دشت پر ہول میں اپنی اعتکاف گاہ نہیں چھوڑی۔ ایک نئی ودق اور دشت تک دیرانے میں ذکر و قرامطہ کی باؤلی دنیا کی نظروں سے بچا رہا۔

عباسی جاسوسوں اور فوجی سرداروں نے اگر صحرائی خاموشی سے یہ اندازہ لگایا تھا کہ قرامطی عقیدہ پرست تتر بتر ہو گئے اور ابوالخوارس جیسے جنگی سالار کا حشر جان لینے کے بعد اب

کا خاتمہ نہیں ہوگا، جو صحرانوں اور شہروں میں لڑی جلتے گی۔ ہم تینوں بھائیوں کے بعد کچھ اور لوگ آئیں گے اور دشمن سے ہمارا انتقام لیں گے لیکن زمین کے پیٹ میں اپنا آخری بستر بچانے سے پہلے ہم غاصبوں کے چہروں پر خون کی کچھ لکیریں چھوڑ جائیں گے۔

تم نے ابوالفوارس اور قمر علی اسیروں کے متعلق جو کچھ سنا ہے وہ کچھ بھی نہیں صرف ظلم اور تشدد کی ابتدا ہے۔ لڑائی کا آغا ز ہوا ہے اور ابھی اس لڑائی کو اپنے انجام تک پہنچا ہے۔ اس عرصے میں تم نہ جانے کیا کچھ دیکھو گے، کیا کچھ سناؤ گے۔ مگر بہادر گزرتے وقت کا نوچہ نہیں کرتے بلکہ آگے بڑھ کر دشمن پر چھٹتے رہتے۔ ہم نے دشمنی پرانی نسلوں سے ورثے میں پائی ہے اور آئندہ نسلوں کے لیے یہ ورثہ چھوڑ جائیں گے تاہم ہماری فتح اور کامیابی کے دن قریب ہیں۔ صحرا کے حاشیوں سے خون کی صبح طلوع ہونے والی ہے۔ سیدنا فرمط نے ایک رویہ دیکھا ہے اور یہ دیکھا ہے کہ مغرب میں مدی کے شکر کامیاب ہوں گے اور مشرق میں قرمط کے سبز پرچم لہرائیں گے اور شام و دجھا ز اور عراق پر اپنا سایہ ڈال دیں گے بلکہ یہ پرچم سندھ اور طحان کی طرف بھی حرکت کریں گے۔

توسیدہ نانے ایسا رویہ دیکھا اور ایشیا میں قمر علی حکومت کے قیام کی بشارت دی ہے۔ لیکن معلوم نہیں حکومت قائم کرنے والے ہم ہوں گے یا ہمارے بعد آنے والے لوگ، بہر حال قرمط کا نام بلند ہوگا۔ یہ آسمانوں پر لکھی جانے والی کتاب تقدیر کا فیصلہ ہے۔ صحرائیوں نے کبھی قمر علی کی تقریر سنی جس کے ہر فقرے میں سطحوں کی سی پلک تھیں ان کی نبضوں کا لہر گرم ہو گیا، لیکن وہ تو صرف ایک لفظ سننے کے منتظر تھے، احمہ۔ یا۔ بد۔ کیوں کہ کبھی کبھی ایک ہی لفظ تقدیر کا تیر ثابت ہوتا ہے کبھی ابوالفوارس نے قصاص لینے کا ذکر فرمود کیا مگر یہ نہیں بتایا تھا کہ بدلہ کب لیا جائے گا، احمہ کب ہوگا؟ یا یہ نہیں کچھ مضطرب اور بے چین نظر آنے لگے۔

قمر علی جانتا تھا کہ وہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ اس نے ٹھہرے ہوئے لمحے میں بتایا کہ سیدنا قرمط نے جماعت کے لیے ایک پیغام بھیجا ہے۔ سب لوگ گوش بر آواز ہو گئے۔ اب وہ لوگوں کو قرمط کا پیغام سننے لگا۔

”اعطاف نہیں رکھتا ہے، قصاص لینے کا حکم ہے۔ آنکھ کے بدلے آنکھ، ہاتھ کے بدلے ہاتھ، جان کے بدلے جان اور کھال کے بدلے کھال۔ لیکن کسی امر میں محبت مناسب نہیں

خروج و بغاوت کا نام نہیں لیں گے تو ان کا یہ خیال ریت پر لکھی جانے والی تحریر سے بھی۔ (جسے باد صحر کا ایک ہی جھونکا علیا میٹ کر دیتا ہے) زیادہ بود اتھا۔ قرمط نے جنگ ہاری تھی، اپنے آپ کو نہیں مارا تھا، صرف محاذ تبدیل کر لیا تھا۔ خود تبدیل نہیں ہوئے تھے۔ چند روز تک سفر کی ٹھکن آتارنے اور اپنے متعلقین بالخصوص جرموں اور کینزوں سے ملنے جلنے کے بعد شہزادی نجم اور ابن حرب کی طرف قاصد روانہ کر دیا گیا کہ کبھی ابوالفوارس قبائلی سرداروں سے ملنا چاہتے ہیں۔ ان کی مجلس طلب کر لی جائے۔

بادیہ شام کے حاشیے پر آباد صحرائی قبائل کی جانب پیغام رساں دوڑا دیے گئے مجلس کے لیے ۱۲ ربیع الاول کا دن مقرر ہوا جب کہ دینا ۲۸ ہجری کے سن میں داخل ہو چکی تھی۔ قبائلی سردار، ان کے نائب اور جنگی سالار ایک روز قبل ہی بنی کلب میں پہنچنا شروع ہو گئے صحرائے سادہ سے آنے والے سرداروں اور معر زین کو بھی بلایا گیا تاکہ وہ امام کو دیکھ سکیں۔

۱۲ ربیع الاول کو کبھی قمر علی، دونوں بھائیوں آغا جہیں اور علی قمر علی، اپنے علم زاد عیسیٰ بن ہرودہ اور مطون کے ہمراہ (یہ لوگ کبھی قمر علی سے پہلے آغا جہیں کے صحرائی مسکن میں پہنچ چکے تھے) بنی کلب میں اس طرح نمودار ہوا کہ محافظ خاص صادم اس کے آگے آگے اور دوسرے شہزادے پیچھے چلے آ رہے تھے۔ کبھی قمر علی کی آمد نئے عوام کا اعلان کر رہی تھی شہزادی نجم اور ابن حرب نے سرداران طحان ابوالفوارس، دوسرے قبائلی سرداروں اور ان کے نائبوں کے ہمراہ قمر علی امام کا استقبال کیا۔ صحرائی فضائیکروں اور غروں سے گونج اٹھی۔

لوگوں کا اناجھوم تھا کہ وہ امام کو دیکھنے کے لیے ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔ معاند کی خاطر داری کے بعد بڑے صبح (سراپوہ) کے باہر جہاں کھوکا بڑی بڑی چٹانیں بچھا دی گئی تھیں اور اوپر شامیانے تان دیے گئے تھے۔ کبھی قمر علی ایک آراستہ چوبی چوڑے پر ظاہر ہوا۔ اسے دیکھتے ہی لوگ پکارنے لگے۔ ”القصاص، القصاص“

سبز پوش قمر علی امام نے دونوں ہاتھ بلند کیے اور قبائلی سرداروں، اُن کے نائبوں، فوجی سالاروں اور دوسرے لوگوں سے جو اس کے دیدار کی خاطر جمع ہو گئے تھے خطاب کرنے لگا۔

”بہادران عرب! دشمن سے قصاص لیا جائے گا اور آخری نتیجہ تک جنگ جاری رہے گی۔ اگر ذکر و قرمط کے فیوض بیٹے ایک ایک کر کے شہید کر دیے گئے پھر بھی اس جنگ کا

دشمن کو اپنی طاقت اور کثرت سپاہ پر گھنڈ ہے۔ وہ ظلم و ستم میں بیکتاب ہے، مگر ہم جس تباہی ورتا ہی سے دوچار ہوئے ہیں۔ ابھی اس کی اذیت سے ہمارے دل غم زدہ اور نڈھال ہیں اس حالت کو بدلنے کے لیے تلواروں کی دھار اور سناٹوں کے پھل صیقل کرنے کے لیے کانٹوں کے چلے چڑھانے اور شیرشاہوں پر مارنے کے لیے ابھی ہمیں کچھ وقفہ درکار ہے اس وقفے میں ہم نئی قوت بھی فراہم کریں گے اور دشمن کی دیوار میں ایسے رخنے بھی ڈالیں گے جہاں ہمارے انتقام کے سانپ چھپ کر بیٹھ سکیں۔ پھر جب قصاص کا وقت آئے گا ہم دشمن کو چاروں طرف سے گھیریں گے۔ اُس کے خزانہ کی راہیں بند کر دیں گے، اپنے انتقام کے سانپ چھوڑ دیں گے اور اس پر ایسی ضرب لگائیں گے کہ فرار کے خود اور آہنی ڈھالیں بھی ربڑہ ربڑہ ہو جائیں۔

اسی کا یہی ضرب کے لیے ہمیں وقفے اور تیاری کی ضرورت ہے تاکہ جب دشمن پر ہماری ضرب پڑے، اس کی ہڈیاں ٹوٹنے کی آواز قیر دان ہلکے سنائی دے لیکن یہ وقفہ زیادہ طویل نہیں ہوگا اور بہت جلد ”مکہ صحرا“ وہ پیغام جاری کرے گی جس کا ہمیں انتظار ہے۔ اس کے بعد بھی قمر علی نے صحرائی عقیدہ پرستوں کو نئی جنگ کے لیے تیاری کی تاکید کی۔ پھر آغا حسین اور عیسیٰ ابن مرید کے درمیان مسند پر بیٹھ گیا۔ وہ لوگ جو قصاص پر مستعد اور چاہتے تھے کہ فوراً جنگ کا نفاذ ہو جائے، سمجھ گئے کہ یہ دُکھ دینے والے جو پیغام دیا ہے، اس میں جماعت کا مستقبل پوشیدہ ہے اور بغیر تیاری کے دشمن سے جنگ چھیڑ دینا نقصان دہ ہوگا کیونکہ وہ حرب و ضرب میں تجربہ کار ہے۔

اسی مجلس میں شہزادی نجم نے اپنے بچے علی کو پیش کیا اور بتایا کہ وہ خلیفہ مہمقند کے غلام بدر کی طرف سے اس مقصد کے لیے مہر بھیجا گیا تھا کہ اگر اردن بن خوارو یہ قنبر بن اوجوم سے دست بردار ہونے پر تیار نہ ہوں تو اسے ہلاک کر دیا جائے لیکن ہمیشہ کی کارواں سرائے میں مہر دار مالک اور اُس کا ساتھی ہلاک ہو گئے۔ علی نے سفر فسطاط کا مقصد بیان کر کے زندگی حاصل کی اور ان کے ساتھ بنی ملک میں آگیا۔ شہزادی نے یہ اکتشاف بھی کیا کہ اسی نے بنی قلیص پر دلائی بصرہ کے غلام شہل کے حملے کی پیشگی اطلاع دی تھی، جس پر عبد اللہ اور قاسم ابن قاسم کو اسادہ کی طرف دوڑایا گیا لیکن ان کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی ہونے والی بات ہو چکی تھی۔ بعد ازاں علی ہی کو اپنی ہانک مہمقند بن جف کی طرف روانہ کیا گیا کہ وہ قنبر بن اور

ہم یہ بات واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ یزید بن معاویہ کے عہد حکومت میں قنبر بن کو حص سے الگ کر کے ایک نیا فوجی حلقہ قائم کر دیا گیا تھا جس میں الطاکیر، منج (ہیرا پوس) اور دحلہ و فرات کا دوابہ جزیرہ تک شامل تھے مگر عبد الملک بن مردان نے اپنے عہد خلافت میں جزیرہ کو الگ حلقہ قرار دے دیا تھا (ملاحظہ ہو بلاذری و یعقوبی حبلہ لول) خلیفہ مہمقند ابو عباس نے فوجی نقطہ نظر سے عوام سے جزیرہ تک اموی خطوط پر ایک نئی ولایت قائم کر کے شام کے سرحدی علاقے اور بنی نبطینی روم کے درمیان ایک مضبوط دفاعی خط قائم کیا تھا تاکہ رومی عیسائی اسلامی علاقے کو تاخت و تاراج نہ کر سکیں۔

قارئین کی معلومات کے لیے یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ قنبر بن کی طرح عوام کسی خاص صوبے کا نام نہ تھا۔ وہ مقامات جو ملک ورو یا فوجی شاہراہوں کے انصال پر واقع تھے ”عوام“ کہلاتے تھے۔ یہی اصطلاح شام کے اندرونی اور جنوبی سلسلے کے لیے استعمال ہوتی تھی۔ بیرونی اور شمالی سلسلے کو ”غور“ کہتے ہیں۔ غور کی واحد لغز کے معنی اگلے دانت یا ملک کی سرحد کے ہیں جب کہ حاصم کو کہنے اور پہچانے والے کو کہتے ہیں (قمر اجناسی)

مولیٰ ہے، اس کا سب کچھ ہے)

قرمطی امام نے یہ عقوہ بڑے ذومعنی انداز میں کہا تھا جس کے کئی معنی نکلتے تھے۔ عربی میں مولیٰ کا لفظ خدا، دوست، ہمسایہ، پرورش کرنے والے آزاد کردہ غلام یا غلام کو آزاد کرنے والے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے لیکن مولیٰ سے اس کا اشارہ غالباً شہزادی نجم یا پھر اپنی طرف تھا۔ اس کے فقرے کو کچھ کرشمہ البیل نے بتایا۔ ”معتی سیدنا کی بیعت کرنا اور جماعت میں داخل ہونا چاہتا ہے۔“

یہی قرمطی نے کسی تردد اور تامل کے بغیر ہاتھ لگے بڑھایا۔ قرمطی کی جماعت میں کسی شخص کو قرمطی اور امتحان کے بغیر شامل نہ کیا جاتا تھا۔ معتی اس امتحان سے گزر چکا تھا۔ یہ دمشق میں اپنی بن کر جانا اس کا امتحان ہی تھا جس میں اس نے توقع سے بڑھ کر جرات کا مظاہرہ کیا اور خود کو حالات یا شہزادی نجم کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا اس کے اندر یہ تبدیلی وقت کے ساتھ ساتھ یا پھر ان واقعات کے نتیجے میں پیدا ہوئی تھی جو اسے پیش آئے تھے۔ لیکن اس تبدیلی کی ایک اور وجہ بھی تھی جسے وہ بیان نہ کر سکتا تھا۔ دنیا میں بے شمار ایسی باتیں ہوجاتی ہیں جو لب اظہار تک نہیں آتیں۔

معتی بھی اسی کیفیت سے دوچار تھا۔ اس نے ”سیدی و مولائی“ کہہ کر اپنا ہاتھ یہی قرمطی کے ہاتھ میں دے دیا مگر اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ جذبات کی شدت یا اس اندر دینی کیفیت سے جس کے اظہار کی اسے جرات نہ تھی۔ اگر عورت کی بیعت جائز ہو تو شاید بہت دنوں پہلے یہ بیعت کر چکا ہوتا۔ عجیب بات ہے کہ مرد عورت کی چال کا ہرہہ بنتا اور اس کا ہر حکم بجالاتا ہے لیکن اس کے ہاتھ پر بیعت نہیں کرتا حالانکہ ہر وقت اس کی مٹھی میں ہوتا ہے۔ یہی قرمطی نے بنی کلب میں صرف دو روز قیام کیا۔ قبائلی سرداروں سے ملاقاتیں کیں اور تیسرے دن اپنے بھائیوں اور محافظوں کے ہمراہ آقا حسین کے صحرائی مسکن کی طرف لوٹ گیا لیکن روانگی سے قبل وہ شہزادی نجم اور ابن حرب کو ایک نیا اختیار بھی دے گیا تھا۔



ابھی ایام میں ایک نئی بغاوت نے خلیفہ کا عیش و آرام پھر غارت کر دیا۔ طاہر بن محمد بن عمرو بن لیث نے فارس پر قبضہ کر کے اس کے عامل کو وہاں سے نکال دیا۔ خلیفہ حرم سراؤں کی

خلوت سے نکلا اور اپنے شیر و مہر بدر کو طلب کیا۔ فارس پر اپنا قبضہ بحال کرنے کے لیے کسی مضبوط صوبے دار کی ضرورت تھی۔ اس نے بدر کو فارس کا نیا صوبے دار مقرر کیا اور سپاہ و علم کے ساتھ روانگی کا حکم دیا۔

بدر نے جاتے ہی فارس پر قبضہ کر لیا اور اپنے احکام و قوانین نافذ کر دیے لیکن یہ ایام کی گردش تھی کہ اسے پھر بغداد کا انصیب نہ ہوسکا اور خلیفہ معتضد اس کے مشوروں سے غور ہو گیا ادھر مصر میں ہارون بن خادیم نے ایک اہم قدم اٹھایا اور محمد بن سلیمان کو طوونی فوجوں کی سپہ سالاری سے الگ کر دیا۔ وہ اپنے حامیوں کے ساتھ قرقہ (عراق میں آگیا۔ ۲۸۹ ہجری کا آغاز ہو چکا تھا۔

یہی قرمطی اپنے بھائی آقا حسین کے صحرائی مسکن میں مقیم اور خلیفہ معتضد بغداد کی محل سراؤں میں داخلہ دے رہا تھا کہ بادِ نہیں قبائل نے اچانک صحرائے حرکت کی اور ریگ رواں کے طوفان کی طرح شام کی بستیوں پر لوٹے پڑے۔

صحرائی قبیلوں کی قیادت شہزادی نجم بن نفس نفیس کر رہی تھی۔ قبائلی سرداروں کے علاوہ البغافم اور معتی اس کے دوش بدوش تھے۔ یہ سرحدی تاخت حاکم شام کے خلاف تھی اور اس کا مقصد دشمن کی دیوار میں رخنہ پیدا کرنا یا طغ بن جف کو قتل بہت سبق دینا تھا مگر جب تک دمشق میں اس تاخت کی خبر نہ پہنچی، ابن حرب چار ہزار قبائلی سرداروں کے ہمراہ سرحدی آبادیوں کو ایک طرف چھوڑتا تھا دمشق کی جنوبی سمت جبال و عرہ میں نمودار ہوا۔ اس نے دو ہزار صحرائی بہادر و عرہ کے وسیع اور طویل گھارے میں چھوڑے اور صرف دو ہزار سرداروں کو لے کر دمشق پر حملہ آور ہوا۔

دمشق اس وقت بھی بڑے وسیع رقبے پر پھیلا ہوا شہر تھا جو بنو امیہ کے دور میں اندلس سے ہندوستان تک تین براعظموں (یورپ، افریقہ، ایشیا) میں پھیلی ہوئی عظیم اسلامی سلطنت کا دار الخلافہ تھا اس کے نواح میں باغات کا وسیع حلقہ الغوطہ کہلاتا اور بردی ندی

فلپ کے حقی نے ”سہری آف سیریا“ میں عرہ کی پہاڑیوں میں اس عجوبہ غار کا ذکر کیا ہے جس میں چار ہزار آدمی سما سکتے ہیں۔ اگر کوئی اس غار میں چھپ جاتے اور تجارتی قافلوں کو لوٹے لیتے تھے۔

ابن حرب خوب جانتا تھا۔ عباسی لشکر بھی طنج کی مدد کو نہیں آئے گا۔ وہ قنسرین اور عوام کے علاقوں سے دمشق کی جانب پیش قدمی نہیں کر سکتا تھا کیوں کہ رومی عیسائیوں کے ساتھ جنگی چھیڑ چھاؤ شروع ہو چکی تھی، عوام سے جزیہ تک نئی ولایت قائم کرتے ہی خلیفہ معتضد نے ۲۸۸ھ میں حسن بن علی کو روکو، جو لغور کا والی تھا، رومیوں سے جہاد کرنے کا حکم دے رہا تھا جس نے اپنے سپہ سالار نزار بن محمد کو جہاد پر مقرر کر دیا۔ نزار نے پیش قدمی کر کے کئی رومی قلعے فتح کیے اور بہت سے رومی سپاہی قید کر لیے تھے جس کے جواب میں رومی عیسائیوں نے کیسریہ کی طرف سے حملہ کیا اور حلب کے نواح سے تقریباً پندرہ ہزار مسلمانوں کو گرفتار کر کے لے گئے تھے۔ ان حالات میں ادھر سے کوئی لشکر دمشق کی مدد کے لیے نہیں آ سکتا تھا۔ مصر کی داخلی صورت کچھ ایسی ابتز ہو گئی تھی کہ وہاں سے وفادار فوج کو بھانا اور دمشق کی طرف بھیجا ممکن ہی نہ تھا۔ ابراہیم خلیجی کی موجودگی میں ناراض لشکریوں کو سرائیخانے کا موقع تو دل سکا لیکن بدرحالی (جسے سلطان کے محافظ دستے کی سرداری سے برطرف کر دیا گیا تھا) محمد بن قاسم سے مل کر درپردہ نجی طولوں کے خلاف سازش میں مصروف اور محمد بن سلیمان کو رفرقہ میں مرنے بھیج رہا تھا کہ وہ آج بھی اس کا وفادار ہے۔ اس کا خیال تھا ارون بن خواریزم حکومت کے قابل نہیں۔ نجی طولوں کمزور ہو چکے ہیں۔ محمد بن سلیمان عباسی لشکر لے کر آئے اور مصر پر قبضہ کر لے۔

شہزادی نجم اور ابن حرب کی قیادت میں باریشیموں نے طنج بن جف کے خلاف جو کادروائی کی، اسے شام کے حاکم اعلیٰ کو تنہا بھگتنا تھا شامی سپاہ قلعہ بند ہو کر حملہ آوروں کا مقابلہ کرتی رہی جنہوں نے تین اطراف سے دمشق کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ باریشیم قبائل کو عباسی لشکر کا شدت سے انتقاد تھا جس سے انتقام کی خاطر وہ دلیلاً ہو رہے تھے مگر انہوں نے قنسرین کی چھاؤنی سے حرکت نہیں کی۔ یعنی نے تجویز پیش کی وہ خود حملے کی طرف بڑھیں لیکن ابن حرب اس فوجی کادروائی کو، جس میں سارے قرامطی قبائل شریک نہیں تھے۔ دمشق اور اس کے گرد و نواح تک محدود رکھنا چاہتا تھا۔ سرحدی علاقے کو تاخت

ابن اثیر اور ابن خلدون نے بدرحالی کی اس عذاری کا ذکر کیا ہے۔

کی نہروں سے سیراب ہوتا تھا۔ ابن حرب باغات کے اس سلسلے سے اگے بڑھا۔
والیہ شام طنج بن جف نے حملہ آوروں کو روکنے کے لیے شامی فوج قلعے سے نکالی
انگوٹھ کے علاقے میں فریقین کے درمیان نضام ہوا اور ایک شدید جھڑپ کے بعد ابن حرب
نے دعرہ کی جانب پسپائی اختیار کی۔

شامی فوج نے یہ سمجھ کر کہ میدان مار لیا ہے۔ حملہ آوروں کا تعاقب کیا لیکن جو نہی وہ
جبال دعرہ کے قریب پہنچی، غار میں چھپے ہوئے صحرائی بہادر برقی انگاہن بن کر اس پر ٹوٹے
پڑے۔ شامی سپاہ شکست کھا کر واپس بھاگی اب باریشیم اس کا تعاقب کر رہے تھے ابن حرب
کا منصوبہ یہی تھا کہ شامی سپاہ کا تعاقب کرتا ہوا قلعے میں گھس جائے لیکن فوج نے قلعے
میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا اور دفاعی جنگ لڑنے لگی۔ شہر پناہ کے دروازے بھی بند
ہو گئے۔

باریشیم قلعہ میں داخل ہو سکے نہ شہر میں لیکن انہوں نے دمشق کا محاصرہ کر لیا اور
رسد و مواصلات کا سلسلہ کاٹنے لگے۔ سرحدی آبادیوں سے دمشق کا رابطہ ٹوٹ گیا۔ شہزادی
نجم بھی سرحدی علاقے تا راج کرتی ہوئی جبال دعرہ تک پہنچ گئی اور دعرہ کے عجمہ غار میں اس
کے لیے خیمہ نصب کر دیا گیا۔

طنج بن جف کو اندام میں یہی خبر ملی تھی کہ آذوقہ قبائل نے لوٹ مار کی خاطر سرحدی
بستیوں پر حملہ کیا اور شامی سپاہ کو ان بستیوں سے دور رکھنے کے لیے ان کا ایک گروہ
دمشق کا محاصرہ ڈال کر بیٹھ گیا ہے۔ بعد میں پتا چلا کہ دمشق پر حملہ آوروں کی لشکر کی قیادت
ابن حرب کر رہا ہے اور شہزادی نجم ابیل بھی سرحدی آبادیوں کو تاخت و تاراج کرتی محاذ
جنگ پہنچ گئی ہے۔ یہ ایک سنسنی خیز امکشاف تھا کہ طولوں کے علاقے پر طولوں شہزادی نے
حملہ کیا ہے اور قرامطی عقیدہ پرست اس کے ساتھ ہیں۔

یہ شام کی طرف قرامطہ کی پہلی پیش قدمی کی ایک مشق تھی جس نے طنج بن جف کو
مشکل ترین صورت حال سے دوچار کر دیا۔ اس نے دفاعی حیثیت اختیار کر کے کئی بار کوشش
کی کہ قرامطی عقیدہ پرستوں کا محاصرہ توڑ ڈالے لیکن ہر مرتبہ ناکام ہوا۔ طولوں دار الحکومت
الغفائے کو بھی قرامطہ کے حملے کی اطلاع دی لیکن محمد بن سلیمان کی علاحدگی کے بعد طولوں
فوج پھر بگڑ گئی اور سرکاری احکام کی تعمیل میں لیت و ملت سے کام لے رہی تھی اس لیے مصر سے

(۶۶)

جعفرنجوی کی واپسی



تاریخ کرنے کا مقصد کچھ اور تھا اگر دمشق کا محاصرہ غیر ضروری طور پر طویل ہو گیا۔

یہی قزملی اٹا حسیں کے صحرائی مسکن میں بیٹھا اس تاخت کی خبر میں سن رہا تھا۔ ابھی وہ خود محاذ جنگ پر نمودار نہیں ہوا تھا۔ یہ تو محض ایک ابتدائی یا آزمائشی کارروائی تھی جس کے ذریعے شام کے حصار میں کچھ رخسے پیدا کیے گئے تھے۔ صحرائیوں کو وہ دہرنے پیدا کر کے اور ان رخصتیں اپنے انتقام کے سائب بٹھا کر لوٹ آنا تھا لیکن شہزادی نجم واپسی میں غالباً اس لیے تاخیر کر رہی تھی کہ اس کھیل کا انجام اس کی مرضی کے مطابق ہو۔

دینچ اشانی کے پہلے ہفتے ہیں دمشق میں جنگ شدت اختیار کر گئی۔ شاہی برق اندازوں نے قلعے کی تفصیل سے آگ برسا کر حملہ آوروں کو بہت پرے دھکیل دیا اور ان پر شدید سنگباری بھی کی جس سے سینکڑوں بادیہ نشین زخمی ہو گئے۔ انھیں دعرہ کی پیادوں کی طرف پسا ہونا پڑا، جہاں ان کا فوجی معسکر تھا مگر انھوں نے محاصرہ ترک نہیں کیا۔

دوسرے روز سہ پہر کے وقت جنوب مغربی پہاڑوں پر پہرہ دینے والے صحرائی فوجیوں ایک اچھڑا ہوا بوڑھے کو گدھے پر سوار دعرہ کی طرف آتے دیکھ کر حیران رہ گئے۔ بوڑھا تنہا تھا۔ قحاس کے ہمراہ ایک خچر سوار بھی تھا جس کے ہاتھ میں سبز جھنڈی اس امر کی علامت تھی کہ اس کا تعلق قزملی جماعت سے ہے۔

پہرے دار پہاڑی سے ان کو ان کی طرف پکے۔ انھوں نے خچر سوار کو پہچان لیا۔ وہ مرج راہط میں جماعت کے لیے خدمات سرانجام دیتے والا ابو نصر یا قوت تھا مگر اس کے بوڑھے ساتھی کو نہ پہچان سکے۔ ابو نصر یا قوت نے پہرے داروں کے سردار کو بتایا کہ بڑا اہم حرب کارانا دوست اور اس سے ملاقات کا طلب گار ہے۔ یہ بھی وہ مرج راہط سے خود اس کے ساتھ آیا ہے۔

کسی کو ابو نصر یا قوت کا راستہ روکنے کی اجازت نہ تھی۔ پہرے داروں نے اُسے راز سے بہت دعرہ کے غار کی طرف بڑھنے دیا۔ البتہ سردار خود بھی ان کے ساتھ ساتھ ہوا۔

کے حوادث اور صحرا کی آب و ہوائ سے پہلے سے بہت تبدیل کر دیا تھا مگر وہ آج بھی مزاج کا سخت اور دل کا نرم تھا جعفر نے بے اختیار اسے اپنے سینے سے لگایا۔

اس ملاقات کے بعد ابن حرب جعفر کے ساتھ ابونصر یا قوت کو بھی غار میں لے آیا۔ وہ کی پناہ گزینوں کے درمیان مجبورہ غار علی بابا کے ”کھل جاہم سم“ والے طلسمی غار سے جس کی کہانیاں بغداد کے داستان گوروگوں کو سنایا کرتے تھے کہیں زیادہ عجیب و غریب اور پوچش رہا تھا۔ اندر باقاعدہ خیمے نصب کیے گئے تھے جعفر بخوی اس صیب اور عظیم غار کو حیرت سے دیکھتا رہا جیسے وہ ملک الثوابت (آٹھویں آسمان) کا کوئی بروج تھا، جس میں کچھ ستاروں کا قرآن ہوتا تھا۔ ابن حرب انھیں لے کر بڑے خیمے میں داخل ہوا جہاں شہزادی نجم الثلیل دمنہ اور عنبر کے ساتھ موجود اور جعفر بخوی کی منتظر تھی۔ وہ غائبانہ طور پر اس کی شخصیت سے بڑی متاثر اور اسے دیکھنے کی خواہش رکھتی تھی، کیوں کہ جو کچھ اس نے سنا تھا اس کے مطابق جعفر کی کوئی پیش گوئی آج تک غلط نہ لگائی تھی۔ بنی طولون کے زوال کی خبر نے تو شہزادی کو ہلا کر رکھ دیا تھا جبکہ خود نجم الثلیل کے بارے میں جعفر نے کہا تھا کہ وہ بنی طولون کی خوشنختی کا ستارہ ہے اور یہ بات نجم الثلیل کے حقیقی بی بی جاتی تھی۔

جوخئی جعفر بخوی نے پارچائی مکہ ملاقات میں قدم رکھا، جہاں تالین بچھا تھا اور شہزادی نجم الثلیل مسند پر بیٹھی تھی، وہ مکہ تک جھک گیا اور شاہی دستور کے مطابق سلام کیا طولی شہزادی نے بوڑھے بخوی کو جبرائیل ایک عالم سادہ تھا نگاہ و تعجب سے دیکھا لیکن حاضری تھی کہ آدمی کی اصل شخصیت اس کے علم اور اس کی دانش سے تفصیل پاتی ہے۔ اس اعتبار سے جعفر بخوی کی شخصیت حیرت انگیز تھی۔ پھر بڑے احترام سے دوسری مسند پر بیٹھے کا اشارہ کیا اور دمنہ ٹھٹھے شربت سے مہمانوں کی خاطر تواضع کرنے لگی۔

ابونصر یا قوت نے بتایا کہ مرجع لہط میں جعفر سے اس کی ملاقات بالکل اچانک ہوئی، جو دمشق کے نواح سے کتر کر نکل جانا چاہتا تھا۔ اس نے جعفر کو بتایا کہ دمشق بادیہ نشینوں کے مہاجرے میں ہے۔ گرد و نواح کی ناکہ بندی کر دی گئی ہے اس لیے آگے جانا مشکل ہو گا، جس پر وہ پریشان ہو گیا۔ جعفر نے یہ تو نہیں بتایا کہ اسے کہاں جانا ہے لیکن جب پتا چلا کہ عراقی لشکر کے امیر اس کے پرانے دوست ابن حرب الکنذلی ہیں اور شہزادی نجم الثلیل بھی ان کے ساتھ دعوہ کے غار میں مقیم ہیں، تو جعفر ہکا بکا رہ گیا اور کہنے لگا کہ اسے ابن حرب کے پاس لے چلو۔ اس طرح

پناہ گزینوں کے درمیان وہ مجبورہ غار بڑا وسیع اور کسی سرنگ یا کھائی کی طرح بہت طویل تھا۔ غار کے دہانے پر بھی محافظ موجود تھے۔ ابونصر یا قوت نے اطلاع دی کہ جعفر بخوی ابن حرب سے ملنے آیا ہے۔

یہ ایک حیرت انگیز اطلاع تھی۔ بہت سے بادیہ نشین جعفر بخوی کا نام سن چکے اور اپنے فتنے، وہ دربار مصر کا شاہی منجم ہے جس نے چند سال قبل بنی طولون کے زوال کی پیش گوئی کی تھی۔ ایک محافظ فوراً غار کے اندر بھاگتا چلا گیا تاکہ ابن حرب تک اس کے آگے کی اطلاع پہنچا سکے۔

جعفر بخوی کی آمد اس قدر خلاف توقع اور سنسنی خیز تھی کہ اطلاع سننے ہی ابن حرب اپنے غلام عبداللہ کے ساتھ خود غار کے دہانے پر آیا اور دالمانہ اس کی طرف بڑھا جعفر بخوی پہلے سے کچھ مزید بوڑھا اور کمزور نظر آ رہا تھا، اپنے گھر سے اتر چکا اور اس کے قریب ہی کھڑا تھا جو بنی ابن حرب کو آتے دیکھا، وہ بھی بازو کھول کر آگے بڑھا اور دونوں بھٹکے ہوئے گئے۔

بغداد کے پچھڑے مہائے دس برس کے بعد دمشق کے نواح میں ایک دوسرے سے مل رہے تھے اس عرصے میں بے شمار واقعات ظہور میں آچکے تھے کہ دونوں کے چہروں پر بدلے موموں اور گزرتے وقت کے تغیرات اب بھی اپنا سایہ ڈال چکے تھے، وہ چند لمحے چُپ چاپ ایک دوسرے سے لپٹے رہے اور جب علاحدہ ہوئے تو دونوں کی آنکھیں بھیگ چکی تھیں۔ کیوں میں آنسو اٹکے ہوئے تھے۔

جعفر بخوی نے بھیگی آنکھوں سے ابن حرب کے کئے ہوئے بازو پر نظر ڈالی اور وہ بھی دیکھ کر حیران رہ گیا کہ جعفر اگرچہ شاہی منجم کا اعزاز حاصل کر چکا اور دربار مصر میں اس کا مرتبہ و مقام بلند تھا لیکن اس وقت اس کے جسم پر وہی سادہ لباس تھا جسے وہ بغداد میں پہنا کرتا تھا۔ سواری کا وہی گدھا تھا جس پر وہ بغداد میں سوار ہو کر نکلتا تھا۔ دس سال کے بعد جعفر بخوی وہی آدمی تھا جو کسی زمانے میں بغداد کے باب شماسیہ پر سہراہ بیٹھتا اور لوگوں کو ان کی قسمت کا حال بتاتا کرتا تھا۔ صرف وارثی اور سر کے بال سفید ہو گئے تھے۔ اسے اسی حال میں دیکھ کر ابن حرب کو خوشی بھی ہوئی اور دل کو دھچکا بھی لگا۔

جعفر بخوی نے ابن حرب کے ساتھ اس کے غلام عبداللہ کو دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔

وہ بڑے بخوی کو دعرہ کی پہاڑیوں میں لے آیا۔

یہ ایک حیرت انگیز کہانی تھی کہ جعفر بخوی دمشق سے کہیں آگے جانا چاہتا تھا اور اس کی دعرہ غار میں آمد محض اتفاقیہ تھی۔ ابن حرب نے تعجب سے پوچھا: ”دمشق سے آگے کہاں جا رہے ہو؟“

جعفر بخوی جذبات کی شدت سے دوچار تھا کہنے لگا: ”ابن حرب ایہ زمانے کی گوش ہے کہ میں فسطاط کو مصر کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ آیا ہوں۔ اب میرا وطن مالوف بغداد میری منزل ہے اور تم دیکھ رہے ہو، جس طرح میں بغداد سے خالی ہاتھ آیا تھا اسی طرح خالی ہاتھ واپس جا رہا ہوں۔ اس سستی خیز انکشاف نے کہ جعفر بخوی مصر کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ آیا اور بغداد واپس جا رہا ہے۔ سب کو وسط حیرت میں ڈال دیا۔ ابن حرب پریشان سے لہجے میں بولا: ”مگر تم شاہی منجم تھے۔ سلطان خوارزمیہ مرحوم نے تمہارے لیے فسطاط میں رصد گاہ تعمیر کرائی تھی اور ان کی رحلت کے بعد بھی انھیں القطار کے دربار میں بلند مرتبہ حاصل رہا پھر مصر کو چھوڑنے کا سبب کیا ہے؟“

جعفر بخوی کچھ دیر خاموش رہا۔ غالباً سوچ رہا تھا ابن حرب کے سوال کا جواب دے یا نہ دے لیکن اس نے غمگس کیا کہ ابن حرب سے کہیں زیادہ شہزادی نجم اس کا جواب سننے کے لیے سبے جلی ہے۔ آخر وہ جواب دینے پر آمادہ ہو گیا اور اپنے دوست سے مخاطب ہوا: ”ابن حرب اہم جانتے ہو، میں صاحب علم ہوں، ستارے حکم الہی سے آسمانوں پر گردش کرتے ہیں اور ان کا سفر میرے دل و دماغ میں بلکہ میرے خون میں جاری ہے۔ میں نے ان کی رفتار سے جو نتیجہ اخذ کیا وہی بتایا اور ہمیشہ حق بات کہی ہے۔ میرے نزدیک جھوٹ بولنا اہل علم کو زہر نہیں دیتا لیکن زمانے کا مزاج بدل گیا ہے۔ اب لوگ سچی بات سننا پسند نہیں کرتے اس لیے کہاؤں ”میں“ (سچی بات کراوی ہوتی ہے) میں نے سلطان مرحوم ہی کے زمانے میں مصر سے نکل جانے کی کوشش کی تھی۔ انھوں نے جو کچھ مجھ سے پوچھا تھا میں وہ بتاتے پر تیار نہ تھا مگر خوارزمیہ اب وجیش میں سچی بات سننے کا حوصلہ تھا۔ سلطان نے یہ کہہ کر مجھے قلعی دی کہ میں جو کچھ بیان کروں گا، وہ میرے علم و فطانت کی استناد پر مبنی ہوگا اور اگر تمہارے کوئی بڑی خبر دینے میں تو میں بسا اذکر کچھ جاؤں گا۔ میری حیثیت تو نجوم و کواکب کے ایک قاصد یا پیغام رساں کی ہے۔ وَمَا عَلَيَّ الْوَسْوَءُ إِلَّا الْبَاسُ (اور قاصد کا کام پیغام

کو صاف صاف پہنچا دینا ہے)

اس لفظین دہائی پر میں نے طوفانی ریاست اور نئی طولوں کے بارے میں آسمانوں پر جو کچھ پڑھا، جو کچھ سمجھا، صاف صاف بیان کر دیا اور یہ بھی بتایا کہ انسان اپنی سعی و کوشش اور جہد و عمل سے پیش آنے والے بعض واقعات کو بدل سکتا ہے۔ میرے نزدیک تقدیر کا یہی فلسفہ ہے مگر نئی طولوں کے متعلق میں نے جو کچھ بیان کیا، وہ انتہائی لرزہ خیز اور ہول ناک تھا کیوں کہ چند ہی برسوں میں طولی حکومت کا خاتمہ ہونے والا تھا اور نئی طولوں پر ایک عظیم تباہی آنے والی تھی یہ سب کچھ سن کر سلطان کا رنگ متغیر ہو گیا پھر بھی انھوں نے یہی کہا: ”جعفر! تم نے آسمانوں کی کتاب کا کچھ پڑھا اور ہمیں پیش آنے والے ہول ناک حادثہ کی خبر دی ہے اگر سچی و عمل سے آدمی یا کسی خاندان کی تقدیر بدل سکتی ہے تو ہم بھی اسے بدلنے کی کوشش کریں گے۔“

اس کے بعد ہی سلطان نے مجھے شاہی نجم کے عہدے پر فائز کیا۔ میرے لیے ایک رصد گاہ تعمیر کرائی اور کہا کہ انہیں آنے والے حالات کی خبر دیتا رہوں۔ میں نے ایسے حوصلہ مند اور بہادر لوگ بہت کم دیکھے ہیں، جو اپنی اور اپنے خاندان کی تباہی و بربادی کی پیش گوئی سن کر بھی حوصلہ نہیں ہارنے اور پیش آنے والی تقدیر کو بدلنے کے لیے حالات سے جنگ کر رہا ہو جاتے ہیں سلطان خوارزمیہ اگرچہ قسمت کے نوشتے نہ بدل سکے اور خود بھی حوادث کا شکار ہو گئے لیکن انھوں نے حالات کے منہ میں پنجر ڈال کر اسے مروڑ دینے کی کوشش ضرور کی۔ میں جانتا تھا تقدیر کا زہر دست ہاتھ انھیں کچل دے گا اور وہی کچھ ہوا مجھے چاہیے تھا کہ ان کی ناگہانی رحلت کے بعد مصر کو چھوڑ دینا کیوں کہ جو کچھ نئی طولوں کو پیش آنے والا تھا اس کی ابتدا ہو گئی تھی۔ پھر بھی میں نے فسطاط نہ چھوڑا اور مصر کے حالات کو بدلنے کی تدبیریں سوچنا رہا۔ میرا خیال تھا شاید میں اپنی تدبیر سے نئی طولوں کے گرد چکر لگانے والی تقدیر کی گردش کم کر سکوں مگر اس میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ اور اب انھیں چھوڑ کر آگیا ہوں۔“

جعفر بخوی یہ سب کچھ بتانے کے بعد سانس درست کرنے کے لیے رُکا۔ اس نے عرف چند برس پہلے کی باتیں بیان کی تھیں، جنہیں ابن حرب اور نجم الدین سن چکے تھے۔ ابھی اسے حالات کا وہ پہلو بیان کرنا تھا، جو مصر کو خیر باد کہنے کا سبب بنا۔ تین چار لمحے خاموش رہنے کے بعد اس نے اصل بات شروع کی اور بتانے لگا۔

”کچھ عرصے سے نوجوان سلطان ہارون بن خوارزمیہ بہت پریشان تھا اور اس کی پریشان

باقی رہ گئے ہیں۔

ہارون بڑے غصے اور جوش میں مسند سے اٹھا اور گرج کر بولا۔ "نجوم کا علم کتنا ہی اہم کیوں نہ ہو کسی کی زندگی ختم نہیں کر سکتا۔ زندگی ختم کرنے کے لیے فولاد کے ایک ٹکڑے کی ضرورت ہوتی ہے۔"

یہ کہہ کر اُس نے نیام سے نکوار کھینچی اور مجھ پر وار کرنے ہی والا تھا کہ عین اُسی لمحے شہزادہ شیبان کمرے میں داخل ہوا۔ اُس کے برہہ کر اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ہارون نے میری طرف اشارہ کر کے کہا۔ "یہ شخص جھوٹا ہے اور اس کا علم نجوم بھی جھوٹا ہے۔"

شیبان نے اُسے بچھایا اور بتایا کہ مجھے شاہی مخیم کا اعزاز سلطان مرحوم نے دیا تھا میں حق پرستوں کے والا آدمی ہوں، میرا انداز بیان غلط ہو سکتا ہے لیکن بیان غلط نہیں ہو سکتا۔ ساتھ ہی اُس نے مجھے اشارہ کیا کہ فی الحال محل سے چلا جاؤں۔ میں کمرے سے نکلا اور محل سے باہر آ گیا لیکن اپنا خلعت اور زندکار پہنکا جو سپن کر گیا تھا، محل کے دروازے پر لکھا آیا جسے وارفتہ محلات نے سلطان تک پہنچا دیا ہوگا۔ وہ میرا شاہی مخیم کے بندے سے استعفا تھا جو وہاں پھڑپھڑ آیا۔ میں سب کچھ برداشت کر لیتا ہوں لیکن یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ کوئی شخص خواہ وہ سلطان یا خلیفہ ہی کیوں نہ ہو میرے علم نجوم کو جھوٹا کہے۔

محل سے نکلے ہی میں نے فیصلہ کر لیا کہ مصر سے بھی نکل جاؤں گا۔ چنانچہ جب فسطاط کی حویلی میں واپس آیا تو فردا سفر کے لیے تیار ہو گیا۔ پھر سب کچھ وہیں چھوڑا صرف اپنا بچہ اور گرجا سمیٹا اور فسطاط سے چل دیا۔ تقدیر یا حالات کی گردش مجھے دعرہ کے اس غار میں لے آئی ہے۔ اچھا ہو یہاں تم سے اور شہزادی نجم سے ملاقات ہوگئی میں نہیں جانتا میرے محل سے، فسطاط سے اور مصر سے چلے آنے کے بعد سلطان ہارون اور شہزادہ شیبان کے درمیان کیا گفتگو ہوئی لیکن طوطی حکومت کا قصہ تو ختم ہونے والا ہے۔ میں دعرہ کے اس غار میں بیٹھ کر خبر دے رہا ہوں کہ آج کے دن پر ابھی چوتھیا سال پورا نہیں ہوگا کہ ہارون بن خمارویہ اپنے گرجے میں اتر جائے گا۔

یہ برہی کرب ناک اور تکلیف دہ بات تھی کہ جعفر نے شہزادی نجم العلیل کے سامنے ہارون کی آنے والی موت کی اطلاع دی جس نے سب پر حیرت اور غم کا ایک سکتہ سا طاری کر دیا۔ طوطی شہزادی کے دل پر بوجھانے کیا بیت گئی لیکن اس نے جلد ہی اپنے آپ پر قابو پا

کی دوسری پختی کہ مشرق و مغرب میں حالات کی صورت بدل رہی تھی۔ مصر کے داخلی معاملات خواب سے خراب تر ہونے جا رہے تھے بلکہ یہ کہنا درست ہوگا کہ زمین بنی طولون کے قدموں تلے سے نکلنا شروع ہو گئی تھی۔ تب سلطان نے ایک روز مجھے شاہی محل میں طلب کیا اور حکم دیا کہ میں نجوم کی گردش و رفتار اور فلک البروج کا مطالعہ کر کے مستقبل کے حالات کی ٹھیک ٹھیک خبر دوں۔

میں نے عرض کیا۔ "احسنوہ کے والد مرحوم کو جن حالات کی خبر دے چکا ہوں، اب ان میں کسی تبدیلی کا امکان نہیں رہا۔ ایشیا اور افریقہ کے معاملے بگڑتے جا رہے ہیں اور بہت جلد بالکل ہی بگڑ جائیں گے۔"

ہارون نے مجھے حیرت سے دیکھا اور کہا کہ جو کچھ سلطان مرحوم کو بتا چکے ہو اُسے دوبارہ بیان کر دو۔ طوطی دربار کے شاہی مخیم کی حیثیت سے میرا فرض تھا میں اردوئے نجوم سلطان کو پیش آنے والے حالات و واقعات سے آگاہ رکھوں۔ پھر ابن خمارویہ نے جو طوطی ریاست کے سیاہ و سفید کا مالک ہے۔ پہلی بار مجھ سے نجوم کے بارے میں کچھ پوچھا تھا اس لیے میں نے صاف صاف بتا دیا کہ مغرب اور مشرق کے حالات تبدیل ہو جائیں گے۔ شمالی افریقہ میں نبی اغلب کی حکومت کا خاتمہ ہو چکا ہے اور اس کی جگہ فاطمی خلافت کا آغاز ہوگا، جیسے دنیائے کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔ مشرق میں شدید فتنوں پریزی ہوگی۔ قزاق قوموں کے خلاف صفراء رادھوں کی صرف تین چار سال کی بات ہے کہ عباسی لشکر مصر و شام کو تہ و بالا کر دیں گے اور بنی طولون پر ایک بلائے عظیم نازل ہوگی۔

ابھی میری بات جاری تھی کہ ہارون بن خمارویہ پوچھنے لگا۔ "جب عباسی لشکر مصر و شام کو تہ و بالا کر دیں گے اس وقت ہم کہاں ہوں گے؟"

میں نے بے دھرم جواب دیا۔ "سلطان عالی! اس وقت آپ دنیا سے رخصت ہو چکے اور اپنی قبر میں ابدی نیند سو رہے ہوں گے۔"

میرے بار بار کے مطالعہ نجوم اور زائچہ کے حساب کا حاصل وہی تھا جو میں نے بیان کر دیا۔ ہارون کی آنکھیں عمارے حیرت کے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس کی آواز بھی کانپنے لگی۔ "یعنی ہم تین چار سال کے اندر دنیا سے رخصت ہو جائیں گے؟"

"یہ بات میں نہیں دیر فلک کہتا ہے کہ آپ کی زندگی کے پیمانے میں اتنے ہی جُرح باقی

لیا اور کہنے لگی۔

”جعفر! ہم جانتے ہیں تمہیں فلکیات پر مکمل عبور ہے اور تم کوئی ایسی پیش گوئی نہیں کرتے، جو پوری نہ ہو۔ ہم نے طوفانی زوال کے متعلق تمہاری پیش گوئی سنی اور اب ہمارے بارے میں ایک الم ناک خبر سن رہے ہیں مگر ہمیں تم نے بنی طوفان کی خوش نصیبی قرار دیا تھا۔ اپنے خاندان کو تباہی اور مصیبت سے بچانے کے لیے ہم نے تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھا ہے اور جہاں ہم ہاتھ رکھ دیں وہاں سے اٹھایا نہیں کرتے۔ ہماری اس کوشش کے بارے میں کیا کہتے ہو، کیا ہم بنی طوفان کو گردابِ ہلاکت سے بچا سکتے ہیں؟“

یہ ایک دل چسپ اور اُمید افزا سوال تھا۔ سب کا خیال تھا جعفر کا جواب بھی حوصلہ افزا ہو گا کیوں کہ خود شہزادی کو خاندان کی خوش بخشی کہ چکا تھا۔ سوال سن کر اُس نے اچنبھے کی نظروں سے اُس کی طرف دیکھا اور کہا ”شہزادی نجم! آپ فی الواقع اپنے خاندان کی خوش کنی کا ستارہ ہیں لیکن آپ کو بنی طوفان کے آسمان سے ٹوٹے ہوئے کئی سال ہو گئے ہیں۔“

”ہم الفطاح سے ضرور آگئے کیوں کہ صحرائے سفر ہمارا خواب تھا لیکن بنی طوفان سے تعلق نہیں توڑا۔ جس طرح شاخ اپنے درخت سے پیوستہ رہتی ہے اُسی طرح ہم بھی اپنے خاندان سے پیوست ہیں۔ اُسے بچانے کی سعی کریں گے اور اس کے دشمنوں سے انتقام لیں گے۔“

جعفر بنجی کا جواب اس کی توقع کے بالکل برعکس تھا۔ ”بنی طوفان کا فیصلہ قلم سے نہیں بلکہ تلوار کی نوک سے لکھا گیا ہے اور کوئی اسے بدل نہیں سکتا۔ اس لیے کہ تقدیر میری نہ ملنے والی ساعت کو کہتے ہیں۔ میں یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ آپ جس جماعت کا علم لے کر نکلی ہیں وہ عن قریب برباد ہو جائے گی لیکن اپنے دوسرے دور یا دوسرے ظہور میں ایک وسیع علاقے پر حکومت کرے گی اور دشمنوں سے ایسا بھیانک اور خوف ناک انتقام لے گی کہ زمین کا پٹ اٹھ جائے گی۔“

جعفر نے ایک بار پھر حیرت کا سناٹا طاری کر دیا اور سب لوگ اُس کے الفاظ کی ہیبت سے کم صم ہو گئے۔ اُسی سنانے میں باہر شور و غل کی آوازیں سن کر وہ چونک گئے یوں لگ رہا تھا جیسے دشمن قلعے سے نکل کر اچانک وعڑہ کی پھاڑیوں تک پہنچ گیا ہو۔ عبد اللہ فوراً اٹھا گا مگر جب لوٹ کر آیا تو اس نے ایک نئی خبر سنائی اور بتایا کہ صحرائی محافظوں نے ایک مصری افسر اور اُس کے دو ساتھیوں کو گرفتار کیا ہے جو مصر سے جعفر بنجی کے تعاقب میں بھیجے گئے اور وعڑہ کے جنوب میں بھٹک رہے تھے۔

یہ ایک طرہ بات ہوئی تھی کہ وہ لوگ جو جعفر کو پکڑنے آئے، خود پکڑے گئے۔ شہزادی نجم کے حکم پر صحرائی محافظان یمین کو اندر لائے تو جعفر بنجی انہیں دیکھ کر ہٹا دیا گیا مصری افسر اور الفطاح کے سلطانی عملات کا داروغہ تھا اور دونوں ساتھی شاہی ہرکاروں کا افسر اور اُس کا نائب تھے، جنہیں جعفر سے رشوت لینے کے الزام میں کچھ عرصہ بطور سزا اُس کی چاکری اور خدمت پر مامور کر دیا گیا تھا۔

داروغہ کے ساتھ دونوں شاہی ہرکاروں نے طوفانی شہزادی کے حضور کورنش ادا کی تینوں اُسے جانتے اور اُس سے رحم کی توقع رکھتے تھے۔ شہزادی نجم بھی ان کی حیثیت سے آگاہ اور کچھ گئی تھی کہ وہ سلطان ہی کے خاص حکم پر بھیجے گئے ہوں گے۔ پھر بھی اُس نے وضاحت چاہی ”کس کس کے حکم پر جعفر کو گرفتار کرنے آئے ہو؟“

داروغہ کمر تک جھک گیا ”شہزادی صاحبہ کا اقبال بلند ہو۔ ہم جعفر کو گرفتار کرنے نہیں بلکہ سلطان معظم کے حکم پر اس یگانہ عصر بنجی کو منانے آئے اور درخواست کرتے ہیں کہ یہ مہر کوہ چھوڑیں اور فسطاط واپس چلیں۔“

سب لوگ داروغہ کا یہ حیرت انگیز جواب سن کر دنگ رہ گئے۔ اُن کی حیرت کو بھانپ کر داروغہ نے اپنے چہرے سے ایک سلطانی فرمان نکالا اور پڑھنے لگا۔ اس فرمان میں سلطان مصر و شام ہارون بن خارویہ نے لکھا تھا کہ اگر دربار مصر کے شاہی منجی نے طوفانی مملکت کی سرحد پار نہیں کی تو ہماری دی خواہش ہے کہ وہ واپس آجائے۔ ہم نے لاٹھی کی بنا پر اُس کے علم نجوم کے بارے میں جو ناواقف بات کہہ دی تھی اس پر معذرت خواہ ہیں۔ ہم اس بات کی تصدیق کر چکے ہیں کہ جعفر ایک یگانہ عصر بنجی اور طوفانی حکومت کا خیر خواہ ہے۔ ہم سلطان مرحوم کے فرزند اور بھائی کی حیثیت سے جعفر کو سابق منصب پر فائز کرنے اور اس کے مشوروں کے طلب گار رہیں۔ اس فرمان کے ساتھ ہم ایک خلعت فاخرہ بھی بھیج رہے ہیں۔ جعفر اس خلعت کو قبول کرے اور اسے پہن کر ہماری جانب لوٹ آئے۔“

اس فرمان کے نیچے سلطان ہارون بن خارویہ کی ہر خاص بخت تھی۔ شہزادی نجم کی اجازت سے داروغہ نے وہ فرمان جعفر بنجی کو دکھایا اور درخواست کی کہ وہ مصر چھوڑنے کا ارادہ ترک کر دے اور واپس چلے۔ شاہی ہرکاروں کے افسر اور اُس کے نائب نے بھی واپسی کی التجائی سلطانی فرمان کے بعد اگرچہ کچھ مزید کہنے سننے کی گنجائش نہیں تھی مگر وہ تینوں برابر منت سماجت

ہاے۔ اس کے ساتھ میں بھی ایک درخواست کرتا ہوں کہ فسطاط کی وہ حویلی جو سلطان مرحوم نے مجھے بخش دی تھی۔ پورے ساز و سامان سمیت شاہی ہرکاروں کے افسر اور اس کے نائب کو دے دی جائے ان دونوں نے سلطان مرحوم کے زمانے میں میری کچھ خدمت کی تھی یہ اس خدمت کا معاوضہ ہے۔

اس درخواست پر شاہی ہرکاروں کا افسر اور اس کا نائب دونوں بہکا بکا رہ گئے کہ جعفر بخوی جیسا کچھ اس آدمی جس نے سلطان خوارزم سے ملنے والے انعام میں سے کس دنیا کی رشوت لینے پر ان کی شکایت کر دی تھی اور جس کی پاداش میں ان دونوں کو کئی مہینے جعفر کی خدمت کے ساتھ ساتھ اس کے گدھے کی بھی خاطر تواضع کرنا پڑی تھی۔ آج فسطاط کی عظیم الشان حویلی ان کی ملکیت میں دے رہا تھا۔ دونوں نے آگے بڑھ کر اس کے پائل پکڑ لیے اور بیک زبان ہوئے۔

”ہمارے خواہش ہے آپ فسطاط واپس چلیں اور اس حویلی میں عود قیام کریں۔“
لیکن جعفر تاجک تھا کہ بغداد کی کشش اسے اپنی طرف کھینچ رہی ہے اور وہ فسطاط واپس نہیں جاسکتا۔ اس نے اپنے فیصلے میں کوئی تبدیلی نہیں کی اور کہیں اپنی حویلی کسی اجنبی کے حوالے نہیں کر رہا۔ تمہارے ساتھ میری یادیں وہاں رہیں گی۔

پھر وہ اچانک اپنی نشست سے اٹھا اور داروغہ محلات کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہنے لگا۔ ”میری طرف سے سلطان کا شکریہ ادا کرنا اور کہنا کہ تین سال تک ان کی ذات کو کوئی خطرہ نہیں لیکن آج کے دن سے جو چوتھا برس شروع ہوگا اس میں انھیں ایک سترہ سے خیر دار نہ بچا جائے جو چھلایا تو کسی اور کے لیے جائے گا لیکن اس کا رخ سلطان کی طرف ہوگا اور ایسے تیر خطا نہیں جاتے۔“

جعفر اگرچہ پہلے ہی داروغہ بن خوارزم کی زندگی کے چار سال یا چار برس متعین کر چکا تھا لیکن اب اس نے یہ بتایا تھا کہ چوتھے سال اس کی موت کیسے واقع ہوگی اور موت تیر اگلی سے ہوگی۔ اس کے الفاظ نے جموں میں ایک نئی سسجی دھڑادی، سب اداس نظر آئے اور سچے لگے۔ شاید وہ ”اندھیرے کا تیر“ ہوگا۔ خود جعفر بخوی بڑا غم زدہ دکھائی دے رہا تھا یہ کہتا ہوا کہ پھر مسند پر بیٹھ گیا۔ ”کاشش! میں اس تیر کو روک سکتا۔“

وہ مصر کو چھوڑ کر بغداد جا رہا تھا اور ابن حب جانتا تھا، اسے بغداد سے دالمانہ محبت تھی

کرتے رہے۔ جعفر بخوی نے سلطانی فرمان کے ساتھ ان کی منت سماجت بھی مسترد کر دی اور جواب دیا۔

”میں نے بنی طولون کے بارے میں جن حوادث کی خبر دی ہے وہ مل نہیں سکتے اور یہ بات میں شہزادی نجم العلیل کو بھی بتا چکا ہوں کہ آسمانوں کی کتاب اسرار کا لکھ پورا ہوگا کہ سلطان خوارزم مرحوم نے مجھ پر جو عنایات کی تھیں، ان کے پیش نظر میرا یہی خیال تھا کہ اگر میں نے بنی طولون کے بھیا تک انجام کی خبر دی ہے تو ان کے بڑے انعام میں بھی شریک رہوں گا کیوں کہ میں ان کا دوست ہوں لیکن ان آخری ایام میں مجھے بغداد کی کشش اپنی طرف کھینچ رہی ہے، جہاں میں پیدا ہوا، جہاں میرا لڑکپن کھیلا، جہاں میں نے علم کی لازوال دولت پائی اور جس کی مٹی کی دھک میرے وجود اور میرے خون میں رچی بسی ہے۔ میں اسی مٹی میں دفن ہونا چاہتا ہوں۔ اب بغداد کے سوا میری کوئی منزل نہیں۔ میں سلطان کے بلاوے کا سبب حد مٹون ہوں لیکن ان سے کہہ دو میں بغداد سے دور رہ کر مرنا نہیں چاہتا اور اپنے وطن بالوف کی طرف لوٹ رہا ہوں، جہاں ایک روز میری خاک بغداد کی خاک میں مل جائے گی۔“

جعفر کا جواب قطعاً اور آخری تھا اور اس جواب میں اس کے آنسو بھی شامل تھے، جو آنکھوں میں تیر رہے تھے۔ سب سمجھ گئے کہ اب مصر کی طرف واپسی ناممکن ہے اور اسے واپسی پر مجبور نہیں کرنا چاہیے۔ طوبی محلات کے داروغہ نے بھی امر اور مناسب نہ سمجھا اور اپنے چنے سے دوسرا فرمان نکال کر جعفر سے مخاطب ہوا۔

”اگر آپ واپسی پر آمادہ نہ ہوں تو اس صورت میں مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سلطان معظم کی طرف سے آپ کو انعام و اکرام کے ساتھ رخصت کروں۔ اس فرمان کے مطابق جو میہ ہاتھ میں ہے۔ انھوں نے خلعت فاخرہ اور مصر کی کچھ قیمتی سوغاتوں کے علاوہ آپ کے لیے دو لکھ طلائی دینار کا تحفہ بھیجا اور لکھا ہے کہ اگر ان کی درخواست قبول نہ ہو تو ان کا تحفہ ضرور قبول کر لیا جائے۔“

داروغہ نے بتایا کہ یہ سب کچھ اوٹوں پر لدا ہوا ہے، جو باہر موجود ہیں۔
اس دوسرے فرمان پر سب نے داروغہ بن خوارزم کے حالی ظرف پر حسین کھی اور جعفر کہنے لگا۔ ”مجھے مال و دولت کی ہوس نہیں، میرا علم الاناک ہی میرا اصل سرمایہ ہے لیکن میں سلطان کا تحفہ اس لیے قبول کرتا ہوں کہ کہیں ان کے دل میں میری ناراضی کا احتمال نہ بیٹھے۔“

جب خلیفہ معتضد نے تختِ خلافت پر بیٹھے ہی اہل نجوم کی پیش گوئیوں پر پابندی لگا دی تھی اور جعفر کو بعد اچھوڑنا پڑا تھا۔ اُس وقت بھی اُس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور وہ جیسا خانوں سے یہ کہہ کر رخصت ہوا تھا کہ اب کبھی بغداد میں نہیں آئے گا لیکن دس سال کے بعد وہ بغداد کی طرف واپس جا رہا تھا تو اُس کی آنکھیں پھر بھیگتی ہوئی تھیں۔ اچانک ابن حرب کے ذہن سے ایک نیا خیال گزرنے لگا۔ اُس نے اپنے دوست کا ہاتھ تھام لیا اور کہا۔

”جعفر! تم بغداد واپس جا رہے اور کہتے ہو کہ وہی تمہاری آخری منزل ہے لیکن تم وہاں کوئی پیش گوئی نہیں کر سکتے، یہ خلیفہ معتضد کسی نجومی کا بغداد میں داخلہ پسند کرتا ہے پھر اپنی منزل پر کیسے پہنچو گے؟“

”جس طرح ہر منزل کا ایک راستہ ہوتا ہے، اسی طرح ہر راستے کی ایک منزل ہوتی ہے اور میری منزل بغداد ہے، جہاں اہل نجوم پر پابندی عائد ہے لیکن.....“

اس ”لیکن“ کے ساتھ ہی جعفر نے ابن حرب کا ہاتھ دبا دیا اور کہا۔ ”وہ شخص جس نے اہل نجوم پر پابندی عائد کی تھی اب مجھے بغداد سے نکلتا پڑا تھا، اپنی قبر میں اُترنے والا ہے۔“ ابن حرب کے ساتھ شہزادی نجم اور دوسرے سب لوگوں نے بھی جعفر کو حیرت اور تعجب کی نظروں سے دیکھا اور وہ بتائے لگا۔ ”خلیفہ معتضد دنیا سے اپنا حصہ وصول کر چکا اور اس کی زندگی کا سفر ختم ہو گیا ہے۔ صرف چند قدم کی مسافت باقی ہے اور دمشق سے بغداد کی مسافت بھی چند روز کی ہے۔ اگر میرا حساب غلط نہیں تو جس روز میں بغداد پہنچوں گا معتضد ابوباس کی روح منبرِ خالی کر چکی ہوگی اور جیسا کہ خانوں کا بیٹا ابو محمد علی تختِ خلافت پر بیٹھنے کی تیاریاں کر رہا ہوگا۔ نئے خلیفہ کے مسندِ اقتدار پر بیٹھنے سے پہلے میرا بغداد میں موجود ہونا ضروری ہے۔“

یہ انکشاف ہارون بن خازم پر ”چلنے والے تیر“ سے بھی زیادہ حیرت انگیز اور سنسنی خیز ثابت ہوا۔ وہ بڑے سرازیر اگرچہ تھے سال کے اندر سر ہونے والا تھا تو خلیفہ معتضد ابوباس کی زندگی کے صرف چند روز باقی تھے اور جعفر نجومی جس نے گنتی، شمار، جمع، تفریق، تقسیم کے حساب میں کبھی غلطی نہیں کی تھی اور ریاضی میں ماہر تھا، بغداد میں اپنے داخلے اور خلیفہ کی موت کو

ہندسہ، علم عدد، نجوم، موسیقی، مناظرہ، جہدِ مقابلہ، جہدِ تقییل وغیرہ سب ریاضی میں داخل ہیں یعنی وہ عقلی علوم جو خداجی وجود میں مادے کے خداج ہیں (قرآن مجید)

الزام و ملزوم قرار دے رہا تھا۔ اگر یا بنی طرون پر نازل ہونے والی تباہی سے قبل عباسی حکمران خود دنیا سے رخصت ہونے والا تھا۔

سب لوگ حیرت زدہ تھے (جیسے اُن پر کسی نے سحر کر دیا ہو) جعفر کی طرف دیکھ رہے تھے کہ شاید کچھ اور بھی کہے۔ لیکن وہ معتضد کی موت کو اپنے سفرِ بغداد کی شرط یا قاعدہ قرار دے کر خاموش ہو گیا تھا۔

وعزہ کے اُس اعوجہ غار کے باہر مشرق کے پہاڑوں، میدانوں، دیوڑوں اور صحراؤں پر چمکنے والا سورج مغرب کی جانب اُس افق کی طرف بڑھ رہا تھا، جہاں خیالی طور پر زمین اور آسمان ملتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ حالاں کہ اُن کے درمیان ان گنت فاصلے حامل ہیں جو اصل کبھی ملنے نہیں دیتے۔ وعزہ کی پہاڑیوں سے پرے الغوطہ کے باغات میں پرندوں کی چہک سنائی دے رہی تھی۔ اُس وقت القطار کے داروغہ محلات نے اچانک شہزادی نجم اور ابن حرب سے واپسی کی اجازت طلب کی۔

شہزادی نے اُسے ساتھیوں سمیت اپنے پڑاؤ میں قیام کرتے اور رات گزارنے کے لیے کہا لیکن وہ اُسی وقت مصر کی جانب لوٹ جانا چاہتا تھا۔ تاکہ جلد از جلد واپس جا کر ہارون بن خازم کو معاملے کی صورت سے آگاہ کر سکے۔ البتہ جعفر نجومی کو اُس رات وہیں قیام کرنا تھا۔ داروغہ نے زر و مال اور سوغاتوں سے لدے ہوئے تین اونٹ جعفر کے حوالے کیے اور اپنے دونوں ساتھیوں سمیت تیز رفتار سارھٹنیوں پر چل حرمون کی طرف ہویا۔



وعزہ کے غار میں جعفر نجومی۔ ابن حرب اور شہزادی نجم کا مکان تھا۔ مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کے متعلق اگرچہ اس نے از مئے نجوم بہت کچھ بیان کر دیا تھا۔ پھر بھی رات کے کھانے سے فارغ ہو کر شہزادی نجم نے اس سے اپنے اور جماعت کے بارے میں کچھ مزید بات چیت کی اور پوچھا۔

”جعفر! تم نے کہا ہے جس جماعت کا علم ہم نے اٹھایا ہے وہ عن قریب برابر ہوگی لیکن اپنے دوسرے دور میں ایک وسیع علاقے پر حکومت قائم کرے گی کیا جماعت کی اُس جنگ اور کامیابی میں ہمارا بھی کوئی حصہ ہوگا؟“

سوگوار لغڑداد

دوسرے دن طلوع شمس سے قبل ہی جعفر کوئی اپنے گھر پر سوار ہوا اور تینوں اونٹ
لے کر ابن پرطلیٰ دینار اور دوسرے قتیبی تخائف لہے گئے۔ عراق کی طرف جانے والی تاریخی
شاہراہ پر پہنچا۔ اُسے دمشق سے سیدھے زحلہ جانا پھر حص کا رخ کرنا تھا۔ دمشق چوں کہ خاص
ہے تھا اور جعفر کے پاس قتیبی تخائف کے علاوہ دولاکھ قیمتی دینار بھی تھے چنانچہ ابن حرب نے
عبداللہ کی سرکردگی میں چند سوار اس کے ساتھ کر دیے تھے تاکہ وہ اُسے اپنی حفاظت میں دمشق
سے نکال دیں بلکہ عراق کی سرحد تک چھوڑ آئیں۔

ابن حبان نے عبداللہ کو یہ تاکید بھی کر دی تھی کہ اس وقت تک جعفر کا ساتھ نہ چھوڑے جب تک وہ خود اُسے اجازت نہ دے۔ جعفر بخوی کے لیے یہ سفر بڑا اہم اور حسنی خیر تھا اس کا ہمراہ اس کا قلم معروف شاہراہ پر چلتا اور راستے میں پڑاؤ ڈالتا شام سے کھل کر آخر عراق میں غل اور کیا لیکن عبداللہ کو اس نے سرحد عراق سے واپس نہیں کیا آگے راستہ اجاڑ اور ویران علاقے سے گزرتا تھا جس پر ایک بڑی رقم اور قیمتی تحائف سمیت کسی تنہا آدمی کا سفر کہ ناخطر سے بے غالی نہ تھا۔

عراق میں داخل ہوتے ہی اس کا اضطراب بڑھ گیا۔ وہ خلیفہ معتضد کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے بعض صحابی قہاگر رہتے ہیں اُسے کوئی خیر نہ مل سکی۔ عراق میں سفر کرتے تیسرا یوم تھا جب قافلے نے ایک بستی کی سرانچ میں قیام کیا اور سرائے کے مالک سے خلیفہ کے بارے میں

اس نے بتایا۔ ”خود برباد ہونے سے پہلے جماعت کی شہریں اور قلعوں کو برباد کر دے گی اور بہت خون ریزی ہوگی، اُس کا ظہور ثانی بھی قتل و خون ریزی سے ہو گا۔ آپ تو اس وقت بھی محاذ جنگ پر ہیں۔ جنگ میں خون بہتا ہے اور موت کسی تلوار کی دھار، کسی نیزے کی اٹی، کسی تیر کے پھل میں چھپ کر بچ جاتی اور ناگہان زندگی کا درشتہ منقطع کر دیتی ہے۔ اسی کا نام جنگ ہے۔“

یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا اور اپنے جواب پر اسرار کی ایک چٹین گرا دی۔ اسی حربہ سے قاصر تھا اس نے قتل و خونریزی اور جنگ کے درمیان جماعت کے پروان چڑھنے کی بشارت دی ہے یا شہزادی کو کسی تلوار کی دھار کسی نیزے کی آبی، کسی تبر کے پھل میں چھپ کر ہلٹی ہوئی موت سے آگاہ کیا ہے۔ شہزادی خیم بھی اس کے مبہم جواب پر حیران رہ گئی لیکن اپنے لبس پر جانے سے پہلے اس نے دونوں کو چونکا دیا اور بتایا: "دشمن کا محاصرہ ایک خطرناک صورت اختیار کرنے والا ہے جب میں فسطاط سے نکلنا تھا، اطرونی فوج طلح بن جف کی مدد کے لیے قلعے سے روانہ ہونے کی تیاری کر رہی تھی، محمد بن سلیمان کی عطا حدگی کے بعد اب پہلی حالت ختم ہو چکی اور فوج قرمطی عقیقہ پرستوں کے خلاف لڑنے پر تیار ہے۔ وہ چند روز میں یہاں پہنچ جائیگی۔"

شہزادی نجم کا جواب بھی حیرت انگیز تھا۔ ”مہم طبع بن جف کو جو سبق دینا چاہئے تھے، وہ دے چکے ہیں اور بہت جلد صحرائی طرف لوٹ جائیں گے لیکن ہماری منزل کا راستہ شام سے نکلتا ہے اور ہم دوبارہ یہاں آئیں گے۔“

پھر اُن کے درمیان مستقبل کے بارے میں کوئی بات چیت نہیں ہوئی۔



KHAN BOOKS
& LIBRARY
 5-527, BHABRA BAZAR, RAWALPINDI
 Cell: 0345-5048634 • 0345-5048553
Prey, Aft Khan

پائی خبر سنی، اس نے بتایا کہ ”ربیع الثانی کے آغاز میں امیر المومنین پر مرض کا ایسا حملہ ہوا کہ بہتر سے جا لگے۔ لوگوں کو تشویش لاحق ہوئی، شاید وہ اس مرض سے جانبر نہیں ہو سکیں گے۔ لیکن حکماء و اطباء کے علاج سے اُن کی حالت کسبھلی اور اب وہ تندرست و صحت یاب ہو رہے ہیں۔“

یہ اطلاع سن کر جعفر بن محمد نے غصے میں پڑ گئی۔ ستاروں کی چال کے مطابق معتقد کا بیمار سے صحت یاب ہونا ممکن نہ تھا مگر سرائے کا مالک اس کی صحت یابی کا مزہ و مسنا رہا تھا۔ جعفر نے لگا بندا کا سفر ملتوی کر دے یا آگے بڑھے؟ عبد اللہ نے مشورہ دیا۔ ”آگے بڑھو۔“

سفر پھر شروع ہو گیا۔ عراق میں سفر کے ساتویں یوم ۲۰ ربیع الثانی کو اُس نے ایسی جگہ پر قیام کیا، جہاں سے بغداد صرف ایک یوم کی مسافت پر تھا۔ وہی سرائے صاف ستھری تھی۔ جعفر نے بانوں بانوں میں سرائے دار سے امیر المومنین کی صحت کے بارے میں پوچھا تو اُس نے بتایا ”میں ابھی کل ہی تو بغداد سے کچھ فاصلہ دوری سامان خرید کر واپس آیا ہوں۔ وہاں لوگ اُن کی صحت یابی پر خوشیاں منا رہے ہیں اور اب معتز نے امیر المومنین کے غسلِ صحت پر اشعار بھی لکھے ہیں۔ پھر وہ ابن مغز کے اشعار پڑھنے لگا۔

طَارَ فَلْنَبِيٍّ بِجَنَاحِ الْوَحْشِ

میرادلِ علم کے پڑ لگا کر اڑ گیا تھا

جزعاً مِنْ حَادِثَاتِ الْخَطُوبِ

زمانے کو پیش آنے والے حوادث کے ڈر سے

وَحَذَرًا أَنْ يُشَاكَّ بِسُوءِ

اور اس خوف سے کہ کسی نقصان پہنچ جائے

أَسَدًا لِمَلِكٍ وَسَيْفًا لِحُرُوبِ

ملک کے شیر اور جنگوں کی تلوار کو

ان اشعار میں ابن مغز نے خلیفہ معتقد کو ”سیف المروبی“ (جنگوں کی تلوار) قرار دیا تھا جو لوہے سے بنی گئی۔ جعفر بن محمد کی پریشانی کچھ اور بڑھ گئی۔ اب بغداد کا سفر اندیشوں اور خطروں کا سفر تھا۔ خلیفہ معتقد فلسفہ اور اہل نجوم کے سخت خلاف تھا۔ اس کے علمِ خلافت میں بخوبی بغداد تو کیا عراق سے بھی دوسرے ملکوں کی طرف کوچ کر گئے تھے۔ ان حالات میں جعفر کا بغداد میں داخلہ تشویش تک تھا۔ اُس نے عبد اللہ اور اس کے سوا اہل کو بھی اس لیے مخلصت نہیں کیا تھا کہ بنائے کس

مقام سے اُسے مصر و شام کی طرف واپسی کا سفر اختیار کرنا پڑے۔

علمِ نجوم خلیفہ معتقد کی شدید علامت اور رمت کی خبر دے رہا تھا۔ جعفر نے اس کا زائچہ نکالنے اور دیکھنے میں کوئی غلطی نہیں کی تھی۔ رات کو اُس نے سرائے کے کمرے میں پھر آیا۔ پھر کھولا اور دیکھنے لگا کہ شاید کہیں حساب میں لغزش نہ ہو گئی ہو۔ لیکن کہیں بھی بھول چک نہیں ہوئی تھی۔ سخت حیران تھا کہ گردشِ افلاک خلیفہ کی زندگی پر خطِ نسخ کھینچ رہی ہے لیکن بغداد میں اس کا جشنِ صحت منایا جا رہا ہے اور شاعر اس کی صحت یابی پر قصیدے لکھ رہے ہیں و آخر یہ معاملہ کیا ہے کہیں اس عمر میں غلطات کا علم اُسے دھوکا تو نہیں دے رہا؟

اُس نے اپنا غلکاتی بچہ بند کیا اور فریے (پانسے) سے شگون لینے لگا کہ بغداد کی طرف سفر جاری رکھے یا وہیں سے لوٹ جائے۔ پانسا پھینکا تو چھ کا عدد آیا جس کا مطلب یہ تھا کہ اُسے بغداد کا سفر جاری رکھنا چاہیے۔ شمس و زہر کے عالم میں پھر پانسا پھینکا اور پھر چھ کی شکل آئی۔ تیسری بار پانسا پھینکا تو تیسری مرتبہ بھی چھ کی صورت نکلی اور پانسے میں یہ صورت کامیابی کی علامت سمجھی جاتی ہے۔

اُس نے بغداد میں داخل ہونے کا قطعی فیصلہ کر لیا اور یہ بھی سوچ لیا کہ اب چون کہ عبد اللہ بغداد تک پہنچ ہی گیا ہے لہذا اُسے بھی ساتھ ہی رکھے گا اور ایک دو روز کے بعد رخصت کر دے گا۔ ۲۱ ربیع الثانی کا دن اُس نے وہی سرائے ہی میں گزارا اور ۲۲ ربیع الثانی کو علی الصبح بغداد کی طرف کوچ کیا۔ عبد اللہ اس خیال سے کہ وہ اس عروسِ الباء کو ایک بار پھر دیکھتا چلے جہاں اس کی زندگی کا طویل زمانہ گزارا تھا، جعفر کے ساتھ ہوا کیوں کہ اس سفر میں اُسی کے حکم کا پابند تھا۔

سلاطین سفر جاری رہا شام کے چھٹے میں جعفر بن محمد بابِ شامیہ میں داخل ہوا تو گھر سے اُسے آنکر بے اختیار اُس نے اپنا سر خاکِ بغداد پر رکھ دیا اور ارضِ بغداد کو بوسہ دیا۔ دس برس پہلے وہ اسی دروازے پر سرِ راہ بیٹھتا اور چند دھم کے عوض لوگوں کو ان کی قسمت کا حال سنایا کرتا تھا۔ پھر سے اُسے اٹھ کر اس نے بھیگی نظروں سے شہر کا ایک منظر دیکھا۔

وہاں کوئی ہنگامہ نہیں تھا۔ ایک خاموشی اور اسی تھی۔ شاید اس لیے کہ شام ہو گئی تھی اور شام کے وقت ہر شہر کا منظر بدل جاتا ہے۔ وہ لوگوں کے اداس چہرے دیکھتا چپ چاپ علمِ کونج کی طرف ہولیا۔ جہاں ایک چھوٹا سا مکان چھوڑ گیا تھا۔ اپنے محلے کی طرف جاتے ہوئے اُس کا دل بھرا آیا اور اُس کے منہ سے آنسو بہنے لگے، بغداد ویسا ہی تھا جیسا وہ چھوڑ گیا تھا۔ وہاں اُس کا کوئی نہیں تھا۔ نہ کوئی بیوی، نہ کوئی بچہ۔ بیوی و صاحبِ محل کے وقت جوانی میں فوت ہو گئی تھی اور بچہ بھی

آنکھ کھل گئی۔ انھوں نے طبیب کو اس زور کی لائے۔ رسید کی کہ بے چارہ تڑپ کر فرش پر گرگا اور بگڑتے ہی جاں بحق ہو گیا۔ چند ہی لمحوں بعد ابو عباس پر بھی سکرات کی کیفیت طاری ہو گئی اور وہ اپنے ہی اشعار پڑھتے ہوئے اس دامنِ فانی سے رحلت کر گئے۔

جعفر نے "إِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا اِلَیْہِہٖ رَاجِعُونَ" پڑھا اور ایک طرف نکلا۔ قافلہ اس کے پیچھے پیچھے آگے بڑھا۔ خلیفہ معتضد ابو عباس کی موت کے ساتھ اس کی ایک اور پیش گوئی پوری ہو گئی تھی۔ ۲۲ دھ ریح الثانی ۲۸۹ھ کو اس روز بغداد میں داخل ہوا تھا جب معتضد کی روح اس کا پیجرہ خلیہ گئی تھی۔ اب وہ شام بغداد کی خاموشی اور لوگوں کی اداسی کا مطلب بھی سمجھ گیا تھا۔ وہ بہجت محلہ کرخ میں پہنچا، اپنے گھر کا دروازہ کھولا، جو دس سال سے بند پڑا تھا اور اندر داخل ہوا اچھا گرد و غبار کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ سواریاں اور سامان صحن میں منتقل ہو جانے کے بعد اس نے جلد جلد لباس تبدیل کیا اور عبداللہ کو کچھ سمجھا کر باہر نکلا اس اٹھارہ لوگوں کو پتا چل گیا تھا کہ جعفر نجومی دس سال کے بعد بغداد میں لوٹ آیا ہے۔ محلے کے کچھ لوگ ملنے آئے لیکن وہ محلہ کرخ سے شاہی محلات کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔

بغداد کی وہ رات تاریک تھی کیوں کہ آخری راتوں کا چاند کہیں دھندلا میں بھٹک رہا تھا اور اندھیرے نے عظیم بغداد کو اپنے خلاف میں لپیٹ لیا تھا۔ دو منزلہ، سہ منزلہ عمارتوں کے اندر چلنے والی شمعوں کی روشنی بھی آج باہر نہیں جھانک رہی تھی۔ وجہ کے کن سے شاہی محلات ابوالزین اور قسروں میں بھی روشنی دکھائی نہ دیتی تھی۔ شاید اس لیے کہ درپے اور دروازے بند تھے باہر خلیفہ معتضد کے سوگ میں تہلیل اور شمعیں گل کر دی گئی تھیں۔

بغداد کی رات کا لے اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس اندھیرے میں جعفر نجومی شاہی محل کی طرف بڑھ رہا تھا اور جب وہاں پہنچا تو لوگوں کا ایک جم غفیر وہاں موجود تھا۔ شاہی محل کے وسیع صحن میں چند شمعیں روشن تھیں اور کدوں میں بھی مدھم سا اجالا ہو رہا تھا جعفر بغداد کے لوگوں کے لیے اجنبی نہیں تھا عوام سے لے کر خواص بلکہ وزیر اور مشیر تک اس سے جانتے تھے لوگوں کے درمیان سے گزرتا وہ ابوالحسن قاسم بن عبداللہ کی طرف بڑھا جو وزیر سلطنت ابو الفاسم بن عبید اللہ کے ہمراہ غلام گردش کے ایک ستون کے پاس کھڑا تھا۔

چل بس تھا۔ وہ تنہا تھا اور اس کے سارے رشتے ناتے صرف بغداد کے ساتھ بندھے ہوئے تھے جس کے ذرتے سے اسے محبت تھی اور وہ محبت اب آنسوؤں میں ڈھل گئی تھی۔ اسے اس بات کی کوئی پروا نہیں تھی کہ وہ بغداد میں گرفتار کر لیا جائے گا یا اس سے بھی بڑا کوئی حادثہ پیش آئے گا۔ بس وہ اپنے وطن مالوف میں واپس آ گیا تھا۔ اس کی مٹی پر سر رکھ کر اسے بوسہ دے چکا تھا اور بغداد کی محبت میں اس کا دل لیں پھیل رہا تھا جیسے کٹھالی میں سونا پگھلتا ہے۔

شاہ کا اندھیرا گہرا ہو گیا اور اس کی کیفیت میں وہ محلہ کرخ کی طرف بڑھ رہا تھا کہ اچانک ایک جگہ لوگوں کا ہجوم دیکھ کر قدم خود بخود رک گئے اور اس کے ساتھ ہی مختصر سا قافلہ بھی رک گیا۔ ہجوم میں کوئی شخص خلیفہ معتضد کے اشعار پڑھ رہا تھا۔

فَلَمَّا بَلَغْتَ النِّجْمَ عَنَّا وَرَفَعْتَ

جَبْہِیْ نَارَ عِزِّ وَرَفَعْتَ دُرِّیْنَ اَحْمَدَ یَیْچَیْ

وَدَانَتْ رِیَّابُ الْخَلْقِ اَجْمَعُ لِي رَقَا

اَوْ رَقَا خَلَقْتَ لِي رَدْمِیْ مِیْرَی غَلَامَ بَنَیْ

رَحْمٰنِی الرَّحْمٰنِ سَهْمًا فَاحْمَدُ جَمْرَتِیْ

تُو مَوْتِ نَعْمَ تِیْرَ مَارَا اَوْ مِیْرَی اَلْکُزْبَحَا دِیَا

فَہَا اَنَا ذِیْ حُفُوْیْ عَا جِلَامَ مَلَقَا

اَبْ مِیْ ہَسْتِ جِلْدَا پِنے گڑھے میں جا لیٹا گا

شعر پڑھنے والے کی زبانی پتا چلا کہ خلیفہ معتضد دنیا سے رخصت ہو گیا ہے اور مرنے سے قبل اپنے وہی اشعار اس کی زبان پر تھے، جنھیں وہ شخص لوگوں کے سامنے دہرا رہا تھا جعفر نے آگے بڑھ کر کہا "امیر المؤمنین کی موت حوادثِ زمانہ میں سے ایک بڑا حادثہ ہے لیکن میں نے تو سنا تھا کہ وہ صحت یاب ہو گئے ہیں۔"

اس شخص نے بتایا "صحت یابی کے بعد ان کی بیماری اچانک دوبارہ عود کر آئی اور وہ بے ہوش ہو گئے۔ فرما شاہی طبیب کو طلب کیا گیا۔ اس نے اگر نبض دیکھی تو نالکام امیر المؤمنین کی

طاہریہ کے قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

خلیفہ معتضد باللہ احمد ابوعباس کا افسانہ ختم ہوا اور وہ اپنی قبر میں اتر گیا۔ اُس نے تین حرمیں، چار روضے اور گیارہ لڑکیاں پیچھے چھوڑیں۔ اس کی تدفین کے ساتھ ہی عباسیہ کا ایک عہد ختم ہو گیا۔ بعض علمائے تاریخ بنو عباس میں سے صرف تین خلفاء کو شمار کرتے ہیں۔ ۱۔ ابوعباس سفاح جس نے خلافت عباسیہ کا آغاز کیا اور جسے ”فاتحہ“ (ویساچہ) کہا جاتا ہے۔

۲۔ ابوعباس مأمون واسطی، یعنی درمیانی خلیفہ کہلاتا ہے جس کے عہد میں عباسی خلافت عروج پر تھی۔

۳۔ ابوعباس معتضد کو ”خاتمہ“ قرار دیا جاتا ہے جس کے بعد عباسیوں کی شان و شوکت خاتی رہی اور وہ صرف تاج کے خلیفہ رہ گئے۔

ان تینوں خلفاء کی گنتی بھی ”ابو عباس“ یعنی جنہیں فاتحہ، واسطی اور خاتمہ کے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔

معتضد کی وفات پر تین عروں نے مرثیے کہے اور محفلوں میں پڑھے۔ بغداد غم و اندوہ کی فضا میں ڈوب گیا اور سوگوار تھا۔ ابوالحسن قاسم بن عبد اللہ (جو بعد ازاں خلیفہ مکتفی باللہ کا وزیر سلطنت مقرر ہوا) اُس کی طرف سے لوگوں کی بیعت لیتا رہا۔ جو گروہ درگروہ آتے اور بیعت کرتے رہے۔

ابن حرب کے غلام عبد اللہ نے اس اثنا میں اپنی ماکن کی خبر کا پنا کر کے جو قبرستان طابکہ میں دفن کی گئی تھی، اُس پر فاتحہ پڑھی اور خیر ران کے محلے میں وہ حویلی بھی دیکھ لی تھی، جہاں وہ ابن حرب کے ساتھ کئی سال مقیم رہا تھا۔ اب اُسے جلد از جلد اپنے ملک کے پاس پہنچا اور اُسے آگاہ کرنا تھا کہ خلیفہ معتضد جس کے باعث وہ بغداد سے فرار ہوا تھا۔ اپنے گروہ میں اتر گیا ہے۔ اُسی روز وہ ساتھیوں سمیت واپسی کے لیے تیار ہو گیا اور صفر بخوی کا شکر گزار تھا جس

۱۔ معتضد کے تین لڑکے علی الترتیب تحت خلافت پر بیٹھے۔ (۱) ابو محمد علی المکتفی باللہ۔ (والدہ جبیک خاتون) (۲) ابو الفضل جعفر المقتدر باللہ (والدہ شہب خاتون) (۳) ابو منصور محمد القاهر باللہ (والدہ فتنہ بانو) (بحوالہ تاریخ الخلفاء)

جو فقیہوں نے جعفر بخوی کو دیکھا، حیرت زدہ رہ گئے۔ اُس کی آمد حیران کر دینے والی تھی وہ جانتے تھے، اُسے دربار مصر میں شاہی منجم کا اعزاز حاصل ہے مگر بغداد میں وہ کسی جادو کے پتیلے کی طرح ناگہاں ظاہر ہوا تھا جعفر نے اُن کی حیرت کو بھانپ لیا اور ولی عہد کے منہ سے کہنے لگا: ”ابوالحسن! میں بغداد پہنچنے کا قصد پھر کبھی سناؤں گا۔ اس وقت میرا دل امیر المومنین کے حادثہ مرگ سے نہ حال ہے۔ اور میں سب سے پہلے اُن کا چہرہ مبارک دیکھنا چاہتا ہوں۔“ ابوالحسن قاسم جعفر کو لے کر اُس کمرے میں آیا، جہاں معتضد ابوعباس کی میت رکھی تھی اور گرد بیٹھے حفاظ قرآن پڑھ رہے تھے۔ ابوالحسن میت کے قریب آیا، چہرے سے کپڑا اٹھایا تو جعفر بخوی نے اُس شخص کا آخری دیدار کیا، جو کل تک ”جنگلوں کی تلوار“ اور ”سفاح ثانی“ (دوسرا خون ریز) کہلاتا تھا مگر اب وہ صرف بے روح کا ایک جسم تھا، جسے دوسروں نے اپنے کندھوں پر اٹھا کر قبر تک لے جانا تھا۔

جعفر رز کے پیچھے بٹاؤ ابوالحسن نے میت کا چہرہ پھر ڈھانپ دیا۔ اُسی کمرے میں برے کے پاس جبیک خاتون کی ایک ترک کینز بھی موجود تھی جو جعفر بخوی کو بغداد میں دیکھ کر دنگ رہ گئی جعفر نے بھی اُسے دیکھ لیا اور قریب چلا گیا۔ پھر کینز سے فرمائش کی کہ وہ جبیک خاتون کو اس کا سلام پہنچا دے، اُس کی طرف سے تعزیت کرے اور ملاقات کی درخواست کرے۔ کینز اُسے وہیں چھوڑ کر پر دے کے پیچھے غائب ہو گئی اور چند لمحوں کے بعد پھر نمودار ہوئی تو جواب لے کر آئی کہ خاتمہ نے جعفر کا سلام قبول کیا ہے اس کے اچانک بغداد لوٹ آنے پر بہت حیران ہے۔ ملاقات کل شام کے وقت ہو سکتی ہے۔

جعفر جس مقصد کے لیے بغداد آیا تھا، اُس کا آغاز ہو گیا تھا۔ وہ محل سے نکل کر پھر کترج محل کی طرف ہوا تو بغداد کی رات اُس سے سرگوشیاں کر رہی تھی۔



۲۲ ربیع الثانی کو جب معتضد ابوعباس فوت ہوا، ولی عبد ابو محمد علی بغداد سے دور رقہ میں تھا۔ ابوالحسن قاسم بن عبد اللہ نے اُس کی طرف قاصد دوڑایا اور دوسرے روز سے خلیفہ ابو محمد علی کی طرف سے جس کا لقب ”مکتفی باللہ“ تجویز ہوا تھا، لوگوں کی بیعت لی۔ بیعت کرنے والوں میں جعفر بخوی سب سے آگے تھا پھر اُسی روز خلیفہ معتضد باللہ ابوعباس احمد بن موفی کو

"جنک اللہ" (خدا آپ کو اچھا اجر دے)

"سنہ ہے تم اُس وقت بغداد میں داخل ہوئے جب ابولباس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے؟

جعفر کی آواز ابھی تک اُفسردہ تھی۔ "خاتم! میں جانتا تھا اُن کا ستارہ غروب ہونے والا ہے۔ اسی لیے بغداد کی طرف بیٹا اور تیز سفر کیا تاکہ اُن سے مل سکوں مگر یہاں پہنچتے ہی جو پہلی خبر سنی، وہ اُن کے انتقال کی تھی۔ یہ کیسا دل گداز واقعہ ہے کہ ملاقات کرنے کی بجائے ملنے پر اُن کا چہرہ دیکھ سکا۔"

"تقدیر کو یہی منظور تھا جعفر! جبکہ خاتون نے گفتگو کا رخ بدل دیا۔ "جب تم بغداد چھوڑ کر چلے گئے تھے، مجھے بڑا دکھ ہوا تھا۔ یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ قسمت تمہیں کس طرف لے گئی ہے، پھر ایک دن اچانک پتا چلا کہ مصر کے شاہی منجم بن گئے ہو۔ واقعی تم اس اعزاز کے مستحق تھے۔" بے شک یہ اعزاز مجھے خار دیہ ابو عبیدہ نے دیا جسے دربار خلافت نے بھی "سلطان مصر" شام" تسلیم کر لیا تھا لیکن اب میں مصر کو چھوڑ آیا ہوں۔"

"کیا ہمیشہ کے لیے؟

"جی! پھر اُس نے بغداد سے اپنی والدہ ماجدہ کی محبت کا اظہار کیا اور بتایا: "مصر تو کیا میں بغداد کے لیے پوری دنیا کو چھوڑ سکتا ہوں۔ اگر امیر المومنین نے اہل نجوم پر پابندی نہ لگائی ہوتی تو میں یہاں سے کبھی نہ نکلتا لیکن دس برس کے بعد اس شہر کی کشش مجھے پھر پھینک لائی ہے اور میں اپنا شاہی اعزاز چھوڑ کر واپس آ گیا ہوں۔ اب مجھے یہیں جینا اور یہیں مرنے ہے۔"

جبکہ خاتون کے الفاظ حوصلہ افزا تھے۔ "جعفر! اب اہل نجوم کے لیے یہاں کوئی پابندی نہیں ہوگی۔ ابو محمد علی نجوم و کواکب سے دل چسپی رکھتا ہے اور تم یہاں پیش گوئیاں کر سکو گے۔"

جعفر کی آواز پھر بھر گئی۔ "خاتم! اب میں بغداد میں پیش گوئیاں کرنے نہیں، اس کی بجائے میں دفن ہونے آیا ہوں۔"

اُس کے آنسو پھر جاری ہو گئے۔ جبکہ خاتون نے سوچا۔ شاید اب وہ اپنے لیے رو رہا ہے اور اُن ایام کی تلخ یادیں جو اُس نے بغداد کی جدائی میں گزارے تھے۔ آنسو بن کر آمدنی ہوئے۔ وہ جانتی تھی کہ بغداد اُس کے خون میں رچا بسا ہے۔ تسلی اور دل جوئی کے لیے یہی کہنے لگی۔

کی حفاظت و پاسبانی کے طفیل اُسے بغداد کی زیارت نصیب ہوئی۔ اُس کا اور اُس کے مالک ابن حرب کا ماضی اسی عرصہ البلاد میں گزر ا تھا۔ عبد اللہ نے اپنی صوابدید پر خیر و ران کی حویلی جعفر بخوی کی تحویل میں دے دی جو اُس نے بخوشی قبول کر لی۔ یہ فسطاط میں چھوڑی ہوئی حویلی کا صلہ تھا جو اُسے بغداد میں مل گیا کیوں کہ عبد اللہ نے اُس حویلی کی قیمت لینے سے انکار کر دیا اور کہا تھا کہ اُس نے دس برس پہلے ہر وقت پیش گوئی کر کے اُس کے مالک کی جان بچائی اور بغداد سے نکل جانے کا مشورہ دیا تھا۔ اب وہی اس حویلی کا حق دار ہے۔ جعفر نے بھی عبد اللہ اور اس کے ساتھیوں کو انعام و اکرام کے ساتھ رخصت کیا۔ عبد اللہ انعام لینے پر تیار نہیں تھا لیکن جعفر نے کہا تھا کہ اب وہ ایک امیر آدمی اور بڑی دولت کا مالک ہے۔ یہ دولت اُسی کی حفاظت میں بغداد اُسی ہے۔ ورنہ کوئی ٹھیکہ دار سے ہی میں لوٹ لیتا۔ دولت پر اُس کا کچھ حق ہے عبد اللہ اور اُس کے ساتھی بغداد کی بہت سی سوغاتیں بھی لے گئے تھے۔



۲۳ ربیع الثانی ۲۸۹ھ کی شام کو جعفر بخوی ایک بار پھر قصر الرصافہ کے دروازے پر کھڑا تھا۔ دس برس پہلے جب وہ بغداد چھوڑنے وقت جبکہ خاتون سے ملنے آیا تو قصر کا دروازہ حرب الکندی اُس کی ملاقات کا ذریعہ بنا تھا اور فلسطینی کنیز دمنہ بھی وہاں موجود تھی مگر دس برس کے بعد وہ بغداد میں واپس آیا تو الرصافہ کی ایک ترک کنیز اُس کی پیغام رسانی کا ذریعہ بنی تھی اور وہی قصر کے دروازے سے اُسے کمرہ ملاقات میں لے گئی۔

غلم زدہ جبکہ حالی دار پردے کے پیچھے ایک محراب میں مسند پر بیٹھی تھی جعفر بخوی کو پرانی ملاقات کا منظر یاد آ گیا۔ محراب کے قریب آتے ہی بڑے ادب سے کمر تک جھکا، بھرائی ہوئی آوازیں سلام کیا اور سر اٹھایا تو آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔ جبکہ خاتون جو خود صدمے سے دیوار تھی۔ اُس کی بھرائی ہوئی آواز سن کر کچھ گئی تھی کہ دل گرفتہ ہے۔ گھو گیس۔ لیجے میں بولی۔

"جعفر! امیر المومنین کی رحلت ایک بہت بڑا سانحہ ہے جس نے مجھے نہ حال کر دیا۔ اہل بغداد ماتم کٹاں ہیں۔ بغداد پر غم کے اندھیرے چھا گئے ہیں پھر یہی میں تمہاری واپسی پر خوش آمدید کہتی ہوں۔"

ہتا سکتے ہو۔

پھر وہ ایک لمحہ ٹوک کر کہنے لگی: "مکتفی بالحد چند روز میں بغداد پہنچ جائے گا۔ اس اثنا میں تم اس کا زائچہ تیار کرو۔ اُسے دونوں میں جھانکو اور جو کچھ مستقبل میں پیش آنے والا ہے، اس کا حساب لگاؤ۔ میں مکتفی سے سفارش کروں گی کہ تمہیں کوئی اعزاز دے دے۔"

جعفر نجومی نے دونوں ہاتھ بلند کر دیے، جیسے اُس کی فرمائش پر احتجاج کر رہا ہو۔ پھر مضطرب لہجے میں کہا: "آپ مجھے مستقبل میں جھانکنے اور کوئی پیش گوئی کرنے پر مجبور نہ کریں۔" کیوں؟ جیجک خاتون سراپا سوال بن گئی۔ "تم نجوم کا گہرا علم رکھتے ہو اور اُن کی گردش کا صحیح حساب لگانے ہو۔ تمہاری ہر پیش گوئی سچی ہوتی ہے۔"

"مگر سچی بات سننے والے لوگ تھوڑے ہوتے ہیں۔"

"میں جانتی ہوں حکمرانوں کی زندگی میں بڑے نشیب و فراز آتے ہیں۔ کامیابیاں اور ناکامیاں اُن کے ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ اگر تم مکتفی کی کامیابیوں کے ساتھ ساتھ اُس کی ناکامیوں کا حال بھی بیان کرو گے تو میں شوق سے سنوں گی اور تم پر کوئی الزام نہیں ہوگا۔"

جیجک خاتون نے اپنی بات اس فقرے پر ختم کی: "اپنے بیٹے کے عہد خلافت میں پیش آنے والے واقعات کے علاوہ مجھے بنو عباس کی عظمت و شوکت سے دل چسپی ہے، جیسے ابو عباس نے زندہ کر دیا تھا۔"

"پھر میرا جواب یہ ہے کہ ابو عباس کے ساتھ بنو عباس کی عظمت و شوکت بھی رخصت ہو گئی۔"

جیجک خاتون دنگ رہ گئی: جعفر نجومی کے الفاظ نے اُس پر حیرت کا مہیب سکہ طاری کر دیا۔ اُس سکتے کی حالت میں ایک ہیبت ناک گرج اُس کی سماعت سے ٹکرانے لگی۔ وہ ہیبت ناک گونج اُن الفاظ کی گونجی جو جعفر نجومی نے کہے تھے۔

معتمد ابو عباس نے اوانع عباسیہ کی عظمت رفتہ واپس لے آیا تھا لیکن وہ کبھی تھی کہ اُس کا بیٹا بعض معاملات میں باپ سے زیادہ میز اور حوصلہ مند ہے جو عباسیوں کی عظمت و شوکت میں اضافہ کرے گا۔ تبھی اس کی کامیابیوں کی نوید سنا چاہتی تھی۔ حیرت کا سکہ ٹوٹا تو پریشانی سے بولی: "میرا خیال ہے بنو عباس کا مستقبل اُن کے حال سے کٹا ہوا نہیں اور حال درخشاں ہے۔ پھر بھی میں تمہارے الفاظ کا مطلب سمجھنا چاہتی ہوں۔"

"حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْإِيمَانِ" (وطن کی محبت ایمان کی علامت ہے) گھر مشرق میں ہو یا مغرب میں ساری دنیا سے اچھا ہوتا ہے جس طرح پانی پانی سے مل جاتا ہے۔ اُسی طرح خاک خاک سے مل جاتی ہے۔ تم اپنے وطن کوٹ آئے ہو اور وہ آدمی خوش نصیب ہوتا ہے، جو اپنے وطن اور اپنے گھر میں عزت پاتا ہے۔ تم کہتے ہو کہ بغداد میں پیش گوئیاں کہنے نہیں آئے لیکن ناخن سے گوشت جدا نہیں ہوتا اور علم سینے میں نہیں انسان کے سینے میں رہتا ہے جس کا اظہار اُسے دوسروں سے سر بلند کرتا ہے۔ تم جیسا ماہر فلکیات علم نجوم سے کنارہ کش نہیں ہوتا، جہاں بھی جاؤ گے، تمہارا علم تمہارے ساتھ جائے گا۔ خون کو زندگی سے اور علم کو آدمی سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ جو کچھ تم مصر میں چھوڑ آئے ہو، اُس سے کہیں زیادہ بغداد میں مل جائے گا۔ یہ پھر لو کہ دربار خلافت اور بار مصر سے بہت بڑا ہے اور اس کا اعزاز پوری دنیا میں تمہارا نام روشن کر دے گا۔"

جعفر اُس کی باتیں سن کر جھجک گیا اور رومال سے بھیگی آنکھیں صاف کرنے لگا: "خاتم ہیں اس بات سے انکار نہیں کرتا کہ علم نجوم ہی میری شناخت ہے۔ اگر روح کے بغیر جسد خاکی بے کار ہے تو نجوم کے بغیر جعفر نجومی کچھ نہیں لیکن....."

وہ کچھ کہنے والا تھا کہ جیجک خاتون نے اُس کی بات پکڑ لی: "تم ایک ماہر افلاک ہو اور سنساروں کی روشنی تمہارے اندر سفر کرتی ہے۔ اب تمہیں اُس روشنی سے بغداد کو منور کرنا ہوگا۔ نجوم کو ایک کی رفتار کو دیکھو۔ فلک الثوابت سے اُن کے فاصلوں کی پیمائش کرو۔ آسمانوں کی کتاب اسرار کو پڑھو اور جو کچھ اُس پر لکھا ہے۔ وہ سب کچھ اپنے الفاظ میں سنناؤ۔ تمہارے پاس کائنات کے سینے میں جھانکنے والی آنکھ اور کائنات کے اسرار بیان کرنے والی زبان ہے۔ میری خاطر، میرے بیٹے کے مستقبل میں جھانکنا اور بتانا ہوگا کہ اُسے کیا کیا حالات پیش آنے والے ہیں؟"

جیجک خاتون نجوم کا فیصلہ چاہتی تھی اور فیصلہ اس بات پر ہونے والا تھا کہ اُس کے بیٹے کا مستقبل کیا ہوگا؟ جعفر نجومی نے بڑا ذومحی جواب دیا۔

"خاتم! انسان کے اپنے فیصلے ہی اُس کا مستقبل بناتے ہیں۔ اگر وہ کسی کی مثال سامنے رکھتا ہے تو اُس کے نقش قدم پر چلتا اور ویسے ہی حالات سے گزر رہا ہے۔"

"میں بھی تو معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ وہ کبھی حالات سے گزرنے والا ہے اور یہ بات صرف تم

جعفر نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا: "آپ ٹھیک فرمائی ہیں۔ اپنے مائے باپ اور بھائیوں سے پرست رہتا ہے لیکن کبھی کبھی چند سال یا چند راتوں میں ان کے درمیان صدیوں کے فاصلے حاصل ہو جاتے ہیں کیوں کہ زمانے کو بدلنے دیر نہیں لگتی۔"

جیٹک خاتون اُس کی بات میں خطرے کی دھمک عسوس کر رہی تھی۔ "مستقبل میں جو کچھ بھی پیش آنے والا ہے، میں اُسے سننے کا حوصلہ رکھتی ہوں۔ میری خواہش پر کتنی کا زانچہ تیار کروں؟ جعفر ابھی تک عذر کے خانے میں کھڑا تھا۔ "خاتم! بغداد کی طرف سفر کرتے ہوئے میں نے اپنے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ اُنہ کو کوئی پیش گوئی نہیں کروں گا۔"

"بہر حال تم نے اس لیے کیا ہو گا کہ امیر المومنین کی طرف سے پیش گوئیاں کرنے کی ممانعت تھی لیکن اُن کی رحلت کے ساتھ وہ پابندی ختم ہو گئی ہے۔"

"نجم و رخشاں کی قسم! میں نے مصر ہی میں معلوم کر لیا تھا کہ ان کا ستارہ ڈوبنے والا ہے مگر میرے ہمد کا مقصد کچھ اور تھا۔"

واقعی یہ بات اُس نے آنے ہی ظاہر کر دی تھی اب اگر اُس نے پیش گوئی نہ کرنے کا کوئی بہانہ کیا تھا تو اُس کی غایت کچھ اور ہو گی۔ مگر جیٹک خاتون اس ماہر نجوم سے مستقبل کا حال سننے کے لیے بے چین تھی۔ اُس نے ایک جلد نکالا۔ "عند وہ ہوتا ہے جعفر! جو خدا سے کسی دوسری ہستی سے رُوم در رُوم کیا جائے۔ اپنے آپ سے کیا جانے والا یہاں صرف ایک عزم یا ارادہ ہوتا ہے جس میں حالات کے مطابق اُدی چھوڑی سی تبدیلی کر سکتا ہے۔"

ساتھ ہی ترک کبیر کے ہاتھ میں کوئی چیز دے دی کہ جعفر تک پہنچا دے۔ جب وہ چیر جعفر کی ہتھیلی پر چلکی تو دنگ رہ گیا۔ ایک نہایت ہی قیمتی، میرا تھا جس کی چمک دمک نگاہوں کو خبرہ کے دے دی تھی جعفر اس لہرائی کا مطلب سمجھتا تھا لیکن انجان سا بن کر پوچھنے لگا: "یہ کیا ہے خاتم؟"

"ایک قیمتی ہیرا۔ اس پر کسی کا نام نہیں لکھا، جس کے پاس ہو۔ وہی اس کا مالک ہے۔ جیٹک خاتون اُسے اپنا مطلب سمجھانے لگی۔ "اب یہ ہیرا تمہارے پاس ہے اور تم ہی اس کے مالک ہو۔ ہر دس ہزار دینار سے کم قیمت کا نہیں، اس کے عوض میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ کتنی کا زانچہ تیار کروں۔"

"اگر میں یہ ہیرا قبول نہ کروں؟"

جعفر کچھ سوچتا رہا۔ پھر سوچ کے دائرے سے نکلا۔ "صرف ایک شرط پر آپ کی فرمائش پوری کر سکتا ہوں۔"

"شرط بیان کرو۔"

جعفر کا سوال خلاف توقع اور حیران کر دینے والا تھا۔ جیٹک خاتون ہکا بکا رہ گئی۔ پھر میں سمجھوں گی، تم خود تو بغداد آگئے لیکن اپنے اندر کے جعفر کو مصر میں چھوڑ آئے ہو؟

"نہیں۔ میرے اندر کا آدمی میرے ساتھ آیا ہے۔ میرا دل، میرا دماغ، میرا علم سب کچھ میرے پاس ہے اور سوائے شاہی اعزاز کے میں نے اپنی کوئی چیز مصر میں نہیں چھوڑی۔"

"پھر یہ ہیرا قبول کرو اور اس بات کا ثبوت دو کہ تم اپنے اندر کے جعفر کو ساتھ لے کر آگئے ہو۔"

"جھے آپ کے حکم سے انکار نہیں لیکن اس سے پہلے میں نے نئی طولوں کے مستقبل میں جھانک کر دیکھا اور ایک پیش گوئی کی تھی جس کے عوض مجھے مصر چھوڑنا پڑا۔ اب میں بغداد کو چھوڑنا نہیں چاہتا۔"

جیٹک کی حیرت کچھ اور بڑھی جس پر جعفر نے اُسے نئی طولوں کے بارے میں اپنی پیش گوئی سنائی اور بتایا کہ جب ہارون بن خارویہ کی فرمائش پر اس نے طولی ملکیت کے ذوال اور نئی طولوں کے بھیاں تک انجام کی خبر سنائی تو نوجوان سلطان نے علم نجوم کو چھوڑنا کہا اور اس پر تنکوار پینچ لی کیوں کہ نئی طولوں کے انجام میں ہارون بن خارویہ کا اپنا انجام بھی شامل تھا جس پر اس نے شاہی منجم کا اعزاز و رہیں چھوڑا اور خود بغداد کی طرف چل دیا۔ بعد میں اگرچہ ہارون نے اُسے منانے اور واپس لے جانے کے لیے اٹھی بھیجے لیکن وہ واپس نہیں گیا۔ یہ سب کچھ بیان کرنے کے بعد وہ کہنے لگا۔

"اب آپ ابو محمد علی المکنتی کے مستقبل اور بنو عباس کے آنے والے دنوں کا حال جاننا چاہتی ہیں۔ میں بتا چکا ہوں، بنو عباس کی عظمت و شوکت ابو عباس کے ساتھ رخصت ہو گئی اور اس کے بعد مزید کچھ جاننے کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔"

جیٹک خاتون کچھ گئی کہ طولیوں کی طرح بنو عباس کے حالات بھی مخدوش ہیں جن کی طرف جعفر اشارہ کر رہا ہے۔ بڑی جرات سے بولی: "میں ایک حوصلہ مند عورت اور ہر بات سننے کی کی ہمت رکھتی ہوں۔ مکنتی کے ساتھ مجھے بنو عباس کے مستقبل سے دل چسپی ہے خواہ وہ خراب ہی کیوں نہ ہو۔"

جعفر کچھ سوچتا رہا۔ پھر سوچ کے دائرے سے نکلا۔ "صرف ایک شرط پر آپ کی فرمائش پوری کر سکتا ہوں۔"

"شرط بیان کرو۔"

چراغ مژدہ کجا، شمع آفتاب کجا۔

بغداد پر ایک ایسی رات نے اپنا سایہ ڈال دیا تھا جس کے ستارے کم تاب اور کمزور تھے اور وہ رات اپنے چاند سے محروم یا پھر ٹی ہوئی تھی جو بہت پیچھے، بہت دور کہیں خلا میں چران ہو کر گواں تھا۔ جعفر نے چلتے چلتے آسمان کی طرف دیکھا۔ آسمان کے ستاروں پر نظر ڈالی۔ وہ ان کی رفتار اور چال کو سمجھتا اور جانتا تھا کہ اس رات کے ستارے بغداد اور بنو عباس کے گرد چکر لگا رہے ہیں۔

خیال کی ایک لہر اس کے ذہن سے گزرنے لگی کہ بغداد کی تاریک رات بنی عباس کو اپنی پیٹ میں لے چکی اور قسمت کی سیبائی ان کے خون میں اترنے لگی ہے۔ دشمن اس تاریکی میں اپنا اضافہ کر دیں گے کہ دنیا کو منور کرنے والے سورج کی روشنی بھی اُسے دور نہ کر سکے گی۔ وہ رات بنی عباس کے زوال کی ابتدا تھی۔ اگلے کچھ سال ذوال (ہر کمالے رات وال)

”آپ کو یاد ہوگا، بغداد سے رخصت ہوتے وقت میں نے معز و خلیفہ معتزہ کے بارے میں ایک پیش گوئی کی اور شرط لگائی تھی کہ آپ وہ پیش گوئی مقتصد ابو عباس یا کسی اور سے بیان نہیں کریں گی۔“

”میں نے تمہاری بات پر عمل کیا تھا اور وہ پیش گوئی اُسی طرح پوری ہوئی جس طرح تم نے بیان کی تھی۔“

”پھر اب میری شرط یہ ہے کہ میں کنگھی اور بنو عباس کے متعلق جو کچھ بیان کروں، وہ ہم دونوں کے علاوہ کسی تیسرے فرد حتیٰ کہ آپ کے بیٹے کو بھی معلوم نہیں ہونا چاہیے۔“

جیکب خاتون نے قول دیا کہ اُس کی شرط پوری کرے گی اور جعفر نے یہ کہہ کر رخصت لی کہ چند روز میں وہ پھر حاضر خدمت ہوگا۔ ترک کنیز اُسے محل کے دروازے تک چھوڑنے آئی اور کہنے لگی۔ ”تم جب بھی آؤ۔ واردہ محل سے مرجان کا نام لو گے تو وہ فوراً مجھے مطلع کر دے گا۔“ اس طرح کنیز نے جعفر کو بتایا کہ اُس کا نام مرجان ہے۔



قصر الرضا سے لکھا تو باہر رات ہو چکی تھی اور وہ رات ۲۲ ربیع الثانی کی رات سے زیادہ تاریک تھی۔ قمری مینا اپنے آخری ہفتے سے گزر رہا تھا اور بغداد کی رات اس لیے بھی زیادہ تاریک، اداس اور سوگوار معلوم ہوتی تھی کہ خلیفہ معتقد اسی روز ریشم اور سمور کے آرام دہ بستر چھوڑ کر مٹی کے بستر پر جا سوتا تھا اور اُس کے سوگ میں بغداد کی عالی شان عمارتیں اندھیرے میں ڈوبی تھیں۔ کسی قصر میں فانوس اور کسی گھر میں چراغ روشن نہ تھا۔ اگر کسی عمارت میں کوئی شمع جل رہی تھی تو اُس کی روشنی دکھائی نہ دیتی تھی۔ بازاروں، کھجوں، بگیوں، محلوں میں اندھیرا تھا۔ سر کہیں ویران اور راستے تاریک تھے اور بغداد کی رات اپنے ہی حد سے بھر چکی تھی۔

جعفر بنجوی اس اندھیری رات میں وحلیہ کا بل بٹور کر کے مغربی بغداد میں داخل ہوا اور کربخ کے محلے کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا ”لَيْلٌ لَيْلٌ نَهْدَا“۔ ”نہدات کے بیس دن ہے“ لیکن معتقد کی موت کے بعد بغداد پر یا پھر بنو عباس پر جو رات نازل ہوئے والی ہے شاید اُس کی صبح طلوع نہ ہو۔ اگر ہوئی بھی تو پہلے کی طرح تابناک نہیں ہوگی اور اُس پر بھی مثل صادق آئے گی کہ هَيْهَاتَ اَيُّهَا الشَّمْسُ وَالذُّوَانُ (ہم نے افسوس کہاں سورج اور کہاں ذرات)۔

دیکھنے کے لیے امواج بحر کا طرح انداز پرے تھے۔

دجلہ کے دونوں کناروں پر خلقت کے دیے شادی سینے کے ساتھ ساتھ حرکت کرتے رہے
بھڑکے دیے سے قاضی ابو عبد اللہ میں گر گئے لیکن لوگوں نے فوراً انہیں بحفاظت وریا سے
نکال لیا۔ مکتفی سیدہا قنبر خلافت میں پہنچا، جہاں اس نے پہلا دربار لگایا۔ شعرا نے اُس کی
شان میں قصیدے پڑھے۔ امرا، رؤسا اور شیوخ قبائل نے نذرانے پیش کیے۔ مختلف علوم کے
ماہرین اسلام کے لیے حاضر ہوئے، جن میں یگانہ عصر منجم جعفر بھی تھا۔ مکتفی اُسے دیکھ کر حیران اور
الہامین قاسم نے بتایا کہ وہ دربار مصر کا شاہی اعزاز چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے بغداد لوٹ آیا ہے
جس پر مکتفی خوش ہوا اور اس کا سلام قبول کیا۔

نئے خلیفہ نے سربراہان خاندان ہونے ہی جو پہلا حکم جاری کیا، وہ یہ تھا کہ اُس کے
والد احمد ابو عباس نے جو زندہ خاتمے بنوائے تھے، انہیں مسامحہ کر دیا جائے اور اُن کی جگہ مہدی بن
نعمان کی جائیں۔ بات کی وہ زمینیں تمام در و کامیں جو مرحوم خلیفہ نے لوگوں سے زبردستی حاصل
کر لی تھیں۔ اُن کے اصل مالکوں کو واپس کر دی جائیں۔ گویا اُس نے مرنے والے باپ کے
اقدامات کو غلط اور کالعدم قرار دیا۔ اُس کے احکامات مٹ گئے اور عدل و انصاف کو دیکھ کر لوگوں
نے شکر کا کلمہ پڑھا اور اُسے دعائیں دیں۔

مکتفی نے بغداد میں ایک نیا محل "قصر الناصح" اور اُس کے ساتھ ایک نئی مسجد جامع انصر
کے نام سے تعمیر کرنے کا بھی حکم دیا۔ اہل دربار اُس کو سوس گئے کہ جو ظلم اور تشدد اُس کے باپ نے
دور کیا تھا، وہ دُور ہو جائے گا۔ معتقد نے لوگوں پر اپنی دہشت اور ہیبت طاری کر دی تھی
اور اُس کے نتیجے میں بہت سے دشمن پیدا کر لیے تھے مگر مکتفی کا رویہ اُس سے مختلف تھا۔
نئے خلیفہ کی آمد پر جلوس، دربار آرائی اور مکتفی کے مصفاہ احکامات سے لوگ بڑے

خوش ہوئے۔ بغداد جو کئی روز معتقد کے غم میں سوگوار اور افسردہ رہا تھا، ایک لخت بدلا ہوا
نظر آنے لگا۔ اُس پر چھائی اندھیری رات کی تاریکی چھٹ گئی۔ اب محل سراؤں، قصروں، ایوانوں،
عالی شان عمارتوں میں فانوس روشن ہو گئے اور لوگوں کے گھروں میں چراغ جلنے لگے۔ نئے بادشاہ کا دل

مکتفی نے (بحوالہ تذکرۃ الخلفاء از علامہ جلال الدین سیوطی)
بحوالہ (اسلامی انسائیکلو پیڈیا)

کیا ہوگا؟

Call: 0345-5048632 - 0345-5048559
Prop: Ali Khan
BHAIRAV BAZAR, HAWALPINDI.

نیا خلیفہ ابو محمد علی المکتفی باللہ جہادی الاول کردہ سے بعد اوپنچا۔ اس عرصے میں
جنگ خاتون کی فرمائش پر جعفر بخوی نے اس کا زانچہ تیار کر لیا۔ ستاروں کا مشاہدہ اور فلک الیرنج
کا مطالعہ کرنے کے بعد مستقبل میں پیش آنے والے حالات و واقعات کا ایک خاکہ بنایا جس طرح
اُس نے طوینی ریاست اور بنی طویون کے متعلق پیش گوئی کرنے سے قبل تین مرتبہ آسمانوں میں جھانکا
اور زانچہ بھی تین بار کھینچا تھا اسی طرح مکتفی کے بعد حکومت اور بنی عباس کے مستقبل کے بارے
میں بھی وہی احتیاط نظر رکھی تاکہ کسی غلطی کا احتمال اور کوئی اشتباہ باقی نہ رہ جائے۔

جعفر گیارہ بارہ بزم لگانا شروع کر دیا (وہ ستارے جو گردش کرتے ہیں) اور ثابت (دوبارہ
ستارے جو گردش نہیں کرتے اور آٹھویں آسمان ملک البروج پر قائم ہیں) کا بغور مشاہدہ کرتا
رہتا۔ تب کہیں جاکر مکتفی کے زانچے کو مکمل کر سکا۔ جو اُسے جنگ خاتون کے سامنے پیش کرتا تھا۔
جہادی الاول کو وہ نئے خلیفہ کے جلوس استقبال میں شامل ہوا اور اپنی جان پہچان
کے اُمرا کے ساتھ ساتھ رہا۔ مکتفی شادی سینے میں سوار ہو کر جو چاروں طرف سے کھلا تھا، دریائے
دجلہ سے گزرا۔ دونوں کناروں پر خلقت کے ہجوم حد و شمار سے باہر تھے۔ عائد بن سلطنت، فوجی
سالار اور افسر، طبیب کے حاکم (جن میں بدر نہیں تھا) قاضی، علما، شاعر، خطیب صوبوں کے عامل،
شہروں کے والی تاجر اور صراف، غرض ہر طبقہ کے لوگ اگر نئے خلیفہ کو اپنی وفاداری کا یقین
دلانے کی خاطر حق و جوق جمع ہوئے تو عامتر ان سب مکتفی جیسے وجیہ اور شکیل حکمران کی ایک جھلک

کا چاند بھی خلا کی دھند میں غور کر کے بغداد کو منور کر رہا تھا اور مکتفی کی بغداد میں آمد گویا بنی عباس کے لیے روشنی کی نمود تھی۔

اس کے جلوس، استقبال اور دربار کی شان و شوکت عباسی عظمت کی علامت سمجھی گئی۔ معلوم ہوتا تھا قنات کے اندھیروں کو چاک کرتا ہوا۔ زندگی کا نیا دن طلوع ہوا ہے۔ بغداد کا موسم بدل گیا تھا اور بنو عباس کی عظمت و شوکت کا ستارہ ایک بار پھر آسمان کی بلندیوں سے دنیا کے گوشوں پر نظر ڈال رہا تھا۔



بغداد میں دو روز تک خوشی کے ہنگامے پیارے۔ مکتفی کی آمد نے شہر کی رونقیں بحال کر دیں۔ شاہی قصروں اور محل سراؤں پر ایک نئی ہار آگئی۔ نئے خلیفہ نے اپنے دفا داروں اور ملاؤں میں انعامات تقسیم کیے۔

جعفر نجفی ان آیام میں زیادہ تر ابو الحسن قاسم بن عبد اللہ کے ساتھ ساتھ رہا تھا جسے مکتفی نے سات خلعت عنایت کیے اور اپنا وزیر سلطنت بنایا۔ ایک خلعت جعفر نجفی کو بھی اس لیے عطا کیا کہ وہ طوبی دربار کا بخشا ہوا اعزاز القلائع میں چھوڑ آیا تھا اور مکتفی کے نزدیک یہ بڑی اہم بات تھی۔

9 جمادی الاول ۲۸۹ ہجری کی شام کو جعفر پھر قصر الرصاص کی دیوڑھی میں نظر آیا۔ نجوم کا ایک چری گنجی اٹھ میں تھا جسے وہ از رو احتیاط ساتھ لے آیا تھا۔ دارمصر محل سے مرجان کا نام لیا تو وہ خود الرصاص کی ترک کثیر کو بلا لایا جس نے آتے ہی جعفر کو بڑے ادب سے سلام کیا کیوں کہ اس نے مکتفی کا دیا ہوا خلعت پہن رکھا اور ایک معزز درباری دکھائی دیتا تھا۔

مرجان جعفر کو کمرہ ملاقات میں لے آئی اور اسے تنہا چھوڑ کر اپنی ماکن کو اطلاع دینے چلی گئی۔ ابھی چند ہی لمحے گزرے تھے کہ جیجک خاتون مخصوص محراب کے جالی دار پر سے گئے پیچھے نمودار ہوئی اور آتے ہی مندر پر بیٹھ گئی۔ وہ تنہا تھی جعفر نجفی نے بڑے ادب سے سلام کیا تو اس کے جسم پر عباسی خلعت دیکھ کر خوش ہوئی اور اس سے نیک شکون لیا کہ محلہ کی صورت کچھ صاف ہو رہی ہے۔

وہ خود بھی اگرچہ بیٹھ چکی تھی مگر اب اسے بے حد مصروف رہی اور محل سراؤں میں ہونے والی

مناقل، شاہی تقریبات اور ملاقاتوں میں کھو گئی تھی لیکن جعفر نجفی کو نہ بھول سکی اور بڑی جلدی سے اس کی منتظر تھی اس لیے جعفر بھی بوڑھے نجم کے آنے کی اطلاع ملی فوراً کمرہ ملاقات میں پہنچ گئی۔

پچھلی ملاقات میں جعفر نے شرط لگائی تھی کہ ان کے درمیان ہونے والی گفتگو کوئی تیسرا فرد نہیں سن سکے گا حتیٰ کہ جیجک خاتون وہ باتیں اپنے بیٹے خلیفہ المکتفی سے بھی پوشیدہ رکھے گی۔ جیجک نے یہ شرط منظور کی اور کمرہ ملاقات میں ایک ہی آئی تھی۔ اس پاس کوئی کمینز کوئی غلام یا تیسرا کوئی فرد نہ تھا، جو ان کی گفتگو سن سکتا۔ اب ان ملاقات میں جو فالوس کی روشنی سے منور تھا، صرف وہی دونوں تھے پھر بھی جیجک خاتون نے اس کی تسلی کے لیے کہا۔

”جعفر اتھاری شرط کے مطابق اس وقت یہاں تیسرا کوئی بشر نہیں، نہ اس کمرے میں، نہ پردوں کے پیچھے۔ صرف ہم دونوں ہیں۔ اگر تم نے مکتفی کا زراٹھ تیار کر لیا اور بنی عباس کا مستقبل دیکھ لیا ہے تو بلا خوف بیان کرو۔ میں نے تم سے انہی دو باتوں کی فرمائش کی تھی۔“

یگانہ عصر نجم نے اپنی گردن جھکا دی اور کہا۔ ”خاتم حکم کے مطابق میں نے نجوم و طوالت میں جھانک لیا۔ آسمانوں کی کتاب اسرار کا کھل پڑھا اور جو کچھ مستقبل میں پیش آنے والا ہے، وہ معلوم کیا ہے۔ اچھی خدمت میں حاضر ہوا ہوں لیکن کچھ بیان کرنے سے پہلے گزارش یہ ہے کہ اگر آپ مستقبل کے حالات جانتے ہو تو براہ کرم، تو بہتر ہو گا۔“

جیجک خاتون پر ایک حیرت گزر گئی۔ ”تم نے وعدہ کیا تھا کہ مستقبل میں جو کچھ پیش آئے والا ہے وہ بیان کرو گے۔“

”لیکن بعض باتیں خوش گوار نہیں اور آپ کی پریشانی کا باعث ہوں گی۔“

”تم جان چکے ہو کہ میں ہر بات سننے کا حوصلہ رکھتی ہوں۔ پھر جعفر کو اس کی ایک بات یاد دلانے کی اہمیت خود کتنے ہو کہ تقدیر کے بعض فیصلے انسان کی اپنی سعی و کوشش سے تبدیل ہوجاتے ہیں۔ مستقبل کے حالات معلوم کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر بعض ناخوش گوار اشیاء پیش آنے والی ہیں تو انہیں بدلنے کے لیے جدوجہد کی جائے۔ تمہارے نزدیک تقدیر کا یہی منہ ہے۔“

جعفر نے سر تسلیم خم کر دیا۔ ”بے شک تقدیر تبدیل انسان کی سعی و جد سے بدلی جاسکتی ہے لیکن تقدیر پر عمل اہل ہوتی اور بدلی نہیں جاتی۔“

حال درختان ہے۔ علی المکتفی کے جلوس اور دربار کو دیکھ کر لوگوں کے دلوں سے وہ خدشات جلتے رہے ہیں جو معتقد ابو عباس کی وفات نے پیدا کر دیے تھے، انھوں نے عباسیہ کی شان و شوکت کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ وہ منظر اُن کی پھلتی عظمت سے ملا ہوا ہے اور کچھ عرصہ مستقبل سے بھی ملا جلا رہے گا کیوں کہ جو ہندی آنے والی ہے، وہ ہندوستان آئے گی۔ جس طرح آدمی ہندوستان بڑھا ہوتا اور ایک دن موت کی دیلیز پر پہنچ جاتا ہے۔

آپ کا بیٹا ابو محمد علی المکتفی تمام خلفائے زیادہ خوب صورت اور ابھی صرف ۲۵ برس کا جوان رعنا ہے۔ اس کی قسمت میں کچھ خوش گوار اور کچھ ناخوش گوار فتوحات لکھی ہیں جن سے بنو عباس کی عظمت میں اضافہ ہوگا۔ وہ عراق اور مصر و شام کے درمیان کھینچی ہوئی علاقہ کی کی لکیر مٹا دے گا اور اس کا حکم مصر کی مغربی سرحد تک جو برق سے ملتی ہے، نافذ ہو جائے گا۔ معتقد ابو عباس نے بھی وہ کبیر مٹانے کا جن کیا اور بنت خمار وہ قطر الندی سے عقد کر کے بنی طولون کو تیس سال کا پٹا لکھ دیا تھا لیکن مکتفی ان کے خلاف اپنی تلوار استعمال کرے گا اور بنی طولون کو دنیا سے اس طرح نیست و نابود کر دے گا، جیسے وہ کبھی تھے یہی نہیں۔ اُن کا بنیاد دار الحکومت القطن بیونڈ زمین کو دیا جائے گا۔ بڑے بڑے قصر و الجوان، شاہی محل، تصویر محل، رنگ محل، حوض، باغات، عشرت کدے اور شفا خانے کھنڈر اور طے کے ڈھیر بن جائیں گے۔ صرف جامع ابن طولون اپنے منارے سمیت باقی رہ جائے گی جس طرح القطن کی عمارتیں مسمار اور تباہ ویران کر دی جائیں گی۔ اسی طرح طولونیوں کا قتل عام ہوگا۔ اُن کے جوہر و وزن نقل ہونے سے بچ جائیں گے انھیں اسیر کر کے اور لونڈی غلام بنا کر بغداد میں لایا جائے گا اور یہ سب کچھ مکتفی کے عہد میں ہوگا۔

جیہک خاتون برائے کشفات سن کر نہ صرف دنگ رہ گئی بلکہ کانپ اٹھی، اگرچہ یہ اُس کے بیٹے کی فتح کا ایک نقشہ تھا جو علاقہ کی لکیر مٹانے اور مصر پر عباسیہ کے سیاہ پرچم لہرانے والا تھا مگر یہ فتح ظلم، تشدد اور دہشت کی علامت تھی وہ مسلمانوں کی جس خون ریزی سے دُور رہی، وہ یہی پیش آنے والی تھی۔ وہ بے لفظوں میں پوچھنے لگی۔

”کیا مکتفی معاہدہ دوستی کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوگا یا بنی طولون کی تباہی اور القطن کی بربادی اس معاہدے کی میعاد ختم ہونے کے بعد عمل میں آئے گی؟“

”یہ ساخ معاہدے کی میعاد ختم ہونے سے پہلے رونما ہوگا۔“

”پھر تم نے علم الافلاک سے جو کچھ اخذ کیا ہے بلا جھجک بیان کر دو“

جعفر بخوی نے اپنے چری لہجے سے مصری قرطاس کا ایک پلندہ نکالا اور بقیہ قریش پر لکھ دیا۔ مصری قرطاس کے ان اوراق پر جو جعفر کے ہاتھ میں تھے۔ خلیفہ مکتفی باللہ ابو محمد علی کے سات زائچے کھینچے گئے تھے۔ کچھ اوراق بنی عباس کے بارے میں تھے۔ اس نے وہ پلندہ جیہک خاتون کی جانب لہرایا اور کہا۔

”خاتم! آپ کی فرمائش پر میں نے نجوم کی گردش و رفتار اور برج سماوی میں اُن کے قرائن قیام کا بڑا دقیق مطالعہ کرنے کے بعد علی المکتفی کا زائچہ تیار کیا ہے اور یہ زائچہ سات مختلف اوقات میں سات اوراق پر کھینچا ہے۔ تاکہ حالات و واقعات کی مطابقت میں کوئی کمی نہ رہ جائے بنی عباس کے بارے میں بھی یہی احتیاط کی گئی ہے۔ جب کسی کا زائچہ ستاروں کی رفتار اور متعلقہ برج سے اُن کے فاصلوں اور دقیقوں کی صحیح پیمائش کے بعد تیار کیا جائے تو بعض قطعی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں لیکن بعض امور سے متعلق صرف اشارات ملتے ہیں جنہیں منجم اپنی علمی استعداد اور یقینی معلومات کے ذریعے ترتیب دیتا ہے۔ مکتفی کے زائچے میں بھی کچھ باتیں قطعی اور کچھ اشارے ہیں۔ بنی طولون کے بعد اسے فسطاط تک سفر کر چکا اور عراق، مصر، شام کے حالات سے اچھی طرح آگاہ، ہوں بلکہ قیروان میں مدد دی تھریک اور عراق و شام کے صحرائوں میں چلنے والی تحریک قرائط سے بھی خوب واقف ہوں۔ اس لیے میں نے یقینی معلومات کی بنیاد ان اشارات کو جو مکتفی کے زائچے میں ملتے ہیں کچھ معنی پنا دیے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ بنو عباس اور بنی طولون کے معاملات میں بہت سی باتیں مشترک ہیں جن سے مدد دی اور قرطاسی امور بھی والبتہ ہیں، آپ اسی پس منظر میں اُن حالات کو سمجھنے کی کوشش کریں جو میں بیان کروں گا۔“

جیہک خاتون نے اس کی بات پوری توجہ سے سنی اور اچھی طرح سمجھ لی۔ ”جعفر! میں جانتی ہوں تم علم نجوم کی روشنی میں حالات کا صحیح تجزیہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہو اور یہی خوبی تمہارے پیش گوئیوں کو پُر اتماد بناتی ہے۔ اب میں مکتفی اور بنو عباس کے بارے میں تمہارے افکشافات سننا چاہتی ہوں۔“

جعفر بخوی نے اس کے بیٹے کے زائچے پر ایک نظر ڈالی اور مستقبل کے حالات مکتفی کرنے لگا جو اسرار کے پردوں میں لپٹے ہوئے اور ابھی رونما ہونے والے تھے۔

”خاتم! آسنے درست کہا تھا کہ بنی عباس کا مستقبل ان کے حال سے کا ہوا نہیں

حضرت نے لگا "اگر شہزادی قطر الندی آپ کے بیٹے کے عقد میں آجاتی جیسے سلطان خاں نے پیش کش کی تھی تو حالات کی صورت کچھ اور ہوتی مگر آپ ہی نے اس تجویز کی مخالفت کی اور قطر الندی کو معتقد کی عروس بنا دیا تھا جس کے بعد وہی عہد کو بنی طولوں سے عداوت ہو گئی۔ شاید وہی عدوت طولوں کی تباہی و بربادی کا سبب بننے والی ہے لیکن اُس کے کچھ اور اسباب بھی ہوں گے۔"

"اور اسباب کیا ہوں گے؟"

جعفر نجوی نے نئے انکشافات کی گرہ کھولی اور کہا۔ "میں آپ کو بتا چکا ہوں بنی طولوں کے معاملات سے مددی اور قمری قریحہ کے اور بھی وابستہ ہو چکے ہیں۔ معتقد ابو عباس نے قمری عقیدہ پرنتوں کو شکست دے کر السوادہ سے بادئہ شام کے قبائل علاقے کی جانب بھگا دیا تھا جس کے بعد ابو عباس یہ سمجھتے رہے کہ اب وہ کبھی سر نہ اٹھاسکیں گے لیکن وہ اس حقیقت سے بے خبر تھے کہ قمری عقیدہ پرست شام کے صحرائی علاقے میں اپنی طائف فرام کو رہے ہیں اور ایک دن اندھی کی طرح یلغار کریں گے۔" جعفر نے شہزادی نجم اور ابن حرب کی شام کے سرحدی علاقے پر تاخت اور دمشق کے محاصرے کا مصلحتاً ذکر نہ کیا، جسے وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا تھا اور کہا "قمری عقیدہ پرست صحرائے نجد بگولوں کی طرح شام کے سرحدی علاقوں پر ٹوٹ پڑیں گے اور دمشق کا محاصرہ ڈال دیں گے۔ قمری امام یحییٰ بن زکریا خود میدان جنگ میں موجود ہوگا۔ طولی فوج شامی سپاہ کی مدد کے لیے دمشق میں پہنچ جائے گی۔ صحرائی قبائل کے ساتھ شدید لڑائیاں ہوں گی اور ایک لڑائی میں یحییٰ قمری گروہ کثیر کے ساتھ ہلاک ہوگا۔ عقیدہ پرست پسا ہو کر قمری کے بھائی آقا حسین کے پاس پناہیں گے جو شیخ الجماعۃ کہلاتا ہے۔ وہ تحریک قرامطہ کا نیا امام بن کر ظہور کرے گا۔"

آپ بھائی ہوں گی فرماؤں میں شہزادی ہمدی موعود کے نام پر چل رہی ہے، جو ابھی تک ظاہر نہیں ہوا۔ قرامطہ بھی اپنے آپ کو ہمدی کے اپنی کہتے ہیں مگر آقا حسین لوگوں کو اپنے چہرے کا داغ دکھا کر خود ہمدی ہونے کا دعویٰ کرے گا۔ سنا ہے وہ اس داغ کو نطاق سے ہر وقت ڈھانپے رکھتا اور اسے اپنے دعوے کا ثبوت کہتا ہے لیکن آقا حسین برحق ہمدی ہوگا وہ شخص ہمدی موعود ہو سکتا ہے جس کے نام پر شمالی افریقہ میں خرمج تو ہو چکا لیکن خود کہیں چھپ کر بیٹھا ہے۔ ہمدی کی خبر کسی آخری زمانے کے لیے ہے جسے علوی خلافت عباسیہ کے خلاف اپنے سیاسی مقاصد کی خاطر استعمال کر رہے ہیں۔

میں نے موجودہ دور کے سیاسی حالات کے علاوہ گزشتہ زمانے کی باہمی طاقتوں اور کش مکشوں کا بھی بغور مطالعہ کیا ہے۔ یہ بات بڑی تکلیف دہ ہے کہ بعض خاندانوں کے حوالے سے مسلم ائمہ مختلف گروہوں یا فرقوں میں تقسیم ہو گئی ہے جس پر عقیدوں نے گہرا اثر ڈالا اور عقیدہ پرستی انہیں جنگ کے میدانوں میں لے آئی ہے۔ آپ کی طرح میں بھی اس امر کے سخت خلاف ہوں کہ ایک کلمہ گروہ دوسرے کلمہ گروہ کے خلاف ملو اٹھائے یا اسے قتل کرے لیکن یہاں عقیدے کی خاطر جنگیں ہوتی اور مسلمانوں کے سر کٹتے ہیں۔ قمری جماعت بھی ایک نیا عقیدہ لے کر نکلی ہے۔ شیخ زکریا قرامطہ اور اس کا بیٹا یحییٰ قمری خود کو ہمدی کے اپنی کہتے ہیں لیکن یہ خلافت عباسیہ کے خلاف ایک مذہبی چال ہے۔ ورنہ قرامطہ کے بارے میں میں نے جو معلومات حاصل کی ہیں اور جن کی تصدیق سیاسی حالات و واقعات کے علاوہ علم نجوم سے بھی ہوتی ہے اُن کے مطابق وہ لوگ ہمدی کے نام پر اپنی لامنت اور حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں۔

میں آپ کو بتا چکا ہوں یحییٰ قمری جب شام پر حملہ کرے گا اپنی کوشش میں ناکام ہو جائے گا یہ بات میں اس لیے کہتا ہوں کہ انقطاع میں سلطان خاں دیر بن احمد رحم نے مجھے اس کے بھائی شیخ الجماعۃ آقا حسین کا ایک خط دکھایا تھا جو شہزادی قطر الندی کے بارے میں لکھا گیا تھا۔ اس کی تحریر خوف ناک اور الفاظ پر مبنی تھی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ آقا حسین اپنے بھائی یحییٰ قمری سے زیادہ زبردست اور قبائل کی طاقت سے یس ہوگا۔ تب میں نے اس کے معاملے پر رمل اور قیاس کے علاوہ علم نجوم سے نظر ڈال کر ۲۹۰ھ میں اس کا ستارہ چمکنا نظر آیا۔ اس کا یہ مطلب تھا کہ امام یحییٰ قمری کا ستارہ اُسی میں غروب ہو جائے گا اور نائب امام اُس کی جگہ لے گا جس کے پیچھے صحرائی قبائل کی اندھی طاقت ہوگی۔ وہ شام کے کئی قلعوں پر قابض ہو جائے گا۔ فلسطین کے کئی شہروں میں تباہی مچائے گا اور اپنی مذہبی دھماک بٹھانے کے لیے خود ہمدی "امیر المؤمنین" ہونے کا دعویٰ کرے گا مگر سیاسی حکمت کہتی ہے کہ اسلامی سلطنت میں دو امیر المؤمنین نہیں ہو سکتے۔ لہذا ضروری ہے کہ عباسی امیر المؤمنین جو آپ کا فرزند خلیفہ المکنفی باللہ ہوگا۔ حسین قمری کے خلاف یلغار کرے اور اُسے انجام تک پہنچائے۔

خاتم۔ میں یہ باتیں اس لیے یقین کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ آپ کی فرمائش پر جب میں نے

میں کیا کہتے ہو؟

اپنے بیان میں مکنتی کے متعلق اگرچہ اُس نے "فقوڑی مدت" کے الفاظ ہی مناسب سمجھے تھے، پھر بھی جیسا خاتون کے سوال پر اُسے حقیقت کا اظہار کرنا پڑا۔

"خاتم اجوبات میں نے غنی رکھی تھی، آپ نے وہی پوچھی ہے اور اب اُس کا جواب مجھ پر واجب ہو گیا ہے۔ یہ سن کر آپ کو حد درجہ کا مکنتی کی مدت حکومت ہی فقوڑی نہیں بلکہ اُس کی زندگی کا یہ زمانہ بھی جلد خالی ہونے والا ہے۔ وہ آج کے دن سے ٹھیک سو اچھ سال کے بعد عین جوانی میں جب اُس کی عمر اکتیس برس کی ہوگی، داعی اجل کو لبیک کہے گا۔"

جیسا خاتون پر جیسے آسمان ٹوٹ پڑا۔ یہ خبر اتنی اندہ ہنگامی کہ مارے صدمے کے منہ پر ڈھکے گئی۔ اُس کا حسین و ماہ جبین بیٹا سو اچھ سال کے بعد دنیا سے رخصت ہونے والا تھا، جب کہ کوئی ماں یہ برداشت نہیں کرتی کہ بیٹا عالم شباب میں مر جائے اور وہ اُس کا ماتم کرنے کے لیے زندہ رہے۔ جیسا خاتون کے لیے بھی یہ دیکھ ناقابل برداشت تھا اور جعفر نجوی اس بات پر بے چارہ ہو گیا تھا کہ اُس کی خبر گیری کرنے والی کنیز کمرے میں موجود نہیں تھی۔ وہ دو قدم آگے بڑھا اور دل جھٹی کے لیے میں بولا۔

"خاتم آپ کے بیٹے کی زندگی اگرچہ قلیل ہے، پھر بھی وہ تاریخ میں اپنا نام ایک فاتح کی حیثیت سے چھوڑ جائے گا۔ اُس کے بعد حکومت میں بریطانی عیسائیوں سے جہاد ہوگا۔ عباسی لشکر کی فتوحات حاصل کریں گے اور وہ فتوحات مکنتی کے نام لکھی جائیں گی۔ یہ بات ایک ماں کے لیے افتخار کا باعث ہے کہ اُس کا بیٹا فاتح بن کر ادراک کا بیاب و کامران ہو کر دنیا سے رخصت ہو اور دنیا سے ہر کسی کو رخصت ہونا ہے لیکن مکنتی پر ایک زمانہ فخر کرے گا۔"

جعفر کے الفاظ نے جیسا کہ کچھ حوصلہ دیا۔ اٹھ کر پھر مسند پر بیٹھ گئی لیکن بڑی شکستہ خاطر اور نڈھال ہو رہی تھی اولاد کی جوان مرگی کا غم ایسا ہی ہوتا ہے۔ معاً خیال آیا ابھی تو کچھ بھی نہیں ہوا جو کچھ اُس نے سنا، وہ مستقبل میں پیش آنے والا تھا اور یہ بھی ممکن ہے جعفر نے مکنتی کے انتقال کی جو ساعت بیان کی ہے، وہ مل جائے۔ اس خیال سے ذرا سنبھلی اور بولی "کیا تمہیں یقین ہے کہ تمہارے حساب میں کوئی غلطی نہیں؟"

"آدمی کا حساب غلط ہو سکتا ہے لیکن تقدیر کی جمع، تقریبی اور میزان کبھی غلط نہیں ہوتی اور میں نے آپ کو تقدیر کا لکھا پڑھ کر سنا یا ہے۔"

علی محمد علی المکتفی کا زراچہ تیار کیا تو پتا چلا کہ اس کے حکم پر عباسی لشکر ایک زبردست باغی کی سرکوبی کے لیے شام کی طرف یلغار کریں گے اور اُسے شکست دے کر مصر میں داخل ہو جائیں گے کیوں کہ شام و فلسطین میں بنی طولون قریطی عقیدہ پرستوں کے مقابلے میں پسپا ہوں گے۔ وہ اپنے علاقوں کی حفاظت نہیں کر سکیں گے۔ انہی اسباب کی بنا پر کیوں کہ دنیا میں کوئی واقعہ کسی سبب یا علت کے بغیر عمل میں نہیں آتا علی مکنتی کے لشکر مصر پر قبضہ کر لیں گے اور بنی طولون پر وہ قیامت نازل ہوگی جس کا ذکر میں پہلے کرچکا ہوں مگر مصر پر عباسیوں کا قبضہ عارضی ہوگا۔

مصر کی قسمت میں کئی انقلاب لکھے ہیں۔ قبروان میں مددی خربک کی کامیابی یقینی ہے۔ یہ علم کے مطابق مددی سلیم (محض) سے نکل کر شمالی افریقہ کا رخ کرے گا اور وہ عبید اللہ المددی بن محمد الجلیب بن جعفر المصدق بن محمد المکرم بن امام اسماعیل ہوگا۔ واقعات بھی اسی طرف اشارہ کرتے ہیں کیوں کہ قبروان میں بزرگ قبائل کی حمایت سے جو جنگ جاری ہے وہ اسماعیلی اعلوی اور فاطمی عقیدے کی بنا پر لڑی جا رہی ہے۔ افریقہ میں علوی یا فاطمی خلافت قائم ہو جائے گی لیکن اس کام کو مصر ہوگا۔ عبید اللہ خود یا اس کا کوئی جانشین عباسیوں کو مصر سے بزور تیغ نکال دے گا۔

ادھر قرامطہ کا ایک نیا حلقہ بحرین سے حجاز تک قابض ہو جائے گا اور عباسی لشکروں کو مایال کر دے گا۔ مکہ معظمہ میں شدید خون ریزی ہوگی۔ کئی سال تک جج بند رہے گا۔ حجاز کی طرف جانے والے راستوں پر خوف مسلط ہو جائے گا۔ یہ سب کچھ مکنتی کے عہد میں نہیں ہوگا لیکن عین قریب ہوگا آپ کے بیٹے کی حکومت فقوڑی مدت کی ہے۔"

جیسا خاتون یہ باتیں سن کر حیران و ششدر رہ گئی جو جعفر نے علم نجوم کے علاوہ اپنی ذاتی اور فطری بلخ معلومات سے ترتیب دی تھیں۔ ان واقعات میں جو جعفر نے بیان کیے اور ابھی ظہور میں نہیں آئے تھے۔ ابو محمد علی المکتفی کا بھی نمایاں حصہ تھا مگر وہ اُس کی فقوڑی مدت کی حکومت کے ذکر پر پریشان ہو گئی اور کہنے لگی۔

"جعفر! جو کچھ تم نے بیان کیا، وہ افسوس ناک ہے مگر مکنتی کی مدت حکومت کے بارے میں جب قرامطہ نے حجاز پر قبضہ کیا تو خانہ کعبہ سے حجر اسود نکال کر لے گئے اور ۴۴ سال تک حج منظر رہا۔ (تاریخ الخلفاء)

البتہ جھک کی حالت دیکھ کر وہ تاسف کے لہجے میں کہنے لگا: ”مجھے افسوس ہے خانم! میں نے آپ کو صدمہ پہنچایا۔ میں اس بات پر بھی شرمندہ ہوں کہ میری باتیں سن کر آپ غم زدہ اور پریشان ہو گئیں۔ شاید اب میں آپ کی نظروں میں قابلِ معافی نہیں رہا۔“

مرحبان نے اپنی ماکن کو فرما: ”سنہال! یاد رکھو! حالت کچھ ٹھہر گئی تھی۔ اُس نے جعفر کو بری الذمہ قرار دیا۔“ اس میں تمنا کوئی قصہ نہیں جعفر! تم نے آتے ہی واضح کر دیا تھا کہ میں مستقبل کے حالات جاننے پر اصرار نہ کروں کیوں کہ بعض باتیں ناخوش گوار ہوں گی لیکن میں نے خود باتیں سننے کا تقاضا کیا تھا۔ تم نے میری خاطر وہ سب کچھ بیان کیا جو آئندہ پیش آنے والا ہے۔ میری تمنا یہ تھی کہ میں کو پسند کرتی ہوں۔ تم سچ کہنے کے عادی ہو اور میں نے وہ سچ سن لیا جو بے حد سزاوار ہے مگر غرض یقین دلاتی ہوں کہ جو کچھ مجھے بتا چکے ہو، اُس کا اظہار کسی سے نہیں کروں گی تاہم میری ایک فرمائش اور ہے۔“

جعفر کمر تک جھک گیا اور جھک نے اپنی فرمائش بیان کی: ”تم ماہرِ افلاک ہو اور ستاروں کے اثرات تبدیل ہوتے رہتے ہیں اگر آسمان پر کسی تبدیلی کے آثار دیکھو تو زمین پر مجھے اُس کی اطلاع دیتے رہو گے۔“

”مجھے یہ فرمائش بسر و چشم منظور ہے۔“

”اور یہ بھی کہ مکنتی کی بہتری کے لیے سہ جو گے۔ میں اس سے سفارش کروں۔“

جعفر بخوبی نے اس کی بات کی کاٹ دی۔ ”خانم! میں دربار میں حاضری ضرور دوں گا اور یہ ابوالحسن قاسم کی بھی خواہش ہے مگر تم کی حیثیت سے کوئی اعزاز قبول نہیں کروں گا۔“

”کیوں؟“ جھک نے حیرت سے پوچھا۔

”اعزاز قبول کرنے کے بعد میں اس بات کا پابند ہو جاؤں گا کہ مکنتی کو مستقبل کے حالات سے آگاہ کروں اور یہی میں نہیں چاہتا۔ لیکن ہے پیش آنے والی باتیں سن کر اس کے اندر زندگی کا جذبہ سرور پڑ جائے اور وہ فتوحات کا عمل پورا کر سکے۔“

”جو بات تم نے سوچی ہے وہ میرے ذہن میں نہ آ سکی۔ میں تمہاری نیک خواہش کی قدر کرتی ہوں۔“ پھر ایک لمحہ ٹھہر کر بولی: ”جعفر! تم جب چاہو مجھ سے ملنے آ سکتے ہو۔ اب میں تمہارے بارے میں کسی اور سہیل سے سوچوں گی۔“

”خانم! میری کوئی خواہش نہیں۔ صرف بعد ازاں ایک مددگار بن کر خدمت کرنا چاہتا ہوں۔“

جھک پھر بائیں اگلی اور جعفر پھر اُسے تسلی دینے لگا۔ ”خانم! آپ مدت اور عمر کا جیل نہ کریں۔ اس دنیا میں آپ کے میڈ کے لیے کتنی سال مقرر ہو چکے ہیں۔ بے شک یہ مدت تھوڑی ہے مگر طبی عمر پانے والے ان خلفاء کی زندگی سے بدتر جہاں بہتر ہے جو مکنتی کے بعد اُسی مسند پر بیٹھیں گے اور جن کا وجود اپنے سامنے سے بھی کم تر ہو گا کیوں کہ وہ صرف نام کے خلیفہ اور دوسروں کے ہاتھ میں کٹ پتلی ہوں گے۔“

جھک خاتون نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا اور ٹھہرا لیا اُسی آواز میں کہنے لگی: ”میں مکنتی کے لیے ضرور غم زدہ ہوں لیکن مجھے اس بات کا بھی صدمہ ہے کہ خلفاء پر بڑا وقت آنے والا ہے اور بنو عباس زوال کی زد میں ہیں۔“

”دنیا کی ہر شے زوال پذیر ہے خانم! ہر مہتی نیست ہونے والی ہے اور دوام صرف خدائے ذوالجلال والا کرام کو ہے مگر کسی قوم قبیلے یا خاندان پر زوال اُس کی عیش پرستی، کمزوری یا اپنی غلطیوں کی وجہ سے آتا ہے۔ اور عصبیان و طغیان کے دھارے میں اُس کی شناخت کم ہوجاتی ہے بنو عباس پر یہ وقت پہلے ہی آچکا ہے اور ایک وقت اور آنے والا ہے جب پوری سلطنت اُن کے قدموں تلے سے ٹکڑ ٹکڑ ہو جائے گی کیوں کہ مکانات کی گھڑی کبھی نہیں ٹپکتی اور ہونے والی بات ہو کر رہتی ہے۔ یہی بعد ازاں آج عکس البلد کہلاتا اور شہروں کی فوس بکھا جاتا ہے اس طرح تباہ و برباد ہو گا کہ دنیا کے لیے عبرت کا نشان بن جائے گا۔ اس کے مستحق بازار اور گلی کوچے ایک دن لاشوں سے پٹ جائیں گے اور اُن پر اُنسو بہانے والا کوئی نہ ہوگا۔ عالی شان عمارتیں پیوند زمین ہوجائیں گی۔ دربار انسانوں کے انور سے ٹھہرے ہو جائے گا اور بعد ازاں پر ایک رات ایسی بھی آئے گی کہ ویسی بھانکدات آج تک کہ ارض کے کسی شہر پر نہیں آئی ہو گی کیوں کہ سب کچھ ختم ہو جائے گا اور بنو عباس کی کوئی میراث اس شہر میں باقی نہیں رہے گی۔“

جعفر بخوبی کے خوف ناک الفاظ سن کر جھک خاتون کے حلق سے بے ساختہ ایک چیخ نکل گئی۔ اُس نے جلدی سے دونوں ہتھیلیاں اپنے کانوں پر رکھ لیں تاکہ مزید کچھ نہ سن سکے۔ اسی لمحے مرجان غلام گردش سے بھاگتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی اور پس پردہ خراب میں پہنچی اس وقت جھک کے بدن پر لرزش طاری تھی اور وہ کہہ رہی تھی:

”بس جعفر! میں اور کچھ نہیں سن سکتی جو کچھ تم نے بیان کیا وہ انتہائی المیہ ہے۔ جعفر پہلے ہی اکتشافات کا سلسلہ ختم کر چکا تھا اُس نے اپنے بیان میں مزید اضافہ نہ کیا۔“

جس کے لیے میرے پاس معقول راکس المال ہے۔ میں جانتا ہوں ایک روز وہ مدرسہ تباہ و برباد ہو جائے گا لیکن تجھے اس کی پروا نہیں۔

”پھر اس مدرسے کے اخراجات میں ادا کروں گی اور رقم تمہیں ایک دو روز کے اندر پہنچ جائے گی۔“

یہ کہہ کر جھک خاتون مسند سے اٹھی اور حجاب سے نکل گئی۔ مگر ترک کینز مر جان ہاں موجود رہی، جسے جعفر کو محل کی ڈیوڑھی تک چھوڑتے جانا تھا۔

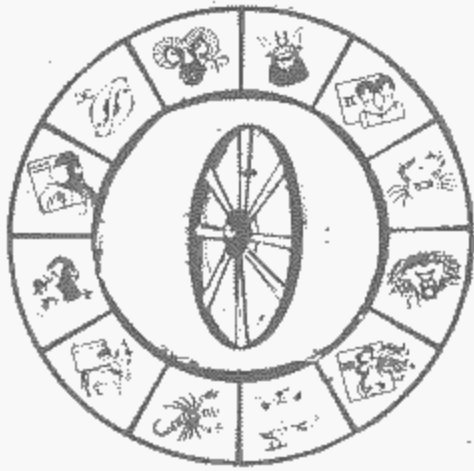
جب وہ محل سے باہر آیا۔ بغداد کی رات چاندنی سے معمور تھی۔ دھند کا پل عبور کر کے اماں احمد بن حنبل کے مزار کے قریب سے گزرا تو خیالی ایسا زندگی دھوپ چھاؤں، اندھیرے اجالے، بادلات میں تقسیم ہے کبھی دھوپ کبھی چھاؤں کبھی اجالہ کبھی اندھیرا کبھی دن کبھی رات کبھی غروب کبھی زوال مگر سیاسی کش مکش کے نتیجے میں خافیت عباسیہ جس زوال سے دوچار ہونے لگا جس اندھیرے میں اترنے والی تھی، وہ اندھیرا ایسے حد خوف ناک اور وہ زوال بظاہر خیر تھا۔ اندھیرے کے بعد اجالہ آتا اور رات کے بعد دن طلوع ہوتا ہے مگر غریبوں پر ایسا مہیب اندھیرا اچھانے والا تھا جس کے بعد اجالہ نہیں تھا۔ بغداد پر ایک ایسی رات نازل ہونے والی تھی جس کی صبح کبھی طلوع نہیں ہوتی۔

وہ نجوم و ثوابت کے علم کا مہر، ایک کامل ریاضی دان اور اپنے علم کی خارجہ میثاق کو مانے کا محتاج نہیں سمجھتا تھا جس کے عوام اور نتائج ناقابل تردید ہونے ہیں لیکن تقدیر کے متعلق کبھی جسے مذہب کی دنیا میں ایک رکن استقامت یا حکم کی حیثیت حاصل ہے اور جو کسی حالت میں اوجہ نہیں ہو سکتی اب نظر یہ رکھتا تھا کہ آدمی جہد و عمل سے تقدیر یا قسمت کو بدل سکتا ہے۔ اس کے نزدیک جس طرح بعض رویا یا کشف انسان کو اس لیے دکھائے جاتے ہیں کہ وہ پیش آنے والے مصائب کا تدابیر کرے تاکہ اُن سے محفوظ رہ سکے۔ اسی طرح نجوم کا علم بھی جو مقدرات کی طرح اُٹل ہوتا ہے انسان کی رہنمائی کا ذریعہ ہے کہ مستقبل کے حالات قبل از وقت جان لینے کے بعد وہ روٹا ہونے والے حوادث کو ٹالتے اور مقدرات کو بدلنے کی سعی و کوشش کرے۔ کیوں کہ آدمی کی جہد و جہد حوادث کا رخ بدل دیتی ہے یا ان کی شدت کم کر دیتی ہے اس کے بقول یہی فلسفہ تقدیر تھا جسے وہ بیان کیا کرتا تھا۔

تقدیر ہے اس فلسفے یا نظریے کے باوجود کہ جہد و عمل سے آدمی کو اپنی قسمت بدلنے کا

کا اختیار حاصل ہے، وہ یہ بھی جانتا تھا کہ نئی طوفان کی طرح ہنر و کسب بھی اس ہول ناک ہڑدی سے نہیں بچ سکتے جو اُن کے اپنے اعمال کے نتیجے میں آنے والی تھی۔

اُسے بغداد کی تباہی کا صدمہ تھا جسے اُس نے نجوم کی آنکھ سے قبل از وقت دیکھ لیا تھا بھی عکس خیر دان کی حویلی تک آئے اُنے (وہ کتب خانے کا مکان چھوڑ کر ابن حرب، الکندی کی علی شان حویلی میں منتقل ہو چکا تھا) یہ سوچ کر دل میں گزرنے والی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا کہ آنے والے زمانے میں جب مدینۃ الاسلام بغداد تباہ و برباد ہوگا۔ قبر میں صرف اُس کی ہڈیاں باقی رہ جائیں گی اور خاک بغداد کی خاک میں مل چکی ہوگی۔



④

غلام

KHAN BOOKS
& LIBRARY
6-627, BHABRA BAZAR, RAIPALPINDI.
Call: 0345-5048634 - 0345-5043553
Printed: All Seasons

جعفر بنوی جب دعرہ کے پہاڑی غار سے روانہ ہوا تو اس سے قبل شہزادی نجم اور ابن حرب کو یہ اطلاع دے چکا تھا کہ مصری فوج حاکم شام طغ بن جف کی مدد کے لیے فسطاط سے روانگی کی تیاری کر رہی تھی اور عن قرب دمشق پہنچ جائے گی۔ شہزادی خود مصری فوج سے اُلجھنے کے لیے تیار نہ تھی۔ دوسرے روز اس نے سردار نھان، ابو غانم اور معقلی کو جو محاصرہ کرنے والے دستوں کے نگراں اور سالار تھے، پیغام بھیج دیا کہ وہ کسی بھی وقت محاصرہ اٹھانے کے لیے تیار رہیں۔

جعفر بنوی کو دمشق سے روانہ ہونے ابھی تیسرا دن گزرا تھا کہ عربیوں کی کاموں میں سے ایک فاصد شام کے وقت دعرہ کی پہاڑیوں میں پہنچ گیا۔ سلیمان بن عامر نے پیغام بھیجا تھا کہ وہ محاصرہ چھوڑ کر صوا کی طرف لوٹ جائیں کیونکہ محاصرے کا مقصد پورا ہو چکا ہے اور امام سنجی بلالفاک بھی یہی چاہتے ہیں۔ فاصد نے بتایا۔

”جب میں عربیوں سے روانہ ہوا اس وقت مصری فوج صوا کے سینا کی بٹی سے گزر رہی تھی۔“

”تھارے اندازے کے مطابق وہ کب تک یہاں پہنچ جائے گی؟“

”زیادہ سے زیادہ تین روز ہیں۔“

گو یا تین روز کے اندر وہ کسی وقت محاصرہ اٹھا کر صوا کا رخ کر سکتے تھے۔ محاصرے کا

کا مقصد یہ شک پورا ہو گیا تھا۔ شام کے سرحدی قصبے اور قریبے تاخت و تاراج کر کے اور دمشق کو گھیرے میں لے کر شہزادی نجم نے طغ بن جف کو غزوہ کی سی سزا دی تھی لیکن اس تاخت اور محاصرے کا ایک مقصد اور بھی تھا کہ صوا کی بہادر شام میں داخل ہونے کے راستوں اور ان راستوں پر پیش آنے والی مزاحمت کو جان لیں۔ نیز انھیں یہ تجربہ بھی حاصل ہو جائے کہ مزاحمت کرنے والے لشکر کو کس طرح پریشان اور مغلوب کیا جاسکتا ہے۔ دمشق کے محاصرے نے شامی فوج کی بہت سی کمزوریاں واضح کر دی تھیں۔ طغ کی مدافعت کے طریقے بھی سامنے آ گئے تھے۔ شامی فوج کے ساتھ جھڑپوں میں صحرا نشینوں کے حوصلے بڑھ گئے تھے۔ صوا جو صولوں اور پہلوں کے ساتھ اب انھیں صوا کی طرف لوٹ جانا تھا۔ شامی علاقے کی تاخت اور دمشق پر حملہ صوا کی لشکر کی ایک جنگی تربیت یا مشق تھی جو پوری ہو گئی لیکن مصری فوج کی تعداد کا پیغام سن کر بھی شہزادی نجم ابلیل نے محاصرہ نہ اٹھایا۔

ابن حرب کو عبد اللہ اور اس کے ساتھیوں کی واپسی کا انتظار تھا جو جعفر بنوی کی کھڑاق کی مدد تک چھوڑنے گئے تھے۔ انھیں یوم الخمیس (جمعرات) کا سورج غروب ہونے سے پہلے دعرہ کے غار میں لوٹ آنا تھا۔ تاہم عبد اللہ کو اجازت دی گئی تھی کہ اگر جعفر بنوی عراق میں بھی نہ مل سکا تو گھبراہٹ سے جہاں تک جعفر چاہے اُس کے ساتھ سفر کریں لیکن اس صورت میں ان کی واپسی دعرہ کی پہاڑیوں کی بجائے نئی کلب میں ہوگی کیونکہ وہ یوم الخمیس کی رات کو محاصرہ اٹھا کر واپس چلے جائیں گے۔ جمعرات میں پورے یوم باقی تھے اور عین ہی دن تک مصری فوج کی آمد کا خطرہ بھی درپیش تھا۔

شہزادی نجم نے معقلی کو اسی شام دعرہ کے غار میں طلب کر لیا۔ اُس نے اپنی کی حیثیت سے دبا برداشتی میں اہم خدمت سرانجام دی تھی۔ شام کے سرحدی علاقے تاخت و تاراج کرنے میں بھی سردار نھان اور ابو غانم سے پیچھے نہیں رہا تھا۔ اب ایک قبائلی قبیلہ کے ساتھ دمشق کی جنوبی فاصل کو محاصرے میں لیے پڑا تھا اس نے ہر اعتبار سے خود کو قوتی اعتماد ثابت کر دیا تھا۔

جب وہ انجو بغار کے اندر بڑے نیچے میں داخل ہوا، شہزادی نجم اُس کی منظر تھی۔ اور صرف غنبر ساتھ تھی۔ نجم نے بیٹھنے کے لیے کہا لیکن وہ اُس کے سامنے ہاتھ باندھے مودب کھڑا رہا۔

”بیٹھو گے نہیں؟“

”علامہ آپ کے حضور کھڑا رہنا پسند کرتا ہے۔“

”مگر تم ہمارے غلام نہیں، دوست ہو۔“ نجم نے اُس کی ثروت افزائی کی۔

معلیٰ نے ایک عجیب دلیل پیش کی: ”صحرا میں رہنے والا ہر شخص مکہ صحرا کا غلام ہے اور میں بھی ایک صحرائشین ہوں۔“

شہزادی نجم نے اپنی لمبی لمبی غلافی آنکھوں سے اُس پر توجہ کی نظر ڈالی اور معلیٰ نے اپنی غلامی کا ایک نیا جواز پیش کیا۔ ”جس دن آپ نے مجھے امام یحییٰ الوداعی کے حضور پیش کیا اور میں نے اُن کی بیعت کی، اُس دن سے میری آزادی ختم ہو گئی تھی۔ بیعت کامل اطاعت اور غلامی کا نام ہے۔ میں نے امام کے ہاتھ کو آپ کا ہاتھ کھجھ کر بیعت کی تھی اور اُس دن سے خود کو آپ کا غلام سمجھتا ہوں۔ میری زندگی کا مقصد صرف حضور کی اطاعت کرنا ہے۔“

معلوم ہوتا تھا، وہ آزادی کے لفظ اور اُس کے مفہوم کو بھول گیا اور بیخیال بھی ذہن سے خارج کر چکا تھا کہ آدمی کی کوئی اپنی مرضی یا اپنی رائے بھی ہوتی ہے۔ وہ کامل اطاعت کے حوالے سے اپنی ذات کی نفی کرتا رہا اور خود کو مکہ صحرا کا غلام کہلانے پر خوش تھا۔ شہزادی نجم اس کا یہ فقرہ سن کر زیر لب مسکرائی کہ اُس نے امام کے ہاتھ کو اُس کا ہاتھ کھجھ کر بیعت کی تھی اور معلیٰ ”عورت کی بیعت نہیں ہوتی۔“

”عورت کی غلامی تو ہوتی ہے میرے لیے بھی ایک بڑا اعزاز ہو گا کہ آپ مجھے اپنا غلام سمجھیں۔ آپ کے ہر حکم کی تعمیل مجھ پر واجب ہو چکی ہے۔“

نجم البیل نے اُس کے جذبات اطاعت سے ایک عجیب سی تسکین محسوس کی اور کہنے لگی: ”اس وقت تمہیں ایک اہم خدمت کے لیے طلب کیا گیا ہے۔ ہمیں اطلاع ملی ہے کہ مصری فوج دمشق کی طرف آ رہی ہے۔ تم اپنے ساتھیوں کو لے کر جنوب کی طرف نکل جاؤ اور اُس پر نگاہ رکھو۔“

”کیا مجھے مصری فوج کا راستہ روکنا ہو گا؟“

”نہیں۔ تمہارا کام صرف اُسے دیکھنا اور ہمیں بروقت اُس کی آمد سے مطلع کرنا ہے۔“

پھر شہزادی نے وضاحت کی: ”ہمیں یوم النہس تک یہیں رکن اور عبداللہ اور اُس کے ساتھیوں کا انتظار کرنا ہے۔ غالباً تم ہمارا مطلب سمجھ گئے ہو۔ تمہیں صرف مصری فوج پر نظر رکھنا ہو گا۔“

”اس مقصد کے لیے کوئی ہمیشہ لے جانے کی ضرورت نہیں،“ معلیٰ بتاتے لگا: ”میں صرف

پانچ آدمی اپنے ہمراہوں کا اور یہاں سے چند میل دور کسی جگہ گھات لگا کر بیٹھ جاؤں گا جو بھی مصری نکلے خود مار ہو گا میں اور میرے ساتھی تیزی سے لوٹ آئیں گے کسی جیش کے ساتھ تیز واپسی شکل ہو گی۔“

شہزادی نے اُس کی رائے سے اتفاق کیا اور تاکید کی: ”وہ آج ہی رات دعوہ سے جبل حرمون کی طرف نکل جائے اور جو پانچ آدمی اپنے ہمراہ لے جائے گا۔ اُن کی ساریاں نیز رفتار ہوں۔ معلیٰ نے یقین دلایا، اس کے پانچوں آدمی بلا کے پھر نبلے اور اُن کی سائیڈیاں بھی برق رفتار ہیں۔“

پھر اُس نے کمر بکھک کر رکوع کی حالت میں شہزادی کو تعظیم دی اور اگلے قدموں نیچے سے نکل گیا گویا اُس کی طرف پشت پھیرنا بھی سکھائے ادب سمجھتا تھا۔

اُسی رات معلیٰ اپنے پانچوں ساتھیوں کے ہمراہ دعوہ کی پہاڑیوں سے جبل حرمون کی جانب ہوا۔ یہاں وہ حرمون سے چند میل آگے نکل گیا۔ عبداللہ اور اُس کے ساتھی مقررہ وقت تک واپس نہ آ سکے۔ یوم النہس کا سورج غروب ہوتے ہی معلیٰ اپنے پانچوں ساتھیوں کو سمیت لوٹ آیا۔ اس نے اطلاع دی کہ مصری ہراول کے پیچھے طوفانی رسالہ اور پیدل دستے بھی دیکھ لیے گئے ہیں۔ مجموعی تعداد نہیں ہزار کے لگ بھگ ہو گی اُن کی رفتار سے ظاہر ہوتا ہے کہ کل شام تک دمشق کے قریب پہنچ جائیں گے۔

معلیٰ کے پانچوں ساتھیوں کا بیان بھی یہی تھا کہ مصری فوج جمعہ کی شام سے قبل دمشق نہیں پہنچ سکتی۔ شہزادی نجم نے معلیٰ کو آفرین کہی کہ اُس نے اپنا فرض کمال ہوشیاری سے ادا کیا اور مصری خطرے کی بروقت اطلاع دے دی ہے۔

ابو حرب کا خیال تھا: ”عبداللہ اور اس کے ساتھی اب دعوہ میں نہیں آئیں گے۔ جعفر بخاری کے ہمراہ وہ بھی عراق میں داخل ہو چکے ہیں اور اُن کی واپسی نئی کلب میں ہو گی۔“

شہزادی نجم نے محاصرین کے سالاروں کو حکم دیا کہ وہ دمشق سے پانچ چھ میل پیچھے ہٹ جائیں نصف رات کو صحرائی طرف واپسی ہو گی۔ شام کا اندھیرا پھیلتے ہی صحرائی دستے محاصرہ ترک کر کے بڑے منظم طریق سے پیچھے ہٹنے لگے۔ محصورین نے قلعے کی تفصیل سے یہ منظر دیکھا تو حیران رہ گئے۔ شامی خیموں کا خیال تھا کہ کوئی چال کھیل رہے ہیں۔ اس لیے قلعے سے نکل کر حملہ کرنے کی ضرورت نہ سمجھی کہ کہیں اُن کے قریب میں نہ آجائیں۔ ساتھیوں مصری فوج کا انتظار تھا۔ اس کی آمد سے قبل قلعے کا دروازہ کھول کر باہر نکلتا اور دشمن پر حملہ کرنا خطرناک ہو سکتا تھا۔

آدھی رات کو بادیشہ شیش بڑی خاموشی سے لڑنے لگے۔ عبداللہ کی عدم موجودگی میں معنی اور اس کے پانچوں ساتھیوں کو جوئی الواقع پڑے جان باز اور دلیر ثابت ہوئے تھے۔ شہزادی نجم اور ابن حرب کی حفاظت کا فرض سونپ دیا گیا اور معنی کو ان کے حفاظتی خرس (گلاڈو) کا افسر مقرر کیا گیا۔ وہ اس الزام پر نازاں اور بے حد خوش تھا کہ مکہ صحرانے اس کی درخواست قبول کی اور اسے اپنی خدمت حفاظت، قربت یا غلامی کا موقع دیا ہے۔ اسے اعتماد کے لائق سمجھا ہے اس کے نزدیک نجم العلیل جیسی خوب صورت شہزادی کی غلامی کسی ولایت کی حکومت سے بھی زیادہ قابل فرحت تھی۔

معنی نے محافظ سواروں سمیت شہزادی نجم اور ابن حرب کے پیچھے سفر کیا۔ وہ پہلے سے کہیں زیادہ مستعد اور چاق و چربند نظر آتا تھا۔ نئے دن کا سورج شام ہی کے علاقے میں طلوع ہوا لیکن سفر دن کو بھی جاری رہا اور غروب آفتاب تک وہ محراب کے حاشیے پر بیٹھ گئے۔ مختصر سے قیام کے بعد سفر پھر شروع ہو گیا۔ کامیاب تاخت اور محاصرے کے بعد دمشق سے کامیاب واپسی بھی ایک اہم جنگی مشق تھی جو پوری ہوئی۔

جمعے کی صبح کو جب محصورین نے قلعے کی فصیل سے بادیشہ بیٹوں کے پھیلے پڑاؤ پر نظر ڈالی تو وہ بھی دیران دکھائی دیا۔ قزاق کے سبز علم کہیں دور دراز تک نظر نہیں آتے تھے۔ دن ابھی پہلے پر ہے گزر رہا تھا کہ خبروں نے اطلاع دی دشمن دعرہ کی پٹریاں بھی خالی کر گیا ہے اور مصری فوج جو دمشق کی مدد کے لیے بھیجی گئی ہے صرف نصف یوم کی مسافت پر ہے۔ وہ شام تک دمشق پہنچ جائے گی۔ غلبہ بن جف تیج قناب کھا کر رہ گیا کہ دشمن کو مار بھگانے کی نوبت نہیں آئی اور وہ مصری فوج کی آمد سے پہلے ہی محاصرہ چھوڑ کر نکل گیا ہے۔



صحرائیں داخل ہوتے ہی قبائلی سرداروں اور ان کے کستوں کو اپنے اپنے قبیلے کی طرف رخصت کر دیا گیا۔ بادیشہ بیٹوں میں کوئی فرمایا نہ تھا، جس نے لوٹ مار نہ کی ہو اور اس کا پانچواں حصہ جماعت کے لیے جمع نہ کیا ہو۔ سب لوگ مال غنیمت سے ابد سے چھترے واپس آئے تھے مگر شہزادی نجم نے سرداروں اور ان کے تانوں کو رخصت کرنے وقت جماعت کے حصے سے بھی بہت کچھ دیا۔

شام کے سرحدی علاقے اور دمشق کے سوا کو بڑی بے رحمی سے تاخت و تاراج کیا گیا تھا اور اس قدر مال غنیمت ہاتھ آیا تھا کہ صرف جماعت کے حصے (خمس) کی مالیت لاکھوں دینار تھی وہ قیمتی مال غنیمت کے علاوہ غلے کے ذخیرے، شہزادے، زیتون، ادنیٰ، گھوڑے اور بھیڑ بکریوں کے ریوڑ تک ہاتھ لائے تھے۔ شہزادی نجم اور ابن حرب کی کامیاب واپسی پر بنی کلب میں ان کا شاندار استقبال کیا گیا۔ بنی کلب کا دستہ بھی سردار لغمان سمیت مال و اسباب کے پشاورے لے کر واپس آیا۔ معنی کے ساتھ وہ پانچوں ساندنی سوار جن کا کسی دوسرے قبیلے سے تعلق تھا۔ بنی کلب میں آ گئے تھے کیوں کہ وہ محافظ دشنے میں شامل کر لیے گئے تھے۔

بنی کلب میں پہنچتے ہی شہزادی نجم نے محافظ افسر معنی کو اپنے مضر (سرپرستہ) میں طلب کیا جس نے مال غنیمت میں سے کوئی شے اپنے پاس نہ رکھی تھی اور سب کچھ جماعت کے حصے میں جمع کر دیا تھا۔ شہزادی نجم نے اس کا حصہ پیش کیا جو کم سے کم چھ ہزار دینار کی مالیت کا ہو گا لیکن معنی نے کچھ لینے سے انکار کر دیا اور کہا: ”میں جماعت سے وابستہ ہو چکا، اب میرا جو کچھ ہے، جماعت کے لیے ہے۔ مجھے کسی شے کی طلب اور ضرورت نہیں۔“

”مال غنیمت ایک انعام ہوتا ہے معنی۔“

”آپ نے مجھے اپنا الخرس (خمس) انصاف (باڈی گارٹی) مقرر کر کے ایک بڑا انعام دے دیا ہے میری ہی خواہش ہے کہ حضور کی خدمت کر دوں۔“

”تم تمہارے اس جذبہ اطاعت سے خوش ہیں۔“

”اور میں اپنے آپ کو اس وقت خوش نصیب سمجھوں گا جب آپ واقعی مجھے اپنا غلام تسلیم کر لیں گی۔“

ملوئی شہزادی نے اسے غور سے دیکھا۔ وہ سزا پا یا بالکل بدلا ہوا اور غرور انکسار کا بیکر نظر آ رہا تھا۔ اس تبدیلی میں شہزادی کا بھی ہاتھ تھا جو اسے معان بنا کر بنی کلب میں لے آئی اور اس پر انعام کرنے لگی تھی۔ معنی صحرا نشینوں کی عقیدت سے بڑا متاثر ہوا اور جماعت کے متعلق ایک نئے رویے سے سوچنے لگا تھا۔ مگر اس نے جماعت میں شمولیت یا قمری امام کی بیعت کے بارے میں کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔ اس کی طرف سے یہ سب کچھ نجم العلیل نے سوچا اور بھیجی البتہ انعام کو بتایا تھا کہ وہ بیعت کرنا چاہتا ہے معنی نے کوئی حجت نہیں نکالی تھی۔ اپنا ہاتھ امام کے ہاتھ میں دے دیا تھا۔ بیعت کی تھی اور جماعت باپ شہزادی نجم کی اطاعت و وفاداری کا حلف اٹھایا تھا۔ اسی دن سے

کی ایک نئی لہر دوڑ گئی۔ کیوں کہ ملکہ صحرانملا ناپسند کرتی تھی لیکن یہ نہ سمجھ سکی کہ جب اس نے معنی کو خریدایا نہیں تو پھر وہ کون سی قیمت کا ذکر کرتا ہے؟ دوسرا الجدل کے نائب سردار نے خود ہی وضاحت کی اور اسے یاد دلایا۔

”عزیز کی کارواں سڑائے میں آپ نے میری زندگی بخش کر دراصل مجھے خرید لیا تھا اور یہ ایک غلام کی اتنی بڑی قیمت ہے جو شاید کسی نے ادا کی ہو۔“
”مگر وہ زندگی تمہیں ایک شرط پر دی گئی تھی جو تم نے پوری کر دی اور میں اپنے فطرتاً جانیے کا مقصد بتا دیا تھا۔“

”آپ وہ مقصد جان لینے کے بعد بھی میرے قتل کا حکم صادر کر سکتی تھیں۔“
”جب ہم نے اسی مقصد کے عوض تمہارا زندگی بخش دینے کا وعدہ کر لیا تھا۔ پھر تمہارے قتل کا حکم کیوں دیتے؟“

”وہ آپ کا انصاف یا رحم تھا۔“
”ہم نے انصاف کیا تھا۔“

”انصاف ہی ملکہ صحران کو زیب دیتا ہے کیونکہ صحران انصاف کا گوارہ ہے۔“
کیا معلوم وہ جانتا تھا یا نہیں کہ طوطی شہزادی نے صحران کو کوئی خواب دیکھا تھا اور اب خود اس خواب کی تعبیر بن گئی ہے۔ تاہم صحران کے حوالے سے اس کا ایک ایک لفظ نجم العلیل کے خون میں دوڑنے لگا اور ایک عجیب سی کیفیت میں جیسے ذہن کچھ اندر سوچ رہا ہو۔ بولی۔ ”یہ تم نے ٹھیک کہا ہے صحران انصاف کو گوارا نہیں کرتا اور کسی سے رحم کا طلب گار نہیں ہوتا۔“

”مگر میری زندگی تو آپ کی دی ہوئی ہے جس میں انصاف کے ساتھ رحم کا بھی حصہ ہے اسی لیے آپ کی غلامی اور اطاعت مجھ پر واجب ہے۔“

وہ زبردست سکڑی۔ ”ہماری غلامی سے اتنا تو نہیں جواؤ گے؟“
معنی کی آواز کسی انجانے جوش سے لرز رہی تھی۔ ”یہ غلامی میری زندگی اور میرا مستقبل ہے میں اپنا ماضی پیچھے چھوڑ آیا ہوں۔“

ایسا کہ شہزادی کو ایک نئی بات سوجھی۔ معنی! اب تم واپس تو جانا نہیں سکتے، ہمیشہ ہماری خدمت میں رہو گے۔ اس لیے ہم چاہتے ہیں اپنے بیوی بچوں کو ہمیں بلاناہ و سزا دہنہ تھارے لیے بریطان ہول گے اور تمہارا دھیان ہر وقت اُن میں رہے گا۔ آدھی بے شک اپنے ماضی کو پیچھے چھوڑ

وہ اپنی ذات کی نفی کرنے اور خود کو شہزادی کا غلام سمجھنے لگا تھا، جس کا اظہار عہدہ کے غار میں کر چکا اور یہاں بھی اس بات پر مصروف تھا کہ وہ اسے اپنا غلام تسلیم کرے۔

نجم العلیل اس کی اطاعت، لگن اور وفاداری کے جذبے کو سمجھتی اور جانتی تھی کہ اس نے پیشتر بھی کسی حکم یا کسی فرمائش سے انکار نہیں کیا اور آئندہ بھی نہیں کرے گا۔ پہلے بھی اس کا ہر اشارہ کنیہ سمجھتا رہا۔ آگے بھی ہر بات ماننا رہے گا۔ اسے غالباً ایک ایسے وفادار اطاعت گزار غلام کی ضرورت تھی، جو اس کی اطاعت اور حفاظت کا فرض عبادت سمجھ کر ادا کر سکے اور معنی توقع کے عین مطابق بلکہ اس سے بڑھ کر اطاعت گزاری اور وفاداری پر آمادہ تھا۔ معنی کا اب کوئی دوسرا ٹھکانا نہیں تھا۔ جماعت میں شامل ہو کر سارے رشتوں سے کٹ گیا تھا۔ شہزادی نجم نے اس کے حلقے پر اس کی مرضی کے مطابق توجہ دی اور کہنے لگی۔

”تم کہتے ہو کہ ہم تمہیں اپنا غلام تسلیم کر رہے ہیں مگر تم نے تمہاری قیمت ادا نہیں کی، تمہیں کسی مڑی سے خریدنا نہیں پھر بھی تم خریدے ہو۔ غلاموں سے کہیں زیادہ ہماری اطاعت کرتے اور ہمارا حکم بجا لاتے۔ بے جہاد آئندہ بھی ہمارے کسی حکم سے انکار نہیں کرو گے کیوں کہ اطاعت گزار اور وفادار غلام ہوا۔ آج سے تم تمہیں اپنا غلام مانتے ہیں۔“

یہ سنتے ہی معنی اس کے قدموں میں گر گیا، سجدہ ریز ہو گیا اور پیشانی پاؤں پر رکھ دی نجم العلیل نے اپنے پاؤں نیچے نہیں ہٹائے جن قدموں پر کھڑی تھی اکھڑی رہی پھر اسے اٹھنے کا حکم دیا۔ معنی اس کے پاؤں کو بوسہ دینا ہوا اٹھا وہ بے حد شرمسٹ تھا، جیسے ہفت اہلیم کی بادشاہت مل گئی ہو۔ فرط اطاعت یا غلبہ عقیدت سے اس کی آواز کھپکھپا رہی تھی۔

”آپ عل ناسب ہیں اور آپ نے مجھے اپنے غلام کا درجہ دے کر میری اطاعت کو اختیار بخش دیا ہے۔ اب یہ غلامی میری عزت کا باعث بن گئی ہے۔“

نجم العلیل کی غلامی آنکھوں میں وہی چمک تھی جو ایک شہزادی یا ملکہ کی آنکھوں میں اس وقت پیدا ہوتی ہے جب وہ کسی وفادار غلام پر اپنے اعتماد کا سایہ ڈال رہی ہو۔ معنی ہم نے تمہیں خرید کے مول حاصل نہیں کیا مگر اپنا غلام بنالیا ہے۔

”ملکہ عالیہ! آپ نے مجھے خرید کے مول نہیں بلکہ اس سے بڑی قیمت میں خریدا تھا۔ آج تک کسی غلام کی اتنی بڑی قیمت نہیں لگی ہوگی۔“

معنی نے اسے پہلی بار ”ملکہ عالیہ“ کے نام سے خطاب کیا جس پر شہزادی کے جسم میں سترت

مقلی نے آخری الفاظ پر چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ الفاظ اگرچہ سادہ تھے مگر ان کا ایک مفہوم تھا اور وہ مفہوم ایسا نہیں تھا کہ کچھ میں نہ آ سکے۔ بڑا مضطرب سا ہو گیا۔ "آپ میرے لیے سردار نعمان سے کیوں بات کریں گی؟"

"نعم اللیل نے معاملہ کھول دیا۔" سردار نعمان کی لڑکی فاکہہ تیرہ برس کی ہو گئی ہے اور صحرائیں تیرہ برس کی لڑکی شادی کے قابل ہو جاتی ہے۔

"میں شادی نہیں کروں گا۔"

"اگر ہم حکم دیں پھر بھی نہیں کر سکتے؟"

مقلی خاموش ہو گیا اور نعم اللیل کہنے لگی "شادی ایک طبعی ضرورت ہے اور شادی کے لیے بارہ لڑکی پسند کرتا ہے۔ فاکہہ بارہ بھی ہے اور خوب صورت بھی نعم وہ فاکہہ الصحر (صحرائی بیوہ) تھا۔" اسے یہ سردار نعمان سے طلب کریں گے۔

مقلی گروں جھکائے چپ کھڑا تھا۔ شاید کم سن اور خوب صورت فاکہہ جس کے نام کا ترجمہ شہزادی نعم اللیل نے "صحرائی بیوہ" کیا اس کے خیالوں میں رنگ بکھیرنے لگی تھی لیکن اس نے اپنے خیالوں کے رنگ جھک دو دیے اور بولا۔ "میں نے اپنی زندگی آپ کی اطاعت، آپ کی خدمت، آپ کی غلامی کے لیے وقف کر دی ہے۔"

شہزادی نعم نے اس کے الفاظ اور ان الفاظ میں چھپی ہوئی خدمت کی دارنگی محسوس کی جو صرف اس کے لیے تھی اور ہونٹوں پر ہلکا سا تبسم بکھر گیا۔ "فاکہہ سے عقد کر کے بھی تم ہماری غلامی میں رہو گے۔"

پھر اس نے معاملے کی ایک دل چسپ صورت پیش کی۔ "ہم یہ بھی بتائے دیتے ہیں کہ سردار نعمان فاکہہ کا عقد ابن حرب سے کرنا چاہتا ہے۔ صرف تین مہینے قبل اس نے ہم سے پوچھا تھا کہ اگر ہمیں اعتراض نہ ہو تو فاکہہ ابن حرب کی پیش کردی جائے۔ ہمیں تو کوئی اعتراض نہیں تھا لیکن جب ہم نے رات کو ابن حرب سے خلوت میں بات کی تو اس نے انکار کر دیا اور کہا۔ "فاکہہ بے شک بخوبی کلب کی سب سے حسین اور بڑے سڈول جسم کی لڑکی ہے اور سردار نعمان اپنی لڑکی دے کر میرے ساتھ رشتہ داری چاہتا ہے لیکن میں اس سرایہ میں تمہاری کوئی خستہ (سکون) داخل نہیں کروں گا۔ کوئی لڑکی، کوئی دوشیزہ، کوئی تازہ بین خواہ وہ کتنی ہی حسین اور دل ربا کیوں نہ ہو تمہاری صحرائی دنیا میں شریک نہیں ہو سکتی تم بلا شرکت غیرے ملکہ صحرا ہو اور میں دوسری شادی نہیں

اپنے گھر کا پتا دے دو۔ تمہارے اہل خانہ یہاں پہنچ جائیں گے۔"

یہ بات سن کر مقلی کا پ سا گیا مگر اس کا جواب زیادہ رزہ خیر تھا۔ "مکہ عالیہ آسمان پر سورج اکیلا ہے۔ زمین پر میں تنہا ہوں۔ میرا کوئی گھر ہے، نہ گھر والے ہیں۔" شہزادی نجم رنگ رہ گئی۔ "ہم تو تمہارے اہل خانہ کے لیے پریشان تھے۔" "آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ پہلے دوسرا الجندل کی چھافانی میں رہنا تھا۔ اب ہی کلب میں مقیم ہوں اور اپنے سوا میرا کوئی نہیں۔"

وہ اکتیس، اچیس سال کا گندم گوں، خوش شکل اور گرائڈل عرب تھا۔ یہ بات حیرت انگیز تھی کہ ایک فوجی افسر کے باوجود اکیلا ہے جب کہ عرب تین تین، چار چار جویاں کرتے اور کئی نوڈیاں رکھتے تھے۔ شہزادی کے لیے میں پوچھنے لگی "کیا شادی نہیں ہوئی؟"

"ہوئی تھی۔"

"ایک یا....."

"دو۔"

"اور بچے۔"

"تین۔" ہر سوال کا ہر جواب مختصر تھا۔

"پھر جویاں اور بچے کیا ہوئے؟"

اس نے افسردہ سی نظروں سے نیچے کی پار جاتی چھت کی طرف دیکھا اور آہستہ سے بولا "خُصُولُ الذِّكْرِ السَّخِي مِنْ الذِّكْرِ الذَّمِيمِ" (کسی بات کا ذکر گم ہو جاتا یا اس کا ذکر نہ کرنا، اس کی بڑی یاد سے ہنر ہے)

شہزادی سمجھ گئی کہ ان کے ساتھ کوئی المیہ پیش آچکا ہے جس کے خیال سے غم زدہ ہو گیا اور اس کا ذکر پسند نہیں کرتا۔ بعض صدمے اور الجے ایسے ہوتے ہیں کہ آدمی ان کے تصور ہی سے کاپ اٹھتا ہے۔ نہ جانے اس کے اہل و عیال کے ساتھ کیا حادثہ ہو کر رہا تھا۔ شہزادی نے بات بڑھانا اور مزید کچھ پوچھنا مناسب نہ سمجھا۔ اور اسے تسلی دینے لگی۔

"بہر حال تم یہاں اکیلے نہیں۔ بخوبی کلب نے تمہیں اپنا کچھ قبول کیا ہے۔ تم بھی انہیں اپنا کچھ اب بھی تمہارا گھر، یہی تمہارا قبیلہ ہے۔ ہم سردار نعمان سے تمہارے لیے بات چیت کریں گے۔"

اب ابن حرب سردار نعمان سے اپنی ملاقات کا حال بیان کرنے لگا۔ اس نے بتایا کہ غنیمت کا مال جلد از جلد اٹا لیجی ابو القاسم کے حضور میں پہنچا دینا اور انہیں شام کے حالات سے آگاہ کرنا ضروری ہے۔ نعمان امام بارگاہ تک نہیں جاسکتا۔ اُس کی ٹانگ کا زخم ابھی اچھا نہیں ہوا اور طبیعے امام کا مشورہ دیا ہے۔ مگر وہ خود شہزادی نجم کے ہمراہ کل شام کو تاج حسین کے صواری مسکن کی طرف روانہ ہو جائے گا اور نعمان کے نائب کو تاکید کر گیا ہے کہ کل غروب شمس سے قبل سامان اوٹوں پر لودوا دیا جائے کیوں کہ وہ شام ہوتے ہی بنی کلب سے روانہ ہو جائے گا۔ پھر نجم ایل سے مخاطب ہوا "نجم! کل ہم ساری رات سفر کریں گے اور پریوں سویرے وہاں پہنچ جائیں گے۔"

"رات کا سفر دن کے سفر سے بہتر ہوتا ہے۔" نجم ایل نے اُس کی تاکید کی اور معنی سے کہنے لگی "تم بھی اپنے شتر سواروں کو سفر سے آگاہ کر دو۔ صرف تمہارا بدرتہ ہمارے ساتھ جانے گا وہاں ہم امام سے فاکہ کے ساتھ تمہارے عقد کی اجازت بھی لے لیں گے جس کے بعد سردار نعمان بخوشی تمہیں اپنا داماد بنا لے گا۔"

معنی کو فاکہ سے کوئی دل چسپی تھی یا نہیں لیکن اُس نے شہزادی نجم ایل کی خوشنودی کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔



کردوں گا۔ یہ کہہ کر ابن حرب نے معاملہ ختم کر دیا مگر اب ہم چاہتے ہیں، سردار نعمان سے تمہارے لیے بات کریں اور حسین فاکہ کو تھاری عروس بنائیں۔"

معنی کے ذہن میں سوچ کی ایک نئی لہر فرفرائی۔ "میں تو آپ کا غلام ہوں اور کسی حکم سے انکار نہیں کر سکتا لیکن کیا سردار نعمان فاکہ کو میرے عقد میں دینے کے لیے تیار ہو جائے گا؟" "ہم کہیں گے تو انکار نہیں کرے گا۔" وہ بڑے دلکش انداز میں مسکرائی۔ "ہماری خواہش ہے فاکہ اگر ہمارے شوہر کی نہیں تو ہمارے غلام کی دھن بنے۔ بہت خوب صورت بٹری شوق اور بے قرار لڑکی ہے۔"

نجم ایل کی مسکراہٹ معنی کے دل میں اُتر گئی اور جذبات میں جیجان پیدا کرنے لگی لیکن اس نے فوراً اُنکھیں جھپکا لیں۔ "غلام کو صرف آپ کی خوش رائے منظور ہے۔"

وہ جانتی تھی معنی اُس کے حکم سے انکار نہیں کر سکتا۔ پھر مال غنیمت کا ذکر چھیڑ دیا۔ "اب تمہیں سامان اور مال کی ضرورت ہوگی اس لیے غنیمت سے اپنا حصہ وصول کر دو۔"

معنی کے لیے انکار کی کوئی گنجائش نہیں رہ گئی تھی۔ رضامندی میں سر جھکا دیا اور اُس کے لیے جو حصہ نکال لیا تھا قبول کر لیا۔ اُسی لمحے، ابن حرب، اومنا اور عفر کے ساتھ مکہ ملاقات میں نکلے اور وہ سردار نعمان ہی کے مجھے سے اُس کی عیادت کر کے آ رہا تھا جس کی ٹانگ پر داپسی میں اپنی بے احتیاطی سے زخم آگیا تھا۔ معنی کو دیکھا تو مال غنیمت کے ساتھ اس کی موجودگی کا مطلب بھی کچھ گیا۔ مگر شہزادی نجم خود وضاحت کرنے لگی۔

"ابن حرب! معنی مال غنیمت سے اپنا حصہ لینے سے انکاری تھا۔ صرف ہماری اور تمہاری اطاعت کو اپنا فرض سمجھتا ہے۔ ہم نے اسے اپنا غلام بنالیا ہے۔ معنی کا ماضی پیچھے رہ گیا اور پیچھے کچھ نہیں رہا۔ یہاں بھی اکیلا تھا مگر تم پر کس خوش ہو گئے کہ ہم نے اسے سردار نعمان کی لڑکی فاکہ کے لیے لاشی کر لیا ہے اور اب نعمان سے بات کریں گے۔"

ابن حرب کے سر سے جیسے کوئی بوجھ اُتر گیا۔ سرت کے لہجے میں بولا۔ "نجم! یہ تو تم نے بہت اچھی بات سوچی ہے۔ معنی کی فکر مجھے بھی تھی ماب یہ ہمارے بد رفتے کا سالار ہی نہیں تھا۔ غلام بھی ہے۔ سردار نعمان کو فاکہ اور معنی کے عقد میں کوئی عذر نہیں ہونا چاہیے۔"

"معنی کی نئی حیثیت جان لینے کے بعد وہ کوئی عذر کرے گا بھی نہیں۔ ہم جانتے ہیں، نعمان اسے ایک فوجی افسر کی حیثیت سے پسند کرتا ہے۔"

(۷۱)

دوسرا حُلُول

۰

دوسرے دن شام کے چھپنے میں شہزادی نجم اور ابن حرب کا قافلہ بنی کلب سے روانہ ہوا۔ وہ ایک بڑا قافلہ تھا۔ اگر ۵۰۰ اونٹوں پر مال غنیمت لدا ہوا تھا تو اتنے ہی اونٹ غلے کی اجناس اور شہر و زمینوں لے کر جا رہے تھے۔ ساتھ بھید بکریوں کے ریوڑ بھی تھے اور یہ رسد بھی دیگر مال غنیمت کے ساتھ شام ہی کے علاقے سے ٹوٹی گئی تھی۔

سایانوں کے علاوہ صرف بیس شتر سواروں کا ایک بدردہ معنی کی سرداری میں قافلے کے ساتھ سفر کر رہا تھا جس میں وہ پانچ ساکنی سوار پیش پیش تھے جنہیں معنی انتہائی جاں باز اور قابل اعتماد تھے۔ شام سے ساتھ لے گیا تھا۔ بدردہ کے بغیر سوار بنی کلب کے چنے ہوئے بہادر تھے جنہیں مستقل طور پر حفاظتی دستے میں شامل کر لیا گیا تھا۔

جیسا کہ ہمارے پڑھنے والے جانتے ہوں گے۔ آقا حسین کے صحرائی مسکن کا راستہ حجر کے صحرائی علاقے سے گزرتا اور دشوار گزار تھا مگر اس راستے پر صحرائی حیلوں کی تاحوت کا خطرہ نہیں تھا وہ ایک خفیہ گزرگاہ تھی بلکہ گزرگاہ بھی نہیں تھی بس صحرائی کہیں اکاؤڈ کا سیاہ پتھر کے ٹیلے ابھرے ہوئے تھے اور انہی کو ”نشانِ راہ“ سمجھ کر آنے والے سفر کرتے تھے۔ البتہ قافلے کو اندھیرے میں آگے بڑھنا تھا۔

وہ ۲۸۹ ہجری کے ربیع الثانی کی آخری اور تاریک رات تھی اور فائز ماسینی میں پڑھائے میں کہ خلیفہ معتضد البریعی اس ۲۷ ربیع الثانی کو دنیا سے کوچ کر گیا تھا لیکن ابھی شام اور جزیرۃ العرب

کے صحرائوں میں اُس کے انتقال کی خبر نہیں پہنچی تھی۔

اس تاریک رات میں قافلہ سفر کرتا رہا۔ احتیاطاً ابن حرب نے کوئی مشعل بھی روشن کرنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ راہبر راستے کے تمام نشانات کو جانتا اور کئی بار ادھر سے اُدھر جا چکا اور دُھر سے ادھر اُدھر چکا تھا۔ اب وہ آنکھوں پر پٹی باندھ کر بھی اس راستے پر سفر کر سکتا تھا۔ اس لیے رات کی تاریکی سفر میں مزاحم نہ ہوئی۔ صبح کی پوچھنی تو قافلہ آقا حسین کے صحرائی مسکن سے صرف دس گیارہ میل دور تھا۔ اونٹ، ان کے سوار، پیدل چلنے والے ساربان اگرچہ رات بھر کے سفر سے تھک گئے تھے اس کے باوجود صبح کی روشنی میں رنفا رکچہ تیز ہو گئی۔

قافلہ دن چڑھے صحرائی مسکن میں پہنچا تو معنی نے ماکہ صحر کا سبز علم اٹھا رکھا تھا جو پہلے عبداللہ اٹھایا کرتا تھا اور اُس کی جیران ہی نظریں پھاڑی کے دامن میں پھیلے صحرائی مسکن کا جائزہ دے رہی تھیں جو جہدِ طرف سے صحرائی گھرا ہوا اور شمال کی جانب بادیہ شام سے جلتا تھا۔ تعلیم اس پر اچانکے ہوا کہ کنگا تھا بار بار اونٹوں کے آگے آگے ماکہ صحر کا سبز علم دیکھ کر آقا حسین اپنے اخوان اور خدام کے ہمراہ خود شیر مقدم کے لیے نکلا اور اُس نے آگے بڑھ کر شہزادی نجم اور ابن حرب کا استقبال کیا۔ جب اسے پتا چلا کہ اونٹ سامان رسد اور مال غنیمت سے لدے ہوئے ہیں جو شام سے آتے ہوئے ہیں تو انہیں آفریں کہی اور بتایا کہ امام ان کی کامیابی کے لیے دعا کرتے رہے ہیں اور اتنی بڑی کامیابی انہی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔

شام پر تاخت کے باعث صرف سامانِ خوراک اور مال غنیمت ہی ہتھ نہیں آیا بلکہ شامی فوج پر صحرانشینوں کی طاقت کا بیکہ بھی پٹھ گیا تھا اور عراق میں پیش آنے والی شکست کی کسک بیکہ کم ہو گئی تھی۔ اس کامیابی پر آقا حسین کے مسکن میں خوشی کے ڈنکے بجنے لگے۔ باہر اونٹوں سے سامان آتے نہ لگا اور سبز پوش شیخ الجماعۃ دھانوں کو لے کر امام بارگاہ میں داخل ہوا۔

امام بارگاہ آقا حسین کے مضرب (بڑے چیمے) سے ملحق ایک دوسرے اور بہت بڑے سر پرودہ پر مشتمل قلعے میں کا اضافہ حال ہی ہوا تھا۔ وہاں امام کبھی ”قرطبی“ صاحب الناقہ کی حرمیں اور کثیرین رہتی تھیں۔ اوضۃ الملائقہ جو کسی پارچاتی ایران کا نقشہ پیش کرتا تھا۔ ”امام بارگاہ“ کہلاتا اور وہ اپنے اخوان، قبائلی سرداروں، داعیوں، فدائیوں سے وہیں ملاقات کرتا تھا۔

جو غنی شہزادی نجم اور ابن حرب امام بارگاہ میں داخل ہوئے۔ ”اصلاً دسھلا و صحرانہ“ کا شہر اٹھا۔ ان کے پیچھے پیچھے دمنہ ارد عنبر کے علاوہ معنی بھی بارگاہ میں پہنچ گیا اور اتنے بڑے سر پرودہ

کو دیکھ کر حیران ہوا جو بغداد کے شاہی محلوں اور قصر کی طرح قیمتی سامان سے آراستہ تھا۔ فرش کھجور کی چٹانوں کا تھا جن پر بندے اور تالین پٹھے تھے۔ وہاں خود بھی ابوالقاسم نے اپنے چھوٹے بھائی علی قزطی ابن عم عیسیٰ بن مہر دیہ (جو "امدثر" کے نام سے مشہور ہوا) مطوق بالنور، امام کے خاص محافظ صام اور چند واعیان خاص کے ساتھ مہمانوں کا استقبال کیا۔

فوراً ہی قزطی کینز میں خاطر تواضع کے لیے حاضر ہو گئیں۔ ان میں خاص کینز بیلی جو قبیلہ قیس سے تعلق رکھتی تھی، سب سے نمایاں تھی۔ وہ ہم البیل کے علاوہ اس کی دونوں کینزوں سے بھی مل کر بہت خوش ہوئی اور جب خاطر تواضع کا سلسلہ ختم ہوا تو قزطی کینزوں کے ساتھ دم نہ اور غیر کو بھی ہر پردہ میں لے گئی کیوں کہ وہاں جو گفتگو ہونے والی تھی اس میں ان کی موجودگی ضروری نہیں تھی۔

وہ انھوں خاص، داعیوں اور فدائیوں کی مجلس تھی جس میں شام کے حالات پر غور کیا جانے والا تھا۔ شہزادی نجم اور ابن حرب کو اس مجلس میں نمایاں حیثیت دی گئی جو شام کے معاملات سے براہ راست تعلق رکھتے تھے۔ معنی ان کے ہر قدم کا سالار تھا جس کی بعض خدمات سے بھی قزطی کو پہلے ہی آگاہ کر دیا گیا اور انھیں خدمات کی بنا پر اس کی خصوصی سمیت لی گئی تھی۔ اب شہزادی نجم نے شام پر کیے جانے والے دھاوے کے حالات بیان کیے تو معنی کی اعلیٰ کارکردگی اور جدی بازی کا نمایاں ذکر کیا اور یہ بھی بتایا کہ وہ امام کے علاوہ جماعت سے بھی گہری عقیدت رکھتا اور محبت ہے کہ اب اس کا جو کچھ ہے سب جماعت کے لیے ہے۔

یہی قزطی کے ساتھ تمام حاضرین مجلس بھی اس کے جذبہ عقیدت سے خوش ہوئے اور شہزادی بتانے لگی۔ "سیدنا مالکہ صحر کی حیثیت سے معنی ہمارے ساتھ ہی عبودیت کا تعلق رکھتا اور ہماری اطاعت و غلامی پر فخر کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے ہم نے اسے اپنا غلام بنایا اور یہ واحد آدمی ہے جسے ہم نے براہِ اواز دیا ہے۔"

ابن حرب نے نہ صرف شہزادی نجم کے بیان کی تائید کی بلکہ بتایا کہ وہ اس امر کا بجا طور پر مستحق ہے اسے شہر سوار دستوں کی قیادت کرتے اور حریف کو مار لہگانے کا اگر آتا ہے۔ محرابی لشکروں کی غالب اکثریت شہر سواروں پر مشتمل ہے اسی لیے شہزادی نجم نے معنی کو اپنی خدمت اور غلامی میں لے لیا ہے۔

اسلامی حکمرانوں میں غلاموں کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ بیشتر حکمران معتد غلاموں کو لشکر کی سپہ سالاری سونپتے بلکہ وزارت اور حکومت میں شامل کرتے تھے۔ خلیفہ معتقد کے غلام بدر کے سامنے

کو وزیر امیر شہزادے بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے اور خلیفہ اس سے مندرجہ کیے بغیر کوئی کام نہیں کرتا تھا۔

یہی قزطی نے معنی کو پسندیدہ نظروں سے دیکھا اور کہا "جو اطاعت اور بندگی کرتا ہے اس کے لیے درجات ہیں۔"

معنی نے دوا انو ہر نام کو تعظیم دی۔ اس طرح شہزادی کے لائق اعتماد غلام ہونے کی حیثیت سے اُسے خاص مجلس میں شرکت کا حق حاصل ہو گیا اور بھی ابوالقاسم نے اس کی حیثیت تسلیم کر لی۔ ابن حرب نے اُس کی فوجی ضرورت بیان کی تھی۔ فرامطہ نہ صرف خلافت عباسیہ کے خلاف خروج و بغاوت کا آغاز کر چکے بلکہ شام کے طوفانی علاقوں پر بھی نظر ڈال رہے تھے۔ عراق ہو یا شام انھیں کہیں نہ کہیں اپنے قدم جمانے کے لیے جگہ کی ضرورت تھی۔ صحرا نشین اونٹ کو بزرگ کرنے اور اسے جنگوں میں استعمال کرتے تھے۔ قزطی لشکروں میں شہر سواروں کی اکثریت تھی اور ان کی فوجی تربیت اور قیادت کے لیے معنی جیسے تجربہ کار افسر کی ضرورت تھی جس نے ہر میدان میں خود کو قابل اعتماد ثابت کر دیا تھا۔

شام پر دھاوا، سرحدی علاقوں کی تاخت و تار اگلی اور دمشق کا محاصرہ صحرا نشینوں کی ایک جگہ مشق تھی جس کی کامیابی نے شام کی طرف پیش قدمی کے رستے کھول دیے تھے۔ اہل عیسن نے شہزادی نجم کی زبانی اس بلخار کا حال سن لیا تھا جو بظاہر حاکم شام طغی بن جف کو ٹھوڑا سا سبق سکھانے کے لیے لگائی تھی مگر اس کے غیر معمولی نتائج برآمد ہوئے تھے۔ یہی قزطی ابوالقاسم نے نجم البیل اور ابن حرب کو کامیاب تاخت پر خراج تحسین پیش کیا اور کہنے لگا۔

"ہم نے عباسیوں کے خلاف بنی طولون کی طرف کئی بار دوستی کا ہاتھ بڑھایا مگر ہماری دوستی قبول نہ کی گئی۔ سب سے پہلے خمار دیہ ابو جیش نے ہمارے شیخ الجماعت کا پیغام مسترد کر دیا اور شہزادی قطر الندی کے علاوہ سالارہ خراج دینا منظور کر کے خلیفہ سے دوستی کر لی۔ یہی کمزوری بنی طولون کے لیے ایک نئی مصیبت کا پیغام لے کر آئی۔ خمار دیہ کے بعد ہم نے اس کے فوجیوں فرزند ہارون کی طرف شہزادی نجم البیل اور ابن حرب کو اپنا سفیر بنا کر بھیجا اور سلیمان بن عامر نے عربیہ کی کارروائی میں ان کی ملاقات کا اہتمام کیا لیکن ہارون بن خمار دیہ نے بھی وہی غلطی کی جو قبل ازیں مرحوم سلطان کرچکا تھا اس نے جماعت کی دوستی مسترد کر دی اور خلیفہ کے ساتھ معاہدہ دوستی قائم رکھا جس کے نتیجے میں بنی طولون کو قنسرین اور غوام جیسے علاقوں سے دست بردار ہونا پڑا۔

اپنی ناش غلطیوں کی وجہ سے کسی ہمدردی کے مستحق نہیں رہے۔ طلحہ بن جف نے اپنی گستاخی کا خیار وہ بھگت لیا اور ساجی مزید جھگنے لگا۔ جب شہزادی نجم کو شام پر حملے کی اجازت دی گئی تو مقصد یہ تھا کہ ہم شام کی طرف جانے والے راستوں کو دیکھ لیں۔ اندر وہ راستے ہم نے دیکھ لیے۔ شاہی فوج کی کمزوریاں بھانپ لیں اب ہم بہت جلد پوری قوت کے ساتھ شام پر حملہ کریں گے اور دمشق سے لے کر حلب تک کا علاقہ مصر سے کاٹ دیں گے۔ ناکر عباسی لشکر جو مغرب کی جانب پیش قدمی کرنا چاہتے ہیں۔ آگے نہ بڑھ سکیں۔ ہم طرطوس، قنسرین اور حمص سے بھی عباسیوں کو نکال دیں گے پھر اللہ سے کی جانب متوجہ ہوں گے جو ہمارا قبلہ ہے۔

ہمارے بزرگوار ذکر دیہ قمر طمنے، جو آج بھی السہادہ کے دشت پر ہولی میں اختلاف نہیں ہیں خبر دی ہے کہ شام کے علاقے میں ہم پر ایک کڑی ساعت آنے والی ہے لیکن ہم اس کڑی ساعت کو اپنے نصب العین کی خاطر اپنے آپ پر چھیلیں گے یا اسے بدل دیں گے۔ ہم صحرائی قبائل کی پوری جمعیت کے ساتھ شام پر حملہ کریں گے جس سے پہلے ہمیں تیاری کا پورا موقع دیا جائے گا۔ اس تیاری کے بعد ہمارا رسالہ، ہمارے شہر سور اور مدینہ دتے ایک ساتھ حرکت کریں گے۔ ہم العیادت انفاذ (اگ بڑھانے والے ہتھیار) ساتھ لے کر چلیں گے اور پہلے ہی حملے میں دمشق پر قبضہ کر لیں گے۔ السہادہ میں لڑی جانے والی پہلی جنگ کی طرح ہمارے دونوں بھائی حسین اور علی اور دوسرے اخوان بھائی ہمارے ساتھ ہوں گے اور ملکہ صحرا انجم دلیل ہماری علم بردار ہوں گی۔ سب عزم شام پر ہماری ہیبت طاری کر دے گا۔ ہم جانتے ہیں۔ شہزادی نجم کے ساتھ جنگ میں بھائیوں اور اخوان الصفا سمیت ہماری شہریت صحرائی بادروں میں جدال و قتال کا دالہاد خبر پیدا کرے گی اور وہ دشمن کو نباہ و برباد کر دیں گے۔ دمشق کی فتح کے بعد حمص، حماة اور حلب کے قلعے ہمارے لیے اپنے دروازے کھول دیں گے اور شام پر ہمارا پایا پھر بنت احمد بن طولون کا حکم جاری ہو جائے گا۔

اس پر جو شہزادہ کو ختم کر کے بھی قمر طمنی نے طولونی شہزادی کی طرف دیکھا جو ابھی تک شام کے علاقے میں امام پر آنے والی کڑی ساعت کے تصور میں گم تھی کیوں کہ ذکر دیہ قمر طمنی اس خبر کو سنتے ہی ذہن کی کسی کھڑکی سے جعفر بن زوی کی پیش گوئی کے الفاظ اس کے اندر جھانکنے لگے تھے۔ ”آپ جس جماعت کا علم لے کر نکلی ہیں، وہ برباد ہو جانے کی ٹیکن اپنے دوسرے دربار دوسرے ملکوں میں ایک وسیع علاقے پر حکومت کرے گی اور دشمنوں سے ایسا بھیانک اور خوف ناک انتقام لے گی کہ زمین کانپ اٹھے گی۔“

وہ سوچ رہی تھی کبھی ابوالقاسم نے شام میں جدال و قتال کا جو منصوبہ بنایا ہے، وہ جعفر بن زوی کی پیش گوئی کے عین مطابق ہے اور ذکر دیہ قمر طمنی نے اپنی روحانی رسائی سے ”کڑی ساعت“ کی جو خبر دی ہے۔ وہ جعفر بن زوی کے الفاظ میں امام کی شہادت یا جماعت کی بربادی پر منتج ہونے والی ہے اس پیش گوئی کی روشنی میں قمر طمنی کی بیان کردہ ”کڑی ساعت“ کا تجزیہ یا ادارک بڑا لازمی و مفید تھا۔ جس نے نجم دلیل پر ایک سکتہ سٹکاری کر دیا۔ اسے گم گم دیکھ کر سب حیران رہ گئے اور خود قمر طمنی نے پوچھا ”ہمارا منصوبہ کسی کر آپ خاموش ہو گئیں؟ اگر ہم قیام سے بنی طولون کی حکومت ختم کریں گے تو وہ حکومت احمد بن طولون کی بیٹی کو سونپ دیں گے۔“

طولونی شہزادہ نے جواب دیا، بلا، ہم حکومت کے لیے نہیں، آپ کی حفاظت کے لیے پڑیں ہیں۔“

”یہی ابوالقاسم نے چنک کر اس کی طرف دیکھا۔“ آپ کو یہ اندیشہ ہے کہ شام کی جنگ میں آپ ہم پر وہ کڑی ساعت نہ گزر جائے، جس کی ہمارے والد نے خبر دی ہے۔“

”جنگ میں سب کچھ ممکن ہوتا ہے سیدنا“
یہ کہہ کر وہ ایک جھٹکے سے کھڑی ہو گئی۔ ایسی مضطرب تھی کہ اس کے ساتھ ہی کبھی قمر طمنی سمیت سب حاضرین مجلس نے اپنی نشستیں چھوڑ دیں اور سب پریشان نظر آنے لگے۔ قمر طمنی تکی کے نیچے میں بولا ”امام کی حفاظت پر فرشتے مامور ہوتے ہیں پھر آپ، ہمارے بھائی اور اخوان ساتھ ہوں گے تو ہمیں کیا خطرہ ہو سکتا ہے؟“

اس موقع پر معلیٰ کو اپنی اطاعت اور خدمت گزاری کا ظہار کا ایک اور موقع مل گیا۔ وہ شہزادی نجم کے سامنے کمرک جھکا اور کہنے لگا۔ ”دشمن نہ آپ کی جانب نہ امام کی طرف بڑھ سکے گا۔ شہزادوں کا ناقابل شکست حلف تینا کے ارد گرد قائم ہو گا اور غلام آپ کے قدم بہ قدم رہے گا۔ ما میر ابی حرب بھی ہم سے دور نہیں ہوں گے۔“

ابی حرب کے الفاظ بھی اطمینان بخش تھے۔ ”نجم! تمہاری پریشانی بے وجہ ہے تم شاہی فوج کو بھڑکائی ہو، وہ کچھ نہیں کر سکتی۔“

نجم دلیل نے ایک ملکہ کی سی شان سے اپنا فیصلہ سنایا ہے۔ ”ہم چاہتے ہیں سیدنا جنگ میں شامل نہ ہوں۔“

”مگر ہمارے بغیر وہ مقصد پورا نہیں ہو سکتا جس کے لیے جنگ لڑی جائے گی۔“

آقا حسین کے صحابی مکین ہیں وہ دن بڑا اہم تھا۔

اسی دن شہزادی نجم اور ابن حرب اپنی کامیابیوں کی نوید کے ساتھ مال غنیمت اور مسلمان رسد کا ایک بڑا قافلہ لے کر آئے تھے۔ اسی دن کی شام کو آسمان پر جہادی الماؤل کا چاند نظر آگیا سحر کی دنیا میں رویت ہلال پر خوشی کا اظہار کیا جاتا تھا صحرائی مکین میں نئے مینے کا اعلان فخر سے کی جوت سے کیا گیا۔ رویت ہلال کے بعد آقا حسین اپنے چند خدام کے ہمراہ ابن حرب کو بیٹے بار صحرائی بیتی میں لے گیا جہاں صحرائیں اُسے دیکھنے اور ملنے کے مستناق تھے اور شام کو شہزادی نجم اہل اپنے غلام معنی کے ساتھ ایک بار پھر امام بارگاہ میں داخل ہوئی لیکن اس مرتبہ کچھ قرمطی اپنی بارگاہ میں تنہا تھا۔ تنہائی کی اس ملاقات میں شہزادی نے امام کو اس تجویز سے آگاہ کیا جو اُس نے سردار نعمان کی بیٹی فاکہہ اور معنی کے بارے میں سوچی تھی۔ اس نے بتایا کہ ابن حرب کی بھی یہی خواہش ہے کہ دونوں کا عقد ہو جائے۔

یہی اہم اتفاق پر ایک حیرت سی گزر گئی اور اس نے محسوس کیا کہ طوفانی شہزادی اپنے غلام پر خاص مہربانی کرنا چاہتی ہے۔ رہائی سرداروں میں بنی کلب کے سردار نعمان کی حیثیت سب سے نمایاں تھی اور اُس کی خوب صورت لڑکی ان لڑکیوں میں شمار ہوتی تھی جو کسی حکمران، کسی بڑے شیخ، یا کسی بڑے سردار کے حرم کو روٹی بخشی اور بڑے گھر کی زینت بھی جاتی تھیں خوب صورتی اور خوش رنگی کے علاوہ جسے ہر بڑا شیخ اور ہر بڑا سردار پسند کرتا تھا۔ ان لڑکیوں کی ایک سیاسی حیثیت بھی ہوتی تھی اور وہ ہر طور پر ایسے لوگوں کو پیش کی جاتی تھیں جو جاہ و مرتبہ رکھتے ہوں۔ عرب معاشرے خاص طور پر صحرائی قبائل میں عمر کی بجائے آدمی کے مرتبے کو اہمیت حاصل تھی۔ بارہ تیرہ برس کی کم سن لڑکی کسی صاحب مرتبہ بڑے شیخ اور سردار کے حلیہ عروسی میں اس لیے دخل کر دی جاتی تھی کہ لڑکی کے والدین اور قبیلے کو مرتبہ و مقام حاصل ہو۔

یہ بات گنجی اہم اتفاق کے علم میں تھی کہ سردار نعمان کم سن فاکہہ کا عقد ابن حرب جیسے سنگی مرد سے کرنا چاہتا ہے جو صحرائی قبائل کا امیر اور جماعت میں بلند مرتبہ رکھتا ہے مگر شہزادی نجم کی رہائی پتہ چلا کہ وہ دوسری شادی پر تیار نہیں اور چاہتا ہے کہ فاکہہ معنی کے عقد میں دے دی جائے تو عجیب سے ہلار لگیں اُس کے اڑا رکی جو آپ تو نہیں؟

”ہم تو راضی تھے مگر وہ نہیں چاہتا کہ کوئی لڑکی ہماری سون بنے۔“

”زیادہ حریف اور گنیزیں تو سرور کی شمشل نصیبی ہوتی ہیں۔“

آقا حسین نے بجائی کا ساتھ دیا۔ ”جنگ میں امام کی شمولیت ضروری ہے اگر ہم لوگ ساتھ ہوں گے تو کروی ساعت بھی مل جائے گی۔“

لیکن شہزادی نجم مطمئن نہ ہو سکی۔ اُس نے سب کویوں نظر انداز کر دیا، جیسے وہ تھے ہی نہیں اور اپنی بات قائم رکھی۔ ”کبھی کبھی حد سے بڑھا ہوا اعتما و بھی خطرناک ہوتا ہے۔“ اس کے ذہن میں تو کچھ اور تھا لیکن زبان محض بے اطمینانی کا اظہار کر رہی تھی کیوں کہ حضور کا آنکھ سے جو منظر خود دیکھ رہی تھی وہ دوسروں کو نہیں دکھا سکتی تھی۔ آقا حسین نے اُس کی سب سے چینی کر محسوس کیا اور معانے کی ایک نئی صورت نکالی۔ مگر بڑے شہزادی نجم اور امام سے درخواست کی کہ وہ اطمینان سے بیٹھ کر اُس کی بات سنیں۔ خود نجم اہل نے دیکھا کہ سب لوگ محض اُس کی خاطر کھڑے ہیں۔ تو کبھی اہم اتفاق کو بیٹھنے کے لیے کہا اور اس کے ساتھ خود بھی اپنی نشست پر بیٹھ گئی۔ ان کے ساتھ دوسرے لوگ بھی بیٹھ چکے تو آقا حسین کہنے لگا۔

”مصر د شام کے معاملے سے ہمارے خاص دلی سیمان بن عامر کا گہرا تعلق ہے مگر حملے کے منصوبے میں اس سے مشورہ نہیں لیا جاسکا۔ وہ اس وقت یہاں موجود نہیں پھر بھی اس کی رائے لینا ضروری ہے۔“

سب نے اس تجویز کو پسند کیا اور گنجی اہم اتفاق نے حکم دیا۔ ”ایک تیرہ رفتار قاصد آج ہی بلکہ اسی وقت عربیش کی طرف روانہ کر دیا جائے جو سلیمان کو اپنے ساتھ ہی لیتا آئے۔ اس کے آنے میں چند یوم لگ جائیں گے لیکن ہم چاہتے ہیں شام کے بارے میں قطعی فیصلہ کر لیا جائے، ہم اس کا انتظار کریں گے اور اس عرصے میں شہزادی نجم اہل اور ابن حرب اپنے بدترے سمیت ہمارے مہمان رہیں گے۔“

سلیمان بن عامر کا ہوشیار ذہن اعجب باتیں سوچنے، حیرت انگیز منصوبے تیار کرنے اور انہیں پانہ تکمیل تک پہنچانے میں ایک خاص ملکہ رکھتا تھا۔ ضروری تھا کہ شام پر فیصلہ کن حملہ کرنے سے پہلے اس کی رائے معلوم کر لی جائے۔ چنانچہ اہل اس کی آمد تک ملتوی کر دیا گیا۔

ایک تیرہ رفتار قاصد کو عربیش تک جانے اور واپس آنے میں کچھ نو یوم درکار تھے اور مہمانوں کو یہ ایام میں گزارنا تھے۔ آقا حسین نے ایک ساندی سوار عربیش کی جانب دوڑا دیا اور اُسے ناکہد کی کردی رات سفر جاری رکھے۔

"وہ صرف ہمیں اپنی خوش نصیبی سمجھتا ہے اس لیے ہم چاہتے ہیں ناکہ اگر ہمارے شوم کی تقدیر نہیں بن سکی تو ہمارے غلام کی خوش نصیبی بن جائے"

یہ سن کر قمری نے ایک سنسنی خیز انکشاف کیا جس نے شہزادی اور معلق دونوں کو حیران و پریشان کر دیا اس نے بتایا: "کچھ عرصہ قبل سردار نعمان نے خواہش غلام کی تھی کہ ہم اس کی بیٹی کو اپنے بھائی اور نائب آقا حسین کے لیے قبول کریں مگر ہم نے اسے منورہ دیا کہ ناکہ کا عقد ابن حرب سے کر دے جو آقا حسین کا منشی (دوسرا) ہے کیوں کہ حسین نے اس میں حلال کیا ہے۔ پھر آپ اس کی تنہا حرم میں اور دوسری حرم کو بخوشی قبول کریں گی۔ نعمان اس بات پر بے حد خوش تھا کہ آپ کے ساتھ رشتہ کر کے آپ کے بھی کچھ اور قریب ہو جائے مگر آپ تیار ہی ہیں کہ اس نے رشتے سے انکار کر دیا ہے حالانکہ سردار نعمان نے جماعت کے لیے بڑی خدمات سر انجام دی ہیں اور اس کی بیٹی ابن حرب کو اور آپ کو بھی قبائلی تقویت پہنچا سکتی ہے۔"

نجم اللیل اس انکشاف پر دو تین لمحے گم حُرم رہی۔ ناکہ کے معاملے کا ایک نیا پہلو سامنے آیا تھا اچانک اس نے مبرا اٹھایا اور کہنے لگی: "سیدنا امام معلق کی خدمات کا ذکر کر چکے ہیں بھائیو کے بعد یہ سب سے اہم آدمی ہے۔ ہمارے لیے بھی اور جماعت کے لیے بھی ہم اسے شتر سوار دستوں کا سالار مقرر کرنے والے ہیں۔ ابن حرب ہمارا شوہر ہے۔ معلق وفادار غلام ہے۔ اگر آپ پسند فرمائیں تو ہم ابن حرب سے کہیں گے کہ وہ معلق کے اندر حلال کرے اور اسے اپنا منشی (پناب دوسرا) بنائے۔ اس طرح ناکہ کا عقد اگر ابن حرب سے نہیں تو اس کے منشی سے ہوگا جسے ہم ایک بڑا مہربان دینے والے ہیں۔"

شہزادی نے ایک ایسا نکتہ نکالا تھا جس سے بھئی قمری مطلقاً عقیدتاً انکار نہیں کر سکتا تھا کیوں کہ اگر ابن حرب آقا حسین کا منشی بن گیا تھا تو ابن حرب معلق کو اپنا منشی بنا سکتا تھا جو ایک بہادر اور تجربہ کار فوجی افسر ہونے کے ناتے جماعت کی ضرورت بنتا جا رہا تھا۔

قمری پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ وہ اپنے غلام پر اعتماد کرتی اور اسے نوازنا چاہتی ہے اس کے اپنے نقطہ نظر سے بھی جماعت کو معلق جیسے تربیت یافتہ شہسوار افسر کی ضرورت تھی۔ وہ بادلوں کے حاشیے پر پکھنے والے کوندے کی طرح ناگاہک نمودار ہوا تھا مگر اسے ابن حرب کا منشی بنانے کی تجویز نے بھئی ابوالقاسم کو چونکا دیا اور وہ بھی سے ایک عجیب سا خیال گزرنے لگا کہ کہیں معلق کو ابن حرب کا منشی بنانے میں شہزادی کی اپنی کوئی مصیبت تو نہ ہو۔ بہر حال اس کا انحصار مستقبل کے حالات

بلک کے نتیجے پر تھا جس میں بڑے بڑے جنگ جُو بھی کبھی کبھی اپنی زندگی بار دیتے ہیں۔ اس خیال سے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ تیر گئی اور کہنے لگا۔

"ہم آپ کی خاطر معلق کو باپوس نہیں کریں گے۔ تاہم آپ نے حلال کی بات کی ہے تو وہ معلق کی شخصیت کو بالکل تبدیل کر دے گا اور ہم سردار نعمان سے کہہ سکیں گے کہ تقدیر نے ناکہ سے یہ ابن حرب کے منشی کو پسند کیا ہے۔ وہ ہمارے حکم سے انکار نہیں کرے گا۔"

نجم اللیل خوش ہو گئی۔ "ہم بے حد ممنون ہیں سیدنا! آپ نے ہماری فرمائش قبول کی۔"

"ہم آپ کی کوئی بات مسترد نہیں کر سکتے۔"

معلق نے بھی روز انوار کو امام کو تعلیم دی۔ حسین اور کم سن ناکہ اس کی قیمت کا ستارہ بن گئی تھی لیکن وہ اس خیال سے اپنے جسم میں ایک سنسنی سی محسوس کر رہا تھا کہ ابن حرب اس کے جسم میں حلال کرنے اور اسے اپنا منشی بنانے والا ہے۔

امام نے شہزادی اور اس کے غلام کو خوش و خرم رخصت کیا۔



جب ابن حرب کو معلوم ہوا کہ بھئی ابوالقاسم نے ناکہ کا عقد معلق کے ساتھ منظور کر لیا اور اس کے لیے حلال کو ضروری قرار دیا ہے تو معلق کو اپنا منشی بنانے پر تیار ہو گیا۔ دوسرے روز امام بارگاہ میں امام بھئی ابوالقاسم، آقا حسین اعلیٰ قمری، بھئی بن ہریر، مطلق بالانور، امام کے محافظ خاص صدام اور مسکن کے سرداروں کی موجودگی میں شہزادی نجم اللیل اپنے شوہر ابن حرب اور غلام معلق کے ہمراہ داخل ہوئی۔ بنی کلب کے ساربانوں کا سردار اور نائب بھی ساتھ تھے۔ اس مجلس میں امام نے شہزادی کے غلام کی خدمات کو شرف قبولیت بخشا اور اور بتایا کہ ابن حرب جو امیر صحرا اور آقا حسین کا "ثانی" ہے۔ معلق میں حلال کرے گا جسے خدمات کے صلے میں یہ رتبہ دیا جا رہا ہے۔ پھر امام کے حکم پر ابن حرب نے سب لوگوں کے سامنے معلق سے معاف کیا اور وہ معاف بڑا پر جوش اور بڑا طویل تھا جسے فی الواقع ابن حرب اپنے آپ کو معلق کے جسم میں منتقل کر رہا ہوا وہ بھی محسوس کر رہا تھا گویا کوئی کیفیت یا "روح" ابن حرب کے اندر سے اُٹھ کر اس کے جسم میں داخل ہو رہی ہو۔

طویل معاف کے بعد بالآخر "انتقال روح" یا حلال کی کارروائی پوری ہوئی اور جب

دونوں ایک دوسرے سے انگ ہوتے تو ان کے ساتھ تمام حاضرین مجلس سے مٹی کو مبارک بادی جس کی شخصیت ان کے نزدیک تبدیل ہو گئی تھی اور ابن حرب کی طرح اب وہ بھی خواص کے زمرے میں شامل ہو گیا تھا۔ مٹی کو یہ سارا معاملہ بے حد عجیب سا لگا لیکن قرامط کی باطنی اصطلاح میں اب وہ ابن حرب کا ہمزا بن گیا تھا۔

صحرانی مسکن میں اس حلوں کا چرچا ہوا اور بادیرہ نشیں جی میں زیادہ تعداد شترسواروں کی تھی۔ یہ جان کر بڑے خوش ہوئے کہ مٹی کی بنیادی طور پر ایک تربیت یافتہ شترسوار افسر ہے اور اب صحرائی شترسواروں کا سالار بننے والا ہے۔

اس واقع پر ابھی تیسرے دن کا سورج غروب نہیں ہوا تھا کہ اچانک عربش کے سرانے دار سلیمان بن عامر کی آمد کا غل اٹھا۔ یہ بالکل ایک اچنبھا ہوا اتفاق کہ وہ پانچویں دن آقا حسین کے صحرائی مسکن میں پہنچ گیا تھا جب کہ اس کی آمد نویں روز متوقع تھی۔ صحرائی فائدہ کے علاوہ سلیمان بن عامر کا غلام منصور بھی ساتھ آیا تھا۔ فائدہ کی زبانی معلوم ہوا کہ ابھی اس نے ہجر کا علاقہ عبور نہیں کیا تھا کہ سلیمان بن عامر کو منصور کے ہمراہ آتے دیکھ لیا اور اس کے غیر متوقع طور پر رستے ہی میں مل جانے کو ایک معجزہ سمجھا۔ سلیمان بن عامر دراصل آقا حسین ہی کے صحرائی مسکن کی طرف ایک ضروری اطلاع لے کر آ رہا تھا مگر راستے میں فائدہ سے مدھمک ہو گئی۔ اس طرح نویں کی بجائے وہ پانچویں دن وہاں پہنچ گیا تھا عقیدہ پرست کہنے لگے کہ امام کی روحانی قوت اسے پہنچ لاتی ہے۔

آقا حسین کے صحرائی مسکن میں سلیمان بن عامر کا پیرچہ پوش استقبال کیا گیا اور اس کی قبل از وقت آمد کو نیک فال سمجھا گیا۔ اس نے پہلے امام کی بیوی ابوالقاسم کی حاضری دی آقا حسین کو سلام کیا پھر وہاں سہرا میں شہزادی نجم اور ابن حرب سے ملا۔ شہزادی نے اس کی طلبی کا مقصد بھی بتا دیا کہ شام پر بڑے اور فیصلہ کن حملے کے لیے اس کی رائے مطلوب ہے۔

اسی شام امام باگاہ میں وہ خاص مجلس پھر منعقد ہوئی جو سلیمان بن عامر کے لیے ملتوی کر دی گئی تھی۔ وہ اس مجلس میں مٹی کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ خود مٹی بھی اس سے آنکھیں چا کر نہ مرنے لگی بلکہ گھبرا رہا تھا۔

عربش کی کارواں سرانے میں وہ سردار ہلک اور ایک سانحہ سمیت ابن حرب کو ہلاک کرنے کی سازش میں گرفتار ہوا اور مضبوطی کے سفر کا مقصد ظاہر کر دینے پر ہار دیا گیا تھا۔ اس نے بتلیں پر عباسی لشکر کے حملے کی اطلاع بھی دی تھی جو حرف زحرف صحیح نکلی۔ سلیمان یہ بھی سچا تھا

کہ غی کھد میں بیچ کر جہاں اسے بطور دھماکا ٹھہرایا گیا تھا، اس کے اندر ایک اہم تبدیلی رونما ہوئی اور دوبارہ دمشق میں شہزادی نجم العلیل کے اہلی کی حیثیت سے خدمت انجام دینے کے بعد وہ جلاوت میں بھی شامل کر لیا گیا تھا۔

یہاں تک تو سب کچھ ٹھیک تھا لیکن امام کی مجلس شوریٰ میں زمرہ خاص ہی کے لوگ شریک ہو سکتے تھے۔ جب اسے پتا چلا کہ شہزادی نجم نے مٹی کو عید خاص بنایا اور ابن حرب نے اخوان الصفا کی موجودگی میں خود کو اس کے اندر منتقل کر دیا ہے اور اب وہ اس کا مفتی ہے تو سلیمان پر ایک عجیب سی کیفیت گزری۔ اس کے نزدیک یہ ایک طرفہ مافوق تھا لیکن سب کچھ اُسی طرح پیش آیا تھا جس طرح اسے بتایا گیا۔ اس دنیا میں کبھی کبھی ناقابل یقین باتوں کو تسلیم کیا جاتا ہے یہ بات بھی اس کے ذہن میں حیرت کا ایک شگاف ڈال رہی تھی۔

مجلس کی کارروائی شروع ہوئی تو صحرائی قرامطی نے شام پر صحرائی لشکر کی بلیغ کے منصوبے کی تفصیل دوبارہ بیان کی جو بائیں میں گزر چکی ہے اور ذکر یہ قرامطی جانب سے اس ”کڑی ساعت“ کا بھی ذکر کیا جس پر شہزادی نجم نے امام کو جنگ میں شریک نہ ہونے کا مشورہ دیا تھا جب کہ قرامطی کے برقل جنگ کی کامیابی کا انحصار میدان جنگ میں اس کی موجودگی پر تھا اور وہ قبائلی سردار اور ان کے تمام نااہلوں کو آگاہ کر چکا تھا کہ اپنے بھائیوں اور اخوان الصفا کے ساتھ جنگ میں خود شریک ہوگا۔

آقا حسین اعلیٰ قرامطی اور عیسیٰ بن مہر دیہ نے مجلس کو بتایا کہ جب امام جنگ کے لیے جائیں گے تو وہ ان کے ساتھ شریک ہوں گے اب فیصلہ ہو رہا ہے سلیمان کی مرضی پر ہونے والا تھا کہ وہ اس معاملے میں کیا رائے دیتا اور کون سا راستہ نکالتا ہے۔ فلسطینی سرانے دار کو جو کچھ کہنا تھا وہ غالباً اس نے پہلے ہی سوچ لیا تھا۔ پھر فیصلہ کن انداز میں کہنے لگا۔

”امام نے جو کہا ہے کہ جنگ میں کامیابی کا انحصار میدان جنگ میں ان کی موجودگی پر ہے تو بالکل درست کہہ رہا ہے۔ بڑی اور کامیاب جنگیں اکثر بڑے رہنماؤں کی موجودگی میں لڑی گئی ہیں اس لیے ان کا خود شریک جنگ ہونا ضروری ہے۔ اس میں خطرہ بھی نظر نہیں آتا۔ وہ مصری سپاہ جو شامی فوج کی مدد کے لیے دمشق بھیجی گئی تھی۔ واپس چلی گئی ہے اور شاید دوبارہ طغ بن جحف کلک کے لیے نہ آسکے کیوں کہ طوہنی لشکروں میں بے اطمینانی پائی جاتی ہے اور فوج دو حصوں میں تقسیم ہو چکی ہے۔ اس صورت میں کوئی بھی حکمران اپنی وفادار فوج کو دارالحکومت سے باہر نہیں

بیچ سکتا میں یہی اہم اطلاع پہنچانے کے لیے خود پیش سے روانہ ہوا تھا۔

امام کا جنگ میں شریک ہونا صحابی ہماروں کی ہمت بڑھانے اور کامیابی حاصل کرنے کا ذریعہ ہوگا، البتہ قریط نے "کڑی ساعت" کی خبر دی ہے تو اسے بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ کئی بھی فتح کی تحریروں کا کچھ خون سے لکھی جاتی ہے اور جنگ میں اس کا بھی بہت نقصان ہوتا ہے۔ بڑے بڑے نامی گرامی آدمی مارے جاتے ہیں۔ اس اندیشے کے پیش نظر امام کے بھائیوں اور خاص طور سے آقا حسینوں کا ان کے ساتھ جنگ میں جانا مناسب نہیں ہوگا۔ وہ شیخ الجماعۃ اور نائب امام ہیں۔ امام اور نائب امام کا بیک وقت ایک خطرے کا سامنا کرنا مصلحت اور اصول سیاست کے خلاف ہے۔ میری رائے میں صرف امام لشکروں کا جوش بڑھانے کے لیے جنگ میں شریک ہوں لیکن سیدی حسین کو اپنے ابن عم عیسیٰ بن ہریرہ اور مطوق بانور کے ساتھ صحابی مسکن ہی میں قیام کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ نائب اپنے امام کا ظہور ثانی ہونا اور مشکل وقت میں لوگوں کی رہنمائی کرنا ہے۔ تو یہ ہے میری رائے اور یہ ہے میرا مشورہ بے شک بعض فیصلے قسمت پر چھوڑ دیے جاتے ہیں کہ جبر ہوگا، دیکھا جائے گا۔ لیکن یہ فیصلہ صرف قسمت پر چھوڑنے والا نہیں۔ انسان کو عقل اس لیے دی گئی ہے کہ وہ اس کی روشنی میں خود فیصلے کرے اور انسان کے اپنے فیصلے ہی اس کی ناکامی اور کامیابی کی راہیں ہموار کرتے ہیں۔"

یہ کہہ کر سلیمان بن عامر خاموش ہو گیا اور تمام حاضرین مجلس غمگین گئے کہ اس کی رائے حکمت کی وہ روشنی ہے جو راستوں پر کھرجاتی اور مسافر اس سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں اس روشنی میں انہیں بھی ایک راستہ نظر آ گیا تھا۔ کئی قریط نے اس کی رائے سے اتفاق کیا کہ آقا حسین کو جنگ میں شریک نہیں ہونا چاہیے۔ وہ نائب امام یا ظہور ثانی ہے اور اس کا امام کے ساتھ میدان جنگ میں جانا مصلحت اور سیاست کے خلاف ہے۔

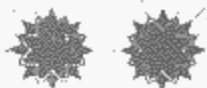
"ظہور ثانی" کے دو لفظ جو فلسطینی مراٹے دار نے نائب امام یا آقا حسین کے لیے استعمال کیے تھے شہزادی نجم العیسیٰ کے ذہن میں مشتاع نور بنی کر کھڑ گئے اور وہ اس کی روشنی میں جعفر نجفی کی پیش گوئی پر غور کرنے لگی کہ جماعت اپنے دوسرے دور یا دوسرے ظہور میں ایک وسیع علاقے پر حکومت کرے گی۔ گویا وہ حکومت آقا حسین کے دور میں قائم ہونے والی تھی مگر "دوسرے ظہور" سے قبل جماعت پر آنے والی تباہی کو نجم تھے اس "کڑی ساعت" سے تعبیر کیا جو شام کی جنگ میں جماعت یا پھر کئی قریط پر گزرنے والی تھی اور جو کچھ ہونے والا تھا۔ وہ بہر حال

جعفر کے علم بخوم اور قریط کی روحانی رسائی کے مطابق تقدیر کا ایک کھٹا ہوا فیصلہ تھا جو تبدیل نہیں ہو سکتا تھا اور وہ فیصلہ تکلیف دہ تھا۔ وہ جانے امام کے ساتھ "کڑی ساعت" اور کن کن لوگوں پر گزرنے والی تھی تاہم اس سبب غم کے بعد جماعت کا دوسرا دور ظہور اطمینان بخش تھا۔

اس اثنا میں جب وہ پیش آنے والی "کڑی ساعت" اور "ظہور ثانی" کے گورکھ دھندے میں الجھی ہوئی تھی کئی قریط نے اپنا فیصلہ سنایا کہ وہ ۲۰ ہجری کے آغاز ہی میں شام پر بڑا حملہ کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے شہزادی نجم اور ابن حرب کو چاہیے کہ وہ یہاں سے واپس جاتے ہی حو کا دورہ کریں۔ قبائلی سرداروں اور ان کے نائبوں کو بڑی جنگ کی دعوت دیں جس کے نتیجے میں بڑی غنیمت اٹھائے گی اور شہزادی نجم اپنے غلام کو جواب اس کے شہرہاں حرب کا کافی ہے۔ شہر سوار دستوں کا سالار مقرر کرنا چاہتی ہے تو مقرر کر دے تاکہ وہ انہیں حملے اور جنگ کی مناسب تربیت دے سکے۔ نیا سال شروع ہونے میں تقریباً اچھ ماہ باقی ہیں۔ اس عرصے میں جنگ کی پوری تیاری کر لینا چاہیے۔ حو کا انقلاب شام کے قلعوں سے حکمرانے والا ہے اور قریط کے لیے ان قلعوں کے دوازے توڑے جائیں گے۔

اس فیصلے کے ساتھ ہی مجلس ختم ہو گئی۔ اب شہزادی نجم اور ابن حرب کو اپنے بد رفتے کے ہمراہ جلد ہی کلب میں پہنچنا اور وہاں سے صحرائی قبائل کی طرف روانہ ہونا تھا۔ تاکہ انہیں ایک بڑی جنگ کے لیے تیار کر سکیں۔ شہزادی نے وہیں اعلان کر دیا کہ اس کا غلام معنی جنگ میں ابن حرب کا نائب اور شہر سوار دستوں کا سپہ سالار ہوگا۔ جب وہ امام بارگاہ سے نکلی اس نے امام سے میرزا نغان کے لیے ایک نام بھی حاصل کر لیا تھا کہ وہ ناکہ کو معنی کے عقد میں دے دے، جو ابن حرب کا کافی، اس کا نائب اور شہزادی نجم کا جلد خاص ہے۔

دوسرے روز صبح کاؤب کے اندھیرے میں شہزادی کا ناظرہ بنی کلب کی جانب روانہ ہو گیا۔



(۷۲)

کُلِّ مَنْ عَلَيْهَا فَانْ

۶۔ جاوی الاول کا سورج ابھی مغرب کے غار میں اترنے والا تھا جب قافلہ بنی کلب میں پہنچ گیا قبیلہ میں غیر معمولی سرگرمی کے آثار نظر آئے، جن پر کسی جشن کا سا گمان ہوتا تھا۔ قافلے کا استقبال دھول تاشوں سے کیا گیا۔ سردار نعمان جو صحت یاب ہو چکا تھا استقبال کرنے والوں میں سب سے آگے تھا۔ سواریاں رگ گلیں محفل بردار ساڈنیاں بٹھادی گئیں۔ ابن حرب گھوڑے سے اُترا۔ شہزادی نجم ایل اپنے محل سے نکلی تو سردار نعمان کے ساتھ عبداللہ اور اس کے ساتھیوں کی صورتیں دکھائی دیں جو صرف ایک روز قبل بنی کلب میں لوٹ آئے اور یہ خبر لائے تھے کہ خلیفہ معتضد ابو جاس سفاح ثانی مرگیا اور اپنے گڑھے میں اُتر چکا ہے۔ اسی لیے بنی کلب میں ان کا استقبال دھول تاشوں سے کیا گیا تھا۔ اس خبر نے ابن حرب اور شہزادی نجم کو حیرت زدہ کر دیا۔ وہ شخص جو دوسرے "خون ریز" کے نام سے مشہور تھا اور دس برس تک اپنے دشمنوں پر موت کا سایہ ڈالتا رہا خود موت کے اندھیروں میں گم ہو گیا تھا۔

ابن حرب کو اسی کے باعث بغداد سے بھاگنا پڑا تھا۔ معتضد کی زندگی میں اس پر بغداد کے دروازے بند ہو گئے تھے۔ وہ اپنی مال کا آخری دیدار کرنے یا اُس کی قبر پر فاتحہ پڑھنے کے لیے بھی اس شہر میں نہیں جاسکا تھا جس کی مٹی میں اس کی والدہ دفن ہو گئی تھی مگر بغداد کے دروازے تو معتضد کی وفات کے بعد بھی اس کے لیے بند تھے، کیوں کہ اب اس نے قرامطہ کا سبز علم اٹھایا اور بنو عباس کے خلاف جنگ آزما ہو چکا تھا۔

عبداللہ نے بتایا لاٹھے اور میرے ساتھیوں کو جعفر بخمی کے ساتھ نہ صرف عراق بلکہ بغداد میں سفر کرنا پڑا اور بغداد میں داخل ہوتے ہی خلیفہ کے انتقال کی خبر سنی۔ دوسرے روز میں نے اپنی آنکھوں سے اُس کا جنازہ اٹھتے، اس کی میت کو قبر میں اُترنے اور طاہریہ کے قبرستان میں دفن ہوتے دیکھا۔ اُسی قبرستان میں آپ کی والدہ بھی مدفون ہیں۔ جعفر بخمی نے مجھے اُسی کی قبر دکھائی اور میں نے اس پر اپنی طرف سے اور آپ کی طرف سے بھی فاتحہ پڑھی۔ شاید قدرت مجھے اسی لیے بغداد لے گئی تھی کہ میں معتضد کو قبر میں اُترتے دیکھوں اور اس قبر کی مٹی اپنی آنکھوں سے لگا سکوں جس میں ماکن دفن ہیں۔ میں اسی دن بغداد سے چل دیا تاکہ جلد از جلد یہاں پہنچ جاؤں اور آپ کو خلیفہ معتضد کے انتقال کی خبر دے سکوں مگر میں ایک اور اطلاع بھی دینا چاہتا ہوں اور وہ اطلاع یہ ہے کہ میں خیزدان کی حویلی آپ کے دوست جعفر بخمی کو دے آیا ہوں۔ مجھے یہ خدشہ لاحق ہو گیا تھا کہ کبیر۔ نیا خلیفہ علی المکتفی اس حویلی کو مال متروکہ اور لادارت قرار دے کر آپ کے کسی دشمن کے سپرد نہ کر دے۔ جعفر جب تک زندہ ہے، آپ کو ذکرِ خیر سے یاد کرتا رہے گا۔

عبداللہ نے یہی بتایا کہ معتضد کی وفات پر ولی عبدالرحمن علی رقیہ میں تھا اور اس کی طرف سے ابوالحسن قاسم بن عبداللہ نے لوگوں سے بیعت لی۔ نئے خلیفہ کا لقب "المکتفی باللہ" تجویز ہوا ہے۔

ابن حرب یہ روداد خوشی سے سننا رہا جس کا خلاصہ چند نفلوں میں یہ تھا کہ اس کا دشمن اپنے گڑھے میں اُتر گیا ہے مگر معنی جو وفادار غلام کی حیثیت سے شہزادی نجم کے پیچھے کھڑا تھا۔ خلیفہ معتضد کے انتقال کی خبر سنتے ہی ہلکا ہلکا رہ گیا اور اس کے چہرے پر کئی کیفیات گزریں جس سے یہ انداز لگانا مشکل تھا کہ اُسے معتضد کے مرنے سے خوشی ہوئی ہے یا اذیت پہنچی ہے۔ پس وہ حیرت کے ایک نکتے سے دوچار تھا۔

شہزادی نجم نے سردار نعمان کو حکم دیا کہ وہ فوراً ایک قاصد آما حسین کے صحرائی ممکن کی طرف روانہ کرے جو خلیفہ کے انتقال کی خبر لہام تک پہنچائے مگر عبداللہ نے بتایا: رضا خاں بغداد سے ہمارے ساتھ ہی روانہ ہوا اور وادی الرقیم میں ہم سے پچھڑ کر آما حسین کے مسکن کی طرف ہولیا تھا۔ اُسے آج تیسرے پہر ایک وادی پہنچ جانا چاہیے تھا۔ وہ معتضد کی موت کے علاوہ بغداد سے اور ابھی کئی اہم خبریں لے کر آیا ہے۔

گواہ آنا جس کی طرف تا حد بھینچنے کی ضرورت نہیں تھی۔

ابن حرب اس بات پر مزید حیران تھا کہ جعفر نجفی کی ایک اور پیش گوئی پوری ہو گئی تھی جب وہ دعوہ کے غار (دشت) میں آیا تو اس نے کہا تھا۔ ”جس روز میں بغداد پہنچوں گا۔ مقتصد ابو عباس کی روح ہجرہ خالی کر چکی ہو گی۔“ اور عبداللہ نے جو رد وادب سنائی، اُس کے مطابق اُن کے بغداد میں داخل ہونے سے پہلے مقتصد فوت ہو چکا تھا۔

جعفر نجفی نے عبداللہ کے ہاتھ اُس سے سلام بھی بھیجا اور وہ اس کا آخری سلام تھا۔ عبداللہ کے بقول جعفر نے کہا تھا۔ ”اب ہم ایک دوسرے سے کبھی نہیں مل سکیں گے کیوں کہ موت ہر آدمی کے پیچھے لگی ہوئی اور بے آواز قدموں سے اُس کا تعاقب کرتی ہے۔“

یہ خوف ناک الفاظ سن کر معنی بڑی طرح چونک گیا۔ نہ جانے موت اُن دونوں میں سے کس کا تعاقب کر رہی تھی؟ اسی لمحے شہزادی نجم نے پلٹ کر اپنے غلام کی طرف دیکھا اور کہا۔ ”معنی! ہمارا بھال تھا ہم چار پانچ یوم بنی کلب میں قیام کرنے اور ایک اہم معاملہ نمٹانے کے بعد قبائل کی طرف سفر کریں گے لیکن حالات کی رفتار بدل گئی ہے اور مقتصد کے انتقال کی خبر سن کر شاید امام اب شام کی جانب جلد کوچ کرنا چاہیں اس لیے ہم بھی یہاں سے پرسوں سیر سے روانہ ہوں گے اور جو معاملہ ہمیں نمٹانا تھا، اُسے آپ واپسی پر نمٹائیں گے۔“

معنی سمجھتا تھا کہ وہ کون سا معاملہ نمٹانا چاہتی ہے۔ اُسی معاملے کے لیے قرطبی امام کا نام لے کر آئی تھی مگر معلوم ہوتا تھا، خود معنی کو سردار نعمان کی بیٹی خاکہ کا معاملہ نمٹانے کی بجائے شہزادی نجم کے قبائلی سفر سے زیادہ دل چسپی تھی۔ اس نے براہِ طاعت خم کر دیا اور پوچھا۔ ”کیا پورا بدو تو ساتھ جائے گا؟“

”بورے بدتے کی کیا ضرورت ہے؟ صرف پانچ چھ محافظ کافی ہوں گے البتہ عبداللہ بطور راہبر ضرور ساتھ ہو گا۔“

عبداللہ پہلے بھی بادیر میں قبائل کی طرف جاتا رہا اور صحرائی راستوں سے بخوبی آگاہ ہو گیا تھا۔ جمعی اس کی رفاقت ضروری سمجھی گئی۔ ویسے بھی ابن حرب کا غلام امدام معاملات میں اکثر شریک رہتا تھا۔

خلیفہ مقتصد کے سفر آخرت کی خبر نے ایک عجیب سی کیفیت پیدا کر دی تھی شہزادی نجم اور ابن حرب کی کیفیت میں سردار نعمان کے ساتھ اپنے مضرب (سراپردہ) میں آئے۔ معنی نے دیہ سے رخصت

طلب کی۔ دو بڑے مضطرب، بڑا بے چین نظر کر رہا تھا مگر یہ بے چینی خاکہ کے لیے نہیں، کسی اور کے لیے تھی۔

اواخر المذاقات میں شہزادی نے سردار نعمان کو بتایا کہ امام نے نئے سن بھری میں شام پر بڑے حملے کا منصوبہ بنایا اور اُسے ہدایت کی ہے کہ صحرائی قبائل کا دورہ کرے تاکہ وہ بڑے حملے کے لیے تیار ہوں۔ اس کا خیال ہے، مقتصد کی وفات کے بعد امام اس حملے میں جلدی کریں گے۔ وہ ابن حرب، اپنے غلام معنی، عبد اللہ اور چند محافظ شتر سواروں کے ہمراہ پرسوں قبائل کے دورے پر چلی جائے گی اور تقریباً دو ماہ کے بعد لوٹے گی۔ اس عرصے میں نعمان کو بھی شام پر حملے کی تیاری کرنا چاہیے۔ واپسی پر وہ اُس کے ساتھ ایک اہم معاملہ طے کرے گی۔

نعمان کے دل میں اضطراب نے لہری لہری کرنا شروع کی تھی۔ اُس کے ساتھ کیا معاملہ طے کرنا چاہتی ہے تجسس کے لمبے میں بولا۔ ”آپ نے معاملے کی بات کہہ کر مجھے کچھ مضطرب کر دیا ہے۔“

”سردار نعمان، تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ متوجہ نہ ہو سکی اور طرفی نہیں بھولتا۔ اسی سے تھی۔“ تمہاری پریشانیوں ہم نے اٹھائی ہیں۔ ہم تمہاری ایک فرمائش پوری نہ کر سکے مگر خاکہ کو صحرائی قبائل کی آنکھ کا ستارہ بنا دینا چاہتے ہیں۔ بس اس کے علاوہ ہم فی الحلال کچھ نہیں بنا سکتے قبائل کے دورے سے واپس آئیں گے تو تم سے بات کریں گے۔“

سردار نعمان معاملے کی نوعیت سمجھ گیا تھا لیکن کچھ مزید جاننے پر اصرار نہ کیا۔ صرف اپنی گردن جھکا دی۔ ”مجھے آپ کے کسی حکم سے انکار نہیں ہو گا۔“

شہزادی نجم دل ہی دل میں مطمئن تھی کہ اُس کی بات سے انکار نہیں کرے گا اور وہ انکار کر بھی نہیں سکتا تھا پھر بھی اُس نے معنی کے بارے میں کوئی بات کرنا مناسب سمجھی، نہ اُسے بھی قرطبی کی وہ تحریر دکھائی جو ساتھ لے کر آئی تھی۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ اپنی منگنی دنت پر کھولے گی۔

سردار نعمان کنوئیں رنگ امیدوں کے ساتھ رخصت کر دیا اور خود بھی خواب گاہ میں پہنچی جہاں ابن حرب چسپ چاپ بیٹھا بغداد کے خیالوں میں گم تھا۔ وہ مقتصد کی وفات کے بعد بھی اُس شہر میں داخل نہیں ہو سکتا تھا لیکن دل میں اور ذہن میں اس کے دروازے کھلے تھے اور اُن کھلے دروازوں سے گزر کر تصور طاہریہ کے قبرستان میں ایک ڈھیری کو دیکھ رہا تھا۔ وہ ڈھیری اُس کی ماں کی تھی۔

نجم اہل نے محسوس کیا کہ وہ بغداد کی یادوں میں کھویا ہوا ہے مگر اسے طاہریہ کے قبرستان سے نکال کر صحرائی لے آئی جو نجم کے خواب کی طرح اپنے کناروں تک ایک انقلاب سے گزر رہی تھی۔

تھا۔ ابن حرب خواب کے سے لہجے میں کہنے لگا۔ ”نجم! مجھے معتقد کی موت پر افسوس ہوا ہے میں چاہتا تھا وہ اس وقت مرے، جب میں کوئی بڑی فتح حاصل کروں۔“

”اگر معتقد نہیں تو اس کا جانشین کتنی عن قرب تمہاری بڑی فتح کی خبر سن لے گا۔ ایک بڑی جنگ ہونے والی ہے ہم اسی جنگ کا پیغام لے کر صحرائی قبائل کا سفر کرنے والے ہیں۔“

وہ اُسے بڑی جنگ کے ساتھ بڑی فتح کا منظر دکھائی دیکھ رہا تھا لیکن رُجائے اُس کا ذہن کہاں اُبلھ کے رہ گیا تھا۔ اُس نے بوں سرگوشی کی جیسے ہوا ہولے سے سرسرا کر گزر جائے۔ ”نجم! آدمی کتنی ہی جگہیں لڑے اور کتنی ہی فتوحات حاصل کرے، اس کا انجام ہر حال موت ہے۔“

شاید یہ معتقد ابو عباس کی وفات کا اثر تھا جو عباسیہ کی شوکت و ہیبت کو واپس لے آیا اور ”سفاخ ثانی“ کہلاتا تھا لیکن موت اُسے گھسیٹ کر لے گئی تھی۔ بہر حال جب تک آدمی زندہ رہتا ہے خواہشیں بھی اُس کے ساتھ ساتھ چلتی ہیں اور شہزادی نجم کو شمش کر رہی تھی کہ اُس کے اُبلھے ہوئے ذہن کو اپنی صحرائی ریاست میں واپس لے آئے۔ آخر وہ صحرائیں واپس آگیا اور نجم العیل سے قبائلی سرداروں کے بارے میں بات چیت کرنے لگا۔ جنہیں وہ بڑی جنگ کا پیغام دینے جا رہے تھے



تیسرے دن ان کا مختصر سا قافلہ قبائل کے سفر پر روانہ ہو گیا۔ اس سفر میں سوڈانی کنیز عنبر شہزادی کے ساتھ محل میں سوار تھی۔ معنی اپنے پانچ شترسواروں کے ساتھ حفاظت پر مامور تھا اور اس روز سے جب خلیفہ معتقد کے انتقال کی خبر سن کر دم بخود سا رہ گیا تھا، بہت بدلا ہوا اور

خوش دکھائی دے رہا تھا جیسے اس کے دل سے کوئی بوجھ اُتر گیا ہو۔ عبداللہ راہنما کی حیثیت سے قافلے کے آگے آگے تھا۔ بنی کلب سے شمال کی جانب پہلا قیدیہ تین یوم کی مسافت پر تھا۔ عبداللہ اُس کے راستے سے راقف اور پٹاؤ کے مقامات سے بھی آگاہ تھا۔ ابن حرب اپنے گھوڑے پر سوار اگرچہ محل کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا لیکن کچھ ایسا بے چین نظر رہا تھا جیسے اپنا آپ کہیں بنی کلب ہی میں چھوڑ آیا ہو۔

قافلے کے ہمراہ تین ادرنٹ فالتو تھے۔ شاید ”فالتو“ کا لفظ مناسب نہ ہو ان پر کوئی فرد سوار نہ تھا، البتہ خوراک، پانی کا ذخیرہ اور سفری نیچے لادے ہوئے تھے۔ پورے بدرنے کی بجائے چند خاص محافظوں کے ساتھ اپنے کام مقصد ہی پر تھا کہ تیز سفر کیا جائے۔ دوپہر کو بھی ایک جگہ مختصر

پڑاؤ ڈالا گیا۔ صرف ایک پہر کے قیام کے بعد سفر پھر شروع ہو گیا مگر یہ عجیب بات ہوئی کہ ابن حرب جہادویہ شام کے ہلاکت آفرین حلقوں سے گزر چکا تھا، ایک عام صحرائی سفر کرتے ہوئے مشکل محسوس کر رہا تھا۔ شام سے تھوڑی دیر پہلے اس کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی اور صحرا کے حاشیہ پر ایک ایسے میدان میں پڑاؤ ڈال دیا گیا جہاں بھول اور کیکر کا ایک جنگل دور تک پھیلا تھا۔ اُس جنگل کے ایک گوشے میں تین نیچے نصب کیے گئے۔ ایک سفری خیمہ ابن حرب، شہزادی نجم اور عنبر کے لیے، دوسرا چھوٹا خیمہ محلی اور عبداللہ کے لیے، تیسری چھوٹا داری پانچوں شترسواروں کے لیے جنہیں دو دو کی لڑکیوں میں باری باری جاگنا اور پہرہ دینا تھا۔ معنی، ابن حرب کی طبیعت بگڑنے پر پریشانی نظر آنے لگا لیکن عبداللہ جو اپنے مالک کے مزاج کو سمجھتا تھا، کہنے لگا۔ ”راستہ بھر پوری نیند لینے سے طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔“

سفری نیچے میں جو کاپانی پیتے اور لیٹر پر لیٹنے سے ابن حرب کی حالت کچھ بہتر ہو گئی۔ لیکن ذہن اور جسم پر ایک ایسی غمزدگی طاری ہو رہی تھی جتنی باوڈیہ شام کے سفر میں طاری ہوئی تھی، اور وہ اپنے گھوڑے کی گردن پر ڈھکے گیاتھا۔ سوچا شاید اُسے ٹوٹ گئی یا پھر دورانِ تلک کی یہ خوابی مصلحت کیے دے رہی تھی۔ خلیفہ معتقد کے انتقال کی خبر سننے کے بعد ذہن میں بار بار بغداد کے دروازے کھلتے تھے اور جسم میں ایک عجیب سی بے چینی سنسنائے لگتی تھی جس کا کوئی نام نہیں تھا۔ اسی بے چینی نے اُسے دریا میں پریشان دکھایا اور عبداللہ کا یہ خیال صحیح تھا کہ نیند ہی اس کی بیماری کا اصل علاج ہے۔

صحرائی خشک ہوا اپنے لگتی تھی۔ آسمان پر چاند روشن ہو گیا تھا اور اس کی روشنی سفری نیچے کے جالی دار غرنے سے اندر جھانک رہی تھی۔ جہاں شہزادی نجم اور عنبر اُس کی دیکھ بھال میں مصروف تھیں تاکہ وہ جلد سو جائے۔ عنبر کی انگلیاں اُس کے سر کے بالوں اور گردن کے پٹھوں پر اس طرح حرکت کر رہی تھیں کہ جلد ہی غمزدگی کی چادر نے اُسے گھانپ لیا اور وہ گہری نیند سو گیا۔

دن بھر کا تھکا ماندہ عبداللہ بھی اپنے نیچے میں بے سدھ پڑا اور آٹے لے رہا تھا لیکن معنی ابھی تک جاگ رہا۔ اور ایک عجیب سی وحشت محسوس کر رہا تھا۔ رات اپنے دوسرے پہر سے گزر رہی تھی۔ اُس کا خیال بار بار کبھی ابن حرب اور کبھی شہزادی نجم کی طرف دوڑتا تھا۔ پریشانی کی حالت میں مزید غما کر اٹھا اور باہر آگیا۔ باہر چاندنی صحرائیں کھیت کر رہی تھی اور جنگل میں بھول اور کریک شایخوں سے چھن چھن کر زمین پر لہر پائیں رہی تھی چاندوں طرف رات کا سا ناٹا طاری تھا۔

اس سلسلے میں اس نے ابن حرب اور شہزادی نجم کے سفری چیمے کا پیکر لگایا۔ ایک جگہ تک
 کر اور چیمے کی دیوار سے کان لگا کر سن گئی۔ اس نے اس کی کوشش کی۔ اندر سانسوں کی آمد و رفت کے سوا
 کچھ کوئی آواز نہ تھی۔ سب سو رہے تھے۔ معنی نے بھی اطمینان کا سانس لیا۔ آج رات گہری نیند ہی
 ابن حرب کی دوا تھی۔ پھر وہ دبے پاؤں تاکہ کسی کی نیند میں خلل واقع نہ ہو۔ جھپول دہری کی طرف
 ہولیا۔

اس کی طرح تینوں شہزادوں بھی (کیوں کہ دو بڑے اور چھ دو پرہیز پرست تھے) ابھی تک
 جاگ رہے تھے۔ جو بھی وہ اندر داخل ہوا تینوں اٹھ کر بیٹھ گئے۔ معنی نے اطمینان کا اظہار کیا کہ
 ابن حرب، شہزادی نجم اور غنیمتیں سو رہے ہیں۔ یہ اطلاع دے کر بڑا بے چینی سا جھپول داری
 سے نکل گیا۔ آسمان پر چمکنے والا چاند اس کی بے چینی کو دیکھ رہا اور حیران تھا کہ وہ کیا چاہتا ہے؟
 اچانک معنی سفری چیمے کے عقب میں نمودار ہوا۔ ایک آن کے اندر سے تیز دھار کا نچر نکلا،
 بڑی آہستگی مگر پھرتی سے پار چاتی دیوار چاک کی اور بجلی کی طرح چیمے کے شکاف سے بے آواز اندر
 گھس گیا لیکن چیمے میں وہ متنازعہ داخل نہیں ہوا۔ اُس کے پیچھے چیمے میں شہزادوں بھی نیند سے تھامے
 داخل ہوئے۔ اس اثناء میں معنی ابن حرب کے قریب پہنچ چکا تھا۔ دوسرے ہی لمحے اس کے نیرے
 کانوک دار اور تیز چل ابن حرب کی گردن میں اتر گیا۔ حملہ اس قدر اچانک اور ناگہاں ہوا تھا کہ اسے
 سنبھلنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ آنکھ موت کی بجلی کے ساتھ کھلی تو غرنے سے آنے والی مدھم سی
 روشنی میں معنی کو پہچان لیا جس کا نیرہ بدستور گردن میں گھیا ہوا تھا مگر ان شہزادوں کو نہ دیکھ
 سکا جو شہزادی نجم اور غنیمت کے سروں پر پہنچ گئے تھے۔

ابن حرب کی گردن سے خون چھوٹ رہا تھا۔ حلق سے خرخراہٹ کی آواز نکل رہی تھی اور
 معنی جس نے گردن پر نیرے کا پورا دباؤ ڈال رکھا تھا۔ اس سے مخاطب تھا۔

”ابن حرب! اگر تم عیش کی کا دواں سرائے میں سردار ملک کی تلوار سے بچ گئے تھے تو
 اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ صحرا میں میرے نیرے سے بھی بچ جاؤ گے۔ معتمد ابو عباس بے شک
 فرت ہو گئے لیکن اب تمہارا سر خلیفہ مکتفی کے قدموں میں ڈال دیا جائے گا۔“

معنی کی آواز کانوں میں بڑی تو شہزادی نجم ایل برہڑا کر ابھی مگر جو منظر دیکھا وہ اس قدر
 بھانک تھا کہ مارے دہشت کے حلق سے تیغ نکل گیا اور فخر تھرائی آواز میں چلائی۔ ”معنی! یہ تم
 نے کیا کر دیا ملک حرام؟“

معنی نے اُس کی طرف دیکھا اور دو شہزادوں نے شہزادی کو پکڑ کر بے بس کر دیا۔ یہی ملک
 غنیمت کے ساتھ کیا گیا اور اُس کی تیغ بھی گلے میں دبا دی گئی۔ معنی نے بے بسی شہزادی سے کہا۔
 ”مگر آؤ نہیں نجم ایل! تمہیں زندہ بغداد لے جاؤں گا۔“

ابن حرب خون میں لت پت بستر پر ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ طاقت زائل ہو رہی تھی۔ اچانک
 مہربانے کھی تلوار ہاتھ آگئی۔ اپنی زائل ہوتی طاقت کو سنبھالا اور اس وقت جب معنی نجم ایل
 کی طرف متوجہ تھا رپڑی وحشت کے ساتھ تلوار اس کی ٹانگ پر چلا دی۔ وار اتنا کاری تھا کہ تیز
 دھار کا لوہا گلے کی چپنی کو کاٹتا ہوا نکل گیا اور وہ دھڑام سے فرش پر گر گیا۔ نیزہ بھی ہاتھ سے
 چھوٹ گیا۔ لیکن نیرے کا پھل اپنا کام کر چکا تھا۔ معنی کے گتے ہی ابن حرب کی گردن ٹھٹھکی
 اب کوئی آواز نہ تھی، کوئی خرخراہٹ نہ تھی۔ بستر پر خون میں لت پت ایک بے جان لاش پڑا تھا۔
 معنی بھی اپنے ہی خون میں بھیگ رہا تھا۔ ٹانگ کٹ جانے سے ساری طاقت جواب دے
 گئی اور غشی سی طاری ہونے لگی۔ اس حالت میں اُس نے شہزادوں کو حکم دیا کہ شہزادی اور غنیمت
 کو باندھ لیں۔ ابن حرب کا سر کاٹ لیں، اُسے سنبھالیں اور وہاں سے نکل چلیں۔

تینوں شہزادوں نے شہزادی اور غنیمت کے ہاتھ پاؤں باندھنے لگے۔ اگرچہ وہ مزاحمت کر رہی
 تھیں لیکن ان کی مزاحمت بے کار ثابت ہو رہی تھی۔ اچانک چیمے کے شکاف سے عبداللہ چھپ چکا
 اندر داخل ہوا اور اتنے ہی ایک شہزادوں کی گردن اڑا دی۔ دوسرا شہزادی کو چھوڑ کر ابھی نیزہ اٹھا
 رہا تھا کہ عبداللہ نے اُسے ہی ٹھکانے لگا دیا۔ وہ ابن حرب کی لاش دیکھ کر ہلکا ہوا اور کسی
 کو زندہ چھوڑنے پر تیار نہ تھا۔

تیسرا شہزادہ جو غنیمت کو باندھ رہا تھا۔ نیزہ اٹھا کر چھپ پڑا۔ عبداللہ نے تلوار سے اس
 کے نیرے کا بانس کاٹ دیا۔ وہ شکاف کی طرف بھاگا کر چیمے سے نکل جائے مگر عبداللہ نے عقب
 سے ایسا دار کیا کہ سر کے دو ٹکڑے کر دیے۔ پھر بے ہوش معنی کی طرف متوجہ ہوا اور اُسے رت سے
 جکڑ دیا۔ وہ شہزادی نجم اور غنیمت کی چپنی سن کر خطرے کو پہچان گیا اور گریہ پا اندر آیا تھا۔ اس نے
 اپنی ہوشیاری اور انتقام کی وحشت سے یہی دشمن موت کے گھاٹ اتار دیے لیکن دواچی باقی
 تھے۔ معنی کو شہزادی اور غنیمت کے سپرد کر کے وہ شکاف ہی کے رستے ان کی تلاش میں نکلا۔
 شاید یہ بھی تقدیر کی چال تھی کہ جو چیمے سے باہر آیا اس نے دونوں پرے داروں کو
 دیکھ لیا۔ ایک صحرا کی جانب سے دوسرا جنگل کی آوٹ سے نکل کر پڑاؤ کی طرف آ رہے تھے۔ غالباً

ان کے نزدیک معاملہ ختم ہو چکا تھا اسباب انھیں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ وہاں سے فرار ہونا تھا
عبداللہ دین نیچے کی اوٹ میں دیکھ گیا۔ شہزادی نجم، اختر اور اس کی اپنی زندگی کا انحصار ان دونوں
کی موت پر تھا۔

جنگ کی اوٹ سے نکلنے والا پھر سے دابہ پہلے پڑاؤ میں پہنچا اس نے جھول داری میں جھانک
کر دیکھا، جو خالی پڑی تھی پھر سفری نیچے کی طرف بڑھا۔ ابھی نیچے کے اندر کی صورت حال کا جائزہ لے
رہا تھا کہ عبداللہ نے اوٹ سے نکل کر ناگہان وار کیا اور وہیں دھیر ہو گیا۔ صحران کی جانب سے آنے
والے پھر سوار نے وادی سے اپنے ساتھی کا حشر دیکھ لیا اور غالباً یہ بھی بھانپ گیا کہ بساط الٹ
گئی اور بادیات ہو چکی ہے۔ وہیں سے اونٹوں کی طرف بھاگا۔ عبداللہ کو اب صرف اسی سے
نمٹنا تھا نیزی سے اس کے پیچھے لپکا لیکن وہ اونٹ پر سوار ہونے اور اسے بگاڑنے جانے میں
کامیاب ہو گیا۔ اس کا تعاقب بے کار تھا۔ عبداللہ کھڑا دیکھتا رہا۔ جب چاندنی میں اس کا سہمی
نظروں سے اوجھل ہو گیا تو نیچے کی طرف پلٹا۔

شہزادی نجم اور اختر کی حالت ابھی تک غیر تھی۔ ابن حرب کی موت کا سانحہ اتنا لرزہ خیز تھا کہ
انھیں اپنی نرسو نہیں رہی تھی۔ البتہ چار دشمنوں کو تلوار کے گھاٹ اتار کر عبداللہ کچھ سنبھل گیا اور
انتقام کی آگ کچھ ٹھنڈی ہو گئی تھی۔ اس نے شہزادی اور نیزی کو بھی کھجلیا کہ جو کچھ ہاتھ سے لکھ گیا ہے
وہ واپس نہیں آسکتا مگر جو کچھ موجود ہے اس کی حفاظت ضروری ہے۔

ان الفاظ نے دونوں کو چونکا دیا۔ معنی ابھی تک بے ہوش تھا۔ اس کی بے ہوشی عبداللہ کی
ٹھوکر سے لڑی جو سر پر پڑی تھی۔ کئی ہوئی ٹانگ کے زخم پر خون لوتھروں کی صورت جم گیا اور اسی
انجام دہن سے اس کا جویاں بھی بند ہو گیا تھا۔ ہوش آیا تو اپنے تینوں ساتھیوں کی لاشیں دیکھ کر
بہر اس ہو گیا۔ عبداللہ نے تہایا۔ ”چوتھی لاش باہر پڑی ہے لیکن تمھارا پانچواں شہزاد سوار بھاگ نکلا۔“
شہزادی نجم نے معنی کو نفرت سے دیکھا اور کہا۔ ”تم جھوٹے اور باطل پرست تھے۔ کوئی باطل
جوئے شے قطعاً حیل (اور باطل کی ایک دور ہوتی ہے پھر وہ نڈھال ہو جاتا ہے)“
معنی نے جو بکڑا ہوا اور دوسرے تڑپ رہا تھا جواب دیا۔ ”شہزادی نجم! مجھے اپنے
انجام کی پروا نہیں جو کچھ میرے ساتھ ہونے والا ہے وہ میں جانتا ہوں لیکن باطل پر میں نہیں۔“
فراموشی انھوں نے ہمدی کی حدیث کو غلط معنی پہنائے ہیں۔“

پھر اس نے خاموشی اختیار کر لی اور کسی سوال کا جواب نہ دیا۔

نجم البیل خود صدمے سے نڈھال تھی۔ اس کے سر کا تاج زمین پر گر گیا تھا۔ ابن حرب
کی خون آلود لاش ڈھانچ دی گئی تھی مگر وہ اپنے دل کے زخموں کو نہ ڈھانچ سکی اور عبداللہ
نیچے کے دروازے پر تیغ بکھڑا تھا کہ خلیفہ معتمد اور ابن حرب ایک دوسرے
کے دشمن تھے اور دونوں آگے پیچھے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ایک بغداد میں موت کے سامنے
ہار گیا۔ دوسرا صحرا میں پھر جعفر نجفی کے الفاظ یاد آئے۔

”موت“ ہر آدمی پیچھے لگی ہوئی اور بے آواز قدموں سے اس کا تعاقب کرتی ہے۔“
عبداللہ کو بھل آیا۔ شاید ان الفاظ میں جعفر نے اشارہ دیا تھا کہ موت معنی کی صورت میں
ابن حرب کے پیچھے لگی ہوئی اور بے آواز قدموں سے اس کا تعاقب کر رہی ہے۔ مگر کوئی بھی اشارہ
نہ سمجھ سکا۔



دوسرے روز عبداللہ اُجڑے ہوئے قافلے کو لے کر بنی کلب میں لوٹ آیا جس محل میں شہزادی
نجم البیل سوار ہو کر نکلی تھی۔ اس میں ابن حرب کی لاش واپس آئی اور بنی کلب میں ایک گھسٹرا
پیدا ہو گیا۔

اسی وقت ایک تیز رفتار قاصد آقا حسین کے صحرائی مسکن کی طرف دوڑا دیا گیا اور ابن حرب
کو پیش آنے والے حادثے کی اطلاع دی گئی۔ یہ پیغام بھی بھیج دیا گیا تھا کہ تدفین کے لیے امام کا
انتظار ہے۔ دوسرے روز نجفی قمر علی، آقا حسین اور فلسطینی سرائے دار سلمان بن عامر اپنے اخوان
درعیوں، اور فدائیوں کے ہمراہ جن میں رضا خاں بھی تھا بنی کلب میں پہنچ گئے۔ انھوں نے
سوگوار نجم البیل سے تعزیت کی جس کے چہرے کی رونق اجڑ گئی تھی۔ سلمان بن عامر بھی اپنے
جنگ جُود دوست کی وفات پر بے حد اداس تھا۔ اسی شام ابن حرب کی میت بنی کلب کے
قبرستان میں دفن کر دی گئی اور دوسرے دن تعزیت گزار لوٹ گئے۔

یہی قمر علی جانے سے قبل فیصلہ دے گیا تھا کہ معنی کو شہر پر چڑھایا جائے چنانچہ
ابن حرب کی تدفین کے تیسرے روز اسے شہر پر لٹکا دیا گیا اور وہ شہر پر پڑ گیا۔ نجم البیل کو
انصاف کی وجہ سے ضرب سے باہر نہیں لکھی تھی۔ اس کی طرف سے تمام کام عبداللہ سرانجام دیتا
تھا سو ڈانی کینز اختر اب اس کی حاضری میں رہتی اور اس کی خدمت کرتی تھی۔ وہ ابن حرب

کچھ کہا تھا وہ لفظ بہ لفظ اور حرف بہ حرف اسی طرح پورا ہوا۔ البتہ جعفر بخمی ان واقعات کے بعد خود
کئی سال تک زندہ رہا اور اُس کی آنکھوں نے دنیا کے کئی انقلاب دیکھے۔
وہ بغداد کے محلے خیزمان کی اسی چوٹی میں مقیم تھا جو ابن حرب کا غلام عبداللہ اُسے سونپ
گیا تھا اور مرنے کے بعد بھی اُسی کے صحن میں دفن ہوا۔

(ختم شد)



کا منور کردار تھی اور عبداللہ ہی اپنے مالک کی جملہ املاک کا وارث تھا۔
معنی کی یہ بات غلط ثابت ہوئی تھی کہ وہ دستہ الجندل میں بھی تھا تھا۔ بعد ازاں رضائیل کی
اطلا سے پتا چلا کہ اس کی دونوں بیوریاں زندہ تھیں اور تہن پہنچے بھی موجود تھے۔

شام پر کیے جانے والے حملے "کڑی ساعت" اور "ظہور ثانی" کے بارے میں شہزادی نجم نے
جو کچھ سوچا اور جو نتیجہ اخذ کیا تھا، وہ بھی درست نہ نکلا۔ ۲۹۰ ہجری میں جب قبائلی عقیدہ پرستوں
نے شام پر حملہ کیا اور دمشق کا ایک بااثر شخص ذوال دیا تھا تو نوٹوں فوج طلح بن جف کی مدد کو پہنچ گئی تھی
ان لڑائیوں میں بھی قمری پر "کڑی ساعت" آگئی اور وہ جنگ میں ہلاک ہو گیا۔ عقیدہ پرستوں نے
اگرچہ شام کے قصبات کو تاخت و تاراج کر دیا تھا تاہم قمری کی ہلاکت کے ساتھ ہی انھیں شکست و
مردادی کا سامنا کرنا پڑا۔ بہت سے لوگ مارے گئے اور بقیہ السیف آقا حسین کے صوفائی مسکن میں پہنچے
جہاں اس کی بیعت کی گئی اور اُس نے اپنا لقب "مدی میر المرین" رکھا۔

آقا حسین اگرچہ قمری جماعت کا دوسرا امام تھا جس نے قبائل کی زبردست جمیعت فراہم کر کے
دمشق سے حلب تک خون بریزی کی اور کئی قلعے فتح کیے لیکن وہ تحریک قرامطہ کا "ظہور ثانی" نہیں تھا۔ نہ
قمری ریاست قائم کر سکا۔ اس کی صوفائی قوت نے شامی اور مصری فوجوں کو ضرور روند ڈالا مگر جب
شام میں طوائف الملک برپہ ہوئی تو خلیفہ علی المکتفی نے قرامطہ کی سرکوبی کے لیے عباسی لشکر روانہ کیا مگر جن
نے شدید لڑائیوں کے بعد قمری عقیدہ پرستوں کو شکست دے دی اور حسین بن قمری اسیر و
ہلاک ہو جیسے مابقی میں جعفر بخمی کے حوالے سے بیان کیا جا چکا ہے۔

جعفر کی پیش گوئی میں جماعت کے "دوسرے دور" یا "دوسرے ظہور" کے بارے میں جو
الفاظ استعمال کیے گئے تھے، اُن سے مراد دراصل قمری تحریک کا دوسرا حلقہ تھا، جو ابو سعید جہانی کی
قیادت میں ابھرا اور جس نے تحریک سے چنانچہ ایک وسیع علاقے پر اپنی حکومت قائم کر لی۔
یہ کمافی خلیفہ معتضد ابو عباس اور ابن حرب الکندی کی پُر اسرار کش مکش سے شروع ہوئی
تھی اور انہی دونوں کی وفات پر ختم ہو جاتی ہے لیکن یہ بتا دیتا بھی ضروری ہے کہ ابن حرب کی وفات
کے فطوے سے بعد شہزادی نجم امیل بھی دیتا سے چل بسی اور وصیت کے مطابق ابن حرب کے بیٹے
میں دفن ہوئی مگر جیسا حوادث زمانہ کا دستور ہے دنیا میں تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں تو بہت کچھ فنا
ہو جاتا ہے اسی طرح حوادث کی آندھیوں نے ان دونوں کی قبریں بھی نیست و نابود کر دیں اور غلب
بھی اس علاقے سے رخصت ہو گئے۔ نیز باریک بین خاوریہ او علی المکتفی کے متعلق جعفر بخمی نے جو